# مقالات سیرت

## اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے
## تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

مقالات سیرت

اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

2016ء/1438ھ


طبع اول : نومبر 2017ء/صفر المظفر 1439ھ

تعداد : 1000

جمع، ترتیب، تدوین و نظر ثانی:

- جناب نور سلم شاہ، ڈائریکٹر جنرل، شعبہ تحقیق و مراجع
- جناب سید مشاہد حسین خالد، ڈائریکٹر
- جناب صاحب رضا حسنین کھرل، ڈائریکٹر
- جناب انعام الحق، ڈپٹی سیکرٹری / ڈائریکٹر
- جناب حافظ عبد القدوس، ڈپٹی ڈائریکٹر
- جناب ڈاکٹر محمد علی، ریسرچ آفیسر (سیرت)
- محترمہ اقصیٰ مختار، اسسٹنٹ ڈائریکٹر
- محترمہ عائشہ اعجاز، اسسٹنٹ ڈائریکٹر
- جناب محمد خلیق، اسسٹنٹ ڈائریکٹر
- جناب محبوب عثمان، اسسٹنٹ ڈائریکٹر

ناشر : وزارت مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی، اسلام آباد

مطبع : یونیک ویژن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# فہرست مشمولات

## مقالات سیرت 2016ء


جناب سردار محمد یوسف، وفاقی زیر برائے مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کا پیغام .....

جناب پیر محمد امین الحسات شاہ، وزیر مملکت برائے مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کا پیغام.....

پیش لفظ از جناب خالد مسعود چوہدری، سیکرٹری وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگ.....

1- ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، کراچی .....

2- ڈاکٹر سعید احمد صدیقی، کراچی.....

3- محمد جنید انور، ہزارہ .....

4- ظفر اقبال، راولپنڈی .....

5- ڈاکٹر عبد الغفار، بہاولپور .....

6- محمد عبد المتعالی نعمان، کراچی .....

7- شبیر احمد انصاری، کراچی .....

8- محمد الیاس خان، پشاور.....

9- قاضی تنزیل الرحمن، ہری پور .....

10- ڈاکٹر عبد العلی اچکزئی، کوئٹہ .....

11- مفتی حافظ محمد رفیق، کوئٹہ .....

12- ڈاکٹر نور حیات خان، اسلام آباد .....

13- ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری، اسلام آباد.....

14- بشریٰ اکرام، اپر دیر .....

15- ڈاکٹر ثمینہ سعدیہ، لاہور .....

16- سارہ نور، اسلام آباد .....

17- میمونہ یاسمین، راولپنڈی .....

18- انیسہ فرزند، لاہور .....

19- ڈاکٹر فرحت عظیم، کراچی .....

20- صالحہ عثمان غنی عالم، کراچی .....

21- حمیرا گل، ہری پور .....

22- صباخان، ہری پور .....
23- حافظہ ذکیہ نذیر، کوئٹہ .....
24- طاہرہ فردوس، کوئٹہ .....
25- پروفیسر شاہین کوثر، آزاد کشمیر .....
26- زہرہ بتول، مظفر آباد .....

# پیغام

## جناب سردار محمد یوسف

## وفاقی وزیر، مذہبی اُمور و بین والمذاہب ہم آہنگی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

اسلام ایک آفاقی اور فطرت پر مبنی دین کی حیثیت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی شخصیت کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ کی رحمت صرف اپنوں ہی کے لئے خاص نہ تھی بلکہ سب کے لئے عام تھی۔ آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے حقوق، اُن کی مذہبی، قانونی اور عدالتی آزادی کو میثاق مدینہ کے ذریعے اُس وقت تسلیم کیا تھا جب کہ اس طرح کے حقوق کو تسلیم کرنے کا دنیا میں سرے سے کوئی تصور ہی نہ تھا۔ محسنِ انسانیت کی تعلیمات محبت، امن و سلامتی، صبر و برداشت، مذہبی رواداری، احترام انسانیت اور مفاہمت جیسی اعلیٰ اوصاف پر مبنی ہیں۔

معلمِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کی اہمیت کے پیش نظر وزارت مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی، نبی کریم ﷺ کی سیرت و تعلیمات کے فروغ و اشاعت کے لئے مختلف اقدامات کرتی رہتی ہے۔ جیسے ہر سال مقابلہ کتب سیرت و نعت اور 12/ ربیع الاول کو قومی یا عالمی سطح کی سیرۃ النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد وغیرہ اسی سلسلہ میں کی جانے والی کوششیں ہیں۔ ہر سال سیرۃ النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد قومی سطح پر کیا جاتا تھا جبکہ اس سال ۲۰۱۶/۱۴۳۸ھ میں سیرت کانفرنس کا انعقاد بین الاقوامی سطح پر کیا گیا، جس میں دنیا کے معروف مسلم اور غیر مسلم مذہبی رہنماؤں نے شرکت فرمائی۔ اس طرح کی کانفرنسوں میں مسلم اور غیر مسلم اسکالرز کے باہمی میل جول سے اختلافات کو بھی کم کرنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع فراہم ہوتا ہے اور مذہبی ہم آہنگی و رواداری کے حوالہ سے بھی اس کے خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں جو کسی بھی معاشرے میں پُر امن بقائے باہمی کے فروغ کے لیے بے حد ضروری ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑے سے بڑے گھمبیر مسائل کا حل بھی افہام و تفہیم اور گفت و شنید کے ذریعہ سے نکالا جاسکتا ہے۔ اس سال بین الاقوامی سیرۃ النبی ﷺ کانفرنس کے لئے مذہبی ہم آہنگی و رواداری کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے:

**"بین المذاہب ہم آہنگی۔۔۔۔۔اسلامی تعلیمات اور اُسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں "**

کے موضوع کا انتخاب کیا گیا۔ جبکہ مقابلہ مقالاتِ سیرت کے لئے جس موضوع کا انتخاب کیا گیا وہ

**"اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے۔۔۔تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں"** تھا اس موضوع کا انتخاب بھی ملکی اور بین لاقوامی حالات کے تناظر میں کیا گیا تھا کیونکہ کسی بھی ریاست کی ترقی وخوشحالی میں اُس کے عوام کے نظم وضبط کی پابندی کا بڑا کردار ہوتا ہے۔ جس سے کسی بھی ملک وقوم کی ترقی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ پاکستانی قوم بھی تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں مثالی نظم وضبط کی حامل بنے اور ہر طرح کی منفی سرگرمیوں سے اجتناب برتتے ہوئے وطن عزیز کی ترقی میں اپنا مثبت اور بھرپور کردار ادا کرے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کی اعلیٰ وارفع تعلیمات کی روشنی میں اپنے روز وشب بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وزارت مذہبی اُمور وبین المذاہب ہم آہنگی کی سیرت مطہرہ کے پیغام کو عام کرنے کے حوالہ سے کی جانے والی کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

***سردار محمد یوسف***
وفاقی وزیر برائے مذہبی اُمور وبین والمذاہب ہم آہنگی
اسلام آباد

# پیغام

## پیر محمد امین الحسنات شاہ

## وزیر مملکت، مذہبی اُمور و بین والمذاہب ہم آہنگی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کی مبارک محنت سے سر زمینِ عرب میں ایسا انقلاب بپا ہوا کہ لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں۔ آپ ﷺ جو پیغام لے کر آئے اور جس کا عملی نمونہ آپ ﷺ نے اپنی سیرت طیبہ میں پیش کیا، وہ تمام انسانیت کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے - پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بعد اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم تعلیماتِ نبوی ﷺ کو اس طرح سے پیش کریں کہ یہ لوگوں کے لیے اپیل اور کشش کا باعث بنے۔ ہمارا کوئی بھی عمل لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کا باعث نہیں بننا چاہیے۔ اسلام کے سوفٹ امیج یا تاثر کی نشر واشاعت ہی ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ہر طرح کی منفی سرگرمیوں سے اجتناب برتتے ہوئے اپنے معاشرے میں اخوت، محبت، برداشت، اتحاد، بھائی چارگی، مفاہمت اور رواداری کا ایک ایسا منظر پیش کریں کہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگیں۔ اسی میں ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی مضمر ہے۔

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر وزارت مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی آپ ﷺ کی تعلیمات کے فروغ و پرچار کے لیے ہر سال منعقد ہونے والی سیرۃ النبی ﷺ کانفرنس کی کاروائی اور معیاری مقالات سیرت کو کتابی شکل میں چھپوا کر ملک کی ممتاز لائبریوں اور خواہشمند افراد میں تقسیم کرتی رہتی ہے۔ اب یہ مقالات سیرت، مطالعہ کے خواہشمند افراد کے لیے وزارت ہذا کی ویب سائیٹ پر بھی دستیاب ہیں۔ اس سال ۲۰۱۶/ ۱۴۳۸ھ، مقابلہ مقالات سیرت کے لیے وزارت ہذا کی طرف سے جس موضوع کا انتخاب کیا گیا وہ ہے۔

**"اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے۔۔۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں"**

اس موضوع کو پڑھ کر ہی اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نظم وضبط کا فقدان خواہ حکمرانوں کی سطح پر ہو یا پھر عوام کی سطح پر ہو، یا پھر کسی بھی درجہ یا سطح پر ہو، اس کا خمیازہ پورے ملک وملت کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جو افراد اور قومیں نظم وضبط کی پابند ہوتی ہیں اُن کی ہر سطح پر تعریف کی جاتی ہے اور انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا

جاتاہے۔ہماری کوشش ہے کہ عصر حاضر میں اسلامی ریاست کی عوام الناس میں بھی مثالی درجہ کا نظم وضبط پایا جائے۔اسی پہلو کے پیشِ نظر اس موضوع کا انتخاب کیا گیا تھا۔وزارت مذہبی اُمور اس طرح کی کوششیں مستقبل میں جاری رکھے گی۔ان شاءاللہ۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور وزارت مذہبی اُمور وبین المذاہب ہم آہنگی کی تعلیمات نبوی ﷺ کی نشر واشاعت اور پرچار کے حوالہ سے کی جانے والی کوششوں کو کامیاب اور قبول فرمائے اور آخرت میں ہم سب کو پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔آمین۔

**پیر محمد امین الحسنات شاہ**
وزیر مملکت، مذہبی اُمور وبین والمذاہب ہم آہنگی
اسلام آباد

# پیش لفظ

## جناب خالد مسعود چودھری
## سیکرٹری، وزارت مذہبی اُمور و بین والمذاہب ہم آہنگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت ہیں۔ انسانیت کی رہنمائی کے لیے جتنے اعلیٰ وارفع اصول واقدار کی ضرورت ہو سکتی ہے نہ صرف اُن سب کی تعلیم حضور ﷺ نے دی ہے، بلکہ خود اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ اللہ رب العالمین انسان کا خالق ہے۔ اس ذات باری تعالیٰ سے زیادہ انسانی فطرت اور مزاج انسانی کو کوئی بھی نہیں سمجھتا۔ اپنے بندوں کی بہتری کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق میں سے بہترین سے بہترین جو تحفہ انسانیت کو دیا ہے وہ حضور ﷺ کی آفاقی شخصیت ہے۔ ہم اُس پیغمبر کے امتی ہیں جن کی رحمت و محبت اپنے اور غیر سب کے لیے عام ہے۔ آپ ﷺ کے لائے ہوئے نظام کا مقصد صرف امت مسلمہ کی فلاح و بہبود ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد پوری انسانیت کی فلاح و ترقی ہے۔ اب یہ ہم مسلمانوں کا انفرادی اور اجتماعی فرض ہے کہ ہم محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کو دورِ جدید میں اس طرح سے پیش کریں کہ اسلام کا اچھا امیج (تاثر) پوری دنیا میں قائم ہو اور تعلیماتِ نبوی ﷺ لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا سبب بنیں۔ تعلیماتِ نبوی کا حقیقی احیاء اور فروغ ہی وقت کا اہم تقاضا ہے۔

معلم انسانیت حضرت محمد ﷺ کے اسوہ حسنہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر، وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی حکومت پاکستان، آپ ﷺ کی حیات و تعلیمات کے فروغ واشاعت کے لیے مختلف اقدامات کرتی رہتی ہے۔ جن میں ہر سال بارہ ربیع الاول کو قومی یا بین الاقوامی سطح کی سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد ہے۔ نیز یہ کہ اس سلسلہ میں کیے جانے والے اقدامات میں مقابلہ کتب سیرت و نعت کا انعقاد بھی شامل ہے، جس میں خواتین و حضرات دونوں حصہ لیتے، جن میں قومی و علاقائی زبانوں کے علاوہ غیر ملکی زبان (انگریزی و عربی) میں بھی لکھنے والے سیرت نگار و مصنفین حصہ لیتے ہیں۔ اس مقابلہ میں ایک کیٹیگری اسلامی موضوعات پر خواتین کی کتب کے مقابلہ کی بھی ہے، جس میں صرف خواتین سکالر حصہ لیتی ہیں۔ اسی مقابلہ میں ایک کیٹیگری مقابلہ مقالاتِ سیرت کی بھی شامل ہے۔

مقابلہ مقالات سیرت کے موضوع کا انتخاب ملکی اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں کیا جاتا ہے جو کہ بعد میں آنے والی سیرت کانفرنس کا موضوع بھی بن جاتا ہے۔ اس مقابلہ میں پورے پاکستان سے خواتین

وحضرات حصہ لیتے ہیں۔ مقابلہ مقالات سیرت کے سلسلہ میں سیرت نگاران (خواتین وحضرات) کی طرف سے موصول ہونے والی معیاری مقالات کی کتابی شکل میں علیحدہ علیحدہ طبع کیے جاتے ہیں اور خواہش مند افراد کو مفت فراہم کیے جاتے ہیں۔ نیز یہ کہ اب یہ مقالات وزارت مذہبی امور وبین المذاہب آہنگی کی ویب سائٹ پر بھی استفادہ عام کے لیے دستیاب ہیں۔ سال 1438ھ / 2016ء میں سیرت کانفرنس کا موضوع مقابلہ مقالات سیرت کے عنوان سے مختلف تھا، کیونکہ اس سال بین الاقوامی سطح کی سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا تھا جس کا موضوع:

**"بین المذاہب ہم آہنگی---اسلامی تعلیمات اور اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں"**

تھا، جبکہ اسی سال مقابلہ مقالاتِ سیرت کا موضوع

**"اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے---تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں"**

مقرر کیا گیا تھا۔ اس موضوع پر وزارت کو کافی تعداد میں مقالات موصول ہوئے، ان میں سے معیاری مقالات کو شائع کر کے وزارت کی طرف سے استفادہ عام کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔

آج کی اس دنیا کو تعلیمات نبوی ﷺ کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ تعلیمات نبوی ﷺ زندگی کے ہر گوشہ میں واضح رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس دنیا کو صحیح معنوں میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات سے روشناس کرائیں۔ اسلام کے سافٹ امیج کی نشرواشاعت ہی ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ ہم ہر طرح کی منفی سرگرمیوں سے اجتناب برتتے ہوئے اپنے معاشرے میں اخوت، محبت، برداشت، اتحاد، بھائی چارگی، مفاہمت اور رواداری کا ایک ایسا منظر پیش کریں کہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگیں۔ اسی میں ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی مضمر ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کو گفتار سے زیادہ کردار وعمل کا نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ وزارت امور وبین المذاہب ہم آہنگی، حکومت پاکستان کی سیرت طیبہ کے فروغ واشاعت کے ضمن میں کی جانے والی کوششوں کو قبول فرمائے، ہم سب کو محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو فکری بے راہ روی سے بھی بچائے۔ آمین۔

خالد مسعود چوہدری
سیکرٹری
وزارت مذہبی امور وبین المذاہب ہم آہنگی
اسلام آباد

# مقالاتِ سیرت

# [[001]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
ڈائریکٹر سیرت چیئر، وفاقی اردو یونیورسٹی،
عبدالحق کیمپس کراچی

الحمدُ لله ربّ العالمين والعاقبة للمُتّقين والصّلٰوة والسّلامُ علٰى سيد الانبياء والمُرسلين وعلٰى آله واصحابه اجمعين وبعد: فقد قال الله تبارك وتعالٰى في كلامه المُبين:{كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ}(۱)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۠ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ۝۱ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَالْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ۝۲ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِـئًا وَّهُوَحَسِيْرٌ۝۴ (۲)

وقال تعالىٰ: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝۱۰۳ (۳)

وقال النبي ﷺ: {الا كلّكم راعٍ وكلّكم مسؤلٌ عن رعيته فالامامُ الأعظم الّذي علَي النّاس راعٍ وهو مسؤلٌ عن رعيته- }(۴)

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وُجود الکتاب — گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ — ذرّۂ ریگ کو دیا تُو نے طُلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام — میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پاگئے — عقل، غیاب و جستجو، عشق، حضورو اضطراب(۵)

نیّرِ تاباں، صبحِ درخشاں، سرورِ کائنات، امام الانبیاء، سیّد المرسلین، خاتم النبیین، محبوبِ رب العالمین، رحمۃ للعالمین، صاحبِ قاب قوسین، سرورِ کونین، تاج دارِ حرم، شاہِ عرب، اُمی لقب، عالی نسب، شہنشاہِ زمن، دانائے

سُبل، ختم الرُسل، مولائے کُل، مُرسلِ خاتم، صاحبِ لوح و قلم، سیّد عرب و عجم، حضرت محمد مصطفی، احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی اہلِ ایمان کے لیے سرچشمۂ ہدایت بھی ہے اور مرکزِ عشق و محبت بھی۔ مسلمانوں کا دینی، تہذیبی، سیاسی، معاشرتی نظام اور ضابطۂ حیات آپؐ ہی کے اسوۂ حسنہ پر قائم ہے اور عمل کی دنیا بھی آپؐ ہی کے احکام پر استوار ہے، معراج خیال بھی آپؐ ہی کی تعلیم اور آپؐ ہی کا پیغام ہے اور میزانِ عمل بھی آپؐ ہی کی سنت و شریعت ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب، فخر دوعالم، سرورِ کائنات، محسنِ انسانیت ﷺ کو آخری رسول، فائنل رول ماڈل اور کامل اسوۂ حسنہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپؐ کی مثالی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ ہر عہد اور ہر دور میں مسلمانوں کی قوت و رفعت کا سرچشمہ اور ان کی قومی سیرت کی تشکیل و تعمیر کا بنیادی عنصر رہا ہے کہ:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر　　وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ(۶)

اسوۂ نبویؐ کی جامعیت کے حوالے سے معروف سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں: "ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفۂ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور آپؐ کا اسوۂ حسنہ ہے، ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نُور محمد رسول اللہ ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔ اس لیے طبقۂ انسانی کے ہر طالب اور نُور ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور آپؐ کا اسوۂ حسنہ ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے، جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے، اس کے سامنے حضرت نوحؑ و ابراہیمؑ، ایوبؑ و یونسؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سب کی سیرتیں موجود ہیں، گویا تمام انبیائے کرامؑ کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی اشیاء کی دکانیں ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکیٹ) ہے، جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلب گار کے لیے بہترین سامان موجود ہے۔ "(۷) چنانچہ ایسی کامل و جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنف انسانی کے لیے ہدایت کی مثالیں اور نظیریں رکھتی ہو، وہی اس لائق ہے جو اس اصناف و انواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالمگیر اور دائمی رہنمائی کا کام انجام دے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کو دیکھو کہ اس میں نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ، سلیمانؑ اور داؤدؑ، ایوبؑ اور یونسؑ، یوسفؑ اور یعقوبؑ سب کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر سما گئی ہیں۔ "(۸) رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور آپؐ کا اسوۂ حسنہ رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور امت کے لیے لائق تقلید نمونہ ہے۔ آپؐ نے زندگی کے ہر شعبے اور بندگی کے ہر گوشے میں انسانیت کی مکمل رہنمائی کی ہے۔ آپؐ کا لایا ہوا دین اور شریعت کامل و مکمل اور مینارۂ نور ہے۔ اسوۂ نبویؐ سے ہمیں ہر دور میں رہنمائی ملتی ہے۔ یہ ہمارے ہر درد کا مداوا، ہر مسئلے کا حل اور ہر دور کی شاہ کلید ہے کہ:

نہ نکتہ ور، نہ مفکر، نہ فلسفی کے چراغ　　مرے لیے ہیں بہت اسوۂ نبیؐ کے چراغ
رخِ حیات کا غازہ ہے خاکِ پا تیری　　ہیں مہر و ماہ سے بڑھ کر تری گلی کے چراغ

مٹانے آئے ہیں، دلوں سے کدورتوں کے نقوش　　جلانے آئے، اخوت کے، آشتی کے چراغ
فدا حضورؐ کی خواہش پہ راز ہر خواہش　　نثار آپؐ کی حرمت پہ زندگی کے چراغ(۹)

**عصرِ حاضر میں موضوع کی ضرورت واہمیت:**

اسلام ایک کامل و مکمل دین اور ابدی ضابطۂ حیات ہے۔ امام الانبیاء، سیّد المرسلین، خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفی ﷺ کی شریعت، آپؐ کی سیرتِ طیّبہ اور اسوۂ حسنہ رُشد وہدایت کا سرچشمہ، مینارۂ نور اور منبع ہدایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں انسانیت کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ آپؐ کی شریعت اور آپؐ کی تعلیمات میں ہر دور کے مسائل کا حل اور ہر عہد کے چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کا جامع دستور موجود ہے۔ یہ دین و دنیا کے تمام مسائل میں انسانیت کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔ آپؐ نے جہاں عبادات، معاملات، اخلاقیات، معاشرت، تہذیب و تمدن، دین و دنیا کے مسائل میں انسانیت کی رہبری فرمائی۔ وہیں بنی نوع آدم کو جامع دستور حیات اور ابدی ضابطۂ زندگی بھی عطا فرمایا۔ جہاں دینی معاملات میں رہنمائی فرمائی۔ وہیں اصولِ جہاں بانی وفلسفۂ حکمرانی بھی عطا فرمایا۔ آپؐ نے دیانت و امانت، نظم وضبط، قانون کی حکمرانی، بے لاگ عدل، مساوات، انسان دوستی، اعلیٰ اخلاقی اور جمہوری اقدار کے فروغ، بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ، خدمتِ خلق، رفاہِ عامہ، سرکاری مناصب کے ذمّہ دارانہ استعمال نیز اس حوالے سے خود احتسابی، جواب دہی، احساسِ ذمّہ داری، فرض شناسی، دیانت و امانت کے اعلیٰ اصولوں پر عمل کی تعلیم دیتے ہوئے اسے ایک دینی و معاشرتی فریضہ قرار دیا۔ عہدِ نبویؐ، دورِ خلافتِ راشدہ، دورِ اموی، عہدِ عبّاسی اور اسلامی تاریخ کے دیگر سنہرے ادوار میں مسلم حکمرانوں نے اس حوالے سے ان مٹ اور تاریخ ساز نقوش چھوڑے ہیں۔ اسلام ہر شعبہ زندگی میں نظم وضبط اور قانون کی حکمرانی کو بنیادی اہمیت دیتا ہے، جبکہ اس کے برخلاف لاقانونیت، نظم و ضبط کی خلاف ورزی اور سرکاری منصب اور عہدے کا غیر ذمہ دارانہ استعمال خیانت، بدترین گناہ، مجرمانہ غفلت، اللہ کی ناراضی اور اس کے عذاب کا سبب گردانتا ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ دور میں نظم وضبط کے فقدان کے باعث بدنظمی، بدانتظامی، لاقانونیت ایک معمول بن چکا ہے۔ لوٹ مار، خیانت، رشوت، غیر ذمّہ داری اور کرپشن کا کلچر عام ہو چکا ہے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ مملکتِ خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کا شمار دنیا کے کرپٹ ترین ملکوں میں ہونے لگا ہے۔ اس حوالے سے حقائق انتہائی تکلیف دہ، پریشان کن اور شرمناک ہیں۔ "ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل" کی ایک تحقیقی رپورٹ اور انتہائی محتاط اعداد و شمار کے مطابق ۲۰۰۸ء میں ۳۹۰ارب، ۲۰۰۹ء میں ۴۵۰ارب، ۲۰۱۰ء میں ۸۲۵ارب، ۲۰۱۱ء میں ۱۱۰۰ارب روپے کی کرپشن کی نشاندہی کی گئی، جن معاملات کی نشاندہی کی گئی، وہ مجموعی طور پر ۲۷۶۵ارب روپے کی کرپشن کے کیسز ہیں۔ ۲۰۱۲ء کے اعداد و شمار کے مطابق ملک میں یومیہ ۱۵ارب کی مجموعی کرپشن ہوئی ہے۔ گزشتہ پانچ سالوں کے دوران بارہ ہزار چھ سو ارب کی بدعنوانی کی گئی، جو انتہائی مایوس کن صورتِ حال کی نشان دہی کر

رہی ہے۔ یہ نظم وضبط کی کھلی خلاف ورزی، بدترین خیانت، کرپشن اور مجرمانہ غفلت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ایک ایسے ملک میں جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا اور جس کا دستور قرآن و سنت کی اساس پر مبنی ہے۔ یہ چشم کشا اور شرمناک حقائق ہمارے نظامِ سیاست اور حکمرانی کے کھوکھلے پن اور بدترین کرپشن کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ جبکہ انتظامی امور میں غفلت برتنے اور سرکاری مناصب و ذرائع کے غیر ذمّہ دارانہ استعمال کے اعداد و شمار کا احاطہ ممکن نہیں۔ ایسے حالات میں اور اس تناظر میں موضوع کی اہمیت بدرجہا بڑھ جاتی ہے۔ ملک سے لوٹ مار، خیانت، دھوکہ دہی، کرپشن، سرکاری مناصب و ذرائع کے غیر ذمّہ دارانہ استعمال کے سدباب کے لیے اور ہر شعبۂ زندگی میں "نظم وضبط" کے قیام کے لیے ہمیں اپنے دین اور اپنے ہادی، معلمِ انسانیت، حضرت محمد ﷺ کی مثالی تعلیمات اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ سے رہنمائی لینی ہوگی۔ آپؐ نے حکمرانوں کو حاکم کی بجائے خادم کے طور پر فرائض منصبی ادا کرنے کا تصور دیا۔ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے:{سيد القوم خادمهم}(۱۰) "قوم کا سربراہ اس کا خادم ہوتا ہے۔"(آپؐ نے اسلامی ریاست میں نظم وضبط کے قیام، بدنظمی، خیانت، کرپشن، بددیانتی اور لاقانونیت جیسے عوامل سے بچنے کے لیے) تصور حکومت بہ طور امانت (Government as Trust) پیش کیا۔ بعد ازاں صدیوں بعد مغرب میں اسلام کے سیاسی فلسفے کے زیر اثر حکومت کے خادم اور امین ہونے کا تصور پروان چڑھا۔ اس سے ریاست کے باشندوں کو جہاں ریاستی معاملات میں "اولوالامر" کی اطاعت کا حکم دیا گیا، وہیں انہیں نظم وضبط کی پابندی کا حکم دیتے ہوئے بدنظمی سے باز رہنے کی تعلیم بھی دی گئی۔

**"نظم وضبط" کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:**

☆... لڑی، سِلک، مالا، موتیوں کو دھاگے میں پرونا۔ ☆... ترتیب، ربط وضبط، تسلسل۔ ☆... عبارت کا ربط، ترتیب، جملے کی ساخت، اسلوب، اندازِ بیان۔ ☆... انتظام، بندوبست، اہتمام، انصرام، تدبیرِ مملکت، حکمرانی، قاعدہ۔ (۱۱) جب کہ ضبط کے معنی تحمل، برداشت اور صبر کے بیان کئے جاتے ہیں۔ (۱۲) چنانچہ "نظم و ضبط" کا معنی ہوگا: مقررہ قواعد و ضوابط کی پابندی، ڈسپلن۔ (۱۳) مرزا مقبول بیگ بدخشانی نے اس کے معنی نظم و نسق، انتظام، قاعدہ، دستور کے بیان کئے ہیں۔ (۱۴) اردو زبان و ادب میں عمومی طور پر نظم وضبط، نظم و نسق ہم معنی اور مترادف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ "فرہنگ آصفیہ" میں اس کے معنی ترتیب و انتظام، بندوبست، اہتمام وانصرام، حکمرانی کا قاعدہ، تدبیرِ مملکت اور حسنِ انتظام بیان کئے گئے ہیں۔ (۱۵) جب کہ "ضبط" اسم مذکر، نگہداشت، حزم واحتیاط کے ساتھ نگرانی، حفاظت، ہوشیاری، انتظام، بندوبست، نظم و نسق، حکومت، روک ٹوک، بندھیج، قید، پابندی، قرق، سرکاری تحت، قبضہ، قاعدے، ضابطے کے تحت کسی عمل کی انجام دہی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱۶) جب کہ انگریزی میں اس کے لئے عمومی طور پر "Discipline" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ جس کے معنی "قومی انگریزی اردو لغت" میں انضباط، نظم وضبط، تادیب، تربیت و نگرانی کے ذریعہ "Dis" برقرار رکھی ہوئی حالت

نظم، طرزِ عمل کے لئے وضع کئے گئے ضوابط کا خاص انتظام، مناسب چلن، عمل کی تربیت کے لئے وضع کردہ ہدایت اور مشق، ہدایت و نگرانی کے تحت باقاعدہ تربیت، جب کہ "فعل متعدی" سے اس کے معنی تربیت و نگرانی سے حالتِ نظم و اطاعت میں لانا، نظم و ضبط یا سزا نافذ کرنا، اصلاح کرنا، تعلیم کے ذریعے تربیت دینا ہیں۔ (۱۷) "لسان العرب" کے مؤلف علامہ ابن منظور الافریقی، "نظم" کے مادہ کے تحت اس کا معنیٰ و مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "النظم" التاليف، نظمه، ينظّمه، نظماً ونظاماً ونظمه فانتظم وتنظّم، وتنظم اللّؤلؤ اي جمعته في السّلك، ونظم الامروعلٰي المثل، وكلّ شئ قرنته بآخر أو ضممت بعضه فقد نظمته"۔ (۱۸)صاحب "لسان العرب" مزید لکھتے ہیں: والنظم: المنظوم، وصف بالمصدر، "والنّظم" ما نظمته من لؤلؤ وخرز وغيرهما"۔(۱۹)

قاضی محمد اعلیٰ فاروقی تھانوی نے اس کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "النظم" بالفتح وسكون الظاء المعجمة في اللغة جمع اللّؤلؤ في سلك"۔

جبکہ "نظم" کے اصطلاحی معنی تحریر کرتے ہوئے اہل لغت اور ماہرین فن نے چار اقوال ذکر کئے ہیں، مختصر یہ کہ نظم جس میں موتیوں کو دھاگے میں پرو کر ایک لڑی بنا دیا جاتا ہے، اسی طرح "نظم و ضبط" میں مقررہ قواعد و ضوابط کی پابندی، حسن انتظام، اہتمام و انصرام، نظم و نسق، ڈسپلن سب شامل ہو گا۔(۲۰)

"ضبط" اردو زبان و ادب میں عمومی طور پر "نظم و ضبط" کے ساتھ ہم معنی و مترادف معنی کے طور پر استعمال ہوتا ہے، جس میں ضابطے کے تحت کسی عمل کی انجام دہی، نظم و نسق، حسن انتظام، قاعدے اور دستور کے مطابق کسی عمل کی انجام دہی، قواعد و ضوابط کی پابندی کے معنی مراد لئے جاتے ہیں۔" صاحب کشاف اصطلاحات الفنون" اس کے لغوی و اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "الضبط" في اللغة عبارة عن الجزم وفي الاصطلاح اسماع الكلام كما يحق سماعه، ثم فهم معناه الذي أريدبه ثم حفظه ببذل مجهوده والاثبات عليه بمذاكرته الي حين ادائه الي غيره" (۲۱) چنانچہ اس میں ضابطے اور قاعدے کے تحت عمل کی انجام دہی حُسنِ انتظام، اہتمام و انصرام کا پورا مفہوم و معنی پایا جاتا ہے۔ احمد بن فارس بن زکریا" معجم مقاییس اللغۃ" میں "ضبط" کے لغوی معنیٰ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "ضبط الشيء ضبطاً والا ضبط: الّذي يعمل بيديه جميعاً "۔یعنی کسی کام کو پوری ذمے داری کے ساتھ انجام دینا۔(۲۲)

**ریاست..... لغوی و اصطلاحی معنیٰ و مفہوم:**

"ریاست" کی اصطلاح عربی زبان کے لفظ "رئیس" سے اخذ کی گئی ہے، جس کے معنی سردار یا سربراہ کے ہیں، پس ریاست کے معنی ایسی معاشرتی تنظیم ہے جس میں ایک یا ایک سے زیادہ افراد کی حاکمانہ سربراہی یا حاکمیت Sovereignty قائم ہو۔ انگریزی زبان میں ریاست کا مترادف اسٹیٹ State جو لاطینی زبان کے لفظ اسٹیٹس رائی

پبلکئے Status Rei Publicae سے اخذ کیا گیا ہے، جس کے معنی "عوامی معاملات کا قیام" ہے۔ اس لاطینی اصطلاح سے انگریزی زبان میں اسٹیٹ کی اصطلاح مستعمل ہو گئی۔ لاطینی اصطلاح کا دوسرا حصہ سکڑ کر انگریزی میں ری پبلک Republic یعنی جمہوریہ بن گیا۔ (۲۳) ریاست کی اصطلاح کو مختلف مفہوم اور معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ عام آدمی ریاست کو حکومت کے معنوں میں سمجھتا تھا۔ ہابس Hobbes نے ریاست کو لیوائتھان Leviathan یعنی دیو قرار دیا ہے۔ جو لاکھوں انسانوں کے جسموں سے مل کر بنا ہے۔ قدیم ہندوستان کے لوگ ریاست کو "ڈنڈا" یعنی طاقت کہا کرتے تھے۔

یونانی فلسفی ارسطو Aristotle کے مطابق "ریاست شہری ور دیہاتوں کا ایسا اتحاد ہے جس کا مقصد ایک مکمل اور خود کفیل زندگی کا حصول ہے۔ جسے ہم ایک بہتر اور باعزت زندگی سے تعبیر کرتے ہیں"۔ (۲۴) امریکی مدبر اور سابق صدر ولسن Wilson کے الفاظ میں "ریاست ایسے لوگوں کو کہتے ہیں جو کسی خاص خطہ زمین میں قانون کے تحت منظم کئے گئے ہوں۔ (۲۵) امریکی پروفیسر برجیس Burgess کہتا ہے کہ ریاست بنی نوع انسان کا ایک ایسا انسانی گروہ ہے، جسے منظم وحدت کے طور پر پہنچانا جاتا ہے۔ اِن تعریفوں میں انسانی گروہ اور تنظیم پر زور دیا گیا ہے، ماہرین قانون نے قدرے مختلف تعریفیں کی ہیں۔ انگریز قانون دان ہالینڈ Holland لکھتا ہے کہ ریاست انسانوں کا ایسا بڑا اجتماع ہے جس کے قبضے میں ایک مخصوص علاقہ ہو اور جو اس طرح منظم ہو کہ اس میں اکثریت کی رائے کو دوسرے لوگوں پر فوقیت حاصل ہو"۔ ایک دوسرا انگریز ماہر قانون ڈاکٹر مارٹن ہال Martin Hall کہتا ہے کہ "ایک آزاد اور خود مختار ریاست کی نشانی یہ ہے کہ وہ ایسی کمیونٹی پر مشتمل ہوتی ہے جو دائمی سیاسی مقاصد رکھتی ہے اور مخصوص علاقے پر قابض ہوتی ہے اور بیرونی قبضے سے آزاد ہوتی ہے"۔

ماہر عمرانیات میک آئیور Maclver ریاست کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے "ریاست ایک انجمن ہے جو قانون کے ذریعے قائم ہوتی ہے اور اس قانون کو ایک ایسی حکومت نافذ کرتی ہے جو جابرانہ قوت کے ساتھ ایسا کرنے کی مجاز ہو۔ ایک مخصوص علاقے کے لوگوں میں معاشرتی نظم کے عالمگیر خارجی حالات کو برقرار رکھتی ہے۔"(۲۶)۔ ماہر سیاسیات پروفیسر لاسکی Laski کہتا ہے کہ "ریاست ایک علاقائی معاشرہ ہے جو حکومت اور رعایا میں منقسم ہوتا ہے، اور جو مقررہ طبعی علاقے میں باقی تمام اداروں پر برتری رکھتا ہے۔(۲۷)

**اسلام میں "ریاست" کا تصور اور اس کا آغاز وارتقاء:**

دین اسلام میں اسلامی ریاست کا جو تصور پیش کیا گیا ہے، اس کی بنیاد الہامی اخلاقیات (قرآن کریم اور سنت) پر رکھی گئی ہے، اسلامی ریاست کا مقصد اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنا، اسلامی اقدار کو فروغ دینا اور برائیوں کا قلع قمع کرنا ہے۔ اسلامی ریاست کی تنظیم و تشکیل معاہدہ کی بنیاد پر ہوتی ہے اور اس کے حکمراں مقتدر اعلیٰ اللہ عزوجل اور عوام دونوں کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ (۲۸) مختصر لفظوں میں "ریاست" کی اصطلاح عربی زبان کے لفظ رئیس

سے اخذ کی گئی ہے، جس کے معنی قوم کے سردار یا حاکم کے ہیں، پس ریاست سے مراد ایک ایسی معاشرتی تنظیم ہے جس میں ایک یا ایک سے زیادہ افراد (جماعت) کی حاکمانہ سربراہی یا حاکمیت قائم ہو۔ "ریاست" افراد پر مشتمل ایک ایسا ادارہ ہے جس کی تشکیل کے لئے ایک مستقل خطہ زمین کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے نظام کو چلانے کے لئے حکومت کا وجود لازمی امر ہے، اور یہ ادارہ اپنے اندرونی اور بیرونی معاملات میں حاکمیت کا حامل ہوتا ہے۔ مختصراً یہ کہ چار عناصر آبادی، خطہ زمین، حکومت اور حاکمیت مل کر ایک ریاست کی تشکیل کرتے ہیں۔

اسلام میں قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق اسلامی ریاست کا جو تصور اور نقشہ اُبھر کر ہمارے سامنے آتا ہے، اس کو ہم ان الفاظ میں بیان کرسکتے ہیں: "اسلامی ریاست وہ اعلیٰ و ارفع ادارہ ہے جہاں شریعت اور دین کے قوانین کا نفاذ ہو اور لوگوں کے دینی و دنیاوی امور اور معاملات ان ہی قوانین کے تحت چلائے جائیں"۔ اسلامی فلسفہء حکمرانی کے مطابق پہلی اسلامی فلاحی ریاست سرورِ کائنات، معلم انسانیت، پیغمبر آخر و اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہجرت مدینہ کے بعد ریاست مدینہ کی صورت میں سامنے آئی، جسے اسلامی ریاست اور آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو اس حوالے سے "رول ماڈل" قرار دیا جاتا ہے۔

**اسلامی ریاست کی بنیادی خصوصیات و امتیازات:**

اسلام کے تصور پر قائم کردہ ریاست ایک مخصوص اخلاقی نظام کی حامل ہوتی ہے۔ اس میں حکومت کرنا اور اقتدار پر متمکن ہونا مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ ریاست کا مقصد وجود اسلام کے اصولوں کی عَلم برداری ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ ایک صفاتی ریاست ہے۔ ان صفات میں سے چند ایک کا تذکرہ ضروری ہے۔

☆... اسلامی ریاست میں حاکمیت اعلیٰ قوم یا چند افراد کی نہیں، بلکہ اللہ رب العالمین کی تسلیم کی جاتی ہے۔ قوم اور اس کے قائدین حاکمیت کے بجائے خلافت کا مقام قبول کرکے اپنے فرائض بندگی انجام دیتے ہیں۔ ☆... اسلامی ریاست کا نظام مشاورت کے اصولوں پر چلایا جاتا ہے۔ حکومت کا بننا اور بدلنا عوام کی رائے پر موقوف ہوتا ہے۔ وہ عوام جو خود بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے تابع اور پابند ہوتے ہیں۔ ☆... اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے، اس نظریے پر ایمان رکھنے والے کارکن ہی اس ریاست کو چلاسکتے ہیں۔ یہ نظریات کے نفاذ اور سیرت و کردار کی تشکیل کرنے والا ادارہ ہے۔ ☆... یہ رنگ و نسل اور زبان و علاقے کی عصبیتوں سے بالاتر ریاست ہوتی ہے، جس میں اسلامی عصبیت کے سوا دوسری کسی عصبیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ☆... اس ریاست میں سیاست اور اس کے تمام تقاضوں کو اخلاق، انصاف، شرافت اور دیانت و امانت کے تابع رکھا جاتا ہے اور اس کی روح خدا ترسی پر مبنی ہوتی ہے۔ ☆... یہ ریاست نیکیوں کو فروغ دینے اور برائیوں کا استیصال کرنے کے لیے قائم کی جاتی ہے۔ ☆... اس ریاست میں فرد کو پوری آزادی ہوتی ہے، لیکن اللہ اور رسول ﷺ کے بالاتر قانون کے ماتحت، حکومت اور اس کے عمال کو پورے اختیارات ہوتے ہیں، لیکن اللہ کے بالاتر قانون اور مشاورت کی پابندیوں کے ساتھ۔ ☆... اسلامی

ریاست میں عوام کے درمیان عدل کا قیام، مسلمانوں کے اندر مساوات کا فروغ، ذمہ دارانہ جمہوری اداروں اور عوام کے سامنے جواب دہی کا اہتمام، نظم وضبط کا قیام، انتظام مملکت میں عوام کے نمائندوں کی آراء سے استفادہ، نیکیوں کا فروغ، برائیوں کا استیصال، اقتدار کی ہوس اور کشمکش سے پاک وصاف ماحول کا اہتمام ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ ☆... یہ ریاست فطرتاً کمزوروں، ضعیفوں، مسکینوں اور مظلوموں کی پشت پناہ ہوتی ہے۔ ☆... اس ریاست میں معاوضوں کا تعین صلاحیت اور محنت کے توازن کا اہتمام کرتے ہوئے اصول کفالت پر کیا جاتا ہے۔(۲۹)

**سیرت النبی ﷺ کی سیاسی وریاستی اہمیت:**

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے وطن مکہ سے ہجرت فرمانے کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم کی اور تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک باقاعدہ دستور ریاست تیار فرمایا، پھر دس سال کے قلیل عرصے میں جزیرہ نمائے عرب، جنوبی فلسطین اور جنوبی عراق تک اسی اسلامی ریاست کو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی اور مستحکم مملکت بنادیا۔ جس کی حدود دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبہ پر ہوچکی تھی اور یہ سب کچھ اس ملک سے شروع کیا، جہاں اس سے قبل کسی باقاعدہ ریاست ومملکت، سیاسی مرکزیت اور دستور وقانون کا کوئی تصور ہی نہ تھا اور یہ ایک بستی سے شروع ہونے والی ریاست اس وقت کی دو بڑی عالمی طاقتوں Two World Super Powers روم اور ایران سے ٹکرانے کے قابل ہوگئی اور بعد ازاں جلد ہی اسی اسلامی ریاست نے ان دونوں عالمی طاقتوں کو شکست دے کر ایشیا، افریقہ اور یورپ کے تین براعظموں تک اپنے دائرہ اختیار کو پھیلا لیا، اور ساتھ ہی داخلی وخارجی سیاست کے عالمی اصول وضع کر دیئے گئے، جن کے تحت اس نظام عالم کو چلایا جاسکے پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ نظام اور پیغام مشارق الارض سے مغارب الارض تک پھیل گیا۔ یہ دس سال کے انتہائی قلیل عرصہ میں اتنی بڑی سیاسی کامیابی ہے کہ اس کی مثال تاریخ عالم میں اس سے پہلے یا بعد میں کہیں نہیں ملتی، سیاست کے طالب علموں کے لئے بالخصوص اور دیگر تمام اہل فکر ونظر کے لئے بالعموم اس عظیم ہستی کی سیرت کا مطالعہ یقیناً بہت بڑی تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ سب کچھ کس طرح ممکن ہوا۔ حیرت کی بات ہے کہ ان عظیم سیاسی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ رسالت کا فریضہ بھی بتمام وکمال ادا ہوتا رہا اور اس میں کوئی کمی واقع نہ ہونے پائی۔ اس ہمہ جہت رفتار وکامرانی کی کوئی مثال تاریخ انبیاء میں بھی نہیں ملتی۔(۳۰)

**اسلامی ریاست کی تشکیل وتنظیم میں "سیرت النبی ﷺ" کی اہمیت:**

اسلامی ریاست کے قیام، اس کی تاسیس وتنظیم کے سلسلے میں "سیرت النبی ﷺ" کی اہمیت حسب ذیل امور پر مشتمل ہے:۔

۱۔ نظریہ وعمل کی وحدت Unity of Ideology and Practice

۲۔ اِستقامت Firmness & Consistency

۳۔ عزم اور واقعات میں باہمی تعلق Compatibility of Aim & Action

۴۔ واقعات کے ظہور میں منطقی ترتیب اور ان میں نبوی حکمت عملی کا عنصر Logical Sequence of Events & Prophetic Strategy.

۵۔ ذاتی اور شخصی مفادات پر اجتماعی مفادات کی ترجیح Prioritzing the Collective and National Interests

۶۔ عملی اقدامات کے لئے ظاہری تقاضوں کی اہمیت Preparation for Practical Steps

۷۔ جدوجہد نبوی ﷺ کا مسلسل تحرک Consistent Continuity of Struggle

۸۔ قیامِ ریاست کی بنیاد فلاحِ انسانیت Humanitarian Foundations of State

۹۔ قدرت اور بصیرت کا حسین امتزاج Combination of Divine Will & Prophetic Vision

۱۰۔ فروغ دعوت کے لئے ہر میسر ذریعے کا استعمال Use of All Available Resources

۱۱۔ رجال کار کی تیاری Preparation of Personals & Work Force

۱۲۔ جدوجہد کا رجائی پہلو Optimistic Aspect of Struggle (۳۱)

**معاشرتی تنظیم اور نظم وضبط کے حوالے سے ریاست کی اہمیت:**

انسانی معاشرت کے تمام بنیادی اداروں میں ریاست کو کلیدی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ کسی معاشرے کی اجتماعی فلاح، اس کی سالمیت کا تحفظ، امن و سلامتی اور اس کا نظم وضبط ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے جسے آج تک کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کی معاشرتی زندگی کے آغاز ہی سے قیادت و سیادت اور اختیار و اقتدار کا سلسلہ کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ قائم رہا ہے۔ چونکہ معاشرتی نظم وضبط کی تمام تر ذمہ داری ریاست پر عائد ہوتی ہے، اس لئے اس کی ہیئت ترکیبی، خاندان اور مذہبی ادارے سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ ریاست کے تصور میں جغرافیائی حد بندی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ اس سے کسی قوم میں تنظیم کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ ریاست کسی خطہ، زمین پر رہنے والے افراد کے مختلف گروہوں کے باہمی تعلقات کو منضبط اور ان کے مفادات و مقاصد کو ہم آہنگ کرتی ہے۔ چونکہ ہر معاشرے میں ریاست کو مستقل حیثیت حاصل رہی ہے، اس لئے علمائے سیاست کا بھی یہ مستقل موضوع رہا ہے۔ معاشرے کے ساتھ ریاست کے بنیادی تعلق کی وجہ سے علمائے معاشرت بھی اسے نظر انداز نہیں کرسکے اور انہوں نے جابجا اس پر اظہار خیال کیا ہے۔ (۳۲)

ان عناصر کے بغیر ریاست کی تنظیم ممکن نہیں، ریاست کی بحث میں ریاست اور حکومت کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے، حالانکہ حکومت ریاست کا ایک عنصر ہے۔

ریاست چونکہ معاشرتی نظم کا ادارہ ہے، اس لئے یہ خاندان اور عبادت گاہ سے مختلف ہے، کیونکہ اس کے

پاس قانونی قوت ہوتی ہے اور اس کا دائرہ اختیار وسیع ہوتا ہے۔ علمائے معاشرت کے نزدیک ریاست ایک ناگزیر ادارہ ہے اور اس کے بغیر معاشرتی نظم وضبط اور تنظیم معاشرت بھی ممکن نہیں۔(۳۳)

**اسلامی ریاست کے بنیادی فرائض اور مقاصد:**

اسلامی تعلیمات چونکہ پوری انسانی زندگی پر حاوی ہیں، اس لئے اسے مکمل دین کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (۳۴)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا۔

اس کامل دین میں انسان کی معاشی، معاشرتی، تمدنی وثقافتی، اخلاقی وروحانی نیز سیاسی زندگی کو نظم وضبط کے سانچے میں ڈھال کر مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے اصول موجود ہیں۔ اسلام زندگی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اسلام کی یہی وہ خصوصیت ہے جو اسے تمام ادیان اور نظام ہائے فکر سے ممتاز کرتی ہے۔ اسلام نے ریاست کے متعلق جو تعلیم دی ہے وہ بھی دیگر ریاستوں کے اصولوں سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے اور وہی تمام احکام وفرامین کا سرچشمہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے: اِنِ الْحُكْمُ اِلاَّ لِلهِ (۳۵) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ فَالْحُكْمُ لِلهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۱۲ (۳۶) اب تو فیصلہ اللہ ہی کا ہے جس کی شان بہت اونچی، جس کی ذات بہت بڑی ہے۔ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ. (۳۷) یاد رکھو! حکم اسی کا چلتا ہے۔ کوئی فرد اور جماعت اقتدار اعلیٰ کی مالک نہیں ہے۔ دوسرے عناصر حکومت کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسان اجتماعی انتظام کے لئے اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی ریاست "معاہدۂ ربانی" پر مبنی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان نے خدائے واحد سے معاہدۂ اطاعت کیا تھا۔ اسلامی ریاست اس معاہدہ پر مبنی معاشرہ منظم کرتی ہے۔ یہ معاہدہ ایسا ہے جس میں ریاست کا ہر فرد مسؤول ہے۔ کوئی شخص اطاعت سے بالاتر نہیں اور کوئی شخص احکام خداوندی سے بغاوت کر کے اسلامی ریاست کی انتظامیہ میں نہیں رہ سکتا۔ قرآن کریم کی رو سے انسانی حکومت کی صرف وہ صورت درست ہے جس میں ریاست خدا و رسول ﷺ کی قانونی بالادستی تسلیم کر کے اپنی حاکمیت سے دستبردار ہو جائے اور حاکم حقیقی کے تحت خلافت (نیابت) کی حیثیت قبول کرے۔ اس کے اختیارات تشریعی ہوں یا عدالتی، انتظامی ہوں یا معاشی، لازماً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تابع ہوں گے۔(۳۸)

(۱) قرآن مجید میں ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ. (۳۹)

اور (اے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم پر حق پر مشتمل کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا

ہے، اور جو حق بات تمہارے پاس آگئی ہے، اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو۔

**مقاصد و فرائض:**

اسلامی ریاست کا مقصد ریاست کے تمام افراد کو احکام خداوندی کا پابند بنانا اور ان کی معاشی و معاشرتی بہبود کا خیال رکھنا ہے، اسلامی ریاست کے فرائض میں وہ تمام باتیں شامل ہیں جو جدید ریاست کے فرائض میں ہیں، بلکہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست کی حیثیت سے ان سے بڑھ کر بھی کچھ فرائض رکھتی ہے، جن کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

1- شریعت اسلامی کا نفاذ۔ 2- نظام شوریٰ کا قیام۔ 3- اجتماعی عدل کا قیام۔ 4- انسانی حقوق کا تحفظ۔ 5- مساوات۔ 6- غیر مسلموں سے رواداری۔ اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان فرائض سے عہدہ برآ ہو۔ قرآن و سنت میں ان فرائض کے متعلق واضح ارشادات ملتے ہیں۔ (۴۰)

**ملک میں بدنظمی، بدانتظامی، لاقانونیت اور نظم و ضبط کا فقدان**

**چشم کشا حقائق۔ اعداد و شمار کی روشنی میں جائزہ:**

تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق ملک میں بارہ ارب روپے یومیہ کرپشن کی نذر ہو رہے ہیں، گویا ۴۳۸۰ روپے سالانہ کی کرپشن ہو رہی ہے۔ (۴۱) بدترین کرپشن اور مالی بدعنوانیوں کے یہ حیران کن اعداد و شمار اور چشم کشا حقائق ایسے ملک و قوم کے ہیں، جو ۵۳ ارب ۴۰ کروڑ ڈالر کا مقروض ہے۔ (۴۲) دوسری جانب اس غریب ملک کی اشرافیہ اور حکمراں طبقے کا یہ عالم ہے کہ ملک کی وفاقی کابینہ پر ماہانہ ۹ کروڑ ۹۰ لاکھ روپے باضابطہ اخراجات کے زمرے میں آتے ہیں۔ (۴۳) ۲۰۱۱ء کی ایک رپورٹ کے مطابق بجٹ سیشن میں قومی خزانے سے سرکاری مال کو مال یتیم سمجھتے ہوئے ۵۰۰ افراد پر چودہ لاکھ بیس ہزار روپے یومیہ کے حساب سے مجموعی طور پر دو کروڑ ستائیس لاکھ روپے سے زائد کی ادائیگی کی گئی۔ (اس سے حکمراں طبقے کی شاہ خرچیوں اور بددیانتی کا پتا چلتا ہے)(۴۴)

واشنگٹن میں قائم امریکی ادارے "ورلڈ جسٹس پروجیکٹ (W.J.P) نے بدعنوانی، بدانتظامی اور لاقانونیت کے حوالے سے سال ۲۰۱۲ء کی اعداد و شمار پر مبنی تحقیقی رپورٹ شائع کی، جس میں ستانوے ممالک میں پاکستان کو ساتواں کرپٹ ترین اور انتہائی غیر محفوظ ملک قرار دیا گیا، رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ انسانی حقوق، فوجداری اور دیوانی انصاف، قواعد و ضوابط کے نفاذ، حکومتی اختیارات پر چیک اینڈ بیلنس اور دیگر امور کے متعلق بھی قومی خزانے مالیاتی اداروں اور سرکاری بینکوں سے قرضے معاف کرانے کا فیشن بھی کرپشن اور مالی بدعنوانی کی بدترین شکل ہے۔ حالیہ اعداد و شمار اور انتہائی باوثوق اخباری ذرائع کے مطابق ۱۹۷۱ء سے ۲۰۱۰ء تک ۳۹ برسوں میں پاکستان میں ۹ لاکھ ۱۲ ہزار ۲۵۹ نادہندگان اور مقروضوں نے اپنے عہدے، اختیارات کے ناجائز استعمال، اقربا پروری اور کرپشن و مالی بدعنوانی کے زور پر ۲۸۰ ارب ۹۰ کروڑ ۳۰ لاکھ روپے معاف کروائے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے حالیہ اور تازہ

ترین اعداد و شمار کے مطابق دسمبر ۲۰۱۵ء تک معاف کرائے گئے قرضوں کا یہ حجم ۶۰۵ ارب روپے تک پہنچ گیا، لیکن یہ کم نہیں ہوئے۔(۴۵)

نظم و ضبط کے فقدان، بدانتظامی، بدترین کرپشن، مالی بدعنوانی اور معاشی غارتگری کا ایک جانب یہ عالم ہے تو نتیجے کے طور پر دوسری جانب ملک کی معاشی بدحالی، غربت و افلاس کا یہ عالم ہے کہ ۵ کروڑ ۹۰ لاکھ پاکستانی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ انتہائی محتاط اعداد و شمار اور تازہ ترین حقائق پر مبنی میڈیا رپورٹس اس حیران کن حقیقت کا اظہار کرتی نظر آتی ہیں۔ چنانچہ وزارت منصوبہ بندی اور مالیات کی جانب سے بین الاقوامی ترقیاتی اداروں کی موجودگی میں تیار کردہ رپورٹ کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان میں خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور افراد کی تعداد میں ایک دم حیران کن اضافہ دیکھنے میں آیا ہے، جس کے نتیجے میں بے روزگاری کی شرح ۹ء۵ فیصد تک جا پہنچی ہے۔(۴۶)

U.N.D.P کی جانب سے ۲۰۱۵ء کے لئے جاری کی جانے والی انسانی ترقی کی سالانہ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ۱۵ برس یا اس سے زائد عمر کے افراد میں بے روزگاری کی شرح ۴۸ فیصد کے قریب ہے۔(۴۷) عالمی بینک کے اعداد و شمار کے مطابق ملک میں ۱۵ تا ۲۴ سال کی عمر کے نوجوانوں کی بے روزگار افرادی قوت ۸۶ لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ اور ۲۱ سے ۲۴ سال کی عمر کے افراد میں بے روزگاری کی شرح ۹ فیصد ہے۔ جو کہ ملک کے اقتصادی اور سماجی منصوبہ سازوں کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے۔(۴۸)

بین الاقوامی ترقیاتی اداروں کی موجودگی میں تیار کردہ رپورٹ کے مطابق اعداد و شمار سے پہلے ملک میں آبادی کے لحاظ سے ہر ۱۰ میں سے ایک شخص غریب تھا، اور اب یہ تعداد بڑھ کر ۳ ہو چکی ہے۔(۴۹)

غربت، افلاس، معاشی بدحالی، بے روزگاری، کرپشن، بدعنوانی، اختیارات کے غلط استعمال، بدانتظامی، نظم و ضبط کے فقدان اور انتشار نے بے شمار مسائل کو جنم دیا ہے، حد درجہ غربت و افلاس اور بے روزگاری کے نتیجے میں ملک کو جہاں بے شمار مسائل کا سامنا ہے، وہیں لوٹ مار، ڈاکہ زنی، اور دیگر جرائم میں روز افزوں اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے، دوسری جانب معاشی بدحالی اور شدید غربت و افلاس کی چکی میں پسے لوگ خودکشی اور خودسوزی جیسے انتہائی اقدام پر مجبور نظر آتے ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ملک میں غربت و افلاس اور غذائی ضروریات کی عدم فراہمی کے باعث ہر روز ۸ سے دس افراد خودکشی جیسے انتہائی اقدام پر مجبور ہوتے ہیں۔ صرف سال ۲۰۰۸ء میں ۲۵۲۸ افراد نے خودکشی و خودسوزی کے ذریعہ زندگی سے راہِ فرار اختیار کی۔(۵۰) کرپشن، بدانتظامی، غربت و افلاس، معاشی بدحالی، بے روزگاری و نظم و ضبط کا فقدان ملک میں کیا کیا گن کھلا کھلا رہے ہیں، اس کا اندازہ اس سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے، اب معاشرے کی بنیاد کی اینٹ خاندان کی عمارت، کھوکھلی ہو رہی ہے، جس کے باعث معاشرے کی پوری عمارت لرز رہی ہے، یہ خطرہ معاشرے کو اخلاقی و معاشرتی قدروں کے زوال، خاندانی نظام کی تباہی اور گھریلو زندگی کے بدترین

انتشار کی جانب لے جارہا ہے۔ یہ "طلاق" کا بڑھتا ہوا رجحان ہے۔ جس کا ایک بڑا سبب غربت اور بے روزگاری ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے۔ پاکستان کے سب سے بڑے شہر عروس البلاد کراچی میں، ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۲ء تک طلاق اور خلع کے ۷۲،۵۰۰ مقدمات رجسٹر ہوئے، جس کے نتیجے میں ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۲ء کے دوران فیملی کورٹس اور پنچائیت کمیٹی کے مطابق صرف کراچی میں ۷۵،۰۵۴ طلاقیں ہوئیں۔ جس کا بڑا سبب غربت، معاشی بدحالی اور بے روزگاری تھا۔(۵۱)

بدنظمی، بدانتظامی، معاشی بدحالی اور غربت وافلاس کس طرح انسانی زندگی پر اثرانداز ہوتی ہے، اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ غربت، معاشی بدحالی، تنگ دستی اور بے روزگاری کا جہالت، ناخواندگی اور تعلیم سے دوری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق ملک بھر میں تعلیم سے محروم بچوں کی تعداد ۲۴ ملین سے تجاوز کرگئی ہے۔(۵۲)

تو دوسری جانب فرقہ واریت، انتہاپسندی، دہشت گردی اور قتل وغارت گری کے واقعات میں بھی حد درجہ اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے۔ چنانچہ انسانی حقوق کمیشن پاکستان (H.R.C.P) کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۵ء میں ملک میں فرقہ واریت، انتہاپسندی اور دہشت گردی کے پرتشدد واقعات میں چار ہزار چھ سو بارہ افراد ہلاک ہوئے۔(۵۳)

جب کہ گزشتہ سالوں میں ملک میں بدانتظامی، بدترین حکمرانی، لاقانونیت، دہشت گردی، انتہاپسندی اور نظم وضبط کے فقدان کے نتیجے میں ہزاروں بے گناہ لوگ لقمہ اجل بنے۔

یہ بدانتظامی اور نظم وضبط کے فقدان ہی کا نتیجہ ہے کہ ایک مصدقہ رپورٹ کے مطابق ملک کی اعلیٰ ترین عدالت اور دیگر ماتحت عدالتوں میں سترہ لاکھ سے زائد مقدمات زیرالتواء ہیں۔ (۵۴) یہ نظم وضبط کے فقدان، بدنظمی اور بدترین حکمرانی کا ہی نتیجہ ہے کہ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے بے شمار قابل ذہنوں کو منشیات کے عفریت نے اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے، گزشتہ ۳۰۔۳۵ برسوں کے درمیان منشیات کے عادی افراد کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے، ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک کروڑ کے قریب پاکستانی عوام مختلف قسم کی منشیات کی لعنت میں مبتلا ہیں۔ (۵۵) ورلڈ ڈرگ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں منشیات کے عادی افراد کی تعداد ۶۷ لاکھ سے متجاوز ہے، ہیروئن، مارفین، افیون اور چرس کے استعمال کے حوالے سے یہ تعداد دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ ان میں چالیس لاکھ افراد ہیروئن کے عادی ہیں، ورلڈ ڈرگ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں سالانہ ۴۴ ٹن ہیروئن استعمال ہورہی ہے۔(۵۶)

"ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل" ۲۰۱۵ء کی رپورٹ کے مطابق کرپشن سے شفاف ممالک کی فہرست میں پاکستان کا ۱۶۸ ممالک میں ۱۱۷واں نمبر ہے۔ جو لمحہ فکریہ ہے، کرپشن کی وجہ سے قومی خزانے کو سالانہ آٹھ ہزار ارب کا نقصان

برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ ہمارا بیرونی قرضہ تقریباً ۲۰ ہزار ارب روپے ہے۔(۵۷)

"ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل" کی ایک اور تحقیقی رپورٹ اور انتہائی محتاط اعداد و شمار کے مطابق ۲۰۰۸ء میں ۳۹۰ ارب روپے، ۲۰۰۹ء میں ۴۵۰ ارب، ۲۰۱۰ء میں ۸۲۵، ۲۰۱۱ء میں ۱۱۰۰ ارب روپے کی کرپشن کی نشاندہی کی گئی، جن معاملات کی نشاندہی کی گئی، وہ مجموعی طور پر ۲۷۶۵ ارب روپے کی کرپشن کے کیسز ہیں، جبکہ ۲۰۱۲ء کے اعداد و شمار کے مطابق ملک میں یومیہ ۱۵/ ارب روپے کی کرپشن ہو رہی تھی، ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۲ء تک پانچ سالوں میں بارہ ہزار چھ سو ارب روپے کی بدعنوانی کے اعداد و شمار اور کیسز سامنے آئے۔(۵۸)

"بدنظمی اور نظم وضبط کے فقدان کے باعث تعلیمی میدان میں ملک کی کیا صورت حال ہے، اس حوالے سے پاکستان ایجوکیشن مینجمنٹ سسٹم" کی جانب سے جاری کردہ ایک رپورٹ میں یہ حیران کن اور چشم کشا انکشاف کیا گیا ہے کہ ملک میں ۲ کروڑ چالیس لاکھ ۲۳ ہزار بچے تعلیم سے دور ہیں۔ (۵۹)

تعلیم سے محرومی کی بناء پر ملک کے مستقبل کے یہ معمار کسی بھی تعمیری کردار سے قاصر رہیں گے، نتیجے کے طور پر جہالت اور ناخواندگی ملک کے مسائل میں کس کس انداز سے اثر انداز ہو گی، اس کا اندازہ لگانا ناممکن نہیں ہے۔

یہ تو ابتدائی سطح پر بنیادی تعلیم کی بات تھی، ملک میں جہاں ہر سطح پر بدانتظامی، کرپشن، بدترین طرز حکمرانی اور "نظم وضبط" کے فقدان باعث منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور ہر شعبہ انحطاط اور زوال کا شکار نظر آرہا ہے، وہیں اعلیٰ سطح پر تعلیم و تحقیق کے ادارے پاکستانی جامعات کے زوال و انحطاط کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جامعات کی عالمی سطح پر درجہ بندی کرنے والے بین الاقوامی ادارے "ٹائمز ہائر ایجوکیشن" نے ۲۰۱۶ء کے لئے جامعات کی درجہ بندی کا اعلان کیا، جس کے مطابق دنیا کی ۵۰۰ بہترین جامعات میں پاکستان کی کوئی سرکاری جامعہ اپنی جگہ اور مقام نہ بنا سکی۔(۶۰) ابتدائی اور اعلیٰ سطح پر تعلیم اور تعلیمی اداروں کا یہ حال بدترین بدانتظامی اور نظم و ضبط نہ ہونے کا ایک کھلا اشارہ ہے۔

## نظم وضبط کے حوالے سے بعثت نبویؐ سے قبل کا تاریخی وسیاسی منظر نامہ

## سرکار دو عالم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل مشرق و مغرب کی عالمی تہذیبوں اور مختلف معاشروں میں بدترین بدنظمی، انتشار اور نظم وضبط کا فقدان:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ محسنِ انسانیت، سرور کائنات، ہادیِ اعظم، سیّدِ عرب و عجم، سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری اور آپ کا ظہور ایسے حالات میں ہوا، جب کہ انسانیت بدترین انتشار، شدید بدنظمی، نظم وضبط، اجتماعیت، ربط ملت، دین فطرت، الٰہی تعلیمات سے دوری، ظلم وجہالت اور کفر و شرک کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، کہیں دورِ وحشت تھا اور کہیں شرک اور بت پرستی کی لعنتوں نے مدنیت کا ستیاناس کر رکھا تھا۔ مصر اور ہندوستان، بابل اور نینوا، یونان اور چین میں تہذیب اپنی شمعیں گل کر چکی تھی۔ رومی اور ایرانی تمدنوں کی ظاہری

چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرنے والی تھی، مگر ان شیش محلوں کے اندر بدترین مظالم کا دور دورہ تھا اور زندگی کے زخموں سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ بالادست طبقوں کی عیاشیوں اور نفس پرستیوں نے اخلاقی روح کو فنا کر دیا تھا۔ بادشاہوں کے ادل بدل، نت نئے فاتحین کے ظہور اور خوں ریز جنگوں کی وجہ سے حالات میں جو تموّج پیدا ہوا تھا، اس میں بھی کوئی راہِ نجات عام آدمی کے لیے نہ تھی۔ عام آدمی کو ہر تبدیلی کی چکّی اور زیادہ تیزی سے پیستی تھی، ہر قوت اسی کو آلۂ کار بنا کر اور اسی کا خون صرف کر کے، اسی کی محنت سے استفادہ کر کے اپنا جھنڈا بلند کرتی اور پھر غلبہ و اقتدار پانے کے بعد وہ پہلوں سے بھی بڑھ چڑھ کر ظالم ثابت ہوتی تھی۔ خود (اس دور کی دو بڑی عالمی طاقتوں) روم و ایران کے درمیان مسلسل آویزش کا چکر چلتا تھا اور مختلف علاقے کبھی ایک حکومت کے قبضے میں جاتے اور کبھی دوسری سلطت ان کو نگل لیتی، لیکن ہر بار فاتح قوت عوام کے کسی طبقے کو خوب اچھی طرح پامال کرتی۔ مثلاً رومی حکومت آتی تو آتش کدے کلیسا بن جاتے اور ایرانی راج چھا جاتا تو پھر کلیسا آتش کدے بن جاتے۔ دنیا کے اکثر حصوں میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ٹکراؤ ہوتے، بار بار کشت و خون ہوتے، بغاوتیں اٹھتیں، مذہبی فرقے خوں ریزیاں کرتے، ان ہنگاموں کے درمیان انسان بہ حیثیت انسان بری طرح پامال ہو رہا تھا۔ اسے مظالم کے کولہو میں پیلا جاتا تھا، مگر تشدد کی خوف ناک فضا میں وہ صدائے احتجاج بلند نہیں کر سکتا تھا، وہ تلخ احساس رکھتا ہو گا مگر اسے ضمیر کی آزادی کسی ادنیٰ درجے میں حاصل نہ تھی۔ کوئی مذہب اس کی دستگیری کے لیے موجود نہ تھا۔ انبیائے کرامؑ کی تعلیمات تحریف و تاویل کے غبار میں گم ہو چکی تھیں۔ یونان کا فلسفہ سکتے میں تھا، کنفیوشس اور مانی کی تعلیم دم بخود تھی۔ ویدانت اور بدھ مت کے تصورات اور منوشاستر کے نکات سر بگریباں تھے۔ جسٹینین کا ضابطہ اور سولن کا قانون بے بس تھا۔ کسی طرف کوئی روشنی نہ تھی۔ وہ خوف ناک ترین بحران اور انتہا پسندی کا ایک عالم گیر دور تھا، جس کی اندھیاریوں میں محسنِ انسانیتؐ کی مشعل یکایک آ اُبھرتی ہے اور وقت کے تمدنی بحرانوں کی تاریکیوں کا سینہ چیر کر ہر طرف اجالا پھیلا دیتی ہے۔ خود عرب کا قریب ترین ماحول جو حضورؐ کا اولین میدانِ کار بنا، اس کا تصور کیجیے تو دل دہل جاتا ہے، عرب پر دورِ وحشت کی تاریک رات چھائی ہوئی تھی، تمدن کی صبح ابھی جلوہ گر نہیں ہوئی تھی اور انسانیت نیند سے بیدار نہ ہو پائی تھی، ہر طرف بدنظمی، نظم و ضبط کا فقدان اور بدترین انتشار تھا۔ (۶۱)

مولانا الطاف حسین حالی نے "مسدّس مدّ و جزر اسلام" میں اس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

نہ وہ دور دورہ تھا عبرانیوں کا — نہ یہ بخت و اقبال نصرانیوں کا
پراگندہ دفتر تھا یونانیوں کا — پریشاں تھا شیرازہ ساسانیوں کا
جہاز اہلِ روما کا تھا ڈگمگاتا — چراغ اہلِ ایراں کا تھا ٹمٹماتا
ادھر ہند میں ہر طرف تھا اندھیرا — کہ تھا گیان گن کا لدا یاں سے ڈیرا
ادھر تھا عجم کو جہالت نے گھیرا — کہ دل سب نے کیش و کنش سے تھا پھیرا

نہ بھگوان کا دھیان تھا گیانوں میں — نہ یزداں پرستی تھی یزدانوں میں
ہوا ہر طرف موجزن تھی بلا کی — گلوں پر چُھری چل رہی تھی جفا کی
عقوبت کی حد تھی، نہ پرسش خطا کی — پڑی لٹ رہی تھی ودیعت خدا کی
زمیں پر تھا ابرِ ستم کا دڑیڑا — تباہی میں تھا نوعِ انسانی کا بیڑا
وہ قومیں جو ہیں آج غم خوارِ انساں — درندوں کی اور ان کی طبیعت تھی یکساں
جہاں عدل کے آج جاری ہیں فرماں — بہت دُور پہنچا تھا واں ظلم و طغیاں (۶۲)

شدید بد نظمی اور بدترین تاریکی کے اس دور میں انسانیت کے محسنِ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ عظیم ترین تبدیلی کا پیغام لے کر یکہ و تنہا اٹھتے ہیں اور اپنے مثالی پیغام اور تعلیمات کے ذریعے ایک ایسا انسانی معاشرہ اور ریاست مدینہ کی صورت میں ایک ایسی مثالی، فلاحی اسلامی ریاست کی تشکیل و تنظیم فرماتے ہیں جس کا ہر فرد ریاستی نظم وضبط کا پابند اور نظم و ضبط کے حوالے سے ایک روشن مثال تھا۔ اس طرح پیغمبر انقلاب، معلم انسانیت، حضرت محمد ﷺ انسانی تاریخ کا ایک منفرد، ہمہ گیر اور عظیم انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔ "(۶۳)

مشرق و مغرب کے تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ "چھٹی صدی عیسوی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا تاریک ترین و پست ترین دور تھا، صدیوں سے انسانیت جس پستی اور نشیب کی طرف جا رہی تھی، اس کے آخری نقطے کی طرف پہنچ گئی تھی، روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے اور اسے ہلاکت کے غار میں گرنے سے روک سکے، نشیب کی طرف جاتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہو رہی تھی، انسان اس صدی میں خدا فراموش ہو کر کامل طور پر خود فراموش بن چکا تھا، وہ اپنے انجام سے بالکل بے فکر، بے خبر اور بُرے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہو چکا تھا، پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہُوا دب چکی تھی، جن چراغوں کو یہ حضرات روشن کر گئے تھے، وہ ہواؤں کے طوفان میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں اس طرح ٹمٹما رہے تھے، جن سے صرف چند خدا شناس دل روشن تھے، جو شہروں کو چھوڑ کر چند پورے پورے گھروں میں بھی اُجالا نہیں کر سکتے تھے، دیندار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر دیر و کلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ رومی اور ایرانی اس وقت مغرب و مشرق کی حکومت اور دنیا کی قیادت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے، وہ دنیا کے لیے کوئی اچھا نمونہ ہونے کے بجائے ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علمبردار و ذمّے دار تھے، دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت و خود فراموشی، اجتماعی بے نظمی و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال رونما تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ممالک تنزل و انحطاط اور شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سا ملک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔ "(۶۴(

اخلاقی پستی کا دور دورہ تھا، نظامِ حکومت میں حد درجہ ابتری تھی، حکام کی سخت گیری اور عوام کی اخلاقی گراوٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قومیں اپنے اندرونی مسائل ہی میں الجھ کر رہ گئی تھیں، دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے ان کے پاس نہ کوئی پیغام تھا اور نہ انسانیت کے لیے کوئی دعوت تھی، درحقیقت یہ اقوام و مذاہب اندر سے کھوکھلے ہو چکے تھے، ان کی زندگی کا سوتا خشک ہو چکا تھا، ان کے پاس نہ دینی ہدایات تھیں اور نہ نظامِ حکومت کے لیے مستحکم و معقول اصول۔(۶۵) مشہور مغربی مصنف رابرٹ بریفالٹ Robert Briffault لکھتا ہے:

From the fifth to tenth century Europe lay sunk in a night of barbarism which grew darker and darker. It was a barbarism for more awful and horrible than that of the primitive savage, for it was the decomposing body of what had once been a great civilization. The eatures and impress that civilization were all but completely affected. When its development had been fullest, e.g., in Italy and Gaul, all was ruin squalor, dissolution.(66)

"پانچویں صدی سے دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی، اس دور کی وحشت و بربریت زمانۂ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی ہوئی تھی، کیوں کہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا، جیسے اٹلی و فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی (بدنظمی، نظم و ضبط کا فقدان) اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔"

ایک انگریز سیرت نگار آر، وی، سی بوڈلے (R.V,C. Bodely) اپنی کتاب (The Messenger) میں زمانۂ بعثت کی دنیا کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے لکھتا ہے: یہ ایک نزاع کا دور تھا، جب کہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں اوّل ہی تباہ ہو چکی تھیں یا اپنے شاہی دور کے اختتام پر تھیں(۶۷) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: }ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔}(۶۸)"خرابی پھیل گئی ہے، خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھا دے اور وہ باز آجائیں۔ (۶۹)

تاریخ کے اس تاریک ترین دور میں دنیا کی حالت کا نقشہ ڈینی سن (Denison) نے اپنی کتاب (Emotion as the Basis of Civilization) (جذبات بحیثیت اساس تمدن) میں اس طرح کھینچا ہے۔ "نوعِ انسانی پھر اسی بربریت کی طرف لوٹ جانے والی تھی، جہاں ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا تھا اور آئین و ضوابط کو کوئی جانتا تک نہ تھا، قدیم قبائلی آئین و مسالک اپنی قوت و احترام کو کھو چکے تھے، اس لیے اب ملوکیت کے

پرانے طُرق و انداز کا سکہ دنیا میں نہیں چل سکتا تھا، عیسائیت نے جن قواعد و ضوابط کو رائج کیا تھا وہ نظم و ضبط اور وحدت و یک جہتی کی بجائے انتشار اور تفرقہ، بربادی اور ہلاکت کا موجب بن رہے تھے، غرضیکہ وہ وقت آچکا تھا، جب لا قانونیت اور نظم و ضبط کے فقدان کے باعث ہر طرف فساد ہی فساد نظر آتا تھا۔ ڈینی سن مزید لکھتا ہے: "یہ امر موجبِ حیرت و استعجاب ہے کہ اس قسم کی ثقافت (جس نے انسانی معاشرے میں نظم وضبط پیدا کر کے، قانون کی حکمرانی اور نظم وضبط کی پابندی کا تصور اجاگر کیا) عرب کی سرزمین سے (پیغمبرِ آخر و اعظم، سرکار دوعالم ﷺ کی بعثت کے نتیجے میں) پیدا ہوئی اور اس وقت پیدا ہوئی، جب اس کی اشد ضرورت تھی۔(۷۰)

قرآن کریم میں (بعثتِ نبویؐ سے قبل) عالمگیر تاریکی وفساد کا نقشہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچا گیا ہے، جس سے انسان کی فکر بیدار ہوتی ہے۔

}ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ } (۷۱) "خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں فساد پھیل گیا، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے اور وہ باز آجائیں۔ "

اس طرح تمام انسانیت ظلم و تعدی، بے انصافی و سفاکی، بدی اور توہمات کے انبار کے نیچے دبی ہوئی کراہ رہی تھی۔ مختصراً یہ کہ جب انسانیت حالتِ نزع میں مبتلا تھی، اس وقت اللہ جل شانہ نے اپنے آخری رسول و نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ کو اس مظلوم انسانیت کا نجات دہندہ بنا کر مبعوث فرمایا اور آپؐ ان کو گمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور میں لائے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے: {كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِلا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ}(۷۲) "یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے (ہدایت کے) نور کی طرف لائیں، یعنی غالب اور قابلِ ستائش خدا کے راستے کی طرف۔"

معروف عرب مؤلف اور سیرت نگار عباس محمود عقاد کے الفاظ میں: "ایک عالمگیر نبوت کے ظہور کا اس سے بہتر اور مناسب وقت اور کون سا ہو سکتا تھا، جب عالمِ انسانی کی روحانی تشنگی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، جب تمام اقوام عالم کسی ٹھوس بنیادی عقیدے کی جستجو میں حیران و سرگرداں تھیں۔ جب کفر و شرک کی تاریکیاں بنی نوعِ انسان کے دل و دماغ کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھیں۔ اس وقت نبوت و رسالت کا ظہور نہ ہوتا، تو کب ہوتا؟ دنیا کی عالمگیر گمراہی کے جواب میں اگر آفتاب عالم تاب طلوع نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا؟ کارکنان قضا و قدر کا اس سے بہتر فیصلہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ ایسے پُر آشوب دور میں ایک نبوت کے ظہور کا اہتمام کیا جائے، جس کے فیض کا سلسلہ شرق و غرب اور اسود و احمر کے لیے یکساں نفع بخش ہو۔"(۷۳)

## بعثت نبویؐ سے قبل مشرق و مغرب کی عالمی تہذیبوں اور مختلف معاشروں میں بدترین بد نظمی، انتشار اور نظم وضبط کا فقدان:

### تاریخی، تحقیقی و تقابلی جائزہ:

چھٹی صدی عیسوی آنحضرت ﷺ کی بعثت اور اسلام کے ظہور کا زمانہ ہے، اس وقت دنیا کی تمام سیاسی قوتیں مشرق و مغرب کی دو عظیم عالمی طاقتوں کے زیرِ سایہ تھیں، مشرق کی نمائندگی فارس کے کسریٰ اور مغرب کی قسطنطنیہ کر رہے تھے۔ ان سے الگ یا ان سے بالاتر کسی نظامِ زندگی کا تخیل ان کے ذہن کی گرفت سے بالاتر تھا۔ غرض کہ دنیا کے مختلف حصّوں اور ملکوں میں اجتماعی بد نظمی، انتشار، اخلاقی تنزل اور دینی غفلت رونما تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ تمام ممالک تنزل، انحطاط اور شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں۔ (۷۴)

جب ہم بعثتِ نبویؐ سے قبل کی متمدن دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو دنیا کے ہر خطے میں بادشاہت کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ بادشاہ اپنی حکمرانی اور اختیارات میں مطلق العنان تھے۔ قرآن کا زاویۂ نظر بادشاہوں کے متعلق یہ ہے کہ {اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَآ اَذِلَّۃً ج وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوْن}(۷۵) بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں، تو وہاں فساد برپا کرتے ہیں اور عزت داروں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ یعنی انہیں اپنا غلام بنا لیتے ہیں، ان کے مال و جائیداد پر قابض ہو جاتے ہیں، اپنے مناصب کا بلاجواز اور غیر ذمّے دارانہ استعمال کرتے ہیں۔ حکمراں بادشاہ اپنے آپ کو زمین پر خدا کا نائب سمجھتے تھے۔ چنانچہ شاہانِ ایران اپنے نام کے ساتھ "برادرِ مہر و ماہ" لکھا کرتے تھے، مصر کے بادشاہ فرعون، چین کے فغفور، اشوریا کے سلاطین، جاپان کے میکاڈو وہ اپنے آپ کو دیوتا سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے شاہی دبدبے اور شہنشاہانہ کروفر کو قائم رکھنے کے لیے ایسی رسمیں وضع کر رکھی تھیں کہ رعایا پوجا کی حد تک ان کی تکریم کرنے پر مجبور تھی۔(۷۶) اس زمانے کی سیاست مطلق العنان بادشاہت تھی، یہ بادشاہت اکثر مخصوص خاندانوں کی عظمت پر قائم ہوتی تھی، جیسا کہ ایران میں تھا، جسے "فارس" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، یہ اپنی قدامت کے لحاظ سے دنیا کے ان چند حصوں میں شامل ہے، جن کی تاریخ انتہائی قدیم اور طولانی ہے۔(۷۷) ابن خلدون کے مطابق فارس میں شہنشاہیت کا دور چار ہزار دو سو اٹھاسی سال کی مدت پر محیط ہے۔(۷۸)

شاہانہ اختیارات کے غیر ذمہ دارانہ استعمال کا یہ عالم تھا کہ آشوری بادشاہوں کا تخت سونے کا ہوتا تھا، جس پر بادشاہ جلوہ افروز ہوتے تھے۔(۷۹)

چھٹی صدی عیسوی تک سلطنت روما دو حصوں میں بٹ گئی تھی، مشرقی سلطنت رومہ اور مغربی سلطنت روما۔ مشرقی سلطنت رومہ کو بازنطینی سلطنت کہتے تھے۔ اس کا دارالخلافہ قسطنطنیہ تھا اور بادشاہ کا لقب قیصر تھا۔ مشرقی سلطنت رومہ مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں بھی بادشاہ وقت مطلق العنان حکمراں کی حیثیت سے ملک پر حکومت کرتا تھا اور اپنے آپ کو ظل سبحانی سمجھتا تھا۔ تمام اختیارات اور طاقت کا سرچشمہ شہنشاہ کی ذات

ہوتی تھی۔ وہ عدلیہ، انتظامیہ اور فوج کا سربراہ ہوتا تھا، بادشاہ تمام قوانین سے بالاتر سمجھا جاتا تھا۔ مغربی رومی سلطنت کا بڑا امتیاز ان کی شہنشاہیت پسندی، استعماری روح اور زندگی کا خالص مادہ پرستانہ نقطۂ نظر تھا۔ رومی رؤسا و امراء اور اونچے طبقے کے لوگ اپنے لیے فارغ البالی اور امارت کی زندگی کا سامان حاصل کرنے کے لیے کسی ظلم و بیدردی کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔(۸۰)

**انتشار، بدنظمی اور نظم وضبط کے فقدان کے باعث دنیا کی عمومی اور اجتماعی حالت کا جائزہ:**

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جہاں بھی شہنشاہیت اور آمرانہ نظام ہوگا، وہاں عوام کے حقوق کی پامالی لازمی نتیجہ ہے۔ بعثت نبویؐ کے وقت دنیا کی دو شہنشاہیتیں فارس (ایران) اور روم دو عالمی طاقتوں کے طور پر عالمگیر شہرت رکھتی تھیں۔ (۸۱) خسرو دوم نے ۶۰۷ء۔۶۰۸ء میں طیسفون (مدائن) میں اپنے خزانے کو نئی عمارت میں منتقل کیا تو اس میں چھیالیس کروڑ اسّی لاکھ مثقال سونا تھا۔ یعنی سینتیس کروڑ پچاس لاکھ فرانک طلائی (چار ارب اڑسٹھ کروڑ روپے) حکومت کے تیرہویں سال کے بعد اس کے خزانے میں اسّی کروڑ مثقال وزن کا سونا تھا۔ (جس سے اس دور میں بدانتظامی اور بدترین کرپشن کا پتا چلتا ہے)(۸۲)

تاریخ کے اس دور میں یونان کا شہنشاہ "بطلیموس" کے لقب سے سرفراز تھا۔ ترکوں کا "خاقان" کے لقب سے، فارس کے شہنشاہ کا لقب "کسریٰ" تھا، روم کے شہنشاہ کا "قیصر" اور حبش کے شہنشاہ کا "نجاشی"۔ انسانی سوسائٹی جابر و قاہر شخصی حکومتوں اور غرور سے بھرے ہوئے خطاب یافتہ حکمرانوں کے شکنجہ ظلم و استبداد میں عدل و انصاف اور انسانی مساوات کے فقدان کے باعث قریب بہ مرگ تھی۔ اس دور تاریک پر جسے قرون مظلمہ (DARK AGES) کے تاریخی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مغربی دنیا کا مشہور دانشور جے ایچ ڈینی سن (J.H. DENISON) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے! "پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانے پر کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدّت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے، وہ منتشر ہونے والی ہے، انتشار و نظم وضبط، عدل و انصاف اور مساوات کے فقدان کے باعث پھر اسی بربریت کی جانب لوٹ جانے والا ہے جس میں ہر قبیلہ اور ہر گروہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جائے۔(۸۳)

جس سرزمین پر آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، اس دور میں عہد جاہلیت کے عرب معاشرے کا کیا حال تھا، ڈاکٹر صبحی محمصانی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں! اس زمانے میں سرزمین عرب میں قوانین کا نفاذ قبیلے کی رائے عامہ اور اس کے سردار کے اقتدار پر موقوف تھا اور کبھی یہ مصداق جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ (۸۴) زمانۂ جاہلیت میں عرب کے بدوی قبائل میں نظم وضبط کے فقدان، بدنظمی اور انتشار کے باعث کوئی حکمراں، کوئی حکومت نہ تھی، کوئی عدالت بھی نہیں ہوا کرتی تھی، لہٰذا کسی شخص کو انصاف حاصل کرنے کے لئے کسی کے پاس جاکر شکایت کرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مظلوم کیا کرے "دست خود دھانِ خود" ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اپنے ظالم سے بدلہ لے گا۔ اگر

ظالم کمزور ہو تو بدلہ آسان تھا لیکن اگر ظالم قوی تر ہو تو کمزور کے لئے کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ انصاف حاصل کر سکے۔(۸۵) یہ بعثت نبویؐ کا فیضان تھا کہ دنیا مثالی فلسفۂ حکمرانی کے نتیجے میں نظم وضبط، تہذیب و تمدن، بنیادی انسانی حقوق، عدل وانصاف، رواداری، عدل و مساوات اور اعلیٰ انسانی اقدار سے متعارف ہوئی اور وہ تاریخ ساز انقلاب رونما ہوا، جس نے بد نظمی، انتشار اور لا قانونیت کا خاتمہ کر کے "نظم وضبط" کا کلچر فروغ دینے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔

**نظامِ قدرت: کائنات کی بے مثال تنظیم اور نظم وضبط کا حسین مظہر:**

یہ کارخانہء قدرت جو کائنات کی تخلیق کے آغاز سے ہی منظم انداز میں رواں دواں ہے، یہ اپنے آپ نہیں چل رہا، بلکہ اسے بنانے اور اسے چلانے میں ایک بلند و بالا اور اعلیٰ طاقت کا ہاتھ ہے اور وہ اعلیٰ و ارفع اور لازوال طاقت اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی ذات ہے۔ یہی ذات اقدس اس کائنات کی منتظم ہے۔

**منتظم کائنات:** اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات ہے اور اس کائنات کا انتظام و انصرام اس کی مرضی اور منشاء کے مطابق باقاعدہ نظم وضبط اور منظم اور طے شدہ منصوبے کے تحت چل رہا ہے۔ سورۂ رحمٰن کی یہ آیات اس حقیقت کی ترجمان ہیں:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ۝۵ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ۝۶ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ۝۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ۝۸ (۸۶)

سورج اور چاند حساب میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور بیلیں اور درخت سب اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور آسمان کو اسی نے بلند کیا ہے اور اسی نے ترازو قائم کی ہے کہ تم تولنے میں ظلم نہ کرو۔ دن اور رات کا اپنے مقررہ وقت پر آنا جانا، دن اور رات کا بننا سورج کا طلوع ہونا اور غروب ہونا، سورج کے نکلنے سے روشنی کا پھیلنا اور رات کی تاریکی میں چاند ستاروں کی چمک اور ٹمٹماہٹ نظم کائنات کا بہترین شاہکار ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سورۂ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ۝۱۹۰ (۸۷)

بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں ان عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ نظام ازل سے اسی طرح چل رہا ہے اور ابد تک اسی طرح چلتا رہے گا، کیونکہ اس نظام کو چلانے والی طاقت اور قوت اللہ تعالیٰ ہے۔ سورۂ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ۝۴۰ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۝۴۰ (۸۸)

نہ تو سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے، اور نہ رات دن سے آگے نکل سکتی ہے، اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔

سورج، چاند ستاروں کی گردش: جس طرح دن اور رات اپنے مقررہ وقت پر آتے جاتے ہیں، اسی طرح سورج، چاند ستارے اپنے اپنے محوروں اور دائروں میں گردش کر رہے ہیں، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے

لئے کیا ہوا ہے، کیونکہ ان کے گردش کرنے میں بے شمار فائدے ہیں، اور یہ گردشیں اتنی منظم ہیں کہ ان سے ترتیب اور نظم کے ساتھ موسم آتے ہیں، دن اور راتیں لمبی چھوٹی ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

هُوَالَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَه مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّـنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۸۹)

اور اللہ وہی ہے جس نے سورج کو سراپا روشنی بنایا، اور چاند کو سراپا نور، اور اس کے (سفر) کے لیے منزلیں مقرر کر دیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم کر سکو۔ اللہ نے یہ سب کچھ بغیر کسی صحیح مقصد کے پیدا نہیں کر دیا، وہ یہ نشانیاں ان لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے جو سمجھ رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں اس آیت مبارکہ سے چاند اور سورج کی گردشوں سے ان کی منزلوں کے مقصد کی وضاحت ہو گئی ہے، وہ یہ کہ انسان ان سے وقت اور عرصے (سالوں) کی گنتی کر سکے اور یہ گردشوں کا سلسلہ ایک منظم انداز سے جاری ہے، اس میں کبھی کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر تو ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا، اللہ تعالیٰ بارش سے زمین کو زندہ کرتا ہے، اور پھر زمین فصل دینے کے قابل ہو جاتی ہے۔ فصلوں کا اپنے اپنے موسم پر پیدا ہونا: یہ قدرت خداوندی ہے کہ اس نے اپنی تمام مخلوقات کو زندہ رکھنے کے لئے ان کے لئے خوراک کا اعلیٰ اور بے مثل انتظام کر دیا ہے۔ انسانوں اور جانوروں کی خوراک کے لئے اس نے مختلف قسم کی فصلیں اور اجناس پیدا کر دی ہیں، اور ہر موسم میں مختلف النوع اشیاء پیدا ہوتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ قرآن کریم کی ان آیات کریمہ میں انسان کو اپنی خوراک اور غذا کی طرف غور کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۲۴ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاۗءَ صَبًّا ۲۵ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۲۶ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۲۷ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۲۸ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۲۹ وَّحَدَاۗىِٕقَ غُلْبًا ۳۰ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۳۱ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۳۲ (۹۰)

پھر ذرا انسان اپنے کھانے ہی کو دیکھ لے کہ ہم نے اوپر سے خوب پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو عجیب طرح پھاڑا۔ پھر ہم نے اس میں غلے اگائے اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجور اور گھنے گھنے باغات اور میوے اور چارہ۔ سب کچھ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کی خاطر۔

درج بالا آیات میں نظم کائنات کی عمدہ مثالیں دی گئی ہیں۔ پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر زمین سے پانی برسایا۔ پھر زمین کو پھاڑ دیا۔ یعنی جس جگہ فصلیں اور پودے سر نکالتے ہیں اس جگہ کو پھاڑنا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے غلہ پیدا کیا اس کے علاوہ اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ مختلف موسموں میں مختلف فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ جو ہر لحاظ سے اپنے اپنے موسم میں انسانی صحت کے لئے مفید ثابت ہوتی ہیں، اس طرح یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی زمین ایک سال میں کئی اجناس پیدا کرتی ہے۔ اور ہر جنس کا ایک اپنا ذائقہ اور خواص ہوتے ہیں۔ یہ سب قدرت خداوندی کے کرشمے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے ساتھ موت کو بھی اٹل

حقیقت بنایا۔ ہر وہ چیز جو کائنات میں موجود ہے اس کو ایک نہ ایک دن تباہ ہونا ہے۔ یہ حیات و ممات کا سلسلہ اللہ رب العزت نے ایک عمدہ ترتیب اور پورے نظم سے چلایا ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ۔۶۰ (۹۱)

ہم نے ہی تمہارے درمیان موت کے فیصلے کر رکھے ہیں اور کوئی نہیں ہے جو ہمیں اس بات سے عاجز کر سکے۔ ان تمام نشانیوں کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے رب کو جان لے اور اس کی عظمت و کبریائی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں موجود اشیاء کے بارے میں انسان کو غور و فکر کی دعوت دی اور اس نے قرآن کریم میں نظام قدرت کے توازن اور اس میں موجود تنظیم، منظم منصوبہ بندی اور باقاعدہ نظم وضبط کے اپنی ربوبیت کے ایسے مظاہر دکھائے جن سے مسلمان کا ایمان مضبوط ہوتا ہے اور وہ پکار اٹھتا ہے کہ: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (۹۲) اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ آپ (ایسے فضول کام سے) پاک ہیں۔

سورۂ ملک کی مندرجہ ذیل آیات نظامِ قدرت کے اعجاز، اس کی باقاعدہ منصوبہ بندی اور نظام کائنات میں نظم وضبط کی ایک روشن دلیل ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔ وَهُوَعَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ۱ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ وَهُوَالْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ۲ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ۔ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَحَسِيْرٌ۴ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ۵ (۹۳)

بڑی شان ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ جس نے موت اور زندگی اس لیے پیدا کی تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ بہتر ہے، اور وہی ہے جو مکمل اقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا ہے۔ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے، تم خدائے رحمن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے۔ اب پھر سے نظر دوڑا کر دیکھو کیا تمہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ پھر بار بار نظر دوڑاؤ، نتیجہ یہی ہو گا کہ نظر تھک ہار کر تمہارے پاس نامراد لوٹ آئے گی۔ اور ہم نے قریب والے آسمان کو روشن چراغوں سے سجا رکھا ہے، اور ان کو شیطانوں پر پتھر برسانے کا ذریعہ بھی بنایا ہے، اور ان کے لیے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

نظامِ کائنات، کارخانہء قدرت اور اس کی صنعت، منظم منصوبہ بندی، نظم وضبط کا شاہکار ہے، یہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ اس میں مستحکم نظم وضبط کی بندش نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ۔ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ۳ (۹۴)

جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے، تم خدائے رحمن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے۔ اب پھر سے

نظر دوڑا کر دیکھو کیا تمہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟

اس قسم کی اور سینکڑوں آیات ہیں، جن کا ذکر بھی ایک طویل بحث کا موضوع ہے، ان آیتوں میں تین قسم کے دلائل ہیں۔

1 قدرت کے عجائبات اور نیرنگیاں، اور پھر انکا منظم منصوبے، نظم وضبط کی مکمل پابندی اور ایک قانون کے ماتحت ہونا۔

2 پورے عالم کا نظم وضبط اور اس کا مرتب سلسلہ۔

3 کائنات اور سلسلہء عالم کی ہر کڑی میں نظم وضبط، بے انتہا مصلحتوں، حکمتوں اور فائدوں کا ہونا۔

ان مقدمات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کائنات اور اس کے یہ عجائبات اور اس کے یہ منظم علل واسباب، خود بہ خود بخت و اتفاق سے نہیں بن گئے، بلکہ کسی حکیم و دانا اور قادر مطلق صانع نے اپنی قدرت اور مشیت سے ان کو بنایا ہے۔(۹۵)

**اسلام کا نظامِ عبادت... ایک منظم منصوبہ بندی اور نظم وضبط کا مظہر:**

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اسلامی عبادات کے یہ بنیادی ستون اور دین مبین کے بنیادی ارکان اسلام کے ایک جامع نظام عبادت، دین کامل اور منظم انسانی معاشرے کی ایک روشن دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ اتحاد و یگانگت، ربط ملت اور نظم وضبط کا حسین مظہر ہیں۔ اسلامی عبادات میں سب سے اہم عبادت نماز ہے، نماز اہل ایمان کے اوپر رات دن کے درمیان پانچ وقت کے لئے فرض کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں نماز کا حکم دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۱۰۳ (۹۶)

بیشک نماز مسلمانوں کے ذمے ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے۔ قرآن کریم کے مطالعے سے واضح طور پر اس کے پانچ اوقات معلوم ہوتے ہیں: 1 سورج نکلنے سے پہلے، "قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ" (۹۷) 2 دوپہر ڈھلنے کے وقت، "لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ" (۹۸) 3 غروب آفتاب سے پہلے، "وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا" (۹۹) 4 جب شام ہوتی ہے "حِيْنَ تُمْسُوْنَ" (۱۰۰) 5 جب رات تاریک ہو جائے، "اِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ" (۱۰۱)

اس طرح قرآن کریم سے پانچ نمازیں مع تعین اوقات ثابت ہو جاتی ہیں۔ نماز اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی بندگی کا مظہر ہے اس کی اصل اللہ کی یاد ہے۔ مگر اس کا نظام ایسی حکمت کے ساتھ بنایا گیا ہے کہ زندگی کے تمام تقاضے نہایت جامعیت کے ساتھ اس میں شامل ہو گئے ہیں۔ نماز اتحاد اور اجتماعیت کا سبق ہے۔ وہ بندے کو اپنے رب سے جوڑتی ہے، وہ ہمارے اندر نظم وضبط، ذمہ داری کا احساس پیدا کرتی ہے۔ وہ ہمارے اوقات کو منظم کرتی ہے۔ مسلمان اگر حقیقی شعور کے ساتھ نماز پر قائم ہو جائیں تو ان کی دنیا بدل جائے اور وہی ان کے تمام مسائل کے حل کے لئے کافی ہو جائے۔ پانچ نمازیں اہل ایمان کے لئے نظامِ الاوقات کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مسجد میں نماز باجماعت کے حوالے سے اسلام نے نظامِ اجتماعیت کے پانچ اُصول دیئے ہیں، جن کو اگر معاشرے کی اصلاح کے لئے روبہ عمل لایا جائے تو ایک انقلابی تبدیلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ وہ پانچ اصول مختصراً درج ذیل ہیں:

**1 بد نظمی اور انتشار کا خاتمہ:**

اسلام ملت اسلامیہ کو ہر قسم کے انتشار اور بد نظمی سے پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے، لوگوں کو ٹولیوں کی صورت میں بیٹھے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم اس طرح منتشر رہو گے تو تمہارے دل کبھی ایک دوسرے سے نہ مل سکیں گے۔

**2 ملی وحدت اور استحکام:**

اجتماعیت کا دوسرا اُصول جو مسجد میں صف بندی اور ایک قبلہ کی طرف منہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلام عملی زندگی میں بھی اسی اصول کو مسلمانوں کے اندر دیکھنا چاہتا ہے۔

**3 نظم وضبط کا لحاظ:**

اجتماعیت صرف صف بندی ہی کا نام نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ ترتیب اور قرینے کا بھی لحاظ رکھا جائے۔ مسجد کے اندر اور باہر اس اُصول کو عملی جامہ پہنانا ضروری ہے، تاکہ اُمت کو متحد اور منظم رکھا جاسکے۔ اس ضمن میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے: "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور متفرق نہ ہو جاؤ" ہمیں اسے اپنا وظیفہ حیات بنالینا چاہئے۔

**4 تنظیم سازی:**

اجتماعیت کا چوتھا اُصول تنظیم سازی سے متعلق ہے۔ جس طرح نماز میں حکم ہے کہ صف اوّل مکمل ہونے تک دوسری صف نہ بنائی جائے اور صفوں میں عمر اور علمی مرتبہ کے لحاظ سے حفظِ مراتب کا خیال رکھا جائے، اس اُصول کا اطلاق مسجد سے باہر کی عملی زندگی پر بھی ہونا چاہئے۔

**5 امامت اور قیادت کی بنیادی اہلیت:**

نمازِ باجماعت کی امامت کے لئے شریعت اسلامیہ نے ایسے شخص کو امام مقرر کرنے کی تعلیم دی ہے جو قرأت، علم، تقویٰ وطہارت کی شرائط پر پورا اترتا ہو، جن کی تفصیل کتب فقہ میں دی گئی ہے۔ اس اُصول کی رُوشنی میں یہ ضابطہ وضع کیا گیا ہے کہ امت مسلمہ اپنا قائد کسی ایسے شخص کو منتخب کرے جو ہر لحاظ سے نظم وضبط کا پابند قیادت کا اہل ہو۔

**نظم وضبط کے حوالے سے "نماز" کی اہمیت:**

اسلام اپنے پیروؤں کو ہدایت کرتا ہے کہ ان سب کے اندر ایک ہی مشن کے علمبردار ہونے کا گہرا شعور پایا جانا چاہئے، اور اس غرض کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک منظم اجتماعی زندگی بسر کریں۔ ان کا ایک امیر ہو، جو شریعت

کے احکام پر خود چلے اور پُورے معاشرے کو چلائے، شرعی نظام قائم رکھے۔ لوگ ایک منظم اور تربیت یافتہ فوج کی طرح ہوں اور یہ ان کا سپہ سالار ہو، وہ انہیں جب حرکت میں آنے کو کہے تو حرکت میں آجائیں اور جب ٹھہرنے کو کہے تو ٹھہر جائیں۔ نماز نظم وضبط اور اطاعت کا ٹھیک ایسا ہی پختہ مزاج پیدا کرتی ہے۔ کیا نظم وضبط، ڈسپلن اور اطاعت امیر کی اس سے بہتر ذہنی اور عملی تربیت اور کسی طرح ہو سکتی ہے جو نماز سے انجام پاتی ہے؟

اسی طرح اسلام اپنے پیروؤں میں غایت درجہ محبت اور بھائی چارگی دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ سچا مومن ہونے کی پہچان یہ بتاتا ہے کہ ہر شخص اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ "نماز" محبت اور بھائی چارگی کے اس احساس کو پوری قوت سے پیدا کرتی اور اسے برابر غذا دیتی رہتی ہے۔ محلے اور بستی بھر کے مسلمان جب اپنے رب کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو ان کے صرف قدم اور شانے ہی باہم ملے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ ایک طرح سے دل بھی آپس میں ملے ہوتے ہیں۔

اسلام تمام انسانوں کو ایک ہی آقا کے غلام اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد قرار دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ کوئی کسی کو نیچا اور کمتر خیال نہ کرے۔ رنگ، وطن، نسل اور نسب یا دولت کی بنا پر کوئی اعلیٰ اور کوئی ادنیٰ نہیں ہوا کرتا۔ برتری اگر کسی کو مل سکتی ہے تو صرف نیکی اور خدا ترسی کی بنا پر، نماز اس حقیقت کے شعور کو اپنے ظاہر سے بھی بیدار کرتی رہتی ہے اور اپنے باطن سے بھی۔ ظاہر ہے کہ اس طرح نماز میں نہ کوئی، بندہ" رہ جاتا ہے اور نہ کوئی "بندہ نواز"۔ فاروقِ اعظمؓ اور ایک حبشی غلام دونوں ساتھ ساتھ ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں، ایک ہی خاکِ نیاز ہوتی ہے، جس پر سب کی پیشانیاں پڑی ہوتی ہیں۔ باطن سے اس طرح کہ نماز کے اندر سب کے دلوں میں بلندی وپستی کا ایک ہی تصور چھایا رہتا ہے، اور وہ یہ کہ ساری عظمتوں کا مالک صرف اللہ ہے، اور کوئی نہیں، ہماری حیثیت عبد اور غلام کی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کو نماز اس حیثیت کا یہ احساس دلاتی رہے گی، وہ رنگ ونسل یا مال ودولت کے سراب سے کبھی دھوکا نہیں کھا سکتا، نہ دوسروں کے مقابلے میں اپنے کو اونچا سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح روزہ، حج اور زکوٰۃ بھی اسلامی اخوت واجتماعیت، ربط ملت، ایک منظم اسلامی معاشرے کی تعمیر وتنظیم اور نظم وضبط کا روشن نمونہ اور حسین مظہر ہیں۔ اسلامی عبادات بالخصوص "نماز" کے انسانی زندگی پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

1. آدمی کے ذہن میں اس حقیقت کے ادراک کو تازہ رکھنا کہ وہ دُنیا میں ایک خود مختار وجود نہیں ہے، بلکہ رب العالمین کا بندہ ہے اور یہاں اسی حیثیت سے اس کو کام کرنا ہے۔
2. بندے کی حیثیت سے اسے فرض شناس بنانا اور اس میں ادائے فرض کی عادت پیدا کرنا۔
3. فرض شناس اور نافرض شناس میں تمیز کرنا اور نافرض شناس افراد کو چھانٹ کر الگ کر دینا۔
4. خیالات کا ایک پورا نظام، ایک پوری آئیڈیالوجی آدمی کے ذہن میں اتار دینا اور اس کو ایسا مستحکم کرنا کہ وہ

ایک پختہ سیرت بن جائے۔

5 آدمی میں یہ قوت پیدا کرنا کہ اپنے عقیدے اور اپنے علم و بصیرت کے مطابق جس طرزِ عمل کو صحیح سمجھتا ہو اس پر عمل کر سکے، اور اپنے جسم و نفس کی تمام طاقتوں سے اس راہ میں کام لے سکے۔ اس کے کیر کٹر میں اس قسم کا ڈھیلا پن نہ رہ جائے کہ صحیح تو سمجھتا ہو ایک طریقہ کو، مگر اپنے نفس کی خواہش سے مجبور ہو کر چلے دوسرے طریقے پر۔(۱۰۲)

اسلام جو سوسائٹی بناتا ہے اس کے ایک ایک فرد کو وہ اس طرح نماز کے ذریعے تیار کرتا ہے۔ بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کے سوا دنیا میں کوئی دوسرا اجتماعی نظام ایسا نہیں ہے جس نے اپنے اجزائے ترکیبی، یعنی اپنے افراد کو فرداً فرداً تیار کرنے کے عبادت کے ایسے طریقے وضع کئے ہوں۔

**نظم وضبط: اسلامی معاشرے اور شریعتِ محمدی ﷺ کا بنیادی اصول:**

**منظم اجتماعی شریعت:**

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ اپنی کتاب "النظریۃ العامۃ للشریعۃ الاسلامیۃ" میں اسلامی شریعت میں نظم و ضبط کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1- شریعت جماعتی نظم و ضبط کی ضرورت پر زور دیتی ہے۔ حدیث میں ہے: من مات وليس في عُنقه بيعة مات ميتة جاهلية "جو بغیر بیعت کے مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔" منظم رہنا اجتماعی ضرورت ہے، خواہ مخصوص حالات میں کوئی عارضی اور وقتی اجتماعیت ہی کیوں نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے: اذا كنتم ثلاثة فامروا احدكم "اگر تمہاری تعداد تین ہے تو اپنے میں سے ایک کو امیر بنالو۔" ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ ساتھ مدینے کے یہودی باشندوں پر مشتمل ایک نئی جماعت تشکیل دی، جس کی تمام تر تفصیلات اس تاریخی دستوری وثیقہ میں موجود ہیں، جو ریاست کے ارتقاء کی تاریخ میں سب سے قدیم ترین تحریری دستور ہے۔ اور یہ اس دستوری معاہدہ پر مبنی ہے جسے "میثاق مدینہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ دراصل شریعت اسلامی اجتماعیت پر مبنی ایک شریعت ہے، یعنی ایسی شریعت جو ایک اجتماعیت اور نظم کے قیام کا مطالبہ کرتی ہے اور جس کا تقاضہ ہے کہ انسانی معاشرہ حکومت کی شکل میں منظم ہو۔ تمام فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ خلیفہ یا امیر المومنین کا تقرر واجب ہے۔

2- شریعت محض اجتماعیت ہی کو کافی تصور نہیں کرتی بلکہ نظم وضبط کی بھی متقاضی ہے، کیونکہ شریعت جس اتحاد اور اجتماعیت کی دعوت دیتی ہے، اس کا بھی ایک مقصد ہے جو اس جماعت کی تنظیم کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اس جماعت کا یہی عظیم مقصد اور سب سے بڑی اسکیم ہے۔ یہی مقصد ہر قسم کے حالات میں اس کے لیے مدد و معاون ہوگا اور ان کی جملہ سرگرمیوں کا مرکز بھی۔(۱۰۳)

## نظم وضبط، اطاعتِ رسول ﷺ اور اسوۂ نبوی ﷺ کی پیروی کا بنیادی تقاضا:

نظام کائنات، گردشِ لیل ونہار اور قدرت کی نیرنگیوں سے جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ پوری کائنات ایک ہمہ گیر ضابطے میں موجود ہے، جس میں بہت کم انحراف یا تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ زمین میں قدرت نے اگانے اور پیدا کرنے کی جو صلاحیت رکھی ہے، وہ ایک ضابطے کی پابند ہے۔ سمندروں، دریاؤں، ندیوں اور آبشاروں کا اپنا ضابطہ ہے۔ صحرا ہو یا گلستان، چاند ہو یا سورج، ہوائیں ہوں یا بادل، معدنیات ہوں یا نباتات سب ایک ضابطے کے پابند ہیں اور یہ ضابطہ انہیں ازل سے قدرت نے تفویض کیا ہے۔ یہ کائنات جس قدر فوائد اور ثمرات انسانوں کے لئے پیش کر رہی ہے، اس کی پشت پر نظم وضبط، ضابطے کی ایک ایسی قوت ہے جس کے بغیر کوئی انسان اس کائنات کے عناصر اور لوازم سے کسی نوعیت کی منفعت حاصل نہیں کر سکتا۔ عقل سلیم اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ یہ ضابطہ دینے والی کوئی ایک ذات ہونی چاہئے۔ اگر اس سیر آفاقی سے اس قدرت کی پہچان اور اس ذات کا عرفان حاصل ہو جائے جو اس کائنات کی حقیقی خالق اور فاعل ہے تو یہ توحید کا راستہ ہے جسے دکھانے کے لئے حق تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے۔

انبیائے کرام کے اسی مقدس سلسلے کے آخری ہادی اور رہنما تاجدار نبوت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ ذرا تاریخ کے جھروکوں کے سے انسانی معاشروں کی تصویریں دیکھنے کی کوشش کیجئے کہ جن معاشروں یا گروہوں نے آسمانی ہدایت اور ضابطوں کو تسلیم کرنے یا اختیار کرنے سے انکار کیا، ان ضابطوں نے ان کا نام ہی صفحہء ہستی سے نیست ونابود کر دیا۔ قرآن مجید نے ان ضابطہ شکن قوموں کا نام لے لے کر ان کی ہلاکت اور تباہی کی عبرت ناک داستان کو بیان کیا ہے۔ عاد وثمود کے قصے ایسے ہی لوگوں کے ہیں جنہوں نے طے شدہ نظم وضبط اور آسمانی ضابطوں کو توڑ کر یا فراموش کر کے زندگی گزارنے کی کوشش کی تھی۔ جس طرح کائنات کے مختلف عناصر ضابطہء الٰہی کی پابندی سے ہمارے لئے فوائد وثمرات فراہم کرتے ہیں، بعینہٖ انسان بھی اگر اپنی زندگی کو ضوابط شریعت کے تابع کر لیں تو انہیں دین ودنیا کے تمام ثمرات حاصل ہو سکتے ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے اپنے مجموعہء کلام "ضربِ کلیم" میں ایک مختصر نظم "احکام الٰہی" کے عنوان سے لکھی ہے، آپ فرماتے ہیں۔

پابندیٔ تقدیر کہ پابندیٔ احکام؟ — یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خرد مند
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر — ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات — مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند(۱۰۴)

## "نظم وضبط" اور اتباع رسول ﷺ:

احکام الٰہیہ کی پابندی کا دوسرا نام نظم وضبط ہے، مگر اس نظم وضبط کا جو معیار یا منہج ہمیں دیا گیا ہے، وہ پیروی

رسول ﷺ یا اتباع سنت کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر دینی نظم وضبط کو اختیار کرنے کے لئے پیروئ رسول اللہ ﷺ کی طرف توجہ دلائی اور تاکید کی گئی ہے۔ "سورۂ آل عمران" میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۳۲ (۱۰۵)

کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر منہ موڑو گے تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ سورۃ الحشر میں پیروئ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یوں توجہ دلائی گئی ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (۱۰۶)

رسول ﷺ جو حکم تمہیں دیں، اس کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو۔

مومنانہ زندگی ایک شرعی نظم وضبط کا تقاضا کرتی ہے۔ ایمانی زندگی کی تکمیل کے لئے حضور ﷺ کے لائے ہوئے ضابطوں کی پابندی بہت ضروری ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

لا يؤمِنُ اَحَدُكمْ حَتّٰى يكوْنَ هَوَاه تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِه (۱۰۷)

"تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔" کتاب وسنت میں اتباع رسول اللہ ﷺ کی ضرورت واہمیت پر بہت واضح اور حتمی تعلیم دی گئی ہے۔ دین ودنیا کے تمام معاملات میں اسوۂ حسنہ کے دیئے ہوئے نظم وضبط کے مطابق عمل کرنا ایک مسلم اور مومن کی بنیادی ذمے داری ہے۔

اتباع رسول ﷺ سراسر نظم وضبط کا تقاضا کرتی ہے۔ ایمانیات کے درجے میں اتباع رسول ﷺ کے تقاضے یہ ہیں کہ توحید خالص کو اپنایا جائے، رسالت کے تقاضوں کو پورا کیا جائے، اور آخرت کی مسؤلیت پر یقین پیدا کیا جائے۔ عبادات میں اتباع رسول ﷺ کے بغیر کسی عبادت کی قبولیت ممکن ہی نہیں۔ معاملات میں بھی ہمیں پیروئ رسول اللہ ﷺ کا درس دیا گیا ہے۔ اخلاقیات اور روحانیات میں بھی پیروئ رسول ﷺ ہی ایک ایسا ضابطہ ہے جس کے بغیر یہ منزل اور اس کی طرف جانے والا راستہ میسر نہیں آسکتا۔

قرونِ اولیٰ میں صحابہ کرامؓ نے پیروئ رسول ﷺ میں نظم وضبط کی روشن اور درخشاں مثالیں قائم کی ہیں۔ چودہ سو سال بعد جس عہد میں ہم سانس لے رہے ہیں اس میں سائنس اور ٹیکنالوجی نے معاشرے کی ہیئت اور عادات کو متاثر کیا ہے، مگر ان علمی اور سائنسی ترقیات کے باوجود ہمیں کلام الٰہی اور اتباع سنت ہی کی ضرورت ہے۔ بقول اقبال:

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق وبخارات

ہمارے عہد میں جس قدر بے اطمینانی اور بے سکونی پیدا ہو چکی ہے، انسانی اقدار و روایات عالمی سطح پر جس قدر پامال ہو رہی ہیں، عالمی استعماری قوتیں استحصال کی جس روِش کو اپنائے ہوئے ہیں، ان سے نجات کا راستہ صرف اور صرف پیروئ رسول ﷺ اور شریعت کے نظم وضبط کو اختیار کرنے میں ہے۔(۱۰۸)

**اسوۂ رسول ﷺ اور تعلیماتِ نبوی ﷺ میں نظم وضبط کے مظاہر**

اسوۂ رسول ﷺ اور تعلیماتِ نبوی ﷺ میں نظم وضبط کے حوالے سے بے مثال ہدایات اور تعلیمات ملتی ہیں، جو اسلامی ریاست اور اس کے باشندوں کے لیے اسوۂ حسنہ اور لائق تقلید نمونہ ہیں، سرور کائنات ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور بے مثال تعلیمات میں ہمیں ہر پہلو نظم وضبط کے حوالے سے روشن و درخشاں نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں ہمیں ہر شعبۂ زندگی میں نظم وضبط کے حوالے سے جو تعلیمات ملتی ہیں، ان پر عمل دین و دنیا میں کامیابی کا سرچشمہ ہے۔ مختصر یہ کہ حیاتِ طیبہ کے ہر شعبے اور بندگی کے ہر گوشے میں نظم وضبط کے رہنما اصول پنہاں ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی دعوتی و تبلیغی زندگی، دینی و مذہبی زندگی، تعلیمی و تربیتی زندگی، ریاستی وانتظامی نظم و نسق، سیاسی زندگی، ازدواجی زندگی، عسکری زندگی، معاشی و معاشرتی زندگی، دستوری و عدالتی زندگی، غرض حیاتِ طیبہ کے ہر پہلو میں نظم وضبط کی سیکڑوں مثالیں ہمیں نظم وضبط کے حوالے سے دعوتِ فکر و عمل دیتی ہیں۔

**خانۂ کعبہ میں "حجر اسود" کی تنصیب اور نظم وضبط کے حوالے سے آپ ﷺ کا تاریخ ساز فیصلہ:**

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پورے عرب معاشرے میں قریش مکہ کی عزت اور توقیر صرف اسی وجہ سے تھی کہ اہل قریش خانہ کعبہ کے متولی اور پڑوسی تھے، اُن کا جاہ و جلال عزت و عظمت، سرداری اور برتری خانہ کعبہ کی وجہ سے ہی تھی، وہ اس کی رکھوالی کرتے تھے، خدمت کرتے تھے، حفاظت کرتے تھے، اہل قریش کی آن بان خانہ کعبہ سے ہی منسلک تھی۔

بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل جب خانہء کعبہ کی تعمیر جدید کا سارا پلان بن گیا تو قریش مکہ اس کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ سب ارد گرد کے پہاڑوں سے پتھر اُٹھا اُٹھا کر لانے لگے، کوئی گارا بنانے لگا، کوئی پتھر جمانے میں مصروف ہو گیا۔ یہ اتنا بڑا اعزاز تھا کہ کوئی بھی اس کام میں پیچھے نہ رہنا چاہتا تھا۔ جب دیواریں "حجر اسود" کی اونچائی تک یعنی جس جگہ حجر اسود کو نصب کرنا تھا، پہنچ گئیں تو یہ جھگڑا پیدا ہو گیا کہ ہر فرد اور ہر قبیلہ "حجر اسود" کی تنصیب کو سب سے بڑا اعزاز اور صرف اپنا ہی حق سمجھتا تھا۔ چنانچہ بنو "عبد الدار"، "بنو اسد" اور "بنو عدی" نے مطالبہ کر دیا تھا کہ "حجر اسود" کو ہم رکھیں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس تعمیر میں حصہ لیا تھا۔ آپ ﷺ پتھر اُٹھا کر لا رہے تھے۔ قریش مکہ مسلسل پانچ روز سے اس معاملے میں باہم جھگڑ رہے تھے، اس موقع پر قریش کے سارے قبیلے دو گرہوں میں بٹ گئے تھے۔ یہ سب مرنے مارنے پر تل گئے تھے، ان کی تلواریں نیاموں سے باہر آچکی تھیں، سب ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے، لگتا تھا جیسے خانہ جنگی اب ہونے والی ہے۔(۱۰۹) عرب میں دستور تھا

کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تو پیالے میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا، اس موقع پر بھی بعض دعوے دروں نے یہ رسم ادا کی، چار دن تک یہ تنازع برپا رہا، پانچویں دن قریش میں سب سے معمر "ابواُمیہ بن مغیرہ" دونوں گروہوں کے درمیان آگئے، وہ قریش میں بزرگ تھے، چھوٹے بڑے سب ان کی عزت کرتے تھے۔ انہوں نے کہا:

"میرے بھائیو! عزت اور سرداری میں تم سب ہم مرتبہ ہو۔ آپس میں لڑنے سے پرہیز کرو۔ باہمی نفرت اور دشمنی کی آگ کو ہوا نہ دو۔ عقل وخرد سے سب کام لو۔ باب بنوشیبہ سے جو پہلا قریشی خانہ کعبہ کی حدود میں داخل ہو، اس پر یہ سارا فیصلہ چھوڑ دو"۔ سب نے ان کی تجویز مان لی، پھر بھی دھڑکا رہا کہ اگر کوئی ایسا فیصلہ ہو گیا جو اُن کے شایان شان نہ ہوا تو عین ممکن ہے کہ مسئلہ حل ہونے کی بجائے اور زیادہ بگڑ جائے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان سب کو مطمئن کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جاہلیت کا دور تھا، بدنظمی اس انتہا پر تھی کہ بات بات پر قتل وغارت شروع ہو جاتی اور پھر یہ قتل وغارت ختم ہونے کا نام نہ لیتی۔ پانچ روز سے یہ جھگڑا اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے! اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا "باب بنوشیبہ" سے جو پہلا قریشی فرد حرم کی چار دیواری سے اندر داخل ہوا وہ محمد ﷺ بن عبداللہ ہی تھے۔ اُس وقت آپ ﷺ پینتیس سال کے ہو چکے تھے، آپ ﷺ نے یہ سارا عرصہ مکہ کے لوگوں میں ہی بسر کیا تھا۔ آپ ﷺ کی نیکی اور شرافت کے چرچے عام تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب مطمئن ہو گئے۔ سب نے یک زبان ہو کر اعلان کر دیا کہ آپ ﷺ جو بھی فیصلہ کریں گے، ہم سب منظور کریں گے۔ کیونکہ آپ ﷺ "امین" ہیں۔ امین کا مطلب ہے حق ادا کرنے والا۔ جس کا جو حق ہے اُسی کو دینے والا، ایسا انصاف کرنے والا جس پر سب کو اعتماد ہو۔ تبھی تو آپ ﷺ کو دیکھ کر ہر ایک چلایا! یہ تو "امین" آگئے! یہ تو محمد ﷺ ہیں، دوسرے نے آواز دی، تیسرے نے کہا اب انصاف سب کو مل جائے گا، پھر سب یکبار پکار اُٹھے، "یہ جو فیصلہ کر دیں ہمیں منظور ہے"، وہ سب اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔

آپ ﷺ نے حکمت و بصیرت اور تنظیم و تدبیر سے کام لیتے ہوئے قریش مکہ کو نظم وضبط کا درس دیتے ہوئے وحدت کی لڑی میں پرو دیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ایک چادر لائی جائے، انہوں نے حکم کی تعمیل کی، حضور ﷺ کے کہنے پر چادر زمین پر بچھا دی گئی، جب چادر بچھا دی گئی تو آپ ﷺ نے حجر اسود کو اُٹھایا اور سب کو چادر پکڑ کر اُٹھانے کا حکم دیا۔ اس طرح وہ سب چادر اُٹھا کر اسے خانہ کعبہ کی دیوار کے قریب لے گئے۔ جہاں اسے نصب کرنا تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں چادر اوپر اٹھانے کا حکم دیا۔ جب چادر "حجر اسود" کے لئے مخصوص بلندی تک اوپر اُٹھ گئی تو آپ ﷺ نے حجر اسود اُٹھا کر اس کی مقررہ جگہ پر نصب کر دیا۔ قریش کے تمام سردار اور اُن کے قبیلے اس فیصلے پر مطمئن ہو گئے۔

ہماری جان فدا ہو، پیارے رسول اللہ ﷺ پر، اس موقع پر آپ ﷺ نے ایسا نادر فیصلہ کیا۔ جس کی اُس

وقت کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ ماہر نفسیات کہتے ہیں کہ نفسیات انسانی کردار کا مطالعہ کرتی ہے، پھر بھی آپ ﷺ اُس وقت کے معاشرے کے لوگوں کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے، یہ آپ ﷺ کے کردار کی شان اور آن تھی کہ آپ ﷺ جیسے ہی خانہ کعبہ کی حدود میں داخل ہوئے سب لوگوں کے چہرے کھل اُٹھے اور وہ سمجھ گئے کہ اب بات بن جائے گی۔ آپ ﷺ نے اُس وقت کے سرداروں اور اُن کے قبیلے کے لوگوں کے کردار کا کتنا اچھا جائزہ لیا ہوا تھا، آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ غلط فیصلے سے خون خرابہ ہو گا اور یہ خون خرابہ مدتوں جاری رہے گا۔ مگر آپ ﷺ نے انسانی کردار کے مطالعہ سے اتنا بڑا مسئلہ لمحوں میں حل کر دیا۔ بڑے سے بڑا نفسیات دان نہ اس طرح کی بات کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ اتنا اعلیٰ پائے کا سوچ سکتا ہے۔ اس سے صرف ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ انسانی کردار اور اس کی جزئیات کو احسن طریقے سے جانتے تھے۔ آپ ﷺ ہر انسان کی بات سنتے تھے۔ سمجھتے تھے پھر اُس کو قائل کرتے تھے، اُس کے کردار کے مطابق ہی آپ ﷺ بات کرتے تھے اور ہر مسئلے کا حل ایسے نکالتے تھے کہ انسانی عقل و شعور اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اس تاریخی موقع پر معاشرے کی تنظیم و تدبیر اور انہیں نظم و ضبط کی راہ دکھانے کے لئے آپ ﷺ نے وہ فیصلہ کیا جس نے ایک منتشر اور غیر منظم معاشرے کو تنظیم اور نظم و ضبط کا راستہ دکھانے میں بھرپور مدد فراہم کی۔ آپ ﷺ نے اس تاریخی فیصلے سے نہ صرف مکہ کے لوگوں میں خانہ جنگی کو ہونے سے بچایا بلکہ وہ سب اس فیصلے سے مطمئن اور مسرور ہو گئے۔ اس سے صرف ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے نظم و ضبط کے قیام میں تاریخ ساز کردار ادا کیا، مزید یہ کہ آپ ﷺ سے بڑا مدبر و منتظم اور ماہر نفسیات ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔(۱۱۰)

**ہجرتِ نبوی ﷺ: "نظم و ضبط" پر مبنی مثالی اسلامی معاشرے کا نقطۂ آغاز:**

ہجرتِ مدینہ، سرورِ عالم، سید عرب و عجم حضرت محمد ﷺ کی مکہء معظمہ سے مدینہء منورہ کی جانب پہلی مثالی فلاحی ریاست کی تنظیم و تشکیل کا دیباچہ اور اس کی اساس اور بنیاد ہے۔ اسلامی تاریخ میں ہجرت مدینہ کو ایک اہم اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ وہ تاریخ ساز واقعہ ہے جس نے ایک منظم، مربوط اور مثالی فلاحی مملکت "ریاستِ مدینہ" کے قیام اور اس کی تاسیس کی بنیاد فراہم کی۔ یہ ایک ایسے مثالی معاشرے کے قیام کا محرک بنی جس نے اس ریاست کے ہر باشندے کو نظم و ضبط کا پابند اور نظم جماعت کا خوگر بنا دیا، واقعہء ہجرت نبوی ﷺ میں اُمت مسلمہ کی تاریخ کا ایک عظیم باب پنہاں ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا سفر ہجرت یکم ربیع الاوّل کو شروع ہوا، اور بارہ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ آپ ﷺ کی مدینہء منورہ میں تشریف آوری ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق یہ جمعہ کا دن تھا۔(۱۱۱)

"ہجرت مدینہ" اسلامی تاریخ میں ایک منظم اسلامی ریاست کی تشکیل و تنظیم اور نظم و ضبط پر مبنی مثالی اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

**نظم و ضبط اور تدبیرِ معاملات کا سبق:**

یہ بات قابل توجہ اور بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ "ہجرت مدینہ" کے سفر کے آغاز ہی سے رسول اللہ ﷺ نے سفر ہجرت کے لئے نظم وضبط اور ڈسپلن کے اصول کو اس حد تک پیش نظر رکھا کہ سوائے بہت قریبی لوگوں کے اس کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہو سکا، اور جتنا علم ہوا بھی وہ اسی سے متعلق کام تک محدود رہا۔ آپ ﷺ نے صحرا کے راستوں کے ایک ماہر رہنما (گائیڈ) کی خدمات حاصل کیں، تاکہ اس کی مہارت سے پیچھا کرنے والوں کو ناکام بنا سکیں۔ اور گائڈ چننے میں صرف اہلیت کو مد نظر رکھا، چاہئے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے منصوبے کو باریک بینی کے ساتھ تیار کرنے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی پیش کش کے باوجود انہیں باصرار سواری کی قیمت دی، کیونکہ اس ہجرت کے سلسلے میں خرچ کرنا بھی عبادت ہی کی ایک قسم تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلنے کی تفصیلات طے کیں اور وہ غار منتخب کیا، جس میں انہیں پناہ لینی تھی۔ یہ غار یمن کی طرف جانے والے رخ پر جنوب کی سمت میں تھا، تاکہ پیچھا کرنے والے دھوکے میں پڑ جائیں، وہ اشخاص بھی طے کئے گئے، جنہیں غار میں پناہ کے دوران آپ سے ربط قائم رکھنا تھا، اسی طرح ہر شخص کے ذمہ کام بھی متعین کر دیا گیا۔ سب کچھ طے کرنے کے بعد آپ ﷺ کاشانہ نبوی واپس لوٹ آئے۔ آپ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ قریش کے لوگوں نے آپ کے ارد گرد حصار قائم کرنا شروع کر دیا ہے، اور وہ نوجوان وہاں بھیجے جا چکے ہیں، جن کے ذمہ رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کر کے آپ ﷺ کے خون کی ذمہ داری قبائل میں تقسیم کرنا تھی۔

اس ہولناک رات میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ آپ ﷺ کی وہ چادر، جسے آپ ﷺ اوڑھ کر سوتے تھے، وہ اوڑھ کر آپ ﷺ کی چارپائی پر سو جائیں، رات کی دبیز تاریکی میں جب اللہ تعالیٰ نے پہرے داروں پر غفلت طاری کر دی تھی، آپ ﷺ پہلے اپنے گھر سے نکل کر حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے گئے، پھر وہاں سے دونوں حضرات اس غار میں پہنچ گئے جسے اللہ تعالیٰ نے آخری رسالت اور مکمل تہذیب کے مستقبل کی حفاظت سونپی تھی۔ (۱۱۲)

ہجرت مدینہ کے بعد ایک طرف تو مسلمانوں کی جماعت کو عقد مواخات کے ذریعے ایک منظم معاشرے کی شکل دے دی گئی، اور دوسری طرف ایک سرزمین بھی حاصل ہو گئی، جہاں (بد نظمی، باہمی انتشار) نراج کی وجہ سے کوئی باقاعدہ سیاسی اقتدار موجود نہ تھا۔ گویا ریاست کے کل عناصر ولوازم میسر آ گئے، تو ابتدائی مسائل سے فارغ ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال میں "ہیئت سیاسیہ" کی تکمیل کر لی اور ایک نوشتہء خاص کے ذریعے مدینہ کی اسلامی ریاست کو وجود بخش دیا۔

دنیا کی تاریخ میں کسی ریاست کا قیام تھوڑی بہت قوت استعمال کئے بغیر شاید ہی ہوا ہو، لیکن یہ تاریخ کی کتنی بڑی حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالکل اجنبی ماحول میں باہم متضاد و منتشر عناصر کے تعاون سے نہ صرف ریاست بلکہ ایک نظریاتی ریاست کو قائم فرمایا اور پھر خاص بات یہ ہے کہ اس تعاون کو آپ ﷺ نے کسی طاقت و

تشدد یا جبر و ظلم کے بل بوتے پر نہیں، بلکہ محض ایک نوشتہ کے ("میثاق مدینہ" دنیا کا پہلا تحریری دستور) کے ذریعے حاصل کیا تھا۔(۱۱۳)

**مواخاتِ مدینہ... ربطِ ملت، نظم جماعت اور نظم وضبط پر مبنی معاشرے کی اساس:**

مکہ معظمہ سے مدینہ ء منورہ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ اہل مدینہ کے تسلیم شدہ سیاسی قائد اور پیغمبر کی حیثیت سے "مدینہ منورہ" پہنچے تھے۔ اس قیادت و پیشوائی کا تقاضا ایک تو یہ تھا کہ مدینہ کے تمام باشندوں کی قیادت و رہنمائی فرمائیں، اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے اپنا گھر بار، مال و متاع سب کچھ قربان کر کے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی، ان کی معاشی آسودگی اور آبادکاری کا انتظام کریں۔ علاوہ ازیں اسلامی معاشرے کی تنظیم اوراس کی سالمیت و اتحاد کا مسئلہ بھی توجہ طلب تھا۔ یہ وہ مسائل تھے جو اپنی اہمیت کے اعتبار سے فوری حل کے متقاضی تھے۔ ان پُر پیچ مسئلوں اور مشکلات پر قابو پانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے انتہائی تدبر اور حکمت سے کام لیا، اور ان کو حل کرنے کے لئے نہ تو کسی جبر وزور کا مظاہرہ کیا، نہ کوئی جبری قانون مسلط کیا اور نہ ہی اہل مدینہ پر بے جا بار ڈالا، بلکہ اس جانب بظاہر معمولی لیکن فی الحقیقت ایک جامع اور مؤثر قدم یہ اٹھایا کہ "انصار و مہاجرین" کے درمیان "عقد مواخات" کو قائم فرمادیا۔ یہ عقد جس انداز سے رو بہ عمل آیا اس کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ محض ایک اخلاقی اپیل تھی، لیکن تاریخ کے پیمانے سے اگر اس اقدام کے نتائج و ثمرات کا اندازہ کیا جائے، تو بلاشبہ اسے ایک غیر معمولی کارنامہ کہا جائے گا۔ (۱۱۴) عقد مواخات نے اس بنیادی اصول کو "عہد تازہ" کی صورت میں پیش کیا کہ انسانوں کے باہمی تعلق و ہم آہنگی، وابستگی اور اتحاد کی حقیقی بنیاد وطن، رنگ، نسل، زبان وغیرہ نہیں بلکہ صرف دین اور حق ہے۔ اسی نکتہ کی تعلیم توحید کی پہلی دعوت میں دی گئی۔ اسی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے اجنبی انسانوں کو اپنا بنایا، اسی کی بنیاد پر ایک نئے معاشرہ کا وجود و قیام عمل میں آیا اور اب اسی کی بنیاد پر اس کی تنظیم کی جارہی تھی۔ نیز یہ عقیدہ لوگوں کو مزاج و طبائع، رنگ و نسل اور قومیت و وطنیت کے ہزاروں اختلافات کے علیٰ الرغم سب کو "نظم و ضبط" کی لڑی میں پرو کر ہم مرتبہ و ہم رتبہ بنا کر ایک ہی رشتہ ء اخوت میں منسلک کر رہا تھا۔ آرنلڈ Arnold نے صحیح لکھا ہے کہ: "اس رشتہ سے تمام قبیلوں کے اختلافات معدوم ہوگئے، اور ایک مشترکہ مذہبی زندگی نسلی رشتوں کی جگہ قائم ہوگئی"۔(۱۱۵) مواخات کی بنیاد انسانی اور مذہبی بنیاد پر رکھی گئی تھی، جس کی بناء پر ہر قسم کے لسانی، نسلی، قبائلی تعصبات ختم ہوگئے، نیز مسلمان ایک خدا، ایک قرآن، ایک رسول ﷺ اور ایک کلمہ کے رشتے میں بندھ گئے اور مسلم برادری میں شامل ہوگئے۔ حضور اکرم ﷺ نے تمام تعصبات پاش پاش کر دیئے۔ حضور اکرم ﷺ نے "مواخات" کے ساتھ مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک عہد نامہ بھی کرایا۔ جس سے دورِ جاہلیت کے رسم و رواج کا خاتمہ ہوگیا اور ایک منظم معاشرے کی تنظیم و تشکیل کے ساتھ نظم وضبط کی حامل ایسی مثالی قوم سامنے آئی جس کا ہر عمل نظم وضبط کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ "مواخات" کے قیام کے ساتھ ہی قبائلی جنگ و جدل کی بنیاد ڈھادی گئی۔

اس عہد نامے کے چند نکات یہ ہیں:

1 تمام مومنین دیگر انسانوں سے الگ ایک امت ہیں۔

2 سارے راست باز مسلمان اس شخص کے خلاف ہوں گے جو ان پر زیادتی کرے گا اور مسلمانوں کے درمیان فساد پھیلائے گا، چاہے وہ کسی کا اپنا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

3 کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل کرے گا اور نہ ہی کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

4 اللہ کا ذمہ (عہد) ایک ہو گا ایک معمولی آدمی کا دیا ہوا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہو گا۔

5 مسلمانوں کی صلح ایک ہو گی، کوئی مسلمان کسی مسلمان کو چھوڑ کر قتال فی سبیل اللہ کے سلسلے میں مصالحت نہیں کرے گا، بلکہ سب کے سب برابری اور عدل کی بنیاد پر کوئی عہد و پیمان کریں گے۔

6 جو شخص کسی مومن کو قتل کرے گا اور ثبوت موجود ہو گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ سوائے اس صورت میں کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے۔

7 کسی مومن کے لئے حلال نہ ہو گا کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے کی مدد کرے اور اسے پناہ دے جو کسی فسادی کو پناہ دے گا، اس پر قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور غضب ہو گا۔

8 جو بھی اختلاف رونما ہو گا، اسے اللہ اور محمد ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔(۱۱۶)

پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد کے بقول: "مجموعی طور پر سب سے بڑا فائدہ اور عقد مواخات کا انتہائی گہرا اثر یہ ہوا کہ جس اسلامی معاشرے کی داغ بیل مکے میں پڑ چکی تھی، اس کی ترتیب و تنظیم مدینے میں مکمل ہو گئی اور اس کے تمام ارکان تعلیم و تربیت پا کر اس قابل ہو گئے کہ اپنے جملہ معاشرتی، تمدنی اور سیاسی فرائض کی بجا آوری، اور اپنے حقوق کا تحفظ بہ احسن وجوہ کر سکیں، اور ایک ریاست کے ارباب حل و عقد ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکیں۔ علاوہ بریں اس مواخات کے ذریعے مہاجرین و انصار بنیان مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) بن گئے اور ایک محسوس قوت بن کر ہر خطرے کے آگے سینہ سپر ہو گئے (جس کا ادنیٰ سا مظاہرہ کچھ ہی ماہ بعد جنگِ بدر میں نظر آ جاتا ہے) عقد مواخات کے بعد معاشرتی تنظیم اور اس مثالی معاشرے کے افراد میں نظم و ضبط کا مظاہرہ اس صورت دیکھنے میں آیا کہ اسلامی جماعت میں اتحاد، تعاون و ہم آہنگی کی فضا اور مرکزیت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مدینے میں یہود و منافقین اور ان کے ہم نواؤں کے سوا پوری آبادی گویا ایک ایسے جسم کی مانند ہو گئی جس کی رگ رگ میں اطاعت رسول ﷺ کا خون پوری قوت سے گردش کر رہا تھا اور جو آپ ﷺ کے ہر اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار تھا۔(۱۱۷)

**میثاق مدینہ: قانون کی حکمرانی اور نظم و ضبط پر مبنی کثیر الثقافتی معاشرے (Multicultural Society) کا تصور:**

رسولِ اکرم ﷺ کی اس تاریخ ساز دستاویز میں جسے صحیفہ (میثاقِ مدینہ) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس معاہدے

کے نتیجے میں قانون کی حکمرانی عمل میں آئی، نظم وضبط پر مبنی کثیر الثقافتی معاشرے کا تصور سامنے آیا۔ امن کا قیام عمل میں آیا۔ تمام مذاہب کے پیروکاروں کو عقیدہ و مذہب کی آزادی حاصل ہوئی۔ مذہبی رواداری کا اصول وضع ہوا۔(۱۱۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مرحوم) نے میثاق مدینہ کے متن، اہمیت اور اثرات پر بہت عمدہ اور تحقیقی بحث کی ہے، اس حوالے سے متعدد مغربی مصنفین کے مصادر اور مقالہ نگاروں کے حوالے بھی ذکر کیے ہیں۔ (۱۱۹) "میثاق مدینہ" میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں اس امر کی صراحت کر دی گئی کہ غیر مسلم یہودیوں کو ان کے دین کی پوری آزادی ہو گی، چنانچہ ایک دفعہ کے الفاظ ہیں: "للمسلمین دینھم ولیھود دینھم" یعنی مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لیے یہودیوں کا دین ہے۔ یعنی مدینے میں جتنے بھی باشندے آباد تھے، ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اطمینان دلایا گیا تھا۔(۱۲۰)

اس معاہدے کی بدولت اسلامی مملکت میں آباد مختلف المذاہب افراد اور مختلف تہذیبی اقدار کے حامل لوگوں کے لیے ایک منظم معاشرے میں نظم وضبط کی پابندی، عقیدے کی آزادی اور رواداری کا اصول وضع ہوا، نیز جن بنیادوں پر غیر مسلموں سے اتحاد و تعاون ہو سکتا ہے، ان کی نشان دہی ہوئی۔(۱۲۱)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ "میثاق مدینہ" دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔(۱۲۲) چنانچہ موصوف نے اس تاریخی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے انگریزی میں ایک کتاب THE FIRST WRITTEN CONSTITUTION IN THE WORLD لکھی، جو ۱۹۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔

"میثاق مدینہ" رسول اکرمؐ کی سیاسی بصیرت اور حسن تدبر کا مثالی شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ رواداری، امن وسلامتی، مذہبی آزادی اور عدل و انصاف کے ہر جوہر سے مزین ہے۔(۱۲۳) اس تاریخی معاہدے کی بدولت بقول ولیم میور (MUIR, SIR WILLIAM) آپؐ نے ایک عظیم مدبّر اور سیاست دان کی طرح مختلف الخیال اور باہم منتشر لوگوں کو متحد اور یک جا کرنے کا کام بڑی مہارت سے انجام دیا، آپؐ ایک ایسی ریاست اور معاشرے کے قیام میں کامیاب ہوئے جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھا۔(۱۲۴)

**غزوۂ بدر... رسولِ اکرم ﷺ کی عسکری و دفاعی حکمتِ عملی، صبر و استقامت اور نظم وضبط کا عظیم مظہر:**

**غزوۂ بدر:** یہ ۱۷ رمضان ۲ھ کو میدانِ بدر میں حق و باطل کا پہلا مسلح معرکہ تھا۔ اس میں اہل ایمان تین سو تیرہ تھے، جن میں مہاجرین کی تعداد ۷۰ سے ۸۶ تک تھی، ان کے مقابلہ میں اہل مکہ کی طرف سے حملہ کرنے والوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی یہ افراد قوت اور سازو سامان کے لحاظ سے کئی گنا زیادہ تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس پہلے معرکہ میں اہل ایمان کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور اہل قریش کو شکست فاش ہوئی۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے جن میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور اُمیہ بن خلف بھی شامل تھے، اور ستر آدمی قید کئے گئے، باقی اپنا سازو سامان چھوڑ کر دُم دبا کر بھاگ گئے، جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے:۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۱۲۳ (۱۲۵)

اللہ نے تو (جنگ) بدر کے موقع پر ایسی حالت میں تمہاری مدد کی تھی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔ لہٰذا (صرف) اللہ کا خوف دل میں رکھو، تاکہ تم شکر گزار بن سکو۔

نصیحت آموز سبق: اس معرکہ کا نصیحت آموز سبق یہ ہے کہ فتح و نصرت صرف مادی ذرائع و وسائل کی کثرت ہی پر منحصر نہیں ہوتی، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ بعض دفعہ بااصول، بااخلاق اور منظم اہل ایمان کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو بھی بڑی بڑی جماعتوں پر فتح و غلبہ عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۲۴۹ (۱۲۶)

(مگر) جن لوگوں کا ایمان تھا کہ وہ اللہ سے جا ملنے والے ہیں، انہوں نے کہا کہ: نجانے کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں، اور اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں۔ اس کے لئے ایمان، صبر و استقامت، اپنی صفوں میں نظم و ضبط کی پابندی ایک ضروری امر ہے۔ (۱۲۷)

## عسکری نظم و ضبط کا بے مثال نمونہ:

غزوۂ بدر کی ایک خوبی یہ تھی کہ صحرائے عرب کے بدوؤں نے پہلی مرتبہ ایک ایسی منظم فوج دیکھی تھی، جس کے ہاں لوٹ مار اور غارت گری کا کوئی تصور نہ تھا، کیونکہ اس فوج کی قیادت انسانیت کو نظم و ضبط اور عدل و انصاف سے روشناس کرانے والی شخصیت کے ہاتھ میں تھی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۸ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۹ (۱۲۸)

اور اسی نے ترازو قائم کی ہے۔ کہ تم تولنے میں ظلم نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو، اور تول میں کمی نہ کرو۔ اس آیت مبارکہ میں میزان کے لفظ کا تین بار ذکر ہوا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور صورت قرین قیاس ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ جس نے نظم و ضبط اور توازن کی اہمیت کو اجاگر کیا، حضرت محمد ﷺ کو ایک منظم فوج کے منتظم، باریک بین اور اعتدال پسند سپہ سالار کی حیثیت سے میدان بدر کی طرف نہ بھیجتا؟

غزوۂ بدر سے پہلے سراغ رساں عسکری دستوں نے اہم کردار ادا کیا۔ زمانہ جاہلیت کے عرب اس سے پہلے ایسی حکمت عملی سے واقف نہ تھے۔ عسکری دستے ایسے تجربہ کار اور آزمودہ افراد پر مشتمل ہوتے، جن کا ثانی ملنا مشکل ہوتا۔ نہ صرف صحرائے عرب بلکہ شاید انسانیت کی تاریخ میں پہلی دفعہ اس قسم کے سریع الحرکت دستے تشکیل دئے گئے تھے۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ کا کمال تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عسکری اور سراغ رسانی کا تجربہ نہ ہونے کے باوجود منظم اور مربوط لشکر تشکیل دے کر راستوں کو پُرامن بنایا، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے لئے پیدل اور اونٹوں پر سوار ہو کر بغیر کسی مقابلے اور رکاوٹ کے دو سو کلومیٹر مسافت طے کرنا ممکن ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کے عسکری دستے اس علاقے میں سراغ رسانی کی تقریباً بیس مہمات سرانجام دے چکے تھے، لہٰذا ان کے

لئے یہ بتانا ممکن تھا کہ کون سا راستہ کس طرف جارہا ہے۔ اس طرح وہ امن و سلامتی کے ساتھ میدانِ بدر تک پہنچ گئے، جو کہ عسکری پہلو سے بہت اہم بات ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تاریخ ساز فتح و نصرت سے ہمکنار کیا۔(۱۲۹)

غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کی فتح کے درج ذیل اسباب سامنے آتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اعلیٰ پیمانے پر جنگی تیاری فرمائی اور میدانِ بدر میں سپہ سالار کے احکامات و ہدایات پر عملدرآمد کے پابند لشکر کے ہمراہ اترے۔ اس لشکر کے حوصلے بلند اور ایمان مضبوط اور راسخ تھا۔ نیز وہ سپہ سالار کے احکامات کی اطاعت کے جذبے سے سرشار تھے، نظم و ضبط اور ڈسپلن کا یہ عالم تھا کہ جب تک کسی کام کے بارے میں انہیں احکامات نہ ملتے، اس وقت تک اسے سرانجام نہ دیتے، خواہ اس میں ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔ پورا لشکر رسول اللہ ﷺ کے احکامات کا منتظر رہتا۔ کسی بھی معرکے میں مرکزی قیادت کی طرف سے ہدایات کا جاری ہونا بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا اہتمام فرمایا۔

مسلمانوں کا لشکر اس دور کے لحاظ سے انتہائی منظم تھا۔ اس کی ترتیب بہت ہی عمدہ تھی۔ وہ میمنہ، میسرہ، مرکز اور ریزرو فورس پر مشتمل تھا۔ یہ تمام امور اس وقت کے عسکری علوم کا نچوڑ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام امور کو مناسب مقام پر مناسب انداز میں استعمال فرمایا۔

تاریخ ساز یہ معرکہ دو ایسی جماعتوں کے درمیان تھا، جن میں سے ایک زندگی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی اور دوسری اسے پوجتی تھی۔ ایک جماعت منظم اور دوسری بے ترتیب افراد کا مجموعہ تھی۔ اس معرکے کا انجام شروع سے ہی واضح تھا، کیونکہ یہ نظم و نسق اور بدانتظامی کے درمیان جنگ تھی۔ ایک گروہ غیر منظم طور پر لڑ رہا ہوتا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے لشکر کو بخوبی معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کیا کرنا ہے، کس طرف تیر پھینکنے ہیں اور کہاں نیزوں سے لڑنا ہے، بلاشبہ جنگی حکمت عملی انتہائی اہم چیز ہے۔ غزوۂ بدر رسول اکرم ﷺ کی عسکری و دفاعی حکمت عملی کا شاہکار اور اہل ایمان کے صبر و استقامات، جرأت و شجاعت اور نظم و ضبط کا عظیم مظہر ہے۔(۱۳۰)

**غزوۂ اُحد... اطاعتِ امیر، نظم جماعت اور نظم و ضبط کے حوالے سے ایک اہم سبق:**

**غزوۂ اُحد:** یہ حق و باطل کا دوسرا مسلح تصادم تھا، جو شوال ۳ھ کو کوہ اُحد کے دامن میں پیش آیا۔ اس معرکہ میں بھی ابتداء تو مسلمانوں ہی کو فتح نصیب ہوئی مگر حسب ذیل چند وجوہ کی بنا پر فتح شکست میں بدلنے لگی۔(۱۳۱) جبل عینین کے درّے پر جو پچاس تیر اندازوں کا دستہ سالار اعظم ﷺ نے مامور فرمایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو بڑی تاکید کے ساتھ آئندہ حکم تک وہاں ہی نگرانی کرنے کی ہدایت فرما چکے تھے، ان میں سے اکثریت مال غنیمت کی طرف دوڑ پڑی، چنانچہ خالد بن ولید جو اس وقت قریش کی طرف سے لڑ رہے تھے، انہوں نے اس درّہ کو خالی دیکھ کر اُحد کے عقب سے حملہ کر دیا۔ اس طرح مسلمان فوج کو کافی نقصان اُٹھانا پڑا۔ ستر صحابہ شہید اور چالیس زخمی ہو گئے، خود حضور ﷺ بھی زخمی ہو گئے اور آپ ﷺ کا ایک دانت مبارک بھی شہید ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے

مسلمانوں کی مدد فرمائی، منتشر فوج کا پلڑا برابر ہو گیا۔ ابوسفیان یہ اعلان کرتے ہوئے واپس ہو گیا کہ اگلے سال پھر یہاں مقابلہ ہو گا۔ مگر اگلے سال اس کو یہاں آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

**نظم وضبط کے حوالے سے عبرت آموز سبق:**

اس غزوے میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک عبرت آموز سبق دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی اور نظم جماعت کو بلکہ اگر وہاں خدا کا رسول ﷺ بھی موجود ہو تو اس کو بھی تکلیف اور نقصان پہنچ سکتا ہے، اس لئے تحریک اسلامی کے کارکنوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ نظم جماعت کی پابندی کو بھی ہمیشہ اپنے مد نظر رکھنا چاہئے۔(۱۳۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جنگ احد کے بارے میں اس طرح تبصرہ فرمایا ہے:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓي اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۱۵۲ (۱۳۳)

اور اللہ نے یقیناً اس وقت اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم دشمنوں کو اسی کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی اور حکم کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور جب اللہ نے تمہاری پسندیدہ چیز تمہیں دکھائی تو تم نے (اپنے امیر کا) کہنا نہیں مانا، تم میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے، اور کچھ وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے۔ پھر اللہ نے ان سے تمہارا رخ پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔ البتہ اب وہ تمہیں معاف کر چکا ہے، اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

جبل اُحد کی جنگی اہمیت: رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی حفاظت کے لئے احد پہاڑ کی اہمیت کو بھانپ لیا تھا، لہٰذا مسلمان لشکر جونہی اُحد کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے انہیں احد کی طرف پشت کرنے اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کرنے کی تلقین فرمائی، اور حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی قیادت میں پچاس تیر انداز عینین پہاڑی پر، جو اُحد کے بالمقابل ہے، مقرر فرما دیئے تاکہ کفار مسلمانوں کا محاصرہ نہ کر سکیں۔ آپ ﷺ نے ان تیر اندازوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمیں اچک رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں تمہیں بلا بھیجوں اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے دی ہے اور انہیں کچل دیا ہے تو بھی میرا پیغام آنے تک وہیں رہنا۔(۱۳۴)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ان تیر اندازوں کو چھوڑ کر باقی لشکر سے فرمایا: جب تک میں تمہیں اجازت نہ دوں اپنی جگہ پر رہنا۔ اور فرمایا:

لا تقَاتِلَنَّ أحَدٌ حَتّٰي اٰمُرَه بِالْقِتَالِ

جب تک میں حکم نہ دوں کوئی بھی جنگ کا آغاز نہ کرے۔ آپ ﷺ نے تیر اندازوں کے کمانڈر سے

بھی فرمایا:

اِنْضَحِ الْخَيلَ عَنَّا بِالنَّبلِ لا يأْتُوْنَا مِنْ خَلْفنَا، وَاثْبُتْ مَكانَك إِن كانَتْ لَنَا اَوْ عَلَينَا (۱۳۵)

شہسواروں کو تیر مار کر ہم سے دور رکھنا، تاکہ وہ ہمارے پیچھے سے نہ آنے پائیں۔ ہم جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ پر رہنا۔

تیر اندازوں سے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

اِلْزَمُوْا مَكانَكمْ، لَاتبْرَ حُوا مِنْه، فَإِذَا رَأيتُمُوْنَا نَهْزِمُهُمْ حَتٰي نَدْخُلَ عَسْكرَهُمْ، فَلَا تُفَارِقُوْا مَكانَكمْ، وَإِنْ رَّأيتُمُوْنَا نُقْتَلُ، فَلَاتَغِيثُوْنَا وَلا تَدْفُعُوا عَنَّا، وَارْشُقُوْهُمْ بِالنَّبْلِ، فَإِنَّ الْخَيلِ لَا تُقْدِمُ عَلَي النَّبْلِ، إِنَّا لَنْ نَّزَالَ غَالِبِينَ مَا مَكثْتُمْ مَّكانَكمْ، اَللّٰهُمْ إِنِّي أَشْهِدُك عَلَيهِمْ (۱۳۶)

تم اپنی جگہ نہیں چھوڑنا، جب تم دیکھو کہ ہم انہیں شکست دیتے ہوئے، ان کے لشکر میں گھس گئے ہیں، تو بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، اور اگر تم دیکھو کہ ہم قتل ہو رہے ہیں، تو بھی ہماری مدد کے لئے نہ آنا اور نہ ہمارا دفاع کرنا، انہیں تیر مار مار کر ہم سے پرے رکھنا کیونکہ گھوڑا تیروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تم اپنی جگہ قائم رہے تو ہم غالب ہی غالب ہیں۔ اے اللہ! میں تجھے ان پر گواہ بناتا ہوں۔ مسلمانوں نے بلند اور جنگی مقامات قبضے میں لے لیے اور مکی لشکر کو وادی میں رکھا، ان کا منہ احد کی جانب اور پشت مدینہ کی جانب تھی۔ اب تیر اندازوں کے ذمے یہ کام تھے کہ موقع پر نگاہ رکھیں، مسلمانوں کی پشت محفوظ رکھیں اور دشمن کے شہسواروں کو مسلمانوں کے پاس نہ آنے دیں۔ (۱۳۷)

عینین پہاڑ پر مامور تیر اندازوں نے جب قریش مکہ کے لشکر کو شکست خوردہ پایا اور میدان جنگ میں مال غنیمت پڑا دیکھا تو وہ مورچہ چھوڑ بیٹھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ جنگ تو ختم ہو چکی ہے، چنانچہ وہ اپنے امیر عبد اللہ بن جبیرؓ سے کہنے لگے: "غنیمت! لوگو غنیمت! تمہارے ساتھی جیت چکے ہیں اب کیا انتظار کر رہے ہو؟" حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ نے کہا: "کیا تم بھول گئے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے تم سے کیا کہا تھا؟" وہ کہنے لگے: "اللہ کی قسم! ہم بھی لوگوں کے پاس جائیں گے اور کچھ غنیمت حاصل کریں گے"۔ یہ کہتے ہوئے وہ اپنے امیر کی اجازت کے بغیر مال غنیمت سمیٹنے لگے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ تیر اندازوں کی اس صورت حال کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں: "جب آپ ﷺ کو فتح حاصل ہو گئی اور مشرکین کا لشکر شکست سے دوچار ہو چکا تو اس دوران تیر انداز اکھٹے ہی میدان جنگ میں آدھمکے اور غنیمت جمع کرنے لگے۔ تمام اسلامی لشکر کی صفیں اکھٹی ہو چکیں۔ وہ ایسے جمع ہو گئے جس طرح ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ جب تیر اندازوں نے اپنا مورچہ خالی کر دیا، وہیں سے دشمن کے شہسوار مسلمانوں پر پل پڑے۔ اس کے نتیجے میں خود مسلمان عدم شناخت کی وجہ سے ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ اس

طرح مسلمانوں میں سے خاصی تعداد شہید ہو گئی"۔(۱۳۸)

خالد بن ولید، مشرکوں کے گھڑ سواروں کے کمانڈر تھے، انہیں مسلم سپاہ کو نرغے میں لینے کا سنہری موقع ہاتھ آ گیا۔ مشرکین نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو اب وہ دوبارہ جنگ کی طرف لپکے اور دونوں اطراف سے مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ مسلمانوں کی جنگی منصوبہ بندی درہم برہم ہو گئی اور وہ بغیر کسی قیادت، وحدت اور قاعدے کے بے ہنگم لڑ رہے تھے۔ حتیٰ کہ اپنوں کو بھی پہچان نہیں رہے تھے۔ مسلمان شہداء میدان جنگ میں گرنے لگے اور ان کا رسول اللہ ﷺ سے رابطہ ٹوٹ گیا اور مشہور ہو گیا کہ آپ ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔ (۱۳۹)

سارا نظام ہی درہم برہم ہو گیا۔ جنگ کی بھٹی گرم ہو گئی جو بھی مسلمان مشرکوں کے ہاتھ لگتا، وہ اسے مار دیتے۔ ایک موقع پر وہ رسول اللہ ﷺ کے انتہائی قریب پہنچ گئے۔ مشرکین نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکا جس سے چہرۂ مبارک پر زخم آ گیا۔ سامنے والے دو دانتوں کے ساتھ والا نچلا دایاں دانت مبارک ٹوٹ گیا اور ناک مبارک پر چوٹ آ گئی۔ طبیعت بوجھل ہونے لگی اور خاصا خون بہہ نکلا۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ احد کے دن آپ ﷺ کا رباعی دانت ٹوٹ گیا، آپ ﷺ کا سر مبارک زخمی ہو گیا۔ اس دوران آپ ﷺ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جا رہے تھے اور یہ کہتے جا رہے تھے:

كيفَ يفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوْا نَبِيهُمْ وكسَرُوا رَبَاعِيتَه وهُوَ يدْعُوْهُمْ إِلي الله (۱۴۰)

غزوۂ اُحد اسلام کی پوری عسکری تاریخ میں عبرت و موعظت کا ایک اہم سبق ہے کہ امیر کی اطاعت، نظم جماعت، صبر و استقامت اور نظم و ضبط کا دامن ہمہ وقت اہل ایمان کے ہاتھ میں رہنا چاہئے، انتشار، بد نظمی اور امیر کی حکم عدولی کے جو نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔ غزوۂ احد اس حوالے سے ایک اہم سبق کی حیثیت رکھتا ہے۔

حربی اور عسکری امور میں یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ امیر کی مخالفت لشکر کی شکست کا سبب بنتی ہے: تیر اندازوں کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی حکم عدولی اور اس فحش غلطی کے ارتکاب نے جنگ اُحد کا پانسہ ہی پلٹ دیا اور یہ عمل مسلمانوں کے لئے بہت بڑے خسارے کا باعث بنا۔ غزوۂ اُحد کے حالات سے بخوبی اندازہ ہو رہا ہے کہ جب تک تیر انداز نظم و ضبط کے پابند رہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے فرامین اور اپنے امیر حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ کے حکم پر کاربند رہے تو وہ فتح یاب تھے مگر جس وقت رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پروانہ کرتے ہوئے تیر انداز دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر مال غنیمت کے لئے گھاٹی سے نیچے اتر آئے تو وہ شکست سے دوچار ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۱۵۳ (۱۴۱)

(وہ وقت یاد کرو) جب تم منہ اٹھائے چلے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے، اور رسول ﷺ

تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے، چنانچہ اللہ نے تمہیں (رسولؐ کو) غم (دینے) کے بدلے (شکست کا) غم دیا، تاکہ آئندہ تم زیادہ صدمہ نہ کیا کرو، نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، اور نہ کسی اور مصیبت پر جو تمہیں پہنچ جائے اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔(۱۴۲)

## "غزوۂ خندق" کے موقع پر آپ ﷺ کی عسکری تنظیم اور نظم وضبط کے حوالے سے نفسیاتی حکمتِ عملی:

جنگِ خندق میں مسلمانوں کی تعداد ۳ ہزار تھی۔ دشمن مسلمانوں سے آٹھ گنا زیادہ تھے، یعنی ان کی تعداد ۲۴ ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ تھی، اگر ۲۴ ہزار ہی مان لیں تو ایک مسلمان کے مقابلے میں کفار آٹھ تھے، مکہ کے قریش، بنو ہوازن، بنو سلیم، بنو کنانہ، بنو نضر بن کنانہ، بنو حرث بن مالک، بنو مصطلق کی ۱۲ شاخیں، بنو غطفان کی شاخیں، بنو اشجع، بنو مرہ، بنو فزارہ ان کے حلیف بنو سعد، بنو اسعد نجد کے دیگر قبائل، بنو عیس، بنو ذبیان، بنو الشعراء، بنو اشعر اور حجاز کے ساتھ خیبر، فدک اور وادی القریٰ کے یہودی شامل تھے۔ مدینہ کا یہودی قبیلہ بنو قریظہ بھی ان کے ساتھ مل گیا تھا۔

یہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اکٹھا کر کے ان سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ جن کا تعلق ایران فارس سے تھا کا مشورہ قبول کر لیا اور مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے خندق کھودنے کا فیصلہ کیا۔ اس سے پہلے عربوں میں جنگوں میں خندق کھودنے کا کوئی رواج نہ تھا۔ خود حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو بھی اس کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ حضور ﷺ نے میدان میں خیمہ لگایا، انصار اور مہاجرین خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ حضور ﷺ نے بھی خندق کھودنے میں حصہ لیا۔ نظم جماعت، عسکری تنظیم اور نظم وضبط کے حوالے سے یہ ایک انتہائی اہم اقدام تھا۔

دنیا کی تاریخ میں ہمیں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ بادشاہ اور حاکم، بادشاہ وقت بھی ہو اور فوجوں کا کمانڈر ان چیف بھی ہو اور وہ عام فوجیوں کی مانند کام بھی کرے۔ جب خندق کی لمبائی ناپی گئی تو صحابہ کرامؓ کے حصے میں چالیس ذرعے کھودنا آیا۔ حضور ﷺ اس وقت اٹھاون سال کے تھے، آپ ﷺ بھی نو صحابہ کرامؓ کے ساتھ ایک گروپ میں شامل ہو گئے۔ آپ ﷺ ایسے میں اپنی پیٹھ پر خندق کے اندر سے مٹی اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور جو چٹان خندق کھودنے کے دوران آجاتی اور اس کا پتھر کسی سے نہ ٹوٹتا تھا، وہ آپ ﷺ خود توڑتے تھے، خندق کھودنے والوں کے ساتھ مل کر رجز پڑھتے تھے، سب کی حضور ﷺ رہنمائی بھی فرماتے تھے۔ حضور ﷺ دیگر صحابہ کرامؓ سے مل کر کدال چلاتے اور ایک عام سپاہی کی حیثیت سے وہی کام کرتے جو صحابہ کرامؓ کر رہے تھے۔(۱۴۳) اس واقعے سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضور ﷺ کتنے بڑے ماہر نفسیات تھے، جب فوج کا عام سپاہی یہ محسوس کرنے لگ جائے کہ ہمارا چیف کمانڈر بھی وہی کام کر رہا ہے جو ہم کر رہے ہیں تو ایسے میں جوش وولولہ تیز سے تیز تر ہو جاتا ہے۔ عام سپاہی دل و جان سے پہلے سے زیادہ محنت کرتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ جو میں کام کر رہا ہوں وہی کام میرا چیف کمانڈر کر رہا ہے تو وہ دنیا کے سب غم بھلا کر خوشی سے پھولے نہیں سماتا اور اپنے درمیان کمانڈر کو کام کرتے دیکھ کر ایسے جذبے سے

سرشار ہو جاتا ہے جو صرف محسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ یہ خندق ساڑھے پانچ کلو میٹر لمبی کھودی گئی جو ساڑھے چار میٹر چوڑی اور اڑھائی میٹر گہری تھی، حضور اکرم ﷺ کے جاں نثاروں نے یہ کام صرف چھ روز میں کر لیا تھا۔ آپ تصور کریں کہ اس وقت مشینیں نہ تھیں اوزار بھی اتنے مؤثر نہ تھے، عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے کہ اتنا مشکل کام اتنی جلدی حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے انجام دے کر دشمن پر اپنی نفسیاتی برتری قائم کر دی۔

کفار کو لڑائی کا فائدہ آمنے سامنے ہی ہو سکتا تھا، مگر حضور اکرم ﷺ نے مشرکوں کے لئے آمنے سامنے کی لڑائی کا راستہ محدود کر کے ان پر پہلے ہی نفسیاتی اور ٹیکنیکل برتری حاصل کر لی تھی اور ان کی افرادی قوت کی برتری کو خاک میں ملا دیا تھا۔ دشمن کے گھڑ سوار خندق کو عبور کرنے کی کوشش کرتے مگر ہر وقت منہ کی کھاتے رہے۔(۱۴۴)

غزوۂ خندق کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے عزم و استقلال، اعلیٰ تدبر و تنظیم، جنگ میں شریک تمام مجاہدین کو نظم جماعت اور نظم و ضبط کا پابند بناتے ہوئے، تدبر و بصیرت، عمدہ جنگی منصوبہ بندی اور عام مسلمانوں کے ساتھ مزدور کی مانند خندق کھودنے خوراک کی کمی کے وقت باقی صحابہ کرامؓ کی مانند بھوک برداشت کر کے اعلیٰ ماہر نفسیات دان ہونے کا ثبوت دیا تھا۔(۱۴۵)

یہ معرکہ فیصلہ کن تھا جس نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان طاقت کے توازن کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس معرکے کے بعد کفر و شرک کی طاقت زوال پذیر ہو گئی اور اسلام دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی منزل کی جانب گامزن ہو گیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ لشکر کفار کی واپسی کے بعد ہم نے حضور اکرم ﷺ کو یہ کہتے سنا۔ اب ہم آگے بڑھ کر حملہ کریں گے وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے۔ جنگ کرنے کے لئے ہم ان کی طرف چل کر جائیں گے۔ یہ الفاظ صرف ایک ماہر نفسیات ہی کہہ سکتا ہے۔ وہ اس چیز کا ادراک رکھتا ہے کہ وہ اپنی بصیرت سے حالات کا جائزہ لے کر اپنے پورے اتحاد کے ساتھ آنے والے وقت کی پیش گوئی کر سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے ایسے ہی ماہر نفسیات کا کردار ادا کرتے ہوئے اوپر دیئے ہوئے الفاظ کہے تھے جو حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئے اور اسلام کی روشنی پھیلنے لگی۔ پھر اس روشنی نے سارے عالم کو منور کر دیا۔ جس سے آج بھی ہم مستفید ہو رہے ہیں۔ (۱۴۶)

**غزوۂ تبوک... عہدِ نبوی ﷺ میں جماعتی نظم، اطاعتِ امیر اور نظم و ضبط کا تاریخ ساز موقع:**

غزوۂ تبوک نظم جماعت، اطاعت امیر، ڈسپلن اور نظم و ضبط کا ایک خاص حوالہ ہے، ۹ھ میں ہونے والا یہ غزوہ اپنے مخصوص حالات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت آزمائش بھی تھا، جس سے اہل ایمان اور دوسرے لوگوں میں تمیز ہو گئی اور اس طرح کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا دستور بھی یہی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ. (۱۴۷)

اللہ ایسا نہیں کر سکتا کہ مومنوں کو اس حالت پر چھوڑ رکھے جس پر تم لوگ اس وقت ہو، جب تک وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے۔

چنانچہ اس غزوے میں مؤمنین صادقین نے شرکت کی اور اس سے غیر حاضری نفاق کی علامت قرار پائی، چنانچہ کیفیت یہی تھی کہ اگر کوئی پیچھے رہ گیا تھا اور اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے کہ اسے چھوڑ دو، اگر اس میں خیر ہے تو اللہ جلد اسے تمہارے پاس پہنچا دے گا، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اللہ نے تمہیں اس سے راحت دے دی ہے، غرض اس غزوۂ میں صرف وہ پیچھے رہے جو معذور تھے، یا وہ جو منافق تھے، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور اب جھوٹا عذر پیش کر کے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت لے لی تھی اور پیچھے بیٹھ رہے یا سرے سے اجازت لئے بغیر ہی بیٹھ گئے، ہاں ان میں تین افراد ایسے تھے جو سچے اور پکے مومن تھے اور کسی وجہ و جواز کے بغیر پیچھے رہ گئے تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈالا اور پھر ان کی توبہ قبول کی۔ (۱۴۸) نبی اکرم ﷺ جب تبوک سے مدینہ واپس تشریف لائے تو وہ لوگ معذرت کے لئے حاضر ہوئے جو پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں ۸۰ سے کچھ زیادہ منافق تھے اور تین سچے مومن بھی تھے۔ منافقین جھوٹے عذر پیش کرتے گئے اور حضور ﷺ ان کی معذرت قبول کرتے چلے گئے۔ پھر ان تینوں مؤمنوں کی باری آئی اور انہوں نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کر لیا، نبی کریم ﷺ نے ان تینوں کے معاملے میں فیصلے کو ملتوی کر دیا اور عام مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ آئے، ان سے کسی قسم کا معاشرتی تعلق نہ رکھا جائے۔ یہ کعب بن مالک، بلال بن اُمیہ اور مُرارہ بن ربیع تھے، تینوں سچے مومن تھے، اس سے پہلے اپنے اخلاص کا بارہا ثبوت دے چکے تھے۔ قربانیاں کر چکے تھے۔ آخر الذکر دو اصحاب تو غزوۂ بدر کے شرکاء میں سے تھے، جن کی صداقت ایمانی ہر شبہہ سے بالاتر تھی، اور اول الذکر بزرگ اگرچہ بدری نہ تھے لیکن بدر کے سوا ہر غزوے میں نبی ﷺ کے ساتھ رہے۔ ان خدمات کے باوجود جو سستی اِس نازک موقع پر جبکہ تمام قابل جنگ اہل ایمان کو جنگ کے لئے نکل آنے کا حکم دیا گیا تھا، اِن حضرات سے سرزد ہوئی، اُس پر سخت گرفت کی گئی، نبی ﷺ نے تبوک سے واپس تشریف لا کر مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ کوئی ان سے سلام کلام نہ کرے۔ ۴۰ دن کے بعد ان کی بیویوں کو بھی ان سے الگ رہنے کی تاکید کر دی گئی۔ فی الواقع مدینے کی بستی میں ان کا وہی حال ہو گیا تھا جس کی تصویر قرآن کریم میں کھینچی گئی ہے۔ آخر کار جب ان کے مقاطعہ کو ۵۰ دن ہو گئے تب معافی کا یہ حکم نازل ہوا۔ (۱۴۹) پچاسویں دن صبح سورۂ توبہ کی یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں ان تینوں صحابہ کرامؓ کی توبہ کی قبولیت کا ذکر ہے:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَي النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۱۱۷ وَّعَلَي الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَالتَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۱۱۸ (۱۵۰)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی ﷺ کا ساتھ دیا، جبکہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں، پھر اللہ نے ان کے حال

پر توجہ فرمائی۔ یقیناً وہ ان کے لیے بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔ اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی، ان کی زندگیاں ان پر دو بھر ہو گئیں، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی، تو پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا، تاکہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رجوع کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

اطاعت امیر کی خلاف ورزی، جماعتی نظم کو توڑنے اور نظم وضبط کی خلاف ورزی پر ان سے غیر ارادی طور پر یہ عمل سرزد ہوا (یہاں تنبیہ کا مقصد یہ تھا کہ) زمین کے نمک تو تم ہو، تم سے بھی اگر نمکینی حاصل نہ ہوئی تو پھر اور نمک کہاں سے آئے گا۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس سارے قضیے میں قائد اور سربراہ جس شان سے سزا دیتا ہے اور پیرو جس شان سے اس سزا کو بھگتا ہے اور پوری جماعت جس شان سے اس سزا کو نافذ کرتی ہے، اس کا ہر پہلو نظم وضبط کے حوالے سے بے نظیر ہے۔ دوسری جانب جماعت کو دیکھئے تو اس کے ڈسپلن اور اس کی صالح اخلاقی اسپرٹ پر انسان عش عش کر جاتا ہے۔ ڈسپلن کا یہ حال کہ اُدھر لیڈر کی زبان سے بائیکاٹ کا حکم نکلا، اِدھر پوری جماعت نے نظم وضبط کی خلاف ورزی کرنے والے سے نگاہیں پھیر لیں۔ جلوت تو درکنار خلوت تک میں کوئی قریب سے قریب رشتے دار اور کوئی گہرے سے گہرا دوست بھی اس سے بات نہیں کرتا، بیوی تک اس سے الگ ہو جاتی ہے، وہ خدا کا واسطہ دے دے کر پوچھتا ہے کہ میرے خلوص میں تو تم کو شبہ نہیں ہے، مگر وہ لوگ بھی جو مدت العمر سے اس کو مخلص جانتے تھے، صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے نہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اپنے خلوص کی سند حاصل کرو، دوسری طرف اخلاقی اسپرٹ اتنی بلند اور پاکیزہ کہ ایک شخص کی چڑھی ہوئی کمان اترتے ہی مردار خوروں کا کوئی گروہ اس کا گوشت نوچنے اور اسے پھاڑ کھانے کے لئے نہیں لپکتا، بلکہ اس پورے زمانہء عتاب میں جماعت کا ایک ایک فرد اپنے اس معتوب بھائی کی مصیبت پر رنجیدہ اور اس کو پھر سے اٹھا کر گلے لگا لینے کے لئے بے تاب رہتا ہے اور تقریباً معافی کا اعلان ہوتے ہی لوگ دوڑ پڑتے ہیں کہ جلدی سے جلدی پہنچ کر اس سے ملیں اور اسے خوشخبری پہنچائیں۔ یہ نمونہ ہے اُس صالح جماعت کا جسے قرآن کریم دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔(۱۵۱)

اللہ تعالیٰ ان کی معافی کا ذکر ایسے شفقت بھرے الفاظ میں فرماتا ہے کہ: "ہم ان کی طرف پلٹے تاکہ وہ ہماری طرف پلٹ آئیں"۔ ان چند لفظوں میں اِس حالت کی تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ آقا نے پہلے تو ان بندوں سے نظر پھیر لی تھی، مگر جب وہ بھاگے نہیں بلکہ دل شکستہ ہو کر اسی کے در پر بیٹھ گئے تو ان کی شان وفاداری دیکھ کر آقا سے خود نہ رہا گیا۔ جوش محبت سے بے قرار ہو کر وہ آپ نکل آیا تاکہ انہیں دروازے سے اٹھا لائے۔(۱۵۲)

خطبۂ حجۃ الوداع: اعلیٰ انسانی اقدار کے تحفظ، ہر شعبۂ زندگی میں نظم وضبط اور محسن انسانیت ﷺ کے عالمی و آفاقی پیغام کا تاریخ ساز منشور:

حجۃ الوداع (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز جمعہ / ۶ مارچ ۶۳۲ء) میں آپ ﷺ نے ان بلیغ الفاظ میں یہ انقلاب انگیز اعلان فرمایا! "اليوم استدار الزّماں كهيئته يوم خلق االله السّمٰوات والارض"(۱۵۳)" آج زمانہ ہر پھر کر اسی مرکز پر آگیا جس پر وہ اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا"۔

یہ ایک ایسا عظیم الشان انقلاب تھا جس نے لا قانونیت، نظم وضبط کی خلاف ورزی، بدانتظامی اور مطلق العنان فلسفۂ حکمرانی پر مبنی تمام خود ساختہ قوانین، سیاسی تکلفات اور مظالم سے لبریز شاہانہ نظام ہائے سلطنت کو بیخ وبنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔ اس انقلاب نے نہ صرف کسریٰ و قیصر کی شخصیتوں کا خاتمہ کر دیا، بلکہ کسرویت اور قیصریت کو صفحۂ ہستی سے فنا کر دیا۔ آپ ﷺ نے یہی پیش گوئی ان الفاظ میں ظاہر ہوئی! "اذا هلك كسريٰ فلا كسريٰ بعده واذا هلك قيصر فلا قيصر بعده" (۱۵۴)جب کسریٰ ہلاک ہو گیا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں۔ اور جب قیصر ہلاک ہو گیا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں۔ اور اس کے بعد ایک ایسی عادلانہ سلطنت کی بنیاد ڈالی گئی جس کا قانون خدا کا قانون" جس کی حکومت خدا کی حکومت، اور جس میں ہر فرد ایک طرح سے خود ہی اپنا حاکم اور خود ہی اپنا محکوم تھا۔

اسی تاریخی حقیقت کا اعتراف " THE HISTORY AND CONQUESTS OF THE SARACENSE "کا مصنف مغربی مورّخ ایڈورڈ، اے۔ فری مین کرتے ہوئے لکھتا ہے! "محمد ﷺ وہ عظیم مقنن تھے جن کی قسمت میں اپنے عہد کی دنیا کو مکمل طور پر بدل ڈالنا اور آنے والے تمام زمانوں میں دنیا پر اہم اثرات مرتب کرنا لکھ دیا گیا تھا"۔(۱۵۵) انسانیت کے محسن اعظم ﷺ نے انسانیت کے ان باطل، ظالمانہ، غیر مساویانہ اور فرسودہ قوانین کو جو انسانیت پر مذہب، تہذیب و تمدن اور فلسفے کے نام پر نافذ تھے، حاکم مطلق کی طرف سے ادا کردہ فطری، انسانی مساوات اور نظریۂ عدل پر مبنی قوانین کا عملی نفاذ کر کے ان تمام باطل اور فرسودہ قوانین کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے خطبۂ حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر انسانیت کے نام اپنے ابدی پیغام میں!"الا كلّ شيء من أمر الجاهلية موضوع تحت قدمي"۔ آگاہ رہو! تمام امور جاہلیت میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں۔ فرما کر ارشاد فرمایا:

"ايها الناس! ربّكم واحد وان أباكم واحد، كلكم من آدم وآدم من تراب، (ثم تلا) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ، وليس لعربي فضل علٰي عجمي، ولا لعجمي فضل علي عربي، ولا أسود علي أحمر، ولاأحمر علي أسود اِلا بالتقويٰ... الا لا يجني جان الاّ علىٰ نفسه، ألا لا يجني جان علي ولده ولا مولود علي ولده... واِني مسؤل وانكم مسؤلون- (۱۵۶) پیغمبر آخر واعظم حضرت محمد ﷺ نے بعثت نبوت کے بعد مکہ معظمہ میں بارہ سال پانچ ماہ اور چند روز قیام فرمایا، یہ اساسی عقائد، بنیادی اسلامی قوانین کے ظہور اور اسلامی معاشرے کی تنظیم کا زمانہ تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد مدینے میں دس سال قیام ہوا، یہاں

دینی جماعت نے ملّی تنظیم سے ربط پیدا کیا، اجتماعی ہیئت قائم ہوئی، میدانِ جنگ گرم ہوئے، معاہدے طے پائے، معاہدہ شکنوں کے خلاف انضباطی کارروائی عمل میں لائی گئی، اسلام کے اصولوں کی حکومت قائم ہوئی اور ایک اللہ کے نام پر ساری دنیا کو جمع کرنے کے لئے عالمگیر فتح کا رخ متعین ہوا۔ ۲۳ سال کی مدّت میں دنیا بدل گئی، ایک بڑی اور بے مثال تبدیلی رونما ہوئی جس نے مدّت کے باطل تصورات، زمانہ دراز کے منفی خیالات، عرصے کی تنظیمات اور سالہا سال کی اقوام کی تاریخ اور حکومتوں کو ختم کر دیا۔ ساری عمر کے دشمن دوست ہو گئے، صدیوں کے جنگجو قبائل ایک امت بن گئے، تمام بھلائیوں کی حکومت قائم ہو گئی اور برائیوں کی ہر عمارت اپنی بنیادوں پر بیٹھ گئی۔ اسلام کا دور شروع ہوا، اسلام کا نظام عدل و انصاف اور انسانی مساوات عملی بنیادوں پر قائم ہوا، اسلامی حکومت کی تاسیس عمل میں آئی جو دنیا میں سب سے برے تھے، سب سے اچھے ہو گئے، جو برے کاموں کے لئے مشہور تھے، ان کے سارے کام اچھے ہو گئے، خدا کی شان ہے کہ پلک جھپکتے ہی ایک منظم معاشرے کی تشکیل اور نظم و ضبط پر قائم امت کے نتیجے میں ایک ایسا انقلاب آیا کہ اس سے بہتر انقلاب نہ تاریخ نے دیکھا ہے اور نہ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے مثالی نظام عدل و انصاف سے علیحدہ ہو کر آئندہ تاریخ دیکھے گی۔

ردائے لطف ہے اس کی جہاں پر — کرم اس کا محیط ہر زماں ہے
وہ روحِ عمل، وہ جانِ مساوات — صداقت کا، امانت کا نشاں ہے
اُسی کا ہے مرے لب پر قصیدہ — وہی جو باعثِ آرامِ جاں ہے(۱۵۷)

## اسلامی ریاست میں "عوام الناس" کو "نظم و ضبط" کا پابند بنانے کے طریقے

اسلام ایک کامل و مکمل دین اور ابدی ضابطہء حیات ہے، یہ زندگی کے ہر شعبے اور بندگی کے ہر گوشے میں انسانیت کی مکمل راہ نمائی کرتا ہے۔ عصر حاضر میں مملکتِ خداداد، اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اسلامی ریاست اور "عوام الناس" کو جو بنیادی اور اہم مسئلہ درپیش ہے، وہ ہر شعبہء زندگی سے نظم و ضبط کا فقدان، ہر سو انتشار اور بدنظمی ہے، نظم و ضبط کے فقدان کے باعث ہی ہمارا معاشرہ دینی، مذہبی تہذیبی، ثقافتی، اخلاقی، معاشرتی، عائلی، انتظامی اور ریاستی بدنظمی کا بدترین شکار ہے، ہر سو بدنظمی، بدانتظامی، کرپشن، لاقانونیت کے مظاہر عام ہیں، بدنظمی اور بدانتظامی نے معاشرے کے نظم و ضبط کو بری طرح متاثر کیا ہے، آج من حیث القوم ہمارا معاشرہ اعلیٰ اخلاقی قدروں کے انحطاط و زوال اور بری طرح تنزل کا شکار ہے، اس کی بنیادی وجہ معاشرے سے "نظم و ضبط" کا فقدان ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام دین فطرت اور دین انسانیت ہے، اسوۂ رسول ﷺ اور تعلیمات نبوی ﷺ سرچشمہء ہدایت، مینارۂ نور اور مشعلِ راہ ہیں، اسوۂ رسول ﷺ اور تعلیمات نبوی ﷺ کی پیروی ہی ہمارے لئے دنیا میں فلاح و کامیابی اور آخرت کی ابدی زندگی میں نجات کا ذریعہ اور شاہ کلید ہیں۔

معلمِ انسانیت، پیغمبرِ رحمت، سرورِ کائنات، ہادیِ اعظم، سید عرب و عجم، فخر دوعالم حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کی بے مثال تعلیمات "نظم وضبط" کا بنیادی حوالہ، ایک بے مثال پیغام اور دائمی نمونہء عمل ہیں، آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور مثالی تعلیمات میں "نظم وضبط" کے روشن نمونے ہمیں اطاعتِ رسول ﷺ اور آپ ﷺ کی کامل اتباع کی دعوتِ فکر دیتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مثالی اسلامی فلاحی ریاست اور ایک منظم اسلامی معاشرے کا تصور "نظم و ضبط" کے بغیر ناممکن ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ معاشرے کے استحکام، قوموں کی بقاو آزادی، اور منظم معاشرے کی تشکیل و تعمیر کے لئے "نظم وضبط" ریاست کے بنیادی ستون اور سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ذیل میں موضوع کی مناسبت سے اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے بنیادی طریقے ذکر کئے جاتے ہیں، جن پر عمل درآمد ہی ایک مثالی، مستحکم اور منظم معاشرے کی اساس اور بنیاد ہے۔

**پابندیِ وقت اور وقت کی قدر و قیمت کا احساس:**

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ وقت زندہ قوموں کی بقاو استحکام اور زندگی میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے، جو قومیں وقت کی قدر کرتی اور وقت کی طوفان خیز موجوں کا مقابلہ ہمت و جرأت سے کرتی ہیں، وہ اپنے کارہائے نمایاں سے تاریخ کے اوراق پر وہ داستانیں رقم کرتی ہیں جو آنے والی نسلوں کے لئے نشان راہ ہوتی ہیں۔ جن پر چل کر قومیں اپنی تقدیروں کا فیصلہ کرتی ہیں:

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا — کہ صبح و شام بدلتی ہیں جن کی تقدیریں
سکندرانہ ادائیں قلندرانہ جلال — یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

کسی کام کو وقت مقررہ پر انجام دینا نظم وضبط کا بنیادی تقاضا اور پابندیٔ وقت کہلاتا ہے۔ وقت در حقیقت زندگی ہے، جو لوگ زندگی کی قدر کرتے ہیں، وہی لوگ وقت کی قدر بھی کرتے ہیں اور جو وقت کو برباد کرتے ہیں گویا وہ زندگی کو برباد کرتے ہیں۔ "نظم وضبط" کا دامن تھامتے ہوئے وقت کی منصوبہ بندی دراصل مثالی اور منظم معاشرے اور زندگی کی منصوبہ بندی ہے اور زندگی کی منصوبہ بندی کے لئے زندگی کی ترجیحات کا تعین ضروری ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قوموں کے عروج وزوال میں "وقت" نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ جو قومیں وقت کے ساتھ دوستی رچاتی اور اپنی زندگی کے شام وسحر کو وقت کا پابند کر لیتی ہیں، وہ ستاروں پر کمندیں ڈال سکتی ہیں، صحراؤں کو گلشن میں تبدیل کر سکتی ہیں، فضاؤں پر قبضہ جما سکتی ہیں، عناصر کو مسخر کر سکتی ہیں، پہاڑوں کے جگر پاش پاش کر سکتی ہیں اور زمانے کی زمامِ قیادت سنبھال سکتی ہیں۔ لیکن جو قومیں "وقت" کو ایک بیکار چیز سمجھ کر یوں ہی گنواتی رہتی ہیں تو وقت انہیں ذلت ونکبت کی اَتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیتا ہے کہ دور دور تک کھوجنے سے بھی ان کا نام ونشان نہیں ملتا۔ پھر وہ غلامی

کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، اور وقت کا ضیاع اُن کے ہاتھوں میں کشکولِ گدائی تھما دیتا ہے، وقت کی پابندی اور وقت کا صحیح استعمال دنیا میں ہر کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ جن لوگوں نے وقت کی قدر کی، وہ ہمیشہ کامیاب رہے، کہا جاتا ہے کہ تقدیر ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو ہمیشہ وقت کی قدر کرتے ہیں۔ "وقت" بلاشبہ ایک ایسا عطیہ ہے جو اِنسان کو بنا بھی سکتا ہے اور گنوا بھی سکتا ہے، اس لئے کامیاب انسان بننے کے لیے ہر شعبہ زندگی میں نظم وضبط سے کام لیتے ہوئے وقت کی دہلیز کو بڑی اِحتیاط کے ساتھ عبور کرنے کی ضرورت ہے۔

، وقت، ایک بہتا ہوا دریا ہے، جس طرح دریا کی گزری ہوئی لہریں واپس نہیں ہو سکتیں، اسی طرح گیا ہوا وقت بھی دوبارہ کبھی ہاتھ نہیں آسکتا۔ یا یہ کہیں کہ وقت چلچلاتی دھوپ میں رکھی کسی برف کی سل کی مانند ہے جو ہر آن پگھلتی ہی چلی جارہی ہے، اور ایک سفر مسلسل کی طرح رواں دواں ہے کہ کہیں کوئی ٹھہراؤ یا پڑاؤ نظر نہیں آتا۔ یا اسے یوں تعبیر کریں کہ، وقت، روئی کے گالوں کی طرح ہے، عقل وحکمت کے چرخے میں کات کر اس کے قیمتی پارچہ جات اگر بنالئے گئے تو وہ کام میں آجائیں گے، ورنہ غفلت وجہالت کی آندھیاں اسے اُڑا کر کہیں کا کہیں پھینک دیں گے۔ علامہ محمد یوسف القرضاوی اپنی کتاب "الوقت فی حیاۃ المسلم" میں لکھتے ہیں: قرآن وسنت میں وقت کی اہمیت مختلف پہلوؤں سے بتائی گئی ہے۔ قرآن کریم اس کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے اسے عطیہء خداوندی قرار دیتا ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ۳۳ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ (۱۵۸)

اور تمہاری خاطر سورج اور چاند کو اس طرح کام پر لگایا کہ وہ مسلسل سفر میں ہیں، اور تمہاری خاطر رات اور دن کو بھی کام پر لگایا اور تم نے جو کچھ مانگا، اس نے اس میں سے (جو تمہارے لیے مناسب تھا) تمہیں دیا۔ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار (بھی) نہیں کرسکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت بے انصاف، بڑا ناشکرا ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۶۲ (۱۵۹)

اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں (مگر یہ ساری باتیں) اس شخص کے لیے (کارآمد ہیں) جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا شکر بجالانا چاہتا ہو۔ یعنی رات کو بنایا کہ وہ دن کے بعد آئے اور دن کو بنایا کہ وہ رات کے بعد آئے، تو جس کا کوئی کام ان دونوں میں سے کسی ایک میں کرنے سے رہ گیا ہو تو وہ اس کی تلافی دوسرے میں کرنے کی کوشش کرے۔ وقت کی اہمیت بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد مکی سورتوں کے آغاز میں اس کی قسمیں کھائی ہیں مثلاً:

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ۲ (۱۶۰)

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔ اور دن کی جب اس کا اجالا پھیل جائے۔

وَالْفَجْرِ O وَلَيَالٍ عَشْرٍ O
قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔

وَالضُّحٰى ۙ۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ۲ (۱۶۱)
)اے پیغمبر) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی۔ اور رات کی جب اس کا اندھیرا بیٹھ جائے۔

وَالْعَصْرِ ۙ۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ۲ (۱۶۲)
زمانے کی قسم۔ انسان در حقیقت بڑے گھاٹے میں ہے۔ علامہ محمد یوسف قرضاوی اس حوالے سے رقمطراز ہیں: یہ بات مفسرین اور اہل علم کے نزدیک معروف ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو صرف اس لئے کہ لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرے اور اس کے عظیم فائدوں اور اثرات سے آگاہ کرے، قرآن کریم کی طرح سنت نبوی ﷺ نے بھی وقت کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت پر زور دیا ہے اور قیامت کے دن اللہ کے حضور انسان کو وقت کے متعلق جواب دہ قرار دیا ہے۔(۱۶۳)

علامہ جلال الدین سیوطی نے "جمع الجوامع" میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر روز صبح جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس وقت دن یہ اعلان کرتا ہے جو شخص آج کوئی بھلائی کر سکتا ہے، کرلے، آج کے بعد میں پھر کبھی واپس نہیں لوٹوں گا"

لہٰذا ہمیں اپنے ہر عمل کا جائزہ لینا چاہئے کہ اتنی انمول اور نایاب دولت کو ہم کہاں صرف کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معمولاتِ زندگی کی تنظیم اور نظم و ضبط کے حوالے سے پابندی وقت اور وقت کی قدر و قیمت کا احساس بنیادی اہمیت کا حامل ہے، آج ہمارے معاشرے میں بد نظمی و بد انتظامی کی ایک بڑی وجہ "ٹائم مینجمنٹ" کا فقدان اور وقت کی قدر و قیمت سے لاعلمی ہے۔ "تنظیم وقت" کے حوالے سے علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں: "مومن کو چاہئے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں اور مختلف کاموں کے درمیان اپنے اوقات کو منظم اور منضبط کرے، وہ کام چاہے دینی ہوں یا دنیوی، اور جو کام جس اہمیت اور جس ترتیب کا حامل ہو، اسے اسی اہمیت اور ترتیب سے انجام دینا چاہئے۔ بعض کاموں کا وقت متعین ہوتا ہے اور بعض کا نہیں ہوتا، اس لئے انہیں کسی وقت بھی انجام دیا جاسکتا ہے، اسی طرح ایک کام عجلت کا طالب ہوتا ہے تو اسے اسی وقت انجام دینا چاہئے۔ اوقات کی اس تنظیم اور ترتیب کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مختلف کاموں کے درمیان تصادم کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے"(۱۶۴) نبی کریم ﷺ نے صحف ابراہیم کی کچھ تعلیمات اس طرح بیان فرمائی ہیں:

وَعَلَي الْعَاقِلِ مَا لَمْ يكنْ مَغْلُوْباً عَلَي عَقْلِه أنْ تَكوْنَ لَه سَاعاتٌ: سَاعَة ينَاجِي فِيهَا رَبَّه، وسَاعَة يحَاسِبُ فِيهَا نَفْسَه، وسَاعَة يتَفَكرُ فِيهَا فِي صُنْعِ الله وَسَاعَة يخْلُوْا فِيهَا لِحَاجَتِه مِنَ الْمُطْعَمِ وَالْمشْرَبِ(۱۶۵)

"عقل مند آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کرے، ایک حصہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کے لئے، دوسرا احتساب نفس کے لئے، تیسرا اللہ کی تخلیق میں غور و فکر کے لئے اور چوتھا حصہ اپنے کھانے پینے کی ضروریات کے لئے خاص کرے۔""وقت" افراد اور قوموں کا گنج گراں مایہ اور پیش بہا سرمایہ ہے۔ ترقی کی وہ راہیں، جو اس سرمائے کے درست استعمال ہی کی بدولت طے ہو سکتی ہیں۔ انہی اقوام کی رہ گزر بن سکتی ہیں جو اس سرمایہء گراں مایہ کو بروقت اور صحیح استعمال کرتی ہیں۔ نظم وضبط پر عمل پیرا ہوتے ہوئے وقت کی قدر و قیمت کا پورا پورا احساس کرتی ہیں۔ وقت کے درست اور بہتر استعمال کے لئے اداروں کے ذمہ دار افراد اور حکومت کے کرنے کا اصل کام یہ ہے: * اداروں کو چاہئے کہ وہ اپنے ملازمین کے اوقات کار کو اس انداز سے ترتیب دیں کہ ان کا وقت ضائع نہ ہو۔ * ان کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اپنے ملازمین کو ان کی ذمہ داریوں اور اختیارات کے بارے میں بتائیں بلکہ کام کی تفصیل فراہم کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے مستقبل کے بارے میں سال میں ایک بار مشاورت بھی ہونی چاہئے۔ * انہیں چاہئے کہ افراد کے آپس میں اور افراد و ادارے کے مابین بات چیت اور رابطوں کو بہتر بنائیں۔ * ذمے دار افراد کو چاہئے کہ وہ اداروں کے نااہل افراد کی جانب سے کھیلی جانے والی سیاست کا تدارک کریں اور باصلاحیت افراد کو ان کی صلاحیت کے مطابق کام کو یقینی بنائیں۔ ذمہ داران اس سلسلے میں انفرادی ملاقاتوں کا بھی اہتمام کر سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ اداروں میں باہم مل جل کر کام کرنے (ٹیم ورک) کا رجحان پیدا ہو گا اور کارکردگی میں اضافہ ہو گا۔ * حکومت کے ذمے کام یہ ہے کہ وہ اس بات کا جائزہ لے کر دفاتر میں ملازمین کی استعداد و کارکردگی کس وقت بہتر ہوتی ہے۔ ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر میں وقت عموماً ضائع ہوتا ہے اور کارکردگی بہت کم ہوتی ہے۔ * لہٰذا وقت کے درست اور بروقت استعمال کے لئے منظم اور مؤثر اقدامات نظم وضبط کا بنیادی تقاضا ہے۔

**احساسِ ذمہ داری اور ایک منظم معاشرے میں اس کی اہمیت:**

زندگی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی امانت ہے، اور اس امانت کا تقاضا ہے کہ ہم اس کے ایک ایک لمحے کو "احساسِ ذمہ داری" کے ساتھ بسر کریں۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر ہمیں اشرف المخلوقات کہلانے کا کوئی حق نہیں، پھر ہم حیوانات اور جمادات سے بھی پست ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ ذمہ داریوں کا بوجھ ہی تو تھا جسے پہاڑ تک نہ اُٹھا سکے مگر انسان نے اس کے لئے اپنے کندھے پیش کر دیئے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ "ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈرے، مگر انسان نے اس کو اٹھالیا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے احکام پر عمل ہمارے لئے ایک مقدس امانت کی حیثیت رکھتا ہے، اور یہ ہماری بنیادی ذمہ داری ہے کہ ہم پوری دیانت داری کے ساتھ اس پر پورے اتریں۔ اگر کہیں اسی میں خیانت ہو گی تو پھر وہ امتیاز ختم ہو جاتا ہے جو ہمیں کائنات اور کائنات کی ہر چیز کے مقابلے میں عطا کیا گیا ہے۔ قرآن کریم انسان کی اسی بلندی اور پستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑے واضح لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۴ۖ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ۵ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ۷ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ۸ (۱۶۶)

کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے۔ پھر ہم اسے پستی والوں میں سب سے زیادہ نچلی حالت میں کر دیتے ہیں۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کیے، تو ان کو ایسا اجر ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہو گا۔ پھر (اے انسان) وہ کیا چیز ہے جو تجھے جزا و سزا کو جھٹلانے پر آمادہ کر رہی ہے؟ کیا اللہ سارے حکمرانوں سے بڑھ کر حکمران نہیں ہے؟ اس ارشادِ ربانی سے معلوم ہوا کہ انسان بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ لیکن یہ مرتبہ اسے اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے، اپنے اوقات کو غلط راہوں میں صرف نہ کرے، نظم وضبط پر عمل پیرا ہوتے ہوئے، انہیں اچھے کاموں کا ذریعہ بنائے، جن سے اس کی ذات بھی صحیح نشوونما پائے۔ اس کے ساتھی عزیز رشتہ دار اور دوسرے ہم وطن بلکہ اللہ کے تمام بندے بھی فائدہ اٹھائیں، قرآن کریم نے احساس ذمہ داری کو تقویٰ کا جامع عنوان دیا ہے۔

دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بناء پر اپنے فرائض کی ادائیگی آسان اور محبوب ہو جاتی ہے اور غیر ذمہ دارانہ زندگی گزارنا ایک مشکل اور ناپسندیدہ امر بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم کے ان تمام مقامات کا غور سے مطالعہ کیا جائے۔ جہاں تقویٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے تو یہ بات اچھی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ یہ صفت تمام انفرادی اور اجتماعی اچھائیوں کا سرچشمہ ہے، موجودہ دور میں ہمارے انحطاط اور ہر شعبہء زندگی میں تنزل اور بدنظمی کی بنیادی وجہ نظم وضبط، احساس ذمہ داری کا فقدان اور احساس ذمے داری کے جذبے کی پامالی ہے، جس کا تدارک اور خاتمہ دین وایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔

اجتماعی شعور پیدا کرنے، اسے بیدار رکھنے اور مؤثر بنانے کے لئے اسلام نے جو اقدامات کئے ہیں ان میں سب سے اہم فرد کا اپنا احساس ہے۔ فرد کو اس امر کا احساس دلایا گیا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کا تنہا ذمے دار ہے۔ جو سزا اسے ملنی ہے اسے کوئی اور نہیں اٹھائے گا۔ معاشرتی جرائم کی ایک سزا تو اجتماعی ہے جسے معاشرہ ہی نافذ کرتا ہے، لیکن اس کا انفرادی معاملہ اس کے رب کے ساتھ ہے۔ جسے اس کو ہی نبٹانا ہے، کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہو گا، لہٰذا اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہئے اور اپنا فرض پورا کرنے میں دوسروں کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ (۱۶۷)

اپنی فکر کرو جب تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ (۱۶۸)

اور جو کوئی (برا) فعل کرتا ہے تو اس کا نقصان اسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں

اٹھائے گا۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۝ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۝ (۱۶۹)

اگر تم اچھے کام کروگے تو اپنے ہی فائدے کے لیے کروگے، اور برے کام کروگے تو بھی وہ تمہارے لیے ہی برا ہو گا۔

لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ اصلاح کی اجتماعی ذمہ داری سے بری ہو گیا، وہ ذمہ داری اس کے سر ہے، حضور ﷺ نے اسے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه إنّ رسول الله ﷺ قال: الا كلكم راع وكلكم مسؤلٌ عن رعيته(۱۷۰)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سب نگران ہو اور تم سب اپنے ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہو۔

اسلام کا معاشرتی نظام ان اصولوں پر قائم ہے اور اپنی خصوصیات کی بدولت دنیا کے تمام معاشرتی نظاموں سے مختلف اور منفرد ہے۔ اسلام کا معاشرتی نظام خیر وصلاح، طہارت وتقدس، ہمدردی وخیر خواہی اور اعتدال وتوازن پر قائم ہے۔ اس نظام میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی بہبود کا پورا انتظام موجود ہے۔ معاشرتی آداب کی تنظیم اور ان کی فائدہ مندی کا اندازہ آپ کو اس تفصیل سے ہو سکے گا جو اسلام نے مہیا کی ہے۔(۱۷۱) تمام نظام ہائے زندگی اور مذاہب میں اسلام وہ واحد نظام حیات ہے، جس نے سربراہ مملکت سے لے کر گھر کے خادم تک تمام لوگوں کی ذمہ داریوں کو اس دور میں تفصیل سے بیان کیا، جب کسی کو جمہوریت کا خواب وخیال بھی نہ آیا تھا۔ دنیا کا کوئی نظام زندگی اس لحاظ سے اسلام کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ پیغمبر اسلام ﷺ امام کو نگہبان اور اپنی رعیت کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں، اس کی ذمہ داریوں کو گنا کر ان کی حدود کا تعین اور اس کے وظائف کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اسی طرح مرد اور عورت کی علیحدہ علیحدہ ذمہ داریاں بیان کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر اس کی ذمہ داریاں عائد کرتے ہیں، نیز اولاد کے بارے میں باپ کی ذمہ داریوں اور باپ کے بارے میں اولاد کی ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہیں، مزید برآں اگر عالمی ارتقا کو پیش نظر رکھیں تو آپ بہت پہلے مزدوروں اور غلاموں کے حقوق اور فرائض کو زیر بحث لائے اور آپ ﷺ نے انسانی تاریخ میں معاشرتی بحران پیدا ہونے سے پہلے ہی معاشرتی مسائل کا حل پیش کر دیا، جن سے جواب دہی اور احساس ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے۔(۱۷۲)

**نظم وضبط کے حوالے سے افرادِ معاشرہ کی تربیت اور کردار سازی:**

موجودہ دور میں انتشار، بدنظمی اور نظم وضبط کے فقدان کی ایک وجہ افراد کی تربیت اور کردار سازی نہ ہونا ہے، افراد کی تربیت اور کردار سازی کی جب بات کی جائے تو پہلے مرحلے پر فرد اور نفس کی تربیت کو دیکھنا اور جانچنا

ضروری ہو گا، یہ ایک حقیقت ہے۔ قرآن کریم کا مخاطب انسان اوراس کا نفس ہی ہے، خواہ اسے وجود ذات کے معنی میں استعمال کریں، یا قلب وروح کے معنی میں، یا مزاج وفطرت کے معنی میں، اب اس نفسِ انسانی کی حقیقت قرآن کریم کی زبان سے سنیئے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (۱۷۳)

اور انسانی جان کی، اور اس کی جس نے اسے سنوارا، پھر اس کے دل میں وہ بات بھی ڈل دی جو اس کے لیے بدکاری کی ہے، اور وہ بھی جو اس کے لیے پرہیز گاری کی ہے۔ فلاح اسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے۔ اور نامراد وہ ہو گا جو اس کو (گناہ میں) دھنسادے۔

خالق کائنات نے ہر انسان کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ اچھائی اور برائی میں فرق کر سکتا ہے، اس طرح یہ انسانی فکر بھی فطری ہے کہ اچھائیوں کو اختیار کرنا اور برائیوں سے بچنا ضروری ہے، دراصل اچھائی اور برائی، خیر وشر کے درمیان تمیز کرنا ہی انسانیت کا جوہر ہے۔ اسلام نے ایمان وعمل کی تربیت پر بھی زور دیا ہے، کیونکہ ایمان تو درحقیقت ایک پودا ہے اور جب سرزمین قلب میں اس کو لگایا جاتا ہے تو اس وقت ثمر آفرین بنتا ہے جب اس کی آبیاری کی جائے، اس کی نگہداشت کی جائے، اس کا احتساب کیا جائے، اپنی نیتوں کا جائزہ لیا جائے، اپنے دلوں کو ٹٹولا جائے کہ خوفِ خدا کس حد تک ہے اور اس کی رضا کی طلب کے لئے نفس کون کون سی قربانیاں دے سکتا ہے۔ اس تربیت کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ (۱۷۴)

لیکن وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا تھا اور اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکتا تھا۔ تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہو گی۔

نفس کو برائیوں سے روکے رہنا اور نیکیوں کی طرف اس کے رجحانات کو غالب بنانا، اس کی تربیت ہے۔ یہ تربیت اور کردار سازی کا عمل اسلامی ریاست کے ہر فرد میں ہونا ضروری ہے، اس کی موجودگی ہی میں معاشرہ بھی منظم ہو گا، اور نظم وضبط کا کلچر عام ہو گا۔

**احتسابِ نفس اور نظم وضبط کے حوالے سے اس کی اہمیت:**

اسلامی ثقافت کے روحانی ڈھانچے کا اہم عنصر جوابدہی کا تصور ہے۔ یہی وہ تصور ہے جو افکار واعمال کو پاکیزہ رکھتا ہے اور یہی وہ تصور ہے جس کی وجہ سے تقویٰ واحتیاط کا رویہ پیدا ہوتا ہے، یہ تصور مفصل فکری نظام پر مبنی ہے۔ قرآن کریم نے کئی ایک مقامات پر لوگوں کی فکری ناپختگی اور عملی کجی کا باعث اس تصور کا نہ ہونا قرار دیا ہے، اور مومن کے متوازن ہونے کا سبب اس کے اسی احساس کو بتایا ہے، مثلاً:

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰي رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا۲۱ (۱۷۵)

جن لوگوں کو یہ توقع ہی نہیں ہے کہ وہ (کسی وقت) ہم سے آملیں گے، وہ یوں کہتے ہیں کہ: ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے؟ یا پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھے ہوئے ہیں اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی ہوئی ہے۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَي الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا۴۰ (۱۷۶)

اور یہ (کفار مکہ) اس بستی سے ہو کر گزرتے رہے ہیں جس پر بری طرح (پتھروں کی) بارش برسائی گئی تھی، بھلا کیا یہ اس بستی کو دیکھتے نہیں رہے؟ (پھر بھی انہیں عبرت نہیں ہوئی) بلکہ ان کے دل میں دوسری زندگی کا اندیشہ تک پیدا نہیں ہوا۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ۱ (۱۷۷)

کیا تم نے اسے دیکھا جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ۱۲ (۱۷۸)

اور اس دن کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرا ہوا گنہگار ہو۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۴۰ (۱۷۹)

لیکن وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا تھا اور اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکتا تھا۔ قرآن کریم کے مطابق یہ عقیدہ انسانی اخلاق کے لئے بنیاد کا کام دیتا ہے۔ اس تصور کے ذریعے انسانی مزاج کو دراصل پختہ کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذمہ دار محسوس کرے۔ اس سے آدمی کا ایسا پختہ ضمیر تیار ہوتا ہے، جس سے وہ کسی قانون اور خارجی دباؤ کے بغیر راست فکر اور صحیح عمل پر گامزن رہتا ہے۔ جوابدہی کے اس تصور سے فکری تطہیر ہوتی ہے۔ انسان محتاط ہوتا ہے۔ ذمہ داری محسوس کرتا ہے۔ اور شتر بے مہار ہونے سے بچ جاتا ہے۔ اسلامی تہذیب کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ انسانی اعمال کے لئے ایسی صحیح اور پختہ بنیاد مہیا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ثابت قدمی کا عمل پیدا ہو جاتا ہے اور وہ لغزش کھانے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ (۱۸۰)

**جہدِ مسلسل اور عظمتِ محنت کا تصور اجاگر کرنے کی ضرورت واہمیت:**

اسلام حرکت اور جدوجہد کا دین ہے، اس کے ہاں سب سے بڑی عبادت جہاد ہے اور یہ خود لفظ جہد سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں مشقت برداشت کرنا، اس لئے جہاد کے معنی ہوئے کسی کام کے کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرنا۔ اس کے مفہوم میں صرف تلوار اٹھانا ہی شامل نہیں، بلکہ ہر وہ کوشش جو زندگی میں رضائے حق کی

خاطر کی جاتی ہے، جہاد ہے، ارشادِ ربانی ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا. ﴿﴾ (۱۸۱) اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے، ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے۔

اسلام میں محنت و مشقت اور جدوجہد کو جتنا پسند کیا گیا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ آپ نے اپنی دعاؤں میں اکثر سستی اور کاہلی سے اللہ کی پناہ مانگی ہے، فرمایا: اللّٰھم اِنّیْ اَعوذبک من الکسل والھرم اے اللہ میں سستی اور کاہلی سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے دین کے اسی انقلاب تصور کے پیش نظر مسلمانوں کی خفتہ قوتوں کو بیدار کیا اور انہیں تعلیم دی کہ وہ زندگی میں ایک باعزت مقام حاصل کرنے کے لئے محنت مزدوری کرنے سے گریز نہ کریں۔

اسلام کی اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ عبادت کے سلسلے میں مسلمانوں کا زاویہء نگاہ بدل گیا اور وہ فرض عبادتوں کی ادائیگی کے بعد زندگی کی جدوجہد میں حصہ لینے کو زیادہ افضل جاننے لگے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے ایک قول سے اس اسلامی ذہن کی بھرپور نمائندگی ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا: "کوئی مقام مجھے ایسا نظر نہیں آتا کہ جہاں میں مرنا پسند کروں، بجز ایسے مقام کے کہ میں اپنے بال بچوں کے لئے سوداگری کر سکوں اور ربیع و شراء یعنی کسبِ حلال میں مشغول رہ سکوں"۔ اور حقیقت میں یہ تنہا حضرت عمر فاروقؓ ہی کا ذہن نہ تھا۔ تاریخ انبیاء اور تاریخ اسلام کا جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ وہ مقدس ہستیاں جو زُہد و ورع کے آسمان پر آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکیں، انہوں نے کبھی جدوجہد اور محنت و مشقت سے جی نہیں چرایا۔ اسلام یہ نہیں سکھاتا کہ دنیا میں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہا جائے۔ یہ منظم معاشرے کی تشکیل کے لئے نظم وضبط، حرکت اور مسلسل حرکت اور انقلاب اور مسلسل انقلاب کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک افراد کے ساتھ ساتھ قوموں کے ارتقاء کا راز اس میں مضمر ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو بدلنے کی جدوجہد کریں، وہ کہتا ہے کہ جو قومیں اپنے اندر تبدیلی پیدا نہیں کرتیں، اللہ تعالیٰ بھی ان کی حالت نہیں بدلا کرتا۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ. ﴿﴾ (۱۸۲) اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا اور دین دونوں میں سربلندی کا راز انسان کی اپنی جدوجہد پر منحصر ہے۔ علامہ اقبال نے قرآن کریم کی ان تعلیمات اور انسانی جدوجہد اور قانونِ خداوندی پر بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

حرف باریکش بہ رمزے مضمر است — تو اگر دیگر شوری اُو دیگر است
خاک شو نذرِ ہوا سار و ترا — سنگ شو برسیشہ انداز و ترا
شبنمی! فگندگی تقدیر تست — قلزمی! پابندگی تقدیرِ تست(۱۸۳)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ دور میں معاشرتی انتشار بدنظمی، بدانتظامی، لاقانونیت اور نظم وضبط کے فقدان کی بڑی وجہ کام چوری، بے روزگاری، اور محنت سے جی چُرانا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مقصد کی لگن اور

اس کے لیے محنت، مسلسل جدّوجہد اور عملِ پیہم انسان کو آخر کار کامیابی اور بامراد زندگی سے ہمکنار کرتی ہے۔ جمود اور بے کاری، سُستی اور کاہلی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، انحطاط اور زوال کی علامت ہے، جب کہ تلاشِ معاش اور کسبِ حلال کے لیے محنت، جدّوجہد اور عملِ پیہم عروج اور ترقّی کی نشانی ہیں۔ محنت اور نظم و ضبط لازم و ملزوم اور ایک دوسرے کی بقا کا وسیلہ ہیں، جہاں کام کی لگن اور محنت کی عظمت کا تصور موجود ہو گا، وہاں بد نظمی نہیں، بلکہ نظم وضبط کا راج ہو گا۔

اسلام کے نزدیک دنیا دارالعمل اور آخرت کی ابدی زندگی، اُس کی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کے انعامات در حقیقت نیک اعمال، اللہ پر ایمان، دین پر عمل، اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا بدلہ اور اُس کی جزا ہیں۔ لہٰذا معلوم ہُوا کہ عملِ پیہم اصل چیز ہے، شاعرِ مشرق علاّمہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نُوری ہے، نہ ناری ہے

اسلام کے فلسفۂ معیشت اور اقتصادی نظام کی ایک نمایاں خصوصیت اور امتیاز یہ ہے کہ اس نے محنت کی عظمت کو اُجاگر کیا اور مزدور و محنت کش طبقے کو پستی کے مقام سے اُٹھا کر قابلِ رشک اور عزّت و عظمت کا مقام عطا فرمایا، اسلام کا معاشی نظام اس حقیقت پر یقین رکھتا ہے کہ پیدائشِ دولت اور معاشی ترقّی کی جو بھی صورت ہو، خواہ زراعت و کاشت کاری ہو یا صنعت و حرفت، ملازمت ہو، یا نجی کاروباری سرگرمیاں، ہر جگہ دو ہاتھ سرگرمِ عمل نظر آتے ہیں، ایک اصل اور دوسرا محنت، بہر کیف اسلام ہر مقام پر محنت کی عظمت کا اظہار کرتا نظر آتا اور معاشی سرگرمیوں کو عزّت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں ایسے بے شمار، علما، فقہا، محدّثین، مؤرّخین اور مختلف اسلامی علوم کے ماہرین ایسے گزرے ہیں، جو اسلامی اقتصادیات کے مختلف شعبوں اور مختلف تجارتی و کاروباری سرگرمیوں سے تعلّق رکھتے تھے، اُن میں بعض جلیل القدر اور مشاہیر علما، فقہا، محدّثین وغیرہ کا تذکرہ ملتا ہے، جو تدریسی، تصنیفی اور تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ مختلف پیشہ ورانہ سرگرمیوں سے بھی متعلق تھے۔ وہ آج بھی اپنی علمی جلالت، قدر و منزلت، عزّت و عظمت کے باوجود اپنی معاشی سرگرمیوں اور پیشوں کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ ایسے بے شمار علما میں امام قُدوریؒ (ہانڈی بیچنے اور بنانے والے) امام قفّالؒ (تالے بیچنے اور بنانے والے) امام جصّاصؒ (پینٹر کا کام کرنے والے) امام صفّارؒ (برتن فروش) صیدلانیؒ (عطر فروش) امام دقّاقؒ (آٹا فروش) نعّال (جوتے فروش) بقّالؒ (سبزی فروش وغیرہ) علاّمہ سمعانیؒ نے "الانساب" میں، یاقوت الحمویؒ نے "معجم البُلدان" میں "اللُّباب فی تحریر الانساب" میں علاّمہ جلال الدین السُّیوطیؒ نے اور دورِ حاضر میں قاضی اطہر مبارکپوریؒ نے اپنی کتاب "مسلمانوں کے ہر طبقے میں علم و علما" میں اس سلسلے سے وابستہ علما کا انتہائی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان نے کائنات کی بقاء کے لئے سب سے پہلا فلسفہ جو اخذ کیا، اس کی بنیاد محنت

تھی، کیونکہ یہ وہ صفت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام جانداروں کی جبلّت میں شامل کر دیا ہے، جس کے بغیر نہ حیات ممکن ہے، نہ ارتقاء۔ زندگی محنت و مشقت سے عبارت ہے۔ ازل سے دنیا کا کارخانہ یکساں رفتار سے مسلسل چل رہا ہے۔ اس کارخانے میں ہزاروں لاکھوں مشینیں کام کر رہی ہیں۔ اگر ان مشینوں کو چلانے والے ہاتھ رک جائیں تو ہر طرف تیرہ بختی اور بدنصیبی پھیل جائے۔ اسی لئے محنت کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی انسان کی خوش بختی کا بڑا ذریعہ گردانا گیا ہے۔ محنت زندہ قوموں کی عظمت کی پہچان ہے۔ حوصلے کی جان اور عمل کا عنوان ہے۔ آج اگر ہم دنیا کے چاروں طرف نظر ڈالیں تو یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ جو قومیں آج بڑی طاقتیں کہلاتی ہیں، ان کی ترقی کے پیچھے ان کے عوام کی محنت کارفرما ہے۔ جن کی نت نئی ایجادات نے ساری دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔

قدرت نے اس وسیع و عریض کائناتی نظام میں ایک حسن ترتیب رکھا ہے۔ جس میں ہر شے اپنے اپنے کاموں کو احسن طریقے سے انجام دے رہی ہے، یعنی قدرت کے کائناتی نظام کو چلانے والی ہر شے اپنی ذمے داریوں کو محنت کر کے پورا کرتی ہے۔ سورج تاریکی کا سینہ چیر کر صبح کا اجالا پیدا کرتا ہے۔ چاند اپنی چاندنی سے بھٹکے مسافروں کو راستہ دکھاتا ہے۔ سمندر کا نمکین پانی آبی بخارات بن کر بادلوں میں پہنچتا ہے اور پھر صاف ہو کر بارش برساتا ہے۔ قدرت کے کارخانے میں ہر شے اپنے مقررہ اوقات میں اپنے فرائض کو تندہی سے انجام دے رہی ہے۔ محنت ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جو کسی مقصد کے حصول کے لئے انجام دیا جائے۔ جس زندگی میں مقصد نہ ہو، وہ زندگی معاشرے پر بوجھ بن جاتی ہے۔ کسی مفکر نے کیا خوب کہا ہے کہ "دنیا ایک پل کی مانند ہے، جسے محنت اور مشقت سے عبور کیا جاسکتا ہے"۔ ہمیں اس بات سے پورا اتفاق ہے کہ دنیا کو محنت ہی سے مسخر کیا جاسکتا ہے، ہمارا دین اسلام بھی ہمیں محنت کا درس دیتا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے: "الکاسب حبیب الله" "محنت سے روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے"۔ یقیناً انسان جب مضبوط ارادہ کرتا ہے تو یقین کی منزل پر ہوتا ہے، اسے یقین ہوتا ہے اس کی محنت اسے ضرور کامیابی سے ہمکنار کر دے گی اور جو لوگ یقین کی منزل پر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ضرور کامیابی عطا فرماتا ہے۔

**جذبہء فرض شناسی کا فروغ اور اس کا احیاء:**

دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کے لئے انسان کو بے شمار ذمہ داریاں پوری کرنا پڑتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دینا فرض شناسی کہلاتا ہے۔ فرض شناسی کے معنی فرض کو جاننا اور اس کا احساس کرنا ہے۔ فرض شناسی ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو مادی اور روحانی لحاظ سے اوج کمال پر پہنچا دیتا ہے۔ اور جب تک انسان اپنے اوپر عائد شدہ فرائض سے نہایت عمدگی سے عہدہ برآ نہیں ہوتا وہ کسی حیثیت سے بھی کامیاب اور قابل احترام انسان نہیں بن سکتا۔ چنانچہ قوم وملت کے لئے مفید شہری بننے کے واسطے حاکم سے لے کر محکوم تک اور محکوم سے لے کر حاکم، آجر سے لے کر مزدور تک ہر فرد کو احساس فرض Senes of Duty سے کام لانا پڑتا ہے۔ اگر ہر شخص اپنے فرض سے غفلت اور لاپرواہی برتنے لگ جائے تو نہ صرف اس کی اپنی زندگی برباد ہو جاتی ہے، بلکہ قوم وملت کی ترقی

کے راستے بھی مسدود ہو جاتے ہیں۔ اسلام فرض شناسی کو بنیادی اہمیت دیتا ہے، فرض شناسی کے جذبے کو فروغ دے کر ہی شہریوں کو نظم و ضبط کا پابند بنایا جاسکتا ہے۔ فرض شناسی ایک عظیم نعمت ہے۔ یہ ملک و قوم پر چھائے ہوئے اندھیروں میں اجالا کرتی ہے۔ دنیا کی تمام اقوام کی ترقی، خوشحالی، دفاع اور سالمیت کا دارومدار ان کے افراد کی فرض شناسی پر ہوتا ہے کیونکہ فرض شناس افراد ہی کسی ملک اور معاشرہ کو ترقی دینے اور خوشحال بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کسی بھی ملک کی حکومت قابل اور ذمہ دار اشخاص کے کل پرزوں سے چلتی ہے۔ لہٰذا حکومتی عہدوں پر نظم وضبط کے پابند، اہل اور احساس فرض رکھنے والے افراد کا تقرر ہونا چاہئے۔ اگر اس کے برعکس حکومتی عہدوں پر نااہل اور غیر ذمہ دار افراد کو فائز کر دیا جائے تو وہ اقربا پروری، کنبہ پروری، افسر شاہی اور رشوت ستانی جیسے مہلک امراض کا شکار ہو جاتے ہیں، جس سے ملک و قوم کو سخت ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ آج اسلامی جمہوریہ پاکستان میں یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں بدانتظامی عام اور کرپشن کا کلچر فروغ پا رہا ہے۔

جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو کہ فرض کیا ہوتا ہے اور اس کا فرض ہونا کیا معنیٰ رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ کبھی ادائے فرض کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جو شخص فرض کے معنی تو جانتا ہو مگر اس کی تربیت اتنی ناقص ہو کہ وہ فرض کو فرض جاننے کے باوجود اسے ادا کرنے کی پروانہ کرے، اس کے کیریکٹر پر اعتماد کیا جاسکتا، اور نہ وہ کسی عملی خدمت کا اہل ہو سکتا ہے، پس یہ بالکل ناگزیر ہے کہ جن لوگوں کو کسی ذمہ دارانہ خدمت پر مامور کیا جائے، ان کے لئے فرض شناسی اور اطاعت امیر کی تربیت بھی انتظام کیا جائے۔

**اعمال کا جائزہ اور خود احتسابی کا عمل، نظم وضبط کا بنیادی تقاضا:**

شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عقلمند وہ آدمی ہے جو اپنے نفس کو اپنے تابع رکھے اور موت کے بعد کام آنے والے عمل کرے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے لگ جائے اور اللہ سے بھلائی کی امید رکھے۔ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے: قیامت کا حساب ہونے سے پہلے اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو اور اعمال کا وزن ہونے سے پہلے ان کو تولو اور بڑی پیشی کے لئے تیار کرو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کا احتساب کیا، اور موت کے بعد جو کچھ پیش آنا ہے، اس کے لئے کام کیا اور بے کس ہارا ہوا وہ ہے جس نے خواہش نفس کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ سے توقعات باندھیں۔" ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے لوگو! انتہائی کوشش کے ساتھ جنت کے حریص بنو اور اور اپنی کوشش بھر جہنم سے بچنے کی فکر کرو، کیونکہ جنت ایسی چیز ہے جس کا چاہنے والا سو نہیں سکتا اور آگ ایسی چیز ہے جس سے بھاگنے والا سو نہیں سکتا"۔ "سو نہیں سکتا" کا مطلب ہے کہ سُستی یا Procrastination نہیں کرو۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ تم ہر لمحہ اس بات کا جائزہ لیتے رہو کہ اللہ تعالیٰ سے کتنے قریب ہوئے، شیطان سے کتنے دور ہوئے، جنت سے کتنے قریب ہوئے دوزخ سے کتنے دور ہوئے۔ ان تعلیمات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا

ہے کہ انسان کو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے، اور اس محاسبے اور نیت کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ شروع دن میں ایک ایسا وقت لازمی طور پر ہونا چاہئے جس میں انسان اپنے نفس سے شرط طے کرے کہ فلاں کام کروں گا اور فلاں کام نہیں کروں گا۔ اسی طرح آخر دن میں بھی کوئی وقت رکھے جس میں اپنے نفس سے مطالبہ کرے اور جو کچھ وہ دن میں کر چکا ہے، اس کا حساب لے جیسا کہ تاجر اپنے شریک کار سے حساب کرتے ہیں، اور حساب کا مطلب یہ ہے کہ اپنا سرمایہ اور منافع اور خسارہ دیکھے تاکہ اسے نفع و نقصان کا پتہ چلے۔ یہ تمام تعلیمات جو خود احتسابی پر مبنی ہیں۔ انسان کو بد انتظامی، بے عملی، اللہ کی نافرمانی، قاعدے قانون کی خلاف ورزی سے روکتے ہوئے ایک منظم مربوط راستے پر لا کر اسے نظم وضبط کا پابند بناتی ہیں۔

**قانون کی پاس داری اور عدل وانصاف کی بالادستی:**

دنیا کے کسی بھی ملک کے اخبارات اٹھا کر دیکھ لیجئے، ان میں جگہ جگہ جرائم کی خبریں نظر آئیں گی۔ قانون میں ان جرائم کی جو سزائیں مقرر ہیں وہ انتہائی سخت ہیں۔ لیکن یہ انتہائی سزائیں بھی انسانی معاشرے کو قانون شکنی سے روکنے میں ناکام ہو جاتی ہیں، تیز و تند جذبات ہماری عقل پر اس شدت کے ساتھ حاوی ہو جاتے ہیں کہ ہم قانون کی سزا کے عظیم خطرے کے باوجود ان پر قابو نہیں پاسکتے۔ اگر ہم اس صورت حال پر غور کریں تو ہمیں یہ سمجھنے میں دقت نہیں ہوگی کہ قانون انتقام کے نقطہء نظر سے شاید تسکین کا باعث قرار دیا جاسکے۔ یہ بعض طبائع کے لئے کسی حد تک رکاوٹ بھی ثابت ہو سکے۔ لیکن اسے جرائم کے سدباب اور ان کے کلی استیصال کا ذریعہ بہر حال قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تاوقتیکہ معاشرے میں ایسے مضبوط محرکات نہ پیدا کر دیئے جائیں جو اسے کھلے چھپے، خلوت یا جلوت میں، شاہراہِ عام پر اور تہہ خانوں کے اندر ہر جگہ قانون کا احترام کرنے پر آمادہ کر سکیں۔ یہ محرکات صرف خوف ہی کے جذبے سے مجرموں کو جرم سے باز رکھنے کی سعی نہ کریں۔ بلکہ انسانی ہمدردی، بھائی چارہ، محاسبہء آخرت اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے دوسروں کے حقوق کے تحفظ کا خیال ان کی بنیاد کا کام دیں۔

دیکھا جائے تو اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظامِ حیات انسانی معاشرے کے قلب و دماغ میں یہ محرکات پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ کیونکہ اسلام فقط قانون ہی کو اصلاح معاشرہ کا ذریعہ نہیں بناتا۔ وہ اپنی بلند اور روشن تعلیمات کے ذریعے انسانی فکر و نظر کی ایسی تربیت کرتا ہے کہ انسانی طبائع آپ سے آپ قانون کی پابند بلکہ اس کی محافظ و نگران بن جاتی ہیں۔ اسلام کی اولین کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہر فرد عقیدۂ آخرت پر پختہ ایمان لے آئے اور اس بات پر اپنے اندر یقینِ کامل پیدا کرے کہ ہم دنیا میں جو کچھ کرتے ہیں مرنے کے بعد اس کا حساب اپنے خالق کے حضور پیش کرنا ہوگا، اور وہ خالق اتنا زبردست، خبیر و بصیر ہے کہ ہمارے اعمال و افعال تو ایک طرف رہے۔ ہمارے دلوں میں چھپی ہوئی نیتیں بھی روزِ روشن کی طرح اس پر آشکار ہیں، جب ایک آدمی اس عقیدے پر ایمان لاتا اور اسے اپنی عملی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیتا ہے تو وہ قدم قدم پر قانون کا احترام کرتا ہے، اور اسے اس سے غرض نہیں رہتی

کہ قانون کی قوت اسے دیکھ رہی ہے یا نہیں۔

ایک مشہور روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے عہد خلافت میں ایک مرتبہ گشت کو نکلے، ایک جگہ ماں اور بیٹی میں مکالمہ ہو رہا تھا۔ ماں بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ: "دودھ میں پانی ملادے"، جواباً بیٹی پس و پیش کر رہی تھی۔ ماں نے کہا: "ڈرتی کیوں ہو، امیر المومنین تو نہیں دیکھ رہے"۔(۱۸۴)

بیٹی نے جواب دیا: "اماں! امیر المومنین نہیں دیکھتے، مگر اللہ تو دیکھ رہا ہے" امیر المومنین اس گفتگو سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ دوسرے دن اس ایماندار لڑکی کے لئے اپنے بیٹے کے رشتہ کا پیغام بھجوایا، اور یہی وہ خاتون ہے جس کی بیٹی نے عمر بن عبدالعزیز جیسے خلیفہء راشد کو جنم دیا۔ مؤرخینِ اسلام نے اس سلسلے میں اسلامی تاریخ کے ایسے عجیب و غریب واقعات پیش کئے ہیں۔ جن کی نظیر اسلامی معاشرے کے سوا دنیا کی کسی دوسری سوسائٹی میں نہیں ملتی۔ یہ عقیدۂ آخرت کے ہمہ وقت استحضار کا نتیجہ تھا کہ لوگ جرم کرنے کے بعد اور اس حالت میں کہ کوئی آنکھ دیکھنے والی بھی نہ ہوتی، ضمیر کی چبھن سے از خود پریشان اور مضطرب ہو جاتے، دل کی پھانس چین نہ لینے دیتی۔ وہ خود قانون کے سامنے اقرارِ جرم کرتے تاکہ دنیا کی سزا بھگت کر آخرت کی سزا سے محفوظ رہ سکیں۔ احترامِ قانون کے سلسلے میں اسلام کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ وہ فرد کا داخلی شعور بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں ایک ایسی صحت مند رائے عامہ تیار کر دیتا ہے جو قانون شکنی کرنے والوں کے خلاف فی الفور حرکت میں آجاتی اور ان کا معاشرتی مقاطعہ کر کے ان کو قانون کا احترام کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ عصرِ حاضر میں نظم و ضبط کے فقدان کے باعث بد انتظامی دہشت گردی اور دیگر جرائم کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ ایک جانب عدل و انصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے، دوسری جانب نظم و ضبط پر مبنی معاشرے کی تشکیل کے لئے قانون کے احترام اور اس کی پاس داری کو یقینی بنایا جائے۔

**ربطِ ملّت، نظم جماعت اور اتحاد و یگانگت۔ نظم و ضبط کے لیے ایک ناگزیر عمل:**

کوئی شک نہیں کہ اسلام نے فرد کو بڑی اور بنیادی اہمیت دی ہے۔ فرد ہی اس کا ابتدائی اور حقیقی مخاطب ہے۔ جس طرح وہ تنہا پیدا ہوا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام و مرضیات پر چل کر اپنی زندگی کو کامیاب بنانا بھی اسی کی اپنی انفرادی ذمہّ داری ہے، اور کل رب کے حضور اپنے عمل کی جواب دہی کے لئے اسے اکیلے ہی حاضر بھی ہونا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ وہ راستہ جو انسان کو کامیابی کی منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے، اجتماع سے کترا کر نہیں جاتا، بلکہ ایک منظم اجتماعی زندگی کے ٹھیک منجدھار سے ہو کر گزرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس راستے کا تعین کرتے ہوئے اس کے ضروری مراحل کے سلسلے میں فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۱۰۲ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۱۰۳ (۱۸۵)

اے ایمان والو! دل میں اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنا اس کا حق ہے، اور خبر دار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے، بلکہ اسی حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو۔ اور اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے، اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔

"الگ الگ نہ رہو، یعنی باہم جڑے ہوئے رہو۔ یہ "الگ الگ نہ رہنا" اور باہم جڑے رہنا، یہ کس طرح کا اور کس معیار کا ہونا چاہئے، اس کی وضاحت کے لئے صاحب قرآن ﷺ کے ارشادات کی طرف رجوع کیجئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ: عَلَيكمْ بِالْجَمَاعَة وإياكمْ وَالْفُرْقَة(۱۸۶) "جماعت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو، اور انتشار سے پوری طرح الگ رہو" آمُرُكمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَة والسَّمْعِ وَالطَّاعَة وَالْهِجْرَة وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ الله (۱۸۷)

"میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں: 1 جماعتی زندگی کا، 2 سمع (یعنی احکام کے سننے) کا، 3 طاعت (یعنی احکام کے ماننے) کا، 4 ہجرت کا، اور 5 جہاد فی سبیل اللہ کا۔(۱۸۸) معلوم ہوا کہ جس طرح مسلمانوں کی "الجماعۃ" سے اپنا جڑا ہوا رشتہ کاٹ لینا ایمان کے منافی ہے، اسی طرح اس نظمِ اجتماعی سے وابستہ نہ ہونا بھی دینی حیثیت سے انتہائی خطرناک حالت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: مَنْ مَّاتَ وَلَيسَ فِي عُنُقِه بَيعَة مَاتَ مِيتَة جَاهِلِية (۱۸۹) "جو شخص اس حال میں مر جائے کہ اس کی گردن میں (امیر المسلمین کی) بیعت (کا قلادہ) نہ ہو، اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔"

ان تمام تعلیمات سے ایک منظم اسلامی معاشرے کے خدوخال نمایاں ہوتے اسلامی ریاست میں نظم وضبط کی اہمیت کا پتا چلتا اور اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست میں نظم وضبط قائم رکھنا ریاست اور عوام الناس دونوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کو دورِ حاضر میں جن بنیادی مسائل کا سامنا ہے، اس میں ایک اہم اور بنیادی نوعیت کا مسئلہ یہ ہے کہ مسلم اُمّہ میں باہم رابطے کا فقدان ہے، ان کی سوچ ایک نہیں، ڈیڑھ ارب کے قریب مسلمان اور ان کی ۶۱ اسلامی ریاستیں اپنی حیثیت اور وجود کھو بیٹھی ہیں، وہ ایک منتشر اور ایک غیر منظم قوم کے طور پر اپنے آپ کو آج دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں، ان میں اتحاد و یک جہتی کی شدت سے کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ صیہونی طاقت، عالمی استعمار اور مغربی طاقتیں انہیں تر نوالہ سمجھ کر ایک ایک کر کے ہڑپ کر رہے ہیں، نیٹو کے نام پر غیر مسلم اقوام اسلام اور اُمّتِ مسلمہ کے وجود کو مٹانے کے درپے ہیں۔ فی زمانہ اُمّتِ مسلمہ کا عالم یہ ہے کہ مسلم دنیا کے ممالک میں باہمی

تعاون نہ ہونے کے برابر ہے، مسلم دنیا کی کل موجودہ تجارت تقریباً ۱۲۰ ارب ڈالر ہے لیکن اس میں سے برادر اسلامی ممالک کی باہمی تجارت فقط ۱۵ ارب ڈالر پر مشتمل ہے۔ دفاعی استحکام کا یہ حال ہے کہ موجودہ مسلح افواج کی تعداد نیٹو اور وارسا پیکٹ (سابقہ) کی مشترکہ فوجوں سے بھی زیادہ ہے، لیکن اس کے باوجود فلسطین، کشمیر، افغانستان، عراق وغیرہ پر مغربی جارحیت کا جواب نہیں دیا جاسکا، مشترکہ دشمن، مشترکہ دفاع اور مشترکہ سلامتی کا بھی تصور موجود نہیں، آج تک باہمی جنگوں اور تنازعات کو حل کرنے کا کوئی ثالثی، پنچایتی مصالحانہ نظام قائم نہیں ہوسکا، جب کہ نظم وضبط اور رابطے کا فقدان اور اُمّہ میں عدم اتحاد مسلم دنیا کا سب سے بڑا روگ ہے۔ (۱۹۰) ان کا عمل اس حوالے سے قرآن وسنّت اور رسولِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور سیرتِ طیّبہ کے قطعاً منافی ہے۔ قرآن وسنت اور سیرتِ طیّبہ میں ہمیں اس حوالے سے جو تعلیمات ملتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

**اتحاد ویگانگت اور وحدتِ امّت کا تصور اجاگر کرنے کی ضرورت:**

اسلام نے تمام امّتِ مسلمہ کو جسدِ واحد اور ایک برادری قرار دیا ہے۔ اخوت واجتماعیت کا یہ رنگ اسلامی عبادات کا مظہر ہے، خصوصاً حج کے موقع پر بلا تفریقِ رنگ ونسل امّتِ مسلمہ کا ہر فرد مساوات کا عملی مظاہرہ کرتا نظر آتا ہے۔ نماز بھی مسلمانوں کی اخوت واجتماعیت کا مظہر ہے، قرآنِ کریم نے تمام اہلِ ایمان کو بھائی بھائی قرار دیا ہے، ان کی وحدت، یگانگت اور اخوت واجتماعیت کا اظہار کیا ہے، ارشادِ ربّانی ہے: ☆ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ"۔ (۱۹۱)

بلاشبہ، مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے بھائیوں میں صلح کرادیا کرو، اور خدا سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا گیا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۚ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۱۰۳ (۱۹۲)

اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا اور باہم تفرقہ نہ ڈالنا (متفرق نہ ہونا) اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، تو اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا، اس طرح خدا تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

رسولِ اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے: "عن النّعمان بن بشير قال: قال رسول الله صلي الله عليه وسلم، مثل المؤمنين في تراحمهم وتوادّهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكيٰ عضوٌ تداعيٰ له سائرالجسد بالسّهر والحميٰ" (۱۹۳) حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول

اللہؐ نے ارشاد فرمایا، تو ایمان داروں کو باہمی رحمت و محبت اور مہربانی میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا، جب کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے (تو اس کے سبب) تمام بدن کے اعضاء بیماری اور تپ کو بلاتے ہیں۔

رسولِ اکرمؐ نے مدینۂ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد جو اہم اقدام فرمایا، وہ انصار و مہاجرینؓ کے درمیان رشتۂ اخوت کا قیام تھا۔ خود دربارِ نبویؐ مختلف نسلی، نسبی و ملکی پھولوں کا گل دستہ تھا، اس میں عداس نینوائیؓ، صہیب رومیؓ، ذوالکلاع حمیریؓ، ابو سفیان امویؓ، کرز فہریؓ، بلال حبشیؓ، ضماد ازدیؓ، عدی طائیؓ، ابوذر غفاریؓ، ابو حارث مصطلقیؓ، سلمان فارسیؓ، طفیل دوسیؓ، شمامہ نجدیؓ، ابو عامر اشعریؓ، سراقہ مدلجیؓ پہلو پہلو بیٹھے نظر آتے تھے اور ہر فرد اپنے ملک اور قوم کی نمائندگی کرتا تھا۔(۱۹۴)

تاہم ہم آج باہمی رابطے کے فقدان اور اپنی صفوں میں نظم و ضبط نہ ہونے کے باعث ان تعلیمات کو فراموش کر کے اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل، نام و نسب کے حصار، فرقہ بندی اور قومیت اور وطنیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان بتوں کو توڑنا ہو گا، عصبیت، قومیت اور وطنیت کی ان زنجیروں سے آزاد ہونا ہو گا، "نظم وضبط" کو اپنا شعار بنا کر من حیث القوم اور من حیث الامہ اپنی صفوں میں اتحاد و یگانگت پیدا کر کے منظم قوم کی صورت میں "نظم وضبط" پر عمل پیرا ہونا ہو گا۔

اسی میں ہماری کامیابی کا راز اور نجات پوشیدہ ہے، یہی ہماری بقا اور عروج کا واحد راستہ ہے۔ شاعر مشرق کیا خوب کہتے ہیں:

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں — کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟(۱۹۵)

## خلاصۂ بحث

محسن انسانیت، سرور کائنات، فخر دو عالم حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ، آپ ﷺ کے مثالی اسوۂ حسنہ اور انقلابی تعلیمات سے انسانی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ آپ ﷺ نے حکمرانی کا وہ تصور اور وہ فلسفہ عطا کیا جس نے ریاست دینہ کی صورت میں ایک منظم اور مثالی معاشرے کی تشکیل کی۔ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس کا ہر فرد ایک روشن مثال اور نظم وضبط کا آئینہ دار تھا۔ آپ ﷺ نے انسانیت کو ایک ایسا نظام عطا فرمایا جو ہر سطح پر منظم، مربوط اور نظم وضبط سے عبارت ہے۔ مغرب کا نامور مورخ اور مشہور دانش ور ول ڈیورانٹ اپنی کتاب "ہیروز آف ہسٹری" میں محسن انسانیت، پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے طرز حکمرانی اور آپ ﷺ کی سیادت و قیادت کے متعلق خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے: "اگر ہم تاریخ پر اثرات کے حوالے سے تجزیہ کریں تو

آپ ﷺ کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ ﷺ نے جاہلیت کی دلدل میں دھنسے ہوئے (منتشر اور غیر منظم) لوگوں کو روحانی اور اخلاقی رفعت سے ہم کنار کیا اور کسی بھی دوسرے مصلح یا پیغمبر کی نسبت کہیں زیادہ کامیاب رہے۔ تاریخ انسانی کا شاید ہی کوئی اور آدمی کبھی اپنے خوابوں کو اس قدر بھرپور انداز میں تعبیر دے سکا۔ آپ ﷺ نے عربوں کو تہذیب کے ساتھ ساتھ ایک نیا مذہب بھی دیا، کیونکہ مذہب کے علاوہ کوئی اور طریقہ دستیاب ہی نہیں تھا۔ آپ ﷺ عربوں کے تخیل، خوفوں اور امیدوں تک رسائی حاصل کی اور انہیں قابل فہم انداز میں ہدایت دی۔ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت عرب ایک صحرا تھا، جہاں بہت بت پرست قبائل آباد تھے۔ آپ ﷺ کے وصال کے وقت تک عرب ایک متحد قوم بن چکے تھے"۔(196)

یہ ایک تاریخ ساز حقیقت ہے کہ معلم بنی نوع آدم، محسن انسانیت، پیغمبر رحمت، حضرت محمد ﷺ کی بعثت تاریخ کے ایسے دور میں ہوئی، جب پوری دنیا میں کہیں بھی مثالی فلاحی ریاست کا وجود نہ تھا، جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں بد نظمی اور انتشار تھا، لوگ دیانت وامانت، خود احتسابی، احساس ذمہ داری، فرض شناسی، جواب دہی کے تصور سے نا آشنا تھے۔ کرۂ ارض، عالمی تہذیبیں اور اقوام عالم ایک مثالی، فلاحی اور منظم ریاست کے خلا کو محسوس کر رہا تھا، جس میں سرکاری اور انتظامی مناصب وذرائع کو مالِ یتیم نہ سمجھا جاتا ہو، جہاں قومی وملکی اثاثوں کو آباءواجداد کی میراث اور ذاتی ملکیت نہ سمجھا جاتا ہو۔ بلکہ اس کی اساس خوفِ خدا، پرہیز گاری، دیانت وامانت، احساسِ ذمہ داری، اعلیٰ اخلاقی، آفاقی اقدار اور ابدی اصولوں پر استوار ہو، سرورِ کائنات، امام الانبیاء، سید المرسلین، رحمۃ للعالمین، فخر دوعالم، سرکار دو جہاں حضرت محمد ﷺ کی مثالی تعلیمات، اعلیٰ اخلاقی اقدار، بے مثال سیرت طیبہ اور دائمی وابدی نمونۂ عمل، اسوۂ رسول ﷺ نے اس خلا کو فکری و عملی دونوں سطحوں پر پُر کیا اور عالمِ انسانیت کو نظم وضبط کے دائرے میں ریاست وجہاں بانی کے ایسے آفاقی اصول وضوابط عطا فرمائے، جن کی افادیت اور اخلاقی اہمیت سے انسانی تہذیب اور اقوامِ عالم کبھی بھی مستغنی نہیں ہوسکتے۔ آپ ﷺ تاریخ انسانیت میں پہلی مرتبہ میثاقِ میدنہ کی شکل میں دستورِ ریاست نافذ کیا۔(197) جس نے ریاست مدینہ میں قانون کی حکمرانی اور نظم وضبط کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ جہاں وسائلِ مملکت کے ذمہ دارانہ استعمال کو اولیت اور بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ جہاں خدا خوفی، خود احتسابی، دیانت وامانت، احساس ذمہ داری کو ریاست ومملکت کے نظام اور قوانین میں اولیت اور بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ آپ ﷺ نے دیانت وامانت کے اصولوں، اعلیٰ اقدار، اپنے کردار وعمل، مثالی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ سے ریاستِ مدینہ کو دنیا کی سب سے بڑی اور مستحکم مملکت بنادیا، جس کی حدود دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبے پر محیط تھی، جس کے دیرپا اور ہمہ گیر اثرات عہد خلافت راشدہ اور بعد کے اسلامی ادوار میں نظر آئے۔ جس کی عظمت وشوکت کے آگے قیصر وکسریٰ کے اقتدار کا سورج غروب ہوگیا، جس کے سائے میں انسانیت کو عدل ومساوات، توحید کا نور، امن، رواداری، انسان دوستی، خدمت خلق کا مثالی جذبہ میسر آیا۔ جس کی اعلیٰ اخلاقی اقدار، مثالی تعلیمات اور دستور حیات سے آج بھی

انسانیت کو مفر نہیں، اس کی اتباع اور پیروی ہی میں بنی نوع آدم کی فلاح اور نجات کا راز پوشیدہ ہے۔

## تجاویز وسفارشات

- عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسوۂ رسول ﷺ اور تعلیمات نبوی کو مشعل راہ بنایا جائے۔ عوام الناس میں وقت کی قدر وقیمت، احساس ذمہ داری اور فرض شناسی کا جذبہ بیدار کیا جائے۔
- ہر شعبہ زندگی میں نظم وضبط پیدا کر کے ہی مثالی فلاحی اسلامی ریاست کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔
- سرکاری وانتظامی وسائل کے ذمہ دارانہ استعمال کو فروغ دینے کے لیے سرکاری اداروں، بالخصوص ایڈمنسٹریشن اور بیوروکریسی میں اعلیٰ اقدار اور اسلامی تعلیمات کو فروغ دیا جائے۔
- اعلی سرکاری وانتظامی عہدوں پر نیک، خدا ترس، دیانت دار، فرض شناس اور اہل افراد کا تقرر کیا جائے، جو جزاوسزا کے تصور سے پوری طرح آگاہ ہوں، خود احتسابی کا جذبہ رکھتے ہو، اچھی شہرت کے حامل ہوں، ملک وقم سے مخلص اور وفادار ہوں۔ ملک سے کرپشن کے خاتمے، رشوت، بدعنوانی اور بدانتظامی کے سدباب کے لیے وفاقی اور صوبائی سطح پر محکمۂ احتساب کو فعال بنایا جائے۔ ایسے مربوط، مؤثر اور ٹھوس اقدامات کو یقینی بنایا جائے جس سے دیانت دارانہ اور ذمہ دارانہ کلچر فروغ پائے، بدعنوانی، بدانتظامی اور مالی امور میں غبن اور کرپشن کا خاتمہ ہو۔
- اعلی سرکاری ملازمین، بیوروکریسی، انتظامی عہدوں پر فائز افراد اور سرکاری مشینری کے تمام ملازمین کو اعلیٰ اخلاقی اقدار سے متعارف کرانے، ان میں خود احتسابی کے جذبے کو بیدار کرنے، دیانت وامانت کو فروغ دینے اور صاف شفاف دیانت دارانہ سوچ کو پروان چڑھانے کے لیے سرکاری مناصب پر فائز افراد کی ذہنی تطہیر اور تربیت کا مؤثر اور مربوط انتظام کیا جائے۔
- ہر سطح پر نظم وضبط پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اعلیٰ عہدوں پر فائز افراد اور عام آدمی کو نظم وضبط کا پابند بنایا جائے۔ سرکاری وسائل کے ذمہ دارانہ استعمال کو یقینی بنانے اور کرپشن وبدعنوانی کے خاتمے کے لیے تطہیر اور تنزلی کے عمل کو اختیار کیا جائے، نیز بدعنوان، راشی اور کرپٹ افراد کے خلاف مؤثر انتظامی اور قانونی کارروائی کو یقینی بنایا جائے، تاکہ کرپشن کا سدباب اور بدعنوانی کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔
- نظم وضبط کا قیام موجودہ حالات اور اسلامی معاشرے کا ایک لامی تقاضا ہے، یہ اسی وقت ممکن ہے جب مقتدر ریاستی ادارے، سرکاری عمال، علماء، اہل علم ودانش اور عوام الناس میں سے ہر طبقہ اور ہر فرد احساس ذمہ داری، فرض شناسی اور جواب دہی کے تصور سے آگاہ اور نظم وضبط کا پابند ہو۔ اسی میں معاشرے کی بقاء، ملک وملت کی سلامتی اور فلاح کا راز مضمر ہے۔

## حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورۂ ابراہیم، آیت ۱
۲۔ سورۂ ملک، آیت ۱ تا ۴
۳۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳
۴۔ بخاری، کتاب الاحکام، باب ۱۔ مسلم، کتاب الامارہ، باب ۵
۵۔ محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر / کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۶ء، ص ۴۰۵
۶۔ محمد اقبال، علامہ / کلیات اقبال، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1996 ص 366
۷۔ ندوی، سیّد سلیمان، علامہ / خطبات مدراس، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۴ء، ص ۸۶
۸۔ ایضاً ص ۹۰۔۹۱
۹۔ محمد اقبال جاوید، پروفیسر / اسوۂ حسنہ اردو نعت کے آئینے میں، نعت رنگ، شمارہ ۲۳، اگست ۱۲۱۲ء، ص ۳۷
۱۰۔ سیوطی، الجامع الصغیر، بیروت، ۱/ ۱۷۵
۱۱۔ بحوالہ جدید اردو لغت (تاریخی اصول پر) کراچی، اردو لغت بورڈ، ۲۰۰۵ء، ۲۰/ ۱۴۶
۱۲۔ ایضاً، اردو لغت، تاریخی اصول پر، ۱۳/ ۷
۱۳۔ ایضاً، محولہ بالا، ۱۳ / ۹
۱۴۔ بدخشانی، مرزا مقبول بیگ / اردو لغت، لاہور، اردو لغت بورڈ، ۱۹۶۹ء، ص ۴۳۷
۱۵۔ بحوالہ: سید احمد دہلوی، مولوی / فرہنگ آصفیہ، لاہور، مکتبہ حسن سہیل، ۱۹۷۴ء، ۴/ ۵۷۸
۱۶۔ بحوالہ: سید احمد دہلوی، مولوی / فرہنگ آصفیہ، لاہور، مکتبہ حسن سہیل، ۱۹۷۴ء، ۳/ ۲۳۳.
۱۷۔ جمیل جالبی / قومی انگریزی اردو لغت، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص ۵۸۷، ۵۸۸
۱۸۔ ابن منظور الافریقی / لسان العرب، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۴/ ۱۹۶
۱۹۔ ایضاً، لسان العرب، ۱۴/ ۱۹۶
۲۰۔ تھانوی، محمد اعلیٰ فاروقی / کشاف اصطلاحات الفنون، لاہور، سہیل اکیڈمی، ۱۴۱۳ھ، ۲/ ص ۱۴۲۸
۲۱۔ تھانوی، قاضی محمد اعلیٰ فاروقی / کشاف اصطلاحات الفنون ۱/ ۸۸۶
۲۲۔ دیکھئے: احمد بن فارس بن زکریا / معجم مقایس اللغۃ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۲ھ، نیز احمد بن فارس بن زکریا الرازی / کتاب مجمل اللغۃ، بیروت، دارالفکر، ۱۴۱۴ھ، ص ۴۴۰، ۷۰۳، الصنعانی، رضی الدین حسن بن محمد / الشوارد فی اللغۃ، مزید دیکھئے: احمد بن محمد المقری الفیومی، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی، قم، ایران، منشورات دارالہجرۃ، ۱۴۱۴ھ، ۱/ ۳۵۷، ۶۱۲، ناصر الدین المطرزی، موسیٰ بن محمد المیانی / معجم الافعال المتدیۃ بحرف، قاہرہ، ص ۲۰۴، محمد بن احمد الازہری، تہذیب اللغۃ، بیروت، دار احیاء

التراث العربی، ۱۴۲۱ھ، تحت مادۃ الضبط والنظم، ابن درید، کتاب جمہرۃ اللغۃ، بیروت، دارالعلم، ۱۹۸۷، تحت مادۃ الضبط والنظم۔ الزبیدی، محمد مرتضی الحسینی / تاج العروس من جواہر القاموس مادۃ الضبط والنظم، روحی بعلبکی، ڈاکٹر، المورد الوسیط، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۵ء، ص۳۴۸، ۵۷۸، حسین یوسف موسیٰ / الافصاح فی فقہ اللغۃ، بغداد، مکتب الاعلام الاسلامی، ۱۴۱۰ھ، ۱/ ۲۰۴، کیرانوی، وحید الزماں / القاموس الاصطلاحی، مکتبہ خدیجۃ الکبریٰ، ۱۹۹۹ء، ص۲۳۷، ۳۹۶

۲۳۔ محمد اعظم چوہدری، ڈاکٹر / سیاسیات، نظریات اور اصول۔ عضفر اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص۸۹

۲۴۔ ایضاً، ص۹۰

۲۵۔ حوالہ سابقہ، ۹۰

۲۶۔ محمد اعظم چوہدری، ڈاکٹر، سیاسیات نظریات اور اصول، ص۹۱

۲۷۔ ایضاً، ص۹۱

۲۸۔ محمد اعظم چوہدری، ڈاکٹر / سیاسیات نظریات اور اصول، ص۱۰۴

۲۹۔ بحوالہ: سید اسعد گیلانی / اسلامی ریاست میں حکام کے اوصاف، مطبوعہ تصور ریاست اسلامی، مقالات مذاکرۂ ملی تعلیمات نبویؐ ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی، ص۲۸۶

۳۰۔ محمد طاہر القادری، ڈاکٹر / سیرتِ نبوی ﷺ کی تاریخی اہمیت، لاہور، منہاج القرآن، پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص۱۸

۳۱۔ بحوالہ: سیرت الرسول ﷺ کی ریاستی اہمیت، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص۹۳

۳۲۔ خالد علوی، ڈاکٹر / اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، الفیصل ناشران، ص۲۷۶

۳۳۔ ایضاً، ص۲۸۲

۳۴۔ سورۃ المائدہ، آیت ۳

۳۵۔ سورۂ یوسف، آیت ۴۰

۳۶۔ سورۂ مؤمن، آیت ۶۲

۳۷۔ سورۃ الانعام، آیت ۶۲

۳۸۔ خالد علوی، ڈاکٹر / اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، الفیصل ناشران، ص۲۸۵

۳۹۔ سورۃ المائدہ، آیت ۴۸

۴۰۔ ایضاً، ص۲۸۶

۴۱۔ بحوالہ: ایکسپریس، روزنامہ، کراچی، ۲۸ فروری، ۲۰۱۶ء، ص۱۷

۴۲۔ بحوالہ: ایکسپریس، روزنامہ، کراچی، ۱۸ مارچ، ۲۰۱۶ء، ص۸

۴۳۔ بحولہ: روزنامہ دنیا، کراچی، ۷اپریل، ۲۰۱۶ء، ص۱

۴۴۔ بحوالہ: پاکستان نیوز، ۲۶جون، ۲۰۱۱ء

۴۵۔ بحوالہ: جنگ، کراچی، روزنامہ، ۳۰اپریل۲۰۱۶ء، ص۱،۱۸

۴۶۔ بحوالہ: روزنامہ ایکسپریس، کراچی، ۹اپریل، ۲۰۱۶ء، ص۸

۴۷۔ روزنامہ جنگ کراچی، مڈویک میگزین، ۶جنوری، ۲۰۱۶ء، ص۲

۴۸۔ بحوالہ: جہان پاکستان، سنڈے میگزین، ۱۹فرور، ۲۰۱۶ء، ص۱۰

۴۹۔ بحوالہ: جہان پاکستان، سنڈے میگزین، ۹، فرور، ۲۰۱۶ء، ص۸

۵۰۔ بحوالہ: جہانِ پاکستان، سنڈے میگزین، ۱۴، فروری۲۰۱۶ء، ص۱۰

۵۱۔ روزنامہ جنگ، سنڈے میگزین، ۲۰دسمبر، ۲۰۱۴ء، ص۸

۵۲۔ بحوالہ: روزنامہ جنگ، یکم اپریل، ۲۰۱۶ء، ص۲۰

۵۳۔ بحوالہ: ایکسپریس، روزنامہ، کراچی، ۲، اپریل، ۲۰۱۶ء، ص۸

۵۴۔ بحوالہ: روزنامہ ایکسپریس، کراچی، ۲۷، مارچ۲۰۱۶ء، ص۹

۵۵۔ بحوالہ: جہانِ پاکستان، روزنامہ، کراچی، ۱۵، فروری، ۲۰۱۰ء، ص۱۰

۵۶۔ بحوالہ: جنگ کراچی، روزنامہ، سنڈے میگزین، ۱۰، اپریل۲۰۱۶ء، ص۱۰

۵۷۔ بحوالہ: جنگ کراچی، روزنامہ، ۲۳، اپریل، ۲۰۱۶ء، ص۱۳

۵۸۔ بحوالہ: حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، سرکاری مناصب و ذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں، مقالات سیرت، ربیع الاوّل ۴۳۵، ۲۰۱۴ء، وزارتِ مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی، اسلام آباد، ص۵۹

۵۹۔ بحوالہ: روزنامہ جنگ کراچی، ۱۰/ اپریل، ۲۰۱۶ء، ص۷

۶۰۔ بحوالہ: روزنامہ جنگ، کراچی، ۹مئی، ۲۰۱۶ء، ص۲۰

۶۱۔ نعیم صدیقی / محسنِ انسانیتؐ، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء، ۲۲، ۲۳

۶۲۔ حالی، مولانا الطاف حسین / مسدس حالی، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۹ء، ص ۷۲، ۷۳

۶۳۔ نعیم صدیقی / محسنِ انسانیتؐ، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء، ۲۲، ۲۳

۶۴۔ ابوالحسن علی ندوی، مولانا / انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، کراچی، مجلسِ نشریات اسلام، ص ۳۱۔۳۲

۶۵۔ ایضاً ص۳۳

۶۶۔ Robert Briffault, The making of humanity Oxford niversity Press, U.S.A

(1964, P; (64

۶۷۔ ابوالحسن علی ندویؒ، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص ۶۳

۶۸۔ الروم / ۴۱

۶۹۔ بحوالہ: ابوالحسن علی ندوی / انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص ۸۴

۷۰۔ ظفر علی قریشی / محسن انسانیتؐ، اسلام آباد، دعوہ اکیڈمی، ۱۹۹۵ء، ص ۶

۷۱۔ سورۃ الروم / ۴۱

۷۲۔ سورۂ ابراہیم / ۱

۷۳۔ عباس محمود عقاد / محمدؐ، مترجم حافظ محمد عادل ولیجہ، لاہور، محمد علی پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص ۱۷۶

۷۴۔ سیّد طفیل احمد منگلوری / قدیم شہنشاہیاں، لاہور، ص ۱۰

۷۵۔ النمل / ۳۴

۷۶۔ بحوالہ: علی عباس جلال پوری، رسوم اقوام، جہلم، خرد افروز، ص ۱۵۹، ۱۶۰

۷۷۔ نثار احمد، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، لاہور نشریات، ۲۰۰۸ء، ص ۳۵

۷۸۔ ابنِ خلدون / کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر (تاریخ ابن خلدون) مطبوعہ ۱۲۸۴ھ، ۲ / ۱۵۴

۷۹۔ علی عباس جلال پوری / روایات تمدن قدیم، ص ۱۶۱

۸۰۔ غلام رسول چیمہ / سیرۃ سید البشرؐ، ص ۳۴

۸۱۔ ارتھر کرسٹن / ایران بعہد ساسانیان، ص ۱۶۳

۸۲۔ ایضاً ایران بعہد ساسانیان، ص ۶۱۱

۸۳۔ DENISON. J.H/ EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION, LONDON. 1928,P.265

۸۴۔ صبحی محمصانی، ڈاکٹر / فلسفہ شریعت اسلام، مترجم محمد احمد رضوی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۶

۸۵۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / خطبات بہاولپور ص ۳۴۱، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۹۲ء

۸۶۔ سورۂ رحمن، آیت ۵ تا ۸

۸۷۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۰

۸۸۔ سورہ یٰسٓ، آیت ۴۰

۸۹۔ سورۂ یونس، آیت ۵

۹۰۔ سورۂ عبس، آیت ۲۴ تا ۳۲

۹۱۔ سورۂ واقعہ، آیت ۶۰
۹۲۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۱
۹۳۔ سورۂ ملک، آیت ۱ تا ۵
۹۴۔ سورۂ ملک، آیت ۳
۹۵۔ خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی، ۱۹۷۹ء، ص ۲۰۱
۹۶۔ سورۂ نساء، آیت ۱۰۴
۹۷۔ سورہ طٰہٰ، آیت ۱۳۰
۹۸۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۸
۹۹۔ سورۂ بنی اسرائیل، ۷۸
۱۰۰۔ سورۂ روم، آیت ۱۷
۱۰۱۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۸
۱۰۲۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ص ۴۸
۱۰۳۔ جمال الدین عطیہ، ڈاکٹر، النظریۃ العامۃ للشریعۃ الاسلامیۃ، اسلام آباد، شریعہ اکیڈمی، ۲۰۰۲ء، ص ۴۷، ۴۸
۱۰۴۔ بحوالہ: عبدالجبار شاکر، پروفیسر، خطبات و مقالات سیرت ﷺ، لاہور، کتاب سرائے، ۲۰۱۳ء، ص ۵۲
۱۰۵۔ سورۂ آل عمران، آیت ۳۲
۱۰۶۔ سورۃ الحشر، آیت ۷
۱۰۷۔ ایضاً، ص ۵۳
۱۰۸۔ عبدالجبار شاکر، پروفیسر، خطبات و مقالاتِ سیرت ﷺ، ص ۵۵
۱۰۹۔ عبدالعزیز شیخ، حضور اکرم ﷺ بطور ماہر نفسیات، لاہور، ماورا پبلیکیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۴۲
۱۱۰۔ عبدالعزیز شیخ، حضور اکرم ﷺ بطور ماہر نفسیات، ص ۴۴
۱۱۱۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۵ء، ۱۴۳، ۱۴۴ / ۱، ابن حجر، فتح الباری، بیروت، ۱۳۲ / ۷
۱۱۲۔ محمد غزالی، فقہ السیرۃ (سیرت پیغمبر اسلام ﷺ) مترجم: ابو مسعود اظہر ندوی، لاہور، نشریات، ۲۰۱۰ء، ص ۱۴۸
۱۱۳۔ نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ میں اسلامی ریاست کا نشو و ارتقاء، لاہور، کتاب سرائے، ص ۱۵۷
۱۱۴۔ نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ میں ریاست کا نشو و ارتقاء، ص ۱۵۱
۱۱۵۔ ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ، دی پریچنگ آف اسلام، دعوت اسلام، مترجم: محمد عنایت اللہ، کراچی، ۱۹۶۴ء، ص ۶۴، بہ

حوالہ: نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ میں ریاست کا نشو وارتقاء، ص ۱۵۱

۱۱۶۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱۲۶/ ۲

۱۱۷۔ نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ میں ریاست کا نشو وارتقاء، ص ۱۵۶

۱۱۸۔ میثاقِ مدینہ کے متن اور دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے: ابنِ ہشام / السیرۃ النبویہ، بیروت، دارالفکر، ۲/ ۱۱۹:۱۲۰، ابنِ کثیر / البدایہ والنہایہ، بیروت، دارالمعرفہ ۱۹۹۲ء، ۳/ ۲۲۴، محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / الوثائق السیاسیہ فی العہد النبویؐ، قاہرہ، لجنۃ التالیف والترجمہ، ۱۹۴۱ء، ص ۱۔۷

۱۱۹۔ دیکھیے: محمد حمید اللہ / عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۹۶۔ ۱۹۸، دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ راقم الحروف کا تحقیقی مقالہ "میثاقِ مدینہ۔ سیاست نبویؐ کا مثالی شاہکار" مطبوعہ السیرہ، ششماہی، ربیع الاول ۱۴۲۱ھ، ص ۱۳۳۔۱۶۶

۱۲۰۔ محمد حمید اللہ / عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۱۰۶

۱۲۱۔ محمد رسول اللہؐ (مقالات سیرت النبیؐ) لاہور، مطبوعہ شعبہ، اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ۱۹۸۲ء، ص ۱۲۷، ۱۲۲۔

۱۲۲۔ محمد حمید اللہ / عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی / ص ۶۷، ایضاً / رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۷ء، ص ۲۵۵، ایضاً / خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۶ء، ص ۲۳۶

۱۲۳۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویہ ۲/ ۱۱۹۔۱۲۰، ابن کثیر / البدایہ والنہایہ / ۳/ ۲۴۲، محمد حمید اللہ / الوثائق السیاسیہ فی العہد النبویؐ ص ۱۔۷

۱۲۴۔ AMEER ALI/ THE SPIRIT OF ISLAM, KARACHI, 1969, P. 58

۱۲۵۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۲۳

۱۲۶۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۴۹

۱۲۷۔ محمد شریف قاضی، اسوۂ رسول ﷺ قرآن کی روشنی میں، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۹۴ء، ص ۹۰

۱۲۸۔ سورۂ رحمن، آیت ۷، ۸، ۹

۱۲۹۔ محمد فتح اللہ گولن، محمد ﷺ نور سرمدی، فخر انسانیت، مترجم: محمد اسلام، ہارمنی پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ۶۴/ ۱

۱۳۰۔ محمد فتح اللہ گولن، نورِ سرمدی فخر انسانیت، ۷۷/ ۱

۱۳۱۔ بحوالہ: محمد شریف قاضی، اسوۂ رسول ﷺ قرآن کی روشنی میں، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۹۴ء

۱۳۲۔ محمد شریف قاضی، اسوۂ رسول ﷺ قرآن کی روشنی، ص ۹۱

۱۳۳۔ سورۂ آعمران، آیت ۱۵۲

۱۳۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ۳۰۳۹
۱۳۵۔ برہان الدین الحلبی، السیرۃ الحلبیہ، قاہرہ مصر، ۱۳۴۹ء، ۴۹۶/ ۲، علی محمد الصلابی / السیرۃ النبویۃ ۲/ ۵۸۰
۱۳۶۔ ابن جریر طبری، تاریخ الاُمم و الملوک بیروت، دارالفکر، ۱۹۸۷ء، ۵۰۷/ ۲، برہان الدین الحلبی، السیرۃ الحلبیۃ، ۴۹۶/ ۲
۱۳۷۔ بحوالہ: علی محمد الصلابی، ڈاکٹر، السیرۃ النبویۃ، مترجم: محمد یونس بٹ، مولانا، لاہور، مکتبہ دارالسلام، ۵۸۰/ ۲
۱۳۸۔ علی محمد صلابی، السیرۃ النبویہ، ۵۸۸/ ۲
۱۳۹۔ محمد عیظۃ، غزوۃ اُحد، بیروت، دارالمعرقہ، ص۸۹
۱۴۰۔ علی محمد صلابی، ڈاکٹر، السیرۃ النبویۃ، ۵۸۹/ ۲
۱۴۱۔ سورۂ اٰل عمران، آیت ۱۵۳
۱۴۲۔ بحوالہ: علی محمد صلابی، ڈاکٹر، السیرۃ النبویۃ، ۶۶۷/ ۲
۱۴۳۔ عبدالعزیز شیخ، رسول اکرم ﷺ بطور ماہر نفسیات، ص۱۴۶
۱۴۴۔ ایضاً، ص۱۴۷
۱۴۵۔ ایضاً، ص۱۴۸
۱۴۶۔ ایضاً، ص۱۴۹
۱۴۷۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۷۹
۱۴۸۔ مبارکپوری، صفی الرحمن، مولانا، الرحیق المختوم، لاہور، المکتبۃ السلفیۃ، ۱۹۹۵ء، ص۵۸۸
۱۴۹۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد دوم، ۲۰۰۵ء، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ص۲۴۵، ۲۴۴
۱۵۰۔ سورہ توبہ، آیت ۱۱۷، ۱۱۸
۱۵۱۔ ایضاً۔ جلد دوم، ص۲۴۸
۱۵۲۔ جلد دوم، ص۲۴۵، ۲۴۸
۱۵۳۔ ابن حجر عسقلانی / فتح الباری، بیروت، دارالمعرفۃ ۸/ ۴۹
۱۵۴۔ بخاری / الجامع الصحیح، باب علامات النبوۃ، نور محمد اصح المطابع، کراچی
۱۵۵۔ EDWARD A. FREEMAN/ THE HISTORY AND CONQUESTS OF THE SARACENS, P.31, LONDON. 1871
۱۵۶۔ خطبۂ حجۃ الوداع کے متن اور دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے: بخاری / صحیح بخاری، طبع دہلی، ۱/ ۲۳۴۔ مسلم / صحیح مسلم، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱/ ۳۹۴۔ ۴۰۰۔ ابوداؤد / سنن ابوداؤد، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔ ۱/ ۲۶۲۔ ابن ماجہ /

سنن ابن ماجہ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔ ص ۱۹۴۔ ابن حجر عسقلانی / فتح الباری، الطبعۃ الخیریۃ مصر، القاھرۃ، ص ۱۱/ ۲۰۔ احمد بن حنبل / المسند، دارالمعارف مصر ۱۹۵۱ء، ۹/ ۶۱۸۶۔ علی متقی الھندی / کنز العمال فی سنن الأقوال، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدر آباد دکن ۱۹۵۴ء، ۵/ ۱۵۹۔ ۱۶۶۔ حافظ ابو بکر الھیثمی / مجمع الزوائد و منبع الفوائد، بیروت، ص ۲۶۵۔ ص ۲۷۴۔ ابن قیم الجوزی / زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مطبعۃ الأزھریۃ مصر، القاھرۃ ۱۳۶۶ھ۔ ملّا علی القاری / مرقاۃ الفاتیح، مکتبۂ امدادیہ ملتان، ۵/ ۲۹۸۔ ابن ھشام / السیرۃ النبویۃ، دارالفکر بیروت، ۴/ ۲۵۳۔ ابن جریر الطبری / تاریخ الطبری، دارالمعارف مصر، ۳/ ۱۴۸۔ ابن سعد / الطبقات الکبریٰ، دارالفکر بیروت، ۲/ ۱۷۲، ۱۳۷۶۔ ابن الأثیر الجزری / تاریخ الکامل، طبع مصر، ۲/ ۱۴۶۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی / بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ، ص ۲۷۸۔ الجاحظ / البیان والتبیین، مطبعہ الاستقامۃ القاھرۃ ۱۹۴۷ء، ۲/ ۲۹۔ جلال الدین السیوطی / الاتقان فی علوم القرآن، مصر القاھرۃ ۱۹۵۱ء، ۱/ ۱۷۸۔ احمد زکی صفوت / جمھرۃ خطب العرب، مصر ۱۹۳۲ء، ۱/ ۱۵۷۔ شبلی نعمانی / مکتبہ مدنیہ لاہور ۱۴۰۸ھ، ۲/ ۹۳۔ ۹۴

۱۵۷۔ بحوالہ: نعت رنگ، کراچی، شمارہ ۲۳، اگست ۲۰۱۲ء، ص ۳۶

۱۵۸۔ سورۂ ابراہیم، آیت ۳۳۔ ۳۴

۱۵۹۔ سورۃ الفرقان، آیت ۶۲

۱۶۰۔ سورۃ اللیل، آیت ۱، ۲

۱۶۱۔ سورۂ والضحیٰ، آیت ۱، ۲

۱۶۲۔ سورۃ العصر، آیت ۱۔ ۲

۱۶۳۔ محمد یوسف القرضاوی، الوقت فی حیاۃ المسلم، لاہور، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳

۱۶۴۔ محمد یوسف القرضاوی، الوقت فی حیاۃ المسلم، ص ۳۶

۱۶۵۔ صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۶۱

۱۶۶۔ سورۂ والتین، آیت ۴ تا ۸

۱۶۷۔ سورۃ المائدہ، آیت ۱۰۵

۱۶۸۔ سورۃ الانعام، آیت ۱۶۴

۱۶۹۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷

۱۷۰۔ بخاری، کتاب الاحکام، ۵۷/ ۷

۱۷۱۔ خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۶۲

۱۷۲۔ محمد فتح اللہ گولن، محمد ﷺ نور سرمدی، ۳۲۱/ ۲

۱۷۳۔ سورۃ الشمس، آیت ۷ تا ۱۰
۱۷۴۔ سورۃ النازعات، آیت ۴۰، ۴۱
۱۷۵۔ الفرقان، آیت ۱۲
۱۷۶۔ الفرقان، آیت ۴۰
۱۷۷۔ سورۃ الماعون، آیت ۱
۱۷۸۔ سورۃ المطففین، آیت ۱۲
۱۷۹۔ سورۃ النازعات، آیت ۴۰
۱۸۰۔ خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۱۳۱، ۱۳۲
۱۸۱۔ سورۃ العنکبوت، آیت ۶۹
۱۸۲۔ سورۂ رعد، آیت ۱۱
۱۸۳۔ بحوالہ: کوثر نیازی، اسلام ہمارا دین، لاہور فیروز سنز، ۱۹۷۲ء، ص ۲۱۹، ۲۲۲
۱۸۴۔ بحوالہ: اسلام ہمارا دین، ص ۲۴۵
۱۸۵۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۲۔۱۰۳
۱۸۶۔ ترمذی، السنن، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ج ۲، ص ۴۱
۱۸۷۔ مشکوٰۃ، ص ۳۲۱
۱۸۸۔ بحوالہ: صدرالدین اصلاحی، اسلام اور اجتماعت، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء، ص ۳۴
۱۸۹۔ مسلم، الجامع الصحیح، ج ۲، ص ۱۲۸
۱۹۰۔ سیّد قاسم محمود / مسلم دنیا ایک تعارف، لاہور، الفیصل ناشران، ص ۸
۱۹۱۔ الحجرات / ۱۰
۱۹۲۔ آلِ عمران / ۱۰۳
۱۹۳۔ مسلم / الجامع الصحیح ۸ / ۲۰، باب تراحم المومنین
۱۹۴۔ حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر / محسنِ انسانیتؐ، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء، ص ۲۸۸
۱۹۵۔ اقبال / کلیاتِ اقبال، ص ۲۰۲

# [[002]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

ڈاکٹر سعید احمد صدیقی

بِسْمِ اللّٰہِالرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ رَبِّ الْعٰالَمِین وَالصَّلٰوۃُ والسَّلام عَلٰی سیّد المرسلین وَعَلٰی اٰلہ وَاَصْحَابہ اَجْمَعِیْن وبعد فقد قال اللہُ تبارک وتعالٰی فی کلامہ المبین. فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ- بِسْمِ اللّٰہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ-

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا۱ (۱) وقال تعالیٰ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ۴۳ (۲) وقال تعالیٰ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰہُ. وَلٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ. اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ. وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ. (۳) وقال تعالیٰ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ. وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ. وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ. وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۱۱ (۴)

وَقَالَ النبی ﷺ عَلَی المرءِ المُسلم السّمعُ وَالطاعَۃ فِیمَا اَحَبَّ وَکَرِہَ(۵) وَقَالَ النبی ﷺ یُسلِّم الصغیرُ عَلی الکبیر، وَالمارُّ عَلی القاعِدِ، وَ القلیل عَلَی الکثیر- (۶) وَقَالَ النبی ﷺ اِذَا ذھَبَ سَاعۃٌ مِن العشاءِ فخلوھم وَ اغلق بابک واذکراسم اللہ علیہ، واَطفئ مصباحَکَ واذکراسم اللہ علیہ، وآؤکِ سقاءک و اذکر اسم اللہ علیہ، و خمر اناءک واذکراسم اللہ علیہ وَ لَو تُعرض علیہ شیئًا (۷)

ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں — حق ترا چشمے عطا کر دستِ غافل درنگر
مومیائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست — مور بے پر! حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملّت بیضا ہے مشرق کی نجات — ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر(۸)

ایک قرآن کریم وہ ہے جو تیس پاروں میں بند ہے اور جس کی تلاوت کرۂ ارض کے کسی نہ کسی حصے میں روز و شب کی ہر ساعت کے ساتھ ہوتی ہے جو اذانوں میں گونجتا، نمازوں میں دمکتا اور یاد اللہ کی تنہائیوں میں چمکتا ہے۔ جو عابدوں کا اوڑھنا، زاہدوں کا لباس، فقیروں کا توشہ، عالموں کی غذا، فقیہوں کی روشنی اور درویشوں کی متاع ہے....

دوسرا قرآن کریم وہ ہے جو تیرہ برس تک مکہ مکرمہ کی گلیوں میں پھرتا اور پتھر کھاتا رہا، جس کی ریشِ مبارک پر خون کے قطرے جم گئے تھے۔ جس کے یمین ویسار، جاں نثاروں اور جاں بازوں کا ایک لشکر جمع ہوتا گیا۔ جس کے قدومِ میمنت لزوم کی ایک ایک چاپ پر صدیق τ عمر τ عثمان τ اور علی τ بچھے جاتے تھے، جو سیّدۃ النساءρ کا باپ اور حسنین τ کا نانا ہے۔ صلوٰۃ وسلام ہو اس عظیم انسان ﷺ پر، جو خلوتوں کا ملجا اور جلوتوں کا ماویٰ ہے۔ جس کا نُور سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور جس کا ظہور سب سے آخر میں ہوا اور جس پر اللہ تعالیٰ کی حجت ختم ہوتی ہے(۹)۔

اس نبی برحق ﷺ کی ساری کی ساری زندگی نظم وضبط سے عبارت ہے اور یہی نظم وضبط اس امت کا خاصہ تھا اور آج اسلامیانِ پاکستان نظم وضبط کا پابند ہو کر ہی شاہراہِ ترقی پر گامزن ہو سکتے ہیں:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم　　کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است(۱۰)

## معنٰی ومفہوم:

نظم وضبط دو الفاظ کا مجموعہ ہے، نظم بمعنٰی لڑی، مسلک، موزوں کلام، بندوبست، انتظام(۱۱) نظم آراستہ کرنا، موزوں کرنا، کسی چیز کو کسی چیز سے جوڑنا۔(۱۲) ضبط، نگہبانی، حفاظت، بندوبست، قابو، تحمل، قید، پابندی، قرق(۱۳) ضبط، ضبطاً وضابطۃً، لازم ہونا، غالب ہونا، قوی ہونا، خوب حفاظت کرنا، دونوں ہاتھوں سے کام کرنا۔(۱۴) نظم وضبط: سلیقہ مندی، تنظیم وتربیت سے ہر کام کو سرانجام دینا، جس سے اس کی ظاہری شکل بھی خوبصورت نظر آئے اور نتیجہ بھی شاندار آئے۔

## نظم وضبط فطرتِ سلیمہ کا تقاضا:

نظم وضبط، سلیقہ مندی، تنظیم وتربیت ہر فطرت سلیمہ پسند کرتی ہے، نظم وضبط فطری طبیعت کا تقاضا ہے کہ اس سے ظاہری شکل بھی خوبصورت نظر آتی ہے کہ نظم وضبط ہے اور محنت کے نتائج بھی شاندار آتے ہیں، اگر نظم وضبط نہ ہو تو ظاہری بدنمائی کے ساتھ ساتھ محنت کے مطلوبہ نتائج بھی حاصل نہیں ہوتے، بدنظمی بدانتظامی ہے۔

## اسلام کے ہر حکم میں نظم وضبط:

اسلام اپنی روحانی اولاد کو نظم وضبط اپنے ہر حکم میں سکھاتا ہے تاکہ ان کے رگ وریشہ میں نظم وضبط پیدا ہو جائے، اسلام صرف قانون وضابطے نہیں دیتا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نظم وضبط کی تعلیم بھی دیتا ہے تاکہ نظم وضبط اسلام کی روحانی اولاد کے رگِ وپے میں پیوست ہو جائے کہ اس کا کوئی بھی کام بدنظمی کا شکار نہ ہو، بدانتظامی کا شکار نہ ہو۔

## نظم وضبط بہت بڑی خوبی:

اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی قسم کے ذریعے بہت بڑی خوبی یعنی نظم وضبط کا ذکر فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝

"قسم ہے ان کی جو صف بستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں"

یوں تو فرشتوں کی بہت ساری خوبیاں ہیں، لیکن جس خوبی کا سب سے پہلے تذکرہ فرمایا کہ یہ اللہ کی عبادت بڑی سلیقے سے بڑے نظم وضبط سے کرتے ہیں، ویسے تو عبادت کا کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جاسکتا تھا، لیکن اگر اس کو نظم وضبط کے ساتھ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ عمل پسندیدہ اور مقبول ہو جاتا ہے۔ بدانتظامی، بدنظمی، بے ڈھنگا پن کا اسلامی تعلیم کی روح سے کوئی تعلق نہیں۔

**نظم وضبط اسلامی احکام وتعلیمات کا تقاضا:**

نظم وضبط اور سلیقہ مندی کو جس طرح ایک فطرتِ سلیمہ پسند کرتی ہے، اسی طرح اسلام کے ہر احکام میں اس کی تعلیم کا تقاضا بھی ہے، نماز ہی کو لے لیا جائے کہ نماز کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے کہ بندہ اپنے رب سے جڑ جائے بندے کی نماز کا فریضہ ہے، لیکن اس فریضے کی ادائیگی کے لئے جو طریقہ شریعت مطہرہ نے تجویز کیا ہے، اسمیں نظم وضبط، حسنِ تنظیم مجسم تصویر ہے اس حکم کی اور نظم وضبط کی کہ جو چاہے جب پڑھ لے ایسا نہیں بلکہ حکماً فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۱۰۳ (۱۶)

بے شک نماز کا مؤمنوں پر اوقاتِ (مقررّہ) میں ادا کرنا فرض ہے"

وقت مقرر اس لئے فرمایا کہ عوام الناس نظم وضبط کے پابند ہوں اور اپنے چوبیس گھنٹوں کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے اپنے معاشرتی، معاشی، اخلاقی ضروریات، اپنے تمام حقوق، مخلوق کے حقوق اور خالق کے حقوق کو منظم کر کے اچھے انداز میں ادا کر سکیں۔

**بعثت نبوی ﷺ سے قبل نظم وضبط کا فقدان:**

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل مختلف قبائل، قبیلوں کی بنیاد پر زندگی گزار رہے تھے، اور ہر قبیلہ با اختیار تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جزیرۂ عرب کے بارہ مہینے خونی تصادم اور باہمی تصادم کا منظر پیش کرتا تھا۔ خواجہ الطاف حسین حالی نے اس کی منظر کشی کرتے ہوئے کیا خوب کہا:

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا — کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عُزّا پہ وہ نائلہ پر فدا تھا — اسی طرح گھر گھر نیا اِک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور — اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر
چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے — درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے (۱۷)

جب مجموعی طور پر نظم وضبط کا فقدان تھا ہر قبیلہ اپنے نظم کا مختار تھا، دوسرے قبیلے کا اپنے نظم تھا تو نتیجہ یہ تھا کہ پورا جزیرۂ عرب بد انتظامی، افتراق وانتشار کا شکار ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آکر اُمّتِ مسلمہ اور وہاں کے لوگوں کو نظم وضبط کے تحت لانے کے لئے ارشاد فرمایا: "اب تمہارا ایک امیر ہو گا" اس امیر کے تحت تمہیں چلنا ہے، اس کے بغیر تم منظم، مربوط اور مستحکم نہیں ہو سکتے، ایک امیر کی اطاعت اور اس کی اہمیت اتنی بتائی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من يطع الامير فقد اطاعني ومن يعص الامير فقد عصاني(۱۸)" جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر تم پر ایسا امیر بنا دیا گیا جو ناک کے لحاظ سے، کام کے لحاظ سے محروم ہو لیکن تمہاری قیادت اور امارت قرآن کریم کے مطابق ہو تو تم اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔(۱۹) مسلمانوں میں نظم وضبط پیدا کرنا ہے، مسلمانوں کو ایک نظم کے تحت پرونا ہے تو اس کے لئے امیر کی تعظیم ہے۔

**چھوٹی سی اکائی میں بھی نظم وضبط:**

اسلام تو لوگوں کا نظم وضبط کا پابند بنانے کا یہاں تک خیال رکھتا ہے کہ اجتماعیت کی چھوٹی سی بھی اکائی ہے تو حضور اکرم ﷺ فرماتے تھے: إذا كان ثلاثة فى سفر فليؤمر أحدهم (۲۰) اگر تم میں سے تین آدمی سفر کے لئے نکلے ھوں تو اس سفر کو نظم وضبط کے دائرے میں لانے کے لئے ضروری ہے کہ ایک کو ذمہ دار بنالو۔ جب کسی دوکان کا ذمہ دار نہ ہو تو کیا حال ہوتا ہے؟ کسی گھر کا ذمہ دار نہ ہو تو کیا حال ہوتا ہے، کسی ادارے کا ذمہ دار نہ ہو تو کیسی بد نظمی ہوتی ہے؟

**اُمّتِ مسلمہ میں نظم وضبط کے فقدان کی وجہ:**

جب اُمّتِ مسلمہ امارتِ اسلامیہ سے محروم ہو جائے تو جو منظر آج انتشار و افتراق کا ہے اور بد نظمی کا ہے کہیں نظم وضبط نہیں، یہ نتیجہ ہے امارت سے محرومی کا کہ اُمّتِ مسلمہ پوری طرح ٹوٹ پھوٹ، افتراق وانتشار کا شکار اور باہم دست و گریباں ہے، امارت جو چھوٹی سی اکائی سے لے کر پوری اُمّتِ مسلمہ کا احاطہ کرتی ہے، آج مسلمان ہر جگہ اس نعمت سے محروم ہو گیا ہے، جب امارت نہ رہی تو نظم وضبط بھی نہ رہا۔

**نظم وضبط سے متعلق اسلام کی تعلیم:**

اسلام کی تعلیمیہ ہے کہ باپ اپنی اولاد پر امیر ہے، استاد شاگردوں پر امیر ہے، شوہر اپنی گھریلو زندگی کا امیر ہے، تاکہ یہ زندگی نظم وضبط اور سلیقے کے ساتھ گزرے اور پوری اُمّتِ مسلمہ کے لئے یہ تعلیم تھی کہ ایک امارت کے تحت اس کی زندگی گزرے۔ اسلام کے ہر قانون اور ہر حکم میں اس بات کی تعلیم ہے کہ اجتماعیت کی چھوٹی سی شکل ہے

یا قومی شکل ہو، اس کی زندگی نظم وضبط کا نمونہ پیش کرے، بد نظمی کا، بد انتظامی کا، انتشار کا اور افتراق کا اسلامی روح اور اسلامی حکم سے کوئی تعلق نہیں۔

**نظم وضبط مسلمانوں کا خاصّہ:**

نظم وضبط جو مسلمانوں کا خاصہ تھا اور جو دولت مسلمانوں کی تھی، مسلمان اس سے جتنا محروم ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، ہر چیز ہی بد انتظامی کا شکار ہے، پوری زندگی بد انتظامی سے لبریز ہے، نتیجہیہ کہ ظاہری شکل بھی بگڑی ہوئی ہے اور فائدہ بھی بالکل نہیں، اسلام کی ایک بڑی تعلیمیہی ہے کہ مسلمانوں کی زندگیاں نظم وضبط کے اندر آجائیں اور جب یہ نظم وضبط میں آتی ہیں تو بہت ساری مشکلات نظم وضبط کی برکت سے حل ہو جاتی ہیں۔ جو مسلمان جہاں بھی ذمہ دار ہے، جس ادارے میں بھی ہے وہاں اپنی زندگی منظم کر کے نظم وضبط پیدا کرے، یہاں تک کہ جو کچرا ڈالتا ہے، وہ بھی نظم وضبط کا پابند ہے، یہ نہیں کہ جہاں چاہا کچرا ڈال دیا، گای بھی نظم وضبط کے تحت چلتی ہے۔

**نظم وضبط دنیاداری اور دینداری دونوں کا تقاضا:**

آج ہماری طبیعتیں نظم وضبط سے ایسی دور ہوئیں ہیں کہ نظم وضبط کی باتیں ہمیں بوجھ محسوس ہونے لگی ہیں حالانکہ بد انتظامی سے اپنی ذات کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور دوسروں کو بھی، دنیاداری نہیں، دین داری کا بھی تقاضا ہے کہ ہمارا ہر قدم کسی نظم وضبط کے تحت ہو کہ اس سے اپنی ذات کو بھی راحت ملتی ہے اور معاشرے کو بھی راحت ملتی ہے، دوسروں کو ایذا اور تکلیف سے بچانا فرض ہے اور تکلیف دینا اور ایذا پہنچانا حرام ہے جبکہ نظم وضبط سے آسانی ہوتی ہے اور بد نظمی سے تکلیف پہنچتی ہے اور حرام کا ارتکاب ہوتا ہے۔

**نظم وضبط فرشتوں کا فخر:**

نظم وضبط فرشتوں کے لئے بھی ثابت فخر ہے انہوں نے کہا کہ:

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۚ﴿۱۶۵﴾ (۲۱) "اور ہم ہی صف باندھنے والے ہیں"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رقمطراز ہیں:

"اس آیت میں معلوم ہوا کہ ہر کام میں نظم وضبط اور ترتیب وسلیقہ کا لحاظ رکھنا دین میں مطلوب اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو یا اس کے احکام کی تعمیلیہ دونوں مقصد اس طرح بھی حاصل ہوسکتے تھے کہ فرشتے صف باندھنے کے بجائے ایک بھیڑ کی شکل میں بد نظمی سے جمع ہو جائیں، لیکن بد نظمی کے بجائے ان کو نظم وضبط اور صف بندی کی توفیق عطا کی گئی، اس آیت میں ان کے اچھے اوصاف میں سب سے پہلے اس وصف کا ذکر کر کے بتادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند ہے۔(۲۲)

**نظم وضبط، اجتماعیت اور قومیت میں حدِّ فاصل**

نظم وضبط ہی کے نتیجے میں اجتماعیت اور قومیت کا فرق واضح ہوتا ہے: "جب بے شمار افراد اکھٹے رہتے ہیں اور

ان کی زندگیاں مختلف نوعیتوں کے تعلقات کے اعتبار سے باہمی مربوط اور منسلک ہوتی ہیں تو یہ حالت افراد کی اجتماعی زندگی کہلاتی ہے(۲۳) اور یہ بالکل ایک قوم کی طرح ہوتی ہیں، سب کا ایک نظریہ ہوتا ہے مگر م یہ سب نظم وضبط کی برکت ہے۔ صرف قومیت کی بنیاد پر اکھٹا ہونے کی اسلام نفی کرتا ہے اور اس کو عصبیت سے تعبیر کرتا ہے اور اس کے متعلق کہتا ہے: یح وہ ہم سے نہیں جو عصبیت پر قتل و قتال کرے۔(۲۴) وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر مرا(۲۵) وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی طرف دعوت دی۔(۲۶)

**اجتماعی وحدت نظم وضبط کا ستون:**

اجتماعی وحدت کا تصور ان افراد کو "اجتماعی شعور" عطا کرتا ہے۔ اس سے قبل ہر شخص صرف اپنے ذاتی مفاد و منفعت کے حوالے سے ہی سوچتا تھا۔ اب وہ اجتماعی مفاد کی نسبت بھی سوچنے لگتا ہے۔ اجتماعی شعور پیدا ہونے سے پہلے نفع و نقصان کا صرف وہی تصوّر قابلِ قبول تھا جو اشخاص کو انفرادی طور پر متاثر کرتا تھا۔ لیکن اب افرادِ معاشرہ نجی و انفرادی مفاد کے تنگ حصار سے باہر نکل کر نہ صرف ایک دوسرے کے مفاد کو بلکہ تمام افراد کے مجموعی مفاد کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ افراد کی منتشر وفاداریاں سمٹ کر ایک نقطہ پر مرکوز ہو جاتی ہیں اور بالآخر ان کا اعتماعی شعور، انفرادی منفعت کے شعور پر غالب آجاتا ہے۔ اگر سوچ یہ انداز اختیار نہ کرے تو افراد منتشر زندگی بسر کرتے رہیں گے، وہ ایک وحدت میں مُنسلک نہ ہو سکیں گے، گویا اجتماعی وحدت کو برقرار رکھنے کی شرط ہی یہی ہے کہ تمام لوگ اپنے ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر اپنے اجتماعی مفادات کے تحفّظ کی فکر کرنے لگیں، یہی سوچ انہیں آپس میں پیوست اور متحد رکھنے کی ضمانت فراہم کر سکتی ہے۔ اگر اجتماعی شعور میّسر نہ آئے تو "وحدت کا تصوّر" محض ایک مُردہ نعرہ رہ جاتا ہے۔(۲۷)

**نظم وضبط اجتماعی شعور وجدوجہد کا ذریعہ:**

اجتماعی شعور کی بیداری بھی مقصود بالذّات نہیں ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ اسی کی بناء پر افرادِ معاشرہ اجتماعی جدوجہد کے لئے آمادہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اجتماعی شعور کے بغیر اجتماعی جدوجہد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تشکیلِ قومیت کے غیر سیاسی مرحلے کا آخری اور انتہائی اہم تقاضا ہے۔ یہاں افراد کی وفاداریوں کے ساتھ ان کی قوتیں، صلاحیتیں اور کوششیں بھی متحد ہو جاتی ہیں اور ان کے اندر مشترکہ جدوجہد کا عزم پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ ان کی دشمنی اور دوستی مشترکہ بنیادوں پر ہوتی ہے۔ وہ کسی طبقے کو اپنا اجتماعی دوست تصور کرتے ہوئے اس سے مانوس ہوتے ہیں اور کسی کو اپنا اجتماعی دشمن تصور کرتے ہوئے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ کوئی قوم ان کے اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچانا چاہے تو وہ اس کے خلاف مشترکہ جدوجہد کرتے ہیں۔ اپنی بقاء اور وحدت کے تحفظ کی خاطر مل جل کر تگ و دو کرتے ہیں۔ الغرض ان کا جینا اور مرنا اجتماعی مفاد کی خاطر ہوتا ہے۔ ان تین تقاضوں کی تکمیل سے افراد غیر سیاسی سطح پر قومی وجود اختیار کر لیتے ہیں۔ (۲۸) جو کہ نظم وضبط کا عظیم شاہکار ہے۔

**نظریۂ حیات سے وابستگی نظم وضبط کی بنیاد:**

نظریہ حیات سے وابستگی افراد کو منظم ہونے میں مدد دیتی ہے اور ان میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے اور عوام الناس ہر کام منصوبہ مندی سے کر کے بہترین نتائج حاصل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ (۲۹)

**جدوجہد کی کامیابی کیلئے نظم وضبط لازمی شرط:**

حصولِ مقصد کی کوئی جدوجہد بھی "تنظیم" کے بغیر پایہء تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ لہٰذا اس مرحلہ پر یہ امر انتہائی ناگزیر ہو جاتا ہے کہ معاشرے کو مختلف اداروں کی صورت میں باقاعدہ طور پر منظم کیا جائے۔ عائلی زندگی ہو یا تعلیمی، سیاسی زندگی ہو یا اقتصادی، مذہبی زندگی ہو یا ثقافتی الغرض ہر شعبہء حیات کو اجتماعی سطح پر ایک ادارے کی صورت دے کر منظم کیا جائے تاکہ ہر ایک شعبے کا اپنا عمل اور تمام شعبہ جات کا باہمی عمل مربوط اور منضبط ہو سکے اور پوری معاشرتی زندگی منظم جدوجہد کے ذریعے اپنی منزل مقصود کو پاسکتے، تنظیم کے بغیر کی گئی تمام جدوجہد نتائج کے لحاظ سے رائیگاں جاتی ہے۔ یہی بنیادی خامی بیشمار لوگوں کو زندگی میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر کافی تگ ودو کے باوجود ناکامی سے ہمکنار کرتی ہے اور وہ اس حقیقت کو سمجھ نہیں پاتے کہ جدوجہد میں کامیابی کے لئے تنظیم کا کتنا دخل ہے۔ بڑی بڑی مذہبی اور سیاسی جماعتیں افراد کا جم غفیر حاصل کر لینے کے باوجود ساحلِ مراد تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اس کی بھی ایک بنیادی وجہ "تنظیم" کا فقدان ہوتا ہے۔(۳۰)

**نظم وضبط کا اصل اصول:**

اجتماعی زندگی میں نظم وضبط کے لئے اصل اصول یہ ہے کہ جو جس بات کا حقدار ہو، اس کے حق کا اعتراف کرو اور جو چیز جسے ملنی چاہئے وہ اس کے حوالے کر دو، وارث کا حق ہو، یتیم کا مال ہو، قرضدار کا قرض ہو، امانت رکھنے والے کی امانت ہو، اہلیت رکھنے والے کے لئے عہدہ اور منصب ہو، جو جس کا اہل ہو اس کو ملنا چاہئے۔(۳۱)

**نظم وضبط کیلئے ولولہ انگیز نصب العین:**

جب تک حصول نصب العین کے لئے مفصل لائحہ عمل سامنے نہ ہو، نہ مؤثر تنظیم قائم کی جاسکتی ہے اور نہ جدوجہد میں کامیابی متوقع ہوتی ہے۔ جس طرح افراد کے اجتماعی وجود کو قومی وجود دینے کے لئے ایک "ولولہ انگیز نصب العین" درکار ہوتا ہے۔ اسی طرح اس قومی وجود کو برقرار رکھتے ہوئے نصب العین کی طرف بڑھنے کے لئے ایک جامع ومانع پروگرام درکار ہوتا ہے۔ گویا نصب العین اجتماعی زندگی کو قومی زندگی میں بدل تو سکتا ہے۔ لیکن مفصّل لائحہ عمل کے بغیر اسے باقی نہیں رکھ سکتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے گروہ اور طبقات اپنے سامنے غلط یا صحیح لیکن واضح نصب العین رکھنے کے باوجود اسی لئے منتشر ہو جاتے ہیں کہ ان کے پاس تفصیلی پروگرام نہیں ہوتا۔ گویا نصب العین کے بغیر منظم اجتماعیت حاصل نہیں ہوتی اور پروگرام کے بغیر منظم اجتماعیت باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا قومی زندگی کے قیام، بقا اور استحکام کے لئے فی الحقیقت دو چیزیں لازم وملزوم ہیں۔ "واضح نصب العین" اور "مفصّل پروگرام" نصب العین کے بغیر پروگرام کا کوئی وجود نہیں اور مفصّل پروگرام کے بغیر نصب العین کی کوئی افادیت

نہیں۔ چنانچہ جدوجہد کو کسی سرچشمہ ءہدایتیا نظامِ فکر سے ماخوذ مفصّل پروگرام کے تحت حصولِ نصب العین کے لئے منظّم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس طرح انسانی کاوش منزلِ مراد تک پہنچتی ہے۔(۳۲)

## عوام الناس کی معاشی زندگی میں اقتصادی نظم وضبط

جہاں عوام الناس کو نظم وضبط پابند بنانے کے ہم خواہاں ہیں وہاں ضروری ہے کہ وہاں مملکت کے اقتصادی نظم وضبط ضروری چیز ہے، کیونکہ یہی وہ شعبہ ہے جس پر معاشی زندگی کا دارومدار ہے۔ اقتصادی نظم کا منشاء معاشی توازن ہے اور معاشی توازن کے معنی یہ ہیں کہ مملکت کے افراد کے درمیان سامانِ معیشت کے اعتبار سے اقتصادی (اعتدال) کی حالت پیدا ہو جائے، اقتصاد ہر شعبہء حیات میں ذریعہء نجات ہے، لیکن اقتصادی صیغہ میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔(۳۳)

قرآن کریم نے اقتصاد کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اجتماعی نظم و ضبط کو أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ کہا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ(۳۴) "ان میں ایک گروہ میانہ روی پر ہے" (۳۴) "ان میں ایک گروہ میانہ روی پر ہے"

قرآن کریم نے اقتصاد کی راہ کو قصد السبیل کہا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعَلَى اللهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ(۳۵)"اور بیچ کی راہ ٹھیک اللہ تک ہے" اور قرآن کریم نے اقتصادی فرد کو مقصد کے نام سے یاد کیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ(۳۶)"اور ان میں کوئی میانہ چال ہے"

## انسانی فطرت کا قطعی مطالبہ:

دنیا میں کروڑوں انسان آباد ہیں۔ ان کی نسلیں اور قومیتیں مختلف ہیں، مگر معاشی ضرورتیں یکساں ہیں۔ معاش کا مسئلہ انسانی فطرت کا قطعی مطالبہ ہے اور اس کی تکمیل ایک خدائی فرض ہے۔ حکومت کا کام یہ ہے کہ وہ اس کا خیال رکھے کہ جمہور کو ان کے حق کے مطابق کھانے پینے، پہننے اور پاک صاف اہلی زندگی بسر کرنے کی سہولت حاصل ہے۔(۳۷) کارخانۂ عالم کے موجد نے قرآن عظیم میں معاشی ضرورتوں سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہوئے چار باتیں پیش کی ہیں۔

1- زمین معاشی پیداوار کا مخزن ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ(۳۸) "اور ہم نے اس (زمین) میں تمہارے لئے اسباب معیشت پیدا کئے"۔

2- قدرت نے دن کو معاشی دوڑ دھوپ کے لئے بنایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا(۳۹) "اور ہم نے دن کو روزگار کے لئے بنایا"

3- جتنی بھی معاشی پیداوار ہیں ان کو تمام انسانوں کے درمیان تقسیم ہونا چاہئے یہ معاشی نظم وضبط کا تقاضا ہے اور قانون قدرت کی تقسیم کا منشا بھی یہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ

مَّعِيْشَتَهُمْ(۴۰) "اور ہم نے ان کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسباب) معیشت کو تقسیم کر دیا"

4- معاشی نظم وضبط کو احسن طریقے سے اپنانا چاہئے اور معیشت کے اچھے زمانے میں اپنے خالق، مالک، رازق، داتا کو نہیں بھولنا چاہئے ورنہ اللہ پاک کی طرف سے معاش کا دائرہ تنگ کر دیا جائے گا۔ جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:فَاِنَّ لَہٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا(۴۱) "تو اس کے لئے دنیاوی معاش تنگ کر دیا جائے گا"۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ کی مرضی ہمیشہ سے یہ ہے کہ تمام انسان قوانینِ قدرت پر عمل کریں اور معاش کے اعتبار سے اچھے معیار پر نظر آئیں۔ البتہ انسان کی غربت، فقر وفاقہ اور محتاجی شیطان کی اسکیم کا جزو اعظم ہے۔(۴۲)

**پیغمبر اعظم ﷺ کا نظم وضبط:**

پیغمبر اعظم ﷺ نے اقتصاد اور حیات میں نظم وضبط سے متعلق ہمیں تین فرامین ملتے ہیں:

1- آپ ﷺ نے فرمایا: اقتصاد نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے"(۴۳)

2- آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلِاقتصادُ فی النفقةِ نِصفُ المعيشةِ (۴۴) "خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے"یعنی دولت خرچ کرنے میں اصول اقتصاد کا خیال رکھنا معیشت کے آدھے مقاصد کو پورا کر دیتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:"جس نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہ ہو گا۔(۴۵)

3- آپؐ نے اقتصادی نظم وضبط کے حوالے سے ارشاد فرمایا کہ اقتصادی توازن سرمایہ وغربت کے درمیان ہو جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: القصد فی الغنی والفقر (۴۶)

اسلامی مملکت اقتصادی زندگی کے میدان میں انہی اصولوں اور نکتوں پر عمل پیرا ہوتی ہے، اور معاشی اسلوب پر اپنے اقتصادی نظم وضبط کو قائم کرتی ہے۔(۴۷)

**خوراک اور حضرت یوسفؑ کا نظم وضبط:**

قرآن مجید نے یوسفؑ کا قصہ بیان کیا ہے۔ اس میں پندرہ سال کی مدت کے لئے خوراک کی بہم رسانی کا اقتصادی منصوبہ پایا جاتا ہے۔ نبی مکرم حضرت یوسفؑ نے اس منصوبہ پر غور وفکر کیا اور اس پر عمل درآمد کیا۔ یہ بات ہماری اس رائے کے خلاف نہیں ہے کہ اس کا منبع ومقصد یوسفؑ پر الہام وحی اور تاویل احادیث اور رؤیا کی تعلیم تھا، جس سے اللہ تعالیٰ نے خاص آپؐ کو نوازا تھا۔ لہٰذا اس کا کوئی اثر اس حکم پر نہیں پڑتا جو اس قصہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ تو مستقبل کے لئے منصوبہ بندی کا اصول ہے جس کا ذکر قرآن مجید نے شکر وامتنان کی شکل میں کیا ہے۔(۴۸)

**آپ ﷺ کی پوری زندگی نظم وضبط سے عبارت ہے:**

جو شخص سرور کائنات ﷺ کی سیرت طیبہ پر غور کرے گا اسے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں نظر آئے گی کہ آپ ﷺ کی زندگی کے مختلف مراحل بے سوچے سمجھے نہیں گزرے ہیں اور نہ یہ بے ہنگم طور پر پایہ تکمیل کو پہنچے ہیں، بلکہ پورے غور وفکر اور تدبر کے بعد مکمل ہوئے ہیں، جس کی رہنمائی حسب ضرورت وحی الٰہی

کرتی رہی۔(۴۹)

**ہجرت اور نظم وضبط:**

جب ہم صحابہ کرام ؓ کی حبشہ یا مدینہ کی طرف ہجرت پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں اس کے پیچھے ایک واضح نقشہ اور منصوبہ کار فرما نظر آتا ہے جس کے نمایاں پہلوؤں کو سمجھنا ایک محقق کے لئے مشکل نہیں ہے۔ اگر ایسا نہیں تھا تو حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو خاص حبشہ کی طرف ہی ہجرت کا حکم کیوں دیا؟ ان کے لئے کسی قریبی ملک یا کسی عرب ملک کو منتخب کیوں نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے بعض صحابہ کرام ؓ کو ہجرت کی اجازت کیوں دی۔ اور آپ خود حبشہ کی طرف ہجرت کر کے ان کے ساتھ کیوں نہیں مل گئے؟ ان تمام سوالات کا جواب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کا فیصلہ اتفاقیہ اور غور و فکر سے خالی نہیں تھا، بلکہ اس کے پیچھے ایک مقصد اور منصوبہ کار فرما تھا۔ نظم وضبط کا مطلب خاموش غور و فکر اور ہر اس معاملہ کا مکمل مطالعہ ہے جس کو انسان سر انجام دینا چاہتا ہے، حتیٰ کہ وہ اس عمل میں ہدایت اور روشن دلیل کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہے اور صراط مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے۔ ہمیں ایسا کوئی دین نہیں ملتا جو اسلام کی طرح غور و فکر کی دعوت دیتا ہو، جو خود اپنے بارے میں تدبر کو ایک مقدس فریضہ اور عبادت سمجھتا ہے۔(۵۰)

**حضرت عمر فاروق ؓ کا معاشی نظم وضبط:**

حضرت عمر فاروق ؓ کے ہاں معاشی نظم وضبط اس طرح قائم تھا کہ انہوں نے ہر علاقے کے ذمہ دار پر لازم قرار دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے گھروں میں رزق پہنچائیں۔ حضرت ابو عثمان فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق ؓ نے ہمیں آزربائیجان میں خط لکھا کہ اے عتبہ بن فرقد! یہ دولت نہ تیری کمائی ہے نہ تیری باپ کی کمائی ہے اور نہ ہی تیری ماں کی، اس لئے مسلمانوں کے گھروں میں رزق پہنچاؤ، جس طرح اپنے اہل خانہ کو پہنچاتے ہو۔(۵۱)

**فوجی تربیت میں نظم وضبط:**

فوجی تربیت میں نظم وضبط کی اہمیت سے کون واقف نہیں۔ اس ضبط کی روح قائد کی فرمانبرداری، بے چون وچرا اطاعت اور تسلیم ورضا کے بغیر کوئی فوج اپنا مقصود نہیں حاصل کر سکتی۔ مسلمان حضور ﷺ سے اطاعت واتباع کا جو تعلق رکھتے تھے اس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں۔ جو فرمان نطق رسالت سے صادر ہو گیا، اس کے ایک ایک حرف کی تعمیل دل و جان سے کرتے تھے۔ بلا کسی تردد اور تامل کے اور مکمل شوق و امانت کے ساتھ، خواہ ظروف کتنے ہی صعب ہوں اور واجبات کیسے ہی شاقہ ہوں۔ (۵۲)

**نظم وضبط درحقیقت اطاعت ہے:**

ضبط کے متعلق کئی واقعات ہیں مگر یہاں ہم ایک اصولی بات کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے حضور ﷺ کی

اطاعت کو دینی فریضہ قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (۵۳)

مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو، اور ایسے اولوالامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہوں"

اور قرآن کریم میں اللہ پاک نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۵۴)

جو شخص رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے بلاشبہ وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔

**نظم وضبط کا دوسرا نام اطاعت ہے:**

یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اطاعت در حقیقت نظم وضبط کا دوسرا نام ہے، کیونکہ اطاعت رسول ﷺ کے اسی دینی پہلو نے مسلمانوں کو بے پناہ نظم وضبط میں مربوط کر دیا تھا۔(۵۵)

حضور نبی کریم ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی میں تراسی کے قریب غزوات وسرایہ ہوئے ہیں۔ اسلام کے فروغ واشاعت کے لئے آپ ﷺ کو ہر سال اوسطاً آٹھ، نو جنگوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ ان تمام جنگوں اور عسکری مہمات کا مقصود اقامت دین اور بحالی حقوق انسانیت تھا۔ نتیجتاً دس لاکھ مربع میل تک اسلامی سلطنت کو غلبہ حاصل ہوا۔ مگر اس پوری جنگی ودفاعی زندگی میں فریقین کے محض چند سو آدمی کام آئے۔ جنگی عمل کا اتنے غیر جنگی اثرات کا حامل ہونا، آپ ﷺ کے عدیم المثال سپہ سالار ہونے کی دلیل ہے۔(۵۶)

حالانکہ اسلامی ریاست کی بعد ازاں ہونے والی جنگوں میں بعض اوقات ایک ہی جنگ میں اس قدر جانی نقصان ہوا جتنا حضور ﷺ کی سپہ سالاری میں دس سال کی جنگوں میں نہیں ہوا تھا۔ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں فتوحات کے سلسلے کی پوری تاریخ انسانیت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔(۵۷)

آپ ﷺ کے فوجی نظم وضبط کے سلسلے میں مائیکل ہارٹ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

The Bedouin Tribesmen of Arabia had a reputation of bering fierce warriors. But their number was small; and plagued by disunity and internecine warfare, they had been no match for the larger armies of the kingdoms in the settled agricultural areas to the North. However, unified by Muhammad for the first time in history, and inspired by their fervent belief in the one true God, these small Arab armies now embarked upon one of the most astonishing series of conquests in human history. To the northeast of Arabia, lay the large Neo-Persian Empire of the Sassanids; to the northwest, lay the Byzantine, or Eastern Roman

Empire, centered in Constantinople. Numerically, the Arabs were no match for their opponents.

On the field of battle, though, the inspired Arabs rapidly conquered all of Mesopotamia, Syria, and Palestine. By 642, Egypt had been wrested from the Byzantine Empire, While the Persian armies had been crushed at the key battles of Qadisitya in 637, and Nehavend in 642.

But even these enormous conquests which were made under the leadership of Muhammad's close friends and immediate successors, Abu Bakr and "Umar ibn al-Khattab, did not mark the end of the Arab advance. By 711, the Arab armies had swept completely across North Africa to the Atlantic Ocean. There they turned North and crossing the strait of Gibraltar, overwhelmed the Visigothic Kingdom in Spain.

For a while, it must have seemed that the Muslims would overwhelm all of Christian Europe. However, in 732, at the famous Battle of Tours, a Muslim army, which had advanced in the center of France, was at last defeated by the Franks, Nevertheless, in a scant century of fighting, these Bedouin tribesmen, inspired by the word of the Prophet, had carved out an empire stretching from the borders of India to the Atlantic Ocean, the largest empire that the world had yet seen.(58)

"عرب کے بدو قبیلے کے لوگ خوفناک جنگجو ہونے کے لحاظ سے شہرت رکھتے تھے، لیکن ان کی تعداد تھوڑی تھی اور وہ نااتفاقی کی وبا اور باہمی جنگوں میں پھنس گئے تھے۔ وہ شمالی زرعی علاقوں کی سلطنتوں کی بری افواج کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، تاہم آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس کی وجہ سے تاریخ میں پہلی مرتبہ ایمان سے سرشار ہونے اور خدائے واحد پر اپنے پختہ یقین کی وجہ سے ان چھوٹی چھوٹی عرب فوجوں نے حیرت انگیز طور پر انسانی تاریخ میں فتوحات کا ایسا تسلسل قائم کیا کہ عقل انسانی دنگ رہ گئی۔ عرب کے شمال مشرق میں ساسانیوں کیوسیع و عریض سلطنت تھی۔ شمال مغرب میں بازنطینی یا مشرقی رومی سلطنت تھی، جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ تعداد کے لحاظ سے عربوں کا اپنے مخالفوں سے مقابلہ کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔(۵۹)

## مسلمانوں کا نظم وضبط دیکھ کر برطانوی جنرل کا قبول اسلام:

ایک برطانوی جنرل کے بقول فوج سب سے منظم ادارہ ہے اور اس کا نظم وضبط پانچ لاکھ تک قائم رہتا ہے، اگر فوج کی تعداد پانچ لاکھ سے زائد ہے تو وہ کنٹرول میں نہیں رہتی، لیکن جب اس نے حج کے موقعہ پر خانہ کعبہ کا منظر دیکھا کہ پچاس لاکھ سے زائد افراد کس طرح نظم وضبط سے نماز ادا کر رہے ہیں، اللہ اکبر کے ساتھ رکوع وغیرہ تو اس نے کہا یہ سچا مذہب ہے اور اس کے اسلام لانے کا ذریعہ بنا۔

## نظم وضبط کے ساتھ صحیح تنظیم:

فوجی تربیت میں جس طرح نظم وضبط اہم ہے، اسی طرح اس کی کامیابی کا دارومدار اس کی صحیح تنظیم پر ہے۔ فوج کے مختلف افراد کی تنظیم اس عمدہ پیمانے پر ہو کہ پوری فوج جسد واحد معلوم ہو۔ جیش مسلمین مہاجرین وانصار اور دوسرے قبائل کے مسلمانوں پر مشتمل تھا، جسے وحدت مقصود نے متحد کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی فتح وانتصار کا تعلق کسی ایک گروہ یا قبیلہ سے نہ تھا کہ وہ اس پر فخر وغرور کا اظہار کرتا، بلکہ یہ جیش مسلمین کی فتح ہوتی جو سب کی فتح تھی۔ یہ فتح مند لشکر اسلام کا تھا۔ اس کے معتقدین میں اور فداکاروں اور جانثاروں میں عربی کے پہلو بہ پہلو عجمی، گورے کے دوش بدوش سیاہ فام، مالدار کے ساتھ فقیر بے نوا، سب شامل تھے۔ یہ ایک دین کا لشکر تھا جو رنگ ونسل اور سب کے امتیاز سے ماوراء تھا۔(٦٠)

عالم اسلام کے نامور اسکالر محمود شیث الخطاب اپنی مایۂ ناز تصنیف "الرسول القائد" میں رقمطراز ہیں:

"میرا عقیدہ ہے کہ یہ ایک ایسی تنظیم تھی جو صرف وحدت عقیدہ پر قائم تھی، کسی اور طرح کے مؤثرات سے اسے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ ایسی چیز تھی جس نے قبائل عربیہ کو ایسے حالات سے دوچار کیا کہ وہ جیش مسلمین سے مقاومت ومزاحمت کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے، کیونکہ یہ معاملہ صرف کسی قبیلے کی لڑائی کا نہ تھا۔ یہی وہ چیز تھی جس نے مسلمانوں کی جنگی مہمات کو آسان کر دیا۔"(٦١)

## آپ ﷺ کا جنگ میں عظیم نظم وضبط، بدنظمی وانتشار کی ممانعت:

آپ ﷺ نے ہمیشہ زمانہ جاہلیت کے خلاف عظیم نظم وضبط کا درس دیا، بدنظمی اور انتشار کی سختی سے ممانعت فرمائی، ڈاکٹر خالد علوی رقمطراز ہیں:

"اہل عرب کی عادت تھی کہ جب جنگ کو نکلتے تو راستے میں جو ملتا اسے تنگ کرتے اور جب کسی جگہ اُترتے تو ساری منزل پر پھیل جاتے، یہاں تک کہ راستوں پر چلنا مشکل ہو جاتا تھا۔ داعی اسلام نے آکر اس کی بھی ممانعت کر دی۔(٦٢)

ایک مرتبہ آپ ﷺ جہاد کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ ﷺ کے پاس شکایت آئی کہ فوج میں عہد جاہلیت کی سی بدنظمی پھیلی ہوئی ہے اور لوگوں نے منزل کو تنگ کر رکھا ہے، اس پر آپ ﷺ نے منادی کرائی کہ: "جو کوئی منزل کو تنگ کرے گا یا راہ گیروں کو لوٹے گا اس کا جہاد نہیں ہو گا"۔(٦٣)

ایک موقعہ پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "تمہارا اس طرح وادیوں اور گھاٹیوں میں منتشر ہو جانا یہی شیطانی فعل ہے"(۶۴)

ابو ثعلبہ خشنیؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ جب کبھی اسلامی فوج کسی جگہ اترتی تو اس کا گنجان پڑاؤ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ایک چادر تان دی جائے تو سب نیچے آ جائیں گے۔(۶۵)

**شور و ہنگامہ کی ممانعت:**

آپ ﷺ جنگی نظم و ضبط کے پیش نظر شور ہنگامے وغیرہ کی سختی سے ممانعت فرمائی، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ عرب کی جنگ میں اس قدر شور و ہنگامہ برپا ہوتا کہ اس کا نام ہی "دغی" پڑ گیا تھا۔ اسلام لانے کے بعد بھی عربوں نے یہی طریقہ برتنا چاہا مگر ہادیٔ اسلام نے اس کی اجازت نہ دی۔(۶۶)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آپ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ: "ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور جب کسی وادی میں پہنچتے تو زور شور سے تکبیر و تہلیل کے نعرے بلند کرتے تھے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگو وقار کے ساتھ چلو، تم جس کو پکار رہے ہو وہ نہ بہرا ہے، نہ غائب، وہ تو تمہارے ساتھ ہے سب کچھ سنتا ہے اور بہت قریب ہے۔(۶۷)

**وحشیانہ افعال کی ممانعت:**

فوجوں کے نظم و ضبط کے ساتھ انہیں شائستہ رہنے کی ہدایت کا سلسلہ بھی نبی اُمّی ﷺ کا ایجاد کردہ ہے۔ مغربی دنیا تو انیسویں صدی کے وسط تک اس طریقے سے ناآشنا تھی۔ داعی اسلام کا قاعدہ تھا کہ جب آپ ﷺ کبھی کسی سردار کو جنگ پر بھیجتے تو اسے اور اس کی فوج کو پہلے تقویٰ اور خوف خدا کی نصیحت کرتے پھر فرماتے: "جاؤ اللہ کا نام لے کر اور اللہ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو اللہ سے کفر کرتے ہیں، مگر جنگ میں کسی سے بدعہدی نہ کرو، غنیمت میں خیانت نہ کرو، مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔"(۶۸)

**حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جنگی نظم و ضبط:**

خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب فوجیں شام کی طرف روانہ کیں تو ان کو دس ہدایات دیں۔ وہ دس ہدایات اسلامی تعلیمات جنگ کا ملخص ہیں۔ تمام مؤرخین و محدثین نے انہیں نقل کیا ہے۔ ذیل میں ہم انہیں نقل کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو گا کہ اسلام نے طریق حصول مقصد کو کس قدر پاکیزہ رکھا ہے۔ وہ ہدایات یہ ہیں۔ 1 عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کئے جائیں۔ 2 مثلہ نہ کیا جائے۔ 3 راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کے معابد مسمار کئے جائیں۔ 4 کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ کھیتیاں جلائی جائیں۔ 5 آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔ 6 جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔ 7 بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے۔ 8 جو لوگ اطاعت کریں ان کی جان و مال کا وہی احترام کیا جائے جو مسلمانوں کی جان و مال کا ہے۔ 9 اموالِ غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔ جنگ میں پیٹھ نہ

پھیری جائے۔(۶۹)

**اسلامی عبادات کے ذریعے عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانا**

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ تمام اسلامی عبادات عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بناتی ہیں، چاہے وہ نماز ہو یا روزہ حج ہو یا جہاد فی سبیل اللہ، ہر ایک انسان میں نظم وضبط پیدا کرتی ہیں، جبکہ زمانہ جاہلیت میں یہ تصور مفقود تھا۔

**نماز باجماعت نظم وضبط کا شاہکار:**

نماز باجماعت کا فلسفہ و حکمت معاشرتی اعتبار سے افراد ملت کو ایک مخصوص نظم وضبط کے سانچے میں ڈھالنے کا متمنی ہے تاکہ اجتماعی سطح پر ملت کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہو سکیں اور پورے مسلم معاشرے میں ایک ہمہ گیر انقلاب برپا ہو جائے، جب پورا معاشرتی ڈھانچہ تغیر آشنا ہو جائے تو انفرادی اور اجتماعی احوال یکسر بدل جائیں گے، جس کے نتیجے میں عمرانی سطح پر ہر انسان کے رہن سہن کا انداز تبدیل ہو کر تہذیبی و ثقافتی کایا پلٹنے کا موجب ہو گا۔(۷۰)

**عبادات کا جاہلی تصور:**

اسلام میں عبادات کا مفہوم محض پوجا کا نہیں ہے، بلکہ بندگی کا بھی ہے۔ عبادات کو محض پوجا کے معنی میں لینا دراصل جاہلیت کا تصور ہے۔ جاہل لوگ اپنے معبودوں کو انسانوں پر قیاس کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح بڑے آدمی، سردار یا بادشاہ، خوشامد سے خوش ہوتے ہیں، نذرانے پیش کرنے سے مہربان ہو جاتے ہیں، ذلت اور عاجزی کے ساتھ ساتھ جوڑنے سے پسیج جاتے ہیں اور ان سے یوں ہی کام نکالا جاسکتا ہے، اسی طرح ان کا معبود بھی انسان سے خوشامد، نذرونیاز اور اظہار عاجزی کا طالب ہے۔ انہی تدبیروں سے اسے اپنے حال پر مہربان کیا جاسکتا ہے اور اسے خوش کر کے کام نکالا جاسکتا ہے۔ اس تصور کی بنا پر جاہلی مذاہب چند مخصوص اوقات میں مخصوص مراسم ادا کرنے کو عبادت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ (۷۱)

**نظم وضبط کے ساتھ دیگر حکمتیں:**

- پنجگانہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کرنے سے مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ یکجا ہونے کے مواقع میسر آتے ہیں۔ اس طرح انہیں اہل محلہ کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ کون کس حال میں ہے۔ قرب وجوار میں کوئی ایسا تو نہیں جو نان شبینہ کا محتاج ہے یا تنگی وعسرت یا بیماری کے ہاتھوں پریشانی میں دن کاٹ رہا ہے۔
- نماز کی یکجائی باہمی قرب وموانست اور محبت کے رشتے مضبوط و مستحکم بنانے میں مدد ومددگار بنتی ہے، ایک دوسرے کی خوشی غمی اور دکھ سکھ میں شریک ہو کر ہی ایک صحت مند، خوشحال اور فعال معاشرے کی تعمیر ممکن ہے۔
- بالالتزام نماز باجماعت کی پابندی سے انسان کے دل میں یہ احساس جاگزیں ہوتا ہے کہ جب بغیر

کسی شرعی عذر کے گھر کے اندر رہ کر انفرادی سطح پر نماز جیسے فریضے کی بجاآوری ممکن نہیں تو افراد معاشرہ ایک دوسرے سے الگ تھلگ کیسے رہ سکتے ہیں؟(۷۲)

**نماز کے ذریعے افراد کو تیار کرنا:**

1- آدمی کے ذہن میں اس حقیقت کے ادراک کو تازہ رکھنا کہ وہ دنیا میں ایک خود مختار وجود نہیں ہے، بلکہ رب العالمین کا بندہ ہے اور یہاں اسی حیثیت سے اسے کام کرنا ہے۔

2- بندہ کی حیثیت سے اسے فرض شناس بنانا اور اس میں ادائے فرض کی عادت پیدا کرنا ہے۔

3- فرض شناس اور نافرص شناس میں تمیز کرنا اور نافرض شناس افراد کو چھانٹ کر الگ کر دینا۔

4- خیالات کا ایک پورا نظام، ایک پوری آئیڈیالوجی آدمی کے ذہن میں اتار دینا اور اسے ایسا مستحکم کرنا کہ ایک پختہ سیرت بن جائے۔

5- آدمی میں یہ قوت پیدا کرنا کہ اپنے عقیدے اور اپنے عمل و بصیرت کے مطابق جس طرز عمل کو صحیح سمجھتا ہو اس پر عمل کر سکے، اور اپنے جسم و نفس کی تمام طاقتوں سے اس راہ میں کام لے سکے۔ اس کے کیریکٹر میں اس قسم کا ڈھیلا پن نہ رہ جائے کہ صحیح تو سمجھتا ہو ایک طریقہ کو، مگر اپنے نفس کی خواہش سے مجبور ہو کر چلے دوسرے طریقہ پر۔(۷۳)

**نماز باجماعت کے ذریعے نظم وضبط:**

اسلام میں اجتماعیت کا تصور ملت کو ہر قسم کے انتشار اور بد نظمی سے پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک روایت کا حوالہ دینا خالی از فائدہ نہ ہو گا۔ "ایک دفعہ حضورِ اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو لوگوں کو ٹولیوں کی صورت میں اِدھر اُدھر بیٹھے دیکھا۔ آپ ﷺ نے انہیں سرزنش کی اور متنبہ فرمایا کہ اگر تم اس طرح منتشر رہو گے تو تمہارے دل کبھی ایک دوسرے سے نہ مل سکیں گے۔ اس ارشاد رسول ﷺ سے امت مسلمہ کو تعلیم ملتی ہے کہ وہ اپنی صفوں کو انتشار کی لعنت سے پاک رکھیں۔

**فروغ وحدت واستحکام ملت:**

اجتماعیت کا دوسرا اصول امت میں وحدت فکر و عمل اور اتحاد و یکجہتی کو فروغ دینے کا متقاضی ہے۔ مسجد میں صف بندی اور قبلہ رویک سمتی سے یہی تعلیم ملتی ہے۔ جس کے سانچے میں زندگی کو من حیث المجموع ڈھال لینے سے ملت اسلامیہ قوت واستحکام سے بہرہ ور ہو سکے گی۔

**نظم ونسق کا لحاظ:**

اجتماعیت کا یہ اصول صرف اس پر موقوف نہیں کہ صف بندی کر کے بیٹھے رہیں، بلکہ اس کے نتیجہ خیزی کے لئے لازمی و لابدی ہے کہ صفوں میں ترتیب و قرینہ کو ملحوظ رکھا جائے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ صفوں میں

ترتیب و قرینہ سے بیٹھنا فرشتوں کی سنت ہے۔ مسجد کے اندر اور مسجد سے باہر نظم وضبط کے اصول کا اطلاق امت کو متحد و منظم رکھنے اوراس کی شیرازہ بندی کے لئے ازبس ضروری ہے۔(۷۴)

**تنظیم سازی:**

جس طرح نماز میں حکم ہے کہ جب تک صف اوّل مکمل نہ ہو دوسری صف نہ بنائی جائے اور صفوں میں حفظ مراتب کا خیال رکھا جائے، یعنی پہلی صف میں عمر اور علمی مرتبہ کے اعتبار سے بڑے بڑے لوگ کھڑے ہوں اور دوسری صف میں یہ لوگ کھڑے ہوں جو درجے میں ان سے کم تر ہوں۔ آخری صف میں بچے اور اگر عورتیں بھی شامل جماعت ہوں تو وہ سب سے پچھلی صف میں کھڑی ہوں۔ اس اصول کا اطلاق نماز سے باہر عملی زندگی پر بھی بہمہ وجوہ ہوتا ہے۔ جس میں تنظیم کی اہمیت وافادیت ایک مسلمہ امر ہے۔(۷۵)

**قیادت کی اہلیت:**

نماز باجماعت کی امامت کے لئے شریعت مطہرہ نے کسی ایسے شخص کو امام مقرر کرنے کا حکم دیا ہے جو ان شرائط پر امکانی حد تک پورا اترتا ہو جنہیں کتب فقہ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں اولین شرط یہ ہے کہ امام چونکہ مفروض الاطاعت ہے اوراس کی تقلید لازم قرار دی گئی ہے اور بحیثیت امام اس شخص کی تقرری عمل میں لائی جائے جسے اپنے مقتدیوں پر برتری اور فوقیت حاصل ہو۔(۷۶)

**نماز کے ذریعے عوام الناس کو تیار کرنا:**

اسلام جو سوسائٹی بناتا ہے اس کے ایک ایک فرد کو وہ اس طرح نماز کے ذریعہ سے تیار کرتا ہے۔ دس برس کی عمر کے بعد اس سوسائٹی کے ہر لڑکے اور لڑکی پر نماز فرض کر دی گئی ہے، اور یہ فرض کسی حال میں اس سے ساقط نہیں ہوتا، اِلاَّ یہ کہ وہ اپنے ہوش وحواس میں نہ ہو یا عورت حیض ونفاس کی حالت میں ہو۔ بیماری میں، سفر میں، جنگ کے معرکے تک میں، یہ فرض اسے ادا کرنا پڑے گا۔ اٹھ نہ سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھنا ممکن نہ ہو، لیٹ کر پڑھے، ہاتھ پاؤں حرکت نہ کر سکتے ہوں، اشارے سے پڑھے، پانی نہ ملتا ہو مٹی سے تیمم کر کے پڑھے۔ قبلے کی سمت نہ معلوم ہو، جدھر گمان ہو اسی طرف منہ کر کے پڑھے۔ غرض کوئی عذر اس معاملہ میں مسموع نہیں ہے۔ نماز کا وقت جب آجائے تو ہر حال میں مسلمان مامور ہے کہ اس فرض کو ادا کرے۔(۷۷)

جس طرح ایک امام کے اشارے پر لاکھوں گردنیں جھک جاتی ہیں اور مقتدی بلاچون وچراں اپنی ذاتی خواہشات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کی تقلید اور اطاعت اپنا فرض جانتے ہیں۔ اسی طرح ایک امیر اور قائد کی اطاعت اس وقت تک امت مسلمہ کے لئے فرض عین کا درجہ رکھتی ہے جب تک وہ صریحاً اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب نہ ہو۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی حرز جاں بنانے کے قابل ہے: اطاعت کے بغیر امارت کے کوئی معنی نہیں "(۷۸) بلاشبہ فرمان رسول مقبول ﷺ کے پیش نظر اسلام

میں نظام مرکزیت کی اساس اطاعت امیر ہی ہے۔ اس کے بغیر ملت کی اجتماعی کوششیں اور مساعی جمیلہ نتیجہ خیز نہیں قرار دی جاسکتیں۔ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد انتہائی بلیغ اور پر معنی ہے۔

ومن یطع الامیر فقد اطاعنی و من یعص الامیر فقد عصانی (۷۹)

"اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے گویا میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔

جس کی رو سے اطاعت امیر اور اطاعت رسول ﷺ لازم و ملزوم ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔(۸۰)

**اذان نظم وضبط کا عظیم مظہر:**

حکم ہے کہ اذان کی آواز سنتے ہی اُٹھ جاؤ اور اپنے اپنے کام چھوڑ کر مسجد کی طرف رُخ کرو۔ اس طلبی کی پکار سن کر ہر طرف سے مسلمانوں کا ایک مرکز کی طرف دوڑنا وہی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے جو فوج کی ہوتی ہے۔ فوج کے سپاہی جہاں جہاں بھی ہوں، بگل کی آواز سنتے ہی سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا کمانڈر ہمیں بلا رہا ہے۔ اس طلبی پر سب کے دل میں ایک ہی کیفیت پیدا ہوتی ہے یعنی کمانڈر کے حکم کی پیروی کا خیال، اور اس خیال کے آتے ہی سب ایک ہی کام کرتے ہیں۔ یعنی اپنے اپنے کام چھوڑ کر اٹھنا اور ہر طرف سے سمٹ کر ایک ہی جگہ جمع ہو جانا۔ فوج میں یہ طریقہ کس لئے رکھا گیا ہے؟ اس لئے کہ اوّل تو ہر ہر سپاہی میں فرداً فرداً حکم ماننے اور اس مستعدی کے ساتھ عمل کرنے کی خصلت و عادت پیدا ہو، اور اس کے ساتھ ہی ایسے تمام فرماں بردار سپاہی مل کر ایک گروہ، ایک جتھا، بن جائیں اور ان میں یہ عادت پیدا ہو جائے کہ کمانڈر کا حکم پاتے ہی ایک وقت میں ایک جگہ سب مجتمع ہو جایا کریں تاکہ جب کوئی مہم پیش آئے تو ساری فوج ایک آواز میں ایک مقصد کے لئے اکٹھے ہو کر کام کر سکے۔ فوجی اصطلاح میں اسے سرعتِ اجتماع کہتے ہیں اور یہ فوجی زندگی کی جان ہے۔ اگر کسی فوج میں اس طرح مجتمع ہونے کی صلاحیت نہ ہو، اور اس کے سپاہی ایسے خود سر ہوں کہ جس کا جدھر منہ اٹھتا ہو اِدھر چلا جاتا ہو، تو خواہ ایسی فوج کا ایک ایک سپاہی تیس مار خاں ہی کیوں نہ ہو وہ کسی مہم کو سر نہیں کر سکتی۔ اس قسم کے ایک ہزار بہادر سپاہیوں کو دشمن کے پچاس سپاہیوں کا ایک منظم دستہ الگ الگ پکڑ کر ختم کر سکتا ہے۔ ٹھیک اسی مصلحت کی بنا پر مسلمانوں کے لئے بھی یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا ہے کہ جو مسلمان جہاں بھی اذان کی آواز سنے، سب کام چھوڑ کر اپنے قریب کی مسجد کا رخ کرے۔ اس اجتماع کی مشق انہیں روزانہ پانچ وقت کرائی جاتی ہے، کیوں کہ اس خدائی فوج کی ڈیوٹی دنیا کی ساری فوجوں سے زیادہ سخت ہے جیسا کہ اُوپر اشارہ کیا جاچکا ہے۔ دُوسری فوجوں کے لئے تو مدتوں میں کبھی ایک مہم پیش آتی ہے اور اس کی خاطر انہیں یہ ساری فوجی مشقیں کرائی جاتی ہیں، مگر اس خدائی فوج کو تو ہر وقت ایک مہم درپیش ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ یہ بھی بہت بڑی رعایت ہے کہ اسے دن رات میں صرف پانچ مرتبہ ہی خدائی بگل کی آواز پر دوڑنے اور خدائی چھاؤنی یعنی

مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔(۸۱)

تمام عبادات میں تنہا نماز ہی ایک ایسا منفرد عمل ہے جو شب و روز کی کسی نہ کسی ساعت سے متعلق ہونے کی بناء پر ایک باقاعدہ نظام الاوقات کی حیثیت رکھتا ہے۔ اوقات نماز دن اور رات کے تمام اوقات کے جامع ہیں اور ہر نماز فرضیت کے اعتبار سے مقررہ اوقات کے تابع کر دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "بے شک نماز مؤمنوں پر اوقات مقررّہ پر فرض کی گئی"۔(۸۲)

**نمازوں کی پابندی و نگرانی کے ذریعے نظم وضبط:**

اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ نمازوں کو پابندی سے ادا کریں، ان کی نگہداشت رکھیں، ان پر مداومت کریں، پابندی سے ادا کریں، وقت پر ادا کریں اس طرح ان کی زندگی میں ایک ترتیب آئے گی نظم و ضبط پیدا ہو گا اور عوام الناس میں نظم و ضبط پیدا کرنے کا سب سے بڑا طریقہ ہے۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ(۸۳)

"نمازوں کی نگرانی رکھو"۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (۸۴)

"اور جو اپنی نماز کی نگرانی رکھتے ہیں"۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ(۸۵)

"اور جو لوگ اپنی نمازوں کی نگرانی رکھتے ہیں"

وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ(۸۶)

"اور وہ اپنی نماز کی نگرانی رکھتے ہیں"

ایک آیت میں یہ بھی فرمایا:

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ(۸۷)

"جو اپنی نماز ہمیشہ ادا کرتے ہیں"۔

ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ نماز ایسا فرض ہے جو کسی مسلمان سے کسی حال میں معاف نہیں ہو سکتا اور اس کو ہمیشہ پابندی کے ساتھ وقت پر اور اس کے سارے شرائط کے ساتھ ادا کرنا چاہئے تاکہ ان میں نظم وضبط پیدا ہو۔

**نظم وضبط کیلئے اوقات نماز:**

ادائے نماز کے لئے قرآن کریم نے زیادہ تر تین لفظ استعمال کئے ہیں: صلوٰۃ یا اقامت صلوٰۃ، تسبیح اور ذکر اللہ پہلا لفظ اقامتِ صلوٰۃ نماز کے لئے مخصوص ہے، لیکن دوسرا اور تیسرا لفظ عام تسبیح و تحمید اور یادِ الٰہی کے لئے بولا جاتا

ہے، جس کا ذکر جزء اعظم تسبیح و تحمید ہے، احادیث میں بھی تسبیح کے معنی پڑھنے کے ہیں، اور اشعار عرب و لغتِ عرب سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، قرآن کریم میں جب اس لفظ (تسبیح) کے ساتھ وقت کی تخصیص ہو گی تو اس سے کسی شبہہ کے بغیر نماز کے علاوہ کوئی اور چیز مراد نہیں ہو سکتی، کیونکہ وقتِ مخصوص کے ساتھ اسلام میں نماز کے علاوہ کوئی عام تسبیح فرض نہیں ہے، البتہ اوقات کی تخصیص کے بغیر قرآن کریم نے جہاں تسبیح کا حکم دیا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی عام یاد و توصیف مراد ہو سکتی ہے۔(۸۸)

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا۲ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا۳ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۴ (۸۹)

رات کو کھڑا رہا کرو، مگر کچھ کم، یا آدھی رات یا اس سے کچھ گھٹا دے یا بڑھا لے اور قرآن (اس میں) ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ۵۵ (۹۰)

اور اپنے پروردگار کی حمد سہ پہر اور صبح کو کر۔

وَ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (۹۱)

اور تم اس کی پاکی صبح کو اور سہ پہر کو کیا کرو۔

وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (۹۲)

اور تم اس کی پاکی صبح کو اور سہ پہر کو بیان کرو۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۲۰۵ (۹۳)

اور تو اپنے پروردگار کو اپنے دل میں گڑگڑا کر اور ڈر کر اور پست آواز میں صبح کو اور سہ پہر کو یاد کر اور بھولنے والوں میں سے نہ ہو۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (۹۴)

اور (اے رسول ﷺ) ان کو مت نکال جو اپنے پروردگار کو صبح کو اور سہ پہر کو پکارتے ہیں۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۳۶ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (۹۵)

ان گھروں میں جن کے بلند کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے اور اس کا کہ ان میں خدا کا نام لیا جائے اور ان میں وہ لوگ جن کو دنیا کا کاروبار خدا سے غافل نہیں کرتا، صبح اور سہ پہر کو خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (۹۶)

اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں۔ ان کے ساتھ صبر کرتے رہو۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ۴۸ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ۴۹ (۹۷)

اور تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیا کرو، اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی اس کی تسبیح کیا کرو۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ. اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۷۸ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ. (۹۸)

اور نماز قائم کر آفتاب کے جھکاؤ کے وقت، رات کی ابتدائی تاریکی تک اور فجر کا پڑھنا بے شک فجر کا پڑھنا پر حضور ہے اور رات کو کچھ دیر جاگ کر مزید نماز پڑھ (تہجد)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۲۵ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا۲۶ (۹۹)

اور اپنے پروردگار کا نام یاد کر صبح کو، سہ پہر کو اور کچھ رات گئے، اس کو سجدہ کر اور بڑی رات تک اس کی تسبیح کر۔

فَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا. وَمِنْ اٰنَاۗءِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى۱۳۰ (۱۰۰)

لہٰذا (اے پیغمبر) یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں، تم ان پر صبر کرو، اور سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرتے رہو، اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو، اور دن کے کناروں میں بھی، تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ۱۷ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ۱۸ (۱۰۱)

لہٰذا اللہ کی تسبیح کرو اس وقت بھی جب تمہارے پاس شام آتی ہے، اور اس وقت بھی جب تم پر صبح طلوع ہوتی ہے۔ اور اسی کی حمد ہوتی ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ اور سورج ڈھلنے کے وقت بھی (اس کی تسبیح کرو) اور اس وقت بھی جب تم پر ظہر کا وقت آتا ہے۔

فَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ۳۹ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ۴۰ (۱۰۲)

لہٰذا (اے پیغمبر) جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں تم اس پر صبر کرو، اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، سورج نکلنے سے پہلے بھی، اور سورج ڈوبنے سے پہلے بھی۔ اور رات کے حصوں میں بھی اس کی تسبیح کرو۔ اور سجدوں کے بعد بھی۔

مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ. (۱۰۳)

نماز فجر سے پہلے، اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اتار کر رکھا کرتے ہو، اور نماز عشاء کے بعد۔

قرآن کریم نے مختلف اوقات کا ذکر کر کے پانچ وقتوں کی نمازوں یعنی فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء کا عوام الناس یعنی عامۃ المسلمین کو پابند بنا کر نظم وضبط کی لڑی میں ایسا پرو دیا کہ ان کی ساری زندگی ایک ترتیب اور سلیقے پر آگئی۔

**عوام الناس کو روزے کے ذریعے نظم وضبط کا پابند بنانا:**

اسلام نے اپنی تمام عبادات کے ذریعے عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنایا ہے ایک ہی وقت میں سحری، ایک ہی وقت میں افطار پوری اُمت مسلمہ ایک ساتھ روزہ رکھتی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صُوْموا لِرؤيته وَاَفْطِرُوْا لِرؤيته (۱۰۴)

چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند کو دیکھ کر روزہ چھوڑو۔

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ اس بابت رقمطراز ہیں:

"نماز کی طرح روزہ بھی بجائے خود ایک انفرادی فعل ہے، لیکن جس طرح نماز کے ساتھ جماعت کی شرط لگا کر اسے انفرادی سے اجتماعی فعل میں تبدیل کر دیا گیا ہے، اسی طرح روزہ کو بھی ایک ذرا سی حکیمانہ تدبیر نے انفرادی عمل کے بجائے اجتماعی عمل بنا کر اس کے فوائد و منافع کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تدبیر بس اتنی سی ہے کہ روزے رکھنے کے لئے ایک خاص مہینا مقرر کر دیا گیا۔ اگر شارع کے پیش نظر محض افراد کی اخلاقی تربیت ہوتی تو اس کے لئے یہ حکم دینا کافی تھا کہ ہر مسلمان سال بھر کے دوران میں کبھی تیس دن کے روزے رکھ لیا کرے، اس طرح وہ تمام مقاصد پورے ہو سکتے تھے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، بلکہ ضبط نفس کی مشق کے لئے یہ صورت زیادہ مناسب تھی۔ کیونکہ اجتماعی عمل سے روزہ رکھنے میں جو آسانی افراد کے لئے پیدا ہوتی ہے وہ انفرادی عمل کی صورت میں نہ ہوتی اور ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنے میں نسبتاً زیادہ شدت کے ساتھ اپنی قوت ارادی استعمال کرنا پڑتی۔ لیکن اسلام کا قانون جس حکیم نے بنایا ہے اس کی نگاہ میں افراد کی ایسی تیاری کسی کام کی نہیں ہے جس کے نتیجہ میں ایک جماعت صالحہ وجود میں نہ آئے، اس لئے اس نے روزے کو محض ایک انفرادی عمل بنانا پسند نہیں کیا، بلکہ سال بھر میں ایک مہینہ روزے کے لئے مخصوص کر دیا تاکہ سب مسلمان بہ یک وقت روزہ رکھیں اور وہی نظام تربیت جس سے افراد تیار ہوں، ایک صالح اجتماعی نظام بنانے میں بھی مددگار ہو جائے"۔(۱۰۵)

**عظیم نظم وضبط کا مظاہرہ:**

روئے زمین کے تمام مسلمان خواہ وہ کسی اسلامی ملک میں بس رہے ہوں یا کسی غیر مسلم ملک میں، کسی پہاڑ پر آباد ہوں یا کسی جزیرے میں عرض دنیا کے کسی بھی گوشے میں آباد ہوں ایک مہینے کے فرض روزے انہیں ماہِ رمضان ہی میں رکھنے ہوں گے اور اس کے لئے اُسی طریقِ کار اور اُنہی اوقات کی پابندی کرنی ہوگی جو قبولیت روزہ کے لئے ضروری ہیں۔ بلاشبہ مختلف مقامات کے وقت سحر اور وقت اِفطار مختلف ہوتے ہیں لیکن نہ مہینہ تبدیل ہو سکتا ہے اور نہ

اللہ اور شارعِ اسلام کے وہ احکام جن کی روشنی میں سحری اور افطار کے اوقات معین کئے جاتے ہیں۔ (۱۰۶)

**اجماع اور اجتماع:**

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی α اپنی شہرۂ آفاق تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں رقم طراز ہیں:

"روزۂ رمضان ایک عمومی اور اجتماعی شکل کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے وہ رُسوم کی دسترس سے محفوظ ہے۔ مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور مختلف جماعتوں کا ایک چیز پر اِجماع اور اجتماع جس میں سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، روزے کو ان کے لئے آسان بنا دیتا ہے اور اس سے ان کی بہت ہمت افزائی ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کی یہ اجتماعیت خواص و عوام دونوں کے لئے ملکوتی برکتوں کے نُزول کا باعث ہے۔ اس میں اس کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے کہ اُن کے کاملین وواصلین یعنی خدا رسیدہ صالحین پر جو انوار نازل ہوں وہ بھی ان سے نیچے والوں کو فیضیاب کرتے جائیں اور ان کی دعائیں ان کے پیچھے والوں تک پہنچتی رہیں"۔(۱۰۷)

**روزے کا قانون نظم وضبط کا باعث:**

روزے کا قانون یہ ہے کہ آخر شب طلوع سحر کی پہلی علامات ظاہر ہوتے ہی آدمی پر یکایک کھانا پینا اور مباشرت کرنا حرام ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب تک پورا دن حرام رہتا ہے۔ اس دوران میں پانی کا ایک قطرہ اور خوراک کا ایک ریزہ تک قصداً حلق سے اُتارنے کی اجازت نہیں ہوتی اور زوجین کے لئے ایک دوسرے سے قضائے شہوت کرنا بھی حرام ہوتا ہے۔ پھر شام کو ایک خاص وقت آتے ہی اچانک حرامت کا بند ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ سب چیزیں جو ایک لمحہ پہلے تک حرام تھیں یکایک حلال ہو جاتی ہیں اور رات بھر حلال رہتی ہیں، یہاں تک کہ دوسرے روز کی مقررہ ساعت آتے ہی پھر حرمت کا قفل لگ جاتا ہے۔ ماہ رمضان کی پہلی تاریخ سے یہ عمل شروع ہوتا ہے اور ایک مہینہ تک مسلسل اس کی تکرار جاری رہتی ہے۔ گویا پورے تیس دن آدمی ایک شدید ڈسپلن کے ماتحت رکھا جاتا ہے۔ مقرر وقت تک سحری کرے، مقرر وقت پر افطار کرے، جب تک اجازت ہے، اپنی خواہشات نفس پوری کرتا رہے اور جب اجازت سلب کر لی جائے تو ہر اس چیز سے رک جائے جس سے منع کیا گیا ہے۔(۱۰۸)

**تمام طبقوں کا نظم وضبط:**

تمام طبقوں کے لوگوں کا مل کر ایک ہی مقصد کے حصول کے لئے بھوک پیاس کی مشقت اٹھانا، گناہوں سے اجتناب کرنا، نیکیوں اور بھلائی کی طرف لپکنا ایسا اِشتراکِ عمل ہے جو مسلمانوں میں بہترین رشتہء اُخوت اور یکجہتی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، اسی لئے ہم رمضان المبارک کو خیر وبرکت کے علاوہ ملی وحدت اور یکجہتی کا مہینہ بھی کہہ سکتے ہیں۔(۱۰۹)

**حج، شان وشوکت اور نظم وضبط کا اعلیٰ مظہر:**

حج اسلام کا وہ رکن ہے جس کی مثال کسی بھی آسمانی یا غیر آسمانی مذہب میں نہیں ملتی اور الحمدللہ حج کے موقع پر نظم وضبط کا وہ اعلیٰ مظاہرہ دیکھنے میں آتا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب کی تاریخ اس کی نظیر نہ پیش کر سکی اور نہ آئندہ

کر سکے گی۔ عظیم ترین روح پرور اور ایمان افروز عالمی اجتماع ہر سال حج کے موقعہ پر سرزمین حرم میں ہوتا ہے جہاں مختلف رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی خطوں سے تعلق رکھنے والے لوگ سب امتیازات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسلامی اخوت کا بصیرت افروز منظر پیش کرتے ہیں۔ (۱۱۰)

علامہ شبلی نعمانی اپنی مایہ ناز تصنیف سیرۃ النبی ﷺ میں رقمطراز ہیں:

"خانۂ کعبہ اس دنیا میں عرشِ الٰہی کا سایہ اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کا نقطہء قدم ہے، یہ وہ آئینہ ہے جس میں اس کی رحمت و غفاری کی صفتیں ڈال کر تمام کرۂ ارض کو اپنی شعاعوں سے منور کرتی ہیں، یہ وہ منبع ہے جہاں سے حق پرستی کا چشمہ ابلا اور اس نے تمام دنیا کو سیراب کیا، یہ روحانی علم و معرفت کا وہ مطلع ہے جس کی کرنوں نے زمین کے ذرہ ذرہ کو درخشاں کیا، یہ وہ جغرافی شیرازہ ہے جس میں ملت کے وہ تمام افراد بندھے ہوئے ہیں جو مختلف ملکوں اور اقلیموں میں بستے ہیں، مختلف لباس پہنتے ہیں، مختلف تمدنوں میں زندگی بسر کرتے ہیں، مگر وہ سب کے سب باوجود ان فطری اختلافات اور طبعی امتیازات کے ایک ہی خانہ کعبہ کے گرد چکر لگاتے ہیں اور ایک ہی قبلہ کو اپنا مرکز سمجھتے ہیں اور ایک ہی مقام کو اُم القریٰ مان کر وطنیت، قومیت، تمدن و معاشرت، رنگ وروپ اور دوسرے تمام امتیازات کو مٹا کر ایک ہی وطن، ایک ہی قومیت (آل ابراہیم) ایک ہی تمدن و معاشرت (ملت ابراہیمی) اور ایک ہی زبان (عربی) میں متحد ہو جاتے ہیں اور یہ وہ برادری ہے، جس میں دنیا کی تمام قومیں اور مختلف ملکوں کے بسنے والے، جو وطنیت اور قومیت کی لعنتوں میں گرفتار ہیں، ایک لمحہ اور ایک آن میں داخل ہوتے ہیں، جس سے انسانوں کی بنائی ہوئی تمام زنجیریں اور قیدیں اور بیڑیاں کٹ جاتی ہیں اور تھوڑے دن کے لئے عرصہ حج میں تمام قومیں ایک ملک ہیں، ایک لباس احرام میں ایک وضع میں، دوش بدوش، ایک قوم، بلکہ ایک خانوادہ کی برادری بن کر کھڑی ہوتی ہیں اور ایک ہی بولی میں اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتی ہیں، یہی وحدت کا وہ رنگ ہے، جو ان تمام مادی امتیازات کو مٹا دیتا ہے جو انسانوں میں جنگ و جدل اور فتنہ و فساد کے اسباب ہیں، اس لئے یہ حرم ربانی نہ صرف اسی معنی میں امن کا گھر ہے، کہ یہاں ہر قسم کی خونریزی اور ظلم و ستم ناروا ہے، بلکہ اس لحاظ سے بھی امن کا گھر ہے کہ تمام دنیا کی قوموں کی ایک برادری قائم کر کے ان تمام ظاہری امتیازات کو جو دنیا کی بدامنی کا سبب ہیں مٹا دیتا ہے"۔(۱۱۱)

**نظم وضبط کا بین الاقوامی فورم:**

حج اسلامیان عالم کے لئے ایک ایسے بین الاقوامی فورم کی حیثیت رکھتا ہے جسے ملت اسلامیہ عالم اسلام کو درپیش مسائل کو حل کرنے کے لئے بروئے کار لا سکتی ہے اور اس سے کماحقہ فائدہ اٹھا کر عالم اسلام کی از سر نو شیرازہ بندی کی جا سکتی ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ حج جیسے روحانی انسٹیٹیوشن کو مؤثر و فعال بنا کر سپر پاورز کے مقابلے میں اسلامی بلاک کی تشکیل کی سمت عملی قدم اٹھائے جا سکتے ہیں۔ اگر اسلامی بلاک عمل میں آجائے تو طاغوتی طاقتیں مسلمانوں پر دست ستم دراز کرتے ہوئے خوف کھائیں گی۔ اسلامیان شرق و غرب کا دل ایک ساتھ دھڑکے گا اور دنیا کے کسی خطے

میں مسلمانوں پر افتاد پڑے گی تو اس کی کسک ہر جگہ برابر محسوس کی جائے گی۔(۱۱۲)

لوگ آج یہ خواب دیکھتے ہیں کہ قومیت و وطنیت کی تنگنائیوں سے نکل کر وہ انسانی برادری کے وسعت آباد میں داخل ہوں، مگر ملت ابراہیمی کی ابتدائی دعوت اور ملت محمدی کی تجدیدی پکار نے سینکڑوں ہزاروں برس پہلے اس خواب کو دیکھا اور دنیا کے سامنے اس کی تعبیر پیش کی، لوگ آج تمام دنیا کے لئے ایک واحد زبان (اسپرنٹو) کی ایجاد و کوشش میں مصروف ہیں، مگر خانہ کعبہ کی مرکزیت کے فیصلہ نے ال ابراہیم کے لئے مدت دراز سے اس مشکل کو حل کر دیا ہے، لوگ آج دنیا کی قوموں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے ایک ورلڈ کانفرنس یا عالمگیر مجلس کے انعقاد کے لئے درپے ہیں، لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، ساڑھے تیرہ سو برس سے یہ مجلس دنیا میں قائم ہے اور اسلام کے علم، تمدن، مذہب اور اخلاق کی وحدت کی علمبردار ہے آج دنیا کی قوموں نے "ہیگ" (ہالینڈ) میں اقوامِ عالم کی مشترکہ عدالت گاہ کی بنیاد ڈالی ہے، لیکن اس کے فیصلوں کو کسی طاقت سے منوا نہیں سکتیں، لیکن مسلمان اقوام عالم کے لئے یہ مشترکہ عدالت گاہ ہمیشہ سے قائم ہے، جس کی عدالت کا حقیقی کرسی نشین خود احکم الحاکمین ہے، جس کے فیصلہ سے کسی کو سرتابی کی مجال نہیں۔

مسلمانوں ڈیڑھ سو برس تک جب تک ایک نظم حکومت یا خلافت کے ماتحت رہے، یہ حج کا موسم ان کے سیاسی اور تنظیمی ارادہ کا سب سے بڑا عنصر رہا، یہ وہ زمانہ ہوتا تھا جس میں امورِ خلافت کے تمام اہم معاملات طے پاتے تھے، اسپین سے لے کر سندھ تک مختلف ملکوں کے حکام اور والی جمع ہوتے تھے اور خلیفہ کے سامنے مسائل پر بحث کرتے تھے اور طریق عمل طے کرتے تھے اور مختلف ملکوں کی رعایا آکر، اگر اپنے والیوں اور حاکموں سے کچھ شکایتیں ہوتی تھیں، تو ان کو خلیفہ کی عدالت میں پیش کرتی تھیں اور انصاف پاتی تھی۔(۱۱۳)

اقبال نے کیا خوب کہا:

تمیز رنگ و بو ما حرام است　　که ما پروردہ یک نو بہارِ لم(۱۱۴)

**دعوت و تبلیغ کے ذریعہ نظم وضبط:**

آپ ﷺ کی پوری زندگی نظم وضبط سے عبارت ہے پیارے نبی ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے ذریعے عرب کی منتشر، جنگجو لڑنے بھڑنے والی قوم میں نظم وضبط و اتحاد پیدا کیا، اس ضمن میں دنیا کے نامور مستشرق پروفیسر ٹی، ڈبلیو، آرنلڈ اپنی مشہور زمانہ کتاب The Preaching of Islam میں رقمطراز ہیں:

"اسلام کی تعلیمات کو اہل مغرب کے سامنے سب سے پہلے ساتویں صدی مسیحی میں ایک پیغمبر نے پیش کیا جن کے علم کے نیچے دیار عرب کے متفرق و منتشر قبائل آخر کار ایک متحدہ قوم کی صورت میں جمع ہو گئے تھے۔ جب ان کی رگوں میں نئی قومی زندگی کی لہریں دوڑنے لگیں اور ان کے جوش و خروش نے ان کی فوجوں کو ایک بے پناہ اور ناقابل تسخیر قوت بخشی تو وہ دنیا کے تین براعظموں پر دیگر قوموں کو مفتوح و مغلوب کرنے کے لئے سیلاب کی طرح

پھیل گئے۔ سب سے پہلے شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ اور ایران نے ان کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ پھر وہ مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے سپین تک جا پہنچے اور مشرق میں انکی فوجیں دریائے سندھ کو عبور کر گئیں۔ ان فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے پیرو، ان کی رحلت کے سو سال بعد ایک ایسی عظیم الشان سلطنت کے مالک بن گئے جو رومی مملکت سے بھی، جبکہ اس کے عروج کا آفتاب نصف النہار پر تھا، وسیع تر تھی۔(۱۱۵)

**دعوت و تبلیغ کا نظم وضبط:**

آنحضرت ﷺ جب تک مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے بنفس نفیس اس فرض کو انجام دیتے رہے، ایک ایک کے پاس جاتے اور حق کا پیغام سناتے، شہر سے نکل کر مکہ کے آس پاس جاتے اور آنے جانے والوں کو بشارت سناتے، مکہ سے نکل کر طائف گئے اور وہاں بھی اپنا فرض ادا کیا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت تھی کہ اس نے اپنے آخری دین کا مرکز مکہ معظمہ کو قرار دیا، جو عرب کا مرکزی شہر تھا اور حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور اللہ تعالیٰ کی دعوت پیش کرتے، اسی سالانہ تبلیغ سے اسلام کو وہ جماعت ہاتھ آئی، جس کا نام انصار ہے۔(۱۱۶)

الغرض ان تبلیغی سرگرمیوں سے مکہ میں سینکڑوں آدمی مسلمان ہو چکے تھے، مگر قریش کے ظلم سے وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے مشورہ سے وہ حبشہ کی طرف روانہ ہوئے، اس سفر کی مصلحت بھی عجیب وغریب تھی، ان مظلوم مسلمانوں کی ہجرت نے یہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ اس مسافرت میں جہاں جہاں سے گزرے اسلام کی آواز پہنچاتے گئے اور اس طرح یمن اور حبشہ دونوں میں اسلام کی تحریک روشناس ہوئی۔(۱۱۷)

**صحابہ کرام ω آپ ﷺ کے نقش قدم پر:**

مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد عام مسلمانوں میں سب سے پہلے مبلغ اور داعی حق حضرت ابو بکر صدیق τ تھے، مکہ کے بہت سے معزز گھرانوں کے پرجوش نوجوان انہی کی تبلیغ سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، حضرت عثمان τ، حضرت علی τ، حضرت زبیر τ، حضرت ابو بکر τ ہی کی کوششوں سے دائرہ اسلام میں آئے، حضرت ابو بکر صدیق τ کے بعد اسلام کے دوسرے مبلغ حضرت مصعب بن عمیر τ ہیں، جن کے مؤثر وعظوں کو سن کر آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی مدینہ کے گھرانے کے گھرانے توحید کے پرستار ہو گئے تھے۔(۱۱۸)

مدینہ منورہ آکر اسلام نے امن واطمینان کی سانس لی، تو آنحضرت ﷺ نے ان نو مسلموں کی تعلیم کے لئے ایک جماعت قائم کی، جس کا نام عام طور سے اصحابِ صفہ (چبوترہ والے) مشہور ہے، اس میں بعض اوقات سو سے زیادہ آدمی داخل رہے ہیں، یہ لوگ ملک میں اسلام کی دعوت کے لئے بھیجے جاتے اور خود نو مسلموں کو تعلیم دیتے، بیر معونہ میں ستر کے قریب جو داعی اور مبلغ راہ میں بیدار دانہ قتل ہوئے تھے، وہ اسی جماعت کے ارکان تھے۔

اس کے علاوہ اکابر صحابہ ؓ جو وقتاً فوقتاً مختلف ملکوں، بادشاہوں قوموں اور قبیلوں میں اسلام کی دعوت لے کر پھیلے، احادیث وسیر کی کتابوں میں ان کے نام متفرق طور سے ملتے ہیں، میں نے تھوڑی سی کوشش سے اس قسم کے

چونتیس ۳۴ صحابیوں کے نام جمع کئے ہیں، جنہوں نے از خود آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس فرض کو انجام دیا، اُن کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابوذر غفاری ؓ، ۲۔ طفیل ابن عمرو دوسی ؓ، ۳۔ جعفر طیار ؓ، ۴۔ عمرو بن عبسہ سلمی ؓ، ۵۔ ضماد بن ثعلبہ ؓ، ۶۔ خالد بن ولید ؓ، ۷۔ علی بن ابی طالب ؓ، ۸۔ مہاجر بن ابی امیہ ؓ، ۹۔ زیاد بن لبید ؓ، ۱۰۔ خالد بن سعد ؓ، ۱۱۔ عدی بن حاتم ؓ، ۱۲۔ علاء بن حضرمی ؓ، ۱۳۔ ابو موسیٰ اشعری ؓ، ۱۴۔ معاذ بن جبل ؓ، ۱۵۔ جریر بن عبداللہ بجلی ؓ، ۱۶۔ دحیہ کلبی ؓ، ۱۷۔ عمرو بن اُمیہ ضمری ؓ، ۱۸۔ مغیرہ بن شعبہ ؓ، ۱۹۔ عمرو بن العاص ؓ، ۲۰۔ وبر بن نخیس ؓ، ۲۱۔ عروہ بن مسعود ثقفی ؓ، ۲۲۔ عامر بن شہر ؓ، ۲۳۔ منقذ بن حبان ؓ، ۲۴۔ ثمامہ بن آثال ؓ، ۲۵۔ محیصہ بن مسعود ؓ، ۲۶۔ احنف ؓ، ۲۷۔ ابوزید انصاری ؓ، ۲۸۔ عمرو بن مرہ ؓ، ۲۹۔ عیاش بن ربیع مخزومی ؓ، ۳۰۔ واثلہ بن اسقع ؓ، ۳۱۔ عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ، ۳۲۔ حاطب بن ابی بلتعہ ؓ، ۳۳۔ سلیط بن عمرو بن عبد شمس ؓ، ۳۴۔ شجاع بن وہب اسدی ؓ

ان ہی مبلغوں اور داعیوں اور قاصدوں کی پکار تھی، جس نے یمن، یمامہ، بحرین حجاز، نجد، غرض پورے عرب کو بیدار کر دیا اور عرب سے باہر ایران، شام، مصر، حبش، ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچ گیا۔ (۱۱۹)

**نظم وضبط دنیا میں اسلام کی وسعت کا باعث:**

آج دین اسلام مراکش سے لے کر زنجبار تک، سیر الیون سے سائبیریا اور دیوار چین تک اور بوسنیہ سے لے کر نیوگنی تک پھیلا ہوا ہے۔ بعض ملک خالص اسلامی ہیں اور بعض ایسے ہیں جن میں مسلمانوں کی خاصی بڑی آبادی ہے، مثلاً چین اور روس۔ ان ملکوں کی حدود سے باہر بھی اہل اسلام کی چند مختصر جماعتیں ہیں جو کفار کے درمیان رہتی ہیں مگر دین اسلام کا کلمہ پڑھتی ہیں مثلاً:

1- لتھیوانیا کے مسلمان جو تاتاری نسل سے ہیں اور پولینڈ کی زبان بولتے ہیں۔ یہ لوگ کولو، ولنو اور گروڈنو کے اضلاع میں رہتے ہیں۔

2- کیپ کالونی کے مسلمان جو ڈچ زبان بولتے ہیں۔

3- ہندوستانی قلی مزدور، جو اپنے مذہب کو اپنے ساتھ ویسٹ انڈیا کے جزائر، برٹش گائنا اور ڈچ گائنا میں لے گئے ہیں۔ گزشتہ سالوں میں انگلستان، شمالی امریکہ، آسٹریلیا اور جاپان میں بھی چند لوگ اسلام کے حلقہ بگوش بن چکے ہیں۔ (۱۲۰)

**روحانی فتوحات جاری:**

اگرچہ بعد ازاں اس عظیم الشان سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے اور اسلام کی سیاسی قوت کو زوال آگیا، تاہم

دین اسلام کی روحانی فتوحات بدستور بے روک ٹوک جاری رہیں جب تاتاری لشکروں نے دارالخلافہ بغداد کو تاخت و تاراج کیا۱۲۵۸ء اور ان کی خون آشام تلوار نے عباسی خاندان کی رہی سہی شان و شوکت کا بھی خاتمہ کر دیا، یعنی اس زمانے میں جبکہ لیون اور قشتالہ کا بادشاہ فرڈی ننڈ مسلمانوں کو قرطبہ سے نکال چکا تھا۱۲۳۶ء اور سرزمین اندلس میں اسلام کی آخری جائے پناہ یعنی شہر غرناطہ بھی عیسائی بادشاہ کا باجگزار بن چکا تھا، عین اسی زمانے میں اسلام نے جزیرہ سماٹرا میں اپنا قدم جمایا اور مجمع الجزائر ملایا میں اپنی فاتحانہ پیش قدمی کی ابتدا کی۔ یہ امر قابل غور ہے کہ اسلام نے اپنے سیاسی زوال اور انحطاط کے زمانے میں بعض نہایت شاندار روحانی فتوحات حاصل کی ہیں، مثلاً اسلام کی تاریخ میں دو موقعے ایسے آئے ہیں جبکہ وحشی کفار نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ پامال کیا، سلجوق ترکوں نے گیارہویں صدی اور تاتاریوں نے تیرہویں صدی میں، مگر ان دونوں موقعوں پر فاتحین نے اسی قوم کا مذہب اختیار کر لیا جس کو انہوں نے مغلوب کیا تھا۔ مسلمان مبلغین نے اپنا مذہب وسطی افریقہ، چین اور جزائر ہند چین میں بھی پھیلایا ہے، حالانکہ ان کو وہاں کسی دنیوی حکومت کی امداد حاصل نہ تھی۔(۱۲۱)

## غیر مسلموں کا اعتراف:

ان کے پیغمبر ﷺ کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ وہ ان میں یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ وہ اخلاقی لحاظ سے عیسائیوں سے برتر ہیں "حضرت محمد ﷺ شراب نوش اور پُرخور لوگوں سے نفرت کرتے تھے اور ان عاداتِ بد کے مقابلے میں انہوں نے پرہیز گاری اور قناعت کی تعلیم دی ہے، تاپاک اشیاء کو حرام قرار دیا ہے اور شراب نوشی کی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ عرب لوگ جنسی شہوات کے غلام ہیں، لیکن ان حرام باتوں سے اجتناب میں اپنے پیغمبر کی سنت کی پیروی کرتے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ ان باتوں میں عیسائیوں پر فوقیت رکھتے ہیں اور ہم پر اعتراض اور طعن کرتے ہیں۔ یہ جس قدر عار کا مقام ہے کہ ہماری ناپاکی اور پلیدگی، ہماری پُرخوری اور مسکرات کے کثرتِ استعمال کے سبب سے ہے۔ چند سال کی بات ہے کہ جب سلطان صلاح الدین نے ہمارے حالات دریافت کئے اور معلوم کیا کہ ہم کھانے کے وقت قیمتی ظروف استعمال کرتے ہیں تو اس نے کہا کہ ارضِ مقدس میں ایسے برتوں کا استعمال لائق نفرین ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری شان و شوکت کا اظہار عربوں کو ہمارے خلاف ابھارتا ہے اور وہ سادگی اور کفایت شعاری کے معاملے میں ہم پر فخر کرتے ہیں۔ گویا وہ زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ خدا نے شرابیوں کو دھتکار دیا ہے، لہٰذا ہم کو چاہئے کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان پر ایسا تسلط جمائیں کہ ان کو کوئی راہ فرار نظر نہ آئے"۔(۱۲۲)

## زندگی کو نظم وضبط کے ساتھ گزارنا:

ہمیں ہمارا مذہب اسلام زندگی کو نظم وضبط کے ساتھ گزارنے کو بڑی اہمیت دیتا ہے، انسانی زندگی کو مفید اور کارآمد بنانے کے لئے نظم وضبط نہایت ضروری ہے، اوقات منضبط ہوں، بے کار مشاغل میں ضائع نہ کئے جائیں، تو ان

میں بڑی برکت ہوتی ہے، تھوڑے وقت میں بہت زیادہ کام کیا جاسکتا ہے۔(۱۲۳)

ہمارے اکابرین حضرت مجدد الف ثانیα، مولانا اشرف علی تھانویα، علامہ اقبالα، اعلی حضرت فاضل بریلویα، مولانا سید ابوالاعلی مودودیα، قائد اعظمα نے اسی مختصر زندگی میں پوری ملّت کے ذہنوں میں انقلاب برپا کر دیا۔(۱۲۴)

ابن جریر کے شاگرد قاضی ابو بکر بن کامل احمد بن کامل الشجری، ابن جریر کے نظام الاوقات کو یوں بیان کرتے ہیں:

"جب کھانا کھا چکتے تو بغیر بُنے ہوئے سن کے ریشے سے بنے سخت دھاگے کے کپڑے پہن کر سو جاتے۔ گرمی میں اسے اس لئے پہنتے تاکہ جسم کو ٹھنڈک پہنچتی رہے۔ قمیض کے آستین چھوٹے ہوتے اور اسے صندل اور عرق گلاب میں رنگا ہوتا۔ پھر بیدار ہو کر گھر ہی میں ظہر کی نماز پڑھتے اور عصر تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے۔ پھر گھر سے باہر نکلتے اور عصر کی نماز پڑھتے۔ مغرب تک تعلیم و تعلم کے لئے مجلس لگاتے۔ پھر عشاء تک افتاء اور تدریس میں مشغول رہتے پھر گھر تشریف لے آتے۔ آپ نے دن اور رات کو نفس، دین اور مخلوق کے مصالح پر توفیق خداوندی کے موافق تقسیم کر رکھا تھا"۔(۱۲۵)

امام سلیم رازی، اپنے زمانے کے امام الشوافع تھے، ۴۴۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا، آپ کے بارے میں علامہ تاج سبکی فرماتے ہیں:

"آپ بہت متقی و پرہیز گار تھے، اپنے اوقات کا مکمل محاسبہ کرتے، کوئی وقت بھی بے کار نہ جانے دیتے، تحریر و تصنیف، تدریس یا مطالعہ ہر وقت کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے۔ آپ نے بہت کچھ لکھا۔"(۱۲۶)

**نظم وضبط علم قرآن کی روشنی میں:**

قرآن حکیم میں بہت ساری آیاتِ بنیات ہیں، جو کہ ہمیں نظم وضبط سکھاتی ہیں، بلکہ نظم وضبط کا حکم دیتی ہیں جن میں سے ہم چند آیات کریمہ کا ذکر کریں گے:۔

ج..... وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۴۳ (۱۲۷)

"اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔"

ج..... وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ(۱۲۸)

"اور ہر آدب ایک کے دائرہ میں تیر رہے ہیں"۔

ج..... وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا (۱۲۹)

قسم ان کی جو پرے باندھ کر صف بناتے ہیں۔

ج.....يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ

فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ (۱۳۰)

"اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بلا اجازت) داخل نہ ہو، الا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے، وہ بھی اس طرح کہ تم اس کھانے کی تیاری کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو، لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو، اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھو۔ حقیقتیہ ہے کہ اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ تم سے (کہتے ہوئے) شرماتے ہیں، اور اللہ حق بات میں کسی سے نہیں شرماتا"۔

ے..... وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (۱۳۱)

"اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو"

ے..... يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱ (۱۳۲)

"اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں دوسروں کے لیے گنجائش پیدا کرو، تو گنجائش پیدا کر دیا کرو، اللہ تمہارے لیے وسعت پیدا کرے گا، اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ، تو اٹھ جاؤ، تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کو درجوں میں بلند کرے گا، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے"۔

ے..... يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱ (۱۳۳)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سب کچھ سنتا، سب کچھ جانتا ہے"۔

ے..... وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ (۱۳۴)

"اور اللہ کی فرمانبرداری اور رسول (اللہ) کی اطاعت کرتے رہو"۔

ے..... وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝۱۶ (۱۳۵)

"اور تم میں سے جو دو مرد بدکاری کا ارتکاب کریں، ان کو اذیت دو۔ پھر اگر وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرو۔ بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے"۔

ے..... يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ (۱۳۶)

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب رسول تمہیں اس بات کے کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے"۔

ے..... لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا۲۱ (۱۳۷)

"حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو"۔

ے.....وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۳۶ (۱۳۸)

"اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مومن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے نہ کسی مومن عورت کے لیے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا"۔

ے.....يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۵۹ (۱۳۹)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں ان کی بھی۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے"۔

ے.... وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ۱۰۵ (۱۴۰)

"اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور احکام بین آنے کے بعد ایک دوسرے سے (خلاف و اختلاف کرنے لگے یہ وہ لوگ ہیں جن کو قیامت کے دن بڑا عذاب ہو گا"۔

ے..... وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (۱۴۱)

"اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی رسی) کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا"۔

ے..... وَاِنْ طَاۗىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَي الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْۗءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَاۗءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۹ (۱۴۲)

"اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ چنانچہ اگر وہ لوٹ آئے، تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو، اور (ہر معاملے میں) انصاف سے کام لیا کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

ے..... وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ۲۱ (۱۴۳)

"اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، یہ لوگ انہیں جوڑے رکھتے ہیں، اور اپنے پروردگار

سے ڈرتے ہیں، اور حساب کے برے انجام سے خوف کھاتے ہیں"۔

ζ..... يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۱۱ (۱۴۴)

"اے ایمان والو! نہ تو مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہے ہیں) خود ان سے بہتر ہوں، اور نہ دوسری عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہی ہیں) خود ان سے بہتر ہوں۔ اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بری بات ہے۔ اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں تو وہ ظالم لوگ ہیں"۔

ζ..... يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۱۲ (۱۴۵)

"اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو، اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو خود تم نفرت کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بہت مہربان ہے"۔

## نظم وضبط سے متعلق آپ ﷺ کے ہمیشہ رہنمائی کرنے والے فرامین مبارک

β..... چھوٹا بڑے کو سلام کرے اور گزرنے والے بیٹھے ہوئے کو، تھوڑے لوگ سلام کریں زیادہ لوگوں کو اور سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔ (۱۴۶)

β..... کوئی شخص کسی امام کی جگہ پر امامت نہ کرے اور اسی طرح اس کے گھر میں اس کی گدی پر نہ بیٹھے، مگر اس کی اجازت سے (۱۴۷)

β..... حضرت عمر بن ابی مسلمہ τ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی پرورش میں تھا جبکہ میں چھوٹا لڑکا تھا اور میرا ہاتھ تھالی میں ہر طرف جا رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا اے لڑکے اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور سیدھے ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھاؤ پس پھر ہمیشہ یہی میرا شیوہ رہا۔ (۱۴۸)

β..... سوتے وقت برتنوں کو ڈھانپ دو، مشکیزوں اور دروازے کو بند کر دو، اور چراغ کو گل کر دو، بے شک شیطان مشکیزوں کو کھول نہیں سکتا، دروازے کو نہیں کھول سکتا، برتن کو نہیں کھول سکتا، اور اللہ کا نام لے۔ (۱۴۹)

β..... مدینے کے ایک گھر والوں کا گھر رات میں جل گیا جب آپ ﷺ کو اس بارے میں بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا بے شک یہ آگ تمہاری دشمن ہے جو تم سو تو اس بجھا دو۔ (۱۵۰)

β..... جو شخص رات کو سویا اور اس کے ہاتھ میں کھانے کی بو ہے اور اس نے اس کو دھویا نہیں تو اس کو کسی

زہریلے جانور نے کاٹ دیا تو وہ پھر اپنے آپ کو ملامت کرے۔(۱۵۱)

β..... آپ ﷺ نے فرمایا دو لعنت کرنے والی چیزوں سے بچو، پوچھا گیا کہ دو لعنت کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے راستے میں قضائے حاجت کرے یا ان کی سایہ دار جگہوں پر۔(۱۵۲)

β..... آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر گز کوئی بھی کھڑے ہونے، پانی میں پیشاب نہ کرے اور پھر اسی میں نہائے بھی۔(۱۵۳)

β..... آپ ﷺ نے فرمایا پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں، ختنہ کرنا، زیر ناف بال کاٹنا، مونچھیں تراشنا، ناخن کاٹنا اور بغل کے بال نکالنا۔(۱۵۴)

β..... آپ ﷺ نے فرمایا جب تم سفر کرو ہرے بھرے علاقے میں تو اونٹ کو وہاں چرنے دو، اور جب سفر میں ہو تو تیز چلو اور جب رات کو کہیں ٹھہرو تو راستے سے ہٹ کر ٹھہرو کیونکہ شیطانوں اور بھوت، پریت کا ٹھکانہ ہوتا ہے۔(۱۵۵)

β..... آپ ﷺ ہر کام داھنے طرف سے کرنے کو پسند فرماتے تھے، جوتا پہننے میں، کنگھی کرنے میں، پاکی حاصل کرنے میں، اور ہر کام میں۔ (۱۵۶)

β.....جو اللہ کا تابع نہ ہو اسکی تابع داری جائز نہیں۔ (۱۵۷)

β.....نیک حاکم زمین پر اللہ کا سایہ اور اس کا نیزہ ہے۔(۱۵۸)

β.....اپنی امیدوں کو کم کرو اور اپنی موت کو آنکھوں کے سامنے رکھو۔(۱۵۹)

β.....موذی شئے کو مسلمانوں کے راستے سے ہٹادو۔(۱۶۰)

**اسوۂ حسنہ اور ٹریفک کا نظم وضبط:**

آج عوام الناس میں نظم وضبط کی کمی یا فقدان کے باعث جو چیز ہمیں سب سے زیادہ متاثر کر رہی ہے، وہ ٹریفک کا نظم وضبط ہے، ہم اس نظم وضبط سے عاری ہیں، ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی جلدی میں دیر کا کا شکار ہوتے ہیں، سگنل توڑتے ہیں، یہ سب ادب اور اسوۃ حسنہ کے خلاف ہے، آج ہمارے شہروں میں گھنٹوں ٹریفک جام رہتا ہے۔ یہاں تک ایمبولنس کو بھی راستہ نہیں ملتا، معذور، بیمار اور ضعیف شہری دم گھٹنے، ٹینشن، گھبراہٹ کے باعث عالم بالا کو سدھار جاتے ہیں، آیئے دیکھتے ہیں ڈاکٹر حمید اللہ اس بارے میں اسوۂ حسنہ کے حوالے سے کیا رہنمائی فرماتے ہیں:

"آج کل آپ کو سڑکیں بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ عرب میں کہیں سڑکیں نہ تھی۔ سڑکوں اور شاہراہوں کی جگہ عام خود رو گزر گاہیں تھی۔ سڑک کی تعمیر کی کوئی ضرورت نہیں تھیں۔ لہٰذا اس کے لئے نہ ناظم تھا، نہ محکمہ تعمیرات۔ البتہ اس کے باوجود کچھ ایسی چیزیں ملتی ہیں جو شہری نظم وضبط کے سلسلے میں کارآمد ہیں۔ حضور

ﷺ نے فرمایا ہے کہ شہر کے اندر تم گلیوں کو اتنا چوڑا رکھو کہ دو لدے ہوئے اونٹ بآسانی آمنے سامنے گزر سکیں، گویا آج کل کے الفاظ میں آسانی کے ساتھ دو لاریاں آجا سکیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی قانون سازی صرف دینی معاملات تک ہی محدود نہیں تھی اس میں دنیوی مسائل پر بھی توجہ دی گئی ہے حتیٰ کہ اس میں مکانوں کے درمیان کا راستہ بھی شامل ہے۔(۱۶۱)

آج ہم کو چاہئے کہ ہم خود بھی ٹریفک قوانین کی پابندی کریں اور دوسروں کو بھی خصوصاً اپنے بچوں کو اپنے طلباء کو اور دوستوں کو اس کا پابند بنائیں، اساتذہ اپنے اداروں میں علماء مجالس میں، خطباء ممبروں پر اس حوالے سے خصوصی آواز اٹھائیں کہ ہم ٹریفک قوانین اور ٹریفک عملے کا احترام کریں اور ان کا کہا مانیں اور اس حوالے سے اپنی زندگی میں نظم وضبط لائیں تاکہ ٹریفک کے اژدھام اور بے ہنگم پن سے نجات ملے، اور حکومت بھی ٹریفک کے عملے میں کالی بھیڑوں جن میں کام چور، رشوت خور خاص طور پر شامل ہیں صفایا کرے۔

**تعلیمی اداروں کا نظم وضبط:**

آج سب سے زیادہ نظم وضبط کے حوالے سے ہمیں جو تربیت کرنی ہے وہ طلباء کی ہے اگر آج کے طلباء کو ہم نے صحیح نظم وضبط سکھا دیا تو کل ہمیں عوام الناس میں نظم وضبط نظر آئے گا، آج ہمارے چاروں طرف تعلیمی ادارے بکھرے پڑے ہیں ان میں اسکول، کالج، مساجد میں چھوٹے مدرسے، دینی مدارس اور اب تو پرائیویٹ یونیورسٹیاں یا ان کی برانچ بھی نظر آتی ہیں ہمیں چاہئے کہ ہم نظم وضبط کے حوالے سے ان اداروں پر محنت کریں، سب سے پہلے تو ہم خود ان اداوں میں نظم وضبط پیدا کریں کہ: مدرسے کا نظم وضبط اچھا ہو۔

v..... اندرونی فضا بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے سازگار ہو۔ v..... اساتذہ کے باہمی تعلقات اچھے ہوں اور وہ آپس میں نیز صدر مدرس سے پورا تعاون کریں۔ v..... طلباء اور اساتذہ کے تعلقات خوشگوار ہوں۔ v..... مدرسے کے معمولات کی سب لوگ پابندی کریں۔ v..... طلباء کو سزا دینے یا کسی مدرس کے خلاف اقدام کرنے کی نوبت کم آئے۔ v..... مدرسے کے قواعد وضوابط اور صدر مدرس نیز انتظامیہ کے احکام کا طلبا اور اساتذہ پاس و لحاظ کریں۔ v..... حاضری اور وقت کی سختی سے پابندی کی جائے۔ v..... درجے، کھیل کے میدان یا بورڈنگ میں طلبہ شرارت سے باز اور اخلاقی معائب سے محفوظ رہیں۔ v..... مختلف مواقع کے آداب کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ v..... نظم وضبط میں لوگوں کا قلبی تعاون حاصل کرنے کے لئے ان کے مشوروں کو حتی الامکان اہمیت دی جائے اور ادارے کو نقصان پہنچائے بغیر لوگوں کی سہولتوں کا زیادہ سے زیادہ لحاظ رکھا جائے۔ v..... طلباء اور اساتذہ میں خود انضباطی پیدا کرنے اور پروان چڑھانے کی فکر کی جائے تاکہ خارجی دباؤ کی کم سے کم ضرورت پیش آئے۔(۱۶۲)

**بددلی کا شکار نہ ہوں:**

ادارے کے کارکنان اور دیگر ذمہ دار حضرات ان شرطوں کی تکمیل کے لئے کوشش کریں اور غیر معمولی

توقعات وابستہ کرنے کے بعد خلاف توقع نتائج دیکھ کر بد دلی کا شکار نہ ہوں، کارکن اگر صاحب صلاحیت ہوں اور کام کا پورا خاکہ ان کے سامنے ہو تو رفتہ رفتہ مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے اور ادارے کو سلیقے سے چلانے کے لئے ناگزیر شرائط کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ وسائل کی کمی سے کام نہیں رکا کرتے۔ اپنی جدوجہد اور اخلاص سے استحقاق پیدا کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ مایوس نہیں کرتے۔ ان کا خزانہ بے پایاں ہے۔(۱۶۳)

## نظم وضبط سے متعلق آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی ایک جھلک

معلّم ومربی اعظم چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، اپنے ہر عمل سے اپنی ہر ادا سے صحابہ کرامؓ کی نظم وضبط کی تعلیم دیتے کہ آپ ﷺ کا ہر عمل مشعل راہ ہوتا اور تا قیامت وہ ہمارے لئے نظم وضبط کا حصہ ہے۔ گھر سے نکلتے تو سلام میں ہمیشہ پہل کرتے اور فرماتے کہ سلام میں پہل کرنے والا کبر سے محفوظ ہوتا ہے۔(۱۶۴) بچوں کے ساتھ گفتگو فرماتے اور انہیں سلام کہتے۔(۱۶۵) بچوں سے پیار بھی کرتے۔(۱۶۶) بازار کو ناپسندیدہ جگہ سمجھتے۔(۱۶۷) لیکن وہاں جاتے تو ہر ایک کو سلام کرتے۔(۱۶۸) انتہائی خوش مزاج تھے اور متبسم رہتے۔(۱۶۹) مسکراتے چہرے سے ملتے اور اسے نیکی اور شائستگی قرار دیا۔(۱۷۰) صحابہؓ کی محفل میں بیٹھتے تو عام آدمی فرق محسوس نہیں کرتا تھا۔(۱۷۱) نماز صبح کے بعد خصوصی مجلس ہوتی تھی۔(۱۷۲) اس میں قصے بھی ہوتے اور ہنسی بھی۔(۱۷۳) بیماروں کی عیادت کا اہتمام کرتے۔(۱۷۴) حدیث کی کتابوں میں آپ ﷺ کا وہ مشہور جملہ موجود ہے جو اپ ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے وہ جملہ یہ ہے:"لا باس طهور ان شاء الله"(۱۷۵) مزاح بھی فرماتے۔ حضرت انسؓ کو "یاذوالاذنین" کہہ کر پکارتے۔(۱۷۶) اشعار بھی سنے، انہیں پسند بھی فرمایا، لبید کے درج ذیل ایک مصرع کو اصدق الکلمۃ کہا۔(۱۷۷)

اَلا کُل شیء مَا خلا اللہ باطلٌ  وَ کُل نعیمٍ لا محالۃَ زائلٌ

رشتہ داروں سے حسن سلوک اور ہمسایوں کا خیال آپ ﷺ کی نظم وضبط والی زندگی کا اہم حصہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

جس کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے۔(۱۷۸)

"انسؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"(۱۷۹) "حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا وہ شخص مومن نہیں، سوال کرنے پر آپ ﷺ نے جواب دیا وہ جس کی شرارتوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں"۔(۱۸۰)

"جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ والد نے اپنے بیٹے کو اچھے ادب سے بہتر عطیہ نہیں دیا۔"(۱۸۱) اسی طرح آنجناب ﷺ کو غیبت، فحش گوئی، عیب چینی، حسد، بغض اور لوگوں کے درمیان عداوت پیدا

کرنے سے شدید نفرت تھی۔(۱۸۲)عبد اللہ بن ابی۔ کے سلسلہ میں مروت کا جو طریقہ آپ ﷺ نے اختیار فرمایا تھا وہ ایک مستقل نمونہ ہے۔(۱۸۳) سماجی زندگی میں دو چیزیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک ایفائے عہد، حسن سلوک دوسرے عفو و درگزر۔ حضور ﷺ کی زندگی میں یہ دونوں خصوصیات بہت ابھری ہوئی ہیں۔ (۱۸۴) حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی اور ابوسفیان کی بیوی۔(۱۸۵) ہندہ کے ساتھ آپ کا رویہ مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ مکے والوں کو "لا تثریب علیکم الیوم"(۱۸۶) فرمانا معاشرتی اور سیاسی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح کے بے شمار واقعات ہیں جو آنجناب ﷺ کی زندگی کے اس پہلو کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ ہمارے لئے حضور ﷺ کی سیرت میں فکر و عمل کے بے مثال نمونے ہیں۔ بالخصوص نظم وضبط کے حوالے سے۔ اسلامی نقطہ نظر سے تمام اخلاق کی بنیاد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اس لئے خلق خدا کے لئے ہمدردی و خیر خواہی تمام اعمال کی محرک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ سے ساتھ اچھا سلوک کرے۔"(۱۸۷)

خلق خدا کے لئے محبت و شفقت ہر مومن سے مطلوب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث میں لوگوں کے ساتھ نرم روی کو خصوصی اہمیت دی گئی۔ حضرت عائشہ ρ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔"(۱۸۸) نفع بخش و فیض رسانی اوّلین خلق ہے۔ جس کے لئے حضور ﷺ نے توجہ دلائی، آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو انسانوں کو نفع پہنچاتا ہے۔"(۱۸۹) یہ نفع بخشی بغیر کسی ذاتی غرض و مصلحت کے ہے۔ رشتہ داروں، عام ضرورت مندوں، عام انسانوں حتیٰ کہ جانوروں سے حسن سلوک پسندیدہ رویہ ہے۔ بد سلوکی اور ضرر رسانی ناپسندیدہ رویہ ہے، آنحضور ﷺ سے مروی ہے: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن رتبے کے لحاظ سے بدترین انسان وہ ہوگا جس کے شر کے ڈر سے لوگ اسے چھوڑ دیں۔ "(۱۹۰) اسی طرح آنحضور ﷺ سے مروی بعض احادیث میں اچھی بات اور اچھا عمل پسندیدہ قرار دیا گیا ہے اور اگر انسان کو اس پر قدرت نہ ہو تو برائی کرنے اور ضرر پہنچانے سے گریز کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل احادیث میں حکمت نبوی ﷺ کا نظم وضبط ملاحظہ فرمائیں۔ "جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اچھی بات کہنی چاہئے ورنہ خاموشی اختیار کرے۔"(۱۹۱) "ہر اچھی بات صدقہ ہے"۔(۱۹۲)

**نظم وضبط در حقیقت اطاعت کا نام ہے:**

اگر ہم اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت آشکارا ہوگی کہ ہمیں ہر جگہ اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور یہی اطاعت در حقیقت نظم وضبط ہے اور اطاعت کے خلاف کو بد نظمی کہا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔"(۱۹۳)

نظم بلاشبہ ہر جماعت کے لئے ایک طبعی ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن ہماری نگاہ میں طبعی ضرورت کے

علاوہ اس کی حیثیت عین دین و اخلاق کی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت کی ہے۔ اس وجہ سے دوسروں کے ہاں نظم کی کمزوری صرف اس لئے ناگوار ہوتی ہے کہ وہ کام میں حائل ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے لئے تو وہ ایسی معصیت ہے جو عاقبت کو خراب کر دینے والی ہے۔ پس نظم کو کسے رکھنا اور اس کے لئے ہر رفیق کا پاسبان بن کر کھڑے رہنا ضروری ہے۔ نظم کے سلسلے میں چند اہم امور کا تذکرہ کر دینا مناسب ہو گا۔ نظم کی ریڑھ کی ہڈی امر و اطاعت کا توازن ہے، یہ توازن بر قرار نہ رہے تو پھر نظم کے سرے سے کوئی معنی نہیں رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امر و طاعت کے توازن کو درہم برہم کر دینا گناہ کبیرہ ہے۔ جو عین اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے اور جس کے بعد دنیا و آخرت کی فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔ (۱۹۴)

کسی بھی نظام میں اطاعت کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ایسے اجڈ معاشرے میں جذبہ اطاعت کو پروان چڑھانا زیادہ اہم ہے، جس میں کوئی بھی شخص کسی دوسرے کی بات کو اہمیت دیتے ہوئے اس پر کان دھرنے یا توجہ دینے کے لئے تیار نہ تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتدریج اس قدر فرمانبرداری سکھا دی کہ جب آپ ﷺ نے اٹھارہ سالہ نوجوان کو ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا، جس میں ابو بکر، عمر اور علی ؓ جیسے بڑے بڑے صحابہ کرام ؓ شامل تھے۔ (۱۹۵)

**صحابہ کرام ؓ کا جذبہ اطاعت:**

صحابہ کرام ؓ کے ہاں جذبہ اطاعت کو اس قدر اہمیت حاصل تھی کہ حضرت ابو بکر ؓ نے مسلمانوں کے خلیفہ ہونے کے باوجود حضرت عمر بن خطاب ؓ کو اپنے پاس مشاورت و وزارت کی غرض سے ٹھہرانے کی اجازت لینے کے لئے نوجوان سپہ سالار حضرت اسامہ ؓ سے درخواست کی۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ ؓ کو سپہ سالار مقرر فرمایا تھا اور ان کی اطاعت واجب تھی، اس لئے خلیفۂ وقت بھی اجازت مانگ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ عدم اطاعت کی صورت میں بدامنی اور فتنوں کے دروازے کھلیں گے، اسی لئے آپ ﷺ نے آخر دم تک اطاعت کو بہت زیادہ اہمیت دی اور اس سلسلے میں آپ ﷺ کو بے مثال کامیابی بھی حاصل ہوئی، یہاں تک کہ جب حضرت عبد اللہ بن حذافہ سہمی ؓ نے مسلمانوں کے ایک لشکر کے سپہ سالار کی حیثیت سے اپنے ماتحتوں کو آگ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو ان میں سے بعض عملاً اس میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو گئے تھے، حالانکہ یہ اقدام خودکشی کے مترادف تھا، اسی لئے ان میں سے بعض دیگر حضرات نے کہا: "ہم نے آگ سے بچنے کے لئے نبی کریم ﷺ کی پیروی اختیار کی، پھر کیا ہم اسی میں داخل ہو جائیں؟" رسول اللہ ﷺ نے اس واقعے پر ارشاد فرمایا: "اگر وہ اس میں داخل ہو جاتے تو پھر ہمیشہ اسی میں رہتے۔ اطاعت صرف نیکی میں ہے" (۱۹۶)

جذبہ اطاعت کے اثرات اس قدر گہرے تھے کہ صحابہ کرام ؓ کے سروں پر تلواریں چل رہی ہوتی تھیں، لیکن جب تک سپہ سالار کی طرف سے حکم نہ ملتا اس وقت تک ان میں سے کوئی پیچھے ہٹنے کا سوچتا بھی نہ تھا۔ اگر یہ بات

نہ ہوتی اور ہر سپاہی اپنی من مانی کرتا تو مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی، ان کا شیرازہ بکھر جاتا اور ہر معاملہ الٹ ہو جاتا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَطِيْعُوا اللہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْہَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللہَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۴۶ (۱۹۷)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

## حاصل کلام:

عوام الناس میں نظم وضبط اسلام کو بالکل اسی طرح مطلوب ہے جس طرح پانی مچھلی کو مطلوب ہوا کرتا ہے، ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ اسلام نظم وضبط کو اتنی غیر معمولی اہمیت کیوں دیتا ہے، وہ ایک منظم سیاسی نظام کے قیام کو کیوں ضروری سمجھتا ہے؟ اور وہ اس نظام کے سربراہ کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کیوں قرار دیتا ہے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی غرض وغایت پوری کرنے میں نظم وضبط کا بڑا خاص حصہ ہے، اور دین و ایمان کے مفادات کی اہم ترین خدمت نظم وضبط کے ذریعے سرانجام پاتی ہے۔

اگر مسلمانوں کی زندگی سے نظم وضبط کو نکال دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان تو موجود ہیں، لیکن ان کا کوئی معاشرہ نہیں ہے اور اگر معاشرہ بن بھی گیا تو ایسا معاشرہ جس کا نہ تو شیرازہ ہے اور نہ اجتماعی نظم اور اگر شیرازہ اور اجتماعی نظم ہوا بھی تو وہ قرآنی اور اسلامی نہ ہوگا۔

## نظم وضبط کے بیش بہا ثمرات:

جو زندگی نظم وضبط سے خالی ہو وہ دین و ایمان کے لئے شدید خطرات پیدا کر دیتی ہے اور مسلمانوں کو شیطان کا صیدِ زبوں بنا دیتی ہے۔(۱۹۸)

اور اگر مسلمانوں کی زندگی میں نظم وضبط ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

يَدُ اللہ عَلَى الجماعةِ (۱۹۹)

"اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔"

یعنی نظم وضبط والی زندگی ہی وہ زندگی ہے جس میں مسلمان اللہ کی نوازشوں اور نصرتوں کے فی الواقع حقدار بنتے ہیں۔

## نظم وضبط تمام انبیاءؑ کی سنت:

نظم وضبط صرف اسلام تک محدود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے ہر دین تک اس کا دائرہ وسیع ہے، اُمت مسلمہ سے پہلے کی اُمت بنی اسرائیل کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبيآء(۲۰۰)

"بنی اسرائیل کا نظام و نظم وضبط انبیاء چلاتے تھے۔"

ہمیں اپنی زندگی میں نظم وضبط پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم وقت کی قدر کریں، غفلت کی نیند سے بیدار ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: "دو نعمتیں ایسی ہیں جن سے لوگ کماحقہ فائدہ نہیں اٹھاتے اور وہ ہیں: صحت اور فرصت" ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زندگی میں نظم وضبط لانے کے لئے ٹائم مینجمنٹ کی تربیت حاصل کریں۔ جو لوگ ٹائم مینجمنٹ کی تربیت حاصل کرتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ عموماً انہیں اپنی عادات کو بدلنے میں تیس دن لگتے ہیں۔ پھر جو لوگ ٹائم مینجمنٹ کی تربیت حاصل کر لیتے ہیں اور اس تربیت کو اپنی زندگی میں عملاً بھی اپنا لیتے ہیں انہیں اس کے فوائد بہت زیادہ ملتے ہیں۔

وہ کس طریقے سے؟ اس کی مثال دی جاتی ہے چائنیز بانس کے پودے یا درخت سے بانس کے ان پودوں کی کاشت کے لئے چار سال تک پانی دینے کے باوجود پودوں کا قد صرف ایک فٹ بڑھتا ہے لیکن پانچویں سال میں جا کر ۸۰ فیٹ طویل تنے نکلتے ہیں۔ تو جو لوگ ٹائم مینجمنٹ کی تربیت حاصل کرتے ہیں وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سے فائدہ کیا ہو گا؟ شروع کے چند ایام میں یا چند ہفتوں میں آپ کو یہ محسوس ہو گا کہ کوئی فائدہ نہیں ہو رہا اور محنت تکلیف دہ ہے، لیکن اس کے بعد آپ کی زندگی منظم ہو جائے گی اور آپ کی زندگی میں ضبط آجائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ اس کے فوائد آپ کو بہت بڑے انعامات کی صورت میں ملیں گے۔(۲۰۱)

ٹائم مینجمنٹ کے اصول سیکھ کر اپنی زندگی کو منظم کر کے، اپنے آپ کو منظم (سیلف آرگنائز) کر کے آپ اپنی زندگی کے جو مقاصد ہیں اور جو اہداف ہیں، وہ بہت آسانی کے ساتھ حاصل کر سکیں گے۔ اس لئے کہ آپ کی تربیت ہو جائے گی، اس تیراک کی مانند، جس کو تیرنا آتا تھا اور اس کو منزل پر پہنچنا آسان ہو گیا اور جس کو تیرنا نہیں آتا تھا وہ ڈوب گیا۔(۲۰۲)

فائدہ ٹائم مینجمنٹ کا یہ ہے کہ آدمی کو ایک سکون ملتا ہے، ٹینشن اور اسٹریس کی کمی ہو جاتی ہے۔ ورنہ عام زندگی میں انسان کی زندگی ایسے گزر رہی ہے جیسے ذہن پر سکون Pieces of Mind ہو رہے ہوں، اس بات کی امید ہے کہ ٹائم مینجمنٹ کے ذریعے سے آپ کو ذہنی سکون نصیب ہو جائے گا، اور نتیجہ یہ نکلے گا، کہ آپ اپنے ارد گرد کے ماحول میں ایک مؤثر شخصیت کے طور پر ابھریں گے۔ ایک ایسے فرد کے طور پر جو اپنے نصب العین کو، اپنے مقاصد اور اہداف کو لے کر آگے بڑھ رہا ہے اور اپنی زندگی کے مقاصد حاصل کر رہا ہے اور جو بھی کام وہ کر رہا ہے وہ نتیجہ خیز ثابت ہو رہے ہیں۔ (۲۰۳)

ابن الجوزی α فرماتے ہیں انسان کی عمر اور زندگی ایک قیمتی سرمایہ ہے، مجھے تعجب ہے کہ لوگ اس بارے میں کوتاہی کا شکار ہیں، جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ دنیا میں مسابقت کا میدان ہے اور عمر کی کوئی نہ کوئی انتہاء ہے،

البتہ اس میدان میں مسابقت میں درجات کا فرق انسان کی ہمت اور حوصلہ کے بقدر ہے، اور ہمتوں کا فرق ایمان بالآخرت کے بقدر ہوتا ہے پس جو ایمان ویقین میں صادق ہوتا ہے وہ سعی و کوشش کرتا ہے اور جسے راستے کے طویل ہونے کا یقین ہوتا ہے وہ سفر کی خوب تیاری کرتا ہے اور جس کی معرفت میں کمی ہوتی ہے وہ پست ہمت ہوتا ہے اور جو مقصود سے واقف نہیں ہوتا وہ بے ہدایت اور بے بصیرت پھرتا ہے۔(۲۰۴)

ہم اکثر کفار کے محکم منصوبوں کے بارے میں شکوے و شکایتیں سنتے رہتے ہیں جو اسلام، امت مسلمہ اور اس کے علمبرداروں کے خلاف پائے جاتے ہیں اور جب مسلمان آزمائشوں اور فتنوں کا شکار ہو جاتے ہیں یا بحرانوں اور مصیبتوں کے شکنجہ میں ان کی گردنیں پھنس جاتی ہیں تو اسلام کے ماننے اور ان کے رہنما اکثر معذرتیں کرنے لگتے ہیں، کہ یہ دشمنان اسلام کے تیار کئے ہوئے منصوبے ہیں۔ صیہونیت بھی منصوبے بناتی ہے۔ استعمار اپنے مختلف الوان کے باوجود منصوبے بناتا ہے۔ بت پرست قوم بھی منصوبے بناتی ہے حتیٰ کہ تمام اسلام دشمن قوتیں ہمیں نیست و نابود کرنے کے منصوبے تیار کرتی ہیں، صلیبی قوتیں بھی منصوبے بناتی ہیں۔ ہماری تحریک کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں کہ ہم ایک قدم بھی نہیں چل سکتے اور جب چلتے ہیں تو ہمارے قدم اس راستہ پر اٹھتے ہی نہیں جو ہمیں ہماری منزل تک پہنچاتا ہو اور جب ہم صحیح سمت پر چلتے ہیں تو ہمارے راستوں کو کھائیوں، پتھروں اور رکاوٹوں سے پر کر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ اپنی منزل مراد تک پہنچنے سے پہلے ہی ہماری قوتیں مفلوج اور منتشر ہو جاتی ہیں۔(۲۰۵)

لیکن! آخر کب تک ہم ایک ایسی امت بنے رہیں گے جسے دشمن صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے گھناؤنے منصوبے بناتے رہتے ہیں؟ ہم خود اپنے لئے کوئی منصوبہ کیوں نہیں بناتے۔ ہم اپنے دشمنوں کے منصوبے کو خاک میں کیوں نہیں ملا دیتے؟ کیا ہمارے پاس اِن جیسی عقل موجود نہیں ہے؟ کیا ہمارے پاس وہ قوتیں اور صلاحیتیں نہیں ہیں جن سے دشمن بہرہ ور ہیں؟ یہ ساری طاقتیں و امکانات اِن کے پاس ہی تو جمع نہیں ہو گئے ہیں۔ کیا ہمارے پاس ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہماری قوت کا باعث ہو؟ کیا ہمارے پاس کوئی ایسی تہذیب نہیں ہے جو ہمارے اندر یہ شعور اجاگر کرے کہ ہم دنیا کی سیادت و قیادت کے اہل ہیں؟ ہاں! کیوں نہیں۔ بخدا یہ سب کچھ موجود ہے۔(۲۰۶)

ہمارے اندر جس چیز کی کمی ہے وہ سنجیدہ غور و فکر، ٹھوس سعی و عمل، راست رجحان اور تاریخ کے تجربات سے استفادہ اور حقیقی نظائر کے مطالعہ کے ذریعہ۔ مطالعہ جو ماضی کے بارے میں کسی تعصب کا شکار نہ ہو اور نہ دور جدید کے متعلق کسی فریب خوردگی میں مبتلا ہو۔ سنجیدہ تدبر اور ٹھنڈے اور پر سکون تفکر کی صلاحیتوں کو مجتمع کرنا ہے۔ جب ہی آپ اس خیر کثیر اور راست اور سلیم منصوبہ بندی تک پہنچ سکیں گے۔(۲۰۷)

**بد نظمی، ہلاک کر دینے والی:**

اُمت مسلمہ آج جس زبوں حالی کا شکار ہے، اس میں جہاں اور بہت سے عوامل اثر انداز ہو رہے ہیں، ایک اہم اور بڑی وجہ نظم وضبط کا فقدان ہے، نظم وضبط کا یہ فقدان ہماری عام زندگی میں، سفر میں، بازار میں، اجتماعات میں

اور ہر جگہ دیکھا جاسکتا ہے، بد نظمی در حقیقت ہلاک کر دینے والی ہے۔ عذاب یہی نہیں کہ آسمان سے پتھر برسیں، قوت کار کو مفلوج کر دینے والی بد نظمی بھی در حقیقت ایک بڑا عذاب ہے، جو ہم پر مسلط ہے یا جسے خود ہم نے اپنے ہاتھوں سے مسلط کر رکھا ہے۔ خود کو اس عذاب کی گرفت سے بچانے کے لئے بڑی مربوط اور ہمہ گیر و ہمہ پہلو جدوجہد کی ضرورت ہے، اس کے لئے جہاں ہم بے شمار دوسرے اقدام سوچ سکتے ہیں، ان میں سے اہم یہ ہے کہ کم از کم نسل نو کو ابتدا ہی سے نظم وضبط کا خوگر بنایا جائے۔(۲۰۸)

**عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کی چند تجاویز:**

حکومت وقت، دانشوران، صحافی، میڈیا، علماء، خطباء سب کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اپنی حیثیت میں عوام الناس میں نظم وضبط کا احساس پیدا کریں اور انہیں ترغیب دیں کہ وہ دنیا کے ہر معاملے میں نظم وضبط اپنائیں۔

**اطاعت:**

نظم وضبط کا دوسرا نام اطاعت ہے، چاہے وہ اللہ کی ہو، رسول اللہ ﷺ کی ہو، یا امیر کی ہو، یا صاحب اقتدار کی، ہم سب کا فرض ہے کہ عوام میں اطاعت کا جذبہ ابھاریں، دین اسلام کے محاسن کے ساتھ ساتھ انہیں ترغیب دیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور جو تم میں صاحب حکومت ہیں ان کی بھی"۔(۲۰۹)

**قانون کی پابندی:**

عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر صورت میں قانون پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے، صدر پاکستان ہو یا وزیر اعظم، سپہ سالار ہو یا عام شہری، سب قانون کی پاسداری کریں اور اللہ کے حکم کے مطابق "اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ" پر عمل کریں۔ (۲۱۰)

**تعلیم عام ہو:**

عوالناس میں نظم وضبط پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر سطح پر تعلیم کو عام کر دیں، کیونکہ تعلیم عوام کو شعور عطا کرے گی اور ان میں اطاعت اور نظم وضبط کا مادہ پیدا ہو گا، آپ ﷺ نے فرمایا: "جو موجود ہے وہ میری تعلیمات کو اس تک پہنچا دے جو موجود نہیں ہے"(۲۱۱)

**آگاہی مہم:**

وقتاً فوقتاً حکومت پاکستان، صوبائی حکومت، مقامی حکومت، ویلفیئر تنظیموں کی جانب سے عوام الناس کے لئے آگاہی مہم ہو کہ وہ ٹریفک قوانین کی پابندی کریں، کچرا اِدھر اُدھر نہ پھینکیں، اپنے بچوں کو لازمی طور سے حفاظتی ٹیکے لگوائیں، سگنلز، سائن بورڈ کی حفاظت کریں، قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ساتھ تعاون کریں، کوئی بچہ اسکول جانے سے محروم نہ رہ جائے وغیرہ وغیرہ۔

**ذاتی نظم وضبط کے سات اصول:**

ایک رات پہلے ہی تیاری مکمل کرلیں، 2اپنے وقت کا شیڈول بنائیں، 3صبح کام پر جاکر جلدی کام شروع کریں، 4فائلنگ سسٹم کو نظم وضبط میں رکھیں، 5اہم ترین کام اس وقت کریں جب آپ ذہنی طور پر پر سکون ہوں، 6اپنے کام کو مختصر تیار کردہ نوٹس سے کریں، 7کام کرنے کا ماحول پیدا کریں۔ (۲۱۲)

**آبادی کنٹرول ہو:**

شہروں کی آبادی جو بے ہنگم طریقے سے بڑھ رہی ہے اس کو روکا جائے، نئے شہر بنائے جائیں، کچی آبادیوں کو کنٹرول کیا جائے کہ یہ جرائم کا گڑھ ہیں اور نظم وضبط کی خلاف ورزی یہیں سے ہوتی ہے۔

**غربت وتنگدستی کا خاتمہ:**

اگر ہم چاہتے ہیں کہ عوام الناس نظم وضبط کے پابند ہوں تو پھر ضروری ہے کہ روٹی، کپڑا، مکان ہر ایک کو میسر کریں، کیونکہ غربت کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: "قریب ہے کہ افلاس کفر تک پہنچادے"(۲۱۳)

اس لئے ضروری ہے کہ ہر سطح پر غربت کا خاتمہ کیا جائے، خوشحال معاشرہ نظم وضبط کے زیادہ قریب ہوتا ہے، غربت تنگدستی، افلاس اور فقر وفاقہ کے کوکھ سے بدنظمی اور جرائم جنم لیتے ہیں۔

**قرآن وسنت کو عام کیا جائے:**

قرآن وسنت کا ہر حکم ہمیں اطاعت اور نظم وضبط کا پابند بناتا ہے، ہر اچھا مسلمان نظم وضبط کا پابند ہوگا، بلکہ اس کی زندگی نظم وضبط کی عکاسی ہوگی، صبح فجر سے لے کر عشاء کے بعد تک ایک بندۂ مؤمن کی زندگی ایک نظام الاوقات کے تحت نظر آتی ہے، اس لئے عوام الناس کے لئے اگر ہم نے قرآن وسنت کی تعلیم عام کردی تو وہ ازخود اطاعت، قانون اور نظم وضبط کے دائرے میں آجائیں گے۔

**حرفِ آخر:**

ہمارا مذہب، قرآن وحدیث سارا کا سارا نظم وضبط سے عبارت ہے، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو اطاعت کا حکم دیا ہے یہ اطاعت ہی نظم وضبط ہے اور تمام اسلامی عبادات نظم وضبط سکھاتی ہیں، نظم وضبط درحقیقت ایک لگام ہے، جو انسان کی جبلت اور اس کی منہ زور خواہشات کو کنٹرول میں رکھتا ہے، تعلیمات نبوی ﷺ ہم کو زندگی نظم وضبط کے ساتھ گزارنا سکھاتی ہیں اور حقیقت کے طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نظم وضبط ایک رحمت ہے اور بدنظمی ایک عذاب ہے آج اگرچہ اُمت مسلمہ بدنظمی کا شکار ہے، خود ہماری مملکتِ خداداد پاکستان بدنظمی کا شکار ہے، لیکن ہم کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، بس ہر ایک اپنے حصے کا چراغ جلائے، نظم وضبط کی روشنی چہار سو بکھر جائے گی۔ اقبال نے کیا خوب کہا تھا۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے ذارنم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی (۲۱۴)

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ. ۝ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ. ۝ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۸۸ ۝(۲۱۵)

وَصَلَى اللهُ عَلَى النبى الكريم وَعَلَى اٰلِه واصحابه وسلم.

ژژژ

ژ

## حواشی وحوالہ جات

۱۔ القرآن، سورۃ صفت، آیت ۱

۲۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۴۳

۳۔ القرآن، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۳

۴۔ القرآن، سورۃ المجادلہ، آیت ۱۱

۵۔ القشیری، مسلم بن الحجاج صحیح مُسلم، دارالمعرفہ، بیروت، ۲۰۰۷ء، کتاب الامارۃ، رقم الحدیث ۴۷۴۰، ص ۸۷۶

۶۔ القشیری، مسلم بن الحجاج صحیح مُسلم، محولہ سابقہ، کتاب السلام، رقم الحدیث ۵۶۱۱، ص ۱۰۱۷

۷۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، موسوعۃ الحدیث الشریف ریاض، دارالسلام، ۲۰۰۰ء، رقم الحدیث ۳۲۸۰، ص ۲۶۵

۸۔ اقبال، ڈاکٹر محمد اقبال، کلیات اقبال، لاہور، خزینۂ علم وادب، ص ۳۱۵

۹۔ آغا شورش کاشمیری، قلم کے چراغ، لاہور، دارالکتاب، ص ۷۱

۱۰۔ غالب، اسد اللہ خان، دیوانِ غالب، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ص ۱۸۸

۱۱۔ فیروز اللغات، فیروز سنز، کراچی ص ۶۸۳

۱۲۔ مصباح الکتاب، میر محمد کتب خانہ کراچی، ص ۸۸۷

۱۳۔ فیروز اللغات، فیروز سنز، کراچی، ص ۴۶۵

۱۴۔ مصباح اللغات، محولہ سابقہ، ص ۴۹۰

۱۵۔ القرآن، سورۃ صفت، آیت ۱

۱۶۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۱۰۳

۱۷۔ حالی، خواجہ الطاف حسین، مسدّس حالی، لاہور، تاج کمپنی لمیٹڈ، ص ۱۳

۱۸۔ قشیری، مسلم بن الحاج، صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب الامادہ، رقم الحدیث ۴۷۲۴، ص ۸۷۶

۱۹۔ صحیح مسلم، محولہ سابقہ، رقم الحدیث ۴۷۳۹

۲۰۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، موسوعۃ الحدیث الشریف ریاض، دارالسلام، ۲۰۰۰ء، کتاب

الجہاد، رقم الحدث ۲۶۰۹، ص ۱۴۱۶
۲۱۔ القرآن، سورۃ صفٰت، آیت ۱۶۵
۲۲۔ مفتی محمد شفیعؒ، معارف القرآن، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۸۳، جلد ہفتم، ص ۴۱۷
۲۳۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، اسلامی فلسفہ زندگی، لاہور، منہاج پبلیکیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۲۳۱
۲۴۔ سلیمان الاشعث، سنن ابو داؤد، محولہ سابقہ، کتاب الادب، باب فی العصبیۃ، رقم الحدیث ۵۱۲۱
۲۵۔ ایضاً
۲۶۔ ایضاً
۲۷۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، اسلامی فلسفہ زندگی، محولہ سابقہ، ص ۲۳۳
۲۸۔ ایضاً، ص ۲۳۴
۲۹۔ محمد امین، ڈاکٹر، مسلم نشاۃ ثانیہ، لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۴ء، ص ۴۸
۳۰۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، اسلامی فلسفہ زندگی، محولہ سابقہ، ص ۲۳۶
۳۱۔ ابو الکلام آزاد، مولانا، امام الہند، سیرت رسول ﷺ کے عملی پہلو، اسلامیکا فاؤنڈیشن، ۲۰۰۹ء، کراچی، ص ۱۵۸
۳۲۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، اسلامی فلسفہ زندگی، محولہ سابقہ، ص ۲۳۷، ۲۳۸
۳۳۔ حامد انصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، لاہور، الفیصل ناشران کتب، ص ۳۹۹
۳۴۔ القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۶۶
۳۵۔ القرآن، سورۃ النحل، آیت ۹
۳۶۔ القرآن، سورہ فاطر، آیت ۳۲
۳۷۔ حامد انصاری، مولانا، اسلام کا نظامِ حکومت، محولہ سابقہ، ص ۳۹۹
۳۸۔ القرآن، سورۃ الاعراف، آیت ۱۰
۳۹۔ القرآن، سورۃ النبا، آیت ۱۱
۴۰۔ القرآن، سورۃ الزخرف، آیت ۳۲
۴۱۔ القرآن، سورۃ طٰہ، آیت ۱۲۴
۴۲۔ حامد انصاری، مولانا، اسلام کا نظامِ حکومت، محولہ سابقہ، ص ۳۹۹
۴۳۔ خطیب تبریزی، محمد بن عبد اللہ، مشکوۃ المصابیح، دہلی، اصح المطابع، باب الرفق و حسنِ الخق، ص ۴۳
۴۴۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط، ۷:۲۵، رقم الحدیث ۶۷۴۴
۴۵۔ طبرانی، المعجم الکبیر، رقم الحدیث ۱۰۱۱۸

۴۶۔ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، محولہ سابقہ، فصل الثالث، باب الغضب والکبر ص ۴۳۴
۴۷۔ حامد انصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، محولہ سابقہ، ص ۴۰۰
۴۸۔ یوسف القرضاوی، ڈاکٹر، اسلامی نظام، لاہور، البدر پبلیکیشنز، ص ۲۷۰
۴۹۔ ایضاً، ص ۲۷۰
۵۰۔ ایضاً، ص ۲۷۱
۵۱۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم استعمال واناء الذھب والفضّہ، رقم الحدیث: ۲۰۶۹
۵۲۔ خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل ﷺ، لاہور، الفیصل، ص ۳۳۰
۵۳۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۹
۵۴۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۸۰
۵۵۔ خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، محولہ سابقہ، ص ۳۳۰
۵۶۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ، لاہور، منہاج القرآن، ۲۰۱۲ء، جلد اوّل، ص ۴۸۶
۵۷۔ ایضاً، ص ۴۸۶
۵۸۔ Michael H. Hart, The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History.
بحوالہ سیرۃ الرسول، ڈاکٹر طاہر القادری، محولہ سابقہ، ص ۴۸۶،
۵۹۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، سیرۃ اسرسول ﷺ، محولہ سابقہ، مقدمہ جلد اوّل، ص ۴۸۸
۶۰۔ خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، محولہ سابقہ، ص ۳۳۱
۶۱۔ محمود شیث خطاب، الرسول القائد، بغداد، مکبہ الحیاۃ، ۱۹۶۰ء، ص ۳۳۱
۶۲۔ خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، محولہ سابقہ، ص ۳۰۸
۶۳۔ سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، مصر، مطبع السعادۃ، کتاب الجہاد، باب مایؤمر من انضمام العسکر، ۴/ ۱۶
۶۴۔ احمد بن حنبل، امام، المسند، مصر، دارالمعارف، ۴/ ۱۹۴
۶۵۔ ایضاً، مسند احمد
۶۶۔ خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، محولہ سابقہ، ص ۳۰۹
۶۷۔ البخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، محولہ سابقہ، کتاب الجہاد، مایکرہ الصوت، رقم الحدیث ۲۹۹۲، ص ۲۴۰
۶۸۔ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، ابواب الجہاد، باب وصیۃ الامام، رقم الحدیث: ۲۸۵۷، ص ۲۶۴۹
۶۹۔ مؤطا، کتاب الجہاد، بحوالہ: ڈاکٹر خالد علوی، انسان کامل، محولہ سابقہ، ص ۳۱۰، ۳۱۱

۷۰۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، فلسفہ نماز، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۴۰
۷۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۷
۷۲۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، فلسفہ نماز، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۴۵
۷۳۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۳۶
۷۴۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، فلسفہ نماز، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۵۱
۷۵۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، فلسفہ نماز، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۵۲
۷۶۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، فلسفہ نماز، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۵۲
۷۷۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۳۷
۷۸۔ ابن عبد البر القرطبی، جامع بیان العلم، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱:۶۲
۷۹۔ صحیح مسلم، ۲:۱۲۴
۸۰۔ بحوالہ فلسفۂ نماز، محولہ سابقہ، ص ۶۲
۸۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۴۰
۸۲۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۱۰۳
۸۳۔ القرآن، سورۃ بقرہ، آیت ۲۳۸
۸۴۔ القرآن، سورۃ معارج، آیت ۳۴
۸۵۔ القرآن، سورۃ مومون، آیت ۹
۸۶۔ القرآن، سورۃ انعام، آیت ۹۲
۸۷۔ القرآن، سورۃ معارج، آیت ۲۳
۸۸۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، محولہ سابقہ، جلد ۵، ص ۷۴
۸۹۔ القرآن، سورۃ مزمل، آیت ۲ تا ۴
۹۰۔ القرآن، سورۃ المؤمن، آیت ۵۵
۹۱۔ القرآن، سورۃ فتح، آیت ۴۲
۹۲۔ القرآن، سورۃ فتح، آیت ۹
۹۳۔ القرآن، سورۃ العراف، آیت ۲۰۵
۹۴۔ القرآن، سورۃ انعام، آیت ۵۲
۹۵۔ القرآن، سورۃ نور، آیت ۳۶، ۳۷

۹۶۔ القرآن، سورۃ کہف، آیت ۲۸
۹۷۔ القرآن، سورۃ طور، آیت ۴۸،۴۹
۹۸۔ القرآن، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۷۸۔۷۹
۹۹۔ القرآن، سورۃ دھر، آیت ۲۵،۲۶
۱۰۰۔ القرآن، سورۃ طہ، آیت ۱۳۰
۱۰۱۔ القرآن، سورۃ روم، آیت ۱۷،۱۸
۱۰۲۔ القرآن، سورۃ ق، آیت ۳۹،۴۰
۱۰۳۔ القرآن، سورۃ نور، آیت ۵۸
۱۰۴۔ مسلم بن الجہاد، صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب الصوم، رقم الحدیث ۲۵۱۱، ص ۴۸۴
۱۰۵۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۷۵
۱۰۶۔ طالب ہاشمی، حسن گفتار، لاہور، البدر پبلیکیشنز ۲۰۰۹ء، ص ۲۴۳
۱۰۷۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، لاہور، مکتبہ السلفیہ، ص ۳۰۱
۱۰۸۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۵۰
۱۰۹۔ طالب ہاشمی، حسن گفتار، محولہ سابقہ، ص ۲۴۵
۱۱۰۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، فلسفہ نماز، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۴۶
۱۱۱۔ شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی ﷺ، محولہ سابقہ، جلد ۵، ص ۲۰۱
۱۱۲۔ محمد طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر، فلسفہ نماز، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۴۶
۱۱۳۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، محولہ سابقہ، ص ۲۰۲
۱۱۴۔ محمد اقبال، علامہ، ارمغان حجاز، لاہور، اکادمی، ص ۳۳۷
۱۱۵۔ ٹی، ڈبلیو، آرنلڈ، The Preaching of Islam اور ترجمہ دعوت اسلام، لاہور، محکمہ اوقاف پنجاب، ص ۲۳
۱۱۶۔ شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی ﷺ، کراچی، دارالاشاعت، جلد چہارم، ص ۶۶۰
۱۱۷۔ ایضاً، ص ۶۶۰
۱۱۸۔ ایضاً، سیرۃ النبی ﷺ، ص ۶۶۶
۱۱۹۔ شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی ﷺ، محولہ سابقہ، ص ۶۶۱
۱۲۰۔ ٹی، ڈبلیو آرنلڈ، دعوت اسلام، محولہ سابقہ، ص ۲۶
۱۲۱۔ ایضاً، ص ۲۵

۱۲۲۔ ٹی،ڈبلیو، آرنلڈ، دعوتِ اسلام، ص ۴۴۰
۱۲۳۔ ام کلثوم،ڈاکٹر، بچے کی تربیت تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں، اسلام آباد، دعوہ اکیڈمی، ص ۱۱۸
۱۲۴۔ ایضاً
۱۲۵۔ تاریخ بغداد، ۱۶۲/۲، ۱۶۹، بحوالہ محمد بشیر جمعہ، منظم، مؤثر اور مستعد مسلمان، کراچی، ماتم مینجمنٹ کلب، ص ۶۲
۱۲۶۔ ایضًا، ص ۶۳
۱۲۷۔ القرآن، آیت البقرہ، آیت ۴۳
۱۲۸۔ القرآن، آیتیٰسین، آیت ۴۰
۱۲۹۔ القرآن، آیت صفت، آیت ۱
۱۳۰۔ القرآن، سورۃ احزاب، آیت ۵۳
۱۳۱۔ القرآن، سورۃ احزاب، آیت ۳۳
۱۳۲۔ القرآن، سورۃ مجادلہ، آیت ۱۱
۱۳۳۔ القرآن، سورۃ الحجرات، آیت ۱
۱۳۴۔ القرآن، سورۃ المائد، آیت ۹۲
۱۳۵۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۱۶
۱۳۶۔ القرآن، سورۃ انفال، آیت ۲۴
۱۳۷۔ القرآن، سورۃ الاحزاب، آیت ۲۱
۱۳۸۔ القرآن، سورۃ الحزاب، آیت ۳۶
۱۳۹۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۹
۱۴۰۔ القرآن، سورۃ ال عمران، آیت ۱۰۵
۱۴۱۔ القرآن، سورۃ ال عمران، آیت ۱۰۳
۱۴۲۔ القرآن، سورۃ الحجرات، آیت ۹
۱۴۳۔ القرآن، سورۃ الرعد، آیت ۲۱
۱۴۴۔ القرآن، سورۃ الحجرات، آیت ۱۱
۱۴۵۔ القرآن، سورۃ الحجرات، آیت ۱۲
۱۴۶۔ مسلم بن الحاج، صحیح مسلم، بحوالہ سابقہ، کتاب السلام، رقم الحدیث ۵۶۱۱، ص ۱۰۱۷
۱۴۷۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب المساجد، رقم الحدیث ۱۵۳۰، ص ۳۱۴

۱۴۸۔ صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب الاشربہ، رقم الحدیث ۵۲۳۷، ص ۹۵۵
۱۴۹۔ صحیح مسلم، محولہ سابقہ، رقم الحدیث ۵۲۱۶، ص ۹۵۲
۱۵۰۔ صحیح مسلم، محولہ سابقہ، رقم الحدیث: ۵۲۲۶، ص ۹۵۴
۱۵۱۔ سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمہ، رقم الحدیث ۳۸۵۲، ص ۱۵۰۶
۱۵۲۔ سنن ابی داؤد، محولہ سابقہ، کتاب الطہارۃ، رقم الحدیث: ۲۵، ص ۱۲۲۴
۱۵۳۔ سنن ابی داؤد، محولہ سابقہ، رقم الحدیث ۷۰، ص ۱۲۲۷
۱۵۴۔ صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب الطہارۃ، رقم الحدیث ۵۹۶، ص ۱۶۴
۱۵۵۔ صحیح مسلم، محولہ سابقہ، رقم الحدیث ۴۹۳۶، ص ۹۰۹
۱۵۶۔ محمد بن اسمٰعیل البخاری، الجامع الصحیح، محولہ سابقہ، کتاب الطہارۃ ۱/ ۷۴، رقم الحدیث: ۱۶۶
۱۵۷۔ احمد بن حنبل، المسند، بیروت، المکتب الاسلامی، ۳/ ۲۱۳
۱۵۸۔ بیہقی، ابو بکر بن احمد، شعب الایمان، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۸/ ۱۶۲
۱۵۹۔ سید خلیق ساجد بخاری، المنتخب، لاہور، منشورات، ص ۸۳۶
۱۶۰۔ ایضاً، ص ۳۲۸
۱۶۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطباتِ بھاولپور، اسلام آباد، ادارۃ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۳ء، ص ۲۰۷
۱۶۲۔ افضل حسین، فن تعلیم و تربیت، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۲۰۵
۱۶۳۔ ایضاً، ص ۲۰۶
۱۶۴۔ خطیب التبریزی، محمد بن عبد اللہ، مشکوۃ المصابیح، دمشق، المکتب الاسلامی، ۱۹۶۱ء، کتاب الاداب، باب السلام، ۲/ ۵۴۲
۱۶۵۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، ریاض، دار السلام، موسوعۃ الحدیث الشریف، ۲۰۰۰ء، ابواب الاستیذان، والآداب، باب ماجاء فی التسلیم علی الصبیان، رقم الحدیث ۲۶۹۶، ص ۱۹۲۳ء
۱۶۶۔ القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، بیروت، دار المعرفہ، ۲۰۰۷ء، کتاب الفضائل، باب رحمۃ النبی ﷺ الصبیان، رقم الحدیث ۵۹۸۱، ص ۱۰۷۹
۱۶۷۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، محولہ سابقہ، باب ماروی احب البلاد، رقم الحدیث ۱۵۲۶، ص ۳۱۳
۱۶۸۔ حضرت ابن عمرؓ کا طرزِ عمل اس کی شہادت ہے، فتح الباری، کتاب الاستیذان، باب افشاء السلام، ۱۱/ ۱۶
۱۶۹۔ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، ریاض، دار السلام موسوعۃ، الحدیث الشریف، ۲۰۰۰ء، ابواب المناقب، باب مارایت...، رقم الحدیث ۳۶۴۱

۱۷۰۔ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، محولہ سابقہ، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی طلاقۃ الوجہ، الحدیث الشریف، ۱۹۷۰، ص ۱۸۵۰

۱۷۱۔ البخاری، کتاب الایمان، ۱/۱۵، بحوالہ خالد علوی، داکٹر، انسان کامل، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۴ء، ص ۵۱۱

۱۷۲۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، موسوعۃ الحدیث الشریف، ریاض داراسلام، ۲۰۰۰ء، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک، رقم الحدیث ۴۴۱۸، ص ۳۶۲

۱۷۳۔ البخاری، کتاب النفقات، باب نفقۃ المعسر علی اھلہ، رقم الحدیث ۶۳۶۸، ص ۴۶۳

۱۷۴۔ البخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، محولہ سابقہ، کتاب المرضی، باب وجوب عیادۃ المریض، رقم الحدیث ۵۶۴۹، ص ۴۸۴

۱۷۵۔ البخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، محولہ سابقہ، کتاب المرضی، باب عیادۃ الاعراب، رقم الحدیث ۵۶۵۶، ص ۴۸۴

۱۷۶۔ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، محولہ سابقہ، ابواب المناقب، باب مناقب لانس، رقم الحدیث ۳۸۲۸، ص ۲۰۴۵

۱۷۷۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب الشعر، باب فی انشادالاشعار، رقم الحدیث ۵۸۵۲، ص ۱۰۵۵

۱۷۸۔ بخاری، کتاب الادب، باب من بسط لہ فی الرزق بصلۃ الرحم، رقم الحدیث، ص ۵۰۷

۱۷۹۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان...، رقم الحدیث ۱۶۹، ص ۸۰

۱۸۰۔ ایضاً

۱۸۱۔ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، محولہ سابقہ، ابواب البر والصلہ، رقم الحدیث ۱۹۵۲، ص ۱۸۴۸

۱۸۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، محولہ سابقہ، کتاب الادب، باب ماینھٰی...، رقم الحدیث ۶۰۶۶، ص ۵۱۲

۱۸۳۔ ایضاً، کتاب الجنائز، باب مایکرہ الصلوٰۃ علی المنافقین، رقم الحدیث ۱۳۶۶، ص ۱۰۶

۱۸۴۔ ایضاً، کتاب المغازی، باب قتل حمزہ، رقم الحدیث ۴۰۷۲، ص ۳۳۳

۱۸۵۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر ھند بنت عنبہ، ۴/۲۳۲

۱۸۶۔ بحوالہ شبلی نعمانی وندوی، سیرۃ النبی ﷺ، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۴، جلد اوّل، ص ۳۱۱

۱۸۷۔ خطیب التبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکواۃ المصابح، محولہ سابقہ، کتاب الادب، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، ۲/۶۱۳

۱۸۸۔ البخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح البخاری، محولہ سابقہ، کتاب الادب، باب الرفق فی الامر کلہٖ، رقم الحدیث ۶۰۲۴، ص ۵۰۹

۱۸۹۔ کنز، کتاب المواعظ، ۱۶/۱۲۸

۱۹۰۔ البخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح البخاری، محولہ سابقہ، کتاب الادب، باب لم یکن النبی ﷺ فاحشاً، رقم الحدیث، ۶۰۳۲، ص ۵۱۰
۱۹۱۔ البخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح البخاری، محولہ سابقہ، کتاب الادب، باب اکرام الضّیف، رقم الحدیث ۶۱۳۶، ص ۵۱۷
۱۹۲۔ البخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، محولہ سابقہ، کتاب الادب، باب کل معرف صدقۃٍ، رقم الحدیث ۶۰۲۱، ص ۵۰۹ (تلخیص از انسان کامل، ڈاکٹر خالد علوی، لاہور، الفیصل ناشران کتب، ۲۰۰۵ء، ص ۵۱۳۔۵۱۱)
۱۹۳۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۹
۱۹۴۔ نعیم صدیقی، تعمیر سیرت کے لوازمات، لاہور، الفیصل ناشرات کتب، ص ۱۳
۱۹۵۔ محمد فتح اللہ گولن، محمد نور سرمدی، اسلام آباد، ہارمنی پبلیکیشنز، جلد اوّل، ص ۳۵
۱۹۶۔ ابن ہشام، اسیرۃ النبویہ
۱۹۷۔ القرآن، سورہ انفال، آیت ۴۶
۱۹۸۔ صدر الدین اصلاحی، مولانا، اسلام اور اجتماعیت، لاہور، اسلامی پبلیکیشنز، ۲۰۱۵، ص ۵۳
۱۹۹۔ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، محولہ سابقہ، ابواب العین، باب ماجاء فی لزوم الجامع، رقم الحدیث ۲۱۶
۲۰۰۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، محولہ سابقہ، کتاب ادارۃ، رقم الحدیث ۴۷۵۰، ص ۸۷۹
۲۰۱۔ محمد بشیر جمعہ، وقت اور زندگی کی تنظیم، اسلام آباد، IPS پریس، ۲۰۱۶ء، ص ۲۷
۲۰۲۔ ایضاً، ص ۲۸
۲۰۳۔ ایضاً، ص ۲۸
۲۰۴۔ منظم، مؤثر اور مستعد مسلمان، محمد بشیر جمعہ، اسلام آباد، IPS پریس، ص ۶۵
۲۰۵۔ محمد یوسف القرضاوی، اسلامی نظام، محولہ سابقہ، ص ۲۷۱
۲۰۶۔ ریضاً، ص ۲۷۲
۲۰۷۔ ایضاً
۲۰۸۔ ام کلثوم، ڈاکٹر، بچے کی تربیت، محولہ سابقہ، ص ۱۱۹
۲۰۹۔ نوجوانوں کے نام پیغام، ۱۹۴۴ء، بحوالہ: نبی خان بلوچ، ڈاکٹر، طلبہ اور تعلیم، کراچی، قائد اعظم اکادمی، ۲۰۰۹ء، ص ۳۱
۲۱۰۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۹

۲۱۱۔ القرآن، سورۃ اعراف، آیت ۵۶
۲۱۲۔ محمد بن اسمعیل البخاری، صحیح بخاری، محولہ سابقہ، کتاب العلم، رقم الحدیث:۱۰۵، ص ۱۲
۲۱۳۔ محمد بشیر جمعہ، منظم، مؤثر اور مستعد مسلمان، محولہ سابقہ، ۱۴۳
۲۱۴۔ علی متقی الہندی، کنز العمال، بیروت، مؤسۃ الرّسالہ، رقم الحدیث ۱۶۶۸۲
۲۱۵۔ اقبال، بال جبرئیل، لاہور، اقبال اکادمی، پاکستان، ص ۳۵۱
۲۱۶۔ القرآن، سورۃ ھود، آیت ۸۸

ظ

تمت بالخیر

# [[003]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

محمد جنید انور

## تمہید

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے اور اس کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے ہیں۔ آسمانی کتب اور صحیفے بھی نازل ہوئے جن کی تعلیمات کا نچوڑ اور جامع ذخیرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جمع فرمادیا ہے اور اس کی تا قیامت حفاظت کی ذمے داری بھی خود لے لی ہے۔ اس کے فرامین و آیات کی تشریح کے لئے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا ہے اور آپ ﷺ کو ایک جامع و مکمل دین عطا فرما کر سلسلۂ نبوت کی بھی تکمیل فرمادی گئی ہے۔

کسی بھی ملت اور معاشرے کے استحکام کا انحصار اس کے سیاسی نظام پر ہوتا ہے اور کسی بھی سیاسی نظام کے محکم و مؤثر ہونے کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ حکمران لائق اور عادل ہوں اور عوام ان کی اطاعت خوشی و رغبت سے کرتے ہوں۔ ملک ایک دستور اور آئین کے تحت چلایا جارہا ہو، نچلی سطح سے لے کر اوپری سطح تک، ہر سطح پر نظم وضبط کے ساتھ افرادِ معاشرہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہوں۔ اسلام وہ دین ہے جس کا مرکزی نکتہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کا طریقہ دنیا کی زندگی میں اللہ کے احکام کی مکمل اطاعت ہے۔ دنیا کی زندگی کو ہم سہولت بیان کی خاطر انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تقسیم کرسکتے ہیں اور شریعت ہمیں زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کے بارے میں تفصیلی احکام دیتی ہے۔ شریعت کے ماخذ دو ہی ہیں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔ اجتماعی زندگی کے بارے میں قرآن حکیم کا اسلوب عموماً پالیسی امور کے طے کرنے کا ہے جب کہ تفصیلی احکام ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ملتے ہیں کیونکہ پیغمبر ﷺ کا کام ہی قرآنی احکام کی تبیین اور عملی زندگی میں اس کی تطبیق کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اجتماعی زندگی کے معاشی، سماجی اور سیاسی پہلوؤں کے بارے میں تفصیلی رہنمائی کے لئے ہمیں زیادہ تر سنت نبوی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

ایک اسلامی ریاست کے عوام الناس میں نظم وضبط کا قیام بھی ایسا ہی مسئلہ ہے جس کا تعلق زندگی کے تمام پہلوؤں سے ہے، انفرادی پہلو سے بھی ہے اور اجتماعی پہلو سے بھی، ریاست کے انتظامی پہلو سے بھی ہے تو عدلیہ کے پہلو سے بھی، معاشرتی پہلو سے بھی ہے تو اقتصادی پہلو سے بھی ہے، غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ نظم وضبط ہی کی بنیاد پر کون و مکان کا نظام قائم و دائم ہے، کائنات کے نظم وضبط میں اگر کوئی چیز ایک انچ بھی اِدھر سے اُدھر ہو جائے تو نظامِ

کائنات درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ زمین میں اندرونی پلیٹیں اپنے نظم وضبط سے اِدھر اُدھر ہوتی ہیں تو زلزلے رونما ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کی دیگر کئی مثالیں موجود ہیں۔ انسان تو انسان حیوانات اور حشرات الارض تک میں بھی ایک نظم و ضبط موجود ہے۔ گویا کہا جا سکتا ہے کہ نظم وضبط ایک ایسی صفت یا خوبی جو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو ودیعت فرمائی ہے، اور بحیثیت اشرف المخلوقات ہونے کے حضرت انسان کی ذمے داریاں اس باب میں سب سے بڑھ کر ہیں۔

نظم وضبط سے انسان کے لئے زندگی گزرانا آسان ہو جاتا ہے اس کے برعکس جو لوگ نظم وضبط کا خیال نہیں کرتے ان کی زندگی کا کوئی قانون یا قاعدہ نہیں ہوتا ایسے لوگوں کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

انسان کی زندگی میں نظم وضبط کی پابندی ہر شعبے میں ہوتی ہے۔ جو لوگ نظم وضبط کو اپنی زندگی کا شعار بناتے ہیں ان کی زندگی آسانی سے گزرتی ہے اور وہ دوسرے لوگوں کے لیے ایک نمونہ ہوتے ہیں۔ زیادہ تر وہی انسان کامیاب ہوتا ہے جو اپنی زندگی میں ہر کام منصوبہ بندی اور نظم وضبط کے ساتھ کرتا ہے۔ نظم وضبط کے بغیر کوئی انسان کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کامیابی اکثر ان لوگوں کے قدم چومتی ہے جو نظم وضبط کا خیال رکھتے ہیں۔

اب اگلی سطور میں ہم پہلے اسلامی ریاست پر بحث کریں گے اور اس کے بعد نظم وضبط کے لغوی، اصطلاحی اور عرفی مفہوم کے مباحث بیان کرتے ہوئے نظم وضبط کے قیام کے طریقے بیان کریں گے۔

**اسلامی ریاست: تصور، مقصد اور اہم بنیادی عناصر**

مقالے کے موضوع کی رعایت سے اسلامی ریاست کے حوالے سے مختصر سی بات کرنا ضروری ہے تاکہ قاری کے ذہن میں اس حوالے سے کسی قسم کا کوئی ابہام نہ رہے کہ اسلامی ریاست سے اس مقالے میں کون سی ریاست مراد لی گئی ہے۔ ذیل کی بحث سے ہم اپنی مراد کی وضاحت پیش کریں گے۔

انتظام ریاست کے باب میں جدید دنیا کی بڑی پیش رفت فرانسیسی مفکر مانٹیسکو ( Montesquieu 1689-1755) کا نظریۂ تقسیم اختیارات (Sepration of powers) ہے جس کے نتیجے میں پہلی مرتبہ یہ تصور متعارف ہوا کہ ریاست اور اس کے حدود کار اور اختیارات کا تعین ہونا چاہئے۔ اس طرح تین اساسی ریاستی اداروں مقنّنہ (Legislature)، انتظامیہ (Executive)، اور عدلیہ (Judiciary) کے فرائض و اختیارات کا تعین ہوا۔ آج کی دنیا میں یہ نظریہ مقبول ہونے کے باوجود ابھی تک اس پر عمل پیرا ہونے والی ریاستوں میں یہ اعتدال باہمی (check and balance) کا وہ مثالی درجہ حاصل نہیں کر سکا جس کا وہ تقاضہ کرتا ہے۔(۱)

اسلامی معاشرے میں ریاست دیگر معاشروں کی طرح محض چند ہیئتوں (Structures) کا نام نہیں رہ جاتا بلکہ ایک نامیاتی وجود بن جاتا ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ

It can scarcely be doubted that the government in an Islamic State in not merely a set of forms, but an organism intimately associated with the structure

of society and the character and ideas of thegoverned, and there is a constant interplay between governors and governed. (2)

اس میں بمشکل ہی شک کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست محض چند ہئیتوں کا نام نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک نامیاتی حقیقت ہے جو معاشرے کی ساخت، عوام کے کردار اور تصورات کے ساتھ براہِ راست وابستہ ہے اور اس میں عوام اور حکمرانوں کے درمیان یہ ایک مستقل رابطہ اور تعلق کار موجود رہتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے مدینہ میں کوئی ریاستی ڈھانچہ یا نظام موجود نہ تھا۔(۳)

ایک دوسرے مصنف کے مطابق

The Ummah lives under a divine law whose protector is the ummah itself; on the other hand, is neither source nor guarantee of the law; he is only the executive power. (4)

امت الوہی قانون کے تحت رہتی ہے اور وہ اس الوہی قانون کی محافظ بھی ہوتی ہے اور دوسرے حکمران نہ تو الوہی قانون کا منبع و ماخذ ہیں اور نہ ہی قانون کی کوئی ضمانت بلکہ صرف ایک قوت نافذہ ہیں۔

اس طرح اسلامی ریاست کی تشکیل ایک بامقصد عمل قرار پاتی ہے۔

The purpose of setting an islamic state is is to enable Muslims to take up the task of implementing their faith also in the political realm.(5)

اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنے عقیدے کو سیاسی اقتدار میں بھی نافذ کر سکیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مطابق:

"اسلامی نظام میں ریاست اور دین مذہب اور سلطنت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، دونوں کے تقاضے ایک دوسرے سے پورے ہوتے ہیں، چنانچہ ماوردی نے یہ بات لکھی ہے کہ جب دین کمزور پڑتا ہے تو حکومت بھی کمزور پڑ جاتی ہے اور جب دین کی پشت پناہ حکومت ختم ہوتی ہے تو دین بھی کمزور پڑ جاتا ہے، اس کے نشانات مٹنے لگتے ہیں۔ (۶)

**اسلامی ریاست کے بنیادی ستون**

دیکھا جائے تو اسلامی ریاست کے پانچ انتہائی ستون ہیں جنہیں ہم بنیاد بھی کہہ سکتے ہیں:

**ا۔ شریعت کی بالادستی**

اس سے مراد یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں قانون الٰہی اور شریعت محمدی کو سب سے اعلیٰ، سب سے برتر اور

سب سے سپریم حیثیت حاصل ہو گی۔ ہر قانون، ہر فیصلہ اور ہر پالیسی میں سب سے بڑا حوالہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان ہو گا۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے آگے باقی سب کی مرضی اور پسند ناپسند ختم ہو جائے اور ہر شخص سر تسلیم خم کر دے۔(۷)

**۲۔ شورائیت**

اس سے مراد یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں کسی ایک فرد یا چند افراد کو نظامِ مملکت اپنی صوابدید پر چلانے کا اختیار نہیں ہے، بل کہ یہاں بنیادی فیصلے پوری امت کو ساتھ لے کر کرنے ہوں گے جن میں قوم کے تمام اصحاب علم اور اہل الرائے حصہ لیں گے۔

اسلام میں شورائیت سے مراد پارلیمانی طرزِ حکومت نہیں ہے بل کہ اصطلاحی مفہوم کے لحاظ سے شوریٰ سے مراد ایک ایسا ملی اور اجتماعی عمل ہے، جس میں ہر وہ شخص حصہ لینے کا پابند ہے جو اپنے علم و فضل، اخلاق و کردار، حکمت و بصیرت اور خدمات کی بنا پر اس عمل میں حصہ لینے کا اہل ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی عملِ شورائیت میں حصہ لینے کا اہل ہے اور اور صاحب علم و حکمت ہے، اس کو اپنے اس علم و حکمت کی بنیاد پر اس امر کی اپنی مقدور بھر کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اپنے اس تمام تر علم و حکمت کو پوری طرح نچوڑ کر امت کو ایسے اجتماعی فیصلے تک پہنچنے میں مدد دے جو پوری امت کی اجتماعی حکمت و بصیرت اور دانائی کا عکاس ہو، اور جو تمام انسانوں کے معاشرتی امراض کا شافی علاج ہو۔ وہ فیصلہ جو اس اجتماعی دانائی اور ملی حکمت کا عکاس ہونے کی وجہ سے پوری ملت کے اجتماع اور اتفاق رائے کا مکمل مظہر ہو۔

یہ ہے وہ عمل جسے قرآن مجید میں شوریٰ کا نام دیا گیا ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسی نیشنل ورکشاپ ہوتی ہے جس میں ہر شخص اپنے اپنے تجربے اور علم کے مطابق حصہ لیتا اور رائے دیتا ہے، اور تمام آرا سامنے آنے کے بعد ان کے بطن سے جو اجتماعی حکمت اور ملی بصیرت جنم لیتی ہے اس کا نام شوریٰ ہے۔(۸)

اس سلسلے میں قرآن مجید میں اصولی ہدایت یہ دی گئی ہے۔

وَاَمْرُهُمْ شُورىٰ بَيْنَهُمْ (۹)

اور ان کا نظام باہمی مشورے پر مبنی ہے۔

اس اصولی ہدایت کی وضاحت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی تھی:

حدثني ابوسلمة ان النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن الامر يحدث ليس في كتاب ولا سنة فقال ينظر فيه العابدون من المؤمنين (۱۰)

ابو سلمہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آن پڑے جس کا ذکر نہ تو کہیں قرآن میں ہو اور نہ سنت میں تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس معاملے میں

مسلمانوں کے صالح لوگ غور کر کے اس کا فیصلہ کریں۔
اسی مضمون کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔

عن علي قال: قلت: يا رسول الله! ان عرض لي امرلم ينزل قضاء في امره ولا سنة كيف تامرني قال تجعلونه شوريٰ بين اهل الفقه والعابدين من المومنين ولا تقض فيه برايك خاصة۔ (۱۱)

حضرت علی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر میرے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا ذکر نہ قرآن میں ہو نہ سنت میں تو اس معاملے میں آپ مجھے کیا روش اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو قانون اسلام میں بصیرت رکھنے والوں اور صالحین کے مشورے سے طے کرو اور اس میں تنہا اپنی رائے سے کوئی فیصلہ نہ کرو۔

**۳۔ اقامت عدل**

اسلامی ریاست کی تیسری بڑی بنیاد اقامت عدل ہے۔

صرف اسلامی ریاست میں ہی نہیں بلکہ انبیائے علیہم السلام کی تمام آسمانی کتابوں کے اتارے جانے اور انبیائے علیہم السلام کے بھیجے جانے کے اس سارے سلسلے کا بنیادی مقصد عدل کا قیام ہی تھا۔ عدل حق کے مطابق ہوتا ہے، حق ہوگا تو عدل ہوگا اور یہ بھی ناممکن نہیں کہ حق کے مطابق ہو اور عدل نہ ہو، اس لئے قرآن پاک نے کہیں تو کہا: فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ (۱۲) (لوگوں کے درمیان عدل کے مطابق فیصلہ کرو) اور کہیں کہا: وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ (۱۳) (لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرو۔) اس سے واضح ہوتا ہے کہ حق اور عدل لازم و ملزوم ہیں۔ (۱۴)

بقول احمد ندیم قاسمی

کوئی سورج سے سیکھے، عدل کیا ہے، حق رسی کیا ہے
کہ یکساں دھوپ بٹتی ہے، صغیروں میں کبیروں میں (۱۵)

**۴۔ مکمل مساوات**

اسلامی ریاست کی چوتھی بنیاد قانون اور شریعت کی نظر میں مکمل مساوات ہے۔ عدل کا لازمی تقاضا اور ضروری مظہر مساوات ہے۔ اسی بنا پر انسانوں کے مختلف گروہوں کے لئے اسلام میں مختلف قوانین کا کوئی تصور نہیں ہے، اسلامی ریاست میں یہ تصور قطعی ناممکن ہے کہ بعض مراعات کسی ایک طبقے کو محض اس طبقے کا فرد ہونے کی وجہ سے حاصل ہوں، جس میں اس فرد کی کسی ذاتی صلاحیت یا خدمات کا کوئی دخل نہ ہو۔ اور وہی مراعات کسی دوسرے طبقے کو حاصل نہ ہوں مثلاً حکمران عدالتوں میں حاضری سے مستثنیٰ ہوں اور عوام عدالتوں کے پابند ہوں یہ تفریق

اسلامی ریاست میں ممکن نہیں۔ غرض یہ کہ حاکم و محکوم، امیر و غریب سب کے لئے یہاں ایک ہی قانون ہے۔(۱۶)

**۵۔ عہد کا پاس رکھنا**

اسلامی ریاست کی پانچویں اہم اساس پاسِ عہد ہے۔ ریاست نے اندرون ملک یا بیرون ملک اگر کسی سے کوئی معاہدہ کیا تو اس کی پاس داری ریاست کی وہ ذمے داری ہے جس کی ضمانت اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لی ہے۔ یہ ذمے داری غیر مسلموں کے معاملے میں دوچند ہو جاتی ہے۔(۱۷)

اب تک کی مختصر بحث سے واضح ہو گیا ہے کہ اسلامی ریاست کیا ہے؟ اور اس کی بنیادیں اور حدودِ کار کیا ہیں؟ بہ ہر حال اس مقالے میں اسلامی ریاست سے مراد ہر وہ ریاست ہے جو اپنے قانون کے اکثریتی فیصلوں میں قرآن و سنت کے فیصلوں پر عمل درآمد کرتی ہو اور وہاں مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہو، نیز وہاں مسلمان آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے اپنے دینی فرائض اور معاشرتی ذمے داریاں پوری کر رہے ہوں۔

**نظم وضبط۔ معانی و مفہوم**

نظم وضبط دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ ایک نظم اور دوسرا ضبط۔ یہ دونوں لفظ عربی کے ہیں ان کا خاص مطلب ہے کہ کسی بھی چیز کو ایک لڑی میں باندھ دینا (پرو دینا) اس کا ایک اور مطلب یہ بھی ہوا کہ اپنے کاموں کو کسی قانون یا قاعدے کے مطابق انجام دینا۔ نظم وضبط انسان کی اچھی پہچان کا باعث ہوتا ہے۔

عربی زبان میں کہا جاتا ہے: نظم، نظماً ونظاماً اللؤلؤ ونحوه: موتی پرونا، آراستہ کرنا، نظم الشيء الي الشيء: ترتیب دینا، کسی چیز کو کسی چیز سے جوڑنا۔ نظم الامر: قائم کرنا۔(۱۸)

ضبط: قبض علي: پکڑنا، قابو کرنا، قبضہ کرنا۔ کنٹرول کرنا۔ ضبط: عدَّلَ، نظَّم: مرتب کرنا، برابر کرنا، ترتیب اور ڈھنگ سے رکھنا(۱۹)

ضبطه--- ضبطا: احتیاط و توجہ کے ساتھ محفوظ کرنا، مضبوط و پختہ کرنا، پکڑنا، قابو میں لانا، اپنی جگہ فٹ کرنا۔

انضبط: منضبط ہونا، مرتب ہونا قابو میں ہونا، صحیح اور درست ہونا۔ اپنی جگہ فٹ ہونا۔ (۲۰)

تعريف الإنضباط يمكن القول أن الإنضباط بمعناه اللفظي "الجدية والالتزام، والدقة، وحسن أداء الواجب، واحترام حقوق الآخرين، والقدرة على التمييز بين ما هو مشروع وجائز، وبين ما هو محظور وغير مباح" (۲۱)

نظم وضبط کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ کہ نظم وضبط اپنے لفظی معنی میں سنجیدگی، عزم، درستگی، فرض کی اچھی طرح ادائیگی اور دوسروں کے حقوق کے احترام کو کہا جاتا ہے۔ نیز مشروع اور جائز چیز ور ممنوع و غیر مباح چیز کے مابین تمیز کرنے کی قدرت رکھنے کے معنی بھی اس سے مراد لئے جاتے ہیں۔

وهو أيضاً، الإلتزام بالخطة المحددة وتطوير العادات الجيدة للعمل، كما يمكن تعريف الإنضباط الوظيفي بأنه إلتزام الموظف بواجبات ومسؤوليات الوظيفة المكلف بها، وبمعنى آخر وجود قواعد ولوائح محددة مسبقاً يجب على الموظف أن يلتزم بها.(۲۲)

اور نظم وضبط کا معنی بنائے ہوئے یا متعین منصوبے یا خاکے کو لازم پکڑنے اور کام کے لئے اچھی عادات کے فروغ کو بھی کہا جاتا ہے۔ ملازم کا تفویض شدہ فرائض اور ذمے داریوں کو ادا کرنا، اور دوسرے معنی میں پہلے سے موجود قواعد وضوابط جن کا ملازم پر ادا کرنا واجب ہے۔

انگریزی زبان میں اس کے لئے ڈسپلن کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ بطور اسم کے استعمال ہوتا ہے جس کے معنی درج ذیل ہیں

dis•ci•pline (noun.)

The practice of training people to obey rules or a code of behavior, using punishment to correct disobedience.

"a lack of proper parental and school discipline" (23)

اس کے انگریزی مترادفات ( control, training, teaching, instruction, regulation, direction, order)ہیں۔

نظم وضبط ذہن اور کردار کی تربیت کا نام ہے۔ یہ قوانین کی اطاعت اور ایک منظم طرز عمل ہے۔

## نظم وضبط کا عرفی مفہوم

لغوی اور اصطلاحی معانی سے ہٹ کر معاشرے میں بھی کسی اصطلاح کا کوئی خاص معنی یا مفہوم عوام کے اذہان میں راسخ ہو جاتا ہے جسے عرفی مفہوم کہا جاتا ہے، بسا اوقات یہ اصل اصطلاح سے کافی مختلف ہوتا ہے اور کچھ صورتوں میں یہ اصل اصطلاح سے کافی مماثلت رکھتا ہے۔ نظم وضبط کا عرفی مفہوم درج ذیل ہے:

والانضباط نعرفه كثيرا في المفهوم الشعبي:وهو ضبط النفس او السيطرة كما جاء في الأثر الجهاد الأكبر هو جهاد النفس، وقمع الذات يمثل الخطوة الأولى والاخيرة لتحقيق النجاح في الحياة- (۴۵)

نظم وضبط کو ہم معاشرتی مفہوم (عرفی مفہوم) میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ نفس پر قابو یا خود پر کنٹرول (تسلط) حاصل کرنے کا نام ہے جیسے کہ اثر میں آیا ہے کہ سب سے بڑا جہاد (جہاد اکبر) اپنے نفس کے ساتھ جہاد ہے، اور زندگی میں کامیابی کے لئے پہلا اور آخری قدم یہی ہے۔

## نظم وضبط کی اقسام

ماہرین نے نظم وضبط کی دو اقسام بیان کی ہیں: ا۔ خارجی نظم وضبط۔ ۲۔ داخلی نظم وضبط۔

خارجی نظم وضبط کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ معلم، پرنسپل یا کلاس کے ذمے دار (مانیٹر) کی جانب سے طلبہ کے لئے صادر (جاری) ہونے والی ہدایات اور قوانین کا مجموعہ اور ان کا طلبہ کو ان قواعد وہدایات پر لازمی عمل کرنے کی دعوت دینا۔(۲۵)

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکول میں خارجی نظم وضبط اسکول کی تعلیمی پالیسی کے مجموعی مقاصد حاصل کرنے کے لئے عام طور پر اور خاص طور پر اسکول میں نظام کو برقرار رکھنے کا نام ہے۔ اور قواعد وضوابط کے اطلاق میں منتظمین اور اساتذہ میں سے ہر ایک کو حاصل اختیارات کا استعمال ہے.

داخلی نظم وضبط کی تعریف میں یہ ہر قسم کے منفی رجحانات اور بری خواہشات کا قلعہ قمع کرنے کے عمل پر مبنی ہے، نیز مرضی، عزم، خواہشات کا کہانہ ماننے اور خود پر قابو پانے کی صلاحیت حاصل کرنے پر مبنی ہے۔(۲۶)

یہ عمومی انداز میں ہے اگر اسے کسی طالب علم کے داخلی نظم وضبط کے حوالے سے دیکھیں جو وہ اسکول یا مدرسے میں اختیار کرتا ہے تو یہ تعلیم اور مقاصد کے مطابق ہے جس میں طالب علم قابل قبول سماجی رویے کی ترقی اور اس تک اپنی رسائی حاصل کرنے کی اپنی خواہش پورا کرنے کے لئے دیئے گئے اصول وضوابط اور ہدایات، قوانین اور قواعد وضوابط کے مطابق خود کو ڈھالتا ہے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اسکول سے وابستہ کر لیتا ہے۔(۲۷) اسی کی ایک اور تعریف اس طرح بھی کی گئی ہے:

الانضباط الذاتي هو: السمة الأولى التي تقوم عليها حياة الانسان العملية فبدون هذا الانضباط لا يمكن للمرء ان يحقق أي نجاح يذكر في حياته، (۲۸)

ذاتی نظم وضبط: وہ پہلی خصوصیت ہے جس پر انسان کی عملی زندگی کھڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اس نظم وضبط کے بغیر انسان کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ زندگی میں کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل کر سکے۔

## نظم وضبط کی اہمیت

نظم وضبط اہداف تک پہنچنے کے لئے ایک بہترین ذریعہ ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جسے تاریخ کے عظیم ترین افراد نے منتخب کیا اور اس کے پابند رہے۔ ہمارے معاشرے اور ہماری زندگی میں کامیابی کا ایک بہت بڑا عنصر نظم وضبط ہے۔ ہمارے گھر میں، کھیل کے میدان میں اور اس دنیا میں ہر جگہ نظم وضبط از حد ضروری ہے۔

نظم وضبط کی عدم موجودگی انتشار، افراتفری اور خرابی کو دعوت دیتی ہے۔ اس لئے کہ بحیثیت معاشرے کی ایک اکائی کے، ہم میں سے ہر ایک فرد کی سرگرمیوں کی کچھ حدود وقیود ہیں جنہیں ہم نظم وضبط کا نام دیتے ہیں۔ ان قوانین کا احترام نہ کرنے کی صورت میں ہماری زندگی ایک کٹی پتنگ کی مانند ہو جاتی ہے جو ہوا کے رخ پر اڑتی چلی جاتی

ہے لیکن اس کی کوئی منزل نہیں ہوتی، کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر اگر ہم گھر پر اپنے والدین کی اطاعت نہ کریں، اسکول، کالج و یونیورسٹیز میں اساتذہ کی بات نہ مانیں، کھیل کے میدان میں ریفری یا امپائر کے فیصلوں پر سرِ تسلیم خم نہ کریں تو کیا ہو گا؟ انتشار اور بد نظمی پیدا ہو گی، افراتفری پھیلے گی جو ہمارے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی تکلیف اور نقصان پہنچانے کا باعث ہو گی۔

نظم و ترتیب اور منصوبہ بندی کے بعد، زندگی کو ایک نیا رنگ حاصل ہو جاتا ہے اور آرام و سکون کا احساس ہونے لگتا ہے اور تمام اضطراب اور ذہنی الجھنیں برطرف ہو جاتی ہیں اور کاموں میں نظم پیدا ہو جاتا ہے۔

آج بھی کائنات کو اُسی توازن کی ضرورت ہے جو کہ نظم و ضبط کے بنا گزیر ہے۔ آج اقوامِ عالم قومی، انفرادی اور اجتماعی سلامتی و بقا کے لیے قانون اور اُس کے اصول و ضوابط پہ عمل پیرا ہونے کی محتاج ہے۔ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ آج اتنا بڑا نظام چلانے اور قائم کرنے والے پروردگار کے حبیب ﷺ کی امت زندگی کے ہر مرحلے پہ اپنے نظم و ضبط میں توازن کے بگاڑ سے نہ صرف خوفزدہ ہے بلکہ تباہی کے دہانے پہ کھڑی ہوئی ہے۔

## نظم و ضبط اور پاکستانی معاشرے کی صورت حال

ہمارا قومی المیہ تو شاید یہ ہے کہ نظم و ضبط نامی شے ہماری لغت میں ہی نہیں ہے۔ ٹریفک ہی کو دیکھ لیجئے۔ کس قدر بے ہنگم طریقے سے گاڑیاں چلائی جاتی ہیں۔ ٹریفک اصولوں اور قوانین کے پرخچے اڑائے جا رہے ہوتے ہیں۔ سگنل توڑنا ہم اپنی شان سمجھتے ہیں۔ رانگ سائیڈ ڈرائیونگ میں بھی کوئی عار نہیں سمجھتے۔ قطار یا انتظار کے تو ہم قائل ہی نہیں۔ یوٹیلیٹی بل جمع کرانا ہو یا یوٹیلیٹی اسٹور کے باہر سستے داموں چینی حاصل کرنی ہو، کسی اسٹیڈیم کے باہر میچ کا ٹکٹ لینا ہو یا خدانخواستہ کسی قدرتی آفت کا شکار ہونے کے بعد امدادی کیمپ سے امدادی سامان کا حصول ہو، ہر مقام اور موقع پر الا ماشاءاللہ ہمارا "نظم و ضبط" قابل دید ہوتا ہے۔

شور شرابا بھی ہمیں بہت پسند ہے۔ موٹر سائیکل ہے تو اس کا اچھا بھلا سائیلنسر نکلوا کر اس کی جگہ پائپ فٹ کروا دیا جاتا ہے۔ گاڑیوں میں woofer پر دھما دھم ہو رہی ہے۔ گھروں میں اونچی آواز میں ٹیپ ریکارڈ، ڈیجیٹل سی ڈی پلیئرز پر موسیقی، نعتیں یا نوحے بج رہے ہیں۔ کسی کے کان کے پردے پھٹتے ہیں یا اعصاب متاثر ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں۔ بائیک میں ٹرین یا بس کا ہارن لگوا لیا اور پھر ہارن پر ہاتھ رکھ کر بھول گئے۔ اب عوام الناس کی سماعتوں پر گراں گزر رہا ہو تو گزرتا رہے۔

اسی طرح راہیں مسدود کرنا، جگہ جگہ اسپیڈ بریکر بنانا اور بیریئر لگانا بھی ہمارا محبوب مشغلہ ہے خواہ آنے جانے والوں کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو۔ قبرستانوں کا حال یہ ہے کہ راستوں میں قبریں بنا دی جاتی ہیں یہاں تک کہ چلنے کی جگہ بھی نہیں بچتی جس کے باعث میت کو اس کی آخری آرام گاہ تک پہنچانا حد درجہ دشوار ہو جاتا ہے۔ اہم شاہراہوں اور پر ہجوم بازاروں کی گلیوں اور فٹ پاتھ پر لگے پتھارے بھی یہی بتاتے ہیں کہ ہمیں کسی کی تکلیف و پریشانی سے کوئی

غرض ہی نہیں ہے۔

اور وہ منظر بھی نہایت قابل دید ہوتا ہے جب شادی ولیمہ کی تقریبات میں کھانا کھُلتا ہے۔ اچھے خاصے متمول احباب بھی کھانے پر یوں ٹوٹتے ہیں جیسے کئی دن فاقے کے بعد کھانا ملا ہو یا یہ آخری کھانا ہے اور اس کے بعد کھانا نہیں ملے گا۔ ایک ایک شخص کئی کئی بندوں کا کھانا پلیٹ میں جمع کرنا شروع کر دیتا ہے اور پھر کھانے کے بعد کا منظر یہ ہوتا ہے کہ ایک ایک میز پر کئی کئی افراد کا کھانا بچا ہوا ہوتا ہے بلکہ بہت سی پلیٹوں کو دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کو تو ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آج کل تقریبات میں کھانا کم از کم دو سو روپے فی کس کے حساب سے تیار ہوتا ہے۔ اب ایک آدمی کے دو چار پانچ افراد کا کھانا پلیٹ میں نکالنے کا مطلب ہزار پانچ سو روپے کا کھانا برباد کرنا ہے کیونکہ کھائے گا تو وہ اپنی گنجائش کے ہی مطابق۔ یوں یہ صورتحال صرف رزق کی بربادی ہی کا سبب نہیں بنتی بلکہ بہت سے مہمان کھانے سے محروم بھی رہ جاتے ہیں۔ نیز اس صورتحال سے کھانا کم پڑ جانے کا بھی تاثر پیدا ہوتا ہے جو کہ میزبان کی سبکی اور بے عزتی پر منتج ہوتا ہے۔ سوچئے! اک ذرا سی ہوس سے کتنے لوگوں کے ساتھ کیا کیا زیادتیاں ہو گئیں!

ایسی اور بھی بہت سی تکلیف دہ مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں مثلاً گاڑی کے پیچھے گاڑی پارک کر دینا، واٹر ٹینکرز کے نلکوں سے بہنے والے پانی کے نتیجے میں سڑکوں پر کھنچتی ہوئی موت کی لکیریں، بسوں میں خواتین کے لئے مخصوص حصوں پر مردوں کا قبضہ وغیرہ۔

## عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے

### ا۔ ہر عمل میں نظم وضبط کی رعایت کیجئے

اسلامی ریاست کے حوالے سے نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو اجتماعی نظم وضبط کے حوالے سے جو سنہری ہدایات دیں ان میں ایک ارشاد بہت اہم اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر تین آدمی بھی کسی سفر پر روانہ ہوں تو وہ اپنے میں سے کسی کو اپنا امام ورہبر ضرور بنالیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ . (۲۹)

جب تین افراد بھی سفر پر نکلیں تو اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں۔

اس ارشاد نبوی کی مصلحت یہ بیان کی ہے کہ اگر ان کا امیر موجود نہ ہو تو ہر ایک اپنی رائے پر اصرار کرے گا اور اس سے اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔

گویا نظم وضبط اور قاعدے قانون کے بغیر تین آدمی بھی نہیں رہ سکتے۔ یہ اس بات کی تربیت تھی کہ مسلمانوں کے مزاج میں نظم وضبط اور ترتیب وانتظام سے ہر کام کرنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے۔ اس تربیت کا نتیجہ یہ نکلا

کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے مزاج میں نظم وضبط اور ترتیب وانتظام کی روح شامل ہو گئی۔ جس نے آگے چل کر ان کی دینی و دنیاوی ترقی میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

## ۲۔ عملی میدان میں پہل کاری

پہل کاری سے مراد کرنے کے کاموں کو ڈھونڈنا اور پھر کسی کے کہے بغیر انہیں کر گزرنا ہے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جسے ہمیں صرف اپنے آپ میں ہی نہیں بلکہ اپنے ماتحتوں میں بھی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ پہل کاری کو فروغ دینے کے لئے مندرجہ ذیل نکات پر عمل کیجئے۔ ☆ کاموں کو کرنے کے زیادہ بہتر طریقے تلاش کیجئے۔ ☆ ایسے کام ڈھونڈیئے جن کے کرنے کی ضرورت ہو اور جب مل جائیں تو کسی کی ہدایت کا انتظار کئے بغیر کر گزریئے۔ میرے نزدیک پہل کاری دوسروں کی رہنمائی کرنے کی تحریک اور ایک ایسا کردار ادا کرنے کا نام ہے جس میں دوسروں کو آپ کی پیروی کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہ آئے۔ پاکستان کی تحریک آزادی میں محمد علی جناح کے علاوہ اور مسلمان لیڈر بھی شامل تھے جو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے یا اپنے ذاتی پلیٹ فارم سے اپنے اپنے طور پر جدوجہد کر رہے تھے لیکن قائداعظم نے مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کا مطالبہ سامنے لانے میں پہل کی اور بابائے قوم قائداعظم کہلائے اور تاریخ عالم میں ایک نئے ملک، پاکستان، کی بنیاد رکھنے والے واحد فرد کی حیثیت حاصل کی۔

مثال کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ غصہ نہ کرو، چنانچہ فرمایا کہ

ليس الشديد بالصرعة، انما الشديد الذي يملك نفسه عند الغضب (۳۰)

طاقت ور وہ نہیں جو مد مقابل کو پچھاڑ دے، بلکہ اصل طاقت ور تو وہ شخص ہے جو غصے کی حالت میں اپنے آپ پر قابو رکھے۔

دیکھئے کہ پہلے نبی ﷺ نے خود عمل کیا اور کسی کے کہے بغیر۔ اب ایک عام شخص کے لیے یہ قول اس وقت تک دلیل نہیں بن سکتا، جب تک اس کے سامنے صاحبِ قول کا اپنا اسوہ نہ ہو، ورنہ اچھی باتوں کی تلقین تو کوئی بھی کر سکتا ہے اور ہمارے معاشرے میں تو دوسروں کو نصیحت کرنا سب سے آسان اور سستا کام ہے، مگر جب اس ہدایت کے سننے کے بعد ہمارے سامنے یہ امر آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اپنا عمل خود اس کے بالکل مطابق تھا، غزوہ احد میں جب آپ ﷺ زخمی ہو گئے، آپ ﷺ کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے، اس وقت صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ کفار کے لیے آپ ﷺ بد دعا فرمایئے، مگر آپ ﷺ نے اس وقت یہی فرمایا کہ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، بلکہ مجھے تو ہادی ورحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے، اور پھر بد دعا کی بجائے ان کے لئے دعا فرمائی:

اللهم اهد قومي فانهم لايعلمون (۳۱)

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت نصیب فرما، کیوں کہ یہ مجھے جانتی نہیں۔

## ۳۔ مسلسل کوشش / تکرار

کوئی کام سیکھنے کے بعد یہ ضروری ہوتا ہے کہ اسکو بار بار دہرایا جائے ورنہ اس کام میں پختگی پیدا نہیں ہو سکتی اسلیے آموزش میں آسانی پیدا کرنے کے لیے تکرار بہت ضروری ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ کوئی بھی انسان کسی بھی بات کا ایک دم اثر نہیں لیتا جتنا کہ اس بات کا جو اسے بار بار بتائی اور سمجھائی جائے، اس لئے کہ کسی بھی کام کی پائیدار کامیابی کا اصول یہی ہے کہ اسے آہستہ آہستہ مرحلہ وار انجام دیا جائے تا کہ اس کا مثبت اثر ہو اور مطلوبہ نتائج بھی حاصل کئے جا سکیں۔

مثلاً اگر کسی فرد کو حکمت کے ساتھ بار بار (تکرار کے ساتھ) یہ بات بتائی جائے کہ فلاں چیز اس کے لئے سود مند نہیں ہے تو کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد وہ اس بات کو مان لیتا ہے، اس لئے کہ مسلسل ایک بات کو سن کر لاشعوری طور پر وہ اس بات کو مان چکا ہوتا ہے لہٰذا وقت آنے پر وہ اس کے مطابق عمل کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ بالکل ویسے ہی جیسے اسکول میں چھوٹے بچوں کو اسمبلی کے لئے لائن بنانے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے، اس سلسلے میں اصول وضوابط عملی اور تقریری دونوں انداز میں بتائے جاتے ہیں تو کچھ ہی عرصے بعد وہ بچے اسمبلی کے دوران قطار میں خود بخود سیدھے کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سیرت نبوی سے نظم وضبط قائم کرنے کے لئے اس طریقے کی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ہدایات و احکامات ہیں جو آپ ﷺ کسی بھی صحابیؓ یا چند صحابہؓ کو دعوتی یا جہادی سرگرمی پر روانہ کرتے وقت ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ان ہدایات میں باتیں وہی ہوا کرتی تھیں جو قرآن وفرامین نبوی میں پہلے سے بیان شدہ ہوتی تھیں لیکن نبی کریم ﷺ ان باتوں کو روانگی کے وقت اس لئے دہراتے تھے کہ وہ ایک مرتبہ پھر تازہ ہو جائیں اور نظم وضبط کا جو سلسلہ بحیثیت مسلمان ایک فرد میں ہونا چاہئے اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔

اس کی مثال میں ان ہدایات کا ذکر کافی ہے جو حضرت معاذ بن جبل اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجتے وقت آپ ﷺ نے فرمائی تھیں:

عن معاذ بن جبل ان رسول اللهﷺ لما بعثه الي اليمن قال كيف تقضي اذا عرض لك قضا؟ قال اقضي بكتاب الله- قال فان لم تجد في كتاب الله؟ قال فبسنة رسول اللهﷺ- قال فان لم تجد في سنة رسول الله ﷺ؟ قال اجتهد برأيي ولا آلو قال فضرب رسول اللهﷺ عليٰ صدره وقال الحمد لله الذي وفق رسول رسول اللهﷺ لما ير ضيٰ به رسول الله- (۳۲)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو قاضی بنا کر یمن کی طرف روانہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ اور قضیہ پیش ہو گا تو تم اس کا فیصلہ کس طرح کروگے، انھوں نے جواب دیا کہ میں اللہ کی کتاب (قرآن مجید کی ہدایت) کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں تمہیں (اس بارے میں کوئی حکم وہدایت) نہ ملے (تو کیا کروگے) انھوں نے عرض کیا کہ پھر میں اللہ کے رسول ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی تمہیں (اس بارے میں) حکم اور ہدایت نہ ملے (تو کیا کروگے؟) انھوں نے عرض کیا تو پھر میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لوں گا اور اجتہاد کروں گا اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھوں گا۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کا سینہ ٹھونکتے ہوئے شاباشی دی اور فرمایا کہ حمد وشکر اس اللہ کے لئے جس نے اپنے رسول ﷺ کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔"

**۴۔ خود کو صاحبِ کردار بنائیں**

یہ ایک آفاقی سچائی ہے کہ جو شخص خود سچا ہو اور پھر وہ دوسروں کو سچ بولنے کی تلقین کرے تو لوگوں پر اس کی بات کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جب کہ ایک ایسا شخص جو خود تو سچ نہ بولتا ہو لیکن دوسروں کو سچ بولنے کی تلقین کرتا ہو، اس کی بات کا اثر پہلے (سچ بولنے والے فرد کی بنسبت) لوگوں پر کم ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے کے افراد انسان کے کردار کو بھی دیکھتے ہیں اور مضبوط کردار کے حامل افراد کی بات زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عوام الناس میں نظم وضبط کی بات کرنے والے افراد یا نظم وضبط قائم کرنے کے ذمے دار اداروں کے افراد پہلے خود کو نظم وضبط کا پابند بنائیں اور پھر لوگوں کے سامنے ایک رول ماڈل (مثالی نمونے) کے طور پر آئیں تو یقیناً اس سے بہت زیادہ مثبت اثرات دیکھنے کو بھی مل سکتے ہیں اور کاظر خواہ نتائج بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

اس سلسلے میں سیرت نبویہ سے سب سے بڑی رہنمائی خود نبی کریم ﷺ کے کردار سے حاصل ہوتی ہے کہ مکہ کے لوگ باوجود مخالف ہونے کے آپ ﷺ کی صداقت وامانت کے دعوے دار تھے اور اپنی امانتیں تک آپ ﷺ کے پاس رکھوایا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال زندگی، آپکی وفاشعاری اور آپ کی صداقت وامانت داری کے اغیار بھی قائل تھے، کیونکہ آپ ہمیشہ سچ ہی فرماتے ہیں، آپ کی گفتگو میں خلاف واقعہ کبھی کوئی بات نہیں ہوتی، آپ کی ذات اقدس سراپا صدق ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: ابوجہل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

قَدْ نَعْلَمُ يا مُحَمَّدُ انَّك تَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ۔ (۳۳)

اے محمد (مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور سچ بات فرماتے ہیں۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا معیار اور آپ کے اخلاق حمیدہ کا کمال اس قدر بلند تھا کہ کفار مکہ بھی اسے تسلیم کیا کرتے تھے، چنانچہ جب آپ ﷺ نے صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کو آواز دی، تو سب لوگ جمع ہوگئے، آپ ﷺ نے ان سے سوال کیا:

اَرَاَيتَكمْ لَوْ اَخْبَرْتُكمْ اَنَّ خَيلاً بِالْوَادِي تُرِيدُ اَنْ تُغِيرَ عَلَيكم اَكنْتُمْ مُصَدِّقِي.قَالُوا نَعَمْ، مَا جَرَّبْنَا عَلَيك إِلاَّ صِدْقًا .(۳۴)

بتاؤ! اگر میں تمہیں اطلاع دوں کہ وادی کے پیچھے لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، کیا تم میری بات کی تصدیق کروگے؟ انہوں نے کہا: ہاں! ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ کہتے ہوئے پایا۔

اسی طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی وحی کے نزول کے بعد جب امت کی فکر دامن گیر ہوئی تو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائل حمیدہ بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ کو ان کلمات سے تسلی دی:

كلاَّ وَالله مَا يخْزِيك الله اَبَدًا، إِنَّك لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكلَّ، وَتَكسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيفَ، وَتُعِينُ عَلَي نَوَائِبِ الْحَقِّ .(۳۵)

ہر گز نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کی شان بلند رکھے گا اور اپنی مدد کو نہیں روکے گا، آپ تو رشتہ داروں کے ساتھ بہتر سلوک کرتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں اور مصیبتوں کے وقت لوگوں کے کام آتے ہیں۔

**۵۔ نظم وضبط اور استقامت**

استقامت اور مستقل مزاجی کے بغیر کوئی کام بھی حقیقی کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتا اس لئے اس خصوصیت کا ہونا بھی ایک منظم معاشرے کے ہر فرد میں ہونا ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات میں بھی اس کی بہت اہمیت بیان کی گئی ہے: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"قُلْ آمَنْتُ باللهِ ثُمَّ استَقِمْ" (۳۶)

کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جاؤ۔

مضبوط ایمان انسان کو دین میں استقامت سے کام لینے اور شیطان کی پیروی نہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کی نگاہ میں استقامت کی اعلیٰ ترین قسم راہ خدا میں استقامت، حفظ ایمان اور معنویات میں اضافہ کرنا ہے۔ انسان اگر گناہوں کو ترک کرکے، شیطانی وسوسوں کے مقابل استقامت سے کام لیکر انسانیت اور تقرب الٰہی کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو جائے تو یہ قرآن کی نظر میں محترم ہے۔ اور اس کے مقابل باطل اور ناجائز اہداف تک پہنچنے کے لئے کوشش اور ایستادگی سے کام لینے سے انسان کی گمراہی وہلاکت کا سبب بنتا ہے۔

دین میں استقامت سخت اور طاقت فرسا کام ہے جس کے لئے ایمان اور قوی حوصلے کی ضرورت ہے لیکن استقامت کا نتیجہ نہایت ہی شیریں اور میٹھا ہے اور اس کی بہت سے دنیوی اور اخروی برکات ہیں۔

### ٦۔اپنی ذات سے شروع کیجئے

تبدیلی کا پہلا قدم اپنی ذات سے شروع ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنی کوتاہیوں کو تسلیم کرتا ہے، اور انہیں درست کرنے کے لئے کوشش شروع کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو سنوارنے اور اپنی تربیت کرنے کی جانب اس کا پہلا قدم ہوتا ہے۔

آیئے سب مل کر اپنے اپنے حلقۂ اثر میں تبدیلی کی طرف پہلا قدم اٹھائیں، ان اسلامی تعلیمات کے ساتھ جو اللہ اور اس کے حبیب ﷺ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ نظم و ضبط کے قیام کی طرف، اخلاق کی تطہیر کی طرف، معاشرتی برائیوں کے خاتمہ کی طرف، جھوٹ، دھوکہ دہی، بے حیائی، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، اور اس جیسی بیماریوں سے چھٹکارے کی طرف، یہ قدم ہی عزت، سرخ روئی، حقیقی وقار اور سربلندی کی طرف پہلا قدم ہوگا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خوب صورت فرمان پیشِ خدمت ہے:

نحن قوم أعزنا الله بالإسلام فمهما ابتغينا العزة بغيره أذلنا الله (٣٧)

ہم وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالی نے اسلام کی بدولت عزت بخشی، اگر ہم اسلام کے علاوہ کسی اور چیز میں عزت ڈھونڈیں گے تو اللہ تعالی ہمیں ذلیل ورسوا کر دے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو بھی کوتاہیوں کو تسلیم کرلے تو وہ خود بخود نظم وضبط کے راستے پر چلنا شروع کر دیتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ صدقِ دل سے خود کو بدلنے پر راضی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لایُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنْفُسِہِمْ وِاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سوئً ا فَلاَ مردَّ لَہ ومَالَہُمْ مِنْ دُوْنہٖ مِن وَال(٣٨)

بیشک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا؛ جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدل ڈالے اور جب اللہ کسی قوم کو برے دن دکھانے کا ارادہ فرماتا ہے تو پھر اُسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور اللہ کے سوا ایسوں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہو سکتا۔

تو آیئے تبدیلی کا عمل اپنی ذات سے شروع کرتے ہیں۔

### ٦۔احتساب کا عمل اختیار کیجئے

نظم وضبط کی کامیابی کے لئے احتساب کا راستہ وطریقہ اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ احتساب کی ضرورت سے کوئی باعزت اور متمدن معاشرہ انکار نہیں کر سکتا خواہ وہ ترقی پذیر ہو یا ترقی یافتہ، احتساب کی ضرورت واہمیت ہمیشہ مسلم رہی ہے، ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں!

"احتساب ایک سنہری زنجیر ہے، جس میں تمدن، اخلاق، مذہب اور معاشرت کی تمام جزئیات جکڑی ہوئی ہیں، اگر اس کی بندش ڈھیلی پڑ جائے تو دفعتاً نظامِ عالم کی ایک ایک کڑی درہم برہم ہو جائے، اسی غرض سے دنیا نے احتساب کو مختلف صورتوں میں قائم رکھا، خاندانوں اور کنبوں نے مختلف رسم ورواج اختیار کئے، جن کی خلاف ورزی موجبِ ملامت بلکہ بعض اوقات قومی جرم خیال کی جاتی ہے، سلطنتوں نے قوانین بنائے جو انسان کو ایک خاص نظام کے

ماتحت ہر قسم کی مادی، اخلاقی اور مذہبی ترقی کرنے کا موقع دیتے ہیں، حکماء نے فلسفۂ اخلاق ایجاد کیا جو اخلاقی قوانین کی پیروی پر جمعیتِ بشری کو مجبور کرتا ہے۔"(۳۹)

اور بقولِ شاعر

؎ صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

اسلامی ریاست میں اربابِ حکومت کے فرائض منصبی میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ عوام میں نظم وضبط کو یقینی بنانے کے لئے وقتاً فوقتاً حکومت کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے عمال و حکام کا احتساب کرتے رہیں۔ مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اجتماعی نظم وضبط کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود معاشی و دیگر امور کی نگرانی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ بازار تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے غلہ کا ایک ڈھیر دیکھا۔ آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو اس میں نمی محسوس ہوئی آپ نے دکان دار سے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ بارش میں بھیگ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس کو اوپر کیوں نہیں کیا، تاکہ ہر شخص کو نظر آئے۔ پھر فرمایا:

لا تغش بين المسلمين، من غشنا فليس منا (۴۰)

مسلمانوں کے باہمی معاملات میں دھوکہ دہی نہیں ہونی چاہئے۔ جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بنی سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لئے اپنا عامل مقرر کر کے روانہ فرمایا۔ جب وہ مال وصول کر کے لوٹا تو آپ ﷺ نے رقوم کا حساب طلب کیا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ یہ تو آپ کا مال ہے یعنی وصول شدہ صدقات ہیں اور یہ مجھے ہدیہ (تحفہ) ملا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ سخت غصے ہوئے اور فرمایا۔

فهلا جلست في بيت ابيك وامك حتي تاتيك هديتك ان كنت صادقا۔ (۴۱)

اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو تم کیوں نہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے رہے، یہ ہدیہ وہیں تمہارے پاس آجاتا؟

پھر آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے اس عمل کی سخت مذمت فرمائی۔

**عدالتی نظم وضبط**

**۷۔ ریاستی فیصلوں کی پابندی**

کسی بھی قوم کی نشوونما اور تعمیر وترقی کے لیے عدل وانصاف ایک بنیادی ضرورت ہے۔ جس سے مظلوم کی نصرت، ظالم کا قلعہ قمع اور جھگڑوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور حقوق کو ان کے مستحقین تک پہنچایا جاتا ہے، دنگا فساد کرنے

والوں کو سزائیں دی جاتی ہیں تاکہ معاشرے کے ہر فرد کی جان ومال، عزت وحرمت اور مال واولاد کی حفاظت کی جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے "قضا" یعنی قیام عدل کا انتہا درجہ اہتمام کیا ہے۔ اور اسے انبیاء علیہم السلام کی سنت بتایا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں فیصلہ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: "اے نبی کریم! آپ لوگوں کے درمیان اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق فیصلہ کریں۔ "(۴۲) نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ مسلمانوں کے لیے دین ودنیا کے تمام امور میں مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی تنہا ذات میں حاکم، قائد، مربی، مرشد اور منصف اعلیٰ کی تمام خصوصیات جمع تھیں۔ جو لوگ آپ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوئے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سنگین وعید نازل فرمائی اور اپنی ذات کی قسم کھا کر کہا کہ آپ کے فیصلے تسلیم نہ کرنے والوں کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

حضرت صخر رضی اللہ عنہ ایک عرب سردار تھے اور ان کی اسلامی ریاست مدینہ کے لئے بہت سی خدمات تھیں لیکن جب ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت کی کہ ان کی پھوپھی حضرت صخر کے قبضے میں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے یہ شکایت سن کر فیصلہ فرمایا کہ انہیں نہ صرف چھوڑ دیں بلکہ انہیں ان کے گھر پہنچا کر آئیں، اس واقعے کے بعد بنو سلیم حضرت صخر کے بارے میں ایک اور شکایت لے کر آگئے، شکایت یہ تھی کہ جس زمانے میں وہ ایمان نہ لائے تھے حضرت صخر رضی اللہ عنہ نے ان کے پانی کے چشمے پر قبضہ کر لیا تھا اور اب چونکہ وہ اسلام لے آئے ہیں اس لئے ان کا چشمہ انہیں لوٹا دیا جائے، یہ شکایت معقول تھی اور مبنی بر حقیقت بھی، اس لئے نبیٔ رحمت ﷺ نے بنو سلیم کے حق میں فیصلہ فرمایا دیا اور حضرت صحزر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کر لیتی ہے تو وہ اپنے مال اور جان کی مالک ہو جاتی ہے، اس لئے ان کا چشمہ انہیں واپس کر دیا جائے۔ دیکھئے کہ دونوں فیصلے حضرت صخرؓ کے خلاف ہوئے لیکن انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور بغیر کسی تذبذب کے دونوں کو قبول کر لیا، مگر جب انہوں نے دونوں فیصلے قبول کر لئے تو شرم کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا، راوی کے الفاظ یہ ہیں:

وَجه رسولِ الله صلي الله عليه وسلم يتَغَيرُ عند ذٰلك حُمرَة حياءٍ(۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر شرم کی وجہ سے سرخی آگئی۔

چونکہ حضرت صخر رضی اللہ عنہ اپنی سابقہ خدمات کی وجہ سے خصوصی رعایت اور امتیازی سلوک کے مستحق تھے، نہ کہ مقدمات میں مسلسل انکے خلاف فیصلہ کیا جاتا، آپ ﷺ نے اسی بنا پر شرم محسوس کی کہ وہ اسلامی حکومت کے لئے اس قدر اہم خدمت انجام دینے کے باوجود کسی اعزاز سے نوازے نہ جاسکے، الٹا انہیں اپنے خلاف دو فیصلوں کو قبول کرنا پڑا۔

ان واقعات میں عدل وانصاف اور نظم وضبط کی پابندی کا وہ بلند معیار پیش کیا گیا ہے، جس کی مثال آج کی

ہماری دنیا میں نظر آنا عملاً ناممکن ہو گیا ہے۔ دوسری طرف حضرت صخر رضی اللہ عنہ نے اپنی سابقہ امتیازی حیثیت کو اپنے لئے کمزوری نہیں بنایا بلکہ شریعت کے فیصلے کو دل و جان سے تسلیم کر لیا، یہ ان کے کامل ایمان کی واضح نشانی تھی۔

در حقیقت نظم و ضبط پر عمل کرنے کا یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے، یعنی اپنے خلاف ہونے والے عدل کو بخوشی برداشت و قبول کرنا، ورنہ مزاجاً اور طبعاً ہم صرف اس چیز کو نظم و ضبط تصور کرتے ہیں جس کے نتیجے میں مکمل طور پر ہمیں فوائد حاصل ہوں اور جس نظم وضبط میں ہم پر تھوڑی سی زد بھی پڑتی ہو وہ ہمارے لئے نہ صرف قابل قبول نہیں ہوتا بلکہ وہ ہماری نظر میں نظم وضبط کی تعریف پر بھی پورا نہیں اترتا۔

یہ واقعات عام نوعیت کے نہیں ہیں، اگرچہ ہم انہیں پڑھتے ہیں مگر سرسری انداز میں، اور پڑھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں، لیکن ان میں ہمارے لئے جو سبق پوشیدہ ہے، جو درس عمل مضمر ہے، وہی ہماری توجہ کی اصل چیز ہے۔

**۸۔ عدالت کے سمن / وارنٹ کی پابندی، نظم وضبط کا تقاضا**

قال رسول الله ﷺ: من دعي الي حاكم من احكام المسلمين فلم يجب فهو ظالم لاحق له۔ (۴۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو مسلمانوں کے حاکموں میں سے کسی حاکم کی عدالت میں بلایا گیا اور اس نے اس کی تعمیل نہیں کی تو وہ شخص ظالم ہے، اسے کوئی حق نہیں ملنا چاہئے۔

جو شخص بلا کسی معقول عذر کے عدالت کی طلبی پر حاضر نہ ہو تو یہ چیز اپنی جگہ جرم ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کی علامت بھی ہے کہ اس شخص کا مؤقف سخت کمزور اور فریق مخالف کا موقف مضبوط ہے۔ عدالتی امور سے عوام کا بہت تعلق ہے، معاشرے میں انصاف کی فراہمی کے لئے عدلیہ کا بہت بڑا کردار ہے لیکن جب اس کردار میں نظم و ضبط کی خلاف ورزیاں پائی جائیں گی تو یہ نظام بھی صحیح خطوط پر مؤثر انداز میں نہیں چل سکتا لہٰذا اس اہم ترین کام میں بھی نظم وضبط کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔

**۹۔ مقررہ تاریخ پر پیشی، اپنے حق کے حصول کا سبب**

کمزور فریق کی جانب سے مقدمے کو طول دینے اور زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی غرض سے بات بات پر مہلتیں مانگنا اسلامی نکتہ نظر سے ناجائز اور سخت معیوب ہے بلکہ عدل و انصاف کے راستے میں بھی ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ رکاوٹ جہاں عدالتی نظم وضبط میں خلل ڈالتی ہے وہاں پر انصاف کی فراہمی میں بھی رکاوٹ بنتی ہے، اس لئے سختی کے ساتھ نظم وضبط کی پابندی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو اس کی پابندی نہیں کرتا تو اسے اس کا نتیجہ اور سزا برداشت کرنا پڑتی ہے۔

عن ابي موسي الاشعري انه معاوية بن ابي سفيان قال له:اما علمت ان رسول الله ﷺ كان اذا اختصم عنده الرجلان فاتعدا الموعد فجائ احدهما ولم يات الآ

خر قضي رسول الله ﷺ للذي جائ علي الذي لم يجئ(۴۵)

حضرت ابو موسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے ان سے کہا: کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ ﷺ کی خدمت میں دو آدمی کوئی مقدمہ یا جھگڑا لے کر آتے تھے اور آگے کی کوئی تاریخ دونوں کے مشورے سے طے ہو جاتی تھی اور (اس مقررہ تاریخ پر) ان میں سے ایک شخص آجاتا تھا اور دوسرا نہیں آتا تھا تو رسول اللہ ﷺ اس شخص کے حق میں فیصلہ فرمادیتے تھے جو حاضر ہو جاتا تھا اور اس شخص کے خلاف فیصلہ فرمادیتے تھے جو حاضر نہیں ہوتا تھا۔

**۱۰۔ رشوت لے کر فیصلہ کرنا، نظم وضبط کی خلاف ورزی**

یوں تو کسی بھی معاملے میں رشوت لینا اور دینا گناہ کبیرہ ہے لیکن خاص طور پر عدالتی معاملات میں رشوت کا عنصر شامل کر کے جو بد نصیب و گمراہ عدل و انصاف کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں وہ نہایت مکروہ قسم کے کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ عدالتی نظم وضبط میں اس بد نظمی سے لوگوں کا اعتبار عدل و انصاف سے اٹھ جاتا ہے اور پھر وہ خود قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر انصاف لینا اور دینا شروع کر دیتے ہیں جو معاشرے کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔

عن ابي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ:لعنة الله علي الراشي والمرتشي في الحكم (۴۶)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس شخص پر جو فیصلہ کے معاملے میں رشوت دے اور رشوت لے۔

**۱۱۔ جھوٹی مقدمہ بازی کی سزا**

جھوٹی مقدمہ بازی سے دوسروں کو تکلیف دینا اور ان کا مال ہڑپ کرنا بہت ہی نامناسب عمل ہے۔ یہ اجتماعی امن و سلامتی اور نظم وضبط کے لئے سمِّ قاتل ہے اس کو ختم کرنا ہی نظم وضبط کے قیام کا دوسرا نام ہے۔

عن عبد الله بن عمر أنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من حالت شفاعته دون حدٍ من حدودِ الله فقد ضادّ الله، ومن خاصم في باطل وهو يعلمه لم يزل في سخط الله حتي ينزع عنه، ومن قال في مؤمن ماليس فيه اسكنه الله ردغة الخبال حتي يخرج مما قال۔ (۴۷)

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: جس شخص کی کوئی سفارش اللہ کے احکام میں سے کسی حکم کے نفاذ کے آڑے آئی تو اس شخص نے اللہ کی مخالفت مول لی، اور جس شخص نے جانتے بوجھتے کسی ناحق معاملے میں مقدمے بازی کی وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار رہتا ہے جب تک اس مقدمہ سے دست بردار نہیں ہو جاتا اور جس شخص نے کسی صاحب ایمان شخص کے بارے

میں کوئی ایسی بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنمیوں کے نچوڑ سے بننے والے کیچڑ میں پھینک دیں گے (یا پھینک دینے کا فیصلہ کر دیں گے) یہاں تک کہ وہ اپنے کہے سے واپس ہو۔

### ۱۲۔ عہدوں پر تمام اقوام کے افراد کا برابر حق

معاشرے میں اجتماعی نظم کو قائم کرنے کا ایک پائیدار طریقہ یہ بھی ہے کہ اربابِ ریاست کی جانب سے مختلف آسامیوں، عہدوں اور مناصب کے لئے ریاست میں موجود اقوام اور برادریوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے برابری کی بنیاد پر نشستیں موجود ہوں۔ اس لئے کہ بد نشتی اور انتشار یا انار کی پھیلنے کا ایک سبب سرکاری نوکریوں میں ذاتی پسند ناپسند اور صوبائی یا برادری کی عصبیت بھی ہوتا ہے۔

اسی چیز کو ختم کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ نے ریاستِ مدینہ میں اس بات کو یقینی بنایا کہ اگر کسی عہدے پر کسی مہاجر کو مامور فرمایا ہے تو کسی انصاری کو بھی مماثل خدمت پر نامزد کیا جائے۔ تاکہ کسی کو اپنی حق تلفی کا احساس نہ ہو۔(۴۸)

### ۱۳۔ عبادات سے نظم وضبط پیدا کیجئے

اسلامی ریاست کے ہر عاقل، بالغ اور صحت مند مسلمان شہری پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کچھ فرائض عبادات کے طور پر مقرر کئے گئے ہیں جن کی ادائیگی لازم ہے۔ ان عبادات میں بنیادی درس تقوی اور پرہیز گاری کا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے فلسفے، شرائط اور ادائیگی کے طریقہ کار میں نظم وضبط کا بہت بڑا سبق پوشیدہ ہے جو صرف ان ہی لوگوں کو حاصل ہو سکتا ہے جو ان عبادات کی صحیح طریقے سے ادائیگی کرتے ہیں۔ اسلام کی تمام عبادات انسان کو نظم وضبط کا پابند بناتی ہیں۔ ہر روز پانچ وقت کی نماز نظم وضبط کا پابند بنانے کی بے مثال تربیت ہے۔

اسلام نے عبادت کا جو مفہوم دنیا کے سامنے پیش کیا، اس میں پہلی چیز دل کی نیت اور اخلاص ہے۔ اس میں کسی خاص کام اور طرز کی تخصیص نہیں ہے۔ انسان کا ہر وہ کام جس سے مقصود اللہ کی رضا جوئی اور اس کے احکام کی پیروی ہے، عبادت ہے۔ اگر کسی نے اپنی شہرت کے لیے خزانہ بھی لٹا دیا تو وہ عبادت نہیں، لیکن اگر اللہ کی خوشنودی کے لیے چند سکّے بھی کسی کو عطا کر دیے تو بڑی عبادت ہے۔ اسلام کی اسی تعلیم نے عبادت کو دل کی پاکیزگی، روح کی صفائی اور عمل کے اخلاص کی غرض وغایت بتایا۔ اسلام میں خدا کے لیے کام کرنا مطلوب ہے خواہ خدا کی بڑائی اور پاکی بیان کی جائے یا کسی انسان یا حیوان کے فائدے کے لیے کام کیا جائے۔ چنانچہ اس تعریف کی رو سے خدمت خلق کے تمام کام عبادت کے مفہوم میں آتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں اس کی اہمیت پر واضح حکم موجود ہے۔ ارشاد ہے:

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا أَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ (۴۹)

اچھی بات کہنا اور معاف کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے ستانا ہو۔

ایک اور حدیث میں غریب اور بیوہ کی مدد کو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

الساعي علي الارملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وكالذي يصوم النهار ويقوم الليل۔ (۵۰)

بیوہ اور غریب کے لیے کوشش کرنے والے کا مرتبہ اللہ کے نزدیک جہاد کرنے والے کے برابر ہے اور اس کے برابر ہے جو دن بھر روزہ اور رات بھر نفل نماز پڑھتا ہو۔

ایک دوسری روایت میں دو مسلمانوں کے درمیان بغض وعداوت کے اسباب کو دور کرنے کی کوشش کو بھی نماز اور روزے کے مثل قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

الا اخبركم بافضل من درجة الصيام والصلوٰة والصدقة قالوا: نعم، قال: اصلاح ذات البين(۵۱)

کیا میں تم کو نفل روزہ، نماز اور صدقے سے بھی بڑھ کر درجے کی چیز نہ بتاؤں، صحابہؓ نے عرض کیا: ضرور بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ آپس کے تعلقات کا درست کرنا ہے۔

انسان کی بندگی کے اظہار اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے اقرار کا سب سے جامع طریقہ نماز ہے۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت کے اقرار کے بعد جوارح سے اس کے ثبوت کے لیے نماز سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو دن اور رات میں کم از کم پانچ بار انتہائی مناسب اوقات میں بندے کو معبود سے جوڑتا ہو۔ اسلام نے نماز کے ذریعے سے بندے کو جوڑے رکھنے کا طریقہ بتایا ہے۔ خاص طور سے اگر نماز کے ارکان اور اوقات کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو اس سے یہی نتیجہ نکلے گا کہ نماز عبادت کی وہ شکل ہے جس سے بندہ معبود کے تعلق سے کبھی غفلت اور تساہلی میں مبتلا نہیں ہو پاتا۔ ہمہ وقت وہ اللہ تعالیٰ سے جڑا رہتا ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت میں پانچ نمازوں کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

أَقِمِ الصَّلاَةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً (۵۲)

آفتاب کے جھکاؤ کے وقت سے رات کی تاریکی تک نماز قائم کرو اور فجر کی قرأت قائم کرو، فجر کو قرأت میں حضور دل کا اور فرشتوں کا ہوتا ہے۔

نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت ایسی نہیں جو نظم وضبط کا انتہائی تفصیل سے عملی سبق دے جیسا کہ نماز میں ملتا ہے۔ نماز کی تیاری سے لے کر اس کی ادائیگی اور اس کے وقت کی ابتدا سے لے کر اختتام تک اور انفرادی صورت میں اس کی ادائیگی سے لے کر اجتماعی طور پر ادائیگی تک ہر ہر چیز میں نظم وضبط کا انتہائی اعلیٰ معیار پایا جاتا ہے۔ پس جو شخص خالصتاً اللہ کی رضا اور دنیا و آخرت میں اپنی کامیابی کے لئے نماز کی عبادت کی ادائیگی کرنے کا عادی بن جائے تو نظم وضبط خود بخود اس کی زندگی میں بتدریج داخل ہو جاتا ہے۔ (۵۳) نیز اس کے نظم وضبط میں احتساب کا عنصر داخل فرما کر اسے مزید لازم قرار دے دیا گیا ہے۔ (۵۴)

عبادت کی دوسری اہم قسم زکوٰۃ ہے۔ جس سے معاشی طور پر معاشرے کے کم زور اور پس ماندہ طبقات کی کفالت ہوتی ہے۔ نماز حقوق اللہ کا عنوان ہے تو زکوٰۃ حقوق العباد کا۔ زکوٰۃ کے تعلق سے قرآنی آیات اور احادیث رسول کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بہت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم نے زکوٰۃ دینے پر ابھارا ہے، لینے پر نہیں ابھارا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں زکوٰۃ کے مصارف بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا ہے کہ زکوٰۃ دے کر اس کی عبادت کی ادائی کا ثواب حاصل کیا جائے، احتیاج میں مبتلا رہنے کے بجائے مطلوبہ نصاب کے حصول کے لیے کسب معاش کی جدوجہد کی جائے۔ زکوۃ لینے اور دینے کے عمل میں بھی جو نظم وضبط ہے وہ بھی قابل غور ہے، ایک مطلوبہ نصاب ہے، جس کا نصاب پورا ہو جائے اس پر زکوۃ واجب ہے اور جس کا نصاب پورا نہ ہو اس پر زکوۃ کی فرضیت نہیں ہے۔ اسی طرح زکوۃ لینے والوں کی بھی اقسام بیان فرمائی ہیں (۵۵) گویا کہ اس مالی معاملے میں بھی نظم وضبط کی خوب رعایت رکھی گئی ہے تاکہ معاشرے میں کسی طرح بھی کسی قسم کی کوئی بد نظمی نہ پھیل سکے۔ (۵۶)

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ جسم اور روح۔ جس طرح جسم پر مختلف قسم کی بیماریاں حملے کرتی ہیں اور اس کو بیماریوں سے بچانے کے لیے کچھ احتیاطی تدابیر کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روح پر بھی مختلف قسم کی بیماریاں حملے کرتی ہیں اور اس کو ان سے بچانے کے لیے کچھ احتیاطی تدابیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ جسم کی بیماریوں کو امراض الابدان کے نام سے جانا جاتا ہے اور روحانی بیماریوں کو گناہوں اور خطاؤں، اثم ذنب، سئیہ، منکر، فحش اور جرم جیسے دوسرے ناموں سے جانا جاتا ہے۔ روزہ بیک وقت جسمانی بیماریوں اور روحانی بیماریوں کے لیے احتیاطی تدابیر کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں روزے کے مقصد میں تقویٰ خوف خدا کو اولیت دی گئی ہے (۵۷) اور حدیث شریف میں اس کو ڈھال۔ الصیام جُنّۃ (۵۸) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ روزے سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، روزے سے انسان کے افعال حرکات میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے۔

حج کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ یہ جسمانی ومالی دونوں سے مرکب عبادت ہے۔ اس لیے اس میں استطاعت صحت ومال کی قید لگائی گئی ہے۔ (۵۹) اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مناسک حج کی ادائیگی دور دراز سفر طے کرنے کے بعد مکہ شریف میں ہو سکتی ہے۔ سفر بجائے خود حرکت کا موجب ہے۔ حج کے ارکان، طواف کعبہ، سعی صفا ومروہ، قیام عرفہ، منیٰ، قربانی وغیرہ نظم وضبط اختیار کئے بغیر انجام نہیں دیئے جاسکتے۔

حج کے دوران دنیا کے مختلف ملکوں اور مختلف علاقوں سے آنے والے لوگوں کو نظم وضبط کے یکساں معیار پر لائے جانے کی اشد ضرورت ہے۔ ہم اپنے ملک کو دیکھ لیں تو ملک کے اندر فہم وادراک کے عمومی معیار میں بہت فرق ہے۔ اگر ہم حج کے دوران ہونے والے سانحات کا تجزیہ کریں تو سب سے اہم بات مسلمانوں میں نظم وضبط کا فقدان ہے حالانکہ ہمارے دین کا بنیادی نقطہ ہی نظم وضبط ہے۔

ایسے افسوسناک واقعات کا وقوع پذیر ہونا مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ بھی ہے کہ ہم عوام الناس میں نظم و ضبط پیدا کرنے میں کیوں کامیاب نہیں ہو پارہے۔ اگر ہر انسان خود ہوش مندی کا مظاہرہ نہیں کرے گا تو لاکھوں افراد کے اجتماع میں چھوٹی سی بے قاعدگی کو ایک بڑے سانحے میں بدلنے میں دیر نہیں لگے گی۔(۶۰)

**۱۴۔ خوفِ خدا پیدا کرنا**

جس شخص کے دل میں خوف خدا ہوتا ہے وہ ہر معاملے میں وہی رویہ اختیار کرتا ہے جس کا شریعت حکم دیتی ہے۔ ایسے شخص پر چونکہ خوف خدا ہر وقت طاری رہتا ہے اس لئے ذاتی خواہشات، نفسانی عوامل، داخلی دباؤ اور خارجی محرکات، کچھ بھی اس کے فیصلے اور اقدام کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا اور دیکھا جائے تو سلطنتوں اور حکومتوں کے معاملات کو الجھانے، پراگندہ کرنے، ان میں انتشار و تضاد پیدا کرنے، نظم و ضبط کے مسائل پیدا کرنے اور انہیں بالآخر تباہی کے دہانے تک پہنچا دینے میں انہی عوامل و اسباب و محرکات کا دخل ہوتا ہے۔

اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی ہے، انہیں خوف خدا پیدا کرنے کی ترغیب دی ہے اور طرح طرح کی مثالیں دے کر ترغیبات اور ترہیبات بیان کر کے انسان کو یہ بتایا کہ انسان بننے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کے قلوب و اذہان میں خوف خدا جاگزیں ہو جائے، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر خوف خدا کو اپنے اسوۂ حسنہ کی صورت میں بھی پیش فرمایا، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی وقت میں ایک پیغمبر کے ساتھ ساتھ حاکم وقت بھی تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل ہر انسان کے ساتھ ساتھ حاکموں کے لئے بھی خصوصیت کے ساتھ راہ عمل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا خوف اس قدر طاری رہتا تھا کہ آپ ہمہ وقت اس کے حضور میں عجز و نیاز اور کامل بندگی کی تصویر بنے رہتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوف خدا لوگوں کے دلوں میں جاگزیں کرنے کے لئے مختلف مواقع پر مختلف اسلوب سے تعلیم دیتے تھے، بالکل ابتدائی دور کا واقعہ ہے، طلوع اسلام کے کوئی تین برس بعد حکم ہوا کہ دعوت اسلام کو عام کیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کے مقام پر جو ایک بلند پہاڑ تھا اور جس کی باقیات اب بھی موجود ہیں اور حج و عمرے کے مناسک میں سعی کا آغاز اس سے ہوتا ہے، ایک خطبہ ارشاد فرمایا اس میں اہل مکہ کو ان الفاظ میں خوف خدا کی تعلیم دی فرمایا:

"واللہ لتموتن کما تنا مون ولتبعثن کما تستیقظون، ولتحاسبن بما تعملون ولتجزون بالا حسان احساناً وبالسوء سوء اً وانها لجنة ابدا اولنار ابداً۔ (۶۱)

(خدا کی قسم تمہیں مرنا ہے، جس طرح تم سوتے ہو اور پھر تم کو اٹھنا ہے، جس طرح تم جاگتے ہو اور ضرور تم سے حساب لیا جائے گا جو تم کرتے ہو اور پھر اچھے کام کا اچھا بدلہ ہے اور برے کا برا بدلہ ہے اور اس کے بعد یا تو ہمیشہ

کے لئے باغ ہے یا ہمیشہ کے لئے آگ۔)

## ۱۵۔ نظم وضبط کا قیام اور ذرائع ابلاغ کا استعمال

انسانی فطرت ہے کہ اپنے خیالات و محسوسات کو دوسروں تک پہنچایا جائے اور خود دوسروں کے حالات سے آگاہی حاصل کی جائے۔ باخبر رہنا انسان کی بنیادی خواہش ہے۔ چنانچہ نسل انسانی کی ابتداء سے ہی "ابلاغ" سے مراد دوسروں سے بات چیت، ان پر اپنا مطلب واضح کرنے اور اپنے خیالات و تصورات دوسروں تک پہنچانا ہے۔ انسان نے ابلاغ کے عمل کو موثر بنانے کے لئے تہذیب کے مختلف ادوار میں ابلاغ کے مختلف ذرائع استعمال کئے ہیں۔ زمانے کی ترقی کے ساتھ ابلاغ کے طریقوں اور ذریعوں میں بھی تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ انسان کی معاشرتی ضروریات نے ابلاغ کے طریقوں اور ابلاغ کے ذریعوں پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ دوسری طرف نئے نئے ذرائع ابلاغ کی ایجادات نے معاشرے کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ذرائع ابلاغ کی ترقی سے دنیا سمٹ کر ایک گاؤں کی حیثیت اختیار کر گئی ہے کہ ہم ہزاروں میل دور بیٹھے واقعات کے وقوع پذیر ہوتے ہی مطلع ہو جاتے ہیں۔

ابلاغ کے اثرات دنیا کے ہر معاشرہ کے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اور اقوام عالم کی ثقافتی، تہذیبی، مذہبی، اور سیاسی ترقی کا دارومدار ہی موثر ابلاغ کا مرہون منت ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں ہر تہذیب اور معاشرہ میں معلومات اور اطلاعات کی روایات اور پالیسیاں بہت اہم رہی ہیں۔

یہ ان ذرائع کا بنیادی کردار ہے۔ نظم وضبط کے قیام کے لئے ذرائع ابلاغ کا کردار انتہائی اہم ہے۔ رائے عامہ میں عوامی سطح پر شعور بیدار کرنے اور اس کے فوائد بیان کرنے سے عوام کا ذہن نظم وضبط کو انفرادی و اجتماعی دونوں سطحوں پر قائم کرنے کے لئے بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے ان اصولوں کو اپنانا زیادہ سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔

۱۔ لوگوں میں نظم وضبط کو قائم کرنے کے حوالے سے بیداری پیدا کی جائے۔ اس کا انحصار صحیح دینی و اخلاقی تعلیمات کے فروغ اور اعلیٰ کردار کی پذیرائی پر ہے۔ جب تک یہ کام خاص شعور اور تن دہی کے ساتھ نہیں کیا جائے گا، عوام پر اس کے اثرات نمایاں نہیں ہوں گے۔ اصلاً یہ کام جہاں جید علما کی ذمہ داری ہے وہاں اساتذہ اور مؤثر شخصیت رکھنے والے افراد کا بھی ہے۔ ہمارے علمائے کرام میں سے بہت کم لوگ ذرائع ابلاغ کی موجودہ ترقی سے کماحقہ کام لے رہے ہیں۔ چنانچہ دونوں طرف سے اس کوتاہی کا ازالہ ہونا چاہیے۔ ذرائع ابلاغ کے ذمہ داران، صاحب کردار جید علما کو نظم وضبط قائم کرنے کے حوالے سے دین کی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے مواقع فراہم کریں اور علما ان مواقع کو استعمال کریں اور اس خاص حوالے سے لوگوں کی تربیت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں۔

۲۔ ہمارے اس زمانے میں حقوق کے شعور کا بہت چرچا ہے۔ بلاشبہ استحصالی قوتوں کے استیصال کے لیے اس کی ضرورت ہے لیکن اس کا ایک منفی نتیجہ بھی سامنے آ رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ اپنے فرائض ادا کیے بغیر حقوق کے طلب گار بنتے جا رہے ہیں۔ جبکہ صحیح صورت حال یہ ہونی چاہیے کہ ہر طبقہ اپنے فرائض ادا کرے اس کے نتیجے میں خود

بخود حق دار کو اس کا حق مل جاتا ہے جو کہ نظم وضبط کی بنیادی شرائط میں سے ایک ہے۔ جب ہر کوئی اپنی اپنی جگہ اپنے فرائض پورے کرے گا تو نظم وضبط خود بخود ہی قائم ہونے لگے گا۔ ذرائع ابلاغ کو حقوق کی مہم میں اس بات کو بھی اجاگر کرنا چاہئے کہ عوام کے فرائض کیا ہیں خصوصاً انفرادی و اجتماعی نظم وضبط (جو فرد و قوم دونوں کے مفاد میں ہے) کی اہمیت وفوائد کو واضح انداز میں پیش کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس مہم میں ہر اس شخص کو مخاطب بنایا جانا چاہیے جو اپنی ذمہ داری ادا نہیں کر رہا ہے۔ شوہر اپنی ذمہ داری پوری کرے اور بیوی اپنے فرائض ادا کرے۔ آجر اپنے منصب کے تقاضے پورے کرے اور اجیر اپنا کام سر انجام دے۔ حاکم اپنے کام میں کوتاہی نہ کرے اور محکوم اپنے عمل میں کمی نہ کرے۔ غرض یہ کہ معاشرے کے ہر ہر فرد کو اس کی جگہ پر ذمہ داری کا شعور ہو۔ گویا بتانے کی بات یہ نہیں ہے کہ تمھارا یہ حق ہے اور تم اسے حاصل کرو، بلکہ بتانے کی بات یہ ہے کہ تمہارا یہ کام ہے اور تمہیں اسے پورا کرنا چاہیے۔ اس طرح سے بھی نظم وضبط کا قیام ذرائع ابلاغ کی مدد سے ممکن ہے۔

**۱۶۔ اجتماعی نظم وضبط کے قیام کے لئے خطیبانہ صلاحیتوں کا استعمال**

وطن عزیز مسلمان اکثریت والا ملک ہے، اسی طرح ہر اسلامی ریاست بھی مسلمانوں کی آبادی کے لحاظ سے عددی اکثریت کی حامل ہوتی ہے۔ مسلمان معاشرے میں مساجد لازمی حصہ ہیں۔ اور مساجد وہ پلیٹ فارم ہے جہاں سے منبر و محراب کا مثبت و مؤثر استعمال عوام الناس میں کسی بھی چیز کو قبول کرنے یا ترک کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔

عہدِ نبوی میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے مابین رونما ہونے والے اختلافات کی صورت میں آپ ﷺ انہیں اجتماعی طور پر جمع کر کے خطاب فرماتے تھے اور جو بھی مسئلہ در پیش ہوا کرتا تھا اس کے سیاق وسباق پر بات کرتے ہوئے اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ فرماتے تھے تاکہ کوئی بھی چھوٹی سی بات اجتماعی نظم وضبط کو متاثر نہ کر سکے۔ انصار کے درمیان یوم بعاث کے سلسلے میں دوبارہ جھگڑا ہونے کی صورت میں جب اجتماعی نظم وضبط متاثر ہونے کا قوی اندیشہ ہو گیا تو آپ ﷺ نے ان سب کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا:

يا معشر المسلمين !الله الله، ابدعوي الجاهلية وانا بين اظهركم بعد ان هداكم الله للاسلام، واكرمكم به، وقطع به عنكم امر الجاهلية، واستنقذكم به من الكفر والّف بين قلوبكم، فعرف القوم انها نزعة من الشيطان، وكيد من عدوهم فبكوا وعانق الرجال من الاوس والخزرج بعضهم بعضا ثم انصرفوا مع رسول الله ﷺ سامعين مطيعين قد اطفأ الله عنهم كيد عدو الله شأس بن قيس (٦٢)

اے گروہِ مسلماناں ! اللہ سے ڈرو، کیا میرے موجود ہوتے ہوئے تم جاہلیت کی باتیں کرنے لگ گئے ہو؟ جب کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی اور تمہیں عزت عطا کی اور تم سے جاہلیت کے امور دور کر دیئے، اور تمہیں

کفر سے نجات عطا کی اور تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی، لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شیطان کی کارستانی تھی اور ان کے دشمن کا فریب تھا۔ پس وہ رونے لگے اور اوس و خزرج کے مرد ایک دوسرے گلے ملنے لگے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی باتیں سنتے ہوئے اور سر اطاعت خم کئے ہوئے آپ ﷺ کے ہمراہ لوٹ آئے اللہ نے دشمن خدا شاس بن قیس کے فریب اور دھوکے کی آگ بجھا دی۔

## ۱۷۔ عزم و استقلال

مشکلات ہمیشہ عارضی ہوتی ہیں خواہ کتنی ہی طویل مدت تک کیوں نہ جاری رہیں اور پھر یہ تو عزم و ارادے کو مہمیز کرنے کا کام دیتی ہیں، پھر یہ مشکلات تو آزمائش ہیں اور آزمائش اہل ایمان کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں، ایمان اور آزمائش کا چولی دامن کا ساتھ ہے، ہمارا عزم پختہ، عمل مضبوط، راہ متعین اور منزل واضح ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب خواہ کتنا ہی مستحکم و مضبوط نظر آتا ہو، فریب وقت کے سوا کچھ نہیں۔

عزم و استقلال کی بنیاد در حقیقت انسان کے یقین پر ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خدائی مشن کی کامیابی کا اس درجہ یقین حاصل تھا کہ آپ جب تنہا تھے تب بھی اپنے کام کے بارے میں ہر طرح کے کامل عزم کے حامل تھے، آپ جب دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے تب بھی آپ کا عزم اس طرح کامل تھا اور آپ پر جب فتوحات کا در وا ہو چکا تھا تب بھی آپ کا عزم وہی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزِ اول ہی کی مانند اپنے سفر پر گامزن تھے۔

کسی بھی مرحلے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد متزلزل نہ ہوا اور کسی بھی فیصلے کے لئے آپ کو سوچنا نہیں پڑا۔ جب قریش کو ہر طرح سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ان کی جھنجھلاہٹ عروج پر پہنچ گئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرپرست چچا ابو طالب کو اس قدر ڈرایا کہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نرمی کا مشورہ دینے لگے، اس پر آپ ﷺ نے وہ جملہ ارشاد فرمایا جو عزم و استقلال کی معراج کے حصول کے بغیر نہیں کہا جا سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا:

يا عم، والله لو وضعوا الشمس في يميني، والقمر في يساري علي ان اترك هذا الامر حتي يظهره الله، او اهلك فيه، ما تركته (٦٣)

اے چچا! اگر قریش میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تب بھی حق کے اعلان سے باز نہ آؤں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ خود عملی طور پر عزم و استقلال کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش فرمایا، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اسکی تلقین فرمائی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ایک غیر فلاحی معاشرے کو ایک مکمل انسانی اور اسلامی فلاحی معاشرے میں تبدیل کیا، جور و ستم میں ڈوبے ہوئے معاشرے کو عدل و انصاف سے روشناس کرایا اور اس راہ میں آنے

والی تمام رکاوٹوں کو صبر واستقلال سے کام لیتے ہوئے عبور کیا، یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم واستقلال کا واضح اور کھلا ثبوت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اپنی جدوجہد کا آغاز کیا، اس وقت آپ کے ہمراہ کوئی ایک شخص بھی نہیں تھا اور پھر کئی برس تک مسلسل جدوجہد اور تبلیغ کے باوجود آپ کی دعوت کو تسلیم کرنے والوں اور پیغام حق کو قبول کرنے والوں کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہ ہو سکی، لیکن یہ بات آپ کے پایۂ استقلال میں ادنی لغزش پیدا کرنے میں بھی کامیاب نہ ہو سکی۔

**۱۸۔ پیوستہ رہ شجر سے، امیدِ بہار رکھ**

کسی بھی سفر میں منزل کا حصول فوری طور پر ممکن نہیں ہے، زندگی کے راستے میں منزلوں اور مقاصد کے حصول کے لئے ہمیشہ امید کا دامن تھامے رکھنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ وہی معاملہ فرماتا ہے جس طرح کا گمان بندے اللہ تعالیٰ کے بارے میں رکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ہماری چاروں جانب برائیاں براجمان ہیں، نیکیاں مٹ رہی ہیں اور برائیاں پروان چڑھ رہی ہے، بگاڑ اور فساد کے نیچے معاشرے کے ہر حصے پر گڑے ہوئے ہیں اور بدی کا راج تیزی سے پروان چڑھ رہے رہا، بد اخلاقی و بے راہ روی کی ہر سو حکمرانی ہے اور طرح طرح کی برائیاں ہم پر حاوی ہوتی جارہی ہیں لیکن اس سب کے باوجود مایوسی ہمارے ان مسائل کا حل نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ اچھی امید کے ساتھ نظم وضبط کے حصول کی خاطر آگے بڑھتے رہنا ہمارا اصل مقصد ہونا چاہئے۔

مکہ مکرمہ میں کفار کے ظلم وستم سے پریشان مسلمانوں نے بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انہوں نے اس خواہش کا ضرور کیا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا فرمائیں، چنانچہ ایک موقع پر حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے جو ان چند صحابہ میں شامل تھے جن پر ظلم وتشدد اپنی بدترین حدوں سے بھی گزر چکا تھا، آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ:

الا تستنصر لنا؟ الا تدعو الله لنا؟

آپ ہمارے لئے مدد کیوں طلب نہیں کرتے؟ ہمارے لئے اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

كان الرجل فيمن قبلكم يحفر له في الارض فيجعل فيه فيجاء بالمنشارِ فيوضع علي راسه فيشق باثنين وما يصده ذلك عن دينه ويمشط بامشاط الحديد مادون لحمه من عظم او عصب وما يصده ذلك عن دينه والله ليتمن هذا الامر حتي يسير الراكب من صنعاء الي حضرموت لا يخاف الا الله او الذئب علي غنمه

ولکنکم تستعجلون(۶۴)

ایمان لانے کے جرم میں گذشتہ امتوں کے افراد کے لیے گڑھا کھودا جاتا تھا، اور انہیں اس میں ڈال دیا جاتا تھا، پھر آروں کو سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ لیکن یہ سزا بھی انہیں ان کے دین سے نہیں روک سکتی تھی، اسی طرح لوہے کے کنگھے ان کے گوشت میں گھسا کر ان کی ہڈیوں اور پٹھوں پر پھیرے جاتے تھے، اور یہ سزا بھی انہیں ان کے دین سے نہیں روک سکتی تھی، خدا کی قسم اسلام کا معاملہ اپنے کمال کو ضرور پہنچے گا، اور پھر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ایک سوار مقام صنعاء (یمن) سے حضر موت تک سفر کرے گا، مگر اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہو گا، یا صرف بھیڑیوں کا خوف ہو گا کہ کہیں وہ اس کی بکریوں کو نہ کھا جائیں، البتہ تم لوگ عجلت سے کام لیتے ہو۔

ملاحظہ فرمایئے کہ کیا حالات ہیں؟ مسلمانوں کے کیا جذبات ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے میں بھی امید دلا رہے ہیں، انہیں مایوسی و ناامیدی کے اندھیروں سے امید و رجا کی روشنیوں کی طرف لا رہے ہیں، ان کی راہنمائی عمل کے ان وسیع میدانوں کی جانب فرما رہے ہیں جہاں ناکامی کا گزر ہی نہیں، جہاں کامرانی و فتح مندی ہے، ہمیشہ کی فتح مندی، ہمیشہ کی کامرانی۔

آج ہم بھی بہت سی مشکلات سے دوچار ہیں، انفرادی سطح پر گھریلو پریشانیاں معاشی مشکلات، انفرادی الجھنیں سماجی مسائل اور طرح طرح کے مصائب ہمیں اپنے حصار میں لئے ہوئے ہیں، اور اجتماعی سطح پر بھی ہم محلے سے لے کر شہر تک اور شہر سے ملک اور ملکی سطح سے لے کر عالمی سطح تک انگنت مسائل اور بے شمار مصائب ہمارے سامنے پوری قوت کے ساتھ کھڑے ہیں، جن کی کثرت نے ہمیں پریشانی اور ذہنی الجھنوں سے دوچار کر رکھا ہے، یہاں تک تو بات درست ہے لیکن اس صورتِ حال کے نتیجے میں ہمارے اندر حالات کے سامنے سپر ڈال دینے اور مقابلہ کرنے کی بجائے شکست تسلیم کر لینے کی جو سوچ ابھر رہی ہے وہ خالص مایوسی کی پیداوار ہے، جب کہ اسلام تو ہر طرح کے حالات میں جدوجہد کی تلقین کرتا ہے اور مسلسل مقابلہ کرنے کا درس دیتا ہے، مذکورہ واقعے میں بھی یہی درس اور سبق پوشیدہ ہے۔

نظم وضبط کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم جن پریشانیوں کا شکار ہیں ان کے سامنے مایوس ہو جانے اور ہتھیار ڈال دینے سے نظم وضبط قائم نہیں ہو جائے گا بلکہ اس کے لئے امید کا دامن تھام کر ایک اچھے اور خوشگوار مستقبل کے حصول کے لئے نظم وضبط کی راہ پر چلتے ہوئے کوششیں کرنا پڑیں گی۔

**۱۹۔مالیاتی بدعنوانی / کرپشن سے اجتناب (امانت داری)**

کسی بھی ملک کے مالیاتی نظام میں مالیاتی اور نظم وضبط اور اس میں دیانت وامانت کو بہت بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ دیانتداری و امانت داری مسلمہ اَخلاقی اَقدار ہیں۔ معاشرتی، سیاسی اور معاشی شعبوں میں ان اَقدار کو وہی حیثیت حاصل ہے جو کسی جسم میں گردش کرنے والے خون کو حاصل ہوتی ہے۔ کسی جسم میں گردش کرنے والا خون اگر تندرست اور جراثیموں سے پاک ہے تو وہ جسم بھی تندرست و توانا ہو گا لیکن اگر کسی کے خون میں کسی مرض کے

جراثیم پیدا ہو جائیں تو یہ جسم بیماری کا شکار ہو جائے گا اور اگر ان جراثیموں کو خون سے مٹایا نہ گیا تو یہ اس جسم کے خاتمے کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔

اگر کسی ملک کے مالیاتی نظام میں بد دیانتی، خیانت، بد نظمی اور بے ایمانی سرایت کر جائے تو وہاں دولت کی عادلانہ تقسیم ممکن نہیں رہتی۔ اگر سرکاری کارندے اور افسران بد عنوانی میں ملوث ہو جائیں تو ملکی خزانہ غلط طور پر استعمال ہونے لگتا ہے۔ غیر حق دار لوگ تو ناجائز ذرائع سے سب کچھ لے جاتے ہیں لیکن حق دار محروم رہ جاتے ہیں۔ ملکی آمدنی عوام تک نہیں پہنچ پاتی۔ عوام سرکاری خزانے اور قومی آمدنی سے مستفید نہیں ہو پاتے۔ سرکاری افسران تو بہت امیر ہوتے جاتے ہیں لیکن عوام کے حصے میں غربت ہی آتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملکی اخراجات چلانے کے لئے ملک سرمایہ دار ملکوں کا مقروض ہو جاتا ہے اور یہ سرمایہ دار ممالک اکثر اَوقات ایسی شرمناک شرائط کے ساتھ قرض دیتے ہیں کہ ملک سود در سود ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے بل کہ بعض اوقات یہ شرائط ملکی سلامتی کے سراسر مخالف ہوتی ہیں۔

یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ ان مالیاتی اداروں کے افراد نے اس نظم وضبط کو برقرار نہیں رکھا جس کے وہ پابند بنائے گئے تھے۔ ان کے لئے ضروری تھا کہ بلکہ ان کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ حق دار کو اس کا حق پہنچائیں اور ملکی خزانے و دولت کو اس کے صحیح مصرف پر خرچ کریں، لیکن جب وہ اپنے نظم وضبط کی حدود سے باہر نکلے اور لالچ اور بد عنوانی کا راستہ اپنایا تو نہ صرف یہ کہ دنیا میں بھی بے سکون ہوئے اور آخرت میں بھی اللہ کے مجرم ٹھہرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت کی پاسداری او رمالیاتی بد عنوانی سے دور رہنے کا سبق لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کے ساتھ لوگوں کو خیانت اور بد دیانتی کے بارے میں بھی آگاہ فرمایا۔ اس سلسلے میں قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ o (۶۵)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت مت کرو اور نہ جانتے بوجھتے آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّ اللهَ لا يُحِبُّ الخائِنِينَ(۶۶)

بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نبی کریم ﷺ نے ان آیات کا صحیح مفہوم اپنے اسوہ حسنہ کے ساتھ پیش فرمایا۔ آپ ﷺ نے امانت داری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لا إيمان لمن لا أمانة له (٦٧)

اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانتداری نہیں۔

امانت کے اس تصور کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح واضح فرمایا کہ جس طرح ایک چرواہا اپنے ریوڑ کا محافظ ہوتا ہے، اسی طرح تم میں سے ہر شخص اپنے اپنے مقام پر ذمہ دار اور محافظ ہے۔ ایک حکمران اپنی رعایا کا محافظ ہے اور اس سے اس سلسلے میں سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنی رعایا کے مفادات کا تحفظ کیا یا نہیں؟(۶۸)

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ يسْتَرْعِيه الله رَعِية يمُوتُ يوْمَ يمُوتُ وَهوَ غَاشٌّ لِرَعِيتِه إِلَّا حَرَّمَ اللَّه عَلَيه الْجَنَّة(۶۹)

کوئی شخص ایسا نہیں جسے اللہ نے رعیت کی ذمہ داری سونپی ہو اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ رعیت کے بارے میں خیانت کرنے والا ہو تو اللہ نے اس پر جنت حرام قرار دے دی ہے۔

اس حدیثِ مبارکہ کی تشریح میں امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ والی حکومت رعایا کا ایسا راعی (محافظ و ذمہ دار) ہے جیسے گڈریا بھیڑوں کی رکھوالی کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

والیانِ مملکت اور افسرانِ خزانہ کے لئے جائز نہیں کہ ملکی خزانہ اپنی خواہشات کے مطابق اس طرح خرچ کریں جس طرح مالک اپنی ملکیت کی چیز خرچ کرتا ہے۔ افسرانِ خزانہ بلاشبہ امین اور نائب ہیں، وہ ہرگز مملکت کے اموال کے مالک نہیں ہیں۔ (۷۰)

اسی مضمون کی ایک اور حدیثِ مبارکہ بخاری اور مسلم شریف میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ وَالٍ يلِي رَعِية مِنْ الْمُسْلِمِينَ فَيمُوتُ وَهوَ غَاشٌّ لَهمْ إِلا حَرَّمَ اللَّه عَلَيه الْجَنَّة(۷۱)

کوئی حکمران، جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حال میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کرنے والا ہو تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

یقیناً دھوکہ و خیانت کی ایک بڑی صورت یہ ہے کہ ان کے مالی معاملات کی حفاظت نہ کی جائے اور مختلف قسم کی مالی بدعنوانیاں اور کرپشن کرتے ہوئے عوام الناس کا مال انہیں دھوکہ دے کر غلط مقامات پر خرچ کر دیا جائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں۔ جس کو اپنے عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔ اس ہستی کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کسی بندہ کا اس وقت تک دین درست نہ ہو گا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان درست نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو... جو کوئی ناجائز ذرائع سے مال کمائے گا اور اس میں سے خرچ کرے گا تو اسے برکت نہیں دی جائے گی۔ اگر اس میں سے خیرات کرے گا تو وہ قبول نہیں ہو گی۔

جو اس میں سے بچ جائے گا وہ اس کے جہنم کی طرف سفر کا توشہ ہو گا۔(۷۲)

قیامت کی نشانیوں میں ہے کہ سب سے پہلے اس امت سے امانت کا جوہر جاتا رہے گا۔(۷۳)

اور آج حقیقت بھی یہی ہے کہ جس شدید انداز میں آج ہمارے عوام اور طبقۂ اشرافیہ کو مالی نظم وضبط پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، اس سے پہلے کبھی نہ تھی، آج ہر طرف جو کرپشن کا زور ہے اور اس کو ختم کرنے کی باقاعدہ سرکاری، سیاسی اور غیر سرکاری وغیر سیاسی سطح پر مہمیں چلائی جارہی ہیں وہ اسی لئے کہ مالی نظم وضبط کے حوالے سے ہم انفرادی واجتماعی لحاظ سے بہت ہی زیادہ پس ماندگی کا شکار ہیں۔ دین کی روشن تعلیمات ہونے کے باوجود اگر ہمارا یہ حال ہے تو اس کی اصل وجہ ہمارا ان روشن تعلیمات پر عمل نہ کرنا ہے۔ اور جب تک عمل نہ ہو گا ہماری حالت کے تبدیل ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

## ۲۰۔مالیاتی واقتصادی نظم وضبط

مالی نظم وضبط یعنی زیادہ روی اور اسراف کا مقابلہ۔ چیزوں کے استعمال اور پیسے کے خرچ میں زیادہ روی، فضول خرچی اور اسراف بالکل اچھی بات نہیں ہے۔ یہ جود وسخاوت ہے نہ کرم وعطا، یہ محض اقتصادی بد نظمی ہے۔ جو لوگ بلا وجہ خرچ کرتے ہیں، زیادہ خرچ کرتے ہیں، چیزوں کا بے تحاشہ استعمال کرتے ہیں، اقتصادی وسائل کے لحاظ سے معاشرے کی حالت کا خیال نہیں رکھتے وہ مالی واقتصادی نقطہ نگاہ سے بد نظم لوگ ہیں۔ ذاتی سرمائے اور حلال راستے سے کمائے گئے پیسے کا بھی بے تحاشہ خرچ نظم وضبط کے منافی ہے۔ جو لوگ سرکاری مال اس طرح استعمال کرتے ہیں وہ تو اور بھی بدتر ہیں۔ حکام عوامی سرمائے کو ایسی جگہ خرچ کرنے سے شدت سے اجتناب کریں جو ترجیحات میں شامل نہیں ہے، ممکن ہے وہاں ضرورت ہو لیکن وہ ترجیحات میں شامل نہ ہو۔ جب ترجیحی ضرورت اور غیر ترجیحی ضرورت کا معاملہ ہو تو اجتناب کریں۔ جہاں ضرورت اور احتیاج نہیں ہے وہاں کی تو خیر بات ہی اور ہے۔ اس جگہ بھی جہاں ضرورت واحتیاج ہے لیکن کسی دوسری جگہ اس سے زیادہ ضرورت ہے تب بھی وہاں پیسہ خرچ نہ کیا جائے بلکہ یہ پیسہ وہاں لگایا جائے جہاں زیادہ ضرورت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفع مند مال کی تعریف کی ہے اور اس مال کے کمانے کی خواہش اور اسے احسن طریقے سے خرچ کرنے اور اس مال کو مزید ثمر آور بنانے کو ضروری قرار دیا ہے اور ایسے صاحب حیثیت شخص کو سراہا ہے جو مال ملنے پر شاکر ہو اور اس مال کو لوگوں کی منفعت اور خیر خواہی کیلئے خرچ کرے۔ جبکہ اس ضمن میں سوائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے اور کوئی چیز اس کے پیش نظر نہ ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نعم المال الصالح للمرء الصالح.(۷۴)

وہ کتنا ہی اچھا مال ہے جو کسی نیک انسان کے پاس ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلاَ تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّهُ لَكُمْ قِيَاماً(۷۵)

اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔

اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ مال و دولت زندگی کی استواری میں معاون و مددگار ہوتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

إنّ االله كره لكم ثلاثا: قيل وقال، وإضاعة المال، وكثرة السّؤال. (۷۶)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزیں ناپسند فرمائیں ہیں: قیل و قال، مال کے ضیاع اور کثرتِ سوال۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا کردہ تعلیمات میں مسئلہ معاش کو براہ راست انسانی زندگی میں نیکی اور بدی کے امتیاز میں ایک موثر بلکہ فیصلہ کن عامل قرار دیا ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كاد الفقر أن يكون كفراً.(۷۷)

ممکن ہے غربت وافلاس (کارد عمل) کفر کی حد تک پہنچ جائے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے اعتدال کو بھی معتدل معاشی سرگرمیوں سے مشروط قرار دیا:

الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة. (۷۸)

خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔

ما عال من اقتصد. (۷۹)

جس نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہیں ہو گا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رزق حلال کے حصول کو فرض قرار دیا ہے۔

طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة.(۸۰)

رزق حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔

### ۲۱۔ قوانین پر بلا تخصیص عمل درآمد

نظم وضبط کو برقرار رکھنے اور اس پر عمل درآمد کروانے کے لئے قوانین کا بلا امتیاز نفاذ اور ان پر بلا تخصیص عمل درآمد بھی ایک اہم ضرورت ہے، کیونکہ اگر قوانین کا نفاذ بھی کسی وجہ سے طبقاتی تقسیم کا شکار ہو جائے اور مساوات برقرار نہ رہے تو نظم وضبط قائم کرنے کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے، بلکہ عوام الناس کی نظر میں اس کی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے اور اس کی غیر جانبداری کا تصور ختم ہو جاتا ہے جو نظم وضبط کے عمل کے لئے بے حد ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوانین کے بلا امتیاز نفاذ کے سلسلے میں ہمیشہ اہم اقدامات کئے اور ریاست کے تمام اراکین پر بغیر تخصیص کے انہیں لاگو کیا، اور اس بارے میں نہ کسی کی سفارش قبول کی نہ رعایت سے کام لیا، بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کا ارتکاب کیا، وہ گرفتار ہوئی، چونکہ اس کا تعلق بڑے خاندان سے تھا اس لئے یہ کوشش کی گئی کہ اس پر حدِ سرقہ جاری نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قربت رکھنے والے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سفارش کروائی گئی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعلق خاطر کے باوجود نہ صرف ان کی سفارش قبول نہیں فرمائی بلکہ ان پر غصے کا اظہار فرمایا اور فرمایا "اے اسامہ کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو؟" اور پھر لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا اس میں فرمایا!

"تم سے پہلے کی امتیں اس لئے تباہ ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو درگزر کرتے اور اگر کوئی معمولی حیثیت کا آدمی جرم کر بیٹھتا تو اس کو سزا دیتے، خدا کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، اس کے بھی ہاتھ کاٹتا۔" (۸۱)

یہاں آخری جملہ خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہے، درس یہ دینا مقصود ہے کہ اسلامی نظام چونکہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کا عطاء فرمودہ ہے اس لئے اس میں ترمیم و تنسیخ اور تبدیلی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں، نہ اس کے اجرا و نفاذ میں کسی قسم کی تخصیص روا رکھی جا سکتی ہے۔

## ۲۲۔ صبر، نظم وضبط کے قیام کا اہم طریقہ

صبر و ثبات اور عزم و استقلال قانونِ فطرت ہے، انسان کو ہر منزل کے حصول کے لئے اور ہر میدان میں کامیابی کے لئے جس ملکے کی سب سے زیادہ ضرورت پیش آتی ہے وہ محنت کے بعد صبر ہے۔ خالقِ کائنات نے اس کائنات کا مزاج ایسا رکھا ہے کہ ہر کام ایک طے شدہ نظام کے تحت اور مقررہ مدت کے بعد ہی تکمیل پا سکتا ہے، کسان زمین کی درستگی اور اس میں بیج ڈالنے کے بعد عام طور پر تین سے چھ ماہ صبر کرتا ہے، اور بعض اوقات یہ مدت سال بھر تک ممتد ہو جاتی ہے، تب جا کر اسے اپنی محنت کا ثمرہ لہلہاتی فصل کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ انسان کو صبر کی تلقین کی ہی غرض سے اور اس سے طبعی عجلت کا مادہ کم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس کائنات کو اس نے چھ ایام میں تخلیق فرمایا ہے (۸۲) صاف ظاہر ہے کہ یہ اس ذات کے لئے لمحے بھر میں بھی ممکن تھا، جو کسی کام کے کرنے کے لئے محض "کن" کہنے کی بھی محتاج نہیں۔

جب ریاست نظم وضبط کی بات کرتی ہے اور عوام اس کو قبول کرنے کے لئے راضی نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو ایسی صورت حال میں صبر کا دامن تھامنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ایسے مواقع پر صبر ہی انسان کو کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ صبر انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کا بھی ناگزیر حصہ ہے، مخالفین کا سامنا کرنے اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے قرآن کے لفظوں میں صبر ضروری ہے، ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَایَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا (۸۳)

اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہیں ان (مخالفین) کا مکر و فریب کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

آپ ﷺ نے جن مشکلات کا سامنا کیا اُن کو پڑھ کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور پھر جب ہم پڑھتے ہیں کہ اتنے بڑے واقعات پر بھی آپ ﷺ نے صبر و ضبط سے کام لیا تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ صبر کا جذبہ انسان کو ترقی کی کس قدر منازل سے آشنا کرتا ہے؟ ابتدائی ایام کا ذکر ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی سجدہ کر رہے تھے اور ان کے گرد قریش کے کچھ لوگ کھڑے تھے، اس دوران عقبہ بن ابی معیط اُونٹ کی اوجھڑی لایا اور حضورِ اکرم ﷺ کی پشت پر ڈال دی، جس سے آپ ﷺ سر نہ اُٹھا سکے۔ اس دوران حضرت فاطمہؓ آگئیں اور اسے آپ ﷺ کی پشت سے ہٹایا اور جس نے یہ حرکت کی تھی اس کو بد دعا دی۔(۸۴)

آپ ﷺ کا یہ بے مثل صبر اور نظم و ضبط دراصل امتِ محمدیہ کے لئے ایک سبق اور درسِ عمل تھا، آپ نے اپنے عملِ مبارک کے ذریعے یہ تلقین و تاکید فرمادی کہ حالات خواہ کیسے ہی ناساز کیوں نہ ہوں، مشکلات کا دورانیہ خواہ کسی قدر ہی طویل کیوں نہ ہو اور مصائب کی شدت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، فتح اور مکمل کامیابی کے لئے صبر از بس ضروری ہے، اور صبر و ثبات کے بغیر دائمی، حقیقی اور مکمل کامیابی کا تصور ممکن نہیں۔

**حرف آخر**

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ مکمل طور پر عمل کی معنویت سے آراستہ ہے، اور اس کا صحیح معنی میں امتیاز یہی ہے کہ وہ معروضی حقائق سے براہِ راست متعلق ہے، یہی سبب ہے کہ کسی بھی پہلو سے کوئی بھی بات شرح و تشریح کی محتاج نہیں، وہ اپنی شرح خود آپ ہے۔

اسلامی تعلیمات کے زیرِ اثر تشکیل پانے والی ریاست کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں انسان کی اجتماعی و انفرادی ضرورتوں پر برابر توجہ دی جائے اور اس فلاحی حکومت کے فوائد و ثمرات سے تمام افراد ہر طرح کی تفریق سے قطع نظر مساوی طور پر متمتع اور بہر مند ہوں، اسی لئے نبی اکرم رحمتِ عالم ہادیٔ اعظم ﷺ کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی و راہنمائی ملتی ہے اور اس تناسب کے ساتھ کہ نہ کسی کو زیادہ توجہ کا مرتکز قرار دیا جاسکتا ہے، نہ کسی فریق کی بابت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے حقوق و مفادات کی پوری رعایت نہیں رکھی گئی، پھر ہر فریق کے حقوق کے ساتھ ساتھ اس کے فرائض بھی اسی تناسب سے بیان کئے گئے ہیں کہ یہ بھی اعتدال برقرار رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

انسان کی زندگی میں نظم و ضبط کی پابندی ہر شعبے میں ہوتی ہے جو لوگ نظم و ضبط کو اپنی زندگی کا شعار بناتے ہیں ان کی زندگی آسانی سے گزرتی ہے اور وہ دوسرے لوگوں کے لیے ایک نمونہ ہوتے ہیں ہمشہ وہ انسان کامیاب ہوتا

ہے جو اپنی زندگی میں ہر کام کی منصوبہ بندی کرتا ہے نظم وضبط کے بغیر کوئی انسان کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالی کا بنایا ہوا نظامِ کائنات بھی ایک نظم وضبط کے ساتھ چل رہا ہے۔ سورج کا کام مشرق سے نکلنا اور مغرب میں غروب ہونا ہے جو نظم وضبط کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالی نے چاند کی بھی ایک ترتیب بنائی ہے۔ وہ رات کو نکلتا ہے، اور صبح کے قریب غروب ہو جاتا ہے۔ دن اپنے وقت پر آتا ہے اور رات بھی اپنے وقت پر آتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُونَ(۸۵)

گرمی، سردی، خزاں اور بہار کے موسم بھی اپنے اپنے وقت پر آتے اور پھر چلے جاتے ہیں۔ اسی نظام سے انسان کو سبق ملتا ہے کہ وہ بھی اپنا کام نظم وضبط کے ساتھ کرے۔ پرندے جانور حتی کہ حشرات بھی نظم وضبط کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ چیونٹی اگرچہ کمزور ہے مگر وہ بھی ایک لائن بنا کر چلتی ہے، صحرا میں چلتے ہوئے اونٹوں کو دیکھیں تو ان میں بھی نظم وضبط نظر آتا ہے۔ ہر اونٹ دوسرے کے پیچھے ایک سیدھی لائن میں چل رہا ہوتا ہے۔ اسلام بھی ہمیں نظم وضبط کی تعلیم دیتا ہے دن میں پانچ وقت کی نماز بھی اپنے مقررہ وقت پر ادا کی جاتی ہے۔ نماز میں سب نمازی ایک امام کے پیچھے ایک ہی وقت میں رکوع سجود کرتے ہیں اسی طرح ماہ صیام میں سحر سے لے کر افطار تک وہ سب کچھ نظم وضبط میں آتا ہے اسی طرح حج میں نظم وضبط کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اس میں تو لاکھوں افراد مختلف ممالک میں سے حج کی سعادت حاصل کرنے آتے ہیں جو کہ کسی نظم وضبط سے کم نہیں، اسی طرح طالب علم جس کی زندگی بھی ایک نظم وضبط کی طرح ہوتی ہے ایک طالب علم نظم وضبط سے ہی اپنے روز کے کام سرانجام دیتا ہے جب وہ اپنے سارے کام ایک ترتیب سے کرے گا تو اس کو کمرہ امتحان میں کوئی پریشانی نہیں ہو گی اور اس کے برعکس وہ طالب علم جو کہ نظم و ضبط کا بالکل خیال نہیں رکھتا اس کو کمرہ امتحان میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں میں بعض اوقات نظم وضبط کا خیال نہیں رکھا جاتا جیسا کہ لوگ بس سٹاپ پر نظم وضبط کا خیال نہیں رکھتے ان کو اترنے اور چڑھنے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر یہی لوگ بس سٹاپ یا ریلوے اسٹیشن میں نظم وضبط کا خیال کریں گے تو ان کا ٹائم بھی بچے گا اور اس میں مسافر آرام سے اتر اور سوار ہو سکیں گے۔ ہم اس وقت تک ایک کامیاب پاکستان نہیں بنا سکتے جب تک ہم لوگ نظم وضبط کا خیال نہیں رکھیں گے۔

اوپر بیان کردہ مباحث میں ہم نے اصولی طور پر ان چند بڑے بڑے طریقہ ہائے کار کا احاطہ کر دیا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر ایک اسلامی ریاست میں عوام الناس میں نظم وضبط قائم کیا جا سکتا ہے۔ نہ صرف قائم کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کے لئے ہر سطح پر کوشش بھی کی جا سکتی ہے۔ اس کوشش میں علمی سطح پر کوششوں سے لے کر پالیسی میکنگ، قانون سازی، قانون کے نفاذ اور اس پر عمل درآمد کرنے اور کروانے، میڈیا کے ذریعے عوامی سطح پر شعور بیدار کرنے اور رائے عامہ کو نظم وضبط کے قیام سے حاصل ہونے والے فوائد سے آگاہ کرنے، عدالتی سطح پر نظم وضبط کو حقیقی طور

پر قائم کرنے، مالی و اقتصادی نظم وضبط کے قیام اور نظم وضبط کے قیام کی اس کٹھن راہ پر چلتے ہوئے آنے والی مشکلات و مصائب کا صبر اور استقامت سے سامنا کرنے کا عمل، یہ سب اپنی اپنی جگہ پر شامل ہیں اور ان کو بحیثیت مجموعی لئے بغیر عوام الناس میں نظم وضبط کے قیام کا خواب حقیقی طور پر شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

## حواشی وحوالہ جات


۱۔ طاہر القادری، محمد، ڈاکٹر۔ سیرۃ الرسول ﷺ کی انتظامی اہمیت۔ منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور، طبع اول، اکتوبر، ۲۰۰۶۔ ص:۹۔۱۰

2۔ Hamilton Gibb and Harold Bowen, Islamic society and the west, oup, .London p. 9

۲۔ ابن ھشام، (م۲۱۸ھ) السیرۃ النبویۃ، مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۶، ص:۵۸

4. Gustave E. Von Grunebaum, Modern Islam;: The search for cultural identity, University of California Press; First Edition edition (1962) p. 137

5۔ W.C. Smith, Islam in modren History, Princeton university press, 1957. p. 215

۶۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔ محاضراتِ شریعت۔ الفیصل، لاہور، ستمبر ۲۰۰۹۔: ص287

۷۔ بہ تلخیص غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، اسلامی ریاست دور جدید میں، ماہنامہ تعمیر افکار، اگست ۲۰۱۵، جلد ۱۶، شمارہ ۸۔ ص، ۲۹ تا ۴۸

۸۔ محولہ بالا

۹۔ الشوریٰ:۳۸

۱۰۔ دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمن (م ۲۵۵ھ)۔ السنن۔ باب التورع عن الجواب فیما لیس فی کتاب ولاسنۃ۔ قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ص۲۸

۱۱۔ طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (م360ھ)۔ المعجم الاوسط۔ مطبعۃ الزہراء الحدیثۃ، موصل، عراق

۱۲۔ المائدۃ:۴۲

۱۳۔ الزمر:۳۹

۱۴۔ بہ تلخیص غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، اسلامی ریاست دور جدید میں، ماہنامہ تعمیر افکار، اگست ۲۰۱۵، جلد ۱۶، شمارہ ۸۔ ص، ۲۹ تا ۴۸

۱۵۔ ۱۹۸۴ء، لوح خاک، ۱۷۴

۱۶۔ دیکھئے حوالہ نمبر: ۷

۱۷۔ محولہ بالا

۱۸۔ لویس معلوف، المنجد۔ مطبعہ کاثولیکیہ، بیروت، طبع عاشر ۱۹۴۷۔ ص ۹۰۵

۱۹۔ البعلبکی، روحی، ڈاکٹر۔ ومنیر بعلبکی۔ المورد الوسیط۔ مترجم: پروفیسر عبد الرزاق۔ دارالاشاعت، کراچی، ستمبر ۲۰۰۵۔ ص ۳۴۸

۲۰۔ کیرانوی، وحید الزمان قاسمی، مولانا۔ القاموس الوحید۔ ادارہ اسلامیات، لاہور، جون ۲۰۰۱۔ ص ۹۵۹

21۔ http://www.moqatel.com/openshare/Behoth/Askria6/ALendebat/sec02.doc_cvt.htm

22۔ http://www.khayma.com/madina/m3-files/endepat.htm

23۔ http://www.oxforddictionaries.com/definition/english/discipline
http://www.merriam-webster.com/dictionary/discipline

24۔ http://www.khayma.com/madina/m3-files/endepat.htm

۲۵۔ اس کی عبارت ہے:مجموعة التوجيهات والتعليمات والتنبيه الصادر من المعلم أو المدير أو مسؤل الصف إلى الطلاب ودعوتهم للالتزام بالقواعد والأعراف لمناخ الصف التعليمى"]
البدری، طارق عبد الحمید (2005). إدارة التعليم الصفى الاسس والاجراءات۔ دار الثقافة للنشر والتوزيع، عمان۔
https://ar.wikipedia.org/wiki/انضباط ذاتی

۲۶۔ اس کی عبارت ہے:ويعتمد هذا النوع على قمع النزعات السلبية والرغبات الشريره ويقوم على قوة الإرادة والعزم والتحكم فى النفس وعدم الانصياع للأهواء۔
عمار محمود إسماعيل(1999). تعليم بلاعقاب(الثواب والعقاب فى التربية)دار عالم الكتب، الرياض۔

۲۷۔ أبو نمرة، محمد خميس(2006). إدارة الصفوف وتنظيمها(ط2)، دار يافا، عمان۔

28۔ http://www.khayma.com/madina/m3-files/endepat.htm

۲۹۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی(م ۲۷۵ھ)السنن، کتاب الجہاد۔ مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۹۵۰۔ و حمص ۱۹۷۰۔ج۳ص۸۱(طبع حمص)،2708
۳۰۔ بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم،(م۲۵۶ھ)الصحیح۔ مصر، مصطفی البابی الحلبی،۱۹۵۳ءج۴، ص۴۸
۳۱۔ القاضی عیاض۔ الشفا بتعریف حقوق المصطفی ﷺ۔ المحقق: علی محمد البجاوی۔ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۴ج۱، ص:۶۱
۳۲۔ ابو داؤد، السنن، باب اجتہاد الرأی فی القضا، ج۴، ص۱۸
۳۳۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (م 405ھ)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الانعام، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان1990ء۔ حدیث نمبر:3187
۳۴۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب وانذر عشیرتک الاقربین، حدیث نمبر4770
۳۵۔ بخاری، الصحیح،، باب بدء الوحی، حدیث نمبر3
۳۶۔ مسلم بن الحجاج القشیری، (م ۲۷۶ھ)الجامع الصحیح۔ کتاب الایمان، باب جامع أوصاف الاسلام، دار المعارف، بیروت نیز محمد بن علی صبیح واولادہ، مصر، ۱۳۳۴ھ۔ج۱، ص۴۷، رقم:38، 62
۳۷۔ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (م 774ھ)۔ البدایۃ والنہایۃ۔ دار الفکر، بیروت، لبنان 1998ءج۴ ص:۵۵
۳۸۔ الرعد:۱۱
۳۹۔ ابو الکلام آزاد، مولانا۔ رسولِ رحمت۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ ترتیب: مولانا غلام رسول مہر، ص۶۹۹
۴۰۔ دارمی۔ السنن۔ کراچی، ج۲، ص۳۲۳، رقم:۲۵۴۱
۴۱۔ مسلم، کتاب الامارۃ والقضائ باب تحریم ھدایا العمال
۴۲۔ المائدہ:۴۸
۴۳۔ ابو داود، سلیمان بن اشعث السجستانی(م ۲۷۵ھ)السنن، مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۹۵۰۔ و حمص ۱۹۷۰۔ کتاب الخراج، ج۳، ص۴۴۸۔۴۵۰
۴۴۔ دار قطنی، ابو الحسن علی بن عمر البغدادی،(م ۲۸۵ھ)، السنن۔ طبع دہلی، ۱۳۱۰ھ، ج۲، ص ۵۱۵
۴۵۔ ہیثمی، علی بن ابی بکر۔ مجمع الزوائد، طبع قاہرہ، ۱۳۵۲ھ، ج۴، ص۱۹۷۔۱۹۸
۴۶۔ الحرانی، مجد الدین عبد السلام ابن تیمیہ، علامہ۔ المنتقیٰ من اخبار المصطفیٰ۔ طبع قاہرہ، ۱۹۳۱۔ ج ۲، ص ۱۹۳۵(حمد، ابو داؤد، ترمذی بحوالہ المنتقیٰ۔)
۴۷۔ ابو داؤد، ج۲، ص۱۵۰، مطبع نولکشور ۱۲۹۳ھ

۴۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، در ذیل مضمون حضرت محمد ﷺ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ ص۲۱۸
۴۹۔ البقرہ:۲۶۳
۵۰۔ بخاری، الصحیح، کتاب الادب، باب الساعی علی الارملۃ
۵۱۔ ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب اصلاح ذات البین
۵۲۔ الاسراء:۷۸
۵۳۔ النساء:۱۰۳
۵۴۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (م 279ھ)۔ السنن۔ باب ماجاء اول مایحاسب، رقم:413
۵۵۔ سورۂ توبہ، آیت:۶۰
۵۶۔ ابو داؤد۔ السنن، ج۲، ص۳۷، رقم ۱۶۳۰،
۵۷۔ البقرہ:۱۸۳
۵۸۔ مسند احمد: ج3، ص341، بروایت جابر بن عبد اللہ
۵۹۔ آل عمران:۹۷
۶۰۔ روزنامہ ایکسپریس، ادارتی صفحہ، ۲۸ ستمبر ۲۰۱۵، ویب ایڈریس درج ذیل ہے:
/http://www.express.pk/story/394818
۶۱۔ احمد زکی صفوت۔ جمہرۃ خطب العرب۔ بیروت، مکتبہ علمیہ، ص۱۸۰،
۶۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ج۲، ص۲۰۵
۶۳۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج۱، ص ۲۸۵
۶۴۔ بخاری۔ الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب مالقی رسول اللہ ج۳، ص۱۳۲۲، رقم ۳۴۱۶
۶۵۔ الانفال:۲۷
۶۶۔ الانفال:۵۸
۶۷۔ ہندی، حسام الدین، علاء الدین علی متقی (م975ھ)۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، /1979 جلد سوم، صفحہ ۶۱، حدیث نمبر ۵۵۰۰
۶۸۔ ابو داؤد، السنن۔ کتاب الخراج والامارۃ، باب مایلزم الامام من حق الرعیۃ، جلد سوم، صفحہ ۱۳۰، رقم الحدیث:۲۹۲۸
۶۹۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب استحقاق الوالی الغاش لرعیتہ النّار، ج۱، ص۱۲۵، رقم:۱۴۲
۷۰۔ اس سلسلے میں تفصیلات کے لئے دیکھیں: (ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (م728ھ)۔

السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ) الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، صفحہ ۱۹۳

۷۱۔ بخاری، الصحیح: کتاب الاحکام، باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح لہم۔ رقم الحدیث: ۶۷۳۲

۷۲۔ ہندی، کنز العمال ایضاً، جلد سوم، صفحہ ۶۲، حدیث نمبر ۵۵۰۳

۷۳۔ ہندی، کنز العمال، ایضاً، جلد سوم، صفحہ ۶۰، حدیث نمبر ۵۴۹۰، ۵۴۹۱، ۵۵۰۵، ۵۵۰۶

۷۴۔ احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ بن محمد (م 241ھ)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، 1978ء ج4، ص: 197، رقم: 17798

۷۵۔ النساء، 4: 5

۷۶۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب قول اللہ تعالی: لایسئلون النّاس إلحافا، 2: 537، رقم: 1407

۷۷۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (م458ھ)، شعب الایمان، بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، 1990ء۔ ج5، ص: 267، رقم: 6612

۷۸۔ طبرانی۔ المعجم الاوسط۔: 25، رقم: 6744

۷۹۔ طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (م360ھ)۔ المعجم الکبیر۔ موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء الحدیثہ۔، 10: 108، رقم: 10118

۸۰۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی (م458ھ)۔ السنن الکبریٰ۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، 1414ھ / 1994ء۔ 6: 128، رقم: 11695

۸۱۔ بخاری۔ الصحیح۔ کتاب الحدود، باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحد۔ مصر، مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۵۳ء۔ ج۴، ص ۱۲۲۔
☆ دارمی۔ السنن۔ قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ج۲، ص ۲۲۷، رقم: ۲۳۰۲

۸۲۔ اعراف: ۵۴

۸۳۔ آلِ عمران: ۱۲۰

۸۴۔ بخاری۔ مصطفی البابی، مصر، ۱۹۵۳، ج۴، ص ۲۳۹

۸۵۔ یٰس: ۴۰

# [[004]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

ظفر اقبال-راولپنڈی

## 1. اسلامی ریاست کا تصور

ریاست اپنے چار عناصر ترکیبی سے وجود میں آتی ہے۔ ا۔ اقتدار اعلیٰ۔ ۲۔ آبادی، ۳۔ علاقہ اور ۴۔ حکومت۔ اسلام کسی خاص خطے کا دین نہیں بلکہ پوری کائنات اور پوری انسانیت کے لئے مشعل راہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے متعلق فرمایا:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾[1]

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

اسلامی ریاست کا عالمگیر ہونا اپنی مثال آپ ہے۔ جسٹس شمیم حسین اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

"چونکہ اسلام کا مقصد ایک عمدہ عالمی نظام قائم کرنا ہے لہذا اس کا پیغام امن ونجات کسی خاص خطّہ زمین سے متعلق نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں ہے۔[2]"

اسلامی نقطہ نظر سے مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس میں کوئی دو آراء نہیں ہیں۔ کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾[3]

دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے)

اس کے بعد آبادی کا تصور واضح ہے کہ اس سے مراد کسی ریاست کے تمام وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس علاقہ میں پیدا ہوئے ہوں یا پھر حکومت انہیں ادھر رہنے کا قانونی حق دے دے۔[4]

## 2. اسلامی ریاست کی تعریف

خلافت کے موضوع پر لکھنے والے مصنفین نے اس کی متعدد تعریفیں پیش کی ہیں۔ ہم یہاں حضرت شاہ ولی اللہ کی بیان کردہ تعریف سپرد قلم کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی رائے ہے کہ اسلامی ریاست سے مراد وہ:

"عمومی اختیار حکمرانی ہے جو آنحضرت ﷺ کی نیابت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تاکہ علوم دینی کے احیاء کے ذریعے اقامت دین کا فریضہ پورا ہو ارکان اسلام قائم ہوں جہاد اور اس سے متعلقہ امور مثلاً لشکروں کی تربیت

و تنظیم سپاہیوں میں ان کی تنخواہوں وغیرہ کی تقسیم اور فوجوں کے لئے ضروری رقموں کی تخصیص کا انتظام وانصرام ہو، عدل وانصاف قائم ہو حدود اللہ جاری ہوں۔ ظلم وناانصافی کا خاتمہ ہو جائے لوگوں کو نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے۔" شاہ صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں:

هي الرياسة العامة في التصدي لاقامة الدين باحياء العلوم الدينية واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهادو ما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة واعطاءهم من الفئي والقيام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابة عن رسول الله صلي الله عليه وسلم[5]

ایک دوسری تعریف جناب حسن ابراہیم حسن جو دور جدید کے مشہور محقق ہیں کی بیان کردہ ہے لیکن اس کی بنیاد بھی کلاسیکی تعریفوں پر رکھی گئی ہے۔ ان کی رائے ہے۔

(خلافت) وہ ریاستی اقتدار ہے جسے زندگی کے جسمانی اور روحانی معاملات کے انتظام وانصرام کے لئے حضور نبی کریم ﷺ کی جانب سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے امت میں خلیفہ کی وہی حیثیت ہے جو مسلمانوں میں حضور نبی کریم ﷺ کی تھی۔ خلیفہ مسلمانوں کا عمومی سرپرست ہوتا ہے چنانچہ انہیں اس کی مکمل اطاعت کرنی چاہئے۔ اس کے بدلے میں خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام معاملات کی دیکھ بھال کرے۔ اسلامی قوانین نافذ کرے اور ان کے تمام دنیاوی مسئلے حل کرے امت کے معاملات کی باگ ڈور صرف اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ تمام مقامی یا تحتی اقتدار یا سرپرستی صرف اسی سے اخذ کی جاتی ہے۔ تمام مذہبی پروگرام اسی کے منصب سے صادر ہوتے ہیں۔ اس طرح خلیفہ امت کا دنیاوی اور روحانی حکمران ہوتا ہے۔[6]

### 3. اسلامی ریاست کے فرائض وذمہ داریاں

مسلم ریاست کی ذمہ داریاں عام ریاست کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔ اسلامی معاشرے میں جہاں عوام کے کردار کی وضاحت کی گئی ہے وہیں اسلامی ریاست میں حاکم کے کردار پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ متوازن معاشرہ قائم ہو اور ریاست کے باشندوں کو زیادہ سے زیادہ سہولیات کی فراہمی ممکن ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے مسائل میں کمی واقع ہو۔ ریاست کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں خدا کی ہدایت اور اس کی نازل کردہ میزان عدل کے مطابق اجتماعی عدل قائم کیا جائے اس مقصد کو اللہ تعالی نے یوں بیان فرمایا ہے ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾[7] یقیناً ہم نے رسولوں کو واضح ہدایت کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتار دی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اس آیت مبارکہ میں ریاست کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالی کی ہدایت اور اس کے پیغمبر کی لائی ہوئی میزان حق کے مطابق لوگوں کو عدل وانصاف پر قائم کیا جائے اور اسی مقصد کے لیے قوت نافذہ استعمال کی جائے۔ ایک غیر اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں محض یہ ہے کہ پولیس کے ذریعے امن بحال

رکھا جائے، انتظامیہ کے ذریعے حکومت کا کاروبار چلایا جائے اور فوج کے ذریعے سرحدوں کی حفاظت کی جائے جبکہ اسلامی ریاست یہ ذمہ داریاں بھی پوری کرتی ہے مگر اس کا فریضہ یہ بھی ہے کہ پوری ریاست میں نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کیا جائے، مکروہ کاموں کی روک تھام کی جائے اور اچھے کاموں کو فروغ دیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾[8]

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

ان اغراض کے لئے محکمے قائم کئے جائیں اور یوں ملک سے ظلم کو ختم کر کے عدل و انصاف قائم کیا جائے اور اس راہ میں مزاحم باطل قوتوں کو دور کیا جائے۔ ایک اسلامی ریاست کی بنیاد اللہ اور رسول کی اطاعت پر استوار ہوتی ہے اور اسی نظریہ پر چلتے ہوئے کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے اور یہی چیز اسلامی حکومت کو دوسری تمام اقسام کی حکومت سے ممتاز کرتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴾[9]

مومنو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے۔

اسلامی حکومت کے لئے بنیادی تعلیمات اور اصول وضوابط کی اس آیت مبارکہ میں وضاحت کی گئی ہے جس کے مطابق اسلامی نظام میں اصل مطاع صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہی کائنات کا خالق و مالک ہے لہٰذا ہر طرح کے قانونی اور سیاسی اختیارات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یوں کہئے کہ قانونی اور سیاسی مقتدر اعلیٰ صرف اللہ ہی کی ذات ہے، قانون سازی اور حلت و حرمت اور اوامر و نواہی کے اختیارات اسی کے لئے ہے۔ رسول کریم ﷺ کی اطاعت اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے پاس اللہ کے احکام کی اس کی منشاء کے مطابق بجا آوری کا رسول کریم ﷺ کی اطاعت کے بغیر کوئی ذریعہ نہیں۔ چنانچہ جو شخص اس زمین میں اپنے اختیارات کو اللہ تعالیٰ کا منشاء پورا کرنے کے لئے اُس کی ہدایات کے مطابق استعمال کرے وہی نیابت کا اہل اور ایک اسلامی ریاست کا صحیح معنوں میں حاکم کہلا سکتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[10]

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بد کردار ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایک اسلامی ریاست اگر اپنے مقاصد اور وظائف کی پابند ہے تو عوامی نظم وضبط کا حصول بہت آسان ہے۔ اسلامی ریاست کے مقاصد اور ذمہ داریوں میں نماز، روزہ کے نظام کا قیام[11]، برے کاموں کی روک تھام اور اچھے کاموں کی حوصلہ افزائی[12]، اور ملک سے ظلم وستم ختم کرکے عدل وانصاف قائم کرنا[13] شامل ہے۔ یہ وہ مقاصد ہیں جن کے لئے اسلامی ریاست تشکیل پاتی ہے۔ اسی طرح اسلامی ریاست ان مقاصد کے حصول کے لئے کچھ وظائف کی بھی پابند ہوتی ہے جن میں سب سے اہم اقامت صلوۃ کے لئے انتظام و انصرام یعنی مساجد اور ائمہ کا بندوبست، زکوٰۃ کے حصول کے لئے لوگوں کی بنیادی ضروریات یعنی کھانے، پینے، اور رہنے کا بندوبست، عوام کے جان ومال کا تحفظ، عدل وانصاف کی فراہمی اور مساوات ہیں۔ اگر کسی اسلامی ریاست کی طرف سے ان وظائف کی بجا آوری صحیح طور پر ہو رہی ہو تو مقاصد کا حصول بہت آسان بلکہ لازم ہو جاتا ہے۔

## 4. اسلامی ریاست میں عوام الناس کی ذمہ داریاں

### 4.1 اطاعت

اسلامی اصطلاح میں عوام اور شہریوں کا پہلا فرض ریاست کی طرف سے سمع وطاعت کا عائد ہونا ہے یعنی حدود شرع میں جو حکم بھی دیا جائے اسے سننا اور اس کی اطاعت کرنا ہے شریعت نے جن باتوں کا حکم دیا ہے ان کی اطاعت کرنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جب تک کہ خلاف شرع حکم نہ ملے اسے خندہ پیشانی سے قبول کرنا اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا فرض ہے اس سلسلے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾[14] کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی پس اگر تم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔

اور حدیث مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے السمع والطاعة في العسر واليسر والمنشط والمكره[15] تنگی و آسانی، خوشی وناخوشی ہر حال میں بات کا سننا اور ماننا ضروری ہے۔

ہاں اگر کوئی قانون ایسا بنادیا جائے جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو، تو اس میں بڑوں کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اور یہ بات اجتماعی نظم وضبط کا حصّہ ہوگی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: الْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ[16] مسلمان اپنی شروط وقوانین کے پابند ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے: السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى المَرْءِ المُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ

بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ [17] مسلمان آدمی پر سننا اور اطاعت کرنا اس وقت تک واجب ہے جب تک اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم نہیں دیا جاتا، خواہ اسے پسند ہو یا نہ۔ لیکن جب اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو اسکے لیے سننا اور اطاعت کرنا واجب نہیں ہے۔ اجتماعی کام مثلاً تنظیم، جماعت، یا ادارہ کے امور میں حاضری اور رخصت سے متعلق بھی اللہ تعالی نے قانون مقرر فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ [18]

بے شک مؤمن صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ پہ ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ انکے ساتھ کسی اجتماعی کام پہ ہوتے ہیں تو اجازت لیے بغیر نہیں جاتے۔ یقینا جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی اللہ اور اسکے رسول ﷺ پہ ایمان رکھنے والے ہیں۔ تو جب وہ آپ ﷺ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں، اور ان کے لیے اللہ سے بخشش طلب کیجئے یقینا اللہ تعالی نہایت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

### 4.2 وفاداری اور خیر خواہی

عوام کا فرض ہے اسلامی ریاست سے دلی خیر خواہی رکھیں، اس کے وفادار رہیں اس کی کامیابی میں ہر وقت کوشش کرتے رہیں اور اس کے نقصان کو بالکل گوارا نہ کریں دل و جان سے اس کی بھلائی چاہیں، اس کی فلاح و بہبود میں کوشاں رہیں اس کے ساتھ دلی وابستگی رکھیں حدیث مبارکہ میں ہے الدین النصیحۃ للّٰہِ ولرسولِہ ولائمۃ المسلمین وعامتھمْ [19] دین خیر خواہی کا نام ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول مسلمانوں کا حکام اور عوام سے قلبی لگاؤ رکھنا دین ہے۔ کسی کو نصیحت کرنا محبت اور الفت پر دلیل ہے

### 4.3 تعاون

عوام کا یہ فرض ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں قرآن پاک میں ہے ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [20] کہ نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ جب تک یہ تعاون کی روح نہ ہو کوئی اچھی بات بروئے کار نہیں آسکتی۔ اسلام نے ریاست کا ادارہ مقرر ہی اس لیے کیا ہے تاکہ نیکی کے لیے اجتماعی کوشش بروئے کار لائی جا سکے۔ اجتماعی کوشش عوام کے تعاون سے ہی ممکن ہے۔ اس لیے شہریوں کو اپنی تمام صلاحیتوں اور خدمات سے اسلامی ریاست کا ساتھ دینا واجب ہے۔

### 4.4 جانی و مالی قربانی

شہریوں کا فرض ہے کہ جب کوئی مشکل وقت آئے تو ایک دوسرے کی خاطر جان و مال قربان کرنے میں

تاخیر نہ کریں دفاع میں خون کا آخری قطرہ اور مال کی آخری خوڑی بھی صرف کر ڈالیں۔ حکومت کے کاموں میں مال لگائیں اجتماعی بہبود کے کاموں میں اپنے مال کو اپنا نہیں بلکہ سب کا سمجھتے ہوئے کھلے دل سے خرچ کریں۔ یہ ایثار ہی تھا کہ جس کی وجہ سے مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی کہ انصار صحابہ نے مہاجر صحابہ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کے حالات ٹھیک ہو گئے تھے۔ اور اس اطاعت، وفاداری اور تعاون کے حوالہ سے اسلام نے ایسا خود احتسابی کا نظام ترتیب دیا ہے کہ اس میں ہر شخص خود اپنے مقام پر تابع بھی ہے اور متبوع بھی کہ ارشاد نبوی علی صاحبھا الصلوۃ والسلام ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤول عَنْ رَعِيَّتِهِ، الإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْؤولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْؤولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْؤولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ ومَسْؤولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، ... وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ[21]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ حاکم نگہبان ہے اور اس سے رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ مرد اپنے اہل خانہ پر نگہبان ہے اور ان کے بارے میں جوابدہ بھی۔ عورت اپنے خاوند کے گھر میں نگہبان ہے اور اس سے اس نگہبانی کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اور ملازم اپنے مالک کے مال میں نگہبان ہے اور جوابدہ بھی۔۔۔ اور اسی طرح ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہو گا۔

مسلمان آبادی کے ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی بنا پر اسلامی حکومت کی اطاعت بصد احترام کی جاتی ہے الّا یہ کہ وہ شریعت کے خلاف کوئی حکم صادر کرے۔ اسی لئے کسی بھی اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانا کسی غیر اسلامی ریاست کے مقابلہ میں کہیں آسان اور کم وسائل کا خواہ ہے۔ کیونکہ درج بالا بحث سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک اسلامی ریاست کا نظام حکومت قانون کی بجائے اخلاقی قدروں کا متقاضی ہوتا ہے۔ اور مقاصد کے حصول کے لئے حکومت آئین و قانون اور انتظام کے ساتھ جب تک اخلاقی اقدار کو اجاگر نہیں کرتی تو کبھی بھی مثبت نتائج بر آمد نہیں ہو سکتے اور جب مقاصد حاصل ہونگے تو لازمی طور پر عوام الناس میں نظم وضبط کی تعلیمات اجاگر ہونگی۔

### 5. نظم وضبط

نظم وضبط کے لئے عربی زبان میں انضباط یا ضبط نفس کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ضبط نفس اور انضباط سے مراد معاملات کا اس طرح ادا ہونا کہ اس میں کسی قسم کا نقص نہ پایا جائے۔ القاموس المحیط میں ہے کہ "النظم: التأليفُ، وضَمُّ شيء إلى شيءٍ آخَرَ[22] یعنی نظم سے مراد تالیف ہے اور اس سے مراد ایک چیز کو دوسری میں ضم کرنا، اور کہا جاتا ہے، "نظّمه: ألفه وجمعه في سلك" یعنی اسے جوڑ دیا اور ایک لڑی میں پرو دیا۔ نظم

کا لفظ ام معبد الخزاعیہ نے سیرت نبوی ﷺ کے باب میں موتیوں کو دھاگے میں پرونا کے معانی میں ہی استعمال کیا ہے[23]۔ اس لغوی تشریح سے یہ بات صاف ہے کہ "نظام" اجتماع اور تالیف وترتیب کا مفہوم رکھتا ہے۔

جبکہ "الضبط" بھی اسم ہے۔ لسان العرب میں ہے:لزوم الشيء وحَبْسُه، ضبط الشيءِ: حفظُه بالحزم. وقال الليث: الضبط لزومُ شيء لا يفارقه في كل شيء[24]۔ یعنی کسی چیز کو اس طرح اختیار کرنا کہ اسے کبھی ترک نہ کیا جائے۔ اس کے معانی میں تحمل، برداشت، صبر، اور انتظام، نظم ونسق، بندوست کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح معجم الوسیط میں ضبط کے تحت لکھتے ہیں۔ ضبطاً:حفظه بالحزم حفظاً بليغاً- واحكمه واتقنه[25]۔ کہ کسی معاملہ کی بہت زیادہ احتیاط کے ساتھ حفاظت کرنا۔ اور اس کام کو پکا کرنا اور خوش اسلوبی سے کرنا۔ انگریزی میں نظم وضبط کے لئے "Discipline" (ڈسپلن) کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور انگریزی لغت میں اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"The practice of training people to obey rules or code of behaviour, using punishment to correct disobedience"

کہ لوگوں کو کسی ضابطے یا قانون کا پابند بنانے کے لئے کسی ایسی تربیت کا بندوبست کرنا جس میں نافرمانی کو سزا کے استعمال سے روکا جاسکے۔

اصطلاحی اعتبار سے معجم التعریفات میں علامہ جرجانی ضبط کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

إسماع الكلام كما يحق سماعه ثم فهم معناه الذي اريد به، ثم حفظه ببذل مجهوده والثبات عليه بمذاكرته إلى حين ادائه إلى غيره[26]

بات کو پوری توجہ سے سننا پھر جو حقیقی غرض وغائت کہنے کی ہے اس کا استحضار کرنا۔ پھر ہر ممکن کوشش سے اس کو ذہن نشین کرنا اور پھر دوسروں تک پہنچانے کے وقت تک اس کو مذاکرہ کے ذریعہ پکا کرتے رہنا۔

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں کسی بھی کام کو حسن طریق اور اعلیٰ معیار کے مطابق انجام دینا نظم وضبط کہلاتا ہے۔ اور ضرورت محسوس ہو تو اس سلسلہ میں کچھ ایسے تعزیری قوانین مرتب کرنا جو اس کام کی کماحقہ انجام دہی کے لئے مدد ومعاون ہوں۔ نظم وضبط کا تعلق جہاں انسان کی انفرادی زندگی سے ہے، اس سے کہیں زیادہ افراد کی اجتماعی زندگی میں اس کا کردار ہے۔

نظم وضبط اور ڈسپلن سے مراد افراد کے مجموعے کا قوانین، اخلاق اور معاشرتی قدروں کا خیال کرنا ہے۔ مثلاً افواج پاکستان میں ڈسپلن سے مراد متعدد اعمال میں طے شدہ طریقہ کار اپنانا ہے، کہ فوج میں کھانا کھانے کی میس میں بھی ایک خاص طریقہ ہے، کپڑے لٹکانے کا بھی ایک طے شدہ طریقہ ہے، اپنے سے عہدہ میں بڑے سے پیش آنے کے بھی کچھ قواعد وضوابط ہیں، اسی طرح قافلے کے چلنے اور ٹھہرنے کے بھی کچھ ضابطے ہیں، اور اس کی خلاف ورزی پر

سزا بھی متعین ہے اس طے شدہ طریقہ کی پابندی نظم وضبط (ڈسپلن) کہلاتی ہے۔

## 5.1 نظم وضبط کی اہمیت

یہ بات ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ نظم وضبط کی پابندی کسی قوم کے اخلاقی معیار بلند ہونے کی عکاسی کرتی ہے، بلکہ کسی قوم یا فرد کی ترقی میں بھی نظم وضبط کا اہم کردار ہے۔ جیسا کہ افواج کی مثال آچکی کہ فوج کے داخلی نظم کو بغور دیکھا جائے تو نہ صرف کھانے، پینے، کام کرنے اور تفریح کے اوقات مقرر ہیں بلکہ ان تمام کاموں کو انجام دینے کا ایک طے شدہ طریقہ کار بھی موجود ہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ فوج کے تمام کام اپنے مقررہ وقت پر اور بغیر کسی ہنگامی انتظام کے انجام پاتے ہیں۔ لیکن جن اداروں میں نظم وضبط کی پرواہ نہیں کی جاتی وہاں نہ صرف انتظام وانصرام بگڑتا ہے، بلکہ کسی بھی کام کو انجام دینے کے لئے ہنگامی انتظامات ہی کرنا پڑتے ہیں جس کی وجہ سے کام کا معیار اور مقدار دونوں متأثر ہوتے ہیں۔ ایک طالب علم اگر اپنی پڑھائی، کھیل اور باقی لوازمات کا ٹائم ٹیبل مقرر کرتا ہے اور ہر کام کو انجام دینے کا جو طریقہ اس سے پہلے اس میدان کے ماہرین نے طے کیا اس کو سامنے رکھتا ہے، تو وہ اپنی منزل وقت سے پہلے حاصل کرلیتا ہے، بصورت دیگر بد نظمی کا شکار ہو کر ناکامی کا سامنا کرتا ہے۔

زندگی کے امور میں بہت سی مشکلات کا سبب نظم وضبط کا نہ ہونا ہے۔ نظم جیسی پسندیدہ صفت، معجزاتی طور پر طرز زندگی میں مثبت تبدیلیاں وجود میں لاتی ہے۔ کاموں میں نظم وضبط، فرد اور معاشرے میں بہت زیادہ آثار وبرکات کا حامل ہے۔ نظم اور منصوبہ بندی کے سبب وقت اور سرمایوں کے ضائع ہونے کی روک تھام ہوتی ہے انسان کی ضروریات اس طرح سے مختلف اور متنوع ہیں کہ جنہیں بیک وقت انجام دینا انسان کی طاقت وتوانائی سے باہر ہے یہاں تک کہ ان سب کو دنوں اور راتوں میں انجام دینا مشکل ہے۔ اسی بناء پر انسان مجبور ہو کر ان ہی کاموں کو جو اہمیت رکھتے ہیں انہیں کا انتخاب کرتا ہے اور ہر ایک کام کی انجام دہی کے لئے وقت اور زمانے کا تعین کرتا ہے تاکہ رفتہ رفتہ دیگر اوقات میں اپنے تمام کاموں کو انجام دیتا رہے۔ اس بناء پر انسان اپنے کاموں کے انتشار سے پرہیز کرتا اور اپنی عمر، کہ جو اس کا اصلی ترین سرمایہ ہے، بہترین فائدہ حاصل کرتا ہے۔ جو انسان اپنے روز وشب کے اوقات کے لئے منصوبہ بندی کرتا اور اپنے انفرادی واجتماعی کاموں کے لئے وقت کو مد نظر قرار دیتا ہے وہی ان اوقات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے۔ کاموں میں نظم وضبط اس بات کا موجب بنتا ہے کہ ہر کام اپنے وقت پر انجام پائے اور مفید بھی واقع ہو۔

انفرادی واجتماعی رویوں میں نظم وضبط، انسان کی فکر کے منظم ہونے میں موثر عامل ہے۔ جس شخص اور قوم کے تمام کام منظم ہوں تو اس کی فکر میں بھی ایک خاص نظم پیدا ہو جاتا ہے۔ انسانیت اس خصوصیت کا حامل ہونے کے ساتھ ترقی وکمال کے زینے باآسانی طے کر سکتی ہے۔

## 5.2 تخلیق کائنات اور نظم وضبط

کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے بھی ترتیب کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے نظم و ضبط اور پختگی میں اس کے بنانے والے کی تقدیر اور تدبیر مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ١٩ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ٢٠ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ﴾[27]

ہم نے زمین کو پھیلایا، اُس میں پہاڑ جمائے، اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی (19) اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے، تمہارے لیے بھی اور اُن بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو (20) کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿صُنْعَ اللّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾[28]

(یہ) خدا کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔

زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے اور سیارے ہر ایک کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نظم وضبط کی پابندی کرنے والے کے طور پر ہی فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ (37) وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (38) وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ(39) لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ(40)﴾[29]

"اور ایک نشانی ان کے لئے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے (38) اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے۔ یہ (خدائے) غالب اور دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے (39) اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے (40) نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے۔ اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ "

گویا کائنات کی ہر ایک چیز نظم وضبط کی پابند بنائی گئی ہے۔ جس سے اللہ جلّ شانہ کی اس فطرت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اس کائنات کی بے ترتیبی بالکل بھی پسند نہیں۔

### 5.3 تخلیق انسان اور نظم وضبط

خود انسان کی بناوٹ پر ہی غور فرمایئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو صحیح سالم پیدا کیا اور بہترین صورت عطا کی اور اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالی نے اسے ایک ایسی شریعت سے نوازا جو نہ صرف اس کی عزت و تکریم کی محافظ ہے بلکہ

اسے ہر گھٹیا چیز سے بچانے والی ہے۔ اس دین کی درس و تدریس اور اس کی وصیتیں دلوں کی گہرائی میں اتر جاتی اور انسانی طبیعتوں کو منضبط کرتی، اس کے راستوں کا رخ متعین کرتی اور اس کے توازن کو برقرار رکھ کر اس کے سفر دنیا کو محفوظ بناتی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کا رسوخ، نظم وضبط اور ان کے آداب و اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ:

"رحمٰن کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ کو آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام[30] "

اعتدال، توازن اور نظم وضبط سب کچھ انسانی شخصیت میں راسخ اخلاق وعادات سے منعکس ہوتا ہے۔ جو اسکے اخلاق و اعمال کو حق کے موافق، برائی سے دور اور احساسات کا لحاظ کرنے والا بناتی ہیں۔ یعنی حقوق کی ادائیگی کا ہمیشہ خیال اور حقوق و فرائض میں توازن و اعتدال کرنے والا بنا دیتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی زمین پر بھیجا تو ایک ھدایت اور نظم وضبط کی پیروی کا ہی حکم دیا۔ ارشاد ہوا:

﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[31]

ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

اور پھر بطور خاص اس آخری امت کو جو دین عطا کیا یعنی اسلام تو یہ دین ایک مکمل ضابطہ حیات کے طور پر دیا ہے۔ جو تمام تر اخلاقی تعلیمات کا جامع ہے۔

### 5.4 اسلامی تعلیمات اور نظم وضبط

اسلام میں نظم وضبط کی تعلیمات بدیہی طور پر موجود ہیں۔ گویا کوئی شخص جب شریعت اسلامیہ کا پابند بن جاتا ہے تو نظم وضبط خود بخود اس کی زندگی کا شعار بن جاتا ہے۔ نظم وضبط کا تعلق جہاں دنیاوی کامیابی سے ہے اسی طرح اُخروی کامیابی میں بھی نظم وضبط کا خاصا عمل دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں نظم وضبط کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ دنیا کے تمام تر مذاہب میں سے اسلام ایسا مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو سب سے زیادہ نظم وضبط سکھاتا ہے۔ مسلمانوں کی تمام تر عبادات مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکاۃ، صدقات، وغیرہ اور معاملات مثلاً: تجارت و معیشت، معاشرت، سب میں بہترین نظم موجود ہے۔ اسلام کا کوئی شعبہ چاہے عبادات سے متعلق ہو، معاشرت، معیشت یا معاملات یعنی حکومت و سیاست وغیرہ سے، ایسا نہیں جس میں نظری اور عملی دونوں پہلوؤں سے نظم وضبط کی تعلیمات نہ ملتی ہوں۔

دین اسلام میں نظم وضبط کی پابندی نہ صرف ظاہری و بیرونی عوامل کا نتیجہ ہوتی ہے بلکہ کچھ اندرونی اور باطنی عوامل بھی اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ظاہری عوامل میں ترغیب و ترھیب کا عمل دخل اہم ہے جبکہ باطنی

عوامل میں اخلاص وللٰہیت کا کردار کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر نظری پہلوؤں میں عقائد جبکہ عملی پہلوؤں میں عبادات کو نظم وضبط سے گہرا تعلق ہے

قبل اس سے کہ ایک اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقوں پر غور کیا جائے، ایک ضروری سمت میں جھانکنا ضروری ہے۔ اور وہ اسلامی عقائد اور احکامات کا نظم وضبط کی پابندی میں کردار ہے۔ اسلامی عقائد اور اسلامی تعلیمات کسی بھی فرد کو نظم وضبط کا پابند بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

### 5.5 اسلامی عقائد اور نظم وضبط

عقائد کے حوالہ سے نظم وضبط کا مطالعہ سب سے پہلے ان کی ترتیب سے ہی کیا جاتا ہے۔ عقیدہ توحید، آخرت اور رسالت جو اسلام کے بنیادی عقائد ہیں ان کی تعلیم صدر اسلام میں اسی ترتیب کے ساتھ دی گئی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار پھر اُخروی زندگی کا اقرار اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرنا تھا۔ کیونکہ جب تک کوئی انسان اپنے دل سے شرک کی گندگی کو نکال باہر نہیں پھینکتا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ آخرت کی زندگی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ اسی طرح توحید وآخرت کا یقین کرنے والا ہی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرے گا۔ گویا یہ ترتیب خود ایک نظم وضبط کا مظہر ہے۔ اسلامی عقائد میں ایک ایسا میکانکی تعلق پایا جاتا ہے کہ ایک کو ماننے والا دوسرے کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح اس کی سوچ میں ایک ترتیب اور نظم وضبط پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور جب داعی کو ان باتوں کا شعوری علم ہو گا تو اس کی دعوت زیادہ مؤثر انداز میں عامۃ الناس میں ان تعلیمات کی بنیاد پر نظم وضبط کو پیدا کرے گی۔

ایک مسلمان جب عقیدہ توحید کی روشنی وپاکیزگی سے روشناس ہوتا ہے تو لا محالہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور جوں جوں اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، قدرتوں اور احسانات کا صحیح شعور پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھر جاتا ہے جس کو قرآن مجید نے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ[32] کہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے بہت گہری محبت ہوتی ہے۔ اور اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف سے محبت کا مستحق بننے کے لیے بندوں کو اطاعت نبوی ﷺ کا حکم فرمایا: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾[33] اس میں بھی ترتیب اور نظم دے دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے نظم یہ ہے کہ زندگی کے اعمال کو رسول ﷺ کی سنت کے تابع کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی پورے طور پر نظم وضبط کا عظیم مظہر ہے۔

### 5.6 اسلامی عبادات اور نظم وضبط

دین اسلام میں عبادات کے حوالہ سے نظم وضبط کے مظاہرے نماز، روزہ، زکوۃ، حج ہر ایک میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ نماز کی عبادت کو اللہ تعالیٰ نے مقررہ وقت پر فرض فرمایا ہے۔ اب وقت کی پابندی خود نظم وضبط کا ایک رکن ہے، نماز میں نظم وضبط کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ، وَيَقُولُ: «اسْتَوُوا، وَلَا تَخْتَلِفُوا، فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ، لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ» قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ: «فَأَنْتُمُ الْيَوْمَ أَشَدُّ اخْتِلَافًا[34]

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ہمارے کندھوں کو چھوتے اور فرماتے: برابر ہو جاؤ اور کجی نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی تم میں سے سمجھ دار اور دانشمند لوگ میرے قریب کھڑے ہوں پھر جو ان سے قریب ہوں پھر جو ان سے قریب ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں امام کی پیروی کرنے کی تاکید اور اس کی مخالفت سے مکمل طور پر منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح صف کی درستگی کو حسن، خوبصورتی اور نظم وضبط کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: " إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَلاَ تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ، فَإِذَا رَكَعَ، فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا، فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ، وَأَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلاَةِ، فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلاَةِ [35]

ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس کے مخالف نہ چلو جب وہ رکوع میں چلا جائے تب تم رکوع کرو، وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہہ لے پھر تم کہو ربنا لک الحمد، جب وہ سجدے میں چلا جائے تو تم سجدے میں جاؤ، جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو اور صف کو درست کرو کیونکہ صف کو درست کرنا نماز کی خوبصورتی ہے۔

باجماعت نماز میں صفوں کو برابر کرنا، پہلی صفوں کو پہلے پُر کرنا، گردنوں کو نہ پھلانگنا، مل مل کر کھڑا ہونا اور نمازی کے آگے سے نہ گزرنا بلکہ اپنی جگہ پر انتظار کرنا کہ پچھلا نمازی نماز سے فارغ ہو جائے تو اس کے سامنے سے گزرنا۔ ان تمام تعلیمات کی جہاں روحانی معنویت ثابت ہے اور اُس سے انکار ممکن نہیں اسی طرح یہ ظاہری اعتبار سے نظم وضبط کی پابندی کا اعلیٰ مظہر ہیں۔

نماز کے بعد دوسرا اہم رکن اسلام زکوۃ ہے۔ جس میں بظاہر کوئی نظم وضبط کی ضرورت یا اہمیت محسوس نہیں ہوتی لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو قرآن مجید نے اس میں بھی ایک نظم کو ملحوظ رکھا ہے۔ ایک تو مصارف زکوۃ کے ذکر میں، دوسرا سوال نہ کرنے والوں کو ڈھونڈ کر زکوۃ کی ادائیگی کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ معاشرے میں ایک ترتیب

کے ساتھ زیادہ مستحق کی امداد سب سے پہلے ہو سکے۔

صدقہ کی ادائیگی میں پڑوسی اور رشتہ دار کو اوّلیت دی گئی ہے تاکہ معاشرے میں اجتماعی انصاف کا اعلیٰ معیار قائم ہو جائے۔

جس سے خود بخود ایک اجتماعی نظم کو بھی رواج ملتا ہے۔ یہ تمام ایسے امور ہیں کہ کسی قوم کے اجتماعی نظم کو قائم رکھنے میں بے حد ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

روزہ کی مثال فرد کے حوالہ سے نظم وضبط کی انوکھی مثال ہے، کہ ایک انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کی بنا پر ضبط نفس سے کام لیتے ہوئے مباح چیزوں سے رُکے رہتا ہے۔ گویا انفرادی طور پر بغیر کسی بیرونی دباؤ کے یا قانون کے ایک شخص مکمل ضبط نفس کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہی وہ تربیت ہے جو فرد کو اجتماع میں بھی مکمل نظم وضبط کے ساتھ زندگی گزارنے کا پابند بناتی ہے۔

اجتماع کی مثال اسلامی زندگی میں حج سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتی ہے۔ فریضہ حج اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہی ادا ہوتا آرہا ہے، لیکن اس کی اعلیٰ معیار کے ساتھ ادائیگی یا پھر پورے نظم وضبط کے ساتھ اس کی ادائیگی کا سلسلہ اسلام ہی سے شروع ہوا ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تقریباً ساڑھے چودہ سو سال کے عرصہ میں ہر سال لاکھوں فرزندان اسلام اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوتے ہیں۔ یہ اجتماع نظم وضبط کا عظیم مظہر ہے۔ حج کے افعال پر غور کیا جائے تو بد نظمی کا پیدا ہو جانا ایک بدیہی امر کے طور پر سامنے آتا ہے، کہ پہلے تمام افراد کا منیٰ میں جمع ہونا، وہاں سے ایک ہی وقت میں عرفات روانگی اور دن بھر وہاں گزار کر شام کو ایک ہی لمحے سب کا وہاں سے خروج اور رات کو سب کا مزدلفہ میں پڑاؤ اور صبح کو سب نے شیاطین کو کنکریاں مارنا اور اگلے دو دن تک سب نے طواف زیارت کا رکن ادا کرنا ہوتا ہے، جگہ اور وقت کی تنگی اور انسانیت کے ہجوم کے باوجود تمام لوگ پورے نظم وضبط کے ساتھ ان ارکان کو ادا کرتے ہیں۔ بہت کم ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن سے جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہو اور ان کا اصل محرک بھی بد نظمی ہی ہے کہ جب کبھی لوگوں نے بد نظمی کا مظاہرہ کیا تو نقصان اٹھانا پڑا۔

یہ سب احکام آداب اسلامی کے مظہر ہیں ان کے ساتھ ساتھ کھانے پینے، لباس پہننے کے آداب ہیں پھر بیٹھنے والے، چلنے والے اور سوار شخص کو سلام کرنے کے آداب ہیں۔ بیٹھنے اور بات کرنے کے آداب، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت کرنے کے آداب، جوتا پہننے، کنگھی کرنے اور ہر کام میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے، گھر، مسجد، بازار اور بیت الخلا میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے آداب، زیارت کے لیے مناسب اوقات کو اختیار کرنے، اجازت طلب کرنے[36] اور معاملات میں بھائیوں کے درمیان حسن ظن رکھنے کے اسلامی آداب نظم وضبط کا ایک خود کار نظام ہے۔ ایک حدیث میں نظم سے ہٹ کر چلنے کو شیطان کی چال قرار دیا گیا ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ بَحْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ

زَبْرٍ، أَنَّهُ سَمِعَ مُسْلِمَ بْنَ مِشْكَمٍ، يَقُولُ: حَدَّثَنَا أَبُو ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيُّ، قَالَ: كَانَ النَّاسُ إِذَا نَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْزِلًا فَعَسْكَرَ، تَفَرَّقُوا عَنْهُ فِي الشِّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ، فَقَامَ فِيهِمْ فَقَالَ: «إِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِي الشِّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ، إِنَّمَا ذَلِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ» قَالَ: فَكَانُوا بَعْدَ ذَلِكَ إِذَا نَزَلُوا، انْضَمَّ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، حَتَّى إِنَّكَ لَتَقُولُ: لَوْ بَسَطْتُ عَلَيْهِمْ كِسَاءً لَعَمَّهُمْ، أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ[37]

ابو ثعلبہ الخشنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو لوگ گھاٹیوں اور وادیوں میں منتشر ہو جاتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان گھاٹیوں اور وادیوں میں تمہارا منتشر ہونا شیطان کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد جب بھی کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھتے حتیٰ کہ اگر ان پر کپڑا پھیلایا جائے تو سب پر آجائے۔

جب کوئی شخص ان عقائد، نظریات اور اعمال کا حقیقی طور پر پابند ہو جاتا ہے اور صحیح فہم و بصیرت کے ساتھ اسلامی عقائد و احکام کو مان لیتا ہے اور ان کی پابندی کرتا ہے تو نظم وضبط اس کی زندگی کا حصّہ بن جاتا ہے۔ اوامر کے ساتھ ساتھ کچھ سرسری نظر منہیات پر بھی ضروری ہے کہ اسلام کے منہیات پر غور کیا جائے تو تمام چیزیں مثلاً جھوٹ، غیبت، چوری، سود، زناکاری، تکبّر، خود غرضی وغیرہ ہر ایک ایسی ہے کہ بے پناہ دنیاوی لذّات اور فوائد کا باعث ہے، لیکن ایک مسلمان جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے اور اس کے احکامات کے سامنے سر خم تسلیم کرتا ہے تو ضبط نفس سے کام لیتے ہوئے ان تمام چیزوں سے رک جاتا ہے۔ اس طرح سے یہ احکامات اس کے اندر نظم وضبط کی پابندی کی عادت پیدا کر دیتے ہیں اور یہ طرز زندگی اس کا رویّہ بن جاتا ہے۔

## 5.7 نظم وضبط اور سیرت طیبہ ﷺ

اسلامی زندگی میں نظم وضبط کا کامل مکمل مظہر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہے۔ جن کو قرآن مجید نے ہر معاملہ میں کامل نمونہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾[38] کہ زندگی کے کسی شعبہ میں عملی رہنمائی کے لئے سیرت طیبہ بنیادی مأخذ اسلام ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی بیک وقت ایک منتظم ریاست، ایک معلم، ایک سربراہ خاندان، ایک سپہ سالار اور ایک قائد ایک تاجر کی حیثیت میں ہر شعبہ زندگی کے لئے عملی نمونہ ہے۔ ان تمام حیثیتوں میں آپ ﷺ ایک کامیاب ترین انسان کی حیثیت کے حامل ہیں جس کا اعتراف ان کے دشمنوں نے بھی کیا ہے۔[39] یہ کامیابی جن صفات کی بنیاد پر آپ کا مقدر بنی ان میں نظم وضبط کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اور اس تربیت کا بندوبست خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جیسے:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ (16) إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (17) فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ (18) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾[40] اور وشاورهم فی الامر[41] الکاظمین الغیظ[42] واصبر نفسک مع الذین[43] لعلک باخع نفسک، واقصد فی مشیک

وغیرہ، جیسے احکامات خداوندی میں ضبط نفس اور آگے چل کر نظم وضبط کی پابندی کی عادت کا پیدا کرنا ہے۔ اس خدائی تربیت کے نتیجہ میں آپ ﷺ کی ذات بابرکات نظم وضبط کی عظیم مثال بنی۔ جناب نبی کریم ﷺ کی ذاتی زندگی میں باقاعدگی سے غار حرا کی حاضری، حضرت خدیجہؓ کے مال کو تجارت پر لے جانے پر بے بہا نفع کا حصول، پہر وحی کے نزول کے بعد تہجد کی پابندی، دعوت پر ثابت قدمی جیسی ساری مثالیں نظم وضبط کا عظیم مظہر ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت وصحبت سے صحابہ کرامؓ کی جو جماعت تشکیل پائی اس کے ہر ہر فرد میں آپ ﷺ کی زندگی کا عکس دیکہا جاسکتا ہے۔

جناب نبی کریم ﷺ نے دعوت اسلام کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ان ہی اصولوں کی پابندی کی جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ جس کو اس مضمون کی مناسبت سے یوں سمجھ لیں کہ جو پروٹوکولز طے تھے جو طریقہ وضع تھا اس کے مطابق انجام دیا۔ یہ بات بذات خود اصطلاحاً نظم وضبط کی پابندی کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر صلح حدیبیہ کے واقع کو لے لیجئے کہ نبی کریم ﷺ اور مسلمان عمرہ کی ادئیگی کے لئے آئے تھے، اس کے باوجود کفار کی طرف سے روک دیا گیا لیکن باوجود صحابہؓ کے اصرار کے حکم خداوندی نہ ہونے کی وجہ سے تلوار نہ اٹھائی۔ اسی طرح جب شرائط معاہدہ طے ہورہی تھیں اور دستاویز پر دستخط ابھی نہیں ہوئے اس دوران ابو جندل صحابیؓ رسول اور ان کے دیگر ساتھیوں کے معاملہ میں کافروں کی بات کو مان لیا۔ لیکن اس نظم وضبط کا نتیجہ فتح مکہ کی صورت میں نکلا۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم کو نبی کریم ﷺ نے نظم وضبط سے متعلق متعدد ہدایات دیں جو رہتی دنیا کے لئے مشعل راہ ہیں۔

## 6. اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے

قوموں کی زندگی میں نظم وضبط کی زیادہ ضرورت اجتماعی کاموں میں ہوتی ہے، کہ لوگوں کی کثیر تعداد، ہزاروں اور لاکھوں کا مجمع بدنظمی کا شکار نہ ہو اور نظم وضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا مقصد حاصل کرلیں۔ ایسے مواقع میں نظم وضبط کو قائم رکھنے کے لئے جہاں اخلاقی تعلیمات کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں کچھ ایسے قوانین، ضابطے اور طریقے بھی طے کئے جاتے ہیں کہ ایسے مواقع پر نظم وضبط برقرار رہ سکے۔ نظم وضبط کی خلاف ورزی یا بدنظمی کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ مطلوبہ مقاصد کا حصول مشکل اور ناممکن ہو جاتا ہے بلکہ بسا اوقات ناقابل تلافی نقصان کا باعث بنتا ہے، جیسے کسی بڑے اجتماع میں نظم وضبط کی خلاف ورزی سے ہزاروں جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً حج کا اجتماع۔

### 6.1 ملی وحدت کو اجاگر کرنا

اسلام میں ملی وحدت کا تصور پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک ایسی امت دی جس کو اجتماعی امت بنایا گیا ایک ایسی امت جس میں انفرادیت کا کوئی تصور نہیں۔ اسی لیے اللہ کے نبی نے جماعتی زندگی پر زور دیا۔ ارشاد گرامی ہے:

أَخْبَرَنِي أَحْمَدُ بْنُ يَحْيَى الصُّوفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ مَرْدَانِبَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنْ عَرْفَجَةَ بْنِ شُرَيْحٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَخْطُبُ النَّاسَ، فَقَالَ: «إِنَّهُ سَيَكُونُ بَعْدِي هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ، فَمَنْ رَأَيْتُمُوهُ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ، أَوْ يُرِيدُ يُفَرِّقُ أَمْرَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَائِنًا مَنْ كَانَ فَاقْتُلُوهُ، فَإِنَّ يَدَ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ يَرْكُضُ[44]۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد بہت سارے مسائل / خامیاں ہوں گی۔ پس تم کسی ایسے شخص کو دیکھوں جو جماعت میں تفرقہ ڈالے یا امت محمدیہ کے کسی معاملے پر اکٹھے ہونے کے بعد ان میں تفریق کی کوشش کرے تو وہ کوئی بھی ہو اس کو قتل کر ڈالو۔ بے شک جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اور جو کوئی تفرقہ بازی کرنے کی کوشش کرتا ہے شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کو ایڑ لگاتا ہے۔

اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں کوئی شخص اپنے آپ کو اجتماعی نظام سے الگ تھلگ نہیں رکھ سکتا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: کہ مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں۔ [45] اس لئے اسلام کسی صورت جماعت کے تصور کے بغیر زندگی گزارنے کو پسند نہیں کرتا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جو کوئی امیر کی اطاعت سے آگے نکلا اور جماعت سے آگے ہوا اور مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا۔[46]

ان احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نہ صرف اجتماعیت کا خواہاں ہے بلکہ جماعتی زندگی کو ناگزیر سمجھتا ہے اور اس میں اطاعت کو فرض قرار دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ان ارشادات کو جب کوئی مسلمان شعوری طور پر دیکھے گا تو کبھی بھی نظم وضبط اور طے شدہ قواعد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ اور ہر طرف نظم وضبط کا ایک روح پرور منظر دکھائی دے گا۔ اور اگر اس نقطہ کو عوام الناس اور خاص طور پر مسلمان آبادی کو باور کروایا جائے کہ تفرقہ ڈالنے والے سے رسول اللہ ﷺ کو کس قدر نفرت ہے تو کوئی بھی مسلمان اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے غصّے کا حقدار نہیں ٹھہرا سکتا۔

### 6.2 اطاعت امیر کی اسلامی تعلیمات کی ترویج

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ، وَمَنْ يُطِعِ الأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ يَعْصِ الأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي[47]

کہ جس نے میری اطاعت کی پس اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری ہی اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے

میری نافرمانی کی۔

اسی طرح ایک حبشی غلام کو بھی اگر مسلمانوں کا امیر بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کی فرضیت بھی احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ[48]

ان سب چیزوں سے اصل مقصود نظم وضبط کو برقرار رکھنا ہے۔ اور جب ایک مسلمان کو ان تعلیمات کا ادراک شعوری طور پر ہو گا تو ضرور اس کے اندر اطاعت کا جذبہ پیدا ہو گا جو لامحالہ نظم وضبط کو فروغ دے گا۔

### 6.3 قوانین نظم وضبط میں یسر کو اختیار کرنا

یسر اور تدریج کا پہلو اسلامی شریعت کے مابہ الامتیاز نکات میں سے ہے۔ کہ اسلام میں حلال و حرام تک کے قوانین کو تدریج کے ساتھ نافذ کیا گیا ہے۔ شراب کی حرمت کی مثال اس سلسلہ میں معروف ہے۔ اسی طرح نماز میں بول چال کے احکامات بھی تدریجاً نازل ہوئے۔ دوسری اہم چیز یسر کا پہلو ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[49] اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾[50] اور اس کی مثالیں اسلامی شریعت میں نماز قصر، سفر میں روزہ کی چھوٹ اور ماں باپ کی خدمت کے لئے جہاد جیسے فریضہ کی سبکدوشی کی صورت میں موجود ہیں۔ لہذا قوانین نظم وضبط کے وضع کرنے میں خالق کائنات کی اس سنت کو مد نظر رکھنا از حد ضروری ہے۔ جس میں سب سے اہم چیز انسانوں کی فطرت، استعداد، تبدیلی کو برداشت کرنے کی صلاحیت اور بہت اہم اور ضروری امور کو ہی قوانین کے دائرہ میں لانے کو لازمی سامنے رکھنا ہے۔

### 6.4 قوانین نظم وضبط کی معرفت و آگاہی اور تشہیر

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی قانون اور ضابطے کی مکمل اور صحیح معرفت و آگاہی اس چیز پر عمل کو انتہائی آسان بنا دیتی ہے۔ اور قانون سے پہلے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا نظم وضبط کی اسلامی تعلیمات کی ترویج و تشہیر کی جائے تاکہ روحانی طور پر بھی ان قوانین پر عمل کر کے سکون حاصل ہو سکے۔ اسلامی شریعت میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ کوئی بھی قانون جس سے عوام الناس کی آگاہی نہ ہو اس کے نفاذ سے پہلے باقاعدہ آگاہی کا بندوبست کیا جائے۔ اور اس کی مثال کسی شخص کے اسلام قبول کرتے وقت اس کو خبردار کرنے سے لی جا سکتی ہے کہ جب کوئی اسلام قبول کرتا تو اسے اس بات سے آگاہ کیا جاتا کہ تم نے پانچ نمازیں پڑنی ہیں روزے رکھنے ہیں، حج کرنا ہے اور ضروری قوانین کی پابندی کا بھی اسی موقع پر ذکر کر دیا جاتا اور بہت دفعہ ایسا بھی ہوا کہ کسی شخص یا قبیلہ نے کچھ قوانین سے معذرت کی اور ان کو کسی خاص مدت تک کے لیے چھوٹ دے دی گئی۔ کیونکہ جب تک لوگوں کو نظم وضبط کے قوانین کا صحیح علم نہیں ہو گا اور

اس کے عواقب سے آگاہی نہ ہو گی تو ان پر عمل کرنے میں انسانی سہل پسندی اور سستی آڑے آسکتی ہے۔

### 6.5 قوانین پر عمل درآمد کے اقدامات

کسی بھی قانون کی کامیابی یہ ہے کہ اس پر عملدرآمد کی شرح زیادہ سے زیادہ ہو۔ لیکن اس کامیابی کو حاصل کرنے میں کچھ ابتدائی اقدامات ایسے ہیں کہ اگر ان کا خیال کر لیا جائے تو ہدف کو حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور وہ اقدامات ان قوانین پر عمل درآمد کے لیے ایسا نظام متعارف کروانا ہے کہ قانون پر عمل درآمد نہ صرف آسان ہو جائے بلکہ ہر انسان کی فطرت ثانیہ بن جائے۔ اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں مثالیں مل جاتی ہیں کہ آپ ﷺ نے نہ صرف احکامات جاری فرمائے بلکہ ان پر عملدرآمد کے لیے ضروری عملی اقدامات بھی کیے۔ جیسے نماز کے حکم کے ساتھ ہی مسجد کی تعمیر بھی کی گئی تاکہ نماز نہ پڑھنے والے کا عذر نہ رہے، اسی طرح جب بت پرستی سے منع کیا تو بت شکنی کا بندوبست بھی کیا، شراب کی حرمت ہوئی تو وہ خاص برتن بھی تڑوائے جن میں شراب پی جاتی تھی اور اپنی ختم نبوت کا اعلان کیا تو مسیلمہ اور اسود عنسی کا قلعہ قمع بھی کیا۔

انہی مثالوں کو سامنے رکھ کر نظم وضبط کے قوانین کے نفاذ کے ساتھ ساتھ لوگوں کی سہولت اور آسانی کے لئے ایسے اقدامات کیے جائیں کہ ان قوانین پر عملدرآمد لوگوں کے لیے آسان ہو۔ مثلاً کسی پاسپورٹ یا شناختی کارڈ آفس یا پھر اور ایسا کام جہاں لوگوں کا اجتماع ہو اور نظم وضبط کی پابندی کو لازمی قرار دیا گیا ہو اور اس نظم کو توڑنے پر کسی سزا کا تصور بھی موجود ہو تو ایسی جگہوں پر لوگوں کے بیٹھنے، پانی پینے، قطار بنانے میں سایہ کی موجودگی اور باری اور استحقاق کے بغیر کسی صورت خدمات کا مہیا نہ کیا جانا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ اگر ان کا صحیح طور پر بندوبست کر دیا جائے اور ان کی پاسداری حکومتی سطح پر ہو جائے تو عوام سے ان پر عملدرآمد کروانا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے۔

### 6.6 ترغیب اور ترھیب

اس نظم وضبط کے قائم ہو جانے کے بعد عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے دو اہم طریقے ہیں، ترغیب اور ترھیب۔ اس سے پہلے کہ ان پر اسلامی نقطہ نظر سے بات کی جائے ایک سوال جو اس موقع پر لامحالہ ذہن میں آتا ہے کہ ترغیب وترھیب کے طریقے تو غیر اسلامی ریاست میں بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں، تو اسلام کی خصوصیت ان کے ساتھ کیا ہو گی؟ اس کا جواب دینا انتہائی ضروری ہے۔ ترغیب وترھیب کے غیر اسلامی طریقوں میں نہ تو اللہ تعالیٰ کی محبت، جنت کا حصول اور نہ ہی دوزخ کا ڈر شامل ہو سکتا ہے کہ وہ دنیاوی ترغیبات ہو سکتی ہیں یا پھر دنیاوی ترھیبات، جن کا تعلق وقتی نفع کے حصول اور وقتی نقصان سے بچنے سے متعلق ہے۔ جن کا عوام الناس بدنظمی کے ظاہری فوائد سے ضرور موازنہ کرے گی۔ جبکہ اس کے برعکس اسلامی ریاست میں نہ صرف عوام الناس بلکہ حکمرانوں کی منزل بھی ایک ہے اور وہ ایسی منزل ہے کہ اس سے اعلیٰ درجہ کا نفع اور اس سے اعلیٰ درجہ کا نقصان وقت بدلنے سے بھی ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ایک اسلامی ریاست میں جب عوام الناس اور حکمران دونوں کا اصل منشاء رضائے

خداوندی کا حصول اور نبی کریم ﷺ کی محبت واطاعت ہوگی تو حکمران اپنے فرائض و وظائف اچھے طریقے سے پورے کریں گے اور عوام الناس اپنے۔ اس طرح جب حکمرانوں کی طرف سے ترغیبات و ترھیبات کا کوئی نظم بنایا جائے گا تو عوام الناس اسکو خدائی پابندی اور خدائی انعام کے طور پر سمجھیں گے۔

### 6.7 نظم وضبط اور قانون کی پابندی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی

ایک اور اہم چیز قانون کی پابندی کرنے والوں کی مناسب حوصلہ افزائی ہے۔ انسانی فطرت میں یہ چیز شامل ہے کہ جس عمل پر اس کی حوصلہ افزائی کی جائے اور انعام سے نوازا جائے اس پر نہ صرف وہ انسان بلکہ اس کے دوسرے ساتھی بھی زیادہ محنت اور لگن کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ سیرت رسول اکرم ﷺ میں اس بات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام ہمیشہ اچھے کاموں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کی ایسی تعریف کی کہ جن چیزوں کی کمی تھی وہ انہوں نے فوراً پوری کرلی۔ صحیح بخاری اور مسلم میں آیا ہے:

فقال النبيﷺ نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللَّهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ. قَالَ سَالِمٌ فَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بَعْدَ ذَلِكَ لاَ يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ إِلاَّ قَلِيلاً[51]

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بہت ہی اچھا ہے عبداللہ بن عمرؓ اگر رات کو نماز پڑھ لیا کرے اس پر سالم فرماتے ہیں اس کے بعد عبداللہ بن عمرؓ رات کو بہت تھوڑی دیر ہی سوتے تھے۔

چناچہ یہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا تربیت کے حوالہ سے، کہ جس سے ان کو نہ صرف ابھارا بلکہ ان کی اچھائی کو بھی بیان کیا۔ اسی طرح ایک اور صحابی خریم اسدیؓ کی تربیت اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے نعم الرجل کے الفاظ استعمال کیے ہیں کہ اگر وہ اپنی شلوار کو ٹخنوں سے اوپر رکھیں اور اپنے بالوں کو زیادہ بڑا نہ کریں۔ جس پر انہوں نے فوراً ان دونوں کاموں کو چھوڑ دیا۔[52]

### 6.8 قانون شکنی کرنے والوں کے لئے سزا

نظم وضبط کی تعریف میں یہ بات شامل ہے کہ اگر اس کی خلاف ورزی کی جائے تو مناسب تأدیبی کاروائی بھی ضروری ہے۔ دنیا کا کوئی بھی قانون سزا کے بغیر مؤثر ثابت نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح شریعت اسلامیہ میں بھی جزا و سزا کے تصور کو بہت ہی بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے کبھی تو سزا کا صرف اظہار فرمایا اور کبھی قواعد وضوابط کی خلاف ورزی پر عملاً تأدیبی کاروائی کی بھی۔ جیسے ایک دفعہ فرمایا میرا دل چاہتا ہے کہ میں کچھ نوجوانوں سے کہوں کہ ایندھن اکٹھا کریں اور ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بغیر عذر کے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور ان کے گھروں کو آگ لگادوں۔ اور کعبؓ بن مالک کے غزوہ تبوک میں شرکت سے پیچھے رہ جانے کے حوالہ سے ان کے خلاف تأدیبی کاروائی کی گئی۔ حتی کہ ان کی بیوی تک کو ان سے علیحدہ ہونے کا حکم جاری کر دیا گیا[53]۔ اسی طرح ایک اسلامی

ریاست میں نظم وضبط کی خلاف ورزی کے لیے تأدیبی کاروائی کا ہونا از حد ضروری امر ہے۔ لیکن ان تعزیرات کا شریعت اسلامیہ کی بنیادی تعلیمات سے موازنہ ضرور کر لینا چاہئے کہ جس حد تک ان کی اجازت ہے اس سے تجاوز نہ ہونے پائے۔

## 6.9 رُول آف لاء کی پاسداری ہر شہری پر لازم اور استثناء کا خاتمہ

شریعت اسلامیہ اور خاص طور پر سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ہر ایک کے لیے عدل وانصاف کے تقاضے مساوی ہیں کسی کو کسی قسم کا استثناء حاصل نہیں۔ اس سلسلے میں خطبہ حجۃ الوداع کے تاریخی الفاظ سے رہنمائی لی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں[54]۔ حتی کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی بیٹی جو جنت کی خواتین کی سردار ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ بھی چوری کرتی تو ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا[55]۔ خود رسول اللہ ﷺ سے ایک قرض خواہ نے جب قرض کا مطالبہ کرتے ہوئے بہت ہی برا رویہ اختیار کیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے اس بات کا نوٹس لیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا کہ اس کو حق حاصل ہے کہ مجھ سے مطالبہ کرے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ جب زید بن ثابتؓ کی عدالت میں ایک مقدمے میں فریق کی حیثیت سے حاضر ہوئے تو حضرت زیدؓ ان کو بیٹھنے کے لیے نشست پیش کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ پہلی ناانصافی ہے جو تو نے کی۔ الغرض بیسیوں نہیں سینکڑوں مثالیں تاریخ اسلام کے درخشاں ابواب سے پیش کی جاسکتی ہیں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی شریعت میں کسی کو بھی استثناء حاصل نہیں۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں اگر اس بات کو لازم بنا دیا جائے کہ کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں تو عوام الناس کو یہ پیغام دیا جاسکتا ہے کہ عدل وانصاف کی عدالت میں سب یکساں ہیں لہذا صحیح رویہ قانون پر عمل کرنے کا ہی ہے۔

## 6.10 احتساب اور جوابدہی کے عمل کی شفافیت

شفافیت سے بھرپور احتساب کا عمل کسی بھی قانونی نظام کی کامیابی کا ضامن ہوا کرتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں احتساب کے عمل کی شفافیت کا ایسا بندوبست کیا گیا ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمان خود اپنے آپ کو جزا و سزا کے لیے پیش کر دیتے تھے جس کی مثال باقی دنیا میں ملنا ناممکن ہے۔ غامدیہؓ صحابیہ کو دیکھ لیا جائے کہ اپنے اوپر حد جاری کروانے کے لیے پیش کر رہی ہیں۔ حضرت عمرؓ جب عاملین کو بلاتے اور کسی کو بدلہ دلوانا ہوتا تو سب کے سامنے سائل سے کہا جاتا کہ تم پکڑو کوڑا اور اپنا حساب چکالو۔ جس پر بہت سے عاملیں ناراضگی کا اظہار بھی کرتے اور یہ تجویز پیش کرتے کہ سزا ضرور دیں لیکن سب کے سامنے دینے سے گریز کریں۔ لیکن آپؓ ان سب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سب کے سامنے سزا جاری کرواتے تاکہ احتسابی عمل کی شفافیت ظاہر ہو جائے۔ آج بھی ایک اسلامی ریاست کے لیے یہ مثالیں مشعل راہ ہیں۔ ان کو سامنے رکھتے ہوئے احتساب کے عمل میں شفافیت لانی چاہئے تاکہ عوام الناس کو یہ پیغام جائے کہ

انصاف ہوتا ہوا نظر بھی آرہا ہے۔

## 6.11 سرکاری اداروں میں نظم وضبط کے قوانین کا مکمل اطلاق

حکومتی اداروں میں نظم کے جو قوانین وضع ہیں ان کی پاسداری سب سے پہلے حکومتی سطح پر ہونا از حد ضروری ہے۔ کسی کو بائی پاس کر کے اداروں میں تعینات کرنا اور وزیروں مشیروں کی طرف سے نظم کو جب دل چاہے توڑ دینا عوام الناس کو اس بات کا پیغام دیتا ہے کہ تمام کاموں میں ہمیں بھی یہی رویہ اختیار کرنا پڑے گا۔ جبکہ سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں دیکھا جائے تو بغیر استحقاق کے کسی کو بھی کوئی عنائت نہیں کی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ سے جب ان کی لخت جگر نے خادم مانگا تو فرمایا بدر کے شہداء آپ سے زیادہ مستحق ہیں اگر میں خادم دوں تو پہلے ان کو دوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ مثال قائم کر دی کہ بیت المال جو ایک سرکاری ادارہ ہے اس میں قانون اور استحقاق کے مطابق ہی حصہ مل سکے گا۔ اسی بات کو سامنے رکھ کر آج اگر اسلامی ریاست کے حکمران اس بات کا تہیہ کر لیں کہ سرکاری اداروں میں بغیر استحقاق کے کسی کو کوئی مراعات نہیں ملیں گی تو نظم وضبط عوام الناس کی طبیعت ثانیہ بن جائے گی۔

### حواشی وحوالہ جات

---

1- سورۃ سبا(34):28

2 - قادری، شمیم حسین، جسٹس، اسلامی ریاست: قرآن وسنت کی روشنی میں، علماء اکیڈمی، شعبہ مطبوعات، محکمہ اوقاف پنجاب، طبع: اوّل، جون 1984، ص:71

3 - سورۃ الاعراف(7):54

4- قادری، شمیم حسین، جسٹس، اسلامی ریاست: قرآن وسنت کی روشنی میں، علماء اکیڈمی، شعبہ مطبوعات، محکمہ اوقاف پنجاب، طبع: اوّل، جون 1984، ص:75

5- شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ طبع لاہور 1976، ج 1، ص2

6 - حسن ابراھیم حسن، النظم الاسلامیہ ص:20

7 - سورۃ الحدید(57):25

8 - سورۃ الحج(22):41

9 - سورۃ النساء(4):59

10 - سورۃ النور(24):55

11 - سورۃ النساء(4): 22

12 - سورۃ النساء(4): 22

13 - سورۃ الحدید(57):4

14 - سورۃ النساء(4):59

15 - البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب: کیف یبایع الامام الناس

16 - أبو داود سلیمان بن الأشعث، سنن أبی داود، کتاب الأقضیہ، باب فی الصلح

17 - البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب: السمع والطاعۃ للامام

18 - سورۃ النور(24):62

19 - مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحہ

20 - سورۃ المائدۃ(5):2

21 - البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الأحکام، باب: قول اللہ تعالیٰ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

22- الفیروزآبادی، مجد الدین أبو طاہر محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، تحت مادہ س۔ظ۔م۔، مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت–لبنان، الطبعۃ: الثامنۃ، 1426ھ - 2005م۔

23- شَہی المَنْطِقِ فَصْلٌ لَا فُضُولٌ وَلَا نَزْرَ مَۃٍ إِذَا تَکَلَّمَ نَظْمُ الدُّرِّ وَالمَرْجَانِ لَا نَزْرَ وَلَا نُقْصَانَ، (ابن أبی عاصم، أحمد بن عمرو بن الضحاک، الآحاد والمثانی (المحقق: د. باسم فیصل أحمد الجوابرۃ) ج6 ص253، دار الرایۃ–الریاض، الطبعۃ: الأولی، 1411 – 1991.

24- ابن منظور، محمد بن مکرم الأفریقی، لسان العرب، تحت مادہ ض۔ب۔ط، دار صادر – بیروت، الطبعۃ الأولی، 1420ھ۔

25 - ابراھیم مصطفی وآخرون، معجم الوسیط، باب الضاد، ص:۵۳۳، دار الدعوۃ، ۱۹۸۹، استانبول، ترکیہ۔

26 - الجرجانی، علی بن محمد السید الشریف، معجم التعریفات، حققہ محمد صدیق المنشاوی، باب الضاد، ص:116، سن ط:2004، دار الفضیلہ، القاھرۃ

27 - سورۃ الحجر(15):19 تا 21

28 - سورۃ النمل(27):88

29 - سورۃ یٰسین(36):37 تا 40

30 - دیکھئے: سورۃ الفرقان(25):63

31 - سورۃ البقرۃ(2):38

32 - سورۃ البقرۃ(2):165

33 - سورۃ آل عمران(3):31

34 - مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب تسویۃ الصفوف واقامتھاوفضل الاول فالاول منھا

35 - البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الأذان، باب: اقامۃ الصف من تمام الصلوۃ

36 - دیکھئے سورۃ النور(24):28

37 - أحمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن أسد الشیبانی، أبو عبد اللہ، مسند الإمام أحمد بن حنبل، حدیث ابی ثعلبہ، المحقق: شعیب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ: الأولی، 1421 - 2001

38 - سورۃ الاحزاب(33):21

39- Michel, H, Hart, 100: A Ranking of Most Influential Persons in History, Karol Publishing Group, The university of Michigan, 1978

40- سورۃ القیامۃ(75):16تا19

41 - سورۃ آل عمران(3):159

42 - سورۃ آل عمران(3):134

43 - سورۃ الکہف(18):28

44 - النسائی، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعیب بن علی الخراسانی، السنن، تحقیق: عبد الفتاح أبو غدۃ، مکتب المطبوعات الإسلامیۃ – حلب، الطبعۃ: الثانیۃ، 1406 – 1986، عدد الأجزاء: 9 (8 و مجلد للفہارس)

45 - محمد بن حبان التمیمی، الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، حققہ وخرج أحادیثہ وعلق علیہ: شعیب الأرنؤوط، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ: الأولی، 1408ھ - 1988م

46 - مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب الامر بلزوم عند ظھور الفتن وتحذیر الدعاۃ الی الکفر

47 - البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب: یقاتل من وراء امام ویتقی بہ

48 - البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب: السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیہ

49 - سورۃ البقرۃ(2):185

50 - سورۃ الحج(22):78

51 - مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل عبد اللہ بن عمرؓ

52 - أبو داود سلیمان بن الأشعث، سنن أبی داود، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار

53 - دیکھئے تفسیر سورۃ التوبہ(9):118

54 - أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني، أبو عبد الله، مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث رجل من اصحاب النبي ﷺ، ما المحقق: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، 1421ه - 2001

55- ابن راهويه، أبو يعقوب إسحاق بن إبراهيم بن مخلد بن إبراهيم الحنظلي المروزي (المتوفى: 238ھ) مسند إسحاق بن راهويه، بقية احاديث عن مشيخه عن عائشة رضي الله عنها عن رسول الله ﷺ يلحق في ابوابها، المحقق: د. عبد الغفور بن عبد الحق البلوشي، الناشر: مكتبة الإيمان - المدينة المنورة، الطبعة: الأولى، 1412 - 1991

# [[005]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

ڈاکٹر عبد الغفار
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ،
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى خَيْرِخَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وبعد

فرد معاشرے کی بنیادی اکائی ہے، مل جل کر رہنے کے تصور سے ایک منظم معاشرتی زندگی کا آغاز ہوا۔ فرد اور معاشرے کا ارتقاء ایک ساتھ ہوا ہے۔ فرد اور معاشرے سے ہی حقوق انسانی کا تصور ابھرتا ہے، گویا دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ معاشرے کی اقدار، نظریات اور قوانین افراد کے طرز عمل کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ مثالی معاشرے کی تعمیر کے لئے ضروری ہے کہ عوام الناس کے حقوق وفرائض کا نہ صرف تعین کیا جائے بلکہ اس کے عملی نفاذ کے لئے حکومت کے علاوہ دیگر ادارے بھی کوشاں رہیں۔ موضوع کو بنیادی طور پر تین مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے، نظم وضبط کا مفہوم اور اقسام، عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے سے متعلق اجتماعی اقدامات اور انفرادی اقدامات۔ مقالہ ہذا میں کوشش کی گئی ہے کہ ثانوی مآخذ سے حتی الامکان اجتناب کرتے ہوئے مستند کتب حدیث میں مذکورہ آحادیث صحیحہ سے استدلال کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو عوام الناس کے لئے خیر وبرکت کا ذریعہ بنائے اور اس کے نتیجے میں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ایک منظم ومربوط معاشرہ وجود میں آئے۔ آمین

## 1- نظم وضبط کا مفہوم اور اقسام

نظم وضبط دو الفاظ کا مجموعہ ہے ایک نظم اور دوسرا ضبط یہ دونوں لفظ عربی کے ہیں جس کا مطلب کسی بھی چیز کا ایک لڑی میں پرودینا۔ انگریزی میں اس کو ڈسپلن Discipline/ Controlled behavior کہا جاسکتا ہے۔ نظم وضبط تربیت کے طریقہ کار کا نام ہے اور اس کا تعلق ذہنی رویے سے ہے۔ نظم وضبط سے مراد وہ پابندیاں ہیں جن کا مقصد لوگوں کو ناپسندیدہ سرگرمیوں سے دور رکھنا اور صحت مند سرگرمیوں میں شمولیت کے لیے جذبات پیدا کرنا ہے تاکہ نظریہ حیات کی روشنی میں ان کی شخصیت کی نمو کی جاسکے۔ نظم وضبط ان محرکات کا مجموعہ ہے جو لوگوں کو انفرادی واجتماعی قوانین اور اصولوں کی پاسداری کی ترغیب دیتا ہے۔(1) اسلامی نقطۂ نظر سے سادہ زبان میں اس کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ ایسا منظم اور نتیجہ خیز رویہ جس کی بنیاد اخلاقی اقدار پر ہو۔ کوئی انسان معاشرتی قوانین کو

اپنائے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا۔ ہر قوم، ہر تہذیب کے کچھ معاشرتی اصول وضوابط اور رسم رواج ہوتے ہیں جن کا احترام کرنا وہاں کے باشندوں پر قانوناً اور اخلاقاً لازم ہوتا ہے۔ معاشرتی اقدار کی پاسداری کو نظم وضبط کہا جاتا ہے۔ نظم وضبط دراصل ایک لگام ہے جو انسان کی جبلت اور اس کی منہ زور خواہشات کو کنٹرول میں رکھتا ہے۔

## 2- نظم وضبط کی اہمیت

اسلام زندگی کو نظم وضبط کے ساتھ گزارنے کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ انسانی زندگی کو مفید اور کارآمد بنانے کے لئے نظم وضبط نہایت ضروری ہے۔ موجودہ معاشرتی انحطاط کی ایک بڑی وجہ نظم وضبط کا فقدان ہے خود کو اس عذاب کی گرفت سے بچانے کے لئے مربوط اور ہمہ گیر وہمہ پہلو جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام بھی منضبط اور منظم ہے، ذرّہءواحد سے لے کر سورج تک ہر چیز ٹھیک ٹھیک اور نظم وضبط کے ساتھ جاری وساری ہے۔ اِسی طرح ہم پرندوں، مچھلیوں، چوپائیوں، جنگلی جانورں کو جب قطاروں، ریوڑوں اور غولوں کی صورت میں دیکھتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ فطرت کی جیتی جاگتی شکل میں بھی کتنا نظم وضبط پایا جاتا ہے۔ منظم ومنضبط کائنات سے انسان کو سبق ملتا ہے کہ وہ بھی اپنے معمولات منظم انداز سے سرانجام دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ"(2)

"نہ آفتاب کی مجال کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ سکتی ہے تمام اجرامِ فلکی اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں"

کائنات اور اس کا ہر ذرہ نپے تلے فارمولے اور خدائی احکام کے مطابق کام کر رہا ہے۔ یہ نظم وضبط انسان کی زندگی میں حُسن اور کشش پیدا کرتا ہے۔ تعلیمات نبوی ﷺ کا اس تناظر میں مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا مقصد بعثت بنی نوع انسان کی زندگی کو فطرت سے ہم آہنگ کر کے اسے الہامی ضابطے کے تحت منظم و مربوط بنانا ہے۔ اسلام کا مزاج درحقیقت نظم وضبط کا مزاج ہے، صبح پو پھٹنے سے لے کر اگلی رات سونے تک انسانی زندگی کو جتنے متوقع معاملات پیش آسکتے ہیں، ان کی تفصیل اور احکام دراصل نظم ہی کی شکل ہیں۔ انسان کی پیدائش سے پہلے سے لے کر اس کی موت کے بعد تک کے تمام تر مراحل کی تفصیل اور ترتیب پورے نظم کے ساتھ اسلامی تعلیمات میں پروئی ہوئی ہے۔ اسلام ان احکام کی تنظیم اور ترتیب کے ذریعے درحقیقت اپنے ماننے والوں کے معمولات زندگی میں بھی یہ تنظیم اور ترتیب لانا چاہتا ہے۔

### 2.1 انفرادی زندگی میں نظم وضبط کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو نظم کی بنیاد پر تخلیق فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات کو بھی پسند فرماتا ہے کہ بنی نوع انسان بھی اپنی انفرادی اور معاشرتی زندگی میں نظم وضبط پیدا کریں۔ انفردی زندگی میں نظم وضبط کا تعلق صحت

وصفائی، لباس کی وضع و قطع سر اور چہرے کی اصلاح بالوں کو سنوارنا اور مسواک وغیرہ کرنے سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے لباس، جسم، گھر اور زندگی کے دوسرے امور میں پاکیزگی اور صفائی کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ سعید بن المسیبؒ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ طِيبٌ يُحِبُّ الطِّيبَ، نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ، كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ، جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُودَ، فَنَظِّفُوا بُيُوتَكُمْ "(3)

"اللہ تعالیٰ پاک و پاکیزہ ہے اور پاکیزگی طہارت اور صفائی کو پسند فرماتا ہے، مہربان اور سخی ہے اور باہمی الفت اور سخاوت کو پسند فرماتا ہے، پس تم اپنے گھروں میں صفائی کا اہتمام رکھو۔

خوش لباس ہونا اور خود کو آراستہ اور صاف رکھنا اسلام کا ایک اخلاقی دستور ہے۔ جو شخص خود اپنے وجود کو منظم نہیں کر سکتا وہ معاشرتی ماحول میں بھی نظم و ضبط قائم نہیں رکھ سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے طہارت و نظافت کو نصف ایمان قرار دیا ہے۔(4) آپ ﷺ نے ایک بکھرے بالوں والے شخص کو دیکھا تو فرمایا کہ: "کیا اسے کوئی ایسی چیز میسر نہیں تھی جس سے وہ اپنے بالوں کو سنوار لیتا، اور اسی طرح ایک میلے کچیلے کپڑوں والے شخص کو دیکھا تو فرمایا کہ اسے پانی دستیاب نہیں تھا کہ وہ اس سے اپنے کپڑے صاف کر لیتا۔"(5) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز سے پہلے وضو کے وقت مسواک کرنا لازم قرار دیتا۔(6)

## 2.2 نظم و ضبط اور منصوبہ بندی مقاصد کے حصول کے لئے کی ضروری ہے

اسلام ایک مکمل دین الٰہی کی حیثیت سے انسان کی زندگی میں منصوبہ بندی پر زور دیتا ہے۔ منصوبہ بندی کے ساتھ کسی کام کو انجام دینے کے لئے نظم و ضبط کی ضرورت ہوتی ہے۔ نظم و ضبط سے معجزاتی طور پر انسان کی طرز زندگی میں مثبت تبدیلی آتی ہے۔ انفرادی و اجتماعی رویوں میں نظم و ضبط، انسانی فکر کو منظم کرنے میں مدد و معاون ہے۔ اگر کوئی شخص زندگی میں اپنے افعال و کردار کو منظم کر لے تو اس کی فکر بھی منظم ہو گی اور جب فکر منظم ہو گی تو یقیناً انسان خدا کے مکمل فکری نظام کا حامل ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے الہامی منصوبے کے تحت اپنی دعوت کے آغاز سے ہی ایک ایسے منظم و مربوط معاشرہ کی تشکیل کی طرف توجہ فرمائی جس میں انسان کی مثبت اور تعمیری صلاحیتیں پروان چڑھیں اور وہ اپنے مقصد حیات کو سمجھ کر اپنے فرائض کی تکمیل کر سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے جن بنیادوں پر تشکیل معاشرہ کا کام جاری فرمایا ان میں پہلی چیز عقائد اسلام کے ذریعے ذہنی تربیت اور فکری اصلاح ہے۔ اس لئے کہ عقیدہ کی صحیح تربیت سے ہی طاقت ور ضمیر پیدا ہوتا ہے جو کہ منکر سے بچاتا ہے اور معروف پر آمادہ کرتا ہے۔ تشکیل معاشرہ کے لئے دوسری بنیادی چیز جو آپ ﷺ کے پیش نظر رہی وہ تزکیہ نفس ہے، اس لئے کہ مضبوط عقیدہ اور روشن ضمیر سے ایک کامل اور مستحکم شخصیت وجود میں آتی ہے۔ تیسری بنیادی چیز جس پر عہد رسالت میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہوئی وہ اخلاق حسنہ ہیں۔ رسول للہ ﷺ نے عقائد کے

ساتھ ساتھ جس چیز پر سب سے زیادہ توجہ دی وہ اخلاق حسنہ ہیں۔ عقیدے کی پختگی، اصلاح نفس اور عمدہ اخلاقی صفات سے متصف ہو کر انسان منظم و مربوط معاشرے کی خشت اول ثابت ہو سکتا ہے۔ نظم وضبط زندگی کے اعلیٰ ترین مقاصد کے تحفظ و تکمیل کے بنیادی قوانین کا نام ہے۔ یہ ایک ذہنی تربیت کا پروگرام ہے جس کے ذریعے انسانوں کے کردار میں مثبت تبدیلیاں لائی جاتی ہیں، افراد کے باہمی تعلقات اور ان کے حقوق و فرائض کی حدود کا تعین کیا جاتا ہے اور زندگی کے ہر کام کو تنظیم سے کرنے کی عملی تربیت ملتی ہے۔

## 3- عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کرنے کے لئے اجتماعی کوششیں

منظم معاشرتی نظام کو اسی صورت میں قیام و بقاء نصیب ہو سکتا جب یہ یقین ہو کہ اس کے ذریعے اعلیٰ انسانی مقاصد تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یقین محکم کے ساتھ مادی حالات ایسے ہونے چاہئیں کہ افراد اس منظم نظام سے وابستہ رہنے اور اس کی حفاظت پر کمربستہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے انسانی جسم کی فعالیت میں دل کے کردار کو مرکزی قرار دیا اور اس کی درستگی پر پورے بدن کی اصلاح موقوف ہے۔(7) اسی طرح عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے ریاست کے بنیادی ڈھانچہ کی اصلاح ناگزیر ہے۔ معاشرے میں نظم وضبط کا قیام دو طرفہ کوششوں سے ممکن ہے اور اس کے لئے انفرادی اور اجتماعی سطح پر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومتی سطح پر نظم وضبط کے قیام کے لئے قانون سازی اور دوسری طرف عوام الناس میں احساس ذمہ داری سے منظم و مربوط معاشرے کا قیام ممکن ہے۔

### 3.1 عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے قوت نافذہ ناگزیر ہے

سیاست فطرت انسانی کا تقاضا اور انبیاء کرامؑ کی سنت ہے۔ محض قانون سازی کے ذریعے عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی قانون سازی اگر عمل میں آ بھی جائے تو سماج ان قوانین کے برقرار رکھنے اور انہیں پوری طرح نافذ کرنے پر قادر نہ ہو سکے گا۔ اس مقصد کے لئے انبیاء کرام نے سیاسی امور میں نہ صرف عملی طور پر حصہ لیا بلکہ اس کے اصول بھی متعین کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کر دیتا ہے جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتا۔"(8) منظم و مربوط معاشرے کے قیام کی تمام کاوشیں اسی صورت میں بارآور ثابت ہو سکتی ہیں جب کوئی منظم حکومت اس جدوجہد کی پشت پناہی کے لئے موجود ہو۔ گویا ریاست کا سب سے بڑا مقصد معاشرے میں نظم وضبط قائم کرنا ہے۔ اگر ریاست نظم وضبط قائم نہ کر سکے تو وہ ناکام ریاست ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دین و سیاست کی دوئی کے تصور کو ختم کر دیا اور فرمایا کہ:

"الاسلام والسلطان اخوان توأمان لا یصلح واحد منهما الا بصاحب، فالاسلام لاسّ والسلطان حارس ومالا س له لیهدم ومالا حارس له ضائع۔ " (9)

"اسلام اور حکومت دو جڑواں بھائی ہیں، کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ اسلام کی مثال ایک عمارت اور حکومت کی نگہبان کی سی ہے، بغیر بنیاد کے عمارت گر جاتی ہے اور بغیر نگہبان اسے لوٹ لیا جاتا ہے۔"

اسلام کا قانون اپنے خاص فکری، عبادتی اور اخلاقی ماحول میں ایک منظم و مربوط معاشرہ قائم کرتا ہے۔ در اصل انسان کے اندر غصہ اور جذبات کا ایسا طلاطم فطری طور پر موجود ہے کہ وہ اپنے عروج پر ہو تو کسی بڑی سزا کے خوف کے بغیر اسے نہیں روکا جا سکتا۔ عفو و در گذر سے مجرم اور زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کہیں عفو و در گذر سزا دینے سے زیادہ مؤثر اور اصلاح کے کام میں کار گر ثابت ہوتا ہے۔ اسلام کے تصوّر عدل و قضاء میں نرمی اور سختی دونوں پہلو ہیں۔ عفو و احسان کا مقام قانون عقوبت سے بلند تر ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود جب قانون عدل حرکت میں آتا ہے تو پوری سختی اور شدت کے ساتھ آتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

"عن عائشةؓ قال رسول اللّه ﷺ ادرءوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطئ في العفو خير من ان يخطئ في العقوبة- "(10)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ممکنہ حد تک مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرو، اگر بچنے کی کوئی صورت ہو تو اس کو چھوڑ دو، کسی حاکم کا معافی میں غلطی کرنا سزا میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔

معلوم ہوا کہ جس طرح عدلیہ کے قیام کے باوجود رشوت اور عدلیہ کو خوفزدہ کرنے کا امکان ہو تو معاشرہ میں عدلیہ کے وجود کی افادیت ختم ہو جاتی ہے اور قانون ایک مذاق بن کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر جرم کی سزا کا تصور خفیف ہو تب بھی سزا کا تصور ایک مذاق بن جاتا ہے اور لا قانونیت موجود رہتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان عالیہ میں ایک بہت بڑی نفسیاتی حقیقت کا ذکر فرمایا کر باہمی معاملات میں تقوی، خدا خوفی اور احساس ذمہ داری کو ہر وقت ذہن میں رکھنے کا حکم دیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے بعض اوقات نظم و ضبط کے کمزور ہونے یا ختم ہونے سر زنش اور ناراضگی کا انداز بھی اختیار فرمایا، جیسے غزوہ تبوک کے موقع پر دو صحابہ کرام جو جنگ میں سستی یا غفلت کی وجہ سے نہ شامل ہو سکے کے ساتھ معاشرتی مقاطع کا حکم فرمایا۔(11)

### 3.2 نظم و ضبط کے قیام کے لئے انتظامی عہدوں پر اہل اور باصلاحیت افراد کا تقرر

اسلامی سیاست کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ اس میں حکومتی و انتظامی امور کے تمام مناصب پر باصلاحیت اور امانت دار افراد کا تقرر کیا جانا چاہئے۔ حکومتی اختیارات اور اموال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امانت ہیں جنہیں خدا ترس، ایماندار اور عادل لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہئے اور اس امانت میں کسی شخص کو من مانے طریقے پر، یا نفسانی اغراض کے لئے تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ جب کسی منصب پر کسی نااہل کا تقرر ہوتا ہے تو معاشرہ میں بدامنی، ظلم و زیادتی اور بے چینی کا آنا لازمی امر ہے۔ منظم و مستحکم حکومت ہی عوام الناس میں نظم و ضبط پیدا کر سکتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ انتظامی عہدوں پر اہل، ایماندار اور باصلاحیت کا انتخاب اور تقرر عمل میں لا کر قوانین کی عملی تنفیذ کی راہ ہموار کی جائے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ:

"فَإِذَاضُيعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ، قَال كيفَ إِضَاعَتُهَا؟قَال إِذَاوُسِّدَالأَمْرُ إِلَي غَيرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ- "(12)

"جب امانت ضائع کر دی جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرو، دریافت کیا گیا کہ امانت کیسے ضائع ہو گی، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی منصب کسی نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی بنیاد پر بغیر اہلیت کے دے دیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے اور نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔(13) بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ اہل ہے تو اس نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور سب مسلمانوں سے خیانت کی۔(14) قرابت داری کی وجہ سے عہدے تقسیم کئے جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور نا قابل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں اور نظامِ حکومت برباد ہو جاتا ہے۔ اسی خدشہ کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب قوم کی قیادت اور اختیارات نااہل لوگوں کو تفویض کر دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو، نااہل اور بد دیانت عمال لوگوں پر وقت سے پہلے ہی قیامت ڈھا دیں گے۔

### 3.3 منتظمین کو مثالی رویہ اپنانے کی ضرورت ہے

معاشرہ کی فکری اور اعتقادی بنیاد اور معاشرے میں انجام دیئے جانے والے کاموں میں باہمی تعلق کی مضبوطی معاشرتی نظم و ضبط کی دلیل ہے، بصورت دیگر یہ بد نظمی کی خطرناک صورت ہے۔ گویا یہ ایک طرح کے دوغلے پن اور نفاق کو وجود میں لانے کا باعث بنتا۔ حکومتی عہدیدار جو اصول و قوانین وضع کرنا یا ان کا نفاذ چاہتے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ سب سے زیادہ ان قوانین کے پابند ہوں تا کہ ان کو دیکھتے ہوئے عوام الناس بھی قوانین کا احترام اور اجتماعی نظم و ضبط کا خیال رکھیں۔ سیّدنا ابو بکر صدّیقؓ کے طرز عمل میں نظم و ضبط قائم رکھنے کی ایک مثال ایسی بھی ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے۔ جیشِ اسامہ کی روانگی کے وقت فوج کے سپہ سالار نو عمر سیدنا اسامہ بن زیدؓ تھے جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے چند روز قبل مقرّر کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب سیّدنا ابو بکر صدّیقؓ خلیفہ مقرّر ہوئے تو ان کو بھی حضرت اسامہ کی جگہ کسی تجربہ کار شخص کو امیر بنانے کا مشورہ دیا گیا۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے کہا کہ یہ ہر گز نہیں ہو سکتا کہ جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے مقرّر کیا ہو میں اسے میں ہٹا دوں۔ حکومتی پالیسیوں کا تسلسل معاشرتی نظم و ضبط کی بنیاد ہے، نئے آنے والوں کے لیے لازم ہے کہ ما قبل انتظامیہ کی پالیسیوں اور فیصلوں کا مکمّل احترام کیا جائے۔

ابو بکر صدیقؓ نے خلافت سنبھالتے ہی سیدنا اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔ روانگی کے وقت سپہ

سالار گھوڑے پر سوار تھے اور خلیفۃ الرّسول پیدل ساتھ چل رہے تھے، سیدنا اسامہؓ کو حیا آئی اور کہنے لگے کہ آپ بھی گھوڑے پر سوار ہو جائیں یا پھر مجھے بھی گھوڑے سے اتر کر پیدل چلنے کی اجازت دیں، فرمایا نہ میں گھوڑے پر سوار ہوں گا نہ تم اپنی سواری سے اترو گے۔ حاکم وقت اسلامی لشکر کے سپہ سالار کو جو عزّت دے رہے تھے وہ فرد کو نہیں بلکہ امیر لشکر کو دے رہے تھے۔ سبق یہ ملا کہ منتظم چاہے کوئی بھی ہو اس کی عزّت ضروری ہے۔ سیّدنا ابو بکرؓ لشکر کے ساتھ کچھ فاصلے تک چلے تا کہ سب لوگ یہ منظر دیکھ لیں۔ جب آبادی کی حدود ختم ہو گئیں تو رخصت کرتے ہوئے سیّدنا اسامہؓ سے کہا کہ تمہارے لشکر میں عمرؓ بھی ہیں، اگر مناسب سمجھو تو انہیں میرے پاس چھوڑ دو تا کہ امور مملکت میں میرا ہاتھ بٹا سکیں۔ سیّدنا اسامہ نے بخوشی سیّدنا عمر کو مدینے میں چھوڑنا قبول کیا، آپ رضی اللہ عنہ لشکر لے کر گئے اور کامیاب و کامران لوٹے۔(15) مذکورہ واقعہ سے مندرجہ ذیل نکات اخذ کئے جاسکتے ہیں:

- حکومتی پالیسیوں اور طریقِ کار کا تسلسل بر قرار رکھا جائے۔
- منتظمین کی حوصلہ افزائی کی جائے اور انہیں عزّت دی جائے۔
- منتظمین کے اختیارات میں براہ راست مداخلت نہ کی جائے۔

### 3.4 بلا امتیاز قوانین کا نفاذ منظم و مربوط معاشرے کے قیام کی ضمانت ہے

سماجی معاملات کے سلسلے میں تعلیمات نبوی ﷺ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ معاشرہ کے افراد برابر کے حقوق کے مالک ہوں اور ان کے درمیان تباہ کن اختلافات بالکل پیدا نہ ہوں اگر پیدا ہوں تو ترقی نہ کریں۔ آپ ﷺ نے اولاد آدم کے حقوق کی مساوات کا اعلان کیا، قانون کی بالا دستی قائم کی اور طاقتور اور کمزور کے لیے یکساں احکام نافذ کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سزا کو معاشرے میں نظم وضبط بر قرار رکھنے کے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ خوف و سزا کا محرک فرد کو منفی افعال سے باز رکھتا ہے۔ انسان کی عظمت اسی میں ہے کہ وہ سزا کے خارجی محرک کے بغیر درست طرز عمل اختیار کرے۔ قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کی ایک خاتون فاطمہ بنت اسود سے چوری کا جرم سرزد ہو گیا. اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو معافی سزا کی سفارش کے لیے بھیجا گیا تو آپ ﷺ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا اور فرمایا تم خدا کی مقرر کردہ حد کو معاف کرنے کی سفارش کرتے ہو اور پھر خطبہ ارشاد فرمایا۔

"یاأیها النّاس إنّماضلّ من کان قبلکم انهم کانوااذاسرق الشریف ترکواه واذاسرق الضعیف فیهم اقامواعلیه الحد وأیم اللّه لوا ن فاطمة بنت محمدﷺ سرقت لقطعت یدها- "(16)

"اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے گمراہ ہوئے کہ جب کوئی شریف زادہ چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے، خدا کی قسم اگر فاطمہ بنتِ محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

عبداللہ بن جبیر خزاعیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ یا مسواک تھی جس سے ایک شخص کے پیٹ میں معمولی سی خراش آگئی تو اسؓ نے کہا کہ " آپ ﷺ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے اس لیے مجھے بدلہ لینے کی اجازت دیں۔ آپ ﷺ نے وہی شاخ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے بدلہ لے لو، اس نے آپ ﷺ کی ناف مبارک کا بوسہ لے کر چھڑی پھینک دی اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرا مقصد یہ تھا کہ ہم آپ ﷺ کے بعد ظالموں کی سرکوبی کر سکیں اور ان سے اپنا بدلہ لے سکیں۔ "(17)

### 3.5 منظم و مربوط معاشرہ اور نظام عدلِ اجتماعی لازم و ملزوم ہیں

دین اسلام کی اعلیٰ ترین قدر سماجی اور تمدنی انصاف ہے۔ اقامت دین کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ متوازن نظامِ عدل اجتماعی قائم کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسانی جسم کی فعالیت میں دل کے کردار کو مرکزی قرار دیا ہے اور اس کی درستگی پر پورے بدن کی اصلاح موقوف ہے، اسی طرح عدلِ اجتماعی کے قیام و بقاء کے لئے حکمرانوں اور ریاست کے بنیادی ڈھانچہ کی اصلاح ناگزیر ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے نظام عدل کو ایک وسیع اور ہمہ گیر نظام عدل اجتماعی کی شکل دی اور اسے مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ قرآن حکیم میں آپ ﷺ کا مقصد بعثت ہی نظام عدل اجتماعی کا قیام بتایا گیا ہے۔

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ﴾(18)

"ہم نے اپنے رُسولوں کو واضح نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔"

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " یہاں لوہے سے مراد سیاسی اور جنگی قوت ہے اور کلام کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو قیام عدل کی محض ایک اسکیم پیش کر دینے کے لئے مبعوث نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ بات بھی ان کے مشن میں شامل تھی کہ اس کو عملاً نافذ کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ قوت فراہم کی جائے جس سے فی الواقع عدل قائم ہو سکے، اسے درہم برہم کرنے والوں کو سزا دی جاسکے اور اس کی مزاحمت کرنے والوں کا زور توڑا جاسکے۔ "(19) اسلام کا نظامِ عدل روحانی اور مادی اقدار پر حاوی ہے اور دونوں کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کر کے نافذ کرتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ انتظامی عہدوں پر قابل، اہل، ایماندار اور باصلاحیت کا انتخاب اور تقرر عمل میں لا کر قوانین کی عملی تنفیذ کی راہ ہموار کی جائے۔ اسلام نے معاشرتی نظم و ضبط کی بنیاد مندرجہ ذیل الہامی اصول پر رکھی ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَي وَينْهَي عَنِ الْفَحْشَاءِ

وَالْمُنْكَرِ﴾ (20)

"اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔"

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں تین ایسی باتوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے۔ پہلی چیز عدل ہے جس کا مطلب لوگوں کے درمیان حقوق وفرائض میں توازن قائم ہو۔ دوسری چیز احسان ہے جس سے مراد ہے نیک برتاؤ، خوش خلقی، درگزر، اور ایک دوسرے کا پاس ولحاظ رکھنا ہے، احسان معاشرے کا جمال اور اس کا کمال ہے جو اس میں خوشگوار احساس پیدا کرتا ہے۔ تیسری چیز صلہ رحمی ہے جو اعزہ واقارب کے معاملے میں احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی ہے۔ عدل واحسان اور صلہ رحمی کو ایک لڑی میں پرودیا جائے تو منظم و مربوط معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

### 3.6 اولی الامر کی اطاعت عسکری قوت اور منظم معاشرہ کی بنیاد ہے

عسکری طاقت کی پرورش نظم وضبط کا شاخسانہ ہے جس سے انحراف فتح کو شکست میں بدلنے کے مترادف ہوتا ہے۔ نظم وضبط کے فقدان کا ایک واقعہ اس وقت پیش آیا جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہِ اُحد کے موقع پر کچھ تیر انداز صحابہ کرام کو ایک پہاڑی درے پر ثابت قدمی سے جمارہنے کی ہدایت فرمائی، مگر ان میں سے کچھ افراد نے نظم و ضبط کی خلاف ورزی کی جس کی بنا پر تمام لشکر کو بھاری نقصان اُٹھانا پڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کے دستے کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"لاَ تَبْرَحُوا، إِنْ رَأَيتُمُونَاظَهَرْنَا عَلَيهِمْ فَلاَ تَبْرَحُوا، وَإِنْ رَأَيتُمُوهُمْ ظَهَرُوا عَلَينَا فَلاَ تُعِينُونَا."(21)

"اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اُچک لے گئے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں تمھارے پاس کسی کو بھیجوں"

عوام الناس کی جانب سے اطاعت، حکمران کے اس اعتراف پر ہے کہ حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس وقت تک ہے جب تک یہ وصف برقرار ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔(22) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کی اطاعت اس لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرے اور قرآن وسنت کا پاسبان بن کر حکومت کرے۔ اگر کوئی حاکم حدود اللہ سے تجاوز کرے اور معصیت کا حکم دے تو ایسے حاکم اطاعت لازم نہیں۔

عَنِ النَّبِي صَلَّي اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَي الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكرِهَ مَا لَمْ يؤْمَرْ بِمَعْصِيةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ- (23)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان کے لئے اولی لامر کی سمع واطاعت لازم ہے خواہ اسے پسند ہو یا

ناپسند۔ مگر جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو سمع واطاعت لازم نہیں۔ "

"قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اسْمَعُوا وَأَطِيعُواوَإِنْ اسْتُعْمِلَ عَلَيكمْ عَبْدٌ حَبَشِي كأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ"(24)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حاکم کی بات سنو اور تعمیل کرو، خواہ تم پر کوئی بدصورت حبشی حاکم بنا دیا جائے"

منظم و مربوط معاشرہ کے قیام و بقاء کے لئے ضروری ہے کہ حاکم حدود اللہ کو قائم رکھیں، عوام الناس حاکم وقت کی اطاعت کریں اور اجتماعی معاملات باہمی مشاورت سے طے کریں۔ چنانچہ جن امور میں وحی کے ذریعے رہنمائی نہ کر دی جاتی تو ان میں رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سے مشورہ کرتے تھے. حکومت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت کرتے ہوئے اس پورے عمل کی نگران و محافظ ہو، اور اس کی مجموعی قوت نظام عدل کے قیام کے لئے وقف ہو۔

"قال رسول الله ﷺإذا كان أمراؤكم خياركم وأغنياؤكم سمحاء كم وأمور كم شوري بينكم فظهر الأرض خير لكم من بطنها وإذا كان أمراؤكم شراركم وأغنياؤكم بخلاء كم وأموركم إلى نساءكم فبطن الأرض خير لكم من ظهرها-"(25)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے حاکم بہترین لوگ ہوں، تمہارے مال دار سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوں تو زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے بہتر ہے، اور اگر تمہارے حاکم برے ہوں تمہارے مال دار بخیل ہوں اور معاملات عورتوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہے"

تعلیمات نبوی ﷺ سے تشکیل پانے والے معاشرے میں حاکم و محکوم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا پابند بنایا گیا ہے۔ جدید پیش آنے والے مسائل میں حکمران کے لئے باہمی مشاورت اور عوام کے لئے ان کی اطاعت کو لازم قرار دے کر پورے معاشرے کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔ چناچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے اولین خطبہ خلافت میں ارشاد فرمایا:

"فَإِنْ أَحْسَنْتُ؛ فَأَعِينُونِي، وَإِنْ زِغْتُ؛ فَقَوِّمُونِي،--- فَأَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللهَ وَرَسُولَهُ، فَإِذَا عَصَيْتُ اللهَ وَرَسُولَهُ؛ فَلا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ- "(26)

"اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر میں راہ حق سے بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھے رستے پر ڈال دو۔۔۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو، اگر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔ "

معاشی سطح پر عدل اور قانونی سطح پر کامل مساوات کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ نے ایسا منظم معاشرہ تشکیل

دیا جس کا اعتراف مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ ایچ جی ویلز آپ ﷺ کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوا۔ خطبہ حجۃ الوداع کے کچھ اقتباسات نقل کرنے کے بعد موصوف لکھتا ہے کہ: انسانی حریت، اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی کہے گئے تھے لیکن اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان اصولوں پر بالفعل ایک معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار محمد (ﷺ) نے قائم کیا۔(27)

### 3.7 معاشرتی ماحول کے انسانی رویوں پر اثرات

معاشرتی ماحول انسان کو فکر و عمل کی دعوت دیتا ہے، اسے جس طرح کا ماحول میسر ہوتا ہے ویسا ہی انداز فکر اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خدا خوفی، احساس ذمہ داری، ایثار و قربانی اور صلہ رحمی پر معاشرے کی بنیاد رکھی۔ آپ ﷺ نے اخلاق حسنہ اور عفو درگزر پر جس معاشرے کی بنیاد رکھی اس کی اخلاقی اقدار معاصر سماجی ماہرین اور معاشرتی بہبود کے اداروں کے لئے سنگ میل ہیں۔ آپ ﷺ کی جدوجہد سے ایسا پاکیزہ اور منظم معاشرہ وجود میں آیا کہ اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی تو اس نے خود آکر اپنے آپ کو سزا کے لئے پیش کر دیا۔(28) اسلام میں بے حیائی کی اشاعت سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾(29)

"جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیل جائے ان کیلئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔"

منظم و مربوط معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ حکومت سنجیدہ کوشش کرے۔ معاصر ذرائع ابلاغ کو معاشرے کے پاکیزہ ماحول کو برقرار رکھنے میں حکومت کی معاونت کرنی چاہیئے۔ مخلوط نظام تعلیم اور مخلوط محافل کی حوصلہ شکنی کی جائے تاکہ معاشرے میں ہیجانی کیفیت، تعلیمی انحطاط اور معاشرتی بحران پیدا نہ ہو۔ عوام الناس میں سماجی شعور پیدا کیے بغیر معاشرے میں سماجی نظم وضبط کے ماحول کو پروان نہیں چڑھایا جاسکتا۔ عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے ان کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا جانا چاہیئے۔ اخلاقی تربیت کا مسئلہ حکومت کے لیے بنیادی مسائل میں سے ہے اور یہ تربیت نظام تعلیم میں اصلاح کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرض منصبی اور مقصد بعثت ہی اخلاقیات کی تکمیل ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"إِنَّ أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الأَخْلَاقِ"(30)

"کامل مومن وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو، اور مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔"

## 4 عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کرنے کے لئے انفرادی کوششیں

تعلیمات نبوی ﷺ کے نتیجے میں جو افراد تیار ہوتے ہیں وہ بغیر کسی خارجی یا سماجی دباؤ کے اپنی تمام تر صلاحتیں زمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرد کی تربیت اس طرح کی کہ اس کا ہر عمل اس کے لئے دین و دنیا میں بھلائی کا سبب بنے اور انسانیت کو فائدہ پہنچے۔ آپ ﷺ نے اخلاقیات کے اصولوں پر منظم و مربوط معاشرے کی بنیاد رکھی۔ اسلامی تہذیب کو اس حوالے سے یہ امتیاز حاصل ہے کہ دنیاوی زندگی میں سرانجام پانے والے اعمال کی بازپرس اس کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے معاشرتی اصلاح کی بنیاد تزکیۂ اخلاق، اصلاح نفس اور احترام انسانیت پر رکھی تاکہ عوام الناس میں ایثار و قربانی اور احساس ذمہ داری پیدا ہو۔ آپ ﷺ نے نظافت و طہارت پر معاشرتی نظام کی بنیاد رکھی، کیونکہ انسان کو جیسا ماحول میسر ہوتا ہے ویسا ہی انداز فکر اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام نظم وضبط کیلئے فضا ساز گار بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، لہذا اس فریضہ کی ادائیگی بحیثیت مجموعی عوام الناس پر لازم ہے۔ مذکورہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے انفرادی سطح پر مندرجہ ذیل اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔

## 4.1 عبادات کے ذریعے منظم معاشرے کی تشکیل ممکن ہے

اسلام کو مکمل نظام زندگی کہنے کی بجائے ایک لمحہ کے لیے اسے بھی دیگر مذاہب کی طرح محض ایک مذہب ہی تصور کر لیا جائے اور اسی تناظر میں اس کی مذہبی رسومات سے متعلقہ کتب کا مطالعہ شروع کریں تو قاری ایک بات جو بڑی تیزی سے نوٹ کرے گا وہ یہ ہے کہ اسلام کی تمام مذہبی رسومات صرف ایک لفظ کے گرد گھومتی ہیں اور وہ لفظ ہے نظم وضبط۔ عبادات کی ادائیگی کے لیے کچھ شرائط وضوابط مقرر ہیں، اگر ان کی پابندی نہ کی جائے تو عبادت کی ادائیگی ممکن نہ ہوسکے گی۔ اسلام عقائد وعبادات میں نظم وضبط کے ذریعے منظم ومربوط معاشرتی نظام کی بنیاد رکھتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ افراد کے قلوب و اذہان میں ایسے پختہ عقائد موجود ہوں جو عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کریں اور خارجی حالات بھی ایسے ہوں کہ اس کا قیام عملاً ممکن ہوسکے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ "(31)

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے، گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔"

### 4.1.1 توحید

توحید کا مفہوم یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اس کائنات کا خالق ایک ہے، وہی عبادت کے لائق ہے، اس لئے متعدد معبودان باطلہ کی عبادت کے بجائے ایک معبود کی عبادت کی جائے۔ عقیدہ توحید کا لازمی اثر ایک مؤحد کی

زندگی میں فکری ارتکاز کی صورت میں ظاہر ہونا چاہئے۔ توحید اپنے ماننے والوں کو یہ موقع ضرور فراہم کرتی ہے کہ کم از کم معبود کی ذات کے حوالے سے ان کے باہمی اختلاف کی بنیاد ختم ہو جائیں۔ حیران کن بات ہے کہ دنیا کا سب سے ترقی یافتہ عقیدہ توحید رکھنے والے مسلمان باہمی اختلافات اور عدم برداشت میں دیگر مذاہب کے ماننے والوں کی نسبت امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ باہمی اختلافات کو ختم کرنے کے لئے ایک زبردست مشترکہ قدر رکھنے کے باوجود نہ صرف اتفاق واتحاد اور نظم وضبط کی برکت سے محروم ہے بلکہ باہم دست بگریباں ہے۔

### 4.1.2 نماز

اسلام میں نماز کو دین کا ستون، قرار دیا گیا ہے، گویا دین کی پوری عمارت نماز پر قائم ہے۔ نماز کی ادائیگی کا انداز میدان جنگ میں ایک لشکر کی ترتیب سے بہت مماثل ہے، جس میں ایک سپہ سالار منظم انداز سے لشکر کی قیادت کرتا ہے، ایک نقارچی ہوتا ہے جو تمام احکامات کو لشکر کے تمام افراد تک پہنچانے کی ذمہ داری انجام دیتا ہے، اور پھر صف بستہ فوج منظم ہو کر سپہ سالار کے حکم کو پوری تندہی سے انجام دینے کی کوشش کرتی ہے۔ نماز کی ادائیگی بھی منظم انداز میں ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا۔ (32)

"جب تم اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو، یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ اوقات پر فرض کی گئی ہے۔"

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ (33)

"نماز قائم کرو یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور بے شک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔"

نماز باجماعت کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کے ہر ہر فرد کو نظم وضبط کی تربیت دی جائے۔ نماز کے ارکان وشرائط نظم ضبط کی واضح دلیل ہیں۔ نماز کے لیے جب آدمی مسجد میں جائے تو جماعت میں شامل ہونے کے لیے دوڑ بھاگ نہ کرے، صفوں کی درستگی کا خیال رکھے، جماعت کی نماز میں مقتدی امام کی پیروی کرے، البتہ امام سے اگر کوئی سہو ہو جائے تو اصلاح کر دی جائے۔ نماز کے اس عمل سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر مسجد سے باہر مسلمانوں کا حاکم یا سربراہ کوئی غلطی کرے تو اس کو متوجہ کرنا چاہیئے۔ اس سے نظم وضبط بہتر ہو گا اور عمدہ معاشرتی اقدار پروان چڑھیں گے اور باہمی اعتماد کا تعلق قائم ہو گا۔ لہذا عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کرنے اور ماحول کی پاکیزگی کے لئے ضروری ہے کہ مساجد کو آباد کیا جائے اور نماز باجماعت کا اہتمام کیا جائے۔

### 4.1.3 روزہ

روزہ دین اسلام کی بدنی عبادات میں سے ایک ہے۔ رمضان المبارک کا پورا مہینہ گویا مسلمانوں کیلئے ایک ٹریننگ کیمپ ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کی نظریاتی اور عملی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ مسلمان بھوک، پیاس کو برداشت کرنے کی تربیت سے گذر کر عملی زندگی میں پیش آنے والی مشکلات کا سامنا صبر اور برداشت کے ذریعے کر

کے ایک ایسا منظم و مربوط معاشرہ تشکیل دے سکیں جس کی بنیاد اعلیٰ انسانی اقدار پر قائم ہو۔ اسلام میں اس جسمانی تربیت کو مسلمانوں کے لئے معاشرتی برائیوں کے خلاف ڈھال قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "روزہ ڈھال ہے"(34) رمضان المبارک میں مسلمانوں کی اس قدر کٹھن نظریاتی اور عملی تربیت کے باوجود دیکھتے ہیں کہ مسلم معاشروں میں صبر اور برداشت کا عملی مظاہرہ بالکل بھی نظر نہیں آتا۔ رمضان المبارک میں حکومتی سطح پر خصوصی اہتمام کے ذریعے عوام الناس میں شعور اجاگر کر کے معاشرے میں نظم وضبط پیدا کیا جاسکتا ہے۔

### 4.1.4 زکوٰۃ

مسلمانوں پر فرض ہے کہ سال بھر کی ضرورت سے زائد آمدنی پر زکوٰۃ ادا کریں۔ مصارف زکوٰۃ کی تفصیل سورہ التوبہ میں بیان کر دی گئی ہے۔ دنیا میں مالدار اور صاحب ثروت مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد اور نظام زکوٰۃ کی موجودگی کے باوجود دنیا کا کوئی ایک خطہ بھی اس حوالے سے بطور مثال پیش نہیں کیا جاسکتا جہاں نظام زکوٰۃ کے ذریعے غربت کا خاتمہ کیا گیا ہو۔ تنگدستی اور مفلسی معاشرے میں فتنہ وفساد کو جنم دیتی ہے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا نظام دودھاری تلوار کے مترادف ہے جو معاشرے کو دونوں اطراف سے کاٹتی ہے، کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک جانب دولت کا ارتکاز ہو جاتا ہے اور دوسری جانب فقر و فاقہ کا دور دورہ ہوتا ہے، جس سے انسان ذلت و پستی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "كاد الفقر ان يكون كفراً" یعنی قریب ہے کہ فقر و احتیاج کفر کی صورت اختیار کر لیں۔ (35) آپ ﷺ نے معاشرے کے ہر خاندان کے خوش حال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیا کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"مَنْ أَحَبَّ أَنْ يبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَينْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيصِلْ رَحِمَهُ۔ " (36)

"جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے روزی میں فراخی اور عمر میں برکت دی جائے تو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔"

مملکت خداداد پاکستان میں زکوٰۃ و عشر آرڈیننس نافذالعمل ہونے کے باوجود صورتحال ابتر ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے پاکستان میں نظام مالیات کو درست کیا جائے اور زکوٰۃ کو جمع اور خرچ کرنے کے لئے مؤثر قانون سازی کی جائے، کیونکہ مستحکم معاشی نظام ہی منظم و مربوط معاشرے کو جنم دیتا ہے۔

### 4.1.5 حج

حج ایک ایسی عبادت ہے جو مسلمان پر زندگی بھر میں استطاعت کی شرط کے ساتھ ایک دفعہ ادا کرنا فرض ہے۔ حج ایک ایسی منظم و مربوط مالی اور بدنی عبادت ہے جس کے اجتماعی اور انفرادی فوائد ہیں۔ اجتماعی فائدہ یہ ہے کہ حج مسلمانوں کی بین الاقوامی کانفرنس ہے، جس میں مسلمان سال بھر میں ایک دفعہ جمع ہو کر اپنے سیاسی، معاشرتی اور

معاشی مسائل بیان کر سکتے ہیں اور مشترکہ طور پر ان کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ حج کا انفرادی فائدہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حج کی ادائیگی کے بعد ایک مسلمان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ شومئ قسمت حج کے ذریعے کبھی مسلمانوں کے کسی اجتماعی مسئلے کا حل نہیں نکالا جا سکا۔ اہل اسلام عبادات اور ارکان اسلام سے مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکے لیکن یہ اتحاد واتفاق، نظم ونسق، صبر اور برداشت، غربت کا خاتمہ، اور معاشرتی وسیاسی مسائل کا حل مغرب نے وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر حاصل کر لیا۔ دیگر عبادات کی طرح حج بھی مسلمانوں میں اتحاد واتفاق اور ان میں نظم وضبط پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔

## 4.2 انسانی رویوں میں اعتدال وتوازن عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کرتا ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور احسن تقویم پر پیدا کیا ہے۔ معتدل ومتناسب بنا کر جو مقصد اس کے سپرد کیا گیا ہے وہ بھی اس ترکیب تخلیق سے گہری مناسبت رکھتا ہے، یعنی ایسے متوازن، معتدل اور متناسب نظام کا قیام جس میں عوام الناس کا استحصال، اخلاقی اصولوں کی خلاف ورزی اور حقوق انسانی کی پامالی نہ پائی جاتی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے منظم معاشرے کے قیام کے لئے مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور انتہائی مختصر مدت میں ایسی منظم فلاحی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوئے جس کی مثال تاریخ میں نہ اس سے پہلے موجود تھی اور نہ بعد میں قائم ہو سکی۔ منظم ومربوط معاشرے کے قیام کے لئے آپ ﷺ نے جو اصول، لوازمات اور لائحہ عمل بتایا ہے اسے جب اور جہاں کہیں بھی اختیار کیا جائے گا تو منظم ومربوط معاشرہ وجود میں آئے گا۔

کسی بھی معاشرے کی بقاء کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کے تمام عناصر میں ربط وتوازن پایا جائے۔ اس اصول سے انحراف کا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ فطری توازن سے ہٹ گیا ہے، جس کا انجام تباہی وبربادی کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہ اصول ہر معاشرے، ملک وملت اور قوم کے لئے ہوتا ہے۔ اسی اصول پر عمل کر کے منظم معاشرتی ارتقاء اور اخروی فوز وفلاح کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ خالق کائنات نے جس طرح اس کائنات کی بنیاد اعتدال اور توازن پر قائم فرمائی ہے اسی طرح اس کا منشا یہ ہے کہ بندے بھی اپنی معاشرتی، سیاسی اور معاشی زندگی کو منظم ومربوط بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو متوازن اور معتدل جسمانی ساخت عطا فرمائی اور انہیں زندگی گزارنے کے لئے پیغمبر اسلام کے ذریعے متوازن اور معتدل دین عطا فرمایا۔ تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے جو اپنی زندگی کو الہامی نظم وضبط کا پابند بنالے گا اس کا شمار اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں کے اوصاف کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا۔ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًاوَقِيَامًا۔ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَااصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۔ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا۔ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا۔ (37)

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر باوقار انداز سے چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان سے بحث کرنے لگتے ہیں وہ کہ دیتے ہیں سلام، اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں، اور جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے دوزخ کا عذاب دور رکھیو کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے، بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے، اور جو خرچ کرتے وقت نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں مذکورہ عبادالرحمٰن کی خصوصیات پر عمل پیرا ہو کر عوام الناس میں نظم و ضبط پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اعتدال، توازن اور نظم و ضبط انسانی شخصیت میں راسخ اخلاق و عادات سے منعکس ہوتا ہے، جو اس کے اخلاق و اعمال کو حق کے موافق، برائی سے دور اور احساسات کا لحاظ کرنے والا بناتی ہیں۔ یعنی حقوق کی ادائیگی کا ہمیشہ خیال اور حقوق و فرائض میں توازن و اعتدال کرنے والا بنا دیتی ہے۔ مہذب لوگ عمدہ الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں، مناسب وقت اور موزوں طرز عمل اختیار کرتے ہیں، بلند ذوق رکھنے والے جھگڑے اور غصے کی شدت کو ختم کر دیتے ہیں، نامناسب اقوال اور برے افعال سے نفرت کرتے ہیں، خشک مزاجی اور درشتی سے اجتناب کرتے ہیں۔

### 4.3 احساس ذمہ داری منظم و مربوط معاشرے کی خشت اول ہے

شریعت اسلامیہ میں حقوق و فرائض کے تعین میں توازن رکھا گیا ہے، لیکن اصل زور فرائض کی ادائیگی پر دیا گیا ہے، اس لئے کہ ادائیگی فرض کا احساس انسان میں مثبت اور تعمیری انداز فکر پیدا کرتا ہے جو معاشرہ کی تعمیر واصلاح اور وحدت و یکجہتی کے لئے بہت ضروری ہے۔ تعلیمات نبوی ﷺ کا ماحاصل یہ ہے کہ فرض کی ادائیگی عظیم امانت ہے اور کوئی شخص اس امانت سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص کو اللہ تعالیٰ رعیت کی نگہبانی سپرد کرے اور وہ بھلائی اور خیر خواہی کے ساتھ نگہبانی نہ کرے وہ بہشت کی مہک بھی نہ پائے گا۔" (38)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أَلا كلُّكمْ رَاعٍ وَكلُّكمْ مَسْؤلٌ عَنْ رَعِيتِهِ فَالْأَمِيرُالَّذِي عَلَي النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤلٌ عَنْ رَعِيتِهِ وَالرَّجُلُرَاعٍ عَلَي أَهْلِ بَيتِهِ وَهُوَ مَسْؤل عَنْهُمْ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيةٌ عَلَي بَيتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِي مَسْؤلَةٌعَنْهُمْ وَالْعَبْدُرَاعٍ عَلَي مَالِ سَيدِهِ وَهُوَ مَسْؤلٌ عَنْهُ أَلَافَكلُّكمْ رَاعٍ وَكلُّكمْ مَسْؤلٌ عَنْ رَعِيتِهِ"(39)

"تم میں سے ہر شخص اپنے زیر دستوں کا نگہبان ہے ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں سے متعلق باز پرس ہو گی۔ حاکم جن لوگوں کا نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کی بابت پوچھا جائے گا، ہر فرد سے اس کے اہل و عیال کے بارے میں باز پرس ہو گی، عورت سے اس کے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور غلام اپنے آقا کے مال کا محافظ ہے اس سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ خبردار تم میں سے ہر شخص سے اس سے متعلقہ امور

کی باز پرس ہو گی۔"

مرکزیت کا فقدان ہی تمام تر معاشرتی بگاڑ اور سماجی برائیوں کا اصل باعث ہوتا ہے۔ منتشر اور غیر منظم افراد کی اصلاح کے لئے کسی قانون کے نفاذ کی نہیں بلکہ انہیں مناسب خطوط پر منظم کرنے اور تربیت دینے کی ضرورت ہوتی۔ پورا عالمِ اسلام بالخصوص پاکستان میں اجتماعیت اور نظم و ضبط کا فقدان ہے۔ ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی معمول کی بات ہے، قطار انتظار کے ہم قائل ہی نہیں، شور شرابا بھی ہمیں بہت پسند ہے، عوام الناس کے اعصاب متاثر ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ "(40) موجودہ صورتحال یہ ہے کہ قدم قدم پر عوام الناس کے جائز حقوق پامال یا سلب کئے جارہے ہیں۔ کہیں اس کی حکومت ذمہ دار ہے تو کہیں معاشرہ۔ آپ ﷺ نے تین بار قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ:

"وَاللَّهِ لاَيؤْمِنُ، وَاللَّهِ لاَيؤْمِنُ، وَاللَّهِ لاَيؤْمِنُ، قِيلَ وَمَنْ يا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ:الَّذِي لاَيأْمَنُ جَارُهُ بَوَايقَهُ"(41)

"اللہ کی قسم وہ شخص مسلمان نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مسلمان نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مسلمان نہیں، دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! کون، فرمایا: وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں۔ "

جس قوم کے افراد میں اجتماعیت اور نظم وضبط نہیں وہ سرے سے قوم ہی نہیں رہتی۔ نظم وضبط اور اجتماعیت سے عوام الناس میں باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے غیر منظم معاشرے کو سدھارنے کے لئے انسانوں کی خودسری کو ختم کر کے انہیں اطاعت سکھائی اور عوامی سوچ کا رُخ انفرادیت سے ہٹا کر اجتماعیت کی طرف موڑ دیا۔ عوام کو ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کرنے کے ساتھ انہیں معاشرتی آداب سکھائے اور پھر جب ان تربیت یافتہ عوام کی حکومت قائم ہوئی تو انسانی معاشرہ عدل وانصاف کی خوش گواریوں سے جھلک اٹھا۔ منظم و مربوط معاشرتی نظام کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ ہر فرد احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنے حقوق و فرائض ادا کرے۔

### 4.4 نظم وضبط کے لئے مذہبی رواداری اور اعتدال کی ضرورت ہے

رسول اللہ ﷺ نے عوام الناس کو نہ صرف مذہبی وسیاسی آزادی کا حق دیا بلکہ اجتماعی معاملات میں شوریٰ کا طریقہ وضع کیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں اور مدینہ کے دیگر قبائل کے مابین جو معاہدہ (میثاق مدینہ) کیا اس میں تمام قبائل کو نہ صرف مذہبی اور سیاسی آزادی دی بلکہ آخر وقت تک اس معاہدے کا پاس بھی رکھا۔(42) آپ ﷺ نے ایسا منظم معاشرہ قائم کیا جس سے بلا تخصیص مذہب وجنس سب فیض یاب ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بحیثیت حکمران دیگر قبائل اور اقوام جو معاہدات کئے وہ آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت اور معاملہ فہمی کی ایسی تاریخی دستاویز ہیں جن سے مذہبی رواداری، احترام آدمیت اور تحمل و برداشت کا پتہ چلتا ہے۔ انسانی رواداری کی

ایسی ہی تاریخی دستاویزات میں سے ایک وہ معاہدہ بھی ہے جو آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ آپ ﷺ نے تحریر فرمایا کہ:

"نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، مذہب، زمینیں، اموال، غائب و حاضر، قافلے، قاصد اور مورتیں سب اللہ کی امان اور اس کے رسول کی ضمانت میں ہیں۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان کے حقوق میں دخل اندازی کی جائے گی اور نہ مورتیں بگاڑی جائیں گی۔ کوئی پادری اپنی پادریت سے، کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے، کوئی راہب اپنی راہبانیت سے اور کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدے سے نہیں ہٹایا جائے گا۔ جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے ان کے ساتھ جو شرائط طے کی گئی ہیں ہم ان کی پابندی کریں گے "(43)

مذکورہ شرائط اس سند نامے کی ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے عیسائیوں کو عطا کی تھی۔ سیاسی و مذہبی سطح پر حریت اور آزادئ ضمیر سے متعلق یہ ایک ایسی وقیع اور عظیم الشان یادگار ہے جو نہ صرف قرون اولیٰ میں معاشرتی نظم و ضبط کے قیام و بقاء کا سبب بنی بلکہ موجودہ دور میں بھی اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے نظم و ضبط قائم کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے منظم و مربوط معاشرے کی مثال سمندر میں رواں ایسی کشتی سے دی ہے جس میں سوار ہر شخص اس کی سلامتی کا ذمہ دار ہے اور کسی کو انفرادی آزادی کے نام پر اپنی جگہ پر سوراخ کر دینے کا حق نہیں ہے۔(44) اس تمثیل میں بڑی عمدگی کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ فرد اور جماعت دونوں پر ایسے حالات میں کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے افراد کے مفادات و مصالح کے باہم مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر ہونے کی ایسی عمدہ اور اچھوتی تصویر پیش کی ہے جو اس انفرادیت پسندانہ طرز فکر کے مقابلے میں پیش کی گئی ہے۔

### 4.5 باہمی تعاون منظم و مربوط معاشرے کو جنم دیتا ہے

اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد باہمی تعاون و توافق، اتحاد و یک جہتی اور نیکی و بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد پر ہے۔ افراد کی اجتماعیت ہو یا حکومتی تنظیم، ان کا نیکی اور بھلائی کے کاموں میں باہمی تعاون اسلام کا رہنما اصول ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "تقویٰ اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو"(45) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"المُسْلِمُ أَخُو المُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ القِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًاسَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ القِيَامَةِ"(46)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر خود ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو کسی ظالم کے حوالے کرتا ہے، اور جو کسی بھائی کی دنیاوی حاجت روی کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا، اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کی کوئی دنیاوی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیفوں میں کوئی تکلیف اس سے

دور کر دے گا، جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب چھپائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی کرے گا"

اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم یہ ہے کہ اگر دو فریقوں کے درمیان کسی بات پر اختلاف اور تنازع پیدا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کو آگے بڑھ کر ان جھگڑنے والوں میں صلح کروا دینی چاہیے۔ لوگوں کا امن و سلامتی سے ہم آہنگ ہو کر رہنا منظم و مربوط معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔ اسلام نے معاشرے کو اسلامی اصولوں پر برقرار رہنے کے لیے صلح و مصالحت کرانے کا حکم دیا ہے۔ عفو و درگذر اور وسعت ظرفی جیسی صفات عوام الناس میں نظم و ضبط پیدا کرتی ہیں۔ عوام الناس میں اگر باہمی تعاون اور عفو و درگزر کا شعور پیدا ہو جائے تو معاشرہ نظم و ضبط کا گہوارہ بن جائے گا۔

## 4.6 خدمت خلق کا جذبہ عوام الناس میں نظم و ضبط پیدا کرتا ہے

اسلام کا تصور عبادات جامع اور مربوط ہے۔ چنانچہ عبادات محض چند مراسم عبودیت بجالانے کا نام نہیں ہے بلکہ عبادت یہ ہے کہ پوری زندگی اللہ کے قانون کے تابع ہو جائے۔ لہٰذا اخلاص نیّت سے کیا جانے والا خدمت خلق کا ہر کام عبادت شمار ہوتا ہے۔ اسلام نے انسانیت کے بارے میں جو آفاقی نظریہ دیا ہے اس میں پیدائش کے لحاظ سے وحدت انسانیت کا تصور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام انسانوں کو بغیر کسی نسلی، وطنی اور قومی تفریق کے خطاب کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"قال رسول الله ﷺ الخلق كلهم عيال الله فأحب الخلق إلى الله أنفعهم لعياله۔ (47)"

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، تو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کے عیال کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔"

مذکورہ حدیث تمام مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیتی ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو خدمت خلق کے جذبے سے تمام بنی نوع انسان سے بھلائی کرنی چاہیئے۔ تعلیمات نبوی ﷺ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ نیکی کرنے کی ترغیب دی اور اسے بڑی نیکی قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اعمال صالحہ کے لیے ایسا وسیع نظام وضع کیا جس کے نتیجے میں ایک صالح اور منظم معاشرہ وجود میں آیا۔ سیرت طیبہ میں حقوق اللہ اور حقوق کی ادائیگی کے لئے کم تر درجہ یہ ہے کہ انسان اگر نیکی نہ کر سکے تو کم از کم برائی سے باز رہے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ، قَالُوا:فَإِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ:فَيَعْمَلُ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟قَالَ:فَيُعِينُ ذَاالحَاجَةِ المَلْهُوفَ، قَالُوا:فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ:فَيَأْمُرُ بِالخَيْرِ، أَوْ قَالَ:بِالْمَعْرُوفِ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ

فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ۔ "(48)

"ہر ایک مسلمان پر صدقہ (نیکی کرنا لازم) ہے، صحابہ کرام نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ ! اس شخص کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو یہ نہیں پاتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے جس سے اپنی ذات کو نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے، انھوں نے پھر پوچھا کہ وہ اگر یہ نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی مجبور حاجت مند کی مدد کرے، انھوں نے پوچھا کہ وہ اگر یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ برائی سے رک جائے یہ بھی اس کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔"

مذکورہ حدیث میں جو افعال و اعمال کی صورتیں بیان کی گئیں وہ تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق ہیں، اس سے اسلام کے مزاج اور نظام کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب ہر مسلمان میں خدمت خلق کا یہ جذبہ پیدا ہو گا تو عوام الناس میں یقیناً باہمی احترام و مودت کا رشتہ قائم ہو گا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی انسان کو منظم و مربوط بنا دیتی ہے۔ تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق جب معاشرے کا ہر فرد ایثار و قربانی کے جذبے کے ساتھ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے زندگی بسر کرے گا تو مجموعی طور پر معاشرہ خوشحال ہو گا اور عوام الناس میں نظم وضبط پیدا ہو گا۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قال رسول الله ﷺ إِنَّ لِلَّهِ ﷻ عَزَّ وَجَلَّ خَلْقًا خَلَقَهُمْ لِحَوَائِجِ النَّاسِ يَفْزَعُ النَّاسُ إِلَيْهِمْ فِي حَوَائِجِهِمْ أُولَئِكَ الْآمِنُونَ مِنْ عَذَابِ اللهِ۔ "(49)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کچھ مخلوق (انسان) ایسی ہے جسے اللہ تعالی نے انسانوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے پیدا کیا ہے، لوگ اپنی ضرورتوں کے وقت ان کے پاس آنے سے گھبرا کر آتے ہیں (اور یہ ان کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں) یہ لوگ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔"

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: السَّاعِي عَلَي الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ الْقَاءِمِ اللَّيلَ الصَّائمِ النَّهَارَ۔ "(50)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غریبوں اور بیواؤں کی خدمت کرنے والا وہی درجہ رکھتا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے، رات بھر نماز پڑھنے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا ہے۔"

احادیث مبارکہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدمت خلق کے جائز کاموں سے ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا دوسری عبادات سے ملتا ہے۔ تعلیمات نبوی ﷺ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی اصلاح اور اخروی نجات کے لیے جہاں ذاتی نیکیاں درکار ہیں وہاں اپنے ابنائے جنس کی دینی و دنیائی بھلائی، بہتری اور خدمت کے لیے بھی کام کرنا چاہیئے۔ اصلاح معاشرہ کی خواہش، احترام انسانیت اور دوسروں کے لئے جینے کا جذبہ عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کرتا ہے۔ علامہ محمد اقبال نے کیا خوب فرمایا:

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا۔(51)

## 5- خلاصہ بحث

معاشرتی اقدار کی پاسداری کو نظم وضبط کہا جاتا ہے۔ نظم وضبط ان محرکات کا مجموعہ ہے جو لوگوں کو انفرادی و اجتماعی قوانین اور اصولوں کی پاسداری کی ترغیب دیتا ہے۔ ہر تہذیب کے کچھ معاشرتی اصول وضوابط ہوتے ہیں جن کا احترام کرنا وہاں کے باشندوں پر قانونا اور اخلاقا لازم ہوتا ہے۔ اسلام کا تصور نظم وضبط یہ ہے کہ منتظمین قوانین کا استعمال اس طرح کریں کہ عوام الناس انہیں اختیارات کی صورت میں احکامات تصور نہ کریں بلکہ قواعد وضوابط پر عمل کرنے کو اپنی ذمہ داری تصور کریں۔ منظم و منضبط کائنات سے انسان کو سبق ملتا ہے کہ وہ بھی اپنے معمولات منظم انداز سے سرانجام دے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر ایک چیز کو نظم کی بنیاد پر تخلیق فرمایا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ بنی نوع انسان بھی اپنی انفرادی اور معاشرتی زندگی میں نظم وضبط پیدا کریں۔ معاشرے میں نظم وضبط کا قیام دوطرفہ کوششوں سے ممکن ہے اوراس کے لئے انفرادی اوراجتماعی سطح پر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومتی سطح پر نظم وضبط کے قیام کے لئے قانون سازی اور دوسری طرف عوام الناس میں احساس ذمہ داری سے منظم ومربوط معاشرے کا قیام ممکن ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے افراد کی اس طرح تربیت کی کہ اس کا ہر عمل اس کے لئے دین ودنیا میں بھلائی کا سبب بنے اورانسانیت کو اس سے فائدہ پہنچے۔ آپ ﷺ نے اخلاقیات کے اصولوں پر منظم ومربوط معاشرے کی بنیاد رکھی۔ رسول اللہ ﷺ نے معاشرتی اصلاح کی بنیاد تزکیۂ اخلاق، اصلاح نفس اور احترام انسانیت پر رکھی تاکہ عوام الناس میں ایثار وقربانی اور احساس ذمہ داری پیدا ہو۔ آپ ﷺ نے نظافت وطہارت پر معاشرتی نظام کی بنیاد رکھی، کیونکہ انسان کو جیسا ماحول میسر ہوتا ہے ویسا ہی انداز فکر اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ باہمی تعاون، احترام آدمیت، عفوودرگذر اور وسعت ظرفی جیسی صفات عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کرتی ہیں۔

## حوالہ جات وحواشی


1- دیکھیئے: مقبول احمد، جامع لغت علم التعلیم، علمی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، 2007، صفحہ:223
2- یٰس40:36
3- الترمذی، أبو عیسی، محمد بن عیسی، سنن الترمذی،بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّظَافَةِ، رقم الحدیث2799
4- البخاری، محمد بن إسماعیل أبو عبداللہ، صحیح البخاری،كِتَابِ الطَّهَارَةِ، بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ، رقم الحدیث1
5- أبو داود سلیمان بن الأشعث، سنن أبي داود،كِتَاب اللِّبَاسِ، بَابٌ فِي غَسْلِ الثَّوْبِ وَفِي

الْخُلْقَانِ، رقم الحدیث4062

6- البخاری، صحیح البخاری،كِتَابُ الجُمُعَةِ، بَابُ السِّوَاكِ يَوْمَ الجُمُعَةِ، رقم الحدیث887

7- ایضاً، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابُ فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ رقم الحدیث52

8- أحمد بن یحیی بن فضل اللہ القرشی، شہاب الدین، التعریف بالمصطلح الشریف، بتحقیق محمد حسین شمس الدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ: الأولی، 1998ء، باب والتقالید والتفاویض والتواقیع، 1/140۔

ابن کثیرؒ نے اس حدیث کو البدایۃ والنہایۃ میں اور ابن الاثیرؒ نے جامع الاصول میں نقل کر کے اسے حضرت عثمانؓ کا قول کہا ہے، علی المتقیؒ نے کنز العمال میں نقل کیا ہے اور اسے حضرت عمرؓ کا قول کہا ہے۔

9- السیوطی، عبد الرحمٰن بن أبی بکر، جلال الدین، جامع الحدیث، الہمزۃ مع الیاء، رقم10156۔

10- الترمذی، جامع الترمذی، أبواب الحدود، باب ماجاء فی درء الحدود، رقم1424۔

11- البخاری، صحیح البخاری، كِتَابُ المَغَازِي، بَابُ حَدِيثِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، رقم الحدیث4418

12- البخاری، صحیح البخاری، كِتَابُ العِلْمِ، بَابُ مَنْ سُئِلَ عِلْمًا وَهُوَ مُشْتَغِلٌ فِي حَدِيثِهِ، رقم الحدیث 59

13- محمد بن محمد بن سلیمان، جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزّوائد، طاعۃ الإمام ولزوم الجماعۃ، رقم الحدیث6058، مکتبۃ ابن کثیر، الکویت، الطبعۃ: الأولی، 1418ھ/ 1998م، 2/461

14- ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر، مسند أمیر المؤمنین أبی حفص عمر بن الخطاب ؓ وأقوالہ علی أبواب العلم، کتاب الامارۃ، دار الوفاء، المنصورۃ، الطبعۃ: الأولی، 1411ھ/ 1991م، 2/537

15- انظر: الواقدی، محمد بن عمر، أبو عبد اللہ، الردۃ مع نبذۃ من فتوح العراق وذکر المثنی بن حارثۃ الشیبانی، المحقق: یحیی الجبوری، دار الغرب الإسلامی، بیروت، 1990م، ذِكْرُ خُرُوجِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، 1/54۔

16- مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف، رقم4410

17- الموصلی، أبو یعلی أحمد بن علی بن المثنی مسند أبی یعلی، دار المأمون للتراث - دمشق 1404 – 1984، مسند عبد اللہ بن عمر، رقم الحدیث5773،

18- الحدید25:57

19- مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 2000ء، 5/322

20- النحل16:90

21- البخاری، صحیح البخاری، كِتَابُ المَغَازِي، بَابُ غَزْوَةِ أُحُدٍ، رقم الحدیث4043

22- النساء59:4

23- البخاری، صحیح البخاری، کتاب الأحکام، بباب السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلْإِمَامِ مَالَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً، رقم الحدیث7144

24- ایضاً، کتاب الأحکام، بباب السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلْإِمَامِ مَالَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً، رقم الحدیث7142

25- الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب 78 متی یکون ظہر الارض خیرا۔۔۔، رقم الحدیث2266

26- أحمد بن مروان الدینوری، المجالسۃ وجواہر العلم، دار ابن حزم بیروت، لبنان، 1419ھ۔، رقم1290، 4/112

27- بحوالہ: ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۴۔

28- البخاری، صحیح البخاری، کتَابُ الحُدُودِ، بَابٌ: هَلْ يُقُولُ الإِمَامُ لِلْمُقِرِّ: لَعَلَّكَ لَمَسْتَ أَوْ غَمَزْتَ، رقم الحدیث6824؛ الطبرانی سلیمان بن أحمد، أبو القاسم، المعجم الکبیر، دار الصمیعی، الریاض / الطبعۃ الأولی، 1994م، عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، رقم5191۔

29- النور19:24

30- أبو محمد عبد اللہ بن وہب، الجامع فی الحدیث لابن وہب، دار ابن الجوزی الریاض، 1995م، رقم الحدیث 484

31- البخاری، صحیح البخاری، کتَابُ الإِيمَانِ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ، رقم الحدیث8

32- النساء103:4

33- العنکبوت 45:29

34- النسائی، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعیب، السنن الصغری للنسائی، کتاب الصِّيَامِ، ذِكْرُ الِاخْتِلَافِ عَلَى مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ فِي حَدِيثِ أَبِي أُمَامَةَ، فِي فَضْلِ الصَّائِمِ، 2224

35- البخاری، صحیح البخاری، کتَاب الِاعْتِصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، بَاب مَنْ بُسِطَ لَهُ فِي الرِّزْقِ، رقم الحدیث5986

36- البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین، شعب الایمان، دار الکتب العلمیۃ بیروت، 1410ھ، رقم الحدیث5

37- الفرقان63:25-66

38- البخاری، صحیح البخاری، تَابُ الأَحْكَامِ، بَابُ مَنِ اسْتُرْعِيَ رَعِيَّةً فَلَمْ يَنْصَحْ، رقم الحدیث7150

39- ایضاً، کتَابُ الجُمُعَةِ، بَابُ الجُمُعَةِ فِي القُرَى وَالمُدُنِ، رقم الحدیث893۔

40- ایضاً، کتَابُ الإِيمَانِ، بَابٌ: المُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، رقم الحدیث10

41- ایضاً، کتَابُ الأَدَبِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ، رقم الحدیث6016

42- دیکھئے: السیرۃ النبویۃ، لابن ہشام، ۲/۹۵، المکتبۃ الشاملۃ۔

43- محمد مسعد یاقوت، نبی الرحمۃ، الزہراء للاعلام العربی، الطبعۃ الأولی 2007، القاہرۃ، ص112
44- صحیح البخاری، کتاب الشرکۃ، باب ہل یُقْرَعُ فِی الْقِسْمَۃِ، رقم الحدیث2493
45- المائدہ 2:5
46- البخاری، صحیح البخاری، کتَاب فِی اللُّقَطَۃِ، بَابٌ: لاَ یَظْلِمُ المُسْلِمُ المُسْلِمَ وَلاَ یُسْلِمُہُ، رقم الحدیث2442
47- نور الدین علی بن أبی بکر الہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، أبواب فی قضاء الحوائج ونحوہا، باب فضل قضاء الحوائج، دار الفکر، بیروت1412 ہ، 8/349، رقم الحدیث13707
48- البخاری، صحیح البخاری، کتَابُ الزَّکَاۃِ، بَابٌ: عَلَی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَۃٌ، رقم الحدیث1445،
49- الطبرانی، سلیمان بن أحمد، المعجم الکبی، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ، الطبعۃ الأولی، 1415 ہ- - 1994م، بابزَیْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رقم الحدیث13334، 12/358
50- صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ، رقم الحدیث5353۔
51- محمد اقبال، علامہ، بانگ درا، بانگ درا کے حصّہ دوم کی غزل نمبر (7)، اقبال اکادمی لاہور 1994ء

# [[006]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

محمد عبد المتعالی نعمان
ریسرچ اسکالر (پی ایچ ڈی)
کلیہ مطالعات مذاہب (شعبہ علوم اسلامی)
وفاقی اردو یونیورسٹی، عبد الحق کیمپس کراچی

بِسْمِ اللّٰہِالرحْمٰنِ الرَّحِیم ط

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰالَمِینْ وَ الْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِین وَالصَّلٰوۃُ والسَّلام عَلٰی سَید الْمُرْسَلِینَ وَ عَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِینَ۔ اَمَّا بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ ــمِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ء بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ ء

فَقَد قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِي کَلَامِہ الْمُبِین:- یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۱۰۲ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔(۱)

اے ایمان والو! دل میں اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنا اس کا حق ہے، اور خبر دار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے، بلکہ اسی حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو۔ اور اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ (تفرقہ) نہ کرو۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے — حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری(۲)
لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب — گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب(۳)
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ — زرۂ ریگ کو دیا تونے طلوعِ آفتاب
فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں — موج دریا میں ہے بیرون دریا کچھ نہیں (۴)
سبق پھر پڑھ تو صداقت کا عدالت کا — لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا(۵)

سیّد عرب و عجم، سیّد ابرار، سیّد اولادِ آدم، سیّد البشر، سیّد الانبیاء، سیّد المرسلین، سرور دوعالم، سرور کونین، ساقی کوثر، شافع محشر، صاحب قاب قوسین، صاحب لوح و قلم، صاحب بشیر ونذیر و سراجِ منیر، ہادی عالم، داعی اعظم، محسن اعظم، پیغمبر اعظم، ہادیِ برحق، ہادی انس وجاں، فخر موجودات، باعث تخلیق کائنات، رہبر عالم، جامع الصفات،

محسن انسانیت، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، احمد مجتبیٰ، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ ابدی ضابطہء حیات، علم و عرفاں کا منبع اور رشد و ہدایت کا مثالی سرچشمہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور اسوۂ حسنہ زندگی کے ہر گوشہء حیات میں کمال زندگی کی آئینہ دار ہے، جس کی نظیر تا ابد پیش نہیں کی جاسکتی۔

خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حسن و جمال کا ظہور کامل اور آپ ﷺ کی ذات اقدس افضلیت و اکملیت کا معیار آخر ہے۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

اللہ سبحان و تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے رُشد و ہدایت کے درخشاں آفتاب کو طلوع فرما کر اس کائناتِ عالم ارضی کو ایک نئی جہت، نیا موڑ اور فلاح و کامرانی کا جامع دستور (قرآن کریم) عطا کیا اور یوں بھٹکی ہوئی سسکتی انسانیت کو راہ و منزل مل گئی اور بنی نوع انسان پر دنیوی و آخروی ترقی و خوشحالی اور کامیابیوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔(٦)

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے:

وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ(٧)

## ہادی عالم ﷺ کی سیرتِ طیبہ عالم انسانیت کے لیے ایک مثالی اور لائق تقلید نمونہ:

سیرتِ مطہرہ کوئی قصہ کہانی یا ایک فرد کی داستان نہیں، بلکہ ایک عظیم، عالمگیر اور پاکیزہ انقلاب کا روشن ترین اور عدیم النظیر عہد ہے، جس کی تاریخ انسانی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ جس کا مرکزی کردار نبی کریم ﷺ کی جامع الصفات شخصیت اور اس کی اساس کلمہ طیبہ تھی۔ اس انقلابی کلمے کے بیج سے نظامِ عدل و رحمت کا وہ شجرہ طیبہ ظہور میں آیا جس کی شاخیں فضاؤں میں پھیل گئیں اور جڑیں زمین میں اتر گئیں، جس کی ٹھنڈی چھاؤں دُور دُور تک پھیل گئی، اور جس کے فکری، تہذیبی، تمدنی اور اخلاقی برگ و بار کا حصہ ہر قوم و معاشرے تک پہنچا۔ بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل بدنظمی و انتشار، فتنہ و فساد، جمعود و تعطل اور کج روی و کج فہمی عام تھی مگر آپ ﷺ نے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود صرف تیئس سال کے مختصر عرصے میں زندگی کے ہر گوشے اور طبقے میں ایسا عہد آفریں ہمہ گیر و عالمگیر انقلاب برپا کیا کہ جہالت و تاریکیوں میں ڈوبی اور سسکتی انسانیت کی کایا پلٹ گئی، جس کی نظیر تاریخ اقوام میں نہیں ملتی۔(٨)

سلام اس پر لقب ہے رحمت للعالمین جس کا
سلام اس پر دو عالم میں کوئی ثانی نہیں جس کا

سلام اس پر جو باطل شکن بھی حق نگر بھی ہے
سلام اس پر جو محمدوحِ رب، خیر البشر بھی ہے(۹)

آپ ﷺ کی شریعت اور آپ ﷺ کا لایا ہوا دین کامل، اکمل، ابدی ضابطہء حیات اور رشد و ہدایت کا مثالی سرچشمہ ہے۔ ہادی عالم ﷺ نے ایسے حرکی وار تقائی، حسن و ہمہ گیر و عالمگیر مثالی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کی جو ہر قسم کی ظلم و استحصال سے پاک اور اخوت و محبت صبر و استقلال اور حریت و مساوات کی بنیادوں پر استوار تھا۔(۱۰)

اسوۂ نبوی ﷺ کی جامعیت کے حوالے سے علامہ سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں: "ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفۂ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔(۱۱)

رحمت للعالمین ﷺ کی اسی جامعیت اور عظمت شان کے بارے میں مولانا عبد الماجد دریا آبادی کیا خوب لکھتے ہیں:

چودہ سو برس کی مدت میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے، عقل و دانش کی کتنی منزلیں، حد و حساب سے باہر، عدد و حساب سے خارج، طے ہو چکیں۔ الحاد و مادیت کی قلم رو کتنی وسیع ہو چکی۔ پر آج خالق کے نام کے ساتھ جس کا نام زبانوں پر آتا، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ جس کا ذکر کانوں تک پہنچتا ہے۔ وہ قیصر و کسریٰ کا نہیں، دنیا کے کسی شاعر و ادیب کا نہیں، کسی حکیم و فلسفی کا نہیں، کسی جنرل اور سردار کا نہیں، کسی گیلانی اور کسی راہب کا نہیں، کسی رشی کا نہیں، یہاں تک کہ کسی دوسرے پیمبر کا بھی نہیں، بلکہ حضرت عبد اللہ کے لخت جگر، حضرت آمنہ کے نورِ نظر، خاکِ بطحیٰ کے اسی بے کس و بے بس یتیم کا، جسے قریش کے زور آور، آور، جہل و نخوت کے نشے میں اپنے ہی جیسا محض ایک مشت خاک سمجھ رہے تھے۔ دنیا کے ہر خطہء زمین میں، ہر سال نہیں، ہر ماہ نہیں، ہر ہفتے نہیں، ہر روز پانچ مرتبہ بلند میناروں سے جس نام کی پکار خالق کے نام کے ساتھ فضا میں گونجتی ہے، وہ اسی ایک عظیم پیغمبر ﷺ کا نام ہے، جسے بصیرت سے محروم دنیا نے ایک زمانے میں محض ایک بے کس و یتیم کی حیثیت سے جانا تھا۔ یہ معنیٰ ہیں یتیم کے راج کے، یہ تفسیر ہے "ورفعنا لک ذکرک" کی، کسی ایک صوبے پر نہیں، کسی ایک جزیرے پر نہیں، دنیا پر، دنیا کے دلوں پر آج حکومت ہے تو اسی یتیم کی، راج ہے تو اسی اُمی ﷺ کا۔(۱۲)

اسی ابدی حقیقت ﷺ کی ترجمانی کرتے ہوئے اقبالؒ کیا خوب کہتے ہیں:

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے — نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
دشت میں، دامن کہسار میں، میدان میں ہے — بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراکش کے بیابان میں ہے — اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے　　رفعتِ شانِ ورفعنا لک ذکرک دیکھے(۱۳)

رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کی یہی وہ کشش تھی جس کے متعلق میسور یونیورسٹی، انڈیا کے پروفیسر اور مؤرخ پروفیسر کے ایس راما کرشناراؤ نے سیرتِ طیبہ ﷺ پر اپنی کتاب "پیغمبر اسلام ﷺ" میں آپ ﷺ کے متعلق لکھا:

Muhammad(صلی اللہ علیہ وسلم),

The personality Muhammad, it is most difficult to get into the whole truth of it. Only a glimpse of it I can catch. What a dramatic succession of picturesque scenes? There is Muhammad, the Prophet. There is Muhammad, the General; Muhammad, the Warrior, Muhammad, the Businessman, Muhammad, the Preacher; Muhammad, the Philosopher; Muhammad, the Statesman; Muhammad, the Orator; Muhammad, the Refomer; Muhammad, the Refuge of Orphans; Muhammad, the Protector of Slaves; Muhammad, the Emancipator of Women; Muhammad, the Judge; Muhammad, the Saint; And in all these magnificent roles; in all these departments of human activities, he is like a HERO(صلی اللہ علیہ وسلم).(14)

اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے "The 100" کا مصنف مائیکل ایچ ہارٹجس نے دنیا کی مؤثر ترین شخصیات میں نبی رحمت ﷺ کو سر فہرست رکھا، لکھتا ہے: ابتدائی طور پر یہ بات حیرت انگیز ہو سکتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا رُتبہ و مقام حضرت عیسیٰؑ سے بلند تر ہے۔ اس فیصلے کی دو بنیادی وجوہ ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت محمد ﷺ نے اشاعت اسلام اور اس کی ترویج میں جو کچھ کردار ادا کیا، وہ حصرت عیسیٰؑ کی تبلیغ و اشاعت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ علاوہ ازیں حضرت محمد ﷺ حضرت عیسیٰؑ کے برعکس ہر لحاظ سے ایک کامل راہ نما تھے۔ انہیں بلا تامل تاریخ کی اثر انگیز اور مؤثر ترین شخصیت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس کی مثال نہیں ملتی اور نہ مل سکتی ہے۔ مشہور مغربی مصنف رابرٹ گلک(Robert L. Gulick) نے اعترافِ حقیقت کے طور پر لکھا ہے:

The important contributions to world intellectual progress were made by the Arabs is not open to quesitoin. But were thee developments the result of the influence of Muhammad(صلی اللہ علیہ وسلم)?(15)

دنیا کی شعوری ترقی میں اہم کردار عربوں نے ادا کیا، مگر یہ ساری ترقی حضرت محمد ﷺ کے اثر کا نتیجہ تھی۔

ایک اور مغربی مصنف Reverend George Bush لکھتا ہے:

No revolution in history ،if we accept that effected by the religion of the Gospel ،has introduced greater changes into the state of the civilized world than that which has grown out of the rise ،progress and permanence of Muhammadanism.(16)

الہامی کتابوں کے حوالے سے کوئی بھی تاریخی انقلاب اتنے ہمہ گیر اثرات کا حامل نہیں، جس قدر وہ انقلاب ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ نے پائیدار بنیادوں پر اٹھایا اور پھر اسے بتدریج استوار کیا۔

شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ گرامی کے متعلق کیا خوب کہتے ہیں:

نسخہ کونین را دیباچہ اُوست　　جملہ عالم بندگان و خواجہ اُوست(۱۶۔الف)

## نظم وضبط: لغوی واصطلاحی مفہوم:

نظم کے لغوی معنی ہیں، لڑی میں پرونا، سلیقہ، بندوبست، انتظام، ترتیب اور تدبیر انتظام۔(۱۷)

اور ضبط کے معنی ہیں نگہبانی، حفاظت، انتظام، بندوبست، برداشت، پابندی۔(۱۸)

جبکہ انگلش میں نظم و ضبط کے لئے انگریزی لفظ (Discipline) استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں Training for Obedience and Order

نظم و ضبط کی ترتیب: ادب، تلقین، آراستگی، تہذیب، پابندی، نظم و ضبط، فرمانبرداری، اطاعت اور تابعداری۔(۱۹)

درج بالا "نظم" اور "ضبط" کے معنوں و مطالب کے روشنی میں نظم وضبط کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے۔

کسی فرد یا ادارے کے کاموں سے متعلق تمام معاملات کو صحیح سمت دینا، اِن پر ضبط قائم رکھنا اور فرمابرداری کے ساتھ اُن کا بندوبست یا انتظام کرنا نظم و ضبط کہلاتا ہے۔(۲۰) المختصر اپنے فرائض و ذمہ داری کو خوش اسلوبی (احسن طریقے) سے بجالانا نظم وضبط کہلاتا ہے۔

## عصر حاضر میں موضوع کی ضرورت واہمیت

سید عرب و عجم، رحمت للعالمین آنحضرت ﷺ کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر تعلیمات کسی خاص شعبے کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور تعلیمات مقدسہ کا اعجاز اور کمال یہ ہے کہ وہ ہماری طبعی، اخلاقی، روحانی، معاشی، معاشرتی، غرض ہر قسم کی حالتوں اور ضرورتوں کے لیے کامل اور جامع رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ نظامِ حکومت و مملکت ہو یا نظام معیشت و تجارت، سیاستِ مدن کا ذکر ہو یا معاشرت و اخلاق کا، ہر معاملے میں محسن

انسانیت ﷺ نے پوری انسانیت کے لیے راہِ عمل کو واضح اور روشن فرمادیا ہے اور پھر یہی نہیں بلکہ اپنی عملی کاوشوں سے اپنے بیان فرمودہ اصول و قوانین کو انفرادی حیثیت میں بھی اور اجتماعی صورت میں بھی جاری و نافذ فرما کر ان کے عملی طور پر ممکن العمل اور ہر طرح سے مفید ہونے کا ثبوت بھی پیش فرمادیا ہے۔

اسلام اجتماعی زندگی میں جہاں ریاست و حکومت کا تصور دیتا ہے، وہیں نظم وضبط اور حسن تنظیم کو اپنی بنیادی اور امتیازی صفت بھی بتاتا ہے، اسلامی ریاست کا کام محض امن و امان قائم رکھنا ہی نہیں بلکہ اجتماعی عدل، سماجی فلاح اور نظم وضبط کا قیام بھی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی ﷺ، دورِ خلافت راشدہ]، اور تاریخ اسلام کے دیگر سنہرے ادوار میں مسلم حکمرانوں نے اسلامی ریاست کے وسائل اور سرکاری مناصب و ذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال کے انمٹ اور تاریخ ساز نقوش چھوڑے ہیں، جو ایک جانب اسلام کے فلسفہء سیاست و حکومت کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں، وہیں دوسری جانب اسلام میں بے لاگ انصاف اور عدل کی بالادستی اور مثالی نظم وضبط کا مظہر ہیں۔

اور عالم اسلام جس نازک دور سے گزر رہا ہے۔ آج امت مسلمہ اور وطن عزیز جس سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی طور پر جس بد نظمی، انتشار اور افراتفری کا شکار ہے، اور عالم اسلام جس نازک دور سے گزر رہا ہے، وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ لوٹ مار، خیانت، اقربا پروری، غیر ذمہ داری اور کرپشن کا کلچر عام ہے۔ اقتصادیات، دہشت گردی، پانی و توانائی کا مسئلہ، غربت و افلاس، اندرونی اور بیرونی قرضوں کا بوجھ، نام نہاد روشن خیالی، لیڈرشپ، انتہاء پسندی اور تعلیم و صحت، بے روزگاری، مسئلہ کشمیر، مسئلہ فلسطین، عالمِ کفر اور اغیار کی ریشہ دوانیاں اور خودی و کردار سازی کے فقدان سمیت کئی مصائب و مشکلات اُمت مسلمہ کو لاحق ہیں۔ الغرض داخلی معاملات ہوں یا خارجی مسائل سے ہر سمت نئے نئے چیلنجز کا سامنا ہے۔ یہ سب مسائل ہمارے مروّجہ سسٹم اور طرز حکمرانی اور نظم و ضبط کے فقدان کا کا شاخسانہ ہے۔ اسلامی ریاستوں کا امن و امان اور ملکی استحکام بھی آج مختلف حوالوں سے فوری غور و فکر اور مثبت و تعمیری اقدامات کے متقاضی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ مملکت خداداد اسلامی جمہوری پاکستان کا شمار آج بد نظم اور کرپٹ ترین ممالک میں کیا جاتا ہے۔ ایک ایسا نظریاتی ملک جو کلمہ طیبہ کی بنیاد اور اسلام کے نام پر برصغیر کے لاکھوں مسلمانوں کی برسہا برس کی عظیم جدوجہد اور ناقابل فراموش اور بے مثال قربانیوں کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا ہو اور جس کا دستور قرآن و سنت کی اساس پر مبنی ہو، ایسے چشم کشا حقائق، ہر دردِ دل رکھنے والے پاکستانی کے لیے انتہائی تکلیف دہ، شرمناک اور لمحہ فکریہ ہیں۔ جبکہ انتظامی امور میں غفلت برتنے اور حکومتی مناصب و ذرائع اور وسائل کے غیر ذمہ دارانہ اور غیر منصفانہ استعمال کے اعداد و شمار کا احاطہ آسان نہیں۔ یہ شرمناک حقائق ہمارے نظام سیاست و حکومت اور معیشت و معاشرت کے کھوکھلے پن اور بدترین کرپشن اور بد نظمی کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے سیاسی و معاشرتی، بحران کے تناظر میں موضوع کی ضرورت و اہمیت بدرجہا بڑھ جاتی ہے۔

لہٰذا آج جبکہ سائنسی ترقی اور تیز ترین نظام ہائے مواصلات کی بناء پر پوری دنیا سمٹ چکی ہے اور مسابقت کی دوڑ میں ہر ایک آگے نکلنے کا خواہش مند ہے، یہ امر نہایت ضروری ہے کہ اسلامی ریاستیں دنیائے عالم کی تیزی سے بدلتی ہوئی صرورتحال کا فوری ادراک کرتے ہوئے، ملکی ضروریات اور حالات کو مد نظر رکھ کر، اپنے ملکی وقار اور مقام کا خود تعین کیا کریں، اور اپنی داخلی و خارجی پالیسیوں کا از سر نو جائزہ لے کر انہیں اپنے لیے مفید اور بہتر بنا پائیں، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ریاست اسلامی میں سیاسی نظم و نسق اور عوام الناس میں مثالی نظم و ضبط قائم ہو تا کہ ایک ماڈل اسلامی و فلاحی ریاست تشکیل پا سکے۔ مگر ان مقاصد کا حصول کے لئے ہم سب پر لازم ہے کہ ہم اپنے دین اور اپنے ہادی، معلم انسانیت حضرت محمد ﷺ کی مثالی تعلیمات اور سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی حاصل کریں اور آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیں، کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ اور ہر طرح کی رکاوٹوں سے مامون ہے اور جہاں کامیابی کی ضمانت خود رب ذوالجلال دے چکا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا۔ (۲۱) اوراگر تم (آپ ﷺ کی) اطاعت کرو گے تو ہدایت پاجاؤ گے۔

آپ ﷺ نے حکمرانوں کو حاکم کے بجائے خادم کے طور پر فرائض منصبی ادا کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: سید القوم خادمھم: ترجمہ: "قوم کا سربراہ اس کا خادم ہوتا ہے"۔ (۲۲) آپ ﷺ نے تصورِ حکومت بطور امانت Goverment as Trust پیش کیا۔ بعد ازاں صدیوں بعد مغرب میں اسلام کے سیاسی فلسفے کے زیر اثر حکومت کے خادم اور امین ہونے کا تصور پروان چڑھا۔ سید عرب و عجم، رہبر اعظم، پیغمبر رحمت حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے اس امتیاز کے حوالے سے شاعر کیا خوب کہتا ہے۔

نادارو ں کو علم کے موتی آقا ﷺ نے انمول دیے — باب جہالت بند کیا اور ذہنوں کے در کھول دیے
انگاروں کو پھول بنایا، ذرّوں کو خورشید کیا — جن ہونٹوں میں زہر بھرا تھا، ان کو میٹھے بول دیے
آپ ﷺ سے بڑھ کر انسانوں کا، اور کوئی ہمدرد نہ تھا — سنگ زنوں کو سنگ کے بدلے پیار کے موتی تول دیے
آپ ﷺ نے ایسے انسانوں کو درس دیا ہے محنت کا — دنیا کے لوگوں نے جن کے ہاتھوں میں کشکول دیے(۲۳)

## بعثت نبوی ﷺ سے قبل عالمی سیاسی نظام میں بد نظمی و انتشار اور مطلق العنان حکمرانی کا تصور

### مشرق و مغرب کی عالمی تہذیبوں اور دنیا کی عمومی اور اجتماعی حالت کا تاریخی جائزہ

بعثت نبویؐ سے قبل دنیا ظلم و استبداد کے عذاب الیم میں مبتلا تھی، غلامی کی زنجیروں نے اس کا بند بند جکڑ رکھا تھا، فرماں روایان ملک، امرائے شہر، رؤسائے قبائل، اپنے اپنے حلقۂ فرماں روائی میں اربابًا من دون اللہ تھے، اور ان کے ہاتھ میں ان کے اطاعت گزار غلاموں کی زندگی بسر کرتے تھے، جن کی زندگی کا مقصد واحد صرف اپنے

حکمراں کی تکمیل ہوائے نفس، واتباع مرضات تھا۔ صداقتوں کی حقیقت اور امور و واقعات کی صداقت کا فیصلہ سلاطین وامرا کے چشم ابرو کا ایک اشارہ اور ملوک و رؤسا کے کام و دھن کی ایک جنبش کرتی تھی۔ مسیحu سے ۱۷۰۰ برس پہلے، ذات شاہی ہر تقدیس سے متصف، ہر لحاظ سے مقدس، اور ہر نقص و عیب سے مبرا تھی، کیوں کہ وہ خدا تھی، خدا کا سایہ تھی، یا کم از کم مرتبہ انسانیت سے ایک بالاتر شے ضرور تھی۔ فراعنۂ مصر دیوتا تھا۔ اسی لیے مصر کے ایک فرعون نے مسیحu سے سترہ سو برس پہلے اپنے درباریوں کو کہا تھا: "انا ربکم الاعلیٰ" یعنی موسیٰؑ کا خدا کون ہے؟ تمہارا بڑا خدا تو میں ہوں"۔ کلدانیوں کے ملک میں نمرود، بابل کی پرستش کے لیے ہیکل بنتے تھے، ہندوستان کے راجہ دیوتاؤں کے اوتار بن کر زمین پر اترتے تھے، روما کا پوپ خدا کے فرزند کا جانشین تھا اور اس کا آستانہ قدس سجدہ گاہ ملوک و سلاطین تھا۔

روم کے قیصر اور فارس کے کسریٰ، گویا دیوتا تھے، یہ فطرت بشریہ سے منزہ اور مرتبہ انسانیت سے بلند ترین ہستی تھے، جن کے سامنے بیٹھنا ممنوع، جن کے سامنے ابتدائے کلام گناہ، جن کا نام لینا سوئے ادب اور جن کی شان میں ادنیٰ سا اعتراض بھی موجب قتل تھا۔ بیت المال ملکی سامان مصرف، رعایائے ملک غلامان درگہ شہنشاہی تھے۔(۲۴)

## بعثت نبوی ﷺ سے قبل عالمی سیاسی نظام میں افراتفری اور غیر جمہوری طرز حکمرانی: جائزہ

چھٹی صدی عیسوی آنحضرت ﷺ کی بعثت اور اسلام کے ظہور کا زمانہ ہے، اس وقت دنیا کی تمام سیاسی قوتیں مشرق و مغرب کی دو عظیم عالمی طاقتوں کے زیر سایہ تھیں، مشرق کی نمائندگی فارس (ایران) کے کسریٰ اور مغرب کی قسطنطنیہ کر رہے تھے اور ان دونوں کے ڈانڈے عرب کے عراقی و شامی حدود پر آکر ملتے تھے، عرب کے وہ قبائل جن میں ذرا بھی تہذیب کا نام تھا، وہ انہی دونوں میں سے کسی کے زیر اثر اور تابع تھے، یمن، بحرین، عمان اور عراق ایرانیوں کے اور وسط عرب اور شام رومیوں کے ماتحت یا زیر اثر تھے۔(۲۵) غرض کہ دنیا کے مختلف حصّوں اور ملکوں میں اجتماعی بد نظمی، انتشار، اخلاقی تنزل اور دینی غفلت رونما تھی۔ نظم و ضبط کا نام و نشان نہ تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ تمام ممالک تنزل، انحطاط اور شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں۔ (۲۶) بعثتِ نبویؐ سے قبل دنیا کے ہر خطے میں ظلم واستبداد پر مبنی بدترین آمریت اور بادشاہت کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ مصر، عراق، یونان، روم، ایران، جاپان، چین اور ہندوستان سب پر مطلق العنان بادشاہ حکمراں نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی حکمرانی اور اختیارات میں مطلق العنان تھے۔ سرکاری مناصب و ذرائع پر پوری طرح قابض اور اس کے غیر ذمّے دارانہ استعمال میں پوری طرح آزاد سمجھے جاتے تھے۔ قرآن کا زاویۂ نظر بادشاہوں کے متعلق یہ ہے کہ

اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَآ اَذِلَّۃً ج وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوْن(۲۷)

"بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں، تو وہاں فساد برپا کرتے ہیں اور عزت داروں کو ذلیل کر دیتے ہیں"۔

یعنی انہیں اپنا غلام بنا لیتے ہیں، ان کے مال و جائیداد پر قابض ہو جاتے ہیں، اپنے مناصب کا بلا جواز اور غیر

ذمّے دارانہ استعمال کرتے ہیں۔ حکمراں بادشاہ اپنے آپ کو زمین پر خدا کا نائب سمجھتے تھے۔ چنانچہ شاہان ایران اپنے نام کے ساتھ "برادرِ مہر وماہ" لکھا کرتے تھے، مصر کے بادشاہ فرعون، چین کے فغفور، اشوریا کے سلاطین، جاپان کے میکاڈو اپنے آپ کو دیوتا سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے سرکاری مناصب وذرائع کے ناجائز استعمال کی بدولت شاہی دبدبے اور شہنشاہانہ کروفر کو قائم رکھنے کے لیے ایسی رسمیں وضع کر رکھی تھیں کہ رعایا پوجا کی حد تک ان کی تکریم کرنے پر مجبور تھی۔(۲۸)

مشہور مغربی مورخ رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) رومی سلطنت کے بارے میں لکھتا ہے:
"رومی سلطنت ایک چھوٹے سے طبقے کی عیش اور راحت رسانی کا ذریعہ تھی اور جمہور عوام سے ناجائز منفعت اندوزی اور رعایا کا خون چوس کر شاہی قومیت کو غذا پہنچانا اس حکومت کا کام تھا۔"(۲۹)

تاریخ انسانی کے اس تاریک ترین دور میں دنیا کی سپر پاورز (عالمی طاقتوں) ریاستوں یونان، ترکی، فارس، روم، اور حبش کے فرمانروا پر شکوہ خطابات کے ساتھ دنیا کے اجتماعی نظام پر قابض تھے۔ یونان کا شہنشاہ "بطلیموس" کے لقب سے سرفراز تھا۔ ترکوں کا "خاقان" کے لقب سے، فارس کے شہنشاہ کا لقب "کسریٰ" تھا' روم کے شہنشاہ کا "قیصر" اور حبش کے شہنشاہ کا "نجاشی"۔ انسانی سوسائٹی جابر و قاہر شخصی حکومتوں اور غرور سے بھرے ہوئے خطاب یافتہ حکمرانوں کے شکنجۂ ظلم و استبداد میں عدل و انصاف اور انسانی مساوات کے فقدان کے باعث قریب بہ مرگ تھی۔ تاریخ انسانی کے اس دور تاریک پر جسے قرون مظلمہ (DARK AGES) کے تاریخی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مغربی دنیا کا مشہور دانشور جے ایچ ڈینی سن (J.H. DENISON) اس عہد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے! "پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری اور بدنظمی کے دہانے پر کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدّت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے، وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان (عدل و انصاف اور مساوات کے فقدان کے باعث) پھر اسی بربریت کی جانب لوٹ جانے والا ہے جس میں ہر قبیلہ اور ہر گروہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جائے۔(۳۰)

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالیؒ نے اپنی شہرہ آفاق نظم مسدّس مدّوجزر اسلام (مسدّس حالی) میں دنیا کی اس حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں:

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے — درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے(۳۱)

## بعثتِ نبوی ﷺ: سسکتی عالمِ انسانیت پر اللہ سبحان وتعالیٰ کا احسان عظیم:

دنیا اس تعبد وغلامی اور ذلت و تحقیر میں تھی کہ بحر احمر کے سواحل پر ریگستانی سرزمین میں ایک "رسول عربی ﷺ" کا ظہور ہوا۔ جس نے اپنے معجزانہ زور و توانائی سے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے، رومۃ الکبریٰ کے ایوان قدس کی بنیادیں ہلا دیں، تعبد وغلامی حسن نظم کی زنجیریں اس کی شمشیر غیر آہنی کی ایک ضرب سے کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اوراستقلال ذات و فکر، حریت، خیال و رائے و شرف و احترام نفس، مساوات حقوق، حسنِ نظم اور ابطال شاہنشاہی کی روشنی دنیائے قدیم کے قلب سے نکل کر تمام دنیا میں پھیل گئی۔ (ملک عرب دنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے اور جغرافیہ جدید سے بھی ثابت ہے) شاہان عالم مرتبۂ قدوسیت و معصومیت سے گر کر عام سطح انسانی پر آ گئے اور عام انسان، سطح غلامی وحیوانیت سے بلند ہو کر مصر و بابل کے دیوتاؤں اور روم و ایران کے قیصر و کسریٰ کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے اور بقول گبن (مشہور مورخ) "قوائے عملی وزندہ دلی جو صومعوں اور خانقاہوں میں پڑی سوتی تھی، عسکر حجاز کی آواز دہل سے چونک پڑی اور اسلام کی اس نئی سوسائٹی کا ہر ممبر حسب استعداد فطرت و حوصلہ اپنے اپنے مرتبے پر پہنچ گیا۔" یہ معجزانہ قوت و توانائی کیا تھی؟ جلال روحانی سے بھری ہوئی ایک آواز تھی جو بوقبیس کی پہاڑی سے بلند ہوئی اور جس سے گنبد عالم کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا کہ اے اہل عالم!

تَعَالَوْا إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ(۳۲)

آؤ، ایک بات کی طرف جو اصولاً وعقلاً ہم میں تم میں متفق علیہ ہے، اسے عملاً بھی تسلیم کر لیں، یعنی اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں، نہ اس کی خدائی میں کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ کے سوا ایک دوسرے کو اپنا خدا او آقا بنائیں۔ (۳۳)

مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں: "اس آواز سے انسانی جباری والوہیت کے بت سرنگوں ہو کر گر پڑے، شہنشاہوں کا پراسرار اور عجیب الخواص طلسم ٹوٹ گیا، بادشاہ خادم رعایا، بیت المال خزانہ عمومی اور تمام انسان مساوی مرتبہ قرار پا گئے۔ عرب کے بادشاہ نے نہ اپنے لیے قصر و ایوان تیار کرایا نہ قیمتی فرش بچھائے، نہ سونے چاندی کی کرسیوں سے دربار سجایا اور نہ اس نے اپنی ہستی کو انسانیت سے مافوق بنایا، بلکہ علیٰ الاعلان کہہ دیا: "میں بھی تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہوں"۔ (۳۴) اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا الطاف حسین حالیؒ کیا خوب فرماتے ہیں:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی ﷺ
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی اِک لگن دل میں سب کے لگادی

اِک آواز میں سوتی بستی جگادی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نامِ حق سے(۳۵)

**بعثت محمدی ﷺ منظم اسلامی فلاحی ریاست کا نقطۂ آغاز:**

حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے بلیغ الفاظ میں اس کا اعلان فرمایا:الیوم استدار الزّمان کھیئتہ یوم خلق اللہ السّمٰوٰت والارض(۳۶)

زمانہ ہر پھر کے اسی مرکز پر آگیا، جس پر وہ اس دن تھا، جس دن اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان انقلاب تھا، جس نے تمام خود ساختہ قوانین، سیاسی تکلفات، خود ساختہ روایات اور مظالم سے لبریز شاہانہ نظام ہائے سلطنت کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا، اس انقلاب نے نہ صرف کسریٰ و قیصر کی شخصیتوں کا خاتمہ کر دیا، بلکہ خود کسرویت اور قیصریت کو صفحۂ ہستی سے فنا کر دیا۔ یہ پیش گوئی ان الفاظ میں ظاہر ہوئی۔

اذا ھلك کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ واذا ھلك قیصر فلا قیصر بعدہ"

جب کسریٰ ہلاک ہو گیا، تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں اور جب قیصر ہلاک ہو گیا، تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں۔ (۳۷)

اور اس کے بعد ایک ایسی عادلانہ سلطنت کی بنیاد ڈالی گئی جس کا قانون خدا کا قانون، جس کی حکومت خدا کی حکومت اور جس میں ہر شخص ایک طرح سے خود ہی اپنا حاکم اور خود ہی اپنا محکوم تھا۔ علاّمہ سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں: "دنیا میں ریاست و حکومت اور سلطنتوں کے بانیوں کا مقصد قیام سلطنت کے سوا کچھ نہیں ہوتا، لیکن اسلام جو سطنت قائم کرنا چاہتا تھا، وہ بجائے خود مقصود بالذات نہ تھی، بلکہ اس کے ذریعے دنیا کے تمام ظالمانہ نظام ہائے سلطنت کو مٹا کر جن میں خدا کے بندوں کو بندوں کا خدا ٹھہرا دیا گیا تھا، اس کی جگہ خدا کے فرمان کے مطابق ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کرنا مقصود تھا، جس میں خدا کے سوا نہ کسی دوسری ارضی و سماوی طاقت کی سلطنت ہو اور نہ کسی دوسرے کا قانون رائج ہو اور جس میں فرماں روا افراد کی شخصیت، قومیت، زبان، نسل، وطن اور رنگ سے اسے تعلق نہ ہو، بلکہ اس کی جدوجہد کا سارا منشا سلطنت کے قانون، طرزِ سلطنت، طریقِ حکومت اور عدل و انصاف اور احکام کے حق و باطل سے ہو۔"(۳۸)

**بعثتِ نبوی ﷺ: نظم وضبط پر مبنی اسلامی فلاحی مملکت کا قیام اور اس کے ہمہ گیر اثرات:**

چھٹی صدی عیسوی سے پہلے بڑے بڑے فرماں روا پر شکوہ خطابات کے ساتھ دنیا کے اجتماعی نظام پر قابو پا کر نام پیدا کر چکے تھے، یونان کا شہنشاہ بطلیموس کے لقب سے سرفراز تھا، ترکوں کا خاقان کے لقب سے، فارس کے شہنشاہ کا لقب کسریٰ تھا۔ روم کے شہنشاہ کا قیصر اور حبش کے شہنشاہ کا نجاشی۔ انسانی سوسائٹی جابر و قاہر شخصی حکومتوں اور غرور

سے بھرے ہوئے خطاب یافتہ حکمرانوں کے شکنجے میں قریب بہ مرگ تھی، ایسے شدید اور صبر آزما زمانے میں پیغمبر اعظم، رسول اللہ ﷺ اور خلیفۃ اللہ کے پاکیزہ خطابات سے سرفراز ہو کر مبعوث ہوئے۔ اہل دنیا کو معلوم ہوا کہ دنیا کے سچے اور صحیح اجتماعی تصورات پہلی مرتبہ حقیقی انسانیت اور مثالی عمومیت کے مفہوم سے آشنا ہو رہے ہیں۔ ہم آنحضرت ﷺ کی پاک زندگی پر جس قدر غور کرتے ہیں، ہمیں اس زندگی کا ہر دور ابتداء سے انتہا تک فیصلہ کن واقعات سے بھرپور نظر آتا ہے۔ دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، یکایک آفتابِ اسلام طلوع ہوا، دنیا کی قسمت جگمگا اٹھی۔ دنیا بدی اور بدکاری میں مبتلا تھی، یکایک کونین کے سردار اور دین و دنیا کے رہنمائے اعظم، سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور ہوا۔ اہل دنیا کی تقدیر کے سیاسی نوشتے سیاہ سے سنہرے ہو گئے، دنیا انصاف سچائی اور خوف خدا کے مطمع نظر سے دُور تھی، یک بیک خدا کے محکم قوانین کا مجموعہ، حکمت اور سیاست و سلطنت کا بے نظیر دستور (قرآن مسطور) انسان کے دل و دماغ پر نازل ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے انسانیت عامہ کے تمام فطری احکام ایک ایک کر کے بروئے کار آ گئے۔

پہلے روئے زمین کے سردارؐ کا ظہور ہوا۔ اس کے بعد فطری قوانین نے اپنی جھلک دکھائی اور اس کے فوراً بعد ایک اُمت کی تشکیل عمل میں آئی "ریاست مدینہ" کا قیام عمل میں آیا، جس کا کام ساری قوموں کو ایک کرنا، ایک کر کے ایک انسانیت عامہ کے عقیدے پر جمع کرنا اور دنیا جہاں کی واحد حکومت قائم کرنا تھا، جب ہمارے نظام کا سردار پیدا ہو گیا، تو دنیا کے تمام پرانے نظام ٹوٹ پھوٹ گئے اور یوں پچیس سال کی مدت میں دنیا بدل گئی، ایک بڑی اور بے مثال تبدیلی رونما ہوئی، جس نے مدت کے تصوراتِ زمانۂ دراز کے خیالات، عرصے کی تنظیمات اور سالہا سال کے ظلم وجبر اور استبداد کی علمبردار قوموں اور حکومتوں کو ختم کر دیا۔(۳۹)

صوفی غلام مصطفی تبسم کیا خوب کہتے ہیں:

وہ جس کے دم قدم سے عظمت انسانیت اُبھری — چمک اٹھا ستارہ نوعِ انساں کے مقدر کا
وہ جس کے فقر کے آگے نگوں سر تھی شہنشاہی — وہ جس کے بوریا پر سر جھکا فغفور و قیصر کا
یہ حُسن خلق، یہ لطفِ نظر، یہ عفو، یہ بخشش — خراماں جس طرح کیفِ رواں تسنیم کوثر کا(۴۰)

عرب دنیا کے نامور محقق اور مذہبی اسکالر ڈاکٹر وہبہ الزحیلی "العلاقۃ الدولیۃ فی الاسلام" میں رقم طراز ہیں:

"ابتدائی مراحل ہی میں اسلامی ریاست کا قیام اس بات کی زندہ دلیل ہے کہ اسلام صرف مذہب ہی نہیں، بلکہ ایک ایسا قانون بھی ہے، جسے انسان کی تمام نظریاتی، اعتقادی، معاملاتی، اخلاقیاتی، حکومتی، انتظامی، تربیتی اور اجتماعی سرگرمیوں پر کامل حاکمیت حاصل ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس سے مذہب اور ریاست کے درمیان تعلق اس طرح

مضبوط ہو جاتا ہے، جس طرح عمارت اور بنیاد کے درمیان تعلق اور اسلام کا صحیح مفہوم بھی یہی ہے۔(۴۱)

## حکومتی و انتظامی مناصب و ذرائع کے استعمال میں نظم و ضبط: قرآن مجید اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

اسلام میں ریاست و حکمرانی کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ حکومت اور اس کے اختیارات اور اموال، اللہ اور مسلمانوں کی امانت ہیں، جنہیں خدا ترس، ایمان دار اور عادل لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہیے اور اس امانت میں کسی شخص کو من مانے طریقے پر یا نفسانی اغراض کے لیے تصرف کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ ریاستی عمال و حکمراں جب اپنے وسائل و معاملات میں دیانت اور حسن نظم برقرار رکھیں گے، تو عوام میں بھی مثالی اجتماعیت اور نظم و ضبط قائم رہے گا، اور ریاست کو استحکام حاصل ہو گا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا ۢ بَصِیْرًا (۴۲)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

* الا کلّکم راعٍ وکلّکم مسؤلٌ عن رعیّته فالامام الاعظم الّذي علیٰ النّاس راعٍ وھو مسؤلٌ عن رعیّته۔ (۴۳)

خبردار رہو، تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب پر حکمراں ہو، وہ بھی راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔

امام الانبیاء ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

* ما من امیر یلي امر المُسلمِین ثُمّ لا یَجھد لھُم وَلا یَنصحُ الاّ لَم یدخُل معھُم في الجنّة۔(۴۴)

کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے، پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے، وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں قطعاً داخل نہیں ہو گا۔

* "حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص دس یا اس سے زیادہ آدمیوں کے معاملات کا ذمّہ دار ہے، وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور اس طرح آئے گا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے۔ پھر یا تو اس کی نیکی اسے آزادی دلائے گی یا اس کے گناہ اسے ہلاک کریں گے۔ اس (امارت) کا آغاز، ملامت، اس کا وسط ندامت اور اس کا آخر قیامت کے دن رسوائی ہے۔"(۴۵)

* رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "انصاف کرنے والے (امراء اور حکام) نور کے منبروں پر اللہ تعالیٰ کے داہنے بیٹھے ہوئے ہوں گے اور جو لوگ اپنے فیصلے میں، اپنے اہل و عیال میں اور اپنے دائرۂ اقتدار میں انصاف کرتے ہیں، ان کی آستینوں میں خدا کے ہاتھ ہیں۔ "(۴۶)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

* وهلك حمل من ولد الضّانّ ضياعاً بشاطئ الفراتِ خشيتُ ان يّسالني الله۔ (۴۷)

دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کا بچّہ بھی اگر ہلاک ہو جائے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ مجھ سے باز پرس کرے گا۔

**نظمِ کائنات: قرآن کریم اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں:**

یہ کارخانہ قدرت جو کھربوں سال سے منظم انداز میں رواں دواں ہے یہ اپنے آپ نہیں چل رہا ہے۔ بلکہ اسے بنانے اور اسے چلانے میں ایک بلند و بالا اور اعلیٰ طاقت کار فرما ہے۔ اور وہ اعلیٰ و ارفع اور لازوال طاقت خدائے وحدہ لاشریک کی ذات ہے۔ یہی ذات اقدس اس کائنات کی منتظم ہے۔(۴۸)

قدرت کے کارخانے سے ہمیں نظم و نسق کی بہترین مثال ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات محدود نہیں، بلکہ ہر شے اپنی خلقت، اپنی محکم روش، اور اپنے قانون فطرت سے اس کی گواہی دیتی ہے:

صُنْعَ اللهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ (۴۹) یہ اللہ تعالیٰ کی کارگری ہے، جس نے ہر چیز کو (مناسب طریقے پر) مضبوط بنایا ہے۔

اس کی صنعت ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، اس میں مستحکم نظم و نسق کی بندش نظر آتی ہے۔

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِـئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ (۵۰)

تم خدائے رحمن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے۔ اب پھر سے نظر دوڑا کر دیکھو کیا تمہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ پھر بار بار نظر دوڑاؤ، نتیجہ یہی ہو گا کہ نظر تھک ہار کر تمہارے پاس نامراد لوٹ آئے گی۔

دن اور رات کا اپنے مقررہ وقت پر آنا جانا اور سورج چاند و ستاروں کی گردش، بلکہ سارا نظامِ شمسی اور دوسرے تمام ذرائع نظم و ضبط کے مطابق کام کر رہے ہیں، فصلوں کا اپنے موسم میں پیدا ہونا، آسمان سے پانی کا نزول، ہواؤں کی حرکت و سکون، سمندر، و دریا و پہاڑ یہ پرندے و چوپائے، کا وجود اور انسان کی تخلیق و موت اللہ تعالیٰ کے بہترین منتظم ہونے اور اس کے حسن نظم کائنات کا بہترین شاہکار ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات بھی ہمیں زندگی میں نظم و ضبط کا سبق دیتی ہیں اور آپ ﷺ پوری حیات مبارکہ در حقیقت زندگی کے ہر شعبے میں نظم و ضبط سے عبارت ہے۔

## کائنات میں نظم وترتیب: قرآن کریم کی آیات مقدسہ کی روشنی میں

کائنات میں حسن نظم سے متعلق چند آیات ربانی درج ذیل ہیں:

بلاشبہ ہم نے انسان کو بڑے خوبصورت قد و قامت میں بنایا ہے۔(۵۱)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے بغیر حق کے پیدا نہیں کیا۔(۵۲)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں بے فائدہ کھیل کرنے کے لیے پیدا نہیں کر دی ہیں۔ ہم نے انہیں برحق مقصد ہی کے لیے پیدا کیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ (۵۳)

اور کھلی بات ہے کہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی، اور اس میں تمہارے لیے روزی کے اسباب پیدا کیے۔ (پھر بھی) تم لوگ شکر کم ہی ادا کرتے ہو۔ اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری (اچھی) صورت (بھی) بنائی۔(۵۴)

(وہ ذرا سوچے کہ) اللہ نے اسے کس چیز سے پیدا کیا؟ نطفے کی ایک بوند سے، اسے پیدا بھی کیا، پھر اس کو ایک خاص انداز بھی دیا۔ پھر اس کے لیے راستہ بھی آسان بنا دیا۔ پھر اسے موت دی، اور قبر میں پہنچا دیا۔ پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ اٹھا کر کھڑا کر دے گا۔(۵۵)

پھر ذرا انسان اپنے کھانے ہی کو دیکھ لے۔ کہ ہم نے اوپر سے خوب پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو عجیب طرح پھاڑا۔ پھر ہم نے اس میں غلے اگائے۔ اور انگور اور ترکاریاں۔ اور زیتون اور کھجور۔ اور گھنے گھنے باغات۔ اور میوے اور چارہ۔ سب کچھ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کی خاطر۔(۵۶)

کیا ہم نے زمین کو ایک بچھونا نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو (زمین میں گڑی ہوئی) میخیں؟ اور تمہیں (مرد و عورت کے) جوڑوں کی شکل میں ہم نے پیدا کیا۔ اور تمہاری نیند کو تھکن دور کرنے کا ذریعہ ہم نے بنایا۔ اور رات کو پردے کا سبب ہم نے بنایا۔ اور دن کو روزی حاصل کرنے کا وقت ہم نے قرار دیا۔ اور ہم نے ہی تمہارے اوپر سات مضبوط وجود (آسمان) تعمیر کیے۔ اور ہم نے ہی ایک دہکتا ہوا چراغ (سورج) پیدا کیا۔ اور ہم نے ہی بھرے ہوئے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا۔ تاکہ اس سے غلہ اور دوسری سبزیاں بھی اگائیں۔ اور گھنے باغات بھی۔(۵۷)

## اسوۂ محمدی ﷺ: نظم وضبط اور تدبیر و تنظیم کا مثالی نمونہ عمل:

رحمت العالمین، خاتم النبیین، حضرت محمد ﷺ، معلم اخلاق ﷺ اور صاحب خلق عظیم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدی ﷺ پر یہ بڑا کرم کیا کہ اپنے پیغام ہدایت کے ابلاغ، وضاحت اور ترجمانی کے لئے رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور اقوال کو اس قدر جامع اور واضح بنا دیا اور پیروی کے لئے اتنا حوصلہ افزا کہ یہ شکایت کسی کو نہیں ہو سکتی کہ وہ زندگی کے کسی موڑ پر یا کسی مسئلے میں تشنگی رہ گئی، ہمارے آقا ﷺ کی حیات مبارکہ طویل نہ تھی، بعثت کے بعد کی زندگی تو بہت ہی مختصر تھی، بہ مشکل ۲۳ سال، ان میں سے بھی پہلے تیرہ سال مظالم

اور شدائد سے عہدہ بر آ ہونے میں اور رکاوٹیں دور کرنے میں لگ گئے، باقی بچے دس سال، اسلام کی محیر العقول تسخیرات اور توسیعات بیشتر اسی قلیل لیکن بار آور عرصے میں ہوئیں، تاریخ عالم کوئی دوسری مثال اتنی مختصر مدت میں اتنے بڑے انقلاب کو بروئے کار لانے کی پیش نہیں کر سکتی۔(۵۸)

**نبی رحمت ﷺ کی مکی زندگی اور نظم وضبط:**

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کو ہم دو ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مکی زندگی، مدنی زندگی۔ آنحضور ﷺ کی مکی زندگی بھی دو ادوار پر مشتمل ہے۔ قبل از نبوت اور بعد از نبوت، قدرت نے آپ ﷺ کو اخلاقی عظمت کے ساتھ جس تدبیر وفراست سے نوازا تھا وہ بھی ایک مسلمہ امر ہے۔ زمانہ قبل از نبوت میں بھی بعض واقعات ایسے ہیں، جن سے آپ ﷺ کے اجتماعی شعور اور تدبر اور نظم وضبط کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ حلف الفضول کا ہے۔(۵۹)

**حجر اسود کی تنصیب:**

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل اہل مکہ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا جب حجر اسود کی تنصیب کا موقع آیا تو ہر قبیلہ والے اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے میدان میں اتر آئے۔ قریب تھا کہ تلواریں چل پڑتیں کہ آپ ﷺ نے ایک دانشمندانہ فیصلہ کیا۔ آپ ﷺ نے اس پتھر کو اٹھا کر ایک چادر میں رکھا اور تمام قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ اس چادر کو مشترکہ طور پر اٹھا کر خانہ کعبہ تک لے چلو۔ جب سب نے پتھر اپنی جگہ پہنچا دیا تو آپ ﷺ نے اس کو اٹھا کر اسکی جگہ پر نصب فرمایا اور یوں ایک بڑا خون خرابہ آپ ﷺ کے فہم وفراست سے ٹل گیا۔(۶۰)

آج بھی وہ مقدس پتھر لاکھوں فرزندان توحید کے عقیدت سے بھرپور دلوں کی دھڑکنوں کا مرکز ہے اور جس کو بوسہ دیتے وقت آپ ﷺ کے اس تدبر اور فراست کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جس نے ایک عظیم خونریزی اور بد نظمی وانتشار کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ آپ ﷺ کا یہ تاریخ ساز فیصلہ نہ صرف حسن نظم وتدبیر وتنظیم کی مثال ہے بلکہ انسانی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔

قریش مکہ کے مظالم اور نبی رحمت ﷺ کا مثالی نظم وضبط: آنحضرت ﷺ کی شخصیت کی کشش اور آپ ﷺ کے مکارم اخلاق نے بہت سے منکرین اور مشرکین کے دلوں کو پگھلا دیا، اس پیغام کی صداقت اور پیغمبر کی امانت کا اثر دلوں پر ہونا تھا، سو ہو کر رہا، آنحضرت ﷺ کے اخلاق حسنہ کا تذکرہ ہماری بساط سے باہر ہے۔ یہ سب مانتے ہیں کہ آپ ﷺ صادق، امین اور خوش خلق تھے۔ آپ ﷺ غریبوں، محتاجوں، کمزوروں اور درماندوں کی مدد اور ان کے دکھ درد کا مداوا وصلہ رحمی، بیماروں کی عیادت اور مصیبت زدوں کی غمگساری فرماتے، انصاف آپ کا شیوہ اور رحم آپ کی خو تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ کو مخالفتوں، سازشوں، عدالتوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔

آنحضرت ﷺ کے مخالفوں اور بدخواہوں میں سب سے زیادہ آزار رساں مشرکین مکہ تھے، انہوں نے آپ ﷺ اورآپ ﷺ پر ایمان لانے والے صحابہ کرام y اور صحابیات r کو ایذا پہنچانے کے سارے ذرائع صرف کر ڈالے، آپ ﷺ مجبوراً مکہ سے باہر تشریف لے گئے، شعب ابی طالب کی گھاٹی میں اپنے رفقاء کے ساتھ تین سال محصور رہے اور پھر بے بسی اور بے کسی کے عالم میں طائف پہنچے۔ اہل طائف اہل مکہ سے زیادہ آمادۂ عناد نظر آئے، آپ ﷺ سال سنگدلوں اور گمراہوں کے آگے سینہ سپر رہے اور پھر ہدایت ربانی کے تحت آپ ﷺ نے مکہ سے جانب شمال یثرب کے لئے ہجرت فرمائی، جس کا نام شرف اجلال ہی کی بدولت مدینہ النبی اور مختصراً "مدینہ" ہوگیا۔(۶۱)

سخت ترین ایذا اور مظالم کے باوجود کسی جماعت کا اس طرح کا ڈسپلن (نظم و ضبط) اور اس درجہ منظم ہونے اور اپنے رہنما، قائد اور لیڈر حضرت محمد ﷺ کے حکم کی پابندی کی ایسی مثال پوری انسانی تاریخ میں آپ کو نہیں ملے گی۔(۶۲)

آنحضرت ﷺ کی سیرت کا یہ پہلو خصوصاً قابل غور اور واجب اتباع ہے کہ رکاوٹوں، عداوتوں اور سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ ﷺ صرف توکل کی راہ اختیار نہیں کی، آپ ﷺ نے تدبیر اور تنظیم کا اہتمام کیا اوراپنے طرز عمل سے امت پر یہ واضح فرمادیا کہ زندگی حرکت نظم وضبط اور تنظیم اور باخبر رہنے کا نام ہے۔ بقول اقبال

جہاں میں اہل ایماں بصورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے(۶۳)

رسول اکرم ﷺ کی ساری سیرت ہی عبارت ہے باخبری، تنظیم اور اقدامیت و حرکت سے۔(۶۴)

**نبی رحمت ﷺ کی مدنی زندگی اور نظم وضبط:**

مدینہ آمد کے بعد آپ ﷺ اور آپ کے رفقاء] کو، مشرکین مکہ کے عناد اور یہودیوں کی مکر وعداوت کا بار بار سامنا کرنا پڑا، ساتھ ساتھ سرکش قبائل، مختلف مذاہب اور منافقین سے عہدہ برآ ہونے کے علاوہ، جزیرۂ عرب کے یمین ویسار پر ایران وروما کی بڑی سلطنتیں موجود تھیں، ایسے حالات کو زیر کرنا آسان نہیں تھا۔ مگر یہاں بھی آپ ﷺ کا نظم وضبط مثالی تھا۔ چونکہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کا واسطہ مختلف قوموں سے پڑا، بجائے اس کے کہ جذباتی انداز سے وہاں کی سب قوموں کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جاتا سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا، "جو قوم رافت و رحمت یا سختی و درشتی جس سلوک کی مستحق تھی اس کے ساتھ وہی سلوک کیا" اسے ہم حسن تدبیر تو کہہ سکتے ہیں یا صلابت تنظیم مگر تکیہ بہ تقدیر نہیں کہہ سکتے۔(۶۵)

رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ کے لئے منتخب کی ہوئی زمین اس کے مالکوں سے جو دو یتیم بچے تھے

خریدی اور بنفس نفیس مسجد کی تعمیر میں شریک ہوگئے، آپ ﷺ اینٹ اور پتھر ڈھوتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے خود یہ زحمت اٹھائی، یہ حسن تدبیر تھا جس نے آپ ﷺ کے متبعین کے دل بڑھا دیئے اور انہیں ذوق کے ساتھ صعوبت برداشت کرنے کا گر سکھا دیا۔(٦٦)

یہی تنظیم اور نظم وضبط کا وصف مہاجرین اور انصار کے درمیان جو بھائی چارہ (مواخات) آنحضرت ﷺ نے کرایا تھا، اس سے ظاہر ہے، اس بھائی چارے نے دلوں کی حالت بدل دی اور جاہلی عصبیتیں تحلیل کر دیں، مقصود یہ تھا کہ حمیت وغیرت جو کچھ ہو وہ اسلام کے لئے ہو، نسل ورنگ اور وطن کے امتیازات مٹ جائیں۔ اور زندگی میں نظم وضبط اور جمعیت نظر آئے۔ تنظیم کا ہاتھ قرأت وحی تک پھیلا ہوا تھا، اور اسے آپ ﷺ نے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنالیا تھا، آپ ﷺ وحی مسلمانوں کو پڑھ کر سناتے اور مسلمان آپ ﷺ کو پڑھ کر سناتے تاکہ اس عمل سے ان کے اندر فہم وتدبیر کے علاوہ دعوت کے حقوق اور پیغمبرانہ ذمہ داریوں کا شعور بھی بیدار ہو۔(٦٧)

آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں کسی کام میں بے صبری، جلد بازی اور جذبات کا شائبہ بھی نہیں ملتا، آپ ﷺ نے جو جو اصلاحات کیں ان میں تنظیم اور نظم وضبط کے اس نکتے کو ملحوظ خاطر رکھا گیا کہ نئی بات کو انسان یکمشت آسانی سے قبول نہیں کرنا چاہتا، اس کے دل ودماغ میں نئی بات بتدریج اور بالاقساط سرایت کر پاتی ہے۔(٦٨)

آپ ﷺ نے مدینہ تشریف لاتے ہی دو ایسے مثالی اقدامات کئے جن سے اس نوزائیدہ سوسائٹی کو استحکام مل گیا۔ یعنی مؤاخات اور میثاقِ مدینہ اور کچھ عرصے بعد معاہدہ حدیبیہ (صلحِ حدیبیہ) جس کے انتہائی دور رس اثرات مرتب ہوئے، جس کی تفصیلات کتبِ تاریخ وسیرت میں بکثرت موجود ہیں۔ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا آدمی بھی یہ محسوس کرے گا کہ یہ اقدامات آپ ﷺ کے تدبر وفراست اور حسن نظم کی بہترین مثالیں ہیں۔ (٦٩)

**غزوات نبوی ﷺ اور نظم وضبط:**

غزوات وسرایا میں آپ ﷺ کی دفاعی وجنگی حکمت عملی، اخلاقی اصولوں کی پابندی اس میں مثالی نظم و ضبط اقوام عالم کے لئے ایک مینارِ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ جب غزوے کے لئے تشریف لے جاتے تو مدینہ کو اس حال پر چھوڑنے کے بجائے جو عدم تنظیم اور عدم نظم وضبط کی ایک ادا ہے، صحابہ y میں سے کسی کو اس کا امیر مقرر فرماتے، جب سواریوں کی کمی ہوتی تو اونٹوں پر مجاہدین کی باری باندھ دی جاتی، سریہء نخلہ میں جو جنوری ٦٤٤ء کو ہوا ہر دو آدمی کے بیچ میں ایک اونٹ تھا، جس پر باری باری دونوں سوار ہوتے۔(٧٠)

**جنگ بدر: مثالی نظم وضبط کا شاہکار**

جنگ بدر سے پہلے قریش کا قافلہ لشکر اسلام کی آہٹ پاکر کترا کر نکل گیا تھا، دشمن کو اس طرح آزاد چھوڑ دینا، ایک نوخیز ملت کے حق میں نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے قافلے کی واپسی کا انتظار کیا اور طلحہ بن عبید اللہ t اور سعید بن زید y کو اس کے حالات کا پتہ لگانے کے لئے شمال کی جانب روانہ کیا، اور انہوں نے بروقت رسول اللہ ﷺ کو اس

کی اطلاع دی۔ قریش کے لشکر کا جب میدان بدر میں سامنا ہونے والا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے بظاہر ایک سمت کا رخ کیا، اور گئے دوسری سمت میں، تاکہ دشمن کو اسلام کے لشکر کی نقل و حرکت کا علم نہ ہو پائے، دیت نام کی آبادی میں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ فراہمی اطلاعات کے لئے نکل پڑے۔(۷۱) شام کو پھر آپ ﷺ نے لشکر مکہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے نئے سرے سے جاسوسی دستہ روانہ فرمایا، رات میں آپ ﷺ نے لشکر کی ترتیب فرمائی۔

**غزوۂ بدر: عسکری نظم وضبط کا عمدہ مثال:**

غزوہ بدر کی ایک خوبی یہ تھی کہ صحرائے عرب کے بدوؤں نے پہلی مرتبہ ایک ایسی منظم فوج دیکھی تھی، جس کے ہاں لوٹ مار اور غارت گری کا کوئی تصور نہ تھا، کیونکہ اس فوج کی قیادت انسانیت کو نظم و ضبط اور عدل و انصاف سے روشناس کرانے والی شخصیت کے ہاتھ میں تھی۔ جیسا کہ اسی حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ وَضَعَ الميزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ۸ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ۹ (۷۲)

کہ تم تولنے میں ظلم نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو، اور تول میں کمی نہ کرو۔

اس آیت مبارکہ میں میزان کے لفظ کا تین بار ذکر ہوا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور صورت قرین قیاس ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ جنہوں نے نظم و ضبط، نظم و نسق اور توازن کی اہمیت کو اجاگر کیا، حضرت محمد ﷺ کو ایک منظم فوج کے منتظم، باریک بیں اور اعتدال پسند سپہ سالار کی حیثیت سے میدان بدر کی طرف بھیجتے۔(۷۳) یہ معرکہ دو ایسی جماعتوں کے درمیان تھا، جن میں سے ایک زندگی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی اور دوسری اسے پوجتی تھی۔ ایک جماعت منظم اور دوسری بے ترتیب افراد کا مجموعہ تھی۔ اس معرکے کا انجام شروع سے ہی واضح تھا، کیونکہ یہ نظم و نسق، نظم و ضبط اور بد انتظامی کے درمیان جنگ تھی۔ مسلمانوں کی صفوں میں کہیں بھی رخنہ پڑنے لگتا تو رسول اللہ ﷺ فوراً وہاں پہنچ جاتے اور اس حصے کو مضبوط بنا دیتے۔ مسلمان جونہی رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ان کے حوصلے بلند ہو جاتے اور وہ رخنہ فوراً بند ہو جاتا، اور اسی مثالی عسکری نظم و ضبط کا نتیجہ شاندار فتح کی سورت میں مسلمانوں کا مقدر بنا۔(۷۴)

اقدامیت یا پیش قدمی کی مثالیں جابجا نظر آتی ہیں۔ غزوۂ بدر کے بعد قبیلہء غطفان کی شاخ بنو سلیم کے لوگ مدینہ پر چڑھائی کے لئے فوج جمع کر رہے ہیں، اس کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے دو سو سواروں کے ساتھ ان پر خود ان کے اپنے علاقے میں اچانک دھاوا بول دیا اور مقام کدر میں ان کی منازل تک جا پہنچے، بنو سلیم میں اس اچانک حملے سے بھگدڑ مچ گئی اور وہ افراتفری کے عالم میں وادی کے اندر پانچ سو اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے، جس پر لشکر مدینہ نے قبضہ کر لیا۔

**غزوۂ احد اور نظم وضبط:**

معرکہء احد میں حسب معمول آنحضرت ﷺ نے اپنے لشکر کے لئے وہ مقام چنا جو جنگی نقطہء نظر سے

میدان جنگ کا بہترین مقام تھا، یعنی آپ ﷺ نے پہاڑ کی بلندیوں کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور دایاں بازو محفوظ کر لیا اور بائیں بازو پر دوران جنگ میں جس واحد شگاف سے حملہ کر کے پشت تک پہنچا جا سکتا تھا، اسے تیر اندازوں کے ذریعے بند کر دیا گیا تھا۔ حسن تدبیر، نظم وضبط اور تنظیم کی یہ ایک بہت اچھی مثال تھی، جب احد میں شکست کے باوجود آپ ﷺ نے مشرکین کا تعاقب کیا تو اس سے ٹوٹے ہوئے حوصلوں کو جوڑ دیا اور شکست کی لائی ہوئی بے اعتمادی اور کمزوری کو دور کر دیا۔(۷۵)

**فتح مکہ: رواداری اور نظم وضبط کی عظیم مثال:**

تاریخ انسانی میں فتح مکہ انسان رواداری، صبر و تحمل، برداشت نظم وضبط اور وسیع القلبی کی وہ لازوال اور عدیم النظیر روشن مثال ہے، جس کا عشرِ عشیری بھی تاریخ عالم کے معلمین اخلاق کی عملی زندگی میں نظر نہیں آتا۔ اس دن مکہ کے تمام ظالم وجابر کفار ومشرکین سامنے بے بس اور گردن جھکائے کھڑے تھے۔ وہ سب تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کو اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی۔ آج رب کائنات نے ان تمام کو پیغمبر رحمت ﷺ کے قبضے میں دے دیا تھا۔ چاہتے تو چشم زدن میں سب کی گردنیں کٹوا کر سابقہ ظلموں کا بدلہ لے لیتے۔ اس حالت میں پیغمبر رحمت ﷺ کی آواز اٹھی: "تمہیں معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟" سب نے جواب میں کہا: "آپ ﷺ کریم بھائی کے کریم بیٹے ہیں، اور ہم آپ ﷺ کی طرف سے رحم واحسان کے امیدوار ہیں" پھر کیا تھا دریائے رحمت امنڈ آیا اور اہل مکہ کی ظلموں بھری تاریخ کو بہا کر لے گیا، فرمایا:

لاتثریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم الطلقاء (۷۶) "آج تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو"۔

حافظ لدھیانوی اسوۂ نبوی ﷺ کے اس روشن وتاریخ ساز پہلو کے متعلق کیا خوب کہتے ہیں:

جلالِ بادشاہی نے لباسِ عجز پہنا ہے — درِ اقدس پہ ہے قربان عزو جاہِ سلطانی
وہ اپنی خوبیوں میں جہاں یکہ و تنہا — صفات وذات میں کوئی نہیں، کونین میں ثانی
عطا کی سرفرازی ان کو جو پامال انسان تھے — غلاموں کو سکھائے اس نے اندازِ جہانبانی(۷۷)

معروف ترک سیرت نگار محمد فتح اللہ گولن لکھتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ اپنی حکمت عملی نہایت باریک بینی سے تیار فرماتے اور کسی بھی پہلو کو نظر انداز نہ فرماتے۔ آپ ﷺ کی حکمت عملی، طریق کار اور اسلوب کا آپ ﷺ کے انتہائی قریبی کمانڈروں کے سوا کسی کو علم نہ ہوتا تھا۔ دشمن غیر منظم طور پر لڑ رہا ہوتا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے لشکر کو بخوبی معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کیا کرنا ہے، کس طرف تیر پھینکنے ہیں، اور کہاں نیزوں سے لڑنا ہے۔ بلاشبہ جنگی حکمت عملی انتہائی اہم چیز ہے۔ جس کی بدولت فتوحات مسلمانوں کے قدم چومتی رہی"۔(۷۸)

حضور ﷺ کی یہی معاملہ فہمی، نظم وضبط اور حسن نظم و تدبیر و تنظیم نہ صرف دیگر غزوات میں ہمیں نظر آتی ہیں، بلکہ آپ ﷺ کی پوری حیات مقدسہ اس سے عبارت ہے۔ المختصر حقیقۃ تو یہ ہے کہ رسول آخر الزماں ﷺ کی سریت طیبہ ہمیں جہاں حلم، رحم، انصاف، صداقت اور امانت سکھاتی ہے، وہیں وہ ہمیں تنظیم اور حسن تدبیر اور نظم وضبط کا بھی سبق دیتی ہے۔

**پیغمبر اعظم و آخر ﷺ کا پاکیزہ انقلابِ عظیم اور مثالی نظم وضبط: تاریخ عالم کی عدیم النظیر مثال:**

حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے تیئس سالہ نبوی دور میں جو انقلابِ عظیم برپا کیا تھا، اُس نے پورے کے پورے انسان اور انسانی معاشرہ کو اندر اور باہر سے بدل دیا اور صبغۃ اللہ کا ایک ہی رنگ مسجد سے لے کر بازار تک، مدرسہ سے عدالت تک اور گھروں سے لے کر میدانِ جنگ تک چھا گیا۔ ذہن بدل گئے، خیالات روبدل گئی، نگاہ کا زاویہ بدل گیا، عادات و اطوار بدل گئے، رسوم ورواج بدل گئے، حقوق و فرائض کی تقسیمیں بدل گئیں، خیر و شر کے معاملات اور حرام کے پیمانے بدل گئے، اخلاقی قدریں بدل گئیں، دستور اور قانون بدل گیا، جنگ و صلح کے اسالیب بدل گئے، معیشت اور ازواج کے اطوار بدل گئے اور تمدن کے ایک ایک ادارے اور ایک ایک شعبے کی کایاپلٹ گئی۔ اس پوری تبدیلی میں جس کا دائرہ ہمہ گیر تھا، ایک سرے سے دُوسرے سرے تک خیر و فلاح کے علاوہ اور کچھ نہیں بنتا، کسی گوشے میں شر نہیں، کسی جانب بگاڑ نہیں، ہر طرف بناؤ ہی بناؤ، تعمیر ہی تعمیر اور ارتقاء ہی ارتقاء ہے، درحقیقت محسن انسانیت کے ہاتھوں انسانی زندگی کو نشاۃ ثانیہ حاصل ہوئی۔ اور حضور ﷺ نے ایک نظامِ حق کی صبح درخشاں سے مطلع تہزیب کو روشن کر کے بین الاقوامی دورِ تاریخ کا افتتاح فرمایا، یہ اتنا بڑا انقلاب اور کارنامہ ہے کہ اس کی مثال کسی دُوسری جگہ نہیں ملتی"۔(۷۹) ماہر القادری نے کیا خوب کہا ہے۔

سلام اُس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اُس پر کہ جس نے زخم کھاکر پُھول برسائے
سلام اُس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سن کے دعائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اُس پر بُروں کو جس نے فرمایا کہ میرے ہیں
سلام اُس پر کہ جس کے نام کی عظمت پہ کٹ مرنا
مسلماں کا یہی ایماں، یہی مقصد، یہی شیوہ(۸۰)

## ریاست مدینہ مثالی نظم وضبط اور ترقی واستحکام کیلئے بہترین نمونہ:

مدینہ منورہ میں ریاست و حکومت کی بنیاد رحمت للعالمین ﷺ نے رکھی اور اس کا قیام واستحکام میں مزید اضافہ اور دوام آنحضرت ﷺ کے ان تلامذہ اور پیروؤں کے ہاتھوں ہوا، جنہوں نے پہلی اور دوسری مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں حبشہ کی طرف ہجرت کی اوراس کے بعد مدینہ کی جانب رجوع کیا۔ نیز اس میں ان انصار کا بھی حصہ تھا، جنہوں نے مکہ کی گھاٹی میں آنحضرت ﷺ سے پہلے اور دوسری مرتبہ بیعت کی۔ یہی وہ امت کے مقدس بیج ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے سرزمین مدینہ میں بویا تھا۔ انہی کے ہاتھوں دولت اسلامیہ قائم و مستحکم ہوئی۔(۸۱)

خلفائے راشدین y نے حسن نظم، اپنے کردار اور خدمت دین و مسلمین کے ذریعے اُمت کا اعتماد حاصل کیا اور دور کی جو بھی خوبیاں نظر آتی ہیں ان کے فروغ میں انسانیت کے انہی بہترین انسانوں کا بڑا دخل ہے۔ خلافت راشدہ کا مزاج اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دین کے بے لوث خادم اس نظام کو چلائیں، جب ہی وہ کامیاب ہوسکتے ہیں اور جب یہ نظام قائم ہو جاتا ہے تو زمین اپنے خزانے اُگل دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتیں برسانے لگتا ہے اور دنیا خیر وصلاح سے بھر جاتی ہے۔ جس کا بین ثبوت خلفائے راشدینؓ کا عہد زریں ہے۔(۸۲)

## تعلیمات نبوی ﷺ: مثالی نظم وضبط پر مبنی انسانی مساوات کا یکساں آفاقی قانون

حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ نظامِ عدل کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ یہاں انسانوں کا بنا ہوا نہیں، بلکہ رب العالمین کا دیا ہوا قانون نافذ ہوتا ہے، جس میں نہ کوئی افراط و تفریط ہے اور نہ ہی کسی کے لیے خاص امتیاز و تفریق۔ جو قانون فقیر کے لیے ہے، وہی بادشاہ کے لیے بھی ہے اور جو آئین سرمایہ دار کے لیے ہے، وہی ایک مزدور اور فاقہ مست کے لیے بھی۔ ایسے ہی جو قوانین اپنوں کے لیے ہیں، وہی غیروں کے لیے بھی۔ یہاں تک کہ حاکم و محکوم میں سے کوئی بھی ان سے مستثنیٰ نہیں ہے اور وہ سب پر برابر لاگو ہیں، گویا کہ یہاں پر صحیح معنوں میں قانون کی حکومت یعنی Rule Of Law ہے۔(۸۳) جس کی نظیریں ہمیں خلافت راشدہ میں خصوصاً نظر آتی ہیں، اور بعد کے اسلامی ادوار اور مسلم حکمرانوں کے دور حکومت میں بھی اس کی روشن مثالیں نا صرف اسلامی تاریخ بلکہ تاریخ عالم کا درخشاں باب ہے۔

## عہدِ خلافت راشدہ: مثالی نظم وضبط کا عدیم والنظیر عہد

بحیثیت پیغمبر آخر الزماں حضور اکرم ﷺ ایک اعلیٰ منتظم اور مدبّر حکومت بھی تھے۔ آپؐ نے وہ قانونی اور سیاسی کارنامے انجام دیے ہیں، جو تمام عالم کے انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہیں۔ آپؐ کی حیثیت دنیا میں "خلیفۃ اللہ" کی ہے، جس نے وحی الٰہی کی رہنمائی میں اجتماعی زندگی کے تمام فرائض انجام دیے اور انسانی معاشرے کی ان تمام امیدوں کو پورا کیا، جن میں سے ہر ایک دنیا کے لیے ایک مثال بننے والی تھی۔ "خلیفۃ اللہ" کی حیثیت سے آپؐ کے

کارنامے حیرت انگیز ہیں۔ آپؐ کی ذاتِ اقدس سیاسی دائرے میں بھی نئے نئے اصول، قوانین، احکام، ہدایات اور اساسی تنظیمات کا سرچشمہ ہے، جن کی بنیاد پر قدیم فطری تصوّرات ایک نئے اور متوازن نظام سے آشنا ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ کے بعد اسلامی حکومت اپنی صحیح شکل، منہاج نبوت اور سچے آثار کے ساتھ خلفائے راشدینؓ کے دور میں ملتی ہے۔ نیز نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے ہمہ جہت اور ہمہ گیر اثرات کا فیضان خلافتِ راشدہ کے بعد بھی بعد کے اسلامی ادوار میں نظر آتا ہے مگر تاریخی واقعیت کے اعتبار سے اور صحیح اسلامی تعلیمات پر قائم ہونے کے اعتبار سے اس دور کو اسلامی حکومت کا عصرِ اول کہا جاتا ہے۔(۸۴)

خلفائے راشدینؓ کا دور جہاں روحانی سعادتوں سے مال حال تھا، وہیں معاشی، معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے نظم و ضبط بھی مثالی تھا، اور بلا مبالغہ یہ ریاستی اہتمام اور عوام الناس کی خوشحالی کا ایک بے مثال عہد ہے۔ اس دور میں بھی صدیقِ اکبرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کا دور ہر حیثیت سے مثالی ہے، جس کا اعتراف نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم مفکرین بھی کرتے ہیں۔ اطالوی مفکر لارڈ کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری اپنی کتاب "اسلام" میں تحریر کرتے ہیں: "ابو بکرؓ اور عمرؓ نے اپنے ہاتھ میں سلطنت کی زمام لے کر اسے چار چاند لگا دیے اور سیاسی حکمت عملی کا ایک ایسا نقشہ پیش کر کے دکھایا، جس نے ساری دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا، یہ کہنا بغیر کسی مبالغے کے صحیح ہو گا کہ یہ دونوں مشرقی یونان کی بیزنطینی سلطنت کے جن حکمرانوں اور اعلیٰ کمانڈروں سے برسرِ جنگ تھے، ان کے مقابلے میں دونوں زیادہ مستقل مزاج، زیادہ انصاف پسند، زیادہ بردبار اور قانع، زیادہ شریف طبع، باعظمت، جری، اولوالعزم اور زیادہ بلند مرتبے پر فائز تھے۔(۸۵)

## عہد خلافت راشدہ میں مثالی نظم وضبط اور حکمرانی کے چند عملی نمونے

* عہد فاروقی میں بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا تو احساس ذمہ داری اور فرض شناسی کا یہ عالم کہ حضرت عمر سے ننگے پاؤں تلاش کرتے پھرتے تھے۔ لوگوں نے روکنا چاہا تو فرمایا: یہ میرے ذمہ داری ہے، قیامت کے دن اس کے بارے میں مجھ سے باز پرس ہو گی۔(۸۶)

* حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ کی مجلس میں ایک شخص نے بار بار "اتق الله یا عمر، اتق الله یا عمر "(اے عمر! اللہ سے ڈرو) کہا۔ حاضرین میں سے بعض نے کہا کہ اب بس بھی کرو، بہت ہو گیا، تو فرمایا: نہیں، اسے کہنے دو، اگر یہ لوگ کچھ نہ کہیں گے تو بے مصرف ہوں گے اور ہم نہ مانیں تو ہم(۸۷)

* ایسے ہی حضرت عمرt نے ایک مظلوم مصری کی شکایت پر مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصt کے صاحبزادے کو اس مصری کے ساتھ زیادتی کرنے کے بدلے اسّی سے کوڑے لگوائے، جب مصری نے اپنا بدلہ لے لیا تو آپt نے فرمایا، سن لو کہ انصاف میں کسی کی تمیز نہیں ہوا کرتی، جو بھی جرم کا مرتب ہو گا، بدلہ پائے گا۔ اس کے بعد گورنر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:مذ متی عبدتُم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا:ان کی ماؤں

نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا، تم نے کب سے انہیں غلام بنالیا ہے۔(۸۸)

* خلفائے راشدین کا عہد، مثالی نظم وضبط اور انسانی مساوات کا یہ عالم تھا کہ حاکم و محکوم سب کے لئے قانون یکساں تھا۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں حضرت علیt کی زرہ چوری ہوئی تو انہوں نے ایک یہودی کے خلاف باقاعدہ قاضیِ شہر کے پاس مقدمہ دائر کیا، لیکن جب امیر المؤمنین کی پیش کردہ شہادتیں قاضی شہر نے قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو صبر کے ساتھ اپنے دعوے سے دست بردار ہو گئے۔(۸۹)

**ریاست**

انسانی معاشرت کے تمام بنیادی اداروں میں ریاست کو کلیدی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ کسی معاشرے کی اجتماعی کردار، اس کی سالمیت کا تحفظ، امن وسلامتی اور اس کا نظم وضبط ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے جسے آج تک کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کی معاشرتی زندگی کے آغاز ہی سے قیادت و سیادت اور اختیار و اقتدار کا سلسلہ کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ قائم رہا ہے۔(۹۰)

**ریاست کی تعریف:**

انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز کے مطابق ریاست کی مختصر تعریف یہ ہے کہ: "یہ انسانوں کا ایک گروہ یا تنظیم ہے جو مشترکہ مقاصد کے لئے مل جل کر کام کرے"۔(۹۱)

سر گارنر کے نزدیک "ریاست علم سیاست اور قانون کی رائے میں ایسے متعدد افراد کی جمعیت ہے جو مستقل طور پر ایک خاص خطہ زمین پر قابض ہوں اور بیرونی دباؤ سے آزاد ہوں اور ان کی ایک منظم حکومت ہو جس کو باشندوں کی غالب اکثریت کی اطاعت حاصل ہو"(۹۲)

شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ریاست کے بارے میں تقریباً انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "اہل مدینہ سے مراد لوگوں کی وہ جماعت ہے جو ایک ہی نظام تمدن کے تابع اور پابند ہوں، اور باہم مل جل کر اجتماعی زندگی بسر کریں۔ اس جماعت کو اگرچہ وہ مختلف شہروں میں رہتے ہوں شخص واحد سمجھا جاتا ہے"(۹۳)

حقیقت یہ ہے کہ ریاست کو مستقل ادارے کی حیثیت اسی وقت سمجھا جاسکتا ہے جب اسے معاشرتی نقطہء نظر سے دیکھا جائے، اس اعتبار سے ریاست معاشرے کی ایک اعلیٰ صورت ہے جو اپنے مخصوص مقاصد و فرائض رکھتی ہے۔

**نظم وضبط کے اصولوں کی بنیاد پر جمہوری وسیاسی نظام پر قائم ہونے والی اسلامی ریاست کو خصوصیات وامتیازات:**

۱)اسلامی ریاست میں اعلیٰ ترین حاکمیت اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی ہوگی۔ ۲) قرآن و سنت ملک کا اعلیٰ ترین قانون ہوگا۔ ۳)عدلیہ کی بالا دستی کو ہر حال میں یقینی بنایا جائے گا۔ ۴) آئینی نظام کے نفاذ کا وجوب کے درجے کا حامل ہوگا۔ ۵) قانون کی حکمرانی وبالا دستی ہوگی۔ ۶) آئینی وسیاسی عہدے شرائط اہلیت کے حامل افراد کو ہی

دیئے جائیں گے۔ ۷) سربراہ مملکت مسلمان ہو گا۔ ۸) ریاستی و حکومتی عہدے بطور امانت و نیابت سونپے جائیں گے۔ ۹) ہر شہری آئینی منصب امانت کا حامل ہو گا۔ ۱۰) حکومت کا حق اطاعت مشروط ہو گا۔ ۱۱) ہر عاقل و بالغ کو حق رائے دہی حاصل ہو گا۔ ۱۲) حق رائے دہی جنسی امتیاز سے مادراء ہو گا۔ ۱۳) اختلاف رائے کو بنیادی حقوق کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔ ۱۴) اکثریت کی رائے کا احترام کی اجائے گا۔ ۱۵) اسلامی حکومت، منتخب اور نمائندہ حکومت ہو گی۔ ۱۶) نظام حکومت کی ہئیت ترکیبی عوام کی صوابدید پر ہو گی۔ ۱۷) حکومت دو طرفہ معاہدہ متصور ہو گا۔ ۱۸) حکومت کا مقصد نظام عدل و فلاح کا قیام ہو گا، نہ کہ شخصی اقتدار کا قیام۔ ۱۹) حکومت اور عوام کو باہم حقوق و فرائض حاصل ہوں گے۔ ۲۰) اقتدار کے اختیار کا مقصود خلاف نبوی کا نفاذ ہو گا۔ ۲۱) مذہبی آزادی کی ضمانت دی جائے گی۔ ۲۲) سیاسی آزادی کی ضمانت دی جائے گی۔ ۲۳) بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت ہو گی۔ ۲۴) حکومتی اختیارات کی جواب دہی ریاست کے آئینی نظام کا حصہ ہو گی۔ (۹۴)

ریاست اور سیاست کے معاملات میں اسلام کا ایک احسان یہ ہے کہ اس نے ان چیزوں کو بھی عبادات بنا دیا۔ اسلام سے پہلے ان معاملات میں درندگی، ظلم و جور، جوڑ توڑ، سازشوں اور بے انصافیوں کا دور دورہ تھا اور سیاست کے میدان کے میں نیک و بد اور گناہ و ثواب کی تمیز روا نہیں رکھی جاتی تھی، بلکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس ہی معیار کامیابی تھا اور آج کی دنیا میں بھی سیاست ان غلط اندیشوں سے اپنا دامن پاک نہیں کر سکی ہے، لیکن اسلام نے بتایا کہ جو لوگ ریاست و حکومت کے کاموں کو دیانت دامانت اور اخلاقی تقاضوں اور انسان دوستی کے جذبات کے ساتھ انجام دیں، وہ بھی حسن جزا کے مستحق ہیں اور اسی طرح مستحق ہیں، جس طرح نماز، روزے اور دوسری عبادتوں کے انجام دینے والے مستحق ہیں۔ اسلام کے نزدیک معیارِ عظمت تقویٰ ہے اور یہ معیار حاکم و محکوم سب کے لئے یکساں ہے۔ اسلامی معاشرے کا ہر فرد ذمہ دار اور جواب دہ ہے اور ایک طرف راعی اور انصاف کرنے کا پابند ہے تو رعایا بھی اپنی حدود میں عدل و اعتدال سے تجاوز نہ کرنے اور نظم و ضبط قائم رکھنے کی ذمے دار ہے۔ (۹۵)

**اسلامی نظریہ حیات کا عملی اطلاق: وقت کی ناگزیر ضرورت اور عوام الناس میں نظم و ضبط پیدا کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ:**

اسلام ایک مکمل ضابطہء حیات ہے، اسلام نہ صرف کائنات اور حیات کے بارے میں صحیح زاویہء نظر عطا کرتا ہے، بلکہ زندگی کا مفصل قانون پیش کرتا ہے تاکہ انسان افراط اور تفریط سے بچ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اعتدال و توازن اور نظم و ضبط کی بنیادوں پر استوار کرے اور کامیاب و کامران رہے۔ عقائد اور ضابطہء عمل کے اس مجموعے کا نام "اسلامی نظریہ حیات" ہے اور علومِ عمرانی کی اصطلاح میں عقائد اور ضابطہء عمل کے اسی مجموعے کو "آئیڈیالوجی" کہا جاسکتا ہے۔ (۹۶) حقیقت تو یہ ہے کہ احکامات ربانی اور اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی میں ہی ہماری بقا و نجات ہے، جو کہ ہمارے لئے دائمی ورلڈ آرڈر کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عوام الناس میں نظم و ضبط قائم کرنے کے چیدہ چیدہ طریقے درج ذیل ہیں۔

## تقویٰ اور خدا خوفی اور نظم وضبط:

نیکی و صالحیت کے لئے آمادہ کرنے اور زندگی میں نظم وضبط پیدا کر کرنے والی مہتم بالشان چیز تقویٰ یا خوفِ خدا ہے اور جس کی بنیاد عقیدۂ توحید و رسالت اور ختم نبوت ہے۔ یہ خوفِ خدا زبردست ضابطے و حکمراں کی حیثیت رکھتا ہے۔ معاشرے کی کوئی روایت، حکومت کا کوئی ضابطہ اور پولیس کا کوئی ڈنڈا آبادی میں، روشنی میں، چوراہوں اور شاہراہوں پر تو کام آتا ہے، لیکن آبادی سے دور کسی صحرا اور کسی ویرانے میں، بند کمرے میں، مخصوص چہار دیواری کے اندر یارات کی مہیب و پُر خطر تاریکی میں صرف اور صرف تقویٰ کا قانون کام کرتا ہے۔ اگر انسان کے قلب و ضمیر پر اس خدائی قانون کی حکمرانی ہو جائے تو انسان راست رو، اعتدال پسند اور ہر معاملہء زندگی میں اپنے خالق حقیقی کی مرضی کا تابع بن جاتا ہے اور افراد اور معاشرہ جو اس قانون کی عظمت کا علم بردار بن جاتا ہے، نہ صرف نظم وضبط کا پابند بن جاتا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں صحیح معنوں میں مکرم و معزز بھی ہو جاتا ہے۔(۹۷)

سورۂ حشر میں خوفِ خدا کے اس قانون کے اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۱۸ (۹۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

دنیا کا ہر آدمی آخرت کا مسافر ہے۔ اسی لئے تقویٰ ہی دراصل توشہء راہ ہے، اور صحیح معنوں میں یہ تقویٰ اس فانی زندگی کی سعادتوں سے بھی ایک شخص کو مالامال کرتا ہے اور اس زندگی کے بعد کی ابدی زندگی کے لئے بھی نوید مسرت ثابت ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی اس سلسلے میں جامع تعلیم ہے:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۱۹۷ (۹۹)

اور زادِ راہ ساتھ لے لو، کیونکہ بہترین زادِ راہ تقوی ہے، اور اے عقل والو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔

اس خوف و خشیتِ الٰہی کی بنیاد پر ایک فرد اور معاشرے کی زندگی میں جن اخلاقِ فاضلہ کی نشو و نما ہوتی ہے، اس کی بناء پر رب العالمین کی جانب سے اس کے معزز ہونے کا اعلان ہوتا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ (۱۰۰)

ترجمہ: در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

یہ خوف خدا، تقویٰ اور توحید نہ صرف انسان میں توکل، صبر، برداشت رحم دلی، سچائی، امانت، دیانت، ایفائے عہد، انکساری، عدل، احسان، محنت، جدوجہد، خود احتسابی، محبت، شفقت، رواداری، ہمدردی، احترام انسانیت اور احترام قانون جیسے اوصاف سے آراستہ کرتا ہے، بلکہ اس میں ہمت و استقامت، عزم و حوصلہ، بلند ہمتی، احساس ذمہ داری اور فرض شناسی بھی فروغ پاتی ہے اور یوں بندہ مؤمن کی زندگی اور معاشرے میں نظم وضبط قائم ہو جاتا ہے، اور

معاشرے کو امن و استحکام حاصل ہوتا ہے۔

مولانا رومیؒ نے کیا خوب کہا ہے:

زندگی آمد برائے بندگی　　زندگی بے بندگی شرمندگی (۱۰۱)

**امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فروغ اور نظم و ضبط:**

اسلامی نظریہ حیات میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر ایک مرکزی تصور ہے۔ امت مسلمہ کے ہر فرد پر یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ نیکی کے فروغ اور برائی کی روک تھام میں اپنا کردار ادا کرے۔ برائی کے خلاف جہاد ایمان کا تقاضہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ۔ (۱۰۲)

ترجمہ: (مسلمانو) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے اسے طاقت سے روکے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو زبان سے (اس کے خلاف) جہاد کرے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو کم از کم دل سے اسے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ (۱۰۳)

عدالتوں، پولیس اسٹیشنوں اور خفیہ ایجنسیوں اور دیگر ذرائع ابلاغ کی رپورٹوں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جس معاشرے میں فحاشی و بے حیائی کو فروغ ملا اور اخلاقی و مذہبی حدود کو توڑا گیا وہاں بد نظمی حرص و ہوس، اخلاقی انحطاط اور جرائم نے راہ پائی ہے اور معاشرے تباہی سے دوچار ہوئے۔ لہٰذا نظم و ضبط قائم کرنے کے لئے اس برائی کی روک تھام ضروری ہے۔ اسلام چونکہ ایک پاکیزہ اور منظم معاشرے کے قیام کا علمبردار ہے، اسی لئے برائی کی ترویج و اشاعت کی اجازت نہیں دیتا۔

**احترام انسانیت اور نظم و ضبط:**

اسلامی معاشرے کے لئے سرچشمہ ہدایت و رہنمائی قرآن و حدیث میں ہیں "اسلام پوری بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے آیا ہے، اسی لئے اسلام شرف انسانیت کی عظمت و احترام کو خصوصی درجہ حاصل ہے اور حقوق العباد کو بلند مقام دیا گیا ہے اور غیر مسلموں کے بھی حقوق متعین کئے ہیں اور ایک انسان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ تاکہ معاشرہ بد نظمی انتشار کا شکار نہ ہو، اور معاشرہ میں دسپلن برقرار رہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ جہاں مسلمان بھائی کی غیبت سے گریز کریں وہیں تجسس و بدگمان اور دوسروں کو ٹوہ لگانے سے باز رہیں، بلا تحقیق بات مت پھیلائیں، اظہار خیال میں نرمی و شائستگی کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑیں، پاک دامن عورتوں پر تہمت و الزام لگانے والوں اور بے حیائی کو فروغ دینے والوں کو دردناک عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ (۱۰۴)

اسلام احترام آدمیت کا علم بردار ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ "بدترین زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر ناحق حملہ کرنا ہے۔(۱۰۵)

اسلامی تعلیمات انسان کو انفس و آفاق میں نظر آنے والی نشانیوں (آیات بنیات) پر غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں تاکہ بنی نوع انسان اپنے خالقِ حقیقی کو پہچانے اور سراسر تعمیری انداز اپنا کر پوری نسل انسانیت کے لئے خیر و فلاح کا ذریعہ بن جائے۔(۱۰۶)

بقول علامہ اقبال:

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں (۱۰۷)

## تفرقہ بازی اور دل آزاری سے گریز اور نظم وضبط:

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے ایمان والو! جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو"۔(۱۰۸)

اسلامی تعلیمات میں ایک دوسرے کی دل آزاری، ایک دوسرے کی عزت پر حملہ، تفریقہ بازی، طعن و تشنیع اور برے القاب رکھنے کی ممانعت ہے، چنانچہ من حیثیت القوم ہمارا یہ فرض ہے کہ طنز کرنے، الزام دھرنے پھبتی کسنے اور عیب جوئی سے گریز کریں، تاکہ مسلم معاشرے میں محاذ آرائی کی صورت حال پیدا نہ ہو، اسی طرح غیر مسلمانوں کی مذہبی دل آزاری کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔(۱۰۹)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ. (۱۱۰)

(مسلمانو) جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں تم ان کو برا نہ کہو، جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو برا کہنے لگیں۔

## رشوت خوری اور خیانت سے گریز: زندگی میں حسنِ نظم کا اہم ذریعہ

معاشرتی نظام کو بگڑانے میں رشوت خوری اور خیانت کا اہم عمل دخل ہے۔ بالخصوص معاملات میں خیانت چالاکی اور موقع فریب کا سب سے زیادہ مظہر تجارت میں ہوتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ اس کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھتے تھے۔ جب بھی کوئی ایسا موقع آتا اس کی اصلاح فرماتے۔ ایک مرتبہ بازار میں سے گزر ہوا، ایک شخص کے ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو نمی محسوس ہوئی، چونکہ بھیگے ہوئے غلہ کا وزن زیادہ ہوتا ہے اس لئے

آپ ﷺ نے فرمایا:

من غش فليس منا(۱۱۱)

اسی حوالے سے ارشادِ ربانی ہے:

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۱۶۱ (۱۱۲)

اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جو اس نے خیانت کر کے لی ہو گی، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔

اسی طرح رشوت بھی معاشرتی برائیوں میں سے ایک برائی ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرہ میں حق تلفی اور بد نظمی ہوتی ہے۔ عدل وانصاف کی قدریں پامال ہوتی ہیں، ظلم جنم لیتا ہے۔ معاشرہ افراط و تفریط کا شکار ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب کسی کے طرز عمل پر رشوت کا شائبہ ہوتا تو فوراً اس کی اصلاح فرماتے۔(۱۱۳)

آپ ﷺ نے فرمایا: "رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ (۱۱۴)

## محنت وجدوجہد اور نظم وضبط:

### اسلام حرکت اور جدوجہد کا دین ہے:

اسلام یہ نہیں سکھاتا کہ دنیا میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ رہا جائے۔ یہ حرکت اور مسلسل حرکت اور انقلاب اور مسلسل انقلاب کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک افراد کے ساتھ ساتھ قوموں کے ارتقاء کا راز اس میں مضمر ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو بدلنے کی جدوجہد کریں، تاکہ ان کی زندگی میں اعتدال، توازن، اجتماعیت، نظم وضبط اور استحکام پیدا ہو۔ اسلام کہتا ہے کہ جو قومیں اپنے اندر تبدیلی پیدا نہیں کرتیں، اللہ تعالیٰ بھی ان کی حالت نہیں بدلا کرتا۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا اور دین دونوں میں سربلندی کا راز انسان کی اپنی جدوجہد دور محنت پر منحصر ہے۔ اور انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔(۱۱۵)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۗ (۱۱۶)

یقین جانو کہ اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی نہ لے آئے۔

بقول اقبالؒ:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی　　نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا(۱۱۷)

### فرض شناسی اور احساس ذمہ داری: نظم وضبط کے فروغ کا مؤثر ذریعہ

دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کے لئے انسان کو بے شمار ذمہ داریاں پوری کرنا پڑتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دینا فرض شناسی کہلاتا ہے۔ فرض شناسی کے معنی فرض کو جاننا اور اس کا احساس کرنا ہے۔

چنانچہ قوم وملت کے لئے مفید شہری بننے کے واسطے حاکم سے لے کر محکوم تک اور محکوم سے لے کر حاکم، آجر سے لے کر مزدور تک ہر فرد کو احساس فرض (Sence of Duty) سے کام لینا پڑتا ہے۔ اگر ہر شخص اپنے فرض سے غفلت اور لاپروائی برتنے لگ جائے تو نہ صرف اس کی اپنی زندگی برباد ہو جاتی ہے، بلکہ قوم وملت کی ترقی کے راستے بھی مسدود ہو جاتے ہیں۔

فرض شناسی ایک عظیم نعمت ہے، یہ ملک و قوم پر چھائے ہوئے اندھیروں میں اجالا کرتی ہے۔ گرتوں کو تھامتی اور ابھارتی ہے، پستیوں کو رفعتوں میں لے جاتی ہے، مردہ قوم کو زندہ کر دیتی ہے خواب خرگوش میں مدہوش افراد کو جھنجھوڑ کر جگاتی ہے اور انہیں تعمیر وطن کی دعوت دیتی ہے، اور نظم وضبط پیدا کرتی ہے۔ جس قوم کو فرض شناسی حکمران، سیاست دان، قائدین اور شہری میسر ہوتے ہیں تو وہ قوم کبھی بھی ذلت وظلمت کا شکار نہیں ہوتی۔(۱۱۸)

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک راعی (نگہبان) ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے"۔(۱۱۹)

لہٰذا اسلامی ریاست کے ہر شہری کی یہ ذمہ داری ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں احساس ذمہ داری سے اپنے فرائض پورے کرے۔(۱۲۰)

## پابندی وقت: عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کرنے کا مؤثر ہتھیار

### وقت کی تہہ میں افراد اور قوموں کی ترقیوں کا کاز مضمر ہے:

وقت زندہ قوموں کی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ وقت افراد اور قوموں کا سرمایہ ہے، ترقی کی وہ راہیں جو اس سرمایہ کے ٹھیک استعمال ہی کی بدولت طے ہو سکتی ہیں اور انہی اقوام کی رہ گزر بن سکتی ہیں، جو اس گرانمایہ پونجی کو صحیح استعمال کرتی ہیں، فرد و معاشرے کا جزو ہے اور افراد ہی کے ہاتھوں میں اقوام کی تقدیر ہوتی ہے۔(۱۲۱)

بقول اقبال:

افرد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ(۱۲۲)

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قوموں کے عروج وزوال میں "وقت" نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ جو قومیں وقت کے ساتھ دوستی رچاتی ہیں اور اپنی زندگی کے شام وسحر کو وقت کا پابند کر لیتی ہیں، وہ ستاروں پر کمندیں ڈال سکتی ہیں، صحراؤں کو گلشن میں تبدیل کر سکتی ہیں، فضاؤں پر قبضہ جما سکتی ہیں، عناصر کو مسخر کر سکتی ہیں، پہاڑوں کے جگر پاش پاش کر سکتی ہیں اور زمانے کی زمامِ قیادت سنبھال سکتی ہیں۔ مسلمانوں کی درخشاں تاریخ اس پر گواہ ہے۔(۱۲۳)

بقول اقبال:

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا کہ صبح وشام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
قلندرانہ ادائیں سکندرانہ جلال یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں (۱۲۴)

لیکن جو قومیں "وقت" کو ایک بیکار چیز سمجھ کر یوں ہی گنواتی رہتی ہیں تو وقت انہیں ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں ایسا دھکیل دیتا ہے کہ دور دور تک کھوجنے سے ان کا نام و نشان نہیں ملتا۔ پھر وہ غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، اور وقت کا ضیاع اُن کے ہاتھوں میں کشکولِ گدائی تھما دیتا ہے۔ آج امت مسلمہ کی حالتِ زار بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ بقول اقبال:

*وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا* کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا(۱۲۵)

اس لئے یاد رکھیں کہ وقت کی پابندی اور وقت کا صحیح استعمال دنیا میں ہر کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ جن لوگوں نے وقت کی قدر کی ہے وہ ہمیشہ کامیاب رہے ہیں۔

**قرآن و سنت میں وقت کی اہمیت:**

قرآن کریم و سنت نبوی ﷺ میں وقت کی اہمیت مختلف پہلوؤں سے بتائی گئی ہے۔ وقت کی اہمیت بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد مکی سورتوں کے آغاز میں اس کی قسمیں کھائی ہیں مثلاً:

وَالَّيْلِ، وَالنَّهَارِ، وَالفَجْرِ، وَالضُّحٰى، وَالْعَصْرِ

**جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:**

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾ (۱۲۶)

**"قسم ہے رات کی جب کہ وہ چھا جائے اور دن کی جب کہ وہ روشن ہو"**

وَالْفَجْرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ﴿۲﴾ (۱۲۷)

**"قسم ہے فجر کے وقت کی، اور دس راتوں کی"**

وَالضُّحٰى ۙ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ﴿۲﴾ (۱۲۸)

**(اے پیغمبر) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی۔ اور رات کی جب اس کا اندھیرا بیٹھ جائے۔**

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ (۱۲۹)

**زمانے کی قسم، انسان در حقیقت بڑے گھاٹے میں ہے۔(۱۳۰)**

قرآن کریم کی طرح سنت نبوی ﷺ نے بھی وقت کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت پر زور دیا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور انسان کو وقت کے متعلق جواب دہ قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود t روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن کوئی بھی شخص اپنی جگہ سے ہل نہ سکے گا تا آنکہ پانچ سوالوں کا جواب نہ دے لے: عمر کہاں گزاری، جوانی کس کام میں کھپائی، مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور اپنے علم پر عمل کہاں تک عمل کیا"۔(۱۳۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: "اسلام کے حسن میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ انسان لایعنی (فضول مشاغل) ترک کر دے"(۱۳۲)

امام بخاری نے کتاب "الرقاق" میں اور امام ترمذی نے کتاب "الزید" میں نبی کریم ﷺ سے ارشاد نقل کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے کا شکار ہیں، ایک نعمت اور دوسری فراغت"۔(۱۳۳)

## وقت کی اہمیت اکابرین امت کی نظر میں:

* حضرت ابن مسعود t فرمایا کرتے تھے: "تمہارے شب و روز گزر رہے ہیں، عمریں کم ہیں، تمام اعمال ریکارڈ ہو رہے ہیں اور موت اچانک آجائے گی، پس جو شخص نیکی کا بیج بوئے گا وہ عنقریب خوشی سے اس کی کھیتی کاٹے گا، اور جو شخص برائی کا بیج بوئے گا وہ عنقریب شرمندگی کی کھیتی کاٹے گا، جو بیج ڈالو گے وہی کاٹو گے۔(۱۳۴)

* "حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ کاہلی اور سستی سے فقر و افلاس پیدا ہوتا ہے۔" (۱۳۵)

* حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی عمر کے ساتھ کھیلتا ہے وہ اپنی کھیتی کے دنوں کو ضائع کرتا ہے اور جو اپنی کھیتی کے دنوں کو ضائع کرتا ہے اسے کٹائی کے وقت ندامت اور شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔(۱۳۶)

* علامہ ابن جوزی نے اپنے صاحبزادے کے لئے ایک نصیحت نامہ "لفتة الكبد في نصيحة الولد" کے نام سے لکھا، وقت کی اہمیت اور عمر عزیز کی قدر و منزلت کے سلسلے میں وہ اس میں لکھتے ہیں: "بیٹے: زندگی کا ہر سانس گنجینہ ایزدی ہے، ایک ایک سانس کی قدر کیجئے۔ بے کار زندگی گزارنے سے بچیں اور کام کرنے کی عادت ڈالیں تاکہ آگے چل کر آپ وہ کچھ پا سکیں جو آپ کے لئے باعث مسرت ہو"۔(۱۳۷)

* حافظ ابن رجب لکھتے ہیں: "ابن جوزی نے ہر فن میں کوئی نہ کوئی تصنیف کی ہے، ان سے ان کی کتابوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے: "۳۴۰ کتب سے زائد ہیں، ان میں سے کچھ ۲۰ جلدوں پر مشتمل ہیں اور کچھ رسائل ہیں۔

* موفق عبدالطیف فرماتے ہیں: "ابن جوزی اپنا وقت بالکل ضائع نہیں کرتے تھے، روزانہ ۴ رسالے لکھتے اور سالانہ ۵۰ سے ۶۰ جلدیں تحریر فرماتے تھے۔(۱۳۸)

## وقت مغربی مفکرین کی نظر میں:

سینٹ آگسٹین (وفات ۶۰۵ء) نے اپنی کتاب Confession میں لکھا ہے کہ: "اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ وقت کیا ہے تو میں اس کو جواب نہیں دے سکوں گا۔ لیکن کوئی نہ پوچھے تو مجھے معلوم ہے کہ وقت کسے کہتے ہیں اور اس کی تعریف کیا ہونی چاہئے"۔ سر آئزک نیوٹن کا کہنا ہے: "وقت ایک سمندر ہے، جس میں کائنات کا جہاز تیر رہا

ہے" ماہر عمرانیات کا کہنا ہے کہ: "وقت ہمارے تجربات اور عوامل کا ایک حصہ ہے"۔(۱۳۹)

**تعلیماتِ نبوی ﷺ: اِقتصاد فی المعیشت کا تصور اور نظم وضبط:**

صرف اور خرچ میں اقتصاد (میانہ روی) کا حکم: جس طرح "کسبِ معاش" میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ ضروری قرار دیا کہ حاصل کردہ شے "حلال" ہو "حرام" نہ ہو اور "طیب" ہو "خبیث" نہ ہو۔ اسی طرح صرف اور خرچ کے معاملے میں اقتصاد کا حکم فرمایا" تاکہ زندگی میں حسن نظم پیدا ہو اور معاشی زندگی میں خوشحالی آئے"۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۲۶ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ (۱۴۰)

اور اپنے مال کو بے ہودہ کاموں میں نہ اڑاؤ، یقین جانو کہ جو لوگ بے ہودہ کاموں میں مال اڑاتے ہیں، وہ شیطان کے بھائی ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة (۱۴۱)

"(آمدن وصرف میں) میانہ روی معاشی زندگی کی خوشگواری کا نصف حصہ ہے"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۲۶ (۱۴۲)

"اور رشتہ دار کو اس کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو (ان کا حق) اور اپنے مال کو بے ہودہ کاموں میں نہ اڑاؤ۔

"

انفرادی معیشت میں "اقتصاد" (میانہ روی) مطلوب ہے اور "اکتناز" (اجتماعی حقوق کو نظر انداز کر کے دولت کو ذخیرہ کرنا) اور "احتکار" (ناجائز وسائل معیشت سے مال اکٹھا کرنا) حرام اور مردود ہے اور انفرادی دولت، اجتماعی دولت کے لئے ایک ذریعہ ہے نہ کہ اس کے لئے سنگ راہ۔(۱۴۳)

لہٰذا میانہ روی (اقتصاد) ہی معیشت کی عادلانہ راہ ہے اور صالح اجتماعی نظام معیشت و معاشرت کے لئے ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔

**اُخوت و یکجہتی کا قیام اور نظم وضبط:**

اسلامی تعلیمات نہ صرف افراد، قوم بلکہ بین الاقوامی سطح پر اسلامی ممالک کے درمیان اخوت و یکجہتی پیدا کرنے پر زور دیتی ہے، کیونکہ مسلمان خواہ کسی بھی علاقے اور رنگ و نسل کا ہو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۱۴۴) " حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مومنوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے، رحم کرنے اور ہمدردی کرنے

میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی کیفیت ہوتی ہے کہ جب اس کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کا سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے"(۱۴۵)

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں مسلمانوں کو ایک عمارت سے تشبیہ دی گئی ہے، تعلیمات اسلامی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے حامی و مددگار ہیں، چونکہ ذرائع ابلاغ کی اہمیت مسلم ہے، لہٰذا ذرائع ابلاغ کو بھی چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو متحد کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

امت مسلمہ جس کا خدا ایک رسول ایک، قرآن کریم ایک، پرچم توحید ایک اور مقصد زندگی ایک ہے، اسے دنیا میں متحد ہو کر رہنا چاہئے۔ اسلامی نظریہ حیات معاشرے میں خود غرضی، لالچ، فتنہ و فساد اور بغض و حسد کی جڑیں کاٹ کر افراد و قوم کے اندر محبت و سلامتی، جرأت و بے باکی، ہمدردی اور بھائی چارے کی فضا پیدا کرتا ہے، جس سے ایثار و قربانی کے لازوال عملی نمونے معاشرے میں پیدا ہوتے ہیں اور دوسری طرف انفرادی و اجتماعی طور پر قوم کے اندر نیکی و بھلائی اور محبت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ بقول اقبال:

ایک ہوں مسلم حرم پاسبانی کے لئے　　نیل کے ساحل سے تا بخاک کاشغر(۱۱۴۶)

**کامیابی سے ہمکنار ہونے اور زندگی میں نظم وضبط پیدا کرنے کے چند سنہرے اصول:**

وقت کی پوری پوری قدر کرنا اور عمر عزیز کے ایک ایک لمحے سے فائدہ اٹھانا پیغمبر صحابہ کرام، تابعین اور سلف صلاحین کا شعار رہا ہے۔ زندگی میں توازن اور اعتدال نظم و ضبط، اجتماعیت اور استحکام پیدا کرنے اور ملک و قوم اور امت کا بہترین سپوت بننے کے لئے چند اصولوں پر پر عمل ضروری ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

**زندگی کا نصب العین:**

* اپنی زندگی کا نصب العین پہنچاننے کی کوشش کیجئے، اس سلسلے میں قرآن و سنت جو کہ ہدایت کا ابدی سرچشمہ ہے سے رہنمائی اور اس پر عمل اس میں دونوں جہانوں کو سرخرو کر سکتا ہے۔

**زندگی کے مقاصد کا تعین:**

* اس نصب العین کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کے مقاصد اور مطالب متعین کیجئے۔ پھر ان تمام مقاصد اور مطالب کو چار بڑی قسموں میں تقسیم کیجئے۔ یعنی ذاتی، معاشی، خاندانی اور معاشرتی۔ پھر ان کی ترجیحات مقرر کیجئے اور پھر ان پر اہداف کے طور پر منظم منصوبے کے ساتھ عمل درآمد کیجئے۔

**وقت کی قدر:**

* جائزہ لیجئے کہ آپ کے اوقات کس طرح گزر رہے ہیں اور دیکھئے کہ کہیں آپ اس سمت تو نہیں جا رہے جہاں آپ کی منزل نہیں ہے۔

**خود احتسابی اور توازن:**

* اپنا احتساب کیجئے اور اپنی زندگی میں توازن اور اعتدال اور نظم و ضبط پیدا کیجئے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھئے۔ اور زندگی کے تمام معاملات میں قبر اور آخرت کو پیش نظر رکھئے۔ خود احتسابی کا عمل افراد میں مثبت و تعمیری سوچ پروان چڑھانے، اور معاشرے میں نظم وضبط پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

**اخلاقی صفات:**

* جن بنیادی اخلاقی صفات جن میں سچائی، امانت، ایفائے عہد، انصاف، وفاداری اور باہمی احترام شامل ہیں، ان کا ہمیشہ پاس کیجئے۔ اس کے علاوہ غصہ، حسد، یقین، کینے، تعصب، تفرقہ، اور گھریلو اور خاندانی جھگڑوں کو ختم کرنے کی کوشش کیجئے۔

**رب کی نعمتوں کا شکر:**

* رب کی نعمتوں کا شکر ادا کیجئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم اربوں لوگوں سے بہتر حیثیت میں ہیں۔ قول ہے کہ نعمت ایک جنگلی جانور ہے اسے شکر کی زنجیروں سے باندھ کر رکھو۔

**صحت و توانائی کا خیال:**

* اپنی صحت اور توانائی کا خیال رکھئے، گناہوں سے بچئے اور فضول مشاغل اور کاموں سے پرہیز کیجئے۔

**فارغ اوقات کا استعمال:**

* اپنے فارغ اوقات کا بہترین استعمال کرنے کی کوشش کیجئے۔ موبائل فون اور کمپیوٹر سہولت ہے، وقت ضائع کرنے کی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا ان اوقات کو اپنی تربیت اور آخرت کی تیاری میں صرف کیجئے۔

**سستی اور کاہلی سے بچئے:**

* اپنے آپ کو سستی اور کاہلی سے بچانے اور کاموں کو مکمل کرنے کی عادت ڈالیے، کام ادھورے مت چھوڑیئے۔

**کفایت شعاری اور مشاورت:**

* کفایت شعاری، مشورے اور استخارے کی عادت ڈالئے اور صبح اور شام اللہ سبحان و تعالیٰ کا شکر اور اس کا ذکر کرتے رہیں اور اللہ سے دعائیں مانگتے رہیں اور اپنی دعا میں یہ بھی شامل کر لیں۔ (۱۴۷)

"اے اللہ ہم نے اپنے ظرف کے مطابق مانگا ہے، آپ ہمیں اپنی شان کے مطابق عطا کیجئے" اللہ ہم سب کو عافیت عطا فرمائے۔ آمین

**نظم وضبط کی تسلیم شدہ دینی اہمیت: احکام ربانی اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں**

کتاب و سنت پر جائزے کی ایک نظر بھی اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ اسلامی نظامِ فکر و عمل میں اجتماعیت اور نظم وضبط کی کتنی اہمیت ہے۔ بلکہ اس کی اہمیت کا صاف صاف اعتراف کیا گیا اور اس کے تقاضوں کو واضح طور پر تسلیم کیا

گیا ہے۔ اس نظام میں نظم وضبط واجتماعیت کو وہ اہمیت حاصل ہے، جو حیرت انگیز حد تک غیر معمولی ہے، اور اپنی نظیر آپ ہی ہے، کوئی پہلو نہیں جو اس اہمیت کی توضیح و تلقین کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہو، اور اسے اختیار نہ کیا گیا ہو، کوئی موقع نہیں جہاں اجتماعی طرزِ عمل اپنانے کی گنجائش نکل سکتی ہو، اور اسلام نے اس کی تاکید نہ کر رکھی ہو۔(۱۴۸)

نیز شریعت محض اجتماعیت کو ہی کافی نہیں سمجھتی بلکہ نظم وضبط کی بھی متقاضی ہے، کیونکہ شریعت جس اتحاد اور اجتماعیت کی دعوت دیتی ہے نظم وضبط اس کا بھی ایک اہم مقصد ہے۔(۱۴۹)

اس دعوے کی دلیل اور اس اجمال کی تفصیل ہمیں جن چیزوں سے ملے گی وہ یہ ہیں:

1- اسلام کا عمرانی تصور، یعنی انسان کا وہ مؤقف جسے اس کا حقیقی عمرانی مؤقف تسلیم کر کے اسلام نے اسے خطاب کیا ہے۔

2- وہ احکامِ شریعت جو اہل اسلام کی جماعتی تنظیم، نظم وضبط اور ملی وحدت کے بارے میں وارد ہوئے ہیں۔

3- وہ دینی ہدایات جن میں زندگی کے عام امور و معاملات کو بھی کسی نہ کسی طرح کے اجتماعی نظم وضبط کے ساتھ انجام دینے کی تلقین کی گئی ہے۔

4- اجتماعیت کے نظم وضبط کے وہ آداب جو فرض عبادتوں کے ضمن میں لازم ٹھیرائے گئے ہیں۔

## 1- اسلام کا عمرانی تصور اور نظم وضبط:

ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۱۳ (۱۵۰)

اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔

اسلامی شریعت پر نظم اجتماعیت کی انتہائی گہری چھاپ پڑی ہوئی ہے۔ حیاتِ انسانی کا کوئی شعبہ نہیں جس کے سلسلے میں اس کے احکام موجود نہ ہوں، اور زندگی کی کوئی گزرگاہ نہیں جہاں اس کے ہدایت نامے آویزاں نہ ہوں۔(۱۵۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ (۱۵۲)

نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کرو۔

## 2- اسلام کے تنظیمی احکام اور نظم وضبط:

کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نہ صرف فرد کو بنیادی اہمیت دیتا ہے بلکہ ایک منظم اجتماعی زندگی کی تشکیل و تعمیر پر زور دیتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۱۰۲ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۱۰۳ (۱۵۳)

اے ایمان والو! دل میں اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنا اس کا حق ہے، اور خبر دار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے، بلکہ اسی حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو۔ اور اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگے کے گڑھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔

بقول اقبالؒ:

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے　　اسلام تیرا دیس ہے، تو مصطفوی ہے (۱۵۴)

آپ ﷺ نے نظم و ضبط، اجتماعی زندگی کی اہمیت اور جماعت بن کر زندگی گزرنے کی تلقین کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

عليكم بالجماعةِ واياكم والفُرقة (۱۵۵)

"جماعت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو، اور انتشار سے پوری طرح الگ رہو"۔ (۱۵۶)

آمُرُكمْ بخمس بالجماعة والسمع والطاعة والهجرة والجهاد في سبيل الله(۱۵۷)

"میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں: 1 جماعتی زندگی کا، 2 سمع (یعنی احکامِ امیر کے سننے) کا، 3 طاعت (یعنی احکام کے ماننے) کا، 4 ہجرت کا، 5 جہاد فی سبیل اللہ کا" (۱۵۸)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جس جماعتی زندگی کا حکم اسلام نے دیا ہے وہ کوئی ڈھیلی ڈھالی جماعتی زندگی نہیں ہے جس کی شیرازہ بندی صرف اخلاقی رشتوں سے ہوئی ہو، بلکہ ایسی متحد، منظم اور منضبط اور حسنِ نظم پر مبنی جماعتی زندگی ہے جس کو سمع اور طاعت کے آہنی تاروں سے بھی پُوری طرح کس دیا گیا ہو۔ (۱۵۹)

### 3- اسلام اور اجتماعی نظم وضبط:

"اجتماعیت" اور "اجتماعی نظامِ زندگی" کے الفاظ جب بولے جاتے ہیں تو عام طور سے ان کا اُونچے سے اُونچا اور وسیع سے وسیع مفہوم بھی ایک ضابطہ نظامِ حکومت کے قیام سے زیادہ نہیں ہوتا۔

لیکن اسلام اس عام نقطہء نظر سے اتفاق نہ کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے، اور اپنے پیروکاروں کو، حکومتی دائرہ عمل واثر سے باہر کی زندگی بھی، کسی نہ کسی طرح کے اجتماعی نظم وضبط کے ساتھ ہی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لا يحل لثلاثةٍ يكونون صدر الدين بفلاةٍ من الارضِ الا امروا عليهم احدهم(١٦٠)

"ایسے تین آدمیوں کے لئے جو کسی بیابان میں ہوں، جائز صرف یہ بات ہے کہ وہ اپنے میں سے ایک کو اپنا امیر بنا کر رہیں"

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِذَا اخرج ثلثة في سفرً فليؤمروا احدهم (١٦١)

"جب تم میں سے تین آدمی (بھی) سفر کے لئے نکلیں تو چاہیے کہ ایک کو اپنا امیر بنالیں"۔

**اسلام کا اجتماعی مزاج:**

اسلام کے پورے نظام پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی کہ یہ دین مسلمانوں کے ہر اجتماعی کام میں نظم و ضبط چاہتا ہے اور اس نظم کی صحیح صورت یہ تجویز کرتا ہے کہ کام جماعت بن کر کیا جائے، جماعت میں سمع وطاعت ہو اور ایک شخص اس کا امیر ہو۔ نماز پڑھی جائے تو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے اور ایک اس کا امام ہونا چاہئے، حج کیا جائے تو منظم طریقے پر کیا جائے اور ایک اس کا امیر حج ہونا چاہئے، حتیٰ کہ تین آدمی اگر سفر کو نکلیں تو تب بھی ان کو منظم طریقے سے سفر کرنا چاہئے اور اپنے ایک ساتھی کو امیر بنالینا چاہئے۔ اسلامی شریعت کی یہی وہ روح ہے جس کو حضرت عمر کے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جماعت کے بغیر اسلام نہیں اور امارت کے بغیر جماعت نہیں اور اطاعت کے بغیر امارت نہیں۔ (١٦٢)

اجتماعی زندگی کے بڑے بڑے اصول احادیث مبارکہ کی روشنی میں: "تمہاری دوستی اور دشمنی خدا کی خاطر ہونی چاہئے جو کچھ دو اس لئے دو کہ خدا اس کا دینا پسند کرتا ہے، اور جو کچھ روکو اس لئے روکو کہ خدا کو اس کا دینا پسند نہیں ہے"۔ "آپس میں بدگمانی نہ کرو، ایک دوسرے کے معاملات کا تجسس نہ کرو، ایک کے خلاف دوسرے کو نہ اکساؤ۔ آپس کے حسد اور بغض سے بچو، ایک دوسرے کی کاٹ میں نہ پڑو۔ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بن کر رہو"۔(١٦٣)

**4- اسلامی عبادتوں کے اجتماعی آداب اور نظم وضبط:**

اسلام ایک مکمل ضابطہء حیات ہے اور بالیقین یہ ایک ایسا دین ہے جس کی عبادتوں میں اجتماعی آداب سموئے ہوئے ہیں، اور جس کے اوقات بھی معین ہیں، تاکہ لوگوں کے امور میں نظم وضبط رہے۔

**نماز اور نظم وضبط:**

نماز اسلام کی تمام عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت ہے، پورے دین کا مغز اور بندگی کا سرچشمہ ہے، اوراُسے اسلام کا شاہِ ستون (عماد الدین) فرمایا گیا ہے۔(۱۶۴)

نماز اصل ہے اور باقی تمام عبادات فرع، نماز جامع اوقات بھی ہے اور نظام الاوقات بھی نماز اپنے اندر تمام عبادات کے مظاہر اور خصائص وامتیازات سموئے ہوئے ہے اور بجاطور پر اسے جامع العبادات کا درجہ حاصل ہے۔(۱۶۵)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۱۰۳(۱۶۶)

بیشک نماز مسلمانوں کے ذمے ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے۔

سرکاری دوجہاں ﷺ نے نماز کی بنیادی اہمیت بیان کرتے ہوئے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا:

الصلوٰة عماد الدين (۱۶۷)

"نماز دین کا ستون ہے"۔

**نماز: فلسفہ اجتماعیت و نظم وضبط**

نماز باجماعت کا فلسفہ وحکمت معاشرتی اعتبار سے افراد ملت کو ایک مخصوص نظم و ضبط کے سانچے میں ڈھالنے کا متمنی ہے تاکہ اجتماعی سطح پر ملت کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہو سکیں اور پورے مسلم معاشرے میں ایک ہمہ گیر انقلاب برپا ہو جائے۔ نماز نہ صرف فرد بلکہ ملت کے اجتماعی و معاشرتی ڈھانچے پر دور رس اثرات مرتب کرتی ہے۔ اس حقیقت سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ اسلامی تہذیب و تمدن اور کلچر کے خدوخال کی تشکیل میں نماز کی روح اجتماعیت کو بڑا عمل دخل ہے۔(۱۶۸)

نماز کے فوائد: نظامِ نماز اپنے اندر اس قدر فوائد و نتائج رکھتا ہے کہ جس سے پوری زندگی سنور جاتی ہے۔ اس فرض کی ادائیگی سے انسان میں یقین محکم، احساس ذمہ داری، فرض شناسی، فٹنس، پابندیٔ وقت، ضبط نفس، قوتِ ارادی، اعلیٰ تنظیم، احساس مساوات، اطاعت میر، وغیرہ جیسے اعلیٰ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں، جس سے وہ اپنے معاشرے میں عمدہ شہری، اعلیٰ ہمسایہ، مخلص دوست، بہترین کنبہ پرور اور ملت کا وفادار خادم بن جاتا ہے۔ لیکن یہ تب ممکن ہے جب ایک شخص پورے شعور اور احساس کے ساتھ نماز ادا کرے۔

**2- روزہ اور نظم وضبط:**

اسلام نے ہر بالغ مسلمان پر ماہِ رمضان کے پورے روزے فرض کئے ہیں۔ روزے کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ انسان کا تزکیہء نفس ہو۔ صبر و تحمل اور برداشت کا مادہ پیدا ہو، اور یہ وہ صفات ہیں جو اعلیٰ ترین انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ (۱۶۹) حقیقت تو یہ ہے کہ روزہ معاشرے میں اخوت، ہمدردی، نظم و ضبط اور باہمی اتحاد پیدا کرنے کے لئے ایک کارگر نسخہ ہے۔

### 3- زکوٰۃ اور نظم وضبط:

زکوٰۃ اسلام کا اہم رکن ہے۔ قرآن کریم میں نماز کی ادائیگی کے ساتھ ہی زکوٰۃ کی ادائیگی کا، متعدد مقامات پر آیا ہے۔ جیسے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (۱۷۰)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

یہ صاحب حیثیت مسلمان پر فرض ہے۔ زکوٰۃ سے غربت و افلاس کا خاتمہ ہوتا ہے، دولت گردش میں رہتی ہے، ہمدردی، اعانت اور فیاضی کا جذبہ بڑھتا ہے۔ معشیت اور معاشرت کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ جہاں نظام زکوٰۃ کا حقیقی نفاذ ہو۔ وہاں سود قدم نہیں ہو سکتا۔

### 4- حج اور نظم وضبط:

حج اجتماعیت اور نظم وضبط کا اعلیٰ مظہر ہے۔ یہ ہر صاحب حیثیت بالغ مسلمان پر زندگی میں کم از کم ایک بار فرض ہے۔ اس کی اصل غرض وغایت دنیا بھر کے مسلمانوں کا ایک مرکز پر جمع ہونا ہے تاکہ دور دراز علاقوں اور ملک سے آئے ہوئے مسلمان کو بلا تمیز نسل ورنگ یہ احساس ہو جائے کہ اُس کی ایک عالمگیر برادری (اخوت) ہے، جو محض ایک ہی اصولِ حیات کو اپنا لینے کا نتیجہ ہے۔ حج کی وجہ سے دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک ملت ہونے کا سبق ملتا ہے۔ چنانچہ حج کے ذریعے مختلف اسلامی ممالک کے کئی ایک مسائل کو ایک جگہ بیٹھ کر حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اشاعتِ دین میں بڑی مدد ملتی ہے۔ (۱۷۱) مقصد حیات کا یقین راسخ ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کی عالمگیر برادری میں اتحاد اور نظم و ضبط پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

### تعلیمات نبوی ﷺ: نظم وضبط وتوازن اور فکر اقبال:

اسلام اور مسلمانوں سے محبت وعقیدت عشقِ رسول ﷺ اور حسن نظم وتوازن کا احساس علامہ اقبال کے افکار واشعار کا ایک اہم پہلو ہے۔ ان کا "شکوہ" بھی تنہا نہیں رہا، اسے بھی "جوابِ شکوہ" نے تقویت دے دی۔ اُن کے یہاں آزادیِ افکار کو تقلید اور تقلید کو آزادیِ افکار کی احتیاج ہے۔ ان کے اکثر اشعار خود اپنی ہیئت میں نظم وضبط اور تناسب وتوازن کا خوبصورت نمونہ پیش کرتے ہیں۔

مثلاً بانگ درا "جواب شکوہ" میں مسلمانوں کو تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اُن کا شاندار ماضی کی یاد دہانی کرانے ہوئے کہتے ہیں۔

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے
حیدری فقر ہے، نے دولتِ عثمانی ہے

تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے
وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر (۱۷۲)

یہ توازن اور حسن نظم اور عشق رسول ﷺ اُن کی اکثر نظموں کی ہیت و ترکیب اور اُن کے موضوعات کے مابین جلوہ افروز نظر آتا ہے۔

بقول ابوالاثر حفیظ جالندھری، اقبال پتھر کی بھاری چٹانیں اُٹھالاتے ہیں، مگر موتیوں کی طرح جڑ دیتے ہیں۔(۱۷۳)

علامہ اقبال کا کہنے انہیں یہ ہمہ جہتی منظر اور یہ جہاں شناسی قرآن حکیم اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کی بدولت ہی میسر آئی۔ وہ مسلمانوں کو تلقین کرتے ہیں، قرآن و سنت کی پیروی ہی میں دراصل مسلمانوں کی نجات اور دونوں جہانوں کی کامیابی کا راز پنہاں ہے۔ مثلاً

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں  یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (۱۷۴)

علامہ اقبال ان لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو اپنے کردار کو اپنی گفتار کے مقابل تولتے اور میزان بحال نہیں کرتے، گفتار، وہ کردار میں توازن، نظم و ضبط اور اعتدال کو سمجھنے کے لئے علامہ اقبال کے "مردِ مومن" پر نظر ڈالنی چاہئے، جو تعلیمات نبوی ﷺ سے ہم آہنگ ہے اور اس کی عمدہ مثال ہے، اقبال کا مردِ مومن ان کا نصب العین ہے۔ جو نظم و توازن و اعتدال کا نمونہ اور اعمال و اقوال کا خوبصورت امتزاج ہے، چنانچہ ضربِ کلیم کی ایک نظم "مرد مسلمان" میں مردِ مومن کی توصیف وہ کیا خوب فرماتے ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دُنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
فطرت کا سرورِ ازلی اس کے شب روز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمن(۱۷۵)

مسجد قرطبہ میں "مردانِ حق" کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ یوں ہے:

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو　　رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز (۱۷۶)

اسی طرح ضربِ کلیم میں کہتے ہیں:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن (۱۷۷)

اقبالؒ کا مردِ مومن قہار و غفاری و قدوسی و جبروت کی ترکیب حسین کا مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ آہنگ میں یکتا صفت سورہ رحمن کے مثل ہے۔ گویا علامہ اقبال کا نصب العین مومن "احسن تقویم" کی صحیح مثال ہے۔ سختی کی جگہ سختی، نرمی کے موقع پر نرمی، جگر لالہ کے لئے ٹھنڈک، دریاؤں کے لئے طوفان، کوہ و بیاباں کے لئے سیل تند رو اور گلستان کے لئے جوئے نغمہ خواں، بزم اُنس میں بریشم، رزم حق و باطل میں فولاد، یہی اسلام کی اصل روح ہے، اسی کا نام صراطِ مستقیم ہے۔(۱۷۸)

**ریاست اسلامی میں نظم وضبط کی اہمیت:**

قوموں کی زندگی میں نظم وضبط انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ وہی افراد، اقوام، معاشرے اور ریاستیں مستحکم، منظم اور کامیاب تصور کی جاتیں اور ترقی وکامرانی کی منازل طے کرتیں ہیں، جو زندگی کے تمام اُمور میں "نظم وضبط" کو حاکم بناکر منصوبہ بندی، اصول وضوابط اور نظام الاوقات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور وقت کی ناقدری نہیں کرتے۔ لفظ نظم وضبط اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اس کی موجودگی کا احساس کائنات (ارض وسماء) میں ہر جگہ ہوتا ہے اور جہاں نظم وضبط نہیں ہوتا وہاں انتشار، فتنہ وفساد، بدنظمی اور افراتفری کا راج ہوتا ہے۔ اور اس ابدی حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس کائنات کا ہر کام ایک ضابطے اور قانون کے تحت چل رہا ہے، اور اس پورے نظام کے ذرّے ذرّے میں اعتدال، توازن، اور نظم وضبط پایا جاتا ہے، جو کہ ایک طرف بنی نوع انسان کو دعوت غور وفکر دیتا ہے تو دوسری طرف اللہ سبحان وتعالیٰ کی عظمت، وحدانیت اور حقانیت پر دلالت بھی ہے۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اجتماعی زندگی میں اسلام جہاں ریاست اور حکومت کا تصور دیتا ہے وہاں پر نظم وضبط اور حسن تنظیم کو اپنی بنیادی اور امتیازی صفت بھی بتاتا ہے اور ریاست اسلامی میں کسی اجتماعی نظام کا سربراہی اور امارت کے بغیر تصور نہیں جبکہ سربراہی اور امارت بغیر اطاعت اور فرمابرداری کے ناقابلِ فہم ہے، اس حقیقت کو رب کائنات قرآن کریم میں اس طرح واضح کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (۱۷۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں ان کی بھی۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی اور سمع و طاعت (یعنی امیر کی بات سننے اور اس پر عمل کرنے) کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ تم پر کوئی (حبشی) غلام امیر مقرر ہو جائے۔(۱۸۰)

نظم و ضبط کی اہمیت کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ ہدایت کی ہے کہ:

جب تین آدمی کسی سفر میں نکلیں تو وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں۔ (۱۸۱)

(کسی کو امیر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ہدایت اور اطاعت میں سفر کیا جائے، کیونکہ امیر اور سربرہ کے بغیر نظم و ضبط وجود میں نہیں آسکتا اور نظم و ضبط کے بغیر زندگی بس افراتفری اور پراگندہ حالی کا نام ہے۔) اسلامی ریاست کا کام محض امن و امان قائم رکھنا ہی نہیں بلکہ اجتماعی عدل سماجی فلاح اور نظم و ضبط کا قیام بھی ہے۔ اور یہی نظم و ضبط جب اسلامی معاشرے کا حصہ بنتا ہے تو وہ صالح جماعت وجود میں آتی ہے، جیسے پروردگارِ عالم نے منظم سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے مشابہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۴ (۱۸۲)

اس طرح صف بنا کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں۔

اسی طرح سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۲۰۰ (۱۸۳)

اے ایمان والو! صبر اختیار کرو، مقابلے کے وقت ثابت قدمی دکھاؤ، اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے جمے رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔

دین اسلام ایک اجتماعی نظام کا نام ہے، جو اجتماعی زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جو منتشر افراد کو ایک اجتماع کی صورت دے کر انہیں ملت یا امت بناتا ہے۔ اس اجتماعیت کا نظم وضبط کے بغیر تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ نظم وضبط آئین و قانون کا پابند ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کی پوری زندگی خواہ وہ معاشرتی ہو یا معاشی، سماجی ہو یا سیاسی اسے قرآن و سنت کی جو کہ امت مسلمہ کا آئین و دستور اور ابدی ضابطہء حیات ہے کے قوانین کی روشنی میں منظم کیا ہے۔(۱۸۴)

ارشاد ربانی ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (۱۸۵)

اور اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ (تفرقہ) نہ کرو۔

عہد نبوی ﷺ، دور خلافت راشدہ اور اسلامی تاریخ کے دیگر سنہری ادوار نہ صرف مثالی نظم وضبط بلکہ ماڈل اسلامی فلاحی ریاست کے نظائر میں تاریخ کا روشن ترین باب ہیں۔

اسلام نظم و ضبط کا دین ہے اور اسلام کی تمام عبادات خصوصاً نماز اجتماعیت اور ڈسپلن کا اعلیٰ مظہر ہے۔ اسلامی ریاست میں بد نظمی، انتشار، فساد اور افراتفری پھیلانے والوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ کسی سرکاری منصب وعہدے پر فائز شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ نظم وضبط، قواعد وضوابط اور ملکی قوانین کی پاسداری کرے۔

جس طرح ایک ملازم عہدیدار کے لئے نظم و ضبط کی پابندی لازمی امر ہے، اسی طرح عوام الناس پر بھی احساس ذمہ داری کے ساتھ ملکی قواعد وضوابط کا لحاظ رکھنا لازم ہے، کیونکہ قواعد وضوابط کے ذریعے ہی سے وہ ہر فرد اپنے دائرہ اختیار میں رہ کر اپنے فرائض انجام دیتا ہے اور دوسرے کے فرائض و اختیارات سے متصادم نہیں ہوتا، لیکن اگر ان قواعد کا احترام نہ کیا جائے تو لازماً ایک طبقہ دوسرے طبقے سے اور ایک فرد دوسرے فرد سے متصادم ہوگا۔ جس کے نتیجے میں نہ صرف افراد کا نقصان ہوگا بلکہ معاشرہ میں بھی بدامنی اور بد نظمی پھیلے گی۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات کا زریں اصول یہ ہے کہ:

لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۲۷۹ (۱۸۶)

نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

لا ضرر ولاضرار (۱۸۷)

کسی کو ضرر دینا (اسلام میں) جائز نہیں اور نہ ہی انتقام کے طور پر ضرر پہنچانے کی اجازت ہے۔

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد اس جانب بھی اشارہ کرتا ہے کہ قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کر کے کسی کا حق مجروح کر کے اسے ضرر اور تکلیف نہ پہنچایا جائے۔

انفرادی واجتماعی امور اور روّیوں میں ڈسپلن (نظم وضبط) انسان کی فکری وتعمیری صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے اور یوں اس کی زندگی میں ایک خاص نظم پیدا ہو جاتا ہے، جو اسے نہ صرف ترقی وکامرانی کی راستے پر گامزن کرتا ہے بلکہ اسے اپنی زندگی میں آرام وسکون کا احساس بھی دلاتا ہے۔ اور ایسے ہی افراد سے معاشرے پنپتے اور نمو پاتے ہیں۔

بانی پاکستان قائد اعظمؒ نے بھی ہمیں من حیث القوم تنظیم (نظم وضبط)، یقین اور اتحاد کا درس دیا ہے، اس لئے بحیثیت ایک سربراہ قوم، عام شہری اور ملازم کے ہم پر نظم وضبط کی پابندی لازم ہے۔

مسلمان کا شاندار ماضی اور عروج، اتحاد، یقین اور نظم وضبط کا بہترین مظہر ہے۔ یہ اجتماعیت اور نظم وضبط کا کرشمہ تھا کہ مسلمان قلت تعداد کے باوجود بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر کرنے چلے گئے اور دنیا کے نصف سے زائد حصے پر حکومت کی۔ بڑے بڑے ماہرین سیاست اس بات پر متفق ہیں کہ "نظم" ریاست کے ارکان خمسہ میں شمار ہوتا ہے۔(۱۸۸)

مختصراً معاشرے کے استحکام، قوموں کی آزادی اور سلطنتوں کے ترقی کے لئے نظم و ضبط کا قیام نہایت

ضروری ہے۔ آج پیارے وطن عزیز پاکستان کی موجودہ صورت حال ہم سے زندگی کے ہر شعبے میں احساسِ ذمہ داری و فاشعاری، دیانت داری اور فرض شناسی کا تقاضہ کر رہی ہے کہ ہم اسے بے سہارا نہ چھوڑیں بلکہ اپنے عزمِ مصمم اور قوت عمل سے قدم قدم پر اسے ترقی سے ہمکنار کروائیں تاکہ یہ پھولے اور ترقی یافتہ اقوام میں ایک منفرد مقام حاصل کرے، اور کسی دشمن، مخالف قوم اور اغیار کے ہاتھوں اس مملکت کے مقاصد سبوتاژ نہ ہو سکیں۔ اور اسی میں ہماری ذاتی اور قومی بقا کا راز مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

خدا کرے مری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصل گل جیسے اندیشہء زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو
یہاں جو سبزہ اُگے وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو
خدا کرے نہ خم ہو سرِ وقارِ وطن
ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا اُوج کمال
اور اس کے حسن کو تشویشِ ماہ و سال نہ ہو
کوئی ملول نہ ہو، کوئی خستہ حال نہ ہو
خدا کرے مری ارضِ پاک پُر اترے
وہ فصلِ گل جیسے اندیشہ زوال نہ ہو(۱۸۹)
(آمین)

**سیرت طیبہ ﷺ کی تنظیمی و انتظامی نظم وضبط کی اہمیت اور ہمہ گیر اثرات:**

خاتم النبیین ﷺ ایک ایسے خطہء ارضی میں متولد ہوئے جہاں فی الحقیقت کبھی کوئی باقاعدہ مملکت قائم ہوئی تھی نہ ملکی سطح کی تنظیم و انتظام، اس کے باوجود آپ ﷺ نے جو دستور مملکت اور نظام حکمرانی مرتب فرمایا، وہ آپ ﷺ کے حسن نظم کی تابندہ مثال ہے۔ آپ ﷺ نے اندرونی و بیرونی جملہ ریاستی خطرات کا جس حسن تدبیر و انتظام سے اِزالہ کیا وہ ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ آپ ﷺ نے اندرونی و بیرونی طور پر حسنِ نظم اور قیام امن کے لئے جو دعوتی، تبلیغی، سیاسی اور معاہداتی پالیسیاں اختیار فرمائیں ان سے تمام قوتیں مسخر ہو کر رہ گئیں۔ اور پورا عرب معاشرہ اس قدر اعلیٰ نظم وضبط، حسن تنظیم اور کمال انتظام سے نوازا گیا کہ اسی بنا پر وہ ایک صدی ختم ہونے سے قبل دنیا کی سب سے بڑی مضبوط سلطنت میں بدل چکا تھا۔ تاریخ میں تنظیمی اور انتظامی نظم وضبط کے حوالے سے بھی ایسی کوئی مثال

نظر نہیں آتی۔ پھر آپ ﷺ نے انتظامی عدل اور قیام امن کے جو اصول وضع فرمائے ہیں وہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہیں اور انسانیت ان سے بہتر ضوابط وضع نہیں کر سکی۔ اس لئے اس نبی رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اور اس پر عمل تنظیمی و انتظامی نظم وضبط کے حوالے سے بھی اشد ضروری ہے۔(۱۹۰)

**سیرت الرسول ﷺ کی سماجی و عمرانی نظم وضبط کی اہمیت اور اس کے ہمہ جہت اثرات:**

رحمت العالمین ﷺ کی سیرت طیبہ کا یہ پہلو بھی بہت تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ آپ ﷺ نے تھوڑے عرصہ میں پورے معاشرے کو ایک عادلانہ نظام اور اعلیٰ اقدار سے آراستہ فرمادیا۔ اس طرح اسلامی ریاست ایک ویلفیئر اسٹیٹ بن گئی، اس کی پہلی مثال مؤاخات مدینہ تھی۔ تمام معاشرے کو مختلف اکائیوں اور اداروں کی شکل میں منظم کیا گیا، افراد خاندان سے لے کر حاکم اور ریاست تک سب کے حقوق و فرائض کا نظام وضع ہوا۔ تعلیم و تربیت اور خواندگی کی مہم شروع کی گئی۔ تہذیب و ثقافت کے فروغ کے لئے اقدامات کئے گئے۔ اقتصادی، سماجی اور سیاسی اصول و قوانین نافذ کئے گئے۔ عوامی مشاورت اور رعایا کی شرکت اقتدار کا اعلیٰ جمہوری و فلاحی نظام نافذ کیا گیا۔ عوام کو بنیادی انسانی حقوق عطا کئے گئے۔ حتیٰ کہ عام شہری کے نجی و انفرادی حقوق و فرائض سے لے کر اقوام عالم کے معاملات تک قانون سازی ہوئی اور یوں عرب کا جاہلی معاشرہ دنیا کا مہذب ترین معاشرہ بن گیا۔ الغرض حضور ﷺ نے اس معاشرے کو جو سماجی و عمرانی سٹرکچر عطا فرمایا یہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا وہ تاریخی کارنامہ ہے جس کی کوئی نظیر اقوام عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔(۱۹۱)

**سید عرب و عجم ﷺ بحیثیت سیاسی مدبر و منتظم: زندگی کے ہر شعبے اور حیات کے ہر گوشے میں مثالی نظم وضبط کا تاریخ ساز کردار**

آنحضرت ﷺ نے سربراہِ مملکت اور عامل حکومت کی حیثیت سے انسانی سوسائٹی کی تشکیل، ملت اسلامیہ کی تنظیم، اسلامی حکومت کے قیام اور افراد میں نظم وضبط پیدا کرنے کے لئے جو کارنامے انجام دیئے وہ مختصر سے مختصر اور مستند سے مستند الفاظ میں یہ ہوسکتے ہیں: حکومت کی ہستی کو تمام بے فائدہ نمائشوں، تباہ کن جعلسازیوں اور سرمایہ دارانہ آسائشوں سے پاک و صاف کیا اور قدرت کے قابل عمل قوانین کو حقیقی عدل اور سچے اعتدال کے ساتھ نافذ کر کے دکھایا۔ دنیا کے دائرے میں حکومت کو عوام کی چیز بنایا اور عوام کے اختیار کو اس کے سیاسی مزاج میں داخل کیا۔ شہنشاہیت کے نظریے کو عقیدے اور عمل کی دنیا سے خارج کر کے حکومت کو "ریاست عامہ" قرار دیا اور اس کی فطرت میں اس درجہ سادگی کو داخل کیا، جس کی وجہ سے تاج و تخت، قصور و محالات، حاجب و دربان، چشم و خدم، بڑی بڑی تنخواہوں والے حکام اور رشوت خور عمال سب ختم ہوگئے۔ انصاف کی حقیقت کو نافذ کیا، جس سے انصاف کا حصول آسان اور خود انصاف سستا ہوگیا۔ انصاف کا مقصد ٹھہرا، کمزور کی حمایت اور فریقین مقدمہ کی باہمی صلح اور اصلاح نہ کہ دونوں کے مفاد کی تباہی اور گھروں کی ویرانی۔

آپ ﷺ نے معاشرے میں مثالی نظم وضبط قائم کرنے کے لئے انسانی حقوق کی مساوات کا اعلان فرمایا، شہریوں کی حیثیتیں متعین کیں اور مناسب محصول عائد کئے اور ہر محصول کا مستقل نام تجویز کیا۔ آپ ﷺ نے اس کام کے لئے مالیات کے افسر مقرر فرمائے اور دفتر مالیات قائم فرمایا۔

اجتماعی کوششوں سے حاصل ہونے والے سرمایہ و دولت کو عوام کی دولت قرار دیا اور سرکاری مال کے لئے یہ قانون مقرر کیا کہ امیروں پر ٹیکس لگایا جائے اور غریبوں پر خرچ کر دیا جائے۔

آپ ﷺ نے ریاست میں نظم و نسق اور نظم وضبط کے لئے انتظامی حلقے قائم کئے، مدینے کو دارالسلطنت بنایا، اطراف کے لئے حکام کا تقرر کیا اور تقرر کا معیار یہ قرار پایا کہ کیریکٹر اوّل درجے کا ہو، کام کی اہلیت ہو، علم سے بہرہ مند ہو اور حاکم رائے عامہ کے مطابق مفاد عامہ کے لئے کام کرے۔

آپ ﷺ نے شوریٰ کو سلطنت کے کاموں کی روح قرار دیا، حکومت کے مزاج میں مرکزیت، قوت، نظم وضبط اور استحکام پیدا کرنے کے بعد حکم دیا کہ حکومت کے کام شوریٰ کے ذریعے طے کئے جائیں۔

آپ ﷺ نے فوج کی تنظیم کی اور نو جنگوں اور اٹھارہ دفاعی اور انتظامی حربی مہموں میں حصہ لیا۔ انتالیس عسکری مہموں کو اپنے حکم سے محاذ پر بھیجا اور افواج کے کمانڈر مقرر کئے۔ جنگ میں انسانیت کے طریقوں کو جاری کیا۔ فتح میں انسانی خون کی قدر و قیمت کی حفاظت کی اور صلح کے وقت معاہدوں کے لئے نیا معیار قائم کیا۔

آپ ﷺ نے انسانی سوسائٹی کے لیے فطری مذہب کے اصولوں کو لازمی گردانا، اخوت کے قانون کو حکمت عملی کے رنگ میں پیش کر کے دکھایا، بیعت کو مرکزی ہیئت کے قیام کے لیے ایک اصول بنایا۔ انسانی معاشرے کے گمراہ ارکان کے لیے نمائندے اور نقیب مقرر کیے ان کے پاس اپنے وفد بھیجے اور ان کے وفود کو اصلاح حال کے لیے طلب کیا اور نافرمان لوگوں کی سرکشی کو بہ طریق حکمت دبایا۔

بین الاقوامی معاملات کی درستی کے لیے سلاطین، امراء اور والیان ریاست کو فرمان لکھے اور سب کو ایک اللہ کے نام پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ مختصر یہ کہ پیغمبری، سیاست اور حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا، جس کے لیے آپ ﷺ نے نظم وضبط اور عدل وانصاف پر مبنی کوئی اصول اور قانون نہ پیش کیا ہو۔ (۱۹۲)

**سرور کائنات ﷺ کا طرزِ حکمرانی اور مثالی نظم وضبط: غیر مسلم مفکرین کا خراج عقیدت:**

**سرکارِ دوعالم ﷺ کا فلسفہء حکمرانی مثالی نظم وضبط اور اس کے ہمہ گیر اثرات:**

حکمرانی کی پوری عالمی تاریخ میں آپ ﷺ نے جو کارنامہ انجام دیا، اس کی عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے سیاست و سلطنت کے دائرے سے ان تمام خرافات اور بدنظمی کا خاتمہ کر دیا، جن کا تعلق شاہ پرستی اور فاسد قومیت پرستی پر تھا۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد ﷺ فرماتے ہیں: "آج یورپ کے بازار حریت میں بہتر سے بہتر جو متاع دکھائی جا سکتی ہے، وہ ہمارے امانت خانوں میں تیرہ سو برس سے موجود ہے۔" (۱۹۳)

* نام ور فرانسیسی مفکر موسیو گال لیبام کا بیان ہے "محمد ﷺ" سے پہلے دنیا پر فتنہ وفساد اور بد نظمی کے گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ مشہور ہندوستانی سیاستدان پنڈت جواہر لال نہرو کہتے ہیں: اسلام سے پہلے قدیم چیزیں فنا ہو چکی تھیں، جدید ابھی وجود میں نہ آئی تھیں، اس لیے سارے یورپ پر تاریکی چھائی ہوئی تھی" اس حالت سے اندازہ کیجیے کہ اسلام، تعلیمات نبوی ﷺ اور اسلامی حکومت نے دنیا میں آکر انسان کے ہاتھ میں تحفہ دیا۔ قدیم حکومتوں کا سارا فساد ختم کر دیا گیا معاشرے میں نظم و ضبط قائم کیا، اور حکومت کی بنیاد خدا کے حکم سے ظالم شہنشاہیت کی جگہ مرضی جمہور (شوریٰ) پر رکھی گئی۔ بادشاہ مٹ گئے یا مٹا دیے گئے۔ اور ان کی جگہ امیر و امام (رہنمائے مملکت) کو دی گئی۔(۱۹۴)

* مغربی مورخ وان کریمر کا بیان ہے "آنحضرت ﷺ نے ایک مذہب کی بنیاد ڈالی۔ نیا طرزِ حکومت اور اس میں حسنِ نظم قائم کیا اور جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو تمام قلم رو عرب پر خدائی امن چھایا ہوا تھا۔"

* ڈاکٹر لوتھر اپ اسٹاڈر نے بڑی عقیدت سے یہ تسلیم کیا ہے: "اسلام نے بڑی سلطنتوں اور مستقل مذہبوں کو تہہ وبالا کر کے نفوس اقوام کو نئی ترکیب دی اور ایک مکمل جدید دنیا یعنی دنیائے اسلام تعمیر کی، جس کا اثر تمام نوع انسانی پر پڑ کر رہے گا۔"

* جواہر لال نہرو لکھتے ہیں: "اسلام کی سادگی سمجھ میں آنے والی حقیقت سے جمہوریت اور مساوات نے بنی نوع انسان پر بڑا اثر ڈالا، مطلق العنان بادشاہ اور انہی کی طرح خود سر ظالم مذہبی پیشوا انہیں کچل رہے تھے، وہ تنگ آگئے تھے اور انقلاب کے لیے تیار تھے۔ اسلام یہ انقلاب لایا اور وہ ان کے حق میں نعمت ثابت ہوا۔ نئی بھلائیاں ابھر آئیں زندگی میں حسنِ نظم آگیا اور پرانی خرابیوں اور بد نظمی کا خاتمہ ہو گیا۔(۱۹۵)

**تعلیمات نبوی ﷺ عالم انسانیت کے لئے مشعل راہ: نظم و ضبط میں پیروئ رسول ﷺ کے ہمہ جہت، ہمہ گیر اور عالمگیر ثمرات:**

جس طرح کائنات کے مختلف عناصر ضابطہء الٰہی کی پابندی سے ہمارے لئے فوائد و ثمرات فراہم کرتے ہیں، بعینہٖ انسان بھی اگر اپنی زندگی کو ضوابط شریعت کے تابع کر لیں تو انہیں دین و دنیا کے تمام ثمرات حاصل ہو سکتے ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے مجموعہء کلام "ضربِ کلیم" میں ایک مختصر نظم "احکام الٰہی" کے عنوان سے لکھی ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

پابندئ تقدیر کہ پابندی احکام — یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خرد مند
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر — ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات — مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند(۱۹۶)

احکامِ الٰہیہ کی پابندی کا دوسرا نام نظم وضبط ہے مگر اس نظم وضبط جو معیار یا منہج ہمیں دیا گیا ہے وہ پیروی رسول اللہ ﷺ یا اتباع سنت کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ زندگی کے ہر شعبے اور حیات کے ہر گوشے میں کمال نظم وضبط کی آئینہ دار ہے۔ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر دینی نظم وضبط کو اختیار کرنے کے لئے پیرویٔ رسول اللہ ﷺ کی طرف توجہ دلائی اور تاکید کی گئی ہے۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۳۲ (۱۹۷)

کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر منہ موڑو گے تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

سورۃ الحشر میں پیرویٔ رسول ﷺ کے بارے میں یوں توجہ دلائی گئی ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (۱۹۸)

اور رسول تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

سورۂ نور میں پیرویٔ رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کو یہ وعید سنائی گئی ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۶۳ (۱۹۹)

لہٰذا جو لوگ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آپڑے، یا انہیں کوئی دردناک عذاب نہ آپکڑے۔

مومنونہ زندگی ایک شرعی نظم وضبط کا تقاضا کرتی ہے، ایمانی زندگی کی تکمیل کے لئے حضور ﷺ کے لائے ہوئے ضابطوں کی پابندی بہت ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں" (۲۰۰)

کتاب وسنت میں اتباع رسول ﷺ کی ضرورت واہمیت پر بہت واضح اور حتمی تعلیم دی گئی ہے۔ دین ودنیا کے تمام معاملات میں اسوۂ حسنہ کے دیئے ہوئے نظم وضبط کے مطابق عمل کرنا ایک مسلم اور مؤمن کی بنیادی ضرورت ہے۔ باہمی تنازعات اور اختلافات میں اسوۂ رسول ﷺ کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسوۂ صحابہ سے بھی علم ہوتا ہے کہ ان سب حضرات نے اتباع رسول ﷺ کی پیروی میں ہر نوعیت کے نظم وضبط کو اپنا شعار بنالیا، یہ نظم وضبط میں پیروی رسول ﷺ کے وثمرات میں جس کے باعث قرآن کریم میں انہیں کہیں: "اولئک هم الراشدون یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں، اولٰئک هم المفلحون کہ یہ لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں" کہا گیا ہے۔ (۲۰۱) سورۂ فتح میں ان ثمرات کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ (۲۰۲)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں، (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔

اتباع رسول ﷺ ہی دراصل دنیا و آخرت میں سرخروئی و کامیابی کی کنجی ہے، جو کہ سراسر نظم و ضبط کا تقاضا کرتی ہے، قرون اُولیٰ میں صحابہؓ نے پیروی رسول ﷺ میں نظم و ضبط کی روشن اور درخشاں مثالیں قائم کیں، بندگی کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر شعبے میں پیروی رسول ﷺ ہی ایک ایسا ضابطہ ہے، جس کے بغیر دونوں جہانوں کی بھلائیاں، ترقی و کامرانی کی منزل اور اس کی طرف جانے والا راستہ میسر نہیں آسکتا۔(۲۰۳)

**تجاویز و سفارشات:**

* معاشرتی عدل وانصاف کے حصول اور عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ حکومتی مناصب و ذرائع اور وسائل کے منصفانہ اور ذمے دارانہ استعمال کے لئے ایک جامع اور مؤثر قومی پالیسی تشکیل دی جائے اور اس پر عملدرآمد یقینی بنایا جائے۔

* ایک مثالی اسلامی فلاحی ریاست کی تشکیل اور عوام الناس میں نظم و ضبط کے قیام کے لئے مسلم اسکالرز، ماہر تعلیم اور دانش ور مل کر قومی اور علمی مقاصد اور قومی ترجیحات کا تعین کر کے جامع قومی پالیسی تشکیل دیں۔ نیز نظام تعلیم کی اسلامائزیشن کی جائے اور اس کے ذریعے ذرائع ابلاغ کے مفید استعمال کو یقینی بنایا جائے۔

* مملکت خداداد پاکستان کی عوام الناس اور پوری ملت اسلامیہ کا اتحاد وقت کی اہم اور ناگزیر ضرورت ہے۔ لہٰذا ہمیں "بنیان مرصوص" کی طرح مضبوط اور متحد ہو کر اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق قائم کرنا ہو گا جو کہ نظم وضبط کی حقیقی بنیاد ہے۔

* نظم و ضبط پیدا کرنے کے لئے بے حد ضروری ہے کہ اپنے نصب العین کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ زندگی میں توازن اور اعتدال پیدا کیا جائے، نیز پابندی وقت، فرض شناسی، احساس ذمہ داری اور خود احتسابی کے عمل کو فروغ دیا جائے۔

* وطن عزیز اور امت مسلمہ میں رائج موجودہ فرسودہ نظام اور مغربی انداز کی طرز جمہوریت اسلام کے مزاج میں کبھی رچ بس نہیں سکتی، کیوں کہ دونوں نظام متغائر بھی ہیں اور قطعاً متضاد بھی۔ لہٰذا عالمِ اسلام کی اسلامی ریاستوں کے پورے ڈھانچے اور نظام کی قرآن و سنت کی تعلیمات کی حقیقی روح کے مطابق اسلامائزیشن کی جائے اور وطن عزیز میں قرارداد مقاصد جو کہ پاکستان کے دستور کی اساس بھی ہے، اسے پوری وسعت اور اس کی روح کے ساتھ نافذ کر کے ارض پاک کو صحیح معنوں میں ایک منظم اسلامی جمہوری فلاحی ریاست بنانے کے لئے مؤثر اقدامات کئے جائیں، تاکہ ایک مثالی نظم وضبط پر مبنی سوسائٹی وجود میں آسکے۔

* ہر قسم کے سیاسی دباؤ سے آزاد عدلیہ کے تحت، فوری وسستا اور بے لاگ انصاف کا حصول یقینی بنایا جائے تاکہ معاشرہ بد نظمی سے محفوظ اور اجتماعیت کو فروغ حاصل ہو۔

* اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر عمل درآمد اور قانون سازی میں اس کے کردار کو مؤثر بنانے کے ساتھ ساتھ انتخابات کے مروّجہ طریقہ کار میں اصلاحات اور دستور کے آرٹیکل ۶۲۔۶۳ پر سختی سے عمل درآمد کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

* بدعنوانی (کرپشن) اور اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتنے کے مرتکب افراد کو سخت اور فوری سزا دی جائے۔ اس مقصد کے لئے مؤثر قانون سازی اور قومی ادارۂ محتسب کے کردار کو مؤثر اور فعال بنانے اور اس کی تشکیل نو کی ضرورت ہے۔

* ملک وملت سے بد نظمی، فتنہ وفساد، انتشار اور انتہاپسندی کے خاتمے، اس سے نجات اور نظم وضبط کے حصول کے لئے انفرادی و اجتماعی اور حکومتی سطح پر سچی توبہ کا اہتمام کیا جائے اور اپنی خودی اور اخلاق و کردار کی فوری اصلاح کی جائے تاکہ نظم وضبط اور آئندہ ترقی وخوشحالی کے لئے تک باوقار اور مستحکم بنیاد فراہم ہو سکے۔

* عوام الناس میں مثالی نظم وضبط کے قیام کے لئے ہر قسم کے سیاسی، علاقائی، گروہی، مسلکی وفروعی اختلاف وتعصبات کے خاتمے امن وامان کے حقیقی قیام و دوام اور قومی سالمیت و یکجہتی کے لیے تمام سیاسی جماعتوں، اداروں اور عوام کو اپنا موثر کردار ادا کرنا چاہیے۔

* زندگی کے ہر شعبے میں حسن نظم کے لئے ضروری ہے کہ تمام غیر اسلامی فرسودہ رسوم ورواج و عقائد کی بیخ کنی، جاگیر دارانہ نظام کے خاتمے اور سودی نظام بینکاری سے چھٹکارے کے لیے متفقہ قومی حکمت عملی وضع اور قانون سازی کی جائے اور اس پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔

* ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل اور دیگر عالمی اداروں کی رپورٹس سے حاصل ہونے والی معلومات کو سنجیدگی سے جانچنے کی ضرورت ہے۔

* ذرائع ابلاغ عامہ ایسے تعمیری، تعلیمی اور صحت مندانہ تفریحی پروگرام پیش کریں جو نہ صرف معاشرے کی فلاح و بہبود میں اور عوام الناس میں مثالی نظم وضبط پیدا کرنے میں معاون ہوں بلکہ ملک وملت اور عالم اسلام میں یکجہتی کا باعث ہوں۔ ان پروگراموں سے نظریہ پاکستان اور اسلام کے ساتھ وفاداری کے جذبات کو فروغ حاصل ہو۔ اسی طرح جو نظریات انسانوں میں امتیازی تفریق پیدا کرتے ہوں ان کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔ نیز بچوں کی اسلامی تربیت کے لیے بھی تعلیمی اور اصلاحی پروگرام مرتب کرکے پیش کیے جائیں تاکہ ان کی نشوونما اسلامی طرز پر ہو۔ اور وہ مستقبل میں ریاست کے لئے ایک فرض شناس اور مفید شہری ثابت ہو سکیں۔

* زندگی کے کسی بھی شعبے اور حیات کے کسی بھی گوشے میں ہمیں کہیں بھی درست اور صحیح ترین

رہنمائی و ہدایت مل سکتی ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس اور سیرت مطہرہ ﷺ ہے۔ لہٰذا اگر ہمیں ملکی استحکام اور اس کے دوام کے لیے اپنا لائحہ عمل وضع کرنا ہے تو نبی کریم ﷺ کے دامن رحمت سے اپنی وابستگی کو مضبوط کرنا ہو گا اور آپ ﷺ کی تعلیمات و فرمودات پر سنجیدگی اور پوری وفاداری و خلوص کے ساتھ عمل پیرا ہونا ہو گا یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر ہم فلاح و کامرانی اور ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی (۲۰۴)
اٹھ کے بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں ترے دور کا آغاز ہے (۲۰۴۔الف)

**حاصل مطالعہ:**

عہد حاضر میں وطن عزیز پاکستان اور امت مسلمہ کو جن مسائل اور چیلنجز کا سامنا ہے، ان میں سے اہم چیلنج ہمارا فرسودہ مروّجہ سیاسی و جمہوری نظام، ذرائع ابلاغ کا غیر سنجیدہ رویہ اور سرکاری مناصب و ذرائع اور وسائل کا غیر ذمّہ دارانہ اور غیر منصفانہ استعمال ہے۔ جبکہ سائنسی و ٹیکنالوجی، جدید علوم و فنون اور تحقیق کے میدان میں ہم ترقی یافتہ اقوام سے پیچھے ہونے کے ساتھ ساتھ اتحاد و یکجہتی اور مؤثر قیادت کے فقدان سے بھی دوچار ہیں۔ اس کی بنیادی اور اہم ترین وجہ جہاں ہماری زندگی میں قرآن و سنت کی تعلیمات سے دوری اور ان کے احکامات سے روگردانی ہے، وہیں زندگی کے ہر شعبے میں من حیث القوم نظم و ضبط کا فقدان بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اغیار و عالم کفر متحد ہو کر ہمیں مٹانے اور ہمارے وسائل پر قبضہ کرنے کے درپے ہیں، جس کے حصول کے لئے وہ اپنے وسائل اور ذرائع ابلاغ کے ہتھیار کو مؤثر طریقے سے استعمال کر رہے ہیں اور ہماری تہذیب و ثقافت پر حملہ آور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبالؒ شکوہ کرتے ہوئے مسلمانوں سے کہتے ہیں:

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں (۲۰۵)

صاحب فکر و نظر اور اہل دانش خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ پاکستان کو ایک اسلامی و فلاحی ریاست بننے سے روکنے اور امت مسلمہ میں اتحاد و یکجہتی و صراط مستقیم سے دور کر دینے کے لئے طاغوتی طاقتیں کس شدومد کے ساتھ برسرعمل رہی ہیں، اور آج بھی پوری شدت و طاقت کے ساتھ برسرپیکار ہیں۔ ہم اگر آج سیاسی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی و تمدنی مسائل اور زندگی کے ہر گوشہ حیات میں بے تربیتی، بدنظمی، فتنہ و فساد، انتہاپسندی اور انتشار کا شکار ہیں، تو اس کی بنیادی اور حقیقی وجہ تعلیمات نبوی ﷺ اور توحید سے روگردانی ہے، بلاشبہ ہم خدائے واحد کی ذات پر یقین رکھتے ہیں، مگر توحید کے تقاضوں سے بے خبر ہیں، بقول اقبالؒ

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے؟ فقط ایک مسئلہ علم کلام(۲۰۶)

آج افسوس کا مقام ہے کہ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو قرآن کریم کی تعلیمات کو اس کی روح کے مطابق سمجھتے اور عمل کرتے ہیں۔ دین کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والے خود دین پر کس حد تک کاربند ہیں۔ ہم میں کتنے لوگ ہیں جو نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو اُن کی صحیح روح کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اقبالؒ اِسی بات کا شکوہ کرتے ہوئے "جواب شکوہ" میں کہتے ہیں:

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برقِ طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ ہی
رہ گئی رسم اذان، روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرشید خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے(۲۰۷)

بلاشبہ ہم اس وقت نازک دور سے گزر رہے ہیں، آنکھیں بند کر لینے سے مسائل حل نہیں ہوں گے اور نہ ہی ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہترین افرادی قوت کے ساتھ، اعلیٰ صلاحیتوں اور بے پناہ وسائل سے نوازا ہے، بس ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان اپنا بھولا ہوا سبق یاد کر لیں اور اپنے مرکز کی طرف لوٹ آئیں ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۱۳۹ (۲۰۸)
(مسلمانو) تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غمگین رہو، اگر تم واقعی مومن رہو تو تم ہی سربلند ہو گے۔
بقول شاعر مشرق اقبالؒ

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا(۲۰۹)

لہٰذا موجودہ چیلنجز اور اُن کے اثرات سے نمٹنے، اسلام کی نشاۃ الثانیہ، اسلامی اقدار کے تحفظ، دین مبین کی سربلندی، ترویج و اشاعت اور پاکستان اور عالمِ اسلام کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن و سنت کو تھام لیں، اعلیٰ اوصاف اپنا لیں اور مذموم مشاغل کو ترک کر دیں اور قرآن کریم کی تعلیمات، سیرت طیبہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے طرزِ حیات کو مشعل راہ بنا لیں۔ کیونکہ قرآن و سنت ہمارے لیے ابدی ضابطہء حیات اور دائمی

ورلڈ آرڈر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اقبال نے اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تیری
مرے درویش! خلافت ہے جہانگیری شہری
ماسوا اللہ کہ لئے آگ ہے تکبیر تیری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تیری
کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (۲۱۰)

آج ہم اگر ایک منظم اور پاکیزہ معاشرے کی تشکیل کے خواہشمند اوراصلاح معاشرہ کے داعی اور ریاست وحکومت اور اس کے اداروں میں حسن نظم اور سربراہِ حکومت سے لے کر عوام الناس تک زندگی کے ہر شعبے میں مثالی نظم و ضبط دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں سیرتِ رسول ﷺ کا وہی منہاج اپنانا ہو گا۔ جس کے اولین اصول توحید ذات، عشق رسول ﷺ، تزکیہ نفس، حکمت اور اخلاق و کردار ہیں۔ اگر ہم ان بنیادی اصولوں کو اپنالیں تو نہ صرف ہم اپنی اسلام عظمت رفتہ کو حاصل کرسکتے ہیں۔ بلکہ دنیا کی سربراہی بھی ہمیں نصیب ہوسکتی ہے اور ہماری اجتماعی زندگی میں ریاست مدینہ کے اداروں جیسی قندیلیں بھی روشن ہوسکتی ہیں۔ عدالت کا وہ باب پھر وا ہوسکتا ہے، جہاں آقا اور غلام، معزز اور غیر معزز، مسلم اور غیر مسلم تک کی تمیز روانہ رکھی جاتی تھی، جہاں لوگ اس قدر بے خوف تھے کہ تنہا نوجوان عورت زیورات سے لدی پھدی یمن سے مکہ تک سفر کرتی تو اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں لوگ اتنے خوشحال تھے کہ زکوٰۃ دینے والے تلاش کرتے پھرتے تھے، لیکن زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ جہاں ہر شخص پر سکون تھا، جہاں محبت کا راج تھا، جہاں علم وحکمت کے چراغ جلا کرتے تھے، جہاں امن اور خوشحالی سب کا مقدر تھی۔ جہاں انسان کو عزت واحترام اور شرف و تکریم کی معراج حاصل تھی اور اسے تمیز رنگ وبو کے قانون میں تقسیم نہیں کیا جاتا تھا۔ ہاں مگر ان لوگوں نے اپنا سب کچھ حضرت محمد ﷺ کے سپرد کر دیا تھا۔ اپنی جان، اپنا مال، اپنی خواہشات، اپنے اہل وعیال، اپنے گھر غرضیکہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کی ایک مسکراہٹ سے کم تر تھا۔ یہی کچھ ہمیں بھی کرنا ہو گا، کیونکہ عشق رسول ﷺ کا ہم سے تقاضا ہی یہی ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ (۲۱۱)

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔

گو سیّد عرب و عجم، سرکارِ دوعالم، رحمت العالمین، حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ ہر اس مسئلے کا حل پیش کرتی ہے، جو آج کے مسلمان کو درپیش ہے اور ہر اس مشکل سے نجات دلاتی ہے۔ جو آج کے انسانوں کو لاحق ہے،

دراصل آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی میں شریعت کے نظم وضبط کو اختیار کرنے میں ہی بنی نوع آدم کی فلاح وکامیابی اور نجات کا راز پوشیدہ ہے۔

ہست دین مصطفیٰ دین حیات
شرع اور تفسیر آئین حیات(۲۱۲)

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو رُوح کو تڑپا دے
پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محملِ خالی کو، شاہدِ لیلا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے، جو چاند کو شرما دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر
خوداری ساحل دے، آزادی دریادے
بے لوث محبت ہو، بیباک صداقت ہو
سینوں میں اُجالاکر، دل صورتِ مینا دے
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہء فردا دے
یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے(۲۱۳)

(آمین)

**حواشی وحوالہ جات**

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۰۲، ۱۰۳

۲۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۳۱۲

۳۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر کلیات اقبال، اردو، محولہ سابقہ، ص ۴۰۵

۴۔ حوالہ سابقہ: محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ص ۱۴۹

۵۔ حوالہ سابقہ: محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال، خزینہ علم و ادب لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۳۲۰

۶۔ محمد عبدالمتعالی نعمان، نبی خاتم ﷺ کی سیرت طیبہ ایک ابدی معجزہ، روزنامہ جنگ، اقرا صفحہ اسپیشل ایڈیشن، ۱۲ ربیع الاوّل، ۲۵ جنوری ۲۰۱۳ء

۷۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال، اردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۶ء، لاہور، ص ۳۶۳

۸۔ محمد عبدالمتعالی نعمان، نبی خاتم ﷺ کی سیرت طیبہ ایک ابدی معجزہ، محولہ سابقہ

۹۔ راغب مراد آبادی، بحضور خاتم الانبیاء ﷺ، ایجوکیشنل پریس کراچی، ۱۹۸۵، ص

۱۰۔ نصیر احمد ناصر، پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، فیروز سنز لاہور

۱۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی، خطبات مدارس، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۴، ص ۶۴

۱۲۔ حوالہ سابقہ: محمد عبدالمتعال نعمان، نبی خاتم ﷺ

۱۳۔ غلام رسول مہر، مطالب کلام اقبال، اردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۳۳۸

14۔ Muhammad، the Prophet of Islam (P.B.U.H)، Aisha Bawani waqf، K-S Ram A Kirishna RAO

15۔ Robert L. Gulick، The Educator، London

16۔ Reverend George Bush، (The Life of Muhammad (.B.U.H

۱۶۔الف محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال فارسی، ص ۶۹

۱۷۔ فیروز اللغات (جامع)، الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز سنز، ص ۱۳۶۶

۱۸۔ حوالہ سابقہ، الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات، ص ۸۶۸

۱۹۔ English to english and Urdu Dictionary، Feroz Sons (pvt.) ltd. Lahore، page236

۲۰۔ حوالہ سابقہ، پروفیسر رانا محمد سرور، جدید نظم و نسق مدرسہ، مجید بک ڈپو، لاہور، ص ۱۲

۲۱۔ سورہ نور، آیت ۵۴

۲۲۔ سیوطی، الجامع الصغیر، بیروت، ۱/ ۱۷۵

۲۳۔ اعجاز رحمانی، المدینہ ماہنامہ، ربیع الاول ۱۴۳۲ھ، کراچی
۲۴۔ آزاد، ابوالکلام، مولانا / اسلام اور جمہوریت، ص ۲۵۔۲۶
۲۵۔ سید سلیمان ندوی، علامہ، لاہور، الفیصل ناشران، جلد ۷ / ۳۹
۲۶۔ سیّد طفیل احمد منگلوری / قدیم شہنشاہیاں، لاہور، ص ۱۰
۲۷۔ سورہ النمل، آیت ۳۴
۲۸۔ علی عباس جلال پوری، رسوم اقوام، جہلم، خرد افروز، ص ۱۵۹، ۱۶۰
۲۹۔ Robert Briffault The Making of Humanity، London، p.150
۳۰۔ DENISON. J.H/ EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION، LONDON. 1928، P.265
۳۱۔ حالی، مسدّس حالی، فیروز سنز، کراچی، ص ۱۴
۳۲۔ سورۂ آل عمران، آیت ۶۴
۳۳۔ ایضاً اسلام اور جمہوریت، ص ۲۷
۳۴۔ اسلام اور جمہوریت، ص ۲۸
۳۵۔ حوالہ سابقہ: مسدّس حالی، فیروز سنز کراچی، ص ۱۶
۳۶۔ خطبۂ حجۃ الوداع کے متن اور دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے: بخاری / صحیح بخاری، طبع دہلی، ۱/ ۲۳۴۔ مسلم / صحیح مسلم، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱/ ۳۹۴۔ ۴۰۰۔ ابوداؤد / سنن ابو داؤد، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔ ۱/ ۲۶۲۔ ابن ماجہ / سنن ابن ماجہ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔ ص ۱۹۴۔ ابن حجر عسقلانی / فتح الباری، الطبعۃ الخیریۃ مصر، القاھرۃ، ص ۱۱/ ۲۰۔ احمد بن حنبل / المسند، دارالمعارف مصر ۱۹۵۱ء، ۹/ ۶۱۸۶۔ علی متقی الھندی / کنز العمال فی سنن الأقوال، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدر آباد دکن ۱۹۵۴ء، ۵/ ۱۵۹۔ ۱۶۶۔ حافظ ابو بکر الھیثمی / مجمع الزوائد و منبع الفوائد، بیروت، ص ۲۶۵۔ ص ۲۷۴۔ ابن قیم الجوزی / زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مطبعۃ الأزھریۃ مصر، القاھرۃ ۱۳۶۶ھ۔ ملّا علی القاری / مرقاۃ الفاتیح، مکتبۂ امدادیہ ملتان، ۵/ ۲۹۸۔ ابن ھشام / السیرۃ النبویۃ، دارالفکر بیروت، ۴/ ۲۵۳۔ ابن جریر الطبری / تاریخ الطبری، دارالمعارف مصر، ۳/ ۱۴۸۔ ابن سعد / الطبقات الکبریٰ، دارالفکر بیروت، ۲/ ۱۷۲، ۱۳۷۶۔ ابن الأثیر الجزری / تاریخ الکامل، طبع مصر، ۲/ ۱۴۶۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی / بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ، ص ۲۷۸۔ الجاحظ / البیان والتبیین، مطبعہ الاستقامۃ القاھرۃ ۱۹۴۷ء، ۲/ ۲۹۔ جلال الدین السیوطی / الاتقان فی علوم القرآن، مصر القاھرۃ ۱۹۵۱ء، ۱/ ۱۷۸۔ احمد زکی صفوت، جمھرۃ خطب

العرب، مصر ۱۹۳۲ء، ۱/۱۵۷۔ شبلی نعمانی، مکتبہ مدنیہ لاہور ۱۴۰۸ھ، ۲/۹۳۔۹۴،
۳۷۔ سیّد سلیمان ندوی / سیرۃ النبی ﷺ، ۷/۴۱
۳۸۔ ایضاً ۷/۴۲
۳۹۔ حامد الانصاری غازی، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، الفیصل ناشران، لاہور، ص ۸۶۔۸۷
۴۰۔ محمد اقبال جاوید، پروفیسر / اسوۂ حسنہ اردو نعت کے آئینے میں، نعت رنگ، کراچی، شمارہ ۲۳، اگست ۲۰۱۲ء، ص ۴۱
۴۱۔ وہبہ الزحیلی، العلاقات، الدولیۃ فی السلام، ترجمہ: اسلام میں بین الاقوامی تعلقات، مترجم: مولانا حکیم اللہ، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء، ص ۹
۴۲۔ سورہ النساء، آیت ۵۸
۴۳۔ بخاری، کتاب الاحکام، باب ۱۔ مسلم، کتاب الامارہ، باب ۵
۴۴۔ مسلم، کتاب الامارہ، باب ۵
۴۵۔ بخاری، مسند احمد، نسائی
۴۶۔ مسلم، باب فضیلۃ الامام العادل
۴۷۔ اصلاحی، امین احسن / اسلامی ریاست ص ۳۶۶
۴۸۔ راجہ خضر اقبال، تعلیم اور فکر اسلامی، مجید بک ڈپو لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۷
۴۹۔ سورہ نمل، آیت ۸۸
۵۰۔ سورہ ملک، آیت ۳، ۴
۵۱۔ سورہ التین ۳۰، آیت ۳
۵۲۔ سورہ الحجر، آیت ۸۵
۵۳۔ سورہ الدخان، آیت ۳۸، ۳۹
۵۴۔ سورہ الاعراف، آیت ۱۰، ۱۱
۵۵۔ سورہ عبس، آیت ۱۸، ۲۲
۵۶۔ سورہ عبس، آیت ۲۴۔۳۲
۵۷۔ سورہ نبا، آیت ۶ تا ۱۶، بحوالہ: خواجہ عبدالحمید، موضوعاتِ قرآن اور انسانی زندگی، ادارۃ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء، ص ۲۸۱، ۲۷۹
۵۸۔ جناب حامد صاحب، مقالات سیرت طیبہ، سیرت کانفرنس ۱۴۱۲ھ، جامعہ سلفیہ بنارس انڈیا، ناشر کتاب

سرائے، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۲۳، ۲۴
۵۹۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسان کامل ﷺ، الفیصل ناشران لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۳۴۵
۶۰۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، طبع بیروت، ج ۱، ص ۲۷۰۔۲۷۸
۶۱۔ حوالہ سابقہ: جناب سید حامد صاحب، مقالات سیرت طیبہ، سیرت کانفرنس، جامعہ سلفیہ بنارس، کتاب سرائے لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۲۵
۶۲۔ ڈاکٹر اسرار احمد، سیرت خیر الانام، ص ۱۰۰، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، ۲۰۱۳ء
۶۳۔ حوالہ سابقہ: غلام رسول مہر، مطالعہ کلام اقبال، ص ۴۵۴
۶۴۔ حوالہ سابقہ: جناب سید حامد صاحب، سیرت کانفرنس، ۱۱۱۲ھ
۶۵۔ بحوالہ: مولانا صفی الرحمن، مبارک پوری، الرحیق المختوم، ص ۲۸۲، المکتبہ السلفیہ، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۸۲
۶۶۔ مولانا صفی الرحمن، مبارک پوری، الرحیق المختوم، ص ۲۸۸، بحوالہ سابقہ
۶۷۔ مولانا صفی الرحمن، مبارک پوری، الرحیق المختوم، ص ۲۹۷، بحوالہ سابقہ
۶۸۔ محولہ سابقہ، جناب سید حامد صاحب، مقالات سیرت طیبہ، ص ۳۸
۶۹۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسان کامل، ص ۳۵۴، محولہ سابقہ
۷۰۔ محوالہ سابقہ، الرحیق المختوم، ص ۳۱۰
۷۱۔ محوالہ سابقہ، الرحیق المختوم، ص ۳۲۵
۷۲۔ سورہ رحمن، آیت ۸، ۹
۷۳۔ محمد نور سرمدی، محمد فتح اللہ گولن، مترجم محمد اسلام، ج ۲، ص ۷۸، ہارمنی پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء
۷۴۔ محمد نور سرمدی، محمد فتح اللہ گولن، مترجم محمد اسلام، ج ۲، ص ۷۸، ہارمنی پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء
۷۵۔ حوالہ سابقہ، جناب سید حامد صاحب، مقالات سیرت طیبہ، ۱۴۱۲ھ
۷۶۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمت العالمین، طبع کراچی، ج ۱، ص ۱۲۹
۷۷۔ محمد اقبال جاوید، پروفیسر / اسوۂ حسنہ اردو نعت کے آئینے میں، نعت رنگ، کراچی، شمارہ ۲۳/ اگست ۲۰۱۲ء، ص ۴۵
۷۸۔ محمد نور سرمدی، محمد فتح اللہ گولن، محولہ سابقہ
۷۹۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت ﷺ، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۱۸
۸۰۔ ماہر القادری، بحوالہ: حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ اور رواداری، ص ۱۱
۸۱۔ دیدات، شیخ احمد، اسلام نظام زندگی، لاہور، اے۔ آر، نیر شرز، ۲۰۱۰ء، ص ۸۴

۸۲۔ دیدات، شیخ احمد، اسلام نظام زندگی، لاہور، اے۔ آر، نیر شرز، ۲۰۱۰ء، ص۲۸۹
۸۳۔ شبلی نعمانی علامہ / الفاروق، کراچی، الائیڈ بک کمپنی، ۱۹۸۶ء جلد دوم، ص۱۹۔۲۰
۸۴۔ ماجد علی خان، ڈاکٹر / اسلام کا فلسفۂ سیاسیات، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۷۹ء، ص۷۵
۸۵۔ ہنری دی کاسٹری / اسلام، ترجمہ بزبان عربی، احمد فتحی زغلول پاشا (مصری) ص ۳۲۔ بحوالہ: ڈاکٹر ماجد علی خان / اسلام کا فلسفۂ سیاسیات، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۷۹ء، ص۷۵، ۷۶
۸۶۔ بحوالہ: سید اسعد گیلانی، اسلامی ریاست میں حکام کے اوصاف، تصور ریاست اسلامی، مقالات مدائرہ علی تعلیماتِ نبوی ﷺ، ۱۴۰۴ھ، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی، ص۲۹۶
۸۷۔ بحوالہ: مولانا امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست، دارالتذکیر لاہور، ۲۰۰۶ء، ص۲۹۹
۸۸۔ اشہر مشاہیر الاسلام، ۲/۳۸۳
۸۹۔ بحوالہ سابقہ، سید اسعد گیلانی، ص۲۹۷
۹۰۔ ڈاکٹر خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۲۷۶
۹۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز، ۱۴/۳۲۸۔ این۔ ای
۹۲۔ W.gamer، 49/Politicial Science and government، World Press ltd. Calcutta 1955.
۹۳۔ حجۃ اللہ البالغہ، مطبہ مصر، ۱/۴۴
۹۴۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مولانا / اسلام کا سیاسی نظام، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ص۲۰
۹۵۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مولانا / اسلام کا سیاسی نظام، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ص۲۰
۹۶۔ حوالہ سابقہ: ڈاکٹر خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ راچی، ۱۹۷۹ء، ص۴
۹۷۔ توقیر عالم فلاحی، ڈاکٹر، میڈیا کا کردار اسلامی نقطہ نفر، ماہنامہ، ترجمان القرآن، دسمبر ۲۰۱۳ء، ابلاغ ٹرسٹ
۹۸۔ سورہ حشر، آیت ۱۸
۹۹۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۹۷
۱۰۰۔ سورہ الحجرات، آیت ۱۳
۱۰۱۔ مولانا روم، مثنوی مولانا روم
۱۰۲۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰
۱۰۳۔ ترجمان الحدیث (اول)، محمود حسن اسلامک پبلی کیشن لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۷ء

۱۰۴۔ مہدی حسن، جدید ابلاغ عام، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء
۱۰۵۔ ابو داؤد
۱۰۶۔ وسیم اکبر شیخ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست میں ابلاغ کی حدود، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ص ۸۲
۱۰۷۔ حوالہ سابقہ، غلام رسول مہر، مطالب کلام اقبال، ص ۴۵۴
۱۰۸۔ سورۃ الحجرات، آیت ۱۱
۱۰۹۔ وسیم اکبر شیخ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست میں ذرائع ابلاغ کی حدود
۱۱۰۔ سورہ انعام، آیت ۱۰۸
۱۱۱۔ ابنِ ماجہ، سنن ابن ماجہ، ص ۵۰۳
۱۱۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۶۱
۱۱۳۔ بحوالہ: مقالات سیرت، ربیع الاوّل ۱۴۰۸ھ، نومبر ۱۹۸۷ء، وفاقی وزارت مذہبی امور، اسلام آباد، ص ۲۳۲
۱۱۴۔ طبرانی، حافظ ابی القاسم سلیمان ابن احمد بن ایوب اللخمی، المعجم الاوسط، بیروت دارالکتب، ۱۹۹۱ء، ج ۱، ص ۵۵۰، رقم ۲۰۲۶
۱۱۵۔ حوالہ: کوثر نیازی، اسلام ہمارا دین، ص ۲۱۲، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۷۲ء
۱۱۶۔ سورۂ رعد، آیت ۱۱
۱۱۷۔ حوالہ سابقہ: غلام رسول مہر، مطالب کلام اقبال، اردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز، (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۷ء
۱۱۸۔ میاں کمال الدین، معیاری اردو مضامین عنضفر اکیڈمی کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۷۱
۱۱۹۔ صحیح بخاری، ۲۴۱۹، ابو داؤد، السنن، کتاب الامارہ
۱۲۰۔ حوالہ: صحیح بخاری، ۲۴۱۹، ابو داؤد، السنن، کتاب الامارہ
۱۲۱۔ حوالہ: مولانا ہارون معاویہ، وقت کی قدر کیجئے، بیت العلوم لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۱۱۲
۱۲۲۔ غلام رسول میر، مطالب کلام اقبال اردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۹۷ء
۱۲۳۔ محمد افروز، قادری، وقت ہزار نعمت ہے، ناشر: فیض گنج بخش بک سینٹر لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۹
۱۲۴۔ حوالہ سابقہ: محمد اقبال علامہ، کلیات اقبال، اردو، ارمغان حجاز، الفیصل ناشر، لاہور، ص ۵۶۳
۱۲۵۔ حوالہ سابقہ: محمد اقبال علامہ، کلیات اقبال، اردو، ارمغان حجاز، الفیصل ناشر، لاہور، ص ۱۴۵
۱۲۶۔ سورۃ الیل، آیت ۱، ۲
۱۲۷۔ سورہ فجر، آیت ۱۔ ۲

۱۲۸۔ سورۃ الضحیٰ، آیت ۱، ۲

۱۲۹۔ سورہ عصر، آیت ۱۔ ۲

۱۳۰۔ بحوالہ: محمد یوسف القرضاوی، الوقت فی حیاۃ المسلم، مترجم: عبد الحلیم فلاحی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳، ۱۴

۱۳۱۔ سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب فی القیامۃ، حدیث نمبر ۲۴۱۶

۱۳۲۔ سنن ابوداؤد

۱۳۳۔ نثار فاطمہ، گنجینہ مضامین، ۲۰۰۹ء، ص ۲۹۳

۱۳۴۔ بحوالہ: اخرجہ احمد، فی "الزھد" ص ۶۱، بحوالہ: محمد روح اللہ، نقشبندی، وقت کی قدر اور اہمیت سے پیار، مکتبہ شیخ کراچی، ۲۰۰۸ء، ص ۲۲

۱۳۵۔ الحدائق، ص ۲۲۸/۳

۱۳۶۔ حوالہ سابقہ: محمد روح اللہ نقشبندی، ص ۲۲

۱۳۷۔ عبد الفتاح ابوغدّہ، قیمۃ الزمن، عند العلماء، مترجم: محمد عبد البصر وقت کی قدر و قیمت، ادارہ اسلامیات، ۲۰۱۰ء، لاہور، ص ۸۲

۱۳۸۔ ذیل طبقات الحنابلۃ، ۴۱۲/۱، ۴۱۳، حوالہ سابقہ: ابوعدّہ، عبد الفتاح

۱۳۹۔ محمد بشیر جمعہ، شاہراہ زندگی پر کامیابی کا سفر، فضل سنز کراچی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۹

۱۴۰۔ بنی اسرائیل، آیت ۲۶، ۲۷

۱۴۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷:۲۵، رقم: ۷۶۷۴، بیہقی، شعب الإیمان، ۵:۲۵۴، رقم: ۶۵۶۸

۱۴۲۔ بنی اسرائیل، آیت ۲۶

۱۴۳۔ سیرت الرسول ﷺ کی اقتصادی اہمیت، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۳۹

۱۴۴۔ سورۃ الحجر، آیت ۱۰

۱۴۵۔ ترجمان الحدیث (دوم)، مرتبہ سید محمد حسن، اسلامک پبلی کیشنز، لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۲ء

۱۴۶۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور

۱۴۷۔ بحوالہ: محمد بشیر جمعہ، شاہرہ زندگی پر، کامیابی کا سفر، ۲۰۰۹ء، فضل سنز کراچی، ص ۵۔ ۶

۱۴۸۔ اصلاحی، مولانا صدر الدین، اسلام اور اجتماعیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۹

۱۴۹۔ جمال الدین عطیہ، ڈاکٹر، شریعت اسلامی کا عمومی تصور، شریفہ اکیڈمی، اسلام آباد، ص ۴۷

۱۵۰۔ سورہ الحجرات، آیت ۱۳

۱۵۱۔ مولانا صدرالدین اصلاحی، اسلام اور اجتماعیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۳۱
۱۵۲۔ سورہ مائدہ، آیت ۲
۱۵۳۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۰۲۔۱۰۳
۱۵۴۔ کلیات اقبال، محمد اقبال علامہ، الفیصل ناشران کتب و تاجران، لاہور، ص ۱۲۱
۱۵۵۔ ترمذی، جلد ۲، ص ۴۱
۱۵۶۔ ترمذی، ج ۲، ص ۴۱
۱۵۷۔ احمد و ترمذی، بحوالہ مشکوۃ، ص ۳۲۱
۱۵۸۔ احمد و ترمذی، بحوالہ مشکوۃ، ص ۳۲۱
۱۵۹۔ مولانا صدرالدین اصلاحی، اسلام اور اجتماعیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۳۴
۱۶۰۔ بحوالہ سابقہ، مولانا محمد الدین اصلاحی، اسلام اور اجتماعیت، ص ۳۹
۱۶۱۔ ابو داؤد، ج ۱، ص ۳۵۱
۱۶۲۔ سید ابوالاعلی مودودی، تفہیم الاحادیث، جلد ششم، ص ۳۶۳، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۳۶۳
۱۶۳۔ حوالہ سابقہ: سید ابوالاعلی مودودی، تفہیم الاحادیث، جلد ششم، ص ۳۶۴
۱۶۴۔ حوالہ سابقہ: مولانا صدرالدین اصلاحی، اصلام اور اجتماعیت اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ص ۴۴
۱۶۵۔ ڈاکٹر طاہر القادری، فلسفہ نماز، منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۸۲
۱۶۶۔ سورہ نساء، آیت ۱۰۳
۱۶۷۔ منہاج الصالحین، ۱۵۰، بحوالہ: مسند امام ربیع
۱۶۸۔ ڈاکٹر طاہر القادری، فلسفہ نماز، منہاج القرآن، پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۴۰
۱۶۹۔ پروفیسر محمد ارشد خان بھٹی، مطالعہ تہذیبِ اسلامی اصباح الادب، ص ۲۸، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۱ء
۱۷۰۔ سورہ بقرہ، آیت ۴۳
۱۷۱۔ حوالہ سابقہ: پروفیسر محمد ارشد خان بھٹی، مطالعہ ء تہذیب، تعلیماتِ نبوی ﷺ اور اسلامی، ص ۳۰
۱۷۲۔ غلام رسول مہر، مطالب کلام اقبال اردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۳۳۶
۱۷۳۔ محمد منور پروفیسر، توازن اقبال کی شاعری کا اہم پہلو، ماخوذ مطالعہ اقبال کے سو سال
۱۷۴۔ حوالہ سابقہ، غلام رسول مہر، ص ۳۳۹
۱۷۵۔ غلام رسول مہر، مطالب کلام اقبال، ص ۹۰

۱۷۶۔ بحوالہ سابقہ: غلام رسول مہر، مطالب کلام اقبال، ص۱۶۹
۱۷۷۔ حوالہ سابقہ: غلام رسول مہر
۱۷۸۔ حوالہ سابقہ، محمد منور پروفیسر، توازن اقبال کی شاعری کا اہم پہلو، ماخوذ مطالعہ اقبال کے سو سال
۱۷۹۔ سورہ نساء، آیت ۵۹
۱۸۰۔ ابی داؤد، سلمان بن الاشعث، السنن، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ
۱۸۱۔ ایضاً، کتاب الہاد، باب فی القوم یسافرون، یؤمرون احدھم
۱۸۲۔ سورہ الصف، آیت ۴
۱۸۳۔ سورہ آل عمران، آیت ۲۰۰
۱۸۴۔ مقالات سیرت ربیع الاو، ۱۴۵۸ ہجری، نومبر ۱۹۸۷ء، وفاقی وزارت مذہبی امور اسلام آباد، ص ۱۹۲
۱۸۵۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳
۱۸۶۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۷۹
۱۸۷۔ حوالہ: الحاکم، حافظ ابی عبد اللہ النیسابوری، المستدرک علی الصحیحین فی الحدیث، بیروت، دارالمعرفۃ، کتاب البیوع، ج ۲، ص ۸۵
۱۸۸۔ حوالہ: حفیظ صدیقی، گلستان مضامین، ہمدرد کتب خانہ، لاہور، ص ۵۶
۱۸۹۔ شاعر: احمد ندیم قاسمی
۱۹۰۔ ڈاکٹر طاہر القادری، سیرت الرسول ﷺ کی تاریخی اہمیت، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۱ء، ص ۱۸، ۱۹
۱۹۱۔ ڈاکٹر طاہر القادری، سیرت النبی کی تاریخی اہمیت، محولہ سابقہ، ص ۲۷
۱۹۲۔ حامد الانصاری، غازی، اسلام کا نظام حکومت، ص ۹۶۔۹۷
۱۹۳۔ آزاد، ابوالکلام، مولانا، اسلام اور جمہوریت، مکی دار الکتب، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۸
۱۹۴۔ حامد الانصاری، غازی، اسلام کا نظام حکومت، ص ۴۲۵
۱۹۵۔ ایضاً ص ۴۲۶
۱۹۶۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ص ۴۳۶
۱۹۷۔ سورہ آل عمران، آیت ۳۲
۱۹۸۔ سورہ حشر، آیت ۷
۱۹۹۔ سورہ نور، آیت ۶۳

۲۰۰۔ مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب واسنۃ، مطبوعہ لاہور، ص۵۶
۲۰۱۔ پروفیسر عبدالجبار شاکر، خطبات مقالات سیرت کتاب سرائے لاہور، ۲۰۱۳ء، ص۵۳،
۲۰۲۔ سورہ فتح، آیت ۲۹
۲۰۳۔ بحوالہ سابقہ، پروفیسر عبدالجبار، خطبات و مقالات سیرت، ص۵۴
۲۰۴۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، ص۳۶۱، خزینہ علم وادب، کلیاقت اقبال، لاہور، ۲۰۰۶ء
۲۰۴۔الف حوالہ سابقہ، محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال، ص۲۰۶
۲۰۵۔ حوالہ سابقہ، غلام رسول مہر، ص۳۳۴
۲۰۶۔ حوالہ سابقہ، غلام رسول مہر، ص۳۴
۲۰۷۔ حوالہ سابقہ، غلام رسول مہر، ص۳۳۶
۲۰۸۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۳۹
۲۰۹۔ حوالہ سابقہ: اص۲۲۷
۲۱۰۔ حوالہ سابقہ: غلام رسول مہر، ص۳۳۹
۲۱۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۳۱
۲۱۲۔ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیات اقبال، فارسی، ص۱۲۸
۲۱۳۔ حوالہ سابقہ: غلام رسول مہر، مطالب کلام اقبال (اردو)، شیخ غلام علی، ص۳۵۷

# [[007]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

شبیر احمد انصاری
مدیر اعلیٰ: سہ ماہی "نفاذِ اُردو" کراچی

## سرِ آغاز

مذکورہ موضوع کے تناظر میں بصد اختصار اوّل تو یہ عرض کرتا ہوں کہ اسلامی ریاست کے زیرِ اثر مجموعی طور پر ایسے اقدامات کا اعادہ ہونا چاہیے جن سے عوام الناس کے ہر طرح کے حقوق ان کی دہلیز تک پہنچ جائیں۔ اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ تاریخی جملہ اور عظیم فرمان کہ "ریاست و حکومت کفر پر تو قائم رہ سکتی ہے ظلم پر نہیں" یعنی وہاں عدل و مساوات کا دور دورہ ضروری ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی ہماری راسخ رہنمائی کرتا ہے کہ "میری حکومت میں ایک کتّا بھی بھوک سے مر جائے تو وہ خود اس کے ذمہ دار اور جواب دہ ہوں گے۔"

مطالعۂ عمرانی و معاشرتی تاریخ کی روشنی میں ہر قسم کے دو رشتوں کے درمیان حقوق و فرائض کا ایک نفیس و جاذب رشتہ نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم و استوار نظر آتا ہے۔ اسلامی ریاست اور عوام الناس کے درمیان بھی رشتہ کی یہ قوس و قزح موجود ہے اور قوس و قزح کے ان رنگوں میں اسلامی تعلیمات و ہدایات کی واضح لکیریں رہنمائی کرتی نظر آتی ہیں۔

ہم ایک چھوٹا سا مکان تعمیر کرتے ہیں تو اس میں ایک دروازہ نصب کرتے ہیں اور دروازے میں ایک تالا لگانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور اپنی اس فکر کو عملی جامہ پہناتے ہیں تو پھر اسلامی ریاست تو اسلامی ریاست ہے اور اس کے نہایت پائیدار و ذمہ دارانہ تقاضے ہیں۔ قرآن و سنّت کی تعلیمات سے مزیّن اس کا پاکیزہ جسم اور مقدّس چہرہ ہمیں مسحور کرتا ہے اور ہر طرح کی طمانیت و مسرّت عطا کرتا ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ اور پھر آپ ﷺ کے بعد آپ کے مایہ ناز رفقاء کرام المعروف خلفائے راشدین نے اسلامی ریاست کی بنیادوں کو استوار، مضبوط اور مستحکم کیا جس کے نتیجے میں اس کے شاندار و یادگار قابلِ تقلید نمونے اوراقِ تاریخ کے ذریعے ہمارے سامنے ہیں۔ اب میں اسی روشنی میں مقالے کے حسب ذیل اجزائے ترکیبی پر اپنی گفتگو بالترتیب آگے بڑھاؤں گا۔

۱۔ اسلامی ریاست
۲۔ عوام الناس
۳۔ نظم وضبط

۴۔ اور اس کی پابندی کے طریقے

## ریاست اور اسلامی ریاست کی تعریف و تشکیل

### ریاست:

عمرانی، معاشرتی اور سیاسی علوم کے مفکرین ارسطو، سسرو، گوشیس، بودین، ہال، برجیس، ہالینڈ، ایسمین، ڈوگٹ، ہیگل اور متعدد دیگر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ریاست کی تشکیل و ترتیب حسبِ ذیل چار عناصر سے مرکب ہوتی ہے۔

۱۔ آبادی ۲۔ خطّہ زمین ۳۔ حکومت ۴۔ اقتدارِ اعلیٰ

گویا مجموعی طور پر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اجتماعی اعتبار سے ایک منظم معاشرہ کا نام ہی ریاست ہے۔ اس تعریف کے بموجب یہ ریاستیں روئے زمین پر اپنے خدوخال اور نظامِ حکومت کے ساتھ موجود ہیں اور ہمارے مطالعے ومشاہدے کا حصّہ ہیں۔ (۱)

### اسلامی ریاست:

حکومت، سلطنت، بادشاہت اور ہر طرح کی حکمرانی کو اسلام اللہ ربُّ العزت سے منسوب و موسوم کرتا ہے۔ اللہ ربُّ العزت کا فرمانِ عالی شان ہے کہ زمین و آسمان کی وسعتوں میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے۔ ان سب پر اسی کی حکمرانی ہے۔

امام ابویوسف و امام شیبانی (شاگردانِ رشید امام ابو حنیفہؒ):

"کسی ملک کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا امتیاز یہ ہے کہ وہاں غلبہ اور محافظ قوت کس قوم کو حاصل ہے۔ تعداد سے بحث نہیں۔ اسلامی مملکت کا انتظام امام پوری اُمّت مسلمہ کے نائب کے طور پر کرتا ہے۔

چنانچہ شارح امام شیبانی کے الفاظ میں: "یعنی اس حق کے نفاذ میں امام کی حیثیت اس اُمّت مسلمہ کے قائم مقام ہوتی ہے۔"(۲)

ابن خلدون:

"شریعت کے مطابق خلافت کا مفہوم تمام اُمّت پر ان معاملات میں جو دُنیا اور آخرت دونوں میں ان کے فائدے کے لیے ہیں ضبط و اختیار ہے۔"(۳)

علامہ بیضاوی:

"امانت کا مطلب کسی شخص کا قوانین شرعی کو قائم کرنے اور حدود امانت کی حفاظت کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کا ایسے طریقہ سے خلیفہ ہوتا ہے کہ تمام اُمّت اس کی اطاعت کرے۔"(۴)

خلیل احمد الحامدی:

"خلافت کا لفظ "خلف" سے بنا ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں کسی کا جانشیں بننا، کسی کا قائم مقام ہونا، کسی کے بعد آنا، کسی کی جگہ ناظمِ امور بننا۔ دِینی اصطلاح میں خلافت اور اس کا مترادف امانت ایک ریاست عامہ ہے جس کا عامل امور دین و دُنیا میں آنحضرت ﷺ کے نائب کے طور پر کام کرتا ہے۔"(۵)

علامہ محمد اسد:

"وہی ریاست اسلامی کہلانے کی سزاوار ہے جو نسلی، علاقائی اور لسانی قومیت کے نظریے پر نہیں، بلکہ قرآن حکیم کے پیش کردہ نظریۂ حیات پر استوار ہو۔"(۶)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی:

"اسلامی ریاست سے مراد وہ ریاست ہے جو حاکمیت الٰہی اور خلافت علی منہاج النبوہ کے نظام کو اس کے تصورات کے ساتھ قائم کرنے کی داعی ہو۔ صرف وہی ریاست اسلامی ریاست ہو سکتی ہے جو خدا کی حاکمیت کو تسلیم کرلے اور اس کے رسول کی شریعت کو قانون برتر اور اوّلین ماخذ قانون مانے اور حدود اللہ کے اندر رہ کر کام کرنے کی پابند ہو۔"(۷)

مفتی انتظام اللہ شہابیؒ:

آپ علامہ ابوالحسن ماوردیؒ کی گراں قدر تصنیف کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے کتاب "احکامِ سلطانیہ" میں لکھتے ہیں:

"اسلام حاکمیت کو نہ کسی فردِ واحد کے لیے تفویض کرتا ہے اور نہ کسی طبقے، جماعت یا کسی قوم کو یہ حیثیت عطا کرتا ہے جو ذاتِ مطلق اس حاکمیت کی سزاوار ہے وہی اسلام کے نزدیک حاکمِ حقیقی اور مقتدرِ اعلیٰ ہے۔"(۸)

سیّد شمیم حسین قادری (سابق چیف جسٹس ہائی کورٹ لاہور):

"اسلامی ریاست قانون کی حکمرانی کی اساس پر قائم ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست اللہ کے قانون پر عمل کرنے اور کرانے کے لیے قائم کی جاتی ہے، لہٰذا یہ امر محتاجِ تعارف نہیں کہ کوئی قانون جو اللہ کے قانون کے منافی ہو اسلامی ریاست کے لیے ناقابلِ قبول ہے۔"(۹)

**اسلامی ریاست o اکابرین دین و ملّت کے مباحث**

مفتی محمد شفیعؒ "معارف القرآن" (جلد اوّل، ص ۱۸۲ تا ۱۸۵) میں سورہ بقرہ کی تفسیری گفتگو میں رقمطراز ہیں:

"اقتدارِ اعلیٰ تمام کائنات اور پوری زمین پر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں۔ زمین کے انتظام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب آتے ہیں جو باذنِ خداوندی زمین پر سیاست و حکومت اور بندگانِ خدا تعالیٰ کی تعلیم و تربیت کا کام کرتے ہیں اور احکامِ الٰہی کو نافذ کرتے ہیں۔ اس خلیفہ و نائب کا تقرر بلاواسطہ

خود اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ خلیفہ بلاواسطہ حق تعالیٰ سے اس کے احکام معلوم کرتے ہیں اور پھر ان کو دُنیا میں نافذ کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ خلافت و نیابتِ الٰہیہ کا حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء ﷺ تک ایک ہی انداز میں چلتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے آخری خلیفہ ہو کر بہت ہی اہم خصوصیات کے ساتھ تشریف لائے۔ آپ کا اختیار واقتدار پوری دُنیا کی اقوام پر حاوی فرمایا گیا۔ آپ کی خلافت و نیابت قیامت تک جاری رہے گی۔ آپ کے بعد نظامِ عالم کے لیے جو نائب ہو گا وہ خلیفۂ رسول ﷺ اور ان کا نائب ہو گا۔ خلفائے راشدین کے آخری عہد تک یہ سلسلۂ خلافت صحیح اصول پر چلتا رہا اور اسی لیے ان کے فیصلے صرف دِینی اور ہنگامی فیصلوں کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ ایک محکم دستاویز اور ایک درجہ میں اُمّت کے لیے حجّت مانے جاتے ہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا: "میری سنّت کو لازم پکڑو اور خلفائے راشدین کی سنّت کو۔"(۱۰)

مفتی محمد شفیعؒ مزید صراحت فرماتے ہیں کہ:

"خلافتِ راشدہ کے بعد کچھ طوائف الملوکی کا آغاز ہوا۔ مختلف خطوں میں امیر بنائے گئے۔ ان میں سے کوئی بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ ہاں کسی ملک یا قوم کا امیر خاص کہا جاسکتا ہے اور جب پوری دُنیا کے مسلمانوں کا اجتماع کسی ایک فرد پر معترض ہو گیا اور ہر ملک ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ امیر بنانے کی رسم چل گئی تو مسلمانوں نے اس کا تقرر اسی اسلامی نظریہ کے تحت جاری رکھا کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت جن کو امیر منتخب کرے وہ ہی اس ملک کا امیر اور اولوالامر کہلائے۔ قرآن مجید کے ارشاد "وامرھم شوریٰ بینھم" کے عموم سے اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔"(۱۱)

مفتی محمد شفیعؒ کا فرمانا ہے کہ ہماری اسمبلیاں اسی طرزِ عمل کا ایک نمونہ ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ عام جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اور ان کے ممبران بالکل آزاد و خود مختار ہیں۔ وہ محض اپنی رائے سے جو چاہیں اچھا یا بُرا قانون بنا سکتے ہیں، لیکن اسلامی اسمبلی اور اس کے ممبران اور منتخب امیر سب اس اصول کے پاسدار ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول ﷺ کے ذریعہ ان کو ملا ہے۔

مفتی صاحب کی گفتگو و صراحت کا خلاصہ یہ ہے کہ اوّل آسمان و زمین پر اقتدار اللہ کا ہے۔ دوم زمین پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تقلید کے لیے اس کا نائب خلیفہ اس کا رسول ہوتا ہے اور ضمنی طور پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ خلافتِ الٰہیہ کا سلسلہ آنحضرت ﷺ پر ختم ہو گیا تو اب خلافتِ رسول ﷺ کا سلسلہ ان کے قائم مقام ہوا اور اس خلیفہ کا تقرر ملّت کے انتخاب سے قرار پایا۔

ممتاز محقق سیّد عزیز الرحمان اپنی کتاب "تعلیماتِ نبوی ﷺ اور آج کے زندہ مسائل" میں اسلامی نظامِ حکومت کو موضوع بنا کر لکھتے ہیں:

"آج کل دُنیا میں جتنے نظام ہائے حکومت رائج ہیں اسلام کا نظامِ حکومت ان تمام سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام کا پیش کردہ تصورِ حکمرانی دِین و دُنیا میں تفریق نہیں اتحاد پیدا کرتا ہے۔ اس کے نزدیک دین و دُنیا، سیاست، حکومت

اور عبادت و معاملات میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں۔ دونوں چیزیں باہم یوں متصل ہیں کہ انھیں جدا کرنا ممکن نہیں۔ اسلام کی یہی شان بطور دُعا قرآن مجید میں یوں ذکر ہوئی ہے:

"اے ہمارے رب! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔"(البقرہ:۲۰۱)(۱۲)

علامہ سیّد سلیمان ندوی "سیرت النبی ﷺ" میں لکھتے ہیں:

"اسلام دِین و دُنیا اور جنتِ ارضی اور جنتِ سماوی اور آسمانی بادشاہی اور زمین کی خلافت دونوں کی دعوت لے کر اوّل ہی روز سے پیدا ہوا۔ اس کے نزدیک عیسائیوں کی طرح خدا و قیصر دو نہیں ہیں۔ ایک ہی شہنشاہ علی الاطلاق ہے جس کی حدود میں نہ کوئی قیصر ہے اور نہ کوئی کسریٰ۔ اسی کا حکم عرش سے فرش تک اور آسمان سے زمین تک جاری ہے۔ وہی آسمان پر حکمراں ہے اور وہی زمین پر فرمانروا ہے۔"(۱۳)

علامہ سلیمان ندوی مزید لکھتے ہیں:

"وہ (اسلام) دیویوں اور دیوتاؤں اور نمرودوں اور فرعونوں کو ایک ساتھ ان کے استھانوں اور ایوانوں سے نکالنے کے لیے آیا تھا اور اس بات کی منادی کرتا تھا کہ آسمان ہو یا زمین دونوں میں ایک ہی خدا کی حکومت ہے۔ اس کے آسمان میں نہ کوئی دیوی ہو گی نہ دیوتا ہو گا اور نہ زمین پر کوئی قیصر ہو گا اور نہ کسریٰ۔"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اسلامی ریاست کی صراحت کرتے ہوئے تفہیم القرآن جلد دوم، ص۱۳۸ پر لکھتے ہیں:

"اسلام دُنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ صرف وعظ و تزکیر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لیے سیاسی طاقت بھی درکار ہے۔ پھر جبکہ یہ دُعا اللہ نے خود آپ کو سکھائی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامتِ دین، نفاذ شریعت اور اجزائے حدود اللہ کے لیے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب و مندوب ہے۔"(۱۴)

اسی جلد میں تفہیم القرآن کی فہرست موضوعات کی صراحت میں اسلامی ریاست کے خدوخال یوں نظر آتے ہیں۔

اس کا منشور جو مکّہ معظمہ کے آخری دور میں پیش کیا گیا، اس کی تعلیمی، معاشرتی، معاشی پالیسی، خاندان کی اہمیت، اس کی داخلی و خارجی پالیسی، عہد و پیمان اور قول و قرار کی پابندی پر ہونی چاہیے۔ معاشرے کو زنا اور محرکاتِ زنا سے پاک رکھنا اس کا فرض ہے۔ یتامیٰ کے حقوق کی حفاظت اسلامی ریاست کا فرض ہے۔ وہ ان تمام لوگوں کی محافظ ہے جو خود اپنے مفاد کی حفاظت کرنے کے قابل نہ ہوں۔ تجارت کو بے ایمانوں سے پاک رکھنا اس کے فرائض میں سے ہے۔ اس کے حکمرانوں کو غرور و تکبر سے پاک ہونا چاہیے۔ منافقین کے بارے میں پالیسی، بین الاقوامی معاہدات کا

احترام، دارالسلام کے تمام باشندے اسلامی ریاست کے کیے ہوئے معاہدات کے پابند ہیں۔ کفار کے محکوم مسلمانوں کی مدد اسلامی ریاست پر اس صورت میں واجب ہے کہ اسلامی ریاست کو بین الاقوامی پیچیدگیوں سے ایک اہم دستوری قاعدہ تحقیق کے بغیر کسی کے خلاف کاروائی کرنا منع ہے۔ اس کی بین الاقوامی سیاست دلیرانہ ہونی چاہیے۔ اس کی ضروریات پر مال خرچ کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔

مزید براں مولانا مودودی ۲۰/جون ۱۹۴۸ء کو لاہور میں ریڈیو پاکستان سے بعنوان اسلام کا سیاسی نظام اپنی نشری تقریر میں اسلامی ریاست کے خدوحال اس طرح واضح کرتے ہیں۔

"اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد تین اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ توحید، رسالت اور خلافت۔ ان اصولوں کو اچھی طرح سمجھے بغیر اسلامی ریاست کے تفصیلی نظام کو سمجھنا مشکل ہے۔۔۔ اب خلافت کو لیجیے۔ یہ لفظ عربی زبان میں نیابت کے لیے بولا جاتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دُنیا میں انسان کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ زمین پر خدا کا نائب ہے یعنی اس کے ملک میں اس کے دیے ہوئے اختیارات استعمال کرتا ہے۔ آپ جب کسی شخص کو اپنی جائیداد کا انتظام سپرد کرتے ہیں تو لازماً آپ کے پیش نظر چار باتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جائیداد کے اصل مالک آپ خود ہیں نہ کہ وہ شخص۔ دوسرے یہ کہ آپ کی جائیداد میں اس شخص کو آپ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ اسے اپنے اختیارات کو ان حدود کے اندر استعمال کرنا چاہیے جو آپ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہیں۔ چوتھے یہ کہ آپ کی جائیداد میں اسے آپ کا منشا پورا کرنا ہو گا نہ کہ اپنا۔ یہ چار شرطیں نیابت کے تصور میں اس طرح شامل ہیں کہ نائب کا لفظ بولتے ہی خود بخود انسان کے ذہن میں آجاتی ہے۔ اگر کوئی نائب ان چاروں شرطوں کو پورا نہ کرے تو آپ کہیں گے کہ وہ نیابت کے حدود سے تجاوز کر گیا اور اس نے وہ معاہدہ توڑ دیا جو نیابت کے عین مفہوم میں شامل تھا۔ ٹھیک یہی معنی ہیں جن میں اسلام انسان کو خدا کا خلیفہ قرار دیتا ہے اور اس خلافت کے تصور میں یہی چاروں شرطیں شامل ہیں۔ اسلامی نظریہ سیاسی کی رو سے جو ریاست قائم ہو گی وہ دراصل خدا کی حاکمیت کے تحت انسانی خلافت ہو گی، جسے خدا کے ملک میں اس کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر کام کر کے اس کا منشاء پورا کرنا ہو گا۔۔۔ اسلامی معاشرے کا ہر فرد خلافت کے حقوق اور اختیارات رکھتا ہے۔ ان حقوق و اختیارات میں تمام افراد بالکل برابر کے حصّے دار ہیں۔ کسی کو کسی پر نہ ترجیح حاصل ہے اور نہ یہی حق پہنچتا ہے کہ اسے ان حقوق و اختیارات سے محروم کر سکے۔ ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لیے جو حکومت بنائی جائے گی وہ انہی افراد کی مرضی سے بنے گی۔"(۱۵)

"مغرب کا نظریہ سیاسی "جمہوری حاکمیت" کا قائل ہے اور اسلام "جمہوری خلافت" کا۔ وہاں اپنی شریعت جمہور آپ بناتے ہیں۔ یہاں ان کو اس شریعت کی پابندی کرنی ہوتی ہے جو خدا نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ سے دی ہے۔ وہاں حکومت کا کام جمہور کا منشاء پورا کرنا ہوتا ہے۔ یہاں حکومت اور اس کے بنانے والے جمہور سب کا کام خدا

کا منشاء پورا کرنا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ مغربی جمہوریت ایک مطلق العنان خدائی ہے جو اپنے اختیارات کو آزادانہ استعمال کرتی ہے۔ اس کے برعکس اسلامی جمہوریت ایک پابندِ آئین بندگی ہے جو اپنے اختیارات کو خدا کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرتی ہے۔"(۱۶)

"اسلامی ریاست کا مقصد قرآن میں صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ان بھلائیوں کو قائم کرے، فروغ دے اور پروان چڑھائے جن سے خداوند عالم انسانی زندگی کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے اور ان برائیوں کو روکے، دبائے اور مٹائے جن کا وجود انسانی زندگی میں خداوند عالم کو پسند نہیں ہے۔ اسلام میں ریاست کا مقصد محض انتظام ملکی ہے اور نہ یہ کہ وہ کسی خاص قوم کی اجتماعی خواہشات کو پورا کرے۔ اس لیے بجائے اسلام اس کے سامنے ایک بلند نصیب العین رکھ دیتا ہے جس کے حصول میں اس کو اپنے تمام وسائل و ذرائع اور اپنی تمام طاقتیں صرف کرنی چاہئیں، اور وہ یہ کہ خدا اپنی زمین میں اور اپنے بندوں کی زندگی میں جو پاکیزگی، جو حسن، جو خیر وصلاح، جو ترقی و فلاح دیکھنا چاہتا ہے وہ رُونما ہو اور بگاڑ کی ان تمام صورتوں کا سدّباب ہو جو خدا کے نزدیک اس کی زمین کو اُجاڑنے والی اور اس کے بندوں کی زندگی کو خراب کرنے والی ہیں۔ اس نصب العین کو پیش کرنے کے ساتھ اسلام ہمارے سامنے خیر و شر دونوں کی ایک واضح تصویر رکھتا ہے جس میں مطلوبہ بھلائیوں اور ناپسندیدہ برائیوں کو صاف صاف نمایاں کر دیا گیا ہے۔ اس تصویر کو نگاہ میں رکھ کر ہر زمانے اور ہر ماحول میں اسلامی ریاست اپنا اصلاحی پروگرام بنا سکتی ہے۔"(۱۷)

علامہ محمد اسد / مولانا غلام رسول مہر:

مولانا غلام رسول مہر، علامہ محمد اسد کی تصنیف کے اُردو ترجمہ "اسلامی مملکت و حکومت کے بنیادی اصول" میں اسلامی ریاست کے خدوخال اس طرح واضح کرتے ہیں۔

۱۔ قانون اسلام کو اس غرض سے ملک کا قانون بنانا کہ انصاف کا بول بالا ہو۔

۲۔ عمرانی اور اقتصادی روابط کا انتظام ایسے طریق پر کرنا کہ ہر فرد آزادی اور وقار سے زندگی بسر کر سکے، اپنی شخصیت کی تمام امکانی ترقیوں میں اسے کم سے کم رُکاوٹ پیش آئے اور اس کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی ہو۔

۳۔ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ایسے مواقع بہم پہنچانا کہ وہ محض عقائد ہی نہیں، بلکہ زندگی کے عملی دائرے میں بھی اسلام کے اخلاقی مقاصد پورے کر سکیں۔

۴۔ تمام غیر مسلم شہریوں کے لیے کامل جسمانی حفاظت کے علاوہ مذہب، ثقافت اور عمرانی نشوونما کی پوری آزادی حاصل ہو۔

۵۔ ملک کو بیرونی حملوں اور داخلی افراتفری سے محفوظ رکھنا۔

۶۔ دُنیا بھر میں تعلیماتِ اسلام کی تبلیغ کرنا۔

اگر کوئی مملکت یا حکومت ان مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہے تو اس کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ

روئے زمین پر خدا کی خلافت کا حق اَدا کر رہی ہے۔ کم از کم اس حصّہ ارض میں جو فعلاً اس کے دائرۂ اقتدار میں ہے۔

**بنیادی اصول:**

شرعی نقطۂ نگاہ سے ایک اسلامی مملکت کے لیے وجہ جواز یعنی مسلمانوں کے لیے اطاعت و وفاداری کے مذہبی وجوب کا دعویٰ قرآن کے اس بنیادی حکم پر مبنی ہے:

(ترجمہ)"مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں حکم و اختیار رکھتے ہیں۔ "(النساء:۵۹) قرآن مجید نے یوں اختصار و جامعیت سے اسلامی مملکت کی نوعیت کے متعلق متعدد اہم اصول واضح کر دیے۔ ایسی مملکت کا اوّلین فرض یہ ہے کہ شریعت کے احکام اپنے زیر تحویل علاقوں میں نافذ کرے۔"(۱۸)

عبد المالک عرفانی (ایڈوکیٹ ہائی کورٹ لاہور):

عبد المالک عرفانی اپنی کتاب "جدید اسلامی ریاست قرآن کریم کی روشنی میں "مملکت اسلامی کی ذمہ داریوں پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

"وہ انسانی معاشرہ جو قوانین خداوندی پر ایمان لائے اور ان پر عمل کرنے اور کرانے کا عہد کرے اس کے اجتماعی نظام پر اللہ کی طرف سے بڑی بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں (اس اجتماعی نظام کو جدید اصطلاح میں مملکت اسلامی کہا جائے گا) اسلامی معاشرے کے اجتماعی نظام کو جب اللہ تعالیٰ نے خلافت، نیابت اور قائم مقامی کا منصب عطا کر کے یہ فرض سونپا ہے کہ وہ انسانوں سے قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے تو وہ ان ذمہ داریوں کو بھی اپنے اس خلیفہ، نائب یا قائم مقام کے سپرد کر دیتا ہے جو اس نے انسانوں کے متعلق اپنے اوپر لے رکھی ہیں۔ مثلاً حکم چلانے کا اختیار اللہ کو ہے۔

(ترجمہ)"حکم اللہ کے لیے ہے۔"اور رزق پہنچانے کی ذمہ داری بھی اللہ پر ہے۔(۱۱:۶)

جب مکہ میں رہنے والے مسلمان کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آجاتے ہیں تو خدا سے مدد مانگتے ہیں۔

(ترجمہ)"وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو اس بستی سے نکال جہاں کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارا کوئی دوست بنا کر بھیج اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔" اس وقت اللہ اس وقت کی اسلامی مملکت سے یہ کام لینے کے لیے یوں خطاب کرتا ہے۔(۷۵:۴)

(ترجمہ) "تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کے لیے جنگ نہیں کرتے۔"جب اللہ کافروں کو سزا دینا چاہتا ہے تو اسی مملکت اسلامی کے ذریعے سزا دیتا ہے۔(۷۵:۴)

(ترجمہ) "کفار سے لڑو۔ اس طرح اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دے گا۔"(۹:۱۴) گویا مملکت اسلامی (یعنی مسلمانوں کا نظام اجتماعی) اللہ کے ہاتھ میں ایک کوڑا ہے جس سے وہ اپنے احکامات کی تعمیل کراتا ہے اور

نافرمانوں و ظالموں کو سزا دیتا ہے، ایک خزانہ ہے جس سے وہ افراد مملکت کو امن و سکون اور مسرت و خوشحالی کے انعامات سے سرفراز کرتا ہے۔ ایک ذریعہ ہے جس سے وہ اپنے ارادوں اور عزائم کی تکمیل کرتا ہے۔ ایک واسطہ ہے جس سے وہ اپنی ان ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے جو اس نے اپنے ذمہ لے رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو ذمہ داریاں مملکت اسلامی کی طرف منتقل کی ہیں ان کا جائزہ لینے کے لیے سورہ حج میں مذکور یہ حکم دیکھیے۔

(ترجمہ) "یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں حکومت عطا کریں گے تو یہ اقامت الصلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں گے۔ معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے اور تمام امور اللہ کی رضا کے مطابق انجام دیں گے۔" (الحج:۴۱)(۱۹)

ان سطور میں بیان کردہ ذمہ داریوں کو پانچ حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

**۱۔ اقامت صلوٰۃ:** یہاں اقامت صلوٰۃ سے مراد اس نظام کا قیام ہے جہاں اللہ کے قوانین کی اطاعت اجتماعی طور پر ہوتی ہے۔ یعنی ان لوگوں کو جب اللہ تعالیٰ اقتدار عطا کرے گا تو یہ لوگ اس زمین میں اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں لائیں گے۔ اپنی اجتماعی زندگی کو اسلامی بنیادوں پر استوار کریں گے۔ پھر اس دین کو دُنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیں گے۔ اسلامی اجتماعی نظام (یا اسلامی مملکت) کی یہ اوّلین اور اہم ترین ذمہ داری ہے۔

**۲۔ ایتائے زکوٰۃ:** اسلامی مملکت افراد مملکت سے اموال لے کر نہ صرف حاجت مندوں اور ضروریاتِ زندگی سے محروم افراد کو بقدر ضرورت دیتی ہے، بلکہ اس مال کے ذریعے مجموعی طور پر ایسے اقدامات اُٹھاتی ہے جس سے تمام افراد کی علمی و فنی، جسمانی و ذہنی اور اخلاقی و رُوحانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ اجتماعی طور پر قوانین خداوندی سے خود بھی زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہوتے جاتے ہیں اور دیگر نوع انسانی کو بھی ایسی برکتوں سے سرفراز کرتے ہیں۔ گویا اقامتِ صلوٰۃ کے بعد مملکت کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ وہ افراد مملکت سے ان کی ضرورتوں سے (زائد) اموال لے کر انہی پر اس طریقے سے خرچ کرے کہ بلاامتیاز ہر شخص کی ضرورتیں پوری ہوں اور ان کی ہر قسم کی صلاحیتیں اُبھرتی چلی جائیں۔

**۳۔ امر بالمعروف:** اس طرح مملکت اسلامی کی تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ملک کے اندر منشائے الٰہیہ سے ہم آہنگ تمام رائج قوانین و قواعد اور رسوم و رواجات کی پابندی کا حکم دے۔

**۴۔ نہی عن المنکر:** ہر وہ حرکت یا عمل جسے معاشرہ میں ناپسند کیا جاتا ہے منکر کہلاتا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں وہ تمام اعمال منکر کہلاتے ہیں جو اللہ کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہوتے اور مسلمانوں کے معاشرہ میں پسند نہیں کیے جاتے۔ ان میں نقصان دہ، فحش اور غلط قسم کی باتیں اور اعمال شامل ہیں اور چھوٹی چھوٹی ناپسندیدہ حرکتوں سے لے کر گناہِ کبیرہ تک سبھی اس میں آجاتے ہیں۔

**۵۔ رضائے الٰہی کا حصول:** نوع انسان تبھی سرفرازی کی معراج کو پہنچ سکتی ہے جب وہ زندگی کو رضائے الٰہی کے

مطابق ڈھال لے اور قوانین خداوندی سے ہم آہنگ ہو جائے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب انسانی معاشرہ کا نظام اجتماعی سختی سے اس بات کا خیال رکھے کہ تمام افرادِ مملکت قوانین الٰہیہ کے مطابق چلیں اور ہر معاملے میں رضائے الٰہی کے حصول کو مقدم رکھا جائے۔ تمام امور اللہ کی رضا کے مطابق سرانجام دیے جائیں۔ مملکت کے ہر اقدام کا مقصد یہ ہو کہ قوانین خداوندی کی مکمل اور پوری شان سے اطاعت ہو۔ اسی سے رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

**بنیادی حقوق:**

جب مملکت اسلامی اپنی مندرجہ بالا پانچوں ذمہ داریاں پورا کرتی ہے تو معاشرہ ایک جنت کی سی زندگی مہیا کرتا ہے۔ مملکت کی یہ بنیادی ذمہ داریاں کچھ مزید اہم ذمہ داریوں کو جنم دیتی ہیں جنہیں جدید اصطلاح میں بنیادی حقوق کہتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ میں ہر فرد کو حاصل یہ حقوق مملکت سلب نہیں کر سکتی۔ انھیں صرف اسی صورت میں محدود کیا جاسکتا ہے جب ایک فرد کسی دوسرے فرد کے بنیادی حقوق میں مداخلت کرے۔ یہ حقوق افراد مملکت کی صلاحیتوں کو نشوونما دیتے اور اُبھارتے ہیں تاکہ وہ افراد اپنے اور مملکت کے لیے زیادہ سے زیادہ تعمیری کام کر سکیں۔(۱۸)

**حکومت تو بس اللہ ہی کی ہے:**

یہ بات غور کرنے کی نہیں بلکہ دونوں ظاہری آنکھوں سے نظر آنے والی اور باطنی و قلبی آنکھوں سے منکشف ہونے والی حقیقت ہے کہ ہر طرح کی بادشاہی و حکمرانی فقط اللہ ہی کی ہے۔ زمین و آسمان پر فقط اسی کا اقتدار ہے۔ اس کے اقتدار و اختیار میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ یہ حقیقت قرآن کے اوراق میں جگہ جگہ محفوظ و منکشف ہے۔ مثلاً کچھ تراجم:

☆ کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے۔(التین ۹۵)

☆ "جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔ ان سے اللہ کا وعدہ کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا۔(النور ۲۴)

☆ کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔(آل عمران ۳)

☆ مومنو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں ان کی بھی۔(النساء ۴)

☆ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے۔(المائدہ ۵)

☆ اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔(یوسف ۱۲)

اللہ کی بادشاہی کو قرآن حکیم کی ان سورہ / آیات میں بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

بقرہ ۳، الانعام ۶، الاعراف ۷، توبہ ۹، بنی اسرائیل ۱۷، الکہف ۱۸، طٰہٰ ۲۰، حج ۲۲، مومنون ۲۳، النور ۲۴،

فرقان ۲۵، نمل ۲۷، فاطر ۳۵، یٰسین ۳۶، الصّٰفّٰت ۳۷، الزمر ۳۹، المومن ۴۲، الزخرف ۴۳، الجاثیہ ۴۵، الفتح ۴۸، القمر ۵۴، الحدید ۵۷، الحشر ۵۹، الجمعہ ۶۲، التغابن ۶۴، الملک ۶۷، البروج ۸۵، الناس ۱۱۴۔

**فلاحی ریاست ہی اسلامی ریاست ہوتی ہے**

اسلامی ریاست تو سراسر فلاحی ریاست ہی ہوتی ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ قرآن و سنّت کی روشنی میں اس کی تعریف و تشکیل، شکل وشباہت، حکمت عالی و عملی کا جو اظہار سامنے آتا ہے وہ اللہ ربُّ العزت کی انسان سے بے حد وحساب محبت ہے۔ شریعت کا ہر ہر فرمان، ہر ہر قانون انسان کی تکریم وصلاح پر دال اور حرف آخر ہے۔ میں اس ضمن میں دو اربابِ فکر ودانش علامہ محمد اسد اور جناب محمد انیس الرحمان ایڈوکیٹ مصنف "قانون اور سیرت طیبہ" سے استفادہ پیش کر رہا ہوں۔

علامہ محمد اسد:

دُنیائے اسلام کے نامور نومسلم اسکالر، علامہ محمد اسد کے اسلامی ریاست کے موضوع پر افکار کا جناب محمد ارشد نے نہایت گہرائی اور گیرائی کے ساتھ اپنی کتاب "اسلامی ریاست کی تشکیل جدید" میں جائزہ لیا ہے۔ اس کتاب میں وہ علامہ اسد کے مطابق فلاحی ریاست کو ہی اسلامی ریاست کہتے ہیں اور وہ اس کی صراحت اس طرح کرتے ہیں:

> "اسلامی ریاست لازمی طور پر ایک فلاحی ریاست ہے جس میں افراد کے مفادات بحیثیت مجموعی معاشرے کے مفادات کے تحت جگہ پاتے ہیں۔ اس ریاست کا فرض اور ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا معاشی و معاشرتی نظام قائم کرے کہ ریاست میں ہر شہری کو پورا معاشی تحفظ ہو۔ فرمان نبوی ﷺ "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ" کے مطابق ریاست کو لازمی اور مفت تعلیم کا بندوبست کرنا چاہیے۔ اسی طرح فرمانِ نبوی "لیس المومن بالذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ" کی رو سے اسلامی ریاست ہر شہری کو وسائل حیات مہیا کرنے کی براہِ راست ذمہ دار ہے۔ جو ریاست اپنے حدود میں سماجی و معاشی عدل کے قیام میں ناکام رہتی ہے اور ساتھ ہی فلاحی ریاست کی صورت اختیار نہیں کرتی وہ ہرگز طور پر حقیقی اسلامی ریاست کہلوانے کی مستحق نہیں۔ بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی اسلامی ریاست کے ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ اس ریاست میں اغنیاء اور صاحبِ ثروت افراد کی موجودگی میں کسی فرد کو ننگا اور بھوکا پیاسا نہیں رہنا چاہیے۔ اگر ریاست کفالت عامہ، معاشی تحفظ کی فراہمی اور سماجی و معاشی عدل کے قیام سے متعلق اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتی، جبکہ شہری اپنے معاشی حقوق سے محروم اور فقر وفاقہ سے دوچار رہتے ہیں تو اسے بعض حدود وتعزیرات خصوصاً حد سرقہ کے نفاذ واجراء کا حق نہیں پہنچتا۔ علامہ

اسد کی رائے میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا آغاز بندگانِ خدا کو ان کے حقوق کی ادائیگی سے ہونا چاہیے نہ کہ حدودِ تعزیرات کے اجراء سے۔ البتہ جب کوئی ریاست اپنی ان معاشی ذمہ داریوں کو بطریق احسن پورا کرتی ہے اور ہر فرد کو روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور دیگر بنیادی لوازماتِ زندگی کی فراہمی کی ضمانت دیتی ہے تب اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسے افراد کو جو سرقہ وڈاکہ زنی کے مرتکب ہوتے ہوں اور ریاست کے قوانین کو توڑتے ہوں قطع ید جیسی سخت سزا دے۔ چنانچہ ان کی رائے میں جب تک حقیقی فلاحی ریاست قائم نہیں ہو جاتی اس وقت تک اس نوع کی حدود کا اجراء و نفاذ ہرگز عمل میں نہیں آنا چاہیے۔ وہ اس سلسلہ میں خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ جنھوں نے ۱۸ھ میں عرب میں شدید قحط کے زمانے میں سرقہ کی حد کو معطّل کر دیا تھا۔"(۲۰)

بزرگ دانشور، سیرت نگار اور ماہرِ قانون جناب انیس الرحمان ایڈوکیٹ نے اپنی تصنیف "قانون اور سیرتِ طیبہ" میں فلاحی مملکت کے خدوخال، وظائف و فرائض اور نتائج و ثمرات پر مبسوط روشنی ڈالی ہے۔ آپ رقم طراز ہیں کہ:

" صحیح معنوں میں اسی مملکت کو فلاحی مملکت کہا جاسکتا ہے جس میں افراد جماعت کو تعمیر و تنظیم مدنیت کے سلسلے میں مساوی حقوق حاصل ہوں، جماعت ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار نظر آئے، احساس برتری اور احساس کمتری کے اسباب زندگی کے تمام شعبوں سے ناپید ہوں ملک کی دولت سے جماعت کا ہر فرد یکساں طور پر متمتع ہوتا ہو ان میں فارغ البالی اور صحت مندی کا دور دورہ ہو زندگی کے مختلف تقاضے جن سے مدنیت عبارت پذیر ہے مثلاً غذا، لباس، گھر، تعلیم، صحت اور امن داخلی و خارجی سب کو میسّر ہو۔ مادی اور رُوحانی ترقیوں کے وسائل موجود ہوں اور ان سے متمتع ہونے کے مواقع حاصل ہوں۔ ہر خاص و عام کو ان تک رسائی آسانی سے مہیا کر دیا جائے۔ ایسی فلاحی مملکت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس مملکت میں قانونِ الہامی کی بالادستی تسلیم نہ کرلی جائے جس کے ذریعہ مرتب اور منظم معاشرہ وجود میں آسکے جس میں احساسِ برتری اور کمتری کے رُجحانات فنا ہو چکے ہوں۔ تمام انسانوں کو آدمؑ کی اولاد تسلیم کیا جائے جن کا تعلق ناچیز خاک سے تھا۔ مساوات کی اصل بنیاد تو یہی ہے اور معاشرہ ان ہی انسانوں کی ذمہ دار جماعت کا نام ہے جس میں ہر فرد دوسرے کی فلاح و بہبود کی فکر رکھتا ہو۔"(۲۱)

مثالی فلاحی ریاست کے لیے قانون کی بالادستی ناگزیر ہے۔ قانون کی بالادستی کیونکہ قائم رہ سکتی ہے اس سلسلے میں جناب انیس الرحمان لکھتے ہیں کہ "ذہنِ انسانی کو جب تک یہ باور نہ کرادیا جائے کہ قانون کا سرچشمہ اور قانون کو

متحرک کرنے والی ہستی ہمہ گیر ہے، حاضر وناظر ہے، اپنے قانون کو جاری کرنے پر پوری طرح قادر ہے، اپنے قانون کی نگہبان ہے، دانا اور بینا ہے، قاہر وجابر بھی ہے اور رحیم اور کریم بھی، اس کے قانون کی گرفت سے بچ نکلنا غیر ممکن ہے۔ وہ افراد اور جماعت کی ایک ایک حرکت سے باخبر ہے اس کے مشاہدے سے تاریک ترین جگہوں کو بھی چھپایا نہیں جاسکتا۔ انسان کا ہر فعل حتیٰ کہ اس کی نیت تک اس کے سامنے ہے اگر اس کے قانون سے منہ پھیر لیا گیا یا اس کے قانون کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کی گرفت سے مفر ممکن نہیں ہے۔ اگر اس دُنیا میں بظاہر کوئی بڑی گرفت نہ بھی ہوئی تو آنے والی دُنیا میں اس کی گرفت سے بچ جانا ناممکن ہے، تو ایسے قانون کے نزدیک نہ صرف قانون کی نگاہوں سے اور جماعت کی گرم نگاہی سے خوف کھانا پڑے گا بلکہ اپنے ضمیر کی آواز سے بھی چوکنا رہنا پڑے گا۔ قانون کی بالادستی تو صرف اسی ایک طرزِ فکر سے قائم ہو سکتی ہے دوسری اور کوئی صورت نہیں۔ قانون کو "غیب" کی قوت سے وابستہ کیا جائے اس لیے کہ غیب ہی ہمہ گیر ہے اور بیداریٔ ضمیر کا سرچشمہ۔ ایمان بالغیب ہی قانون کی بالادستی کے قیام کا ضامن ہے۔ قانون کا نفسیاتی تجزیہ قرآن کی صداقتوں کو بے نقاب کر رہا ہے اس لیے کہ قرآن حکیم نے ہدایت کی سب سے پہلی شرط ایمان بالغیب ہی کو قرار دیا ہے۔"

جناب انیس الرحمٰن ایڈوکیٹ مزید صراحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "قدرت نے جو قوانین جاری کیے ہیں خود ان کی سختی سے پابند ہے یہاں کوئی چیز قانون کے دائرے سے باہر نہیں۔ یہ اشارہ ہے کہ انسان بھی جو اپنے جیسے انسانوں کے لیے قوانین بنائے اوّل تو وہ قانونِ قدرت کے ماتحت ہونے چاہئیں اور جب قوانین بنیں تو ان کے بنانے والے خود بھی ان کے سختی سے پابند ہوں ورنہ نظامِ انسانی بگڑ جائے گا۔ دِلوں میں قانون کا احترام کرنے کے لیے نہ صرف یہ ضروری ہے کہ اس دُنیا میں جسے اقتدارِ اعلیٰ کا منصب حاصل ہو اس پر قانون اسی طرح نافذ ہو جس طرح دوسروں پر نافذ ہوتا ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ قانون شکنی کرنے والے کی گرفت کی جائے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا اسے مثالی سزا کا مستوجب قرار دیا جائے۔ جب تک قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کی تادیب کا اہتمام نہیں ہو گا اس وقت تک نہ قانون کا وجود مستحکم ہو گا نہ انسان کی قوتِ ارادی راہِ راست اختیار کر سکے گی۔ قانون شکنی کی سزا مثالی ہونی چاہیے۔ مثالی سزاؤں کے ذریعے ہی قانون موثر ثابت ہو سکتا ہے۔ مثالی سزائیں ہی طبیعت کی کجروی کو سیدھا کر سکتی ہیں اور دوسروں کے لیے عبرت بن سکتی ہیں۔ آدمی خود چوٹ کھا کر بھی سنبھلتا ہے اور دوسروں کی چوٹ سے بھی سبق حاصل کرتا ہے۔ قانون کی بالادستی کا قیام ایسی مملکت میں ناممکن ہے جہاں مساوی حقوق اور مناسب تقسیم دولت موجود نہ ہو جب تک دولت مخصوص طبقوں میں فراوانی کے ساتھ گردش کرتی رہے گی اس وقت تک اس طبقے کے اثرات سارے معاشرے کو اپنی گرفت میں جکڑے رہیں گے۔ دولت مند طبقہ اپنی دولت کے نشے میں لاقانونیت کا مرکز جلد بن جاتا ہے اور اپنی دولت کے بل پر قانون کی گرفت سے آزاد ہو جاتا ہے۔ قانون بھی اس طبقے کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ ایسے معاشرہ میں دولت مند طبقہ کا وجود اقنون کی بالادستی کے حق میں ایک چیلنج بن جاتا ہے اور مملکت کے

گوشے گوشے میں لا قانونیت کے جراثیم پھیلنے لگتے ہیں۔ حکومت کی ساری مشنری سرمایہ دار متمول طبقے کے رُجحانات کے زیر اثر ہو جاتی ہے۔ مملکت کو فلاحی بنانے کے لیے آج دو قسم کے معاشی نظریوں پر دُنیا کو بہت بڑی آبادی کاربند ہے۔ پہلا نظریہ سرمایہ داری ہے جو یہودیوں کا پیدا کردہ ہے۔ دوسرا اشتراکی نظریہ ہے جو پہلے نظریہ کا ردّ عمل ہے۔ یہ بھی ایک یہودی کی فکر کی پیداوار ہے۔ تیسرا نظریہ قرآنی ہے جس کی طرف دُنیا متوجہ نہیں ہے۔"

**عوام الناس اور ان کی اہمیت**

دُنیا کی ہر کتاب کسی نہ کسی موضوع کا احاطہ کرتی ہے۔ اللہ ربّ ذوالجلال کی کتاب قرآن مجید فرقانِ حمید کا موضوع "انسان" ہے اور اس کا متن، اس کی زندگی کے تمام تر معاملات کی جزئیات و کیفیات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب انسانی زندگی سے متعلق اللہ ربُّ العزت کو مطلوب و مقصود سیرت و کردار کے ضمن میں رہنمائی کا جامع و اکمل اور آخری ہدایت نامہ ہے۔ اور اس ہدایت نامہ کی شرح و بسط کے لیے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کا اسوۂ حسنہ بھی ساتھ ساتھ موجود ہے۔

قرآن و سنّت کی اس روشنی میں "انسان" دوسرے عام لفظوں میں "عوام الناس" اور ان کی قدر و منزلت کا ادراک چاہیں تو بات بہت دُور تک جاتی نظر آتی ہے جس کا اس مختصر مقالہ میں احاطہ ممکن نہیں ہے۔ لیکن چند باتیں تو ضرور عرض کی جاسکتی ہیں کہ:

☆ کائنات کی تمام تر تخلیقات و مخلوقات میں انسان / عوام الناس کو درجۂ اشرف پر فائز فرمایا گیا ہے۔

☆ انسان کو زمین پر اللہ کی جانب سے خلافت و نیابت کا اعزاز حاصل ہے۔ وہ حکومت و ریاست کا سربراہ ہے۔ تو گویا زمین پر امانت و اقتدار کا امین ہے۔

☆ اللہ ربُّ العزت نے حضرتِ انسان کو فرشتوں سے سجدۂ تعظیمی کرا کر اس کی اہمیت اور قدر و منزلت پر مہر ثبت فرمائی ہے۔

☆ قرآن مجید میں کہا گیا کہ:

"دُنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔" (آل عمران:۱۸۵)

"دُنیا کی زندگی کھیل تماشہ ہے۔ اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے۔" (الانعام:۳۲)

ایک حدیث میں یہ مضمون وارد ہے کہ "دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔"

یہ دُنیا جس کو کھیل تماشہ کہا جارہا ہے، عوام الناس ہی اس کھیل تماشے کا مرکزی کردار ہیں۔ ان ہی کی رشد و ہدایت اور کردار سازی کے لیے پہلے نبی اوّل حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ تک کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور رسول دُنیا میں تشریف لائے۔ اور اب جب کہ نبوّت و رسالت کا سلسلہ موقوف ہو چکا ہے اور اس کی جگہ قرآن و سنّت پر عمل داری کے ساتھ اسلامی ریاستیں، حکومتیں، سلطنتیں اپنا کردار

اَدا کر رہی تو حکومتِ الٰہیہ کی فکر کے ساتھ مسندِ حکومت پر فائز اربابِ اختیار واقتدار کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ رعایا کی عزتِ نفس کے محافظ ہوں اور انھیں ریاست کا ایک اچھا اور مثالی شہری ہونے اور بننے کا موقع فراہم کریں اور اس سلسلے میں تمام تر ضروری و ناگزیر اقدامات و انتظامات کو بروئے کار لائیں۔

**اسلامی ریاست اور نظم وضبط کا اطلاق**

ریاست اسلامی ہو یا غیر اسلامی، اس کے معاملات و کاروبارِ نظم و ضبط کی پابندی و پاسداری کے بغیر کیسے چلائے جاسکتے ہیں۔ تاہم اسلامی ریاست کو یہ خصوصیت و فوقیت حاصل ہے کہ قرآن وسنّت کی شکل میں اس کے پاس نظم و نسق، آئین اور دستور کا اکمل و ارفع مجموعۂ ہدایات رہنمائی کے لیے پہلے سے موجود ہے۔ اور وہ اسی کے بموجب کاروبارِ حکومت چلاتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور ان کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز کا دورِ حکومت اس کی سنہری مثالیں ہیں۔ اب خلافت کے یہ نمونے تو کجا اس کی جھلکیاں بھی خال خال ہیں۔ دُنیا میں اس وقت اسلامی ممالک کی تعداد ۵۶ یا ۵۸ بتائی جاتی ہے لیکن ان کا طرزِ حکومت، کردارِ حکومت مکمل اسلامی نہیں ہے جیسے پاکستان نام کے اعتبار سے تو اسلامی جمہوریہ پاکستان اور مملکتِ خداداپاکستان کہلاتا ہے۔ اس کے آئین میں قرآن وسنّت کو فوقیت دی گئی ہے، لیکن اس کا تمام تر کاروبارِ حکومت انگریزی قوانین سے منسلک ہے۔ عدالتی نظام شرعی نہیں، انگریزی روایات کا پروردہ ہے۔ اسلامی ممالک کی فہرست میں سعودی عرب کو قدرے نمایاں حیثیت حاصل ہے تاہم وہاں بھی بادشاہت طرزِ حکومت رائج ہے۔

**خلیفہ اور بادشاہ:**

جناب سیّد عزیز الرحمٰن اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے استفسار فرمایا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ جواب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آپ مسلمانوں کی سرزمین سے کچھ حاصل کریں اور اسے غیر مستحق مقام پر دے دیں تو آپ بادشاہ ہیں خلیفہ نہیں۔ یہ سُن کر خلیفۂ وقت کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ خلیفہ حق پر لیتا ہے اور حق پر دیتا ہے، جب کہ بادشاہ اپنے نفس پر چلتا ہے۔

خلافت اور بادشاہت میں دِینی اعتبار سے نمایاں تفریق ہے۔ جو صاحبِ اقتدار عوام الناس پر، اللہ کی زمین پر، اللہ کا حکم نافذ کرتا ہے وہ خلیفہ کہلانے کا مستحق ہے اور جو مملکت کے فیصلوں کی بنیاد خواہشاتِ نفس پر رکھے، اپنی من مانی کرے، خود ساختہ احکامات اور قوانین سے عوام الناس کو زیر بار کرے وہ خلیفہ کے علاوہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔(۲۲)

حکومت چونکہ اللہ کی عطا کردہ امانت ہوتی ہے اس لیے وہاں نظم و نسق کی عمل داری کے لیے صرف اور صرف اللہ کی ہدایات پر ہی عمل پیرا ہوا جائے گا۔ سورۂ حج کی آیت ۴۰- ۴۱ میں اسلامی نظامِ حکومت کی چار بنیادی

خصوصیات نماز کا نظام قائم کرنا، زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا، امر بالمعروف کا احیاء، نہی عن المنکر کی تادیب کا ذکر ابھی گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود ان ہی چار نکات میں مضمر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان امور پر سچّائی کے ساتھ کاربند ہوا جائے تو دُنیاوی ہر قسم کے معاملات و مسائل خود بخود حل ہو جائیں۔

## نظم وضبط کی پابندی کے طریقے، اقدامات، تجاویز

عنوان مقالہ کے اجزاء پر گفتگو سمیٹنے کے بعد اب یہ نازک مرحلہ آیا ہے کہ اسلامی معاشرے میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقوں پر فکر وا کی جائے اور روشنی ڈالی جائے تو کہنا یہ ہے کہ عمومی طور پر تو بین السطور مقالہ میں یہ روشنی موجود ہے تاہم مقالہ کے خصوصی حصّے اور مرکزی مقصد کے تناظر میں اس کے اجمالی نکات اور کچھ تجاویز کا اعادہ کرتا ہوں یہ فقط سرخیاں ہیں متن نہیں لیکن سطح آب سے سمندر کی گہرائی کا ادراک تو ہوتا ہے۔

- ☆ حکمران شخصیت کا صاحبِ سیرت و تقویٰ ہونا۔
- ☆ دینِ حق کا بالفصل قیام و نفاذ۔
- ☆ عوام کی ہر جائز ضرورت و تکلیف کا احساس اور مداوا ریاست کا فرض۔
- ☆ جرائم کے بموجب فوری تادیبی کاروائی۔ جرائم میں ملوث عناصر کی سرکوبی۔
- ☆ صرف عوام الناس پر ہی گرفت نہیں اداروں کا بھی احتساب اور بلا امتیاز بے لاگ احتساب۔
- ☆ ہر نوع، ہر سطح کے اقتدار کے حاکم خادم ہوں۔
- ☆ قانون کی حکمرانی بذریعہ طاقت و قوت اور اخلاق و محبت۔
- ☆ عدل و انصاف کا بول بالا۔
- ☆ جرائم کے انسداد کے لیے قوانین کا موثر اطلاق۔
- ☆ انسانی ضمیر کی بیداری۔
- ☆ عقیدۂ توحید و آخرت کا ابلاغ۔
- ☆ اخلاقی قدروں کی آبیاری۔
- ☆ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکمِ خداوندی کی تعمیل و تعلیم۔
- ☆ حدود و تعزیرات کا نفاذ و اطلاق۔
- ☆ حضور اکرم ﷺ کے فرمان عالی شان کی روشنی میں بلدیاتی نظام پر گہری نظر رکھی جائے کہ علاقائی، شہری حدود متجاوز نہ ہوں۔ اضافہ آبادی کی صورت میں نئے شہروں کی بنیاد ڈالی جائے۔ شہر چھوٹے ہوں گے تو ہر طرح کی حکمت عملی زیادہ موثر ہو گی۔

☆ حکمرانوں میں حاکمیتِ ربُّ العالمین کی فکر کے ساتھ جواب دہی کا راسخ احساس جاگزیں ہو۔

عالمِ اسلام کے نامور مفکر، مورخ، مصنف اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی تصنیف "عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی" میں اسلامی ریاست میں نظم وضبط کی پابندی کے لیے یہ رہنما اصول پیش کرتے ہیں۔

**"عدل گستری:** یہ حکمران کا اوّلین فریضہ ہے کہ اسے نہ طرف دار ہونا چاہیے اور انصاف کے ساتھ حسب موقع و ضرورت رحم بھی کرنا چاہیے۔(حوالہ قرآن مجید:۴۰/۱۶،۸/۵،۵۸،۱۳۵/۴،۹۰/۱۶)

غیر مسلم ذی رعایا کو عدالتی خود مختاری دینے کا قرآن مجید میں حکم ہے، جہاں ان کے ساتھ ان کے شخصی قوانین کے مطابق فیصلے انجام پائیں گے۔ اگر غیر مسلم رعایا اسلامی عدالت میں اپنی مرضی سے مقدمہ یا مرافعہ پیش کرے تو اس کے ساتھ بھی انصاف کیا جانا چاہیے۔(قرآن مجید:۵۹۔۴۶/۵)

**شورائیت:** قرآن مجید میں حکم ہے کہ حکمران اپنے فیصلے مشورہ لے کر کیا کرے، چنانچہ:(الف)"اور ان سے معاملات میں مشورہ کر، پھر جب تو عزم کرلے تو خدا پر توکل کر بیشک خدا توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"(قرآن مجید۔۱۵۹/۳)

(ب)"جو کچھ تمھیں دیا گیا وہ دنیوی زندگی کا ایک حق تمتع ہے اور بس ورنہ خدا کے پاس جو چیز ہے وہ بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔ یہ ان لوگوں کو ملے گی جو اپنے رب پر ایمان لاتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اور جن کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں، اور اس چیز کو خرچ(خیرات) کرتے ہیں جو ہم نے ان کو عطا کی ہے۔"(قرآن مجید ۳۶۔۳۸/۴۶)

**قانون سازی:** قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کے ہر قول و فعل کو اسوۂ حسنہ اور قانون کی حیثیت دی ہے۔(قرآن مجید۷/۵۹،۴۔۳/۵۳) وغیرہ اور ہر باصلاحیت انسان کو تفکر، تدبر، تعقل، تفقہ، تذکر اور استنباط پر مائل کیا ہے۔

**جہاں بانی کے قواعد:** (الف)"تم وہ بہترین قوم ہو جو انسانوں کے لیے پیدا کی گئی کہ تم اچھی بات کا حکم دیتے ہو اور بُری بات سے روکتے ہو۔"

(ب)"ان لوگوں کو جن سے لڑا جارہا تھا(برابر کا جواب دینے کی) اجازت دے دی گئی کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ خدا کی عبادت کو قائم کردیں اور زکوٰۃ دیں، اچھی بات کا حکم دیں اور بُری بات سے روک دیں۔ "(قرآن مجید۴۱۔۳۹/۲۲)

(ج)"ان سے اس وقت تک لڑتے رہو تا آنکہ فتنہ باقی نہ رہے اور خدا ہی کا دِین چھا جائے۔"(قرآن مجید۳۹/۸)

(د)"(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ تمام لوگوں کے لیے بشیر ونذیر بنو، گو اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔"(قرآن مجید۲۸/۴۳)

(ھ)"ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے (اے محمد ﷺ) مگر ساری دُنیاؤں کے لیے رحمت کے طور پر۔"(قرآن مجید ۲۱/۱۰۷)

**قومی دولت:** "تاکہ وہ تم میں سے صرف مالداروں میں گردش نہ کرتی رہے۔"(قرآن مجید ۵۹/۷) دولت عامہ کے متعلق یہ اسلامی اصول کا خلاصہ ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے۔ اسلامی معاشیات کے پیش نظر یہ چیز رہی ہے کہ دولت کی ملک کے ہر طبقے میں تقسیم عمل میں آئے اور وہ یکجا اکٹھی نہ ہو بلکہ گردش کرتی رہے۔ معیار سے زائد دولت پر لازمی محصول (یعنی زکوٰۃ) وصیت کرنے کے اختیارات کی تحدید اور کسی شخص کی جائداد سے اس کی وفات پر اس کے قریبی رشتہ داروں کو لازمی طور سے حصہ ملنا، نیز غرباء اور محتاجوں کے لیے حکومت کی آمدنی میں لازمی طور سے حصّہ مقرر کیا جانا، یہ اور اس کے مماثل قاعدے قرآن مجید نے مقرر کیے ہیں جن سے تقسیم و گردش دولت کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی انفرادی ملکیت پر کوئی قید عائد نہ ہونے سے ہر شخص کو اپنے قوائے فطری سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کی ترغیب ہوتی رہتی ہے۔ اور سود کی ممانعت اور قرضہ ہائے حسنہ کا انتظام جو قرآن مجید نے کیا ہے وہ اسلامی قواعد معاشیات کو ایک مکمل نظام کی حیثیت دیتے ہیں جو نہ تو سرمایاداری ہے اور نہ اشتراکیت، بلکہ اس میں ان دونوں کی خوبیاں ہیں اور ساتھ ہی دونوں کی برائیوں سے اس نظام کو محفوظ رکھنے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔

**اخلاقِ عامہ:** اگرچہ مذہب اور سیاست دونوں کے دائرہ ہائے عمل بالکل جدا جدا ہیں لیکن دونوں کے قواعد کا ماخذ واساس ایک ہی چیز کو قرار دیا گیا۔ چنانچہ مسلمانوں کا مذہب اور سیاست دونوں کی رہنمائی قرآن و حدیث، اصول انصاف واستحسان اور ہم آہنگی ضمیر سے ہوتی ہے۔

**سیاسی اصطلاحات:** اسلامی ادارہ ہائے سیاست نے اپنی بہت سی اصطلاحیں قرآن مجید ہی سے لی ہیں، چنانچہ امت اور ملّت سے سیاسی جماعت مراد ہوتی ہے۔ خلیفہ اور امام اس جماعت کے سردار کا نام ہوتا ہے۔(قرآن مجید ۴۲/۸)

**جانشینی:** جس طرح ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کے آنے تک اوّل الذکر ہی کی شریعت اقی رہتی ہے۔ اسی پر قیاس کر کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک حکمران کی وفات کے باوجود اس کے جانشین کے انتخاب تک اوّل الذکر ہی کا اقتدار جاری رہتا ہے اور اسی کے مقرر کردہ افسر اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہنے کے پابند ہیں چنانچہ امام ابو حنیفہ فرماتے تھے اگر خلیفہ کا انتقال ہو جائے تو قاضی اپنی قضات پر اور والی اپنی حکومت پر باقی رہتا ہے جب تک خلیفہ کا جانشین اسے بدل نہ دے۔(مناقب ابی حنیفہ علموفق ج۸۸۔۸۷)(۲۳)

## نظم وضبط کے بائیس (۲۲) نکات

ممتاز عالم دین محمد تقی عثمانی نے اپنی کتاب "نفاذِ شریعت اور اس کے مسائل" میں اسلامی ریاست کی تشکیل اور اس کے نظم وضبط کے حوالے سے مندرجہ ذیل بائیس نکات پیش کیے ہیں۔ جو کہ پاکستان کے ۳۱ مقتدر و ممتاز علمائے کرام پر مشتمل ایک کمیٹی کے تخلیق کردہ ہیں۔

۱۔ اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ ربُّ العالمین ہے۔

۲۔ ملک کا قانون کتاب و سنّت پر مبنی ہو گا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جاسکے گا جو کتاب و سنّت کے خلاف ہو۔

(تشریحی نوٹ) اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو قرآن و سنّت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے، کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیے جائیں گے۔

۳۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصویر پر نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہو گی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ قرآن و سنّت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلامی کے احیاء و اعلاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

۵۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ وہ مسلمانانِ عالم کے لے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے اُبھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملّت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۶۔ مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہو گی جو اکتسابِ رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷۔ باشندگانِ ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو آزادیٔ مذہب و مسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہار رائے، آزادیٔ نقل و حرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی اداروں سے استفادہ کا حق۔

۸۔ مذکورہ بالا حقوق سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ انھیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہو گا۔

وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے

فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہو گا کہ انھیں کے قاضی یہ فیصلے کریں گے۔

۱۰۔ غیر مسلم باشندگانِ مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہو گی اور انھیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے فقہی مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہو گا۔

۱۱۔ غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شریعت کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہیں ان کی پابندی لازمی ہو گی۔

۱۲۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کا اعتماد ہو۔

۱۳۔ رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہو گا۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

۱۴۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہو گی یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض سرانجام دے گا۔

۱۵۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہو گا کہ وہ دستور کو کلی یا جزوی معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶۔ جو جماعت مملکت کے انتخاب کی مجاز ہو گی۔ وہ کثرت رائے سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہو گی۔

۱۷۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامتہ المسلمین کے برابر ہو گا۔ اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہو گا۔

۱۸۔ ارکان و عمال حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایسا ہی قانون و ضابطہ ہو گا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹۔ محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہو گا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

۲۰۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہو گی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱۔ ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت و احدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہو گی جنہیں انتظامی اختیارات کے پیش نظر مرکزی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہو گا مگر انھیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہو گا۔

۲۲۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہو گی جو کتاب و سنّت کے خلاف ہو۔(۲۴)

**عنوان مقالہ کے تناظر میں "اسلامی جمہوریہ پاکستان" پر ایک نظر**

روئے زمین پر موجود ۵۶ اسلامی ممالک کی فہرست میں پاکستان اپنے تاریخی و تخلیقی پس منظر کے ساتھ ایک

منفرد و جداگانہ شان و شوکت اور قدر و منزلت کا حامل ملک ہے۔ تاریخی و تہذیبی اور آئینی و قانونی طور پر تو اسلامی ملک ہے۔ عملاً نہ سہی۔

**پاکستان کی جداگانہ انفرادی شان:**

دم تحریر پاکستان کی تاریخ پر لب کشائی مقصود نہیں ہے۔ فقط تاریخ کی وہ باتیں ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اپنی شان میں یکتا ہیں جن سے پاکستان کی "ریاست" کا دینی تشخص نمایاں ہوتا ہے۔ یہ باتیں جو میں عرض کرنے جارہا ہوں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں لیکن خاص و عام ان حقائق کے ادراک و شعور سے عملاً دُور ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ ملک امن و سلامتی، استحکام اور اندرونی بے شمار مسائل سے دوچار ہے۔ بہر حال، وطن عزیز کی جداگانہ رفعتیں حسب ذیل ہیں:

☆ مارچ ۱۹۴۸ء میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے جو حسب ذیل قراردادِ مقاصد منظور کی تھی اسے دستور ۱۹۷۳ء کا دیباچہ قرار دیا گیا ہے۔

"چونکہ اللہ تبارک تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اقتدار واختیار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استحصال کرنے کا حق ہو گا وہ ایک مقدّس امانت ہے۔"

اس قرارداد میں نفاذ دستور کے جو اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں وہ بلاشبہ ایک پاکستان جیسی اسلامی مملکت کے شایانِ شان ہیں۔

☆ دستور ۷۳ء کی دفعہ نمبر (۱) میں ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" قرار دیا گیا ہے جبکہ دفعہ نمبر (۲) میں کہا گیا ہے کہ اسلام ملک کا سرکاری مذہب ہو گا۔

☆ پاکستان، اپنی لفظی ذات میں سات الفاظ پر مشتمل ہے اسی لیے یہ سات پاکیزہ الفاظ والا ملک اُسی خالق کے حکم و حکمت پر وجود میں آیا جس نے سات آسمان بنائے اور ان سب کے اوپر عرش العظیم بنا کر اپنی راجدھانی یا دارالسلطنت بنایا اور پھر دینِ اسلام رائج کیا۔

(حوالہ: پاکستان اپنے تاریخ ساز فیصلے کے موڑ پر / کے۔ ایم۔ خالد، ص ۷)

☆ یہ ملک مشیت ایزدی اور خوشنودی رسول ﷺ کا مرہونِ منت ہے۔

☆ ۲۶ اور ۲۷ رمضان المبارک کی درمیانی شب معرض وجود میں آیا۔ غارِ حرا میں پہلی پانچ آیات کا نزول بھی ان ہی ساعتوں سے موسوم ہے۔ یہ اشارہ غیبی تھا کہ ملک پر حکمرانی قرآن کی ہونی چاہیے۔

☆ ۱۹۴۶ء میں ایک ہوائی سفر کے دوران مولانا حسرت موہانی نے مولانا جمال میاں فرنگی محلی سے یہ انکشاف فرمایا تھا کہ انھیں حضور اکرم ﷺ نے خواب میں اپنی زیارت مبارکہ کے ساتھ قیامِ پاکستان کی بشارت عطا فرمائی۔

☆ ۱۹۷۷ء میں ممبر قومی اسمبلی مشرقی پاکستان مولوی فرید احمد نے ایک جلسہ عام میں اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا تھا کہ ولی کامل بابا جلال الدین سلہٹیؒ نے ۱۹۴۶ء میں اپنے مریدوں کو ہدایت کی تھی کہ وہ قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں قائداعظم کا ساتھ دیں۔ باباجی نے قائداعظم کا ساتھ دینے والوں کو جنت کی خوشخبری بھی سنائی تھی۔

☆ پاکستان کی سچی اور حقیقی تاریخ سے ناواقف عناصر قائداعظم کو بُرا بھلا کہتے ہیں انھیں انگریزوں کا ایجنٹ کہتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم خود راست مسلم رہنما تھے۔ جب ہی تو انھوں نے قیامِ پاکستان کے بعد پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ "ہمیں دستور کی کیا فکر ہے۔ قرآن کی شکل میں دستور تو ہمارے پاس پہلے سے موجود ہے۔"

☆ مکار انگریز سے نبرد آزما ہونے کے لیے قائداعظم جیسے مدبّر شخص کی ضرورت تھی۔ وہ خود ظاہر میں انگریزوں کی طرح تھے لیکن باطن میں رُوحانی بزرگوں نے انھیں دربارِ رسالت ﷺ میں نشست فرما دیکھا ہے۔

☆ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے سینکڑوں واقعات بعد میں اخبارات و جرائد میں تحریر ہو کر منظر عام پر آئے ہیں کہ پاک فوج کی جرأت ایمانی کی داستانوں میں غیبی امداد کی خوشبوئیں بھی شامل تھیں۔

کج فہم نہیں مانتے۔ نامانیں، کہ ابوجہل شخص نہیں صفت کا نام ہے۔

"عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے"

☆ شہید پاکستان حکیم محمد سعیدؒ فرمایا کرتے تھے۔ پاکستان نعمتِ خداوندی ہے۔ پاکستان سے محبت کرو۔ پاکستان کی تعمیر کرو۔

☆ اربابِ فکر و دانش نے پاکستان کو مثالی اسلامی ریاست مدینہ کے بعد دوسری اسلامی مثالی ریاست سے تعبیر کیا ہے۔(۲۵)

## قیامِ پاکستان کی غایت:

ممتاز سیرت نگار علامہ عبدالعزیز عرفی نے اپنی نادر کتاب "قیامِ پاکستان کی غایت" مطبوعہ جولائی ۱۹۹۷ء میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ پاکستان کو منشائے الٰہی قرار دیا۔ یہ پوری کتاب تاریخ پاکستان کا معتبر حوالہ ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> "قیامِ پاکستان کی غایت اس کے مملکت اسلامیہ ہونے کے ساتھ منسلک و منضبط ہے۔ خطبۂ الٰہ آباد میں اقبال نے اس تصور کو پیش کیا تھا۔ ہم نے اسلام کے نام پر ہی پاکستان بنایا تھا اور اسلام ہی کے حوالے سے ملّتِ اسلامیہ میں بیداری آئی تھی اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم ذاتی مفادات کے مقابل

کیا قدم اُٹھاتے ہیں۔ قرآن اور صاحبِ قرآن کی تعلیمات کو عملی شکل دینا چاہتے ہیں یا اسی طرح گریزاں رہتے ہیں۔ "(۲۶)

**حُبِّ مصطفوی ناگزیر:**

علامہ عرفی حقیقت بیان فرماتے ہیں کہ اگر ہم قیامِ پاکستان کو منشائے الٰہی کا مظہر جانتے اور مانتے ہیں تو اس کا متحمل بنانے کے لیے ہم کو راہِ حُبِّ مصطفی ﷺ اختیار کرنا ہوگی۔ حُبِ مصطفوی ہی وہ واحد رہ حیات ہے جس پر عمل پیرا ہو کر پاکستان حقیقی طور پر مملکت اسلامی میں جمہوریہ بن سکتا ہے۔ اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ بھی اس کے زیر سایہ ممکن ہے۔ تقاضہ عصر ہے کہ حبّ مصطفی ﷺ کی روایات کو فروغ دیا جائے۔ ان روایات کو اپنی معاشی، علمی، ادبی، تعلیمی، ثقافتی، تمدنی، معاشرتی، سیاسی، تجارتی، صنعتی اور ابلاغ عامہ سے متعلق پالیسیوں میں زندہ و تابندہ بنایا جائے۔ ان ہی سے ہمارا وجود رہا ہے۔ یہی ہمارے وجود اور تشخص کی ضمانت ہیں۔ ان کو استعمار پسند طاقتوں نے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ رسل (Russel) نے کہا تھا:

"اگر ہم ایک طاقت ور سعی سے آنحضرت ﷺ کی روایات مٹا سکتے اور ان کے معاہد تباہ کر سکتے تو مسیحی مذہب اور برطانوی حکومت کے لیے اچھا ہوتا۔ " (حوالہ: برّعظیم کی ملّت اسلامیہ، اشتیاق حسین قریشی)

**پھر ہوا کیا اور اب کیا کرنا ہے:**

بصد اختصار یہ تو پاکستان کا پیدائشی چہرہ تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ ہر نومولود پیدا تو دین اسلام پر ہوتا ہے لیکن اس کے آباواجداد اسے کچھ اور بنا دیتے ہیں۔ یہی کچھ پاکستان کے ساتھ ہوا ہے کہ دِینی مملکت پاکستان کا وجود تو بطور اسلامی ریاست سامنے آیا لیکن حکمرانوں نے اس کا چہرہ اور تشخص بگاڑ رکھا ہے۔ بزرگ دانشور، شاعر و ادیب اور ماہر قانون جناب محمد انیس الرحمٰن ایڈوکیٹ اپنی گراں قدر تصنیف "قانون اور سیرتِ طیبہ" میں دِینی مملکت پاکستان کے قیام پر مفصل گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"مسلمانانِ ہند کی دو صد سالہ جدوجہد اور مسلسل قربانیوں کا حاصل پاکستان ہے۔ باغ لگانے والوں نے باغ لگایا، اس کو سینچا، سنوارا اور آفاتِ ارضی و سماوی سے اس کو محفوظ رکھا۔ آخر وہ گھڑی آئی کہ یہ باغ پھل دے سکا۔ پاکستان باغ ہے اور آزادی و اقتدار ملی اس کا پھل آزادی اور اقتدار ملی کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنے پاکستان کو اپنی روایات و نظریات کے مطابق فروغ دیں۔ ہماری روایات و نظریات واضح ہیں یعنی قوانین قرآنی کا نفاذ۔ یہ ملک اللہ اور اس کے رسول کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اس لیے اللہ اور اس کے رسول کے قانون کو نافذ کرنا ہم پر لازم ہے۔"(۲۷)

## صراحت قانونِ قرآنی کے نفاذ کی ضرورت کیوں؟

اس سوال کے جواب میں انیس الرحمٰن ایڈوکیٹ وضاحت کرتے ہیں کہ:

"یہ ملک مسلمانوں کا ہے اسی مقصد اور اسی عہد کے ساتھ اسے قائم کیا گیا ہے اور ہم مسلمان ہیں ہمیں یہی کرنا ہے۔ دوسرا جواب عالمی انسانی مسائل کو سامنے رکھ کر یہ ہے کہ ساری دُنیا میں نفسیاتی، اخلاقی جرائم فروغ پا رہے ہیں۔ ان کا انسداد صرف ان ہی قوانین کے ذریعہ ممکن ہو گا اور جب تک جرائم کا انسداد نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ قانون کی بالادستی قائم ہو سکتی ہے نہ اس کی حکومت بن سکتی ہے۔ معاشرہ بدستور جرائم کی آماجگاہ بنا رہے گا، لاقانونیت کا دور دورا رہے گا اور انسانیت پامال ہوتی رہے گی۔ جس قدر جلد اس سرزمین میں قانون قرآنی نافذ کیا جائے گا اس قدر جلد معاشرہ انسانی میں صفائی، ستھرائی اور پاکیزگی رواج پائے گی اور آدمی انسان بنے گا۔ موجودہ معاشرے میں فساد کی جڑیں قوانین جدیدہ میں پیوست ہیں جنھیں قانون روما کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ وہی قانونِ روما جس کا تعلق الہام اور وحی سے آخر کار بالکل منقطع کر دیا گیا اس کی ترتیب و تنظیم کی مرکزیت ذہنِ انسانی میں ڈھونڈ نکالی گئی۔ قانون کا تعلق اگر الہام اور وحی سے منقطع کر دیا جائے گا تو ضمیر انسانی کو ہوا و ہوس، تنگ نظریوں اور خود غرضیوں سے پاک رکھنے اور عوامل اور عواطف کی گمراہ کن غفلتوں سے عقل کو بیدار کرنے کے ذرائع معدوم ہو جائیں گے۔ یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ جب تک ضمیر انسانی پر قانون کی حکمرانی قائم نہیں کی جائے گی اس وقت تک افراد میں نظم و ضبط (ڈسپلن) کا ذوق پیدا کر دینے والی نظر نہ پیدا ہو سکتی ہے اور نہ مستحکم۔ ضمیر انسانی قانون کے ذریعہ جب تک منضبط نہ ہو گا اس وقت تک قانون کی حکمرانی کا قیام قلوبِ انسانی پر ممکن نہیں۔ یہی قلوب کی تنظیم اجتماعیت کے قلعے سے پورے ملک کو قلعہ بند کر دے گی۔ قانون کی حکمرانی قلوب اور ضمائر پر جب تک نہ ہو گی افراد کے دِلوں میں لاقانونیت باقی رہے گی۔"

## اسلامی ریاست کے تصور کے خلاف جنگ:

"فتنہ انکارِ پاکستان" پاکستان کی اساس و تشکیل کے حقائق پر جناب پروفیسر فتح محمد ملک کے نہایت فکر انگیز ۴۶ مضامین کا مجموعہ ہے جو ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ جس میں ایک مضمون "اسلامی ریاست کے تصور کے خلاف جنگ" بھی شاملِ اشاعت ہے۔ میں اسی مضمون سے کچھ استفادہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

"یہ امر ہمارے لیے انتہائی خوش آئند ہے کہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی اور ذوالفقار علی بھٹو شہید ہر دو اس بات پر متفق ہیں کہ پاکستان ایک حقیقی اسلامی ریاست کے قیام اور ایک مثالی اسلامی معاشرے کی نشوونما کی خاطر حاصل کیا گیا تھا۔ یہ قومی اتفاق رائے اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ پاکستان میں دائیں اور بائیں، یمین اور یسار، رائٹ اور لیفٹ کے نام سے پہچانی جانے والی تمام عوامی قوتیں پاکستان کے خدوخال پر یا معاشرے میں اسلام کی ترویج کے باب میں ترجیحات پر اختلافات ضرور موجود ہیں مگر یہ اختلافات اپنی اپنی جداگانہ حکمت عملی سے پھوٹے ہیں نہ کہ اصل حقیقت

یعنی پاکستان کی اسلامی ریاستی شناخت سے۔ ذوالفقار علی بھٹو شہید نے اپنی آخری علمی، سیاسی اور تاریخی دستاویز " If I am assasinated"(اگر مجھے قتل کر دیا گیا) میں لکھا ہے:

> "Pakistan has been created in the name of Islam by the people... The people of Pakistan and their chosen leaders are Muslims irrespective of what the stooges of the regime might like to say. The true Muslim is not the one who submits to the coup d'etat, but he is the one who fight like a mujahid for the political and economic rights of oppressed masses."(P.120)

یہاں بھٹو شہید، ضیاء الحق کے حلقہ بگوش اسلام پسندوں کے طرزِ فکر و عمل پر ان مجاہدین آزادی و مساوات کے طرزِ فکر و عمل کو ترجیح دیتے ہیں جو ضیاء آمریت کے خلاف سربکف تھے۔ طرزِ فکر و عمل کے اس اختلاف کے باوجود بھٹو شہید پاکستانی ریاست اور پاکستانی معاشرے کی اسلامی اساس کا دوٹوک اعتراف فرماتے ہیں اور اپنی کتاب میں اس فکر میں بھی غلطاں دِکھائی دیتے ہیں کہ پاکستان کی اسلامی ریاست کہیں سرے سے مٹ کر ہی نہ رہ جائے۔ ان کی نظر میں (خدانخواستہ) پاکستان کا مٹنا صرف پاکستان ہی کا مٹنا نہیں بلکہ پورے برّصغیر سے مسلمانوں کے مٹ جانے کے مترادف ہے۔ یہ سانحہ عظیم برّصغیر میں سپین کی داستان کے دہرائے جانے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ بھٹو شہید کے خیال میں پاکستان کی فنا فقط پاکستان کے جغرافیائی وجود کی فنا ہی نہیں بلکہ ایک مثالی اسلامی ریاست کے قیام کے امکان کا ختم ہو کر رہ جانا ہے۔(۲۸)

مغربی قومیں کس طرح فکرِ اسلام کی حامل ریاستوں کو مٹانا چاہتی ہیں، اس ضمن میں فتح محمد ملک عمیق تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "ہنری کسنجر اسلامی جمہوری ریاست کے مثالی تصور کے خلاف جنگ آزما ہیں۔ چنانچہ وہ صدر بش کو اس تصور ہی کو جڑ سے اُکھاڑ دینے کا فریضہ یاد دلاتے رہتے ہیں اور بجا طور پر انھیں سمجھاتے رہتے ہیں کہ سوویت یونین ایک جغرافیائی حقیقت تھی جس کے خلاف جنگ آسان تھی۔ آج انھیں اسلام کی حقیقی رُوح کی بیداری کے عمل کو روکنے کی جنگ درپیش ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں اسلام کے حقیقی تصور کی کارفرمائی کے امکان سے خوف زدہ ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ آج دُنیائے اسلام میں کہیں بھی حقیقی اسلامی جمہوری ریاست موجود نہیں ہے مگر وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کا تصور زندہ اور موجود ہے۔ اس تصور کا حقیقت بن جانا دائرۂ امکان میں ہے۔ اس امکان کو معدوم کر کے رکھ دینا ہی تیسری اور جاری صلیبی جنگ کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ مغربی دُنیا کو

سب کچھ گوارا ہے مگر کسی خطہ زمین پر حقیقی اسلامی ریاست کا قیام گوارا نہیں۔ آج دُنیا میں جتنے بھی مسلمان ممالک ہیں اُن میں سے ہر ایک میں اس اسلامی ریاست کے قیام کا امکان موجود ہے۔ چنانچہ مغربی دُنیا مسلمان ممالک پر ملوکیت اور ملائیت کی حکمرانی کو دوام بخشنے میں بھی کوشاں ہیں اور ان مسلمان ممالک کو توڑنے پھوڑنے میں بھی مصروف ہیں۔ انڈونیشیا کو توڑ کر اُس کے اندر سے مشرقی تیمور کی عیسائی ریاست برآمد کی گئی۔ ہنری کسنجر نے اپنے ایک اور مضمون Diplomacy & Iran's nukes مطبوعہ (ڈان، ۲۶/ فروری ۲۰۰۵ء) میں صدر بش کو مشورہ دیا ہے کہ اسلامی جمہوری حکومت کا تختہ اُلٹ کر ایران میں اپنی آلہ کار حکومت قائم کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ ہنری کسنجر نے امریکی چنگیزیت کی ساشیطانی مہم کا اگلا پڑاؤ پاکستان ٹھہرایا ہے۔"

پروفیسر فتح ملک نے بجا طور پر لکھا ہے: "ہنری کسنجر نے پاکستان کو ایک غنڈہ ریاست قرار دیا ہے۔ مغربی دُنیا کے تھنک ٹینکس اسلامی ریاست کے تصوّر کے خلاف اپنی نظریاتی جنگ کو پاکستان کے اندر لے آئے ہیں چنانچہ آج ہمارے ہاں اس طرح کے سوالات پر ہنگامہ بحث گرم ہے کہ پاکستان ٹھیک بنا تھا یا غلط؟ پاکستان کے قیام سے مسلمانوں کو فائدہ ہوا ہے یا نقصان؟ بانیانِ پاکستان اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے یا سیکولر ریاست؟

**حروفِ تمام مگر ناتمام!**

انسان کی فطرت میں تمدنی زندگی کی داغ بیل ڈالی گئی۔ یہ تقاضے انسان میں فطرتاً موجود ہیں اسی لیے جب انسانوں کی جماعت کسی ملک میں رہے گی تو ان کے نظم وضبط کے لیے معاشرتی قوانین کا ہونا لازمی ہے اور ان قوانین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہونا چاہیے جو مالکِ حقیقی ہے اور تمام کائنات کا خالق ہے۔ زمین ایک سیارہ ہے اس کے روزوشب، اس کے چاند تارے، سورج اور آسمان، ہوائیں، موسمیات زمین کی بے شمار پیداوار اس کی تقسیم، اس ماحول میں رہنے سہنے کے طریقوں سے آگاہی ضروری ہے تاکہ حیاتِ انسانی مضرتوں سے محفوظ رہ سکے اس لیے خالقِ کائنات نے اپنا قانون اپنے رسولوں کے ذریعہ بھیجا جنھوں نے اسے جاری کیا اور خود ان پر عمل کر کے بتادیا کہ اس دُنیا میں زندگی کس طرح بسر کرنی چاہیے، کیسی انفرادی زندگی ہونی چاہیے، کیسی اجتماعی زندگی ہونی چاہیے، کیسی حکومت ہونی چاہیے، کیسی سیاست ہونی چاہیے۔ رسول کے بعد خلفاء نے ان قوانین کو اسی طرح جاری رکھا، انھیں ممالکِ اسلامیہ میں نافذ کیا اور اس پر عوام عمل پیرا ہوئے۔

اصولی قوانین بنانے کا حق صرف اللہ کو ہے۔ عقل کی مدد سے فروعی مسائل کے لیے فروعی قانون اصولی قانون کی روشنی میں بنانے اور استنباط کرنے کا حق خلیفہ کو حاصل ہے۔ انسان فطرتاً خود غرض بھی واقع ہوا ہے اس لیے وہ اپنی خواہش کی تکمیل بھی ضرور چاہے گا اسی لیے حق تعالیٰ سے زیادہ محبت کرنے کے لیے کہا گیا تاکہ انسان کی غرض اور اس کی خواہش پر اللہ کی محبت غالب ہو جائے۔ محبت اور خوف کے تصور کے بغیر معاشرہ میں عملی توازن نہیں پیدا

ہو سکتا لیکن جرائم اور گناہوں کا ارتکاب حکومت کے ڈنڈے کے ڈر سے نہ کرنا تو بزدلی ہے۔ مالک کی محبت کی خاطر مالک کی نافرمانی سے بچنا اصلی اطاعت ہے دُنیا میں حکومت کے داروگیر سے ڈرنا جیل سے ڈرنا حیرت انگیز ہے لیکن موت کے بعد حکومتِ وقت کچھ نہیں کر سکتی۔ حکومت کی سزا سے بچ سکتے ہو مگر خالق کی نافرمانی کر کے سزا سے نہیں بچ سکتے۔ آخرت کے دائمی سزا سے ڈرنا ہی شخصیت میں اور معاشرہ میں توازن پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

قانون کا اصل منشاو مقصد انسدادِ جرائم ہے۔ قانون کے ذریعہ لوگ یہ معلوم کریں کہ فلاں کام جرم ہے اور کرنے والا سزا کا مستحق ہے اس کے جان لینے کے بعد لوگ جرم سے پرہیز کریں گے اس لیے قانون کی تبلیغ و اشاعت بھی اور ہر ہر فرد کو اس سے واقف کرانا بھی حکومت کا فرض ہونا چاہیے۔ انسانی قوانین کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسانی قوانین کا منشا مجرم کو جرم کرنے کا سلیقہ سکھانا اور ایسے طریقے سے آگاہ کرنا ہے جس سے جرم کرنے کے بعد حکومت کی گرفت میں نہ آئے سزایاب ہونے سے بچ سکے یہی وجہ ہے کہ جہاں تہذیبِ جدید کی دھوم ہے وہاں جرائم کی رفتار بڑھ رہی ہے۔

انسان کا بنایا ہوا قانون انسانوں کو جرم سے روک نہیں سکتا۔ اصل قانون اللہ کا بنایا ہوا ہے جو ایمان اور محبت کے سہارے نافذ ہے، شاہ و گدا کے لیے یکساں ہے اسی قانون کو جاری کرنے کے لیے جدوجہد اور مساعی جمیلہ کرنی چاہیے۔ پاکستان اسی لیے حاصل کیا گیا تھا کہ اس ملک میں قانونِ قرآنی کو جاری کیا جائے۔ اقبالؔ کے اس شعر پر اپنی گفتگو تمام کرتا ہوں۔ اگرچہ گفتگو ناتمام ہے۔

*لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر*
*تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر اُستوار*

(وماعلینا الا البلاغ)

## حواشی

(۱) مقالاتِ سیرت، ۲۰۱۳ء (مرد حضرات)، وزارتِ مذہبی امور اسلام آباد / ڈاکٹر محمد عامر طاسین، ص ۵۶
(۲) عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی / ڈاکٹر محمد حمید اللہ
(۳) نظام اسلام مشاہیر کی نظر میں / خلیل احمد الحامدی
(۴) ایضاً
(۵) ایضاً
(۶) اسلامی مملکت و حکومت کے بنیادی اصول / محمد اسد، مترجم مولانا غلام رسول مہر
(۷) اسلام کا نظامِ حیات / ابوالاعلیٰ مودودی
(۸) احکامِ سلطانیہ / مفتی نظام اللہ شہابی

(۹) اسلامی ریاست قرآن وسنّت کی روشنی میں / شمیم حسین قادری ایڈوکیٹ
(۱۰) معارف القرآن (جلد اوّل) / مفتی محمد شفیعؒ
(۱۱) ایضاً
(۱۲) سیرتِ نبوی اور آج کے زندہ مسائل / سیّد عزیز الرحمان
(۱۳) سیرت النبی ﷺ / علامہ سیّد سلیمان ندوی
(۱۴) تفہیم القرآن (جلد دوم) / مولانا ابولاعلیٰ مودودی
(۱۵) اسلام کا نظامِ حیات / مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
(۱۶) ایضاً
(۱۷) ایضاً
(۱۸) اسلامی حکومت و مملکت کے بنیادی اصول / غلام رسول مہر
(۱۹) جدید اسلامی ریاست قرآن کریم کی روشنی میں / عبدالمالک عرفانی
(۲۰) اسلامی ریاست کی تشکیلِ جدید / علامہ محمد اسد، ترجمہ محمد ارشد
(۲۱) قانون اور سیرتِ طیبہ / محمد انیس الرحمان ایڈوکیٹ
(۲۲) تعلیماتِ نبوی اور آج کے زندہ مسائل / سیّد عزیز الرحمان، ص۱۱۶
(۲۳) عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی / ڈاکٹر محمد حمید اللہ
(۲۴) نفاذ شریعت اور اس کے مسائل / محمد تقی عثمانی
(۲۵) ارضِ پاکستان / شبیر احمد انصاری
(۲۶) قیامِ پاکستان کی غایت / علامہ عبدالعزیز عرفی
(۲۷) قانون اور سیرتِ طیبہ / محمد انیس الرحمان ایڈوکیٹ
(۲۸) فتنہ انکارِ پاکستان / پروفیسر فتح محمد ملک

**علاوہ ازیں کچھ استفادہ جات**

☆ قرآن حکیم
☆ جامع اشاریہ مضامین قرآن / ڈاکٹر اطہر محمد اشرف
☆ رسول اکرم ﷺ اور ہم / ڈاکٹر اسرار احمد
☆ ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن کے چند شمارے
☆ افکارِ پاکستان / سیّد محمد منظر سادات پوری

# [[008]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

محمد الیاس خان
پرنسپل گورنمنٹ ہائی سکول غمی کور
مہمند ایجنسی

وَمَا آتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (الحشر: آیت ۷)

**مقدمہ**

اسلامی ریاست کا غایت وجود ہی نیکی (معروف) کا فروغ وارتقا اور بدی (منکر) کی انسداد وبیخ کنی ہے۔ اس لئے تو اسلام اور حکومت وریاست لازم وملزوم ہیں (۱)۔ کیونکہ زندگی کے نظم اجتماعی کو قیام دینے کے لئے ایک قوت قاہرہ کی ضرورت ہوگی (۲)۔ جس معاشرے میں قانون کی حکمرانی اور نظم وضبط کی پاسداری نہیں ہوتی ہے وہ حیوانوں کا معاشرہ یعنی جنگل کہلاتا ہے۔ اس لئے اسلامی حکومت پہلے تعلیم کتاب کے ذریعے اوامر ونواہی (Do & Donts) سے آگاہی پیدا کرتی ہے اور پھر قوت قانون کے نفاذ سے سرکشی وطغیانی کو کچل دیتی ہے۔ زندگی کو مہذب ومزین بنانے کے لئے کتاب وسنت کی تعلیم سے تزکیہ دل ودماغ کیا جاتا ہے، جس کی بدولت انسان راہ راست پر چلنا شروع کر دیتا ہے۔ پھر حدود اللہ کے نفاذ سے اسی صراط مستقیم کی حفاظت کی جاتی ہے۔ البتہ اسلامی ریاست میں ضابطہ بندی یعنی (Regimentation) اور حکمرانوں کے من پسند حکم ناموں (Ordinances) کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہر فرد کو قانون کی حدود کے اندر پوری آزادی ہوتی ہے کہ اپنی صلاحیتوں اور میلانات کے مطابق اپنے لئے سامان زیست کر سکے (۳)۔

**افتتاحیہ**

اسلامی ریاست کے اجزائے ترکیبی میں بنیادی اہمیت حاکمیت الٰہیہ کو حاصل ہے یعنی اقتدار اعلیٰ صرف اور صرف اللہ رب العالمین کو حاصل ہے اور اطاعت مطلقہ صرف اس کے لئے سزاوار ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
بس ایک وہی پروردگار باقی سب بتان آزری (۴)

ایک اسلامی ریاست کا شہری اللہ تعالیٰ کی بندگی میں رہتے ہوئے حقیقی آزادی سے متمتع ہو سکتا ہے

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ۔ (۵)

حکم نہیں ہے مگر صرف اللہ کے لئے۔ اس کا حکم ہے کہ تم نہ بندگی کرو مگر اس کی، یہی صحیح دین ہے۔

لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ۔ (۶)

بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔(۷)

خبردار خلق اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا ہے۔

وحدت فی الامر (Unity of Command) ہی ایک ایسی خوبی ہے جس سے انتشار و افتراق ختم اور نظم و ضبط قائم ہو سکتا ہے۔ اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت بھی ہے کہ متضاد قسم کے احکامات مانے بھی نہیں جاسکتے جس کا انگریزی مترادف یہ ہے کہ "No Man Can Serve Two Masters" احکامات کا تضاد (In consistency of Order) بذات خود ہی نظم و ضبط کا قاتل ہے، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک چیز کالا بھی ہو اور سفید بھی۔ دن بھی ہو اور رات بھی اسی وقت، جنگ بھی رہے اور امن بھی قائم ہو۔ ظلم کی حکمرانیاں اور انصاف کی توقعات۔ ایں خیال است و محال است و جنون۔ کفر بالطاغوت ہی تمام تر افراط و تفریط کا مل اور فراہم کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نظام میں اعتدال و توازن اور نظم و ضبط ہے۔ تمام میں صفیں سیدھی کرنا نظم و ضبط کا درس ہے۔ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنا۔ اطاعت امیر اور اعلیٰ درجے کا ڈسپلن سکھاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بدنظمی ناپسند اور نظم و نسق پسند ہے۔ حتیٰ کہ صف ٹیڑھا کھڑا ہونا انتہائی معیوب تصور کیا جاتا ہے۔(۸)

لہٰذا جو دین اپنے عبادت خانے میں بدنظمی، شور، فضول گوئی اور لایعنی کو پسند نہیں کرتا۔ وہ سماجی زندگی کے وسیع عبادت خانے (ساری زمین مسجد ہی ہے) میں نقص امن و فساد فی الارض۔ جنگ و جدل و خون خرابہ، تعلفات و تضییع اوقات، بسیار خوری و فضول گوئی، پتنگ بازی و کبوتر بازی، شراب نوشی و آوارہ گردی، اسراف و تبذیر، نمود و نمائش، تفاخر و تکبر، بدعنوانی و بلاخوری، غضب حق، قبضہ ناجائز و چیرہ دستی، زناکاری و ہم جنس پرستی، چور بازاری و منافع خوری و سود خوری، موقع پرستی و ہوس پروری کو کب برداشت کر سکتا ہے؟

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام
جس کے واسطے ہیں سارے سجدے تجھ پر حرام (اقبال)

اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں کھرا پن، شائستگی، راست بازی اور نظم و ضبط کو پسند کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بروایت حضرت ابوہریرہؓ ہے کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"تم میں سے اسلام میں بہتر وہ ہے جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں جب کہ وہ (دین میں) سمجھ

رکھتے ہوں"(۹)۔

اخلاق کی قوت، نظم وضبط کی وہ مجموعی صلاحیت پیدا کرتی ہے کہ انسان میں کوئی ٹیڑھا پن باقی نہیں رہ سکتا۔ کالی اندھیری رات میں بھی ایسا انسان اصولوں کے خلاف نہیں چلتا اگرچہ وہ انسانی کیمروں سے اس وقت اجھل ہوتا ہے۔ حقیقت ہے کہ جب تقویٰ پیدا ہو جاتا ہے تو انسان کا دل نہیں چاہتا ہے کہ وہ کام کرے جن سے اللہ ناراض اور مخلوق کو نقصان پہنچتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بغاوت، سرکشی، تکبر اور فساد فی الارض بالکل پسند ہی نہیں۔ اس لئے تو اپنے پسندیدہ بندوں کا نام بھی مسلم رکھا ہے۔هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ (۱۰)۔ کہ ایسے لوگ اللہ کے قوانین اور ضابطوں کو تسلیم کرنے والے ہوتے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نظم وضبط کے مربی و عظیم علمبردار ہیں۔

چنانچہ ارشاد نبویؐ بروایت ابو سعید انصاریؓ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت (صفیں سیدھی کرنے کے لئے) ہمارے کندھوں پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے "برابر ہو جاؤ (صف بندی میں) انتشار واختلاف پیدا نہ کرو، ورنہ تمہارے دلوں میں بھی پھوٹ پڑ جائے گی۔۔۔"(۱۱)۔

انسان کی تمدنی اور اخلاقی زندگی میں جتنی بھی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اس کی بنیادی وجہ اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی سے اعراض اور اپنے آپ کو آزاد وخود مختار اور غیر ذمہ دار سمجھنا ہے(۱۲)۔

آزادی کی جو مغالطہ آمیز تعریف مغرب میں کی جاتی ہے اسلام میں اس قسم کی آزادی کی اجازت نہیں ہے۔ وہاں مادر پدر آزادی ایک قدر (Value) ہے۔ وہاں شراب وزنا پر پابندی نہیں جبکہ اسلام ان چیزوں کو حرام بلکہ کبائر یعنی بڑے بڑے گناہوں میں شمار کرتا ہے۔ یہ بھی نہیں کہ اسلامی ریاست ایک پولیس سٹیٹ (Police State) ہوتی ہے یا اٹلی وجرمنی کے مسولینی وہٹلر کی طرح لوگوں کی جائز آزادیاں بھی ضبط کر لیتی ہے بلکہ اسلامی ضابطوں کی پابندی بذات خود قانون وسیاسیات کے مسلمہ اصولوں ""Law is the Condition of Liberty(۱۳) کے مطابق آزادی کی حفاظت ہے۔ کوئی معاشرہ اگر مجرموں کو جرائم کی کھلی اجازت دے دے تو پھر شہریوں کی آزادی یرغمال ہی ہو گئی۔

آزادی افکار سے ہے ان کی تباہی — جو فکر و تدبر کا نہ ہو جن کو سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار — انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ(۱۴)

## اسلامی ریاست میں نظم وضبط کے قیام کی صورتیں

### ۱- لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ، انصاف و قانون کی حکمرانی

انصاف و قانون کی حکمرانی کسی انسانی معاشرے کے لئے آب حیات کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی اہمیت کے پیش

نظر، اسلام نے پہلی شریعتوں کے کچھ اصول و مبادیات بھی بحال رکھے، اور کثیر تعداد میں اپنے نئے قوانین بھی دیئے، جن میں جنگ و صلح کے بین الاقوامی قوانین، قتل، چوری، ڈاکہ زنی، زنا، لعان کے فوجداری قوانین، نکاح و طلاق، وراثت، نفقات اور حضانت کے قوانین، زکوٰۃ، عشر، فے، جزیہ، جائیداد سے متعلق دیوانی اور مالیاتی قوانین و اقتصادی قوانین مثلاً زراعت، مضاربت، شراکت اور امتناع ربا اور قوانین بیوع اور دوسرے قواعد و ضوابط (۱۵) شامل ہیں جو قوانین اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیئے ان پر خود عمل کر کے اور عمل کروا کر عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ حضورؐ کے لیے اللہ تعالیٰ کے قوانین میں کوئی استثنیٰ نہیں ہے جیسا کہ کچھ ممالک میں اہم لوگ یا سرکاری افسران عام عدالتوں میں جواب دہ نہیں ہیں۔ مثلاً برطانیہ میں ملکہ اگر قتل بھی کرے تو اس پر مقدمہ نہیں چلایا جاتا، قانون کی اس کمزوری و محکومی پر حکیم سولن کا طنز بہت صادق آتا ہے:

" قانون ایک مکڑی کا جالا ہوتا ہے، بڑی مکڑی اس کو توڑ کر نکل جاتی ہے اور کمزور پھنس کر رہ جاتی ہے " (۱۶)

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ ناانصافیاں میدان ہائے جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں میں ہوئی ہیں (۱۷)۔

جبکہ کارل مارکس اسے ظلم کا ایک ہتھکنڈا قرار دے کر کہتا ہے:

" قانون جبر و استبداد کا ایک ایسا ادارہ ہے جس کی مدد سے ظالم لوگ بے سہارا اور کمزور انسانوں کو لوٹتے ہیں " (۱۸)۔

حقیقت ہے کہ قانون کی حکمرانی کی زندہ امثال ہمیں تاریخ اسلام میں ملتی ہیں۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضورؐ کو اپنی ذات کو بھی قصاص کے لئے پیش فرماتے دیکھا ہے (۱۹)۔

عہد نبویؐ میں ایک یہودی اور نصرانی کی دیت ایک مسلمان کے برابر ہوتی تھی قبیلہ بنی ظفر کے ایک انصاری مسلمان طعمہ کے خلاف فیصلہ صادر فرمایا اور طعمہ اس غیر متوقع فیصلے پر مرتد ہو کر خلاف اسلام طاقتوں سے جاملا (۲۰)۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ ہے کہ "فاطمہ نامی ایک عورت چوری کے الزام میں پکڑی گئی، جرم ثابت ہونے پر ملزمہ کو بچانے کے لئے سفارشیں شروع ہوئیں، اسامہ بن زیدؓ کو سفارشی کے طور پر خدمت اقدسؐ میں بھیجا، حضورؐ کو سخت صدمہ ایسی حرکت پر پہنچا، اور حضورؐ نے اس موقع پر یہ تاریخی الفاظ ارشاد فرمائے:

"تم میں سے پہلی امتیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ ادنیٰ طبقے کا فرد جرم میں ماخوذ ہوتا تو اسے سزا دی جاتی لیکن خوشحال طبقے کے مجرمین کو چھوڑ دیا جاتا، اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بھی چوری کرے تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں گا (۲۱)۔

یہ اس مطلق اور بے لاگ انصاف (Absolute Jushee) کی مثالیں ہیں جن کے لئے آج کے دور میں بھی قطعی انصاف کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں:

"Justice will be done, even of the suice fall"

اگر آسمان بھی گرے تو انصاف ہی ہو گا۔

حضور اقدسؐ کے ان الفاظ کو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی ذاتی مثال سے دنیا کو دکھایا بھی۔

ان کے بیٹے ابو شحمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے ۸۰ کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے۔(۲۲)

حضرت عمر فاروقؓ تاریخ انسانی کے ان زندہ جاوید شخصیات میں شامل ہیں جنہوں نے کسی بڑے سے بڑے اور عزیز سے عزیز تر آدمی کی خاطر کبھی انصاف کو معطل یا پس پشت نہیں ڈالا۔ شام کے بادشاہ جبلہ کی چادر کا گوشہ دوران طواف ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آیا جبلہ نے ان کے منہ پر تھپڑ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ غصے سے بے تاب ہو کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا حضرت عمرؓ نے ان کی شکایت سن کر جواب دیا "تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی"۔ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس مرتبے کے لوگ ہیں کہ کوئی ہمارے آگے گستاخی سے پیش ہو تو وہ قتل کا مستحق ہوتا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا "جاہلیت میں ایسا تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا" اس پر وہ ناراض ہو کر مرتد ہو گیا اور چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔(۲۳)

## قیام نظم و نسق، مصلحت پسندی سے انکار

لوگوں کے حقوق اور آزادیوں کا تحفظ اسلامی ریاست کی اولین ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔ حقوق کو غصب یا ادائیگی میں لیت و لعل سے کام لینے والوں سے حضرت عمرؓ بڑی سختی سے پیش آتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حقوق کی ضمانت ان الفاظ میں دی تھی کہ "میں کسی شخص کو اس بات کا موقع نہیں دوں گا کہ وہ کسی کی حق تلفی یا کسی پر زیادتی کر سکے اور جو شخص ایسا کرے گا میں اس کا ایک گال زمین پر رکھوں گا اور اس کے دوسرے گال پر اپنا پاؤں رکھوں گا۔ یہاں تک کہ وہ حق کے آگے جھک جائے"۔(۲۴)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا بھی پہلے دن سے ہی یہی (Policy Statement) پالیسی بیان تھا کہ "تمہارے اندر جو بے اثر ہے وہ میرے نزدیک با اثر ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے چھینا ہوا حق اس کو واپس دلا دوں اور تمہارے اندر جو با اثر ہے وہ میرے نزدیک بے اثر ہے یہاں تک کہ میں اس سے اس حق کو وصول کروں جو اس نے غصب کر رکھا ہے"۔(۲۵)

حقیقت ہے کہ تمام انبیاء کی زندگی کا مقصد وحید انسانیت کا فوز و فلاح ہی تھا۔ اور فلاح کا قرآنی تصور بھی انسانیت کا دنیا و آخرت کا سنوارنا ہے۔ انسانیت کا سدھارنا ہے اور زندگی کا توازن درست کرنا ہے، چنانچہ ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمْ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ (۲۶)

ہم نے رسولوں کو روشن نشانیاں دے کر بھیجا ان پر کتاب اور میزان (شریعت) اتاری تاکہ انسان حق وانصاف پر قائم ہوں۔

عدل وانصاف کی حکمرانی کو یہ اخلاقی قوت بھی حاصل ہے کہ دوست اور دشمن یکساں طور پر اسے دل وجان سے پسند کرتے ہیں۔ اسلام میں عدل کی یہ اہمیت ہے کہ اسے صرف قانون کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ گیا بلکہ اسے دین کے فرائض میں شامل کیا گیا ہے اور ظلم کرنے والوں کو آخرت کی وعید سنائی گئی "ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے (۲۷)۔ ظلم کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔(۲۸)

اور حکم خداوندی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى اَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوَى۔ (۲۹)

"اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو یہ خداترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ قیام عدل سے زندگی کا توازن قائم رہ سکتا ہے اور سخت ترین دشمن کو بھی اعتراض اور نکتہ چینی کا موقع نہیں ملتا ہے کیونکہ عدل وانصاف ہی ظلم وضبط کے قیام کا کلیدی نکتہ ہے۔ صفی الرحمٰن نے "تجلیات نبوت" میں لکھا ہے کہ نبی کریمؐ نے خیبر کی فتح کے بعد مفتوحہ زمینوں کے معاملات طے کرنے کے لئے جب عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجا تو یہود نے انہیں رشوت دے کر نرمی حاصل کرنا چاہی تو انہوں نے فرمایا تمہاری ان زمینوں کے مقابلے میں نبی کریمؐ کی محبت اور حکم مجھے زیادہ عزیز ہے۔ یہود نے کہا کہ اسی عدل کی وجہ سے زمین وآسمان کا نظام قائم ہے۔(۳۰)

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندا طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

II۔لَا تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

## قیام امن۔۔ نظم وضبط کا عملی نفاذ

امن کوئی ایسی مجسم چیز بھی نہیں کہ ہم ہڑتال کر کے سڑکوں پر نکل کر پلے کارڈز پر جلی حروف میں لکھے ہوئے الفاظ "We want peace" عالمی میڈیا کو دکھا کر بس امن کی دولت حاصل کر سکیں بلکہ انسان کے ہر ہر منفی عمل میں فساد چھپا ہوا ہے اور ہر مثبت عمل میں اصلاح وخیر موجود رہتا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ۔ (۳۱)

اصلاح ایک بڑا مشکل کام بلکہ کئی امور کے انجام دینے کا ایک لمبا سلسلہ ہے جبکہ اس کے مقابلے میں بگاڑ کوئی مشکل کام نہیں۔ اصلاح تو سال ہاسال کی جانفشانیوں سے ہوتی ہے اور بگاڑ کے لئے صرف اصلاح کی کوشش سے غفلت برتنا ہی کافی ہے۔ ایک بچے سے ایک شائستہ اور مہذب انسان بنانا جان جوکھوں کا کام ہے لیکن اسے بگاڑنے کے لئے صرف لچے لفنگوں کی ہمرکابی ہی کافی ہے۔ ایک گاڑی کو بلندی پر پہنچانے کے لیے بڑی قوت و طاقت درکار ہوتی ہے جبکہ نیچے اترنے کے لئے صرف ڈھیلا چھوڑنا پڑتا ہے۔ (۳۱) اسی طرح قیام نظم و ضبط اور قیام امن کے لیے منظم کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کام ریاست کی براہ راست مداخلت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا۔ پھر اسلامی تمدن کو اپنے استمرار و استحکام کے لیے ایک ریاست کی زیادہ ضرورت ہے جس میں یہ صالح معاشرہ اور تمدن نمو پذیر ہو سکے کیونکہ اسلام ایک ایسا عقیدہ اور تصور حیات ہے کہ جب تک اپنی فکر کے مطابق کوئی ثقافتی قالب اختیار نہ کرے تو اس کا احیا و بقا ممکن نہیں۔ (۳۲) اللہ تعالیٰ مفسدوں کو اس لئے پسند نہیں کرتا (اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ) کہ وہ ظالم تھوڑی دیر میں سال ہاسال کے بناؤ سنگھار اور تہذیب و آرائش کا ستیاناس کر کے اللہ تعالیٰ کی اس دھرتی کو کھنڈر میں تبدیل کرتے ہیں۔ نظام زندگی کو درست کرنا، اس کی بناؤ تعمیر اور ساخت و پرداخت کرنا اور اس کو امن و آشتی اور سکون و قرار پہ لانا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے۔ اس لئے حکم دیتا ہے کہ یہ صفات اپنے اندر پیدا کیے جاؤ اور مؤخر الذکر رزائل سے بچا جائے۔

اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِينَ۔(۳۳)

پورا کرو، ناپ اور تول انصاف سے اور نہ گھٹادو لوگوں کو ان کی چیزیں، اور نہ مچاؤ زمین میں خرابی۔

فتنے اور فساد کو ختم کرنا ہی ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری میں شامل ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اجتماعیت سے اس بات کا تقاضا فرمایا ہے کہ کافروں اور شر پسندوں سے اس وقت تک لڑو جب تک اس فتنہ و فساد کا خاتمہ نہ ہو جائے اور ظاہر بات ہے کہ شر کے ہوتے ہوئے کسی بھی قسم کی ترقی ممکن نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے شر کے خاتمے کا حکم دیا ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ۔ (۳۴)

اور لڑو ان سے جب تک نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے اللہ کا۔

فتنہ و فساد چونکہ بذات خود ایک بہت بڑی بد نظمی اور غارت گر سکون و اطمینان ہے اس لئے اس کا ختم کرنا اور نظم و ضبط قائم کرنا مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے اور قیام امن کو ایک نعمت قرار دیا ہے۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ۔ الَّذِي اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَّآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ۔ (۳۵)

پس لوگوں کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک میں کھانا اور خوف

سے امن دیا۔

دین اسلام جب بھی ایک سیاسی نظم کی حیثیت سے قائم و نافذ ہوئی ہے، بدامنی و بدنظمی، افراتفری و من مانی وہاں سے رخصت ہو چکی ہے اور چور، لٹیرے، ڈاکو اور قاتل محافظ و نگہبان بن گئے اور بقول مولانا حالی۔

خود نہ تھے جو راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے

اور حضورؐ کی یہ پیش گوئی ایک تاریخی حقیقت کا روپ دھار گئی کہ ایک سوار صنعا سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور راستے میں اللہ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہو گا۔ البتہ چرواہے کو صرف بھیڑیوں کا خوف ہو گا کہ کہیں وہ بکری اٹھا کر نہ لے جائیں۔۔۔۔(۳۶)

## III۔ تعلیم و تربیت۔ نظم و ضبط کے لیے آغوش ہے

فرمان نبویؐ ہے "کسی باپ نے اپنی اولاد کو اچھے ادب سے بہتر عطیہ نہیں دیا"۔(۳۷)

آج کے دور میں تعلیم کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے کہیں پر " Reconstruction of the Social Agenda" ہے تو کہیں "Over all development of the chield" ہے۔ جان ڈیوی نے اسے "Reconstuction of the Experience" کہا، افلاطون کا بھی یہی خیال تھا کہ " Education is the rvivification of the Past" یعنی تعلیم ماضی کی تجدید اور دوبارہ زندہ ہونے کا نام ہے۔ نام اور تعریف کچھ بھی ہو۔ تعلیم اندھیرے اور جہالت سے نور و روشنی کی طرف ایک مقدس سفر ہے اور بقول غالب

ع ہم تو عاشق ہیں تیرے نام کے

پروفیسر محمد اکرم طاہر لکھتے ہیں

"حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا انقلاب بنیادی طور پر ایک تعلیمی انقلاب ہے۔ اس تعلیمی عمل کا باقاعدہ اور منظم آغاز مکہ معظمہ میں دارارقم سے ہوا اور مدینہ منورہ کی اقامتی درسگاہ یعنی صفہ کے چبوترے پر بھی ہمہ وقت یہ عمل جاری رہا۔ مختلف اوقات میں صفہ سے فارغ التحصیل ہونے والے خوش قسمت طلبہ کی تعداد تقریباً چار سو ہے"۔(۳۸)

تعلیم اور نظم و ضبط کا تعلق بہت ہی گہرا ہے۔ حضور ﷺ کے تعلیمی انقلاب کا نتیجہ تھا کہ انتہائی خطرناک قانون شکن اور وحشی لوگوں کے معاشرے سے تمام بدنظمیاں اور بے ضابطگیاں ایک ایک کر کے بتدریج رخصت ہو گئیں۔ شراب کے رسیاؤں نے شراب نوشی ترک کی۔ سود کھانے والوں نے سود خوری کو خیرباد کہا اور نقص امن کرنے والے شریف شہری بن گئے۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمین ساری جس نے ہلا دی

جان ڈیوی کا خیال ہے کہ education is a soul process: i.e as it brings socialisation. یعنی تعلیم ایک سماجی عمل ہے جو کہ معاشرے کو سماجی طور پر سنوارتا ہے۔(۳۹) لیکن بدقسمتی سے آج تعلیم نے نوجوانوں میں مادیت پرستی اور کیریئر پرستی کی وہ وبا پھیلا رکھی ہے جس پر روسو کا یہ قول صادق آتا ہے کہ:

"تعلیم انسان کو خود غرض، لالچی اور بزدل بنا دیتی ہے"۔(۴۰)

آج کل کی تعلیم کا مقصد، کوئی عہدہ و منصب حاصل کر کے جائز و ناجائز طریقے سے دنیاوی زندگی سنوارنا ہے جو کہ اسلام کے نظریہ تعلیم سے کلی طور پر متصادم ہے۔ اسلام تعلیم کے ذریعے وہ افراد تیار کرنا چاہتا ہے جن کا مطمح نظر تعلیم کے ذریعے رضائے الٰہی کا حصول اور دنیا و آخرت کی فلاح ہو۔

سیدنا ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تمہیں اچھے برے کے متعلق نہ بتاؤں"؟ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تین مرتبہ یہی فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا، کیوں نہیں؟ آپؐ نے فرمایا "تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جس سے بھلائی کی امید ہو اور لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں اور تم میں سے بدتر وہ ہے جس سے بھلائی کی امید نہ ہو اور لوگ اس کے شر سے بھی محفوظ نہ ہوں"۔(۴۱)

فرمان نبویؐ، خیركم من تعلم القرآن وعلمه۔ کے پیش نظر بھی تعلیم کی اہمیت و افادیت سے کبھی بھی صرف نظر نہیں کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ تو بدوؤں کو جبری تعلیم دیتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی "الفاروق" میں لکھتے ہیں۔

> "خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن کی تعلیم جبری طور پر قائم کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا، چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو، اس کو سزا دے۔(۴۲)

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ اپنی رعایا کو ادب و تربیت کی تعلیم، حدیث کی تعلیم، فقہ اور دوسرے ضروری عصری علوم کا خاص خیال رکھتے تھے۔(۴۳)

**تربیت کے ذریعے نظم و ضبط، والدین کی ذمہ داری**

امر بالمعروف و نہی عن المنکر تو ویسے سب مسلمانوں کا فریضہ ہے لیکن اس عموم میں خصوصیت کے لحاظ سے والدین اور پھر حکمران ہیں۔ عوام کو تعلیم دینا تو حکومت کی ذمہ داری ہے لیکن اولاد کی تربیت سے والدین کو کسی طرح بھی بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ ایک عربی شاعر کا مشہور شعر ہے:

ليس اليتيم من انتهى ابوه من هم الحيات وخلفاه ذليلا
ان اليتيم هو الذي تلقى له اما تخلت او ابا مشغولا

یعنی یتیم وہ نہیں ہے جس کے والدین فوت ہو چکے ہوں اور اس کو تنہا اور بے سہارا چھوڑ رہے ہوں۔ یتیم وہ ہے جس کی ماں نے اس سے بے اعتنائی برتی ہو اور باپ مصروف کار رہا ہو۔

## لقمان حکیم-ایک باپ کی اپنے بیٹے سے نصیحت

تربیت اولاد پر اسلام نے بہت زور دیا ہے اور اس کو والدین کی اولین ذمہ داریوں میں شامل کیا ہے اور ان کی نجات کے لئے تاکیدی حکم دے دیا ہے۔

قُوا اَنفُسَکُمْ وَاَھْلِیکُمْ نَارًا۔ (۴۴)

اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو دوزخ سے بچاؤ۔

گویا والدین پر انتہائی بڑی ذمہ داری عائد کر کے انہیں بچوں کو دنیا و آخرت میں فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے کے لئے کوشش کرنا ہے اس سلسلے میں لقمان حکیم کا انداز تربیت اللہ تعالیٰ کو بڑا پسند ہے۔

"بیٹا نماز کی پابندی رکھنا اور لوگوں کو اچھے کاموں کے کرنے کا امر اور برے کاموں سے منع کرنا اور جو مصیبت تم پر آئے اس پر صبر کرنا، بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں اور نہ تو پھیر اپنا رخ لوگوں سے ازراہ غرور اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا، بے شک اللہ تعالیٰ ہر متکبر شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا ہے اور اپنی چال میں اعتدال کیے رکھنا اور بولتے وقت اپنی آواز نیچی رکھنا، کیونکہ اونچی آواز گدھوں کی سی ہے اور کچھ شک نہیں کہ سب سے بری آواز گدھوں کی ہے"۔(۴۵)

لہٰذا نظم وضبط کو زندگی میں لانے کے لئے والدین کو مناسب موقعوں پر بچوں کو نصیحت ضرور کرنا چاہیے جیسا کہ سورۃ لقمان ہی کی آیت ہے "اور اس وقت کو یاد کرنا جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! شرک نہ کرنا خدا کے ساتھ۔ شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے"۔(۴۶)

بچوں کی شخصیت سازی کے لئے ان کو وقت بے وقت خشک اور تلخ نصیحتوں کے بجائے بڑے پیارے انداز سے سمجھانا۔ جیسا کہ حضرت لقمان کا پیارا انداز بتا رہا ہے "یٰبُنَیّ" "گالم گلوچ" اور برے القابات سے بھی نہیں۔

*یہ فیضان نظر تھا یا مکتب کی کرامت*
*سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی (اقبالؒ)*

## IV-معاشی تنظیم-معاشرتی نظم وانضباط کا ذریعہ

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں روحانی اقدار کے پہلو بہ پہلو مادی اقدار بھی موجود ہیں جیسا کہ پیغمبروں کا کام لوگوں کی آخرت درست کرنا تھا۔ اسی طرح ان کے معاشی حالات کی درستگی بھی ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ پریشانی کے باعث اپنی عاقبت خراب نہ کریں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے معاشی منصوبہ بندی سے قحط کا مقابلہ کیا۔(۴۷) اسلام اور سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام کی معاشی فلاح و بہبود بھی اقامت

دین کے کاموں میں سے ہے۔ صحت مند معیشت کے فروغ کے لیے زکوٰۃ کو فرض کیا گیا ہے۔ فضول خرچی سے بچنے کو کہا گیا ہے۔(۴۸) بخل و اسراف سے پرہیز کیا جائے۔(۴۹) گویا دولت کو غلط طریقوں سے ضائع کرنے یا اس کی گردش کو روک دینے کے بجائے اعتدال و میانہ روی کی تلقین کی گئی۔(۵۰) لین دین میں صحیح ناپ تول کرنے کی ہدایت کی گئی۔(۵۱)

سود کی حرمت بھی معاشی نظم و ضبط ہی کے لئے کی گئی ہے کیونکہ سود خور تمام معاشرے کا خون چوس کر جونک کی طرح اپنا پیٹ بڑھاتا اور دوسروں کو لاغر بناتا رہتا ہے۔

گردش دولت کو یقینی بنانے کے لیے قرآن حکیم میں واضح حکم موجود ہے جس کو اسلامی نظام معیشت کا روح رواں کہا جا سکتا ہے۔

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ۔ (۵۲)

وَالَّذِينَ فِي اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ۔ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ۔ (۵۳)

اسلام نے ایک طرف سود خوری، ذخیرہ اندوزی، اکتناز اور احتکار (Hoarding) وغیرہ کو ممنوع قرار دیا تو دوسری طرف ترغیب انفاق سے زبردست معاشی استحکام کا حکم بھی دیا ہے۔

حدیث نبویؐ ہے جس بستی میں ایک شخص بھی بھوکا رہا اس بستی پر سے اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت کا ذمہ اٹھالیا۔(۵۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں: غریبوں اور بیواؤں کے لئے جدوجہد کرنے والا وہی درجہ رکھتا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا رات بھر نماز پڑھنے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا ہے۔(۵۵) پس ثابت ہوتا ہے کہ (Poverty Alleviation) یعنی غربت کا خاتمہ بھی ضروریات دین میں سے ہے۔

مزید برآں تعلیمات حضورؐ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں بھیک مانگنے اور سوال کرنے کو انتہائی ناپسند کیا گیا ہے کیونکہ حضورؐ نے بھیک مانگنے والے کے لئے کلہاڑی خریدی، دست مبارکؐ سے اس میں دستہ لگایا اور سائل کو خیرات دینے کے بجائے ایک مستقل روزگار دے دیا۔(۵۶)

رخ مصطفیٰ ﷺ وہ آئینہ کہ ایسا کوئی دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں، نہ دکان آئینہ ساز میں (اقبالؒ)

## V-انتظامیہ و عمال حکومت کے ذریعے نظم و ضبط

انتظامیہ کے افسران حکومت کے دست و پا ہوتے ہیں اوامر و نواہی کا نفاذ ان ہی کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس لیے نظم و ضبط کے قیام میں ان کی اہمیت ریڑھ کی ہڈی جیسی ہے۔ جہاں بھی افسران انتظامیہ، نااہل، کام چور، نکمے، کاہل، غفلت شعار، لالچی و رشوت خور اور مفاد پرست اور موقع پرست ہوں تو وہ ملک و ملت اور قوم و وطن کے لئے کام نہیں کرتے ہیں

جن کی وجہ سے ادارے تباہ و دیوالیہ اور بد نظمی کی راجدھانیاں بن جاتی ہیں، کوئی قوم بیرونی دشمن کی وجہ سے زوال آشنا نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کے اپنے باشندے اور اپنے کارندے جب نااہل اور بدعنوان بن جاتے ہیں، سلطنت روما کی مثال ہمارے سامنے ہے، جہاں بدعنوانی اور عیش کوشی، غفلت شعاری اور ظلم و زیادتی نے سلطنت کو فنا کی نیند سلا دیا اسی لئے رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے: "رومی سلطنت--- انسانوں سے (ظلم و زیادتی کے ذریعے) ناجائز فائدہ اٹھا کر انسانوں کی مخصوص جماعت (حکمرانوں) کی راحت رسانی اور عیش و آرام کا سامان فراہم کرتی تھی"۔(۵۷)

بد نظمی اور طوائف الملوکی کو کنٹرول میں لانے کے لئے ایماندار انتظامیہ اور خوف خدا سے سرشار افسران کی موجودگی انتہائی لازمی ہے کیونکہ جو تجاوز انسان کی سرشت میں موجود ہے اس پر قابو پانے کے لئے انتظامیہ کی لاٹھی ضروری ہے کیونکہ "If men were angels, then no Government was needed"

اسی لئے (Mentenaince of public order) کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اقوام سابقہ یعنی قوم نوح، قوم ہود، قوم شعیب، قوم سبا، قوم لوط اور بنی اسرائیل اور دوسرے افراط و تفریط کے شکار لوگوں کا بکثرت ذکر فرمایا ہے تاکہ انسان سدھر جائے۔ عذابوں سے بچ جائے اور فوز و فلاح سے ہمکنار ہو جائے۔ ایک اسلامی ریاست صحیح معنوں میں ایک فلاحی ریاست ہوتی ہے اور واضح رہے کہ اسلام کا تصور فلاح دنیاوی زندگی سے لے کر آخرت تک ہے اور سارے دنیاوی امور عبادت میں شامل ہیں بشرطیکہ حدود اللہ سے متجاوز نہ ہوں۔

**افسران انتظامیہ کے لیے حضور ﷺ کی تنبیہ**

"جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی امور کا ذمہ دار ہو، اور وہ ان کے ساتھ خیانت کرے تو خدا ان پر جنت حرام کر دے گا"۔(۵۸)

اور یہ ارشاد نبوی ﷺ تو ذمہ داران حکومت کے لئے خطرے کی گھنٹی "Red Alert" سے کسی طرح کم نہیں کہ وہ تساہی و کوتاہی سے باز آجائیں۔

"جس شخص نے مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کی ذمہ داری قبول کی، پھر اس نے ان کے ساتھ خیر خواہی نہ کی اور اپنے کام انجام دینے میں اپنے آپ کو اس طرح نہیں تھکایا جس طرح اپنی ذاتی ضروریات کے لئے خود کو تھکاتا ہے تو خدا اس شخص کو منہ کے بل جہنم میں گرا دے گا"۔(۵۹)

**حکام ضابطہ اخلاق کے پابند ہوں**

مولانا گوہر الرحمٰن "اسلامی سیاست" میں فرماتے ہیں کہ حکام اور قضاۃ ہمہ وقتی طور پر فارغ اور ذاتی کاروبار سے اجتناب کرنے والے ہوں۔

"حکام اور قضاۃ کی معاشی ضروریات پوری کرنا قوم کی ذمہ داری ہے قاضی شریح خزانے سے تنخواہ لیتے تھے، ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی خلافت کے دوران بیت المال سے تنخواہ لیا کرتے تھے" اور تنخواہ کی شرح بھی حضورؐ کی اس حدیث

سے مترشح ہوتی ہے: "جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے، اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو، تو نوکر کا، اگر مکان نہ ہو تو مکان کا خرچ لینا چاہیے لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہے"۔(۶۰)

مزید بر آں حدیث نبویؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حاکم اور قاضی ذاتی تجارت سے اجتناب کرے "تجارت کرنے والا قاضی اور حاکم عدل پر قائم نہیں رہ سکتا"۔(۶۱)

## ملکی عہدیداران اور انتظامی افسران کے انتخاب میں جوہر شناسی کی ضرورت

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب بھی نااہل اور نکمے لوگ اعلیٰ حکومتی عہدوں پر فائز کیے جاتے ہیں تو بلائیں اور مصیبتیں ملک پر نازل ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور یہ حقیقت معلوم تاریخ یعنی (Recorded History) کے روم، فارس، ہندوستان، چین، عرب اور دوسرے ممالک میں کم و بیش ایک جیسی رہی ہے کہ لامحدود اختیارات، احتساب کا نہ ہونا، اور نااہل ملکی عہدیداران کی کوتاہ فہمیوں نے بالآخر ملک وملت کا بیڑہ غرقاب کر دیا ہے اور روم کے جلنے پر بھی نیرو بانسری بجانے سے نہیں رکتا۔ حکومتی و انتظامی امور کے حوالے سے حضرت عمر فاروقؓ کی جوہر شناسی کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی "الفاروق" میں لکھتے ہیں "صوبہ جات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی، ملکی عہدیداران کا انتخاب اور ان کی کارروائی کو دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمان روا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدیدارانِ ملکی قابل، لائق، راست باز اور متدین نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے ملک کی کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں اوراق الٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی"۔(۶۲) یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اچھی حکمرانی یعنی (Good Governance) جس بھی چیز کا نام تھا وہ ہمیں عہد فاروقی میں بلا کم و کاست ملتا ہے۔ آپؓ نے عوام کو جس مثالی نظم وضبط کا پابند بنایا تھا، ہر عامل کا جس طرح ریکارڈ لکھا جاتا تھا ہر ہر کام میں سلیقہ مندی کا حسن جھلک رہا تھا، شاید تاریخ اس طرح اپنے آپ کو دہرانے سے قاصر ہے، خیر ہماری دعا و تمنا ہے کہ:

جلوۂ حسن سے تیری شہ عشق شمشاد قداں
کچھ سلیقہ نظر آئے تیری رعنائی کا (فیض)

## منتظمین کی تقرری، تربیت و فرائض منصبی کی ادائیگی

ڈاکٹر نثار احمد لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک عظیم مصلح اور بیدار مغز حکمران تھے، آپؐ کو جہاں یہ خیال تھا کہ عہدیدار اپنے فرائض و واجبات کی بجا آوری صحیح طور پر کریں، اس سے زیادہ اہتمام اس بات کا تھا کہ عمال و حکام زیور اخلاق سے آراستہ ہوں تاکہ جہاں بھی ان کا تقرر کیا جائے وہ کامیاب ثابت ہوں اور کم از کم وہاں کے باشندے ان کے اخلاق کے شاکی نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبل کو یمن کی جانب روانہ کیا تو فرمایا تھا "تم دونوں سختی نہ کرنا، بلکہ آسانی سے کام لینا اور لوگوں کو

اچھی باتیں سنانا، نفرت نہ دلانا"۔(۶۳)

**اہلیت و قابلیت**

عہدیدار چاہے کسی بھی درجہ کا ہو، بنیادی شرط اس کے لیے یہ تھی کہ وہ اسلام کے نظریہ حیات پر یقین اور اس کی تعلیمات سے گہری واقفیت رکھتا ہو، جیسا کہ حضورؐ نے معاذ بن جبل سے واقفیت شرع کا امتحان لیا تھا۔(۶۴) گورنروں اور والیان کو نہ صرف زبانی ہدایات، بلکہ تحریری فرامین بھی بعض اوقات عطا کیے جاتے تھے۔(۶۵)

Revenue officers کو محاصل کے نصاب کی تعلیم دی جاتی تھی، قاضیوں کو عدل و قضا کے متعلق تعلیم دیوانی و فوجداری مقدمات میں فیصلوں اور عملدرآمد کے متعلق تمام ہدایات رسول اللہ بنفس نفیس دیا کرتے تھے۔(۶۷)

**بازاروں اور تجارتی مقامات کی نگرانی**

بازار چونکہ معاشرتی زندگی کے مراکز اور اقتصادی سرچشمے (Economical Hub) ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہاں بدعنوانیوں، ظلم و زیادتیوں، چوری اور دھوکہ دہی اور جنگ و جدل کے احتمالات زیادہ ہوتے ہیں اس لئے اس کی مؤثر نگرانی ضروری ہوتی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بحیثیت امیر ریاست ان تجارتی بدعنوانیوں پر ضرور نگاہ مبارک رکھتے تھے، بدعنوان تاجروں کو دین و دنیا کی وعید اور ایماندار تاجروں کو بشارت آخرت سناتے۔(۶۸) ناپ تول میں کمی اور جھوٹی قسمیں کھانے والوں اور دوسری نازیبا حرکات کی سخت ممانعت کر دی۔(۶۹)

حضورؐ عملی طور پر منڈیوں اور بازاروں کا دورہ فرماتے، تفتیش و تحقیق اور ضروری تنبیہ و کارروائی بھی عمل میں لاتے۔ ایک مرتبہ بازار میں تشریف لے گئے۔ غلہ کے ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا، غلہ اندر سے گیلا تھا، دکاندار سے استفسار کیا، اس نے جواب دیا "بارش سے بھیگ گیا ہے، آپؐ نے فرمایا تو پھر اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ ہر شخص کو نظر آئے، پھر فرمایا جو لوگ دھوکہ فریب کریں وہ میں سے نہیں ہیں۔ (۷۰)

علاوہ ازیں منڈیوں اور بازاروں کی مجموعی نگہداشت اور تجار کے بے جا تصرفات سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بازاروں کے لیے باقاعدہ محتسب (Market Inspector) کا تقرر بھی کیا تھا۔(۷۱) بلکہ اور تو اور سمرا بنت نہیک الاسدیہ کو یعنی عورتوں کو بھی یہ ذمہ داری دی گئی تھی۔(۷۲) وہ کوڑا لے کر بازاروں میں گھومتی تھی، آج کل ہمارے ملک کے صوبہ پنجاب میں اسی طرح ایک عورت کی تقرری ایک احسن اقدام ہے اور وہ انتہائی کامیابی سے اپنی ذمہ داری نبھا رہی ہے۔(۷۳)

ایک پشتو شاعرہ کہتی ہے کہ "مجھے وہ دوپٹے پسند ہی نہیں ہیں جن دوپٹوں سے انقلاب کے پرچم نہیں بن سکتے ہیں"۔

## اختتامیہ

اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند کرنے کے طریقوں پر مختلف پہلوؤں سے تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں وضاحت کی گئی۔ مثلاً انصاف و قانون کی حکمرانی ہو تو بد نظمی، سرکشی، انتشار و افتراق، جبر و استبداد، ظلم و ناانصافی، کشت وخون اور فتنہ وفساد معدوم ہوں گے۔ اسی طرح قیام امن سے مجرموں کی حوصلہ شکنی ہو گی اور دہشت گرد اپنے مقاصد تبدیل کرنے پر مجبور ہوں گے، حکومت اور عوام الناس معاشی ترقی کے لیے بے خوف وخطر جدوجہد شروع کر سکیں گے۔ معاشی بہتری تعلیمی بہتری کا سبب بن کر ایسے ایسے افراد تیار ہو جائیں گے جو صحیح معنوں میں امت مسلمہ کے چشم وچراغ ہوں گے۔ خلافت راشدہ کی مثالی حکمرانی نے نظم وضبط کے اعلیٰ اصول قائم کیے کیونکہ خود سادہ زندگی بسر کرنے والا عمر فاروقؓ اپنے عمال کو لکھ سکتا ہے کہ اپنی عمارتیں طول طویل یعنی بلند نہ بناؤ کیونکہ یہ طرزِ عمل بدترین زمانہ کی نشانی ہے۔(۷۳) کھانے پینے کی چیزوں میں نظم وضبط یعنی حرام وحلال کا تعین(۷۴) دور جاہلیت کے خود ساختہ قاعدوں اور رسومات کا خاتمہ۔ (۷۵) ڈکیتی، قتل و غارت اور فتنہ فساد برپا کرنے والوں کے لیے سزا کا قانون(۷۶) چوری کی تعزیر (۷۷) متکبرانہ رویے کی اصلاح (۷۸) میانہ روی کی تعلیم، القصد، القصد تبلغو (۷۹) کھانے پینے میں اسراف سے بچنا (۸۰) دین میں انتہاپسندی سے بچنا (۸۱) بے جا خرچ سے بچنا (۸۲) شراب کی ممانعت اور حتیٰ کہ حلال و مباح چیزوں میں بھی راہ اعتدال سے نہ ہٹنا اور انتہائی دنیاپرستی سے اپنا دامن بچائے رکھنا (۸۳) قرآن وسنت کی وہ بنیادی تعلیمات ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر افراد سے وہ معاشرے بنتے ہیں جن کا نظارہ تاریخ عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ میں کر چکی ہے۔

*آ دیکھ سردار وفا آنکھ اٹھا کر*
*جھومر کی طرح وقت کے ماتھے پہ سجا ہوں*

## تجاویز وسفارشات

مقالہ ہذا کے اندراجات وتفصیلات کی روشنی میں طلباء واساتذہ، مصلحین و مدبرین، مفکرین و منتظمین، حکومتی کارپردازوں اور مذہبی و سیاسی زعماء اور انتظامیہ و اہلین بست وکشاد کی سہولت و رہنمائی کے لیے درج ذیل تجاویز و سفارشات پیش خدمت ہیں:

۱- نوجوانوں کے لئے: مختلف النوع صحت مند سرگرمیوں کا آغاز کیا جائے۔

۲- زراعت: چھوٹی صنعتوں اور فارمنگ کے تمام شعبوں میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری کی جائے تاکہ بیروزگاری کو قابو پانے میں مدد مل جائے۔

۳- شادی بیاہ کی عیاشیانہ تقریبات پر پابندی عائد کی جائے۔

۴- زکوٰۃ وصدقات کی لازمی وصولی کے ذریعے دولت کے ارتکاز پر قابو پایا جائے تاکہ غربت وافلاس کو زیر کیا

جاسکے۔

۵- ارشاد نبویؐ کے مطابق بڑے بڑے شہر نہ بسائے جائیں تاکہ انتظامی مسائل نظم وضبط کے قیام میں مخلل نہ ہوں۔

۶- تعلیمی نظام میں ٹیکنالوجی، سائنسی علوم اور عمرانی علوم کے ساتھ اخلاقیات کو مربوط کیا جائے۔

۷- فضول خرچی کو قومی جرم قرار دیا جائے تاکہ محل نما قبر کے متعلق شاعر پھر یہ نہ کہہ سکے۔

مقبرے بنتے ہیں زندوں کے مکانوں سے بلند
کس قدر اُج پہ تکریم ہے انسانوں کی

(احمد ندیم قاسمی)

## حوالہ جات


(۱) نثار احمد، ڈاکٹر "عہد نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء" نشریات ۴۰، اردو بازار لاہور، ص ۱۲۔

(۲) مودودی، سید ابوالاعلیٰ "اسلامی ریاست" اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، پاکستان۔

(۳) مودودی، سید ابوالاعلیٰ "اسلامی ریاست" اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، پاکستان۔

(۴) علامہ، اقبال محمد، کلیات اقبال، شیخ غلام ربانی اینڈ سنز لاہور۔

(۵) سورۃ یوسف آیت ۴۰۔

(۶) سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱۱۱۔

(۷) سورۃ الاعراف آیت ۵۴۔

(۸) مودودی، سید ابوالاعلی "اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر" اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، پاکستان۔

(۹) الادب المفرد، باب حسن الخلق اذا فقہو، ص ۴۴، بحوالہ انتخاب حدیث، حسن عمر پوری، مولانا عبدالغفار اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان۔

(۱۰) سورۃ الحج آیت ۷۸۔

(۱۱) صحیح مسلم، مشکوٰۃ، باباالامہ ص ۹۰۔

(۱۲) مودودی، سید ابوالعلی، "اسلامی ریاست" اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان۔

(۱۳) الحق، مظہر ڈاکٹر Principles of political science، اے سی وکافور، ایس چاند اینڈ کمپنی، نئی دہلی۔

(۱۴) علامہ، اقبال محمد، کلیات اقبال، شیخ غلام ربانی اینڈ سنز لاہور۔

(۱۵) طاہر محمد اکرم "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم" مستشرقین کے خیالات کا تجزیہ، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، ص ۲۲۰۔

(۱۶) ایضاً ص ۲۲۱۔
(۱۷) ایضاً ص ۲۲۱۔
(۱۸) ایضاً ص ۲۲۱
(۱۹) ایضاً۔
(۲۰) ایضاً ص ۲۲۱۔
(۲۱) صحیح بخاری، صحیح مسلم۔
(۲۲) نعمانی شبلی، الفاروق، ص ۲۸۹۔
(۲۳) ایضاً ص ۲۸۲۔
(۲۴) احمد خورشید "مدینہ کی اسلامی فلاحی ریاست" بحوالہ عالمی ترجمان القرآن مارچ ۲۰۱۲ ص ۱۳۔
(۲۵) ایضاط ص ۱۳۔
(۲۶) سورۃ الحدید آیت ۲۵۔
(۲۷) سورۃ الانعام آیت ۲۱۔
(۲۸) سورۃ ال عمران آیت ۱۴۰
(۲۹) سورۃ المائدہ آیت ۸
(۳۰) صفی الرحمٰن، تجلیات نبوت ص ۲۵- ۳۷۶، بحوالہ ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن اپریل ۲۰۱۶۔
(۳۱) مودودی سید ابوالعلی "تفہیمات جلد چہارم ص ۱۷۳۔
(۳۲) احمد، نثار ڈاکٹر، "عہد نبویؐ میں ریاست کا نشو وارتقاء، ص ۱۳۔
(۳۳) سورۃ ھود آیت ۸۵۔
(۳۴) سورۃ البقرہ، آیت ۱۹۳۔
(۳۵) سورۃ القریش آیات ۳، ۴۔
(۳۶) بخاری، بحوالہ "راہ عمل ص ۱۹۳" مولانا جلیل احسن ندوی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان۔
(۳۷) رواہ الترمذی مشکوٰۃ، باب الشفقۃ ص ۴۱۵۔ بحوالہ انتخاب حدیث عمر پوری عبدالغفار ص ۶۸۔
(۳۸) طاہر، محمد اکرم، محمد رسول اللہ، مستشرقین کے خیالات کا تجزیہ، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور ص ۱۸۱۔
(۳۹) Dewy. J. (1966) "Democracy and education" an introduction to philosophy of education Newyork.
(۴۰) تقریر، غلام اسحاق خان، صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان بمقام اسلامیہ کالج پشاور بموقع ڈائمنڈ جوبلی مارچ

۱۹۸۹۔
(۴۱) احمد، محمود ایم اے "رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ۵۵ وصیتیں" دار اندلس لاہور، پاکستان۔
(۴۲) نعمانی، علامہ شبلی "الفاروق" ص ۲۶۴، المیزان ناشران و تاجران کتب اردو بازار، لاہور۔
(۴۳) ایضاً ص ۲۴۷- ۲۴۸۔
(۴۴) سورۃ التحریم آیت ۶۔
(۴۵) سورۃ لقمان آیات ۱۶ تا ۱۸۔
(۴۶) ایضاً آیت ۱۴۔
(۴۷) شفیع، محمد مفتی، معارف القرآن جلد پنجم، تفسیر سورۃ یوسف ادارہ المعارف کراچی۔
(۴۸) سورۃ الاسراء، آیت ۳۰۔
(۴۹) آیت ۲۶۔
(۵۰) آیت ۲۹۔
(۵۱) ایضاً ً۔
(۵۲) الحشر آیت نمبر ۷
(۵۳) سورۃ المعارج ۲۴- ۲۵۔
(۵۴) مسند امام احمد بن حنبل۔
(۵۵) مسلم، بخاری، ترمذی۔
(56) جامع ترمذی، ابن ماجہ۔
(۵۷) Briffault the making of humanity, allew & unwin Ltd--- London 1928- p: 159۔ بحوالہ، ڈاکٹر نثار احمد، عہد نبویؐ میں ریاست کا نشو وارتقاء، نشریات لاہور، ۳۱۔
(۵۸) بخاری و مسلم۔
(۵۹) طبرانی، بحوالہ ترجمان القرآن دسمبر ۲۰۰۵، "قیادت کا معیار مغلوب" از سید شکیل انور، حیدرآباد دکن، بھارت۔
(۶۰) ابوداؤد، جلد ۲، ص ۴۰۹ (تاب الخراج والفے) بحوالہ۔ ڈاکٹر نثار احمد "عہد نبوی میں ریاست کا نشو وارتقاء ص ۴۵۲۔
(۶۱) المغنی ص ۶۹، جلد ۱۰، بحوالہ اسلامی سیاست از مولانا گوہر الرحمٰن ص ۴۲۹۔
(۶۲) نعمانی شبلی الفاروق، المیرزان ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور، ص ۱۷۳۔
(۶۳) احمد نثار ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں ریاست کا نشو وارتقاء، نشریات اردو بازار، لاہور ص ۴۱۳۔
(۶۴) ایضاً۔

(۶۵) الترمذی جلد ا، ص ۱۵۹ (ابواب الاحکام)۔

(۶۶) Dr. Hamidullah: The Government of the Holy Prophet II, the Islamic review working, England, June 1942, No 6, vol XXX p:282)۔

(۶۷) الدارمی، ابن ماجہ، المطبعہ التازیہ ج ۲ ص ۲۔

(۶۸) سورۃ الانعام آیت ۱۵۲، سورۃ الاعراف آیت ۸۵، سورۃ ھود آیت ۸۴- ۸۵، سورۃ الاسراء آیت ۳۵، سورۃ الشعراء آیت ۱۸۱، سورۃ الرحمٰن آیت ۸، ۹، سورۃ المطففین آیت ۱، ۳۔

(69) مسلم، ج ا، ص ۷۰ (کتاب الایمان)۔

(۷0) بعد فتح سوق مکہ کے نگران سعد بن سعید بن العاص اور سوق مدینہ کے نگران و محتسب عمر بن الخطاب تھے۔ (الحلبی جلد ۳، ص ۳۶۵) بحوالہ ڈاکٹر نثار احمد، عہد نبویؐ میں ریاست کا نشو وارتقاء، ص ۴۶۶۔

(۷1) کتانی جلد ا، ص ۲۸۵۔

(۷2) روزنامہ مشرق فروری ۲۰۱۶ و روزنامہ ایکسپریس کالم عبد القادر حسن، غیر سیاسی باتیں، جون، جولائی ۲۰۱۵، یہ نگران عورت غالباً ڈاکٹر عائشہ ممتاز ہے۔ ایک عورت عہد نبویؐ میں بھی نگران تھی جو کوڑے لے کر بازاروں میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتی تھی اور عہد فاروقی میں بھی موجود تھی۔

(۷3) امام بخاری، الادب المفرد ص ۶۶۔

(۷4) سورۃ المائدہ آیت ا تا ۵، ۸۸، ۹۰، ۹۱، ۹۶، ۱۰۳۔

(۷5) ایضاً۔

(۷6) ایضاً۔

(۷7) ایضاً۔

(۷8) سورۃ لقمان ۱۶ تا ۱۸۔

(79) بخاری جلد ۳، ص ۸۷۔

(۸0) سورۃ الاعراف، آیت ۳۱۔

(۸1) ابن کثیر ص ۳۲۶۔

(۸2) ترمذی، مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، بحوالہ انتخاب حدیث از عبد الغفار حسن پوری، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور۔

# [[009]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

قاضی تنزیل الرحمٰن
پرنسپل الفرقان پبلک سکول پنڈ کمال خان

**اسلامی ریاست**

ریاست کا ادارہ انسانی سماج کی بنیادی ضرورت ہے اور اس کے بغیر منظم اجتماعی زندگی کا تصور مشکل ہے۔

ریاست ایک ایسا ادارہ ہے جو انسان کے بنیادی انسانی حقوق و معاشرتی تعلقات، معاشی لین دین اور تمدنی معاملات کا محافظ ہو۔ جو انسان کے دفاع، قیام امن، انتظام قانون حصول عدل اور تعلیم کا ضامن ہو۔ گویا انسانی زندگی کی تشکیل اور نمو کے لئے ریاست ہی سب سے بنیادی اور اہم ترین ادارہ ہے۔ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور ریاست کا ایک واضح اور مکمل تصور پیش کرتا ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً (اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ)(۱)

اسلامی ریاست میں متقدر اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کے علاوہ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے، اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۲)

یعنی اللہ کے سوا کسی کو اقتدار اعلیٰ حاصل نہیں، اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت یا گھر اس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لی جاتی ہے۔(۳)

"اسلام کے سیاسی نظام میں بادشاہت کی مرکزی شان و اقتدار، اعیانی حکومت کی یکجہتی، جمہوریت کی ہمہ گیر حقوق پسندی اور فرض شناسی، اشتراکیت کا ہمہ گیر جذبہ مساوات اور احساس دردمندی ڈکٹیٹر شپ (آمریت) کی مرکزیت اور طاقت کمال اعتدال کے ساتھ جمع ہیں۔ "(۴)

اسلام کے مادی اقتدار کا لازمی جزو اس کا روحانی اقتدار ہے اور صاحب اقتدار جماعت کے اخلاق و اعمال کی اشاعت ہے۔ ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ــ

یہ مسلمان ہیں کہ انہیں اگر ہم نے زمین میں صاحب اقتدار کر دیا۔ تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں

گے، نیکیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور تمام باتوں کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔(۵)

مملکت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے:

"اور کہو پروردگار! مجھ کو جہاں بھی تو داخل کر۔ سچائی کے ساتھ داخل فرما اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا۔"

پس معلوم یہ ہوا کہ اسلام دنیا میں اصلاح چاہتا ہے۔ جو صرف وعظ و تزکیہ سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لئے منظم فلاحی مملکت کی قوت بھی درکار ہے۔

رسول اللہؐ کی اس دنیا میں بعثت کا ایک اہم ترین مقصد حکومت الٰہی قائم کرنا اور اس دنیا میں خدائی نظام اخلاق و معاشرت کا جاری کرنا۔ اللہ کے قوانین کا نفاذ اور اللہ کی زمین میں عدل کا قیام ہے۔ اسلام دین اور سیاست میں کسی تفریق کا قائل نہیں اور انسان کی پوری زندگی کو خدا اور اس کے رسول کے تابع کرنا اور اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی پر عمل پیرا کرنا ہی اسلامی ریاست کا مقصد ہے۔

**نظم وضبط:**

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات پر ایک طاہرانہ نگاہ دوڑائی جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ لامتناہی اور بیکراں وسعتوں کی حامل کائنات کتنے سلیقے اور قرینے سے بنائی گئی ہے۔ اس کائنات اور اس کے اندر کی ہر شے اللہ کے بنائے ہوئے قاعدے اور نظم و ضبط کی پوری پابند ہے۔ نہ موسموں میں موسم مدغم ہوتے ہیں۔ نہ رات دن اپنے مقررہ اوقات سے آگے پیچھے ہوتے ہیں۔ رب کائنات نے بڑی بڑی (Galexies) گلیکسیز نظام شمسی اور ستارے، سیاروں اور چاند و سورج کو اپنے اپنے مقررہ راستوں پر دوڑا دیا ہے اور ان کے لئے طے کردہ اوقات کار کا نظام بنا دیا ہے۔ قدرت نے تمام نباتات و جمادات، ہوا، پانی، بارش، ندی نالوں کی جولانی، سمندر اور خشکی کے تناسب، گرمی اور سردی، آتش فشاں اور پہاڑوں کی جولانی ہر اک چیز میں نظم وضبط کے اصول کو برقرار رکھا ہے۔

اگر انسان اپنی تخلیق پر غور و فکر کرے تو پانچ سے چھ فٹ کے اس جسم میں اللہ کے بنائے ہوئے نظم وضبط کا شاہکار نظر آتا ہے۔

نظام انہضام ہو یا سانس لینے کا نظام، انسانی دماغ کا نظام ہو یا اعصابی نظام، ہڈیوں کا نظم ہو یا کوئی بھی عضو ہر چیز میں مکمل ہم آہنگی اور نظم موجود ہے۔ جو نہی جانے یا انجانے انسان اس نظم وضبط کو توڑنے یا اس میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تو فوراً کوئی نہ کوئی بیماری لاحق ہو جاتی، جس کا نتیجہ بعض اوقات موت تک جا پہنچتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ قدرت کے اس قانون کو جن قوموں نے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنایا اور اپنے آپ کو ایک منظم معاشرے کے طور پر پیش کیا وہ قومیں ہمیشہ بام عروج پر پہنچی اور جہاں نظم وضبط کے بجائے افتراق و انتشار نے جگہ لے لی ذلت و رسوائی ان کا مقصد بنی اور ان کی داستان تک نہ رہی داستانوں میں تنظیم کے ضمن میں وہ

سب چیزیں آتی ہیں جو کسی قوم کے زندہ رہنے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ گھر ہو یا باہر دفتر ہو یا مارکیٹ، کھیل کا میدان ہو یا پارک، مسجد ہو یا مدرسہ، سفر ہو یا حضر، صنعت و حرفت ہو یا زراعت، کارخانے ہوں یا کھیت کھلیان، حالت امن ہو یا کہ جنگ حتیٰ کہ کھانے پینے سے لے کر کھانے پینے اور سونے، جاگنے، اٹھنے، بیٹھنے اور چلنے پھرنے سب میں ڈسپلن کا قائم رکھنا بے حد ضروری ہے۔ تنظیم کے بغیر کوئی قوم ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتی۔

اسلام بہترین نظم و ضبط کے اصول وضع کرتا ہے۔ اسلام ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جو انتہائی منظم اور پر امن معاشرہ ہو۔

اعلیٰ معاشرتی نظم و ضبط کی موجودگی میں آزادی مساوات اور رواداری جیسی جمہوری روایات فروغ پاتی ہیں۔ بدعنوانی اور جرائم میں کمی آتی ہے۔ بہتر نظم و ضبط کی بنیاد پر دہشت گردی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ تمام افراد کو ترقی کے یکساں مواقع مہیا کئے جاسکتے ہیں، افراد کا معیار زندگی بلند کیا جاسکتا ہے۔ انہیں تمام بنیادی حقوق مہیا کئے جاسکتے ہیں۔ جبکہ معقول معاشرتی نظم و ضبط کے مفقود ہونے پر افراد کی جان و مال غیر محفوظ رہتی ہے۔ ان کا آرام و سکون تباہ ہو جاتا ہے۔ وہ دل جمعی سے اپنی سرگرمیاں اور ذمہ داریاں ادا نہیں کر سکتے ملک کا امن و امان برباد ہو جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ معاشرے میں انتشار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

**اسلام میں نظم و ضبط کی اہمیت:**

دین اسلام ایک اجتماعی نظام کا نام ہے جو زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہے۔ یہ ہی وہ نظام ہے جو مختلف طبقات، رنگ، نسل، زبان اور مراتب سے بالاتر ہو کر ایک امت بناتا ہے۔ اس اجتماعیت کا نام نظم و ضبط ہے۔ اسلام کی نظر میں نظم سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے تمام افراد ایمان محکم اور یقین کامل کے ساتھ تنظیم و اتحاد کے راستے پر گامزن ہو جائیں۔ جیسا کہ ارشاد ربی ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا سب اکٹھے ہو کر مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقے پیدا نہ کرو۔(٦)

نبی کریم ﷺ کی دعوت کا اہم ترین نقطہ یہ تھا کہ آپ لوگوں کے دلوں کو ملا دیں انہیں ایک جھنڈے تلے جمع کریں اور ان کے درمیان فکری ذہنی اور عملی وحدت پیدا فرمائیں کہ اس کے بغیر معاشرے کی اصلاح ناممکن ہے۔ آپؐ نے لوگوں کی معاشی، معاشرتی، سیاسی اور سماجی زندگی کو قانون الٰہی کے تابع کیا۔ آپ نے افراد کے اندر ایسا نظم و ضبط پیدا فرمایا کہ خود آپ نے ان کی مثال ایک جسم کی مانند قرار دیا اور صحابہ کرامؓ کی ایسی منظم جماعت تیار کر کے دکھائی جو سیسہ پلائی دیوار کی مانند تھی کا انہم بنیان مرصوص آپ نے مدینہ کی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی مہاجرین و انصار کے درمیان مواخواۃ کا رشتہ قائم کر کے دنیائے عالم کے سامنے ایک عظیم مثال پیش کی۔ آپؐ اور آپؐ کی جماعت کی نظم و ضبط کی مثال ہمیں غزوات رسولؐ اور آپ کے معاہدات میں عام ملتی ہیں۔ نہ صرف مسلمانوں کے درمیان بلکہ ہمارے پیغمبرؐ کو تمام جہانوں کے رہبر و رہنما تھے۔ اس لئے آپؐ کے مدینہ کی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی یہود کے

ساتھ کئے گئے معائدے کو دیکھا جائے تو (ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس کو دنیا کا پہلا لکھا جانے والا Constitution قرار دیا) کسی بھی ریاست میں نظم وضبط بر قرار رکھنے کی بہترین مثال موجود ہے۔

آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر مضبوطی سے بھینچا اور فرمایا مسلمان آپس میں محبت والفت اور رحمت ونرمی کا سلوک کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں۔ جب اس کا ایک حصہ تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو سارا جسم اس کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔(۷)

اگر اسلامی عبادات کو دیکھا جائے تو ہمیں ہر عبادت میں نظم وضبط کا اصول کار فرما نظر آئے گا۔ نماز کا پانچ وقت کا مقرر وقت پر اور باجماعت ادائیگی نظم وضبط کی اعلیٰ مثال ہے۔ زکوٰۃ معاشرے کے امیر وغریب طبقے کو باہم جوڑنے اور ایک لڑی بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اسی طرح حج تمام مسلمانان عالم کے باہمی نظم وضبط کا ایک عظیم وبے مثال مظہر ہے جس کا ہر رکن ہی اپنے اندر بے پناہ نظم کے خواص کا حامل ہے۔

گویا اسلام ایک صالح جماعت وجود میں لاتا ہے۔ جو معاشرتی ومعاشی، سماجی وسیاسی لحاظ سے ایک لڑی میں پروئی جاتی ہے۔ جس میں تمام افراد کا ایک ہی مقصد رضا الٰہی کا حصول اور ایک ہی طریق اطاعت رسول اور ایک ہی اصول امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہو ایک منظم جماعت کہلاتی ہے۔

**نظم جماعت:**

جب افراد نبی کریمؐ کی دعوت سے مشرف بہ اسلام ہو چکے اور تزکیہ نفس کے مراحل گزار کر اپنے اوپر اللہ کا دین قائم کر چکے تو نبی کریمؐ ان افراد کو ایک جماعتی نظم وضبط میں لائے۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں! میں تمہیں 5 باتوں کا حکم دیتا ہوں "آمرکم بخمس"۔ وہ پانچ باتیں کیا ہیں جن کا آنحضرت نے حکم دیا ہے۔ "بالجماعة والسمع والطاعة والهجرة والجهاد في سبيل االله" یعنی التزام جماعت کا (حکم) سننے کا (حکم) ماننے کا راہ خدا میں ہجرت کا اور اللہ کی راہ میں جہاد کا قرآن مجید میں سمع واطاعت کی اصطلاحات عام ملتی ہیں کیونکہ جماعتی نظم وضبط بر قرار رکھنے میں یہ دونوں باتیں گویا گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ (۸)

"اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی ہم تیری بخشش کے طلبگار ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کے جانا ہے۔" ایک حدیث مبارکہ میں نبی کریمؐ کی بنائی ہوئی منظم جماعت کی بیعت کا ذکر نہایت جامعیت کے ساتھ یوں ہے۔

عن عبادة بن الصامت قال بايعنا رسول االله صلى االله عليه وسلم على السمع والطاعة في العسر واليسر ولمنشط والمكره وعلى اثرة علينا وعلى ان لا ننازع الامر اهله وعلى ان نقول بالحق اينما كنا لانخاف فى االله لومة لائم- وفي رواية وان

لا ننازع الامر الا ان تروا كفرا بواحا عندكم فيه من االله برهان(۹)

عبادہ بن الصامت نے روایت کیا کہ ہم نے رسول اللہؐ سے تنگی اور آسانی، خوشی اور ناخوشی، ہر حالت میں حتیٰ کہ اپنے اوپر کسی کو ترجیح دینے کے باوجود سمع و اطاعت کی بیعت کی اور اس بات پر بیعت کی کہ اہل حکم سے اختیارات کے معاملے میں نزاع نہ کریں گے اور حق بات کہیں گے جہاں بھی ہوں۔ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی ہر گز پرواہ نہ کریں گے اور ایک روایت میں ہے کہ ہم اہل امہ سے نزاع نہیں کریں گے۔ الا یہ کہ تم ان کے اندر کھلا کفر دیکھو جس پر تمہارے اللہ کی طرف سے دلیل بھی موجود ہو۔ نبی کریمؐ نے دعوت قبول کرنے والوں کو منظم فرمایا اور کہا اینٹیں علیحدہ علیحدہ نہیں ہوں گی باہم جڑ کر دیوار میں لگیں گی تو مضبوط دیوار بنے گی اور ان اینٹوں کو جوڑنے کے لئے نبی کریمؐ نے بیعت کا مسالہ استعمال فرمایا۔

**"مواخاۃ مدینہ" نظم وضبط قائم کرنے کی مثال:**

مہاجرین مکہ معظمہ سے بے سروسامان آئے تھے اور مدینہ میں پہنچتے ہی ان تمام افراد کا مستقل قیام وطعام اور انتظام ایک اہم اور مشکل مرحلہ تھا۔ اسی مرحلے پر حضور نبی کریمؐ نے مواخاۃ کا رشتہ قائم فرما کر بہترین نظم وضبط قائم فرمایا۔

آپؐ نے انصار کو طلب فرمایا انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا "یہ تمہارے بھائی ہیں" پھر مہاجرین وانصار میں دو شخص کو یہ اور تم بھائی ہو اور اب وہ در حقیقت بھائی بھائی تھے۔ انصار نے مہاجرین کو ساتھ گھر لے جا کر ایک ایک چیز کا جائزہ دے دیا۔ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے، سعد بن ربیع اور عبدالرحمان بن عوف بھائی قرار پائے، ان کی دو بیویاں تھیں، عبدالرحمٰن سے کہا ایک کو میں طلاق دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔ لیکن انہوں نے احسان مندی سے انکار کر دیا۔(۱۰)

رسول اللہؐ نے اس بھائی چارے کو محض کھوکھلے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا تھا بلکہ اسے ایک ایسا نافذ العمل عہد و پیمان قرار دیا جو خون اور مال سے مربوط تھا۔ یہ خالی خولی سلامی اور مبارکباد نہ تھی کہ زبان پر روانی کے ساتھ جاری رہے مگر نتیجہ کچھ نہ ہو۔ مگر اس بھائی چارے کے ساتھ ایثار و غمگساری اور مونست کے جذبات بھی مخلوط تھے اور اسی لیے اس نے اس نئے معاشرے کو بڑے نادر اور تابناک کارناموں سے پر کر دیا تھا۔(۱۱)

حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے کہ انصار نے نبیؐ سے عرض کیا کہ آپؐ ہمارے درمیان اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغات تقسیم کر دیں آپؐ نے فرمایا، نہیں انصار نے کہا تب آپ لوگ یعنی مہاجرین ہمارا کام کر دیا کریں اور ہم پھل میں آپ لوگوں کو شریک رکھیں گے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم نے بات سنی اور مانی حقیقت یہ ہے کہ مواخاۃ مدینہ رسول اکرمؐ (۱۲) کی اعلیٰ بصیرت، ایک نادر حکمت، حکیمانہ سیاست اور مسلمانوں کو در پیش مشکلات کا ایک بہترین حل تھا۔ اس کے ذریعے حضورؐ نے مدینہ کے عوام الناس کو بہترین انداز میں منظم فرما کر

ایک مثال قائم فرمائی۔

**یہود کے ساتھ معاہدہ نظم وضبط کے قیام کی مثال:**

نبیؐ نے ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کے درمیان عقیدے سیاست اور نظام کی وحدت کے ذریعے ایک نئے اسلامی معاشرے کی بنیادیں استوار کر لیں تو غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات منظم کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ ساری انسانیت امن وسلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرور ہو اور اس کے ساتھ مدینہ اور اس کے گرد و پیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہو جائے چنانچہ آپؐ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قوانین مسنون فرمائے جن کا اس تعصب اور غلو پسندی سے بھری ہوئی دنیا میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔(۱۳)

یہود کے تین قبائل بنو قینقاع، بنو نصیر اور قریظہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ انہوں نے مضبوط برج اور قلعے بنا لیے تھے۔ انصار کے دو حریف قبائل اوس اور خزرج کی لڑائیوں میں بڑا ہاتھ ان یہودیوں کا ہوتا۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار کبھی باہم متحد نہ ہو پائیں۔ مذکورہ اسباب کی بنا پر جب نبی کریمؐ نے مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو امن و سکون اور نظم وضبط کو برقرار رکھنے کی خاطر حسب ذیل شرائط پر معاہدہ لکھوایا جس کو فریقین نے منظور کر لیا۔ اس معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا۔

(۲) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعارض نہیں کیا جائے گا۔

(۳) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

(۴) یہود یا مسلمانوں میں سے کسی کو لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

(۵) کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

(۶) مدینہ پر حملہ ہو گا تو دونوں فریق تعاون سے دفاع کریں گے۔

(۷) اس معائدے کے شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور کشت وخون حرام ہو گا۔

(۸) کسی فریق سے اگر کوئی ایک صلح کر لے تو دوسرا بھی شریک صلح ہو گا۔ لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہو گی۔(۱۴)

اس معاہدے کے تحت مدینہ اور اس کے اطراف میں اسلامی سلطنت کی پائیدار بنیاد رکھی گئی اور نبی کریمؐ کے حکیمانہ طرز عمل اور وسعت نظری سے اسلامی ریاست کا منظم اور مربوط نظام معرض وجود میں آیا۔

1 ہجری میں میثاق مدینہ کی رو سے جو منظم ریاست قائم ہوئی وہ صرف ڈیڑھ مربع کلومیٹر پر محیط تھی۔ جس کے صرف گنتی کے محلے تھے اور آبادی صرف چند ہزار تھی۔ مگر حضور نبی کریمؐ کی زیر نگرانی سیاست اسلامی کے تحت یہ سلطنت صرف دس سال کے عرصے میں اتنی پھیلی کہ پندرہ لاکھ مربع کلومیٹر کے وسیع علاقے میں اسلامی پرچم

لہرانے لگا۔ دور فاروقی میں یہ رقبہ 21لاکھ مربع کلومیٹر سے بھی تجاوز کر گیا۔ ظاہر ہے اس ریاست کے پھیلاؤ کا نقطہ آغاز مدینہ ہے اور اس منظم کاوش میں پہلی اینٹ یقیناً میثاق مدینہ ہے۔

**نظم وضبط کے احصول کے لئے ریاستی ذمہ داریاں:**

کامل امن وسکون کا گہوارہ بنانے اور مکمل نظم وضبط کے حصول کے لئے سب سے پہلے ریاست کو صحیح اسلامی ریاست بنانا ضروری ہے۔ ایک ایسی ریاست جہاں شہریوں کی جان مال عزت و آبرو کا تحفظ ہو۔ جہاں بنیادی انسانی حقوق باہم مہیا کئے جاتے ہوں۔ جہاں امن و امان کی صورتحال معیاری ہو۔ جہاں عدل و انصاف کا بول بالا ہو وہ ایک منظم اسلامی ریاست کہلاتی ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا تمام عوامل کا تعلق نظم وضبط سے ہے۔

فرد کی تعمیر سیرت اور پورے معاشرے کی اصلاح اور اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے اسلام ریاست پر متعدد ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ لہٰذا ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے تمام مادی وسائل اور اخلاقی نظام کو بروئے کار لائے جس سے حقیقی خوشحال اور منظم معاشرہ کا قیام عمل میں لایا جاسکے۔

ابوداؤد کی ایک روایت کے مطابق حضور نبی کریمؐ نے فرمایا "کہ حکومت اس کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اور ایک اور روایت میں آتا ہے۔ "جس کا کوئی وارث نہ ہو میں اس کا وارث ہوں۔ اس کی دیت ادا کروں گا اور اس کی میراث لوں گا۔"

ریاست کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انتظام سلطنت پورے کرے شہریوں کو خوراک، لباس اور رہائش کی ضروریات کی فراہمی ممکن بنائے۔

ایک ریاست اپنے بہتر نظم وضبط کے ذریعے ہی بہترین منصوبہ بندی کر سکتی ہے، جس میں عوام الناس کو عدل و انصاف فراہم کرنا، ان کی جان و مال کی حفاظت کرنا، تعلیمی سہولیات فراہم کرنا، طبعی سہولیات فراہم کرنا، دشمنوں سے دفاع کرنا۔ معاشرے میں مساوات و رواداری قائم کرنا شامل ہے۔ الغرض ایک صحت مند ترقی یافتہ معاشرے کا قیام ریاست کے بہترین نظم وضبط کے قیام کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔

اسلامی ریاست اصولی اور نظریاتی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد نہ نسل پر ہوتی ہے، نہ رنگ، نہ زبان، نہ وطن اور نہ معاشی مفادات پر یہ اسلام کے نظریہ حیات کی علم بردار اور اللہ کے قانون کو نافذ کرنے والی ہوتی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ (۱۵)

ہم نے اپنے رسولؐ کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) اتاری، تاکہ

انسان انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے اتارالوہا(ریاست کی قوت وجبروت) جس میں سخت خطرہ ہے اور لوگوں کے لئے بہت فوائد بھی ہیں۔ تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس(کے دین) کو اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے۔

ذیل میں دیے گئے چند زریں اصولوں کے ذریعے ہی ایک اسلامی ریاست میں مکمل نظم وضبط قائم کیا جاسکتا ہے۔

**(ا)مساوات:**

دین اسلام کے مساوات کے فلسفے کے تحت تمام انسان باعث عزوشرف ہیں اور سب ایک ہی ماں باپ سے ہیں۔ اسلام خونی، نسلی، وطنی اور لسانی امتیازات کی نفی کرتا ہے۔ کسی بھی اسلامی ریاست میں نظم وضبط کا قیام ممکن ہی نہیں جب تک کہ اسلام کے اس بنیادی اصول مساوات کو نہ قائم کیا جائے۔ مساوات کو ہم تین بنیادی حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

**(الف) قانونی مساوات:**

اسلامی ریاست کا ہر شہری خواہ امیر ہو یا غریب کالا ہو یا گورا قانون کی نظر میں برابر ہے۔ ارشاد ہے:

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ۔(۱۶)

پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو اور اس کو چھوڑ کر جو تیرے پاس قانون حق آیا ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ قریش کے ایک معزز گھرانے کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش نے اسی عورت کو قانون کی گرفت سے بچانے کے لئے حضرت اسامہ سے اپنا مدعا ظاہر کرنے کے لئے زبان کھولی تو حضورؐ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ فرمایا تم سے پہلے بہت سی قومیں اسی وجہ سے تباہ وبرباد ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے اور اگر بااثر آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیا کرتا۔ آپ نے فرمایا:

والذي نفس محمد بيده لوسرقت فاطمة بنت محمد لتطعت يدها۔ (۱۷)

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے۔ اگر فاطمہ بنت محمدؐ نے چوری کی ہوتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

صدیق اکبرؓ نے بھی اپنے پہلے خطبے میں قانونی مساوات کا ذکر کیا۔

"تمہارے طاقت ور اور بااثر لوگ میرے نزدیک اس وقت تک کمزور ہیں جب تک میں ان سے ان پر واجب شدہ حق لے لوں اور تمہارے کمزور لوگ میرے نزدیک اس وقت تک طاقتور اور بااثر ہیں جب تک ان کا غضب شدہ حق واپس نہ دلادوں۔ (۱۸)

**(ب)معاشرتی مساوات:**

اسلامی ریاست کے نزدیک عوام الناس کی کسی قسم کی کوئی طبقاتی تقسیم نہیں۔ اسلام میں تقویٰ ہی برتری کی

علامت ہے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ (۱۹)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف شاخوں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک وہی عزت والا ہے جو زیادہ متقی ہے۔

رسول اللہ نے حجۃ الوداع پر ہر قسم کے امتیازات کو ختم کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب ہے۔ (۲۰)

**(ج) معاشی مساوات:**

پائیدار نظم وضبط کے لئے لازم ہے کہ اسلامی ریاست اپنے تمام شہریوں کے لیے خوشحالی اور ترقی کے راستے برابر کھولے اور ناجائز آمدن کے ذرائع بند کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے، لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (۲۱) اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔

**(۲) باہمی تعاون اور خیر خواہی کی فضا:**

چونکہ انسان اپنی معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ اگر انسان باہمی تعاون کے ساتھ ایک دوسرے کی ضروریات پوری نہ کرے تو معاشرے میں فساد پیدا ہو جائے اور زندگی اجیرن ہو کر رہ جائے۔ معاشرے کا نظم وضبط برقرار رکھنے کے لئے اور سوسائٹی کی بقا کی خاطر ایک دوسرے کا تعاون بہت ضروری ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے، تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (۲۲)

نیکی اور تقوی میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔

تعلیمات نبوی میں بھی فرمایا گیا:

تکانفا ولا صیا ویسرا ولا تعسرا (۲۳)

مل کر رہو ایک دوسرے کے خلاف نہ ہو آسانی کرو اور تنگی مت کرو۔

معاشرے کی عام فضا خیر خواہی، تعاون، امداد، اشتراک عمل، مواخواۃ، ایثار، بھائی چارہ کی ہونی چاہئے۔ ظلم، غیبت، چغل خوری، کینہ پروری، برا نام رکھنے، رشک حسد، بغض تجسس، الزام تراشی اور دھوکہ دھی سے پرہیز کریں۔ نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی سوچیں اور برائیوں سے ایک دوسرے کو روکیں۔ جب لوگ آپس میں ملیں تو ایک دوسرے پر سلامتی بھیجیں۔ اور ہر شخص اپنے بھائی کے لئے وہی چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ یہ مذکورہ خواص حاصل کر لینے اور منکرات سے بچنے سے ہی ایک منظم صحت مند معاشرے کی تشکیل عمل

میں لائی جاسکتی ہے۔

راعی اور رعایا کے تعلقات ایک ریاست کے لئے اس وقت بار آمد ہوسکتے ہیں جب وہ نیک نیتی اور خیر خواہی پر مبنی ہوں۔ یوں تو دین کا نام ہی "خیر خواہی" کا ہے۔ حدیث کے مطابق "الدین النصیحۃ" لیکن ریاست میں فلاحی سرگرمیوں کا اجرا انتشار کی روک تھام اور باہمی نظم وضبط کا قیام اسی صورت میں ممکن ہے جب عوام حکمران کے خیر خواہ ہوں۔ خوشامد، چاپلوسی اور بے جا تعریف کرکے اسے گمراہ کرنے کے بجائے صحیح بات پر اطاعت و اعانت کرنے والے اور غلط بات پر ٹوکنے والے ہوں۔

**(۳) عدل وانصاف کا قیام:**

اسلام نظام عدل کا ایک جامع تصور پیش کرتا ہے اسلام کی نظر میں یہ کسی بھی ریاست کے نظم ونسق کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔

قران پاک میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللہ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۲۴)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

رسول اللہؐ کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۔(۲۵)

اور ہم نے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ وہ لوگوں کے درمیان عدل کرسکیں۔

نبی کریمؐ نے عدل وانصاف کو جس معراج کمال تک پہنچایا اس کی کہیں اور مثال نہیں ملتی۔ معاشرہ میں مکمل امن وسکون اور نظم وضبط کے قیام کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی عدل کا اجتماعی شعور اجاگر کیا جائے۔ محض قانون سازی سے اس کا حصول ممکن نہیں۔ بلکہ افراد کے اذہان میں ایسے افکار پیدا کئے جائیں کہ جو عدل اجتماعی کے تصور کو ممکن بناسکیں۔

اجتماعی عدل کے قیام کے ساتھ ہی بدنظمی اور بگاڑ کی ساری جزئیات رفع ہو جائیں گی۔ سب سے پہلے فساد کے سرچشموں پر ہاتھ ڈالنے کی ضرورت ہے۔ جو قیام عدل وانصاف میں رکاوٹ ہیں۔ اسلامی ریاست میں پاکیزہ ماحول اس وقت تک حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک تعلیم، معیشت، معاشرت اور قانون جیسے تمام شعبوں میں قیام عدل کو یقینی نہ بنایا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (۲۶)

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو۔ جامع اور خالص اسلامی نظام عدل میں چونکہ اقربا

پروری، رشوت، سفارش وغیرہ نہیں چلتی اس لیے یہ نظام جس معاشرے میں نافذ ہو وہاں سے خلفشار، بدامنی اور ظلم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جس معاشرے میں ظلم وناانصافی عام ہو عوام الناس کے حقوق، جان ومال، عزت و آبرو محفوظ نہ ہو وہ تباہ وبرباد ہو جاتا ہے۔ اس سے نفرتیں اور عداوتیں بڑھتی ہیں، جو فتنہ وفساد کا موجب بنتی ہیں۔

نبی کریمؐ کا ارشاد ہے:

"اس امت میں کوئی برکت نہیں ہو سکتی جس میں عادلانہ فیصلے نہ ہوتے ہوں اور جس میں کمزور کوئی پریشانی اٹھائے بغیر اپنا حق زبردست سے وصول نہ کر لیتا ہو۔"

**(۴) اقامت دین:**

ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ۔ (۲۷)

یہ دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ تمام مذاہب عالم کے برعکس اسلام کو دین قیم کہا گیا۔ کیونکہ اسلام اپنی جامعیت کے اعتبار سے جس مقام پر ہے، دنیا کا کوئی مذہب اس مقام کو نہیں پا سکتا۔ بین الاقوامی معاملات سے لے کر نجی معاملات تک، جنگ و جدل سے لے کر صلح و امن تک، اجتماعی وانفرادی زندگی کے ہر پہلو پر اسلام رہنمائی مہیا کرتا ہے، یہ ایک اصل حقیقت ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اللہ نے بھی فرمادیا۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔

اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے (۲۸)

کسی بھی ریاست میں نظم وضبط کا قیام صرف اسی صورت میں لایا جاسکتا ہے جب اقامت دین کے فرض کو پورا کیا جائے۔ کیونکہ یہی وہ مکمل دین ہے جس میں اس کرۂ ارض پر موجود ہر شخص کے لئے راہنمائی اور ہدایت کا سامان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے اندر ہر مسئلہ کا حل تجویز کر کے فرمایا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔

"آج ہم نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے بطور نظام حیات پسند کیا ہے۔ (۲۹)

**(۵) انتظام تعلیم، تربیت وتزکیہ:**

اسلامی ریاست میں تعلیم ہر انسان کا بنیادی حق تسلیم کیا گیا ہے۔ تعلیمات نبوی کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک صحت مند معاشرے کا حصول تب ہی ممکن بنایا جاسکتا ہے کہ جب بہترین انتظام تعلیم کو یقینی بنایا جائے۔ قرآن کریم کی رو سے۔

قُلْ ہَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ۔

عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔(۳۰)

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ

علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (۳۱)

اللہ تعالیٰ نے رحمت عالم کو معلم انسانیت بنا کر بھیجا اور قرآن مجید نے آپ کا بنیادی کام انسانیت کو تعلیم کتاب، حکمت اور تزکیہ نفس قرار دیتا ہے۔(۳۲)

ملی یکجہتی اور عوام الناس کو نظم وضبط میں رکھنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ معیاری اور یکساں نظام تعلیم بھی ہے۔ قائد اعظم کا فرمان ہے۔

"اگر ہمیں حقیقی، تیز رفتار اور نتیجہ خیز ترقی کرنا ہے تو ہمیں تعلیم کے مسئلے پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ اپنی تعلیمی پالیسی اور پروگرام کو ایسے خطوط پر چلانا چاہئے جو ہماری تاریخ ثقافت اور دور جدید کے ترقیاتی تقاضوں کے ہم آہنگ ہوں۔ (۳۳)

مربوط اور یکساں نظام تعلیم کا فقدان بھی معاشرتی انتشار و خلفشار کا ایک بڑا سبب ہے۔ یہ ہماری نوجوان نسل کو اخلاقی انتشار اور بے راہ روی کا شکار کر رہا ہے اور ہم اپنے اخلاقی ورثہ اور تعلیمی اقدار سے دور ہو رہے ہیں۔

عہد نبویؐ کے طلباء کا مقصد علم و کردار کی بلندی اور آخرت کی بہبود تھا۔ ان میں خوف خداوندی، ایثار و قربانی، تقویٰ و اخلاص محنت و کوشش کے اوصاف نمایاں تھے۔ ان میں استاد کا احترام، تحقیق و جستجو کا مادہ اور حصول علم کا شوق تھا اور معلم خلوص و جذبے اور محنت و مشقت اور ہمدردی و محبت سے سرشار تھا۔

**(۶) فرقہ واریت کا زہر:**

معاشرے میں فتنہ و فساد اور انتشار کی ایک بڑی وجہ تنگ نظری اور تعصب ہے۔ آپؐ کی تعلیمات مذہبی تعصب و تنگ نظری کو ختم کر کے معاشرے کی تشکیل رواداری کے اصولوں پر کرتی ہے۔ آپؐ نے دور جاہلیت کے مذہبی انتہا پسندی کے افکار و نظریات کا خاتمہ کر کے افراط و تفریط سے پاک راہ معتدل کی طرف راہنمائی فرمائی۔

اسلامی ریاست امن و سلامتی کی داعی اور اتحاد و یکجہتی کی نمونہ ہوتی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان فرقہ واریت کی وجہ سے پہنچا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

"اور مت ہو شرک کرنے والوں میں سے جنہوں نے پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے ان میں بہت فرقے ہر فرقہ جو ان کے پاس ہے اس پر فریفتہ ہے۔(۳۴)

قرآن کریم آپؐ کی نرمی اور ولطف کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر آپ سخت دل اور تند خو ہوتے تو لوگ آپ کے قریب نہ پھٹکتے بھاگ جاتے۔(۳۵)

پھر فرمایا گیا کہ وہ تو حکمت اور مواعظ حسنہ کا درس دیتا ہے۔(۳۶)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپؐ کو تفرقہ بازوں سے قطع تعلقی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔(۳۷)

ڈاکٹر فضل الرحمان انصاری لکھتے ہیں کہ یہ اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ اسلام کی محافظ کی حیثیت سے مسلمانوں کے درمیان مذہبی ہم آہنگی پیدا کرے اور مذہبی مہم جوئی پیدا کرنے والوں کو سختی کے ساتھ کچل دے تاکہ مذہبی جھگڑوں کو پروان چڑھنے کا موقع نہ مل سکے۔(۳۸)

مذہبی لسانی اور علاقائی تعصباب اور فرقے ایسی عفریت ہیں جن کے سامنے حکومت عاجز آجاتی ہے۔ رسول اللہؐ نے قوم پرستی اور نسل پرستی کو مٹا کر آفاقیت کا درس دیا۔ آپ نے فرمایا ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔(۳۹)

آپ نے عصبیت پر جان دینے، عصبیت کی طرف بلانے اور عصبیت پر جنگ کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں۔ (۴۰)

صحیح اسلامی معاشرے کی تشکیل اور منظم اسلامی ریاست کے حصول کے لئے ملت کو اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا ہو گا۔ تمام فرقوں کے سربراہ علماء اور عوام الناس کے ساتھ ساتھ ریاست کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ فرقہ واریت کے خاتمہ کے لئے اپنا کردار ادا کرے۔ اگر حکومتی سطح پر اخلاص کے ساتھ اس پر کام ہو تو بلاشبہ علماء بھی علمی اور فکری میدان میں ساتھ دیں گے اور انبیاء کا حقیقی وارث ہونے کا ثبوت دیں گے بس ان کو فرقہ وارانہ مسائل سے نکال کر ان کی فکر کو نئی جہت دینے کی ضرورت ہے۔

آپؐ نے اپنی پوری زندگی غلط نظریات و رسوم کے خلاف جنگ کی۔ آپ کے کردار کا کوئی پہلو ہمیں فرقہ پرستی کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن کریم آپ کی عظمت پر یوں مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (۴۱)

ارشاد نبویؐ ہے۔

"دین آسان ہے جو انتہا پسندی کا رویہ اپنائے گا وہ مغلوب ہو جائے گا پس سیدھی اور میانہ روی کی راہ اپناؤ اور بشارت حاصل کرو۔(۴۲)

علامہ احسان الٰہی ظہیر حسن بصری کا قول نقل کرتے ہیں کہ "اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تمہارا رستہ حد سے بڑھنے والے اور حد تک نہ پہنچنے والے دونوں کے بیچ ہے۔" (۴۳)

**(۷) اخلاق کا فروغ:**

عوام الناس کو منظم کرنے کے لئے رحمۃ للعالمینؐ کے اخلاق کے مطابق تربیت کرنی ہو گی۔ آپؐ کی ذات عالی عمدہ اخلاق کا مرقع تھی۔ ہر عمدہ صفت آپ میں موجود تھی اور بری بات سے آپ کا کوئی واسطہ تک نہ تھا۔ قرآن مجید نے آپؐ کو خلق عظیم کہا۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم۔ (۴۴)
آپؐ تو اخلاق عظیم پر فائز ہیں۔
ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔
کان خلقه القرآن۔ (۴۵)
آپؐ کے اخلاق تو قرآن ہیں۔
آپؐ نے خود اپنے بارے میں ارشاد فرمایا
انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔(۴۶)
میں تو مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ نبی کریمؐ یتیموں، بے کسوں، بیواؤں، مسکینوں اور معاشرے کے مجبور و مظلوم افراد کی دادرسی فرماتے اور آپؐ نے اس کام کو عظیم نیکی قرار دیا۔ فرمایا:
الساعي على الارملتة والمسكين كالساعي في سبيل االله واحسبه كالقائم لا يفتر وكالصائم لا يفطر۔ (۴۷)
بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دوپ کرنے والا ایسا ہے جیسا خدا کی راہ میں کوشش کرنے والا راوی کہتا ہے کہ میں گمان کرتا ہوں کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جیسا وہ نمازی جو نماز سے نہیں تھکتا۔ آپ نے خدمت خلق کا بے نظیر نمونہ چھوڑا ہے۔ فرمایا:
اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا۔ (۴۸)
مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔
معاشرہ اسی صورت مستحکم ہو سکتا ہے۔ جب رسولؐ کے اخلاق حسنہ کی ترویج کی جائے آپ مکہ میں صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے۔ جب نبی کریمؐ نے قریش کو پہلی بار دعوت اسلام دی اور فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا۔ سب نے کہا ہاں کیونکہ آپؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔(۴۹)
آپؐ نے فرمایا جس کا عہد نہیں اس کا ایمان نہیں۔ (۵۰)
قیصر روم کے سامنے ابوسفیان نے بھی آپؐ کے وعدہ کی پابندی کا اعتراف کیا۔(۵۱)
نبی کریمؐ نے تمام معاشرتی برائیوں خیانت، جھوٹ، وعدہ خلافی، غیبت، بخل، عریانی و فحاشی، سود، شراب نوشی اور جوا وغیرہ سے منع فرمایا ہے۔

**(۸) امر بالمعروف و نہی عن المنکر:**

معاشرتی نظم و نسق کے حصول اور لوگوں کو باہم متحد رکھنے والا فارمولا ہمیں قرآن و حدیث میں ملتا ہے وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ (۵۲)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی افلاح کے لئے نکالے گئے ہو۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ اس آیت کریمہ میں (امر) حکم کے الفاظ ہیں یعنی یہ فریضہ حکومت اسلامیہ کا ہے۔ ایک اور جگہ اس فرض کو یوں بیان کیا گیا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (۵۳)

تم میں سے ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

علماء قوم کے طبیب ہیں حکام اور اہل دولت صفائی اور حفظان صحت کے ذمہ دار قوم کی غیرت ایمانی اور جماعت کا جاسہ اخلاقی بمنزلہ قوت حیات (Vitality) ہے۔ اجتماعی ماحول کی حیثیت وہی ہے۔ جو ہوا، پانی اور لباس و مکان کی ہے اور حیات قومی میں دین و اخلاق کے اعتبار سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وہی مقام ہے۔ جو صحت جسمانی کے اعتبار سے صفائی و حفظان صحت کی تدابیر کا ہے۔ جب علماء اولی الامر اپنے اصلی فرض یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑ دیتے ہیں اور شر و فساد کے ساتھ رواداری برتنے لگتے ہیں تو گمراہی اور بداخلاقی قوم کے افراد میں پھیلنی شروع ہو جاتی ہے اور قوم کی غیرت ایمانی ضعیف ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ سارا اجتماعی ماحول فاسد ہو جاتا ہے اور قومی زندگی کی فضا خیر و صلاح کے لئے نامساعد اور شر و فساد کے لئے ساز گار ہو جاتی ہے لوگ نیکی سے بھاگتے ہیں اور بدی سے نفرت کرنے کے بجائے اس کی طرف کھچنے لگتے ہیں۔ (۴۵)

اسلامی ریاست کا مقصد ایک ایسی سوسائٹی بنانا ہے جس کا ہر فرد اپنے ضمیر کی تحریک پر احتسابی عمل پر کاربند ہو کر نگرانی کے فرائض انجام دے۔ فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔(۵۵)

اور اس طرح ہم نے تم کو ایک عادل اور متوسط امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر نگران رہو اور رسول تم پر نگران رہے۔

**(۹) قانون کی پاسداری اور اطاعت اولی الامر:**

اسلام میں قانون حکومت و ریاست پر فوقیت رکھتا ہے۔ ریاست کلی اختیارات کی حامل نہیں بلکہ خدائی قوانین کی پابند اور تابع ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست میں اولی الامر کی اطاعت و فرمانبرداری مسلمانوں کے لئے لازم قرار دی گئی تاکہ ریاست کا نظم و نسق بہترین انداز سے چل سکے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۔

(۵۶)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر (حکمران) ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔ جس ریاست میں عوام الناس کے اندر قانون کا احترام باقی نہ رہے، قوانین سرعام توڑے جائیں اور محکموں کے اندر نظم وضبط باقی نہ رہے وہ سلطنت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔

دنیا میں جن قوموں نے عروج حاصل کیا ہے ان کی خاصیت یہ رہی ہے کہ وہ اپنے رہنما کی سختی کے ساتھ مطیع اور فرمانبردار رہی ہیں۔ ایمان جتنا راسخ اور اطاعت جتنی کامل ہو گی نظم اتنا ہی مضبوط ہو گا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی قوم میں خودسری، انتشار، نافرمانی اور بے ضابتگیاں ہوں اور اس کا نظم وضبط بھی قائم رہے۔

اسلامی ریاست میں سزا اور جزا کے قوانین پر عمل درآمد اور عوام الناس میں فرض شناسی، اتباع قانون اور باضابتگی کے خواص پیدا کر کے ہی معاشرے میں نظم وضبط قائم کیا جاسکتا ہے۔ مولٰنا مودودی کے بقول:

اگر ترقی کرنی ہے اور ایک طاقتور باعزت جماعت بننا ہے تو سب سے پہلے مسلمانوں میں ایمان و اطاعت امر کے اوصاف پیدا کرو کہ اس کے بغیر نہ تمہارے افراد میں کسی بل پیدا ہو سکتا ہے نہ تمہاری جماعت میں نظم پیدا ہو سکتا ہے اور نہ تمہاری اجتماعی قوت اتنی زبردست ہو سکتی ہے کہ تم دنیا میں سربلند ہو سکو۔ ایک منتشر جماعت جس کے افراد کی اخلاقی اور معنوی حالت خراب ہو کبھی اس قابل نہیں ہو سکتی کہ دنیا کی منظم اور مضبوط قوموں کے مقابلے میں سر اٹھا سکے۔(۵۷)

**(۱۰) مؤثر ابلاغ:**

اسلامی ریاست میں ابلاغ کا مقصد خیر و صداقت کے فروغ کے ذریعے ایک صالح معاشرے کا قیام ہے۔ ریاست اور ذرائع ابلاغ کے درمیان کشمکش نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ہوتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام الناس کو منظم کرنے میں اپنا کردار ادا کرے۔ وہ رائے عامہ کی استواری، اسلامی روایات واقدار کی پاسداری، اخلاقی اقدار کے تحفظ اور ریاست کے اچھے کاموں کی اشاعت کرے اور برے کاموں کی مذمت کرے۔ قرآن مجید نے بھی ابلاغ کی اہمیت بیان فرمائی، رسول اکرمؐ کو ارشاد ربی ہوتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلَ بَلِّغْ مَاأُنْزِلَ اِلَيْکَ مِنْ رَّبِّکَ۔ (۵۸)

اے رسول آپ کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ اترا ہے اسے پہنچاؤ، قرآن مجید کو بھی بلغ قرار دیا گیا۔

ہٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ۔ (۵۹)

یہ قرآن لوگوں کے لیے اعلان ہے۔ رسول اللہ کی اہم ترین ذمہ داری بیان کی گئی۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّاالْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔ (۶۰)

اور رسول کے ذمہ صاف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔ اور اس کام کو کرنے والے لوگوں کے بارے میں آتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسَالَاتِ اللهِ۔ (٦١)

جو لوگ اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

فرشتوں اور آدمیوں میں سے ہی اللہ پیغام پہنچانے کے لئے چن لیتا ہے۔(٦٢)

یہ پیغمبر کا وصف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتا ہے۔ تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہے میں تمہارا امانت دار اور خیر خواہ ہے۔(٦٣)

ذرائع ابلاغ کو اسلامی ریاست میں عوام الناس کی تربیت، شہریوں کی تعلیم، جسمانی نشوونما اور تفریح کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا سب سے بڑا مقصد نیکی پھیلانا اور بدی سے روکنا ہے۔

رسولؐ نے ارشاد فرمایا:

والذي نفسي بيده لتأمرن بالمعروف وتنهون عن المنكر او ليوشكن الله ان يبعث عليكم عذابا منه فتدعونه ولا يستجب لكم۔ (٦٤)

"قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہیں نیکی کا ضرور حکم دینا ہو گا۔"

ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

"اسلامی ریاست میں ذرائع ابلاغ کی پوری پالیسی اسی اصول کے تابع ہونی چاہئے۔ ایسی خبریں، ایسے ڈرامے اور ایسے تفریحی پروگرام اور ایسی تشہیر جو نیکی کے تصور کے خلاف اور بدی کے فروغ کا ذریعہ بنے ناقابل قبول ہیں۔ اسلامی نظریہ ابلاغ میں نیکی کا فروغ وہ اساسی پتھر ہے جس پر میڈیا کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔"(٦٥)

میڈیا خواہ پرنٹ ہو یا الیکٹرانک یا سوشل میڈیا ہو ایک طاقتور ذریعہ ہے جو معاشرتی اصلاح میں بہت مؤثر طور پر ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم حکم دیتا ہے، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔(٦٦)

خسارے سے بچنے والے لوگوں کی معصومیت بیان کی گئی کہ وہ ایک دوسرے کو سچائی اور ثابت قدمی کی تلقین کرتے ہیں۔ (٦٧)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔۔

"اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے، جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ "(٦٨)

پھر فرمایا:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔
"تو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلا۔" (۶۹)
ایک جگہ نبی کریم کو مخاطب کر کے فرمایا:
"اے (محمد) لوگوں کو سمجھاتے رہئے۔ کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔" (۷۰)
میڈیا کا فرض ہے کہ معاشرتی مسائل کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا حل بھی پیش کرے ان مسائل میں کرپشن، منشیات، دہشت گردی اور خودکش حملے، عورتوں کو ان کے اسلامی حقوق سے محروم کرنا، جہیز کی لعنت، شادی بیاہ میں غیر شرعی رسم ورواج، شرکیہ اعمال مثلاً تعویز گنڈے، قبر پرستی، قمار بازی اور شراب نوشی وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام مسائل کو اجاگر کرنے اور ان سب کا حل تجویز کرنے سے ہی معاشرتی اصلاح ممکن ہو سکتی ہے اور ذرائع ابلاغ کا مؤثر استعمال ہی معاشرے کو منظم کر کے اس کی اسلامی اصولوں پر تعمیر کر سکتا ہے۔

**ملی وحدت:**

اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ قومی اور ملی یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے خاطر خواہ اقدامات کرے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو بھائی قرار دیا ہے۔
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (۷۱)
مسلمان تو سب بھائی بھائی ہیں۔
رسول اللہ نے فرمایا:
مثل المؤمنین فی تواد هم وتر احمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی۔ (۷۲)
مومن کی مثال آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت اور نرمی کرنے میں جسم کی طرح ہے، جب اس کا کوئی ایک عضو درد کرتا ہے تو سارا جسم اس کی وجہ سے بیداری اور درد میں مبتلا رہتا ہے۔
آپ نے اجتماعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:
ید اللہ علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار۔ (۷۳)
اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے اور جس شخص نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی وہ جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا گیا۔
آپ نے اپنی انگلیوں کو باہم ملا کر فرمایا:
المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا وشبك بین اصابعه۔ (۷۴)

پھر فرمایا:

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه۔ (۷۵)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے (بے یار و مددگار چھوڑ کر دشمن کے) سپرد کرتا ہے۔

اسلامی معاشرہ رنگ نسل، وطن، وجغرافیہ کے بجائے عقیدے کی وحدت پر منظم ہوتا ہے۔ عقیدہ ہی افراد کو اخوت کے ساتھ لے کر دوسرے سے جوڑے رکھتا ہے، قرآن حکیم نے اتحاد و اتفاق کو نعمت اور انتشار کو لعنت سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔ (۷۶)

اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقے میں نہ پڑو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہارے اوپر کی کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی اور اس کی نعمت سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ (تفرقہ بازی اور دشمنوں کی آگ) کے کنارے کھڑے تھے اور اس نے تمہیں اسی آگ سے بچالیا۔

کسی بھی ریاست میں بدامنی، اضطراب اور انتشار اس کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیتا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے:

عن ابي الدرداء قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا اخبركم بافضل من درجة الصيام والصلاة والصدقة؟ قالو: بلى، قال صلاح البين، فان فساد ذات البين هي الحاقة۔ (۷۷)

**پاکستان میں نظم وضبط:**

پاکستان میں معاشرتی نظم وضبط کی انتہائی تکلیف دہ صورت حال ہے۔ ہمارے معاشرے میں انتشار و خلفشار کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ گزشتہ حکومتیں امن و امان قائم کرنے والے اداروں کو اپنے سیاسی مقاصد میں استعمال کرتی رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی کارکردگی متاثر ہوئی۔ یہ ادارے اپنے اصل کام سے دور ہوگئے اور بدعنوانی اور لاپرواہی کا عنصر ترویج پاگیا۔ آج ریاست پاکستان کے اندر امن و امان کی صورتحال ابتر ہے۔ سماج دشمن عناصر کی غیر قانونی سرگرمیاں، لاقانونیت میں اضافہ اور معاشرتی انتشار روز بروز بڑھ رہا ہے۔

پاکستان کے ہر صوبے میں ایک مراعات یافتہ طبقہ موجود ہے۔ جبکہ دیگر طبقات اپنے آپ کو بنیادی حقوق سے بھی محروم تصور کرتے ہیں۔ آج کے جدید دور میں بھی ہمارے ہاں ذات اور برادری کا تصور موجود ہے۔ اسلام

کے نام پر سادہ لوح لوگوں کو بے وقوف بنایا جاتا ہے اور اپنے مفادات کی خاطر استعمال کیا جاتا ہے۔ مفاد پرست عناصر فرقہ واریت کو ہوا دیتے ہیں۔ علاقائی اور سیاسی جماعتیں قربت کے بجائے تفریق پیدا کر رہی ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے متعدد ادارے رینجر عارضی مفادات کی خاطر قومی مفاد کو تہہ تیغ کر رہے ہیں۔

پاکستان کے ایک اسلامی فلاحی مملکت ہونے کے ناطے ہمارے حکمران طبقے کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انصاف اور معاشرتی نظم کے قیام کا بندوبست کریں۔ انتظامیہ اور متعلقہ ایجنسیاں امن و امان کے قیام، عدل و انصاف کی فراہمی قانون کی حاکمیت اور منظم معاشرے کے قیام کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔ جس کی مثال ھادی اعظمؐ کی زندگی اور حکومت خلفائے راشدین میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

**حاصل کلام:**

معاشرتی نظم وضبط کے بغیر کوئی بھی ریاست ترقی نہیں کر سکتی۔ معاشرتی ناہمواریاں طبقاتی کشمکش، عائلی نظام میں شکست وریخت، شراب، جوا، سمگلنگ، کثرت مال وذر، دہشت گردی، لاقانونیت، تعلیم کا فقدان، انصاف کی عدم دستیابی، کرپشن، مذہب دوری، امن وامان کا مسئلہ، اخلاقی تنزل، فرقہ واریت اور میڈیا کا منفی کردار ہی وہ وجوہات ہیں جو کسی بھی معاشرے میں بد نظمی اور انتشار وفساد کا باعث بنتی ہے۔ کسی بھی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے نظم ونسق چلانے کے اصول وضوابط اور طریقہ واضح اور غیر مبہم ہو۔ جس کے لیے ریاست کو نبیؐ کے اور خلفائے راشدین کے طریقے پر صحیح اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے۔ آپ کے سیاسی تدبر کا یہ اعجاز ہے کہ آپؐ نے عرب جیسے معاشرے میں امن وعدل کی ایک منظم حکومت قائم کر کے دکھا دی۔ جہاں بد نظمی اور انتشار کا دور دورہ تھا۔

رسول اللہؐ عرب کی مذہبی، تقافتی معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور سیاسی نظام میں نمایاں تبدیلی لائے۔ آپ نے 13 سال کی مکی زندگی میں محنت کے بعد مدینہ میں پہنچ کر ایک منظم اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ میثاق مدینہ سے آپ نے شہر کو امن و آشتی کا گہوارہ بنایا اور دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور نافذ فرمایا۔ یہود اور مسلمانوں کے درمیان معاشرہ آپ کے سیاسی تدبر کا عکاس ہے۔ آپ نے مواخواۃ کے ذریعے مسلمانوں کی وحدت منظم فرمائی۔(۷۸)

جس کو ولیم مور اور جان ڈریپر جیسے محققین کو بھی ماننا پڑا۔(۷۹)

رہنمائے انسانیت کی حیات طیبہ ہمارے لیے دائمی اور عالمگیر نمونہ ہے۔(۸۰)

جس کی تقلید میں ہی انسانیت کے ہر مسئلہ کا حل پوشیدہ ہے۔ آپ کے اسوہ مطہرہ کی روشنی میں معاشرتی نظم و ضبط حاصل کرنے کے لئے چند تجاویز ذیل میں دی گئی ہیں۔

(۱) اسلامی ریاست میں نظم وضبط کے حصول کے لیے سب سے ضروری امر تمام طبقات اور قوتوں کے مابین ہر اعتبار سے مساوات قائم رکھنا ہے۔ معاشرے کو اختلاف وانتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے معاشی، معاشرتی

اور قانونی مساوات بہت ضروری ہے۔

(۲) اسلام کے اصولوں کے مطابق ایسا نظام عدل قائم کرنا ہو گا۔ جو بلا امتیاز رنگ نسل و بلا تفریق عہدہ و حیثیت ہر شہری کو فوری اور سستا انصاف دے سکے۔

(۳) تمام علاقائی اور لسانی عصبیتیں اور صوبائی تعصب کے خاتمے کے ٹھوس اقدامات کئے جائیں۔

(۴) دہشت گردی اور لاقانونیت کو ختم کرنے کے لیے حضور اکرمؐ کی نافذ کردہ سزائیں سنائی جائیں اور قانون کی بالادستی کو یقینی بنایا جائے۔

(۵) ریاست کے اندر خیانت اور کرپشن کے خاتمے کے لیے اہل انتظامیہ کا انتخاب کیا جائے اور آپؐ کا نظام احتساب نافذ العمل کیا جائے۔

(۶) ریاست کے داخلی نظم کے لئے بے حیائی، بدکاری اور معاشرتی برائیوں کو پنپنے کا موقع دیئے بغیر چوری ڈاکہ سمیت ہر قسم کی اخلاقی برائیوں کا حکومتی سطح پر مؤثر سدباب ہونا چاہئے۔

(۷) بین الصوبائی محکموں کے اختیارات کا واضح تعین ہونا چاہئے۔ تاکہ پانی، بجلی اور رائیلٹی جیسے دیگر مسائل کا سدباب ہو جو بین الصوبائی تعصب کا باعث بنتے ہیں۔

(۸) نظم وضبط کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ فرقہ واریت ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مکاتب فکر کے درمیان صلح محبت، رواداری اور افہام و تفہیم کی فضا قائم کر کے مسلکی تنازعات کو حل کیا جائے۔ جید علماء اور دینی دانشوروں پر مشتمل ایک بورڈ کے ذریعے تمام لٹریچر منگوا کر تلف کیا جائے جس میں اشتعال انگیز مواد موجود ہو۔ دیواروں بسوں اور دیگر پبلک مقامات پر فرقہ وارانہ اور دل آزار عبارتوں پر مکمل پابندی لگائی جائے۔ ان امور میں خلاف ورزی کرنے پر قانون میں سخت سزا تجویز کی جائے۔

جس کا کوئی سرپرست نہیں اس کی حکومت سرپرستی کرے اور تمام ادارے اپنے حدود کے اندر رہتے ہوئے سیاسی وابستگیوں سے بالادست ہو کر اپنے فرائض منصبی ادا کریں۔

(۹) اسلامی معاشرے میں اتحاد و یگانگت کے فروغ اور اخوت اسلامی کے قیام سے ہی ایک منظم معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے۔ ایسے اقدامات کئے جائیں جس سے فتنہ، فساد، خود غرضی، لالچ اور بغض و حسد کا خاتمہ ہو اور محبت و اخوت کے جذبات پروان چڑھیں۔

(۱۰) امر بالمعروف و نہی عن المنکر جو اسلامی معاشرے کا بنیادی اصول ہے۔ یہی وہ اصول ہے جو عوام الناس کو باہم متحد و منظم رکھ کر اسلامی وحدت کی لڑی میں پرو سکتا ہے۔

(۱۱) ذرائع ابلاغ کی حدود و قیود واضح کی جائیں اور اس کو امر بالمعروف کے لیے استعمال کیا جائے۔ ذرائع ابلاغ کے ایسے منفی اثرات سے معاشرے کو بچانے کی تدبیر ہونی چاہئے جو باعث گناہ و فساد ہو۔

(۱۲) ایک منظم اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ عوام الناس کے اخلاق پر کام کیا جائے۔ نبی کریمؐ کو بھی مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ فساد و انتشار کی وجہ روحانی و اخلاقی پراگندگی ہے جس کا علاج ھادی اعظمؐ کے اخلاق حسنہ کو اپنانے میں مضمر ہے۔

## حوالہ جات


(۱) البقرہ۔۲۰۸۔

(۲) یوسف۔۴۰۔

(۳) کنز العمال۔

(۴) اسلام کا نظام حکومت (صفحہ ۲۰۳) مولانا حامد انصاری

(۵) الحج۔۴۱۔

(۶) آل عمران۔۱۰۳۔

(۷) بخاری کتاب الادب۔

(۸) سورہ بقرہ کی آخری سے پچھلی آیت۔

(۹) متفق علیہ۔

(۱۰) ابن ہشام۔۱۷۸۔

(۱۱) فقہ السیرہ۔۱۴۰،۱۴۱۔

(۱۲) صحیح بخاری: باب اذ قال اکفنی مؤنۃ النخل ۱/۴۱۲۔

(۱۳) مقالہ کا یہ پیراگراف مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی کتاب "الرحیق المختوم" سے ماخوذ ہے۔۲۶۳۔

(۱۴) معائدہ کی "تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام۔۵۰۳،۵۰۴۔

(۱۵) الحدید۔۲۵۔

(۱۶) المائدہ۔۴۸۔

(۱۷) مسلم باب قطع السارق الشریف۔

(۱۸) کتاب الاموال لابی عبیدہ۔۳۶۶۔

(۱۹) الحجرات۔۱۳۔

(۲۰) مسند احمد۔

(۲۱) البقرہ۔۱۸۸۔

(۲۲) المائدہ۔۲۔

(۲۳) کنوز الحقائق حرف التاء۔
(۲۴) النحل۔۹۰۔
(۲۵) الجدید۔۲۵۔
(۲۶) النساء۔۵۸۔
(۲۷) الروم۔۳۰۔
(۲۸) آل عمران۔۱۹۔
(۲۹) المائدہ۔۳۔
(۳۰) الزمر۔۹۔
(۳۱) الزمر۔۲۸۔
(۳۲) ملاحظہ ہو القرآن سورۃ آل عمران۔(۴۸،۱۶۴)۔سورہ البقرہ(۱۲۹،۱۵۱)
(۳۳) کل پاکستان تعلیمی کانفرنس ۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء۔
(۳۴) الروم۔۳۲،۳۱۔
(۳۵) آل عمران۔۱۵۹۔
(۳۶) النحل۔۱۲۵۔
(۳۷) انعام۔۱۶۰۔
(38) The Quranic Foundation and Structare of muslim Society Vol:11. P:369.
(۳۹) المشکوٰۃ المصابیح باب الشفقتہ الرحمہ علی الخلق طبع لاہور۔۴۴۷۔
(۴۰) سنن ابی داؤد جلد نمبر ۲۔۶۳۵۔
(۴۱) یونس۔۱۶۔
(۴۲) صحیح بخاری۔کتاب الایمان۔جلد اول۔ص ۵۔
(۴۳) احسان الٰہی ظہیر۔دراسات تصوف، ص ۵۳۱،۵۳۰۔
(۴۴) القلم۔۴۔
(۴۵) شرح جامع الصغیر۔۲/۱۷۷
(۴۶) کنز الاعمال۔۱/۵۔
(۴۷) مسلم، کتاب الزہد، باب الاحسان الی لارملہ۔۸/۲۲۱۔
(۴۸) ترمذی کتاب الرضاع، باب ماجاع فی لحق المراۃ۔۳/۴۶۶

(۴۹) بخاری۔ کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ تبت۔ ۶/ ۹۴۔
(۵۰) مسند احمد۔ ۳/ ۱۶۵، ۱۵۴۔
(۵۱) جامع الترمذی، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ الانعام۔ ۵/ ۲۶۱۔
(۵۲) آل عمران۔ ۱۱۰۔
(۵۳) آل عمران۔ ۱۰۴۔
(۵۴) تنقیحات۔ سید ابو اعلی مودودی۔ ص ۱۷۰۔
(۵۵) البقرہ۔ ۱۴۳۔
(۵۶) النساء۔ ۵۹۔
(۵۷) تنقیحات۔ سید ابو اعلی مودودی۔ ص ۱۸۲۔
(۵۸) المائدہ۔ ۶۷۔
(۵۹) ابراہیم۔ ۵۲۔
(۶۰) نور۔ ۴۵۔
(۶۱) الاحزاب۔ ۳۹۔
(۶۲) الحج۔ ۲۲۔
(۶۳) الاعراف۔ ۷۔
(۶۴) ترمذی۔ ابواب الفتن، باب ماجاء فی الامر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ ۳۹/ ۲۔
(۶۵) اسلام کا معاشرتی نظام۔ ڈاکٹر خالد علوی۔ ص ۴۱۷۔
(۶۶) المائدہ۔ ۲۔
(۶۷) العصر۔ ۳۔
(۶۸) حم السجدہ۔ ۳۳۔
(۶۹) النحل۔ ۱۲۵۔
(۷۰) القرآن۔
(۷۱) الحجرات۔ ۱۰۔
(۷۲) صحیح بخاری۔ کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبہام۔
(۷۳) مستدرک حاکم، کتاب العلم، حدیث نمبر۔ ۳۹۱۔
(۷۴) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل المومنین۔

(۷۵) صحیح المسلم، کتاب البر والصلہ، باب التحریم الظلم۔

(۷۶) آل عمران۔۱۰۳۔

(۷۷) جامع الترمذی، ابواب الذہر، باب فی فضل صلاح ذات البین۔(۲۵۰۸)

(78) William Mair، Life of Muhammad، London، 1984.

(79) John Darper، A history of the Intellecfual development of Europe.

(۸۰) الاحزاب۔۲۱۔

# [[010]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد العلی اچکزئی،
صدر وڈین شعبہ علوم اسلامیہ،
انچارج سیرت چیئر، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**ریاست کا مفہوم:**

ریاست کا مفہوم ہم اپنے الفاظ میں کچھ اس طرح بیان کرسکتے ہیں کہ "ریاست لوگوں کا ایک ایسا گروہ ہے جن کے پاس ایک مخصوص علاقہ یا خطہ زمین ہو جن کی ایک منظم حکومت ہو، جسے اس گروہ کے تمام لوگ اور تنظیمیں تسلیم کرتی ہوں اور ہر قسم کے بیرونی دباؤ اور طاقت سے آزاد ہوں" (۱)

ریاست کی تعریف کرتے ہوئے وڈرو ولسن(Widrow Wilson)لکھتے ہیں:

"ریاست سے مراد انسانوں کی وہ جمعیت ہے جو عموماً زمین کے ایک حصہ پر موجود ہو، جس میں اکثریت کی رائے اقلیت پر فوقیت رکھتی ہو"(۲)

اسی طرح شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

واعني بالمدينة جماعة تقاربة تجري بينهم المعاملات ويكونون اهل منازل شتي، والاصل في ذلك ان المدينة شخص واحد من جهة ذلك الربط مركب من اجزاء وهيئة اجتماعية (۳)

"اہل مدینہ (ریاست) سے وہ جماعتیں مراد ہیں جو قریب قریب آباد ہوں، ان میں باہم معاملات ہوتے ہیں اور جدا جدا مکانوں میں بود وباش رکھتے ہوں، سیاست مدن میں اصل امر یہ ہے کہ تعلقات کی وجہ سے شہر گویا ایک شخص ہوا کرتا ہے جس کی ترکیب اجزاء اور مجموعی ہیئت سے ہوتی ہے"

اسی طرح اسلامی ریاست سے مراد اعلیٰ معاشرتی ادارہ ہے جس میں تمام لوگوں کے دینی اور دنیاوی معاملات اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے قوانین کے مطابق طے کئے جائیں۔

یہ بات واضح ہے کہ جب تک اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست قائم نہ ہو، مسلمان اپنے ایمان کے تقاضے پورے نہیں کرسکتے، اللہ تعالیٰ کے قانون کی بالادستی قائم کئے بغیر بحیثیت مسلمان زندگی نہیں گزاری جاسکتی، یہ

ہمارا ایمانی تقاضا ہے کہ اسلامی ریاست تشکیل پائے، اسلامی حکومت ہو اور زندگی کے تمام معاملات خدائی قانون کے مطابق طے ہوں، ہجرت مدینہ سے پہلے خود خداوند تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبان اقدس سے یہ دعا منگوائی:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا(۴)

"اور دعا کیا کریں کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں لے جا اچھی طرح لے جا اور جہاں سے نکال اچھی طرح نکال اور میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ اور امداد مقرر فرمادے"

یعنی یا تو خود مجھے اقتدار دے یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنا تاکہ میں اس کی مدد سے تمام گناہوں کا سدباب کر سکوں، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

اِلْاسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ اَخوَانِ توَامانِ لَایصْلِح وَاحِدٌ مِّنهُمَا اِلاّ بِصَاحِبِه فَالْاِسْلَامُ اسّ وَالسُّلطَانُ حَارِثٌ وَمالَا اسّ له یهدِمُ وَمَا لَا حَارِثٌ لَه ضَائِعٌ (۵)

"اسلام اور حکومت وریاست دو جڑواں بھائی ہیں، دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا، پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے، جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے"

ایک اسلامی ریاست کا مقصد عوام کے دنیاوی اور دینی مصالح کا خیال رکھنا ہے، فتنہ وفساد کا انسداد، عدل وانصاف کا قیام، معاشرے کی اصلاح، قانون الٰہی کی حفاظت اور اس کا اجراء اسلامی ریاست کے فرائض میں شامل ہیں، علاوہ ازیں اسلامی ریاست کا ایک اور اہم فریضہ نظم وضبط سے متعلق ایسے قوانین کی تشکیل اور ان کا اجراء بھی ہے، جن کی پابندی اسلامی ریاست میں بسنے والے تمام افراد کے لیے لازمی ہو، تاکہ اس طرح ایک منظم معاشرہ کی تشکیل ممکن ہو سکے۔

**نظم وضبط کا مفہوم اور اس کی ضرورت واہمیت:**

نظم کا مطلب ہے: لڑی، سلک، مالا، موتیوں کو تاگے میں پرونا اور ضبط کا مطلب ہے تحمل، برداشت، نگہبانی، حفاظت، بندوبست، پابندی وغیرہ، اس طرح نظم وضبط کا مطلب ہے مقررہ قواعد وضوابط کی پابندی، ڈسپلن(۶)

آنحضرت ﷺ کے مجموعہ قوانین وہدایات میں جو بنیادی احکام موجود ہیں، ان میں حکومت کے پانچ ستون ذکر کئے گئے ہیں، جن میں سب سے پہلی چیز اجتماعی نظم ہے، ارشاد نبوی ہے:

"میں امیر اور آمر کی حیثیت سے امت کے افراد کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں:

۱۔ الجماعة: اجتماعی نظم کے قیام کا۔

۲۔ والسمع: امیر کے حکم کی فرمانبرداری کا۔

۳۔ والطاعة: حکم کی تعمیل اور اطاعت کا۔

۴۔ والهجرة: اجتماعی مطمح نظر کے لیے وطن سے ہجرت کے اختیار کرنے کا۔

۵۔ والجهاد: خدائے واحد کے راستے میں جہاد کرنے کا۔(۷)

ایک کامیاب اور بارآور اسلامی جدوجہد کے لیے تنظیم اشد ضروری ہے کہ کسی جدوجہد کا اجتماعی ہونا کافی نہیں، تاوقتیکہ وہ منظم نہ ہو، اسلام ہر چیز میں نظم وضبط کی ترغیب دیتا ہے حتی کہ وہ روزمرہ کے معاملات مثلاً سفر اور ایک چھوٹی سی جماعت میں بھی جس کے افراد کی تعداد تین سے زیادہ نہیں ہوتی، تنظیم کی تعلیم دیتا ہے، چنانچہ حدیث نبوی ہے:

إذاخَرَجَ ثَلاثةٌ في سفرٍفَلْيؤَمِّرُوْا أَحَدهُمْ (۸)

"جب تین آدمی کسی سفر میں نکلیں تو وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں"

ایک اور روایت ارشاد ہے:

مامِنْ ثلاثَةٍ في قرْيةٍ ولا بَدْوٍ لا تُوامُ فِيهِمُ الصَّلاةُ اِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَليهِمُ الشَّيطانُ، فَعليكمْ بالجماعة فَاِنَّما يأكلُ الذِّئْبُ مِنَ الغنم القاضية (۹)

"جس بستی یا جنگل میں تین آدمی ہوں جن میں (باجماعت) نماز کا اہتمام نہ کیا جائے تو ان پر یقیناً شیطان غالب آگیا ہے، پس تم جماعت کو لازم پکڑو، یقیناً بھیڑیا اس بکری کو کھا جاتا ہے جو ریوڑ سے دور رہتی ہو"

ان روایات میں تنظیم کے التزام اور نظم وضبط کی پابندی کی طرف اشارہ ہے۔

اسلام زندگی کو نظم وضبط کے ساتھ گزارنے کو بڑی اہمیت دیتا ہے، انسانی زندگی کو مفید اور کارآمد بنانے کے لیے نظم وضبط نہایت ضروری ہے، اوقات منضبط ہوں، بے کار مشاغل میں ضائع نہ کئے جائیں، تو ان میں بڑی برکت ہوتی ہے۔

امت مسلمہ آج جس زبوں حالی سے دوچار ہے، اس میں جہاں اور بہت سے عوامل اثرانداز ہو رہے ہیں، ایک بڑی اور اہم وجہ نظم وضبط کا فقدان ہے، نظم وضبط کا یہ فقدان ہماری عام زندگی میں، سفر میں، بازار میں، اجتماعات میں ہر جگہ دیکھا جاسکتا ہے، بدنظمی درحقیقت ہلاک کردینے والی ہے۔ عذاب یہی نہیں کہ آسمان سے پتھر برسیں، قوت کار کو مفلوج کردینے والی بدنظمی بھی درحقیقت ایک بڑا عذاب ہے جو ہم پر مسلط ہے یا جسے ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے مسلط کر رکھا ہے، خود کو اس عذاب کی گرفت سے بچانے کے لیے بڑی مربوط اور ہمہ گیر وہمہ پہلو جدوجہد کی ضرورت ہے۔

نظم وضبط کا مطلب بنیادی طور پر یہ ہے کہ کوئی شخص خود کو اس قدر آزاد خیال نہ کرے کہ وہ ہر وقت ہر مقام پر "من مانی" کر سکتا ہے، نظم وضبط دراصل ایک لگام ہے جو انسان کی جبلت اور اس کی نہ زور خواہشات کو کنٹرول میں رکھتا ہے، انسان جب یہ سمجھ جاتا ہے کہ اس سے کیسے رویے کی توقع رکھی جاسکتی ہے، معاشرہ اس کی کس بات کو قبول

کر سکتا ہے، کس کو نہیں، تو نہ صرف اس کی زندگی خود اپنے لیے اور معاشرے کے لیے زیادہ کارآمد بن جاتی ہے، بلکہ اسے احساس تحفظ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔(۱۰)

**سیرت طیبہ اور نظم وضبط:**

اس امر واقعی سے ہر شخص واقف ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب قوم سیاسی اعتبار سے نہایت پست حال قوم تھی، اہل عرب اسلام سے پہلے اپنی پوری تاریخ میں کبھی وحدت اور مرکزیت سے آشنا نہیں ہوئے، بلکہ ہمیشہ ان پر مزاج اور انارکی کا تسلط رہا، پوری قوم جنگجو اور باہم نبرد آزما قبائل کا ایک مجموعہ تھی، جس کی ساری قوت وصلاحیت خانہ جنگیوں اور آپس کی لوٹ مار میں برباد ہو رہی تھی، اتحاد، تنظیم، شعور قومیت اور حکم واطاعت وغیرہ جیسی چیزیں، جن پر اجتماعی اور سیاسی زندگی کی بنیادیں قائم ہوتی ہیں، ان کے اندر یکسر مفقود تھیں۔ ایک خاص بدویانہ حالت پر صدیوں تک زندگی گزارتے گزارتے ان کا مزاج، مزاج پسندی کے لیے اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ ان کے اندر وحدت ومرکزیت پیدا کرنا ایک امر محال بن چکا تھا، ان کے وحدت وتنظیم کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَافِی الاَرْضِ جَمِیْعاً مَآاَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِہِمْ (۱۱)

"اور تم زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر لیتے، جب بھی ان کے دلوں کو جوڑ نہیں سکتے تھے"

لیکن نبی کریم ﷺ نے ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اپنی تعلیم وتبلیغ سے اس قوم کے مختلف عناصر کو اس طرح جوڑ دیا کہ یہ پوری قوم ایک بنیان مرصوص بن گئی۔ یہ صرف متحد اور منظم ہی نہیں ہو گئی بلکہ اس کے اندر سے صدیوں کے پرورش پائے ہوئے اسباب نزاع واختلاف بھی ایک ایک کر کے دور ہو گئے، یہ صرف اپنے ظاہر ہی میں متحد ومربوط نہیں ہو گئی تھی، بلکہ اپنے باطنی عقاید ونظریات میں بھی بالکل ہم آہنگ ہو گئی، یہ صرف خود ہی منظم نہیں ہو گئی بلکہ اس نے پوری انسانیت کو بھی اتحاد وتنظیم کا پیغام دیا اور اس کے اندر حکم اور اطاعت دونوں چیزوں کی ایسی اعلیٰ صلاحیتیں ابھر آئیں کہ صرف استعمار کی زبان میں نہیں، بلکہ واقعات کی زبان میں یہ قوم شتربانی کے مقام سے جہاں بانی کے مقام پر پہنچ گئی اور اس نے بلا استثناء دنیا کی ساری قوموں کو سیاست وجہانبانی کا درس دیا۔

اس تنظیم وتالیف کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک بالکل اصولی اور انسانی تنظیم تھی، اس کے پیدا کرنے میں حضور ﷺ نے نہ تو قومی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی تعصبات سے کوئی فائدہ اٹھایا، نہ قومی حوصلوں کی انگیخت سے کوئی کام کیا، نہ دنیوی مفادات کا کوئی لالچ دیا، نہ کسی دشمن کے ہوّے سے لوگوں کو ڈرایا۔ دنیا میں جتنے بھی چھوٹے یا بڑے مدبر اور سیاست دان گزرے ہیں، انہوں نے ہمیشہ اپنے سیاسی منصوبوں کی تکمیل میں انہی محرکات سے کام لیا ہے، اگر حضور ﷺ بھی ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے تو یہ بات آپؐ کی قوم کے مزاج کے بالکل مطابق ہوتی، لیکن آپ نے صرف یہ کہ ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ ان میں سے ہر چیز کو ایک فتنہ قرار دیا اور ہر فتنہ کی خود اپنے ہاتھوں سے بیخ کنی فرمائی، آپؐ نے اپنی قوم کو صرف خدا کی بندگی اور اطاعت، عالمگیر انسانی

اخوت، ہمہ گیر عدل وانصاف، اعلائے کلمۃ اللہ اور خوف آخرت کے محرکات سے جگایا، یہ سارے محرکات نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ تھے، اس وجہ سے آپؐ کی مساعی دنیا کی قوموں میں صرف ایک قوم کا اضافہ نہیں ہوا، بلکہ آپؐ کی کوشش سے ایک بہترین امت ظہور میں آئی جس کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَأُمةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْ مُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۱۲)

"تم دنیا کی بہترین امت ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے اٹھائے گئے ہو"

حضور ﷺ کی سیاست اس اعتبار سے بھی دنیا کے لیے ایک نمونہ اور مثال ہے کہ آپؐ نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا، آپ جانتے ہیں کہ سیاست میں وہ بہت سی چیزیں مباح ہیں، بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن سمجھی جاتی ہیں، جو شخصی زندگی کے کردار میں مکروہ اور حرام قرار دے دی جاتی ہیں، اگر کوئی شخص اپنی کسی ذاتی غرض کے لیے جھوٹ بولے، چالبازیاں کرے، عہد شکنی کرے، لوگوں کو فریب دے یا ان کے حقوق غصب کرے تو اگرچہ اس زمانہ میں اقدار اور پیمانے بہت کچھ بدل چکے ہیں اور اخلاق بھی ان چیزوں کو معیوب ٹھہراتا ہے اور قانون بھی ان باتوں کو حرام قرار دیتا ہے، لیکن کیا ایک سیاستدان اور ایک مدبر یہی سارے کام اپنی سیاسی زندگی میں، اپنی قوم یا اپنے ملک کے لیے کرے، تو یہ سارے کام اس کے فضائل اور کمالات میں شمار ہوتے ہیں؟ اس کی زندگی میں بھی اس کے اس طرح کے کارناموں پر اس کی تذلیل نہیں ہوتی اور مرنے کے بعد بھی وہ اپنی قوم کا ہیرو سمجھا جاتا ہے، سیاست کے لیے یہی صفات اور کمالات عرب جاہلیت میں بھی ضروری سمجھے جاتے تھے، مگر اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ ان باتوں میں ماہر ہوتے تھے، وہی لوگ ابھر کر قیادت کے مقام پر آتے تھے۔

لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی سیاسی زندگی سے دنیا کو یہ درس دیا کہ ایمان داری اور سچائی جس طرح انفرادی زندگی کی بنیادی اخلاقیات میں سے ہے، اسی طرح اجتماعی اور سیاسی زندگی کے لوازم میں سے بھی ہے، بلکہ آپؐ نے ایک عام شخص کے جھوٹ کے مقابلہ میں ایک صاحب اقتدار اور ایک بادشاہ کے جھوٹ کو کہیں زیادہ سنگین قرار دیا، آپؐ کی پوری سیاسی زندگی ہمارے سامنے ہے، اس سیاسی زندگی میں وہ تمام مراحل آپ کو پیش آئے، جن کے پیش آنے کی ایک سیاسی زندگی میں توقع کی جاسکتی ہے، آپؐ نے ایک طویل عرصہ نہایت مظلومیت کی حالت میں گزارا اور کم وبیش اتنا ہی عرصہ آپؐ نے اقتدار اور سلطنت کا گزارا، اس دوران میں آپؐ کو حلیفوں اور حریفوں دونوں سے مختلف قسم کے سیاسی اور تجارتی معاہدے کرنے پڑے، دشمن سے متعدد جنگیں لڑنی پڑیں، عہد شکنی کرنے والوں کے خلاف جوابی اقدامات کرنے پڑے، قبائل کے وفود سے معاملے کرنے پڑے، آس پاس کی حکومتوں کے وفود سے سیاسی گفتگوئیں کرنی پڑیں اور سیاسی گفتگوؤں کے لیے اپنے وفود ان کے پاس بھیجنے پڑے۔ بعض بیرونی طاقتوں کے خلاف فوجی اقدامات کرنے پڑے، یہ سارے کام آپ نے انجام دیے، لیکن دوست اور دشمن ہر شخص کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپؐ نے کبھی کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کیا، اپنی کسی بات کی غلط تاویل کرنے کی کوشش نہیں فرمائی، کوئی

بات کہہ چکنے کے بعد اس سے انکار نہیں کیا، کسی معاہدہ کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی، حلیفوں کا نازک سے نازک حالات میں بھی ساتھ دیا اور دشمنوں کے ساتھ بدتر سے بدتر حالات میں بھی انصاف کیا۔

اہل سیاست کے لیے طمطراق بھی سیاست کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے، جو لوگ عوام کو ایک نظام میں پرونے اور نظم قاہر کے تحت منظم کرنے کے لیے اٹھتے ہیں، وہ بہت سی باتیں اپنوں اور بیگانوں پر اپنی سطوت جمانے اور اپنی اہمیت قایم کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ساری باتیں ان کی سیاسی زندگی کے لازمی تقاضوں کا نتیجہ ہیں، اگر وہ یہ باتیں نہ اختیار کریں گے تو سیاست کے جو تقاضے ہیں وہ ان کے پورے کرنے سے قاصر رہ جائیں گے۔ اس طرح کے مقاصد کے پیش نظر جب وہ نکلتے ہیں تو بہت سے لوگ ان کے جلو میں چلتے ہیں، جہاں وہ ظاہر ہوتے ہیں، ان کے نعرے بلند کرائے جاتے ہیں، جہاں وہ اترتے ہیں، ان کے لے جلوس نکالے جاتے ہیں اور ان کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے ہیں، لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ اس اعتبار سے بھی دنیا کے تمام اہل سیاست سے الگ رہے، جب آپؐ اپنے صحابہؓ میں چلتے تو کوشش فرماتے کہ سب کے پیچھے چلیں، مجلس میں تشریف رکھتے تو اس طرح گھل مل کر بیٹھتے کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کون ہیں، کھانا کھانے کے لیے بیٹھتے تو دوزانو ہو کر بیٹھتے اور فرماتے کہ میں اپنے رب کا غلام ہوں اور جس طرح ایک غلام کھانا کھاتا ہے، اسی طرح میں بھی کھانا کھاتا ہوں، نہ کوئی خاص باڈی گارڈ تھا کہ آپؐ جو لباس دن میں پہنتے، اسی میں شب استراحت فرماتے اور صبح کو وہی لباس پہنے ہوئے ملکی وفود اور سفراء سے مسجد نبوی کے فرش پر ملاقاتیں فرماتے اور تمام اہم سیاسی امور کے فیصلے فرماتے۔(۱۳)

**عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے:۔**

ذیل میں تعلیمات نبوی کی روشنی میں ان طریقوں کی نشاندہی کی جاتی ہے جن پر عمل پیرا ہو کر عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنایا جا سکتا ہے۔

**(۱) بچے اور نظم وضبط:۔**

معاشرے کو سدھارنے کی غرض سے سب سے پہلے بچوں کو نظم وضبط کا پابند بنانا ضروری ہے، اس سلسلے میں خصوصاً والدین پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہے، بچوں کو نظم وضبط کا پابند بنانے کا طریقہ یہ نہیں کہ ماں باپ ہر وقت کوڑا ہاتھ میں رکھیں اور ذرا ذرا سی بات پر بچے پر آزمانا شروع کر دیں یا ہر وقت روک ٹوک کرتے رہیں کہ یوں کرو یوں نہ کرو، نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ہر وقت گھڑی سامنے رکھ کر بچے کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنا کھانا پینا اور دیگر تمام امور گھڑی کے مطابق انجام دیں، بلکہ اس کے لیے چند اہم اصول پیش نظر رکھنا پڑیں گے، ان اصولوں کے ذکر سے پہلے نظم وضبط کے ان فوائد پر نظر ڈالیں جن کا تذکرہ بچوں کے محققین نے کیا ہے۔

ا۔ نظم وضبط کے اصولوں کی پاسداری سے بچوں میں احساس تحفظ پیدا ہوتا ہے، بچوں کا اپنے بڑوں پر اعتماد بڑھتا ہے، وہ اس لحاظ سے پر اعتماد ہوتے ہیں کہ کوئی ان کی غلط اور صحیح طرز عمل کے بارے میں راہنمائی کرنے

والا ہے، یوں Generation gap کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ نظم وضبط کی خلاف ورزی سے دوسروں کے طعن و تشنیع کے باعث جو شرمندگی اوراحساس جرم ذہن میں پیدا ہوتا ہے، بچہ ان سے محفوظ رہتا ہے، درحقیقت یہ دونوں ایسے "منفی احساسات" ہیں جو شخصیت کو بری طرح مجروح کرتے ہیں، شرمندگی اور جرم کا احساس انسان کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رہنے پر مجبور کرتے ہیں، یوں وہ بیک وقت بے شمار محرومیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

۳۔ نظم وضبط کے ذریعے بچے کو معاشرتی ضروریات اور رکھ رکھاؤ کے مطابق زندگی گزارنا آجاتا ہے، یوں اس کی شخصیت خوشگوار اور دوسروں کے لیے زیادہ قابل قبول بن جاتی ہے، بچہ ایک بااعتماد فرد بن کر ابھرتا ہے، اس کی خودی مضبوط اور بلند ہوتی ہے، وہ بہتر فیصلے کرنے کی قوت پاتا ہے۔

۴۔ بچہ اپنے ضمیر کو مضبوط بنا سکتا ہے، وہ خود پر کنٹرول کرنا سیکھتا ہے، ضبط نفس ایک اعلیٰ صفت ہے جس کے حصول کے لیے ہر زمانہ میں ہر مذہب میں ترغیب دی جاتی رہی ہے، ضبط نفس سے انسان خود کو خود غرضی، خودستائی، خودنمائی جیسے رذائل اخلاق سے محفوظ کر سکتا ہے اور یوں اس کا تعلق اپنے رب سے مضبوط ہو سکتا ہے۔(۱۴)

ذیل میں بچوں کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے نبی اکرم ﷺ کے انداز تعلیم سے کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علیؓ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كخْ كخْ اِرم بها، امَّاعلِمْتَ اَنَّا لانأْكلُ الصَّدقَةَ (۱۵)

"کَخْ کَخْ، اسے پھینک دو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم صدقے کی چیز نہیں کھاتے"

بچے نے کھجور اگل دی، بس وہ دن تھا کہ بچہ نے پھر کبھی کوئی چیز بھولے پن سے بھی ہاتھ میں نہیں لی۔ جب حضور ﷺ یا والدین کچھ دیتے کھا لیتے، ورنہ آنکھ اٹھا کر بھی کسی چیز کی طرف نہ دیکھتے۔

اس حدیث سے بچوں کی تعلیم وتربیت کا پہلو بھی واضح ہے، بچوں کو جن چیزوں سے روکنا ضروری ہے، والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کا خیال رکھیں اور انہیں ان چیزوں سے روکتے اور سمجھاتے رہیں۔

۲۔ حضرت ابو حفص عمر بن ابی سلمہ عبداللہ بن اسدؓ رسول اللہ ﷺ کے پروعدہ (یعنی ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے بیٹے) سے روایت ہے کہ میں بچہ اور رسول اللہ ﷺ کے زیر پرورش تھا اور میرا ہاتھ (کھاتے وقت) پیالے میں گھومتا تھا تو مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ياغلام سمّ الله تعالي وكلْ بِيمينِك وكلْ مِمّا يليك (۱۶)

"اے لڑکے: اللہ کا نام لو (بسم اللہ پڑھو) دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ اور اپنے قریب سے کھاؤ"

پس اس کے بعد میرے کھانے کا طریقہ یہی رہا۔ اس حدیث میں بھی بچوں کو ادب سکھانے کی تعلیم ہے۔

۳۔ حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے باپ (شعیب) اور وہ اپنے دادا (عبد اللہ بن عمروؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مروا اوْلادكمْ بالصَّلاة وَهُمْ ابناء سبع سنين واضْرِبُوهُم عليها وهُم ابناء عشر وفرِّقُوا بينهمْ في المضاجِعِ (۱۷)

"جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کی تلقین کرو اور جب دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں (اور نماز میں سستی کریں) تو اس پر انہیں سرزنش کرو اور ان کے درمیان بستروں میں تفریق کر دو"

۴۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

ما نحل والد ولدا من نحل افضل من ادب حسن (۱۸)

"کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے اخلاق سے بہتر کوئی دولت نہیں بخشی"

اسی طرح بچوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق آپؐ کی اور بھی متعدد ارشادات موجود ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ ان نکات کی روشنی میں نئی نسل کی اصلاح و تربیت کا کام انجام دینا چاہئے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ہر گھر کو ایک تربیت گاہ بنا دیا تھا، جس میں ہر چھوٹا بڑا نہ صرف آداب انسانیت جانتا تھا، بلکہ عملاً اس کا عادی بھی تھا۔

**(۲) عبادات اور نظم و ضبط:۔**

اسلام نے عبادات کے ذریعے بھی نظم و ضبط کا درس دیا ہے، مثلاً نماز ہی کو لیجئے، نماز ایک طرف تو روحانی ارتقاء و تقرب الی اللہ اور معراج المؤمنین کا ذریعہ ہے، تو دوسری طرف اس سے اجتماعی، معاشرتی اور اخلاقی فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں، اسلام میں نماز باجماعت مسلمانوں کی زندگی عملی مثال ہے، محمد رسول اللہ ﷺ نے اس عملی مثال کو عربوں کے سامنے پیش کر کے ان کی زندگی کا خاکہ کھینچا اور بتایا کہ مسلمانوں کا یہ صف بہ صف کھڑا ہونا، ایک دوسرے سے شانہ بشانہ ملانا اور یکساں حرکت و جنبش کرنا، ان کی قوم کی زندگی کی مستحکم و مضبوط دیوار کا مسالہ ہے، جس طرح نماز درستی صف اور نظام جماعت کی درستی پر موقوف ہے، اسی طرح پوری قوم کی زندگی اسی باہمی تعاون، تضامن، مشارکت، میل جول اور باہمی ہمدردی پر موقوف ہے، اس لیے آنحضرت ﷺ صفوں کی درستی پر بہت زور دیتے تھے اور فرماتے تھے:

وَاَقِيمُو الصَّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَين الْمَناكب وسُدُّوا الخللَ وَلِينُوا بِاَيدِي اِخْوانكم وَلا تَذَرُوا فُرجات للشَّيطان وَمَنْ وَصَلَ صفاً وَصَلهُ الله وَمَنْ قَطَعَ صَفاً قطعَه الله(۱۹)

"صفوں کو سیدھا کرو اور کندھوں کو برابر رکھو اور صفوں کے درمیان خلا کو بند کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور شیطان کے لیے درمیان میں جگہ مت چھوڑو اور جو صف کو ملائے گا، اسے اللہ تعالیٰ ملائے گا اور جو صف کو توڑے گا، اللہ تعالیٰ اسے توڑے گا"

یہی جماعت کی نماز مسلمانوں میں برادرانہ مساوات اورانسانی برابری کی درس گاہ ہے، یہاں امیر وغریب، کالے گورے، رومی، حبشی، عرب وعجم کی کوئی تمیز نہیں ہے، سب ایک ساتھ، ایک درجہ اورایک صف میں کھڑے ہوکر خدا کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں، جماعت کی امامت کے لیے حسب ونسب، نسل وخاندان، رنگ روپ، قومیت اور جنسیت، عہدہ اور منصب کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ علم ودانش، فضل وکمال اور تقویٰ وطہارت کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں شاہ وگدا اور شریف ورذیل کی تفریق نہیں، سب ہی ایک زمین پر، ایک امام کے پیچھے، ایک صف میں دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں اور کوئی کسی کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا اوراس برادرانہ مساوات اورانسانی برادری کی مشق دن میں پانچ دفعہ ہوتی ہے، کیا مسلمانوں کی معاشرتی جمہوریت کی یہ درسگاہ کہیں اور بھی قائم ہے۔

اسی طرح روزہ اسلامی معاشرے میں ہمدری اور مواخات کی ایک لہر دوڑادیتاہے، روزہ کی وجہ سے روزہ دار کوان غریبوں کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے جنہیں دن میں ایک وقت بھی شکم سیر ہوکر کھانے کا موقع نہیں ملتا، اس طرح وہ غریبوں کا غم خوار بنتا ہے، اس میں ہمدردی اور محبت جیسے انسانی جذبات ابھرتے ہیں اور یہ جذبات قدرتی طور پر ان کے اندر یہ عزم پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اپنے غریب اور نادار بھائیوں کو ان کے حال پر نہ چھوڑیں گے، بلکہ ان کی مدد کریں گے۔ اوراسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے رمضان کے مہینے کو شهرُ الْمُواساة (ہمدردی کا مہینہ) فرمایا ہے۔(۲۰)

روزہ چونکہ ایک اجتماعی عمل ہے، اس لئے اس سے لوگوں میں فطری اور اصلی وحدت پیدا ہوتی ہے، نسل یا زبان کا اشتراک فطری وحدت پیدا نہیں کرتی۔ آدمی کا دل صرف اسی سے ملتا ہے، جو خیالات اور عمل میں اس سے ملتا ہے، یہی وہ اصلی رشتہ ہے، جو دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے باندھتا ہے، جب بہت سے لوگ مل کر ایک ہی ذہنی عمل کے ساتھ ایک ہی عمل کرتے ہیں، تو اس میں باہمی یگانگت، رفاقت، یکجہتی اور برادری کے گہرے تعلقات پیدا ہوجاتے ہیں۔

روزے کی وجہ سے انسان میں ضبط، تحمل صبر اور عزم بالجزم کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اس کے خواہش کی ہر چیز اس کے سامنے موجود ہوتی ہے، لیکن وہ ان کی طرف نگاہ اٹھاکر نہیں دیکھتا، اس طرح اپنے نفس پر اپنی خواہشات پر غلبہ حاصل کرتا ہے، کسی چیز کی طرف بھی رغبت نہیں کرتا، اس طرح وہ ملکی صفات کا حامل ہوتا ہے، وہ لوگ جو روزہ رکھنے کے باوجود برائیوں سے پرہیز نہیں کرتے اور نیکیوں کی طرف مائل نہیں ہوتے، وہ روزہ کے مقصد سے فائدہ نہیں اٹھاتے، ایسے لوگوں کا روزہ دراصل روزہ نہیں ہے، بلکہ ایک قسم کا فاقہ ہے، اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے روزے کی کوئی وقعت نہیں، چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

كمْ مِنْ صَائِمٍ لَيسَ لَه مِنْ صِيامه اِلَّا الظَّمَأ وَكمْ مِنْ قائمٍ لَيسَ لَه مِنْ قِيامه اِلا السَّهْرُ۔ (۲۱)

"بہت سے روزہ دار ایسے ہوتے ہیں جنہیں ان کے روزے سے سوائے پیاسا رہنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور رات میں عبادت میں مشغول رہنے والے بہت سے ایسے ہیں جنہیں ان کی عبادت سے سوائے بے خوابی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا"

زکوٰۃ جو اسلام کا ایک اور بنیادی رکن ہے، ایک ایسی عبادت ہے جس کی ادائیگی سے ایک اسلامی معاشرے کو حاصل ہونے والے دیگر فوائد کے علاوہ ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ اس سے معاشرے میں نظم وضبط اور توازن پیدا ہوتا ہے۔

فیلسوف اسلام شاہ ولی اللہؒ زکوٰۃ کے مصالح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واضح رہے کہ زکوٰۃ میں دو مصلحتوں کی رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے (۱) تہذیب نفس (۲) مدنی واجتماعی حاجات کا انسداد۔ تہذیب نفس سے مراد یہ ہے کہ "مال" بخل، خود غرضی، جنسی عداوت، جنسی بداخلاقیاں پیدا کرتا ہے اور ان بد اخلاقیوں کے انسداد کا بہترین علاج "انفاق" یعنی حسبۃً للہ صرف مال اور سخاوت ہے، اس سے بخل کا خاتمہ ہو جاتا ہے، خود غرضی مٹ جاتی ہے اور عداوت جنسی کی بجائے جنسی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی جنسی محبت ان تمام اخلاق کریمانہ کی اساس وبنیاد ہے جو انسان کو حسن معاملات کو خوگر بناتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ "انسان" اخلاق حسنہ کا پیکر بن جاتا ہے اور اسی کا نام تہذیب نفس ہے اور زکوٰۃ مدنی واجتماعی حاجات کے انسداد کا بہترین علاج ہے، اس لیے کہ نظام مدنی اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس نظام میں مضبوط "مالی نظام" موجود نہ، تاکہ اس کے ذریعے سے مدنی نظام کے اعلیٰ، ادنیٰ اعمال اور رعایا "پبلک" کے مناسب حال حاجات وضروریات کو پورا کیا جاسکے، نیز فقراء، مساکین، ضعفاء، یتامیٰ، بیوگان اور اسی قسم کے دیگر حاجت مند دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور ذلیل ورسوا ہونے سے محفوظ رہیں اور حکومت ان کی پوری کفالت کر سکے اور یہ تمام مشترک ذمہ داریاں اس طرح پوری ہو سکتی ہیں کہ منجملہ دیگر ذرائع آمدنی کے حکومت کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اہل سرمایہ سے وصولِ زکوٰۃ کی شکل میں حاصل ہو"(۲۲)

اسلام کے مذکورہ بالا ارکان کے علاوہ حج بھی ایک اہم رکن ہے، حج بھی ایک منظم معاشرتی زندگی استوار کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، حج کے ذریعہ سے انسان اپنی تمام ذمہ داریوں کا احساس کر سکتا ہے، حج اس وقت فرض ہوتا ہے جب اہل وعیال کے نفقہ سے کچھ رقم بچتی ہے، اس لیے آدمی حج کے لیے اس وقت نکلتا ہے جب اہل وعیال کی ضرورتوں کا سامان کر لیتا ہے، اس لیے اس کو اہل وعیال کے مصارف کی ذمہ داریاں خود بخود محسوس ہو جاتی ہیں، معاملات میں قرض، انسان کے سر کا بوجھ ہے اور حج وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو اس سے سبکدوش ہو جائے، اس لیے معاملات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے۔

عام طرز معاشرت اور دنیوی کاموں میں آدمی اپنے سینکڑوں دشمن پیدا کر لیتا ہے، لیکن جب خدا کی بارگاہ

میں جانے کا ارادہ کرتا ہے تو سب سے بری الذمہ ہو کے جانا چاہتا ہے، اس لیے رخصت کے وقت ہر قسم کے بغض وحسد سے اپنے دل کو صاف کر لیتا ہے، لوگوں سے اپنے قصور معاف کراتا ہے، روٹھوں کو مناتا ہے، قرض خواہوں کے قرض ادا کرتا ہے، اس لحاظ سے حج معاشرتی، اخلاقی اور روحانی اصلاح کا بھی ایک ذریعہ ہے۔

بہت سی اخلاقی خوبیوں کا سرچشمہ کسب حلال ہے، چونکہ ہر شخص حج کے مصارف میں مال حلال صرف کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے اس کو خود حلال وحرام کی تفریق کرنی پڑتی ہے اور اس کا جو اثر انسان کی روحانی حالت پر پڑ سکتا ہے، وہ ظاہر ہے۔

حج تمام مسلمانوں کو اتحاد اور اخوت کی لڑی میں منسلک کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ذرا اس نقشہ کو تھوڑی دیر کیلئے نگاہ تصور کے سامنے لے آیئے، ہر ملک ہر علاقہ اور ہر خطہ زمین کے لوگ اللہ کے گھر پہنچ رہے ہیں، کوئی گورا ہے، کوئی کالا، کسی کی زبان انگریزی ہے، کسی کی پشتو۔ اپنے علاقوں میں یہ جو بھی لباس پہنتے ہوں، مگر اب سب کے سب بے سلی چادروں میں ملبوس ہیں، اپنے علاقوں میں یہ جو بھی زبان بولتے ہوں، مگر یہاں ان کی زبانوں پر لبیک اللھم لبیک کے ترانے ہیں، وطن کے اعتبار سے یہ جہاں کے بھی باشندے ہوں، مگر ان سب کا مرکز، ان کا نقطہ اجتماع، ان کا قبلہ ایک اور صرف ایک ہے اور وہ اللہ کا گھر ہے۔ یوں مسلمانوں کو ہر سال میں یہ سبق یاد دلایا جاتا ہے کہ رنگ ونسل، زبان اور وطن سے قومیں تشکیل نہیں پاتیں۔ اصل تعلق خدا کے دین کا تعلق ہے، تمہیں ان امتیازات باطلہ کے چکر میں ہرگز مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

**(۳) جنگ اور نظم وضبط:۔**

اسلام میں جنگ کا مقصد نہ آتش انتقام بجھانا ہے، نہ مال ومنال کا حصول ہے، نہ ہوس ملک گیری کی تسکین ہے ارنہ شوق حکمرانی کی تکمیل ہے، اسلام نے پہلے ہی قدم پر اپنے فوجی نظام کو اخلاقی حدود کا پابند کیا اور ظلم وسفاکی کے جملہ طریقوں کو ختم کر کے جنگ کا ایک نیا تصور پیش کیا اور اسے جہاد فی سبیل اللہ کا حسین لقب عطا فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے سلسلے میں ایک مکمل ضابطہ اور قانون جنگ وصلح دیا، جنگ کے آداب، اس کے اخلاقی حدود، محاربین کے حقوق وفرائض، مقاتلین وغیر مقاتلین کا فرق، معاہدین، مفتوح قوموں، سفراء اور اسیران جنگ کے حقوق وغیرہ کی تعلیم دی اور غفلت میں حملہ کرنے، آگ لگانے، لوٹ مار، تباہ کاری، مثلہ، قتل اسیر، بدعہدی، بدنظمی، انتشار اور دوسرے وحشیانہ افعال کو قطعاً ممنوع قرار دیا، نیز اس کے مقابلہ میں تقویٰ، خوف خدا، ایفائے عہد، غنیمت میں خیانت سے احتراز وغیرہ کی ہدایت فرمائی، ان باتوں کا اندازہ اس خطبہ سے لگایا جاسکتا ہے جو جیش موتہ کو رخصت کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا تھا۔(۲۳)

بہر حال یہی وہ فلسفہ اور بنیادی اصول تھے جن پر رسول اللہ ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد ایک باقاعدہ فوجی نظام قائم فرمایا، فوج کے کمانڈر انچیف اور سربراہ اعلیٰ کی حیثیت خود آپؐ کی تھی، آپؐ نے بنفس نفیس تقریباً

ستائیس جنگوں کی قیادت فرمائی، جبکہ دوسری فوجی مہمات میں اپنے نائبوں کو اجرائے جہاد کے لیے روانہ فرمایا، سرحدوں کی نگرانی، ریاستی علاقوں کی حفاظت اور دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے طلایہ گرد جماعتیں بھی آپؐ کے حکم سے روانہ ہوتی تھیں۔ مطالعہ تاریخ کی روسے رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت عمرؓ کے دور میں خصوصاً فوج کے نظام میں جو توسیع نظر آتی ہے، وہ عہد رسالت کے فوجی انتظام کا ہی نتیجہ ہے، مثلاً ایک اہم کام مردم شماری اور جنگ کے قابل افراد کا رجسٹریشن ہے، اس کی اولیت کا سہرا مؤرخین عموماً حضرت عمرؓ کے سر باندھتے ہیں(۲۴) جبکہ یہ درحقیقت عہد نبوی کی پیداوار ہے اور جس کی تائید بخاری کی ایک حدیث سے ہو جاتی ہے (۲۵)اس حدیث میں اگرچہ مردم شماری کے مقصد کی صراحت نہیں کی گئی ہے، تاہم کتانی نے اسے باب فی کتاب الجیش کے تحت نقل کرکے اسے بالکل واضح کر دیا ہے (۲۶) گویا رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہی ابتدائی قسم کا ایک دیوان مرتب ہو گیا تھا، نیز فوج کے لیے اسلحہ کی فراہمی، رسد کا انتظام، مجاہدوں کی بھرتی، اعلان جنگ اور لشکر کی روانگی کا اہتمام، سپاہ کی مشق وتربیت، نگہداشت وغیرہ کے تمام فرائض بھی آپؐ کے حکم کے تحت انجام دئے جاتے تھے۔

اسلامی فوج پانچ حصوں یعنی قلب یا مرکز، میمنہ، مقدمہ اور عقبی فوج یا ساقہ پر مشتمل ہوتی تھی، لشکر کی یہ تقسیم اگرچہ دور جاہلیت میں بھی موجود تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے ظاہری شکل وصورت اختیار کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان تمام حصوں میں جدید نظم وترتیب پیدا کی، نئی روح پھونکی اوران حصوں کو ظاہری ومعنوی ہر اعتبار سے پہلے سے کہیں زیادہ متحد ومتفق کرکے ایک ناقابل تسخیر اکائی یا قرآن کے الفاظ میں بنیان مرصوصٌ بنادیا(۲۷)میدان جنگ میں صف بندی کا رسول اللہ ﷺ کو اتنا اہتمام تھا کہ موقع پر خود ہاتھ میں چھڑی لے کر صفیں درست فرماتے تھے (۲۸)ہر فوج کا مہم پر روانگی سے پہلے شہر کے باہر معائنہ (عرض)ہوتا تھا اور کم عمر رضاکار یا سواری یا اسلحہ نہ رکھنے والے یا نامناسب افراد واپس کر دیئے جاتے تھے، جنگ بدر میں صف آرائی کے بعد جو جامع ہدایات دی گئی تھیں وہ یہ تھیں کہ "جب تک میں حکم نہ دوں کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے، دشمن دور ہو تو تیر چلا کر بے کار ضائع نہ کرے، بلکہ جب نزدیک آئے تو مارے، اس سے قریب آئے تو پتھر پھینک کر مارے، اس سے بھی قریب آئے تو نیزہ اور پھر تلوار چلائے، ان ہدایات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسلحہ اور سامان حرب کے محتاط استعمال اوراس کے بے جا صرف پر کتنی کڑی نظر رکھتے تھے۔(۲۹)

سپہ سالار فوج یا امیر لشکر کے حکم سے جنگ شروع ہوتی، لشکر میں دو قسم کے دستے ہوتے تھے، ایک پیادہ اور دوسرے سوار۔ ان دو قسم کے دستوں کے علاوہ بعد میں زرہ پوش پلٹن کا بھی اضافہ ہو گیا۔ میدان جنگ میں سپہ سالار فوج کا مستقر علیحدہ کسی محفوظ اوراونچی جگہ پر بنایا جاتا تھا تاکہ وہ فوجوں کی نقل وحرکت اور محاذ جنگ کے نقشہ پر نظر رکھتے ہوئے ہدایات جاری کر سکے، جیسا کہ غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے لیے "عریش" تیار کیا گیا تھا(۳۰) محاذ پر دوست دشمن کی تمیز جنگی ضرورتوں اور خفیہ نقل وحرکت کے پیش نظر مسلمان فوجیوں کے لیے شعار (یا علامتی

نعرہ) بھی مقرر کیا گیا تھا اور سول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں عسکری تدبر کا یہاں تک ثبوت دیا تھا کہ ہر جنگ میں شعار کے خفیہ الفاظ کو تبدیل فرمادیتے تھے (۳۱)

میدان جنگ میں کامیابی، دشمن کی سرگرمیوں پر کڑی نظر اور فوج کی صحیح نقل وحرکت کے لیے نظام جاسوسی ناگزیر ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں بھی مناسب انتظامات کئے تھے، فوجی جاسوسی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جن افراد کو مقرر کیا تھا، ان کا کام یہ تھا کہ مطلوبہ معلومات سے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کریں (۳۲) جاسوسوں کے ذریعہ خبر رسانی کا یہ کام رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران لیا، بلکہ عام حالات میں بھی خطرات کے پیش نظر یہ نظام مؤثر طور پر کام کرتا تھا۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے حبس الطریق (راستے کی بندش) سے بھی کام لیا، چنانچہ وہ واقعہ تاریخ وسیر میں بہت مشہور ہے، جبکہ مدینہ کے ایک مخلص مسلمان کی طرف سے مشرکین مکہ کو رسول اللہ ﷺ کی جنگی تیاریوں کی تحریری اطلاع دینے کی ناکام کوشش کی گئی، لیکن سخت ناکہ بندی کے باعث وہ تحریر پکڑی گئی۔ (۳۳)

عہد نبویؐ میں لشکر کے ساتھ ساتھ ضروری عملہ میں راستہ بتانے والے، لشکر سے آگے لشکر کے انتظامات کرنے والا دستہ، جاسوس، مسافروں کا سامان اٹھانے والے اور لشکر کے پہرہ دار وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

سپہ سالار فوج کے فرائض میں جس طرح فوج کی نگداشت، جنگی امور کا انتظام اور لڑائی کی قیادت شامل ہے، اس طرح صلح کے لیے گفت وشنید، صلح ناموں پر دستخ اور دوسرے جنگی فیصلے کرنا بھی اسی کا کام ہے، مسلمان مجاہدین کے لیے جہاں ایک طرف یہ ممنوع کہ میدان جنگ میں پیٹھ دکھائیں، تو دوسری طرف یہ حکم بھی ہے کہ:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (۳۴)

"اور دیکھو اگر دشمن صلح کی طرف جھکے تو چاہیے کہ تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ اور ہر حال میں اللہ پر بھروسا رکھو"

اس قرآنی ہدایت کے تحت رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ رہا کہ آپ دشمن کی طرف سے معمول سا اشارہ پاتے ہی صلح پر آمادہ ہو جاتے اور حتی الوسع جنگ سے مجتنب رہتے، چونکہ رسول اللہ ﷺ صلح کے حد درجہ متلاشی تھے، اسی لئے آپؐ بظاہر مغلوبانہ شرائط پر بھی رضامندی کا اظہار کر دیتے تھے، تاکہ ہر ممکن طریقے سے جنگ کو ٹال دیا جائے، آپؐ کی انتہائی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اختلافات کو سفارتی بنیادوں پر طے کر کے جنگ کو ملتوی کر دیا جائے، لیکن جب یہ ساری کوششیں رائیگاں جاتیں، تو پھر جنگ کے معاملہ میں بھی آپ کی مستعدی میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔

**(۴) اجتماعیت اور نظم وضبط:۔**

انسان کو مدنی الطبع کہا جاتا ہے، یعنی ایسا جاندار جو دوسروں کے ساتھ مل کر اپنی زندگی گزارنے کا عادی ہو، اب یہ دوسروں سے ملنا کس نوعیت کا ہو؟ اگر اس میں باہمی الفت ومحنت، رواداری اور احترام کی کیفیت ہے، تو اس سے

معاشرے میں رہنے والوں کے درمیان اتحاد واتفاق اور نظم وضبط پیدا ہو گا اور اگر اس میں احترام، الفت ومحبت کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، تو پھر انتشار پیدا ہو گا اور افتراق پھیلے گا۔ اتحاد واتفاق اور نظم وضبط اجتماعیت کے لیے نہایت ضروری ہے، رسول کریم ﷺ نے ہر موقع پر اتحاد واتفاق اور اجتماعیت کی تلقین اور تاکید فرمائی ہے، ارشاد نبوی ہے:

الْمؤمِنُ لِلمؤمن كالْبُنيان ِيشُدُّ بعضهُ بعْضاً وشَبَّك بين اصابعه (۳۵)

"ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے حق میں عمارت کی مانند ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے اور آپؐ نے (مزید سمجھانے کے لیے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھائیں"

دوسری روایت میں ارشاد فرمایا:

مَثَلُ المؤمنين في توادِّهِمْ وتراحمهم وتعاطفهم مثلُ الْجسد اِذا اشتكيٰ منه عُضْوٌ تداعيٰ لهُ سائر الْجسد بِالسّهْرِوَالْحُمَّي(۳۶)

"مومنوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت ونرمی کرنے میں جسم کی طرح ہے، جب اس کا کوئی ایک عضو درد کرتا ہے تو اس کا سارا جسم اس کی وجہ سے بیداری اور بخار میں مبتلا رہتا ہے"

آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو اتحاد واجتماعیت کی تلقین کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا:

الشَّيطان يهم بالواحد والاثنين فاذاكانوا ثلٰثة لم يهم بهم(۳۷)

"شیطان ایک اور دو افراد کے پیچھے لگ جاتا ہے، لیکن جب یہ تین افراد ہوں تو انہیں پریشان نہیں کرتا"

صحابہ کرامؓ ہی کے دور کا واقعہ ہے کہ لوگ جب کسی منزل پر اترتے تو پہاڑ کی گھاٹیوں اور وادیوں میں منتشر ہو جاتے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ تفرّقُكمْ في هٰذه الشِّعاب وَالاَوْدِيةِ اِنَّمَا ذٰلِكمْ من الشَّيطان (۳۸)

"تمہارا ان گھاٹیوں اور وادیوں میں منتشر ہو جانا، شیطان کی طرف سے ہے"

اس کے بعد صحابہ کرامؓ جس منزل پر بھی اترتے تو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہتے۔

انسان کو اپنی دنیاوی زندگی میں بہت سے ایسے مواقع پیش آتے ہیں جب وہ اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کی مدد کا محتاج وطلبگار ہوتا ہے، ایک دوسرے کی مدد کرنا انسان کی اجتماعی زندگی کے حوالے سے نہایت اہم ہے، امداد کے سلسلے میں اگر مناسب مثبت اقدام اٹھایا جائے تو معاشرہ سدھر بھی سکتا ہے اور ان میں نظم وضبط بھی پیدا ہو سکتا ہے، اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے جامع ہدایات دی ہیں، مثلاً ایک روایت میں ارشاد ہے:

الْمُسلم اخُو الْمُسلم لايظلمه ولا يسلمُه منْ كان في حاجة اخيه كان اللّٰه في حاجته ومن فرَّجَ عنْ مُسلِمٍ كربَة فرَّج اللّٰه عنه بِها كربة من كرَبِ يوم الْقيامة ومَنْ ستر

مُسلِماً ستره اللّٰه يوم الْقِيامة(۳۹)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر زیادتی کرتا ہے، نہ اسے (بے یارومددگا چھوڑ کر دشمن کے) سپرد کرتا ہے، جو اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہو، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتا ہے، جو کسی مسلمان سے کوئی پریشانی دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی قیامت کی پریشانیوں میں سے کوئی بڑی پریشانی دور فرمادے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا"

یہ حدیث اس لحاظ سے بڑی اہم ہے کہ اس میں مسلمانوں کو ایک خاندان کے افراد کی طرح رہنے کی ہدایات دی گئی ہیں کہ جس طرح ایک شخص اپنے بیٹے، بھائی وغیرہ پر کوئی ظلم کرنا، مدد کے وقت اسے بے یارومددگار چھوڑنا پسند نہیں کرتا، اسے کوئی حاجت ہو تو اسے پوری کرنے کی، کسی تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہو تو اسے دور کرنے کی اور اس سے کوئی کوتاہی غلطی ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کی سعی کرتا ہے، یہی معاملہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ ہونا چاہیے، اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور اس کا بہترین صلہ اسے دنیا و آخرت میں عطا فرماتا ہے، گویا یہ اجتماعی کفالت کا ایک بہترین نظام ہے، جس پر اگر مسلمان عمل کریں تو آخرت کی بھلائی کے ساتھ ان کی دنیا بھی جنت نظیر بن سکتی ہے۔

**(۵) پابندی وقت اور نظم وضبط:۔**

قرآن مجید کی آیات اور مختلف احادیث نبویؐ کے مطالعے سے ہمیں یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ وقت کی قدر کرنے پر کس قدر زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے ایک سورت کی ابتداء ہی میں "وقت" یا "زمانہ" کی قسم کھائی ہے، مفسرین کرام نے اس سورت کی تفسیر میں عمومی توجہ اسی طرف مبذول کروائی ہے کہ اس میں وقت کی قدر کرنے پر زور دیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ، اِلَّاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُواالصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْ بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْ بِالصَّبْرِ(۴۰)

"بیشک انسان سر تا سر نقصان میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور (جنہوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی "

یہاں وقت اور زمانے کی قسم کھائی گئی ہے، زمانے میں انسان کی اپنی عمر بھی داخل ہے، انسان کی عمر کا زمانہ اس کے سال اور مہینے اور دن رات بلکہ گھنٹے اور منٹ اگر غور کیا جائے تو یہی اس کا سرمایہ ہے، جس کے ذریعے وہ دنیا و آخرت کے منافع عظیمہ عجیبہ بھی حاصل کر سکتا ہے اور عمر کے اوقات اگر غلط اور برے کاموں میں لگا دیئے، تو یہی اس کے لیے وبال جان بھی بن جاتے ہیں، بعض علماء نے فرمایا ہے:

حَياتُك اَنْفاسٌ تَعُدُّ فَكلَّما مَضٰي نفْسٌ مِنْها انْتَقَصَتْ بِه جُزْءًا

یعنی تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے، جب ان میں سے ایک سانس گزر جاتا ہے تو تیری عمر

کا ایک جزء کم ہو جاتا ہے۔

حق تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کی عمر کے اوقات عزیز کا بے بہا سرمایہ دے کر ایک تجارت پر لگایا ہے کہ وہ عقل و شعور سے کام لے اور اس سرمایہ کو خالص نفع بخش کاموں میں لگائے تو اس کے منافع کی کوئی حد نہیں رہتی اور اگر اس کے خلاف کسی مضرت رساں کام میں لگا دیا تو نفع کی تو کیا امید ہوتی، یہ راس المال بھی ضائع ہو جاتا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں کہ نفع اور رأس المال ہاتھ سے جاتا رہا، بلکہ اس پر سینکڑوں جرائم کی سزا عائد ہو جاتی ہے اور کسی نے اس سرمایہ کو نہ کسی نفع بخش کام میں لگایا نہ مضرت رساں میں، تو کم از کم یہ خسارہ تو لازمی ہی ہے کہ اس کا نفع اور راس المال دونوں جائع ہو گئے۔(۴۱)

اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

كلُّ النَّاس يغْدُوا فبائعٌ نفسه فمعتقها اوْمُوبقُها (۴۲)

"ہر ایک صبح صبح اپنے کاموں میں نکلنے والا ہے اور وہ اپنے نفس کا سودا کرتا ہے، پس اسے (عذاب سے) آزاد کرنے والا ہے یا اس کو (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر کے) ہلاک کرنے والا ہے"

نبی اکرم ﷺ کی روزمرہ زندگی عبادات واذکار، گھریلو اور معاشرہ احوال پر نظر اور دین اسلام کی تبلیغ وترویج پر مشتمل تھی، آپؐ ہمیشہ اللہ کی مدد کے طالب اور اس پر مکمل یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ ہر کام کو اس کے مقررہ وقت پر تنظیم اوقات (Time Manajement) کے اصول کے تحت انجام دیتے تھے، سیرت نبویؐ کے مطالعہ سے ہمیں نبی پاک ﷺ کی حیات طیبہ کے اس اہم پہلو سے بھی آگاہی ہوتی ہے کہ جب ہم سیرت نبویؐ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہر کام کو وقت کی پابندی کے تحت کرنے کے تناظر میں چار مظاہر ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۱۔ وقت کی قدر و قیمت کا اندازہ اور بالآخر دست یاب وقت کے ہر حصے کا صحیح استعمال۔

۲۔ مامور کام کی رہ نمائی، اس کی افادیت واہمیت کا تعین اور ہر کام کی منصوبہ بندی میں ترجیحات کا تعین۔

۳۔ وقت کو ایک حکمے عملی کے تحت استعمال کرنے کی طرح ڈالنا، یا یوں کہیں کہ وقت کا تخمینہ۔

۴۔ کاموں کو مقررہ وقت کے نظام میں مکمل کرنے کی ترتیب کاری۔(۴۳)

رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں ان ادعیہ سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپؐ کی زندگی کا ہر لمحہ ادعیہ واذکار میں یا کسی مثبت سرگرمی میں صرف ہوتا تھا، سیرت نبویؐ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا، کیونکہ وہ شخص سست الوجود اور کاہل تھا اور فضول وقت ضائع کر رہا تھا، دراصل اس وقت کی اہمیت کا احساس دلانا مقصود تھا، پھر دوسرے وقت میں نبی کریم ﷺ نے اس کو کام میں مصروف دیکھا تو آپؐ بے حد خوش ہوئے اور اس کے سلام کا بڑی گرم جوشی سے جواب دیا اور حوصلہ افزائی فرمائی۔(۴۴)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

منْ حُسْن اِسلام المرء تركه مالايعنيه (۴۵)

"آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو بے فائدہ ہے"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

نِعمَتان مغبونٌ فيهما كثيرٌ مِنَ النّاسِ الصحة والفراغُ (۴۶)

"دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے، ایک صحت اور دوسری فراغت"

مذکورہ نعمتوں میں سے ایک نعمت تو تندرستی ہے، یعنی جسم وبدن کا امراض سے محفوظ رہنا اور دوسری نعمت ہے اوقات کا غم روزگار کے مشاغل اور مصروفیات اور تفکرات و تشویشات سے فارغ وخالی ہونا، چناچہ دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنی غفلت شعاری کی بناپر ان دونوں نعمتوں کی قدر نہیں کرتے اوران کے معاملہ میں پنے نفس سے فریب کھاکر ان کو مفت میں ہاتھ سے جانے دیتے ہیں۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ ہمیں حدیث نبویؐ کے الفاظ یوں ملتے ہیں:

اِغْتنم خمساً قبل خمس:شبابك قبل هرمك وصحتك قبل سقمك وغناك قبل فقرك وفراغك قبل شغلك وحياتك قبل موتك (۴۷)

"پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، مال داری کو فقر سے پہلے اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔

ان تعلیمات نبویؐ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے اوقات کو نظم وضبط کا پابند بنائے اوران کو ضائع نہ کریں۔

**(۶) خوداحتسابی اور نظم وضبط:۔**

عوام کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں خوداحتسابی کا جذبہ پیدا کیا جائے، انسان کو اپنے اعمال کا ہر وقت جائزہ لیتے رہنا چاہیے، اس لیے کہ یہ اپنے عمل اوراپنے اخلاق وکردار کو بہتر بنانے کا سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ہے، حضرت عمرؓ کا قول ہے

حاسبوا انفسكم قبل ان تحاسبوا وتزينوا للعرض الاكبر وانّما يخفف الحساب يوم القيٰمة علىٰ من حاسب نفسه في الدنيا (۴۸)

"اپنا محاسبہ خود کرتے رہو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کوئی اور کرے اور بڑے دن کی پیشی کے لیے تیاری کرو، اس لیے کہ جو شخص دنیا میں اپنا محاسبہ کرتا ہے، قیامت کے دن اس کا حساب وکتاب آسان ہو گا"

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں خوداحتسابی اوراصلاح نفس پر بہت زور دیا گیا ہے، ارشاد نبوی ہے:

اَلْكيسُ من دان نفسه وعمل لما بعدالموت والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله(۴۹)

"دانش مند انسان وہ ہے جس نے اپنے نفس کی حفاظت کی اور موت کے بعد کی زندگی کی تیاری کی اور عاجز ولاچار وہ شخص ہے جو اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں باندھتا رہے"

من دان نفسه کا مطلب یہ ہے کہ بندہ دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، قبل اس کے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ فرمائیں۔

حضرت وابصہ بن معبدؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا: تم نیکی کی بابت پوچھنے آئے ہو؟ میں نے کہاہاں، پس آپؐ نے فرمایا:

استفت قلبك، البرُّ مااطمَأنْتَ اليه النَّفس واطمأنَّ اليه القلب والاثم ماحاك في النَّفس وتردأد في الصدر وان افتاك النّاس (۵۰)

"اپنے دل سے پوچھو، نیکی وہ ہے جس پر نفس مطمئن ہو اور دل میں کوئی کھٹک نہ ہو اور گناہ وہ ہے جو نفس کو کھٹکے اور دل میں اس کی بابت تردد ہو، اگرچہ لوگ تجھے (اس کے جواز کا) فتویٰ دے دیں"

اسی طرح قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوااللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ(۵۱)

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ (بھال) لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے اعمال کا کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے "

اس آیت میں ہمیں یہ بتایا جارہاہے کہ ہمارے پاس موقع ہے، ہم اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی اصلاح اوراعمال خیر میں اضافہ کرسکتے ہیں، اگر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس دنیا میں اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ خود بھی اپنا فی محاسبہ کرتے تھے اور لوگوں کی بھی حوصلہ افزائی فرماتے تھے کہ وہ خلیفہ کے فیصلوں اور کاموں پر نظر رکھیں اوراگر کہیں انہیں کوئی خامی یا کم زوری نظر آئے تو فوراً انہیں مطلع کریں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ سے فرمایا:

انشدك باللّٰه ياكعب: اتجدني خليفة ام ملكاً؟ قال بل خليفة، فاستخلفه فقال كعبٌ:خليفة واللّٰه من خير الخلفاء وزمانك خير زمان (۵۲)

"اے کعب میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتاہوں تم مجھے صحیح صحیح بتادو کہ میرا نظم حکومت خلافت کے نہج پر چل رہاہے؟ کہیں ایساتو نہیں کہ میرے نظم حکومت میں بادشاہوں والا انداز آگیاہو؟ اس پر حضرت کعبؓ نے

کہاہر گز نہیں: آپ میں ملوکیت کے آثار بالکل نہیں، آپ بہترین خلفاء میں سے ہیں اور آپ کا زمانہ بہترین زمانہ ہے"
حضرت کعبؓ کے جواب سے حضرت عمرؓ میں اطمینان کی کیفیت پیدا ہوئی۔

**(۷) وقار وسکینت اور نظم وضبط:۔**

اسلام کی تعلیمات میں یہ امر بھی شامل ہے کہ ایک مسلمان اپنے کام اور معاملات میں ہمیشہ ہوشیار اور چوکنا رہے، وقار اور سکینت سے کام لے، عجلت پسندی اور جلد بازی سے احتراز کرے،، حلم و وقار اختیار کرے، اپنے ہر ارادہ و عمل پر اچھی طرح غور و فکر کیا کرے اور ہر کام کے انجام و مآل پر بہر صورت نظر رکھے، اس سے نہ صرف مسلمان کی انفرادی زندگی میں، بلکہ سارے معاشرے میں نظم وضبط پیدا ہو گا۔

قرآن حکیم میں ارشاد نبوی ہے:

وَعِبادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِ یْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَ رْ ضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا(۵۳)

"اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان کا واسطہ جاہلوں سے پڑتا ہے تو سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ڈگ ڈگ بھر کر چلنا، گنوار پن کی اور آہستگی سے چلنا وقار واطمینان کی دلیل ہے۔ اسی طرح جاہلوں سے الجھنا بھی وقار ومتانت کے خلاف ہے، اللہ کے بندے جاہلوں سے بھی مخاطبت ترک کر کے خاموش ہو کر چلے جاتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلْاَنَاة مِن اللّٰه وَالْعَجلة مِنَ الشَّیطانِ(۵۴)

"کسی کام میں آہستگی وبردباری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی خصلت ہے"

مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی دنیاوی کام میں غور وفکر نہ کرنا، اس کے انجام پر نظر رکھے بغیر اس کو شروع کر دینا اور جلد بازی کی روش اختیار کرنا ایک ایسی خصلت ہے جس کو شیطان وسوسوں اور واہمات کے ذریعہ انسان میں پیدا کرتا ہے، جس سے اس کا مقصد اس کے کام کو خراب کرنا اور خود اس کو پریشانیوں میں مبتلا کرنا ہوتا ہے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبد القیس کے سردار اشج سے فرمایا:

اِنَّ فِیك لَخَصْلَتَینِ یحِبُّهُمَا اللّٰه اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاة (۵۵)

"تجھ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے، ضبط اور تامل"

قبیلہ عبد القیس کا ایک وفد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، مدینہ پہنچے تو بے تابانہ عجلت سے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، رئیس وفد جس کا اصل نام منذرؓ تھا اور لقب اشج تھا، انہوں نے ضبط و تحمل سے کام لیا، کچھ دیر سواریوں کے پاس رک گئے، ان کا سامان سنبھالا، اپنی اونٹنی کے گھٹنے باندھے، اچھا لباس پہنا اور

بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے، حضورؐ نے انہیں اپنے پاس بٹھایا اور اثنائے کلام میں فرمایا: تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں یعنی ضبط اور تحمل۔ انہی امور کا انجام درست ہوتا ہے جن میں ضبط و تحمل اور تامل سے کام لیا جائے، انسان میں تحمل نہ ہو تو طویل المیعاد منصوبے ادھورے رہ جائیں اور علمی و تحقیقی کاوشوں کا نشان تک باقی نہ رہے، اہل تحقیق کو ایک ایک مسئلہ کے حل کرنے میں برسوں گزر جاتے ہیں، اگر جلد بازی سے کام لیا جائے تو کسی مسئلہ میں تحقیق نہ ہو سکے، کام کاج میں دلچسپی نہ رہے اور آدمی فرائض سے پیچھا چھڑانے کا عادی ہو جائے، نتیجہ یہ کہ سب امور میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

اسلام میں ضبط و تحمل، وقار و سکینت کی اس قدر تاکید ہے کہ اگر نماز باجماعت کا وقت بھی نکل رہا ہو تو مسجد کی طرف دوڑ لگانے کی بھی اجازت نہیں، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

اِذا أُقیمت الصَّلوٰۃ فلاتأتُوْھا وَاَنْتُمْ تَسعَوْنَ وَأتُوْھا وَاَنْتُمْ تَمْشُوْنَ وَعلیکمُ السَّکینۃ فَمااَدْرکتُمْ فَصَلُّوْا ومافاتکمْ فَأَتِمّوْا (۵۶)

"جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم اس کے لیے دوڑتے ہوئے نہ آؤ (آرام سے معمول کی چال) چلتے ہوئے آؤ اور سکینت اختیار کرو، جو نماز امام کے ساتھ پالو وہ پڑھ لو اور جو تم سے فوت ہو جائے اسے پورا کر لو"

اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے حصول کے لیے دوڑ بھاگ کر آنا ممنوع ہے، کیونکہ یہ وقار کے خلاف ہے، جبکہ حکم وقار اور سکینت اختیار کرنے کا ہے، بالخصوص نماز وغیرہ کے لیے آتے وقت۔ نماز کی طرح دیگر عبادات میں بھی وقار اور سکینت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، خاص کر حج جیسی عبادت میں تحمل، وقار و سکینت اور نظم وضبط کی انتہائی ضرورت ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ عرفے کے دن نبی ﷺ کے ساتھ (عرفات سے) واپس لوٹ رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے پیچھے سخت ڈانٹ، مار اور اونٹوں (کے بڑبڑانے) کی آواز سنی تو آپؐ نے اپنے کوڑے کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

اَیھا النّاسُ عَلَیکمْ بالسَّکینَۃ فَاِنَّ الْبرّ لیسَ بِالْاِیضاع (۵۷)

"اے لوگو: سکینت اختیار کرو (یعنی سکون سے چلو) اس لیے کہ تیز رفتاری نیکی نہیں ہے"

حدیث میں عرفات سے واپس لوٹنے کو دفع کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ اس روز لوگ عرفات سے اس طرح لوٹتے ہیں، گویا انہیں دھکیلا جا رہا ہے، اس میں وقار اور سکون اختیار کرنے کی اور تیز روی سے اجتناب کی تلقین ہے، مناسک حج کی ادائیگی کے دوران مقامات حج پر اس ہدایت پر عمل کرنے کی بڑی شدید ضرورت ہے، کیونکہ وہاں ہر جگہ انسانوں کا بے پناہ ہجوم ہوتا ہے، ایسے میں ایک دوسرے کو دھکیل کر خود تیزی سے آگے بڑھنے کی کوشش دوسروں کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے، جس کا مشاہدہ ہر سال ایام حج میں ہوتا ہے، لیکن مسلمانوں میں صبر وضبط کی کمی اور اپنے مذہب کی اخلاقی ہدایات سے ناآشنائی یا بے اعتنائی کی وجہ سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو پاتا اور سعودی حکومت کے بے مثال اور وسیع انتظامات کے باوجود انسانی جانوں کا ضیاع تقریباً ایک معمول سا بن گیا ہے۔

## (۸)اعتدال پسندی اور نظم وضبط:۔

اسلام ایک اعتدال پسند دین ہے اوراس نے اپنے پیروکاروں کو میانہ روی اوراعتدال پسندی کا حکم دیاہے، اعتدال پسندی ایک ایسامقام ہے کہ جس کے بغیر اقوام وافراد کے معاملات درست اور منظم طریقے سے چل نہیں سکتے، یہ ایک ایسی صفت ہے کہ جس کے ذریعے آدمی دین ودنیا کو متوازن انداز میں اختیار کر سکتاہے۔ اعتدال ہر صاحب حق کو اس کا حق دیتاہے، نہ عبادت میں حد سے آگے بڑھتاہے کہ بندہ جان اس میں ضائع کرے اوردوسروں پر بوجھ بن کر جیئے اور جن افراد کے حقوق اس کے ذمہ واجب ہے مثلاً، بیوی، والد، والدہ، ان کو ضائع کرے اور نہ ہی دنیا کو دین پر فوقیت دے کر صرف مال کا بندہ بن کر رہ جائے، نہ اپنے رب کو پہچانے اور نہ اپنے گناہوں کی معافی مانگے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان توازن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایاہے:

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتَاکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰ خِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَکَ مِنَ الدُّنْيَا (۵۸)

"اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیاہے اس سے آخرت کا گھر کمالے اور دنیاسے اپنا حصہ لینانہ بھولو"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے!

"میری سنت میں سے یہ ہے کہ میں تو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتاہوں، روزہ بھی رکھتاہوں اور افطار بھی کرتاہوں، عائلی زندگی بھی گزارتاہوں، جس نے میرے سنت سے اعراض کیاوہ میری امت میں سے نہیں ہے، تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، تمہارے اہل وعیال کا تم پر حق ہے"(۵۹)

اس طرح اسلام نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے درمیان حسین ترین توازن قائم کیا، ایک طرف فرد کی شخصیت کے نشوو ارتقاء کا پوراسامان کیا، تو دوسری طرف اسے اجتماعی ذمہ داری کے ایک نظام میں منظم کر دیا۔ زندگی کے سارے شعبوں کے متعلق مفصل ہدایات دے کر ان تمام شعبوں اور گوشوں کے درمیان اعتدال اور توازن قائم کر دیا۔ اسلام نے وسائل کے استعمال میں کنجوسی اور اسراف دونوں کی ممانعت کر کے معاشی زندگی میں اعتدال کی روش کی تلقین کی اور پوری زندگی کے لئے حضور ﷺ نے یہ ہدایت دی کہ!

خَيرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُها (۶۰)

"ہر ایک کام میں اوسط اور درمیانہ درجہ بہت ہی اچھاہے"

آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ:

وَالْاِقْتِصادُ جزءٌ مِنْ اربَعَة وَّعِشْرِينَ جُزْءً مِنَ النَّبُوَّة

"میانہ روی اختیار کرنا نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے"(۶۱)

یہ امتیاز صرف اسلامی نظریے کو حاصل ہے کہ اس نے زندگی کے تقاضوں کو پورا کیا اور ان میں اعتدال اور توازن قائم کیا، تاکہ انسانی زندگی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ ترقی کر سکے اور کہیں بھی اس میں ایک رخاپن اور بے

اعتدالی پیدا نہ ہو، اسی طرح انسان ایک منظم زندگی گزار سکے۔

**(۹) نشست وبرخاست اور نظم وضبط:۔**

رسول اللہ ﷺ نے نشست وبرخاست یعنی لیٹنے، سونے، بیٹھنے اور چلنے کے بارے میں بھی امت کو ہدایات دی ہیں اوراپنے طرز عمل سے بھی رہنمائی فرمائی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ایک منظم دین کانام ہے، جس نے زندگی کے کسی پہلو میں بھی نظم وضبط کو نظر انداز نہیں کیاہے، اس سلسلے کی چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

عنْ جابرؓ قال نهي رسول اللّٰه ﷺ ان ينام الرَّجل علىٰ سطحٍ ليس بمحجورٍ عليه (٦٢)

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کوایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جو (دیواروں یامنڈیروں سے) گھری ہوئی نہ ہو"

ظاہر ہے کہ جو چھت دیواروں یامنڈیروں سے گھری ہوئی نہ ہو، اس پر سونے سے اس کااندیشہ ہے کہ آدمی نیند کی غفلت میں چھت سے نیچے گر جائے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے سوتے وقت کسی جانی نقصان سے بچنے کی خاطر احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی تاکید کی ہے، اسی طرح ایک اور حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لا تتركوا النّار في بيوتكم حين تنامون(٦٣)

"سوتے وقت تم اپنے گھروں میں آگ جلتی ہوئی نہ چھوڑا کرو"

ایک دوسری روایت میں ارشاد ہے:

غطوا الاناء واوكؤا السِّقاء واغلقوا الباب واطفؤا السراج فانَّ الشَّيطان لا يحلُّ سقاء ولا يفتح باباً ولا يكشف اِناءً(٦٤)

"برتنوں کوڈھانپ دیا کرو، مشکیزے کامنہ باندھ دیا کرو، دروازے بند کر دیا کرو اور چراغ بجھادیا کرو، اس لیے کہ شیطان بندھے ہوئے مشکیزے کو، بند دروازے کو اور ڈھکے ہوئے برتن کو نہیں کھولتا"

مذکورہ احادیث میں رات کو سوتے وقت آگ بجھا کر سونے کی تلقین کی گئی ہے، یہ آگ چراغ کی شکل میں ہو یا سردیوں میں گرمی حاصل کرنے کے لیے انگیٹھی اور سوئی گیس کے ہیٹر وغیرہ ہوں، تجربات ومشاہدات سے واضح ہے کہ ان کو جلتا ہوا چھوڑ کر سونا نہایت خطرناک ہے، خاص کر سرد علاقوں میں ہر سال ایسے بے شمار واقعات پیش آتے ہیں جن میں کئی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور لوگوں کومالی نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ برتنوں اور پانی پینے کے مشکیزوں اور صراحی، مٹکوں وغیرہ کو بھی ہر وقت ڈھاک کر رکھنا چاہیے، تاکہ ان میں کوئی گندی چیز یا موذی جانور وغیرہ داخل نہ ہوں جو نقصان کا باعث بن سکتے ہیں۔ اسی طرح رات یادوپہر کو، بلکہ آج کل تو ہر وقت ہی دروازوں اور کھڑکیوں کو بند رکھنا ضروری ہے تاکہ چوروں اور ڈاکوؤں سے بچاؤ رہے۔

جس طرح آپؐ نے سوتے وقت احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی تلقین کی ہے، اسی طرح آپؐ نے پیٹ کے بل سونے سے بھی منع فرمایا ہے، ارشاد نبوی ہے:

"حضرت یعیش بن طخفہ غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے بیان فرمایا، ایک وقت میں مسجد میں پیٹ کے بل سویا ہوا تھا کہ اچانک ایک آدمی نے مجھے اپنے پاؤں سے حرکت دی اور کہا: لیٹنے کی یہ حالت اللہ کو ناراض کرنے والی ہے، میرے باپ نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے"(۶۵)

پیٹ کے بل یعنی الٹا سونا ممنوع اور سخت ناپسندیدہ ہے، تہذیب و شائستگی کے خلاف ہونے کے علاوہ اس کے اخلاقی اور طبی نقصانات بھی ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمادی۔ آپؐ نے پیٹ کے بل لیٹنے سے جس طرح منع فرمایا ہے، اسی طرح آپؐ نے چت لیٹنے سے بھی منع فرمایا ہے، ارشاد نبوی ہے:

لَا يسْتَلْقِينَّ اَحَدُكمْ ثُمَّ يضَعَ اِحْدَى رِجْلَيه عَلَي الْاُخْرى۔(۶۶)

"تم میں سے کوئی شخص اس طرح چت نہ لیٹے کہ ایک پاؤں کھڑا کر کے اس پر دوسرا پاؤں رکھ لے"

مذکورہ روایت میں لیٹنے کا دوسرا طریقہ بیان ہوا ہے، اور وہ طریقہ یہ ہے کہ چت لیٹ کر ایک ٹانگ کے گھٹنے کو کھڑا کر لیا جائے اور دوسری ٹانگ کے پیر کو اس کھڑے ہوئے گھٹنے پر رکھ لیا جائے، یہ طریقہ ممنوع ہے، لیکن یہ ممانعت بھی اسی صورت میں ہے کہ جب ستر کھل جانے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً کسی شخص نے نہ پاجامہ پہن رکھا ہو اور نہ بند باندھ رکھا ہو اور وہ تہہ بند یا کرتے کا دامن اتنا چھوٹا ہو کہ اس طریقے سے لیٹنے کی وجہ سے ستر کھل سکتا ہو، اگر ستر کھلنے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اس طریقہ سے لیٹنا بھی جائز ہو گا، حاصل یہ نکلا کہ ممانعت اور جواز کا اصل مراد ستر کے کھلنے یا ستر کے نہ کھلنے پر ہے۔

علماء نے احادیث کی روشنی میں سونے اور لیٹنے کے درج ذیل آداب بیان کیے ہیں:

۱۔ بے ڈھنگی طرز سے لیٹنا منع ہے، مثلاً آدمی پیٹ کے بل نہ سوئے۔
۲۔ اس بات کی احتیاط کر لی جائے کہ لیٹنے میں ستر نہیں کھلتا۔
۳۔ کھانا کھا کر چت لیٹنا ہاضمہ کے لئے مضر ہے۔
۴۔ زیادہ آرام دہ بستر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

نبی اکرم ﷺ نے جس طرح لیٹنے اور سونے کے آداب بیان کئے ہیں، اسی طرح بیٹھنے کے اداب بھی بیان فرمائے ہیں، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

عنْ جابر بن سمرةؓ قال دخل رسول اللّٰه ﷺ المسجد وهم حلق فقال مالي اراكم عزين (۶۷)

"حضرت جابر حضرت جابر بن سمرةؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور صحابہؓ

متفرق الگ الگ (ٹکڑیاں بنائے) بیٹھے تھے تو آپؐ نے فرمایا، مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں الگ الگ بیٹھے دیکھ رہا ہوں"

کسی چیز پر اظہار ناراضی کا یہ ایک خاص انداز ہے کہ کہا جائے "میری آنکھیں یہ کیا دیکھ رہی ہیں" یعنی جو کچھ دیکھنے میں آرہا ہے، وہ نہیں ہونا چاہیے اور نظر نہ آنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا کہ وہ الگ الگ ٹکڑیوں کی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں، اس پر آپؐ نے حیرت کا اظہار فرما کر تنبیہ فرمائی اور بتایا کہ بجائے اس طرح الگ الگ بیٹھنے کے سب مل کر قرینے سے بیٹھو، بعض دوسری حدیثوں میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس سے ظاہری تفرق اور تشتت کا اثر دلوں پر پڑتا ہے اور مل کر ساتھ بیٹھنے سے قلوب میں جوڑ اور توافق پیدا ہوتا ہے۔(۶۸)

ایک دوسری روایت میں آپؐ نے راستوں پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے:

اِیاکمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَا لُوْا یا رَسُوْ لَ اللّٰہ مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِیھَا قَا لَ فَاِذَا اَبِیتُمْ فَاَعْطُوْاالطَّرِیقَ حَقَّہ قَا لُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِیقِ یا رَسُوْلَ اللّٰہ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِوَکفُّ الْاَذٰی وَرَدُّالسَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیِ عَنِ الْمُنْکرِ وَعَنْ اَبِي ھُرَیرَۃؓعَنِ النَّبِي فِي ھٰذِہ القِصَّۃ قَا لَ وَاِرْشَادُ السَّبِیلِ وَعَنْ عُمَرَ ؓعَنِ النَّبي فِي ھٰذِہ الْقِصَّۃ وَتُغِیثُوْا الْمَھْلُوفَ وَتَھْدُوا الضَّالَّ(۶۹)

تم راستوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو، تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ، ہمیں اپنی (ان) نشستوں سے چارہ نہیں، ہم ان میں بات چیت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: تو اگر تمہیں بیٹھنا ہی ہے تو راستہ کو اس کا حق دے دو، صحابہؓ بولے تو راستہ کا حق کیا ہے یا رسول اللہ، فرمایا: آنکھ جھکانا اور ایذاء نہ دینا اور سلام کا جواب دینا اور نیکی کی تلقین کرنا، اور برائی سے منع کرنا۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مضمون کے سلسلے میں نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے (یہ بھی فرمایا کہ) جو شخص راستہ بھول جائے، یا جو شخص راستہ نہ جانتا ہو اس کو راستہ بتلانا (بھی ایک حق ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مضمون کے سلسلے میں نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ (ایک حق یہ بھی ہے کہ) پریشان حال شخص کی دستگیری کرو اور بھولے ہوئے کو راستہ دکھاؤ۔

روایات مذکورہ میں راستہ کے حقوق بیان ہوئے ہیں، جس میں سب سے پہلا حق یہ ہے کہ راستے سے ہٹ کر بیٹھنا چاہیے، لیکن اگر راستے میں بیٹھنے سے اجتناب کرنا ممکن نہ ہو اور ایسی جگہ بیٹھنا پڑے جو راستہ پر واقع ہو تو پھر ان امور کو ادا کرنا چاہیے جن کی ہدایت روایات مذکورہ میں موجود ہے۔ یعنی یہ کہ حرام چیزوں پر نظر نہ ڈالنا، راستہ تنگ کر دینے یا کسی اور طرح گزرنے والوں کو ایذاء نہ پہنچانا، لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم کرنا، بُری باتوں سے روکنا، سلام کا جواب دینا، جو شخص راستہ نہ جانتا ہو یا راستہ بھول جائے اُن کو راستہ بتلانا، اور اسی طرح مظلوم کی دادرسی کرنا وغیرہ۔

آپؐ نے رواستوں پر چلنے کے آداب بھی بیان فرمائے ہیں، اختصار کے پیش نظر صرف ایک حدیث کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

وَعَنْ اَبِي هُرَيرَة قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰه صَلَّي اللّٰه عَلَيه وَسَلَّمَ بَينَمَا رَجْلٌ يتَبَخْتَرُ فِي بُرْدَيه وَقَدْ اَعْجَبَتْه نَفْسُه فَخَسَفَ اللّٰه بِه الْاَرْضُ فَهُوَ يتَجَلْجَلُ فِيهَا اِلٰى يوْمِ الْقِيامَة۔(۷۰)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص جب دو دھاری دار کپڑوں میں اترا کر چل رہا تھا، اور اس کے نفس نے اس کو غرور میں مبتلا کر دیا تھا، (اس کا انجام یہ ہوا کہ) زمین نے اس شخص کو نگل لیا، چنانچہ وہ قیامت کے دن تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔

بعض حضرات کے نزدیک حدیث میں مذکور شخص سے مراد قارون تھا، جب کہ امام نودی نے لکھا ہے کہ یہ احتمال بھی ہے کہ وہ شخص کسی امت کا کوئی فرد ہو گا، بہر حال حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ تکبر اور گھمنڈ اور اتراہٹ اور اکڑ کے ساتھ چلنا برا ہے اور اس کا انجام نہایت برا ہے۔ واضح رہے کہ انسان کی چال اس کے مزاج و احوال اور عادات و اطوار کی بڑی حد تک غماز ہوتی ہے، اس طرح اس بات پر خاص زور دیا جاتا ہے کہ انسان کو چلنے کا انداز ایسا نہ رکھنا چاہیے جس سے اس کی شخصیت میں کسی نقص و بے راہ روی اور اس کے طبعی احوال و کیفیات میں کسی کجی کا اظہار ہو۔

علماء نے قرآن و حدیث کی روشنی میں چلنے پھرنے کے درج ذیل آداب بیان کئے ہیں:

(۱) چال میں سادگی اور متانت ہونی چاہیے، مٹک کر چلنا یا تکبر سے قدم اٹھانا حرام ہے، سوائے اس کے کہ دشمن کو مرعوب کرنا ہو۔

(۲) رفتار میں اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے، نہ بہت تیز اور نہ بہت آہستہ ہو۔

(۳) دو آدمی اکٹھے جا رہے ہوں تو ان کے درمیان سے نہیں گزرنا چاہیے۔

(۱۰) طہارت و نظافت اور نظم و ضبط:۔ اسلام میں طہارت و نظافت دین کا ایک اہم شعبہ قرار دیا گیا ہے، اس شعبے کو اپنانے سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک نظم و ضبط نظر آئے گا اور انسان بہت سی امراض سے محفوظ بھی رہے گا، قرآن مجید کی آیات اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُطَهِّرِيْنَ (۷۱) "اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک وصاف رہنے والے اپنے بندوں کو محبوب رکھتا ہے" اور وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَهِّرِيْنَ(۷۲) "اور اللہ تعالیٰ پاک وصاف رہنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے" سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی بجائے خود کتنی اہمیت ہے۔

صفائی رسول اللہ ﷺ کے مزاج اور طبیعت کا حصہ تھی، اس لیے آپؐ کو ہر برائی اور کراہت آمیز چیز سے نفرت تھی اور صفائی اور نظافت پسند تھی، آپؐ کی بہت سی ہدایات اس ذیل میں آتی ہیں، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

اَلطُّهوْرُ شَطْرُ الاِيمان(۷۳)

"طہارت ایمان کا حصہ ہے"

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

بني الدين علي النظافة(۷۴)

"دین کی بنیاد صفائی ستھرائی پر رکھی گئی ہے"

اس طرح کی اور بھی بہت سی روایات موجود ہیں جن میں آپؐ نے صفائی وپاکیزگی کی تلقین فرمائی، مثلاً جمعے کے لیے خاص طور پر غسل کی تاکید کی (۷۵)اوراس کا سبب یہی تھا کہ چھوٹی مسجد کے سبب گرم موسم میں نمازیوں کے پسینے کی بو سے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی، پھر ناخن اور فالتو بالوں کو تاکید سے صاف کرنے کا حکم دیا(۷۶) کھانے پینے سے پہلے ہاتھ دھونے کی تاکید کی(۷۷)اسی طرح کھانے کے بعد بھی خاص کر چکناہٹ لگنے کی صورت میں ہاتھ دھونے کا حکم دیا(۷۸) اس طہارت اور پاکی کے مسائل پورے وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے، یہ تمام باتیں اس لئے تھی کہ صفائی جس طرح ہمارے ایمان کا حصہ ہے، اسی طرح ہماری طبیعت میں نظافت کا عنصر غالب آکر ہماری فطری اور منظم زندگی کا حصہ بھی بن جائے۔

ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے کپڑے میلے تھے، نبی اکرم ﷺ نے سوال کیا کہ کیا تم مال دار ہو؟ صحابی رسول رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جی ہاں! آپؐ نے ان سے ان کے مال کی تفصیل دریافت کی، انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ بکریاں، گھوڑے، لونڈیاں اور غلام غرض ہر طرح کے مال ودولت سے نوازا ہے، آپؐ نے فرمایا:

فاذا اتاك اللّٰه مالاً فليراثرُ نِعمَة اللّٰه عليك وكرَامَته (۷۹)

"جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال ودولت سے نوازا ہے تو اس کا اثر بھی تم پر نظر آنا چاہیے"

اسی طرح ایک صحابیؓ کو رسول خدا ﷺ نے اس حالت میں دیکھا کہ ان کا حلیہ پر گندگی کا شکار تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا:

امَا كان هذا يجد مايسَكنُ به شَعره

"اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ سر کے بال درست کرلے"

اسی طرح اس کے کپڑے میلے دیکھے تو فرمایا:

اما كان هذا يجد مايغسِلُ به ثوبه (۸۰)

"کیا اسے پانی نہیں ملتا کہ وہ اپنے کپڑے ہی دھولے"

نبی اکرم ﷺ نے جس طرح صفائی وپاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح آپؐ نے پبلک مقامات پر گندگی اور نجاست پھیلانے سے سختی سے منع کیا ہے، ارشاد نبوی ہے:

اِتَّقوا الْملاعِن الثَّلاثة البراز في الموارد وقارعة الطَّريق وَالظِّل(۸۱)

"تین لعنت کے مقامات پر قضائے حاجت سے پرہیز کرو: پانی کے گھاٹ، عام راستہ اور سایہ کی جگہیں"

مذکورہ جگہوں پر پیشاب پاخانہ کرنا یقیناً ایذاء کا باعث اور تہذیب کے خلاف ہے، اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے، مذکورہ جگہوں پر پیشاب پاخانہ کرنے سے تکلیف کے علاوہ یہ اندیشہ بھی ہے کہ ایسی جگہوں پر غلاظت ونجاست سے وبائی امراض پھوٹ پڑیں، اس لیے نظافت کے اعتبار سے بھی مذکورہ کاموں سے بچنا ضروری ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مائیں بچوں کو چائے، دودھ، دلیا، کھچڑی وغیرہ کھلاتے وقت پھونک مار کر ٹھنڈا کرکے دیتی ہیں، پھونک مارنے سے ماں کی سانس سے نکلنے والے جراثیم بچے کے کھانے پینے کو آلودہ کر دیتے ہیں، اور بچے کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اسی طرح بڑے بھی اپنے کھانے پینے کی چیزیں پھونک مار کر ٹھنڈا کریں تو سانس کی نالی کے گندے جراثیم کھانے پینے کے ساتھ معدے میں چلے جاتے ہیں اور نقصان پہنچا سکتے ہیں، دنیا بھر کے ماہرین کھانے پینے کی اشیاء میں پھونک مارنے سے منع کرتے ہیں، آپ نے چودہ سو سال قبل اسے منع فرمایا تھا، حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے:

"نبی کریم ﷺ نے پینے والی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا تو ایک آدمی نے کہا میں (بعض دفعہ) برتن میں تنکے وغیرہ دیکھتا ہوں (تو کیا کروں؟) آپؐ نے ارشاد فرمایا: اس میں سے (کچھ) پانی انڈیل دو (اگر مشروب قیمتی ہو اس طرح تنکا وغیرہ گرانے کے بجائے اسے چمچ سے نکالا جاسکتا ہے) اس نے کہا میں ایک سانس سے سیراب نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا پس اس وقت تم اپنا منہ برتن سے ہٹالو (یعنی تین سانس میں پانی پی لو اور ہر سانس کے لیے اپنا منہ برتن سے دور کرلو)" (۸۲)

اگر ہم اس اسوہ محمدیؐ پر عمل کریں تو خود بھی اور اپنے بچوں کو بھی بہت سی بیماریوں سے بچا سکتے ہیں، اس کے ساتھ ہی اسوہ محمدی ﷺ پر عمل کرنے کی برکات سے بھی فائدہ اٹھائیں گے۔

بال جراثیم اور وائرس کا گھر ہوتے ہیں اگر کسی فرد کی مونچھیں اتنی بڑی ہوں کہ کھانے پینے کی شے میں ڈوب جائیں، تو یہ کھانے کو جراثیم سے آلودہ کرتی ہیں اور بیماری کے امکانات بڑھتے ہیں، ماہرین طب مشورہ دیتے ہیں کہ مونچھوں کو کھانے میں نہ ڈوبنے دیا جائے تاکہ انفیکشن سے بچا سکے۔ نبی اکرم ﷺ مونچھیں کتروا تے تھے اور فرماتے کہ خلیل الرحمن ابراہیمؑ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (۸۳)

صحت کا شعور متوازن غذا کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے، ماہرین غذا یہ مشورہ دیتے ہیں کہ گوشت، سبزی کا استعمال، دالیں، شوربے والا سالن اور سلاد، یہ سب اہم ہیں، بہت زیادہ تیل وگھی میں تلی ہوئی اشیاء صحت کے لیے فائدہ مند نہیں سمجھا جاتا ہے، آپؐ کے اسوہ مبارکہ سے بھی یہ اصول ملتا ہے کہ آپ کم تری والا اور متوازن غذا پسند فرماتے، آپؐ کو کدو (لوکی کدو، میٹھا کدو) بہت مرغوب تھا ((۸۴) آپؐ کو شوربے والا کھانا مرغوب تھا اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید فرماتے (۸۵) اسی طرح آپؐ کو ہانڈی اور پیالے کا بچا ہوا کھانا مرغوب تھا (۸۶) (جس میں تری کم ہوتی ہے)

اگر ہم اسوہ نبوی ﷺ کے اصولوں پر عمل کریں تو اسوہ محمدی ﷺ کی برکات کے ساتھ یہ فوری فائدے بھی ہمیں حاصل ہوں گے۔

**خلاصہ بحث:**

خلاصہ یہ کہ دین اسلام قرآنی تعلیمات کی رو سے مکمل ضابطہ حیات اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، اسلام تمام مذاہب کے مقابلے میں ایک منظم دین ہے، حکومت وسیاست، عبادات ومعاملات، قومی وبین الاقوامی امور، معیشت ومعاشرت، کھیل وتفریح، خوشی وغمی، نشست وبرخاست، رہن وسہن، گفت وشنید، کھانا پینا، حتیٰ کہ جسمانی طہارت ونظافت میں زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس میں اسلام نے اپنے پیروکاروں کے لیے ایک مہذب زندگی گزارنے کے لیے نظم وضبط کے جامع اصول وضوابط بیان نہ کئے ہوں اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اس میں کامل نمونہ نہ چھوڑا ہو، یہ الگ بات ہے کہ آج بحیثیت ایک امت مسلمہ کے ہم نے اپنے انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں ان اصولوں کو نظر انداز کیا ہوا ہے، جس کی وجہ سے ہم افراط وتفریط کا شکار ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان زندگی کے ہر میدان میں ان اصول وضوابط کو اپنا کر ان پر عمل کریں تاکہ ہمارا معاشرہ ایک مہذب معاشرہ کہلایا جاسکے۔

## حوالہ جات


(۱) محمد اشرف شاہین، اسلام کی معاشی وسیاسی تعلیمات، کوئٹہ، نیو کالج پبلی کیشنز، ص ۲۳۱

(۲) خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۹ء، ص ۲۷۶۔

(۳) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، کراچی، قدیمی کتب خانہ، باب ۱۰۳:۱۲۳

(۴) الاسراء ۸۰:۱۷

(۵) الھندی، علاؤالدین علی المتقی، کنز العمّال فی سنن الاقوال والافعال، کتاب الامارۃ، ج ۶: ص ۱۰

(۶) اردو لغت (تاریخی اصول پر)، اردو لغت بورڈ (ترقی اردو بورڈ) کراچی، جون ۱۹۹۱ء۔

(۷) ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء۔

(۸) ابی داود، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، کتاب الجہاد، باب فی القوم یسافرون یؤمرون احدہم

(۹) ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، باب فی التشدید فی ترک الجماعۃ۔

(۱۰) ام کلثوم، بچے کی تربیت، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، اسلام آباد، اسلامی یونیورسٹی، ۲۰۱۵ء، ص ۱۱۸- ۱۲۰

(۱۱) الانفال ۸:۶۳۔

(۱۲) آل عمران ۳:۱۱۰

(۱۳) امین احسن اصلاحی، نبی ﷺ بحیثیت ایک مدبر اور ماہر سیاست، بحوالہ نقوش (رسول نمبر) لاہور، ادارہ فروغ اردو، جنوری ۱۹۸۳ء، ج ۳: ص ۶۲۳۔۶۲۶

(۱۴) ام کلثوم، بچے کی تربیت، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، ص ۱۲۰،۱۲۱
(۱۵) بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب مایذکر فی الصدقۃ للنبی ﷺ
(۱۶) مسلم، ابی الحسن مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب واحکامہا۔
(۱۷) السنن لابی داود،، کتاب الصلوۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃِ۔
(۱۸) ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، السنن، ابواب البر والصلۃ، باب ماجآء فی ادب الولد۔
(۱۹) السنن لابی داود، کتاب الصلوٰۃ، باب تسویۃ الصفوف
(۲۰) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصوم، الفصل الثالث
(۲۱) الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن، السنن، ملتان، نشر السنۃ، کتاب الرقائق، باب فی المحافظۃ علی الصوم
(۲۲) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۲: ص ۶۹۔۷۱، بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۵۹۸، ۹۹ ۵
(۲۳) ڈاکٹر نثار احمد، عہد نبوی میں ریاست کا نشوو ارتقاء، نقوش (رسول ﷺ نمبر) لاہور، ادارہ فروغ اردو، ج ۵: ص ۲۱۷
(۲۴) شبلی نعمانی، الفاروق، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۲ء، ص ۵۳۵
(۲۵) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الجہاد، باب کتابۃ الامامُ النَّاس
(۲۶) بحوالہ ڈاکٹر نثار احمد، عہد نبوی میں ریاست کا نشوو ارتقاء، نقوش (رسول ﷺ نمبر) ج ۵: ص ۲۱۸
(۲۷) الصف ۶۱:۴
(۲۸) ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ کوئٹہ مکتبہ معروفیہ، ۲۰۱۰ء، ج ۱: ص ۳۷۰
(۲۹) بحوالہ ڈاکٹر نثار احمد، عہد نبوی میں ریاست کا نشوو ارتقاء، نقوش (رسول ﷺ نمبر) ج ۵: ص ۲۱۸
(۳۰) ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، ج ۱: ص ۳۶۶، ۳۶۷
(۳۱) بحوالہ ڈاکٹر نثار احمد، عہد نبوی میں ریاست کا نشوو ارتقاء، نقوش (رسول ﷺ نمبر) ج ۵: ص ۲۱۹
(۳۲) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الجہاد، باب فضل الطَّلیعۃ
(۳۳) عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱: ص ۲۴۸، ۲۴۹
(۳۴) الانفال ۸::۶۱
(۳۵) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الادب، باب فضل تعاون المؤمنین
(۳۶) الجامع الصحیح للمسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تراحم المؤمنین وتعاطفہم
(۳۷) امام مالک بن انس بن مالک، الموطا، کتاب الجامع، باب ماجآء فی الوحدۃ فی السفر للرجال والنساء
(۳۸) السن لابی داود، کتاب الجہاد، باب مایؤمر من انضمام العسکر وسعتہ۔

(۳۹) الجامع الصحیح للمسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم
(۴۰) العصر ۱:۱۰۳۔۳
(۴۱) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۸۲ء، ج۸: ص ۸۱۲
(۴۲) الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الطہور
(۴۳) حافظ حقانی میاں قادری، نظم اوقات حیات وتعلیمات نبویؐ کے آئینے میں، ششماہی السیرۃ، کراچی، ش۲۶: ص۳۳۵
(۴۴) ایضاً ص۳۳۷
(۴۵) السنن للترمذی، ابواب الزہد باب من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ
(۴۶) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الرفاق وان لا عیش الا عیش الآخرۃ
(۴۷) عبد اللہ الحاکم النیسابوری، المستدرک علی الصحیحین، کتاب الرقاق، بیروت، دارالمعرفہ، ج۴: ص۳۰۶
(۴۸) السنن للترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب حدیث الکیس من دان نفسہ
(۴۹) ایضاً
(۵۰) سنن دارمی، کتاب البیوع، باب دع مایریبک الی مایریبک
(۵۱) الحشر ۱۸:۵۹
(۵۲) الھندی، کنز العمال، باب فضائل الصحابۃ ؓ، ج۱۲: ص۵۷۴، حدیث نمبر ۳۵۷۹۴
(۵۳) الفرقان ۶۳:۲۵
(۵۴) السنن للترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجآء فی التّانی والعجلۃ
(۵۵) ایضاً
(۵۶) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الجمعۃ، باب المشی الی الجمعۃ۔
(۵۷) ایضا، کتاب الحج، باب امر النّبی ﷺ بالسکینۃ عند الافاضۃ
(۵۸) القصص ۲۸: ۷۷
(۵۹) سنن دارمی، کتاب النکاح، باب النہی عن التبتل، ۲: ۵۷
(۶۰) المناوی، عبد الرؤف بن علی، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق
(۶۱) السنن للترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجآء فی التانی والعجلۃ
(۶۲) السن للترمذی، ابواب الاستیذان والاداب، باب بلا عنوان، رقم حدیث ۳۶۵۸
(۶۳) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الاستیذان، باب لا تترک النار فی البیت عند النوم

(۶۴) الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الاشربۃ، باب الامر بتغطیۃ الاناء وایکاء السقاء
(۶۵) السنن لابی داود، ابواب النوم، باب فی الرجل ینبطح علی بطنہ
(۶۶) الجامع الصحیح للمسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النھی عن الاشتمال الصَّمَّاءِ والاحتبآء فی ثوبٍ واحدٍ
(۶۷) السنن لابی داود، ابواب الادب، باب فی التحلیق
(۶۸) محمد منظور نعمانی، معارف الحدیث، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء، کتاب المعاملات والمعاشرت، ج۶: ص ۱۳۳
(۶۹) السنن لابی داود، ابواب الادب، باب فی الجلوس بالطرقات
(۷۰) الجامع الصحیح للمسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم التبختر فی المشی مع اعجابہ بثیابہ
(۷۱) البقرہ ۲:۲۲۲
(۷۲) التوبۃ ۹:۱۰۸
(۷۳) الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الطہور۔
(۷۴) قاضی عیاض، الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ، الباب الثانی فی تکمیل اللہ تعالیٰ لہ المحاسن خلقا وخلقا، ج۱: ص ۴۷
(۷۵) السنن للترمذی، ابواب الجمعۃ، باب ماجآء فی الاغتسال فی یوم الجمعۃ
(۷۶) بخاری، الادب الفرد، باب حلق العانۃ
(۷۷) السنن لابی داود، کتاب الاطعمۃ، باب غسل الیدین عند الطعام وقبلہ
(۷۸) بخاری، الادب الفرد، باب من نام وبیدہ غمرٌ، رقم حدیث ۱۲۱۹
(۷۹) السنن لابی داود، کتاب اللباس، باب فی الخلقان وفی غسل الثوب
(۸۰) ایضاً
(۸۱) السنن لابی داود، کتاب الطہارۃ۔ باب المواضع التی نہی عن البول فیہا
(۸۲) السنن للترمذی، ابواب الاشربۃ، باب کراہیۃ النفخ فی الشراب
(۸۳) ایضا، ابواب الادب، باب ماجآء فی قصّ الشارب
(۸۴) ایضا، باب الاطعمۃ، باب ماجآء فی اکل الدباء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# [[011]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

مفتی حافظ محمد رفیق
دارالافتاء راحت القلوب-کوئٹہ

آج کرۂ ارض پر اسلام اپنے پیروؤں کی تعداد کے اعتبار سے عیسائیت کے بعد دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ دنیا کے تقریباً چھپن ممالک ایسے ہیں جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہر طرح کے مادی وسائل سے نواز رکھا ہے۔ لیکن افرادی اور مادی قوت کی اس کثرت کے باوجود مسلمان دنیا میں ایک مظلوم ومقہور قوم کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں اور انہیں دنیا کی دیگر قومیں اپنے ظلم وتشدد کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ لیکن اس ظلم کے باوجود امتِ مسلمہ متحد نظر نہیں آرہی اور انتشار وبد نظمی کا شکار ہے۔ اگر اس زوال وانتشار کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بڑا سبب اس اتحاد اور نظم وضبط کو چھوڑ دینا ہے جس کی تعلیم ہمیں قرآن نے یہ کہہ کر دی تھی کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿﴾ (1)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح صف بنا کر لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہو۔

آج ہر میدان میں ہماری صفوں میں بد نظمی اور انتشار پائی جاتی ہے۔ ہم قوت، دفاع، سوچ وفکر غرض ہر اعتبار سے انتشار اور بد نظمی کا شکار ہیں۔ کسی بھی جماعت یا قوم کے قیام واستحکام میں اس کے نصب العین اور مقاصد کے بعد سب سے اہم ترین عنصر اس کا نظم وضبط اور باہمی اتحاد ہوتا ہے۔ جو قوم اپنی صفوں میں ہی نظم وضبط اور اتحاد پیدا نہ کر سکے وہ ہمیشہ دوسری اقوام کے زیرِ سایہ ہی رہتی ہے، بلکہ ہمیشہ ان کے لئے تر لقمہ بنی رہتی ہے۔ قرآن نے ہمیں بار بار باہمی اتحاد واتفاق اور نظم وضبط پیدا کرنے کی تلقین کی ہے کہ سب مل کر ایک ہی دستور یعنی قرآن کو تھامو اور اس کے احکامات کو اپنی زندگیوں میں اپناؤ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (2)

ترجمہ: اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں پھوٹ مت ڈالو۔

**نظام کائنات میں نظم وضبط:**

اسلام کے عقائد سے لے کر عبادات ومعاملات اور معاشرت تک تمام چیزوں میں ایک حسنِ ترتیب اور کمالِ

تنظیم پائی جاتی ہے۔ پوری کائنات ایک مربوط نظام میں بندھی ہوئی ہے اور کائنات کی ہر چیز میں ایک ہم آہنگی اور توازن وتناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو چھ دن میں پیدا کر کے انسانیت کو اپنی زندگیوں میں نظم وضبط اپنانے کی تعلیم دی ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے اور اس میں عقائد سے لے کر عبادات ومعاملات اور معاشرت تک سب احکام فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ اسلام کے تمام پہلوؤں میں ایک خوبصورتی، حسنِ ترتیب اور نظم وضبط موجود ہے، ہر چیز میں ایک نظم اور کمالِ اتصاہے، پوری کائنات ایک مربوط نظام میں بندھی ہوئی ہے۔ سورج، چاند اور ستاروں سے لے کر دریاؤں، پہاڑوں اور زمین کی نباتات وجمادات تک سب میں ایک ہم آہنگی اور توازن وتناسب ہے۔ ایک چھوٹے ذرے سے لے کے پہاڑ، ستارے، چاند، سورج اور پوری کائنات کا اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو انسان اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ زمین وآسمان کا وجود، چاند اور سورج کی ایک خاص تناسب سے گردش، دن رات کی آمد یہ ایسے منظم امور ہیں کہ یہ اپنی خالق کی کمالِ قدرت اور کمالِ تنظیم پر دلالت کر رہے ہیں۔ چنانچہ تخلیقِ کائنات سے لے کر قیامت تک جو کائنات کے متعلق معلومات ہمیں قرآن وحدیث سے ملتی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کے ذرہ ذرہ میں ایک خاص نظم وضبط پایا جاتا ہے اور اسی نظم وضبط کے ساتھ یہ کائنات قائم ودائم ہے۔ چنانچہ تخلیقِ کائنات کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (3)

ترجمہ: یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے، پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا وہ دن کو رات کی چادر اڑھا دیتا ہے جو تیز رفتاری کے ساتھ چلتی ہوئی اس کو آدبوچتی ہے اور اس نے سورج اور چاند تارے پیدا کئے ہیں جو سب اس کے حکم کے آگے رام ہیں۔ یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اسی کا کام ہے، بڑی برکت والا ہے اللہ جا تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اس آیت میں آسمان وزمین اور سیارات ونجوم کے پیدا کرنے والے اور ایک خاص نظامِ محکم کے تابع اپنے اپنے کام میں لگے رہنے کا ذکر ہے۔ اس آیت سے خدا تعالیٰ کی اور قدرتِ مطلقہ کاملہ حسنِ تدبیر کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس حسنِ تدبیر وتخلیق کے ساتھ اس کائنات کو وجود بخشا۔ اللہ تعالیٰ کا اس کائنات کو تدریج اور نظم کے ساتھ تخلیق کر کے انسانوں کو اس بات کی تعلیم دینا مقصود ہے کہ ہر کام کو ایک خاص نظم وضبط کے ساتھ انجام دینا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ سارا جہاں ایک لمحہ میں پیدا فرمادیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (4)

ترجمہ: اور ہمارا حکم بس ایک ہی مرتبہ آنکھ جھپکنے کی طرح (پورا) ہو جاتا ہے۔

اسی بات کا جواب دیتے ہوئے علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ:

ان المقصود منه انه سبحانه وتعالیٰ وان كان قادراً علي ايجادجميع الاشياء دفعةً واحدةً لكنه جعل لكل شيء حداً محدوداً ووقتاً مقدراً فلا يدخله في الوجود الا علي ذلك الوجه فهو وان كان قادراً علي ايصال الثواب الي المطيعين في الحال وعلي ايصال العقاب الي المذنبين في الحال الا انه يؤخرهما الي اجلٍ معلومٍ فهذا التاخيرليس لاجل انه تعالیٰ اهمل العباد بل لما ذكرنا انه خص كل شيء بوقتٍ معينٍ لسابق مشيئته فلا يفتر عنه(5)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا کائنات کو درتج اور نظم سے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو ایک ہی لمحہ میں پیدا کرنے پر قادر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک حد اور وقت مقرر کر رکھا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسی کے مطابق چیزوں کو وجود بخشتے ہیں۔ وہ اگرچہ نیکوکاروں کو فی الحال ثواب پہنچانے اور گناہگاروں کو عذاب دینے پر قادر ہیں مگر وہ اس چیز کو ایک معلوم اور متعین مدت تک مؤخر کرتا ہے، اور یہ تاخیر اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو ڈھیل دے دی ہے بلکہ اس نے اپنی مشیت سے ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اور وہ اس کے خلاف نہیں کرتا۔

جس طرح قرآن پاک کی مختلف آیتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ کائنات کو نظم وضبط کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے اور اس میں حسنِ تخلیق اور حسنِ تدبیر سے کام لیا گیا ہے اسی طرح بعض دیگر آیات یہ بھی بتاتی ہیں کہ تم ان کے اندر کوئی بد نظمی، بے ترتیبی اور بے ربطی نہ پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اس کائنات میں کوئی چیز بے جوڑ نہیں، اس کے تمام اجزاء باہم مربوط ہیں اور ان میں کمال درجے کا تناسب پایا جاتا ہے۔ قرآن ہمیں بار بار کائنات میں غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ کائنات میں جب بھی اور جس جانب و گوشہ میں نظر ڈالو گے تمہیں کہیں بھی کسی قسم کا کوئی خلل نظر نہیں آئے گا، اور تمہاری نگاہیں تھک ہار کر نامراد پلٹ آئیں گی۔

کائنات کا ذرہ ذرہ ایک خاص نظم وضبط کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہے، خالقِ کائنات نے جس کی جو ذمہ داری لگادی اس کا اس سے کبھی تخلف نہیں ہوا، اسی طرح سورج اور چاند وغیرہ بھی اپنے مقررہ راستوں پر چل رہے ہیں اور ہر ایک اپنے دائرے میں رواں دواں ہے، ایسے منظم انداز سے چل رہے ہیں کہ وہ کبھی ایک دوسرے تک نہیں پہنچ سکتے۔ سورج اپنے مدار اور دائرے سے نکل کر چاند کے دائرے میں نہیں جاسکتا۔ یہ دونوں ایسے منظم ایسے منظم ومربوط انداز سے چل رہے ہیں کہ ان میں کبھی ایک منٹ اور ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا۔ یہ دونوں ایسی خداساز مشینیں ہیں کہ نہ ان کی مرمت کی ضرورت ہوتی ہے نہ گریسنگ کی، اور نہ کبھی وہ گھستی یا ٹوٹتی ہیں۔ جس وقت تک اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ یہ کام سپرد کیا اس وقت تک یہ دونوں اسی نظم وضبط کے ساتھ چلتے رہیں گے، اور یہ دونوں کائنات

میں تخلیق کردہ اشیاء میں سے سب سے بڑھ کر نظم وضبط کی واضح مثالیں ہیں۔

**ہجرتِ مدینہ میں نظم وضبط:**

ہجرتِ مدینہ میں نظم وضبط کا ایسا حسین نمونہ سامنے آتا ہے کہ اس کی مثال رہتی دنیا تک پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ہجرتِ مدینہ کے لئے بھی باقاعدہ نظم کے تحت منصوبہ بندی کی گئی تھی مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کفارِ مکہ کی امانتوں کی سپردگی اور ان کی ادائیگی کا حکم، عامر بن فہیرہ کو دودھ پہنچانے کے لئے متعین کرنا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے لئے دو انٹنیوں کا انتظام وغیرہ وہ امور ہیں جن سے ہجرتِ مدینہ کا سفر آسانی سے تکمیل تک پہنچا اور ان چیزوں کی تدبیر و تنظیم کئی دن قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پہلے کرلی تھی، اگر ان امور کو منظم انداز اور نظم وضبط کے تحت سرانجام نہ دیا جاتا تو یہ پر خطر اور مشکل ترین سفر ایسی کامیابی وکامرانی سے مکمل نہ ہوتا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر الدمشقی اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

امر ابوبكر الصديق ابنه عبد الله ان يتسمع لهما ما يقول الناس فيهما نهاره ثم ياتيهما اذا امسىٰ بما يكون في ذلك اليوم من الخير وامر عامربن فهيرة مولاه ان يرعي غنمه نهاره ثم يريحها عليهما اذا امسيٰ في الغار، فكان عبدالله بن ابي بكر يكون في قريش نهاره معهم يسمع ما ياتمرون به وما يقولون في شان رسول الله صلي الله عليه وسلم وابي بكر، ثم ياتيهما اذا امسيٰ فيخبرهما الخبر، وكان عامربن فهيرة يرعي في رعيان اهل مكة، فاذا امسيٰ اراح عليهما غنم ابي بكر فاحتلبا وذبحا . . .وكانت اسماء بنت ابي بكررضي الله عنها ياتيهما من الطعامِ اذاامست بما يصلحهما .(6)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے بیٹے عبد اللہ بن ابو بکرؓ کو حکم کیا کہ وہ مکہ ہی میں رہ کر لوگوں کی باتیں سنتا رہے جو وہ ان دونوں کے بارے میں کہتے ہوں، اور اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ وہ دن کو بکریاں چراتا رہے اور شام کو غار کے کے پاس لاکر ان کا دودھ دوہا کرے۔ چنانچہ عبد اللہ بن ابو بکرؓ دن بھر مکہ میں رہتے اور رات کو آکر قریش کی خبریں بیان کرتے اور عامر بن فہیرہ جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام تھے بکریاں چراتے تھے، اور جب شام ہو جاتی اور اندھیرا ہو جاتا تو بکریاں غار کے پاس لے جاتے تاکہ آپؓ دودھ سے سیراب ہو جائے۔ اور حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان دونوں کے پاس کھانا لاتی جب شام ہو جاتی جو ان کو کافی ہو۔

**رشتۂ مواخاۃ میں نظم وضبط:**

ہجرتِ مدینہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرینِ وانصار صحابۂ کرامؓ کے درمیان جو رشتۂ مواخاۃ قائم کیا تھا قیامت تک اس کی مثال پیش نہیں کیا جاسکے گا۔ جو حضرات صحابۂ کرامؓ اپنے اہل وعیال اور گھر بار چھوڑ کر

مدینہ پہنچے تھے وہ معاشی حالت کے اعتبار سے کمزور تھے آپؐ نے ان کے درمیان مواخاۃ فرمائی کہ مہاجرین وانصار آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ قرآن مجید نے اس رشتۂ اخوت وبھائی چارگی کو یو بیان فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ــ(7)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے ہجرت کی ہے اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے وہ اور جنہوں نے ان کو (مدینہ میں) آباد کیا اور ان کی مدد کی، یہ سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں (مگر) انہوں نے ہجرت نہیں کی، تو جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں (اے مسلمانوں) تمہارا ان سے وراثت کا کوئی رشتہ نہیں ہے، ہاں اگر وہ دین کی وجہ سے تم سے کوئی مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد واجب ہے، سوائے اس صورت کے جبکہ وہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف ہو جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔

حضراتِ انصار نے واقعتاً اس مواخاۃ کا حق ادا کر دیا، اپنی زمین اور باغات مہاجرین کو دے دئے اور جس انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی سے یہ کہہ دیا کہ جس بیوی کو تم پسند کرو میں اس کو طلاق دوں گا اور آپ سے اس کا نکاح کراوں گا۔ نظم وضبط کے حوالے سے یہ بھی اہم اصول ہے کہ معاشرے کے افراد میں ایسی بھائی چارگی پیدا کیا جائے کہ ہر ایک اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دے، اور دوسرے کی راحت کا فکر مند ہو، تو معاشرہ خود ہی منظم ہو جائے گا اور کسی قسم کی کوئی بد نظمی اور بے چینی باقی نہیں رہے گی۔

## میثاقِ مدینہ اور اجتماعی زندگی میں تنظیم سازی:

مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد آپؐ نے ہر قبیلہ کا ایک نقیب مقرر کیا اور ان کے اوپر ایک نقیب النقباء کا بھی تقرر کیا۔ آپؐ نے دیکھا کہ مدینہ منورہ میں نہ صرف بد نظمی اور شورشوں کا دور دورہ ہے، بلکہ وہ لوگ متمدن معاشرہ سے محروم زندگی گزار رہے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے تمام لوگوں کا ایک اجلاس بلوایا جس میں مسلمانوں کے علاوہ تمام یہودی، عیسائی اور بت پرست عرب بھی شریک ہوئے اور ان کے سامنے ایک ریاست کے قیام کی تجویز پیش کی تاکہ اندرونِ ملک نظم ونسق اور امن وامان کی فضا قائم کی جائے، اور بیرونی حملہ آوروں کے خلاف دفاع کا یاک باضابطہ نظام قائم کیا جائے۔ چنانچہ اس کے قبول کرنے والوں نے ایک دستاویز تیار کی جس میں حکمرانوں اور عام لوگوں کے حقوق وفرائض کا باقاعدہ تعین کیا۔ یہ دستاویز دنیا میں پہلی "تحریری ریاستی آئین" کی دستاویز ہے جو کسی حکمران نے پیش کیا جس میں سیاسی زندگی کے تمام پہلوؤں کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اس میں خود مختاری اور آزادی کے مختلف طبقات کے لئے مذہبی آزادی، نظامِ انصاف، سماجی تحفظ اور قانون سازی سمیت تمام معاملات شامل کئے گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے مسلمانوں اور مشرکین ویہودِ مدینہ کے تین بڑے قبائل بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ کے مابین ایک عہد نامہ صلح وامن مرتب کیا، جس کی رو سے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا اوران کی جان ومال سے تعرض نہ کرنے کا عہد کیا گیا، اس معاہدے کی وجہ سے آپؐ نے مدینہ کے رہنے تمام مسلمانوں، مشرکوں اور یہود کی اجتماعی، اقتصادی اور عسکری زندگی کو قومی حیثیت سے منظم فرمایا۔

آپؐ نے اس معاہدہ کے مطابق اقتصادی زندگی میں بھی تنظیم پیدا کی اور مالداروں کو محتاج اور نادار کی ضرورت پوری کرنے کی تلقین کی، آپؐ نے اس معاہدہ کی رُو سے اجتماعی زندگی میں بھی تنظیم پیدا کی، یعنی پڑوسی اپنے پڑوسی کی عزت کرے گا، باشندگانِ مدینہ، مدینہ میں قتل، ڈاکہ وچوری، فتنہ وفساد اور دھوکہ وبے ایمانی سے مطمئن ہو کر زندگی بسر کریں گے۔ اس معاہدہ میں یہ بھی متعین کیا گیا تھا کہ مدینہ کے رہنے والوں یعنی مسلم اور غیر مسلم سب کے رہبر اور قائد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے، تمام امور ومعاملات آپؐ کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ معاہدے میں اس بات کی صراحت کی گئی تھی کہ اہلِ مدینہ متفقہ طور پر اس حملہ کا مقابلہ کریں گے جو باہر سے کیا جائے گا، چنانچہ معاہدے کی اس شق کی وجہ سے اہلِ مدینہ کی صفوں میں وحدت پیدا ہو گئی اور ایک ہی مقصد کے لئے سب ہی متحد ہو گئے۔ اہلِ مدینہ دینی اور مذہبی اختلاف کے باوجود دشمن کے خلاف ایک متحدہ جماعت بنانے میں کامیاب ہوئے۔

## جنگِ بدر میں فتح کی ایک وجہ نظم وضبط کی پابندی:

جنگِ بدر میں مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق صف بندی اور نظم وضبط کا لحاظ رکھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور دشمن کو واضح شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ ذلیل ونامراد ہو کر لوٹے۔ جنگِ بدر میں پائی جانے والی بہترین نظم وضبط کو بیان کرتے ہوئے محمود خطاب شیث لکھتے ہیں کہ:

"جنگِ بدر کے سپہ سالارِ اعلیٰ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، مسلمان آپؐ کی زیرِ قیادت سر فروشی اور جان نثاری میں مصروف تھے، آپؐ کی قیادت اعلیٰ کا سب سے بڑا کمال اور کرشمہ یہ تھا کہ فیصلہ کن وقت میں، فیصلہ کن مقام اور فیصلہ کن اقدام کا حکم صادر فرماتے تھے، ایک کامیاب اور برتر سپہ سالار کی سب سے بڑی خوبی اور سب سے بڑا وصف یہی ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا نظم وضبط اور اپنے سپہ سالارِ اعلیٰ کی بے چون وچرا اور بے نظیر اطاعت ایک مثال بن گئی، مسلمانوں کے جیش نے ہر اعتبار سے اور ہر معنی میں اختصاص حاصل کر لیا، جب کسی لشکر کی بنیاد بہتر نظم وضبط پر ہو تو وہی لشکر صحیح معنوں میں اپنے جوہر دکھانے کے قابل ہوتا ہے، کہ ایک اچھے اور بہتر لشکر کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے۔ اس اصول کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ اپنے وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کا لشکر ہر اعتبار سے بے مثل اور بے نظیر تھا۔ میرے نزدیک نظم وضبط کا مفہوم یہ ہے کہ امیر کی غیر مشروط اور بے چون وچرا اطاعت کی جائے، اس کے ہر حکم کی تعمیل انتہائی دیانت، امانت اور طیبِ خاطر کے ساتھ کی جائے"۔(8)

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جنگِ بدر میں مشرکین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتصار اور غلبہ بڑی حد تک صف بندی کے اسلوب کا رہینِ منت تھا۔ جنگ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کا معاینہ فرمایا، انہیں ایک دوسرے کے قریب اور ملا جلا کر آپؐ نے صفیں مرتب فرمائیں، پھر ان کی تعدیل شروع کر دی۔ آپؐ کا فوج پر کنٹرول غیر منقطع طور پر قائم رہا، اور احتیاط کے تمام پہلو جنگ کو جاری رکھنے کے سلسلے میں پیشِ نظر رہے۔ یہ سب کچھ اس طرح ہوا جیسے عصرِ حاضر کی جنگوں میں ہوا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے موقع پر ایک نیا اسلوب اختیار فرمایا جس کی بدولت کامیابی وکامرانی اور فتح ظفر نے آپؐ کے اور آپؐ کے لشکر کے قدم چھومے۔ جنگِ بدر کے موقع پر پہلے تو مجاہدین، اسلام نے ایسے دلیرانہ حملے کئے کہ دشمنوں کے قدم میدانِ جنگ سے اکھڑ گئے اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگنے لگے اور مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں کی اس جماعت نے جو درہ کی حفاظت کے لئے بٹھائی گئی تھی جب یہ دیکھا کہ فتح ہو گئی اور مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں تو یہ بھی ان کی طرف چلے گئے، ان کے امیر نے ان کو روکا مگر وہ نہ مانیں اور اپنا مورچہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے والوں سے ملے، اس جگہ پر صرف عبد اللہ بن جبیرؓ اور دس اور آدمی رہ گئے۔ دشمن نے جب دیکھا کہ درہ خالی ہے تو انہوں نے پلٹ کر پشت کی جانب سے حملہ کیا اور وہاں پر موجود مجاہدین صحابہ کو شہید کر دیا۔ مشرکین کے اس ناگہانی حملہ کی وجہ سے مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں، ان کو کافی زخم کھانے پڑے، آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کو یہ نقصان صرف اس وجہ سے اٹھانا پڑا کہ انہوں نے حضورؐ کی صف بندی اور نظم وضبط کا خیال نہ رکھا۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ـــــ .(9)

ترجمہ: اور اللہ نے یقیناً اس بات کا وعدہ پورا کر دکھایا تھا جب تم دشمنوں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھادی اور حکم کے بارے میں باہم اختلاف کیا، اور جب اللہ نے تمہاری پسندیدہ چیز تمہیں دکھادی تو تم نے کہنا نہیں مانا، تم میں سے کچھ لوگ تو وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور کچھ وہ جو آخرت چاہتے تھے، پھر اللہ نے ان سے تمہارا رخ پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔ البتہ وہ تمہیں معاف کر چکا ہے، اور اللہ مؤمنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

## فتحِ مکہ کے موقع پر نظم وضبط اور صف بندی:

ڈاکٹر حمید اللہ فتحِ مکہ کے موقع پر کی جانے والی صف بندی اور نظم وضبط کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فوج کی صف بندی اور معاینہ بدر واحد جیسی ابتدائی لڑائیوں تک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملحوظ رکھتے

تھے۔ فتح مکہ تک فوج میں اتنا کچھ ضبط اور تنظیم پیدا ہو چکی تھی کہ اب یہ کام خصوصی افسر صف آرائی کے سپرد کیا جاتا تھا، اور اس کے ذریعے سے احکام کی پوری تعمیل ہوتی تھی۔ فوج میں خبر رسانی کے مکمل انتظامات تھے، اور سپاہیوں اور افسروں کی رتی رتی بات کی اطلاع ملتی رہتی تھی، معمولی چیزوں کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا اور اہم امور میں فوری تدارک عمل میں لایا جاتا تھا۔ چنانچہ مکہ پر چڑھائی کی آخری نوبت میں جب ایک افسر نے یہ خیال آرائی کی کہ اب مکہ کا سر نیچا کیا جائے گا اور اسے لوٹ لیا جائے گا، تو فوراً اسے علیحدہ کر کے کمان دوسرے افسر کے سپرد کر دی گئی، اور عام منادی کرا دی گئی کہ مکہ معظمہ اور قبلہ مسلمانان کا سر نیچا نہیں بلکہ اس کی عزت میں آج سے مزید اضافہ ہو گا اور شہر میں ہر طرح کا امان ملحوظ رکھا جائے گا۔ فوج کی تنظیم اپنے فطری رجحانات کے مطابق تھی اور ہر قبیلہ اپنے ہی افسروں کی سرکردگی میں کارگزار تھا۔ مہاجرین، انصار، اسلم اور غفار وغیرہ کے رضاکار سب کے الگ الگ دستے تھے، لیکن ایک ہی کل کے پرزوں کی طرح پوری ہم آہنگی کے ساتھ کام کرتے تھے"۔(10)

**اصلاحِ معاشرہ سے نظم وضبط:**

انسان فطری طور پر اجتماعی زندگی کا محتاج ہے کیونکہ ہوش سنبھالنے کے بعد اس کو ایک سوسائٹی اور ایک نظام تمدن و معاشرت سے واسطہ پڑتا ہے، جس کی وجہ سے وہ قدم قدم پر معاشرے کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے قرآنی تعلیمات کی رُو سے معاشرے کو عدل وانصاف، اخوت و محبت اور اجتماعی نظم وضبط کے اصولوں پر قائم ہونا چاہئے تاکہ معاشرہ میں طبقاتی تقسیم، بد نظمی اور فساد وانتشار پیدا نہ ہونے پائے۔ اسلامی منظم ومنضبط معاشرہ کی بنیاد جن اصولوں پر قائم ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:

**☆.....وحدتِ آدم**

اسلام دنیا کے تمام انسانوں کو اولادِ آدم سمجھتا ہے، اس کے نزدیک رنگ ونسل اور قومیت ووطنیت وجہ فضیلت نہیں ہے بلکہ ذریعۂ تعارف ہے۔ قرآن چاہتا ہے کہ سب مل جل کر زندگی بسر کریں، اخلاق ومروت کا سلوک رکھیں اور باہمی خلفشار وانتشار اور نفرت وعداوت کے بیج سے اپنے دلوں کو پاک وصاف کر لیں۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ (11)

ترجمہ: اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔

اس آیت کی ذیل میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

اس آیتِ کریمہ نے مساوات کا یہ عظیم اصول بیان فرمایا ہے کہ کسی کی عزت اور شرافت کا معیار اس کی قوم، اس کا قبیلہ یا وطن نہیں، بلکہ تقوی ہے۔ سب لوگ ایک مرد وعورت یعنی حضرت آدم وحواء علیہما السلام سے پیدا ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے مختلف قبیلے، خاندان یا قومیں اس لئے نہیں بنائیں کہ وہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتائیں بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ بے شمار انسانوں میں باہمی پہچان کے لئے کچھ تقسیم قائم ہو جائے۔(12)

**☆.....اخوت**

اسلامی معاشرہ کے تمام افراد ایک دوسرے کے بھائی ہوتے ہیں، سب کا خدا ایک، سب کا رسول ایک، سب کا قرآن ایک اور سب کا نظامِ حیات ایک ہے۔ یہ ہی وہ وحدتِ فکر ہے جو نسلی تعصبات کو ختم کر کے تمام انسانوں کو بھائی بھائی بناتی ہے اور ریاست کے تمام افراد میں نظم وضبط قائم کرتی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝(13)

ترجمہ: حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اس لئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان تعلقات اچھے بناؤ تاکہ تمہارے ساتھ رحمت کا معاملہ کیا جائے۔

اسلام امن، محبت، احترام، انسانیت، مساوات، رواداری، اتحاد، خدمت خلق، حلم، بردباری، خیر خواہی، ایثار واکرام اور عدل وانصاف کا دین ہے اور یہ سب چیزیں مل کر ہی اخوت وبھائی چارے کی فضاء قائم کر سکتے ہیں جن کو اپنانے کے بعد معاشرے سے نفرت وافتراق، عناد، قتل وغارت گری، معاشرتی مفاسد اور بدخواہی وتصادم یکسر طور پر ختم ہو سکتے ہیں اور معاشرے میں حقیقی نظم وضبط قائم کیا جا سکتا ہے۔

**☆.....مساوات**

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی تشریح مختلف انداز میں بیان کی ہے، ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لا فضل لعربي علىٰ عجمي ولا لعجمي علىٰ عربي ولا لابيض علىٰ اسود ولا لاسود علىٰ ابيض الا بالتقوىٰ .(14)

ترجمہ: کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سفید کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سفید پر کوئی فضیلت وبرتری حاصل نہیں مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔

اسلام چاہتا ہے کہ معاشرہ کے افراد ایک دوسرے کے ہم درد اور غم گسار ہوں۔ ہر شخص اپنے معاشرہ کے لئے وہی پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ کوئی بھی ظلم، غیبت، چغلی اور بدگمانی نہ کرے۔ حسد، بغض، تجسس، الزام تراشی اور بے حرمتی وغیرہ جیسے معاشرہ کے لئے مہلک امور سے اگر اجتناب کیا جائے تو ایک ایسا پر امن اور منظم معاشرہ تشکیل پائے گا کہ جس میں بسنے والے آدمی کو تکلیف نہ پہنچے اور معاشرہ کامیابی وکامرانی پر گامزن ہو۔

### ☆.....تقویٰ

معاشرہ کی اصلاح اور اس میں نظم وضبط پیدا کرنے کے لئے تقویٰ اور اللہ کا ڈر بھی ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے، جس دل میں اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہو جاتا ہے اور اس کو ہر وقت اس بات کا استحضار رہتا ہے کہ میرا خالق ومالک مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ برائی سے اجتناب کرتا ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ سے برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے، اور معاشرہ میں امن وامان اور نظم وضبط برقرار رہتا ہے لیکن اگر تقویٰ اور خوفِ خدا ہی ختم ہو جائے تو معاشرے میں ہزاروں برائیاں جنم لیتی ہیں اور ہر طرف فتنہ وفساد برپا ہو جاتا ہے، اور معاشرہ میں کبھی بھی نظم وضبط برقرار نہیں رہتا۔

چنانچہ تقویٰ کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (15)

ترجمہ: اے ایمان والو! دل میں اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنا اس کا حق ہے، اور خبردار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے مگر اسی حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو۔

اس آیت میں تقویٰ کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ تقویٰ کا وہ درجہ حاصل کرو جو حق ہے تقویٰ کا۔ حق تقویٰ کیا ہے؟ اس بارے میں تفسیر کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود اور ربیع اور قتادہ اور حسن بصری رضی اللہ عنھم نے یہ بیان فرمائی ہے جو کہ مرفوعاً خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے کہ: "حق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے، کوئی کام اطاعت کے خلاف نہ ہو اور اس کو ہمیشہ یاد رکھیں کبھی بھولیں نہیں، اور اس کا شکر ہمیشہ ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں"۔ اسی مفہوم کو ائمہ تفسیر نے دوسرے عنوانات سے بھی ادا کیا ہے، مثلاً بعض نے فرمایا کہ حقِ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی کی ملامت اور برائی کی پرواہ نہ کرے، اور ہمیشہ انصاف پر قائم رہے، اگرچہ انصاف کرنے میں خود اپنے نفس یا اپنی اولاد یا ماں باپ ہی کا نقصان ہوتا ہو۔ اور بعض نے فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک حقِ تقویٰ ادا نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے"۔(16)

### ☆.....عدل وانصاف

اسلام نے جن اخلاقی اور معاشرتی امور پر سب سے زیادہ زور دیا ہے ان میں ایک عدل بھی ہے۔ عدل وانصاف ہی ایک ایسی چیز ہے جس پر معاشرے کا قیام اس کی صحت کی ضمانت دے سکتا ہے، جو قوم یا سوسائٹی اس صفت سے محروم ہوتی ہے وہ ظلم وجور، انتشار وافتراق اور بدنظمی وبدامنی کا شکار ہوتی ہے۔ ایسی قوم کبھی بھی ایک منظم اور ترقی یافتہ قوم کی حیثیت نہیں اختیار کر سکتی قرآنِ کریم میں عدل وانساف قائم کرنے کا بار بار حکم آیا ہے اور مختلف زاویوں سے عدل کی تاکید کی گئی ہے، یہاں تک کہ ایک آیت میں آسمانی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے کا اصل مقصد لوگوں کو عدل وانصاف پر قائم کرنا بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝(17)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا، اوران کے ساتھ کتاب بھی اتاری اور ترازو بھی، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم نے لوہا اتارا جس مین جنگی طاقت بھی ہے اور لوگوں کے لئے دوسرے فائدے بھی، اور یہ اس لئے تاکہ اللہ جان لے کہ کون ہے جو اس کو دیکھے بغیر اس (کے دین) کی اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتا ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔

قرآنی تعلیمات میں غوروفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدل وانصاف میں مساوات ہونی چاہئے، عدل وانصاف میں کسی کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہ برتا جائے، اور عدل وانصاف کے قیام کی ذمہ داری پورے معاشرے اور ہر فردانسانی پر ڈالی گئی ہے، اور یہ کہ انصاف کا مطالبہ صرف دوسروں ہی سے نہ ہو بلکہ اپنے نفس سے بھی ہونا چاہئے۔ اپنے نفس کے خلاف کوئی بیان یا اظہار کرنا پڑے یا کسی دوست یا عزیز رشتہ دار کے خلاف تو بھی حق وانصاف سے کام لے۔ ارشادِ ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝(18)

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے چاہے وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف پڑتی ہو یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف۔ وہ شخص (جس کے خلاف گواہی دینے کا حکم دیا جارہا ہے) چاہے امیر ہو یا غریب اللہ دونوں قسم کے لوگوں کا (تم سے زیادہ خیر خواہ ہے) لہٰذا ایسی نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو تمہیں انصاف کرنے سے روکتی ہو۔ اور اگر تم توڑ مروڑ کروگے (یعنی غلط گواہی دوگے) یا (سچی گواہی دینے سے) پہلو بچاؤ گے تو (یادرکھنا کہ) اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے

وہ انصاف جو کسی بھی قوم یا معاشرہ کو استحکام عطا کرتا ہے اور بقاء کی ضمانت فراہم کرتا ہے، وہ انصاف ہے جو بے لاگ ہو اور سب کے لئے یکساں ہو۔ یہ عدل نہیں کہ اگر کوئی امیر آدمی کوئی جرم کرلے تو اسے چھوڑ دیا جائے اور غریبوں کو سخت ترین سزائیں دی جائیں۔ اسلامی معاشرہ میں ایک عام آدمی سے امیر تک سب احکام کے پابند ہوتے ہیں، کوئی بھی جرم کرے تو اسے اس کی سزا ملنی چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر بنو مخزوم کی فاطمہ نامی ایک معزز عورت نے چوری کرلی تو اس کے قبیلے کی شہرت اور عزت مندی کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک اضطراب سا پیدا ہوگیا، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے تھے حد معاف کروانے سفارش کے لئے بھیج دیا۔ آپ بہت برہم ہوئے اور لوگوں کو جمع کرکے ایک بلیغ خطبہ دیا اور فرمایا:

يآيهاالناس انما هلك من كان قبلكم انهم كانوا اذاسرق فيهم الشريف تركوه واذاسرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد، وايم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها(19)

ترجمہ: اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوگئے کہ اگر ان کا کوئی شریف آدمی چوری کرلیتا تو اسے چھوڑ دیتے، اور اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرلیتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

### ☆..... قتل وقتال کی حرمت

معاشرہ میں امن وسلامتی اور نظم وضبط برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر انسان کی جان ومال اور عزت و آبرو محفوظ ہو۔ قرآنی تعلیمات کی رُو سے سب سے زیادہ قابلِ حفاظت اور لائقِ اہمیت انسانی جان ہے۔ غریب ہو یا امیر، مرد ہو یا عورت، شہر کا رہنے والا ہو یا دیہات کا ہر ایک کی جان ومال اسلامی معاشرہ میں محفوظ ہے۔ اسلام میں قتلِ ناحق سب سے بڑا جرم ہے، اس سے بڑھ کر کوئی اور جرم شریعت کی نظر میں نہیں، اس لئے کہ یہ چیز روئے زمین سے امن وامان مٹا کر ختم کردیتی ہے، اور معاشرہ بدنظمی اور بے چینی کا شکار ہوجاتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے ایک ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے ہابیل کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ــ(20)

ترجمہ: اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جو کوئی کسی کو قتل کرے، جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لئے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کردیا۔ اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے، مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں ہی کرتے رہے ہیں۔

قرآن نے معاشرہ میں امن وامان اور نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لئے ایک جان کے قتل کو تمام کائنات انسانی کے قتل سے کیوں تعبیر کیا؟ اس کی تفصیل مفسرین نے بیان کیا ہے۔ علامہ سید محمد رضا مصریؒ لکھتے ہیں:

﴿فَكَاَنَّمَاقَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾لان الواحد يمثل النوع في جملته فمن استحل دمه بغير حقٍ يستحل دم كل واحدٍ كذلك لانه مثله، فتكون نفسه ضاريةً بالبغي، لاوازع لهامن ذاتها ولامن الدين﴿وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَاالنَّاسَ جَمِيْعًا﴾ اي ومن كان سبباً

لحياة نفسٍ واحدةٍ بانقاذها من موت كانت مشرفةً عليه فكانما احياالناس جميعاً؛لان الباعث له علي انقاذالواحدة (وهوالرحمة والشفقة ومعرفة قيمة الحياة الانسانية واحترامها، والوقف عند حدودالشريعة في حقوقها) تندغم فيه جميع حقوق الناس عليه، فهودليل علي انه اذا استطاع ان ينقذهم كلهم من هلكة يراهم مشرفين علي الوقوع فيها لا ينيي في ذلك ولايدخر وسعاً، ومن كان كذلك لايقصر في حق من حقوق البشرعليه- ويلزم من ذلك انه لوكان جميع الناس او اكثرهم مثل ذلك الذي قتل نفساً واحدةً بغيرحقٍ لكانواعرضةً للهلاك بالقتل في كل وقتٍ، ولوكانوامثل ذلك الذي احيانفساًواحدةً احتراماً لها وقياماً بحقوقها لامتنع القتل بغيرالحقٍ من الارض، وعاش الناس متعاونين بل اخواناً متحابين متوادين-(21)

ترجمہ: جس نے ایک شخص کو قتل کیا تو گویا کہ اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا"، اس لئے کہ ایک شخص پوری جماعت کی نمائندگی کرتا ہے تو جس نے ایک شخص کی جان کو حلال سمجھ لیا تو سب کی جان کو حلال سمجھے گا، اور وہ اس سرکشی کی وجہ سے معاشرے کو نقصان پہنچانے والا ہو گا۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "جس نے ایک شخص کی جان کو زندگی بخشی تو گویا کہ اس نے پوری انسانیت کو زندگی بخشی" اس لئے کہ جس شخص نے کسی کو موت کے منہ سے بچالیا تو گویا اس نے پوری انسانیت کو زندگی بخشی، اس لئے کہ اس کام پر ابھارنے والی اس کی دلی شفقت، رحمت اور قیمتِ انسانی کی پہچان اور اس کا احترام ہے، جس کی وجہ سے وہ پوری انسانیت کو موت کے منہ سے بچائے گا۔ اور ایسا آدمی کسی انسان کی حق تلفی نہیں کرے گا، جب ایسا ماحول پیدا ہو جائے گا تو سب لوگ آپس میں محبت اور مودت کے ساتھ رہیں گے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس آیت کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

"مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نوعِ انسانی کی زندگی کا بقا منحصر ہے اس پر کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقا و تحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔ جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیاتِ انسانی کے احترام سے اور ہمدردیٔ نوع کے جذبہ سے خالی ہے، لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افرادِ انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کے برعکس جو شخص کسی انسان کی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے، کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کے بقا کا انحصار ہے"۔(22)

مولانا محمد اسلم شیخوپوری لکھتے ہیں کہ:

"یہ بات ظاہر ہے کہ جب ایک شخص کی فطرت اس قدر مسخ ہو چکی ہے کہ وہ ایک شخص کا ناحق خون بہانا جائز سمجھتا ہے وہ سبھی کے خون کو حلال سمجھتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں جس شخص کے دل میں انسانی جان کی قدر و قیمت ہے اور وہ اس کے تحفظ کی کوشش کرتا ہے تو وہ گویا ساری انسانیت کے لئے فکر مند ہے"۔(23)

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

الوجه الثالث في الجواب:وهوانه لما اقدم علي القتل العمدالعدوان فقدرجح داعية الشهوة والغضب علي داعية الطاعة، ومتي كان الامركذلك كان هذا الترجيح حاصلاً بالنسبة الي كل واحد فكان في قلبه ان كل احدٍ نازعه في شيئٍ من مطالبه فانه لو قدر عليه لقتله، ونية المؤمن في الخيرات خيرمن عمله فكذلك نية المؤمن في الشرور شر من عمله، فيصيرالمعنيٰومن يقتل انساناً قتلاً عمداً عدواناً فكانما قتل جميع الناس .(24)

ترجمہ: تیسری بات یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے کسی کو جان بوجھ کر قتل کرنے کا اقدام کیا تو اس نے شہوت اور غضب کے دعاوی کو اطاعت پر ترجیح دی اور یہ کام تو وہ ہر ایک کے بارے میں کر سکتا ہے؛ کیونکہ اگر کسی نے اس سے اس کی مطلوب چیز کے بارے میں جھگڑا کیا اور یہ اس پر قادر آ گیا تو یہ اس کو قتل کرنے سے گریز نہیں کرے گا، اور جس طرح کسی مؤمن کی نیت نیک کاموں اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے اسی اس کی نیت شر میں اس کے عمل سے زیادہ بری ہوتی ہے۔ تو اب اس آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ جس نے کسی شخص کو جان بوجھ کر قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا۔

**☆.....قصاص**

قرآن جس طرح ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے اور ناحق قتل والے کو ہمیشہ کے لئے جہنم کی سزا سناتا ہے، اسی طرح اس دنیا میں بھی قاتل کو سزا دلواتا ہے تاکہ اس کو نشانِ عبرت بنایا جائے اور لوگ اس سے عبرت حاصل کریں، اور ایسے اقدام سے گریز کریں اور معاشرہ میں امن وامان برقرار رہے، اور بد نظمی کا ماحول پیدا نہ ہو۔ قرآن نے اس کے لئے قصاص کا قانون بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰي ۭ اَلْحُـرُّ بِالْحُـرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝(25)

ترجمہ: اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلہ میں ازاد، غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت

(ہی کو قتل کیا جائے)، پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے تو معروف طریقہ کے مطابق (خون بہا کا) مطالبہ کرنا (وارث کا) حق ہے، اور اسے خوش اسلوبی سے ادا کرنا (قاتل کا) فرض ہے۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے آسانی پیدا کر دی گئی ہے، اور ایک رحمت ہے۔ اس کے بعد بھی کوئی زیادتی کرے تو وہ دردناک عذاب کا مستحق ہے۔ اور اے عقل رکھنے والو تمہارے لئے قصاص میں زندگی (کا سامان) ہے، امید ہے کہ تم (اس کی خلاف ورزی سے) بچو گے۔

اس آیت میں انسانی معاشرہ کا امن وامان اور نظم وضبط میں خلل انداز ہونے والے افراد سے معاشرہ کو پاک وصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس کو معاشرے اور سوسائٹی کی زندگی قرار دیا گیا ہے؛ کیونکہ اگر کسی ایک کو قصاصاً قتل کر دیا گیا تو آئندہ دوسرے لوگ بھی عبرت حاصل کر کے اس جرم کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ دوسری طرف دورِ جہالت میں قتل کے سلسلے میں امتیازی سلوک برتا جاتا تھا، بڑے لوگوں سے قصاص معاف تھا اور غریب کی جان کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ غریب مقتول کے وارثوں کی سننے والا کوئی نہ تھا، البتہ اگر کسی بڑے قبیلے کا کوئی فرد مارا جاتا تو اس ایک شخص کے بدلے میں قاتل کے خاندان کے لاتعداد لوگوں کو موت کی گھاٹ اتار دیا جاتا تھا اور پھر بھی انتقام کی آگ نہ بجھتی تھی۔ قرآن کریم نے اس آیت کے ذریعے یہ بتایا ہے کہ قتل کا بدلہ کسی بھی شکل میں ہو صرف قاتل سے لیا جائے گا، اس میں چھوٹے بڑے، امیر غریب، مرد عورت، آزاد غلام اور کالے گورے کا کوئی فرق نہیں۔ قصاص میں اسی مساوات کو بیان کرتے ہوئے علامہ ابو بکر جصاص اس آیت کی ذیل میں لکھتے ہیں:

وهذه الآية تدل علي قتل الحر بالعبد والمسلم بالذمي والرجل بالمرأة لما بيناه من اقضاء اول الخطاب ايجاب عموم القصاص في سائر القتلىٰ(26)

ترجمہ: یہ بتلاتی ہے کہ غلام کے بدلہ میں آزاد، ذمی کے بدلہ میں مسلمان اور عورت کے بدلہ میں مرد قتل کیا جائے گا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ خطاب کی ابتدائی حصے کا اقتضاء تمام مقتولین میں قصاص کا وجود ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ زندگی پورے معاشرہ کے اجتماع کا نام ہے، اور قصاص میں قاتل کو قتل کر دینا پورے معاشرے کو زندگی کی ضمانت فراہم کرنا ہے؛ کیونکہ اگر قاتل کو قتل نہ کیا جائے تو وہ پورے معاشرہ کے لئے پریشانی اور مصیبت کا سبب بنے گا جس طرح بعض بیماریوں میں جسم کو بچانے کے لئے بسا وقات جسم کے کسی عضو کو کاٹ کر الگ کر دینا پڑتا ہے، اگر یہ بظاہر سنگ دلی معلوم ہوتی ہے لیکن ایک ڈاکٹر کو یہ سنگ دلی اختیار کرنی پڑتی ہے، اگر وہ طبیعت پر جبر کر کے یہ سنگ دلی اختیار نہ کرے تو ایک عضو کی ہمدردی میں پوری جسم کو ہلاکت میں ڈالنا پڑے گا جو کسی طرح بھی دانشمندی نہیں ہے۔ اسی قاتل پورے معاشرہ کے لئے ایک متعدی مرض اور ناسور کی طرح ہے اگر قصاص کے ذریعہ اس کا علاج نہ کیا گیا تو پورے معاشرے کے لئے بربادی کا سبب بنے گا۔

**☆.....اتحاد واتفاق**

معاشرہ میں امن وامان اور نظم وضبط برقرار رکھنے کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ قتل وقتال، ڈاکہ اور رہزنی وغیرہ سے اجتناب کیا جائے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ آپس میں اختلاف کے بجائے اتحاد واتفاق اور تفرقہ اور انتشار کے بجائے ہم آہنگی ویکجہتی پیدا کی جائے اور اس اتحاد وتنظیم کی بنیاد صرف دین کو بنایا جائے؛ کیونکہ مسلمانوں میں حقیقی رشتہ اخوت واتحاد صرف دین ہے، دین کے سوا جس چیز کو بھی اپنے اتحاد کی بنیاد بنایا جائے تو اتفاق کے بجائے اختلاف اور انتشار پیدا ہوگا، اور لوگ گروہوں اور فرقوں میں بٹ جائیں گے۔ قرآنِ پاک میں ارشادِ ربانی ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (27)

ترجمہ: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گھڑے کے کنارے پر تھے اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی، اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔

اس آیت میں امتِ مسلمہ کی وحدت کا ایک اہم قرآنی اصول معلوم ہوتا ہے کہ امت میں اس وقت تک اتحاد واتفاق پیدا نہیں ہوسکتا جب تک وحدت واتفاق کا کوئی خاص مرکز متعین نہ کرلیا جائے، لہٰذا قرآن نے مرکزِ وحدت حبل اللہ (قرآن کریم) یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے نظامِ محکم کو قرار دیا ہے، اور یہ ایسا مرکزِ وحدت ہے جس پر اجتماع ہر ایک قسم کے افراد کے لئے ممکن ہے۔ کوئی مشرق کا رہنے والا یا مغرب کا، گورا ہو یا کالا، عربی ہو یا عجمی، غرض کسی قبیلہ اور خاندان کا ہو ہر شخص اس معقول اور صحیح مرکزِ وحدت کو اختیار کرسکتا ہے۔ دنیا بھر کے پورے انسان اس مرکزِ وحدت پر جمع ہوکر بھائی بھائی بن سکتے ہیں۔ اگر سب انسان حبل اللہ کو مضبوطی سے تھام لیں تو پوری انسانیت ایک مضبوط ومستحکم وحدت سے مربوط ہوجائے گی، اور امت میں بدامنی، انتشار وافتراق اور بدنظمی کا کو دہی خاتمہ ہوجائے گا۔

## ☆..... صلح

اللہ تعالیٰ نے اپنی رسی کو مضبوطی سے تھامنے اور آپس میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے کی تلقین کی ہے اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو، اگر آپس میں لڑوگے تو تم بزدل بن جاؤگے اور تمہارا رعب (دشمن پر) ختم ہوجائے گا۔ لیکن اگر آپس میں تنازع اور لڑائی پیدا ہوجائے تو قرآن اس بات کا حکم دیتا ہے کہ عام مسلمان فہمائش کرکے ان کو باہمی جنگ سے روکیں اور فریقین میں مساوات کے ساتھ صلح کرادیں تاکہ اس فتنہ اور جھگڑے کو دبادیا جائے اور اس سے پورا معاشرہ متاثر نہ ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد ہے:

وَاِنْ طَاۗىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَي الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْۗءَ اِلٰٓى

اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝(28)

ترجمہ: اگر مسلمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ چنانچہ اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو، اور (ہر معاملے میں) انصاف سے کام لیا کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

**خلاصہ بحث:**

جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی حیاتِ طیبہ پوری کی پوری ایک منصوبہ بندی اور تنظیم سازی سے لبریز ہے، آپؐ نے ہر کام ایک منظم انداز میں سرانجام دیا اور اپنے اصحاب کو بھی اسی کی تلقین کی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی دعوت نے خوب ترقی کی اور اللہ تعالیٰ نے ہر میدان میں آپؐ کو سرخروئی وکامیابی سے نوازا، اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف اسلام کا پرچم لہرانے لگا، پھر آپؐ کی سیرتِ مبارکہ کو قیامت تک کے لئے انسانیت کی فلاح وکامرانی کا ضامن قرار دے دیا گیا، اور آپؐ کی سیرت کو اسوۂ حسنہ قرار دے کر پوری انسانیت کو اس کی اتباع کی ہدایت و تلقین کی گئی۔

قرآن کریم اور سیرتِ نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام نے اصلاحِ معاشرہ اور معاشرتی نظم وضبط کے حوالے سے ہر اعتبار سے ہدایات دی ہیں، اوران تمام امور سے منع فرمایا ہے جن سے معاشرہ میں فتنہ وفساد، بے حیائی، بے پردگی اور بدنظمی پھیلنے کا امکان ہو۔ قرآن کریم نے ہر کام کے لئے ایک خاص نظم بنا کر دیا ہے تاکہ مسلمان اس کی اتباع کرکے زندگی گزاریں، اور اپنی معاشرت بہتر سے بہتر بنائیں۔ لہٰذا نظم وضبط اور امن وامان کو برقرار رکھنے کے حوالے سے یہ وہ منظم اصول وضوابط ہیں جن کی قرآن وحدیث نے ہمیں تعلیم دی ہے اور جن کو اپنا کر ہی ہم نظم وضبط قائم کرسکتے ہیں۔

قرآن وحدیث نے بار بار تلقین کرکے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لئے باہمی اخوت ومودت کا ماحول پیدا کیا جائے، آپس میں اتحاد واتفاق ہو، باہمی ہمدردی کے ساتھ زندگی گزاری جائے۔ ہمیشہ اصول وضوابط کی پابندی کریں، اپنے کو کسی قانون واحتساب سے بالاتر نہ سمجھیں۔ اگر ایسی سوچ اور ماحول ہمارے معاشرے میں پیدا ہو جائے تو ہمارا معاشرہ خود بخود منظم ہو جائے گا۔ آج ہم اگر قرآن وحدیث کے بتائے ہوئے ان اصولوں پر کاربند ہو جائیں تو ہماری بہت ساری مشکلات خود بخود حل ہو جائیں گی، اور ہم مکمل نظم وضبط کے تحت ترقی، امن وامان، چین وراحت اور ذہنی سکون کے ساتھ زندگی گزارنے والے بن جائیں گے۔

## مآخذ ومراجع

(1) الصف 4:61

(2) آل عمران 103:3
(3) الاعراف 54:7
(4) القمر 50:54
(5) رازی، ابوعبداللہ فخر الدین محمد بن عمر بن حسین القرشی، التفسیر الکبیر، مکتبہ علومِ اسلامیہ، لاہور، جلد 5، صفحہ 257
(6) ابن کثیر، ابوالفداء حافظ ابن کثیر الدمشقی، البدایۃ والنہایۃ، دارالفکر، بیروت، جلد 2، صفحہ 562-561
(7) الانفال 72:8
(8) شیث، محمود خطاب، حضورؐ بحیثیتِ سپہ سالار، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، صفحہ 142-143
(9) آل عمران 152:3
(10) ڈاکٹر حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ، صفحہ 131-132
(11) الحجرات 13:49
(12) عثمانی، مفتی محمد تقی، آسان ترجمۂ قرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، جلد 3، ص 1585
(13) الحجرات 10:59
(14) ابن القیم، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر الجوزی، زادالمعاد، دارالاخلاص، پشاور، جلد 4، صفحہ 975
(15) آل عمران 102:3
(16) عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، جلد 2، صفحہ 127
(17) الحدید 25:57
(18) النساء 135:4
(19) القشیری، ابوالحسین مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم،، کتاب الحدود، باب قطع السارق، قدیمی کتب خانہ، کراچی، جلد 2، صفحہ 64
(20) المائدۃ 32:5
(21) مصری، علامہ سید رشید رضا، تفسیر المنار، مطبع المنار، مصر، جلد 6، صفحہ 349
(22) مودودی، ابوالاعلیٰ تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، جلد 1، صفحہ 464
(23) شیخوپوری، مولانا محمد اسلم، تسہیل البیان فی تفسیر القرآن، مکتبہ حلیمیہ، کراچی، جلد 2، صفحہ 278
(24) رازی، ابوعبداللہ فخر الدین محمد بن عمر بن حسین القرشی، التفسیر الکبیر، مکتبہ علوم اسلامیہ، لاہور، جلد 4، صفحہ 344

(25) البقرۃ2:178-179

(26) جصاص، علامہ ابو بکر، احکام القرآن، سہیل اکیڈمی، لاہور، جلد1، صفحہ134

(27) آل عمران3:103

(28) الحجرات49:9

# [[012]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

ڈاکٹر نور حیات خان
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد۔

﴿لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾[1]

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَه مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُه يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾[2]

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾[3]

*جدا ہوں دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی*[4]

خود انسانی وجود ہو یا کائنات کا نظام، ایک منظم نظم وضبط کا مظہر ہے۔ مختلف الخیال و مزاج افرادِ سماج میں ہم آہنگی و ہم رکابی پیدا کر کے امن وسکون کی دنیا بسانا یا تو قوی اور مضبوط اخلاقیات یا پھر قانون و حکومت کی سیاست کی عملداری سے ممکن ہے۔ لیکن اسلام کی خوبی یہ ہے کہ دین وسیاست کی یکجائی اور حسین امتزاج سے ایک Stable اور مستحکم معاشرہ کی تشکیل پر زور دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا قائم کردہ منظم معاشرہ اس کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ یہ مقالہ عوام الناس کے نظم وضبط کے عمل پر مشتمل ایک دستاویز اور نشاناتِ راہ فراہم کرتا ہے۔ جو درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- نظم وضبط کا مفہوم
- کائنات اور نظم وضبط
- انسانی زندگی میں نظم وضبط کی اہمیت
- نظم وضبط کے اسلامی اصول وضوابط

اسلام میں نظم وضبط کا محض تصور ہی نہیں بلکہ اس سلسلے میں اسلام کا نظم وضبط، ترتیب وتربیت اور انتظام وانصرام بہت ہی حساس واقع ہوا ہے۔

## نظم وضبط کا مفہوم

عربی میں لغوی اعتبار سے " نظم "ترتیب و تنظیم کو کہتے ہیں، جس میں نظم وضبط اور ربط بھی پایا جاتا ہو جیسا کہ

ڈاکٹر احمد مختار رقمطراز ہے:

"نظم ينظم نظما ونظاما، فهو ناظم. نظم الأشياء: ألفها وضم بعضها إلى بعض في صورة مرتبة . نظم اللآلئ. نظم أمره: أقامه ورتبه . نظم شعرا: ألف كلاما موزونا مقفى" (5)

نظم یا تنظیم کا مطلب وہ عمل ہے جس میں تنظیم وترتیب اور تنسیق پایا جاتا ہو اور جب سلیقہ مندی اور ربط وضبط اس میں نہ ہو تو کہا جاتا ہے۔

کہ اس کے کام کا کوئی نظام نہیں ہے اور اسی طرح عظیم کام اسے کہا جاتا ہے جب اس میں نظم وضبط ہو (6)۔ اسی طرح نظم اور نظام اس دھاگے کو بھی کہا جاتا ہے جو موتیوں کو ایک لڑی اور ترتیب میں پرو دے جیسا کہ علامہ زبیدی رقمطراز ہے:

(والنِّظَامُ) بِالكَسْرِ: كُلُّ خَيْطٍ يُنْظَمُ بِهِ لُؤْلُؤٌ ونَحْوُه ج: نُظُمٌ: تَقُولُ: لَيْسَ لِهَذَا الأَمْرِ مِنْ نِظَامٍ إِذَا لَمْ تَسْتَقِمْ طَرِيقَتُه- يُقالُ: وَلَيْسَ لأَمْرِهِمْ نِظامٌ أَي: لَيْسَ لَهُ هَدْيٌ وَلَا اسْتِقَامةٌ (7).

اس تعریف سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ نظام کسی چیز کے ترتیب و تنظیم کو کہا جاتا ہے بلکہ اس کا ایک سسٹم، راہنما اصول، طریقہ اور جس میں دوام اور ثبات بھی ہو۔ اسی طرح نظم وضبط میں تناسق اور تالیف کے معنی بھی پائے جاتے ہیں جیسا کہ المعجم الوسیط میں ہے:

(انتظم) الشيء تألف واتسق يقال نظمه فانتظم ويقال انتظم أمره استقام والأشياء جمعها وضم بعضها إلى بعض(8)

اسی طرح ضبط کے بارے میں الطالقانی لکھتا ہے:

"الضَّبْطُ: لُزُوْمُ شَيْءٍ لا تُفَارِقُه "(9). "یعنی کسی چیز کو لازم پکڑنا جو چھوٹنے نہ پائے"

اسی طرح نظم وضبط کنٹرول کرنے والے گروہ کو انتظامیہ کہا جاتا ہے، آکسفورڈ ڈکشنری میں ہے:

A- "The group of people who organize or control something".

B -"The control or management of something" (10)

الف۔ "لوگوں کا ایک گروپ جو کسی بھی چیز کو کنٹرول یا ترتیب دے"

ب۔ "کسی بھی چیز کو کنٹرول کرنا اور دیکھ بھال کرنا"

ان تعریفات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نظم وضبط کے نتیجے میں ایک مربوط نظام وجود میں آتا ہے، جس کے لئے انگریزی زبان میں درج ذیل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں:

To be organized ،arranged ،put in order; to be well-arranged ،well-ordered ،well-organized،in good order،orderly،systematic[11]

نظم وضبط کنٹرول کرنا ایک تنظیم کا تقاضا کرتا ہے جسے کے لئے عربی میں **"ادارہ"** کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہ بابِ افعال سے مصدر کا صیغہ ہے۔اَدَارَ ، یُدِیْرُ ، ادارة، کہاجاتاہے: إدارة المدرسة، ادارة الشركة، ادارة الكلية[12] اور انگریزی میں اس کے لئے "Administration " کا لفظ مستعمل ہے[13] جو ایک دائمی عمل ہے اور تسلسل کا تقاضا کرتا ہے۔اس ضمن میں حسن بن محمد رقمطراز ہیں:

"هى عمل متواصل يبدأُ بتحديد الهدف وينتهى بتحقيق- وهى ليست فرداً وانما هى علاقة مصمم ومنفذين ومنظم ومتعاونين وموجه ومتجاوبين ومرشد ومطيعين"[14]

"یہ ایک مسلسل عمل ہے جو ہدف کے تعین سے شروع ہوتا ہے اور تحقیق پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔ یہ انفرادی کام نہیں ہے بلکہ یہ ایک ادارہ کے کرنے اور نافذ کرنے والا قابلِ توجہ، لائق تعاون ایک منظم کام اور مرشد ومطیع کے درمیان مضبوط علاقے کا نام ہے"۔

مرشد اور مطیع کے تعلق سے قانون اور ضابطے کا تصور نکلتا ہے جو نظم وضبط اور ایک ریاست کو جنم دیتے ہیں جس کا ایک قانون، اصول اور معروف طریقہ ہو، جیسا کہ کہتے ہیں: نظم الأمر : رتبه وجعله خاضعا لقانون أو قاعدة [15]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نظم وضبط کے تصور کو اجاگر کرنے کے لئے مختلف اصطلاحات کا استعمال کیا ہے: مثلاً نظام، ملک، خلیفہ، شرعۃ اور ائمہ وغیرہ۔ جس سے یہ اہمیت بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ایک ملک اور ریاست کے اندر لیڈرشپ اور رعایا کے درمیان فرقِ مراتب اور آمر و مامور کا تصور نہ صرف ملتا ہے بلکہ اس کے اداروں میں نظم وضبط اور تناسق بھی ضروری ہے۔ یہی نہیں بلکہ کسی بھی ریاست، ادارے اور اس کے نظام کو بہتر طریقے سے چلانے کے لئے اس کی انتظامی سرپرستی اور نگہداشت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اور اسی طرح اس کے افراد کا اجتماعی ربط وضبط، تعلق اور باہم ایک سوچ وفکر اور عمل پر نہ صرف متفق ہونا بلکہ تمام اداروں میں (Co-ordination) باہمی ربط وتعاون مضبوط ہونا بھی ضروری ہے۔ حکومت کا ادارہ ہو، یا کسی بھی کمپنی، تعلیم یا تنظیم کا ادارہ، یا عسکری، دینی، دنیوی، یا دیگر تربیتی اجتماعی ادارے ہوں، ان کے افراد کا باہم دیگرے متعاون ہونا اس کے کامیابی کے لئے ازبس ضروری ہے۔ نظم وضبط کے مربوط عمل کو مکمل اور منظم انتظام کہاجاتا ہے، جیسا کہ نشوان بن سعید الحمیری لکھتا ہے:

"انتظم الأمر : إذا تمَّ" [16]-

نظم وضبط انسجام اور تنسیق کا بھی تقاضا کرتا ہے یعنی منظم اور مربوط طریقے سے امور کو سرانجام دینا، سعدی ابو حبیب کہتے ہیں:

"اتسق الامر اتساقا: انتظم" [17]۔

اس انسجام کو قرآن مجید میں یوں اشارہ کیا گیا ہے:

وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ: أي تم نوره، وذلك فى الليالى البيض[18]۔

"اور چاند کی (قسم) جب کہ وہ ماہ کامل ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کا نور مکمل ہو جاتا ہے اور ایسا ایامِ بیض میں ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک منظم، کامل اور متوازن نظام بنایا ہے جس میں کسی قسم کا تضاد اور تخالف نہیں پایا جاتا، جس کے ذریعے مسلمانوں کی راہنمائی کی گئی ہے کہ وہ بااصول اور ضابطے کی پابند زندگی اپنائے، جسے عربی میں انسجام کہا جاتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر احمد مختار کہتے ہیں:

"انسجم الأمرُ مع غيره: اتَّفق معه ولم يتعارض"[19]

یعنی ان میں مکمل ہم آہنگی پائی جائے اور کوئی تعارض و مخالفت نہ ہو۔

**مظاہر کائنات اور نظم وضبط**

کائنات کی ہر چیز ایک مربوط اور منظم دائرہ کار میں مصروف عمل نظر آتی ہے، جو انسان کی زندگی کے پروگرام کو منظم طریقے سے چلانے کے لئے راہنما خطوط فراہم کرتا ہے۔ قرآن حکیم اس منظر کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾[20]۔

"اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں"۔

یعنی کائنات کے اس کلی نظام میں ہر ایک جزء کا اپنا ایک منظم رول ہے جسے وہ سرانجام دینے میں کوئی کسر نہیں رکھتا۔ جو انسان کے لئے پیغام ہے کہ وہ ایک نظم وضبط کی زندگی اپنائے، جیسا کہ کائنات کے ہر ایک چیز اللہ نے قوانینِ فطرت میں ایسا بندھا ہوا ہے کہ کسی کی مجال کے وہ اس سے سر مو برابر سرتابی کرے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

"نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے، سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں"[21]

کائنات کی ہر ہر چیز کی ہر ہر حرکت اس ہستی سے مخفی نہیں ہے بلکہ وہ اس مکمل نظام کے نگہداشت اور انصرام کے پیچھے ایک زبردست چک رکھتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴾[22]

"تم میں سے کوئی بھی اللہ سے چھپا ہوا نہیں"

بلکہ وہ کائنات کے ہر ذرے ذرے سے واقف ہیں، خواہ آسماں میں ہوں یا زمین کے تہ خانوں میں، فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴾[23]

"زمین اور آسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں" بلکہ وہ تمام کائنات کی نگہداشت کر رہا ہے اور کسی بھی لمحہ اس سے غافل نہیں ہوتا، کیونکہ اسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ، فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے، جسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند"[24]۔

ایک مربوط اور منظم سسٹم اور ریاست میں ہر فرد اور کارکن کو اپنا کام مکمل مستعدی اور ذمہ داری کو فرض سمجھ کر انجام دینا چاہیے۔ اس ضمن میں بہترین مثال فرشتوں کا یوں دی گئی ہے کہ وہ بڑی مستعدی سے اپنے ذمے لگے ہوئے کاموں کو بجالا رہے ہیں، ارشاد ہے:

﴿فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا. فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴾[25]۔

"(پھر) حکم بجالانے میں (سبقت کرتے ہیں، پھر (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتے ہیں"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:

﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾[26]

"جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں"۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو جامع اور کامل نظم وضبط پر مبنی نظام کے ساتھ دنیا میں بھیجا اور ساتھ کتابیں نازل فرمائی تاکہ انسانوں کی فلاح اور بہبود کو یقینی بنائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ﴾[27]

"وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو"۔

ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے دینِ حق) اسلام (کے نظام کو دنیا میں نہ صرف نافذ کیا بلکہ معاملاتِ ریاست کو چلانے کے لئے شورائی طرز اپنایا تاکہ ریاستی نظم ونسق کی بہتری میں کوئی کمی باقی نہ رہے اور معاشرے کے مسائل کو حل کرنے کے لئے معاشرے کے بہترین اور تجربہ کار افراد سے کام لیا اور ان کو ساتھ لے کر متحرک (Motivate) کیا تاکہ اجتماعی نظام کو ایک خاص نہج اور طرز پر منظم کیا جاسکے۔ اس طرز حکومت کا اس قدر فائدہ ہوا کہ مٹھی بھر مسلمانوں نے پورے جزیرۃ العرب میں اپنا لوہا منوایا اور پھیلتا ہوا دنیا کے دیگر خطوں میں یہ نظام اس قدر مقبول ہوا کہ لوگوں نے از خود اسے خوش آمدید کہا۔

## انسانی زندگی میں نظم وضبط کی اہمیت

نظام کائنات انسان کے لئے نظم وضبط کی دعوتِ فکر ہے۔ اگر وہ قانونِ فطرت کے، تو انسان قانونِ شریعت

کے پابند ہیں، اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے:

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند[28]

نظم وضبط سے انجام دینے والے سارے امور خوش اسلوبی سے اور بروقت اختتام پذیر ہوتے ہیں۔ مستقبل کے مشاغل میں نمایاں موزونیت، ترقی کے امکانات اور حالات میں خوشگواری کے امکانات روشن رہتے ہیں۔ فرائض کی ادائیگی میں تندہی، عمل میں مربوطی اور کارکردگی میں روز بروز اضافہ انسانی زندگی کو خوش گوار بنا دیتے ہیں اسی طرح ہر کام میں نظم وضبط اور سلیقہ اس کے معیار اور رفتار میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ انسان کے لئے سب سے خوشگوار امر یہ ہے کہ اس کی زندگی کے معاملات میں استقرار اور دوام ہو اور یہ تب ممکن ہے جب معاملات زندگی کے انجام دہی میں وہ نظم وضبط کا پابند ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرنے کی بڑی تاکید کرتا ہے، تاکہ انسانی زندگی کو مفید اور کارآمد بنایا جائے۔ اسی طرح اسلامی ریاست میں عوام النّاس کی جان و مال کا تحفظ، امن و امان کی بحالی، عدل و انصاف کی فراہمی اور بنیادی حقوق کی پاسداری جیسے معاشرتی اقدار نظم و ضبط سے ہی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ الغرض کسی ریاست کی کارکردگی کا انحصار اس کے قائم کردہ نظم و ضبط پر ہوتا ہے، کیونکہ معاشرتی نظم کے ذریعے ہی وہ عدل و انصاف فراہم کرتی ہے۔

**ریاستی استحکام میں نظم وضبط کی اہمیت**

اسی طرح یہ بات قابلِ فہم اور طے شدہ ہے کہ جس ریاست کے افراد نظم وضبط سے عاری ہوتے ہیں وہ باطل قوتوں کی سازشوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، بلکہ افراتفری کا شکار ہو کر بہت جلد منتشر ہو جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں جس ریاست کے افراد نظم وضبط کے پابند ہوتے ہیں وہ نظریاتی طور پر پختہ ہوتے ہیں، ایسی قومیں اور ریاستیں باطل قوتوں کی تمام تر سازشوں کے باوجود ختم نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے افراد کو مختلف مواقع پر نظم وضبط کے جامع ہدایات دی گئی ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُون ﴾[29]

"سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے"۔

اسی انکتہ کی اہمیت کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے:

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ، مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ، فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ[30]

"جماعت کو لازم پکڑو اور تفرقہ سے بچو کیونکہ شیطان انفرادیت اختیار کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہے اور جماعت سے دور بھاگتا ہے۔ جو جنت کی بیچ میں پہنچنا چاہتا ہے وہ جماعت کے ساتھ ہو جائیں"

**نظم وضبط کے اسلامی اصول وضوابط**

اسلام میں کسی بھی منصوبے کو انجام دینے کے لئے نظم وضبط پر زور دیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک اسلامی ریاست کے تمام امور میں منصوبہ بندی اور نظم وضبط اور ترتیب کی پابندی کرنی چاہئے۔ اسلامی تعلیم و ثقافت میں منصوبہ بندی اور نظم کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ تمام عبادات کی ادائیگی کے لئے خاص اوقات مقرر اور ایک خاص نظم اور ضابطے کے ساتھ انجام دئے جاتے ہیں۔ خواہ یہ نماز ہو یا حج یا دیگر عبادات۔ یہاں اسلامی تعلیمات پر مبنی چند اصول وضوابط بیان کئے جاتے ہیں جو ریاست میں عوام الناس کے نظم وضبط میں مدد ومعاون ہو۔

- **نظم وضبط کا استحکام اور امتیازات کا خاتمہ**

اسلام رنگ ونسل کے کسی امتیاز پر یقین نہیں رکھتا بلکہ مال وزر کو بھی نظم وضبط کے راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾[31]

"لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے"۔

اور ظاہر ہے کہ یہ اصول نظم وضبط کے استحکام کے لئے انتہائی کار آمد اور ضروری ہے۔ کیونکہ تمام انسان صلاحیتوں میں برابر ہیں۔ رنگ ونسل کے امتیاز سے نظم وضبط کی کوششوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے فطرت کو متوجہ کیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے اس کو اچھی طرح امت کو یوں سمجھایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلاَ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيّ عَلَى أَعْجَمِيّ وَلاَ لِعَجَمِيّ عَلَى عَرَبِيّ وَلاَ لأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلاَ أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلاَّ بِالتَّقْوَى أَبَلَّغْتُ))[32]

صحابی ابو نضرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق میں ہم سے خطاب کیا اور فرمایا:

"اے لوگو! آگاہ رہو تمہارا رب ایک، تمہارا باپ ایک، خبر دار! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے مگر تقوی کے بنیاد پر"

لہٰذا عوام الناس میں نظم وضبط کے قیام کے لئے مساوات کا خیال رکھنا ایک اہم عنصر اور سبب ہے۔

- **خیر اور بھلائی میں تعاون**

اسلام ہر خیر اور بھلائی کے کام میں تعاون کی حوصلہ افضائی کرتا ہے اور معاشرتی استحکام کو اہمیت دیتا ہے، کیونکہ اس قسم کی کوششیں دیرپا اور کارآمد ہوتی ہیں نیز اجتماعی اور ریاستی استحکام میں ممد ومعاون ہوتی ہیں، لہٰذا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ عوام الناس میں اس فکر اور جذبے کو عام کرنے کے لئے ہر قسم وسائل بروئے کار لائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْاعَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾[33]۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔۔۔ جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے"۔

انسانوں کی خیر خواہی اور مدد کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے مدد اور تعاون شاملِ حال رہتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ))[34]

"جس نے مومن کے کسی دکھ درد کو دنیا میں دور کیا اللہ تعالی اس کے آخرت کے مصائب دور کرے گا، اور جس نے مسلمان کے اوپر پردہ ڈالا، اللہ آخرت میں اس کے پردہ پوشی کرے گا، اور اللہ بندے کی مدد کرتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے"

- **اخوتِ اسلامی اور نظم وضبط**

اسلام نے مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے، لہٰذا اسلامی ریاست میں مسلمانوں کو اخوت اسلامی کی بنیاد پر نظم وضبط میں پرو کر استحکام اور مضبوط بھائی چارہ قائم کرنا مشکل نہیں ہے، جو دیرپا اور اثر انگیز قوت ہے۔ جسے کسی قیمت پر بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام الناس میں اخوتِ اسلامی کی بنیاد پر نظم وضبط پیدا کرنے کو غنیمت سمجھتے ہوئے کام کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه اُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾[35]

" مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے مددگار و معاون اور دوست ہیں، وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ نمازوں کی پابندی بجالاتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہی اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا، بیشک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے "۔

اقبال نے وحدت امت کی تباہی پر یوں نوحہ کیا ہے:

ردائے دیں وملت پرہ پارہ　　قبائے ملک ودولت چاک در چاک[36]

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ وحدتِ امت کی تعلیمات پر زور دیا جائے، کہ اس میں ملک وملت کی بہتری ہے۔

- **شرعی توجیہات اور نظم وضبط**

اللہ تعالیٰ نے شرعی حدود کی نفاذ کا حکم اس لئے دیا ہے کہ ریاست میں نظم وضبط اور استحکام آجائے، لہذا اسلامی ریاست کے لئے انتظامی نظم وضبط اور حالات کنٹرول میں شرعی حدود ممد ومعاون ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ریاست اس کی نفاذ پر توجہ دیں تاکہ ہر قسم افراتفری، خودسری اور دہشت گردی کا سدِباب ہو۔ لہذا اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے شرعی توجیہات ازبس ضروری ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾[37]

"عقلمندو! قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اس کے باعث تم (قتل ناحق سے) رکوگے"۔

ریاست کی استحکام اور نظم وضبط کے لئے شرعی حدود اور احکام کا نفاذ بہترین ذریعہ ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے:

((إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فِى بِلاَدِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ))[38]

"اللہ تعالی کے حدود میں سے ایک حد کو نافذ کرنا، (اس کی برکات خشک سالی کے وقت) اللہ کی زمین پر چالیس رات کی بارش سے افضل ہے"

- **اسلامی عبادات اور عوام الناس کا نظم وضبط**

اسلام میں نظامِ عبادات انتظامی استحکام کا ایک زبردست ذریعہ ہے۔ تصور کیجئیے پانچ وقت کی نمازوں، سالانہ ایک مہینے کے روزوں کا تربیتی پروگرام، حج کا روح پرور منظم اجتماع۔ یہ سارے روح پرور مہمات انتظامی استحکام اور عوام الناس کو ایک ضابطے کا پابند بنانے کے لئے اہم دعوتی مواقع ہیں کہ تمام شرکائے عبادت ایک ہی قائد کے قیادت میں نظم وضبط کے عظیم مظاہر ہیں، کیوں نہ ریاستِ پاکستان کے زمامِ کار پر مقرر صاحبانِ قدرت ان عبادات کو

عوام الناس میں منظم کرنے پر توجہ دیں تاکہ استحکام ریاست میں بہتری لائیں۔

- **نظامِ اخلاقیات اور نظم وضبط**

اسلامی ریاست میں نظم وضبط کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ نظامِ اخلاقیات کا نفاذ ہو تاکہ انتظامی اور اجتماعی استحکام ہو یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار انسانوں میں پند ونصیحت کے لئے پیغمبروں کو بھیجا تاکہ معاشرتی استحکام ہو۔ جب تک انسان اس پر عمل پیرا رہا، اسے انتظامی نظم وضبط کے قیام میں مشکلات پیش نہیں آئی کیونکہ اسلامی تعلیمات میں بڑے چھوٹے، آمر اور مامور کے مراتب، آداب اور احکام بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ان ہدایات، تذکیر اور اخلاقیات سے روگردانی مصائب سے دوچار ہونے کا لازمی نتیجہ ہے، کیونکہ احکامات الٰہی سے روگردانی کی وجہ سے انسان من مانی کی روش پر چل پڑتا ہے جو خرابی کی اصل جڑ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَه مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُه يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾[39]

" اور جو میرے " ذکر " (درس نصیحت) سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے "۔

اسلامی اخلاقیات نظم وضبط کے قیام اور استواری میں ایک زبردست عامل ہے اس لئے تو رسول اللہ ﷺ نے حدیث مبارکہ میں اس کی اہمیت کو یوں اجاگر کیا ہے:

«بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ»(40) جبکہ کنز العمال میں اس مقصد کو مزید ان واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

«اِنَّمَابُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ»[41]

گویا حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد حسنِ اخلاق کی تکمیل اور فروغ قرار دیا گیا ہے۔

- **ریاستی دہشت اور نظم وضبط**

اسلام میں ریاستی استحکام، نظم وضبط کے قیام اور ترتیب وتنظیم کے لئے لا اینڈ آرڈر ضروری ہے، جس سے امن وخوشحالی اور سلامتی ممکن ہوسکے، خواہ اس کے لئے عارضی طور پر خوف ودہشت سے کام لینا پڑے، کیونکہ یہ دہشت عارضی لیکن اس کے فوائد دیرپا اور اجتماعی ہوتے ہیں، بشرطیکہ اس کے قیام میں عدل وانصاف سے کام لیا جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌرَحِيمٌ﴾[42]

" اور چور خواہ مرد ہو یا عورت، کاٹ دو ان دونوں کے ہاتھ (ان کی کہنیوں سے) ان کے اپنے کئے کے بدلے میں، عبرتناک سزا کے طور پر، اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑا ہی زبردست نہایت ہی حکمت والا ہے، جو شخص اپنے گناہ

کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مہربانی کرنے والا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ۱۳ سال دعوت کے ذریعے اصلاحِ معاشرہ اور نظم وضبط کا کام کیا لیکن اس کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوا، تاہم جب ہجرت فرمائی تو دس سال کے اندر اندر ایک عظیم ماڈل اسلامی ریاست قائم کیا جس کی دہشت نے دنیا کو اخلاق و تہذیب سے روشناس کرایا۔

- **بعض عارضی پابندیاں اور نظم وضبط کا استحکام**

بعض اوقات اسلام عارضی پابندی لگاتا ہے لیکن دیرپا نظم وضبط اور استحکام فراہم کرتا ہے۔ مثلاً: نابالغوں اور ناسمجھ افرادِ معاشرہ کو مالی معاملات میں تصرف سے روکا گیا ہے، تاکہ وہ مال جو قوامِ زندگی ہے؛ فضولیات میں ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ اور انسانی زندگی میں نظم وضبط لایا جاسکے، لہذا ایک اسلامی ریاست میں اس ضابطے سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَاوَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾[43]

" اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیامِ زندگی کا ذریعہ بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالہ نہ کرو، البتہ انہیں کھانے اور پہننے کے لیے دو اور انہیں نیک ہدایت کرو"۔

اس عارضی پابندی سے اسلام کا مقصد دائمی مالی انتظامی حفاظت ہے تاکہ مال ضائع نہ ہو اور بہتر انتظامی نگہداشت کے ذریعے مال بوقتِ ضرورت اور اچھے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکے، اس لئے کہ انسانی زندگی میں مال کا بڑا عمل دخل ہے اور اگر اس کی حفاظت نہ کی جائے تو زندگی میں تنگی آسکتی ہے۔ ایسے ہی خوبصورت قوانین سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

- **انتظامی اہلیت اور نظم وضبط**

عوام الناس میں نظم وضبط کے قیام اور انتظامی استحکام کے لئے ضروری ہے کہ اہلیت کو مد نظر رکھا جائے اور موزوں افرادِ کار کو اہم ذمہ داریاں دی جائے تاکہ اجتماعیت اور مفاد عامہ میں بہتری لائی جاسکے اور ایسا کرنا استحکامِ معاشرہ، اصلاح اور مفادِ عامہ کے لئے ازبس ضروری ہے۔ لہذا ریاست کے نگران اور اولی الامر کو حکم ہے اہل افرادِ کار کا انتخاب کریں تاکہ اجتماعی کنٹرول اور نظم وضبط کا حصول ممکن ہوسکے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ--- سَمِیْعًا بَصِیْرًا﴾[44]

"بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچا دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو بیشک تمہیں نہایت اچھی نصیحت کرتا ہے بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے"۔

کیونکہ بددیانتی معاشرے کے لئے موت ہے آپ ﷺ نے اس حقیقت کی طرف مسلمانوں کو ان الفاظ

میں متوجہ کیا ہے:

((فَإِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ . قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا قَالَ إِذَا وُسِّدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ))(45)

"حضرت ابوہریرہ τ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت ضایع ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا اس کا ضایع ہونا کس طرح ہے یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کام نااہل کے سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو"

- **بہتر سے بہترین اقدامات اور تدابیر کی تعلیم**

اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ عوام الناس کو بہتر سے بہترین اقدامات پر کاربند بنانے کے لئے راہنمائی فراہم کرے۔ قواعد وضوابط کی پابندی ہو یا معیشت کے میدان میں بہترین انتظامی تعلیم ہر طرح سے اقدامات کو بروئے کار لانے کا خوگر بنایا جائے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالی نے حضرت یوسف υ کے اختیار کردہ مالی انتظامی اقدامات اور ترتیب کو ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے تاکہ اس قسم کی تدابیر، تعلیم اور نظم وضبط سے فائدہ اٹھایا جائے اور معاشی وانتظامی استحکام میں بہتری لائی جاسکے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ۔۔۔ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ﴾(46)

" یوسف υ نے کہا" سات برس تک لگاتار تم لوگ کھیتی باڑی کرتے رہو گے۔ اس دوران میں جو فصلیں تم کاٹو ان میں سے بس تھوڑا سا حصہ، جو تمہاری خوراک کے کام آئے، نکالو اور باقی کو اس کی بالوں ہی میں رہنے دو"۔

اور یوں اسلام مالی معاملات کی تنظیم کے ذریعے اسٹیٹ کے اندر رہنے والے مختلف طبقات میں ہم رکابی وہمکاری پیدا کرتا ہے اور اپنی تعلیمات کے ذریعے بہترین سماج کو پروان چڑھاجاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس سلسلے میں جو راہنمائی فراہم کی ہے، اسے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے:

﴿ مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾(47)

" جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامی اور مساکین اور مسافروں کے لیئے ہے تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے"

اسی طرح اسلام نے اموال کے نظم وضبط سے طبقاتی کشمکش اور محرومی سے امت کو بچایا اور طبقاتِ سماج میں بہتر ربط وتعلق کو قائم کیا۔ ترقی وکامیابی کے لئے قرآن مجید بہترین امور اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید موسیٰ υ کا حوالہ ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے:

﴿وَكَتَبْنَا لَه فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوْابِاَحْسَنِهَا سَأُورِيْكُمْ دَارَالْفٰسِقِيْنَ﴾(48)۔

" اور ہم نے اسے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی سو انہیں مضبوطی سے پکڑ لے اور اپنی قوم کو حکم کر کہ اس کی بہتر باتوں پر عمل کریں عنقریب میں تمہیں نافرمانوں کا ٹھکانہ دکھاؤں گا"

جدید دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر بہترین اقدامات اختیار کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، تاکہ ریاستی اقدامات اور راہنمائی کے ذریعے ترقی کے حصول کے لئے عوام الناس کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جائے، اور ریاستی اقدامات و راہنمائی کے ذریعے امت کی سرخروئی ممکن بنائی جاسکے اور یوں حکومت اپنی سرپرستی اور ذمہ داری سے اچھے طریقے سے بھی عہدہ براں ہو سکے گی۔ اس مقصد کے لئے اسلام میں اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے تاکہ وقت اور حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر بہتر منصوبہ بندی اور نظم وضبط سے سماج کو بروقت راہنمائی فراہم کی جاسکے۔ اس لحاظ سے اسلام میں نظامِ شوری کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

- **اصلاحِ احوال پر نظر ثانی**

ترقی واصلاح کے لئے ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً نظم وضبط کے امور پر نظر ثانی کی جائے اور اس کا جائزہ لیا جائے تاکہ انتظامی ضبط وربط میں بہتری لائی جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات قرآن مجید اولی الامر اور ذمہ دارانِ حکومت کو سخت اقدامات اختیار کرنے جبکہ بعض اوقات اس میں نرمی برتنے کا حکم دیتا ہے تاکہ بہتر اور مطلوبہ نتائج حاصل کئے جائیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾(49)۔

"اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا اور معلوم کر لیا کہ تم میں کس قدر کمزوری ہے پس اگر تم میں سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

انتظامی امور میں تغیر و تبدیلی لانا وقت اور حالات کے پیشِ نظر ضروری ہوتا ہے اور یہ آج کی بھی ضرورت ہے تاکہ عوام الناس کو ضابطے کا پابند بنایا جائے اور مطلوب مقاصد تک رسائی آسان ہو جائے۔ اس تناظر میں حضرت عمر τ کی سیرت ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے۔

- **لیڈر شپ رعایا تعلقات**

ریاست میں نظم وضبط کے استحکام کے لئے لیڈر شپ اور رعایا کے مابین بہتر تعلقات ضروری اور ناگزیر ہے، جس کے لئے قرآن مجید میں اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور Grass root level تک اس کو لے جانے کا

حکم ہے تاکہ بہتر نتائج کو حاصل کیا جاسکے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب سماج میں آمر و مامور کا تصور اور اطاعت و فرمان برداری کا جذبہ کار فرما ہو۔ لہذا اس کے لئے اسلامی تعلیمات کا احیا ضروری ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَآمَنُوا أَطِيعُوا اللّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾(50)۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقِ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے"۔

مقاصد اور اہداف کے حصول کے لئے اوامر کی تنفیذ ضروری ہے، اس کے لئے مناسب اور موزوں اہل کاروں کا انتخاب ازبس ضروری ہے، جن کی اطاعت کے ذریعے نظم وضبط کو برقرار رکھا جاسکے۔ اس ضمن میں حضرت موسیٰ υ کے اختیار کردہ طریقِ کار قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَاخْتَارَمُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِمِيقَاتِنَا﴾(51)

"اور موسیٰ υ نے اپنی قوم کے ستّر آدمیوں کو ہمارے ملاقات کے لئے منتخب کیا"

موزوں اور اہل قیادت نظم وضبط کو برقرار رکھ کر ریاست کو شاہراہِ ترقی پر گامزن کرسکتی ہے، اس کے برعکس نااہل قیادت بہادروں اور قربانی کے جذبوں سے سرشار قوموں کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کرتی ہیں۔ اہداف کا تعین اور موزوں قیادت آج ہماری ریاست کی اہم ضرورت ہے، جو عوام الناس اور حالات کو قابو میں رکھ سکے۔

- **سابقہ تجربات سے فائدہ اٹھانا**

ترقی کے دوڑ میں شامل ہونے کے لئے سابقہ تجربات سے سیکھنا ایک باشعور قیادت کے لئے ضروری ہے، کیونکہ تجربات سے سیکھ کر انسانیت ترقی کے معراج پر پہنچ چکی ہے، لہذا سابقہ تجربات اور رویوں کی روشنی میں عوام الناس کا نظم وضبط ممکن بنایا جاسکتا ہے تاکہ کسی بھی ناخوشگوار حالات کا مقابلہ آسانی سے کیا جاسکے۔ اس حوالے سے قرآن مجید ہمیں یعقوب υ کا حوالہ یوں دیتا ہے:

﴿قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَى أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ﴾(52)۔

"یعقوب υ نے کہا" کیا میں اس کے معاملے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے معاملہ میں کرچکا ہوں؟"

اسلام کی خوبی ہے کہ وہ سابقہ حالات پر نظر ثانی اور اس سے سیکھنے کی ترغیب و تعلیم دیتا ہے۔ آپ نے مومن کی یہ صفت بیان کی ہے:

((لاَ يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ))(53)

"مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا"

- **بعض حالات میں رازداری**

مصالح اور اہداف ضروری ہوتے ہیں لیکن حالات کے پیشِ نظر بسااوقات رعایا سے بعض امور کو مخفی رکھنا ان کے لئے مفید ہوتا ہے۔ اس راز سے نبی ε نے اپنی امت کے لئے بعض مہمات میں خوب فائدہ اٹھایا ہے، مثلاً ہجرت کے موقعہ پر، واقعہ حدیبیہ کے موقعہ پر اور بعض غزوات میں۔ اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰي غَيْبِه اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّه يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِه رَصَدًا﴾[54]

"وہ عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، سوائے اس رسول کے جسے اس نے (غیب کا کوئی علم دینے کے لیے) پسند کر لیا ہو، تو اس کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے"۔

اہداف کے حصول کے لئے اسلام تجربہ کار اور ماہرینِ فن کی تعین پر زور دیتا ہے۔ خواہ ذمہ درایاں تفویض کرنے کا معاملہ ہو، قضا وحسبہ کا مسئلہ یا تعلیم و تعلم اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[55]

" تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے"۔

ہر کام، ہنر اور ہدف ہر شخص نہیں جانتا، لہذا دنیا میں اہداف کے حصول کے لئے تخطیط، منصوبہ بندی، اہلیت و قابلیت بروئے کار لا کر عوام الناس کو منظم کر کے بہتر خدمات سرانجام دی جاسکتی ہیں۔ تربیت سکھانے اور انسانوں کے احوال منضبط کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نگران فرشتوں کا تصور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾[56]

"(اور ہمارے اس براہ راست علم کے علاوہ) دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگراں موجود نہ ہو"

انسانوں کی نگرانی، احوال جاننا اور مصالح کے لئے ترتیبات اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے ذمہ داران اور والیان، حکومت اور رعایا کے درمیان ایک واسطہ ہے اور جب وہ اپنی ذمہ داریاں اور امانتیں صحیح طور پر ادا کرتے ہوں تو انتظامی معاملات اور امور بھی لامحالہ مفادِ عامہ کے حق میں بہتر طور پر سرانجام دئے جائیں گے۔ اسی بنیاد پر آپ ﷺ کسی غیر ذمہ دار شخص کو ذمہ داریاں تفویض نہیں فرماتے تھے، بلکہ آپ ﷺ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے زیرک اور معاملات فہم سنجیدہ اہلِ علم کو اپنا مشیر اور معاونِ خاص مقرر فرماتے رہے ہیں۔ بالاختصار! قرآن مجید ہمیں بہتر انتظامی معاملات کو اختیار کرنے کے لئے جامع ترین الفاظ میں یوں مخاطب کرتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِه اِنَّ

اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴾[57]

" مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے"

انہی اصولوں اور ضوابط کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے آج ہم تنزل اور پستی کا شکار ہیں۔ نااہل اور ناعاقبت اندیش قیادت نے ہمارے تباہی کا خوب سامان کیا ہے۔ عوام الناس منتشر اور سماج افراتفری کا شکار ہے۔ اقرباپروری، بددیانتی اور نااہلیت نے امت کو زوال سے دوچار کیا ہے۔ اس خطرے کی طرف نبی مہربان ﷺ نے ان الفاظ میں متوجہ کیا ہے:

((فَإِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ . قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا قَالَ إِذَا وُسِّدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ))[58]۔

"حضرت ابوہریرہ τ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت ضائع ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا اس کا ضائع ہونا کس طرح ہے یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کام نااہل کے سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو"

یہ وہ انتظامی اور قانونی غلطیاں ہیں جو ہماری امتِ مسلمہ دُہرا رہی ہے، جس کی وجہ سے پوری امت اس کی سزا بھگت رہی ہے۔ اگر مذکورہ اصول اور فرامین کا لحاظ رکھا جائے تو بعید نہیں کہ یہ امت ایک مرتبہ پھر عروج و ترقی کے راستے پر گامزن ہو کر امامت و سیادت کے مقام پر فائز ہو جائے۔

- **اولی الامر کی اطاعت اور نظم وضبط**

تمام مسلمانوں کے لئے ایک ایسے شخص کی اطاعت واجب اور ضروری ہے جو حکم دینے اور منع کرنے کا اختیار رکھتا ہو، جسے اولی الامر یا امیر کہتے ہیں تاکہ اجتماعی اور عوامی نظم وضبط کے ذریعے ریاستی استحکام کا حصول ممکن بنایا جاسکے، کیونکہ ایک مضبوط اور مستحکم ریاست ہی اپنی رعایا کے حقوق کا تحفظ اچھی طرح کر سکتی ہے اور یہ نبی مہرباں ﷺ کی سنت بھی ہے کہ جب بھی کسی امیر کا تقرر فرماتے تو اس کی اطاعت اختیار کرنے کا حکم دیتے:

((مَنْ أَطَاعَ أَمِيرِى فَقَدْ أَطَاعَنِى، وَمَنْ عَصَى أَمِيرِى فَقَدْ عَصَانِى))[59]۔

" حضرت ابوہریرہ τ روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔۔۔ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"

اور ایسا کرنا عین منشائے ربّانی ہے:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾[60]

" اے ایمان والو اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم

ہوں"

معاشرے میں نظم ونسق کے ذریعے استحکام پیدا ہوتا ہے، جب کہ استحکام کا بہترین وسیلہ اطاعتِ امیر اور اطاعتِ حاکم ہے، جو معاشرے میں نظم ونسق اور استحکام کو برقرار رکھنے کے لئے زبردست طریقہ ہے نبی کریم ﷺ نے اس سلسلے میں یہ تعلیم فرمائی ہے:

((إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُم)) (61)

"جب سفر میں تین آدمی ہوں تو چاہئے کہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں "

جب چھوٹی سی جماعت کے لئے امیر مقرر کرنا واجب اور لازم ہو تو یہ ریاست کے امیر کی اطاعت کی وجوب کے لئے واضح اور بین ثبوت ہے۔ اور یوں معاشرے میں نظم ونسق اور استحکام پیدا ہو گا۔ اسی طرح تنظیم سازی اور اطاعت گزاری کو اجاگر کرتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((ولو استعمل عليكم عبد حبشي يقودكم بكتاب الله فاسمعوا له وأطيعوا))(62)

"اگر چہ تمہارے اوپر ایک حبشی غلام کیوں نہ امیر مقرر کیا جائے جو تمہیں کتاب اللہ کے مطابق چلائیں، اس کی سنو اور اطاعت اختیار کرو"۔

اسی طرح تنظیم اور نظم وضبط کا تصور اجاگر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے نمازیوں کو امام کی اقتدا اور پیروی کی تعلیم دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جہاد جیسے سخت موقعہ پر بھی نظم وضبط سے دشمن سے لڑنے کا حکم دیا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ ﴾(63)

"اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"۔

نظم وضبط اور تنظیم کے یہ سارے اہتمامات عوام الناس کے فلاح وبہبود کے لئے اختیار کئے جائیں۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ نے یہ تعلیم دی ہے کہ کسی ایسے شخص کو عہدہ اور منصب نہ دیا جائے جو اس کا طالب یا حریص ہو، کیونکہ اس قسم کے لوگ بالعموم مناصب کو ذاتی مفادات کے لئے استعمال کرتے ہیں، جس سے رعایا کا استحصال ہوتا ہے۔ اور اس طرح معاشرہ کا نظم وضبط بھی خراب اور درہم برہم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے خود سری اور خود غرضی جیسے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو استحکامِ معاشرہ کے لئے زہرِ قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے طلب کرنے کو انتہائی ناپسندیدگی کے نظر سے دیکھا ہے۔

"حضرت ابو موسیٰ اشعری τ روایت کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے ساتھ دو اشعری آدمی تھے۔۔۔ ان دونوں نے درخواست کی کہ ہمیں عامل مقرر کر دیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو موسیٰ، یا فرمایا اے عبد اللہ بن قیس، ابو موسیٰ τ کہتے ہیں کہ میں نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے

ساتھ بھیجا ہے انہوں نے مجھے اپنے دل کی بات نہیں بتائی، اور نہ میں جانتا تھا کہ یہ دونوں کسی عہدہ کے لئے درخواست کریں گے، اور میں گویا آپ ﷺ کو مسواک کرتے دیکھ رہا تھا، جو آپ ﷺ کے ہونٹوں میں دبائے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم درخواست کرنے والے کو کبھی عامل نہیں بناتے،"[64]۔

## حکمران کی شخصیت اور نظم وضبط

اسلامی ریاست کے حکمرانوں اور اعلی عہدیداروں کو نظم وضبط کا مثالی نمونہ ہونا چاہیے، آئیڈیلزم کے اس دور میں جہاں آئیڈیلزم کو بہت پروموٹ کیا جارہا ہے، وہاں عوام الناس میں اس کا رجحان بھی اسی قدر عروج پر پہنچ رہا ہے، جس کے مثبت اثرات کم اور مضر اثرات بہت نمایاں ہیں۔ یہاں اس امر کی ضرورت ہے کہ جہاں اسلامی ہیروز کی دھاگ دن بہ دن بیٹھ رہی ہے اور مسلمان عوام اپنے اسلامی ہیروز کی بجائے آئیڈیلزم کے طوفان کا شکار ہوتے جارہے ہیں، یہاں اقبال امت کے اس مخمصے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

یہ آفتاب کیا یہ سپہر بریں ہے کیا؟ سمجھا نہیں تسلسل شام وسحر کو میں
اپنے وطن میں ہوں کہ غریب الدیار ہوں ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو میں
کھلتا نہیں مرے سفر زندگی کا راز لاؤں کہاں سے بندہ صاحب نظر کو میں
حیراں ہے بو علی کہ میں آیا کہاں سے ہوں رومی یہ سوچتا ہے کہ جاوں کدر کو میں
جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں، ابھی راہبر کو میں [65]

ایسے حالات میں آج امت کو ایسی آئیڈیلزم کی ضرورت ہے، جہاں ان کی اصلاح اور نظم وضبط کو یقینی طور پر ممکن بنایا جاسکے، اور عوام کے لئے آئیڈیلزم کے اس دور میں آئیڈیل کی کمی محسوس نہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ عوام الناس میں نظم وضبط کو رواج دینا ان کی اولین ترجیح ہوں۔ زندگی کی کامیابی کا جو طرزِ عمل اور پروگرام رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدی اور دیگر صحابہ کرام نے اپنایا، اس سے بہتر آئیڈیلز دنیا میں نہیں مل سکتے۔ لہذا ان کا طرزِ عمل اپنا کر امت کو نظم وضبط کا پابند بنایا جاسکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالی نے آپ ﷺ کا طرزِ عمل اپنانے کا حکم دیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّهَ كَثِيرًا[66]

" درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ تھا، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے "

اور اسی طرح رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کے طرزِ عمل کو اپنانے کے بارے میں فرمایا:

« أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ، بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ »[67]

"میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، ان میں سے جن کی بھی پیروی کروگے ہدایت پوگے "

اس تناظر میں حکمران کو آئیڈیلزم کے صفات کا حامل ہونا چاہیئے تاکہ عوام ان کو آئیڈیل بنا کر اس کی تقلید میں وہ تمام اسلامی اصول وضوابط بجالائیں جو آں حضور ﷺ کے زمانے میں لوگوں نے آپ ﷺ کی اطاعت کی صورت میں بجالائیں۔ لہذا حکمران کو ان مواصفات کا حامل ہونا، اور ان کو ملحوظ رکھنا چاہئے تاکہ عوام الناس کو اپنی اطاعت کی صورت میں نظم وضبط کا پابند بنا سکے۔

- **عدل وانصاف اور نظم وضبط**

عدل وانصاف کا نظم وضبط میں بڑا عمل دخل ہے، جب عدل وانصاف ہوگا تو معاشرے میں خود بخود نظم وضبط قائم ہو جائے گا۔ اسلام نے جن معاشرتی امور پر سب سے زیادہ زور دیا ہے ان میں ایک اخلاقی وصف عدل وانصاف ہے جس سے معاشرے کی امن وسلامتی وابستہ ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يأمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾[68]

"بے شک اللہ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے"

سب سے بڑا عادل اللہ تعالیٰ خود ہے کہ اس نے کائنات کو عدل وتوازن کے ساتھ قائم کیا ہے، اور انبیاء علیم السلام کو عدل وانصاف کے قیام کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾[69]

" ہم نے اپنے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان عدل کر سکیں"

اور اہل ایمان کو بھی عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم ہے، خواہ کوئی جانی دشمنی ہی کیوں نہ ہو، فرمایا:

﴿ يٰاَيهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْاكُوْنُوْا قَوّٰمِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآئَ بِالْقِسْط وَلَا يجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰي اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰي وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيرم بِمَا تَعْمَلُوْن ﴾[70]

اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ عدل چھوڑ دو، عدل کیا کرو کہ یہ تقویٰ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبر دار ہے

اسلام نے معاشرتی امن وسلامتی کو قائم کرنے کے لیے ایسا ضابطہ قائم کیا کہ باپ کا بدلہ بیٹے سے لینے کی بھی گنجائش باقی نہیں رکھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

« اَلَا لَا يجْنِيْ وَالِد عَلٰي وَلَدِه »[71]

"خبر دار باپ کا بدلہ بیٹے سے نہ لیا جائے"

معاشرے میں عدل وانصاف کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عادل اور انصاف کرنے والے قاضی کے

لئے آپ ﷺ نے عظیم الشان خوشخبری سنائی ہے:

«اِنَّ الْمُقْسِطِينَ عَلٰي مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَلٰي يمِينَينِ الرَّحْمٰنُ الَّذِينَ يعْدِلُوْنَ فِي حُكمِهِمْ وَاَهْلِيهِمْ وَمَاوَلُّوْا»[72]

"عدل وانصاف کرنے والے لوگ اللہ کے نزدیک دائیں جانب نور کے منبروں (مسندوں) پر بیٹھے ہوئے ہونگے (یہ ان کا اعزاز ہے) کہ وہ قضاء کے معاملات اور لوگوں کے درمیان انصاف کیا کرتے تھے"

اللہ انصاف کرنے اورانصاف پسندوں کو پسند کرتا ہے کیوں کہ وہ خود عادل ہے اور عادلوں سے محبت رکھتا ہے کیونکہ اس سے اللہ کی مخلوق کے حقوق کی پاسداری ہوتی ہے اور نظم وضبط کا قیام عمل میں آتا ہے۔ اسلام عدل وانصاف پر مبنی منظم نظام کو عام کرتا ہے تاکہ انسانوں کو ان کے حقوق سے آگاہ کیا جائے اور ان کو ان کے حقوق دلائے جاسکے۔ عدل وانصاف اور مساوات اس قدر اہم معاشرتی عامل ہے کہ اس کا تذکرہ بائبل میں بھی ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے:

"خداوند تمہارے خدا کے تمہیں دیے ہوئے ہر شہر میں اپنے ہر قبیلے کے لئے قاضی اور حاکم مقرر کرلو جو سچائی سے لوگوں کا انصاف کریں۔ تم انصاف کا خون نہ کرنا اور غیر جانبدار رہنا، تم رشوت نہ لینا کیونکہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کردیتی ہے اور راست بازوں کی باتوں کو توڑ مروڑ ڈالتی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ انصاف پر قائم رہنا تاکہ تم جیتے رہو"[73]

بائبل میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے:

"تم خدا کا کلام سنو! خداوند فرماتا ہے کہ انصاف اور راست بازی کے کام کرو، مظلوم کو اس پر ظلم کرنے والے کے ہاتھ سے چھڑاو، بیگانہ، یتیم اور بیوہ کے ساتھ برا سلوک نہ کرو"[74]

- **قانونی مساوات اور نظم وضبط**

جب اسلام کی دعوت بلند کی گئی تو انسانیت لفظ مساوات سے ناآشنا ہوچکی تھی، ایسے حالات میں دین اسلام آیا اور مساوات کا درس دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اسلام نے مبدا و معاد اور موت وزندگی میں حقوق وفرائض کے باب میں قانون کے سامنے اور اللہ کے حضور اور دنیا و آخرت، غرض ہر جگہ ہر حیثیت سے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا اور واضح کیا کہ عمل صالح کے سوا فضیلت وامتیاز کا کوئی اور معیار نہیں، عزت وشرف اگر ہے تو ان کے لیے جو زیادہ متقی اور پاکباز ہو۔ ارشاد باری ہے:

﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾[75]

جس طرح اسلام نے مصنوعی امتیازات کو ختم کردیا اور انسانوں کو بتایا کہ جس طرح تم تخلیق کے اعتبار سے ایک ہو، اسی طرح تمہارے بنیادی انسانی ضروریات اور بنیادی حقوق مساوی ہیں۔ ان بنیادی انسانی حقوق کے بارے

میں مساوات کا اعلان محمد مصطفیٰ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ان الفاظ میں فرمایا:

"اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر، سوائے تقویٰ کے"[76]

ڈاکٹر خالد علوی مرحوم لکھتے ہیں:

"یہ بات ذہن نشین رہے کہ جس مساوات انسانی کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس سے مراد ہے معاشرتی اور سیاسی حقوق کی مساوات، بنیادی انسانیت کی مساوات اور یہ ایسی مساوات ہے جو خود ساختہ امتیازات کو یکسر مٹادے۔ ایسی مساوات نہیں جو غیر فطری اور ناممکن الحصول ہو۔ ایسی نہیں جس کے لیے انسانوں کی آزادی سلب کر لی جائے اور انہیں انسانیت سے نکال کر مشین یا حیوان بنا دیا جائے۔ اسلام سماجی، شہری اور سیاسی مساوات کی ضمانت دیتا ہے۔"[77]

قانون کی نظر میں سب برابر ہونے چاہئے اور کسی کی طرفداری اچھی چیز نہیں کیوں کہ اس سے معاشرے کا نظم وضبط بگڑ سکتا ہے، بلکہ یہ تو الہامی تعلیمات کی خصوصیت ہے۔ اس سلسلے میں بائبل کا بیان ہے:

"اور اس وقت میں نے تمہارے قاضیوں کو یہ تاکید کی تھی کہ تم اپنے بھائیوں کے مقدمے سنا کرو اور انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو خواہ وہ معاملہ کسی آدمی سے، خواہ وہ اسرائیلی ہو یا کوئی پردیسی تعلق، انصاف کرتے وقت کسی کی طرفداری نہ کرنا۔"[78]

تاریخ انسان میں پہلی مرتبہ مساوات انسانی کا اتنا عظیم تصور عملی صورت میں ظاہر ہوا اور معاشرتی مساوات کے اس تصور پر اتنا زور اسلئے دیا گیا کہ اس کی غیر موجودگی سے ہی ظلم کی راہ کھلتی ہے۔ مساوات کا یہی تصور ہے جس نے امیر و فقیر یا غلام و آقا کے درمیان کوئی امتیاز باقی رہنے نہیں دیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ وَمَنْ اَخْصيٰ عَبْدَهُ اَخْصَينَاهُ»[79]

"جو اپنے غلام کو قتل کرے گا اسے ہم قتل کریں گے، جو اس کی ناک تراشے گا اس کی ناک تراش لی جائیگی اور جو اس کو خصّی کرے گا، ہم اسے خصّی کریں گے"۔

شریعت اسلامی کی نظر میں سارے مساوی ہیں اور سب کے ساتھ برابری کا سلوک کیا جائیگا۔ اس اعلیٰ قانونی مساوات کا اندازہ خود نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

« اِنَّمَاهَلَكَ مَنْ كانَ قَبْلَكَمْ اِنَّهُمْ كانُوْا يقِيمُوْنَ الْحَدَّ عَلَي الْوَضِيعِ وَيتْرُكوْنَ الشَّرِيفَ والَّذِي نَفْسِي بِيدِه لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ (بِنْتُ مُحَمَّدٍ) فَعَلَتْ ذٰلِك لَقَطَعْتُ يدَهَا »[80]

"تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اسلئے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجہ کے مجرموں کو قانون کے مطابق

سزا دیتے تھے اور برتر درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ (بنت محمد ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے بھی ہرگز دریغ نہ کرتا۔"

انبیاء کے حالات ہوں یا ان کی تعلیمات، ان میں بہترین ہم آہنگی اور امتزاج پایا جاتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ تمام انبیاء بفرمان نبوی علاتی بھائی ہیں اور بھائیوں میں ہم آہنگی اور قرب کے امکانات ونشانات روشن ہی رہتے ہیں۔ لہذا عدل وانصاف اور مساوات پر بائیبل اور قرآن مجید کے تعلیمات میں برابر زور دیا گیا ہے۔

**انتظامی غرض وغایت**

اسلامی ریاست میں پورے دین کے قیام اور ہر طرح کے عہدوں کا مقصد اور خلاصہ نظم وضبط یعنی امر ونہی کا قیام ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی اس ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[81]

"وہ لوگ اگر ہم انھیں دنیا میں حکومت دے دیں تو نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کا حکم کریں اور برے کاموں سے روکیں اور ہر کام کا انجام تو اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے "

اللہ تعالیٰ نے انتظامی استحکام کے لئے باہمی تعاون مومنوں کی شان قرار دیا ہے، فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾[82]۔

"مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ومعاون اور دوست ہیں وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں نمازوں کی پابندی بجالاتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا بیشک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے"۔

**امام ابنِ کثیر لکھتے ہیں:**

" مسلمان ایک دوسرے کے دست وبازو ہیں۔ حدیث میں ہے کہ مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو

تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے آپ ﷺ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھا بھی دیا۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مومن اپنی دوستی اور سلوک میں ایک جسم کی مانند ہیں کہ ایک حصے کو بھی اگر تکلیف ہو تو تمام جسم بیماری اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے"[83]

خیر اور بھلائی کے کاموں میں مومن اور مسلمان کو ایک دوسرے کی طرف دستِ تعاون بڑھانے کا حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾[84]

"جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے"۔

یعنی مومن جہاں معاشرے میں خرابی (رشوت، چوری، غبن، دھوکہ دہی، ملاوٹ، ظلم وزیادتی) دیکھیں گے دور کرنے میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہیں گے، یاد رہے ایسا کرنا مسلمانوں پر استطاعت کے مطابق فرض ہے۔ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"استطاعت کسی کام کی طاقت اور اختیار کا نام ہے، جس کے پاس یہ طاقت ہے اس پر زمہ داری بھی زیادہ ہے کیونکہ وجوب کی اصل بنیاد استطاعت ہی ہے، تو اسلامی مملکت کے تمام اداروں اور انتظامیہ کا مقصد بھلائی واچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے"[85]

نبی کریم ﷺ نے ایک ایسے انتظامیہ کا عملی نمونہ دنیا کو دیا جس نے معاشرے سے دہشت گردی، انتہاپسندی، ظلم وزیادتی اور ناانصافی کو ختم کر دیا اس کے علاوہ اس اقتدار کا کوئی اور مقصد نہیں تھا سوائے آخرت میں سرخروئی کے، نہ کوئی بڑائی اختیار کی، نہ کوئی متکبرانہ رویہ اپنایا کیونکہ ایسوں کے لئے آخرت میں کوئی جگہ نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُالْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَايُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾[86]

"یہ آخرت کا گھر ہم انھیں کو دیتے ہیں جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور نیک انجام تو پرہیز گاروں ہی کا ہے"

مختصر یہ کہ! ایک اسلامی حکومت، ریاست، یا انتظامیہ کی بنیادی اغراض ومقاصد کچھ یوں ہوں گے:

۱۔ قانون الٰہی کو یقینی بنانا تاکہ ظلم وتعدی کو مٹایا جائے۔

۲۔ عدل ومساوات کو قائم کرنا، اس لئے کہ بغیر عدل وانصاف کے امن وسلامتی ممکن نہیں ہے۔

۳۔ مجلسِ شوریٰ کا قیام: تاکہ رعایا اپنے آپ کو شریک کار سمجھ کر بہتری کے لئے ساتھ دیں۔

۴۔ اطاعت حق: انتظامیہ اطاعتِ حق کو یقینی بنائے تاکہ بغاوت وسرکشی پر قابو پایا جاسکیں۔

۵۔ خدمتِ خلق کے جذبہ کو پروان چڑھایا جائے تاکہ طلبِ اقتدار کا تصور درست اور صحیح ہو جائے[87]

## عہد نبوی انتظامیہ اور نظم وضبط

نبی کریم ﷺ نے اپنی مدد اور ریاستی انتظام ونظم ونسق چلانے کی لئے رعایا میں سے بعض افراد کو خاص ذمہ داریاں سونپیں تھیں، جنہوں نے نہایت احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنی ڈیوٹیاں سرانجام دی اور ایک مثالی ومستحکم عملی معاشرہ دنیا میں قائم ہوا، جس کا نظام دنیا کے اکثر ممالک نے اپنے لئے رول ماڈل بنایا ہوا ہے۔

**کاتبینِ وحی:** کاتبین کاتب کی مفرد ہے جو لکھنے والے کو کہتے ہیں اور اس کا کام وہی ہوتا تھا جو آج کل کے تنظیمی

ڈھانچہ میں سیکرٹری سرانجام دیتا ہے۔ سیرت نگاروں نے ان کے کم و بیش ۱۴۰ اسماء کا ذکر کیا ہے۔

**امرائے جیش:** نبی کریم ﷺ نے اسلامی ریاست کے دفاع اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے فوج کے قیام، اس کی تنظیم اور تربیت پر خصوصی توجہ دی، باقاعدہ فوجی افسران کا تقرر عمل میں لایا گیا تھا۔ ان فوجی قائدین کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی، جنہوں نے بحسن وخوبی اپنا کام سرانجام دیا۔

**عہد نبوی کے علاقائی حکام:** نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کی توسیع کے ساتھ ساتھ اس میں شامل ہونے والے علاقوں کے انتظام اور رعایا کے معاملات کے فیصلوں کے لئے مختلف امراء کا تقرر فرماتے اور ان کو آسانی اختیار کرنے کی خصوصی ہدایات دیتے۔ یہ علاقائی حکام اور گورنر بیک وقت حاکم و معلم اور مربی بھی ہوا کرتے تھے۔

**عہد نبوی کے امرائے صدقات:** سیرت نگاروں اور تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ کے دور میں تقریباً ہر بستی اور علاقے میں صدقات وصول کرنے والے موجود تھے، نیز بعض علاقوں کے مستقل حاکم بھی انتظامی فرائض کے علاوہ زکواۃ وصدقات کی وصولی پر بھی مامور تھے۔ کتبِ احادیث میں ان کو عاملینِ زکوٰۃ (مصدِّقِین) بھی کہا گیا ہے[88]

**عہد نبوی میں سزائیں نافذ کرنے والا عملہ:** اسلام کسی انسان کے مبتلائے عذاب اور ٹارچر کو پسند نہیں کرتا لیکن مجرمانہ سرگرمیوں کی تدارک ضرور کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت میں مجرموں کو سزائیں دینے کے لئے بوقتِ ضرورت کسی کو بھی بلایا جاسکتا تھا، لیکن کچھ افراد اس کام کے لئے مخصوص بھی تھے، گویا یہ ایک طرح کی پولیس فورس تھی، جو نظم وضبط کو کنٹرول کرتی تھی۔

**عہد نبوی کے مرکزی نائبینِ حکومت:** نبی کریم ﷺ جب بھی مرکز سے کسی سبب سے باہر تشریف لے جاتے تو مرکز میں نماز کی امامت اور دیگر انتظامی امور کے لئے قائم مقام امیر مقرر فرما دیتے تھے۔ یہ جانشینِ رسول ﷺ تمام امورِ ریاست میں ذمہ دار ہوا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں ریاست کے فلاح وبہبود کا خیال رکھتے تھے[89]

**عہد نبوی میں بازاروں کی نگرانی کرنے والا عملہ:** بازاروں اور مارکیٹوں کی نگرانی کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے، تاکہ غیر شرعی اور ظالمانہ سودے بازی، کاروبار، تجارت اور معاملات کو روکا جائے۔ اسی طرح مروجہ نرخ سے زیادہ قیمت وصول نہ ہونے پائے اور دھوکہ دہی وملاوٹ کو روکا جاسکے۔ اس محکمے کو حسبہ اور سرانجام دینے والے کو محتسب کہا جاتا ہے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سعید بن عاص τ کو مکہ کے بازار کی نگرانی پر مقرر کیا تھا[90]۔ اسی طرح مدینہ منورہ کے بازاروں کی نگرانی کا کام ایک وقت میں حضرت عمر τ کے سپرد تھا[91]

**عہد نبوی کے سفرائے مملکت:** اسلامی ریاست ایک نظریاتی اور عالمگیر اصول پر مبنی ریاست ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں غیر اسلامی ریاستوں کے مقابلے میں سفیروں اور قاصدوں کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے، لہذا

آپ ﷺ نے اپنے رب کے عظیم مشن کے کامیابی کے لئے اس وقت کے بڑی سیاسی قوتوں کے سربراہان کو بطورِ خاص سفیر بھیجے، جنہوں نے شاہانِ قیصر وکسریٰ کو مکتوباتِ نبوی پہنچایا۔ اس کے علاوہ مختلف اطراف میں سفارتیں روانہ کی گئی تھیں، جس کے نتیجے میں چار افراد نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان خطوط کے حوالے سے ابنِ حزم نے دس، سیرتِ حلبیہ نے آٹھ جبکہ ابن ہشام نے نو سفیروں کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے[92]۔

**دورِ نبوی کے ترجمان) غیر ملکی زبانوں کے ماہرین):** نبی کریم ﷺ داعی الی الحق کے ساتھ ساتھ سربراہِ ریاست بھی تھے۔ آپ ﷺ ربانی پیغام کو پہنچانے کے لئے مراسلت بھی فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ کو بھی خطوط اور پیغامات آیا کرتے تھے، جس کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے ٹرانسلیٹروں) ترجمانوں (کی بھی ضرورت پڑتی تھی۔ اس مقصد کے لئے آپ ﷺ نے بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دوسری زبانوں کو سیکھنے کا حکم فرمایا تھا، زید بن ثابت ؓ نے بحکمِ نبی ﷺ یہودیوں کی زبان) عبرانی اور سریانی (سیکھ لی تھی، جس میں انہیں پندرہ دن لگے تھے۔ علاوہ ازیں آپ ؓ نے فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی سیکھ لی تھی[93]۔

**مہرِ مراسلت:** آپ ﷺ وقت اور حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر جب بھی خطوط کی مراسلت فرماتے تو اس پر مہرِ مملکت وریاست بطورِ تصدیق ثبت فرماتے۔ اس مقصد کے لئے آپ ﷺ نے چاندی کی ایسی مہر (انگوٹھی) بنوائی تھی، جس پر لکھا ہوا تھا "محمد رسول اللہ "[94] ﷺ۔

ان تمام انتظامات کا مقصد عوام الناس میں نظم وضبط کا قیام تھا تاکہ حالات کنٹرول میں رہیں اور کسی بھی ناخوشگوار واقعے سے امت کو بچایا جاسکے۔ لہذا ریاست کی ذمہ داری ہے کہ مقاصد کا تعین کر کے نظم ونسق کو کنٹرول کرنے کے لئے ہر طرح سے منصوبہ بندی کریں اور انتہائی مخلص اور دیانتدار وزراء اور دیگر ذمہ داروں سے عوام الناس کی بہبود کے لئے منظم کام لیں۔ اس مقالے سے یہ بات سامنے آئی کہ اسلام میں کسی بھی کام کو ایک منظم طریقے سے سرانجام دینے کا کس قدر اہمیت ہے اور جب یہ کام اللہ کے نبی کے ہاتھوں سرانجام پائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنا امت کے لئے ازبس ضروری ہے۔ لہذا اسلام کا نظام اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے ماننے والے اس کو اس طرز اور نہج پر سرانجام دیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی اور منشا ہے۔ یعنی اسلام ایک جامع طرزِ زندگی کا نام ہے اس کو اس طرز پر چلانا اس کا حق ہے۔

**المختصر:**

تعلیمات نبوی سے اخذ کردہ مندرجہ ذیل اقدامات کے ذریعے اسلامی ریاست میں مثالی نظم وضبط کو فروغ دیا جاسکتا ہے:

- رنگ ونسل کے امتیازات کا خاتمہ کیا جائے۔
- نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں تعاون کو فروغ دیا جائے۔

- عوام الناس میں اخوتِ اسلامی کی حس کو بیدار کیا جائے۔
- اسلامی عبادات اور اخلاقیات کی پابندی کے ساتھ ساتھ شرعی قوانین کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔
- اسلامی ریاست کے حکمران اور اعلی عہدیدار نظم وضبط کا مثالی نمونہ ہوں اور عوام الناس میں نظم وضبط کو رواج دینا ان کی اولین ترجیح ہوں۔
- حالات کی مناسبت سے نظم وضبط کے امور میں نظر ثانی کی جائے اور انہیں مزید بہتر بنایا جائے، نیز ان تمام ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے موزوں ترین اہل کاروں کا انتخاب کیا جائے۔
- اسلامی ریاست میں عدل وانصاف اور مساوات کو یقینی بنایا جائے کیونکہ عدل وانصاف کے بغیر امن وسلامتی ممکن ہی نہیں ہے۔
- رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام کے آئیڈیل طرزِ عمل کے ذریعے نظم وضبط کو یقینی بنایا جائے۔

واللہ ولی التوفیق

## حواشی وحوالہ جات

---

(1)۔ یسن:۴۰۔

(2)۔ طہ:۱۲۴۔

(3)۔ البقرہ:۱۷۹۔

(4)۔ بال جبریل، علامہ محمد اقبال، اظہار سنز--۱۹اردو بازار لاہور، س ن-ص:۳۳۔

(5)۔ معجم اللغة العربية المعاصرة، د أحمد مختار عبد الحميد، عالم الكتب، ط: الأولى، ۲۰۰۸م، ص:۳/ ۲۲۳۵۔

(6)۔ أساس البلاغة، محمود بن عمرو الزمخشري، تحقيق:محمد باسل، دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان، ط: الأولى، ۱۹۹۸ م، ص: ۲/ ۲۸۴۔

(7)۔ تاج العروس من جواهر القاموس، محمّد بن محمّد، المرتضى الزَّبيدي، تحقيق: مجموعة من المحققين الناشر: دار الهداية، ص:۳۳/ ۴۹۷۔

(8)۔ المعجم الوسيط، إبراهيم مصطفى، دار النشر: دار الدعوة، تحقيق / مجمع

اللغة العربية، ص:۲/۹۳۳۔

(9)- المحيط في اللغة، إسماعيل بن عباد الطالقاني، [الكتاب مرقم آليا غير موافق للمطبوع]، ص:۲ /۱۹۴۔

(10)- قاموس اکسفورڈ، ہیلین ورن، اکسفورڈ یونیورسٹی،ص:۱۱۔

(11)- قاموس المحدث (قاموس عربي إنكليزي)، ص:۱/۳۸۸۳۔

(12)- القاموس الوحید،قاسمی، وحید الزمان، مولٰنا، ادارہ اسلامیات لاہور، ص:۵۰۳۔

(13)- قاموس اکسفورڈ،ص:۱۱۔

(14)- الشريف حسن بن محمد، ادارة عمر الفاروق τ،ادارہ مطبوعات مكة المكرمة، ۱۴۰۱ھ،ص:۴۹۔

(15)- معجم الرائد، ص:۱/ ۱۴۴۳۔

(16)- شمس العلوم ودواء كلام العرب من الكلوم، نشوان بن سعید الحمیری، تحقیق: د حسین بن عبد اللہ وغیرہ، دار الفکر، دمشق-۱۹۹۹م، ص:۱۰/۶۶۵۷۔

(17)- القاموس الفقهي لغة واصطلاحا، سعدي أبو جيب، دار الفكر. دمشق – سورية الطبعة، ط: ۲، ۱۹۸۸ م، ص: ۱/ ۳۷۹۔

(18)- ایضاً دیکھئے:سورتِ انشقاق آیت:۱۸

(19)- معجم اللغة العربية المعاصرة، دکتور أحمد مختار عبد الحمید عمر وغیرہ،عالم الکتب، ط:۱،۲۰۰۸م، ص:۲/ ۱۰۳۷۔

(20)- انبیاء:۳۳۔

(21)- یسن:۴۰۔سید مودودی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس فقرے کے دو مطلب لیے جاسکتے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ایک یہ کہ سورج میں یہ طاقت نہیں ہے کہ چاند کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لے، یا خود اس کے مدار میں داخل ہو کر اس سے جا ٹکرائے۔دوسرا یہ کہ جو اوقات چاند کے طلوع و ظہور کے لیے مقرر کر دیئے گئے ہیں ان میں سورج کبھی نہیں آسکتا۔یہ ممکن نہیں ہے کہ رات کو چاند چمک رہا ہو اور یکایک سورج افق پر آجائے۔ یعنی ایسا بھی کبھی نہیں ہوتا کہ دن کی مقررہ مدت ختم ہونے سے پہلے رات آجائے اور جو اوقات دن کی روشنی کے لیے مقرر ہیں ان میں وہ اپنی تاریکیاں لیے ہوئے یکایک آموجود ہو۔

فلک کا لفظ عربی زبان میں سیاروں کے مدار (Orbit) کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کا مفہوم سماء (آسمان) کے مفہوم سے مختلف ہے۔یہ ارشاد کہ "سب ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔" چار حقیقتوں کی نشان دہی کرتا ہے۔ایک یہ کہ نہ صرف سورج اور

چاند، بلکہ تمام تارے اور سیارے اور اجرام فلکی متحرک ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے ہر ایک کا فلک، یعنی ہر ایک کی حرکت کا راستہ یا مدار الگ ہے۔ تیسرے یہ کہ افلاک تاروں کو لیے ہوئے گردش نہیں کر رہے ہیں بلکہ تارے افلاک میں گردش کر رہے ہیں۔ اور چوتھے یہ کہ افلاک میں تاروں کی حرکت اس طرح ہو رہی ہے کہ جیسے کسی سیال چیز میں کوئی شے تیر رہی ہو۔

ہماری یہ زمین جس نظام شمسی میں شامل ہے اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اس میں تقریباً 3 ہزار ملین (3 ارب) آفتاب پائے جاتے ہیں پھر یہ کہکشاں بھی پوری کائنات نہیں ہے، بلکہ اب تک کے مشاہدات کی بنا پر اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ تقریباً 20 لاکھ لولبی سحابیوں (Spiral nebulae) میں سے ایک ہے۔ تمام معلومات جو اس وقت تک کائنات کے متعلق بہم پہنچی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پورا عالم اسی مادے سے بنا ہوا ہے جس سے ہماری یہ چھوٹی سی ارضی دنیا بنی ہے اور اس کے اندر وہی ایک قانون کام کر رہا ہے جو ہماری زمین کی دنیا میں کار فرما ہے۔

کیا یہ اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ یہ ساری کائنات ایک ہی خدا کی تخلیق اور ایک ہی فرمانروا کی سلطنت ہے؟ پھر جو نظم، جو حکمت، جو صناعی اور جو مناسبت ان لاکھوں کہکشانوں اور ان کے اندر گھومنے والے اربوں تاروں میں پائی جاتی ہے اس کو دیکھ کر کیا کوئی صاحب عقل انسان یہ تصور کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ آپ سے آپ ہو گیا ہے؟ اس نظام کے پیچھے کوئی حکیم، اس صنعت کے پیچھے کوئی صانع، اور اس مناسبت کے پیچھے کوئی منصوبہ ساز نہیں ہے؟ [سید ابو الاعلی، مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، 2005ء۔ تفسیر سورت یسن]۔

(22)۔ الحاقۃ:۱۸۔

(23)۔ آل عمران:۵۔

(24)۔ ﴿اللّٰهُ لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْم لَا تَاْخُذُه سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾ البقرہ:۲۵۵۔

(25)۔ النازعات:۵،۴۔

(26)۔ التحریم:۶۔

(27)۔ الصف:۹۔، الفتح:۲۸۔ التوبہ:۳۳۔

(28)۔ کلیات اقبال، (علامہ) محمد اقبال، ضرب کلیم، الحمرا پبلشنگ اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص:۷۰۲

(29)۔ آل عمران:۱۰۳۔

(30)۔ المسند الجامع المعلل، الجزء ۲۷، ص:۸۸۔

(31)۔ الحجرات:۱۳۔

(32)۔ المسند الجامع المعلل، الجزء ۳۶، ص:۱۶۲۔

(33)۔ المائدہ:۲۔

(34)۔ سنن الترمذی، ابو عیسی، الترمذی، باب ماجاء فی ستر المسلم، مصدر الکتاب: موقع الإسلام ص:۵ / ۳۲۴۔
(35)۔ التوبہ:۷۱۔
(36)۔ بال جبریل، علامہ محمد اقبال، اظہار سنز--۱۹اردو بازار لاہور، س ن-ص:۱۲۱۔
(37)۔ البقرہ:۱۷۹۔
(38)۔ السنن ابن ماجہ، أبو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، باب اقامۃ الحدود، مصدر الکتاب: موقع الإسلام ص:۷ / ۴۳۰۔
(39)۔ طہ:۱۲۴۔
(40)۔ موطاء، مالک بن انس، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔ حدیث:۸، ص:۲ / ۳۲۴۔
(41)۔ علی المتقی الھندی، کنز العمال، دار المعرفہ مصر، حیدر آباد دکن، س ن، ص:۳/ ۱۶۔
(42)۔ المائدہ:۳۸،۳۹۔
(43)۔ النساء:۵۔
(44)۔ النساء:۵۸۔
(45)۔ أخرجه أحمد، ۲ /۳۱۶ (۸۷۱۴) والبُخاري، ۱/ ۲۳ (۵۹)۔
(46)۔ یوسف:۴۷،۴۸۔
(47)۔ الحشر:۷۔
(48)۔ الاعراف:۱۴۵۔
(49)۔ الانفال:۶۶۔
(50)۔ النساء:۵۹۔
(51)۔ الاعراف:۱۵۵۔
(52)۔ یوسف:۶۴۔
(53)۔ البخاري، كتاب الأدب، باب لا يلدغ المؤمن من جحر مرتين، رقم الجزء: 1 رقم الصفحة: 933۔
(54)۔ الجن:۲۷،۲۶۔
(55)۔ آل عمران:۱۰۴۔
(56)۔ ق:۱۸،۱۷۔
(57)۔ النساء:۵۸۔

(58)۔أخرجه أحمد،۲/۳۱۶ (۸۷۱۴) والبُخاري،۱/۲۳ (۵۹)۔
(59)۔ الصحیح البخاری، محمد بن اسماعیل،:كتاب الأحكام: باب قول الله تعالى (أطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم) دارالسلام ریاض۔۱۹۹۹ء۔
(60)۔ النساء:۵۹۔
(61)۔ سنن ابوداود، سليمان بن اشعث السجستاني،، دارالسلام رياض- حديث نمبر:۲۲۴۲، بیہقی حدیث نمبر:۱۰۶۴۹۔
(62)۔ سنن النسائي الكبرى، أحمد بن شعيب، النسائي- باب ص:۴/ ۳۸۵
(63)۔ الصف:۴۔
(64)۔ الصحیح البخاری: حدیث نمبر:۷۱۴۹۔
(65)۔ کلام اقبال (سے منتخب شعر) مرتبہ رخسانہ اصغر قریشی، القائم ٹریڈرز، اردو بازار لاہور، س ن-ص:۲۳۔
(66)۔ الاحزاب:۲۱۔
(67)۔ آداب الصحبة، محمد بن الحسين النيسابوري، المحقق: مجدي فتحي السيد، دار الصحابة للتراث – طنطا – مصر، ط: الأولى، ۱۹۹۰م،ص:۱ /۱۱۷۔
(68)۔ سورۃ النحل:۹۰
(69)۔ سورۃ الحدید:۲۵
(70)۔ سورۃ المائدہ:۸
(71)۔ علی بن عمر الدار قطنی، السنن، کتاب البیوع،، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ص: ۳/ ۴۵۔
(72)۔ نسائی، أحمد بن شعیب، السنن الکبری،، دار السلام الریاض، ۱۹۹۹ء حدیث نمبر:۵۳۸۱۔
(73)۔ بائبل؛ استثناء ۱۸:۱۶-۲۰۔
(74)۔ بائبل، یسعیاہ؛ ۲۲: ۲-۳۔
(75)۔ سورۃ الحجرات:۱۳۔
(76)۔ مسند احمد، ج:۵، ص:۱۴۴۔
(77)۔ ثقافت کا اسلامی تصور، ڈاکٹر خالد علوی، دعوہ اکیڈمی فیصل مسجد اسلام آباد، ۲۰۰۵ء-، ص:۳۳-۳۴۔
(78)۔ بائبل؛ استثناء؛ ۱: ۱۶- ۱۷۔
(79)۔ جامع ترمذی، حدیث نمبر:۱۴۱۴، ابو داود، حدیث نمبر:۴۵۱۵، ابن ماجہ، حدیث نمبر:۲۵۴۷۔
(80)۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، حدیث نمبر:۴۴۱۰، ۴۴۱۱، ترمذی حدیث نمبر:۱۴۳۰۔

(81)۔ الحج:۴۱۔

(82)۔ التوبۃ:۷۱۔

(83)۔ تفسیر ابن کیثر آیتِ مذکورہ۔)دیکھئے: الصحیح البخاری: حدیث نمبر۵۶۸۰، ۵۶۶۵، دار ابن کثیر، الیمامۃ، بیروت،ط/۳ – ۱۹۸۷م)۔

(84)۔ المائدۃ:۲۔

(85)۔ اسلام کانظامِ حسبۃ ابن تیمیۃ، احمد، شیخ الاسلام، شریعہ اکیڈمی، فیصل مسجد، اسلام آباد۔2006ء،ص:۱۲۔

(86)۔ القصص:۸۳۔

(87)۔ بتصریف یسیر، دیکھئے: محمد ارشد خان بھٹی، اسلامی تہذیب وتاریخ، اصباح الادب چوک، اردو بازار لاہور۔ ص:۱۴۔

(88)۔ السیرۃالنبویۃ، ابنِ ہشام، مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۳۶ء۔، ص:۴، ۳/۶۰۰۔اسد الغابۃ، ابن الاثیر، علی، کتاب الشعب۔ص:۲/۳۰۱،اسلامی سیاست،ص:۱۹۶۔

(89)۔ اسلامی معاشرہ کی تاسیس وتشکیل، ص:۱۳۳، عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت، ص:۱۶، ۱۴، اسلامی سیاست، ص:۱۹۶۔

(90)۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب)علی ھامش الاصابہ (ابن عبد البر المالکی، مکتبہ المثنی البغداد۔ (س ن)، ص:۲/۸۔

(91)۔ سیرت الحلبیۃ، علی بن برھان الدین،، دار الکتاب بیروت لبنان۔ص:۳ /۴۲۴، اسلامی سیاست،ص:۲۰۷۔

(92)۔ جواہر السیر،ابن حزم، محمد الظاہری، دار الکتا العلمیۃ، بیروت لبنان۔ص:۲۹،سیرۃ الحلبیۃ،ص:۳/۲۸۳،ابنِ ھشام،ص:۴،۳/۶۰۷۔

(93)۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۷۱۹۵، فتح الباری، ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، مکتبۃ الکلیات الازھریۃ۔ 1978ء۔ص:۱۶/۳۱۰۔

(94)۔ اسلامی سیاست،ص:۲۰۵۔

# [[013]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

ڈاکٹر عبد الغفار بخاری
صدر شعبہ علوم اسلامیہ
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

**اسلامی ریاست کی تشکیل، ضرورت واہمیت:**

انسان فطرتاً سماجی ہوتا ہے لہٰذا بغیر سماج کے زندگی بسر نہیں کر سکتا اور اجتماع کا لازمہ نیاز بشری کی تکمیل ہے اور نیاز بشری کی تکمیل کا لازمہ تدبیر اور ریاست ہے۔ لہٰذا انسانی معاشرے کیلئے حکومت ناگزیر ہے۔ اگر نیک وصالح افراد میسر نہ بھی ہوں تو ایک فاجر و فاسق کی حکومت بھی قائم کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی ریاست معاشرہ کی اجتماعی نقائص: بد امنی، بد نظمی، انتشار، اور بد حالی وغیرہ خامیوں کو چھپا دیتی ہے اور بعض اجتماعی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے لوگوں کو حکومت کی تشکیل کی دعوت نہیں دی بلکہ اسے ان ضروری و بدیہی امور میں سے لیا ہے کہ جن میں کسی دعوت یا تشویق کی ضرورت نہیں ہے بلکہ قرآن کریم لوگوں کو اسلامی ریاست کی تشکیل کی دعوت دیتا ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت علیؓ، اسلامی ریاست کی ضرورت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِيرٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ يَعْمَلُ فِيهِ الْمُؤْمِنُ وَيَسْتَمْتِعُ فِيهِ الْكَافِرُ وَيُبَلِّغُ اللهُ فِيهَا الْأَجَلَ"(1)

لوگوں کیلئے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے۔ خواہ وہ اچھا ہو یا برا۔ تا کہ مؤمن اس کے زیر سایہ اپنے کام انجام دے سکے۔ اور کافر اس کے عہد میں لذائذ سے بہرہ مند ہوگا۔ اللہ تعالی اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اس کی آخری حدوں تک پہنچا دے گا۔

علامہ ابن خلدون نے حکومت کی تشکیل انسان کی فطری ضرورتوں کو قرار دیا ہے۔ آپ اس ضمن میں بیان کرتے ہیں:

"انَّ حاجة الإنسان للغذاء والكساء والمأوى والدفاع عن النفس هي التي تدفعه إلى الانتظام في مجتمع إنساني، فالإنسان لا يستطيع أن يسد حاجته للغذاء بمفرده، لأنَّ ذلك يتطلب أعمالاً كثيرة لا يستطيع أن يقوم بها بمفرده، فلابد من تعاونه مع

رفاقه" [2]

انسان کی غذا، لباس، گھر اور جان کی حفاظت کی ضرورت، اسے انسانی معاشرے میں انتظام کی طرف ابھارتی ہے۔ اس لیے انسان اکیلے اپنی غذائی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ بہت سے اعمال کثیرہ کا مطالبہ کرتا ہے جو تنہا انسان کے بس میں نہیں۔ تو اسے اپنے ساتھیوں سے ان کاموں میں لازمی مدد درکار ہے۔

ارسطو ریاست کی فضیلت و تشکیل پر زور دیتے ہوئے رقمطراز ہے:

"..سیاسی دانش کی غایت تمام علوم و دانش سے افضل اور بہتر ہے اور سیاست بالاترین نیکی ہے" [3]۔

علامہ ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں:

"سنتِ رسول اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولایت و حکومت ایک امانتِ الٰہی ہے، جس کا ادا کرنا اس کے موقع و محل میں واجب ہے"۔ [4]

**اطاعت ولاۃ امور:**

اسلام انتظامی معاملات میں یہ لازم قرار دیتا ہے کہ ولاۃ امور یعنی حکمرانوں کی اطاعت کی جائے۔ ہاں اگر کوئی قانون ایسا جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو، تو اس میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ ارشاد باری تعالی ہے:

Ïيَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اَطِيعُوا اللّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الاَمْرِ مِنْكُمْÏ [5]

اے اہل ایمان اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر (صاحب اختیار/صاحب معاملہ) کی اطاعت کرو۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى المَرْءِ المُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ)) [6]

مسلمان آدمی پر سننا اور اطاعت کرنا اس وقت تک واجب ہے جب تک اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم نہیں دیا جاتا، خواہ اسے پسند ہو یا نہ۔ لیکن جب اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو اسکے لیے سننا اور اطاعت کرنا واجب نہیں ہے

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ((الْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ)) [7] مسلمان اپنی شروط و قوانین کے پابند ہیں۔

حکومت اور سیاست بھی انہی اصول و قوانین کے تحت ناکام یا کامیاب ہوتی ہے۔ خاص کر حکمرانِ وقت اور اعلیٰ عہدیداران کا قول و فعل اجتماعی اور انفرادی زندگی قانونی ضابطوں اور زندگی کے دیگر نظم و نسق کا آئینہ ہونی چاہیے۔

**نظم وضبط کا مفہوم:**

نظم وضبط دو علیحدہ علیحدہ الفاظ ہیں۔ جن کا لغوی واصطلاحی معنی ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

**نظم کا لغوی معنی:**

لفظ "نظم" عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی کتب معاجم وقوامیس میں یوں بیان ہوا ہے۔

نظم: "نظم اللؤلؤ" جمعه في السلك ..... ونظمه تنظيما مثله ومنه نظم الشعر ونظمه والنظام الخيط الذي ينظم به اللؤلؤ.."[8]

" نظم "موتیوں کو ایک لڑی میں پرونا یا ایک سلسلے میں ترتیب دینا۔ اسی سے ہے اشعار کو باہم منظم کرنا۔ اور نظام اس دھاگہ کو کہتے ہیں جس میں موتیوں کو پرویا جاتا ہے۔

لغوی لحاظ سے نظم کا مطلب یہ ہوا کہ چند بے ترتیب اشیاء، الفاظ یا اشخاص کو ایک لڑی یا سلسلے میں اس طرح ترتیب دینا کہ وہ اشیاء، الفاظ یا اشخاص ایک دوسرے سے مکمل ہم آہنگ ہو جائیں۔

**ضبط کا لغوی معنی:**

ضَبْط(ض ب ط) عربی زبان میں ثلاثی مجرد کے باب سے مشتق اسم ہے۔ کتب لغات میں ضبط درج ذیل معانی کے لئے مستعمل ہے۔

۱- تحمل، برداشت، صبر: "ضَبْطُ الشيء حفظه بالحزم، والرجل ضابطٌ أي حازم" کسی چیز کو ضبط کرنا، یاد کرنا،، قابو پانے والا آدمی۔

۲- انتظام، نظم و نسق، بندوست

"ومن المجاز: هو ضابط للأمور، وفلان لا يضبط عمله: لا يقوم بما فوض إليه"[9]

مجازی طور پر: معاملات کو درست ترتیب دینے والا، اور فلاں اپنے کام کو نہیں بجالاتا جو اس کے سپرد کیا جائے۔

۳- حکومت، عمل، راج (Government)

يقال: "ضبط الشيء إذا حفظه بالحزم ؛أي حفظه حفظاً بليغاً" ومنه قيل: ضبطت البلاد وغيرها، إذا قمت بأمرها قياماً ليس فيه نقص" [10]

کسی چیز کو محفوظ کرنا، اچھے طریقے سے حفاظت میں دینا یعنی کسی چیز کو مکمل محفوظ بنانا اور جو اس کے علاوہ ہے، جبکہ اس کے تمام امور کو بغیر نقصکے مکمل کیا گیا ہے۔

4- قابو، اختیار "يقال: ضبط الشيء يضبطه أي لزمه لزوماً لزوماً شديداً " لذا

يقال: "هو أضبط من الأعمى"، "وأضبط من نملة"[11].

کہا گیا: کسی چیز کو محفوظ کرنا یعنی حفاظت کا التزام کرنا اسکے تمام جوانب سے، اسی سے کہا گیا وہ اندھے سے بھی زیادہ محفوظ ہے اور چیونٹی سے زیادہ ملتزم۔

اس کے علاوہ ترتیب، تدوین، منضبط یا قلمبند کرنا، ذہن میں محفوظ رکھنا، حفظ کرنا، یاد کرنا۔ (جائیداد وغیرہ) قبضہ کرنا، چھین لینا، ترق کرنا کے معانی میں مستعمل ہے۔[12]

**نظم وضبط**

نظم وضبط کے لغوی واصطلاحی مفاہیم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نظم و ضبط دو لفظوں سے عبارت ہے، ایک اتحاد اور دوسرا ترتیب۔ گویا "نظم وضبط" کا مفہوم یہ ہوا کہ عوام النّاس کو ایک نظریئے یا پلیٹ فارم پر اس طرح متحد کرنا کہ ان کے درمیان مکمل ہم آہنگی اور ارتباط قائم رہے اور اسلامی ریاست کے احکام اور ان کی پالیسیوں کے بارے میں ان کی رائے، سوچ اور ذہن میں مکمل یکسانیت ہو۔

ڈاکٹر فرحت علی برنی نظم وضبط کا مفہوم بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"جب بھی دو یا اس سے زائد افراد مل کر شعوری طور پر کسی کام کو کرنے کا قصد کرتے ہیں، نظم وضبط وجود میں آجاتا ہے گویا کہ نظم وضبط دو افراد کے اجتماعی کام کرنے کا نام ہے۔"[13]

**نظم وضبط کی اہمیت**

نظم و ضبط در حقیقت حسن ترتیب، منظم معاملات، صحیح انداز اور عمدہ طریقہ کار کا نام ہے۔ انسانی زندگی میں بنیادی کردار ادا کرنے والے امور میں سے ایک نظم و ضبط ہے۔ نظم و ضبط اہداف تک پہنچنے کے لئے ایک بہترین وسیلہ ہے۔ نظم وضبط ایک پسندیدہ صفت واخلاق ہے جو انسان کی طرز زندگی میں مثبت تبدیلیاں لاتا ہے۔ انسان کو امور زندگی میں بہت سی مشکلات ومصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس کا بنیادی سبب، نظم وضبط کا نہ ہونا ہے۔ نظم وضبط انفرادی واجتماعی امور میں بہت زیادہ آثار وبرکات کا حامل ہے۔ اس کی بدولت سرمایہ اور وقت دونوں ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ جو انسان اپنے روزوشب کے اوقات کے لئے منصوبہ بندی کرتا اور اپنے انفرادی و اجتماعی کاموں کے لئے وقت کو مد نظر قرار دیتا ہے وہی ان اوقات سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ کاموں میں نظم وضبط اس بات کا موجب بنتا ہے کہ ہر کام اپنے وقت پر انجام پائے اور مفید بھی واقع ہو۔ انفرادی واجتماعی رویوں میں نظم و ضبط، انسان کی فکر کے منظم ہونے میں موثر عامل ہے۔ جس شخص کے تمام کام منظم ہوں تو لازماً اس کی فکر میں بھی ایک خاص نظم پیدا ہو جاتا ہے جس کی بدولت وہ ترقی وکمال کے زینے باآسانی طے کر سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ جو نظام لائے اس نظام کی بنیادی خصوصیت یہی نظم وضبط ہے۔ اسی توازن اور نظم وضبط کو آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت علی τ نے اپنی وفات کے وقت حضرت حسن τ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ تمام اور فرزندوں کو یہ وصیت فرمائی: " اوصيكما وجميع ولدي واهلي ومن بلغه كتابي بتقوى الله ونظم امركم "[14]

آپ، میرے تمام فرزندوں اور اہل وعیال اور ہر اس شخص کو کہ جس تک میرا یہ فرمان پہنچے یہ وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ الٰہی اختیار کرو اور اپنے امور میں نظم وضبط رکھو۔

علامہ محمد اقبالؒ نظم و ضبط اور پابندیٔ احکام کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پابندیٔ تقدیر کہ پابندیٔ احکام　　یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خردمند
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر　　ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند[15]

منظم ومرتب پروگرام تشکیل دے کر زندگی کے امور کو بامقصد اور آسان بنا یا جاسکتا ہے۔ منظم اور صحیح آئین کی تشکیل اور اس پر مصمم ارادے سے عمل پیرا ہونے سے خاطر خواہ نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اگر ہم نظم و ضبط سے انحراف کریں گے یا کسی نظام کے اصول وضوابط کو بدلنے کی کوشش کریں گے تو زندگی کا توازن بگڑ جائے گا۔

کسی نے کیا خوب کہا:

نظم پیدا کیجئے اوقات میں　　برکتیں پھر دیکھئے دن رات میں

## (ا) کائنات کی تخلیق اور نظم وضبط:

تخلیق کائنات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تکوین و تخلیق اللہ تعالیٰ کی حسن تخلیق کا شاہکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو نظم کی بنیاد پر خلق فرمایا ہے، اس پوری کائنات میں ہر چیز کا اپنا ایک مقام ہے اور اس کی مخصوص ذمہ داری ہے۔ یہ وسیع و عریض کائنات، یہ پہناور زمین اور ہمارے سر پر موجود یہ نیلگوں آسمان، ان سب پر نظم و ضبط کا ایک قانون حاکم ہے۔ یہ محدود و لا متناہی اور بیکراں کائنات باہم کتنی منظم ومربوط ہے نہ ستاروں کی جگہ چاند نے لی اور نہ دن میں رات ہوئی، نہ موسموں میں موسم مدغم ہوئے۔ نہ خار کی جگہ پھول اگ سکے۔ اتنے بڑے نظامِ شمسی اور نظامِ ارض کے ستارے، سیارے، سورج، چاند، نباتات وجمادات، پانی اور ہوا قدرت کے سب اسیر نظر آتے ہیں جس کی بنا پر دریاؤں کی طغیانی ہو یا پہاڑوں کی آتش فشانی، ہواؤں کی جولانی ہو یا آبشاروں اور ندیوں کی روانی، سب میں نظامِ قدرت کا ایک نظم وضبط کارفرما نظر آتا ہے۔ اور اس نظم و ضبط کو کائنات میں رونما ہونے والے تمام اموراور حقائق میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ دراصل کائنات کی تخلیق اس کا نظم و ضبط اور پختگی میں اس کے بنانے والے رب العالمین کی تدبیر مضمر ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات میں نظم وضبط کو یوں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿والْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ۰ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ۰ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴾[16]

ہم نے زمین کو پھیلایا، اُس میں پہاڑ جمائے، اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی۔ اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے، تمہارے لیے بھی اور اُن بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو -کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ - وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ -لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾[17]۔

اور سورج کے لئے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے یہ ہے مقرر کردہ غالب، باعلم اللہ تعالیٰ کا-اور چاند کی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں۔ کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔

بقول ایک شاعر:

جہاں چوں خدوخال و چشم وابروست　　کہ ہر چیزی بہ جای خویش نیکوست

اللہ تعالیٰ نے اتنی منظّم و مربوط کائنات بنائی کہ جس میں ہر چیز اپنے معینہ وقت رواں دواں ہے۔ اور نظام الاوقات کی سختی سے عمل کر رہی ہے۔ ہمارے لئے یہ کائنات ایک نمونہ ہے جس طرح کائنات کے مختلف عناصر ضابطۂ الٰہی کی پابندی کر رہے ہیں ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ ہم بھی اپنی زندگی کے امور کو منظم و مرتب کریں۔

## (ب) تخلیق انسان اور نظم وضبط:

تخلیق انسان پر نگاہ دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق نظم و ضبط کی منہ بولتی تصویر ہے۔انسان بھی اسی کائنات کا ایک اہم جز ہے جس میں بھی نظم و ضبط کا بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ ہر انسان کی زندگی ایک طبیعی قانون کے تحت پروان چڑھ رہی ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو صحیح سالم پیدا کیا اور بہترین صورت عطا کی، اس کا دماغ، اعصاب، خون کی گردش اور تنفس، دل کی دھڑکن، پھیپڑوں کی حرکت اور ان جیسے کئی امور اور حرکات جو بدن انسانی میں انجام پا رہی ہیں، ایک خاص نظم کے تابع ہیں۔ اگر انسانی جسم میں بے نظمی پیدا ہوجائے یا کوئی بیماری اس کا نظم بگاڑ دے (جبکہ بے نظمی بذات خود ایک بیماری ہے) تو ایسا انسان کئی چیزوں سے محروم ہوجاتا ہے۔ بالکل یہی حال انسان کے کاموں کا ہے، زندگی انفرادی ہو یا

اجتماعی اگر اس میں نظم وضبط نہ ہو تو اسے ہمیشہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

دراصل نظم و ضبط، اعتدال اور توازن، انسان کی شخصیت میں راسخ اخلاق و عادات سے منعکس ہوتا ہے۔ جو اسے حقوق و فرائض میں توازن و اعتدال کا خوگر بنا دیتی ہے۔ انفرادی و اجتماعی رویوں میں نظم و ضبط، انسان کی فکر کے منظم ہونے میں موثر عامل ہے۔ جس شخص کے تمام کام منظم ہوں تو اس کی فکر میں بھی ایک خاص نظم پیدا ہو جاتا ہے۔ انسان اس خصوصیت کا حامل ہونے کے ساتھ ترقی و کمال کے زینے با آسانی طے کر سکتا ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

پابندیٔ تقدیر کہ پابندیٔ احکام — یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خرد مند
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر — ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند[18]

## (ج) اسلام نظم وضبط کا مرقع:

اسلام ایک مکمل دین الٰہی ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب میں سے صرف اسلام ایسا مذہب ہے جو اپنے متبعین کو سب سے زیادہ نظم وضبط سکھاتا ہے۔ احکام الٰہیہ کی پابندی کا دوسرا نام نظم وضبط ہے۔ نظم وضبط آنحضرت ﷺ کی سنت کی اتباع میں پنہاں ہے۔ نظم وضبط کی اعلیٰ ترین مثال رسول ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔ اسلام کے فرائض، احکام اور آداب انسان کو اس کی زندگی میں نظم وضبط پیدا کرنے کی طرف متنبہ کرتے ہیں کیونکہ اسلام کی تمام تر عبادات مثلاً: نماز، روزہ، زکوۃ، حج، صدقات وغیرہ اور ہر معاملہ نظم وضبط سے عبارت ہے۔ قرآن کریم کسی ادارہ یا جماعت کے امور میں نظم وضبط کو لازمی قرار دیتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[19]۔

بے شک مؤمن صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ پہ ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ انکے ساتھ کسی اجتماعی کام پہ ہوتے ہیں تو اجازت لیے بغیر نہیں جاتے۔ یقیناً جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی اللہ اور اسکے رسول ﷺ پہ ایمان رکھنے والے ہیں۔ تو جب وہ آپ ﷺ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں، اور ان کے لیے اللہ سے بخشش طلب کیجئے یقیناً اللہ تعالیٰ نہایت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ کیا خوب کہا:

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات　　مؤمن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند[20]

## اسلامی ریاست کی ذمہ داری: نظم و ضبط

ہر ریاست کی کچھ حقوق و فرائض اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں جنہیں وہ اپنے عوام کی فلاح و بہبود کیلئے انجام دیتی ہے۔ انہی ذمہ داریوں اور فرائض وظائف میں سے ایک ذمہ داری یہ ہے کہ ارباب حل وعقد، اپنی رعایا کو زندگی کے امور میں کس طرح نظم و ضبط کا پابند بناتا ہے وہ کون سے طور طریقے ہیں جنہیں اختیار کر کے حکومت وقت اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ بر آ ہو سکتی ہے۔ ذیل میں سیرت مطہرہ کی روشنی میں ان امور کی نشاندہی کی جارہی ہے جن کی بدولت کوئی بھی اسلامی ریاست اپنی رعایا کو نظم وضبط کا پابند بنا سکتی ہے۔

## عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے طریقے

- **حکمرانوں کی اسلامی تربیت:**

اسلام نے حکومت وسیاست میں حکمرانوں اور عوام کے باہمی تعلق اور ہر ایک کے حقوق اور ذمہ داریوں کو بیان فرمادیا۔ اسلام حکمرانوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دیتا ہے اور ان کی ایسی تربیت کرتا ہے جس کے نتیجے میں حکمران کے دل میں دینی اور اخلاقی اوصاف جمیلہ، حق کی پیروی، شریعت کے نفاذ کی تڑپ پیدا ہو سکے۔ اسلام نے اجتماعی تعلقات، معاشرتی امور کا نظم ونسق اور سیاست و حکومت جیسے اہم امور جو کہ انسان کی شخصیت اور سعادت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں مکمل ہدایت و راہنمائی کی ہے۔

اسلام حکمرانوں کی اطاعت کو واجب قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا اَطِيعُوا اللّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُوْلِي الاَمْرِ مِنكُمْ ﴾[21]

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اپنے میں سے اختیار والوں کی۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں:

"إن الله يزع بالسلطان ما لا يزع بالقرآن"[22]

اللہ تعالیٰ حکمران کی قوت سے اصلاح کر دیتا ہے۔ جو کہ قرآن (کی قوت) سے اصلاح نہیں حاصل کرتا ہے۔

حکومت اور سیاست بھی انہی اصول و قوانین کے تحت کامیاب ہوتی ہے جو اسلام کے وضع کیے ہیں۔ چنانچہ خاص کر حکمران اور اعلیٰ عہدیداران کے اقوال وافعال، اجتماعی اور انفرادی زندگی، قانونی ضابطوں اور زندگی کے دیگر نظم وضبط کا آئینہ ہونی چاہیئے۔ جن کی قیادت، بلند ارادے غیر متزلزل، سچا عزم اور استقامت کے ہاتھ میں ہو وہی قوم کامیابیوں کی منازل طے کرتی ہے۔ حکمرانوں کی اسلامی تربیت اور رعایا کی حکمرانوں کی اطاعت سے ان میں نظم وضبط جیسے اوصاف حمیدہ پیدا ہو سکیں گئے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کا بطور حکمران قدوہ

حسنہ ہے۔

**نظم و ضبط:**

نظم و ضبط کسی بھی معاشرہ کی بہتر تشکیل و تنظیم کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حکمران پر ضروری ہے کہ وہ نظم وضبط کو اعلیٰ سطح سے لے کر نچلی سطح تک زندگی کے تمام امور میں نظم وضبط کا نفاذ یقینی بنائے کیونکہ اس سے اوقات منظم اور قابو میں رہتے ہیں۔ جب امور منظم و مرتب ہو جائیں تو کامیابیاں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں۔ نظم وضبط ایسا وصف ہے جس سے نہ معاشرہ کا کوئی فرد مستغنی ہے نہ معاشرہ اس سے بے نیاز ہوتا ہے بلکہ حکومت کے ذمہ دار افراد کو تو سب سے زیادہ اس کی ضرورت ہے کہ ان کے امور و معاملات منظم ہوں اور حالات ان کے قابو میں رہیں۔

- **ذمہ داریوں کی تقسیم:**

ایک حاکم پر لازم ہے کہ وہ حکومت کے ذمہ داران میں نظم وضبط کے تحت ذمہ داریوں کو تقسیم کرے اور اس کام کے لئے مناسب افراد کا انتخاب کرے اور اگر کام صحیح طور سے انجام نہ پائے تو اس کا سبب تلاش کرے۔ رعایا کے ہر فرد اور کارکن کی ذمہ داری کو معین کرنا ایک لازمی اقدام ہے۔ اس طرح وہ اپنی ذمہ داریوں کو دوسرے کے کاندھے پر نہیں ڈالیں گے۔ کیونکہ کاموں کی بے ضابطگی اور ذمہ داریوں کا معین نہ ہونا طاقت کے بلا وجہ ضائع ہونے، سے نظام میں گڑبڑ اور خسارہ کا باعث ہے۔ سیرت طیبہ میں سیکڑوں مثالیں ہیں جن میں آنحضرت ﷺ صحابہ کرامؓ کے مابین ذمہ داریوں کو تقسیم کرتے تھے۔ مثلاً ہجرت کی رات آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو لوگوں کی امانتیں اُن تک پہنچانے کی ذمہ داری سونپی۔

- **احکام الٰہی کی تنفیذ:**

اسلامی ریاست کے حکمرانوں اور ذمہ داران کا یہ فریضہ ہے کہ اطاعت خداوندی اور اتباع رسول ﷺ کو اپنا شعار بنائیں اور اپنے اپنے دائرہ کار سے وابستہ ماتحتوں اور رعایا پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تنفیذ کے لئے کتاب و سنت پر مبنی قانون وضع کریں اور عوام النّاس کو ان زرّیں احکامات کی عملی تنفیذ کروائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿الَّذِينَ اِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَاَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (23)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوٰتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔

جب کسی ریاست میں احکام الٰہی کا عملاً نفاذ ہو گا تو عوام الناس بجا طور پر ان پر عمل پیرا ہو گے۔ اور جب عوام النّاس قرآن وسنت کی اتباع کریں گے تو ان احکامات کی تعمیل سے ان کے اندر نظم وضبط پیدا ہو گا۔ گویا عوام

النّاس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کا ایک زرّیں اصول انہیں احکام الٰہی کی پیروی کا پابند بنانا ہے۔ آئندہ سطور میں تفصیلاً بیان کیا جائے گا کہ احکام الٰہیہ کی پابندی انسان کو کس طرح نظم وضبط سکھاتا ہے اس لئے ارباب اقتدار کا یہ مذہبی و دینی اور ملی ذمہ داری ہے کہ وہ رعایا کو احکام الٰہی کی پاس داری کی تلقین کریں۔

○ **حاکمیت کا سرچشمہ صرف اللہ کی ذات:**

اسلامی تعلیمات کے مطابق حاکمیت کا حق فقط اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسری ذات کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ مکمل اور مطلق ولایت فقط اللہ وحدہ لاشریک کو حاصل ہے۔ اس کی ولایت کے مقابلے میں کسی کو بطور مستقل ولایت حاصل نہیں ہے اور اگر کسی کو ولایت حاصل ہے تو اس کا منبع اور سرچشمہ اللہ کی ولایت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّه اَمَرَ اَلاَّ تَعْبُدُوا إِلاَّ إِياه ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيمُ وَلَكِنَّ اَكْثَرَ النَّاس لاَيعْلَمُونَ[24]

حکم کرنے کا حق صرف خدا کو ہے اور اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے کہ یہی مستحکم اور سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں۔

اس اسلامی ریاست کے سربراہان کی لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسا انتظامی حکم نہ دے جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق)) (25)خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

اگر کسی بھی ریاست میں حاکمیت الٰہی کے مطابق فیصلے ہوں گے یقیناً اس سے ملک میں نظم وضبط قائم ہو گا۔ کیونکہ تعلیمات اسلام فطری ہیں اور نظم وضبط کا درس دیتی ہیں۔ کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو گی۔ اس طرح اس ریاست کے عوام میں قدرتی طور پر نظم وضبط پیدا ہو گا۔

○ **نظم و ضبط اور عبادات:**

اللہ رب العالمین نے دین اسلام کے احکامات کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ جن میں سر دست عبادات ہیں جن میں نماز، روزہ، حج وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ نمونے کے طور پر چند عبادات ذکر کی جاتی ہے اور یہ معلوم کیا جائے گا کہ عبادات کس طرح انسانوں میں نظم وضبط پیدا کرتی ہیں۔

**(ا) نماز نظم و ضبط کا بہترین نمونہ:**

تمام نمازیں اپنے وقت میں ادا کرنا فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾[26] بے شک نماز مؤمنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہے۔

ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ کے ہاں کون سا عمل زیادہ پسندیدہ ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((الصلوة لاوّل وقتها))[27] اپنے وقت پر نماز پڑھنا۔

نماز کی ادائیگی کے لئے اذان کا حکم دیا گیا ہے۔ اذان کے کلمات کو ترتیب سے ادا کرنا ضروری اور لازمی ہے جو نظم و ضبط کا بہترین مظہر ہے۔ اسی طرح نماز کے لئے وضو کو شرط قرار دیا ہے جس میں ترتیب کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔ بندہ مؤمن اپنے بدن، کپڑے اور جگہ کو پاک صاف کر کے نماز کی تیاری کرتا ہے، مسواک کرتا ہے اور زینت اختیار کرتے ہوئے مسجد کی طرف رخ کرتا ہے، نماز کے لئے صف بندی اور صفوں کی درستگی بھی لازمی ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((سووا صفوفكم فان تسوية الصف من تمام الصلاة)) [28]

اپنی صفوں کو سیدھا کر لیا کرو اس لیے کہ صف کی درستگی نماز کے مکمل ہونے میں سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ہمارے کندھوں کو چھوتے اور فرماتے: برابر ہو جاؤاور کجی نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی تم میں سے سمجھ دار اور دانشمند لوگ میرے قریب کھڑے ہوں پھر جو ان سے قریب ہوں پھر جو ان سے قریب ہوں۔ [29]

پھر صف میں منظم طریقے سے کھڑا ہونے کے بعد امام کی پیروی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إنَّما جُعِلَ الإمامُ ليؤتمَّ به، وإذا ركَع فارْكعوا وإذا قال: سمِعَ اللهُ لِمَن حمِدَه، فقولوا: اللهمَّ ربَّنا ولك الحمد وإذا سجَد فاسجدُوا، وإذا صلَّى جالسًا، فصلُّوا جلوسًا فإذا صلَّى قائمًا فصلُّوا قيامًا..)) [30]

امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، جب وہ رکوع میں چلا جائے تب تم رکوع کرو، وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہہ لے پھر تم کہو ربنا لک الحمد، جب وہ سجدے میں چلا جائے تو تم سجدے میں جاؤ، جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

نیز نمازوں کی رکعات، قرأت، ارکان و شرائط میں شریعت کی بتلائی ہوئی ترتیب ضروری ہے۔ اگر کوئی اپنی مرضی سے کمی بیشی کرنا چاہے تو اس کی عبادت قبول نہیں ہے۔

**(ب) روزہ نظم و ضبط کا بہترین شاہکار:**

تعلیمات نبویہ کی روشنی میں جسدِ انسانیت سے مادیت کے طوفان ہر آن اُٹھتے رہتے ہیں اگر ان طوفانوں کے سامنے بند نہ باندھا جائے تو یہ خاکی بدن ہوس کا مظہر بن کر رہ جائے، خواہشاتِ نفسانی اس

قدر سر کش اور غالب ہو جائیں کہ انسان ان پر کنٹرول نہ کر سکے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ضبطِ نفس اور مادیت کے غلبے سے بچانے کے لئے روزے جیسے عظیم عبادت کا انعام فرمایاہے تاکہ انسان کی روح اور جسم میں توازن برقرار رہےاور اس کے اندر نظم و ضبط پیدا ہو۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے ((الصَّوْمُ جُنَّةٌ))[31]"روزہ ڈھال ہے"روزہ کی حالت میں انسان سحری کے بعد غروبِ آفتاب تک کھانے وپینے اوراس کی زبان کا جھوٹ، غیبت، چغلی اور کانوں کا بے ہودہ باتوں کے سننے، نگاہوں کا خیانت، ہاتھوں کا کسی کو ایذا دینے، پاؤں کا غیر شرعی سفر سے رک جانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ گویا روزہ انسان کو ہر برائی اور ہر خطا سے بچاتا ہےاور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کا پابند بنانے کا بہترین شاہکار ہے۔ مگر افسوس روزہ جس کا مقصد ہی تقویٰ اور نظم و ضبط پیدا کرنا ہے وہ محض فاقہ کشی بن کے رہ گیا ہے۔

## (ج) حج نظم و ضبط کا جامع پروگرام

"حج" اسلام کا اہم ترین رکن اور امت مسلمہ کے لئے عظیم فریضہ ہے. حج اسلام کے استحکام کا ضامن اور نظم و ضبط کا جامع پروگرام ہے۔ حج صبر، جدوجہد اور نظم وضبط کا سبق دیتا ہے۔ حج ایک تبدیلی کا نام ہے۔ وہ تبدیلی حاجی کے اعدات، کیفیات، حالات اور معاملات سے دیکھی جاسکتی ہے۔ تمام حجاج کا ایک جیسا لباس، ایک وقت کا تعین، ایک جیسے مخصوص مناسک حج اور ہر ایک کی زبان پر ایک کلمہ وغیرہ انسانی زندگی میں نظم وضبط پیدا کرنے کا جامع پروگرام ہے۔

اگر ہم حج کے دوران ہونے والے سانحات کا تجزیہ کریں تو سب سے اہم بات مسلمانوں میں نظم و ضبط کا فقدان ہے حالانکہ ہمارے دین کا بنیادی نقطہ ہی نظم وضبط ہے۔ ایسے افسوسناک واقعات کا وقوع پذیر ہونا مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ بھی ہے کہ ہم عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کرنے میں کیوں کامیاب نہیں ہو پارہے۔ اگر ہر انسان خود ہوش مندی کا مظاہرہ نہیں کرے گا تو لاکھوں افراد کے اجتماع میں چھوٹی سی بے قاعدگی کو ایک بڑے سانحے میں بدلنے میں دیر نہیں لگے گی۔

غرض کہ ہر عبادت نظم وضبط کا مرقع ہے۔ جو نظم و ضبط کا درس دیتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے عبادت کے لئے خاص وقت، مقدار، طریقہ کار کی راہنمائی فرمائی ہے۔ جس میں وقت، مقدار، کیفیت اور طریقہ ترتیب کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اسی توازن اور نظم وضبط کو آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ لہٰذا مؤمن وہ ہی ہو سکتا ہے جو عبادات اور معاملات کو شرعی ترتیب کے مطابق انجام دے۔ نیز اپنے دنیاوی کام بھی نظم وضبط کے ساتھ انجام دے، اس سے وقت میں برکت ہو گی اور زیادہ سے زیادہ وقت اطاعت میں گزرے گا۔

- **تفرقہ بازی سے اجتناب:**

نظم وضبط قائم کرنے کا یہ بنیادی قرآنی اصول تفرقہ بازی سے مکمل اجتناب کرنا ہے۔ اور یہی ہے مطلب اس آیت کریمہ کا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَّلَاتَفَرَّقُوْا﴾[32]

اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔

"اعتصام بحبل الله جميعا" کا درس دے کر واضح کر دیا کہ نجات، اتحاد اور نظم وضبط اسی پر قائم ہو سکتا ہے اور برقرار رہ سکتا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((يَدُ الله مَعَ الْجَمَاعَةِ))[33].

اللہ تعالی کی تایید جماعت سے وابسطہ ہے۔

○ **اسلامی ضابطۂ حیات کی تنفیذ:**

کوئی بھی ریاست جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر قائم نہیں ہوتی بلکہ ان اصول وضوابط پر ہوتی ہے جن کی اساس اسلامی ضابطۂ حیات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع جو مکمل طور پر انسانیت کے تحفظ کیلئے بہترین ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو حریت انسانی کا بین الاقوامی منشور ہے۔ اس خطبے میں نوع انسانی کو پہلی مرتبہ عدل وانصاف، مساوات اور مؤاخات کے زریں اور ابدی اصول فراہم کیے ہیں اس خطبے نے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دی۔ جو ذلت، پستی، ظلم، تشدد استحصال کا شکار تھے انہیں دوسرے انسانوں کے برابر بیٹھنے کا موقع ملا۔ اسی ضابطہ حیات کی درج ذیل شقیں لائق حوالہ ہیں۔

**(ا) حق مساوات:**

مساوات کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسانوں کے حقوق برابر ہیں، ان کا اپنا مقام ہے اور ان کے لیے یکساں مواقع فراہم ہیں، کوئی شخص اپنے خاندان، قبیلہ، وغیرہ کی وجہ سے الگ نہیں ہے بلکہ سارے لوگ ایک ہی ہیں، اسلام لوگوں کے درمیان ان کی نسل، رنگ، لباس، زبان کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کرتا، اگر فرق کرتا ہے تو بس ان کے تقوی اور پرہیزگاری کے اعتبار سے ارشاد نبوی ہے:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى))[34]

لوگو آگاہ رہو تمہارا پروردگا ایک ہے آگاہ رہو کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی اور نہ کسی گورے کو کالے اور نہ کسی کالے کو گورے پر فضیلت حاصل ہے مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔

یہ خطبہ اسلام کے معاشرتی نظام کی راسخ بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ معاشرتی مساوات نسلی افتخار ومباہات کا خاتمہ عورتوں اور غلاموں کے حقوق کا پاسدار ہے۔ غلاموں سے حسن سلوک ایک دوسرے کے جان ومال کا احترام سکھاتا ہے یہی وہ ضابطہ حیات ہے جو کہ اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد ہے جن پر یہ نظام قائم ہے۔

**(ب) قانون وضابطہ:**

حکمران و عمال حکومت، اور عام شہریوں کے لئے ایک ہی قانون و ضابطہ ہو اور شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہو ناچاہیے اور قانونی مواخذہ سے کوئی بالا تر نہ ہو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ρ سے روایت ہے کہ قریش کی مخزومی عورت کے بارے جس نے چوری کی تھی، سفارش کی گئی تو رسول اللہ ﷺ فرمایا:

((إنَّماأهْلَكَ الَّذينَ من قبلِكُم أنَّهم كانوا إذا سَرقَ فيهمُ الشَّريفُ ترَكوهُ وإذا سرقَ فيهمُ الضَّعيفُ أقاموا عليهِ الحدَّ . وأيمُ اللَّهِ ! لَو أنَّ فاطمةَ بنتَ محمَّدٍ سرَقَت لقطعتُ يدَها))[35].

اے لوگو! تم میں سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا گیا، اس میں سے جب کوئی معزز چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور ان میں سے کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

**(ج) عدل وانصاف کا قیام:**

عدل کا معنی ہے کہ ہر مستحق کو اس کا حق دینا جس کا وہ مستحق ہے، سربراہ حکومت کو چاہیے کہ وہ عدل وانصاف کے قیام کا نفاذ کرے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ﴾[36] اللہ تعالی عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔

نیز ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ﴾[37]

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

حق وانصاف کے محور سے گریز حاکم کے دل میں بہت سے گرہوں اور رکاوٹوں کو جنم دیتے ہیں جن کی وجہ سے وہ حق وحقیقت کے مرکزی نقطہ سے دور ہو جاتا ہے اور اس پر توجہ نہیں کر پاتا۔ ان تمام فسادات کی جڑ نفس ہے لہذا اپنے نفس کو قابو میں رکھنا چاہیے اور اس کی خواہشوں کو خدا کی رضا اور خوشنودی کی راہ میں ذلیل وحقیر بنا دینا چاہیے۔

**(د) اقلیت کے حقوق کی پاسداری**

اسلامی ریاست میں بسنے والے چونکہ صرف مسلمان ہی نہیں ہوتے، بلکہ غیر مسلم بھی ہوتے ہیں تو ریاست میں مقیم ہر مسلم وغیر مسلم کی کفالت اس نظام کا حصہ ہے۔ لہذا انہیں وہ تمام حقوق حاصل ہونے چاہیے جو شریعتِ اسلامیہ نے ان کو عطا کئے ہیں یعنی تحفظ جان و مال و آبرو، آزادیٔ مذہب، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ اکتسابِ رزق، آزادیٔ اظہارِ رائے، ترقی کے مواقع میں یکسانی وغیرہ۔

### (ھ) اعتدال پسندی اور میانہ روی:

عوام النّاس کو نظم و ضبط کے اصولوں کا پابند بنانے کا ایک بنیادی عنصر میانہ روی اور اعتدال پسندی ہے۔ اسلام اعتدال وتوازن اور عدل واستقامت کا دین ہے۔ اسلام کی تعلیمات غلو و تقصیر اور افراط و تفریط سے پاک ہیں۔ نہ اس میں انتہا پسندی ہے اور نہ غلو و تقصیر، اسلام میں میانہ روی اور اعتدال بہت اہمیت دی گئی ہے قرآن وسنت کی بے شمار نصوص میں میانہ روی اور اعتدال کے راستے کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ شدت پسندی، غلوّ اور بے جا تکلّف سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لاَ يُكَلِّفُ اللّهُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا ﴾[38]

اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((سددوا وقاربوا، واغدوا وروحوا، وشيئا من الدلجهة والقصد القصد تبلغوا)) [39]

اپنے اعمال درست کرو، میانہ روی اختیار کرو۔ کچھ سفر صبح کر لیا کرو، کچھ شام کو اور کچھ رات کے آخری پہر میں۔ اس طرح میانہ روی اختیار کروگے تو منزل مقصود تک آسانی سے پہنچ جاؤ گے۔

اسلام وسطیت اور افراط و تفریط سے پاک متوازن ومعتدل ہونے کا داعی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالی نے امت مسلمہ کو امت وسط قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا ﴾[40] اور (مسلمانو!) اس طرح ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنایا ہے۔

امت وسط ہونا اس امت کا خاصہ ہے اور وسط امت ہونے کا تعلق جس طرح عقیدے اور نظریات سے ہے، اسی طرح اعمال کے ساتھ بھی ہے، جو قومیں اعتدال ومیانہ روی اختیار کرتیں ہیں ان میں نظم وضبط پیدا ہو جاتا ہے اور جو قومیں میانہ روی اور اعتدال کے راستے کو چھوڑ کر غلو اور شدت سے کام لیتے ہیں، وہ بد نظمی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں خواہ وہ مذہبی، معاشی یا معاشرتی معاملہ ہو اعتدال وتوسط کی روش اختیار کرے۔ یہی عمل صالح کی راہ ہے اور یہی نظم وضبط کے حصول کی کلید ہے۔

### ○ قدوہ حسنہ کا اتباع:

نظم وضبط کی سعادت حاصل کرنے کا اہم ترین وسیلہ اور کامیابی وکامرانی کی اصل کلید انبیائے کرام علیہم السلام بالخصوص سرور کائنات ﷺ کی سیرت طیبہ کا اتباع ہے۔ حکومت وقت کو چاہیے کہ وہ قدوہ حسنہ یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگیوں کا اتباع کریں اور رعایا کو اس کا پابند بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگیوں کو ہمارے لئے مشعل راہ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أُولٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ﴾[41] یہ لوگ وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی، لہٰذا (اے پیغمبر!)

تم بھی اُنہی کے راستے پر چلو۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی زندگی کو مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾[42] یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔

اگر ہم ان بابرکت شخصیات کے اوصاف کریمہ ایمان وتوکل، خلوص وشجاعت، ترتیب وتنظیم اور زہد وتقویٰ کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنالیں تو ہماری زندگیوں میں یقینا نظم وضبط پیدا ہو جائے گا۔

- **صالح افراد کا نمونہ**

نیک صالح شخصیات کی کامیابیوں کا ایک اہم رازان کی زندگی میں نظم و ضبط کا ہونا ہے۔ ان کا نظم و ضبط اور ان کی قربانی اور محنتوں کو دیکھ کر انسان کا عزم وارادے بلند ہو جاتے ہیں۔ انسان کے لئے مشکل سے مشکل کام سرانجام دینا آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ہمنوا کی صحبت سے بہت ہی متاثر ہوتا ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((ومن يستعفف يعفه الله ومن يستغن يغنه الله ومن يصبر يصبره الله وما أعطي أحد من عطاء خير وأوسع من الصبر))[43]۔

جو شخص پاکدامن افراد کی مماثلت اختیار کرلے، اللہ تعالیٰ اسے پاکدامنی کی زینت عطا فرمادیتے ہیں۔ اور جو شخص غنی ہونے کا مظاہرہ کرے، اللہ تعالیٰ اُسے غنی فرمادیتے ہیں۔ اور جو شخص صابروں جیسی مماثلت بنالے، اللہ تعالیٰ اُس کے اندر صبر کی روح پیدا کردیتے ہیں۔ اور کسی بھی شخص کو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔

جس طرح انسان اچھی صحبت سے متاثر ہوتا ہے اسی طرح بری صحبت کے اثرات بھی قبول کرتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ جَارِ السُّوءِ، وَمِنْ زَوْجٍ تُشَيِّبُنِي قَبْلَ المَشِيبِ، وَمِنْ وَلَدٍ يَكُونُ عَلَيَّ رَبّاً، وَمِنْ مَالٍ يَكُونُ عَلَيَّ عَذَاباً، وَمِنْ خَلِيْلٍ مَاكِرٍ عَيْنُهُ تَرَانِي، وَقَلْبُهُ يَرْعَانِي؛ إِنْ رَأَى حَسَنَةً دَفَنَهَا، وَإِذَا رَأَى سَيِّئَةً أَذَاعَهَا))[44]

اے اللہ! میں تجھ سے بُرے پڑوسی، بُری بیوی جو بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کردے، اور ایسی اولاد سے جو میرا آقا بنے، اور ایسے مال سے جو میرے لئے عذاب کا باعث بنے، اور ایسے دوست سے جو دھوکہ باز ہو اگر وہ میری نیکی دیکھتا ہے اسے ظاہر نہیں کرتا ہے اور اگر برائی دیکھتا ہے اسے خوب مشہور کرتا ہے، سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

نیک وصالح افراد کی صحبت اور انہیں دوست بنانے سے بہت زیادہ اخلاقی مدد ملتی ہے۔ کیونکہ پاکباز ہستیاں لوگوں کی اخلاقی تربیت کرتے ہیں اور انہیں دین کی راہ میں آنے والی مشکلات پر صبر و استقامت کی تلقین کرتے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ان من الناس مفاتيحٌ للخير مغاليقٌ للشر، وان من الناس مفاتيحٌ للشر مغاليقٌ للخير))[45]

لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو بھلائی کے راستہ پر گامزن کرنے کی چابیاں اور بدی کا راستہ بند کرنے والے ہیں، اور لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو برائی کے راستہ پر گامزن کرنے کی چابیاں ہیں اور وہ نیکی کے راستہ کو بند کرنے والے ہیں۔

**نیک لوگوں کا ہم نشین اُن سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔**

علمائے تربیت کے ہاں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کسی کو نمونہ بنانے سے، گفتگو اور نصیحت کی نسبت جلد متاثر ہوتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلْ))[46]

انسان اپنے دوست کے دین (طور طریقہ) پر ہوتا ہے لہٰذا تم میں سے ہر ایک کو سوچ سمجھ کر دوست کا انتخاب کرنا چاہیئے۔

گویا انسان اپنے دوست و ہم نشین کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے، کچھ طبیعتیں تو ایک دوسرے کی عادات کو غیر شعوری طور پر چوری کر لیتی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے بہترین ہم نشین کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ يُذَكِّرُكُمُ اللَّهَ رُؤْيَتُهُ وَزَادَ فِي عَمَلِكُمْ مَنْطِقُهُ وَذَكَّرَكُمُ الآخِرَةَ عَمَلُهُ))[47]

جسے دیکھنے سے اللہ یاد آئے، جس کی گفتگو تیرے عمل میں اضافے کا باعث بنے اور جس کا عمل تجھے آخرت کی یاد دلائے۔

لہٰذا نظم و ضبط پیدا کرنے کے لئے نیک و صالح افراد کی صحبت اختیار کرنی چاہیے اور بری صحبت سے اجتناب کرنا چاہیے۔

○ **تعلیم و تربیت:**

اسلام علم کو مقصود حیات قرار دیتا ہے مسلمانوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے علم کو کبھی وسیلہ نہیں سمجھا بلکہ مقصد سمجھا۔ علم دین وسیلہ نہیں بلکہ مقصد ہے اس کو کسی وسیلے کے لیے حاصل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس لیے حاصل کیا جاتا ہے کہ اس کا حصول فرض ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ تعلیم کا اصلی مقصد صرف انسانی پیدائش کے منشاء کو پورا کرنا، اچھے اخلاق اپنے آپ آراستہ ہونا اور دوسروں کو آراستہ کرنا، اپنے علم کی روشنی سے جہل اور نادانی کے اندھیروں کو دور کرنا، نہ جاننے والوں کو سکھانا، بھولے بھٹکوں کو راہ دکھانا، حق کو پھیلانا اور باطل کو مٹانا ہے۔ ارشاد

باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴾[48]

بتلاو تو بھلا! علم والے اور بے علم، کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔

اس لئے اسلامی ریاست کا یہ اولین فریضہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کے لئے دینی تعلیم و تربیت کا بندوبست کریں، کیونکہ تعلیم وتربیت یہ نہ صرف انسان کو مہذب بناتی اور اس کے اخلاق و کردار کو سنوارتی ہے بلکہ زندگی کے دشوار گزار اور پُرپیچ راستوں پر چلنے کے لئے اس کے اندر نظم و ضبط بھی پیدا کرتی ہے۔ انسان جس قسم کی تعلیم حاصل کرتا ہے اس کے سیرت و کردار پر اسی قسم کے نقوش پختہ ہو جاتے ہیں اور پھر انہی نقوش کے مطابق وہ اپنی زندگی گزارتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دین کا علم اور سمجھ پیدا کرنے کے لئے بڑی جدوجہد فرمائی۔ اسی دینی تربیت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام ؓ کی زندگیاں نظم و ضبط کا شاندار نمونہ تھیں۔

- **نظم و ضبط اور دعوت:**

دعوت و تبلیغ میں نظم و ضبط کا خیال رکھنا بہت اہم اور ضروری ہے۔ قرآن کریم میں اس حوالے سے حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ فرعون نے جادوگروں کے مقابلہ کے لئے حضرت موسیٰ ؑ سے وقت اور جگہ کے تعین کی دوخواست کی اور یہ تجویز کیا کہ ایسے مقام پر ہونا چاہئے جو آل فرعون اور حضرت موسیٰ ؑ و بنی اسرائیل کے لئے مسافت کے اعتبار سے برابر ہو تاکہ کسی فریق پر زیادہ دور جانے کی مشقت نہ پڑے اور دونوں طرف کے لوگ ایک معین وقت میں وہاں جمع ہوں۔ نہ تم اس کی خلاف ورزی کرو نہ ہم کریں۔ اور وہاں پر معاملہ سب کے سامنے اور پوری طرح واضح ہو جائے۔ ﴿ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلا أَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴾[49]۔ پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کرلے۔ کہ نہ ہم اس کا خلاف کریں اور نہ تو، صاف میدان میں مقابلہ ہو۔

حضرت موسیٰ نے اس کو قبول کر کے دن اور وقت کی تعیین اس طرح فرما دی: ﴿قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴾[50] تو تم بھی اپنا کوئی داؤ اٹھا نہ رکھو، پھر صف بندی کر کے آؤ، جو آج غالب آگیا وہی بازی لے گیا۔

چنانچہ فرعون نے اپنے اعوان وانصار سے کہا تم اپنا ارادہ اور اپنی خفیہ تدبیر پختہ اور مستحکم کرو اور پھر صف کی صورت میں اکٹھے ہو کر میدان میں آؤ، تاکہ سب پر تمھارا رعب پڑے اور دفعتاً ایسا حملہ کرو کہ حریف کے قدم اکھڑ جائیں۔ ﴿فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴾[51] تو تم (جادو کا) سامان اکٹھا کرلو اور پھر قطار

باندھ کر آؤ اور آج جو غالب رہا وہی کامیاب ہوا۔

رسول اللہ ﷺ بھی خطبہ جمعہ، عید، حج وعظ غرض تعلیم و تربیتِ عوام کے بیشمار مواقع پر نظم و ضبط کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔

○ **نظم و ضبط اور جہاد**

عسکری طاقت کی پرورش ہی نظم و ضبط کا شاخسانہ ہوتی ہے۔ اگر وہ قانون اور نظم و ضبط کا خیال نہ رکھیں اور ان کے مطابق عمل نہ کریں تو اسلحے کی فراوانی اور عددی برتری کے باوجود دشمن کے آگے سینہ سَپر نہ ہو سکیں۔ اس سے انحراف فتح کو شکست میں بدلنے کے مترادف ہوتا ہے۔ نظم و ضبط اور قوانین سے انحراف کی بعض اوقات بہت زیادہ سزا ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوہِ احد کے موقع پر صحابہ کرام ؓ کے ایک دستے کو ایک درے پہ یہ کہتے ہوئے تعینات کیا:

((إِنْ رَأَيْتُمُونَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ فَلا تَبْرَحُوا مِنْ مَكَانِكُمْ حَتَّى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ))[52]

اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اچک لے گئے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں تمھارے پاس کسی کو بھیجوں۔

اسی طرح حنین کے موقع جب مسلمانوں نے نظم وضبط کی خلاف ورزی کی اور اللہ کی مدد کی بجائے اپنی کثرت تعداد پر اعتماد زیادہ ہو گیا تو انہوں نے نظم و ضبط کا خیال نہ رکھا جس کی پاداش میں انہیں نقصان اٹھانا پڑا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ﴾[53]

یقیناً اللہ نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا، لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس کے برخلاف دشمنوں نے نظم وضبط کا عملی مظاہرہ کیا اور فتح حاصل کر لی۔ حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں:

"ہم نے مکہ فتح کیا پھر حنین پر چڑھائی کی۔ مشرکین نے اتنی اچھی صف بندی کی جو میں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی۔ سواروں کی صف، پھر پیادوں کی صف، پھر ان کے پیچھے عورتیں، پھر ان سب کے پیچھے مال و مویشی، ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے، ہمارے میمنہ پر سیدنا خالد بن ولید ؓ تھے مگر ہمارے سوار دشمن کی تیر اندازی کی وجہ سے بھاگ کھڑے ہوئے، اعراب بھی بھاگے اور وہ لوگ بھی جنہیں تم جانتے ہو۔"[54]

آپ ﷺ اس وقت اپنے خچر شہباء پر جلوہ افروز تھے اور اپنی جگہ استقلال و استقامت کا پہاڑ اور پیکر شجاعت وبسالت بن کر ڈٹے رہے اور دشمن پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے اور مسلمانوں کو بلند آواز سے فرمارہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت عباس بن عبد المطلب τ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو جمع کرنے کے لئے آواز دیں۔

چنانچہ جب مسلمانوں نے نظم وضبط کا عملی مظاہرہ کیا تو شکست فتح میں بدل گئی اور دوبارہ میدان میں آ کر جم کر لڑے تو اللہ نے فتح عطا فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ أَنزَلَ اللّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾(55)

"پھر اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے نبی پر اور مومنوں پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے"۔

غرض یہ کہ دین اسلام نے اجتماعی تعلقات، معاشرتی امور کا نظم ونسق اور سیاست و حکومت جیسے اہم امور جو کہ انسان کی شخصیت اور سعادت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، نظم وضبط کا خاص خیال رکھا ہے۔ اور اس بارے میں سیرت نبویہ ﷺ میں مکمل ہدایت و راہنمائی موجود ہے۔

شریعتِ مطہرہ اور سیرتِ نبویہ ﷺ کے ان واضح احکامات پر عمل کرنے سے ہم یقیناً مثبت تبدیلی لا کر اپنی زندگی کے تمام امور میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حکمران اور اس کے ذمہ داران سب سے پہلے اپنے امور کو منضبط بنائیں اور عوام الناس کے لئے بہترین مثال بنیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ عوام النّاس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کی حکومتی ذمہ داری اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جبکہ اس کے افراد ریاست کے ساتھ تعاون کریں۔ محض ریاست کی کوشش سے معاشرہ بد نظمی جیسی مصیبت سے پاک نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر فرد میں معاشرہ کو پستی سے نکالنے اور نظم وضبط کا پابند بنانے کا جذبہ پایا جائے۔ ریاست اور افراد کے اشتراک و تعاون ہی سے یہ حق ادا ہو سکتا ہے، اس کے بغیر یہ کام ہمیشہ ادھورا اور ناقص ہی رہے گا۔

## حرفِ آخر

آج دوسری اقوام نظم وضبط کی وجہ سے ہم سے ہر محاذ پر آگے بڑھ گئی ہیں۔ اور ان کے تمام تر معاملات مثلاً تجارت ومعیشت، معاشرت، حکومت وسیاست وغیرہ سب میں بہترین نظم وضبط موجود ہے۔ نظم وضبط کے فقدان کی وجہ سے ہمارے اعصاب پر شک وتردد اور نفاق مسلط ہو چکا ہے۔، صبر و شکیبائی، استقامت، ایثار و فداکاری اور ایمان و دیانت جیسے الفاظ ہمارے لئے بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں۔ نتیجۃً باطل قوتوں کو ہم عظیم اور طاقتور سمجھنے لگے ہیں، جس کی وجہ سے ہمارے اندر استقامت ختم ہو چکی ہے۔

اگر تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا۔ کہ اقوام عالم کی اجتماعی زندگی کی کامیابی نظم و ضبط جیسے اصول و قوانین کی تعمیل میں سر خم کر نے کی بدولت میسر ہوئی ہے۔ در حقیقت ان کی بنیاد قدرت کے اُسی نظم و ضبط پہ مبنی ہے جس کے تحت یہ نظامِ کائنات توازن نہیں بگڑنے دیتا۔ بادشاہِ وقت اور قانونی محافظ، دریاؤں کا سینہ چیرنے والے اور بلندیوں کے شاہین، نظم و ضبط کی روشنی میں حکمت عملی اپناتے ہیں جس کی وجہ سے ذرے صحراؤں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور قطرے مل کر دریا بن جاتے ہیں۔ گویا وہی قومیں کامیاب ہوتی ہیں جو اپنے تمام کاموں میں نظم وضبط کو حاکم بناتی ہیں۔ اور رفتار و کردار اور حتیٰ فکر کو منظم کر لیں اور خود کو اس پسندیدہ صفت سے آراستہ کر لیں اور ایک لمحہ بھی وقت کو ضائع نہ ہونے دیں۔ اور دوسروں کے لئے موثر نمونہ ثابت ہوں۔

جو قوم نظم و ضبط تباہ کر کے اپنی زندگیوں کا توازن بگاڑ دیتی ہے وہ ذلت و رسوائی کی پستی میں پٹخ دی جاتی ہے۔ کیونکہ جہاں بھی، انتشار کا بازار گرم ہوا ہے اس کا واحد سبب یہی ہے کہ انہوں نے نظم و ضبط کے بے لاگ اصولوں پر عمل نہیں کیا۔ خود مسلمان بھی اسی وجہ سے بد نظمی اور انتشار کا شکار ہوئے ہیں۔ برِ صغیر کے مسلم حکمران اس کی روشن مثال ہیں۔ لیکن جب مسلمانوں نے نظم و ضبط کا عملی مظاہرہ کیا اور علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کی آواز پر لبیک کہا دنیا حیران ہو گئی، بربادیاں اور ناکامیاں سرنگوں ہو گئیں تو وہ پاکستان کی صورت میں وطن عزیز کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر افسوس آج وہی ناکامیاں اور بربادیاں سر اُٹھا کر کیوں چل رہی ہیں۔

ہمارے حکمران وقت کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ آج اتنا بڑا نظام چلانے اور قائم کرنے والے کی قوم و نسل زندگی کے ہر مرحلے پر نظم و ضبط میں توازن کے بگاڑ سے نہ صرف خوفزدہ ہے بلکہ تباہی کے دہانے پہ کھڑی ہوئی ہے۔

آج بھی کائنات کو توازن کی ضرورت ہے جو کہ نظم و ضبط کے بغیر ناممکن ہے۔ آج امت مسلمہ کو سلامتی و بقا کے لیے انفرادی، اجتماعی اور قومی سطح پر نظم وضبط پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر مسلمان نظم وضبط کے ان زرّیں اصولوں پر کاربند ہوں تو دنیا میں بڑا خوشگوار انقلاب آسکتا ہے۔ جس اسلامی ریاست کے عوام ایسے تربیت یافتہ ہوں گے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں نظم وضبط کو اپنا شعار بنائیں گے تو کیا اس کے کامیاب و کامران ہونے میں کسی کو کوئی شبہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا زندگی کی دوڑ میں ایسی قوم سے کوئی دوسری قوم، جو اس سبق سے نا آشنا ہو سبقت لے سکتی ہے؟ ہر گز نہیں! لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ ہم انفرادی واجتماعی زندگی کا کوئی بھی موقع ہو ہمیں نظم وضبط کا عملی مظاہرہ کرنا چاہیے۔

اس امید اور دعا کے ساتھ کہ اللہ رب العزت ہمیں حیث القوم حکمران وعوام الناس سب کو نظم وضبط کے مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرمائے نظم وضبط اور منصوبہ بندی کو ہماری زندگی کے تمام امور میں داخل فرما دے۔

آمین۔

## حوالہ جات


(1) البیہقی، السنن الکبری کتاب قتال أهل البغی باب القوم يظهرون رأي الخوارج لم يحل به قتالهم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت-لبنان رقم (16764)، ص:8/319

(2) ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد ولی الدین، مقدمۃ ابن خلدون، المحقق: عبد اللہ محمد الدرویش، دار یعرب، 2004م، ص:1/۳۲

(3) أرسطو، السیاسات، بیروت 1957، ص:20

(4) ابنِ تیمیہ، تقی الدین أحمد بن عبد السلام بن عبد الحلیم، درء التعارض بین العقل والنقل، دار النشر: دار الکتب العلمیۃ- بیروت 1997م.، تحقیق: عبد اللطیف عبد الرحمن، ص:7/291

(5) سورۃ النساء: 59

(6) البخاری، صحیح البخاری کتاب الأحکام، باب السمع والطاعۃ لِلإمام ما لم تکن معصیۃ، دارالسلام الریاض حدیث نمبر: 7144

(7) ابوداود، سنن ابی داود، کتاب القضاء بَابٌ فِي الصُّلْحِ، دارالسلام الریاض 2009ءحدیث نمبر: 3594 ص:723

(8) الرازی، محمد بن ابو بکر، مختار الصحاح، دار الکتاب العربی، بیروت لبنان، دط، 1401ھ ص:668. الفراہیدی، الخلیل بن احمد، کتاب العین، دار و مکتبۃ الہلال، دط،:8/165، الجوہری، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، ط:03، 1404ھ.مادۃ(نظم)، ص:2041العربیۃ، الفیومی، احمد بن محمد بن علی المقری، المصباح المنیر، ص: 2/612، ابن منظور المصری، لسان العرب، دار صادر بیروت، ط1، مادۃ ضبط، ص:7/ 340.، الزمخشری، محمود بن عمر، اساس البلاغۃ، ط/1979، دار صادر بیروت، ص:370

(9) الزمخشری، محمود بن عمر جار اللہ أبو القاسم، اساس البلاغۃ، دار الکتب العلمیۃ، ص:370

(10) مختار الصحاح، ص:1/۴۰۳

(11) ایضا

(12) مختار الصحاح، ص:1/403، المصباح المنیر، ص:2/357

(13) ڈاکٹر احمد، حسین الدین، اسلامی نظم اور اس کے لوازمات، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص:۳۲

(14) الطبری، محمد بن جریر الطبری ابو جعفر، تاریخ الطبری، دار ابن کثیر، ص:2/449

(15) علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، الحمرا پبلشنگ اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص: ۷۰۱
(16). سورۃ الحجر: ۱۹ -۲۱
(17) سورۃ یس: 38-40
(18) علامہ محمد اقبال، بال جبریل از علامہ اقبال، الحمرا پبلشنگ اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص: ۷۰۱
(19) سورۃ النور: ۶۲
(20) علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، ضرب کلیم، الحمرا پبلشنگ اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص: ۷۰۱
(21). سورۃ النعا: ۵۹
(22) ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد، التمهيد لما فى الموطأ من المعانى والأسانيد، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية - المغرب ص: 1/118
(23) سورۃ الحج: 41
(24) سورۃ یوسف: 40
(25) أحمد بن حنبل، مسند احمد، المحقق: شعيب الأرناؤوط وآخرون، مؤسسة الرسالة، ص: ۵/۶۶
(26) سورۃ النساء: 4/۱۰۳
(27) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، مکتبہ بیت السلام، الریاض، ۲۰۱۶ء، حدیث نمبر: ۱۷۰
(28) القشیری، ابو الحسین مسلم بن الحجاج النیشاپوری، صحیح مسلم، دارالسلام، الریاض، ۱۹۹۸ء، حدیث نمبر: ۴۳۳
(29) مسلم، صحیح مسلم کتاب الصلاۃ بَابُ تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ، وَإِقَامَتِهَا دارالسلام 2000ء حدیث نمبر: 432 ص: 184
(30) البخاری، صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ بَابٌ: إِقَامَةُ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلاَةِ دار السلام حدیث نمبر: 722 مسلم، صحیح مسلم کتاب الصلاۃ بَابُ ائْتِمَامِ الْمَأْمُومِ بِالْإِمَامِ دارالسلام 2000ء حدیث نمبر: 411 ص 174
(31) سنن النسائی، کتاب الصیام، فی فضل الصائم، حدیث رقم (2224)
(32) سورۃ آل عمران: 103
(33) الترمذی، ابو عیسی، سنن الترمذی، المحقق: بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامی، 1996، رقم (1848)
(34) مسند احمد، رقم: (22391)
(35) البخاری، صحیح البخاری کتاب المغازی بَابٌ: دار السلام حدیث نمبر: 4304 مسلم، صحیح مسلم کتاب الحدود بَابُ

قَطْعِ السَّارِقِ الشَّرِيفِ وَغَيْرِهِ، وَالنَّهْيِ عَنِ الشَّفَاعَةِ فِي الْحُدُودِ دارالسلام 2000ء حدیث نمبر:1688 ص:748

(36) سورۃ النحل:۹۱

(37) سورۃ النعا:۵۸

(38) . سورۃ البقرۃ:۲۸۶

(39) البخاری، صحیح البخاری کتاب الرقاق بَابُ القَصْدِ وَالمُدَاوَمَةِ عَلَى العَمَلِ دار السلام حدیث نمبر:۶۴۶۳

(40) سورۃ البقرۃ:143

(41) سورۃ الانعام: ۹۰

(42) سورۃ الاحزاب:۲۱

(43) الأصبحی، مالک بن انس بن مالک ابو عبد اللہ، موطأ مالک، کتاب الصدقۃ، باب ما جاء فی التعفف عن المسألۃ، ص:1/758

(44) الطبرانی، سلیمان بن أحمد، المعجم الکبیر، مکتبۃ ابن تیمیہ، المحقق: حمدی عبد المجید السلفی، رقم(1243)

(45) ابن ماجۃ، محمد بن یزید القزوینی أبو عبد اللہ، سنن ابن ماجۃ، دار إحیاء الکتب العربیۃ،، رقم(237)

(46) مسند احمد ص: 8 / 307 رقم(8398)

(47) البیہقی، احمد بن الحسین بن علی ابو بکر، الجامع لشعب الإیمان، مکتبۃ الرشد، ۲۰۰۳، رقم(8825)

(48) سورۃ الزمر:9

(49) سورۃ ط: 58

(50) سورۃ طہ: ۶۴

(51) سورۃ طہ: ۶۴

(52) ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام الحمیری المعافری سیرۃ ابن ہشام، دار الکتاب العربی ط1990، ص2/65

(53) . سورۃ التوبۃ:۲۵

(54) ابن حجر، شہاب الدین احمد بن علی العسقلانی، فتح الباری، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، باکستان، ۱۹۸۱ء، ص:8/ ۲۹

(55) سورۃ التوبۃ:۲۶

# [[014]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

بشری اکرام-اسلام آباد
ایم ایس سی (میتھی میٹکس)، ایم ایڈ
فاضل علوم اسلامیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلام سراپا علم بن کر آیا اس نے جہالت سے اٹی ہوئی انسانیت کو معرفت الٰہی کا عنوان دیا اور یہ بتایا کہ انسان کوئی عمومی سطح اور کمتر حیثیت کا حامل نہیں بلکہ اس کو اللہ نے شرفیت اور خلافت سے نوازا وہ اس لیے تخلیق نہیں ہوا کہ سورج، چاند ستاروں کی پرستش کرے اور نہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھر کے آگے جبیں سرنگوں کرے بلکہ اسلام نے اس کو معرفت دی کہ کائنات اس کے لیے تحقیق کی گئی ہے۔ وہ علم حاصل کرے اور تسخیر کرے۔ اسلام کی رو سے انسان نے اپنے سفر کا آغاز تاریکی جہالت سے نہیں کیا بلکہ اس کے سفر کا آغاز روشنی سے ہوا اور یہ علم دینے والی ہستی کوئی اور نہیں خود رب العزت کی ذات پاک تھی جو تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔

عرب اپنی عام زندگی میں عقل وفہم اور تجربہ کے لحاظ سے کسی سے کم نہ تھے، لیکن تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ان باتوں سے ناواقف تھے جو علم وتعلیم نہ ہونے کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں، وہ اپنے وسیع اور عموماً بنجر علاقہ میں ہی محصور رہتے ہوئے اپنے تجربہ ومشاہدہ سے حاصل کردہ معلومات سے کام چلاتے، ان پر کسی تمدن یا نظریہ کی چھاپ نہیں تھی، بہر حال اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کا فیصلہ تھا کہ انسانیت کی ہدایت ونجات کا یہ آفتاب جس سے ساری کائنات میں روشنی پھیلی جزیرۃ العرب کا افق سے طلوع ہوا جو تمدن اور علم کے لحاظ سے دنیا کا سب سے تاریک خطہ اور جس کو صالح اور روشن ترین پیغام زندگی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی، اور وہ اپنے سیدھے اور فطری مزاج اور توانا عزم وصحت کے باعث خدا کی طرف سے ہدایت ملنے پر قوموں کی قیادت کے منصب پر فائز کر دیے گئے۔(۱)

**بعثت رسول ﷺ سے قبل عرب کے حالات کا اجمالی جائزہ:**

ظہور اسلام سے قبل صرف اہل عرب ہی نہیں بلکہ ایک مکمل دنیا تہذیبی، اخلاقی، معاشرتی اور فکری انحطاط کا شکار تھی۔ اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں تحریف کے مرتکب ہو کر شریعت کے وضع کردہ اصول وقوانین کی جگہ ایسے خود ساختہ نظریات وعقائد کو اپنا لیا جو انکے مزاج اور طبیعت کے لئے موزوں تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ ظاہراً اصل دین اور حقیقی قانون الٰہی کی صورت مسخ ہو کر رہ گئی۔ عوام

الناس اپنے علماء کی اندھی تقلید میں جاہلانہ رسومات کے دام فریب میں الجھتے چلے گئے۔(۲)

مذہب کو علماء یہود و نصاریٰ نے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا شروع کر دیا اور ہر شخص میں مادیت سرایت کرتی چلی گئی۔ جس وقت رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اس وقت یہ جاہلانہ رسومات، خود ساختہ مذہبی و سماجی بندشیں اور تہذیبی و اخلاقی تنزلی اپنے عروج پر تھی۔ ہر طرف فتنہ و فساد کا تنور دہک رہا تھا۔ سماج میں تخریب کاری، خرافات اور اوھام پرستی کا رواج تھا۔ دنیا شرک و تثلیث کے اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ آبادی کے تناسب سے خدا وجود میں آرہے تھے۔ ہر قبیلہ اپنے بنائے ہوئے خدا پر ناز کیا کرتا تھا۔ عوام اس قدر فکری اور اخلاقی تخریب کاری کا شکار تھے کہ جسمانی اعضاء پوجنے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ (۳)

سرکار رسالت مآب ﷺ سے پہلے عرب کو "جلی ہوئی زمین" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ صحراؤں میں انسان نما جانور رہتے تھے جو بات کا بتنگڑ بنانے میں دیر نہیں کرتے تھے بلکہ فساد و خوں ریزی انکی سرشت کا حصہ بن چکی تھی۔ قبیلہ وار جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں یہودیوں کا قومی پیشہ اسلحہ سازی تھا لہذا یہ دھندا اسی وقت پھل پھول سکتا تھا جب ہر طرف جنگ و خوں ریزی کا ماحول گرم ہو۔ لہذا یہودی منظم طریقے سے عربوں کی جہالت اور قبائلی عصبیت کا فائدہ اٹھا کر لوگوں کو آپس میں لڑواتے رہتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر چالیس چالیس سال تک جنگیں ہوتی رہتی تھیں اس طرح یہودیوں کا قومی بزنس ترقی کرتا گیا اور عرب اپنا سارا سرمایہ اسلحہ کی خرید اور دشمنی نبھانے میں صرف کرتے رہے۔(۴)

سرمایہ دار طبقہ زندگی کے ہر شعبہ پر حکمرانی کر رہا تھا۔ غریب افراد کو پیٹ پالنے کے لئے یا تو بھیڑ بکریوں کے دودھ پر گذارا کرنا پڑتا یا پھر وہ خالی کھجوریں کھا کر وقت گذار لیتے تھے۔ تجارت کے لئے اگر کسی سرمایہ دار سے قرض لیتے تو تجارت میں منافع کی کثیر رقم سود کی شکل میں سرمایہ دار کی تجوری میں چلی جاتی اور غرباء خط افلاس سے بھی نیچے زندگی گذارنے پر مجبور تھے۔ یہی لوگ قبیلے کے سردار اور خاندان کے سربرآوردہ کہلاتے تھے۔ دولت کی فراوانی اور اولاد کی کثرت پر ایک قبیلہ دوسرے پر قبیلہ حسد کرتا۔ بسا اوقات قبرستان میں جا کر اپنے قبیلے کی قبریں شمار کر کے کثرت تعداد پر ناز کرنا عام بات تھی۔(۵)

لیکن کثرت تعداد پر فخر و مباہات کا دائرہ صرف مردوں تک ہی محدود تھا۔ وہ عورت کے مقدس وجود کو اپنے لئے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے اور اسکے بدن کو فقط ایک آلہ تلذذ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اسے آزادی رائے کا بھی حق حاصل نہیں تھا۔ بیٹیوں کو زندہ در گور کرنا انکی قبائلی تہذیب کا حصہ تھا۔ محققین کے مطابق لڑکیوں کا زندہ در گور کر دینے کی رسم اس لئے عام تھی کیونکہ عرب کا سرمایہ دار طبقہ فقر و تنگ دستی سے ہمیشہ خوف زدہ رہتا تھا۔ اس لئے کہ لڑکی کو شادی کے بعد وراثت کے طور پر جائداد میں حصہ ملنا چاہئے تھا اس طرح انکی محنت و مشقت سے کمائی ہوئی دولت کے ذخیرہ میں کمی واقع ہوتی اور جسکے یہاں لڑکی بیاہ کر جاتی وہ انکی دولت کی بنیاد پر زیادہ

مالدار اور معاشی لحاظ سے مضبوط ہو جاتا لہذا انہوں نے داماد کو زندہ قبر کے نام سے تعبیر کیا اور لڑکیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دینے کو ترجیح دی بجائے اس کے کہ انکا حق اپنے مال سے ادا کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خود ساختہ قانون کے مطابق میراث میں بھی عورت کا کوئی حصہ متعین نہیں کیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ شوہر کا قرض بیوی سے وصول کرتے تھے اور نادار و غریب زوجہ کے قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں اسکے شوہر کو غلام یا اسیر بنالیا جاتا تھا۔(٦)

میراث میں تمام تر حقوق کا مالک لڑکا ہی ہوتا تھا کیونکہ انکی تہذیب میں لڑکی کو صرف گھر میں بیٹھ کر کھانے والی اور لڑکے کو کما کر کھانے والا تصور کیا جاتا تھا لہذا اس امتیاز کو برقرار رکھتے ہوئے انہوں نے میراث سے عورت کو مکمل طور سے محروم کر دیا۔ بقول سید محمد "عورتوں کی میراث سے محرومی کا اصل سبب تو یہ تھا کہ دولت ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں نہ جانے پائے"۔ عورت کی بے حرمتی اور اسکے تقدس کی پامالی کے اسباب پر چند سطور کے بعد کچھ یوں اظہار خیال کرتے ہیں "خواتین کی وراثت سے محرومی کے اسباب و علل میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ انمیں سپاہی و فوجی بننے کے لئے طاقت کی کمی تھی۔ جس تمدن میں پہلوانی و دلاوری کی بنیاد پر اعزاز و افتخار ملتا تھا ایک فوجی کو غیر فوجی پر فوقیت دی جاتی تھی وہاں عورت دفاعی اور فوجی کام نہ کرنے کی پاداش میں وراثت سے محروم کر دی گئی۔"(٧)

زبان و بیان کے میدان میں وہ خود کو تمام عالم پر ترجیح دیتے تھے۔ حتی کہ عرب کے علاوہ دیگر علاقے کے افراد کو عجمی یعنی اپنے مقابلے میں گونگا تصور کرتے تھے۔ سرمایہ داروں کے عظیم الشان بازار عکاظ میں شعر و شاعری کی مقابلہ آرائی ہوا کرتی تھی اور جس کا قصیدہ زبان و بیان کے لحاظ سے معاصر شعراء سے بہتر ہوتا تھا اسے فخریہ خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا جاتا تھا تاکہ سال بھر دور دراز کے علاقوں سے آنے جانے والے لوگ بھی اس شاعر کی عظمت اور کلام کی علویت کا اندازہ کر سکیں۔ انکی تجری کا عالم یہ تھا کہ جب امرالقیس نے اپنی چچازاد بہن عنیزہ سے اپنی عشق کی داستان کو لفظی چٹخارے اور فحش الفاظ کے ساتھ نظم کیا تو عرب کے فصیح و بلیغ افراد نے اس کلام کو سال کا سب سے بہتر قصیدہ شمار کیا۔ ساتھ ہی اس قصیدہ کو خانہ کعبہ کی دیوار پر بھی چسپاں کر دیا تاکہ جو اس کلام کی اثر آفرینی و ہیجان انگیزی سے واقف نہیں ہیں وہ بھی محظوظ اور ملذذ ہو سکیں۔ امرءالقیس کا یہی قصیدہ سبع معلقات میں بھی شامل ہے۔(٨)

حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں عربوں کے اس انحطاط پذیر سماج کی کچھ اس طرح تصویر کشی کی ہے "اے گروہ عرب تم اس وقت بدترین امت تھے اور انتہائی مطعون زمین میں زندگی گذارتے تھے۔ ایسی سنگلاخ زمین جس میں زہریلے سانپ تھے ایسے سانپ جن پر آواز بھی اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ تم گندا اور شور پانی پیتے تھے، بدمزہ غذائیں کھاتے تھے اور ایک دوسرے کا خون بہانے کو فخر محسوس کرتے تھے۔ رشتہ داروں سے دور رہتے تھے۔ بتوں کی پوجا ہوتی تھی اور علی الاعلان گناہوں سے اجتناب نہیں کرتے تھے"۔(٩)

قریش یوں تو متعدد بتوں کی عبادت کرتے تھے، لیکن ہبل کو خدا کا نمائندہ اور بااثر سمجھ کر اپنی بڑی

ضرورتوں کے لئے اسی سے کہتے تھے، اور اس کو اپنا خاص اور اہم معبود مانتے تھے، اس کے علاوہ اسف اور نائلہ نام کے بت بنائے تھے، جو قریب ہی تھے، مکہ کے باہر بھی کئی اہم بت رکھ لئے گئے تھے جن کو قریش بھی مانتے تھے، ان میں ایک عزیٰ تھا جو مکہ سے کچھ فاصلہ پر مقام قدید میں رکھا گیا تھا، یہ بت خاص طور پر اہل مدینہ کا بت سمجھا جاتا تھے، تیسرا بت لات تھا جو طائف میں تھا، اور اہل طائف کا خاص بت سمجھا جاتا تھا، ان کے علاوہ ہر ہر قبیلہ نے اپنے اپنے علیحدہ بھی بت رکھ لئے تھے، کعبہ کے اندر ہر قبیلہ نے اپنی پسند کے بت اپنی نمائندگی کے طور پر رکھ دئے تھے۔ اس طرح کعبہ اس طرح عربوں کی عبادت کا مزاج توحید سے ہٹ کر بت پرستی کی طرف ہو گیا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ سے دور ہو گئے، پھر اپنی زندگی کے دیگر پہلوؤں میں بھی غیر اللہ کی عقیدت وعبادت داخل کرلی، جانوروں کے سلسلہ میں بھی طرح طرح کے عقیدے گھڑ لئے، ان میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی نام سے جانوروں کو مخصوص کر دیتے اور ان کو استعمال نہ کرتے اور ان کے سلسلہ میں مختلف قسم کے عقیدے بنالئے تھے۔(۱۰) جس کی سخت مذمت قرآن مجید میں آئی ہے: " مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّ لَا سَآئِبَۃٍ وَّ لَا وَصِیْلَۃٍ وَّلَا حَامٍ وَّ لٰکِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَاَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ "ترجمہ:" اللہ نے نہ تو بحیرہ کچھ چیز بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام بلکہ کافر اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں اور یہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔"(۱۱)

اس میں شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے فیض الٰہی کی خفیف شعاعیں عرب میں پھیلنی شروع ہو گئیں تھیں، چنانچہ قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے انکار کر دیا تھا، ان میں ورقہ بن نوفل اور عثمان بن الحویرث نے نصرانیت اختیار کرلی اور زید بن عمرو نے نصرانیت اختیار نہیں کی اور اپنے آباء واجداد کی بت پرستی کا طریقہ چھوڑ دیا۔(۱۲)

عرب قوم جس کے درمیان رسول اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی، پلے، بڑھے اور جوان ہوئے، کیسی تھی مولانا الطاف حسین حالی نے اپنے مسدّس میں اس کو انتہائی حسین اور دلکش پیرایہ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا — خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا — کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدیٰ کا
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا — جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا
قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا — کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عُزّا پہ وہ نائلے پر فدا تھا — اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور — اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر
چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل وغارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے
نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے
سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے
تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا
کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یوں ہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں
جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھے شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جاکر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی(۱۳)

## کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا:

تاریخِ انسانیت کے تناظر میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ اور آپ ﷺ کی شخصیت کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ نہ صرف امت مسلمہ بلکہ انسانیت کو درپیش ابدی تقاضوں کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ایک ناگزیر ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ رب العزت نے زمین پر سیدنا آدم علیہ السلام کو اتارتے ہی انسانیت کے لیے ہدایت کا سلسلہ جاری فرما دیا تھا۔ یعنی کرہ ارض پر پہلا انسان ہی اپنے آنے والی نسل کے لئے زندگی گزارنے کے رہنما اصول بھی واضح کر رہا تھا۔ جوں جوں انسانی معاشرہ آگے بڑھتا گیا اللہ کی ہدایت کا سلسلہ بھی فروغ پذیر رہا اور نوع بہ نوع پیدا ہونے والے مسائل اور تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے اس کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ تا آنکہ اللہ رب العزت کا قائم کردہ یہ سلسلہ وحی اور رشد وہدایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ پر آکر درجہ کمال کو پہنچ گیا۔(۱۴) بقول اقبال

آتش او صد ابراہیم سوخت
تا چراغ یک محمد بر فروخت(۱۵)

رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے ساتھ ہی ایسے معجزات رونما ہوئے جو اس امر کا پیش خیمہ تھے کہ وہ عہد آچکا ہے کہ جس میں فرسودہ نظام اور توہم پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ بچہ عرب کی سرزمین پر ایک نئی تہذیب اور الٰہی نظم ونسق کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والا تھا۔ لہٰذا ولادت کے پہلے ہی دن نظام جاہلیت کے کلیساؤں میں خطرات کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ نوشیرواں کا وہ عالیشان اور فلک نظر محل جسکی ابدیت کے معتقدین سپنے سنجوئے ہوئے تھے

متزلزل ہو کر زمیں بوس ہو گیا اور اسکے چودہ کنگورے ٹوٹ کر گر پڑے۔ فارس کے آتش کدہ میں جو آگ ہزار ہا سال سے روشن تھی وہ خاموش ہو گئی۔ دریائے ساوہ کا موجیں مارتا ہوا پانی اچانک خشک ہو گیا۔ ان واقعات نے دنیا کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آخر کائنات کا نظام اتنا تبدیل کیسے ہو گیا اور دنیا میں کونسا ایسا واقعہ رونما ہوا ہے جسکے اثرات انکے مذہبی عقائد پر مرتب ہو رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ چالیس سال تک اس پر آشوب اور بدترین عہد میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی صداقت اور دیانت داری کا لوہا منوایا اور جب فاران کی چوٹیوں سے اعلان رسالت کیا تو عرب ہی نہیں بلکہ تمام عالم میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوتا ہوا نظر آیا۔(۱۶)

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا(۱۷)

وہ تہذیب اور قانون الٰہی کی بالادستی جو حضرت عیسیٰ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد دم توڑ چکی تھی رسول اسلام نے اسے نئی زندگی عطا کی اور لوگ جوق در جوق اسلام کے پرچم تلے جمع ہونے لگے۔(۱۸) پیغام الٰہی کی آفاقیت اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ نے وہ عظیم انقلاب برپا کیا جسکا کلمہ آج کے اسلام دشمن عناصر بھی پڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

آپ ﷺ کی شخصیت اور رسالت اس تناظر میں سلسلہ انبیاء علیہم السلام کے تکمیلی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا: "میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک مکان بنایا اور کیا ہی حسین و جمیل مکان بنایا لوگ اس مکان کے گرد گھوم کر کہنے لگے ہم نے اس مکان سے اچھا کوئی مکان نہیں دیکھا مگر اس میں ایک اینٹ نہیں ہے سو میں وہ اینٹ ہوں۔ "(۱۹)

حضرت جعفرؓ، عرب معاشرے کی منظر کشی نجاشی کے دربار میں اس طرح کرتے ہیں: "اے بادشاہ! ہم لوگ ایک ایسی قوم تھے کہ سر تا سر جاہلیت میں گرفتار تھے۔

بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا، طاقتور کمزور کو کھا جاتا۔

دریں اثنا، ہم میں ایک شخص پیدا ہو، جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔

اُس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی، اُس نے ہمیں سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خون ریزی ترک کر دیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں، پاک دامن عورتوں پر بدنامی کا داغ لگانا چھوڑ دیں، نماز پڑھیں، روزہ رکھیں اور زکوٰۃ دیں۔

ہم اس پر ایمان لائے۔ شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے دامن کش ہو گئے۔ اِس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسی گمراہی میں پھر واپس جائیں(۲۰)۔

قربان جایئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے اپنی محنت، جدوجہد، بے چین قلب، حکمت بالغہ، شیریں زبانی اور اخلاق کریمانہ کے ذریعہ توحید کا پرچم مکہ کی سنگلاخ زمین میں لہرایا اور دیکھتے ہی دیکھتے ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں عالم عرب کے بیشتر ممالک میں اسلام کے ترانے گائے جانے لگے، نفرتیں محبت میں تبدیل ہو گئیں، بت گر بت شکن ہو گئے، شراب گلیوں میں بہنے لگی، جھوٹ، غیبت، حسد اور جلن کا چلن ختم ہو گیا، زناکاری کے تصور سے دل کانپنے لگا، عورت اب پھول کی طرح ہر گھر کی چہیتی بن گئی، اُجڈ قوم مہذب بن گئی، خوف خدا اور آخرت کے ڈر نے انہیں لاغر بنا دیا، جہنم کے ڈراؤنے منظر اور عذاب قبر کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور اتنا روتے تھے کہ ہچکیاں بندھ جاتیں، جنت کی تڑپ اور طلب میں سارا مال خرچ کر دینا ان کے لئے ایک معمولی بات تھی، حاصل یہ کہ سیکڑوں معبودوں کے بجائے اب تمام بندوں کا ایک خدا سے تعلق استوار ہو چکا تھا، یہ شہنشاہ مدینہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی صحبت، فیضان نظر اور اعجاز ہی تو تھا کہ شرک و بت پرستی کے عادی انسان خدا کا شیدائی بن گیا،(۲۱) مولانا الطاف حسین حالی نے اس سحر انگیزی کو بیان کرتے ہوئے کہا۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی — عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگادی — اک آواز میں سوتی بستی جگادی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے — کہ گونج اٹھے دشت وجبل نام حق سے
سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا — حقیقت کا گُر ان کو ایک ایک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا — بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا
کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر — وہ دکھلادیئے ایک پردہ اٹھاکر(۲۲)

یہ کیسی نظر تھی کہ جو مشرک تھے موحد ہو گئے، سخت تھے نرم ہو گئے، ذلیل تھے دنیا کے امام بن گئے، حضرت ابو بکر صدیق کو صدیقیت کا مقام نہ ملتا اگر رسول اکرم ﷺ کی معیت نصیب نہ ہوتی، حضرت عمر فاروقؓ، کو فاروق، حضرت عثمان غنیؓ، کو غنی اور ذوالنورین (دو روشنی والے) اور حضرت علیؓ، کو شیر خدا کا خطاب اور اعزاز رسول رحمت ﷺ کی صحبت اور محبت کا اثر ہے، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، اور حضرت صہیب رومیؓ، عرب کے باہر سے تشریف لائے، کوئی تعارف اور شناشائی نہیں، پہلے غلام تھے لیکن اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے انہیں وہ مقام عطا کیا کہ تمام مسلمان کے وہ چہیتے اور سردار بن گئے،(۲۳)

در فشانی نے تیری قطروں کو دریا کردیا — دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پہ اوروں کے ہادی بن گئے — کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا(۲۴)

## لفظ "الناس" کے معنی و مفہوم:

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر "الناس" کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔ مکی سورتوں کا آغاز عموماً "یا ایھا الناس" سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو "مثابۃً للناس " (۲۵)، قرآن "ھدی للناس " (۲۶) اور امت کو "اخرجت للناس" (۲۷) کہا ہے۔ لفظ "الناس" سے مراد پوری انسانیت ہے نا کہ مسلمان! اب یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ انسانیت کو کھینچ کر نظم و ضبط والی زندگی پر لانا ہے اور یہ سب اسی وقت ممکن ہے کہ جب پوری انسانیت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے والی بن جائے۔

## نظم وضبط کے معنی و مفہوم

" نظم وضبط" دراصل عربی زبان کا ایک کلمہ ہے، جو دوالفاظ نظم اور ضبط سے مرکب ہے، علامہ ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ صاحب نظم وضبط کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نظم کا لغوی معنی آراستہ کرنا، مزین کرنا قائم کرنا(۲۸)، ضبط کے لغوی معنی غالب کرنا، لازم کرنا(۲۹)مولانا وحید الزمان کیرانوی نظم وضبط کی تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نظم کے لغوی معنی باہم ملانا منسلک کرنا،(۳۰)ضبط کے لغوی معنی، مضبوط کرنا، غالب آنا، ملک کا نظام درست کرنا(۳۱)

## مدنی معاشرہ (مکمل اسلامی ریاست):

رسول اکرم ﷺ عرب کی مذہبی، ثقافتی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور سیاسی نظام میں تبدیلی لائے۔ بچپن اور جوانی ہی میں آپ ﷺ کو سچائی اور دیانت داری کی بدولت الصادق اور الامین کا لقب مل گیا۔ تجارت میں نہایت دیانت داری کی وجہ سے آپ کا نکاح حضرت خدیجہ۔ ؓ سے ہوا۔ آپ ﷺ نے جوانی کے اوائل میں حلف الفضول میں شرکت فرمائی۔ یہ مظلوم لوگوں کی مدد کرنے کی ایک فقید المثال تنظیم تھی۔ آپ ﷺ نے زندگی کے ترپین سال مکہ میں گزارے اور پھر ہجرت مدینہ کے اور دس سال کے بعد رفیق اعلی سے جاملے۔ میثاق مدینہ کے ذریعے آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو امن وآشتی کا گہوارہ بنادیا۔ ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور اس میں دنیا کا پہلا دستور(۳۲) جو تحریری تھا، نافذ فرمایا۔ اس معاہدے کے ذریعے آپ ﷺ نے یہود اور مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا مدینہ پر حملے کی صورت میں یہود اور مسلمان ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ یہ معاہدہ آپ ﷺ کے تدبر اور حسن سیاست کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں مواخاۃ کے نظام کے ذریعے سے مسلمانوں کی وحدت مربوط فرمائی۔ حتی کہ ولیم مور کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ مواخاۃ جیسی قربانی کم ہی تاریخ عالم میں ملتی ہے۔(۳۳)

صلح حدیبیہ میں حضور ﷺ کے تدبر کی وجہ سے خونریزی رک گئی اور اسلام کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ فتح مکہ کے موقعے پر آپ ﷺ کے عفو کا اعلان آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت کا ثبوت ہے۔ غزوۂ خندق میں آپ ﷺ نے بطور مزدور کام کیا جیسے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں خود حصہ لیا تھا۔ یہ غزوہ آپ اکے دفاعی تدبر اور حکمت عملی

کا ثبوت ہیں۔ آپ ﷺ نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ آپ ﷺ نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ آپ ﷺ نے ۲۷ غزوات میں حصہ لیا اور آپ ﷺ کے دور میں میں سرایا کی تعداد ۲۷ ہے۔ ان تمام غزوات اور سرایا میں مقتولین کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہیں ملتی۔ اتنی کم خونریزی کی مثال دنیا مے نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے اپنے مشن کو جاری رکھنے کے لئے صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر جماعت تیار فرمائی، جنہوں نے اللہ کے پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلایا۔ آپ ﷺ کا انقلاب جلد ہی تین براعظموں میں پھیل گے۔ آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت کی بدولت دس سال کے قلیل عرصے میں جزیرہ نمائے عرب میں ایک مستحکم مملکت قائم ہوگئی۔ اس مختصر عرصے میں بارہ لاکھ مربع میل کے وسیع رقبہ مطیع ہو گیا۔ حضور ﷺ نے دنیا کی عظیم الشان مملکت قائم فرمائی جو مہذب ترین تھی۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ: "گاندھی جیسے کٹر ہندو بھی ایسے انسانیت کا دور زریں سمجھتے اور گانگریسی ہندو حکومتوں کو مشورہ دیتے کہ اس کو اپنے لیے نمونہ بنائیں"(۳۴)

حکمت، فراست اور سیاست میں دنیا کا کوئی مدبر بھی آپ ﷺ کے برابر نظر نہیں آتا۔ جان ڈریپر جیسے سکالر کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ حضور اکرم اکی تدابیر اور حکمت عملی نے نسل انسانی پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔(۳۵)

سوال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کس قسم کے سیاسی نظام حکومت کا تصور دیا تھا۔ بقول علامہ اقبال، رسول اللہؐ کا نظام سلطنت روحانی جمہوریت پر قائم تھا شورائی بھی تھی اور فلاحی بھی۔ اس ریاست کے مقاصد قرآن میں اس طرح بیان فرمائے گئے: "اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ آتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُورِ "(۳۶) ترجمہ "یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکوٰتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں، تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔"

بقول ابراہیم لنکن جمہوریت کی حکومت ہے، عوام کے لیے ہے اور عوام کے ذریعے ہے۔ اس کے برعکس سلطنت، امارت اور حکومت کے کاروبار میں اہل رائے مسلمانوں سے مشورہ لینے کا معاملہ آپ ﷺ کی سیاست کا اہم حصہ تھا۔(۳۷)

مولانا حامد انصاری لکھتے ہیں "اسلام کے سیاسی نظام میں بادشاہت کی مرکزی شان اور اقتدار، اعیانی حکومت کی یکجہتی، جمہوریت کی ہمہ گیر حقوق پسندی اور فرض شناسی اشتراکیت کا ہمہ گیر جذبہ مساوات اور احساس دردمندی، ڈکٹیٹر شپ (آمریت) کی مرکزیت اور طاقت کمال اعتدال کے ساتھ جمع ہیں۔ "(۳۸)

صحیح بخاری میں درج ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ شریف میں بہتر منصوبہ بندی کے لئے مردم شماری کروائی۔ آپ ﷺ نے سماجی اور معاشی تحفظ کے لیے نظام معاقل نافذ فرمائے۔ اگر کوئی حادثہ رونما ہو جاتا تو عاقلہ یعنی برادری مل کر مظلوم کے نقصان کی تلافی معاوضہ کی شکل میں دیتی۔ آپ ﷺ مسجد میں صدقات خیرات اور

مال غنیمت بھی تقسیم فرماتے۔ آپ ﷺ نے بلدیاتی نظام بھی قائم فرمایا۔ شہری منصوبہ بندی کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا: "شہر کے اندر تم گلیوں کو اتنا چوڑا رکھو کہ دولدے ہوئے اونٹ باسانی آمنے سامنے سے گزر جائیں۔" بلدیاتی نظام میں آپ ﷺ نے عامل السوق کا عہدہ قائم فرمایا تاکہ مارکیٹ کی بدعنوانیوں کو روکا جاسکے۔ عورتیں بھی اس عہدہ پر فائز نظر آتی ہیں جن کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا۔ آپ ﷺ نے عوام پر احسان بھی فرمایا اور ان کے معاش کا خیال رکھا اور رعایا سے محبت اور نرمی فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ غیر ملکی سفیروں کا احترام کرتے۔ آپ ﷺ نے اپنے سفراء کو تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا مثلاً حضرت عمرؓ بن امیہ الضمری کو حبشہ تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا۔ زندگی کی آخری وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ بھی تھی جو آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ بن زید کو فرمائی۔ "سفیں اور وفدوں کو اسی طرح تحفے دیتے رہنا جیسے میں دیتا رہا ہوں۔ "(۳۹)

رسول اللہ ﷺ کا غیر مسلموں سے سلوک فیاضانہ تھا۔ غیر قوموں کے ساتھ ظلم نہ روا رکھنا آپ ﷺ کا بنیادی اصول سیات تھا، شاہانہ حکومتوں اور بادشاہی خاندانوں کے افراد قانون کی ذد سے مستثنیٰ ہوتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے یہ تصور دیا کہ سربراہ مملکت قانون سے بالاتر نہیں نہ ہی اس کے افراد خانہ۔ ایک دفعہ ایک مخزومی خاتون فاطمہ بنت قیس نے چوری کی۔ آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے حضرت اسامہؓ بن زید کو سفارش کے لیے بھیجا۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا۔ "تم سے پہلے قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ جب کوئی معمولی آدمی جرم کرتا تھا تو اس کو سزا دے دی جاتی تھی مگر جب وہی جرم بڑے مرتبے کے لوگ کرتے تھے تو ان کو چھوڑ دیتے تھے" پھر فرمایا اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی یہ جرم کرتی تو میں یقیناً اس کا ہاتھ کاٹتا۔"(۴۰)

سیاسی شخصیات کے ہاں طمطراق، بلند نعرے، جلوس، سلامیاں، مخصوص بڑی، بحری اور ہوائی سواریاں، شاہی ٹھاٹھ باٹھ، اونچے ایوان اور دربان ہوتے ہیں۔ یہ پروٹوکول سیاسی کلچر کا حصہ ہیں لیکن حضور ﷺ کے ہاں یہ طمطراق نظر نہیں آتا۔ دنیوی کروفر کے بجائے آپ ﷺ پر خدمت خلق اور ان کی محبت کا جمال نظر آتا ہے۔ سادگی، فقہ اور درویشی کے باوجود جو کوئی آتا مرعوب ہوتا۔ ایک دفعہ ایک شخص دربار اقدس میں حاضر ہوا اور حضور ﷺ کے رعب سے کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ڈرو نہیں میں تو اس عورت کا لڑکا ہوں جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی"۔(۴۱)

مدینۃ النبی ﷺ میں بازاروں کی نگرانی کا کام اللہ کے رسول اخود انجام دیتے تھے۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ مدینہ کے بازاروں میں نکلتے تو جگہ جگہ رک کر، ناپ تول کر، پیمانہ دیکھتے، چیزوں میں ملاوٹ کا پتہ لگاتے، عیب دار مال کی چھان بین کرتے، گراں فروشی سے روکتے، استعمال کی چیزوں کی مصنوعی قلت کا انسداد کرتے؛ اس ضمن میں سیدنا حضرت عمرؓ، حضرت عبیدہ بن رفاعہؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابو امامہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی

بیان کردہ حدیثیں اصولوں کی تعین کرتی ہیں۔ (۴۲)

آپ ﷺ نے بد دیانتی اور خیانت سے روکا۔ اپنے لیے، اہل خانہ اور حلیف قبیلہ بنو عبد المطلب کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زکوۃ حرام قرار دی۔ ایک دفعہ ایک محصل زکوۃ نے واپسی پر کہا یہ سرکاری مال ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے۔ رسول اللہ اسخت ناراض ہوئے۔ منبر پر چڑھ کر ارشاد فرمایا: "ایسے لوگ کیوں نہ اپنے گھر بیٹھے رہیں اور دیکھیں کہ انہیں کتنے تحفے آتے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ سے ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ نے لونڈی مانگی تاکہ وہ گھر کے کام کاج میں مدد کرے کیونکہ حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں پر چکی پسینے کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "بدر کے یتیم تم سے زیادہ اس کے مستحق ہیں۔ "(۴۳) آپ ﷺ کی سیاست کے اصول یہ تھے یعنی فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ کوئی فرد یا جماعت اپنی مرضی سے قانون یا آئین بنانے کی مجاز نہیں ہے، قانون اللہ کی طرف سے ہے، حق آزادی پیدائشی ہے، فرعون، ہامان اور قارون کی اسلامی معاشرے میں کوئی گنجائش نہیں۔ سیاسی حقوق، شورائیت، رعایا پر اپنے اولی الامر (حاکم) کی اطاعت لازم ہے، جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قتل انسانی حرام ہے۔ امن و امان کا قیام، فتنہ وفساد کی بیخ کنی، افراد کی اسلامی، اخلاقی، صنعتی و حرفتی، فنی اور عسکری تربیت حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اقامت اور زکوۃ کے نظام کا قائم کرنا، حکمران اللہ کا خلیفہ ہے، تبلیغ قانونی مساوات، مال عزت اور جان کی حفاظت اور فی الفور انصاف۔ حضور اکرم ﷺ نے سیاست کا ایک پاکیزہ تصور عطا فرمایا جسے آپ نے رائج کر کے بھی دکھایا۔ بقول شبلی نعمانیؒ وعلامہ سید سلیمان ندویؒ: احادیث میں متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت ہے کہ: "السلطان ظل الله فی الارض یاوي الیه کل مظلوم من عبادالله۔ " (۴۴)

عقل ہے تری سپر عشق ہے شمشیر تری — مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری
ما سوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری — تو مسلماں ہے توتقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں (۴۵)

## عالمی نظم وضبط کا قیام، تعلیمات نبوی ﷺ ہی میں مضمر ہے:

عام طور پر جب لوگ لفظ امن بولتے یا لکھتے ہیں تو اس کا سیدھا سادا مفہوم عدم جنگ لیتے ہیں۔ یہ امن کی منفی تعریف ہوتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے معنی جنگ کے علاوہ کچھ اور ہیں جو اس کے مثبت کردار کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو جنگ کی طرح وقوع پذیر نہیں ہوتا اور یہ امن ایسے حالات کا نام ہے جس میں جماعت یا ملکوں کے درمیان احترام باہم اور صحیح معنوں میں باہم سرگرم تعاون کی فضا پائی جاتی ہو اور پھر یہ بڑھ کر بالآخر پوری دنیا کو اپنے دامن میں سمیٹ لے۔ (۴۶) مثبت امن یہ ہے کہ ساحتی تشدد نہ ہو اور مساوی طور پر سب کے ساتھ سماجی انصاف

کا اہتمام کیا جائے۔ اس میں سماجی ڈھانچے کے علم پر زور دیا جاتا ہے اور عمودی ترقی میں دلچسپی لی جاتی ہے۔(۴۷) عام طور پر امن کا اطلاق معاہدۂ عدم جنگ اور قومی و بین الاقوامی تعلقات کی خوشگواری پر ہوتا ہے۔ کشاف اصطلاحات سیاست میں امن کی تعریف یوں کی گئی ہے: "ایسی صورت حال جب اندرونی طور پر ریاست کے حالات، پر سکون اور دیگر ریاستوں کے ساتھ اس کے تعلقات حسب قاعدہ ہوں"۔(۴۸) ارسطو اور دانتے نے حصول امن بذریعہ عالمی حکومت کے نظریے کی وکالت کی تھی۔ عصر حاضر میں برٹرنڈ رسل اس کا سرگرم حامی رہا۔(۴۹) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا فی زمانہ قتل و غارت گری کے بغیر مجوزہ عالمی حکومت کا قیام ممکن ہے اور اگر ممکن بھی ہے تو اس کے زیر سایہ، پر امن بقائے باہم کی ضمانت کیسے دی جاسکتی ہے؟

مغربی و عصری تصورات امن کے برخلاف، اسلام ایک فطری، دیرپا، جامع، منظم اور انسانی طبعیت سے ہم آہنگ تصور امن پیش کرتا ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں: ایک سلام اور دوسرا صلح۔ سلام اس امن کو کہتے ہیں جس میں نزاع شروع ہونے سے پہلے، کسی بھی طرز کے اقدامات کے ذریعے، امن و امان قائم اور بحال رکھا جائے اور صلح اس امن سے عبارت ہے جو نزاع شروع ہونے کے بعد کسی بھی نوع کی کوشش سے قائم ہو۔(۵۰) گویا یہ عارضی شے ہے۔ چونکہ اسلام مستقل امن و سلامتی کا خواہاں ہے۔ اس لیے وہ تصور اسلام پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے اور اس کیلئے وہ سب سے پہلے فرد کے اندر امن کا احساس پیدا کرتا ہے اور اس کے ضمیر و وجدان میں عقیدۂ و اخلاق کی ایسی جوت جگاتا ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ مجسم امن و سلامتی بن جاتا ہے کیونکہ انسان جب متعدد معبودوں کی پرستش کے باوجود بھی روحانی امن و سکون سے محروم رہتا ہے تو اسلام کا نظریہ توحید اسے تسلی دیتا ہے کہ: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔(۵۱) ترجمہ: "جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں تو ایسے ہی لوگ پر امن ہیں اور یہی لوگ راہ یافتہ ہیں"

یعنی امن و سکون تو اہل توحید کے لیے مقدر ہے۔ جب اسے دوسروں کے عیش و طعم کے مقابلے میں اپنی بدحالی دیکھ کر پریشانی لاحق ہوتی ہے تو عقیدۂ قضا و قدر اس کے لیے سامانِ تسکین ثابت ہوتا ہے۔ جب وہ بے راہ رو ہونے لگتا ہے تو عقیدۂ آخرت اور اس کی ہولناکی اسے راہِ راست پر لے آتی ہے اور جب وہ کسی کا حق مارنے اور قتل وخون کا ارادہ کرتا ہے تو اسلام کا نظریہ قصاص وجنایات اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتا ہے اس طرح فرد کی زندگی امن حقیقی سے آشنا ہو جاتی ہے۔

**ریاست مدینہ میں نظم وضبط کا قیام سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں:**

مکہ مکرمہ میں جب کفار کا ظلم و ستم جب حد سے بڑھ گیا اور وہ مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دینے لگے اور آپ ﷺ کفار مکہ کے اسلام لانے کی خاطر سخت تگ و دو کرنے کے بعد انکی اصلاح سے ناامید ہو گئے تو بحکم خداوندی مدینہ منورۃ کی جانب اپنے جانثاروں کو مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی، تو جانثاران نبوی ﷺ

نے یہ حکم سنتے ہی پوشیدہ طور پر منظم انداز سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت شروع کر دی۔(۵۲) کفار مکہ کے اس منصوبے پر جب مسلمان مطلع ہوئے اور کفار مکہ جب آپ ﷺ کے خلاف دارالندوہ میں کفار نے آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا، تو اللہ تعالی نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو کفار کی اس سازش پر مطلع کر دیا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے "وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔" ترجمہ: اور (اے پیغمبر) یاد کیجئے اس وقت کو جب کفار منصوبے بنارہے تھے، کہ تمہیں گرفتار کرلیں یا تمہیں قتل کر دیں، یا جلاوطن کر دیں، اور وہ اپنے منصوبے بنارہے ہیں، اور اللہ اپنے منصوبے بنارہا ہے، اور اللہ بہترین منصوبے بنانے والا ہے(۵۳)

چنانچہ بوقت ہجرت آپ ﷺ یہ آیت مبارکہ کثرت سے بطور دعا پڑھ رہے تھے، "وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۔" ترجمہ: اے اللہ صدق وصفاء کے ساتھ داخل فرما، اور جہاں سے نکالا ہے وہاں کا نکلنا بھی صدق وصفاء پر مبنی ہو اور ہمیں اپنے پاس سے غلبہ عطا فرما"(۵۴) اللہ رب العالمین نے آپ اکی یہ دعا قبول فرمائی اور اسلامی ریاست کے قیام کیلئے آپ کو غلبہ عطا فرمایا، اور آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر ہی ریاست مدینہ کو نظم وضبط سے مزین کرنے کے اقدامت شروع کر دیئے تھے۔

**ریاست مدینہ میں اجتماعی نظام کفالت:**

ہجرت کے بعد جب حالات بہتر ہوئے اور بیت المال میں مختلف انواع کے اموال جمع ہونے شروع ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا نظام بنادیا کہ اگر کسی کو ضرورت کی کوئی چیز درکار ہوتی جسے وہ خود مہیانہ کر پاتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتا، اور اس کی ضرورت پوری کر دی جاتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی ضرورت مند آتا اور اپنی ضرورت کا اظہار کرتا تو اگر اپنے پاس کچھ موجود ہوتا تو دے دیتے ورنہ کسی ساتھی سے کہہ کر دلوادیتے، اور بسا اوقات قرض لے کر بھی اس کی ضرورت پوری فرمادیتے تھے۔

ان معاملات کی ذمہ داری حضرت بلالؓ، کے سپرد تھی، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے اخراجات اور ضروریات کی نگرانی کرتے تھے، ضرورت کی چیزیں مہیا کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باہر سے آنے والے حضرات کی ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی چیز موجود نہ ہوتی تو قرض لے کر ضرورت پوری کر دیتے تھے اور بعد میں قرض کی ادائیگی کر دی جاتی تھی۔ گویا کسی ضرورت مند کی ضرورت رکتی نہیں تھی، اس کو پورا کرنے کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آتی تھی۔(۵۵)

جناب نبی اکرم صلی الہ علیہ وسلم کا یہ اجتماعی کفالت کا نظام اس قدر متعارف ہوا کہ دیہات سے اعرابی آتے تھے اور بڑی دلیری کے ساتھ سامان کا مطالبہ کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق ایک موقع پر کسی اعرابی نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں آپ کی چادر کو اس شدت کے ساتھ کھینچا کہ آپ کی گردن پر نشان پڑ گیا۔ اس

طرح چادر کھینچ کر اس نے کہا کہ آپ ﷺ کے پاس جو مال ہے وہ نہ آپ کا ہے اور نہ ہی آپ کے باپ کا (نعوذ باللہ) ہے۔ اس لیے اس میں سے مجھے بھی دیں۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مال تو اللہ تعالیٰ کا ہی ہے، میرا یا میرے باپ کا نہیں ہے۔ لیکن میں اس وقت تک تمہیں اس مال میں سے کچھ نہیں دوں گا جب تک تم مجھے اس زیادتی کا بدلہ نہ دو جو ابھی تم نے میرے ساتھ کی ہے۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں آپ کو کوئی بدلہ نہیں دوں گا۔ اس کے باوجود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو اونٹ سامان سے لدے ہوئے عطا فرما دیے۔(۵۶)

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوسائٹی میں اجتماعی کفالت کا ایسا نظام متعارف کرایا کہ کسی ضرورت مند کی ضرورت رکتی نہیں تھی اور کسی نہ کسی طرح پوری کر دی جاتی تھی۔ اگر اسلام کا اجتماعی نظام کفالت اپنی روح کے ساتھ آجائے تو کسی قسم کی انشورنس کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور بیت المال ہی انفرادی اور اجتماعی سطح پر انشورنس کے ہر قسم کے تقاضے کو پورا کر دیتا ہے۔ خدا کرے کہ یہ نظام ہمیں نصیب ہو جائے، آمین۔

**مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات اور نظم وضبط:**

پیغام محمدی ﷺ کو دنیائے انسانیت تک پہنچانے کیلئے اب ایک عالم گیر معاشرے کے قیام کی ضرورت تھی، مگر قومی اور نسلی عصبیت اس میں بہت بڑی رکاوٹ تھی، اس کا استیصال کئے بغیر یہ اعلیٰ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے بہت ہی حکمت و بصیرت کے ساتھ نبی حکیم انے قومی عصبیت کے بت کو پاش پاش کرتے ہوئے مہاجرین و انصار میں باہم مواخات (بھائی چارے) کا تعلق قائم فرمایا۔(۵۷)

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب ایک آزاد مسلم سوسائٹی کے ساتھ نئے دور کا آغاز کیا تو، آپ ﷺ نے ریاست مدینہ میں نظم وضبط کے قیام کیلئے انصار و مہاجر صحابہ کرامؓ کے مابین اخوت کا رشتہ قائم فرما دیا، انصار صحابہ کرامؓ نے بھی واقعتا اس رشتے کا حق ادا کر دیا، جسکی نظیر سارے عالم میں ملنے سے قاصر ہے، چنانچہ انصار صحابہ کرامؓ نے زمینوں اور باغات جس پر اہل مدینہ کی معاشی زندگی کا دار تو مدار تھا، اپنے مہاجر بھائیوں کو بھی اس میں شریک کر لیا اور ساتھ ہی باہمی کفالت کا ایک نیا اسلوب متعارف کرایا اور سوسائٹی میں اجتماعی کفالت کے نظام کی بنیاد رکھی جس کا آغاز مؤاخات سے ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو انصارِ مدینہ کے ساتھ بھائی بھائی بنا دیا۔ اس طرح کہ مہاجرین کی ضروریات کی کفالت انصار کے مختلف خاندانوں میں تقسیم ہو گئی۔ یہ نظام اس وقت تک قائم رہا جب تک سب لوگ اپنے اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو گئے۔ اس کی ترتیب یہ تھی کہ ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا جاتا جو اس کی ضروریات کا کفیل ہوتا۔ اس دوران ان میں سے جو فوت ہو جاتا دوسرا اس کا وارث بھی قرار پاتا۔(۵۸)

انصار مدینہ نے جس حوصلہ اور ایثار کے ساتھ مہاجرین کی یہ خدمت کی اس کی ایک مثال یہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، کو جس انصاری صحابیؓ، کا بھائی بنایا اس نے عبد الرحمنؓ، کو گھر لے جا

کر پیش کش کی کہ وہ ان کا آدھا مال لے لیں اور ان کے اثاثوں میں برابر کے حصہ دار بن جائیں۔ حتیٰ کہ ان کی دو بیویوں میں جس کو وہ چاہیں طلاق دلوا کر وہ اس سے نکاح کر سکتے ہیں۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، نے اس پیش کش کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے صرف رہنے کے لیے جگہ اور بازار میں سودا بیچنے کے لیے ٹھکانہ درکار ہے بس اور کوئی چیز نہیں چاہیے۔(۵۹)

ملت اسلامیہ کا اتحاد اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب اس کو صالح اور باشعور افراد میسر ہوں۔ ہر شخص اپنے آپ میں مثلِ انجمن ہو اور انھی سے اسلامی قیادت تشکیل پاتی ہو۔ اس کے لیے علامہ اقبال کا یہ شعر نہایت جامع ہے

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے(۶۰)

**میثاق مدینہ اور نظم وضبط:**

مدینہ تشریف آوری کے بعد جب محمد رسول اللہ ﷺ (۶۱)ابو ایوب انصاریؓ کے گھر قیام پذیر تھے، تو آپ ﷺ نے ریاست مدینہ میں نظم وضبط کے قیام کیلئے میثاق مدینہ کا اہتمام فرمایا، کیونکہ مدینے میں اب بھی نراج و بد نظمی کی کیفیت باقی تھی، عرب قبائل اوس اور خزرج کے ۱۲، جبکہ یہود بنو نضار اور بنو قریظہ کے ۱۰ قبائل میں منقسم تھے،(۶۲) اس معاہدے کے اہم بنیادی نکات جن پر ریاست مدینہ کا دارومدار تھا وہ ہیں (۱)مہاجرین اور انصار کے حقوق کا تعین کیا جائے گا(۲)مہاجرین مکہ کے قیام اور گزر بسر کا انتظام کیا جائے گا(۳)شہر کے غیر مسلموں خصوصاً یہودیوں سے شہر کے داخلی اور خارجی خطرات سے نمٹنے کیلئے اقدامات کئے جائیں گے(۴)شہر کی تنظیم سازی اور فوجی قوت کو پروان چڑھایا جائے گا(۵)قریش مکہ سے مہاجرین کو پہنچنے والے نقصان کے ازالے کیلے ان سے بدلے کا مطالبی کیا جائے گا(۶۳) یہ دستاویز دنیا کی تاریخ کی پہلی دستاویز ہے، جسے کسی حکمران نے پیش کیا اور ریاست میں نظم وضبط کے قیام کیلئے سیاسی زندگی کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھا(۶۴)اس معاہدے کی رو سے پیغمبر امن ﷺ کے سامنے تمام معاملات پیش کئے جائیں گے تاکہ ریاست مدینہ کے لوگ قتل، ڈاکہ، جھوٹ و فریب اور ہر قسم کے خوف وخطرے سے بالاتر ہو کر نظم وضبط کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ (۶۵)

**ریاست مدینہ میں ذرائع ابلاغ:**

غزوہ احزاب میں مشرکین کا محاصرہ ناکام ہوا اور عرب قبائل کا متحدہ لشکر مدینہ منورہ کو تاخت و تاراج کرنے کی حسرت دل میں لیے بے نیل مرام واپس پلٹنے پر مجبور ہو گیا۔ اس پر جناب سرور کائنات ﷺ نے صحابہ کرامؓ، کو یہ بشارت دی کہ یہ مکہ والوں کی آخری یلغار تھی، اس کے بعد مشرکین عرب کو مدینہ منورہ کا رخ کرنے کی جرأت نہیں ہو گی، اب جب بھی موقع ملا ہم ادھر جائیں گے۔ البتہ ہتھیاروں کی جنگ میں ناکامی کے بعد اب مشرکین ہمارے خلاف زبان کی جنگ لڑیں گے، عرب قبائل ہمارے خلاف شعر و ادب کی زبان میں منافرت پھیلائیں گے اور

خطابت و شعر کے ہتھیاروں کو استعمال میں لائیں گے۔ اتنی بات کر کے جناب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے دریافت کیا کہ ہتھیار کی جنگ میں تو تم نے میرا بھرپور ساتھ دیا، اب زبان و ادب اور شعر و خطابت کی جنگ میں تم میرا کتنا ساتھ دو گے؟

یہ سن کر انصار مدینہ میں سے تین بزرگ اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ جنگ ہم لڑیں گے اور مشرکین کا مقابلہ کریں گے۔ یہ حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت کعب بن مالکؓ، اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ تھے جن کا شمار ممتاز شعراء میں ہوتا تھا۔ انہوں نے زبان و ادب اور شعر و خطابت کے محاذ پر مورچہ سنبھالا اور مشرکین کو اس میدان میں بھی شکست سے دوچار کیا۔ ان کے چوتھے ساتھی حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ، تھے، غضب کے مقرر اور بلا کے خطیب تھے، انہیں خطیب الانصار کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، خطیب رسول اللہ کہا جاتا تھا، اور ملت اسلامیہ کی تاریخ میں خطیب اسلام کے لقب سے بھی سب سے پہلے انہیں مخاطب کیا گیا۔

یہ اس دور کا میڈیا تھا کہ شعراء اور خطباء اپنے قبائل کی مدح اور دشمن قبائل کی مذمت میں شعر کہتے۔ یہ مقابلے مشترک اجتماعات میں ہوتے تھے اور بسا اوقات ان مقابلوں کے لیے خاص محفلوں کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ جو خطباء اور شعراء مقابلہ جیت جاتے ان کے قبائل کی برتری کا اعتراف کیا جاتا تھا۔(٦٦)

بنو تمیم کا وفد جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرب کے قبائلی رواج کے مطابق وہ اپنا خطیب اور شاعر ساتھ لائے جنہوں نے استقبالیہ محفل میں اپنے قبیلے کے فضائل بتائے اور مفاخر بیان کیے۔ جناب نبی کریم ﷺ کے حکم پر جواب میں حضرت حسان بن ثابتؓ، اور حضرت ثابت بن قیسؓ، نے اسلام کے محاسن، جناب نبی کریم ﷺ کے فضائل اور کفر کی برائیاں بیان فرمائیں جنہیں سنتے ہی بنو تمیم کے وفد کا لیڈر بے ساختہ پکار اٹھا کہ بخدا ان کا خطیب ہمارے خطیب سے بڑا ہے اور ان کا شاعر بھی ہمارے شاعر سے برتر ہے۔ اور پھر یہی بات بنو تمیم کے قبول اسلام کا باعث بن گئی۔ مشرک شعراء کی طرف سے جناب نبی کریم ﷺ کی ہجو میں کوئی کلام سامنے آتا تو جناب نبی کریم ﷺ کے حکم سے حضرت حسان بن ثابتؓ، مسجد نبوی امیں منبر رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر اس کا جواب دیتے۔ ایک موقع پر حضرت حسان بن ثابتؓ، منبر رسولؐ، پر کھڑے ہو کر اسی نوعیت کے اشعار پڑھ رہے تھے جبکہ نبی اکرمؐ، سامنے سامعین کی صف میں تشریف فرما تھے اور حسان بن ثابتؓ، کو یہ کہہ کر داد دے رہے تھے کہ شعر کہتے رہو جبریل علیہ السلام تمہاری مدد کے لیے تمہاری پشت پر کھڑے ہیں۔ (٦٧)

جب جناب نبی اکرم ﷺ ہزاروں صحابہ کرامؓ، سمیت بیت اللہ کے عمرہ القضا کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے جس کی مہار حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ، نے تھام رکھی تھی۔ وہ مہار پکڑے مکہ کی وادی میں اتر رہے تھے اور کافروں کی مذمت میں اشعار پڑھتے جا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ، نے دیکھا تو آگے بڑھ کر آہستہ آواز میں عبد اللہ بن رواحہؓ، کو روکنے کی کوشش کی، کہا کہ اب بیت اللہ شریف سامنے ہے شعر پڑھنا چھوڑ دو، نبی

کریم ﷺ نے یہ آواز سن لی اور اوپر سے کہا کہ اے عمر چھوڑو اسے شعر پڑھنے دو۔ اس لیے کہ اس کے اشعار کافروں کے سینوں میں تیروں سے بھی زیادہ صحیح نشانے پر لگ رہے ہیں۔ (۶۸)

یہ اس دور کی میڈیا کی جنگ تھی، زبان و ادب کی جنگ تھی، شعر و خطابت کی جنگ تھی، اور اس دور کے ذرائع ابلاغ اور صحافت کی جنگ تھی جسے جناب نبی اکرم ﷺ نے نظر انداز نہیں کیا بلکہ اس کی اہمیت کو محسوس کیا، اس چیلنج کو قبول کیا، اس چیلنج کے مقابلے کی صلاحیت رکھنے والے حضرات کو آگے کیا، ان کی حوصلہ افزائی کی، پشت پناہی فرمائی اور اس طرح زبان اور ادب کی اس جنگ میں مشرکین عرب کو چاروں شانے چت کر دکھایا۔

قرآن کریم نے "سورہ الشعراء" میں شعراء کی عمومی حالت کے پیش نظر ان کا تذکرہ اچھے الفاظ میں نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ "وہ فکر و خیال کی ہر وادی میں تخیلات کے گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں اور ان کے پیروکار گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ (۶۹)۔" جبکہ "سورہ یٰس" میں جناب نبی کریم ﷺ کے بارے میں ارشاد ہے کہ "ہم نے نبی(ا) کو شعر نہیں سکھایا، اور نہ یہ اس کے مناسب ہی تھا۔" (۷۰)

## غزوات میں نظم وضبط

خاتم النبیین ﷺ (۷۱) کی سیرت طیبہ کے جہاں دیگر پہلو نظم وضبط سے مزین ہیں وہی معلم اعظم ﷺ (۷۲) کی سیرت طیبہ کا ایک اہم پہلو غزوات و سرایا بھی نظم وضبط کے زیور سے مزین ہے۔

## حق و باطل کے درمیان معرکے اور نظم وضبط

غزوہ بدر جو رحمۃ للعالمین ﷺ (۷۳) کی حیات مبارکہ کے دوران حق و باطل کے درمیان پہلا معرکہ تھا، جس میں خدائے واحد القدوس (۷۴) نے اپنے محبوب اور انکے جانثار صحابہ کرامؓ پر اپنی نصرت کا نزول فرمایا اور باطل کو کنکریوں کے ذریعے شکست دے کر ذلت و پسپائی کی گھاٹیوں میں پہنچا دیا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى "ترجمہ: "اور اے نبی ﷺ، آپ انے ان کفار کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا تھا، اور آپ ﷺ ان کفار پر کنکر نہیں برسائے جب آپ ﷺ ان پر کنکر برسا رہے تھے بلکہ اللہ نے کنکر برسائے" (۷۵) اور اپنے دین کے متوالوں کو فتح سے ہمکنار فرمایا، اس غزوے میں مسلمان بے سروسامان تھے اور افرادی قوت بھی ۳۱۳ کے قریب تھی، جبکہ مقابلے میں کفار کا لشکر جدید جنگی سازوسامان سے لیس اور انکی تعداد بھی ایک ہزار کے قریب تھی۔ (۷۶) آقائے نامدار ﷺ نے اس غزوہ میں تمام صحابہ کرامؓ کی جگہوں کی تعیین فرمادی اور اس سے تجاوز فرمانے کی ممانعت فرمائی، جو نظم وضبط کے قیام کی بہترین مثال ہے۔ (۷۷) حق و باطل کے اس پہلے معرکے میں بارہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور ستر کے قریب کفار مارے گئے۔ (۷۸)، حق و باطل کے پہلے معرکے میں پایا جانے والا نظم وضبط اور اطاعت رہتی دنیا تک کت لئے مثال بن گئی، اس مثالی نظم وضبط کے متعلق محمود خطاب شیث صاحب لکھتے ہیں، " مسلمانوں کا نظم وضبط اور اپنے سپہ سالار کی اطاعت رہتی دنیا تک کیلئے مثال بن

گئی۔(۷۹)موصوف نے امیر کی بلاچوں چراں اطاعت کو نظم وضبط کا مفہوم قرار دیا۔(۸۰)

## غزوہ احد میں نظم وضبط کا دامن چھوڑنے کے نقصانات

غزوہ بدر سے شکست خوردہ کفار مکہ مسلمانوں رحمت للعالمین ﷺ سے انتقام لینے کی آگ میں جل رہے تھے، اس مقصد کی تکمیل کی غرض سے ابوسفیان کے تجارتی قافلے سے حاصل ہونے والی آمدنی جنگ کیلئے رکھ لی، اور خوب زور وشور سے تیاریاں کرنے لگے، اس طرح ۳۰۰۰ ہزار کا لشکر جمع ہو گیا، جن میں ۲۰۰۰، اونٹ ۲۰۰ گھوڑے اور ۱۵ عورتیں شامل تھیں (۸۱) آپ ﷺ کو جب ان کے خروج کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے بھی اپنے جانثار صحابہؓ کے ہمراہ مدینہ سے میدان احد کی جانب کوچ فرمایا، نماز سے فراغت کے بعد لشکر کی جانب متوجہ ہوئے، اور صفوں کو مرتب فرمایا،(۸۲) تنظیم سازی کرتے ہوئے ۵۰ تیر اندازوں پر مشتمل ایک دستہ جبل احد کی پیچھے بٹھادیات اکہ دشمن پشت سے حمل آور نہ ہو، اور عبداللہ بن جبیرؓ، کو لشکر کا امیر مقرر فرمایا اور صف بستہ اور اپنے مورچوں اور تحکانوں پر جمے رہنے کا حکم صادر فرمایا (۸۳) ابتداء میں مسلمان بڑی دلیرے سے کفار کے ساتھ مقابلہ اور زور آزمائی کرتے رہے، اور کفار کو میدان سے بھاگنے پر مجبور کر دیا، اوران کو بھاگتا دیکھ کر مسلمانوں نے نظم وضبط کا دامن چھوڑ دیا اور اپنے مورچوں سے حکم رسول ﷺ کی خلاف ووزی کرتے ہوئے مال غنیمت کے حصول کیلئے نکل آئے، اور مال غنیمت جمع کرنے لگے نتیجہ یہ ہوا کفار نے محاذ خالی دیکھ کر اچانک پیچھے سے تابڑتوڑ حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں مسلمان سنبھل نہ سکے، اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کو جانی ومالی خسارہ اٹھانا پڑا، جسکی بنیادی وجہ بد نظمی کا مظاہرہ اور رسول اللہ اکے حکم کی خلاف ورزی ہے۔

## دوران جنگ نظم وضبط کے فوائد

غزوہ احزاب بھی اسلامی تاریخ میں نہایت اہم یت کا حامل ہے، جسکو غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے (۸۴) اس غزوہ میں ابوسفیان جب مختلف قبائل کے ۱۰۰۰۰ آدمیوں کے ہمراہ(۸۵) مسلمانوں کے خلاف محاذ جنگ گرم کرنے کیلئے روانہ ہوئے تو آپ انے آئندہ کے لائحہ عمل طے کرنے کیلئے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا، بالاخر سلمان فارسیؓ کے مشورے کے مطابق خندقیں کھود کر کفار سے لڑنے کی حکمت عملی اپنائی گئی، اس خندق کی کھدائی میں بھی آپ ﷺ نے نظم ضبط کو برقرار رکھنے کیلئے تمام صحابہ کرامؓ کے درمیان کام کو تقسیم فرمادیا، اور اس غرض سے خود حدود متعین فرمادیں، اور خط کھینچ کر ۱۰ گز زمیں ۱۰ آدمی ان کے درمیان تقسیم فرمائی اور آپ اکا یہ عمل صراحتاً نظم وضبط کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے(۸۶) اس غزوہ میں اطاعت رسول ﷺ اور نظم وضبط کو قائم رکھنے کے نتیجے میں رب ذوالجلال والاکرام(۸۷) نے اپنے دین کے متوالوں کو کامیابی وکامرانی سے ہمکنار فرمایا۔

## تخلیق کائنات میں نظم وضبط کی تعلیم:

ام الکتاب قرآن کریم میں تخلیق کائنات کے نظم وضبط کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "یقینا تمہارا

پروردگار وہ اللہ ہے، جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دنوں میں بنائے، پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا، وہ دن پر رات کی چادر اوڑھا دیتا ہے، جو تیز رفتاری کے ساتھ آکر اس کو دبوچ لیتی ہے، اور اس نے چاند، سورج اور چاند تارے پیدا کئے، جو سب اس کے حکم کے آگے رام ہیں، یاد رکھو، پیدا کرنا اور حکم دینا سب اسی کا کام ہے، وہ بڑی برکت والا ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے"(۸۸)

مذکورہ آیت مبارکہ کائنات کی تخلیق میں نظم وضبط کی نشاندہی کرتی ہے، کیونکہ اللہ رب العزت نے اس کائنات کو بتدریج اور ایک نظم کے ساتھ ترتیب دے کر بنی آدم کو انسانیت کی تعلیم دینا مقصود ہے ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ کائنات کی تخلیق ایک لمحے میں ہی فرمادیں جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے "وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ "(۸۹)

مفسر قرآن امام فخر الدین رازی اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالی کا کائنات کو بتدریج بنانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو امور کی انجام دہی مین نظم وضبط اور صبر کے ساتھ کام کرنا سکھلائے"(۹۰)

کائنات میں نظام شمسی اور نظام قمری دونوں ہی اپنے امور کو انجام دینے میں بھرپور نظم وضبط کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور اپنے اپنے مداروں میں اپنے اپنے اوقات میں گردش کرتے ہیں، جسکی بدولت ایام کی گردش اور کائنات کا نظام رواں دواں ہے، اس کے برعکس اگر یہ نظم وضبط کا دامن چھوڑ دیں، اور اپنے اپنے مداروں سے تجاوز کی کوشش کریں تو کارخانہ زندگی تباہ وبرباد ہو کر رہ جائے گا، اور نظام زندگی درہم برہم ہو جائے گا نظام شمسی اور قمری دونوں ہی نظم وضبط کی کائنات میں بہترین مثالیں ہیں۔ اللہ رب العالمین نے ان دونوں کے اسی نظم وضبط کو قرآن مجید میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: " وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ــ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ــ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ "ترجمہ:"اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جارہا ہے، یہ سب اس ذات کا مقرر کیا ہوا ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جسکا علم بھی کامل ہے، اور چاند ہم نے اسکی منزلیں ناپ تول کر مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ وہ جب لوٹ آتا ہے تو کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح ہو کر رہ جاتا ہے، نہ تو سورج کی مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن سے آگے نکل سکتی ہے، اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں"(۹۱)

کائنات میں کئی بلین سے زائد ستارے اور کہکشائیں اور انکے ساتھ شمس وقمر ہونے کے باوجود ان میں کسی قسم کا کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اسکی بنیادی وجہ ان تمام کہکشاؤں، اور شمس وقمر کا باہمی نظم وضبط کے ساتھ اپنے اپنے مداروں میں گردش کرنا ہے، جسکی طرف مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ جلاشانہ نے اشارہ فرمایا ہے۔

مشہور مصنف ہارون یحییٰ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:"بیشک کائنات میں پائے جانے والے نظم وضبط کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ اجرام فلکی مخصوص دائروں پر یا مداروں میں گردش کرتے ہیں جسکی طرف قرآن مجید میں

بھی اشارہ کیا گیا ہے "وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ "(۹۲)اور یہ ستارے اور سیارے اور سیٹیلائٹ سب کہ سب اپنے اپنے مداروں کے گرد اور ان نظاموں کے اندر گردش کرتے ہیں اگر یہ اجرام فلکی ذرا سا بھی اپنے مداروں سے ہٹ جائیں تو نظم وضبط کا ذرا سا دامن چھوڑ دینے کی وجہ سے کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔(۹۳)

حافظ ابن کثیر رح اس آیت کے ذیل میں اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں مفسر قرآن مجاہد رح کا قول نقل کرتے ہیں، کہ "چاند اور سورج میں سے ہر ایک کی ایک طے شدہ حد مقرر ہے اور اس حد سے یہ تجاوز نہیں کرتے، جب آفتاب سلطان آجاتا ہے تو چاند دکھائی نہیں دیتا، اور جب آفتاب چلا جاتا ہے تو قمر جلوہ افروز ہوتا ہے۔(۹۴)ارشاد ربانی ہے: " وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ۔ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ "ترجمہ:"اور ہم نے زمین کو پھیلایا، اُس میں پہاڑ جمائے، اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی۔ اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے، تمہارے لیے بھی اور اُن بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔ کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں"(۹۵)

ان آیات قرآنیہ اور مفسرین کے اور محققین کے اقوال کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اگر سورج اور چاند کے چلنے میں اس قدر نظم وضبط نہ ہوتا تو انسان کا اس کائنات میں بد نظمی کے باعث گزارا مشکل ہو جاتا، اور اس سارے نظام کو اس قدر منظم انداز میں چلا کر خدائے واحد القھار(۹۶) کی مشیت انسانوں کو نظم وضبط کی تعلیم دینا ہے۔

## قرآنی آیات کی ترتیب اور نظم وضبط:

قرآنی آیات کی موجودہ ترتیب اور نظم وضبط تمام امت مسلمہ کے نزدیک اجماعی اور توقیفی ہے. یعنی جس میں کوئی تبدیلی اور جابجائی یا قیاس و اجتہاد کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ جب حضرت جبرئیل آیات لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتے تو جبرئیل ان آیات کی جگہ اور ترتیب بھی معین کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ہو بہو اسی ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ اصحاب اور کاتبین وحی کی خدمت میں پیش کرتے تھے. اور ہر ایک آیت کی جگہ بھی معین کرتے تھے، اور عین اسی ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ نماز اور خطبوں اور موعظوں کے اوقات تلاوت فرماتے تھے، حتی علوم القرآن کے ماہرین اور محققین اپنی گراں قدر کتب میں تحریر کر چکے ہیں کہ حضرت جبرئیل ہر سال رمضان میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتے ور عین اسی نظم وضبط کے ساتھ آیات کی تکرار کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے سال میں جبرئیل دو دفعہ آئے اور پوری آیات کو اسی ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ تکرار کیا تھا جسکو علوم القرآن کی اصطلاح میں "عرضہ اخیر "کہا جاتا ہے، اور اصحاب وکاتبین وحی اور حافظین قرآن بھی اسی ترتیب اور نظم وضبط کی ہمیشہ رعایت کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال ایک مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا جاتا تھا، لیکن آپ ﷺ کی وفات کے سال یہ دو مرتبہ آپ ﷺ کو سنایا گیا۔"(۹۷)

لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ آیات کی ترتیب اور نظم نسق اور آیات کی جگہ جس طرح موجود ہیں اسی طرح رسول اللہ کے حکم سے رکھی گئی ہے، جس میں کسی قسم کی تبدیلی لانے کی گنجائش نہیں ہے، جس کی تائید احادیث بھی کرتی ہیں۔ حضرت ابو العاصؓ، کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے آسمان کی طرف نظر کی اور فرمایا: "ابھی جبرئیل امین نازل ہوئے تھے اور مجھ سے کہا، اس آیت کو اپنے سورہ کے مخصوص معین جگہ رکھیے وہ آیت " اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآئِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ " تھی۔(۹۸)

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:" رسول اللہ ﷺ کئی سورتوں کو نماز جمعہ کے خطبے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حضور میں آیات کی موجودہ ترتیب اور نظم و نسق کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے، یہ چیزیں آیات قرآن کی ترتیب اور نظم وضبط توقیفی ہونے کی بہترین دلیل ہیں اور اصحابؓ، بھی اسی ترتیب کے پابند رہتے تھے کبھی کسی کو اس ترتیب کے خلاف تلاوت کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی، یہ بات تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔"(۹۹)

**نظم وضبط کے اجزاء:**

آیئے دیکھتے ہیں کہ نظم وضبط کے اجزاء کیا کیا ہیں۔

**ا۔ وحدت ربانی:** اسلامی معاشرے کی روح توحید ہے یہ مثبت اور منفی تصور پر مبنی ہے۔ مثبت یہ کہ وہ ایک موجود ہے اور منفی یہ ہے کہ اس جیسا اور کوئی نہیں ہے وہ نظام کائنات میں اکیلا بااختیار، قادر مطلق، فعال لمایرید اور حاکم اعلیٰ ہے اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر قرآن نے ایک پوری سورۃ نازل فرمائی۔

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔

ترجمہ:"اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں"۔(۱۰۰)

اس مختصر سی سورۃ میں توحید کے اثبات اور شرک کی نفی کے تمام دلائل دے دیئے ہیں۔ توحید تین امور کو ظاہر کرتی ہے۔

اول-- اللہ تعالیٰ اور انسان کا باہمی تعلق، دوم-- انسانوں کا باہمی تعلق، سوم-- انسانوں کا اس کائنات کی دوسری مخلوقات سے تعلق۔

امر اول اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے اور اسی کی عبادت میں حقیقی خوشی محسوس کرے اور غیر اللہ کے تمام بتوں سے اپنے دل کو صاف رکھے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَاالنَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ(۱۰۱) یعنی "لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو" اِيَّاكَ نَعْبُدُوَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ(۱۰۲) "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں"۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن(۱۰۳) میں نے جن اور انس کے لیے پیدا کیے کہ وہ میری عبادت کریں" توحید کی ضد شرک ہے۔ قرآن مجید نے اس کو بھی براہین قاطعہ سے باطل کیا ہے اور تمام گناہوں سے بدترین گناہ قرار دیا ہے۔ فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (۱۰۴) "شرک بڑا بھاری ظلم ہے" شرک کو اس وجہ سے بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ مانع تہذیب ہے۔ جب انسان اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش کرتا ہے تو وہ سب علمی تحقیقات کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلیتا ہے۔ جب انسان شجر و حجر اور شمس و قمر اور دیگر مخلوقات کو اپنا معبود اور مطلوب بنالیتا ہے تو ان کو مسخر کرنے اور ان سے خدمت لینے کی تمام راہیں مسدود کرلیتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے شرک کی ہر قسم کو باطل قرار دیا ہے تاکہ یہ انسان ماسوا اللہ کی زنجیروں سے آزاد ہو کر تہذیب کے میدان میں ترقی کرے۔ قرآن نے شرک کی تمام صورتوں کی نفی کی ہے فرمایا: اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَانُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ(۱۰۵) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے" کہیں فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ(۱۰۶) کبھی فرمایا اِنَمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (۱۰۷) یعنی تمہارا معبود صرف ایک اللہ ہے۔

### ب۔ اتحاد نسل انسانی

توحید الٰہی نسل انسانی کے اتحاد کی متقاضی ہے۔ نسلِ انسانی کی وحدت پر جو توحید کا نتیجہ ہے قرآن نے اس پر بہت زور دیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی تمام لوگ ایک ہی قوم ہیں۔ پھر فرمایا: وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً (۱۰۸) سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں۔

### ج۔ عظمت انسان

عظمت انسان اسلامی تہذیب کی جان ہے یہ وہ پہلو ہے جو دنیا کی کسی تہذیب میں نہیں پایا جاتا۔ ارشاد ربانی ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (۱۰۹) "اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور ان کو اچھی چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو بہتوں پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے بڑی فضیلت دی ہے دوسری جگہ فرمایا۔ وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ(۱۱۰) اور اس نے تم کو مخلوقات پر فضیلت دی ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ(۱۱۱) یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔ اور حدیث مبارکہ ہے۔خلق الله آدم على صورته۔(۱۱۲) اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اسلام نے انسان کی اس عظمت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دی یہ تعلیم دی ہے کہ ہر انسان ایک دوسرے کی عزت و تکریم کرے اور محبت سے پیش آئے۔ نبیؐ نے فرمایا۔ الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله (۱۱۳) ساری مخلوق عیال اللہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی

مخلوق سے سب سے زیادہ بھلائی کرتا ہے اسلام کی تعریف کرتے ہوئے ایک بار نبیؐ نے فرمایا التعظیم لامر الله والشفقة علی عیال الله (۱۱۴) اللہ کے احکام کی تعظیم کرو اور اللہ کی مخلوق سے محبت رکھو۔

**ہ۔ مساوات انسانی:**

اسلامی تہذیب مساوات کا سبق دیتی ہے ذات پات کے تصور کو جڑ سے کاٹ کر پامال شدہ لوگوں کو بڑوں کے دوش بدوش کھڑا کرتی ہے۔ شرافت و ذلت کے خود ساختہ معیارات کو ختم کرتی ہے۔ قوم، نسل، زبان، رنگ اور جغرافیائی حدود کے امتیازات کو ٹھکرا کر مساوات انسانی کا سبق دیا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (۱۱۵) اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے پرہیز گار ہے اللہ جاننے والا خبر دار ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپؐ نے فرمایا: ایها الناس اَلا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربي علی عجمي ولا لعجمي علی عربي ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوٰی (۱۱۶) لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوٰی کے سبب سے"۔ تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا کرے یہ دل میں خیر و شر کی تمیز کی خلش اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتا ہے۔

**د۔ رواداری**

اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ مذہبی رواداری کی علمبر دار ہے وہ ہر ایک سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہر مذہبی کتاب اور ہر پیغمبر کو مانا جائے اور ان کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہ کی جائے اللہ کا فرمان ہے۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِوَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ۔ (۱۱۷) جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے۔

نبیؐ نے دور جاہلیت کے تمام وحشیانہ جنگی طریقوں کو منسوخ کر دیا اور ایسے قوانین نافذ فرمائے جو آج بھی احترام آدمیت کا درس دیتے ہیں۔ ان قوانین کے مطابق جنگ کے دوران عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل عبادت گاہوں اور فصلوں کی تباہی و بربادی اور دشمنوں کے ہاتھ، ناک کان وغیرہ کاٹنے پر پابندی لگادی گئی۔ (۱۱۸)

اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ قوت اور طاقت سے دین کی اشاعت کی جائے۔ اور لوگوں کو جبراً منوایا جائے۔ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ واضح حکم ہے۔ ایک اور جگہ فرمانِ الٰہی ہے۔ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۱۱۹) یعنی "کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن بن جائیں۔

اسلام تمام ادیان کی عبادت گاہوں کو قابلِ احترام سمجھتا ہے اور ان کی حفاظت اور مدافعت کی تعلیم دیتا ہے اور محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے دوسروں سے نیکی اور صلح رحمی میں حائل ہونے سے منع کرتا ہے۔ اگر اسلام جلوہ گرہ نہ ہوتا تو دنیا شاید زمانۂ دراز تک انسانیت، تہذیب اور شائستگی سے روشناس نہ ہوتی۔ یہ اظہر من الشمس ہے کہ آج دنیا میں مساوات، امداد باہمی، رواداری اور انسانی ہمدردی کی جو تحریکیں جاری ہیں۔ وہ اسلام کی مرہون منت ہیں جسے اپنوں اور بیگانوں سب نے تسلیم کیا ہے۔ ایک برطانوی مصنفہ آر مسٹر انگ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

Muhammad... Founded a religion and a tradition that was not based cultural on the sword despite the western myth and whose name Islam, signifies peace and reconciliation.(120)

"محمدؐ ایک ایسے مذہب اور تہذیب کے بانی تھے۔ جس کی بنیاد تلوار پر نہ تھی مغربی پروپیگنڈے اور افسانہ کے باوجود اسلام کا نام امن اور صلح کا مفہوم رکھنے والا ہے"۔ اسی طرح ایک اور مشہور امریکی ماہر فلکیات اور دانشور ڈاکٹر میخائل ایچ ہارٹ Dr. Michael H. Hart اور ان کی تعلیم یافتہ اہلیہ نے دنیا کی مشہور شخصیات کا مطالعہ کیا اور حاصل مطالعہ کی روشنی میں (سو عظیم شخصیات) نامی کتاب لکھی۔ مصنف کے نزدیک ان لوگوں نے تاریخ پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ مصنف نے سب سے پہلے نمبر پر نبیؐ کی شخصیت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔

Muhammad was the only man in history who was supremely successful on both the religious and the secular levels.(121)

پوری انسانی تاریخ میں محمدؐ وہ واحد شخصیت ہیں جو دینی و دنیاوی دونوں اعتبار سے غیر معمولی طور پر کامیاب و کامران ہوئے ہیں۔

### ح۔ جواب دہی کا تصور

اسلامی ثقافت کا ایک اہم عنصر جواب دہی کا تصور ہے۔ اسی تصور سے تقویٰ و احتیاط کا رویہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ تصور مفصل فکری نظام پر مبنی ہے۔ مثلاً کائنات کا یہ موجودہ نظام ختم ہونے والا ہے پھر نیا نظام قائم ہوگا جہاں اچھے یا برے نتائج و ثمرات وہاں اصلی صورت میں ظاہر ہوں گے جزاء و سزا کا عادلانہ نظام قائم ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے۔" وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ "(۱۲۲) اور (اس روز جزاء) کو تو وہی جھٹلاتا ہے جو حد (عبودیت) سے گزرنے والا مجرم ہو اور فرمایا "وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى "(۱۲۳) اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور اس نے نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا۔

### خ۔ آزادی

انسان فطری طور پر آزادی کا خواہش مند ہے اگر کوئی فرد غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے تو اس کی روح آزادی کے لیے تڑپتی رہیگی اور وہ آزادی کے لیے بے قرار رہے گا دنیا کی اکثر جنگیں آزادی کے لیے لڑی گئیں۔ اسلامی تہذیب حریت کا پیغام دیتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: " فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۔ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ ۔ فَکُّ رَقَبَةٍ "(۱۲۴) سو وہ اونچی چوٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے کسی گردن کا آزاد کرنا ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ انسان تہذیب و تمدن کی ارفع گھاٹی پر نہیں چڑھ سکتا جب تک غلاموں کی آزادی کے لیے جدوجہد نہیں کرتا۔ حقیقی تہذیب اس وقت دنیا میں قائم ہو گی جب ہر فرد آزادی کی دولت سے متمتع ہو گا۔

## قوموں اور قبیلوں میں تقسیم محض شناخت کے لیے:

ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے نسل عالم وجود میں آئی ہے اور آج دنیا میں جتنی بھی نسلیں پائی جاتی ہیں وہ دراصل ایک ہی نسل کی شاخیں ہیں۔ (۱۲۵) جو ایک ماں اور باپ سے شروع ہوئیں۔ اس سلسلہ تخلیق میں کسی جگہ یا کسی طرح بھی تفرقے یا اونچ نیچ کی گنجائش موجود نہیں۔ جس کے زعم باطل میں انسان مبتلا ہو جائے۔(۱۲۶) ایک ہی خالق ہے ایسا نہیں کہ مختلف انسانوں کو مختلف یا جدا جدا خداؤں نے پیدا کیا ہو۔ ایک ہی مادۂ تخلیق سے تمام انسان بنائے گئے ہیں۔ ایسا بھی نہیں کہ کچھ انسان کسی پاک یا اعلیٰ مادے سے بنے ہوں اور کچھ کسی ناپاک یا ادنیٰ مادے سے بن گئے ہوں۔ پیدا ہونے کا طریقہ بھی ایک ہی ہے۔ یہ بھی نہیں ہوا کہ مختلف ممالک اور مختلف خطوں کے لوگ الگ طریقوں سے پیدا ہوئے ہوں، یہ بھی نہیں ہوا کہ دنیا کے مختلف خطوں کی آبادیاں الگ الگ اور مختلف طریقوں سے پیدا ہوئی ہوں۔ (۱۲۷) لیکن اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود انسانوں کا قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہونا فطری امر تھا، ظاہر ہے پوری روئے زمین پر سارے انسانوں کا ایک ہی خاندان تو نہیں ہو سکتا تھا۔ نسل اور نسلوں کے بڑھنے اور پھیلنے کے ساتھ ناگزیر تھا کہ بے شمار خاندان اور قبیلے وجود میں آئیں(۱۲۸) اور پھر خاندانوں اور قبیلوں کی تقسیم سے اقوام، گروہ اور ملتیں وجود میں آئیں۔ اس طرح زمین کے مختلف خطوں میں آبادیوں کے آباد ہونے کے بعد، رنگ، زبانیں، خدوخال، طرز بود و باش اور عادت و اخلاق بھی لامحالہ مختلف ہی ہو جاتے ہیں، چنانچہ ایک خطے کے رہنے والوں کو باہم قریب تر اور دور دراز خطوں کے رہنے والوں کو بعد تر ہونا ہی تھا۔(۱۲۹) فرمان الٰہی ہے:

اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔(۱۳۰)

ترجمہ: لوگو ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔

## اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے سیرت نبوی ﷺ سے رہنمائی

### عبادات میں نظم وضبط

اسلام کی بنیادی عبادات جو در حقیقت اسلام کی بنیاد ہیں نماز، روزہ حج، زکوۃ وغیرہ ہیں جیسا کہ حدیث مبارکہ

میں وارد ہوا"بنی الاسلام علی خمس، شهادة ان لا اله الا الله، وان محمدا رسول الله، واقام الصلوة، وایتاء الزکوة، والحج وصیام رمضان "ترجمہ:"اسلام کی بنیاد ۵ ستونوں پر قائم کی گئی ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، حج کرنا، ماہ رمضان کے روزے رکھنا"(۱۳۱)

**ا۔ نماز میں نظم وضبط:**

اسلام کی بنیادی عبادت نماز ہی کو اگر دیکھ لیا جائے کہ رب العالمین نے نماز کا قرآن کریم میں تقریبا ۶۸ مرتبہ تذکرہ کرکے جہاں اسکی اہمیت کو بیان کیا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے"اقیموا الصلوة "(۱۳۲)اسی قدر نماز میں نظم وضبط کا بھی پابند بنایا گیا ہے، کیونکہ یہ بھی ممکن تھا کہ تمام لوگ اپنی مرضی سے رب کے حضور سر بسجود ہو جائے لیکن "رب العالمین"(۱۳۳) نے اپنے متبعیین کو مقررہ اوقات میں نماز کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا "ترجمہ:"بیشک مؤمنین پر نماز مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے۔"(۱۳۴)یہی اوقات فرد میں نظم وضبط پیدا کرتے ہیں، ساتھ ان اوقات کی تعیین بھی کر دی گئی چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالی (۱۲۳) نے ارشاد فرمایا: " اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ "ترجمہ:"اور نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے لیکر رات چھانے تک اور فجر کی نماز"(۱۳۵)

اس آیت کریم کے ذیل میں مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہین کہ اس آیت مبارکہ میں نماز کے اوقات کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ سورج نکے ڈھلنے سے لیکر رات کے چھاجانے سے نماز ظہر سے نماز عصر اور قرآن فجر سے نماز فجر مراد ہے۔(۱۳۶)

ادائیگی نماز میں صرف وقت ہی کا پابند نہیں بنایا گیا، بلکہ ادائیگی نماز کے مقام کا تعین یعنی عمومی حالات میں مردوں کو نماز کی ادائیگی مسجد میں باجماعت کرنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ باجماعت نماز کو انسان کی معاشرتی زندگی میں بہت اہمیت حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ باجماعت نماز کی وجہ سے مسلمان تمام ترجیحات، تعصبات اور ہر طرح کی افراط و تفریط سے بالاتر ہو کر رب ذوالجلال کے حضور صف بستہ ہو کر نظم وضبط کا عملی مظاہرہ پیش کرتے ہیں بقول علامہ اقبال کے

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز(۱۳۷)

اور اس طرز عمل سے مزید مسلمانوں کو نظم وضبط کی لڑی میں مضبوطی سے پرویا گیا ہے اور نہ صرف یہ بلکہ اس کی پابندی نہ کرنے والوں کو رحمت عالم ﷺ کی جانب سے سخت وعید کی نوید سنائی گئی ہے، صرف یہ ہی نہیں بلکہ نفس نماز کی ادائیگی میں رب کریم نے اعتدال کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے: " وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَا تِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِکَ سَبِيْلًا "

اور نہ آپ اپنی نماز کو بہت ہی زیادہ بلند آواز میں ادا کیجئے اور نہ ہی بہت زیادہ پست آواز میں ادا کیجئے، بلکہ ان کے درمیان کا راستہ تلاش کیجئے (۱۳۸) اس آیت کے شان نزول میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت یار غار ثور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ پست آواز سے نماز میں تلاوت فرمارہے ہیں، اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ رضی اللہ عنہ نہایت ہی تیز آواز میں تلاوت فرمارہے ہیں، صبح کے وقت جب یہ دونوں جانثاران نبوی ﷺ دربار نبی ﷺ میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے دونوں سے انکے اس عمل کی وجہ پوچھی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسکے جواب میں ارشاد فرمایا، کہ میں پست آواز سے اس لئے تلاوت کررہا تھا تاکہ دوسروں کو میری وجہ سے تکلیف نہ ہو اور فاروق اعظمؓ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ عمل شیطان کو دور بھگانے کے لیے کررہا تھا، اس کے بعد مذکورہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔(۱۳۹)

سرور دوعالم ﷺ نے اپنی سیرت مبارکہ سے بھی لوگوں کو نماز میں اعتدال کی تعلیم دی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ محبوب کبریاء ﷺ مسجد کے ایک کونے میں تشریف فرماتھے، ایک شخص آیا اور جلدی جلدی نماز ادا کی، اور آپ ﷺ پر سلام بھیجا آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: "قم فصل فانک لم تصل" ترجمہ: "کھڑے ہو اور دوبارہ نماز ادا کرو گویا کہ تم نے نماز ادا نہیں کی۔"(۱۴۰)

مذکورہ آیت اور حدیث مبارکہ میں نماز میں نظم و ضبط اور میانہ روی کی تعلیم دی گئی ہے لیکن اس کے برعکس ہمارے معاشرے میں سیرت طیبہ ﷺ سے عدم وقفیت کی بناء پر اجتماعی طور پر نماز کی ادائیگی میں میانہ روی اور نظم وضبط کا دامن چھوڑنے کی وجہ سے افراط و تفریط پائی جاتی ہے، بسا اوقات بعض ائمہ کی جانب سیاتنی طویل کردی جاتی ہے کہ پیچھے کھڑے مقتدیوں میں ضعفاء اور کمزور و نحیف پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات اتنی جلد بازی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ ارکان نماز کی ادائیگی بھی صحیح طور سے نہیں ہوتی، لہذا اس ضمن میں ائمہ مساجد کو چاہئے کہ سیرت طیبہ ﷺ پر عمل کرتے ہوئے نظم وضبط اور اعتدال کا دامن تھامے رکھیں، تاکہ ضعفاء اور معاشرے کے دیگر طبقات کے افراد کو پریشانی اور دشواری سے بچایا جاسکے، اور یہ نظم وضبط کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمان کے نظم وضبط، ترتیب اور مہذب ذوق پر غور و فکر کرو کہ کیسے وہ اپنے بدن، کپڑے اور جگہ کو پاک صاف کرکے نماز کی تیاری کرتا ہے، مسواک کرتا ہے اور زینت اختیار کرتا ہے، پھر سکون اور وقار کے ساتھ مسجد کی طرف چلتا ہے، وہ اپنی ذات، اپنے بھائیوں اور مقرب فرشتوں کا خیال رکھتے ہوئے ناگوار بو سے بچتا رہتا ہے، پھر گھر، اور مسجد سے نکلنے اور داخل ہونے کے آداب کا خیال رکھتا ہے، آواز کو پست اور نظروں کو نیچا رکھتا ہے۔ ارشاد ربانی

ہے: " وَلَا تَجهَرْ بِصَلَا تِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِکَ سَبِيْلًا "(۱۴۱)ترجمہ: "اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت پست آواز سے، ان دونوں کے درمیان اوسط درجے کا لہجہ اختیار کرو"

اللہ کا فرمانبردار ہو کر خاموشی سے قیام کرتا ہے، کوئی لغو حرکت کرتا ہے اور نہ اپنی سوچ کو منتشر کرتا ہے، امام کی پیروی کرتا اور اپنی صف میں منظم طریقے سے کھڑا ہوتا ہے، نماز میں بلند ذوق اور اعلیٰ آداب کے بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ہمارے کندھوں کو چھوتے اور فرماتے: برابر ہو جاؤ اور کجی نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی تم میں سے سمجھ دار اور دانشمند لوگ میرے قریب کھڑے ہوں پھر جو ان سے قریب ہوں پھر جو ان سے قریب ہوں۔ (۱۴۲)

حضرت ابو ہریرہؓ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس کے مخالف نہ چلو جب وہ رکوع میں چلا جائے تب تم رکوع کرو، وہ سمع الله لمن حمده کہہ لے پھر تم کہو ربنا لك الحمد، جب وہ سجدے میں چلا جائے تو تم سجدے میں جاؤ، جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو اور صف کو درست کرو کیونکہ صف کو درست کرنا نماز کی خوبصورتی ہے۔(۱۴۳)مومن اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع اختیار کرتے اور لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں: " یقیناً نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے "(۱۴۴)۔

**ب۔روزے میں نظم وضبط**

اسلام نے جہاں نماز کو عقید تمندوں پر فرض کر کے اس ذریعے سے مسلمانوں کو نظم وضبط کا پابند بنایا ہے وہی روزے کو بھی تزکیہ نفس کیلئے فرض کیا ہے جیسا کہ سورہ تقرہ میں ارشاد ربانی ہے: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ " (۱۴۵)

اسلام نے اجتماعی طور پر ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم دیا، ایسا ہو سکتا تھا کہ ہر ملک کے مسلمان آب و ہوا اور موسم کے لحاظ سے الگ الگ مہینوں میں روزے رکھ لیتے، لیکن تمام مسلمانوں پر ایک ہی مہینہ میں روزہ فرض کیا تاکہ نظم وضبط اور جماعتی شان برقرار رہے۔ رمضان کا پورا مہینہ گویا مسلمانوں کیلئے ایک روحانی ٹریننگ کیمپ ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کی نظریاتی اور عملی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ مسلمان بھوک، پیاس کو برداشت کرنے کی تربیت سے گزر کر عملی زندگی میں پیش آنے والی مشکلات کا سامنا صبر اور برداشت کے ذریعے کر کے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے سکیں جس کی بنیاد صبر اور برداشت جیسی اعلیٰ صلاحیت اور خوبیوں پر قائم ہو۔

**ج۔زکوٰۃ میں نظم وضبط:**

زکوٰۃ میں بھی اجتماعی نظام کو ملحوظ رکھا گیا، اس کے ذریعہ قوم کے غیر متمول و بے سہارا طبقہ کی پرورش و کفالت ہوتی ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زکوٰۃ ان کے مالداروں سے لی جائے اور ان کے حاجت مندوں کو واپس کر دی جائے۔"(۱۴۶)

### د۔حج میں نظم وضبط:

حج کی فرضیت کی بنیادی وجہ لوگوں کو اجتماعی طور پر نظم وضبط کا پابند بنانا ہے، کیونکہ دنیا کہ لوگ اس عظیم فریضے کی ادائیگی کیلئے لاکھوں کی تعداد میں دنیا کے تمام اطراف سے بیک وقت تشریف لاتے ہیں، یہ بھی ممکن تھا کہ تمام لوگ اپنی سہولت اور مرضی کے مطابق سال کے بارہ ماہ میں کسی بھی وقت تشریف لاکر مناسک حج کی ادائیگی کر لیتے، لیکن اس کے اجتماعی عبادت ہونے کیوجہ سے لوگوں کو اجتماعی طور پر نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے اس عبادت عظیمہ کے اوقات کار متعین کئے گئے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ،(۱۴۷) ترجمہ: "حج کے مہینے متعین ہیں"(۱۴۷)

فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب مختصر القدوری کے مصنف فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ماہ شوال، ماہ ذی القعدہ، اور ماہ ذی الحج کے ابتدائی دس دن ہیں۔(۱۴۸)

پوری دنیا کے مالدار مسلمانوں پر ایک خاص ایام میں حج کا حکم دیا گیا یہ بات بھی ممکن تھی کہ ہر ممالک کے مسلمانوں کے لئے الگ الگ مہینوں میں فریضہ حج ادا کرنے کی تاکید کی جاتی تاکہ اژدہام کم ہوتا اور مناسک حج کی ادائیگی میں کوئی دشواری پیش نہ آتی، لیکن حکم دیا گیا کہ نہیں، سبھوں کو ذی الحجہ کے ایام میں حج بیت اللہ کا طواف کرنا، صفا ومروہ کا سعی کرنا اور ارکان حج کو ادا کرنا ضروری ہے، تاکہ مسلمانوں میں نظم وضبط اجتماعیت اور آفاقیت کا مزاج پیدا ہو اور سارے مسلمان وطنیت، قومیت، تمدن ومعاشرت کے تمام امتیازات کو مٹا کر سب ایک ہی ملت (ملت ابراہیمی) میں گم ہو جائیں اور ایک ہی بولی میں خدا سے باتیں کریں۔ بقول علامہ اقبال

بتان رنگ وخوں وتوڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی (۱۴۹)

حاکم ہو یا محکوم، عالم وفاضل ہو یا فقیر بے نوا سب اپنی امتیازی حیثیت کو مٹا کر اپنی انانیت اور خودی کو قربان کر کے مالک کے دروازے پر بھکاری بن کر آئے ہیں، یہی وہ وحدت کا رنگ ہے جو ان تمام مادی امتیازات کو مٹا دیتا ہے۔ پس یہ صبر ہی تو ہے جو مسلمان کو نظم وضبط کے دائرے میں رکھتا ہے کیونکہ صبر مسلمان کو ناپسندیدہ امور پر نامناسب رد عمل کے اظہار سے منع کرتا ہے جس سے کسی کی حق تلفی ہوتی ہو۔ اور اسے معاشرے کے حسن کو برقرار رکھنے میں مدد ومعاون ہر ضابطے کی پابندی کی تلقین کرتا ہے اور حاجی تو اس کا زیادہ محتاج ہوتا ہے کیونکہ حج نظم وضبط کی پابندی کا نام ہی تو ہے۔(۱۵۰)

### معاملات میں نظم وضبط:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، کا شمار حدیث نبوی ا کے بڑے راویوں میں ہوتا ہے۔ وہ صوفی منش بزرگ تھے، انہیں نماز، روزہ اور تعلیم وتعلم کے سوا کسی کام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اور ان کا یہ معمول بن گیا تھا کہ

روزانہ پابندی کے ساتھ روزہ رکھتے تھے اور رات کا بیشتر حصہ اہتمام کے ساتھ نماز و قیام گزارتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے والد محترم حضرت عمرو بن العاصؓ، کو اس بارے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باقاعدہ شکایت کرنا پڑی۔(۱۵۱)

آنحضرت انے حضرت عبد اللہؓ، کو بلایا اور اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے تصدیق کر دی کہ وہ بلاناغہ روزہ رکھتے ہیں اور رات کا اکثر حصہ نماز و قیام میں گزارتے ہیں۔ چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس سے منع کیا اور فرمایا: "تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے، اور تیرے مہمانوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔"(۱۵۲)

اس واقعہ سے جہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن قائم رکھنے حکم دیتا ہے اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی کوئی ایسی صورت قبول نہیں کرتا جس سے حقوق العباد متاثر ہوتے ہوں۔ وہاں ایک اور بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ انسان جب بھی اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرتا ہے تو اس کے سامنے وقتی حالات ہوتے ہیں اور وہ انہی کی روشنی میں معاملات انجام دیتا ہے۔ جبکہ اسلام ایسا کوئی فیصلہ کرنے میں تمام احوال و ظروف کا لحاظ رکھتا ہے جو کہ بسا اوقات انسان کو عجیب محسوس ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اول و آخر تمام احوال سے واقف ہے اس لیے قاعدہ اور ضابطہ وہی دیرپا اور موثر ثابت ہوتا ہے جو انسان کا خود اپنا طے کردہ نہ ہو بلکہ اس کے ماضی اور مستقبل سے مکمل آگاہی رکھنے والے مالک و خالق کی طرف سے بیان کیا گیا ہو۔

یہی صورت انسانی اجتماعیت کے قوانین و احکام کی ہے کہ انسان جب اپنی سوسائٹی کے لیے خود قوانین وضع کرتے ہیں تو قوانین وضع کرنے والا فرد ہو یا جماعت، نمائندہ ہو یا ڈکٹیٹر، اس کے سامنے احوال و ظروف اور اسباب و محرکات سب وقتی ہوتے ہیں۔ اور وہ انہی کے دائرے میں قاعدے اور ضابطے ترتیب دیتا ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ بے کار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے انسانی معاشرے کے لیے وہی قوانین و احکام فطری اور دیرپا ہیں جو کائنات کے خالق و مالک نے وحی کے ذریعے بھیجے ہیں۔ کیونکہ وہ ساری نوع انسانی کی ضروریات کو خود ان سے بہتر طور پر جانتا ہے اور ان سب کے ماضی، حال اور مستقبل سے کماحقہ آگاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے آج تک کبھی اپنے کسی قانون کے بارے میں نہ معذرت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ کسی دور میں اس کے غیر موثر ہونے کی کوئی شکایت سنی گئی ہے۔(۱۵۳)

**جہاد اور جنگ میں نظم و ضبط:**

"جہاد" کا لفظ لغوی مفہوم کے حوالے سے کوشش، محنت و مشقت اور تگ و دو کی مختلف شکلوں کا احاطہ کرتا ہے اور اسے دینی پس منظر میں لیا جائے تو اسلام کی سربلندی، دعوت و تبلیغ، ترویج و تنفیذ اور تحفظ و دفاع کے لیے کی جانے والی مختلف النوع عملی کوششوں کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنی خواہشات پر کنٹرول اور نفس کی

اصلاح کی مساعی پر بھی جہاد کا لفظ بولا گیا ہے جس کی قرآن وسنت میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

لیکن جہاد کا ایک خصوصی مفہوم "جنگ" اور "محاربہ" بھی ہے جسے قرآن کریم میں "جہاد فی سبیل اللہ" اور "قتال" کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے اور سینکڑوں آیات قرآنی اور ہزاروں احادیث نبویہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور اس "جہاد" کے فضائل، احکام، مسائل اور مقصدیت پر قرآن وسنت میں پورے اہتمام کے ساتھ جابجا روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ ہے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کافروں کے خلاف میدان جنگ میں صف آرا ہو کر ہتھیاروں کے ساتھ ان سے معرکہ آرائی کرنا اور قتل وقتال کے ذریعے سے کفر پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا جس کی اہمیت وفضیلت پر قرآن کریم اور سنت نبوی کی سینکڑوں تصریحات گواہ ہیں اور اس کو آج کے دور میں اس وجہ سے سب سے زیادہ تنقید واعتراض کا نشانہ بنایا جارہا ہے کہ جدید عقل ودانش کے نزدیک عقیدہ ومذہب کے فروغ اور غلبہ کے لیے ہتھیار اٹھانا تہذیب وتمدن کے تقاضوں کے خلاف ہے اور ایسا کرنا بنیاد پرستی، انتہا پسندی اور دہشت گردی کے دائرے میں آتا ہے۔(۱۵۴)

عقیدہ ومذہب کے لیے ہتھیار اٹھانے اور باطل مذاہب پر حق مذہب کی بالادستی کے لیے عسکری جنگ لڑنے کا آغاز حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا بلکہ جہاد کا یہ عمل آسمانی ادیان میں پہلے سے تسلسل کے ساتھ چلا آرہا ہے اور جناب نبی اکرم ﷺ نے اس حوالے سے تاریخ میں کسی نئے عمل اور اسلوب کا اضافہ کرنے کے بجائے آسمانی مذاہب کی ایک مسلسل روایت کو برقرار رکھا ہے چنانچہ جس طرح قرآن کریم میں جہاد اور مجاہدین کا تذکرہ پایا جاتا ہے، اسی طرح بائبل میں بھی ان مجاہدین اور مذہبی جنگوں کا ذکر موجود ہے جو بنی اسرائیل نے اپنے مذہب کے دفاع اور اپنی آزادی اور تشخص کے تحفظ کے لیے لڑیں۔ مثال کے طور پر قرآن کریم نے فلسطین کی سرزمین پر لڑی جانے والی ایک مقدس جنگ کا تذکرہ کیا ہے جو جالوت جیسے ظالم حکمران کے خلاف حضرت طالوت کی قیادت میں لڑی گئی اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت بادشاہ کا معجزانہ طور پر خاتمہ ہوا۔(۱۵۵) اس جنگ کا تذکرہ توریت میں حسب دستور طوالت کے ساتھ موجود ہے اور اس میں حضرت طالوت کو "ساؤل بادشاہ" (King Saul) کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ بائبل میں ارشاد ہے: "اور خداوند نے ساؤل کے آنے سے ایک دن پیشتر سموئیل کے کان میں کہہ دیا تھا کہ کل اسی وقت میں ایک شخص کو بنیمین کی سرزمین سے تجھ پاس بھیجوں گا۔ سو تو اس پر تیل ملیو کہ وہ میری قوم اسرائیل کا حکم ہو تاکہ میرے لوگوں کو فلسطیوں کے ہاتھ سے چھڑائے۔۔۔۔ سو جب سموئیل ساؤل سے دوچار ہوا تو وہیں خداوند نے کہا کہ دیکھ یہی شخص ہے جس کی بابت میں نے تجھے کہا تھا یہی میرے لوگوں پر ریاست کرے گا"۔(۱۵۶)

جالوت حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا ایک بادشاہ ہے۔ عرب مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ فلسطین میں بربر قوم آباد تھی، جالوت ان کا بادشاہ تھا۔ اس کے باپ کا نام مولود تھا۔ مورخ طبری کے نزدیک وہ عاد وثمود کی

قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اس نے اسرائیلیوں کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ حتی کہ تبرکات اور تابوت سکینہ بھی بنی اسرائیل سے چھین کر لے گیا گیا۔ اسلامی روایات بائبل کے مطابق ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بائبل میں اس کا نام گولیتھ ہے۔

آج کی جدید دانش نے چونکہ مذاہب کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کر کے شخصی زندگی کے دائروں میں محدود کر دیا ہے اس لیے عقل جدید کے نزدیک مذہب کو وہ مقام حاصل نہیں رہا کہ اس کے لیے ہتھیار اٹھائے جائیں اور اس کے فروغ و تنفیذ کے لیے عسکری قوت کو استعمال میں لایا جائے ورنہ ہتھیار تو آج بھی موجود ہیں اور جتنے ہتھیار آج پائے جاتے ہیں اور تیار ہو رہے ہیں، انسانی تاریخ میں اسے قبل کبھی نہیں دیکھے گئے۔ یہ ہتھیار استعمال بھی ہوتے ہیں اور وہ تباہی لاتے ہیں کہ اس سے قبل کی انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے مگر ان ہتھیاروں کو استعمال کرنے والوں کے مقاصد اور عنوانات مختلف ہیں:

جرمنی نے جرمن نسل کی برتری کے عنوان سے ہتھیار بنائے اور دو عظیم جنگوں میں پوری دنیا کے لیے تباہی کا سامان فراہم کیا۔(۱۵۷)

روس نے محنت کشوں کی طبقاتی بالادستی کے نام پر عسکری قوت کا بے تحاشا استعمال کیا اور نسل انسانی کے ایک بڑے حصے کو تہہ تیغ کر دیا۔(۱۵۸)

اسرائیل ایک نسلی مذہب کی برتری کے لیے اپنے سائز سے سینکڑوں گنا زیادہ ہتھیار جمع کیے ہوئے ہے اور فلسطینیوں کی مسلسل نسل کشی (Genocide) میں مصروف ہے۔(۱۵۹)

اور امریکہ نے مغربی تہذیب و ثقافت کے تحفظ کے نام پر افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔(۱۶۰)

سوال یہ ہے کہ اگر نسلی برتری، طبقاتی بالادستی اور تہذیب و ثقافت کے تحفظ کے لیے ہتھیار اٹھانا اور صرف اٹھانا نہیں بلکہ اسے وحشیانہ انداز میں اندھا دھند استعمال کر کے لاکھوں بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا دہشت گردی نہیں ہے تو آسمانی تعلیمات کے فروغ اور وحی الٰہی کی بالادستی کے لیے ہتھیار اٹھانے کو کون سے قانون اور اخلاقیات کے تحت دہشت گردی قرار دیا جارہا ہے؟

## باہمی تنازعات کا خاتمہ، صلح کی کوششیں اور نظم وضبط:

عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کیلئے باہمی تنازعات کے خاتمے اور صلح کیلئے کوششوں کے بغیر بھی چارۂ کار نہیں، چنانچہ کہیں اگر ریاست کے عوام کے درمیان کسی معاملے پر باہمی تنازع ہو جائے تو اسکے خاتمے اور ان کے درمیان صلح کی کوششیں کرنے پر دین اسلام بھی زور دیتا ہے، تاکہ ریاست کا نظم وضبط برقرار رہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: " وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآئَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ "ترجمہ:"اور اگر مسلمان کے دو گروہ آپس میں

لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، چنانچہ اگر وہ لوٹ آئے تو انکے درمیان انصاف سے صلح کرادو، اور انصاف سے کام لیا کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"(۱۶۱)

ارشاد ربانی ہے " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ، فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" ترجمہ: "(یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"(۱۶۲)

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تمہیں روزے، نماز اور صدقے سے بڑھ کر افضل درجات کے اعمال نہ بتاؤں؟" صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آپس کے میل جول اور روابط کو بہتر بنانا۔ (اور اس کے برعکس) آپس کے میل جول اور روابط میں پھوٹ ڈالنا (دین کو) مونڈ دینے والی خصلت ہے۔"(۱۶۳)

سیدنا سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ بنی عمرو بن عوف کے چند لوگوں کے درمیان کوئی جھگڑا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند صحابہ کے ساتھ ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے نماز کا وقت آگیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور انہوں نے اذان دی پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے تو سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے ہیں اور نماز کا وقت آگیا ہے کیا آپ لوگوں کی امامت کریں گے؟ انہوں نے کہا ہاں! اگر تمہاری خواہش ہو چنانچہ تکبیر کہی گئی اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کو چیرتے ہوئے داخل ہو گئے یہاں تک کہ پہلی صف میں پہنچ گئے لوگوں نے تالی بجانی شروع کر دی یہاں تک کہ ان لوگوں نے زیادتی کی اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے جب نگاہ پھیری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیچھے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ سے ان کی طرف اشارہ کیا اور حکم دیا کہ نماز پڑھائیں جس طرح پڑھا رہے ہیں سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اللہ کی حمد بیان کیا پھر الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے یہاں تک کہ صف میں داخل ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور لوگوں کو نماز پڑھائی جب فارغ ہوئے تو فرمایا اے لوگو! جب تم کو نماز میں کوئی بات پیش آجاتی ہے تو تالی بجانا شروع کر دیتے ہو حالانکہ تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے نماز میں اگر کوئی بات پیش آجائے تو سبحان اللہ کہنا چاہئے اس لیے کہ جو شخص اس کو سنے گا وہ متوجہ ہو جائے گا اور اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہیں کس بات نے اس سے روکا کہ لوگوں کو نماز پڑھاؤ جب کہ میں نے اشارہ کر دیا تھا سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ابن ابی قحافہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو یہ

حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نماز پڑھائے۔(۱۶۴)

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ قبا کے لوگ لڑ پڑے یہاں تک کہ ایک دوسرے پر پتھر پھینکنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی، تو آپ انے فرمایا ہمارے ساتھ چلو کہ صلح کرادیں۔ (۱۶۵)

سیدہ عمرہ بنت عبدالرحمن، سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جھگڑے والوں کی آوازیں دروازے پر سنیں جو بلند ہو رہی تھیں، ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ مہربانی کر کے کچھ قرض معاف کر دے، اور دوسرا کہہ رہا تھا کہ واللہ میں نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا کہ کہاں ہے وہ شخص جو اللہ کی قسم کھا کر کہہ رہا تھا کہ میں نیکی نہیں کروں گا؟ اس نے عرض کیا میں ہوں یارسول اللہ اور میرا ساتھی جو چاہے میں اسے معاف کر دیتا ہوں۔ "(۱۶۶)

سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو جھوٹی بات صلح کرانے کے لیے کہہ دے بشرطیکہ نیت اچھی ہو۔(۱۶۷)

مثلاً دو آدمیوں میں رنج ہو اور یہ ملاپ کرانے کی نیت سے کہے کہ وہ تو آپ کے خیر خواہ ہیں یا آپ کی تعریف کرتے ہیں۔ قسطلانی نے کہا کہ ایسے جھوٹ کی رخصت ہے جس میں بہت فائدے کی امید ہو۔ امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ تین جگہ جھوٹ بولنے کی اجازت ہے ایک تو لڑائی میں، دوسرے مسلمانوں میں آپس میں میل جول کرانے میں، تیسرے اپنی بیوی سے، بعضوں نے اور مقاموں کو بھی جہاں کوئی مصلحت ہو، انہی پر قیاس کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں جھوٹ بولنا جب منع ہے جب اس سے نقصان پیدا ہو یا اس میں کوئی مصلحت نہ ہو، بعضوں نے کہا جھوٹ ہر حال میں منع ہے اور ایسے مقاموں پر توریہ کرنا بہتر ہے۔ مثلاً کوئی ظالم سے یوں کہے کہ میں تو آپ کے لیے دعا کیا کرتا ہوں اور مطلب یہ رکھے "اللھم اغفر للمسلمین" کہا کرتا ہوں، اور ضرورت کے وقت تو جھوٹ بولنا بالاتفاق جائز ہے۔ ضرورت سے مذکورہ صلح صفائی کی ضرورت مراد ہے، یا کسی ظالم کے ظلم سے بچنے یا کسی کو بچانے کے لیے جھوٹ بولنا، حدیث (انما الاعمال بالنیات) کا یہ بھی مطلب ہے۔"(۱۶۸)

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے رویت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر سوموار اور جمعرات کو (بارگاہ الٰہی میں) اعمال پیش کیے جاتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے (صغیرہ) گناہ معاف فرما دیتا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ سوائے اس شخص کے کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان دشمنی اور کینہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ان دونوں کو چھوڑ دو، یہاں تک کہ یہ صلح کر لیں۔ (۱۶۹) امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ وہ قدم پسند ہیں جو مسلمانوں میں صلح اور باہمی تعلقات کی اصلاح کے لیے اٹھیں۔

**حفظ حدود اور نظم وضبط:**

اسلام نے جہاں اپنے پیروکاروں کو متبعین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کی ہے "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ "ترجمہ: تم بہترین امت ہو لوگوں کی نفع رسانی کیلئے نکالے گئے ہو، بھلی باتوں کا حکم کرتے ہو، اور بری باتوں سے منع کرتے ہو، اور ایک اللہ پر یقین رکھتے ہو، (۱۷۰) وہیں ہر شخص کو اس بات کا بھی پابند بنایا ہے کہ وہ اس عظیم فریضے کو اپنی حدود میں رہ کر سرانجام دے تاکہ ریاست کے نظم وضبط کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں حفظ حدود کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، ومن لم يستطع فبلسانه، ومن لم يستطع فبقلبه، وذلك اضعف من الايمان "ترجمہ: تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے اسکو ہاتھ سے روکے، اور اگر اسکی استطاعت نہ ہو، تو زبان سے روکے اور اگر اسکی بھی استطاعت نہ ہو تو زبان سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمترین درجہ ہے (۱۷۱) علامہ قطب الدین شارح مشکوۃ المصابیحؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "جس چیز کا حکم شریعت نے واجب کے درجے میں دیا ہے اسکا حکم بھی واجب ہے، اور جس چیز کا مستحب کے درجے میں دیا ہے اسکا حکم بھی مستحب ہو گا بالفاظ دیگر مذکورہ حدیث میں حفظ حدود کی رعایت کی ترغیب دی گئی ہے۔ (۱۷۲)

اسلام کا قانون سب کے لیے برابر ہے۔ چاہے وہ معزز ہو یا غیر معزز، شریف ہو یا بد چلن، امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت سب کے لیے ایک ہی قانون ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک مسلمان حاضر ہوا اور اس نے با آواز بلند کہا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم میں زنا کر بیٹھا ہوں مجھے پاک کر دیجیے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ شخص پھر سامنے آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم مجھ سے زنا کا جرم سرزد ہو گیا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے پھر منہ پھیر لیا یہاں تک کہ چار بار ایسا ہی ہوا۔ جب اس نے چار بار زنا کا اعتراف کر لیا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اسے قریب بلا کر دریافت کیا۔ کیا تم دیوانے (پاگل) ہو؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ پھر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا ہاں۔ یہ سن کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو حکم دیا کہ اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔ (۱۷۳)

غور کیجیے نہ کسی نے جرم کرتے دیکھا، نہ کسی نے پکڑا، نہ کوئی رپورٹ اور نہ کوئی گواہ موجود ہے، مجرم از خود اعتراف کر رہا ہے اور بار بار کر رہا ہے۔

(ب) حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور زنا کا مرتکب ہو گیا ہوں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم (مجھ پر زنا کی حد جاری کر کے) مجھے پاک کر دیجیے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم

نے ماعز بن مالک کو واپس کر دیا۔ دوسرے روز دوبارہ حضرت ماعز حاضر خدمت ہوئے اور پھر عرض کیا یارسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم میں زنا کر بیٹھا ہوں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اس کو واپس کر دیا۔ اور اس کی قوم کی طرف پیغام بھیجا کہ کیا تم ماعز کی عقل میں کچھ فتور پاتے ہو؟ کیا تم اس کی کوئی بات بدلی ہوئی دیکھتے ہو؟ اہل قوم نے جواب میں عرض کیا، بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ ایک کامل عقل والے انسان ہیں۔

اس کے بعد حضرت ماعز بن مالک پھر تیسرے دن حاضر ہوئے۔ رسول اللہ نے پھر ان کی قوم کی طرف پیغام بھیجا اور ان کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا۔ اہل قوم نے پھر یہی کہا کہ اس میں کوئی کمی نہیں ہے اور نہ اس کی عقل میں کوئی فتور ہے۔

جب وہ چوتھے روز آئے تو اس کے لیے گڑھا کھودا گیا۔ اور اس کے بعد حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو وہ رجم (سنگسار) کر دیے گئے۔ سنن ابن ماجہ اور ترمذی میں مزید یہ بیان ہے کہ جب حضرت ماعز بن مالک کو سنگسار کیا جارہا تھا تو وہ پتھروں کی تکلیف سے بھاگنے لگے اور اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی لیکن لوگوں نے مار ڈالا۔ جب حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا؟" یا یوں فرمایا "تم نے اسے کو چھوڑ کیوں نہ دیا، ہو سکتا ہے وہ توبہ کر لیتا اور اللہ کریم جل شانہ اس کی توبہ کو قبول کر لیتا۔" (۱۷۴)

(ج) حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک غامدیہ عورت حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم میں نے زنا کیا ہے، مجھے پاک کر دیجیے۔ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس کر دیا۔ دوسرے دن وہ پھر آئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے کیوں واپس کرتے ہیں؟ شاید آپ مجھے ایسے ہی لوٹا رہے ہیں جیسے آپ نے ماعز بن مالک اسلمی کو واپس کر دیا تھا۔ اللہ کی قسم میں تو زنا کے نتیجہ میں حاملہ ہو چکی ہوں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو اپنے بیان سے رجوع نہیں کرتی تو بہر حال ابھی نہیں، اب چلی جا یہاں تک کہ بچہ پیدا ہو جائے۔ راوء حدیث کہتے ہیں کہ جب اس کا بچہ پیدا ہو گیا تو ایک کپڑے میں بچہ کو لپیٹے ہوئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ابھی نہیں جا اور اس کو دودھ پلا یہاں تک کہ تو اس کا دودھ چھڑا لے۔ چنانچہ وہ پھر بچہ کو لے کر حاضر خدمت ہوئی اس حال میں کہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا بھی تھا۔ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم میں اس کا دودھ چھڑا چکی ہوں اور اب یہ روٹی بھی کھانے لگا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے وہ بچہ مسلمانوں میں سے ایک شخص کو (پرورش کرنے کے لیے) دے دیا۔ پھر اس عورت کے متعلق حکم دیا۔ اس کے لیے اس کے سینے تک گڑھا کھودا گیا۔ اس کے بعد رجم (سنگساری) کا حکم دیا تو لوگوں نے سنگسار کرنا شروع کر دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی ایک پتھر لے کر سامنے آئے اور

اس کے سر پر مارا۔ اس سے ان کے چہرے پر خون کے چھینٹے گر گئے۔ انہوں نے عورت کو برا بھلا کہا۔ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا خالد ٹھہرو (اسے سخت سست نہ کہو) اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، اس عورت نے بلاشبہ ایسی توبہ کی ہے کہ اگر کوئی (ظلماً) ٹیکس والا بھی ایسی توبہ کرے تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازے کی تیاری کا حکم دیا اور نماز جنازہ ادا فرمائی اور اسے دفن کر دیا گیا۔(۱۷۵)

غور کیجیے! اس عورت سے گناہ ہو گیا۔ نہ کوئی دیکھنے والا تھا، نہ شکایت کرنے والا، نہ پکڑنے والا تھا۔ وہ خود سر عام دردناک سزا پانے کے لیے حاضر ہو گئی۔ محض اس تصور سے کہ سزا اسے پاک کر دی گی اور اس سے اس کی عاقبت سنور جائے گی۔

دور فاروقیؓ، میں ایک نو مسلم مسیحی حکمران جبلہ طواف کعبہ کر رہے تھے، ان کی چادر کا پلو نادانستہ ایک اعرابی کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ جبلہ نے (اپنے زعم میں) غریب اعرابی کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ اعرابی نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی اور فریاد خواہی کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جبلہ کو فرمایا کہ اعرابی کو راضی کر لو یا قصاص میں تھپڑ کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ، نیز آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "الاسلام جعلك واياه واحدا" اسلام نے تجھے اور اسے ایک جیسا بنا دیا ہے۔(۱۷۶)

اسلامی سزاؤں کا مقصد مجرم کی اصلاح اور معاشرہ میں جرائم کا انسداد ہے۔ سزائیں شدید ہیں لیکن ان کے نفاذ میں حد درجہ احتیاط اور کڑی شرائط ہیں:

سچی توبہ اور اسلامی سزا مجرم کو پاک کر دیتی ہے۔ لہٰذا توبہ کر لینے والے اور اپنے جرم کی سزا پا لینے والے شخص سے حقارت اور نفرت کی کوئی گنجائش نہیں۔

اسلامی تعزیرات تمام نوع انسانی کی بھلائی اور اقوام عالم کی اصلاح کے لیے ہیں۔ اسلامی سزاؤں سے مقصود محض انتقام یا بدلہ اور تعزیر نہیں بلکہ یہ سزائیں مجرم کی اصلاح، دوسروں کی عبرت، معاشرہ کی تطہیر اور مستقبل میں جرائم کی روک تھام کے لیے ہیں۔

## معاشرتی زندگی میں نظم وضبط:

مغربی مصنّفین، اہل قلم اور اہل دماغ نے اپنی نگارشات اور شاعری کے ذریعہ انسانی معاشرہ کے اخلاقی اور اجتماعی نظاموں کے خلاف ایک بغاوت برپا کر دی۔ انھوں نے معصیت کو خوشنما اور دلفریب بنا کر پیش کیا، طبیعتوں کو ہر قید وبندش، فرد کو ہر ذمہ داری اور جوابدہی سے آزاد ہونے، آزادی مطلق اور بے قیدی کی کھلی تبلیغ، زندگی سے پورے پورے تمتع، مطالبات نفس کی پوری تکمیل اور لذت پرستی کی اعلانیہ دعوت دے کر اعلیٰ اقدار حیات کی نہ

صرف دھجیاں اڑائیں، بلکہ نقد لذت اور ظاہر و محسوس مادی نفع کے سوا ہر چیز کا انکار کیا اور تحقیر کی۔ مغربی تہذیب کی بنیاد تصور آزادی پر قائم ہے، لیکن انسانی آزادی کے تئیں اس کا نقطۂ نظر ایک طرفہ ہے جس کی بھاری قیمت آج انسانیت کو چکانی پڑ رہی ہے۔ در حقیقت نہ تو آزادی کا مغربی تصور مکمل ہے اور نہ ہی وہ انسانی خوشحالی کا ضامن ہے۔ مغرب اپنی تاریک فضاء اور فکر میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے کہ مطلق انسانی آزادی کے تصور کی وجہ سے جو بحران پیدا ہو رہا ہے اسے وہ نہیں دیکھ سکتا۔(۱۷۷)

دین اسلام میں جہاں عبادات، اور معیشت میں لوگوں کو نظم وضبط کا پابند بنایا گیا ہے، اس طرح معاشرتی زندگی میں نظم وضبط کو برقرار رکھنے کیلئے ہر اس کام سے روکا گیا ہے جو معاشرے میں بد نظمی اور انتشار وافتراق پیدا کریں، یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں معاشرتی نظم وضبط کو برقرار رکھنے کیلئے فرقہ واریت کے خاتمہ، وحدت امت کے فروغ، باہمی انتشار اور افتراق کے خاتمے اور اخوت اور بھائی چارگی کے فروغ اور تجسس، حسد، کینہ، بغض، چغلی کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور مواسات کی فضاء کے قیام پر زور دیا گیا ہے۔

**مواسات اور درگزر کی فضاء کا قیام نظم وضبط کے ذریعے ہی ممکن ہے**

اسلامی ریاست میں بد نظمی کے خاتمے اور نظم وضبط کے قیم کیلئے مواسات کی فضاء کے قیام پر بہت زور دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ظلم، غیبت، تجسس، چغلی جیسے مہلک امور سے اجتناب کی تلقین کی ہے، ظلم کی مذمت چنانچہ قرآن کریم میں ظلم کی مذمت مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے، ایک جگہ ارشاد ربانی ہے: " اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ "ترجمہ: بے شک اللہ تعالی ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔(۱۷۸)کافیہ کے محشی ظلم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"کسی چیز کو غیر محل میں رکھنا ظلم کہلاتا ہے۔(۱۷۹)حضرت علی کرم اللہ وجہہ ظلم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں" ریاست شرک کے ساتھ تو چل سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی۔(۱۸۰)

**غیبت سے اجتناب اور نظم وضبط**

قرآن کریم میں جہاں ظلم کی ہولناکیوں پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی گئی ہے اسی طرح غیبت جیسی مہلک بیماری کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے، ارشاد ربانی ہے۔ "وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ"ترجمہ:"اور تم ایک دوسرے کی غیبت مت کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔"(۱۸۱) اور احادیث میں سرور دوعالم انے غیبت کو زنا سے بدترین گناہ قرار دیا ہے " الغیبة اشد من الزنا۔ "(۱۸۲)غیبت ہی وہ بنیادی ناسور ہے جو ہے، معاشرے میں بد نظمی اور نظم وضبط کے دامن کو تار تار کرتی ہے۔

**تجسس سے احتراز اور نظم وضبط**

تجسس بھی ان مہلک بیماریوں میں سے ایک ہے جو معاشرے میں نظم وضبط پر کالی قدغن لگا کر معاشرے میں

بد نظمی، اور بے سکونی کی کیفیت پیدا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رب کریم ایمان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے تجسس سے احتراز کرنے کی تلقین کی ہے " وَّلَا تَجَسَّسُوْا "ترجمہ:"اور تجسس مت کرو"(۱۸۳)

**معیشت میں نظم وضبط:**

دین اسلام میں جہاں عبادات میں کے ذریعے لوگوں کو نظم وضبط کا پابند بنیا یا گیا ہے وہی معاشی امور کو چلانے کیلئے بھی ضابطہ کار متعین کی گیا ہے اور ہر اس عمل سے روکا گیا ہے گو اس میدان میں نظم وضبط کے دامن کو تار تار کرنے اور بد نظمی کا باعث ہو، یہی وجہ ہے کہ رب کریم عزیز الحکیم (۱۸۴) نے معیشت میں بد نظمی اور خلفشار پیدا کرنے ولے بنیادی عنصر "ربا" سود کے لین دین سے اجتناب کو لازم قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے " يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً "ترجمہ:"اے ایمان والو: تم دوگنا چوگنا کر کے سود مت کھاؤ۔"(۱۸۵)

دوسری فخر کائنات ﷺ نے بھی بد نظمی کے اس ناسور کا خاتمہ اپنے آخری خطبہ حج "حجۃ الوداع" میں سود کی حرمت کو بیان کیا نہ صرف یہ بلکہ اس کا آغاز اپنے چچا حضرت عباس کو ادا کی جانے والی سود کی رقم معاف کرتے ہوئے کیا۔(۱۸۶)

**غیر مسلموں وعیسائیوں کی عبادت گاہوں کی حفاظت**

مسلمانوں کا یہودیوں سے پہلے عیسائیوں سے تعلق قائم ہو چکا تھا، نجاشی حبشہ اسلام قبول کر چکا تھا اور مسلمانوں کو پناہ دینے کی وجہ سے مسلمان عیسائیوں کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے، سورۃ مائدہ کی قرآنی آیات میں انہیں یہ مقابلہ دیگر بہتر قرار دیا گیا ہے۔(۱۸۷) عیسائیوں کا ایک وفد نجران سے مدینہ منورہ حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے ان کی مہمان نوازی فرمائی۔ نہ صرف مسجد نبوی میں ان کو جگہ دی بلکہ ان کو ان کے اپنے طریقے پر مسجد نبوی امیں نماز پڑھنے کی بھی اجازت دی۔(۱۸۸) حضرت عروہ زبیر جنہوں نے سیرت النبی اپر سب سے پہلے کتاب لکھی ہے۔ (۱۸۹) اہل نجران سے ہونے والے معاہدہ کی تفصیل نقل کی ہے۔ جس میں یہ شق بھی شامل ہے کہ مسلمان جو چیزیں عاریتاً لیں گے اگر ان میں سے کوئی ضائع ہو جائے تو ادا کی جائے گی اہل نجران کی جان، مال، مذہب، کرجے، مذہبی رہنما ہم سب کے حقوق ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ (۱۹۰) ۶ ھ میں سینائے مصرف کے سینٹ کھیترائن کے پادریوں سے جو معاہدہ کیا اس میں یہ شقیں شامل ہیں کہ عیسائیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، کوئی بشپ منصب سے معزول نہیں ہو گا، نہ خانقاہ سے نکالا جائے گا، نہ اس کا مذہب بدلا جائے گا نہ کوئی گرجہ منہدم کیا جائے گا، گرجوں کی مرمت کے لیے مسلمان مالی مدد کریں گے۔(۱۹۱)

**عصبیت سے پاک معاشرہ سیرت پاک ﷺ پر عمل کے ذریعہ تشکیل پاتا ہے**

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو ت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہوجا
یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی اے شرمندہ ساحل! اُچھل کر بے کراں ہوجا

غبارآلودہ رنگ و نسب ہیں بال و پَر تیرے  اے مرغِ حرم !اُڑنے سے پہلے پَرفشاں ہوجا(۱۹۲)

قرآن مجید کی تعلیمات اور ارشادات نبی کریم اسے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ تعصب کی مذمت کی ہے اور معاشرے کو ہمیشہ برائی سے پاک رکھنے کی سعی کی ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَاللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِىْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْقُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوااللّٰهَ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌم بِذَاتِ الصُّدُوْر۔(۱۹۳)

ترجمہ:اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبہ سے روکا تھا تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْاكُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآئَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ اِعْدِلُوْا۔ هُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌم بِمَا تَعْمَلُوْن۔(۱۹۴)

ترجمہ:اے لوگو!جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر استی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدم کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کی فتح کے بعد جو معاہدہ لکھوایا اس کے الفاظ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا: یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المؤمنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذاہب والوں کے لیے ہے۔ اس طرح کہ نہ ان کے گرجوں میں سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کے مالوں میں کمی کی جائے گی اور مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔(۱۹۵)

حکمرانِ امویہ، عباسیہ، اندلسیہ و فاطمیہ کے عہد حکومت میں اقوام غیر کا صدیوں تک آباد رہنا مسلمانوں کی بے تعصبی کی روشن دلیل ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کو متعصب قرار دیا جاتا ہے لیکن اس کے دربار میں ہندو امراء کی فہرست اکبر کے دربار سے زیادہ لمبی ہے۔ سیاست حاضرہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ بے تعصبی اور رواداری ہی ان کے زوال کا سبب بنی۔ ایک سیر چشم مسلمان یہ اعتراض تو تسلیم کر سکتا ہے لیکن یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اسلام میں تعصب ہے۔(۱۹۶)

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ہم ایک جنگ میں تھے اور سفیان نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ ہم ایک لشکر میں تھے تو مہاجرین میں سے ایک نے ایک انصاری کو مارا انصاری نے پکار کر کہا کہ اے جماعت انصار! اور مہاجر نے پکار کر کہا کہ اے جماعت مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا یہ جاہلیت کی پکار کیسی ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک مہاجر نے ایک انصاری کو مارا آپ انے فرمایا جاہلیت کی اس پکار کو چھوڑو یہ بُرا کلمہ ہے۔(۱۹۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا:" سب سے زیادہ بزرگ کون ہے؟" آپ ﷺ نے

فرمایا:" جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ "لوگوں نے کہا ہم یہ عام بات نہیں پوچھتے فرمایا:" پھر سب سے زیادہ بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود نبی تھے نبی زادے تھے دادا بھی نبی تھے پر دادا تو خلیل اللہ تھے۔ " انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ فرمایا:" پھر عرب کے بارے میں پوچھتے ہو؟"" سنو! ان کے جو لوگ جاہلیت کے زمانے میں ممتاز تھے وہی اب اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں جب کہ وہ علم دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔ "(۱۹۸)

آپ ﷺ نے فرمایا:" اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔"(۱۹۹)

نبی ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:" خیال رکھ کہ تو کسی سرخ وسیاہ پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا ہاں تقویٰ میں بڑھ جا تو فضیلت ہے۔"(۲۰۰)

آپ انے فرمایا:" مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔"(۲۰۱)

آپ ﷺ نے فرمایا:" تم سب اولاد آدم ہو اور خود حضرت آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں لوگو اپنے باپ دادوں کے نام پر فخر کرنے سے باز آؤ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریت کے تودوں اور آبی پرندوں سے بھی زیادی ہلکے ہو جاؤ گے۔"(۲۰۲)

نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ والے دن اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر طواف کیا اور ارکان کو آپ اپنی چھڑی سے چھو لیتے تھے۔ پھر چونکہ مسجد میں اس کے بٹھانے کو جگہ نہ ملی تو لوگوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ اتارا اور اونٹنی بطن مسیل میں لے جا کر بٹھایا۔ اس کے بعد آپ انے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر کے فرمایا لوگو اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے کی رسم اب دور کر دی ہے پس انسان دو ہی قسم کے ہیں یا تو نیک پرہیز گار جو اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں یا بدکار غیر متقی جو اللہ کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہیں پھر آپ انے آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔ (۲۰۳)

آپ ﷺ نے فرمایا:" تمہارے نسب نامے دراصل کوئی کام دینے والے نہیں تم سب بالکل برابر کے حضرت آدم علیہ السلام کے لڑکے ہو کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہاں فضیلت دین و تقویٰ سے ہے انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ وہ بدگو، بخیل، اور فحش کلام ہو۔"(۲۰۴)

آپ ﷺ نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ تمہارے حسب نسب کو قیامت کے دن نہ پوچھے گا تم سب میں سے زیادہ بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو تم سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں۔ "(۲۰۵)

نبی کریم ﷺ منبر پر تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا:" یارسول اللہ اسب سے بہتر کون ہے؟ آپ ﷺ

نے فرمایا" جو سب سے زیادہ مہمان نواز، سب سے زیادہ پرہیز گار، سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا، سب سے زیادہ بری بات سے روکنے والا، سب سے زیادہ صلح رحمی کرنے والا ہے۔"(۲۰۶)

آیات اور احادیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو قوم پرستی کی کوئی حقیقت نہیں رہتی سوائے جاہلیت کے اور معلوم نہیں یہ قوم پرست رہنماء کس کے کہنے پر اُمت کو باہم متحارب کرنے کی ناپاک جسارت کر رہے ہیں، یہ اس دنیا میں تو شاید کچھ ذاتی فوائد حاصل کر لیں مگر ان ظالموں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہو گا کیونکہ ایک انسان کی زندگی بچانا گویا پوری انسانیت کو بچانا ہے اور ایک انسان کو بلاوجہ قتل کرنا گویا پوری انسانیت کا قتل کرنا ہے اور امت میں فتنہ پیدا کرنا قتل سے بھی بدتر ہے اور قوم پرستی کی دعوت جاہلیت کی دعوت ہے یہ اتنی بُری دعوت ہے کہ جس کو سُن کر نبی کریم ﷺ کو غصہ آیا اور اس طرح قوم پرستی کی آواز لگانے سے منع فرمایا اور ساتھ ہی اس کو جاہلیت کی پکار کے ساتھ تشبیہ دی۔

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی — اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی
بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا — نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی(۲۰۷)

## معاشرتی نظام کی تشکیل قرآن وتعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ہی ممکن ہے

معاشرہ کی سلامتی کے لیے سب سے پہلے ازدواجی زندگی کا پرسکون تصور پیش کرتا ہے، بقائے امن کی خاطر اختلاط مرد وزن کو حرام اور عورتوں کے لیے پردہ لازم ٹھہراتا ہے۔ بدامنی پھیلانے والے عناصر کو قرار واقعی سزا کا مستحق قرار دیتا ہے کہ

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۰۸)

ترجمہ:" اسی طرح اگر زوجین کے مابین نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہ پاتی ہے تو خاندانی امن کو برقرار رکھنے کے لیے طلاق کی بھی اجازت دیتا ہے۔ آج آزادی نسواں کی دعویدار مغربی دنیا کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ مغربی معاشرے میں خواتین کے چہرے کی شادابی غائب ہو چکی ہے، ان کا قلبی سکون لٹ چکا ہے کیونکہ ان کا فیملی سسٹم بگڑا ہوا ہے۔ نتیجتاً وہ اسلام کو اپنے لیے جائے امان تصور کرنے لگی ہیں۔ اسلام معاشرے میں قیام امن کی سعی کرتا ہے اور سد ذرائع کے اصول پر عمل کرتے ہوئے، بدامنی پھیلانے والے عناصر کو بیخ و بن ہی سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرتا ہے، مثلاً معاشرے میں بدامنی: اختلاف وانشقاق سے پھیلتی ہے، اسلام کہتا ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْآ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔(۲۰۹)

ترجمہ:" اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ تم سست

اور بزدل ہو جاوگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی اور ایسے حالات میں صبر سے کام لیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّواالْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَاِذَاحَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا ٌ بَصِیْرًا۔(۲۱۰)

ترجمہ:" اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کو ادا کر دیا کرو اور یہ بھی حکم دیتا ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو جس بات کی اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے یقین جانو وہ بہت ہی اچھی بات ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ۔(۲۱۱)

ترجمہ:" یہ صدقاتِ مفروضہ تو بس فقیروں اور مسکینوں کا حق ہیں۔

اِعْدِلُوْا۔ ھُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔(۲۱۲)

ترجمہ:" بلکہ ہر معاملہ میں انصاف کیا کرو، یہ انصاف کرنا پرہیز گاری کے نزدیک تر ہے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ۔ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْؤلًا۔(۲۱۳)

ترجمہ:" اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بجز ایک احسن طریقے کے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو۔ بیشک (اللہ کے ہاں) عہد کی بازس پرس ہو گی۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا۔(۲۱۴)

ترجمہ:" اور کسی قوم کی دشمنی اور عداوت تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔

لَآاِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔(۲۱۵)

ترجمہ:" دین کے دائرے میں کوئی زبردستی نہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ قُلْ ھِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا خَالِصَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۔(۲۱۶)

ترجمہ:" اے پیغمبر (ا) آپ پوچھئے اللہ تعالیٰ نے جو زینت کا ساز و سامان اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اس کو اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے حرام کر دیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ یہ نعمتیں دنیا کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان والے ہیں اور قیامت میں تو خالص وہی حق دار ہوں گے ہم اسی طرح اپنے احکام سمجھ دار لوگوں کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔(۲۱۷)

ترجمہ: "بلاشبہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات شہرت پذیر ہو تو ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہو گا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس طرح جب فرد اور معاشرے میں بدامنی پھیلانے والے عناصر کی روک تھام ہو جاتی ہے اور وہ امن و سکون کا نگہبان اور گہوارہ بن جاتا ہے تو اسلام قومی و بین الاقوامی سطح پر قیام امن کی کوشش کرتے ہوئے، ساری انسانیت کو ایک اکائی قرار دیتا ہے، اخوت کی جہانگیری قائم کرتا ہے، رنگ و نسل کی تفریق مٹاتا اور معیار فضیلت تقویٰ قرار دیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ (۲۱۸)

ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخیں اور مختلف قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تو تم سب میں بڑا عزت والا وہ ہے جو تم سب میں بڑا پرہیز گار ہے۔ بیشک اللہ سب کو جانتا ہے اور سب کے حال سے باخبر ہے۔

اسلامی تصورِ امن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر انسان کی جان اور خون کو محترم قرار دیتا ہے اس کی نگاہ میں قتل ناحق سب سے بڑا گناہ ہے۔ حتیٰ کہ وہ کسی ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل تصور کرتا ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ۔ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۔ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔(۲۱۹)

ترجمہ: "آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا یعنی ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا یعنی ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن عورتیں جو مسلمان ہوں اور وہ پاک دامن عورتیں جو ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے یہ عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں، جبکہ تم ان کو ان کے مہر ادا کرو، درآں حالانکہ ان کو حبالہ نکاح میں لانے والے ہو اعلانیہ، بدکاری کرنے والے نہ ہو اور نہ خفیہ آشنائی کرنا مقصود ہو اور جو شخص ایمان کے احکام کا انکار کرے گا تو یقیناً اس کے سب نیک اعمال برباد ہو جائیں گے اور وہ آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

کوئی شخص محض عقیدہ، زبان اور قومیت کی بنیاد پر حق زیست سے محروم نہیں ہو سکتا۔ اسلام مخلوط سوسائٹی میں پرامن بقائے باہم کا نظریہ ہی نہیں پیش کرتا، بلکہ وہ عملاً اس کے استحکام کے لیے بھی کوشش کرتا ہے وہ جہاں یہ حکم دیتا ہے کہ اپنے غیر مسلم بھائیوں سے خندہ پیشانی سے ملو اور ان کے سلام کا گرم جوشی سے جواب دو:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا۔ (۲۲۰) ترجمہ: "اور جب تم کو کوئی سلامتی کی دعا دے، یعنی

سلام علیک کرے تو تم اس سے بہتر الفاظ میں سلام کا جواب دو، یا کم از کم انہی الفاظ کے ساتھ دعا دو جو پہلے شخص نے کہے تھے۔

وہاں فرقہ وارانہ ہم آہنگی بر قرار رکھنے کے لیے ہر مذہب کے مذہبی رہنماؤں کی تکریم بھی سکھاتا ہے۔

طعن فی الدین (وطعنوا فی دینکم) **کی ممانعت:**

اسلامی معاشرے میں، محبت میں سنجیدہ علمی اختلاف کی اجازت ہے مگر طعن فی الدین کی قطعاً ممانعت ہونی چاہیے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ۔ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ" (۲۲۱) ترجمہ: "اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم (ان) کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو بے شک ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تا کہ وہ (اپنی فتنہ پروری) سے باز آجائیں"۔

طعن کے لغوی معنی ہے نیزہ کا وار کرنا، اسی طرح ہر وہ بات جو دل کو دکھ پہنچانے والی ہو اس کو بھی استعارہ کے طور پر طعن کہتے ہیں "طعن فی الدین" کا مطلب یہ ہے کہ اہل دین کی دل آزاری یا دین کے وہ عقائد و احکام جو دلائل عقلیہ سے قطعی ثابت ہیں ان کا مذاق اڑایا جائے۔

"اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں، پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر فرقہ (وجماعت) کے لیے ان کا عمل (ان کی آنکھوں میں) مرغوب کر رکھا ہے (اور وہ کسی حق کو سمجھتے رہتے ہیں) پھر سب کو اپنے رب ہی طرف لوٹنا ہے اور وہ انہیں ان اعمال کے نتائج سے آگاہ فرمادے گا جو وہ انجام دیتے ہیں"۔ (۲۲۲)

بائبل مقدس نے بھی طعن فی الدین نہ کرنے کی ان لفظوں میں تعلیم دی "مگر بیوقوفی کی حجتوں اور نسب ناموں اور جھگڑوں اور لڑائیوں سے جو شریعت کی بابت ہوں پرہیز کر اس لیے کہ یہ لاحاصل اور بے فائدہ ہیں" (۲۲۳) مسیحی مسلم مکالمہ محبت میں خلوص نیت پر مبنی علمی اور عظمی اختلاف کو ادب اور احترام کے دائرے میں اجازت تو ہے مگر طعن فی الدین کی قطعاً اجازت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ عمل معاشرے میں فتنہ و فساد کا باعث بنے گا۔ اختلاف کے انداز و آداب سے انسان کی فطرت اور نیت ظاہر ہو جاتی ہے۔

**مساوات انسانی کا درس سیرت پاک ﷺ سے حاصل کیا جاتا ہے:**

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے — تیری دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے (۲۲۴)

اسلام اعلیٰ ترین مدنیت کا حامل معاشرہ فراہم کرتا ہے وہ کہیں بھی انسان کو رہبانیت کا درس نہیں دیتا۔

"وَرَهْبَانِيَّةَ ن ابْتَدَعُوْهَا۔ " (۲۲۵)" ترک تمدن بدعت ہے۔"

اسلام انسان کی خودی کی تعمیر کر کے اسے ایسا روشن خیال بنا دیتا ہے جس کی دنیا اور دین کے درمیان فاصلے ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ اسے معاشرے کا ایسا فرد بنا دیتا ہے جس کی زندگی کا کوئی پہلو کمزور نہیں رہتا۔ وہ اسے اپنے خالق کا سچا بندہ، والدین کا سعادت مند بیٹا، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے والا، تمدن کا پورا محافظ، فرماں بردار، راست گو، امانت دار، صلح پسند فساد کا دشمن اور نسل انسانی کا دوست بنا دیتا ہے اور پھر ایسے افراد مل کر جو معاشرہ تشکیل دیتے ہیں تو اس میں اعلیٰ ترین مدنیت از خود ہر طرف سے جھلکتی نظر آتی ہے۔

اعلیٰ ترین تمدن کا دعویدار یورپ، تمام دعوؤں کے باوجود عملاً ایسا نہیں کرتا۔ برطانیہ کی سلطنت میں، اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ اور ویلز، سب شامل ہیں۔ لیکن ان کا کوئی باشندہ آج تک برطانیہ کا وزیر اعظم نہیں بن سکا۔ کوئی کیتھولک اس عہدے تک نہیں پہنچ سکتا دوسری طرف تاریخ اسلام شہادت دیتی ہے کہ یہاں ایک غلام کا بیٹا بھی دربارِ رسالت اسے فوجوں کی سپہ سالاری کا عہدہ پا سکتا ہے۔ ایک زر خرید غلام کے بیٹے کا نکاح سید البشر ا کی پھوپھی زاد بہن سے ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ اپنے غلام کو مارتے ہیں۔ رسول اللہ ا موقع پر پہنچ کر فرماتے ہیں۔ جو قدرت اس غلام پر تجھے حاصل ہے اس سے زیادہ اللہ کو تجھ پر حاصل ہے۔ ابوذرؓ زمین پر گر پڑتے ہیں اور غلام سے کہتے ہیں: اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دے کہ میری نخوت نکل جائے۔ عدالت میں ایک یہودی اور حضرت علیؓ کو برابر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ حضور اقدس ا حجۃ الوداع کے موقع پر کیا عظیم منشورِ انسانی پیش کرتے ہیں۔ فرمایا: لوگو! خبر دار رہو، تم سب کا اللہ ایک ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ تعلیمات تھیں جن پر چل کر مسلمانوں نے عملاً ایک عالمگیر اور روشن خیال معاشرہ قائم کر کے دکھا دیا اور دنیا کو ماننا پڑا کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر نسل کے لوگ اکٹھے کر کے محض ایک عقیدے کی بناء پر انہیں ایک امت بنا سکتا ہے۔(۲۲۶)

## عدل و انصاف کا قیام

عالمی مذہب و تہذیبوں کے علمبرداروں کی طرح بحیثیت مسلم ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے وہ ذاتی زندگی میں انصاف کا راستہ اختیار کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ "(۲۲۷) یہ عدل اولاد کے معاملہ میں بھی ہونا چاہیے، عائلی زندگی میں بھی ہونا چاہیے، اگر کسی عدالت کا سربراہ ہے تو مدعی و مدعی علیہ کے درمیان عدل کا نفاذ کرے، اگر ملک کا سربراہ ہے تو اپنی عوام کے درمیان بلا تخصیص مذہب و نسل سب کے ساتھ برابری اور انصاف کا سلوک کرے، کسی کو مذہب و قومیت یا کسی اور بنیاد پر ظلم کا نشانہ نہ بنائے، علامہ مناوی نے انصاف اور عدل کو

مترادفات میں شمار کیا ہے۔(۲۲۸) اللہ تعالیٰ نے عدل کا حکم قرآن کے ساتھ مشروط کر کے دیا ہے۔ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ "(۲۲۹) قرآن کے مطابق فرد کی ذمہ داری ہے اس کا نفاذ کرے اور عدل بلا تخصیص مذہب و نسل ہو حضرت علیؓ نے فرمایا جو غیر مسلم ہمارے ماتحت ہوں ان کا خون ہمارے خون کے برابر ہے، ان کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔(۲۳۰) مسلم امت کی بدقسمتی یہ ہے کہ بیشتر ممالک میں آمر حکمران مسلط ہیں، عوام کو انصاف میسر نہیں ہے یا انصاف پیسوں کے ذریعہ حاصل کرنا پڑتا ہے، حالانکہ یہ مفت حاصل ہونا چاہیے، ضرورت ہے عدلیہ کو مکمل آزادی دی جائے اور عدلیہ ہر قانون و ہر فرد کے خلاف دادرسی کر سکے نبی کریم انے فرمایا کفر کے ساتھ حکومت قائم رہ سکتی ہے، ظلم کے ساتھ نہیں۔ یہی وجہ ہے آپ انے معاہدہ حلف الفضول(۲۳۱) کا احیاء فرمایا جس کا مقصد امن کا قیام مسافروں کا تحفظ اور مظلوموں کی امداد تھا۔(۲۳۲) عدل کا ایک پہلو صوبوں اور صوبوں میں بسنے والی تمام قوموں سے برابری کا سلوک بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا المسلمون شركاء في ثلاث الماء والكلاء والنار۔ یعنی پانی چارہ اور آگ سب کو یکساں ملے، آج پانی اہم ترین تنازعہ کا سبب ہے، چارہ کی جگہ روزگار نے لے لی ہے، عبدالخالق سہریانی نے اس پر تفصیل سے لکھا ہے۔(۲۳۳) ظلم نام ہے: التصرف في حق الغير بغير حق(۲۳۴) یعنی غیر کی حق تلفی دوسری تعریف کی گئی ہے: وضع الشيء في غير موضعه(۲۳۵) آپ ﷺ نے فرمایا: اتقوا الظلم فإن الظلم ظلمات يوم القيامة (۲۳۶) یعنی ظلم سے بچو ورنہ قیامت کے دن سامنے آئے گا، دوسری جگہ فرمایا: انصر أخاك ظالمًا أو مظلومًا۔(۲۳۷) اپنے بھائی کی مدد کرو اگر ظالم ہے تو ظلم سے روکو مظلوم ہے تو ظلم سے بچاؤ، یہی عدل ہے، جب تک عدل عام نہ ہو ظلم کا خاتمہ نہ ہو اور سب کے ساتھ مساوی سلوک نہ ہو امت مسلمہ عند اللہ مجرم رہے گی۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں حضور نبی اکرم اکا ارشاد مبارک ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب کسی قوم میں فحاشی عام ہو جائے تو اُن میں طاعون اور وہ بیماریاں عام ہو جاتی ہیں جو پہلے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھیں، جب لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں تو اُن پر قحط اور اس طرح کے دیگر عذاب نازل ہوتے ہیں اور اُن کے حکمران اُن پر ظلم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن سے بارش روک لیتا ہے کہ اگر زمین پر چوپائے نہ ہوں تو اللہتعالیٰ آسمان سے اُن پر ایک قطرہ بھی پانی نہ گرائے۔ جب لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکے عہد کو توڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر اُن کے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے جو اُن کا مال اُن سے چھین لیتے ہیں، جب مسلمان حکمران اللہ تعالیٰ کے قانون کو چھوڑ کر کوئی دوسرا قانون اپنا لیں اور اَحکامِ خداوندی میں سے کچھ اِختیار کر لیں اور کچھ کو چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر مصائب و آزمائشیں مسلط فرما دیتا ہے۔(۲۳۸)

**انسانی حقوق کا تحفظ:**

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو حقوق عطا فرمائے ہیں انہیں Fundamental Rights کہا جاتا ہے۔(۲۳۹)

حق کے معنی ہیں وہ بات جو ثابت ہو اور اس سے انکار ممکن نہ ہو۔(۲۴۰) قرآن کریم میں یہ لفظ ۲۲۷ مرتبہ آیا ہے۔(۲۴۱) اور تین معانی میں استعمال ہوا ہے، ثابت کرنے(۲۴۲) حصہ(۲۴۳) اور سچ کے معنی میں (۲۴۴) علامہ شامی نے حق کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: الحق ما یستحقه الرجل۔(۲۴۵) حق وہ ہے جس کا انسان مستحق ہو شریعت کی نگاہ میں حق وہی کہلائے گا جس کا شریعت اقرار کرتی ہو حقوق کی بنیادی طور سے دو قسمیں ہیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد۔(۲۴۶) قسم دوم کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں، بدنیہ، مالیہ، عرضیہ۔(۲۴۷)

مغرب میں انسانی حقوق کے قوانین ۱۰۳۷ء میں شان کارنٹریڈ ثانی (Conrad II) نے جاری کیے، پر ۱۱۷۸ء میں شاہ الفانسو نہم نے ۱۳۱۵ء کو میگنا کارٹا(Magnacarta) قوانین جاری کیے، ۱۶۸۹ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے(Bill of Rights) جاری کیا۔ بالآخر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کا منشور انسانی جاری ہوا، جو آج نافذ العمل ہے۔(۲۴۸) حقوق کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم نے حکم دیا، اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں کے حقوق ادا کرو۔(۲۴۹) سورہ بقرہ میں واضح کر دیا، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لینے سے حقوق ادا نہیں ہوں گے۔(۲۵۰)

**فضول خرچی سے گریز:**

ہمارے دین اسلام نے گرچہ آخرت کو مطمح نظر اور مقصد حیات بنانے پر سعادت وکامرانی کا دار ومدار رکھا ہے لیکن اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ دنیاوی زندگی کی استواری کے لئے جائز طریقوں سے مال واسباب کا حصول اور مباحات میں اس کا خرچ تمہارا فطری حق ہے، فرمان الٰہی ہے۔ مفہوم: اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش رکھو اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھولو۔(۲۵۱)

مال کے خرچ، کھانے پینے حتیٰ کہ صدقہ وخیرات میں بھی حکم دیا گیا ہے کہ نہ فضول خرچی کرو اور نہ کنجوسی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا۔ مفہوم: اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی، بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال سے کام لیتے ہیں۔ (۲۵۲)

مزید فرمایا۔ مفہوم: اور کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔(۲۵۳)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: کھاؤ پیو پہنو اور صدقہ کرو جب تک اس میں اسراف اور تکبر کی آمیزش نہ ہو۔(۲۵۴)

اسلام ہر شعبہ زندگی کی طرح مال خرچ کرنے میں بھی اعتدال اور میانہ روی کا درس دیتا ہے، چنانچہ فرمایا گیا:

"لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا"

ترجمہ: "اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو) کہ پھر تمہیں خود ملامت زدہ (اور) تھکا ہارا بن کر بیٹھنا پڑے"(۲۵۵)

علاوہ ازیں کھانے کے لیے سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال، مردوں کیلئے ریشمی کپڑے، شادی بیاہ کے

موقع پر خواتین کا بے جا اسراف سب فضول خرچی کے زمرے میں آتے ہیں جو قطعاً حرام ہیں اور جن کی مذمت ہمیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث مبارکہ سے بھی ملتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دین اسلام کی تعلیمات تمام تر اعتدال و میانہ روی پر مبنی ہیں، چاہے ان کا تعلق قول و عمل سے ہو یا اخلاق و معاملات یا دوسرے امور سے۔ یہ عظیم و نمایاں خصوصیت اسی کا حصہ ہے، جس سے دنیا کے تمام ادیان و مذاہب عاری ہیں اور یہ ان بیش بہا خصوصیات و اوصاف میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے دین اسلام کو دنیا وآخرت میں کامیابی کا واحد ذریعہ ہونے کا امتیاز حاصل ہے، اللہ کا اعلان ہے۔ مفہوم: بے شک دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔(۲۵۶)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ہر عمل میں میانہ روی اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور دین پر مکمل طور پر عمل کرنے والا بنائے۔

## مال خرچ کرنے سے متعلق اسلامی تعلیمات

اسلام میں اسراف اور فضول خرچی منع ہے کیونکہ اسلام ایک مذہب اعتدال ہے اس میں ایک طرف بخل و کنجوسی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے تو دوسری طرف اسراف و فضول خرچی سے بھی روکا گیا ہے، مسلمانوں کو اعتدال اور میانہ روی اپنانے کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن میں اسراف و تبذیر اور فضول خرچی کو شیطانی عمل اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ "اور اسراف و بے جا خرچ کرنے سے بچو، بلاشبہ بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے "(۲۵۷) خرچ کرنے کے بارے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کی جائز ضروریات مناسب طریقے سے پوری کرے، غریب رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور حاجت مند مسافروں پر اپنا مال خرچ کرے، اپنی دولت سے ان محروم لوگوں کا حق ادا کرے جو اپنی بنیادی ضرورتیں بھی پوری کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور یہ لوگ خودداری اور شرم حیا کی وجہ سے امیر کبیر اور دولت مند لوگوں سے سوال بھی نہیں کرسکتے، ایسے لوگوں کی ہمیں ہر حال میں اور ہر ممکن طریقے سے مدد کرنی چاہیے۔

سورہ فرقان میں اللہ تعالی کے پسندیدہ بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ بخل و کنجوسی کرتے ہیں اور نہ اسراف و فضول خرچی کرتے ہیں بلکہ (خرچ کرنے میں) میانہ رو اور معتدل ہوتے ہیں۔

چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے کہ "اور یہ لوگ (رحمان کے پسندیدہ بندے) جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی اختیار کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ دو میانی راہ اختیار کرتے ہیں "(۲۵۸)

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "میانہ روی

اختیار کرنے والا کبھی محتاج نہیں ہوتا"(۲۵۹)

اس مختصر حدیث میں حضوراکرم انے ناداری غریبی اور تنگ دستی جیسی خطرناک آفتوں سے بچنے کے لیے ہمیں خرچ میں "میانہ روی" اختیار کرنے کی تاکید و تلقین فرمائی ہے، اعتدال و میانہ روی کی تاکید کے معاملے میں اسلام تمام مذاہب سے ممتاز و منفرد ہے اسلام ہمیں ہر عمل میں میانہ روی ارو اعتدال کی تعلیم دیتا ہے البتہ حدیث مذکورہ میں خاص طور پر خرچ کرنے میں میانہ روی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

اسراف و فضول خرچی سے پرہیز کرنے والا کبھی تنگ دستی اور فقر و فاقے میں مبتلا نہیں ہو گا کیونکہ ایسا شخص اپنے حالات او اپنی آمدنی سے مطابق نہایت سوچ سمجھ کر خرچ کرے گا ونہ تو نمود و نمائیش میں اپنی رقم ضایع کرے گا اور نہ عیش و عشرت میں اپنی دولت برباد کریگا اور نہ فضول خرچی میں اپنی دولت اڑائی گا بلکہ جو کچھ بھی خرچ کرے گا انتھائی سوچ سمجھ کر خرچ کرے گا۔ اسی طرح مال خرچ کرنے کے متعلق ایک اور مقام پر قرآن کریم نے مومنین کو یہ ھدایت و تعلیم دی ہے کہ "نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو (یعنی حد درجہ کنجوسی کرو) اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو (یعنی بے تحاشا خرچ کرنے لگ جاؤ کیونکہ اگر ایسا کروگے تو) ملامت کا نشان بن جاؤگے اور افسوس سے ہاتھ ملتے اور عاجز بن کر رہ جاؤگے (۲۶۰)

ہمیں چاہیے کہ ہم فضول خرچی اور بے جا خرچ کرنے سے پرہیز کریں اور بخل و کنجوسی سے بھی کام نہ لیں۔ مزید برآں اگر ہم اعتدال اور میانہ روی کے سنہری اصول کو اختیار کرلیں تو ہمارا معاشرہ بے شمار برائیوں اور مشکلات سے از خود نجات حاصل کرلے گا۔

**امیری و غریبی اور طبقاتی اونچ نیچ کا خاتمہ:**

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "انسانوں کو دنیا میں جو مصیبت بھی پیش آتی ہے وہ ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ انسانوں کے تمام اعمال کا نتیجہ ان پر مسلط نہیں کرتا بلکہ بہت سی باتیں وہ معاف ہی کر دیتا ہے۔"(۲۶۱)

اس کے ساتھ ہی سورۃ فاطر کی آخری آیت دیکھ لیں تو بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر انسانوں کو ان کے تمام اعمال کی سزا دینے لگے تو زمین پر ایک کیڑا بھی رینگنے نہ پائے۔(۲۶۲)

اسلام کا ایک اصول یہ ہے کہ یہ دنیا ضروریات پوری کرنے کی حد تک ہے، خواہشات کا پورا کرنا اس دنیا میں ممکن نہیں ہے۔ آج تک کسی انسان کی خواہشات اس دنیا میں پوری ہوئی ہیں اور نہ پوری ہو سکتی ہیں۔ اس لیے تمام انسان ضروریات کے دائرہ میں رہیں گے تو اس دنیا کے موجودہ وسائل سے سب کا گزارہ ہوتا رہے گا۔ لیکن جونہی کچھ لوگ ضروریات کا دائرہ توڑ کر خواہشات کی تکمیل کے خیال سے وسائل ذخیرہ کرنا شروع کر دیں گے تو ان چند لوگوں کی یہ ادھوری خواہشات بہت سے لوگوں کی حقیقی ضروریات کا خون کر دیں گی۔ اس کا مشاہدہ ہم اپنے ارد گرد کھلی آنکھوں

سے افراد، طبقات، اور اقوام و ممالک کے ہر دائرہ میں کر رہے ہیں۔ (۲۶۳)

ایک ریاست کے وسائل سے استفادہ میں اس کے تمام شہریوں کا حق یکساں ہے اور قومی خزانے کے ساتھ سب شہریوں کے برابر کے حقوق وابستہ ہیں۔ اب ان حقوق کو استعمال کرنے اور ان سے استفادہ کرنے میں افراد کی صلاحیتوں، توجہ، محنت، اور استعداد کے فرق سے کمی بیشی ہو جائے تو اس کی ذمہ داری ریاست پر نہیں ہے۔ لیکن قومی وسائل سے استفادہ کے حق میں ریاست کو اپنے شہریوں کے درمیان فرق قائم نہیں کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں اسلامی تاریخ کے ایک اہم واقعہ کا حوالہ دینا مناسب رہے گا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ، سربراہِ خلافت ہوئے تو بحرین سے غنیمت کا مال بہت زیادہ مقدار میں آنے پر اس کی تقسیم کے معاملہ میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ اس کی تقسیم میں درجات قائم کیے جائیں اور نیکی کے مراتب کے لحاظ سے وظائف میں فرق رکھا جائے۔ اصحابِ بدر کو سب سے زیادہ وظیفہ دیا جائے، مہاجرین کو اس سے کم، انصار کو اس سے کم، اور فتح مکہ کے بعد کے مسلمانوں کو اس سے بھی کم حصہ دیا جائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ رائے قبول نہیں کی اور فرمایا: "نیکی و مراتب کا تعلق آخرت سے ہے اس کے مطابق آخرت میں ثواب ملے گا۔ جبکہ یہ معیشت ہے اس میں برابری کا اصول ترجیح سے بہتر ہے۔" (۲۶۴)

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے کو تسلیم نہ کرتے ہوئے قومی خزانے کی رقوم کی تقسیم اور وظائف میں برابری کا اصول قائم کر دیا جو ان کے دورِ خلافت میں قائم رہا۔ مگر ان کے بعد حضرت عمرؓ، خلیفہ ہوئے تو انہوں نے یہ اصول تبدیل کر کے اپنی رائے کے مطابق وظائف کی تقسیم میں ترجیحات قائم کر دیں اور پوری مدتِ خلافت میں اسی پر عمل کرتے رہے۔ لیکن جب نو دس سال میں ترجیحات قائم کرنے کے معاشرتی اثرات سامنے آئے تو حضرت عمرؓ، کو اس کا احساس ہوا۔ اور یہ ان کے حق پرستی کی علامت ہے کہ امام ابو یوسف کی "کتاب الخراج" کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ، نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس معاملہ میں ان کی رائے درست نہیں تھی اور حضرت ابو بکرؓ، کا فیصلہ درست تھا۔ اور انہوں نے اعلان کیا کہ اگلے سال سے وہ طریق کار تبدیل کر کے حضرت صدیق اکبرؓ، کے فیصلہ کے مطابق تقسیم کا نظام نئے سرے سے منظم کریں گے۔ لیکن اگلا مالی سال شروع ہونے سے قبل حضرت عمرؓ، کی شہادت ہو گئی اور وہ اپنے اس فیصلہ پر عمل نہ کر سکے۔ (۲۶۵)

مزید تفصیل کی اس مقالے میں گنجائش نہیں اس لیے بطور خلاصہ یہی عرض ہے کہ دنیا میں بھوک، افلاس، غربت اور معاشرتی ناہمواری کی ذمہ داری خود انسانی برادری پر عائد ہوتی ہے جس میں ہم میں سے ہر ایک کا اپنے اپنے درجہ میں حصہ شامل ہے۔ اس لیے اس سے نجات اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم اپنی خود ساختہ ترجیحات کو ترک کر کے اسلامی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور پھر دیکھیں کہ دنیا میں امن اور خوشحالی کا خوشگوار دور کس طرح قائم ہوتا ہے۔

**نظم وضبط کا شعور اجاگر کرنے کے لیے عوام کی ذہن سازی:**

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ نے محض قانون کے زور سے لوگوں کی اصلاح نہیں فرمائی بلکہ آپؐ نے سب سے پہلے لوگوں کے ذہن، سوچنے کے انداز اور ان کے غور وفکر کے اسلوب کو بدلا ہے۔ یہ چیز آپ کے فرائضِ نبوت میں بھی شامل تھی۔(۲۶۶)اور یہی چیز ایمان ہے۔ اس ذہن سازی یا تربیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ ﷺ کا تربیت یافتہ یا صحبت یافتہ ہر فرد آسمانِ ہدایت کا درخشندہ ستارہ قرار پایا۔(۲۶۷)اسی انداز میں پاکستان کو اپنی اصلیت کی پہچان کرانے اور یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی(۲۶۸)

اغیار کے مقابلے میں احساسِ کمتری اور مرعوبیت کو ختم کر کے احساس برتری یا احساس خود شناسی اور خود اعتمادی پیدا کرنا ضروری ہے۔

خیرہ کر نہ سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
میری آنکھ کا سرمہ ہے خاک مدینہ و نجف(۲۶۹)

بڑھتے ہوئے چیلنج سے نمٹنے کے لیے مسلمانوں کے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اپنے مرکز کی طرف لوٹ آئیں۔ قرآن وسنّت کا دامن تھام لیں۔ اعلیٰ اوصاف اپنالیں، مذموم مشاغل ترک کر دیں۔ موجودہ چیلنجز سے نمٹنے کے لیے ہمیں نئے اصولوں کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام کے دیئے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلمان باہر سے آنے والی نئی ہَوا کو قبول کر سکتا ہے، مگر اسلامی ضمیر کو غیر اسلامی ضمیر سے بدل کر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی ساری تہذیبیں اور مذہب مٹ گئے، لیکن اسلام آج بھی زندہ و تابندہ اور قابلِ عمل ہے۔ یہی اس کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس سچائی کی خاطر مسلمان جمود کے بجائے متحرک ہو جائیں تو آن ماضی آج بھی ان کے قدم چومنے کے لیے بے تاب نظر آئے گی۔ اقبالؒ مسلمانوں کو خودی کا درس دیتے ہوئے ان کی پستی کی وجہ اغیار کی اندھی تقلید قرار دیتے ہیں۔

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج — من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات — تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من(۲۷۰)

**احتساب:**

احتساب کا مطلب حساب کتاب، گنتی، عیب وصواب کی جانچ پڑتال، بازپرس، دیکھ بھال، جائزہ اور روک ٹوک ہے(۲۷۱)احتساب دراصل اللہ تعالیٰ کا منصب و مقام ہے، وہی اس کائنات کو دیکھنے والا، اسکا حساب کتاب رکھنے

والا اور مخلوق کے اعمال کا جائزہ لینے والا ہے۔ اللہ تعالی کی صفات و اسماء میں سے ایک نام "الحسیب" بھی ہے(۲۷۲)اور قرآن مجید نے بھی فرمایا کہ "وکفی باللہ حسیبا"(۲۷۳)اور حساب لینے کے لیے اللہ تعالی ہی کافی ہے۔ اور"ان اللہ کان علی کل شیء حسیبا۔ "(۲۷۴)بے شک اللہ تعالی ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ پس اس دنیا کا اصل محتسب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:" الا کلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیتہ۔"(۲۷۵) تم میں سے ہر فرد نگہبان (محتسب) ہے اور ہر شخص سے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

اسلامی نظر احتساب میں امیر، غریب، عالم، جاہل، گورے، کالے، حکمران، عوام سب برابر ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جب حضرت بلالؓ کے بارے میں ناپسندیدہ الفاظ کہے تو محسنِ انسانیت ﷺ نے فرمایا تم میں جاہلیت کی رمق باقی ہے(۲۷۶)۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا کے بارے میں کہا کہ وہ پستہ قد ہیں تو محسنِ انسانیتؐ نے انکا احتساب کرتے ہوئے فرمایا اس بات کے اثر سے اگر تمہاری زبان سمندر میں ڈالی جائے تو سمندر کا ذائقہ بدل جائے(۲۷۷)۔ آپ ﷺ کی نظر احتساب سے کوئی نہ بچ پاتا تھا بلکہ جو جتنا قریب ہو تا وہ احتساب کی صافی سے اتنا ہی زیادہ مانجھا جاتا۔

اسلامی نظامِ احتساب میں کوئی بھی احتساب کے عمل سے بالاتر نہیں ہے۔ جو جس مقام و منصب پر ہے اسکے احتساب کے لیے نظام کی گرفت موجود ہے۔ آپؐ عمر مبارک کے آخری حصہ میں ایک بار مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ کرام سے فرمایا اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو میری پیٹھ حاضر ہے وہ بدلہ لے لے، کسی کی بے آبروئی کی ہو تو میری آبرو حاضر ہے وہ بدلہ لے لے(۲۷۸)۔ یہ تاریخِ عدل میں ایک اور روشن باب کا اضافہ تھا جس کی نظیر اس سے قبل آسمان نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

یہ نبی محترم کی ذات اقدس تھی جس کی احتسابی جہت نے خود نبی علیہ رحمت کو قابل احتساب سمجھا جب کہ منصب نبوت اس بات سے کہیں بالاتر ہے کہ عام انسان اسکا احتساب کرتے پھریں۔ محتسب کائنات نے کسی کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ نبی کا احتساب کرے نبی ہر حال میں مطاع ہے تاہم اللہ تعالی نے اپنے ہاں سے ایک سے زائد مرتبہ نبی کا احتساب کیا جیسے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے بے رغبتی پر سورہ عبس کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں(۲۷۹)اور شہد کو ممنوع قرار دینے پر سورہ تحریم کی آیات نازل ہوئیں۔ (۲۸۰)تاہم اس احتساب میں بھی خالق کائنات نے احترام نبوت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

خود احتسابی اسلامی تعلیمات کا وہ پہلو ہے جو کسی اور نظام عدل و احتساب میں موجود نہیں۔ اسلام نے تقوی کی تلقین سے ہر مسلمان میں خود احتسابی کی روح پھونک دی، قرآن کا کوئی درس تقوی سے خالی نہیں، آپؐ نے فرمایا" اللہ تعالی نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈروں"(۲۸۱)، مزید یہ کہ

"جس کا آج اسکے گزشتہ کل سے بہتر نہیں وہ تباہ ہو گیا"، "جس نے اپنے نفس کو ڈھیل دی اور خدا کی رحمتوں سے امیدیں باندھیں وہ تباہ ہوا"(۲۸۲)اور خدا کے خوف سے چھلک جانے والوں کو کتنی کتنی بشارتیں سنائیں(۲۸۳)۔

اسلام نے تعمیر کردار میں خود احتسابی کو اس قدر دخیل کیا ہے کہ یہ عمل اپنی معراج کو پہنچا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ روتے ہوئے گھر سے نکلتے ہیں کہ حنظلہ منافق ہو گیا، حنظلہ منافق ہو گیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہو لیتے ہیں، دونوں حضرات خدمتِ اقدس میں پیش ہو کر عرض کرتے ہیں کہ جو کیفیت دربار نبوت میں ہوتی ہے کاروبار دنیا میں باقی نہیں رہتی، ارشاد ہوتا ہے اگر ایسا ہو جائے تو فرشتے سر راہ اور بستروں میں سوتے ہوئے تم سے مصافحہ کریں۔ (۲۸۴)رات کے اندھیروں میں گناہوں سے بچنا، نالۂ نیم شبی اور کسر نفسی کے شعار دراصل خود احتسابی کی ہی شاخیں ہیں۔

عشاء کی نماز میں طویل قرات کرنے پر آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے کہا کیا تو فتنہ جو ہے؟(۲۸۵)، ایک مسلمان کو تین مرتبہ نماز لوٹانے کا کہا پھر سمجھایا کہ آہستہ آہستہ پڑھا کرو۔(۲۸۶)اور رشوت، ملاوٹ، جھوٹ اور نکاح نہ کرنے والوں کے لیے سخت محاسبی اقوال زبان زدِ عام و خاص ہیں۔

قرآن نے ان لوگوں کا اجتماعی احتساب کیا ہے جو غزوہ احد کے موقع پر درہ چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے چل پڑے تھے اور جنگِ حنین کے موقع پر کثرتِ تعداد کے باعث پیدا ہو جانے والے جذبات کا اجتماعی احتساب تا قیامت تلاوت کیا جاتا رہے گا۔ سریہ نخلہ رجب2ھ میں حضرت عبداللہ بن جحش اور انکے دستہ نے ماہ حرام میں قریش کے ایک قافلے پر حملہ کر دیا جس پر آپؐ نے انکی باز پرس کی اور فرمایا "میں نے حرام مہینے میں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا" اور سامان قافلہ اور قیدیوں کے سلسلے میں کسی بھی تصرف سے ہاتھ روک لیا۔(۲۸۷)اسی طرح جب جنگ بدر سے قبل انصار و مہاجرین باہم مقابل آگئے اور انکے درمیان تلواریں نکلنے کی نوبت آگئی تو محسنِ انسانیتؐ نے ان سب کا اجتماعی احتساب فرمایا اور کیا ہی سخت لہجے میں احتساب فرمایا۔

خدا نے اس قوم کی آج تک حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

## اکل و شرب اور ناپ تول میں نظم و ضبط اور تعلیمات نبوی ﷺ:

اسلام نے جس طرح تمام شعبوں میں عدل و انصاف سے کام لینے کا حکم دیا ہے اسی طرح ناپ تول میں انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: "وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ"(۲۸۸) ترجمہ:"اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کرو۔" گویا کاروباری شعبے میں بھی انصاف کرنے کو اولین شرط قرار دیا گیا ہے۔ ہر شخص کو ہر حال میں سچائی اور انصاف نہ چھوڑنا چاہیے۔ ناپ تول میں کمی بیشی نہیں کرنی چاہیے۔ کھانے پینے میں بھی عدل و انصاف سے کام لینا چاہیے۔ یعنی ضرورت کے مطابق کھایا جائے اور اگر فالتو بچ جائے تو جسے اس کی ضرورت ہو اسے دے دیا جائے۔ ارشاد

ربانی ہے:" وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا "ترجمہ:" کھاؤ پیو لیکن فضول خرچی نہ کرو۔"(۲۸۹) آپؐ فرماتے ہیں " کھاؤ اور پہنو اور صدقہ کرو اور اسراف اور خود نمائی سے رکو۔(۲۹۰)

**سیرت و کردار میں نظم وضبط اور اسوہ نبوی ﷺ:**

حضرت لقمانؓ کے نصائح میں ہے، "وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ "ترجمہ:" اور چل معتدل چال "(۲۹۱) بتصریح سید سلیمان ندوی " یعنی اتنی تیزی نہ ہو کہ چال میں متانت اور وقار باقی نہ رہے اور نہ اتنی سستی ہو کہ ریاکار زاہدوں کی نمائشی چال بن جائے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "جو شخص فخر و غرور سے اپنا کپڑا نیچے لٹکا کر گھسیٹے گا اللہ قیامت کے دن اس کی طرف رحمت سے نہ دیکھے گا"۔(۲۹۲) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: " وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا "ترجمہ:" اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں۔ " (۲۹۳)

"وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً "ترجمہ:" اور زمین میں اکڑ کر نہ چل (کہ اس طرح چل کر) نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں تک اونچائی میں پہنچ سکتا ہے۔"(۲۹۴)

حضرت حسنؓ، فرماتے ہیں وہ انسان جو ہر دن میں دو مرتبہ اپنا پاخانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے کس بنا پر تکبر کرتا ہے۔(۲۹۵)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں " وہ جنت میں نہ جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو "(۲۹۶) ارشاد ہے کہ انسان اپنے غرور اور خود پسندی میں بڑھتے بڑھتے اللہ کے ہاں جباروں میں لکھ دیا جاتا ہے پھر سرکشوں کے عذاب میں پھنس جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ " ترجمہ:" اور زمین پر اکڑ کر نہ چل بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ "(۲۹۷)

اکڑ کر، اترا کر، تکبر کے ساتھ چلنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو منع فرماتا ہے یہ عادت سرکش اور مغرور لوگوں کی ہے۔ قرآن میں قارون کا قصہ موجود ہے کہ وہ مع اپنے محلات کے زمین دوز کر دیا گیا۔(۲۹۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:" جب نماز کے لیے اعلان ہو جائے تو اس کی طرف تم میں سے کسی کو دوڑنا نہیں چاہیے بلکہ ایسی حالت میں چلے کہ اس پر سکینہ اور وقار کی کیفیت طاری ہو۔ نماز کو جس قدر تو نے پایا ہے اس کو پڑھ لیجئے جو حصہ فوت ہو چکا ہے اس کی قضا کیجئے۔"(۲۹۹)

**خلاصۂ کلام**

کسی بھی ریاست یا معاشرے کی بقاء و کامیابی میں نظم وضبط کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی بھی ریاست، معاشرہ، قوم یا جماعت کی بقاء میں اس کے نصب العین اور مقاصد کے بعد سب سے اہم اور لازمی عنصر اس کا باہمی اتحاد اور اس کا نظم وضبط ہی ہوتا ہے۔ طرز زندگی کو چار چاند لگانے کے لئے منصوبہ بندی، ہدف کے تعین اور نظم

وترتیب کے بعد زندگی میں جو نکھار پیدا ہوتا ہے اس سے آرام وسکون کے حصول کے ساتھ ساتھ تمام تر ذہنی الجھنیں اور اضطرابی کیفیات کا یکسر خاتمہ ہوتا ہے۔ اگر ہمارے انفرادی اعمال منظم ہونگے تو اس سے ہمارے فکری واجتماعی اعمال پر لازماً مثبت اثر پڑے گا اور انسان ایک منظم زندگی کے دائرہ میں شامل ہو کر پوری ریاست اور معاشرے کی خوشحالی وکامرانی کا سبب بن سکتا ہے۔ اسی ضمن میں کسی بھی اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے عوام الناس کے انفرادی طرزِ زندگی کو منظم کیا جائے، ان کے افعال، کردار وگفتار کو نظم وضبط کے دائرے میں لایا جائے اور پھر ملکی ومعاشرتی سطح پر ان چند اہم امور کو منظم وباربط بنانے کی سعی کی جائے جو ریاست اور عوام دونوں کے مفاد میں ہوں۔ ایسے امور تو لاتعداد ہو سکتے ہیں لیکن ہم یہاں چند ایک اہم امور کا ذکر کرتے ہیں اور یہی امید رکھتے ہیں کہ اگر ان امور پر عمل درآمد کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ اجتماعی وانفرادی سطح پر انتشار وافتراق کا خاتمہ ہو گا بلکہ اس سے عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے ساتھ ساتھ ریاست بھی امن وآشتی، کامیابی وکامرانی اور نظم وضبط کے اعلیٰ نمونے کے طور پر دنیا کے نقشے پر براجمان ہو گی۔

ارشاد ربانی ہے: "اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو کئی گروہوں اور قبائل میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ یقیناً بہت علم رکھنے والا اور بہت خبر رکھنے والا ہے۔"(۳۰۰) یہ ایسی انقلاب انگیز تعلیم ہے جس سے معاشرہ میں اونچ نیچ اور ہر قسم کی ناہمواری کی جڑ کٹ جاتی ہے اور سب ایک ہی سطح کے انسان شمار ہو کر اور باہم شیر وشکر ہو کر زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ جب عزت کا معیار تقویٰ قرار پا گیا تو پھر ضروری ہوا کہ سوسائٹی کا کوئی طبقہ اپنی دولت اور قومیت کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں سے برتر نہ سمجھے اور دوسروں کی تحقیر کا مرتکب نہ ہو اسی لئے ساتھ ہی قرآن میں یہ حکم بھی دیا گیا: "اے مومنو! کوئی قوم دوسری قوم کو حقیر سمجھ کر اس کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے کہ وہ (دوسری قوم) خود ان سے اچھی ہو (یعنی اللہ کے نزدیک ان سے زیادہ متقی) اور نہ کسی قوم کی عورتیں دوسری قوم کی عورتوں کو حقیر سمجھ کر ان سے ہنسی ٹھٹھا کریں۔ ممکن ہے کہ اس دوسری قوم کی عورتیں ان سے بہتر ہوں۔ (یعنی عنداللہ زیادہ متقی اور پرہیز گار ہوں) نہ ہی تم ایک دوسرے پر طعن کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد کیا کرو کیونکہ ایمان کے بعد اطاعت سے نکل جانا ایک بہت ہی برے انجام کا مستحق بنا دیتا ہے اور توبہ نہ کر کے وہ ظالم ہو گا۔"(۳۰۱)

یہ ایسے پیارے اور دل موہ لینے والے معاشرتی احکام ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے باہمی ہمدردی ومؤاخات احترام اور بھائی چارے کی فضا قائم ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ اس لئے ان کے نہایت حسین نتیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرمایا: "بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، سو اپنے بھائیوں میں صلح کرادو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"(۳۰۲) یہ ان معاشرتی احکام پر عمل پیرا ہونے کا ہی نتیجہ تھا کہ خود آنحضرتؐ کے زمانہء مبارک میں ایسا حسین معاشرہ وجود میں آیا کہ فی الحقیقت مومن آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور خدا تعالیٰ نے اس حسین

معاشرے کے قیام کا قرآن کریم میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کر دی جس کے نتیجہ میں تم اس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔" (سورہ آل عمران آیت ۱۰۴)

اسلام کی لازوال و بے مثال تعلیم پر عمل پیرا ہونے سے ایک ایسا حسین معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے جس میں امیر و غریب باہم شیر و شکر ہو کر زندگی گزارتے ہیں اور انہیں یکساں عزت و احترام کا مستحق گردانہ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزت کا معیار دولت اور امارت کو نہیں بلکہ تقویٰ کو قرار دیا ہے جو بھی متقی ہے خواہ وہ امیر ہو یا غریب تکریم کے لائق ہے۔ اگر ایک شخص بظاہر غریب ہے لیکن متقی ہے وہ یقیناً اس امیر سے زیادہ لائق تکریم ہے۔ جو متقی نہیں یا جسکا تقویٰ ابھی خام ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو یہ امر بطور خاص ذہن نشین کرایا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تم اللہ کی نگاہ میں معزز قرار پاؤ تو تقویٰ اختیار کرو۔

اسلام کے قائم کردہ اس حسین معاشرہ میں عدل و انصاف ضروری امر ہے۔ اور عدل و انصاف قائم کئے بغیر دنیا امن و آشتی کا گہوارہ بن نہیں سکتی۔ کیونکہ جب ناانصافی اور جبر و استبداد کا دور دورہ ہو جائے تو بدی جنم لیا کرتی ہے اور تباہی کے رستہ پر چل نکلتی ہے۔ اگر انسان حقوق اللہ کی ادائیگی میں عدل سے کام نہیں لیتا تو یہ امر بعید از امکان ہے کہ وہ بنی نوع انسان کیساتھ عدل کر سکے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ عدل کے تقاضوں کو صحیح معنوں میں پورا نہ کرنے کے بد نتائج ضرور بھگتنا پڑتے ہیں۔ اس قسم کی سزا کا تعلق خدا تعالیٰ کے غضب سے نہیں جو گویا آسمان سے اترتا ہے۔ بلکہ یہ تو قوانین قدرت کی خلاف ورزی کا فطری نتیجہ ہے۔ کیونکہ کوئی بھی قوانین قدرت سے بالاتر نہیں۔ چنانچہ دنیا میں جنگوں کی تاریخ پر غور کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نقص امن کی بنیادی وجہ ہمیشہ قوانین عدل کی خلاف ورزی ہوا کرتی ہے۔ اس ضمن میں ہر فردِ واحد کا فرض ہے کہ وہ ان قوانینِ قدرت پر خلوص نیت کے ساتھ عمل پیرا ہو تاکہ دنیا میں جلد امن قائم ہو۔

## حواشی و حوالہ جات


(۱) اسلام ایک نجات دہندہ تحریک / سلطان احمد اصلاحی / نئی دہلی / مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز / ص ۱۴۔ ..... (2)/http://www.fikrokhabar.com/index.php/enlightenment-news-article/item/ 8398-beasate-rasool-se-qabl-arab-ke-halat-ka-ijmali-jayiza ..... (3) The story of Civilization/Will Durrant/ vol1/ page 59..... (۴) سیرۃ النبی ﷺ / شبلی نعمانی / ج ۱/ ص ۱۸۔ ..... (۵) مجمع البیان / جلد ۱۰/ ص ۴۳۵۔ ..... (۶) دائرہ المعارف / جلد ۶/ ص ۲۵۰۔ ..... (۷) قانون میراث عہد قدیم و جدید کے آئینے میں مشمولہ اسلام میں خواتین کے حقوق۔ ..... (۸) شرح المعلقات السبع / الامام عبد اللہ الحسینی للزورنی / المکتبۃ الموسبتہ / ص ۳۔ ..... (۹) نہج البلاغہ خطبات مترجم مفتی

جعفر حسین / شریف رضی۔.....(۱۰) عربوں کی بت پرستی / ساجد صمدانی / لاہور / مکتبہ اسلامیہ / ص ۳۹۔.....
(۱۱) سورہ المائدہ / آیت نمبر ۱۰۳۔.....(۱۲) رہبر انسانیت / مولانا محمد رابع حسنی ندوی صفحہ نمبر: ۸۰۔.....(۱۳)
مسدس حالی / دیوبند / مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ / صفحہ ۵۲ تا ۷۲۔.....(۱۴) سیرۃ الرسول کی سیاسی و شخصی اہمیت /
ڈاکٹر طاہر القادری / لاہور / منہاج القرآن پبلی کیشنز / ص ۱۰) ۱۵) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان
پبلیشرز۔.....(۱۶) اسلام کی امتیازی خصوصیات / محمد جرجیس کریمی / دہلی / مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز / ص
۳۷۔.....(۱۷) مسدس حالی / خواجہ الطاف حسین حالی / لاہور / علم دوست پبلیشرز۔.....(۱۸) ملاحظہ فرمائے
سورہ النصر / سورہ نمبر ۱۱۰۔..... (۱۹) مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب ذکر کونی خاتم النبیین، 4: 1790، رقم:
2286). احمد بن حنبل، المسند، 2: 256، رقم: 7479۔.....(۲۰) مہاجرین حبشہ کا بیان، بہ لسانِ جعفر بن ابی
طالب، روبروئے نجاشی (مسند احمد رقم: 21460۔.....(۲۱) اسلامی معاشرہ / خالدہ تنویر / رام پور انڈیا / مکتبہ
الحسنات / ص ۱۰۰۔.....(۲۲) مسدس حالی / خواجہ الطاف حسین حالی / لاہور / علم دوست پبلیشرز / ص ۱۳۔.....
(۲۳) مقالات سیرت طیبہ، منعقدہ جامعہ سلفیہ بنارس / لاہور / بیت الحکمت / ص ۱۹۹۔.....(۲۴) کلیات اکبر الہ
آبادی۔.....(۲۵) سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۲۵۔.....(۲۶) سورہ البقرہ / آیت نمبر ۱۸۵۔.....(۲۷) سورہ آل
عمران / آیت نمبر ۱۱۰۔.....(۲۸) ابوالفضل عبدالحفیظ بلیلاوی، مولانا، مصباح اللغات، ص ۸۸۷ باب النون مکتبہ عمر
فاروق کراچی..... (۲۹) ایضاص ۴۹۰ باب الضاد..... (۳۰) وحید الزمان کیرانوی، القاموس الوحید، باب النون
ص ۶۶۹، مکتبہ ادارۃ اسلامیات لاہور.....(۳۱) ایضاص ۹۸۹ ج ۳..... (۳۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "میثاق
مدینہ"۔.....(33) Life of Muhammad/ William Muir/ London/ 1984۔.....(۳۴) رسول
اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی / ڈاکٹر حمید اللہ / کراچی / دارالاشاعت صفحہ ۱۶۔.....(35) A History of the
Intellectual Development of Europe/ John Draper/ London۔..... (۳۶) سورہ الحج /
آیت نمبر ۴۱۔.....(۳۷) علمِ سیاسیات / ڈاکٹر فرحت عظیم / کراچی / عظیم سنز / ص ۲۵۰۔.....(۳۸) اسلام کا
نظامِ حکومت / مولانا حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / صفحہ نمبر ۲۰۳۔.....(۳۹) حدیث بحوالہ صحیح بخاری۔
..... (۴۰) صحیح بخاری: کتاب الحدود، ابواب نمبر ۱۲۔۱۱۔.....(۴۱) پیغمبر رحمت ﷺ مترجم حافظ محمد امین / سعید
بن علی القحطانی / لاہور / دارالسلام / ص ۷۸۔.....(۴۲) بکھرے موتی / یونس پالن پوری / لاہور / مکتبہ عائشہ
/ حصہ چہارم / ص ۷۹۔ ..... (۴۳) سنن ابی داؤد۔ ..... (۴۴) سیرۃ النبی ﷺ / سید سلیمان ندوی /
ج ۷ / ص ۵۹۔۵۸۔.....(۴۵) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز۔.....(۴۶) اسموک
رچرڈ، ویسٹ ویو پریس، لندن ۱۹۸۷ء ص ۲۔.....(۴۷) جالسن، ایل جی ہیج پریس، لندن ۱۹۸۷ء ص ۱۲۔.....
(۴۸) محمد صدیق قریشی، کشاف اصطلاحات سیاسیات، ص ۴۴۹۔ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۸۶ء) ۴۹) گیمن

پریس، والیم ۲ ص۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ..... (۵۰) عبدالرحمن گیلانی: مترادفات القرآن اللغویۃ ص۶۱۹۔ ۶۲۰ مکتبہ دارالسلام لاہور۔.....(۵۱) سورہ الانعام، آیت ۸۲۔.....(۵۲) القرآن سورۃ الانفال آیت نمبر۳۸۔.....(۵۳) سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر۸۰۔.....(۵۴) حافظ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ ص۱۹۴ج۳، مکتبہ سید احمد شہید سریاب روڈ کوئٹہ۔.....(۵۵) زاہد الراشدی / روزنامہ اسلام / 13 فروری 2014۔ ..... (۵۶) الحدیث۔.....(۵۷) ہجرت خیر البشر / ابو محمد عبد المالک / کراچی / العرب پبلی کیشنز / ص ۲۵۱۔.....(۵۸) انصار مدینہ / اسحاق عالم / لاہور / مکتبہ مصباح / ص۴۸۔.....(۵۹) صحیح بخاری(60) القرآن سورۃ الفتح آیت نمبر۲۹۔.....(۶۱) القرآن سورۃ الفتح آیت نمبر۲۹۔.....(۶۲) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ج۷ ص۱۰۷۔.....(۶۳) محمود قاسم، ڈاکٹر حمید اللہ کی بہترین تحریریں ص۲۵۳۔.....(۶۴) ابو محمد بن عبد الملک بن ہشام، سیرتِ ابن ہشام، ص۳۵۵، مکتبہ دار لکتب لبنان۔.....(۶۵) حافظ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ ص۶۶۴ج۱۰۔.....(۶۶) اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی میڈیا کی یلغار / زاہد الراشدی / روزنامہ اسلام / ۲۸جون ۲۰۰۰ء۔.....(۶۷) صحیح بخاری۔.....(۶۸) اسلامی صحافت / امتیاز احمد / لاہور / نیو بک پیلس / ۱۹۸۹ء / ص ۸۰۔.....(۶۹) القرآن / سورۃ الشعراء۔..... (۷۰) سورہ یٰس / آیت نمبر ۶۹۔.....(۷۱) سورۃ الحزاب آیت نمبر ۴۰..... (۷۲) شیخ ولی الدین محمد، بن عبد اللہ، مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم ص۳۸مکتبہ البشری کراچی۔.....(۷۳) القرآن سورۃ الانبیاء آیت نمبر۱۰۷۔ ..... (۷۴) سورۃ الحشر آ یت نمبر۲۳۔.....(۷۵) سورۃ الانفال آیت نمبر۱۷۔.....(۷۶) مفتی محمد شفیع ج۷ ص۳۹۱، مکتبہ معارف القرآن۔.....(۷۷) حمید اللہ خان، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ کے میدان جنگ ص۴۸، مکتبہ ادارہ اسلامیات لاہور۔.....(۷۸) ایضاص۸۹۔.....(۷۹) آنحضرت ﷺ بحیثیت سپہ سالار ص۲۴۱ شیخ غلام اینڈ علی سنز لاہور۔.....(۸۰) ایضاص۳۴۱۔.....(۸۱) ابن سعد، طبقات ابن سعد مکتبہ عمر فاروق کراچی۔..... (۸۲) محمد ادریس کاندھلوی، علامہ، سیرت مصطفی ﷺ ص۲۰۲ج ۲مکتبہ الطاف اینڈ سنز۔ ..... (۸۳) ص ۲۰۳ایضا۔.....(۸۴) عبد السلام قدوانی، ڈاکٹر، مختصر تاریخ اسلام، ص ۱۳۴ مجلس نشریات اسلام کراچی،۔..... (۸۵) محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ص۱۰۸ج۷۔.....(۸۶) ابن حجر، حافظ احمد بن حجر العسقلانی، فتح الباری ص ۵۰۵ج۷۔.....(۸۷) القرآن سورۃ الرحمان آیت نمبر۲۷۔.....(۸۸) القرآن، ۷سورۃ الاعراف / آیت نمبر ۴۵۔.....(۸۹) سورۃ القمر آیت نمبر ۵۰۔ ..... (۹۰) الرازی، امام فخر الرازی، التفسیر الکبیر، ص۹۹، ج۷ مکتبہ دارالفکر بیروت لبنان۔.....(۹۱) سورۃ یس آیت نمبر۱۰۔.....(۹۲) سورۃ الانبیاء آیت نمبر:۳۳۔.....(۹۳) ھارون یحیی، اللہ کی نشانیاں عقل والوں کیلئے، ص۷۵ ۲ مکتبہ ادراہ سلامیات لاہور۔.....(۹۴) ابن کثیر، امام، تفسیر ابن کثیر، مکتبہ مطبعۃ المنار مصر۔.....(۹۵) سورہ الحجر / آیت نمبر ۱۹ تا ۲۱۔.....(۹۶) سورۃ المومن آیت نمبر۔ ..... (۹۷) صحیح بخاری / رقم حدیث ۸۹۹۴۔.....(۹۸) سورہ النحل / آیت نمبر۹۰۔.....(۹۹) الاتقان فی اعلوم

القرآن / علامہ جلال الدین سیوطی / ج ۱ / لبنان بیروت / الناشر دارالفکر / ص ۱۱۶۔.....(۱۰۰) القرآن / سورہ الاخلاص۔.....(۱۰۱) سورہ بقرہ۔ ۲:۲۱۔.....(۱۰۲) القرآن / سورہ سورہ فاتحہ / سورہ نمبر ۱۔.....(۱۰۳) سورہ الذاریات(۵۶:۲۷۔.....(۱۰۴) سورۃ لقمان(۱۳:۲۱۔.....(۱۰۵) سورۃ آل عمران(۶۴:۳۔.....(۱۰۶) سورۃ البقرۃ(۲۵۵:۳۔.....(۱۰۷) سورۃ الکھف النحل(۲۲:۱۴۔.....(۱۰۸) سورۃ یونس(۱۱: ۱۹)۔.....(۱۰۹) سورۃ بنی اسرائیل(۷۰:۱۵۔.....(۱۱۰) سورۃ الاعراف(۱۴۰:۹۔.....(۱۱۱) سورۃ التین(۴:۳۰۔.....(۱۱۲) کتاب الادب مشکوٰۃ المصابیح۔..... (۱۱۳) بیہقی کتاب الایمان۔.....(۱۱۴) ایضاً۔.....(۱۱۵) سورہ الحجرات / آیت نمبر ۱۳۔.....(۱۱۶) مسند احمد۔.....(۱۱۷) سورہ البقرۃ / آیت نمبر ۱۷۷۔.....(۱۱۸) رسول اللہؐ کی خارجہ پالیسی اسد سلیم شیخ۔.....(۱۱۹) سورۃ یونس / آیت نمبر:۹۹۔.....(120) Karre Armstrong Muhammad western attempt to understanding Islam London 1992 Page 266..... (121) Michael H. Hart "The 100" New York 1978 P.10..... (۱۲۲) سورۃ المطففین / آیت نمبر ۱۲۔.....(۱۲۳) سورۃ النازعات / آیت نمبر ۰۴۔.....(۱۲۴) سورۃ البلد / آیت نمبر ۱۱ تا ۱۳۔..... (۱۲۵) اسلامیات، علی اوسط صدیقی، کراچی، طاہر سنز، ۱۹۹۲ ص:۹۷۔.....(۱۲۶) مذاہب عالم میں تصور خدا، ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک، مترجم سید امتیاز احمد، لاہور۔.....(۱۲۷) دارالنوار، ۲۰۰۵ء ص۲۸۔.....(۱۲۸) اسلامیات، پروفیسر حسن الدین ہاشمی، کراچی، رشید سنز، ۱۹۹۷ء ص:۵۹۔.....(۱۲۹) اسلامیات، پروفیسر حسن الدین ہاشمی، لاہور، انڈین پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء ص:۱۵۴۔.....(۱۳۰) سورۃ الحجر / آیت ۱۳۔.....(۱۳۱) بخاری، باب دعاوکم ایمانکم رقم ۲۰۸۱۔.....(۱۳۲) سورۃ المزمل آیت نمبر ۲۰۔.....(۱۳۳) سورۃ الفاتحہ آیت نمبر ۱۔..... (۱۳۴) القران / سورۃ النساء آیت نمبر ۱۰۳ سورۃ الروم آیت نمبر ۴۰۔.....(۱۳۵) سورۃ بنی اسرائیل / آیت نمبر ۸۷۔..... (۱۳۶) محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن ج ۵ ص ۴۱۵ مکتبہ معارف القرآن کراچی۔.....(۱۳۷) بانگ درا، نظم کلیات اقبال ص ۴۹۵ مکتبہ اقبال اکیڈمی لاہور۔..... (۱۳۸) سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۱۰۔.....(۱۳۹) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ج ۵، ص ۴۳۵۔.....(۱۴۰) صحیح البخاری ۲۵۱ رقم الحدیث۔.....(۱۴۱) سورہ الاسراء / سورہ نمبر ۱۷/ آیت نمبر ۱۱۰۔.....(۱۴۲) صحیح مسلم۔.....(۱۴۳) متفق علیہ۔.....(۱۴۴) سورہ العنکبوت / آیت نمبر ۴۵۔.....(۱۴۵) سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۸۳۔.....(۱۴۶) متفق علیہ۔.....(۱۴۷) سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۱۹۷۔ ..... (۱۴۸) امام ابو حسین محمد بن احمد بغدادی القدوری، مختصر القدوری ص ۲۳۰ مکتبہ البشری کراچی۔.....(۱۴۹) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز۔.....(۱۵۰) سرکار دو عالم کا طریقہ حج و عمرہ / محمد ارشاد القاسمی / کراچی / دارالاشاعت / ص ۶۵۔.....(۱۵۱) الاستیعاب / ابن عبدالبر۔.....(۱۵۲) صحیح بخاری۔..... (۱۵۳) عبادات و معاملات میں توازن / زاہد الراشدی / روزنامہ اوصاف / 4 جنوری 1999ء۔.....(۱۵۴) زاہد

الراشدی / ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ / جون 2002ء۔ ..... (۱۵۵) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں القرآن / سورہ البقرہ / سورہ نمبر ۲ / آیت نمبر ۲۴۷ تا ۲۴۹۔ .....(۱۵۶) سموئیل-1، باب 9 آیت 15 اور 16) بحوالہ: تفسیر ماجدی از مولانا عبدالماجد دریابادی تفسیر سورۃ البقرہ آیت 247 فقرہ 936۔ .....(۱۵۷) تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں جنگ عظیم اول و دوئم۔ .....(۱۵۸) تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں تاریخ روس۔ .....(۱۵۹) تفصیلات کے لیے اخبارات، جرائد و رسائل اس سے حوالے موجود ہیں۔۔ .....(۱۶۰) تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں افغانستان کے اندر امریکی تباہ کاریاں۔ ..... (۱۶۱) سورۃ الحجرات آیت نمبر ۹۔ .....(۱۶۲) سورہ الحجرات / آیت نمبر ۱۰۔ ..... (۱۶۳) الراوی: ابوالدرداء، المحدث: ابوداود-المصدر: سنن ابی داود-الصفحۃ والرقم: 4919۔ .....(۱۶۴) صحیح بخاری / کتاب الصلح / حدیث نمبر 2578۔ .....(۱۶۵) صحیح بخاری / کتاب الصلح / حدیث نمبر 2591۔ .....(۱۶۶) صحیح بخاری / کتاب الصلح / حدیث نمبر 2581۔ .....(۱۶۷) صحیح بخاری / کتاب الصلح / حدیث نمبر 2580۔ ..... (۱۶۸) صلح اور باہمی تعلقات / حبیب الدین شیخ / لاہور / مکتبہ اشاعت اسلام / ص ۸۹۔ ..... (۱۶۹) صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ، باب النھی عن الشحناء والتھاجر۔ .....(۱۷۰) سورۃ ال عمران آیت نمبر ۱۱۰..... (۱۷۱) شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح ص ۴۳۶ مکتبہ رحمانیہ کراچی..... (۱۷۲) قطب الدین، علامہ، مظاہر حق، ص ۶۴۷ ج ۴ مکتبہ قدیمی کتب خانہ کراچی۔ .....(۱۷۳) شرح صحیح مسلم از مولانا غلام رسول سعیدی جلد رابع، کتاب الحدود صفحہ ۸۶۷۔ .....(۱۷۴) سنن ابن ماجہ اور ترمذی) مشکوٰۃ، کتاب الحدود۔ .....(۱۷۵) مشکوٰۃ، کتاب الحدود۔ ..... (۱۷۶) شرعی سزائیں / از مفتی عبدالقیوم / صفحہ ۳۰۔ ۲۹۔ .....(۱۷۷) معاشرہ کو اعلیٰ اخلاق و اقدار کی تلاش / اسراس الحق قاسمی / تعلیمی و ملی فاؤنڈیشن / انڈیا / مارچ ۲۰۰۸ئ / ص ۱۹۔ .....(۱۷۸) القرآن، سورۃ القصص آیت نمبر ۵۰۔ .....(۱۷۹) کافیہ، ابن حاجب ص ۵ مکتبہ البشری۔ .....(۱۸۰) حضرت مولانا ارسلان اختر، خطبات جمیل ص ۲۸۲، مکتبہ ارسلان کراچی۔ .....(۱۸۱) سورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۲۔ .....(۱۸۲) زاد الطالبین من کلام رسول رب العلمین، مفتی عاشق الٰہی البرنی ص ۷ مکتبۃ البشری۔ .....(۱۸۳) سورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۲۔ ..... (۱۸۴) ۱۵۳) سورۃ الحشر آیت نمبر ۲۴۔ ..... (۱۸۵) سورۃ ال عمران آیت نمبر ۱۳۰۔ ..... (۱۸۶) جسٹس (ر) مفتی محمد تقی عثمانی، سود کے خلاف تاریخی فیصلہ ص ۳۰ مکتبہ معارف القرآن۔ .....(۱۸۷) المائدہ، ۷۲ اور اسی سورۃ کی آیت ۸۳، عیسائی بادشاہ نجاشی کی مدح میں اتری ہے۔ .....(۱۸۸) ابن سعد ابو عبداللہ محمد اطبقات الکبری، (دار صادر بیروت) ج ۱ ص ۲۶۷۔ .....(۱۸۹) عروہ بن زبیر ۲۲ ہجری میں پیدا ہوئے، ۹۳ ہجری میں فوت ہوئے، حدیث سیرت و فقہ کے امام تھے، البدایۃ والنہایۃ ابن اثیر، ج ۹ ص ۱۰۱۔ .....(۱۹۰) بن زبیر عروہ مغازی رسول اللہ ﷺ (تحقیق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی مترجم محمد سعید الرحمن الاعظمی، مترجم محمد سعید الرحمن علوی ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور ۱۹۸۷ء، ص: ۲۳۳-۲۳۴ اور دیکھیں اسلام اور مذہبی رواداری، رئیس احمد جعفری،

ج ۲ ص ۵۱ تا ۶۱۔ .....(۱۹۱) صباح الدین عبد الرحمن اسلام میں مذہبی رواداری۔ .....(۱۹۲) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز۔ .....(۱۹۳) سورہ المائدہ / آیت ۷۔ .....(۱۹۴) سورہ المائدہ / آیت ۸۔ ..... (۱۹۵) تاریخ ملت / قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی / جلد اول / ص ۲۷۸۔ .....(۱۹۶) رحمۃ للعالمین، مولانا مودودی، ص ۳۷۴-۳۷۵۔ .....(۱۹۷) صحیح بخاری: جلد دوم: باب: جاہلیت کی طرح گفتگو کرنے کی ممانعت۔ ..... (۱۹۸) صحیح بخاری۔ .....(۱۹۹) صحیح مسلم۔ .....(۲۰۰) مسند احمد۔ .....(۲۰۱) طبرانی۔ .....(۲۰۲) مسند بزار۔ .....(۲۰۳) ابن ابی حاتم۔ .....(۲۰۴) مسند احمد۔ .....(۲۰۵) ابن جریر۔ .....(۲۰۶) مسند احمد۔ ..... (۲۰۷) کلیات اقبال / علامہ اقبال۔ .....(۲۰۸) سورہ النور / آیت ۲۔ .....(۲۰۹) سورۂ الانفال / آیت ۴۶۔ ..... (۲۱۰) سورۂ نساء / آیت ۵۸۔ .....(۲۱۱) سورۂ التوبہ / آیت ۶۰۔ .....(۲۱۲) سورہ المائدہ / آیت ۸۔ ..... (۲۱۳) سورۂ بنی اسرائیل / آیت ۳۴۔ .....(۲۱۴) سورۂ المائدہ / آیت ۸۔ .....(۲۱۵) سورۂ البقرۃ / آیت ۲۵۶۔ .....(۲۱۶) سورہ الاعراف / آیت ۳۲۔ .....(۲۱۷) سورۂ النور / آیت ۱۹۔ .....(۲۱۸) سورۂ الحجرات / آیت ۱۳۔ .....(۲۱۹) سورہ المائدہ / آیت ۳۲۔ .....(۲۲۰) سورۂ النساء / آیت ۸۶۔ .....(۲۲۱) سورۃ توبہ / سورہ نمبر ۹ / آیت نمبر ۱۲۔ .....(۲۲۲) سورۃ الانعام / سورہ نمبر ۶ / آیت نمبر ۱۰۸۔ .....(۲۲۳) ططس ۹:۳۔ .....(۲۲۴) کلیات اقبال / علامہ اقبال۔ .....(۲۲۵) سورہ الحدید، آیت ۲۷۔ .....(۲۲۶) رحمۃ للعالمین ص ۸۷۔ ۸۹۔ .....(۲۲۷) سورۂ النساء / سورہ نمبر ۴ / آیت نمبر ۱۳۵۔ .....(۲۲۸) المناوی، محمد بن عبد الرؤف التوقیف علی مہمات التعاریف القاہرہ ۱۴۱۰ھ ص:۶۴۔ .....(۲۲۹) سورۂ النسائ: سورہ نمبر ۴ / آیت نمبر ۱۰۵۔ ..... (۲۳۰) سعد اللہ، حافظ محمد، نفاذ شریعت میں تدریج، لاہور مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ روڈ، ص:۳۷۔ ..... (۲۳۱) سہیلی، روض الانف، القاہرہ مکتبۃ الکلیات الأزھریۃ، ص:۱۵۷، ج:۱۔ .....(۲۳۲) ابن سعد، طبقات ابن سعد بیروت دار صادر، ص:۱۲۸، ج:۱۔ .....(۲۳۳) سہریانی، پروفیسر عبد الخالق بلوچ، اسلامی ریاست میں علاقائی حقوق کا تصور، جیکب آباد، مکتبہ اصلاح ملت ۱۹۹۰ء ص:۸۷۔ .....(۲۳۴) الصدیقی، محمد بن علان، دلیل الفالحین القاہرہ دارالریان ۱۴۰۷ھ ص ۵۱۴، ج:۱ اور جامع العلوم والحکم ابن رجب الحنبلی القاہرہ، مؤسسۃ الکتب، ص:۲۱۱۔ ..... (۲۳۵) جرجانی، التعریفات بیروت، درالکتب العلمیۃ ۱۴۰۳ھ ص:۴۸۔ .....(۲۳۶) العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری القاہرہ، دارالریان للتراث ۱۴۰۷ھ، حدیث نمبر ۲۴۴۷، ج:۵، اور صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۵۷۸۔ ..... (۲۳۷) العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری حدیث نمبر ۲۴۴۴، جلد:۵۔ .....(۲۳۸) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، 2: 1332، رقم: 4019۔ .....(۲۳۹۔ .....(۲۴۰) القونوی، قاسم بن عبد اللہ، امیر علی، انیس الفقہاء، سعودی عرب، جدہ، دارالوفا، ۱۹۸۶ء، ص:۲۱۶۔ .....(۲۴۱) دیکھیے المعجم المفہرس محمد فواد عبد الباقی، تہران ۱۳۷۶ء ص:۲۶۵۔ ..... (۲۴۲) دیکھئے جہانگیری قرآنی اشاریہ، سرور حسین خان، کراچی مکتبہ اشاعت تعلیمات القرآن ۱۹۹۲ء

ص:۳۲۵ تا ۳۲۶۔ ..... (۲۴۳) ایضاً۔ ..... (۲۴۴) ایضاً۔ ..... (۲۴۵) شامی، ردالمختار علی درالمختار، ص:۱۱۸، ج:۴۔ ..... (۲۴۶) تھانوی، مولانا اشرف علی، مرتب محمد اقبال، لاہور ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۰ء ص:۴۳۔ ..... (۲۴۷)(صلاح الدین، بنیادی حقوق لاہور ادارہ ترجمان القرآن،۱۹۷۸ء، ص:۴۲۔ ..... (۲۴۸) میثاق مدینہ کی آئینی وریاستی اہمیت / ڈاکٹر طاہر القادری / لاہور / منہاج القرآن پبلی کیشنز / ص ۳۔ ..... (۲۴۹) سورۃ الروم / آیت نمبر ۳۸۔ ..... (۲۵۰) سورۃ البقرہ / آیت نمبر ۱۷۷۔ ..... (۲۵۱) سورہ القصص / آیت نمبر ۷۷۔ ..... (۲۵۲) سورہ الفرقان / آیت نمبر ۶۷۔ ..... (۲۵۳) سورہ الاعراف / آیت نمبر ۱ ۳۔ ..... (۲۵۴) سنن ابن ماجہ۔ ..... (۲۵۵) سورہ بنی اسرائیل / آیت نمبر ۲۹۔ ..... (۲۵۶) سورہ آل عمران / آیت نمبر ۱۹۔ ..... (۲۵۷) سورہ بنی اسرائیل۔ ..... (۲۵۸) سورہ الفرقان۔ ..... (۲۵۹) الحدیث۔ ..... (۲۶۰) سورہ بنی اسرائیل۔ ..... (۲۶۱) سورہ شوریٰ / آیت نمبر ۳۰۔ ..... (۲۶۲) القرآن / سورہ الفاطر۔ ..... (۲۶۳) امیر وغریب کا فرق اور اسلامی تعلیمات / زاہد الراشدی / روزنامہ اوصاف / ۲۵ اپریل ۲۰۰۲۔ ..... (۲۶۴) تاریخ ملت / قاضی زین العابدین سجاد میر ٹھی / جلد اول / ص ۲۷۸۔ ..... (۲۶۵) کتاب الخراج / امام ابو یوسف۔ ..... (۲۶۶) سورۃ آل عمران:۱۶۴، سورۃ الجمعہ:۲۔ ..... (۲۶۷) مشکوۃ المصابیح ص ۵۵۴، طبع سعید کراچی۔ ..... (۲۶۸) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ص۔ ..... (۲۶۹) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ص۔ ..... (۲۷۰) اقبال، ڈاکٹر محمد / کلیاتِ اقبال، کراچی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۶ء، ص ۶۳۲۔ ..... (۲۷۱) دہلوی، مولانا سید احمد۔ فرہنگ آصفیہ۔ جلد اول و دوم صفحہ ۴۵۶۔ ..... (۲۷۲) نعمانی، مولانا محمد منظور، معارف الحدیث جلد ۵، ۶، ۷، صفحہ ۶۲ دارالاشاعت کراچی۔ ..... (۲۷۳) سورہ النساء / آیت ۶۔ ..... (۲۷۴) سورہ النساء / آیت ۸۶۔ ..... (۲۷۵) صحیح بخاری / رقم حدیث ۸۵۳۔ ..... (۲۷۶) بخاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاہلیہ (22) حدیث نمبر ۳۰-۶۰۵۰۔ ..... (۲۷۷) النووی، ابو زکریا بن شرف، راض الصالحین، جلد دوم صفحہ 313، ترجمہ حافظ صلاح الدین یوسف، دارالسلام لاہور، ریاض ۱۹۹۷ء۔ ..... (۲۷۸) مبارک پوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم صفحہ ۶۲۵، مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۹۹۔ ..... (۲۷۹) سورہ عبس آیات ۱ تا ۴۔ ..... (۲۸۰) سورہ تحریم آیات۔ ..... (۲۸۱) نعمانی، مولانا منظور احمد، معارف الحدیث، جلد دوم صفحہ ۱۵۲۔ ..... (۲۸۲) مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب استحباب المال والعمر للطاعۃ حدیث نمبر ۵۲۸۹۔ ..... (۲۸۳) نعمانی، مولانا منظور احمد، معارف الحدیث، جلد دوم صفحہ ۴۴۔ ..... (۲۸۴) نعمانی، مولانا منظور احمد، معارف الحدیث، جلد سوم صفحہ ۲۵۴۔ ..... (۲۸۵) نعمانی، مولانا منظور احمد، معارف الحدیث، جلد سوم صفحہ ۲۵۴۔ ..... (۲۸۶) مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ حدیث نمبر ۷۹۰۔ ..... (۲۸۷) مبارک پوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم صفحہ ۲۷۴۔ ..... (۲۸۸) سورہ الاعراف / آیت نمبر ۳۱۔ ..... (۲۸۹) تفسیر ابن کثیر / ج ۲ / ۱۵۷۔ ..... (۲۹۰) صحیح بخاری۔ .....

(۲۹۱) سورہ لقمان / آیت نمبر۱۹۔ ..... (۲۹۲) ندوی، محمد سلیمان، سیرۃ النبی ﷺ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۳۵۷ھ، ج۶، ص۵۳۱۔ .....(۲۹۳) سورہ الفرقان / آیت نمبر ۶۳۔ .....(۲۹۴) سورہ بنی اسرائیل / آیت نمبر۳۷۔ ..... (۲۹۵) اقوال زریں / ڈاکٹر سکندر ابراہیم / لاہور / علی بک ڈپو / ص ۹۷۔ ..... (۲۹۶) الحدیث۔ .....(۲۹۷) سورہ لقمان / آیت نمبر ۱۸۔ .....(۲۹۸) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں سورہ القصص، آیت نمبر۷۶ تا۸۳۔ .....(۲۹۹) مسلم، ابوالحسین مسلم بن الحجاج(۲۶۱ھ) صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب استحباب اتیان الصلوٰۃ بوقار وسکینۃ والنہی عن ایبانھا سعیا۔ .....(۳۰۰) سورہ الحجرات آیت نمبر ۱۳۔ .....(۳۰۱) سورہ الحجرات آیت نمبر۱۱۔ .....(۳۰۲) سورہ الحجرات آیت نمبر ۱۰۔

# [[015]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

ڈاکٹر ثمینہ سعدیہ
اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر،
پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

تمام تعریفیں اس ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اس کائنات کے نظام کو توازن، توافق اور اعتدال کے اصولوں پر قائم کیا اور ساتھ ہی انسان کی قوتِ مشاہدہ کو دعوت دی کہ وہ اپنی سمع وبصر کی صلاحیتوں سے کام لے کر اس کائنات کے نظام کا مشاہدہ کرے جس میں ہر شے ایک قانون اور نظم کے تحت ارتقاپذیر ہے۔ اس نظامِ عالم میں تسلسل، روانی اور یکسانیت ہے۔ شمس وقمر کا طلوع وغروب ہو یا لیل ونہار کی گردش، ہواؤں اور بارشوں کا نظام ہو یا موسموں کا تغیّر وانقلاب، ہر دائرہ وجود میں اللہ عزّوجل کے اٹل قوانین کام کر رہے ہیں۔ تخلیقِ کائنات سے لے کر آج تک ان قوانین میں کبھی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ تمام موجوداتِ جن وانس، آگ وپانی، شجر وحجر، چرند وپرند، تاریکی اور روشنی الغرض ہر چیز ایک عادتِ جاریہ کے مطابق چلتی چلی آرہی ہے۔ نظامِ کائنات کی یہ یکسانی اور وحدت اس امرِ حق کا بیّن ثبوت فراہم کر رہی ہے کہ اس کارخانہء وجود کی مالک ایک بلند وبرتر ہستی ہے جس کا کوئی مثل نہیں۔ نظامِ کائنات کی یہ وحدت اور یکسانیت درحقیقت اس بات کی عکاسی کر رہی ہے کہ اگر ایک سے زیادہ اس کے مالک ومنتظم ہوتے تو ان کے باہمی اختلاف کی وجہ سے نظامِ کائنات میں فساد برپا ہو جاتا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْكَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ [1]

"اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

آسمان وزمین کی تخلیق میں جو توازن وتوافق اور نظم وضبط پایا جاتا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط۔ [2] "اس نے آسمان وزمین کو حق کے ساتھ تخلیق کیا۔

بالحق کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی تخلیق نہایت توازن واعتدال اور تدبیر وتنظیم سے کی جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عدل وحکمت پر شاہد ہے۔ محمد سیّد طنطاوی کے مطابق: هوالامر الثابت الذي تقتضيه عدالة الله تعالي وحكمته۔[3] "یعنی ایسا ثابت شدہ امر جو کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت اور اس کی حکمت کا تقاضا کرتا ہے۔" بقول ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی: بالحق أي أوجد السموات والأرض محقا علي مقدار وشكل وأوضاع وصفات مختلفة وقدرها وخصصها بحكمته

تعالٰی۔ ۴؎ آسمان وزمین کی متوازن وخوبصورت تخلیق کے بعد اللہ ربّ العزت نے ان دونوں کو مطیع ہونے کا حکم فرمایا۔ دونوں نے اس حکیم وخبیر ہستی کی بارگاہ میں اطاعت وانقیاد کا اظہار کیا۔ قرآن کریم ہمیں اس حقیقت سے باخبر کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ط قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۵؎ "پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ اس وقت دھواں تھا۔ اس سے اور زمین سے کہا کہ تم دونوں میرے پاس خوشی یاناخوشی سے آؤ۔ دونوں نے کہاہم تیرے پاس مطیع ہو کر آتے ہیں۔ "

نہ صرف آسمان وزمین بلکہ کائنات کی ہر شے اس کی بارگاہ میں سرِ اطاعت خم کیے ہوئے ہے۔ کسی مخلوق کے لیے بھی اللہ کے طبعی قانون کی پابندی اور اسلام وانقیاد کا راستہ اختیار کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ اس کے بغیر پورا نظامِ کائنات بدنظمی، انتشار اور بے ربطگی کا شکار ہو جائے گا۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے متعلق قسم کھا کر فرمایا۔ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۔۶؎ "قسم ہے ان کی جو صف بستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ "فرشتوں کی یہ خوبی بیان کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نظم وضبط اور سلیقے کے ساتھ کرتے ہیں۔

اس متوازن کائنات کا منتظم ومدبّر اسی طرح کے اسلام وانقیاد کا اور نظم وضبط کا تقاضا اپنی اشرف المخلوقات یعنی انسان سے بھی کرتا ہے۔ بنی نوع انسان کو نظم وضبط اور اطاعت کا پابند بنانے کے لیے اللہ تعالی نے اپنے برگزیدہ بندوں یعنی پیغمبر علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ جن کا فریضہ انسانوں کو اس ذاتِ باری تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار بنانا اور انہیں اجتماعی نظم وضبط کی لڑی میں پرونا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس معزز مخلوق کے لیے جس اجتماعی نظم اور ضابطۂ حیات کا انتخاب فرمایا اسے دین کا نام عطا فرمایا۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۷؎ "اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند کر لیا ہے۔ "

لفظ "دین" اپنے اندر انتہائی وسیع وبلیغ معنی ومفہوم کو سموئے ہوئے ہے۔ یہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں اجتماعی نظم وضبط کا تقاضا کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام انفرادی واجتماعی معاملات میں خدا کے قانون کے پابند رہیں۔ قرآن کریم میں اجتماعی نظم کے لیے تین مختلف الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ دین، ملّت اور امّت۔ درحقیقت ایک ہی حقیقت کے تین نام ہیں۔ تینوں میں اجتماعی نظم کا مفہوم پوشیدہ ہے اور تینوں میں اصل اعتبار سے یکسانیت ہے۔ ابن درید امّت کے معانی ملّت بیان کرتے ہیں۔ ۸؎ شاہ ولی اللہؒ آیت مبارکہ: "اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً" ۹؎ کے تحت لکھتے ہیں: "يعني ملّة الاسلام ملّتكم" ۱۰؎ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں والدّين يقال للطاعة والجزاء واستعير للشريعة والدين كالملة۔ ۱۱؎ دین اور ملّت کے مفہوم میں مطابقت کی مزید تصریح علامہ سید شریف کے قول سے ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں: "دین اور ملّت اصلاً ایک ہیں۔ دین میں اطاعت کا مفہوم ہے اور ملّت میں اجتماع کا۔ ظاہر ہے کہ اجتماعی زندگی میں بھی اطاعت ہی کا عنصر جوہر کی طرح کام کرتا ہے۔ "۱۲؎ اللہ تعالی کے تمام پیغمبر علیہم السلام ایک ہی دین پر تھے۔ ارشادِ نبوی ﷺ نحن معشر الانبياء اولا

دعلاّت، دیننا واحد۔ ۱۳؎ ہم تمام پیغمبر علاّتی بھائیوں کی جماعت کے مانند ہیں۔ اور ہمارا دین ایک ہے۔

قرآن کریم دین (اجتماعی نظم) کو اختیار کرنے اور تفرقہ بازی کی ممانعت فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَنْ اَقِیْمُواالدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ۔ ۱۴؎ "دین کو استوار و قائم کرو۔ اور تفریق کو قبول نہ کرو۔" ابن کثیر اس نظریہ کی تائید وتوثیق میں لکھتے ہیں "اوصي الله تعالي جميع الانبياء بالائتلاف والجماعة ونهاهم عن الاختلاف والافتراق۔ ۱۵؎ "خدا کی طرف سے انبیاء کو یہ وصیت رہی ہے کہ وہ منظم رہیں اور ایک جماعت کی صورت میں رہیں اور اختلاف وافتراق سے دور رہیں۔ "

دینِ اسلام اپنے ماننے والوں سے اجتماعی نظم کا مطالبہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ ۱۶؎ "تم سب مجتمع ہو کر اللہ کی رسی کو تھام لو اور جماعت کے نظم کو متفرق نہ ہونے دو۔" اجتماعی نظم کو برقرار رکھنے اور تفرقہ سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قوت کے ساتھ یہ حکم فرمایا۔ وَلَاتَتَّبِعُوااالسُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ ۱۷؎ "اور تم متفرق راستوں کی پیروی نہ کرو وہ تمہیں سیدھے راستے سے بھٹکا دیں گے۔"

وہ سیدھا راستہ جو انسانیت کے لیے دنیا وآخرت میں فلاح ونجات کا باعث ہے۔ وہ یہی "اعتصام باللہ" کا راستہ ہے۔ جس کو اپنانے سے فرد کی ساری قوتیں اور تمدن ومعاشرت کی تمام سرگرمیاں منظم ومرتب ہو جاتی ہیں۔ اسلامی تصوّر تمام انسانوں کو ایک قوم واحد کی صورت میں دیکھنا چاہتا ہے اور عالمگیر نظم کی وحدت پر زور دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا ۱۸؎ "تمام انسان ایک ہی قوم تھے۔ بعد میں علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔" علامہ ابن مسکویہ کے مطابق امت کا تصوّر انسانیت کی فطرت کا تقاضا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب تہذیب الاخلاق میں لکھتے ہیں:۔

"انسان طبعاً انسانیت عامہ کی بہتری چاہتا ہے۔ کسی ایک انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ تنہا انسانی تمدن اور تہذیب کے تمام مطالبات کو پورا کرے۔ اس لیے انسانوں کے لیے ضروری ہے کہ کثیر تعداد میں بیک وقت اپنی مشترکہ بہتری کے لیے جمع ہو جائیں اور باہمی تعاون سے انسانی ترقی کے لیے کام کریں۔ اس اجتماعی نظام میں ہر فرد کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کے جسم میں کوئی ایک عضو۔ جس طرح اعضاء کے مجموعے سے انسان بنتا ہے اسی طرح افراد کے مجموعے سے انسانی ترقی کا مطمح نظر اپنے کمال پر پہنچتا ہے۔" ۱۹؎

امام غزالیؒ اجتماعی نظم کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "ہر فردِ انسانی اپنی تخلیق کی رو سے تنہا نہیں رہ سکتا۔ بلکہ اجتماعی نظام بنانے پر مجبور ہے۔ یہ نظام فرد سے شروع ہو کر امّت اور حکومت کے نظم پر ختم ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ شہری نظم، ارضی بندوبست، عدالت، فوج اور قانون جیسے سیاسی امور کو تعلق ہے۔" ۲۰؎

انسان اپنی فطرت کی رو سے دوسرے انسانوں سے الگ تھلگ رہ کر تنہا زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ وہ ہر قدم پر اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی اعانت کا محتاج رہتا ہے۔ امّت کا یہ عالمگیر رجحان اس حکیم وخبیر ہستی نے صرف انسانوں

میں ہی نہیں رکھا بلکہ اپنی پیدا کردہ تمام مخلوقات میں خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی ودیعت کر رکھا ہے۔ انسانوں کی طرح کئی جانوروں میں بھی سماجی روابط کی مضبوطی نظر آتی ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات ثابت کرتی ہیں کہ چرند پرند گروہوں کی شکل میں رہتے ہیں اور منظم طریقے سے اکٹھے کام کرتے ہیں۔ پرندوں کا قطار در قطار گروہوں کی شکل میں پرواز کرنا ان کے اندر موجود امت کے عالمگیر تصور کی عکاسی کرتا ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو آج سے چودہ سو سال پہلے بیان کر دیا تھا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۲۱ "اور زمین میں کوئی چوپایہ نہیں اور نہ ہی کوئی پرندہ ہے جو اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہے مگر وہ تمہاری مانند امّتیں ہیں" اس آیت کی تفسیر میں امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں: "اي كل نوع منها علي طريقه قد سخرها الله عليها بالطبع فهي من بين ناسجة كالعنكبوت وبانية كالسّرفة ومدخرة كالنمل ومعتمدة علي قوت وقته كالعصفور والحمام الي غير ذالك من الطبائع التي تخصص بها كل نوع۔ ۲۲"

جدید سائنسی تحقیق یہ بات بھی ثابت کرتی ہے کہ تمام حشرات الارض میں سے چیونٹیاں ایسے حشرات ہیں جن کے طرزِ زندگی میں انسانی طرزِ حیات کی بہت زیادہ مماثلت نظر آتی ہے۔ مثلاً چیونٹیاں اسی طرح اپنا مردہ دفن کرتی ہیں جیسے کہ انسان۔ جب وہ آپس میں کہیں ملتی ہیں تو بات چیت کرتی ہیں۔ باقاعدہ اشیاء ذخیرہ کرتی ہیں اور تبادلہء اشیاء بھی کرتی ہیں۔ قرآن کریم نے اس انکشاف کا ذکر آج سے کئی سو سال پہلے کر دیا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے لشکر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ لا قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ج لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُه لا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْن ۲۳ "یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی پر آئے تو ایک چیونٹی کہنے لگی، اے چیونٹیو! تم اپنے ٹھکانے میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل دیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو" آیت مبارکہ چیونٹیوں کے باہم بات چیت کرنے اور ان کے سماجی رابطے پر دلالت کرتی ہے۔ الغرض اللہ رب العزت کی مختلف الانواع مخلوق میں امّت یا اجتماعی نظم کی صورت نظر آتی ہے۔

قرآن کریم نے انسانوں کے اجتماعی نظم اور عالمگیریت کو امّت واحدۃ ۲۴، امّت مسلمہ ۲۵، امّت وسط ۲۶ اور خیر امّت ۲۷ سے یاد کیا ہے۔ قرآن کریم کے نظریہ کے مطابق تمام انسان قومِ واحد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آج انسانیت جو ہزارہا قوموں اور امّتوں کی شکل میں نظر آرہی ہے تو یہ قرآنی ضابطہ کے خلاف ہے۔ وہ قوم جو خدائے بزرگ و برتر کے حکم پر متحد و منظم ہو جائے قرآن اسے امّت مسلمہ، امّت وسطیٰ اور خیرِ امّت کے القابات سے یاد کرتا ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ خیر امّت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ وہ قوم ہے جو دنیا بھر کی اقوام میں بلند و برتر ہے۔ اس کے قوانین مکمل، اصول محکم اور مذہبی روایات قرینِ عقل و دانش ہیں۔ "۲۸

غزوہ تبوک کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔ انتم خیر اھل الارض۔۲۹؎ "تم اہلِ زمین میں سب سے بہتر ہو۔"

**اسلامی تصوّرِ ریاست:۔**

امّت اور ریاست کا باہمی تعلق کیا ہے۔ در حقیقت ریاست کی تشکیل ایک منظم امّت کی تشکیل پر منحصر ہے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق سب سے پہلے فرد پیدا ہوتا ہے۔ فرد امّت کو بناتا ہے اور پھر امّت سے حکومت وجود میں آتی ہے جسے ریاستِ عامہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ اسلامی تصوّرِ ریاست دیگر ریاستوں سے منفرد اور جداگانہ ہے کہ اس کی بنیاد اور تشکیل میں الٰہی قانون کار فرما ہے۔ اسلامی ریاست کے بانی عام انسان نہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک فرد تھے۔ آپ ﷺ نے امّت کو بنایا اور پھر اس امّت سے بہترین اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ ریاست در حقیقت انسانی اجتماعیت کی ایک منظم اور ترقی یافتہ صورت ہے۔ ریاست لفظ "رأس" سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں سر یا چوٹی۔ لہٰذا ریاست کا معنی انسانی معاشرے کی تنظیم اور سربراہی ہوا۔ اسلامی ریاست کی حقیقت کا اظہار سب سے پہلے لفظ "اسلام" سے ہوتا ہے۔ اسلام کے معنی امام ابو حنیفہ کے مطابق "الاسلام هوالتسليم والانقياد لاوامر الله تعالي"۳۰؎

حکومت اور ریاست ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ علامہ ابن الطقطقی اپنی کتاب "الفخري في آداب السلطانية والدول الاسلامية" میں حکومت کو ریاست، امامت اور امارت کی حیثیت دیتے ہیں ۳۱؎ جو کہ اس کے اقتدار کی عمومیت اور اس کی شان کو ظاہر کرتی ہے۔ اسلام اور حکومت کا تعلق نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم ہے اور اسلامی حکومت کا نظام اقوامِ عالم کو "النّاس" کے لفظ سے مخاطب کر کے انسانیتِ عامّہ سے اپنے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلامی حکومت اجتماعی تنظیم کے دائرہ میں ریاستِ عامّہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ابولبقاء حنفی ریاستِ عامہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "اسلامی حکومت ریاستِ عامہ کی حیثیت سے امامتِ کبریٰ بھی ہے۔ چونکہ اس کے ضبط و نظم میں عوام کی بہتری کو دخل ہے۔ اس لیے وہ ریاستِ عامّہ ہے۔"۳۲؎ ابن خلدون کے مطابق:۔ الخلافة في حفظ الدين وسياسة الدنيا۔۳۳؎

**اسلامی ریاست کے بنیادی اصول:۔**

**(۱) حکومتِ الٰہی:۔** اسلامی ریاست کا سب سے پہلا اور قطعی بنیادی اصول یہ ہے کہ اصل اقتدارِ اعلیٰ احکم الحاکمین رب العالمین ۳۴؎ کے ہاتھ میں ہے۔ امام غزالی نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ "عالمگیر حکمرانی اللہ عزوجل کا انعام ہے۔ ۳۵؎ خدا کے قانونِ اقتدار کو تسلیم کرنا اسلامی حکومت کا پہلا قانون ہے۔

**(۲) خلافتِ الٰہی:۔** حکومت اللہ کی ہے۔ انسان اللہ کی طرف سے اس حکومت کا نمائندہ اور نائب ہے۔ ۳۶؎

اپنے اس اصول کی بناء پر اسلامی حکومت تمام حکومتوں سے ممتاز ہے۔ یہ نظریہ خلافت کئی صدیوں تک ایشیا، یورپ اور افریقہ پر حکمرانی کر چکا ہے۔ علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں لکھتے ہیں: "آدم اور تمام پیغمبر خلیفۃ اللہ کا عہدہ رکھتے ہیں۔ روئے زمین پر عمرانی، سیاسی، اجتماعی اور حکومتی سرگرمیوں میں خدا کی نیابت کرتے ہیں۔ "۳۷

تمام انبیاء کرامؑ کے ادوار خلافتِ الٰہی کے ادوار تھے۔ آخری خلافتِ الٰہی کا دور نبی آخر الزمان کی خلافت پر ختم ہوا۔ آپ ﷺ کے بعد خلافتِ راشدہ کے چار دور خلافتِ محمدی کے دور ہیں۔ بعد کے دور خلافت کے نام پر دنیاوی حکومت کا نمونے تھے۔ اسلامی ریاست کے لیے خلافت، امارت اور امامت تینوں اصطلاحات معروف ہیں۔ اسلامی ریاست کے مقصدِ وجود کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۳۸ "وہ لوگ اگر ہم انہیں زمین میں حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیکی کا حکم اور برائی سے منع کریں گے۔"

مذکورہ بالا آیت کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں: "ایک اسلامی ریاست کے قیام کا اصل مقصد اس اصلاحی پروگرام کو مملکت کے تمام ذرائع سے عمل میں لانا ہے۔ جو اسلام نے انسانیت کی بہتری کے لیے پیش کیا ہے۔ محض امن کا قیام، محض قومی سرحدوں کی حفاظت، محض عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کرنا اس کا آخری اور انتہائی مقصد نہیں ہے۔ اس کی امتیازی خصوصیت جو اسے غیر اسلامی ریاستوں سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ ہے کہ وہ ان بھلائیوں کو فروغ دینے کی کوشش کرے جن سے اسلام انسانیت کو آراستہ کرنا چاہتا ہے اور وہ ان برائیوں کو مٹانے اور دبانے میں اپنی ساری طاقت خرچ کر دے جن سے اسلام انسانیت کو پاک کرنا چاہتا ہے۔ "۳۹

**اسلامی ریاست اور عوام النّاس کا باہمی ربط و تعلق:۔**

کسی بھی قوم کی تنظیم و تحفظ کے لیے سردار یا امام کی ضرورت فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے۔ تاریخِ انسانی میں کوئی قوم اور امّت ایسی نہیں گزری جس کا کوئی امام یا سردار نہ ہو۔ امام اور سردار منتشر اور غیر منظم لوگوں کو یکجا اور منظم کر کے انہیں ایک قوم اور جماعت بنا دیتے ہیں۔ گویا کہ ریاست کی تشکیل میں دو اہم عنصر کار فرما ہیں۔ راعی اور رعایا، امام اور امّت، حاکم اور محکوم، امیر اور مأمور۔ ایک بہترین، کامیاب اور فلاحی ریاست کا دارومدار ان دونوں کے بہترین باہمی تعلقات پر منحصر ہے۔

علمائے سیاسیات کے مطابق "سلطان کی رعایا کے ساتھ مثال ایسی ہے جیسی کہ جسم میں روح کی، اگر روح کا مزاج و کیفیت درست ہے تو پورے اعضا و جوارح کی کیفیت و مزاج درست رہتا ہے اور اگر روح کا مزاج بگڑ جائے تو پورا جسم اور اس کے احوال بگڑ جاتے ہیں۔ "۴۰ محمد بن محمد الفہری کعبؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔ "اسلام، سلطان اور عوام کی مثال خیمہ، اس کے ستون اور میخوں ورسیوں کی ہے۔ خیمہ اسلام ہے، اس کا ستون سلطان ہے اور اس کی میخیں ورسیاں عوام ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں رہ سکتا۔ "۴۱ حاکم اور رعایا کے

باہمی تعلق کے حوالے سے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ رعایا کی مصلحت کا تعلق سلطان کی ذات، جسم، حسن، ڈیل ڈول، وسعتِ علم، حسن خط اور ذہانت کے ساتھ نہیں ہوتا۔ ان کی مصلحت کا تعلق صرف سلطان کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے ملک اور سلطنت ایک اضافی چیز ہے اور دو شخصوں کے درمیان ایک قسم کا تعلق ہے۔ سلطان کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ رعایا کا سردار اور ان کا سرپرست و نگہبان ہے۔ اس لئے سلطان وہ ہے جس کے پاس رعایا ہو اور رعایا وہ ہے جس کا کوئی سلطان ہے اور اس نسبت سے جو صفت مستنبط ہوتی ہے اسی کا نام بادشاہی ہے۔ پس جب یہ صفت اور اس کے لوازم ٹھیک ہوتے ہیں تو سلطان کا مقصد کامل طور پر حاصل ہوتا ہے۔ اگر وہ عمدہ ہے تو وہی رعایا کی عین مصلحت ہے۔ اگر وہ بری اور ظالمانہ ہے تو وہ ان کے لیے مضر ہے اور ان کی ہلاکت کا سبب ہے۔ سلطان کی خوبیوں کا تمام تر دارومدار نرمی پر ہے کیونکہ سلطان اگر ظالم ہو، سخت گیر ہو، لوگوں کے معائب کی کرید کرے، ان کے جرائم کو ایک ایک کر کے شمار کرے تو رعایا پر خوف وذلّت طاری ہو جاتی ہے اور لوگ ان سے بچنے کے لیے جھوٹ اور مکر وفریب کے دامن میں پناہ لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہی چیزیں ان کا اخلاق بن جاتی ہیں۔ اور پھر ان کا ضمیر اور نظامِ اخلاق برباد ہو جاتا ہے۔ وہ جنگ کے موقعوں پر اس سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات ان کے قتل پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے خود سلطنت برباد ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔ لیکن اگر سلطان رعایا کے ساتھ نرمی کرے، ان کی غلطیوں سے درگزر کرے تو وہ اس کے پہلو میں سو جاتے ہیں۔ اور اس کے دشمنوں کے مقابلے میں جان دے دیتے ہیں۔ پھر ہر پہلو سے سلطنت کا نظام ٹھیک ہو جاتا ہے۔"[۴۲]

اسلامی تصوّر کے مطابق حکومت وفرمانروائی ایک مذہبی فریضہ ہے۔ جو لوگ اس عہدہ سے صحیح طور پر عہدہ برآں ہوں گے ان کے لیے آخرت میں رحمتِ الٰہی کا سایہ ہے۔ ظالم اور عوام النّاس کے حقوق کا خیال نہ رکھنے والوں کے لیے آخرت میں سخت وعید ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں امیر اور امام کے لیے راعی کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:۔ الامام الذي علي النّاس راع وهومسؤل عن رعيته۔[۴۳]

دیگر کئی احادیث میں بھی راعی اور رعیّت کے الفاظ بار بار آئے ہیں۔ یہ الفاظ "رعی" سے نکلے ہیں۔ جس کے معنی جانوروں کے چرانے کے ہیں۔ سید سلیمان ندویؒ حدیثِ مذکور میں راعی اور رعیّت کے تعلق کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:۔ "راعی چرواہا اور رعیت وہ ہے جس کو وہ چرائے اور جس کی نگہبانی کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کسی کی رعیت وہ ہے جس کی تربیت وپرورش و نگرانی اور حفاظت کسی راعی و محافظ کے سپرد ہو تو درحقیقت ایک امیر کی حیثیت ایک شفیق و محافظ چرواہے کی ہے۔ جو اپنے گلے کو سرسبز چراگاہوں میں لے جاتا ہے اور ان کی شکم سیری کا سامان کرتا ہے، درندوں سے ان کی حفاظت کرتا ہے اور حادثات سے ان کو بچاتا ہے۔"[۴۴]

**اسلامی ریاست میں اجتماعی نظم وضبط کو خراب کرنے والے عوامل کا سدّباب تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں:**

کسی بھی ریاست میں اجتماعی نظم وضبط کی پائیداری کا انحصار در حقیقت حاکم اور عوام النّاس کے باہمی تعلقات پر ہی منحصر ہے۔ ریاست کا اجتماعی نظم ضرب ہونے کی دو صورتیں ہیں (۱) عوام النّاس مرکزی حکومت سے جنگ کے لیے تیار ہو جائیں یا بغاوت اختیار کریں۔ (۲) عوام النّاس باہم بر سرِ پیکار ہو جائیں یا جنگ وجدل کا شکار ہو جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی تعلیمات میں امّت مسلمہ کو ان عوامل سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جن سے اسلامی ریاست میں بد نظمی اور اختلاف وانتشار کی صورتحال پیدا ہو جائے۔

۱۔ جہاں تک عوام النّاس کے ریاست کے ساتھ بغاوت اور جنگ اختیار کرنے کی صورت کا تعلق ہے تو آپ ﷺ نے اپنی متعدد احادیث مبارکہ میں رعایا کو حاکم اور امیر کی اطاعت کا حکم دیا۔ جب تک کہ حکام کی طرف سے کھلا کفر ظاہر نہیں ہوتا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے ایک فرمان میں حکومت کے پانچ ستون کا ذکر کیا ہے ان میں سب سے پہلی چیز اجتماعی نظم اور پھر امیر کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔ میں امیر اور آمر کی حیثیت سے امّت کے افراد کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔

۱۔ الجماعۃ (اجتماعی نظم کا قیام) ۲۔ والسمع (امیر کے حکم کی فرمانبرداری) ۳۔ والطاعۃ (حکم کی تعمیل اور اطاعت) ۴۔ والہجرۃ (اللہ کی خاطر ہجرت) ۵۔ والجہاد (اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے)

آخر میں فرمایا: جو فرد جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہو گا اس کی گردن سے فوراً رشتہ اسلام کٹ کر علیحدہ ہو جائے گا۔ ۴۵ "اسلامی حکومت زمین میں اللہ کی رحمت کا سایہ ہے جس نے اس قسم کی عادل حکومت کا احترام کیا تو اللہ اس پر اپنا کرم فرمائے گا اور جس نے اس حکومت کی توہین کی تو اللہ اس کو ذلیل کر دے گا۔" ۴۶

اسلامی ریاست میں عوام النّاس کا یہ فرض ہے کہ وہ حکومت اور اس کے نافذ کردہ قوانین کے پابند رہیں۔ قوانین کی بالادستی اور ان کا احترام ہی ملک وملّت کے استحکام کا ضامن ہے لیکن اگر حکومت کھلم کھلا خلافِ شریعت امور کا ارتکاب کرے یا خلافِ شریعت قوانین کا نفاذ کرے تو اس صورت میں عوام النّاس کو آوازِ حق بلند کرنی چاہئے جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔ "افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر۔" ۴۷ عوام النّاس کو حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت وخروج کی اجازت ہے یا نہیں اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ فقہائے احناف نے بڑی کڑی شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے۔ عصرِ حاضر میں کیا عوام حکومت کے خلاف خروج وبغاوت کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے بڑی وقیع ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔ "انقلابی طریقہ کار کا مطلب لازماً یہ نہیں ہے کہ مسلح بغاوت اور تصادم ہو بلکہ موجودہ دور میں یہ بات قریباً خارج از بحث ہے چونکہ اولاً تو سابقہ ایک ایسے معاشرے اور ایک ایسی حکومت سے ہے جو قانوناً مسلمانوں پر مشتمل ہے ثانیاً یہ کہ حکومت کے پاس باقاعدہ تربیت یافتہ اور جدید اسلحہ سے لیس فوج موجود ہے جبکہ عوام النّاس نہتے ہیں لہٰذا ان دونوں اعتبارات سے فی زمانہ مسلح تصادم اور بغاوت کے

راستے۔۔۔معدوم کے درجے میں آتے ہیں۔ چنانچہ اب ہمیں سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں وہ طریقہ اختیار کرنا ہو گا جس سے دورِ جدید کے تمدنی ارتقاء نے لوگوں کو واقف کرایا ہے۔ آج عوام عدم تشدد کے اصول پر پرامن اور منظم مظاہروں کے ذریعے اپنے عزم اور اپنی قوت کا اظہار کرتے ہیں اس کے لئے ہمیں قرآن وحدیث سے جو رہنمائی ملتی ہے اسے میں "نهي عن المنكر باليد" سے تعبیر کرتا ہوں۔ "۴۸

۲۔ اسلامی ریاست کے حاکم کا یہ فرض ہے کہ وہ عوام النّاس کو باہمی جنگ وجدل سے دور رکھے اور اس کے لیے وہ تمام طریقے اختیار کرے جو انہیں ایک امّت کی صورت میں جوڑے رکھیں۔ مسلمانوں کے باہمی انتشار کے سدّباب کے لیے قرآن کریم نے یہ اصولی ہدایت فرمائی۔ "اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں لڑیں تو ان میں صلح کرادی جائے۔ اگر ایک جماعت نہ مانے تو تمام مسلمان ملکر اس سے جنگ کریں۔ یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم پر لوٹ آئیں۔ "۴۹ اللہ ربّ العزت کے اس حکم کی تائید میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ نے تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو کو تم پر حرام کر دیا ہے۔ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ "۵۰ اس حکم کے ساتھ یہ تنبیہ بھی فرمائی کہ: "اگر دو مسلّح مسلمان ایک دوسرے پر حملہ کریں تو قاتل اور مقتول دونوں کی سزا جہنم ہے۔ کیونکہ دونوں ارادۂ قتل میں برابر کے شریک ہیں۔ "۵۱ سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بارہا عدالتِ اصلاح کی ذمّہ داریوں کو ادا کیا۔ کبھی تنہا اور کبھی پوری مجلسِ عدلیہ کے ساتھ۔

حضرت سھل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ بے شک اہلِ قبا، آپس میں لڑ پڑے۔ یہاں تک کہ نوبت پتھر پھینکنے تک کی آگئی۔ نبی اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:۔ "اذهبوا بنا نصلح بينهم۔ "۵۲ اسی طرح بنی عمرو اور بنی عوف کے مابین نزاع کو بھی آپ ﷺ نے ختم کیا۔ ۵۳ علامہ عینی نے ان احادیث کے ذیل میں لکھا ہے:۔ "وفيه خروج الامام مع اصحابه للاصلاح بين النّاس عند تفاقم امورهم وشدّة تنازعهم۔ "۵۴

علامہ ماوردیؒ نے امام کی جن دس ذمّہ داریوں کا ذکر کیا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ امام دو متنازع جماعتوں کے مابین صلح کروائے۔ ۵۵ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ کو حرم قرار دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے حلقۂ امن و نظم میں انسان کی جان ومال اور آبرو کو نقصان پہچانا حرام ہے۔ داخلی انتشار کے سدّباب اور ریاست کے اندرونی استحکام کی خاطر آپ ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد مدینہ میں بسنے والی مختلف قوموں یعنی انصار ومہاجرین اور یہود کے تین بڑے قبائل سے سیاسی معاہدہ فرمایا۔ اس معاہدے کے مطابق مدینہ کو حرم قرار دیا گیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق: "بہ حیثیت منتظم ومدبر کے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے ہیں جہاں صحیح معنوں میں کبھی کوئی مملکت قائم ہی نہیں ہوئی تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے جو دستور مملکت مرتب اور جو نظامِ حکمرانی قائم فرمایا اس پر عمل دنیا کی اس عظیم الشان مملکت کے لیے نہ صرف ہر طرح

کارآمد ہوا بلکہ جب تک اس پر عمل رہا وہ دنیا کی مہذب ترین حکومت بنی رہی، اسے انسانیت کا دورِ زریں کہنا مبالغہ نہیں۔"۵۶؎

اسلامی ریاست میں عوام النّاس کے اجتماعی نظم وضبط کے تین بڑے ادارے ہیں، سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظم وضبط۔ ان اداروں کے انضباط وارتباط سے ہی ریاست کا اجتماعی نظم مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔ ان اداروں کے نظم وضبط میں جو چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں اور داخلی انتشار وفساد کا سبب بنتی ہیں ان سب سے آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمادی ہے۔ سیاسی نظم وضبط کے استحکام اور پائیداری کے لیے آپ ﷺ نے فخر وغرور ۵۷؎، عصبیت وفرقہ واریت ۵۸؎، عہد شکنی ۵۹؎، بد دیانتی (کرپشن) ۶۰؎ اور ظلم وعدوان ۶۱؎ جیسی برائیوں کی سختی سے ممانعت فرمائی۔

معاشی نظم وضبط میں جو چیزیں فساد اور بگاڑ کا ذریعہ بنتی ہیں مثلاً بد دیانتی ۶۲؎، احتکار واکتناز ۶۳؎، ملاوٹ ۶۴؎، سود ۶۵؎، دھوکہ دہی ۶۶؎، ایک دوسرے کے سودے پر سودا کرنے ۶۷؎ جیسے امورِ فاسدہ سے منع فرمادیا۔ معاشرتی نظم وضبط میں جو چیزیں فساد اور داخلی انتشار کا سبب بنتی ہیں مثلاً افراد کی باہمی بد گمانی، عیب جوئی، ایک دوسرے کی جاسوسی، باہم بغض وعناد، ایک دوسرے کے مخالفانہ تدابیر ۶۸؎، قطع تعلقی ۶۹؎، غصّہ واشتعال انگیزی ۷۰؎، غیبت، طعن وتشنیع، تمسخر، برے القابات ۷۱؎ اور ایک دوسرے کا ناحق مال کھانا ۷۲؎، جیسی معاشرتی برائیوں سے منع فرمایا ہے۔

**اسلامی ریاست میں اجتماعی نظم وضبط کے تین بنیادی اصول:۔**

آنحضرت ﷺ نے امّت کے اجتماعی نظم کے لیے وہ تمام طریقے اختیار کیے جو ایک ترقی یافتہ اسلامی ریاست کے لیے ضروری ہوسکتے ہیں۔ عوام النّاس کے باہمی نظم وضبط کے ہمیں قرآن وحدیث سے تین بنیادی اصول ملتے ہیں۔

**(۱) عظمت انسانی:۔** نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے دنیا کے سامنے بنی آدم کی عظمت وشرف کا قانون پیش کیا۔ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے جو عزّت وسرفرازی اور خلافت عطا فرمائی وہ تمام بنی آدم کے حصّہ میں آئی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ۷۳؎ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ ۷۴؎ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ ۷۵؎ یہ وہ بنیادی اصول ہے جو کسی بھی ریاست میں حاکم ورعایا، امیر وغریب، شاہ وگدا سب کو قابلِ احترام اور قابلِ عزّت قرار دیتا ہے۔

**(۲) وحدتِ انسانی:۔** عظمتِ انسانی کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تمام انسان آدم وحوا کی اولاد ہونے کی بناء پر یکساں ہیں۔ اسی سے وحدتِ انسانی کا اصول نکلتا ہے۔ کسی انسان کو دوسرے انسان پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں۔ برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے نسلِ انسانی کو قانونِ مساوات سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ کلکم من آدم وآدم من تراب۔ ۷۶؎

**(۳) اخوّت انسانی:** تمام نسلی تفریقات اور تعصبات کا خاتمہ کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اخوّتِ انسانی

کے اصول سے متعارف کرواتے ہوئے واضح ہدایت عطا فرمادی کہ تمام مسلمان جسدِ واحد کی مانند ہیں۔ جس کے تمام اعضاء وعناصر میں ربط وضبط موجود ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔ تري المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكي عضو تداعي له سائر الجسد بالسهر والحمي۔۷۷ "تم ایمان والوں کو آپس کی رحمت محبت اور مہربانی میں ایک جسم کی مانند دیکھو گے، جب کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو تمام بدن کے اعضا بیداری اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ "ایک اور مقام پر اسلامی اخوّت کے اس اصول کو آپ ﷺ نے نہایت قوّت کے ساتھ بیان فرمادیا کہ "المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا۔"۷۸ گویا کہ اس انسانی جسم میں جو ربط وضبط ہے وہ نہایت مستحکم اور پائیدار ہے۔ الغرض اسلامی ریاست کی تشکیل میں ان تین اصولوں کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ یہی وہ اصول ہیں جو حکمران اور عوام کو ایک صف میں کھڑا کرتے ہیں اور ان کے درمیان حائل خلیج کو ختم کرتے ہیں۔ یہی وہ اصول ہیں کہ جن کے نفاذ سے ریاست میں وی آئی پی کلچر کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ ریاستِ پاکستان میں طبقہ ءاشرافیہ نے کمزور طبقات کا استحصال کیا ہے۔

## پاکستان میں نظم وضبط کی صورتحال۔ ایک جائزہ

پاکستان کے آئین میں اس ملک کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام دیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اصل حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے قانون کو بالاتر حیثیت حاصل ہو گی۔ تحریکِ پاکستان میں بھی اسلام کو اس جدوجہد کی منزل اور قرآن، اسوۂ رسول اور شریعتِ اسلامیہ کی بالادستی کے قیام کو پاکستان کا مشن قرار دیا گیا تھا۔

کراچی میں ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا تھا:۔ "وہ کون سی چٹان ہے جس پر ملّت کی عمارت قائم ہے اور وہ کون سا لنگر ہے جو سفینہ ملّی کو تھامے ہوئے ہے۔ مسلم انڈیا کے سفینۂ ملی کا مستحکم لنگر عظیم المرتبت کتاب قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جائیں گے ویسے ہماری یہ وحدت بھی بڑھتی جائے گی۔ ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسول، ایک قبلہ اور ایک قوم۔"۷۹

قائداعظمؒ ایک منظم اور باکردار قوم کے خواہاں تھے۔ جس کا اظہار انہوں نے کئی ایک مواقع پر کیا۔ ۱۳/ نومبر ۱۹۳۹ کو عیدالفطر کے موقع پر فرمایا۔ "ہم میں سے ہر ایک شخص خود کو نظم وضبط کا پابند بنا کر اپنے ملک کی خدمت کر سکتا ہے اور نظم وضبط ہی اس مقدس مہینے کا ماحصل ہے۔ "۸۰ ۲۳ مارچ ۱۹۴۴ کو ایک تقریر میں فرمایا۔ "ہمیں اپنی عوام کو ایک نہایت منظم اور مضبوط قوم کی شکل میں ڈھالنا ہو گا۔ "۸۱ ۲۲/ مارچ ۱۹۴۵ یومِ پاکستان کی تقریب پر ایک پیغام میں فرمایا "ہمارے استحکام، اتحاد اور نظم وضبط میں ہی ہماری طاقت اور قوت پنہاں ہے۔ اور یہی ہماری پشت پناہ ہے جو ہماری جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرے گی۔"۸۲

۸/ ستمبر ۱۹۴۵ کو کراچی میں مسلمانانِ ہند کے نام عید کے پیغام میں فرمایا:۔ "ہم ایک منظم اور نظم وضبط کی

پابند قوم ہیں۔ "۸۳؎

۱۲/اپریل ۱۹۴۸ کو اسلامیہ کالج پشاور کے طلبا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "جو فرائض آپ سے متوقع ہیں، وہ یہ ہیں۔ نظم وضبط، کردار سازی، آغازِ کار۔۔ "۸۴؎

۶/اگست ۱۹۴۸ کو عید الفطر کے موقع پر فرمایا:۔ "ہماری صفوں میں اتحاد اور نظم وضبط کی جتنی ضرورت اب ہے اتنی کبھی نہ تھی۔ ہم اپنی متحدہ کوشش اور اور اپنی منزل مقصود پر یقین ہی سے اپنے خوابوں کے پاکستان کی حقیقی تعبیر کر سکتے ہیں۔ آج آپ ماہ رمضان کی ریاضت کے بعد عید منا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے روزے کیوں فرض کیے گئے؟ اگر انہیں نظم وضبط کا درس دینا مقصود نہیں تھا۔ یہ نیکوکاری آپ کو منظم کرنے کے لیے ہے اور اسی میں آپ کی فلاح اور قوم کی نجات ہے۔ "۸۵؎

قائدِ اعظم کے فرمودات کی روشنی میں یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ پاکستان محض ایک ملک اور خطہء زمین کا نام نہیں۔ یہ ایک تصوّر اور نظریے سے عبارت ہے جس کی شناخت اس کا اسلامی، جمہوری اور فلاحی کردار ہے۔ لیکن قیام پاکستان کے چند سالوں بعد ہی بعض مفاد پرست سیاستدانوں، سرمایہ داروں اور وڈیروں نے قومی وسائل کو ذاتی اور گروہی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ حکمرانوں کی ملک کی آزادی وخود مختاری سے غفلت، اسلامی شریعت سے لاپرواہی، عوام النّاس کے مفاد اور ضروریات سے عدم دلچسپی سے ملک گمبھیر مسائل میں گھرتا چلا گیا۔ اکثر حکمرانوں نے مشاورت اور فیصلہ سازی کے جمہوری طریقے کو اختیار کرنے کی بجائے شخصی حکمرانی اور ذاتی وفاداریوں کی بنیاد پر کاروبارِ حکومت کو چلانے کو ترجیح دی۔ مسلسل غلط حکمتِ عملی اور بے تدبیری کے نتیجے میں آج پاکستان درج ذیل بڑے مسائل اور بحرانوں میں گھرا ہوا ہے۔

اس وقت ملک میں گزشتہ کئی سالوں سے توانائی کا شدید بحران ہے۔ لوڈشیڈنگ نے عام آدمی کی زندگی میں بے چینی واضطراب کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ بجلی گیس اور صاف پانی عوام النّاس کی بنیادی ضروریات میں شامل ہیں۔ لیکن ان تینوں چیزوں کی اس وقت ملک میں شدید قلّت ہے۔ توانائی کے بحران کا لازمی نتیجہ معیشت کا بحران ہے۔ گو موجودہ حکومت بے روزگاری اور مہنگائی کے عفریت کو قابو کرنے کی کوشش میں ہے، لیکن پھر بھی اس کے لیے ایک مؤثر حکمتِ عملی اپنانے کی ضرورت ہے۔

تیسرا بڑا بنیادی مسئلہ کرپشن کا ہے جو کہ فساد فی الارض کی ایک شکل ہے۔ چھوٹی سطح سے لے کر بڑی سطح تک ہر شخص نے ملک کے وسائل اور دولت کو بے دردی سے لوٹا ہے۔ صرف بجلی چوری اور ٹیکس چوری سے ہی ملک کو اربوں کا نقصان ہوتا ہے۔ بقول پروفیسر خورشید احمد۔ "کرپشن کسی بھی معاشرے اور ریاست کے لیے ایک ناسور کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اگر جسم بھی بیمار ہو تو یہ جان لیوا سرطان کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ہر دوسری خرابی اور بگاڑ سے اس کا ایسا رشتہ قائم ہو جاتا ہے جو بگاڑ کو ہمہ جہت وسعت دے دیتا ہے۔ ہم بڑے دکھ سے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ

اس وقت پاکستان میں کرپشن نے امّ الخبائث کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اور زندگی کے ہر پہلو میں بگاڑ اور فساد کا ذریعہ بن گئی ہے۔ "۸۶ کرپشن کی ایک شکل میرٹ کا خون ہے۔ ہر حکومت سیاسی اور شخصی مقاصد کے لیے نااہل لوگوں کو ذمّہ داری کے مناصب پر لگا دیتی ہے۔

چوتھا بڑا مسئلہ ملک میں پھیلنے والی عصبیت، فرقہ واریت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اشتعال انگیزی اور عدم برداشت ہے۔ جس کے سبب عوام النّاس باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔

پانچواں انتہائی گمبھیر مسئلہ ہمہ گیر اخلاقی انحطاط ہے۔ کم سن بچوں، بچیوں اور خواتین کے ساتھ غیر اخلاقی اور ناروا سلوک کیا جا رہا ہے۔ ان کی عزت و آبرو کو پامال کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف دھرنوں، گھیراؤ جلاؤ اور توڑ پھوڑ کے طریقوں نے حکومتی اداروں کو بے بس کر دیا ہے۔ سیاسی جلسوں میں نظم وضبط کا فقدان، قوم کے عمومی مزاج اور ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ صحافی عامر جمیل کے مطابق "یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ بعض جلسے نظم وضبط کے فقدان کا مظہر ہوتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ سیاسی تربیت کی کمی ہے۔ تبدیلی کے لیے سیاسی کارکن کی سیاسی واخلاقی تربیت لازمی ہے اور یہی وہ اصول ہے جس کی بنیاد پر مہذب اقوام نے اپنے آپ کو ترقی یافتہ اقوام کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ اگر ہم چند ہزار نفوس پر مشتمل جلسے، تقاریب اور افطار وطعام کی محفلوں کو منظم انداز میں نہیں چلا سکتے تو ہم ملک چلانے کے دعویدار کیوں ہیں؟ یہیں سے ایک پہلو ہمارے سامنے اس طرح سے بھی آتا ہے کہ آخر ہماری زندگیوں میں تحمل اور نظم وضبط کا فقدان کیوں ہے۔ اس کی بنیادی وجہ قیادت کا اپنے کارکنان کی طرف توجہ کا نہ ہونا بھی ہے۔ "۸۷

پاکستانی عوام میں بدنظمی اور عدم برداشت کا یہ رویہ حج اور عمرہ کے موقع پر بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر صفدر محمود۔ "میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے حج اور عمروں کے دوران پاکستانیوں کو ذرا ذرا سی باتوں پر الجھتے، جھگڑتے اور لڑائی کرتے دیکھا ہے۔ بلکہ حرم شریف میں جگہ لینے کے لیے ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوتے دیکھا ہے۔ حج صبر، نظم وضبط، برداشت، ایثار، نفس کشی، استقامت اور دین اسلام کی سچی پیروی کا سبق دیتا ہے، جبکہ پاکستانی حاجی حج کے دوران بھی عام طور پر حسنِ اخلاق سے محروم نظر آتے ہیں۔ "۸۸

چھٹا سب سے بڑا اور بنیادی مسئلہ دہشت گردی کا ہے جو اس وقت ریاست پاکستان کے لیے ایک ناسور کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ گزشتہ ۱۰ برسوں میں پاکستان میں سینکڑوں خودکش دھماکے ہو چکے ہیں، دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے فوج، پولیس اور سیکیورٹی ادارے سرگرم ہو چکے ہیں لیکن خودکش بمبار ہیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے۔ بقول انصار عباسی۔ "لیکن مکمل علاج کے لیے ڈنڈے کے ساتھ ساتھ ریاست کے ہر پاکستانی کو اصل دین کی تعلیم دینے کی ذمّہ داری لینا ہوگی۔ تاکہ اس مائنڈ سیٹ کو شکست دی جا سکے جو اسلام کو تشدد اور دہشتگردی کے ساتھ جوڑتا ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ اسلام کو پڑھانے کی بجائے اس عرصے میں امریکا و مغرب کے دباؤ میں ہر حکومت

نے اسلام سے دوری ہی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ جس سے مسائل بڑھتے ہی گئے۔ کسی نے روشن خیالی کا نعرہ بلند کیا۔ تو کسی کو لبرل ازم کے جنون نے آ جکڑا۔ میں یہ بات بہت عرصہ سے کہہ رہا ہوں کہ اگر ریاست اپنی یہ ذمّہ داری پوری کرے اور قرآن وحدیث کا فہم اپنے تعلیمی نظام اور میڈیا کے ذریعے عوام کو دے تو پھر دہشتگردی کے ساتھ ساتھ فرقہ بندی، نفرت واشتعال اور کئی دوسری بیماریاں دور ہو جائیں گی۔ ہمارا المیہ یہ رہا کہ ایک اسلامی ریاست ہونے کے باوجود ہم نے مختلف گروہوں کو یہ آزادی دے دی کہ وہ جتنے فرقہ چاہے بنالیں۔ اپنی مرضی کی تشریحات کر کے جسے چاہے کافر قرار دے دیں اور جس کے بارے میں چاہیں جینے یا مرنے کا فیصلہ کر لیں۔ ویسے تو آئین پاکستان ریاست پر یہ ذمّہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ پاکستان میں بسنے والوں کو ایک ایسا ماحول فراہم کرے گی۔ جس میں مسلمان اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کر سکیں گے، جبکہ اقلیتوں کو ان کے مذہبی اور معاشرتی حقوق حاصل ہوں گے اور ان کا مکمل تحفظ کیا جائے گا۔ لیکن آئین کا سب کہا دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اور حقیقت میں ہم اسلام سے بہت دور چلے گئے۔ جس کے نتیجے میں ہمیں آج ان حالات کا سامنا ہے۔ آج ہمیں اسلام کو ایک طرف چھوڑنے کا سبق پڑھایا جارہا ہے لیکن یاد رکھیں ہمارے مسائل چاہے دہشت گردی ہو، عدم برداشت یا اقلیتوں اور عورتوں کے حقوق کا سوال، حل ایک ہی ہے کہ ہم اصل اسلام کی طرف لوٹ کر آجائیں وہ اصل اسلام جس کی تعلیم قرآن اور حدیث دیتے ہیں۔"۸۹

"مئی ۲۰۱۳ میں برٹش کونسل نے پاکستان نوجوانوں کے جذبات، احساسات اور خیالات کا ایک سروے کیا ہے، جس سے ملک کے عوام اور خصوصیات سے نوجوان نسل کی مایوسیوں اور امیدوں کا عکس دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک نوجوان نے ملک و قوم کی موجودہ کیفیت کی عکاسی بڑے درد بھرے الفاظ میں کچھ اس طرح کی ہے کہ: آزادی سے پہلے ہم ایک قوم تھے اور ایک ملک کی تلاش میں تھے۔ لیکن آج ایک ملک ہے۔ مگر قوم مفقود ہے۔"۹۰

یہ وہ بڑے مسائل ہیں کہ جن کی وجہ سے آج ریاستِ پاکستان کے تین بڑے اداروں سیاست، معیشت اور معاشرت میں نظم وضبط کا شدید فقدان نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ریاست جہاں کے عوام بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں۔ جن کے کاروبار بجلی کی کمیابی کی وجہ سے ٹھپ ہو چکے ہوں۔ جن کے چولہے گیس کی عدم دستیابی کی بنا پر ٹھنڈے ہو چکے ہوں، جو صاف پانی کی عدم فراہمی اور ماحولیاتی آلودگی کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریوں اور وباؤں کا شکار رہتے ہوں۔ جو روزگار نہ ملنے کے باعث چوریوں، ڈکیتیوں اور خودکشیوں پر مجبور ہو رہے ہوں۔ وہ عوام جن کی بستیوں پر ڈرون حملے ہوتے رہتے ہوں، جن کے بچے دہشت گردی کے نتیجے میں چھینے جارہے ہوں، وہ عوام جن کے مریض حکمرانوں کی آمد پر طویل ٹریفک جام کی وجہ سے موت کی آغوش میں چلے جاتے ہوں، ایسے عوام سے نظم وضبط اور تہذیب وشائستگی کی توقع رکھنا عبث ہے۔

آج پاکستانی عوام کو ایسے حکمرانوں کی ضرورت ہے جو "سید القوم خادمهم"۹۱ کی حدیث کے مصداق

ذاتی مفادات سے بالا تر ہو کر ملک و قوم کے اجتماعی مفاد کے لیے کمربستہ ہو جائیں جو اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر عوام النّاس کو ضروریاتِ زندگی فراہم کریں اور جو سیاست کو عبادت سمجھ کر اپنے فرائض انجام دیتے ہوں جو صرف عوام النّاس کو قانون اور نظم وضبط کے دائرے میں پابند نہ رکھیں بلکہ خود بھی قانون کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے اوپر قانون کو لاگو کریں۔ تو "النّاس علي دين ملوكهم" ۹۲ کے مصداق عوام النّاس بھی قانون کی پابندی اور نظم وضبط کے دائرے میں رہیں گے۔ بقول الوزیر المغربی۔ "حاکم کی مثال رعایا کے لیے ایسی ہی ہے جیسی کہ اعضاء کی بدن کے لیے، جب کبھی اعضاء بیماری یا کسی اور سبب سے اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں تو پورے بدن میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔"۹۳ الغرض اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لیے اصل ماڈل اور نمونہ صرف مدینہ منوّرہ کی وہ اسلامی ریاست اور معاشرہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں قائم ہوا اور چودہ سو سال سے مسلمانوں کے لیے روشنی کا مینار اور اجتماعی زندگی کے لیے نمونہ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

**اسلامی ریاست میں عوام النّاس کو نظم وضبط کا پابند رکھنے کے طریقے:۔**

تعلیم اسلام کے مطابق اسلامی ریاست ایک عادلانہ نظام پر مبنی ریاست ہے جس میں اصل اقتدار اعلیٰ ذاتِ الٰہی کو حاصل ہے۔ اور انسان خلیفۃ اللہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ دینِ اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اس نے ریاست وسلطنت کو عبادت بنادیا ہے۔ اوران حکام کو جو ریاست کے کاموں کو قانونِ الٰہی کے مطابق انجام دیں گے اور عوام النّاس کے بنیادی حقوق میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے۔ "ظل الله " کے منصب پر سرفراز فرمایا: ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔ "السّلطان ظل الله في الارض ياوي اليه كل مظلوم من عباد الله۔ ۹۴ سلطان زمین میں اللہ کے امن کا سایہ ہے جس کے دامن میں بندگانِ الٰہی میں سے ہر مظلوم پناہ لیتا ہے۔"

اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ عوام النّاس کی مادی اور روحانی ضروریات کی تکمیل کرتے ہوئے ان کی ایسے نہج پر تربیت و تنظیم کرے کہ وہ معاشرہ کے مفید اور کارآمد شہری بن سکیں۔ "اسلام اپنی روحانی اولاد کو نظم وضبط، سلیقہ مندی اپنے ہر حکم میں سکھاتا ہے۔ تاکہ ان کے رگ وریشے میں نظم وضبط پیدا ہو جائے اسلام کا ہر حکم صرف ضابطے اور قوانین نہیں دیتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نظم وضبط کی تعلیم بھی دیتا ہے تاکہ یہ نظم وضبط اسلام کی اس روحانی اولاد کے رگ وپے میں پیوست ہو جائے۔"۹۵ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت مدینہ سے قبل ہی بیعتِ عقبہ کے موقع پر امّت کی تنظیم کا کام شروع کر دیا تھا اور ان نقیبوں کے لیے فرمایا تھا۔ "انتم كفلاء علي قومكم۔"۹۶ بقول احمد عجاج کرمی۔ "وهذا الكفالة كانت توجب على هؤلاء ان يحافظوا علي انضباط قومهم والتزامهم بمبادي الدين الجديد۔"۹۷ اور خود نبی اکرم ﷺ نے اپنے متعلق فرمایا۔ وأنا كفيل علي قومي۔۹۸ اسلامی ریاست میں عوام النّاس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے دو بنیادی طریقِ کار اختیار کیے جاتے ہیں۔

(۱) نظم وضبط کی پابندی بذریعہ تزکیہ اخلاق وتعمیر سیرت (۲) نظم وضبط کی پابندی بذریعہ قانون

## (۱) عوام النّاس کو نظم وضبط کی پابندی بذریعہ تزکیہ اخلاق وتعمیرِ سیرت

اسلامی ریاست کی مضبوطی واستحکام کے لیے ضروری ہے کہ افرادِ امّت کے تزکیہ نفس اور تعمیرِ شخصیت کے لیے ٹھوس بنیادوں پر کام کیا جائے۔ افراد کی تربیت وتطہیر کے بغیر ریاست کے اجتماعی نظم کو قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ دینِ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جو اللہ ربّ العالمین کی ہدایت اور اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں افرادِ انسانی کی زندگی کے تمام شعبوں میں تربیت کرتا ہے۔ خواہ وہ پہلو انفرادی ہو یا اجتماعی ہو، معاشرتی ہو یا تمدّنی ہو، مادی ہو یا روحانی ہو، معاشی ہو یا سیاسی ہر دائرہ حیات میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ صرف قوانین کا نفاذ ہی معاشروں کی تطہیر نہیں کرتا بلکہ مسلسل تربیت اور رہنمائی کے ذریعہ ہی عوام کو نظم وضبط کا پابند بنایا جاسکتا ہے۔ منظم اور صالح افراد نہ صرف اسلامی ریاست کی اساس ہوتے ہیں بلکہ اس کے استحکام کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں عوام النّاس کو نظم وضبط کا پابند رکھنے کے لیے درج ذیل اصولوں کی بنیاد پر ان کا تزکیہ نفس اور تربیت کرنا ضروری ہے:۔

### (۱) ایمانیات کے ذریعے نظم وضبط کی پابندی:۔

**(۱) اعتصام باللہ:۔** انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام معاملات کی بنیاد "اعتصام باللہ" ۹۹ پر ہے۔ جتنا یہ تعلق مضبوط اور پائیدار ہوگا اتنا ہی ایک مسلمان کی زندگی منظم اور قانونِ الٰہی کی پابند ہوگی۔ انسانی تنظیم کی یہ بنیاد قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت سے معلوم ہوتی ہے:۔ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ ۱۰۰

آیت مذکورہ کے تحت نعیم صدیقی لکھتے ہیں۔ "خدا سے یہ تعلق وہ مضبوط ترین رشتہ ہے، جسے تھام لینے کے بعد زندگی تباہ کن ٹھوکروں سے بچ جاتی ہے۔ خیالات کی آوارگی وپریشانی، جذبات کی بے راہ روی اور اعمال کی بے ربطی کا پوری طرح ازالہ ہوجاتا ہے۔ حقیقت کے اس مرکزی نکتے کے گرد فرد کی ساری قوتیں اور تمدن کی جملہ سرگرمیاں منظم ومرتّب ہوجاتی ہیں۔ اور نظم وترتیب کے فقدان میں کوئی حسن نہیں پیدا ہوسکتا۔ ایک صحیح نظام تعلیم کا کام یہ ہے کہ وہ انسانیت کو اس عروۃ الوثقیٰ تک لائے اور خدا پرستی کے رشتہ محکم کو تھامنے کی صلاحیت دے۔ اسلامی نظامِ تعلیم کی یہ اساسی ذمّہ داری ہے کہ وہ بندوں کو خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کردینا اور خم کیے رکھنا سکھائے۔ "۱۰۱ نبی اکرم ﷺ نے مکی زندگی سے لے کر مدنی زندگی میں وفات تک صحابہ کرامؓ میں اعتصام باللہ، توکل علی اللہ، خشیت الٰہی اور حبّ الٰہی جیسے اوصاف پیدا کرنے اور ان کے ذریعے سے ان میں الفت ومحبت پیدا کرکے اور انہیں اخوّت ووحدت کی لڑی میں پرودیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "بے شک اللہ عزوجل تم سے تین چیزوں سے راضی ہوتا ہے اور تین چیزیں تمہارے لیے پسند کرتا ہے، وہ پسند کرتا ہے تمہارے لیے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور یہ کہ تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقے میں نہ پڑو، اور یہ کہ تم ان سے

خیر خواہی کرو جنہیں اللہ نے تم پر امیر مقرر کیا ہے۔ اور وہ تمہارے لیے قیل و قال، کثرت سؤال اور اضاعتِ مال کو ناپسند کرتا ہے۔"۱۰۲؎

اسلامی ریاست عوام النّاس کو منظم کرنے اور انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام شعبہ حیات میں نظم وضبط کا پابند رکھنے کے لیے تعلق باللہ ایک اساسی کلیہ ہے۔ سورۃ ال عمران میں بھی تعلق باللہ کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی۔

"فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ ۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَاانْفِصَامَ لَهَا ۔"۱۰۳؎

**(ب)اعتصام بالقرآن:۔**

قرآن کریم وہ صحیفہ ہدایت ہے جس میں امّت مسلمہ کی انفرادی واجتماعی زندگی کی تنظیم وتربیت کے تمام اصول موجود ہیں۔ اسلامی ریاست کے مقتدرِ اعلیٰ نے قرآن کریم میں حکام اور عوام دونوں کے حقوق وفرائض کا تعین کر دیا ہے۔ درحقیقت ان حقوق وفرائض کی بہترین ادائیگی ہی اسلامی ریاست میں نظم وضبط کے استحکام کی ضامن ہے۔ یہی وہ دستورِ حیات ہے جس کی پیروی سے امّت مسلمہ کا عروج وابستہ ہے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔ "انّ الله يرفع بهذا الكتاب اقواماً ويضع به آخرين۔"۱۰۴؎

پروفیسر خورشید احمد قرآن کریم کی اسی طاقت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:۔

"قرآن نے اس امّت کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بھی صورت گری کی ہے۔ اور اسے باقی انسانیت کے لیے خیر وصلاح کا علمبردار بنایا ہے، یہی وہ چیز تھی جس نے چھٹی صدی عیسوی کی ظلم اور تاریکی سے بھری ہوئی دنیا کو تاریخ کے ایک نئے دور سے روشناس کرایا۔ جس نے عرب کے اونٹ چرانے والوں کو انسانیت کا حدی خواں بنایا۔ جس نے ریگستان کے بدوؤں کو تہذیب وتمدّن کا معمار بنادیا۔ جس نے مفلسوں اور فاقہ کشوں میں سے وہ لوگ اٹھائے جو انسانیت کے رہبر بنے۔ جس نے وہ نظام قائم کیا جس نے طاغوت کی ہر قوت سے ٹکر لی۔ اور اسے مغلوب کر ڈالا۔ قرآن طاقت کا ایک خزانہ ہے اس نے جس طرح آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے انسانوں کی اصلیت بدل کر رکھ دی تھی اور ان کے ہاتھ سے ایک نئی دنیا تعمیر کرائی تھی۔ اسی طرح آج بھی فساد سے بھری ہوئی دنیا کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔ اپنے ماننے والوں کو بشرطیکہ وہ اس کا حق ادا کر سکیں۔ انسانیت کا رہنما اور تاریخ کا معمار بنا سکتا ہے۔"۱۰۵؎

آج بھی ریاستِ پاکستان کے استحکام اور بقاء کے لیے قرآن کریم ہی ضابطہ حیات اور منظم قوم کا ضامن ہے۔ قائداعظم نے ۱۹۴۵ء میں عید کے موقع پر فرمایا تھا:۔

"بہ جز ان لوگوں کے جو بے خبر ہیں، ہر شخص آگاہ ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کا ہمہ گیر وبالاتر اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ مذہبی بھی، معاشی ومعاشرتی بھی، دیوانی بھی، فوجداری بھی، تجارتی بھی، عدالتی بھی اور تعزیری بھی۔ یہ ضابطہ زندگی کی ایک ایک چیز کو باقاعدگی اور ترتیب عطا کرتا ہے۔"۱۰۶؎

**(ج)اعتصام بالسّنّۃ:۔**

تیسری اہم چیز جس کی طرف رجوع، رجوع الی اللہ اور رجوع الی الکتاب کا لازمی تقاضا ہے وہ سنّت رسول اللہ ﷺ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے نبوّت پر سرفراز ہونے کے بعد اللہ کے نائب کی حیثیت سے کتاب ہدایت کے اصولوں کی روشنی میں امّت کی تنظیم وتربیت کرکے اسلامی ریاست کی تشکیل فرمائی۔ امّت کی تربیت و تنظیم میں سنّت نبویہ ﷺ کے کردار کے حوالے سے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں۔ "قرآن کی تعلیم اور محمد ﷺ کی سنّت پر جو معاشرہ اسلام کے آغاز میں پہلے دن قائم ہوا تھا۔ وہ اس وقت سے آج تک مسلسل زندہ ہے۔ اس کی زندگی میں ایک دن کا انقطاع بھی واقع نہیں ہوا ہے۔ اور اس کے تمام ادارے اس ساری مدّت میں پیہم کام کرتے رہے ہیں۔ آج تمام دنیا کے مسلمانوں میں عقائد اور طرزِ فکر، اخلاق و کردار، عبادات اور معاملات، نظریہ حیات اور طریقِ حیات کے اعتبار سے جو گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ جس میں اختلاف کی بہ نسبت ہم آہنگی کا عنصر بہت زیادہ موجود ہے۔ جو ان کو تمام روئے زمین پر منتشر ہونے کے باوجود ایک امّت بنائے رکھنے کی سب سے بڑی بنیادی وجہ ہے۔ یہی اس امر کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ اس معاشرے کو ایک سنّت پر قائم کیا گیا اور وہ سنّت ان طویل صدیوں کے دوران میں مسلسل جاری رہی ہے۔ یہ کوئی گم شدہ چیز نہیں ہے جسے تلاش کرنے کے لیے ہمیں اندھیرے میں ٹٹولنا پڑ رہا ہو۔"[۱۰۷]

الغرض اعتصام باللہ، اعتصام بالقرآن اور اعتصام بالسنّۃ یہ تین ایسے بنیادی عقائد ہیں کہ جن کو مضبوطی سے تھامنے والے لوگ امّت وسط اور خیر امّت کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ انہی کی بنیاد پر وہ وحدت واخوّت کے بے مثال رشتے میں بندھ جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے ان کے حسن تعلق کو "رحماء بینھم" کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

**(د) آخرت کی جوابدہی کا تصوّر:۔**

یومِ آخر پر ایمان لانا دینِ اسلام کی اہم تعلیم ہے انسانی زندگی کے تمام اعمال کے نتائج کی بنیاد اسی عقیدہ پر ہے۔ کائنات اور اس کی تمام اشیاء پہلے معدوم تھیں پھر اللہ نے ان کو وجود کیا۔ اسی طرح سے حیات انسانی پہلے معدوم تھی بعد ازاں اللہ نے انسان کو تخلیق کیا اور اسے حیات بخشی۔ اس حیات کے بعد موت ہوگی اور موت کے بعد زندگی۔ پھر جنّت ودوزخ۔ وہ لوگ جو ایمان لائیں اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق زندگی گزاریں گے ان کے لیے جنّت ہوگی۔ دوسری طرف وہ لوگ جو کفر اور طاغوت کی راہ پر چلیں گے ان کے لیے جہنم ہوگی جو کہ ابدی عذاب کی ایک شکل ہے۔

اسلامی ریاست کی یہ ذمّہ داری ہے کہ نہ صرف خود میں بلکہ وہ عوام النّاس میں بھی محاسبہء آخرت کا احساس پیدا کرے۔ یہ وہ احساس ہے کہ جس کی بناء پر افراد وقتی مفادات واغراض کی بجائے اللہ کی رضا اور خوشنودی کو منتہائے مقصود بنالیتے ہیں۔ اسی خشیت کی بناء پر ہی حکام کا رعایا کا استحصال کرنے اور ان پر ظلم وجور کرنے سے باز رہتے ہیں۔ اسی احساس کی بناء پر وہ عوام النّاس کو ضروریاتِ زندگی کی فراہمی سے غافل نہیں رہتے۔ بلکہ اسلامی ریاست کا ہر طاقتور فرد کمزور فرد کے لیے تقویت کا باعث بنتا ہے۔ محاسبہ آخرت کے اعتبار سے آپ ﷺ نے حکمرانوں کو یہ نصیحت

فرمائی کہ۔ "قیامت کے روز اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے زیادہ قریب عادل حکمران ہو گا۔ اور سب سے زیادہ مبغوض اور اس سے زیادہ دور ظالم حکمران ہو گا۔" ۱۰۸؎

اسی کے ساتھ ساتھ عوام النّاس کو یہ ہدایت فرمائی۔

"عن عبد الله عمر قال النبي ﷺ السّمع والطاعة علي المرء المسلم فيما احبّ وكره مالم يؤمر بمعصية فاذاامربمعصية فلا سمع ولا طاعة۔" ۱۰۹؎

یعنی "امراء کی بات سننا اور ماننا مسلمان پر فرض ہے جب تک کہ اسے گناہ کرنے کا حکم نہ دیا گیا ہو، جب گناہ کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سننا جائز ہے اور نہ ماننا جائز ہے۔"

"عام سلطنتوں کا اصول یہ ہے کہ وہ سلاطین وحکام اور سلطنت کے عمال کے قول وفعل کو قانون کے سلسلوں سے جکڑ دیتی ہے کہ وہ حق وعدل کے خلاف نہ کر سکیں۔ لیکن اسلامی حکومت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں اور عاملوں کے دلوں پر اپنا قبضہ بٹھاتی ہے۔ تاکہ تقویٰ اور آخرت کے مؤاخذہ کے خوف اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کے جذبہ سے حق اور عدل کے خلاف نہ کر سکیں۔ عام حکومتیں ہر روز اپنے قانون کی لاچاری اور بے اثری کو دیکھ کر دوسرا قانون بناتی ہیں۔ پھر تیسرا اور چوتھا قانون۔ پھر اسی طرح ہر قسم کی برائیوں کی روک تھام کے لیے مسلسل قانون بناتی رہتی ہیں۔ اور مجرم اس کو اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے برابر توڑتے رہتے ہیں۔ اور سلطنت کا مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اسلام کی سلطنت اگر اصول اسلام کے مطابق ہو تو صرف اللہ کا تقوی اور آخرت کے مؤاخذہ کا ڈر ان کے دل کی کجی اور دل کی ہر برائی کو قطعاً ختم کر دیتا ہے۔" ۱۱۰؎ اسلامی ریاست میں حکمران اور عوام کی یکساں حقوق وفرائض کی انجام دہی ہی نظم وضبط کی ضامن ہے۔ محاسبہء آخرت کا خوف فرائض کی انجام دہی میں معین ومددگار ثابت ہوتا ہے۔

### (۲) نظامِ عبادات کے ذریعہ نظم وضبط:

اسلامی ریاست میں عوام النّاس کے اجتماعی نظم کی تشکیل میں اسلام کے نظامِ عبادات کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کوئی عبادت ایسی نہیں جس میں اجتماع کا پہلو موجود نہ ہو۔ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔ "فبالقيام بالصلٰوة والزكاة والصبريصلح حال الراعي والرعية۔ ۱۱۱؎" نماز زکوۃ اور صبر کے قیام سے حاکم اور رعایا دونوں کے احوال درست ہوتے ہیں۔ " اسلام کے نظامِ عبادات کا سب سے پہلا رکن نماز ہے۔ نماز دینِ اسلام کا ستون ہے اور خالق ومخلوق کے مابین تعلق کی گرہ ہے۔ باجماعت نماز میں نظامِ وحدت کا اصول کارفرما ہے۔ تمام نمازیوں کا ایک ہی وقت میں ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر ایک ہی طرح کے اعمال وافعال کو سرانجام دینا اجتماعی نظم کی ایک شکل ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق غزوہ تبوک کے موقع پر فرمایا۔ "الصلاة جامعة" ۱۱۲؎ جس کا معنی

یہ ہے کہ نماز اجتماع کو بروئے کار لانے والی ہے۔ ہر نظامِ اجتماعی کے لیے دلوں کا جمع ہونا ضروری ہے اور نماز اس کا ایک ذریعہ ہے۔ اس میں صف بندی ضروری ہے اور مسلمانوں کو یہ حکم ہے۔ "استووا ولا تختلفوا۔" ۱۳؎ صفوں کو برابر کرو اور باہم اختلاف نہ کرو۔ وقت کی پابندی منظم معاشروں کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ اس کے ذریعہ سے افرادِ معاشرہ کو نظم وضبط کے دائرہ میں رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسلامی ریاست کی ذمّہ داری ہے کہ وہ عوام النّاس کو باجماعت نماز کا پابند بنائیں کیونکہ اس سے ان کے اوقات خود بخود منظم ہو جاتے ہیں۔ وقت پر سونا اور وقت پر اٹھنا ان کے لئے ضروری ہو جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا۔" ۱۴؎ رات کو اللہ نے سونے اور آرام کرنے کے لیے بنایا ہے اور دن کو معاشی ذمّہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام مخلوق اسی الٰہی ضابطہ کی پابند نظر آتی ہے۔ چرند ہوں یا پرند تمام مخلوقاتِ ارضی صبح سویرے اٹھتی ہیں اور شام ہوتے ہی اپنے ٹھکانوں میں آرام کی غرض سے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ امّت مسلمہ کے لیے بھی یہی ضابطہ پسند فرمایا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے رات کو نمازِ عشاء کے بعد بے کار باتیں کرنے سے اور قصہ کہانی سے منع فرمایا ہے۔ ۱۵؎ نمازِ فجر سے مسلمانوں میں صبح خیزی کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ نماز کے بعد اسلامی عبادات کا دوسرا بڑا رکن زکوٰۃ ہے۔ نظام زکوٰۃ کا نفاذ اسلامی حکومت کی ذمّہ داری ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے خلاف جہاد بھی کیا تھا۔ زکوٰۃ کا سب سے بڑا فائدہ نظامِ جماعت کا قیام ہے کہ جب ریاست کے مالدار افراد اپنے اموال کی زکوٰۃ سے ناداروں کو مالی سرمایہ فراہم کرتے ہیں تو اس سے ان کے درمیان ہمدردی اور امداد باہمی کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ جس سے افراد ریاست میں نظم وضبط اور اتحاد ویگانگت پیدا ہو جاتی ہے۔

روزہ اسلامی عبادات کا تیسرا رکن ہے۔ اسلام نے سال کے ۱۲ مہینوں میں سے رمضان کا مہینہ روزوں کے لیے منتخب کیا۔ مہینہ کی تخصیص کا یہ فائدہ ہے کہ تمام افرادِ امّت بیک وقت اس فرض کو ادا کر کے اسلام کے نظامِ وحدت کا مظاہرہ کریں۔ اسلامی عبادات کا آخری رکن حج ہے۔ جو کہ اسلامی تنظیم کی غیر معمولی مجسمہ تصویر ہے۔ حج عوام النّاس میں مرکزیت اور اتحاد پیدا کرنے میں معاون ہوتا ہے۔

### (۳) اخلاص وللّٰہیت:۔

اسلامی تعلیم کی رو سے ہر وہ عملِ صالح جو خاص اللہ کی رضا کے لیے سرانجام دیا جائے وہ عبادت ہے، عبادات میں اوّلین چیز دل کی نیت اور اخلاص ہے۔ لہٰذا جو کام بھی سرانجام دیا جائے اس کا محرک کوئی دنیاوی غرض، ریاء ونمائش یا طلب شہرت نہ ہو اور نہ ہی انسان کی اپنی نفسانی خواہشات کا اس میں کوئی دخل ہو۔ قرآن کریم کے سات موقعوں پر "مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" ۱۶؎ آیا ہے۔ نیز فرمایا۔ "فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ اَ لَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ" ۱۷؎۔ امام ابن تیمیہ نے حاکم کے لیے خاص طور پر تین امور کے اختیار کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلے اللہ کے لیے

اخلاص اور اس پر توکل، دوم مخلوق کے ساتھ احسان کا رویہ، سوم مخلوق کی ایذاؤں اور دیگر آزمائشوں پر صبر۔۱۱۸؎

**(۴) احساسِ ذمّہ داری:۔**

اسلامی ریاست میں عوام النّاس کی اس نہج پر تعلیم وتربیت کی جائے کہ ہر فرد میں فرض شناسی اور احساس ذمہ داری کو اجاگر کیا جائے۔ جتنا یہ جذبہ زیادہ ہو گا اور اس میں اخلاص بھی ہو گا اتنا ہی لوگ اپنی ذمّہ داریوں کو ادا کریں گے تو خود بخود ہی ان میں ایک دوسرے کا احترام اور ریاستی اداروں میں نظم وضبط پیدا ہو گا۔ اس کی تعلیم ہمیں درج ذیل فرمانِ نبوی ﷺ سے ملتی ہے۔ "الا كلكم راع وكلكم مسؤل عن رعيتة فالامام الذي علي النّاس راع وهومسؤل عن رعيته والرجل راع علي اهل بيته وهو مسؤل عن رعيته المرأة راعية علي اهل بيت روجها وولده وهي مسؤلة عنهم وعبدالرجل راع علي مال سيده وهو مسؤل عنه- الا وكلكم راع وكلكم مسؤعن رعيته " ۱۱۹؎

درج بالا حدیث میں اسلامی ریاست کے ہر فرد کو خواہ وہ کسی بھی حیثیت اور مرتبہ پر ہو، اس امر کا احساس دلایا گیا ہے کہ اس سے اپنے ماتحت لوگوں کے بارے میں روزِ قیامت باز پرس ہو گی۔ ہر فرد انفرادی حیثیت سے اپنے منصب کے مطابق ذمہ دار ہے۔ محترم ابن تیمیہ رقم طراز ہیں: "حکومت ایک بہترین تنظیم ہے جس کا ذمّہ دار اعلیٰ بہترین ہوتا ہے۔ حکومت کی مضبوط عمارت کے دو محکم ستون ہیں۔ قوت اور امانت۔" ۱۲۰؎ حکومت کو طاقتور ہونا چاہئے۔ اور حکومت کو ان ذمّہ داریوں کا پابند ہونا چاہئے۔ جو خدا اور خدا کے بندوں کی امانت کے طور پر اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ عصر حاضر میں عوام النّاس کے اندر اسی شعور واحساس کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ سلطنت احساسِ ذمہ داری کے اسی اخلاقی اصول پر قائم تھا۔ ہر فرد سلطنت کے احکام کی پابندی اسی احساس کے تحت کرتا تھا۔ ٹیکسوں کی ادائیگی اور وصولی بغیر کسی جبر واکراہ کے ذمّہ داری سمجھ کر کی جاتی تھی۔ روایات میں آتا ہے کہ ہر قوم اور قبیلہ کے لوگ خود آکر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں صدقات زکوۃ وغیرہ ادا کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے۔ "كان رسول الله إذا أتاه قوم بصدقتهم قال اللهم صل على آل فلان، فأتاه أبي بصدقة فقال اللهم صل على آل أبي أوفي۔" ۱۲۱؎

حضرت عدی بن حاتم قبیلہ طے کے سردار تھے اور ان کو تمام قوم کی طرف سے چوتھا حصہ ملتا تھا۔ جب وہ اسلام لائے تو سب سے پہلے انہی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنے قبیلے کا صدقہ پیش کیا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک بار عدی بن حاتمؓ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ "ان أول صدقة بيضت وجه رسول الله ﷺ ووجوه اصحابه صدقة طي جئت بها"۱۲۲؎ یعنی پہلا صدقہ جس کی خوشی سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کا چہرہ چمک اٹھا، قبیلہ طے کا صدقہ تھا جس کو تم لے کر آئے تھے۔ قبیلہ بنو تمیم جب اپنا صدقہ لے کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ "صدقات قومنا "۱۲۳؎ یہ ہماری قوم کا

صدقہ ہے۔ صدقات ٹیکسوں کی ادائیگی کا یہ ذمہ دارانہ رویہ صرف قبائل اور قوموں میں ہی نہ تھا بلکہ انفرادی طور پر ہر فرد کی یہی حالت تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ "جب آنحضرت ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا تو ہم لوگ بازاروں میں جاکر بوجھ ڈھوتے تھے اور اس سے جو مزدوری ملتی تھی اس کو لاکر صدقہ میں دیتے تھے۔"۱۲۴ ہر فرد بشر میں ذمہ داری کا یہ احساس ریاست کے نظم وضبط میں استحکام کا باعث بنتا ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی عوام النّاس کے اندر اسی احساسِ ذمہ داری کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس کی تعلیم ہمیں اسوۂ نبوی ﷺ سے ملتی ہے۔

**(۵) جذبہ خیر خواہی:۔**

خیر خواہی کا جذبہ ایک ایسی اخلاقی صفت ہے جو عوام النّاس کے باہمی تعلقات کی مضبوطی اور پائیداری میں مدومعاون ہے۔ ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:۔ "الدّین النصیحۃ" صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول کس سے خیر خواہی۔ فرمایا اللہ سے، اوراس کی کتاب سے اور اس کے رسول سے، اور اہل ایمان کے آئمہ سے اور ان کے عام لوگوں سے۔" ۱۲۵ جہاں تک عوام النّاس سے خیر خواہی کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست اپنے عوام کو ان کے بنیادی حقوق کی فراہمی میں تغافل نہ برتے، ان پر ظلم نہ کرے، اور دین ودنیا کے کاموں میں ان سے تعاون کرے۔ جو امام یا حاکم اپنی رعایا کے ساتھ خیر خواہی کا سلوک نہیں کرتا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کے لیے یہ وعید فرمائی۔ ما من أمير يلي أمير المسلمين ثم لا يجهد لهم وينصح الا لم يدخل معهم الجنة۔۱۲۶ جب بھی کوئی شخص مسلمانوں کا امیر بنتا ہے پھر وہ ان کے لیے کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی خیر خواہی کرتا ہے تو وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔"

جہاں تک حکام کے ساتھ خیر خواہی اور حسن سلوک کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ان سے تعاون کیا جائے۔ اور ان کی اطاعت کی جائے۔ غلط کاموں اور روّیوں پر ان کی تنبیہ کی جائے۔ مولانا گوہر رحمن لکھتے ہیں: "ارباب اختیار کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ حسن تعلق یہ ہے کہ حق بات میں ان کی مدد کی جائے۔ بھلائی اور نیکی میں ان کی اطاعت کی جائے۔ غلطیوں اور غفلتوں پر ان کو متنبہ کیا جائے اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ پر انہیں آمادہ کیا جائے۔ جبکہ عام مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ ان کو ضرر نہ پہنچا جائے اور ان کی ضروریات پوری کی جائیں۔ حسد بغض اور دھوکا دہی سے اجتناب کیا جائے۔" ۱۲۷

**(۶) تفویض مناصب بلحاظِ اہلیت:۔**

اسلامی ریاست کے مختلف انتظامی شعبوں کو چلانے کے لیے حکومت مختلف مناصب قائم کرتی ہے اور عوام النّاس میں سے مختلف افراد کو منتخب کرکے ان مناصب پر فائز کرتی ہے۔ ریاست کو فساد وبدامنی اور افتراق انتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے لازم ہے کہ حکومت بہترین اور موزوں اشخاص کی تقرری کرے۔ عوام النّاس میں نظم وضبط کی

پابندی رکھنے کا یہ ایک اصول اور طریقہ ہے۔ قرآن پاک اور احادیث نبویہؐ میں اس کے متعلق واضح تعلیمات موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۱۲۸؎ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔ "یہ قرآن کی اہم ترین آیات میں سے ہے۔ یہ سارے دین اور شریعت کا احاطہ کرتی ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کے ارباب اختیار کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں ان پر لازم ہے کہ وہ مال کی تقسیم، ظلم کے خاتمے اور فیصلوں میں عدل وانصاف سے کام لیں۔ " ۱۲۹؎

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں۔ "اس سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں۔ وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں۔ جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل ونصب کے اختیارات ہیں۔ ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اپنی عملی اور علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں۔ بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور عہدے کے لیے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔ پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ہو تو موجود لوگوں میں قابلیت اور دیانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔" ۱۳۰؎

نبی اکرم ﷺ نے اہلیت کی اہمیت کے تذکرہ میں فرمایا:۔ "جس وقت امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا گیا کہ امانت کا ضائع کرنا کس طرح ہو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب کام نااہل لوگوں کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔" ۱۳۱؎

### (۷) نظام احتساب کا قیام:۔

حاکم کا یہ فریضہ ہے کہ وہ عمال اور وزراء کی کارکردگی کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتا رہے۔ حسن کارکردگی پر ان کی حوصلہ افزائی وستائش کرے اور غلطیوں پر ان کو متنبہ کرے۔ حاکم کا یہ حق ہے کہ کسی عہدہ دار کو بد دیانتی، خیانت میں ملوث ہونے کی صورت میں اسے معزول کر دے۔ عہدہ داروں کے احتساب کے سلسلہ میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

"امام کو اپنے نائبین اور معاونین سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ ہر دو روز کے بعد ان عہدہ داروں کے حالات اور کارکردگی کے بارے میں پوچھا کرے اور اپنی ذاتی رائے اور عقل وفراست کے ساتھ ان کی موزوں رہنمائی کرے۔ ان کو بے لگام آزادی نہیں دینی چاہئے۔ اگر ان کی کارکردگی اور فرض منصبی کی ادائیگی واضح طور پر اچھی ہے تو حوصلہ افزائی کر کے ان کی قدر افزائی کرے۔ تاکہ وہ مزید بہتر کارکردگی دکھانے کی سعی کریں۔ اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو ان کی اصلاح کے لیے کام کرے۔ اگر کسی شخص کے متعلق امام کو یہ خوف ہو کہ اعلیٰ منصب ملنے پر اس کا مزاج بگڑ جائے گا اور طوقِ اطاعت پھینک دے گا تو ایک بہتر تدبیر یہ ہے کہ اس سے متعلق محکمے اور منصب کو مصلحت کے مطابق دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے سپرد کرے اسی طرح اس کی باغیانہ کیفیت اور مزاج

کی شدت ٹھنڈی پڑ جائے گی۔" ۱۳۲؎

سیرتِ رسول ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ریاستِ مدینہ میں صیغہ احتساب بھی قائم تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے عمال اور حکام کی تربیت اور محاسبے کا خاص خیال رکھا۔ چنانچہ ایک بار آپ نے ابن الاتبیۃ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ جب وہ واپس آئے اور آپ ﷺ نے ان کا محاسبہ کیا اتو انہوں نے کہا یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیتاً ملا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ہدیہ کیوں نہیں ملا۔ اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔ ۱۳۳؎ ناپ تول میں کمی اور دھوکا دہی اور ملاوٹ کے ضمن میں تاجروں کے لیے احکامات دیئے۔ آپ ﷺ خود بھی بازاروں کی نگرانی کرتے تھے اور کوئی غلط کام دیکھتے تو فوراً سرزنش فرماتے۔ ایک بار آپ ﷺ بازار کے معائنے کے لیے تشریف لے گئے وہاں ایک صاحب گندم فروخت کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے گندم کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: گندم والے یہ کیا ہے؟ ان صاحب نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ گندم رات کی بارش میں بھیگ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس گیلی گندم کو اوپر کیوں نہیں رکھا۔ اور فرمایا جس نے دھوکے بازی کی وہ ہم میں سے نہیں۔ ۱۳۴؎

## (۸) عوام النّاس کو بنیادی حقوق کی فراہمی:۔

اسلامی ریاست عوام النّاس کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمّہ دار ہے۔ ایسا معاشرہ جس میں ہر فرد کو اپنی جان ومال اور عزت کا خطرہ لاحق رہتا ہو وہاں انتشار وافتراق اور بد نظمی کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ حکم فرمایا تھا۔ "فان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام الي ان تلقوا ربکم۔ " ۱۳۵؎ بلاشبہ تمہاری جان ومال اور آبرو ایک دوسرے کے لیے اسی طرح محترم ہے جس طرح آج کا یہ دن ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا۔ کل المسلم علي المسلم حرام دمه وماله وعرضه ۱۳۶؎ "مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔"

الغرض سیاسی انتظام کرنا اور امّت کے اجتماعی نظم کو قائم رکھنا امام کا حق ہے۔ اور ریاستِ عامہ کا ہر فرد اس نظم کے ماتحت اپنی خوشی سے رہتا ہے۔ اور اپنی قوت کو امام کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ تاکہ سیاسی نظم اپنی پوری طاقت اور غلبہ کے ساتھ باقی رہے۔ "حقوقِ عامہ کی نگہداشت، سوسائٹی کے اختلافات کی اصلاح، ظلم اور زیادتی کا مداوا امام کی سیاسی ذمّہ داریوں میں داخل ہیں۔ " ۱۳۷؎ سیاسی حقوق میں سے ایک اہم چیز عوام النّاس کو فوری عدل وانصاف فراہم کرنا ہے۔ ایسی ریاست جس میں عوام النّاس پر کیے گئے ظلم کا مداوا نہ ہو سکے اور انہیں انصاف نہ مل سکے اور وہ مقدمات کے شکنجوں میں کئی کئی برس جکڑے رہیں تو ردّ عمل کے طور پر عوام میں غصہ، نفرت اور اشتعال انگیزی کے جذبات کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ یہی وہ عوامل ہیں جو ریاستی نظم وضبط میں بگاڑ اور فساد کا باعث بنتے ہیں۔ لہٰذا عوام النّاس کو

فوری انصاف کی فراہمی اسلامی ریاست کا اوّلین اور بنیادی فرض ہے۔

اسلامی ریاست عوام النّاس کے معاشی حقوق کی بھی ذمّہ دار ہے۔ حکومت اقتصادی نظام کے ذریعے ایسا معاشی توازن پیدا کرے کہ تمام افرادِ معاشرہ کو ان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی یعنی گھر، کپڑا، کھانا اور صاف پانی کی فراہمی میسر ہو سکے۔ اسلامی ریاست کا بیت المال خاص طور پر ان شہریوں کا ذمّہ دار ہے جو وسائلِ زندگی سے محروم اور بے روزگار ہیں۔ اسلامی ریاست کا یہ فریضہ ہے کہ وہ زکوٰۃ، صدقات اور عشر کا ایسا نظام قائم کرے جس سے معاشرہ کے محروم طبقہ کی معاشی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔ ارشاد ربّانی ہے۔وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔۱۳۸؎ "اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم لوگوں کا حصہ ہے۔" مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں۔ "اسلامی نقطہ نگاہ سے دو باتیں زیادہ قابلِ لحاظ ہیں۔ (۱) تمام خلق اللہ کا کنبہ ہے اور تمام انسان اللہ کے نزدیک برابر ہیں۔ اب وہ اونچے طبقہ کے ہوں یا نیچے طبقہ کے۔ اللہ ان کا پروردگار اور فرمانروا ہے اور وہ اس کے بندے اور رعایا ہیں۔ الخلق كلهم عيال الله۔ فالناس شريفهم ووضيعهم في ذات الله سواء، الله ربهم وهم عباده۔ اسلامی حکومت معاشی زندگی کے دائرہ میں ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھنے پر مامور ہے۔ اللہ کے کنبے کا کوئی فرد کھانے، کپڑے اور مکان وغیرہ سے محروم نہ رہے۔ اور اللہ کے بندوں میں سب کو انسانیت کے عام حقوق میں برابر کا سمجھا جائے۔ اگر اسلامی حکومت اس کا خیال نہیں رکھے گی تو انسانیت کے بلند درجہ سے گر جائے گی۔"۱۳۹؎

جس طرح مسلم رعایا کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرنا اور انہیں بنیادی معاشی ضروریات فراہم کرنا اسلامی ریاست کا فرض ہے۔ اسی طرح غیر مسلم رعایا کا تحفظ اور معاشی سہولیات فراہم کرنا بھی اسلامی ریاست کی ذمّہ داری ہے۔ عوام النّاس کو رائے کی آزادی دینا اور ان کی رائے کا احترام کرنا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے اور ریاست کے استحکام کا باعث ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیّبہ سے ہمیں اس کے متعلق رہنمائی ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے بارہا مواقع پر صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا اور ان کی رائے کا احترام کیا۔ سن ۱ ہجری میں نماز کے اجتماع کی دعوت کے لیے مشورہ طلب کیا۔ اور منجانب اللہ اذان دینے کا حکم فرمایا۔ ۱۴۰؎ معرکہ ءبدر کے لیے انصار ومہاجرین سے آراء طلب کیں۔ ۱۴۱؎ غزوہ بدر میں لشکر کے پڑاؤ کی جگہ کے لیے ایک صحابیؓ کے مشورے پر عمل کیا۔ ۱۴۲؎ غزوہ بدر کے قیدیوں کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ ۱۴۳؎ اسی طرح سے غزوہ احد اور غزوہ خندق میں بھی آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ ۱۴۴؎ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے۔ "مارأيت أحدًا اكثر مشورة لاصحابه من النبي ﷺ۔" میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے رفقاء سے مشورہ کرنے میں اتنا زیادہ سرگرم ہو جس قدر رسول اللہ تھے۔ ۱۴۵؎

الغرض اسلامی ریاست کی حدود میں امن ونظم کا قیام، امن کے بعد امن کی بقا اور استحکام حکمرانوں کی ذمہ داری ہے، قرآن حکیم میں بیت اللہ کے متعلق کہا گیا ہے، یہ پہلا ایوان ہے انسانیت عامّہ کے لیے اس کے حلقہ میں جو

انسان داخل ہوتا ہے اس کے لئے امن ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ بِفِیْہِ اٰیٰتٌ م بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ۔ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا۔ ۱۴۶؎ حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی۔ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَھْلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ۔ ۱۴۷؎ قرآن کریم نے جس خوشحالی اور امن کا تذکرہ ہے۔ عہد نبوی ﷺ کی حکومت اس کا عملی نمونہ تھی۔ مورخ وان کریم نے عہد نبوی ﷺ کے امن کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ۱۴۸؎

آنحضرت ﷺ نے نئے مذہب کے ساتھ ایک نیا نظامِ حکمرانی بھی پیش کر دیا جو بالکل جدید اور خاص صورت رکھتا تھا۔ متعدد چھوٹے بڑے اور مختلف اقسام کے قبیلوں کو جو رات دن بدامنی میں رہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے پیغام نے ایک قوم بنا دیا۔ جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو تمام عرب پر خدا کا امن چھایا ہوا تھا۔"

**(۹) معمولاتِ زندگی میں نظم وضبط اور تہذیب وشائستگی کی تربیت:۔**

مہذب ریاستوں کے عوام میں معمولاتِ زندگی میں تہذیب وشائستگی نظر آتی ہے۔ جس کے لیے وہ ان آداب وقواعد کو اختیار کرتے ہیں جو متمدّن زندگی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے امّت مسلمہ کی تہذیب وتربیت کے لیے معمولاتِ زندگی میں ایسے آداب کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے جن کے اپنانے سے انسان مہذب، شائستہ اور باوقار بن جاتا ہے۔ اور س کی زندگی منظم ومنضبط ہو جاتی ہے۔

تہذیب وشائستگی کے امور میں سے سب سے اہم چیز طہارت وصفائی ہے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "الطھور شطرالایمان" ۱۴۹؎ صفائی نصف ایمان ہے۔ بحیثیت مسلمان ہر فرد کو اپنے کپڑے، اپنا گھر، گلیاں اور محلّوں کو صاف رکھنا، نیز جہازوں، ریل گاڑیوں اور پبلک مقامات پر موجود غسل خانوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا اور صاف کرنا لازم ہے۔ اس مقالہ میں تمام آداب کو بیان کرنا دشوار ہے۔ مشت نمونے از خروارے کے طور پر چند اہم آداب درج ذیل ہیں۔

☆ کھانا کھانے کے سلسلہ میں تہذیب وشائستگی کی تربیت کے لیے فرمایا کہ کھانا اپنے سامنے سے کھانا چاہئے اور برتن میں ادھر ادھر ہاتھ نہیں بڑھانا چاہئے۔ ۱۵۰؎

☆ انسان کی بعض حرکات وسکنات تہذیب وشائستگی کے خلاف ہوتی ہیں جنہیں دیکھ کر دوسرے لوگوں کو ناگواری محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً جمائی لینا، اسی لیے آپ ﷺ نے تلقین فرمائی ہے کہ "جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو اپنے منہ کو بند کرلے کیونکہ شیطان اس کے منہ کے اندر گھس جاتا ہے۔" ۱۵۱؎

☆ مجلس میں انگڑائی اور ڈکار لینا بھی تہذیب ووقار کے منافی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ان حدیثوں کو نقل کیا ہے کہ "آپ ﷺ جمائی اور انگڑائی نہیں لیتے تھے۔" ۱۵۲؎

☆ ڈکار کے متعلق سنن ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص نے ڈکار لی تو آپ ﷺ

نے فرمایا کہ اپنی ڈکار کو روکو۔ کیونکہ جو لوگ دنیا میں بہت زیادہ پیٹ بھر لیتے ہیں وہ آخرت میں سب سے زیادہ بھوکے رہیں گے۔ ۱۵۳ اس حدیث سے ضمناً ڈکار کی کراہت بھی ثابت ہوتی ہے۔

☆ مجلس میں تہذیب و وقار کی شکل پیدا کرنے کے لیے فرمایا کہ کوئی شخص مجمع کو چیر کر آگے بیٹھنے کی کوشش نہ کرے بلکہ جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جائے۔ صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی مجلسوں میں اسی طرح بیٹھتے تھے۔ ۱۵۴

☆ راستے کے آداب سے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اياكم الجلوس في الطرقات۔ صحابہ نے عرض کیا ہماری مجبوری ہے کہ ہم محفل جماتے ہیں اور آپس میں گپ شپ کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر اتنی مجبوری ہے تو راستے کا حق ادا کرو۔ صحابہؓ نے پوچھا راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا نظروں کو جھکا کر رکھو، تکلیف دہ چیز کو دور کرو، سلام کا جواب دو اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرو۔" ۱۵۵

یہ حدیث ٹریفک کے نظام میں نظم وضبط کی پابندی اختیار کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ ہمارے ملک پاکستان میں ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی معمولی چیز بن گئی ہے حدیث کے الفاظ میں "كف الأذى" یعنی تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ایک جامع کلمہ ہے۔ چنانچہ گاڑی چلاتے وقت غلط انداز میں اوور ٹیکنگ کر کے دوسرے کو تکلیف پہنچانا، ٹریفک سگنلز کی خلاف ورزی کرنا، خوامخواہ ہارن بجاتے رہنا، جارحانہ انداز میں گاڑی چلانا، گاڑی کو غلط جگہ پارک کرنا، سرکاری زمینوں پر ناجائز تجاوزات قائم کرنا یہ سب چیزیں كفّ الأذى کے تحت آتی ہیں۔ مولانا تقی عثمانی نے غلط پارکنگ کو دینی اعتبار سے گناہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ "ہماری فقہ کی قدیم کتابیں اس زمانے میں لکھی گئی ہیں جب خودکار گاڑیوں کا رواج نہیں تھا اور سفر کے لیے عموماً جانور استعمال ہوتے تھے۔ اس لئے ٹریفک کا نظام اتنا پیچیدہ نہیں تھا۔ جتنا آج ہے۔ اس کے باوجود ہمارے فقہائے کرام نے سڑکوں پر چلنے اور گاڑیوں کے ٹھہرانے کے بارے میں شرعی احکام کی تفصیل نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کی ہے۔ اور اس سے اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کا بھی کہ اسلام میں نظم وضبط اور حقوق العباد کی کتنی اہمیت ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہمارا نظم وضبط اور ہماری تہذیب وشائستگی مثالی ہو۔" ۱۵۶

پاکستان میں عوامی جگہوں پر جہاں اجتماع یا جلسہ وغیرہ ہو یا کسی چیز کا حصول ہو تو عوام النّاس میں بے چینی، اضطراب اور بھگدڑ سی مچ جاتی ہے بلکہ کئی ایک سیاسی جلسوں میں اس طرح کی بھگدڑ سے اموات بھی واقع ہوتی ہیں۔ دینِ اسلام ایسے مواقع پر نظم وضبط کے اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ خود ایسے مواقع پر صحابہ کرامؓ کو نظم وضبط اور سکون کی تلقین فرماتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں آپ ﷺ نے خطبہ سے فارغ ہو کر ظہر اور عصر کی نماز اکٹھے ادا کی۔ غروبِ آفتاب کے قریب آپ ﷺ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اونٹ پر پیچھے بٹھالیا۔ آپ ﷺ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی گردن

کجاوے میں آکر لگتی تھی۔ لوگوں کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا لوگوں کو دستِ راست اور بخاری میں ہے کہ کوڑہ سے آپ ﷺ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ "آہستہ آہستہ" اور زبان مبارک سے ارشاد فرمارہے تھے۔ السکینة یا ایھاالناس السکینة یا ایھاالناس ۱۵۷؎ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جماعت میں شامل ہوتے وقت بھی وقار واطمینان کا لحاظ رکھا جائے۔ بھاگ دوڑ نہ کی جائے۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔ علیکم بالسکینة فما ادرکتم فصلّوا۔ ۱۵۸؎ "سکون ووقار اختیار کرو اور جتنا حصہ نماز سے مل جائے اسے ادا کرو۔" دینِ اسلام تو جنگوں میں بھی تہذیب وشائستگی اور نظم وضبط سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مجاہدین کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ ۱۵۹؎

۲ ہجری غزوہ بدر کے موقع پر پہلی مرتبہ باقاعدہ صف بندی عمل میں لائی گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ ایک نازک لکڑی کے اشارے سے صف بندی فرماتے تھے اور ہر سپاہی کو حکم تھا "استووا" ۱۶۰؎ یعنی برابر رہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قلم کی قسم کھائی ہے۔ اس سے دینِ اسلام میں تحریر وکتابت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ احادیث سے تحریر وکتابت میں نفاست اور صفائی کے اصول بھی ملتے ہیں۔ مثلاً کاغذ کو موڑنے سے پہلے اس کی سیاہی کو ریگ ڈال کر خشک کرلو، حرف "س" کے شوشے برابر دیا کرو اور اس کو شوشوں کے بغیر نہ لکھا کرو۔" ۱۶۲؎ لکھتے ہوئے اگر کچھ رکنا پڑے تو کاتب کو چاہئے کہ قلم اپنے کان پر رکھ لے کیونکہ اس سے لکھوانے والے کی زیادہ آسانی سے یاددہانی ہو جاتی ہے۔" ۱۶۳؎ حصولِ تعلیم کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کا نظم وضبط مثالی تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ مجلس نبوی ﷺ میں اس طرح خاموش ہو کر بیٹھتے تھے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ ۱۶۴؎

### (۱۰) عوام النّاس کی فکر وذہنیت کی اصلاح ودرستگی:۔

افراد کی مثبت فکر اور ذہنیت مہذب اور شائستہ معاشروں کی عکاسی کرتی ہے۔ دین اسلام اپنے ماننے والوں میں مثبت فکر وسوچ کی آبیاری کرتا ہے۔ یہ فکر ہر فرد معاشرہ کو اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اس کا اصل مسئلہ حقوق کے حصول کی بجائے فرائض کی ادائیگی بن جاتا ہے۔ اگر یہ فکر معاشرے میں عام ہو جائے تو سب کے حقوق خود بخود ادا ہو جائیں گے اور حق تلفیوں کی شرح گھٹتی جائے گی۔ کوئی شخص پورے معاشرے کے مزاج کو نہیں بدل سکتا۔ لیکن وہ خود اپنے مزاج کو تبدیل کر سکتا ہے۔ ایک اور خرابی جو ہمارے معاشرے میں رواج پکڑ چکی ہے وہ یہ کہ اصلاحی عمل کا آغاز دوسرے سے ہو یہ اس وجہ سے کہ ایک انسان کو دوسرے لوگوں میں نقائص عیوب اور اعمال واخلاق کی خرابیاں تو نظر آتی ہیں۔ لیکن خود اپنے اعمال واخلاق پر اس کی نظر نہیں ہوتی۔ ہر شخص کو اصلاح کا آغاز خود سے کرنا چاہئے۔ اسلام اس ضمن میں یہ اصول دیتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ج لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ۔ ۱۶۵؎ "اے ایمان والو خود اپنی خبر لو اگر تم ہدایت کے راستہ پر ہو تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

اسی طرح بعض لوگ دوسروں کے برے اعمال کو اپنی بد اعمالیوں کے لیے جواز بنالیتے ہیں۔ یہ چیز بڑھتی بڑھتی معاشرے کا مزاج بن جاتی ہے۔ ہمارے پاکستانی معاشرے میں جہیز ایسی خرابیاں جو عوام کا اجتماعی مزاج بن گئی ہیں۔ مثلاً رزق کا ضیاع گھروں میں دعوتوں اور شادی بیاہ کے موقع پر کھانے کا ضیاع عوام النّاس کا وطیرہ بن چکا ہے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے وضو کرتے وقت پانی احتیاط کے ساتھ خرچ کرنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا: "پانی کو فضول خرچ کرنے سے بچو، خواہ تم کسی بہتے ہوئے دریا کے پاس کھڑے ہو۔"۱۶۶

قومی وسائل اور دولت کا ضیاع بھی اس قوم کا مزاج بن چکا ہے۔ بجلی کی شدید قلّت اور لوڈشیڈنگ کے باوجود جہاں بجلی اور گیس میسر ہو وہاں اس کا بے محابا اور بے دریغ اور غیر ضروری استعمال بھی ہماری قوم کا اجتماع مزاج بن گیا ہے۔ اسی طرح سے بغیر کرائے کی ادائیگی کے سفر کرلینا، بجلی کے سرکاری کھمبوں سے کنکشن لے کر مفت بجلی کا استعمال جیسی چیزیں گھٹیا قسم کی چوری کے زمرے میں آتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام النّاس میں ایسی سوچ اور ذہنیت پیدا کی جائے کہ وہ چھوٹے جرم کا ارتکاب کرنے سے بھی اس طرح ڈرے جیسا کہ وہ بڑے اور سنگین جرائم کے ارتکاب سے ڈرتا ہے۔ دیواروں پر اشتہارات اور پوسٹر زلگانا، سرکاری زمینوں پر ناجائز تجاوزات قائم کرلینا، سڑکوں پر جگہ جگہ کوڑا کرکٹ پھینک دینا، ایسی عادات ہیں جن سے کسی بھی قوم کی تہذیب وشائستگی اور نظم وضبط کے بارے میں برا تاثر قائم ہوتا ہے۔

**(ب) عوام النّاس کو نظم وضبط کی پابندی بذریعہ قانون:۔**

نبی آخر الزمان ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے تزکیہ نفس اور تعمیرِ سیرت کے ذریعے ایک ایسا اسلامی معاشرہ قائم فرمایا جس کی ہر چیز اخلاقِ صالحہ پر مبنی تھی۔ اسلامی ریاست کی ساری خوشی وخوشحالی اور امن وامان اس اخلاق کی بدولت ہے۔ اسلامی ریاست اوّلین تعلیم، تربیت اور تلقین کے تمام ذرائع استعمال کرتے ہوئے عوام النّاس کو قانونِ الٰہی کا پابند بناتی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی فرد یا گروہ الٰہی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سنگین جرائم کا مرتکب ہو مثلاً دوسروں کے حقوق غصب کرنا۔ دوسروں کی چیز ناحق لینا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، دوسروں کی عزت وآبرو کو پامال کرنا اور قتل کرنا جیسے جرائم تو پھر اسلامی ریاست، ریاستی قوت اور عدالتی اداروں کے ذریعے ان افراد کو سخت ترین سزائیں دیتی ہے تاکہ نہ صرف مجرم بلکہ دوسرے افرادِ معاشرہ بھی ان جرائم سے باز رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قانون کی طاقت کے استعمال کا تذکرہ درج ذیل آیتِ مبارکہ میں فرمایا ہے۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ۔۱۶۷ "اور ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان پیغمبروں کے ساتھ کتاب اتاری اور ترازو، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت ہیبت ہے اور لوگوں کے لئے کئی فائدے ہیں۔ "سید سلیمان ندوی آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:۔

"اس آیت پاک میں عدل کے قیام اور ظلم کی روک تھام کے لیے تین چیزیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ ایک کتاب یعنی احکامِ الٰہی کا مجموعہ، دوسری چیز وہ فطری صحیح وعادلانہ میزان جو ہر صداقت شعار دل میں دھری ہے اور جس پر انسانی قانون کی بنیاد کھڑی ہے اور تیسری چیز تلوار کی طاقت ہے۔ جو ان دونوں کے ماننے پر ان کی گردنیں جھکا دیتی ہے۔ یعنی جو احکامِ الٰہی کے ماننے سے منکر ہیں اور جو اپنی فطرت کی صحیح میزان عدل کو توڑ چکے ہیں ان کو پھر طاقت کے زور سے قانون کے ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے، یہ آہنی آلہ جس کے ایک ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس کا نام حکومت وریاست ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں قانونِ الٰہی کی کتاب بھی ہونی چاہئے جس کے ماننے پر وہ اپنے ماتحتوں کو مجبور کرے۔"۱۶۸

حضرت عثمانؓ کا قول ہے۔ ان الله ليزع بالسلطان ما لا يزع بالقرآن۔۱۶۹ "اللہ تعالیٰ حکومت کے ذریعے برائیوں کا جو سدّباب کرتا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو قرآن کے ذریعے کرتا ہے۔" مولانا گوہر رحمٰن کے مطابق:۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے علم اور اس کے مواعظ اور دلائل سے بعض لوگ تو متاثر ہو کر از خود گناہوں سے رک جاتے ہیں لیکن بعض سنگدل لوگ اس سے اثر قبول نہیں کرتے مگر حکومت چونکہ سزائیں دیتی اور اس کے پاس مادی قوت بھی ہوتی ہے اس لئے سزاؤں کے خوف سے اکثر لوگ جرائم سے رک جاتے ہیں۔ "۱۷۰

دنیا کی باقی تمام اقوام میں تمام جرائم کی سزاؤں کو تعزیرات کا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن شریعتِ اسلامیہ میں جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ حدود، قصاص، تعزیرات۔ کچھ جرائم ایسے ہیں کہ جن سے انسان مخلوقِ الٰہی کو تکلیف اور ضرر پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہوتی ہے۔ ان میں حق اللہ اور حق العبد دونوں شامل ہوتے ہیں۔ اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے، جن جرائم کی سزائیں قرآن وسنّت نے متعین کر دی ہیں۔ وہ دو قسم کی ہیں۔

(۱) حدود — ان سزاؤں میں حق اللہ غالب ہے۔ حدود صرف پانچ ہیں۔ ڈاکہ، چوری، زنا، تہمت زنا یہ سزائیں قرآن سے ثابت ہیں۔ پانچویں شراب خوری کی حد ہے، جو اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہوئی ہے۔ حکمرانوں کو ادنیٰ تغیّر و تبدل کی بھی اجازت نہیں۔

(۲) قصاص — اس میں حق العبد غالب ہے۔

وہ جرائم جن کی کوئی سزا قرآن وسنّت نے متعین نہیں کی بلکہ حکام کی صوابدید پر رکھا ہے۔ ان سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔ ان میں حکام کو اختیارات ہیں۔ یہ سزائیں سخت بھی ہو سکتی ہیں۔ ہلکی بھی اور معاف بھی کی جا سکتی ہیں۔

گو کہ حدود کی سزائیں عام طور پر سخت ہیں۔ لیکن جرم کے ثبوت کی شرائط بھی نہایت کڑی رکھی گئی ہیں۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔ بلکہ ادنیٰ سا شبہ بھی ثبوت میں پایا جائے تو حد

ساقط ہو جاتی ہے۔ اسلام کا مسلّم قانون حدود کے سلسلہ میں یہ ہے کہ "الحدود تندرء بالشبهات" ۱۷۱؎ یعنی تکمیل جرم کی شرائط اور ثبوت میں کمی ہونے کی صورت میں حد شرعی تو ساقط ہو جاتی ہے لیکن حاکم مجرم کو تعزیری سزا ضرور دے گا۔ تکمیل جرم اور تکمیل ثبوت کی صورت میں مجرم کو نہایت عبرت انگیز سزا دی جاتی ہے۔ تاکہ سزا کی ہیبت سے باقی لوگ بھی ارتکابِ جرائم سے باز رہیں۔ چوری کی سزا کے سلسلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ ۱۷۲؎ اسی طرح زنا کا ارتکاب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا۔ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔ ۱۷۳؎ "یعنی اللہ کی حدود جاری کرنے میں ان مجرموں پر ہرگز ترس نہ کھانا چاہئے۔" حدود اللہ انسدادِ جرائم، امنِ عامہ اور اجتماعی نظم کی پائیداری کی ضامن ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

"سعودی عرب میں جہاں حدود و قوانین کو ٹھیک ٹھیک نافذ کیا گیا ہے۔ جرائم میں غیر معمولی کمی واقع ہوئی ہے۔ اور آج بھی یونیسکو کی رپورٹوں کے مطابق سعودی عرب میں جرائم کا تناسب دنیا میں سب سے کم ہے، جبکہ بھارت اور مغربی ممالک میں جہاں کوئی حدود و قوانین موجود نہیں زنا بالجبر نے سوسائٹی کی چولیں ہلا رکھی ہیں۔ " ۱۷۴؎

ابن عابدین حدود اللہ کی حکمت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔ لأنها شرعت لمصلحة تعود الي كافة النّاس من صيانة الانساب والأموال والعقول والأمراض وهو الانزجارعما يتضرر به العباد من أنواع الفساد۔ ۱۷۵؎ "حدود اللہ تمام انسانوں کی مصلحتوں کی خاطر مشروع کی گئی ہیں۔ جن میں نسب، مال، عقل اور عزت و آبرو کی حفاظت شامل ہے۔ اور یہ لوگوں کو فساد کی ان تمام صورتوں سے روکتی ہے جن سے بندوں کو نقصان پہنچتا ہے۔"

اسلامی تعلیمات کی رو سے کسی ریاست کے خلاف جنگ کا اعلان کرنے کا حق کسی فرد یا کسی جماعت اور گروہ کو نہیں ہے یہ ریاست اور حکومت کا کام ہے۔ اسی طرح حدود و تعزیرات قائم کرنا بھی ریاست اور حکومت کے ذمّے ہے۔ اگر کوئی فرد یا گروہ خود سے چور کے ہاتھ کاٹنے لگے یا زناکار کو سنگسار یا کوڑے لگانے لگے تو پورے معاشرے میں انتشار اور فساد برپا ہو جائے گا۔

جہاں تک پاکستان میں حدود و قوانین کے نفاذ کا تعلق ہے تو صورتحال نہایت مخدوش ہے۔ یہ حدود و قوانین پاکستان میں صدر جنرل ضیاء الحق کے دور میں اسلامی نظریاتی کونسل کے زیرِ اہتمام مرتب ہوئے اور ان کے نفاذ کی عملی کوشش بھی کی گئی۔ بعد ازاں یورپی یونین کے دباؤ کی وجہ سے حکومتِ پاکستان نے قصاص کی سزا کو معطل کر دیا تھا۔ لیکن ۱۶/ دسمبر ۲۰۱۴ء کو دہشت گردوں کے ہاتھوں ۱۳۴ اسکول کے معصوم بچوں کا سفاکانہ قتل ایسا اندوہناک واقعہ تھا جس نے پوری قوم کو غم واندوہ میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ حکومتِ پاکستان نے دوبارہ اس سزا کو بحال کر دیا ہے۔ ۱۶/ اپریل ۲۰۱۶ء کے روزنامہ جنگ کی ہیڈ لائن کے مطابق "سزائے موت کی بحالی سے سنگین جرائم میں 28.5 فی صد کمی واقع ہوئی۔ ۱۶/ دسمبر ۲۰۱۴ کو پشاور میں آرمی پبلک سکول پر حملہ کے بعد حکومت نے سزائے موت پر پابندی ختم کرنے کا

فیصلہ کیا نتیجتاً ۲۰۱۵ کے دوران قتل کے مقدمات میں ۲۰۱۴ کے مقابلے میں 28.5 فی صد کمی واقع ہوئی۔"

قصاص اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور انسانیت کے لیے زندگی کا ضامن ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ۔۱۷۶ اسی طرح ۱۵ نومبر ۲۰۰۶ء کو "تحفظ نسواں بل" کے نام پر "انہدام حدود اللہ" کے ایک قانون کو بھی منظور کیا گیا تھا۔ قرآن وسنّت کی رو سے زنا بالرضا کی طرح زنا بالجبر بھی حد ہے۔ لیکن اس قانون کے ذریعے حدود و قوانین کی دفعہ ۶ اور ۲ کو منسوخ کر کے زنا بالجبر کی حد کو ختم کیا جا رہا ہے۔ حدود و قوانین کی دفعہ ۴ اور ۵ جنہیں باقی رکھا گیا ہے ان کا تعلق صرف زنا بالرضا سے ہے اور زنا بالجبر ان کے دائرے سے باہر ہے۔ بلکہ دریدہ دہنی کی انتہا ہے کہ اس قانون کے مقاصد کی تشریح کرتے ہوئے دعویٰ کیا گیا ہے۔ "زنا بالجبر کے جرم کے لیے حد نہیں ہے اس کے لیے تعزیر ہے۔" یہ قرآن وسنّت کے خلاف اتہام اور ایک جرم عظیم ہے۔ اور اللہ سے بغاوت کے مترادف ہے۔۱۷۷

حدود اللہ کے معاملے میں کسی حکومت حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی تخفیف یا معافی کا اختیار نہیں تھا۔ عہد نبوی ﷺ سے لے کر مغربی استعمار تک تمام ممالک اسلامیہ میں حدود و قوانین پر عمل ہوتا رہا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں۔ "حالانکہ اور کچھ ان بادشاہوں کے عہد میں تھا یا نہ تھا۔ لیکن قانون جہاں تک میں جانتا ہوں ہر زمانے میں، مسلمانوں کی کسی حکومت کا کسی ملک میں کوئی قانون اسلام کے سوا نافذ نہ رہا۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں دنیا کی سیاست کی باگ ڈور جب تک رہی اسلامی قانون کے ساتھ اس کی وفاداری مسلسل رہی۔"۱۷۸

سلاطینِ دہلی کے بارے میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں۔ "مسلمان بادشاہوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ ان میں جو بادشاہ متقی اور پرہیز گار تھے وہ تو خیر اسلامی شعائر و حدود کا احترام کرتے ہی تھے ان کے علاوہ جو سلاطین عشرت پسند اور لذت کوش ہوتے (باستثنا معدودے چند) وہ بھی اسلامی احکام کا احترام ملحوظ رکھنے میں کسی سے کم نہ تھے۔ نیز عدالتوں کے فیصلے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوتے تھے۔" ۱۷۹

کسی بھی ریاست میں عوام النّاس میں اجتماعی نظم وضبط پیدا کرنے اور انہیں داخلی انتشار اور بدامنی سے محفوظ رکھنے کے لیے اسلامی ریاست کے ذمّہ عوام النّاس کے پانچ حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔

(۱) تحفظ دین (۲) تحفظ جان (۳) تحفظ عزت وعصمت (۴) تحفظ نسلِ انسانی (۵) تحفظ مال

انہی پانچ مقاصد کے قیام سے اسلامی ریاست میں اجتماعی نظم قائم ہوتا ہے۔ پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں۔ "یہ بڑی معنی خیز حقیقت ہے کہ اسلام کے تعزیری قانون میں جن حدود کے تحفظ کو قرآن وسنّت نے سزاؤں کے تعیّن کے ساتھ طے کر دیا وہ یہی پانچ مقاصد ہیں۔ دنیا کے دوسرے تعزیری قوانین میں سینکڑوں نہیں ہزاروں جرائم اور ان کی سزائیں ہیں۔ لیکن اسلام نے جن جرائم اور ان کی سزاؤں کو حدود کا مقام دیا وہ یہی پانچ چیزیں ہیں۔ دین وایمان کی حفاظت کے لیے ارتداد کی حد، نسل کے تحفظ کے لیے زنا اور قذف کی حدود، عقل کے تحفظ کے لیے تحریم خمر اور شراب کی حد اور مال کے تحفظ کے لیے سرقہ اور حرابہ کی حدود۔ یہ حدود محض سزائیں نہیں۔ یہ تو شریعت کے اصل

مقاصد اور انسانی معاشرے کی اصل بنیادوں کے تحفظ کا نظام ہیں۔ مقصد سزا دینا نہیں۔ مقصد ان بنیادوں کا تحفظ، ان کی مضبوطی اور انسانی زندگی کو عدل وانصاف اور عزت وخوشحالی کی برکتوں سے مالامال کرنا ہے۔"۱۸۰

اسلامی قانون اور حدود اللہ کا اطلاق حکمران طبقہ اور عوام دونوں پر ہوتا ہے۔ حاکم جو کچھ چاہے وہ کرنے کے لیے آزاد نہیں۔ بلکہ وہ خود ایک قانون کا پابند ہے۔ اس کی ذمّہ داری صرف یہ ہے کہ اس قانون کو نافذ کرے۔ یہی قانون خود اس کے اوپر بھی قائم ہوتا ہے۔ اور یہی تمام مسلمانوں پر بھی۔ قانونی مساوات کی مثال ہمیں سیرت طیّبہ سے ملتی ہے۔ مشہور روایت ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی عورت نے چوری کی۔ چونکہ اس کا تعلق ایک معزز قبیلے سے تھا لہٰذا اصحابہ کرامؓ نے حضرت اسامہ بن زید کو نبی اکرم ﷺ کے پاس سفارش کے لیے بھیجا۔ آپ ﷺ اس پر نہایت ناراض ہوئے اور فرمایا:۔ تم سے پہلے بہت سی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے اور اگر کوئی بااثر آدمی چوری کرتا تو اس سے درگزر کر جاتے نیز فرمایا۔ والّذي نفسي بيده لو فاطمة فعلت ذلك لقطعت يدها۔ ۱۸۱"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بھی یہ کام کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ "الغرض اسلام کے نزدیک ہر شخص بلاامتیاز قانون کے سامنے جوابدہ ہے۔

الغرض اسلام کے ہر حکم اور ہر قانون میں اس بات کی تعلیم ہے کہ مسلمان کی پوری زندگی نظم وضبط اور تہذیب وشائستگی کی عکاسی کرتی ہو۔ بدنظمی، بدانتظامی اور انتشار وافتراق کا اسلامی روح اور اسلامی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ جو کام بدنظمی اور بدانتظامی سے سرانجام دیا جائے تو اس کی ظاہری شکل بھی بگڑی ہوئی ہوگی اور محنت کے مطلوبہ نتائج بھی مفقود ہوں گے۔ امّت مسلمہ اور بالخصوص پاکستانی عوام کو نظم وضبط کی پابندی کے لیے ریاست کو درج ذیل اقدامات بروئے کار لانا ہوں گے۔

☆ ریاست عوام النّاس کے لیے صحیح نظامِ تعلیم نافذ کرے۔ پاکستان میں بدنظمی کی ایک بڑی وجہ ناخواندگی اور جہالت بھی ہے۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح تک ایسی تعلیم کا انتظام کیا جائے جس کا مقصد صرف ڈگری کا حصول ہی نہ ہو بلکہ عملی تربیت کے ذریعے طالب علموں کو نظم وضبط کی پابندی کا اس طرح خوگر کیا جائے کہ وہ آئندہ عملی زندگی کے ہر میدان میں نظم وضبط کی عکاسی کریں۔

☆ مسجد نہ صرف عبادت گاہ بلکہ امّت کی زندگی کا محور ومرکز اور مرکزِ تعلیم وتربیت تھی۔ ضروری ہے کہ مساجد میں ایسے بااخلاق وباکردار ائمہ کرام کا تقرر کیا جائے جن کے اندر عوام کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے کی اہلیت وصلاحیت موجود ہو۔

☆ خطبہ جمعہ اسلام کے نظامِ تعلیم وتربیت میں مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نمازِ جمعہ کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ ائمہ کرام خطبہ جمعہ کے ذریعہ عوام النّاس کی فکری وذہنی تطہیر کر سکتے ہیں۔ لیکن ضروری

ہے کہ خطبہ میں صرف ایسی باتوں کی تعلیم دی جائے جو تمام مکاتبِ فکر کے ہان مسلّمہ ہوں اس سے عوام النّاس میں فکری ہم آہنگی اور ملّی یکجہتی پیدا ہو گی اور فرقہ واریت اور تعصّب کا خاتمہ ہو گا۔

☆ ذرائع ابلاغ رائے عامہ کی تشکیل اور افکار واذھان کو مخصوص تہذیبی سانچے میں ڈھالنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ٹی وی اور کیبل پر بے مقصدیت، لغو اور لہولعب کی طرف مائل کرنے والے پروگراموں کی بجائے مثبت اور مقصد سے بھرپور پروگراموں کے ذریعے عوام النّاس کے اجتماعی مزاج، فکر اور ذہنیت کی آبیاری کرتے ہوئے انہیں عملی زندگی میں نظم وضبط اور سلیقہ مندی کی ایسی تربیت دی جائے کہ وہ گھر میں ہوں یا دفتر میں، مسجد میں ہوں یا بازار میں، شادی بیاہ کی تقریبات میں ہوں یا کسی اجتماع وغیرہ میں، ہر جگہ اور ہر موقع پر منظم رہیں۔ آج امّت مسلمہ کی پس ماندگی اور بدحالی کی ایک بڑی وجہ نظم وضبط کا فقدان بھی ہے۔ ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی کے الفاظ میں۔ "یہ امر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ سرگرم عمل لوگوں کے مقابلے میں کاہلوں کی اور متحد و منظم لوگوں کے مقابلے میں ان لوگوں کی مدد فرمائے جو انتشار کا شکار ہوں۔ یہ سنّت الٰہی کے خلاف ہے کہ وہ منظم گروہ کے مقابلے میں پراگندہ حال لوگوں کی اور منصوبہ بند لوگوں کے مقابلے میں بے پرواہ لوگوں کا مددگار ہو یا اپنی ملّت کے غم میں فکر مند رہنے والوں کو چھوڑ کر وہ ان لوگوں کی مدد کو پہنچے جنہیں اپنے ذاتی مفاد کے سوا کسی چیز کی فکر دامن گیر نہیں ہوتی۔" ۱۸۲

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مقالہ کو اپنی رضاجوئی کے لیے قبول فرمائے اور اسے میرے لیے اس دن زاد بنادے جس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ بلکہ صرف وہی شخص سرخرو ہو گا جو خدا کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہو گا۔

وما توفيقي الاّ بالله.

## حوالہ جات


1۔ الانبیاء: 22/21

2۔ النحل:16/3

3۔ الطنطاوی، محمّد سیّد، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم، دار نھضۃ مصر للطباعۃ والنشر والتوزیع العجالۃ القاہرۃ، 1998ء، 74/8

4۔ وہبہ بن مصطفی الزحیلی، ڈاکٹر، التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعۃ والمنہج، دارالفکر المعاصر، دمشق، 1418ھ، 88/14

5۔ حم السجدۃ: 11/41

6۔ الصّافات:37/1

7۔ المائدۃ: 5/3

8۔ ابن درید، محمّد بن الحسن، ابو بکر(م:321ھ)، جمہرۃ اللّغۃ، تحقیق: رمزی منیر البعلبکی، دارالعلم للملایین، بیروت،1987ء،1/60

9۔ الانبیاء: 21/92

10۔ احمد بن عبد الرحیم، شاہ ولی اللہ دہلویؒ(م:1176ھ)، حجۃ اللہ البالغۃ، محقق: السیّد السابق، دارالجیل، بیروت، لبنان،1426ھ/2005ء،1/159

11۔ الراغب اصفہانی، امام(م:502ھ)، المفردات فی غریب القرآن، محقق: صفوان عدنان الداودی، دارالقلم، بیروت،1/323

امام راغب اپنی کتاب "الذریعہ الی مکارم الشریعہ" میں لکھتے ہیں: الملّۃ القود إلی الطاعۃ والدین الانقیادلہ، وہما بالذات واحدٌ.(راغب اصفہانی، امام، الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ، دارالنشر، دارالسلام القاہرۃ، 2007ء، 1/160

12۔ الجرجانی، علی بن محمد بن علی الزین الشّریف(م:816ھ)، کتاب التعریفات، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان،1403ھ/1983ء،1/105

13۔ الخضیر، عبد الکریم بن عبد اللہ، شرح الموطا، کتاب العتق والولاء، باب میراث الولاد،146/30

14۔ الشوریٰ: 42/13

15۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء(م:774ھ)، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: محمّد حسین شمس الدین، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان،1419ھ،7/178

16۔ آلِ عمران:3/103

17۔ الانعام:6/153

18۔ یونس: 10/19

19۔ ابن مسکویہ، احمد بن محمّد، ابو علی(م:421ھ)، تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق، تحقیق: ابن الخطیب، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، س ن،1/22،23

20۔ الغزالی، محمّد بن محمّد، ابو حامد(م:505ھ)، احیاء علوم الدین، دارالمعرفۃ بیروت، لبنان، س ن،3/225،226

21۔ الانعام:6/38

22۔ المفردات فی غریب القرآن،1/86

23۔ النمل:18/27

24۔ "اِنَّ ہٰذِہٖ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً"(الانبیاء: 92/21)

25۔ "رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا أُمَّۃً مُّسْلِمَۃً"(البقرۃ:128/2)

26۔ "وَکَذَلِکَ جَعَلْنَاکُمْ أُمَّۃً وَسَطًا لِتَکُونُوا شُہَدَاء"(البقرۃ: 143/2)

27۔ "کُنْتُمْ خَیْرَ أُمَّۃٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"(آلِ عمران:110/3)

28۔ تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر)،81/2

29۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء (م:774ھ)، البدایۃ والنہایۃ، تحقیق: علی شیری، دارالفکر، 1407ھ/1986ء،171/4

30۔ ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت، امام(م:150ھ)، الفقہ الاکبر منسوب بامام اعظم، طبع مصر، س ن، ص:29

31۔ ابن الطقطقی، محمّد بن علی بن طباطبا(م: 709ھ)، الفخری فی آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ، تحقیق:عبدالقادر محمّد مایو، دارالقلم العربی، بیروت،1418ھ/1997ء،23/1

32۔ ابوالبقاء حنفی، ایوب بن موسی الحسینی(م:1094ھ)، الکلیات معجم فی المصطلحات والفروق اللغویہ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، س ن، فصل الاف والمیم، 186/1؛ نیز دیکھیے۔ ابن عابدین، محمّد امین بن عمر بن عبدالعزیز(م:1252ھ)، ردّالمحتار علی الدّر المختار، دارالفکر، بیروت،1412ھ/1992ء،15/4

33۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمّد(م:808ھ)، دیوان المبتداء والخبر فی تاریخ العرب، دارالفکر، بیروت، 1408ھ/1988ء،239/1

34۔ ارشادِ ربّانی ہے:"إِنِ الْحُکْمُ إِلَّا لِلہِ " (یوسف: 40/12)

35۔ الغزالی، محمّد بن محمّد، ابوحامد(م:505ھ)، التبر المسبوک فی نصیحۃ الملوک، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1409ھ/1988ء،14/1

36۔ "إِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیفَۃً "(البقرۃ: 30/2)

37۔ آلوسی، محمود بن عبداللہ، شہاب الدین(م:1270ھ)، روح المعانی، تحقیق: علی عبدالباری عطیہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان،1415ھ،222/1

38۔ الحج:41/22

39۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز، ستمبر 2008ء، ص:357

40۔ محمّد بن ابراہیم الکنانی الشافعی، بدرالدین، ابوعبداللہ(م:733ھ)، تحریر الاحکام فی تدبیر اہل الاسلام، محقق: شیخ عبداللہ بن زید آل محمود، فؤاد عبدالمنعم احمد، دارالثقافۃ بقطر، 1408ھ/1988ء، 51/1؛ محمّد بن محمّد

بن الفہری، ابو بکر (م:520ھ)، سراج الملوک، من اوائل المطبوعات العربیہ بمصر، 1289ھ، 1/49

41۔ سراج الملوک، الباب الثامن عشر فی منزلۃ السلطان من القرآن، 1/61

42۔ تاریخ ابن خلدون، مقدمہ، الفصل الرابع والعشرون، 1/236

43۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ "اطیعوااللہ واطیعواالرسول"، 7138

44۔ شبلی نعمانی، سلیمان ندوی، سیّد، سیرت النّبیؐ، ادارہ اسلامیات کراچی، ستمبر 2002ء، 7/798

45۔ شعب الایمان، باب طاعۃ اولی الامر بفصولھا، فصل فی ذکر ما ورد من الشدید فی الظلم، مکتبہ الرشد، 1423ھ/2003ء، 7090

46۔ سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی الخلفاء، 2224

47۔ ایضاً، کتاب الفتن، باب ماجاء افضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر، 2174

48۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، منہج انقلابِ نبوی ﷺ، مرکزی انجمن خدّام القرآن، لاہور، 1989ء، ص:367

49۔ الحجرات:49/9

50۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النّبیُ ﷺ لاترجعوا بعدی کفاراً، 7077، 7078

51۔ ایضاً، ایضاً، باب اذا التقی المسلمان بسیفھما، 7083

52۔ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب قول الامام لاصحابہ اذھبوا بنا نصلح بینھم، 3962

53۔ ایضاً، ایضاً، باب ماجاء فی الاصلاح بین الناس اذا تفاسدوا، 2690

54۔ العینی، بدرالدین، محمود بن احمد (م: 855ھ)، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س ن، 13/27

55۔ الماوردی، علی بن محمّد بن محمّد، ابوالحسن (م:450ھ)، تسھیل النظر و تعجیل الظفر فی اخلاق الملک، تحقیق: محمّد ھلال السرحان و حسن الساعاتی، دارالفضۃ العربیۃ، بیروت، س ن، 1/168

56۔ محمّد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبوی ﷺ میں نظامِ حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، 1987ء، ص:13، 14

57۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی (م: 276ھ)، السنن، المکتبہ العصریہ، صیدا بیروت، س ن، کتاب الادب، باب فی التوضیع، 4895

58۔ احمد بن حنبل، ابو عبداللہ الشیبانی (م: 241ھ)، المسند، تحقیق: شعیب الارنوؤط، عادل مرشد، مؤسسۃ الرسالۃ، 1421ھ/2001ء، عن ابی ہریرۃ، 8061

59۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، 33، 34

60۔ ارشادِ ربّانی ہے۔ "وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ" (المطففین: 83/1)

61۔ البخاری، محمّد بن اسماعیل(م: 256ھ)، الادب المفرد بالتعلیقات، تحقیق: سمیر بن امین الزہیری، مکتبہ المعارف للنشر والتوزیع، الریاض، 1419ھ/1998ء؛ صحیح مسلم، کتاب المظالم والغصب، باب الظلم ظلمات یوم القیامۃ، 2447

62۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ "(المطففین: 83/1)

63۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الحکرۃ، 2153، 2154

64۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من غشّنا فلیس منّا، 101، 102

65۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب التغلیظ فی الربا، 2273، 2274، 2276

66۔ الادب المفرد، باب ماذکر فی المکر والخدیعۃ، 418

67۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیہ، 1411، 1412

68۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ماینھی عن التحاسد والتدابر، 6064؛ الحجرات: 49/12، 13

69۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الھجرۃ، 6073

70۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، 6114

71۔ الحجرات: 49/ 11

72۔ ارشادِ ربّانی ہے۔" لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ "(البقرۃ: 2/188)

73۔ الاسراء: 17/ 70

74۔ التّین: 95/4

75۔ البقرۃ: 2/30

76۔ الالبانی، محمّد ناصر الدّین، امام(م:1420ھ)، موسوعۃ الالبانی فی العقیدۃ، جماع ابواب صور من الغلو فی ذات النّبیؐ، باب ھل الرسولؐ نور، مرکز النعمان للبحوث والدراسات الاسلامیہ و تحقیق التراث، الیمن، 1431ھ/2010ء، 8/310

77۔ صحیح مسلم، کتاب البر، باب تراحم المؤمنین، 6589

78۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب تشبیک الاصابع فی المسجد، 481؛ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تراحم المؤمنین، 6589

79۔ خورشید احمد، پروفیسر، نفاذ شریعت، اہمیت اور اقدامات، ترجمان القرآن، دسمبر 2015ء، صفحہ 14

80۔ غلام حسین ذوالفقار، پاکستان تصوّر سے حقیقت تک۔ علّامہ اقبال اور قائد اعظم جناح کیافکار و فرمودات کی روشنی میں، ص:347

81۔ ایضاً، ص:353

82۔ ایضاً، ص:354

83۔ ایضاً، ص:358

84۔ ایضاً، ص:309

85۔ ایضاً، ص:370

86۔ خورشید احمد، پروفیسر، کرپشن کے خلاف جہاد وقت کی ضرورت، ترجمان القرآن، مارچ2016ء، ص:106

87۔ عامر جمیل، سیاسی جماعتیں، تبدیلی اور نظم وضبط، روزنامہ جنگ، 15/8/2012

88۔ صفدر محمود، ڈاکٹر، دعوے اور حقیقت، روزنامہ جنگ، 15اپریل 2016ء، ص:9

89۔ انصار عباسی، کالم، روزنامہ جنگ، 3مارچ2016ء

90۔ خورشید احمد، پروفیسر، پاکستان کی بازیافت اور تعمیرِ نو کا تاریخی موقع، ترجمان القرآن، مئی 2013ء، ص:13

91۔ شعب الایمان، باب حسن الخلق، فصل فی ترک الغضب۔۔۔، 8050

92۔ ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، 1379، 7/151

93۔ الوزیر المغربی، حسین بن علی(م: 418ھ)، رسالۃ ضمن "مجموع فی السیاسیہ"، مؤسسۃ شباب الجامعہ الاسکندریہ، س ن، 1/49

94۔ ابن زنجویہ، حمید بن مخلد(م:251ھ)، الاموال، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیۃ، السعودیہ، 1406ھ/1986ء، باب مایجب علی الامام من النصیحۃ لرعیتہ، 32

95۔ عبد الستار، مولانا، "Nazm o Zabt" 17/4/2015 Fahmedeen.org

96۔ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، 1387ھ، 2/363

97۔ احمد عجاج کرمی، الادارۃ فی عصر الرسول ﷺ، دار السلام، القاہرۃ، 1427ھ، 1/71

98۔ تاریخ الرسل والملوک، 2/363

99۔ امام غزالیؒ نے حکام کیلیے سب سے پہلے ایمان ہی کی تلقین فرمائی "ابتداء قاعدۃ الإعتقاد الّذی ہو اصل الإیمان انّک مخلوق وہو خالق". (غزالی، محمّد بن محمّد، أبو حامد(م:505ھ)، التبر المسبوک فی نصیحۃ الملوک، دار الکتب العلمیۃ وبیروت، لبنان، 1409ھ، 1/91؛ الوزیر المغربی لکھتے ہیں: "فأوّل سیاست الملک لنفسہ استعمال تقوی اللہ تعالی". (السیاسیۃ: 1/45)

100۔ الحج:22/78

101۔ نعیم صدیقی، اسلام کی حکمتِ تعلیم وتربیت، ترجمان القرآن، مئی 2006ء، ص:
102۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب النھی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ۔۔۔، 1715
103۔ البقرۃ: 2/256
104۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل من یقول بالقرآن۔۔، 817
105۔ خورشید احمد، پروفیسر، رمضان، قرآن کریم اور ہماری ذمہ داری، ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، جون 2015ء، ص:17، 18
106۔ پاکستان تصوّر سے حقیقت تک، ص:357
107۔ مودودیؒ، ابوالاعلیٰ، سیّد، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ستمبر 2008ء، ص:305
108۔ سنن ترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی الامام العادل، 1329
109۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ لامام مالم تکن معصیۃ، 7144؛ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء، 1839
110۔ سیرت النبی ﷺ، 7/824
111۔ السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الرّاعی والرّعیۃ، 1/106
112۔ البدایۃ والنہایۃ، 5/15
113۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، باب اقامۃ الصفوف، 994؛ باب من یستحب ان یلی الامام، 976
114۔ النباء: 78/10
115۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب مایکرہ من السمر بعد العشاء، 599
116۔ یونس: 10/22
117۔ الزمر: 39/302
118۔ السیاسۃ الشرعیۃ، 1/105
119۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل، 1829
120۔ السیاسۃ الشرعیۃ، 1/12
121۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب صلاۃ الامام ودعاءہٗ لصاحب الصدقۃ، 1497
122۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل غفار واسلم۔۔۔، 2523
123۔ ایضاً، 2525
124۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ، 1415

125۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحۃ، 95؛ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب قول النّبی ﷺ الدّین النّصیحۃ، 57

126۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل۔۔۔، 142

127۔ گوہر رحمٰن، مولانا، اسلامی سیاست، ص:130، 131

128۔ النساء: 4/58

129۔ قرطبی، احمد بن محمد، الجامع لاحکام القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 2006ء، 6/423

130۔ محمّد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارہ معارف کراچی، 2005ء، 2/446

131۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب رفع الامانۃ، 6496

132۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، البدور البازغۃ، ترجمہ قاضی مجیب الرحمن، اسلام آباد، 1981 صفحہ 202

133۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب ھدایا العمّال، 7174

134۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من غشّنا فلیس منّا، 101، 102

135۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل استقبال القبلۃ، 391

136۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصّلۃ، باب تحریم الظلم، 2564

137۔ تاریخ ابن خلدون، مقدمۃ، باب حفظ الدّین وسیاسۃ الدّنیا، 1/238، 239؛ الماوردی، علی بن محمّد، ابوالحسن (م:450ھ)، الاحکام السلطانیۃ، دارالحدیث القاہرۃ، س ن، 1/40؛ تسھیل النظر و تعجیل الظفر فی اخلاق الملک، 1/168؛ الفراء، قاضی ابو یعلی، محمد بن الحسین (م: 458ھ)، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1421ھ، 1/27، 28

138۔ الذٰریات: 51/19

139۔ حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظامِ حکومت، مکتبہ الحسن، لاہور، س ن، ص:402

140۔ ابن سعد، محمّد بن سعد بن منیع الزہری (م:230ھ)، الطبقات الکبری، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1990ء 1/189

141۔ ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام (م:213ھ)، السیرۃ النبویۃ، شرکۃ مکتبہ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر، 1955ء، 1/614، 615؛ الطبقات الکبری، 2/10

142۔ ایضاً، 1/620؛ الطبقات الکبری، 2/10، 11

143۔ الطبقات الکبری، 2/15

144۔ السیرۃ النبویّۃ، 2/63

145۔ جامع ترمذی، ابواب الجہاد، باب ماجاء فی المشورۃ، 1714
146۔ آلِ عمران: 3/96
147۔ البقرۃ: 2/126
148۔ اسلام کا نظامِ حکومت، ص: 425
149۔ شعب الایمان، باب الصلاۃ، 2548
150۔ صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل مما یلیہ، 5377
151۔ سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی التثاؤب، 50261
152۔ فتح الباری، کتاب الادب، باب اذا تثاءب، 10/613
153۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الاقتصاد فی الاکل وکراھۃ الشبع، 3350
154۔ البخاری، محمّد بن اسماعیل (م: 256ھ)، الادب المفرد بالتعلیقات، مکتبہ المعارف للنشر والتوزیع، 1419ھ، باب یجلس الرجل حیث انتھی، 1141
155۔ سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الجلوس فی الطرقات، 4815
156۔ تقی عثمانی، محمّد، مولانا، ذکر و فکر، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، فروری 2006ء، ص: 137، 138
157۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب امر النبی ﷺ بالسّکینۃ عند الافاضۃ واشارتہ الیہ بالسّوط، 1671
158۔ صحیح مسلم، کتاب الصّلاۃ، باب استحباب اتیان الصلوٰۃ بوقار وسکینۃ، 243
159۔ الصّف: 61/4
160۔ البدایۃ والنہایۃ، 3/271
161۔ الکتانی، عبد الحیٔ، نظام الحکومۃ النبویۃ المسمّٰی بہ التراتیب الاداریہ، دار احیاء التراث العربی، س ن، 1/129
162۔ ایضاً، 1/125
163۔ ایضاً، 1/125، 2/242؛ ڈاکٹر محمّد حمید اللہ ان احادیث کے متعلق لکھتے ہیں: "اگرچہ اوپر کی تینوں باتیں مجھے صحیح حدیثوں میں نہیں ملیں لیکن یہ ناممکن یا غیر معقول چیزیں نہیں ہیں"۔ (عہد نبوی ﷺ میں نظامِ حکمرانی، ص: 252)
164۔ سنن ابو داؤد، کتاب الطب، باب الرجل یتداوی، 458
165۔ المائدۃ: 5/105
166۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ وسننھا، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء وکراھیۃ التقویٰ فیہ، ص: 425
167۔ الحدید: 57/25

168۔ سیرت النبی ﷺ، 7/739

169۔ محمّد بن علی بن الحسن القلعی، ابو عبد اللہ، تہذیب الرّیاسۃ وترتیب السّیاسۃ، تحقیق: ابراہیم یوسف مصلغ، مکتبہ انمار الاردن، 1/95

امام الحرمین نے یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ امام الحرمین، عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی (م:478ھ)، الغیاثی غیاث الامم فی التیاث الظلم، تحقیق: عبد العظیم الدیب، مکتبۃ امام الحرمین، 1401ھ، 1/24؛ جبکہ سراج الملوک کے مؤلف نے اسی قول کی نسبت صیغہ مجہول کے ساتھ نبی اکرمؐ کی جانب کی ہے۔ دیکھیے۔ سراج الملوک، الباب الثامن عشر، فی منزلۃ السلطان من القرآن، 1/61

170۔ اسلامی سیاست، ص:135

171۔ الحاکم، محمد بن عبد اللہ (م:405ھ)، معرفۃ علوم الحدیث، محقق: السید معظم حسین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1397ھ/1977ء، 1/139

172۔ المائدۃ: 5/38

173۔ النور:24/2

174۔ خورشید احمد، پروفیسر، حدود اللہ کے خلاف اعلانِ جنگ، عالمی ترجمان القرآن، دسمبر 2006ء، ص:15

175۔ ردّ المختار علی الدر المختار، 4/31

176۔ البقرۃ: 2/179

177۔ حدود اللہ کے خلاف اعلانِ جنگ، عالمی ترجمان القرآن، دسمبر 2006ء، ص:24

178۔ مناظر احسن گیلانی، مقالات احسانی، ص:62، 63 بحوالہ ترجمان القرآن، دسمبر 2006، ص:11

179۔ سعید احمد اکبر آبادی، مسلمانوں کا عروج وزوال، ادارہ اسلامیات انار کلی، لاہور، اپریل 1983ء، ص:365

180۔ خورشید احمد، پروفیسر، نفاذِ شریعت، اہمیت اور اقدامات، عالمی ترجمان القرآن، دسمبر 2015ء، ص:29، 30

181۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع، 6787، 6788

182۔ یوسف القرضاوی، علّامہ، غلبۂ اسلام کی بشارتیں، عالمی ترجمان القرآن، جولائی 2004ء، ص:62

# [[016]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

سارہ نور
طالبہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی
یونیورسٹی اسلام آباد-پاکستان

نظم وضبط ایک منظم، شعوری اور دائمی عمل ہے جو اہتمام اور تسلسل کا مطالبہ کرتا ہے، جو کسی بھی خاص مقصد اور غرض کے پیچھے عمل پیرا ہو، جیسا کہ یہ نظم وضبط اور انصرام ہمیں کائنات میں نظر آتا ہے جو انسان کے لئے لمحہ فکر و عمل ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک منظم، کامل اور متوازن نظام بنایا ہے جس میں کسی قسم کا تضاد اور اختلاف نہیں پایا جاتا۔ کائنات کے بہت بڑے اجسام سے لے کر اس کے چھوٹے سے ذرے "ایٹم" تک تمام موجودات میں نظم و ضبط کا خیال رکھا گیا ہے۔ دُنیا کی تمام موجودات اسی معمولی ذرّے سے تشکیل پاتی ہیں۔ کائنات کا عالیشان محل نظم و ضبط کی بنیاد ہی پر قائم ہے۔ کائنات پہ ایک طائرانہ سی نظر ڈالیں تو آشکار ہو گا کہ اس لا متناہی اور بیکراں وسعتوں کی حامل کائنات کتنے سلیقے طریقے سے بنائی گئی، نہ موسموں میں موسم مدغم ہوئے، نہ دن میں رات ہوئی، نہ ستاروں کی جگہ چاند نے لی اور نہ خار کی جگہ پھول اُگ سکے مگر ہم نے کبھی سوچا کہ اس کائنات کی تکوین و تخلیق میں ایسا کیونکر ممکن ہو سکا کہ اتنے بڑے نظامِ شمسی اور نظامِ ارض کے ستارے، سیارے، سورج، چاند، نباتات وجمادات، پانی اور ہوا قدرت کے اسیر نظر آتے ہیں جس کی بنا پہ ہواؤں کی جولانی ہو یا ندی اور آبشاروں کی روانی، دریاؤں کی طغیانی ہو یا پہاڑوں کی آتش فشانی سب میں نظامِ قدرت کا ایک نظم وضبط کار فرما نظر آتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ () ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ﴾[1]

"جس نے تہ بر تہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی"۔

## نظم وضبط کا معنی ومفہوم

### نظم کا معنی ومفہوم

وہ چیزیں یا عمل جس میں تنظیم وترتیب اور تنسیق پایا جاتا ہو، سلیقہ مندی اور ربط وضبط کا خیال رکھا گیا ہو تو کہا

جاتا ہے کہ اس میں نظم وضبط ہے۔ اسی طرح نظم اس دھاگے کو بھی کہا جاتا ہے جس میں موتیوں کو ایک لڑی میں ترتیب سے پرو دیا گیا ہو، علامہ زبیدی رقمطراز ہیں:

"كُلُّ خَيْطٍ يُنْظَمُ بِهِ لُؤْلُؤٌ ونَحْوُه " [2]

اسی طرح بے ترتیب اشیاء، الفاظ یا اشخاص یا دیگر چیزوں میں نظم وضبط پیدا کرنا بھی نظم کہلاتا ہے۔ جیسا کہ معجم اللغہ میں ہے:

"نظم ينظم نظما ونظاما، فهو ناظم- نظم الأشياء: ألفها وضم بعضها إلى بعض في صورة مرتبة . نظم اللآلئ. نظم أمره: أقامه ورتبه . نظم شعرا: ألف كلاما موزونا مقفى" [3]

لفظ نظم کے مذکورہ مفہوم کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں ایک لڑی میں پرونا یا کئی اشیاء کو ایک ترتیب سے سجا دینا، معنوی لحاظ سے نظم کا مطلب یہ ہے کہ چند بے ترتیب اشیاء، الفاظ یا اشخاص کو ایک لڑی یا سلسلے میں اس طرح ترتیب دینا کہ وہ اشیاء، الفاظ یا اشخاص ایک دوسرے سے مکمل ہم آہنگ ہو جائیں اور ان کے ملاپ سے کوئی نہ کوئی نتیجہ یا مفہوم ظاہر ہو۔ اس طرح مرتب ومنسق اور منظم کام کو عظیم کام کہا جاتا ہے، امام زمخشری رقمطراز ہے:

" وتقول: هذه أمور عظام، لو كان لها نظام"[4]

اور جب اس میں ترتیب وتنظیم کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو تو کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی نظام نہیں ہے۔

ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں:

" ليس لأمره نِظامٌ أي لا تستقيم طريقتُه"[5]

"اس کے کام کا کوئی نظام نہیں یعنی اس کا طریقہ کار درست نہیں"

**اصطلاحی مفہوم**

ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں:

" وكلُّ شيء قَرَنْتَه بآخر أو ضَمَمْتَ بعضَه إلى بعض فقد نَظَمْتَه "[6]

"ہر چیز جسے آپ نے کسی اور چیز سے ملایا اور ترتیب دیا تو کہا جائے گا کہ آپ نے اسے منظم کر دیا"۔

پس اصطلاح میں نظم سے مراد ترتیب اور اتحاد کے ہیں یعنی، عوام النّاس کو ایک پلیٹ فارم یا نظریے پر اس طرح متحد کرنا کہ ان کے درمیان ہم آہنگی اور ارتباط قائم رہے۔

**ضبط کا معنی ومفہوم**

"ضبط يضبط ضبطا، ضبط القائد نظام الجيش، ضبط العمل: أحكمه وأتقنه،

ضبطه: حفظه بالحزم، ضبط الكتاب: صححه وشكله، ضبطه: لزمه . ضبطه: قهره وقوي عليه"[7]

"المعجم الرائد میں ضبط کے کئی معنی بیان ہوئے ہیں: مرتب کرنا، ترتیب دینا، کمانڈر کا لشکر کو منظم کرنا، محکم اور مضبوط کام کرنا، ذہن میں محفوظ کرنا، الفاظ کی تشکیل اور اعراب، کسی کے ساتھ لگ جانا اور لزوم اختیار کرنا، زور آور اور قوی ہونا"

**اصطلاحی مفہوم**

عموماً ضبط تحمل اور برداشت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لیکن درحقیقت یہ ایک وسیع المعنی لفظ ہے جس کے معنی قابو، پابندی، قرق اور نگہبانی کے بھی ہوتے ہیں[8]

ان تعریفات کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ نظم وضبط کسی چیز کے انتہائی اہتمام اور انتظام وانصرام کو کہتے ہیں، جیسا کہ اوپر ضبط کے معانی میں سے ایک معنی لزوم کا بھی گزرا ہے، ابو منصور ازہری کہتے ہیں:

"الضَّبْطُ: لُزُوْمُ شَيْءٍ لا تُفَارِقُه "[9]

"یعنی کسی چیز کو لازم پکڑنا جو چھوٹنے نہ پائے"

**کائنات اور نظم وضبط**

کائنات کا یہ مربوط اور منظم نظام جس کا ہر جزء اپنے اپنے دائرہ کار میں مصروف عمل ہے، حضرتِ انسان کے لئے تنظیم کے طریقوں کے رہنما خطوط فراہم کرتا ہے۔ قرآن حکیم اس منظر کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾[10]۔

"اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ۔ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾[11]

"اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں، یہاں تک کہ وہ لوٹ کر کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے، اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں"۔

ربِ کائنات نظامِ کائنات کی نگہداشت کر رہا ہے اور کسی بھی لمحہ اس سے غافل نہیں ہوتا، کیونکہ اسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ، فرمایا:

﴿اللّٰهُ لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْم لَا تَأْخُذُه سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾ (12)

"اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے، جسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند"

لہذا یہاں انسان کو دعوتِ فکر ہے کہ وہ اپنے معاملات اور ریاستی امور کی نگہداشت اور نظم و ضبط پر نظر رکھے، تاکہ اس تصور سے انسان مستفید ہو اور اپنے امور کو منظم کر سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو ایک کامل نظام کے ساتھ دنیا میں بھیجا تاکہ انسانوں کی فلاح اور بہبود کو یقینی بنائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ (13)

"وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ ناگوار ہو"۔

ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے نظامِ حق کو نہ صرف نافذ کیا بلکہ معاملاتِ ریاست کو چلانے کے لئے ایک منظم اجتماعی اور شورائی طریقہ کار اختیار کیا تاکہ ریاستی نظم و نسق کی بہتری میں کوئی کسر باقی نہ رہے اور سماج کے مسائل کا حل ان کے بہترین دماغ کو کام میں لا کر کیا جا سکے۔

## نظم وضبط کی اہمیت

اسلام زندگی میں نظم وضبط پر انتہائی زور دیتا ہے، اس کا اندازہ پانچ وقت کی نمازوں، سالانہ ایک مہینے کے روزوں کے تربیتی پروگرام، حج کے روح پرور منظم اجتماعات سے لگایا جا سکتا ہے، کہ تمام شرکاء ایک ہی قائد کی قیادت میں نظم وضبط پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ لہذا یہ تمام مہمّات عوام الناس کو نظم ضبط کا پابند بنانے کے لئے اہم دعوتی مواقع ہیں۔

آج ہماری زندگی میں نظم وضبط کی انتہائی ضرورت ہے اور وقت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ مغربی اقوام ہم پر اس لئے سیاست اور حکومت کرتے ہیں کہ ان میں نظم وضبط ہے جبکہ ہم منتشر ہیں۔ لہٰذا نہ صرف شرعی لحاظ سے بلکہ دنیاوی لحاظ سے نظم وضبط ہماری ضرورت ہے۔ بلکہ نظم وضبط کو مشکلات کا حل اور کامیابی کی کلید بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ علامہ اقبال نے اس کلید کی نشاندہی کی ہے:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں (14)

لہٰذا مسلمان ملت کی شیرازہ بندی کا علاج نظم وضبط ہے کہ وہ موج دریا بن کر امتِ اسلامیہ کی قوت میں اضافہ کرے۔

## نظم کی قسمیں

نظم کی دو قسمیں ہیں نظمِ اداری اور نظم شرعی، پھر نظم اداری کی دو قسمیں ہیں: وہ نظمِ اداری جس سے امور ریاست کی ترتیب و تنظیم ہو اور شریعت کے مخالف نہ ہو وہ جائز اور مباح ہے، خلفائے راشدین نے اس سے کام لیا ہے اور امور سلطنت میں اس سے استفادہ کیا۔ اور جو نظمِ اداری مخالف شریعت ہو، اس کے ذریعے نہ استحکامِ ریاست ممکن ہے نہ اس کے ذریعے نظام ریاست چلانا جائز ہے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالی کے نظام کے مقابلے میں تمرد اور سرکشی ہے جیسا کہ العلامہ الشنقیطی رقمطراز ہیں:

"وَأَمَّا النِّظَامُ الشَّرْعِيّ الْمُخَالف لتشريع--- فَتَحْكِيمُ هَذَا النَّوْعِ مِنَ النِّظَامِ فِي أَنْفُسِ الْمُجْتَمَعِ وَأَمْوَالِهِمْ وَأَعْرَاضِهِمْ وَأَنْسَابِهِمْ وَعُقُولِهِمْ وَأَدْيَانِهِمْ كُفْرٌ بخالق السَّمَوَات وَالْأَرْضِ، وَتَمَرُّدٌ عَلَى نِظَامِ السَّمَاءِ الَّذِي وَضَعَهُ مَنْ خَلَقَ الْخَلَائِقَ كُلَّهَا وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَصَالِحِهَا سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَنْ أَنْ يَكُونَ مَعَهُ مُشَرِّعٌ آخَرُ عُلُوًّا كَبِيرًا"[15]

"لیکن اسلام کی خوبی یہ ہے کہ دین وسیاست کی یکجائی اور حسین امتزاج سے ایک منظم اور مستحکم معاشرے کی تشکیل پر زور دیتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا قائم کردہ منظم معاشرہ اس کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جس نے مختلف الخیال اور مزاج افرادِ معاشرہ میں ہم آہنگی وہم رکابی پیدا کر کے امن وسکون کی دنیا بسائی اور قانون وحکومت کی عملداری ممکن بنائی"

## خصوصیاتِ نظم و ضبط

آج کل دنیا میں مختلف نظریات پر مبنی ریاستیں پائی جاتی ہیں، ان میں ہر ایک نظام کے خاص اغراض ومقاصد ہوتے ہیں، جس کے حصول کے لئے وہ مربوط کوششیں بروئے کار لاتی ہیں، ہم ایک نظریاتی ریاست میں رہتے ہیں، اس کے بھی کچھ اہداف اور مقاصد مقرر ہونے چاہئیں تاکہ اجتماعی طور پر اس کے حصول کے لئے کوششیں منظم کی جا سکیں، ان کا مختصر تذکرہ یوں ہو سکتا ہے:

- **مقصد کا تعین**

عوام النّاس کو نظم و ضبط کے لئے مقصد کا تعین ضروری ہے۔ جب تک کوئی ہدف یا مقصد نہ ہو نظم قائم نہیں ہو سکتا۔ خواہ ایک گھر کا نظم و ضبط قائم کرنا ہی کیوں نہ ہو، ان کے افراد میں امن و سکون کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے ایسا کرنا ازحد ضروری ہے۔ اسی طرح کسی تعلیمی ادارہ کا قیام ہو یا کسی کارخانے یا ہسپتال وغیرہ کا قیام، علیٰ ہٰذا القیاس جو بھی نظم و ضبط قائم کیا جاتا ہے اُس کی پہلی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی مقصد کے حصول کے لئے قائم ہوتا ہے۔ تاکہ ایک منظم تحریک کے ذریعے اس کو حاصل کیا جا سکے۔

- **مستقل مزاجی**

ایک نظریاتی ریاست کے ناتے ہماری نظم و ضبط کی ایک خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ اس کے پروگرام میں استقلال ہو۔ کیونکہ یہ کوئی عارضی یا وقتی عمل نہیں ہے بلکہ اس کو پائیدار اور طویل مدتی منصوبہ بندی پر قائم کیا جانا چاہئے، جس میں تسلسل بھی ہو تاکہ تمام کوششیں نتیجہ خیز ہو سکیں اور بعد میں آنے والے ان تحقیقات سے استفادہ کریں اور یہی انسانیت کی ترقی کا راز ہے۔

- **مختلف صلاحیتوں کا امتزاج**

کسی بہترین نظم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں افراد کی مختلف صلاحیتوں کا امتزاج ہو اور مختلف ماہرینِ فن اس میں شامل ہوں تاکہ ان کی صلاحیتوں کے ذریعے مقصد کے حصول کو کامیاب بنایا جاسکے، جو انفرادی طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً اگر ایک ہسپتال قائم کیا جاتا ہے تو کچھ طبیب دل کے ماہر ہیں، کچھ دماغ کے ماہر ہیں اور کچھ ہڈیوں کے ماہر ہیں، یہ سب مل کر پورے جسم کے علاج کی سہولت مہیا کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک مدرسہ قائم کیا جاتا ہے تو مختلف علوم کے ماہر اساتذہ اکٹھے ہو کر جامع تعلیم دینے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

- **ڈھانچہ**

نظم و ضبط کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک مخصوص ڈھانچہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص کو اس نظم میں اپنے مقام کا پتہ ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس کے فرائض، حقوق اور اختیارات کیا ہیں؟ کن افراد کے کام کی ذمہ داری اس کے اُوپر ہے اور وہ خود کس کو جوابدہ ہے اور اس کا ذیلی و بالائی نظم کیا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال یونیورسٹی کا ڈھانچہ ہے۔ سب سے اعلیٰ عہدہ وی سی / ریکٹر، پھر ڈائریکٹر جنرل / رجسٹرار، پھر مختلف شعبوں کے ڈین، پھر ہیڈز آف ڈیپارٹمنٹ، پھر اُن کا ماتحت عملہ [16]۔

- **ربط و تسلسل**

نظم وضبط کے تمام افراد اور ادراوں کے اعمال میں ربط اور تسلسل انتہائی ضروری ہے، جس کے بارے میں حسن بن محمد رقمطراز ہیں:

"یہ ایک مسلسل عمل ہے جو ہدف کے تعین سے شروع ہوتا ہے اور تحقیق پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔ یہ انفرادی کام نہیں ہے بلکہ یہ ایک ادارہ کے کرنے اور نافذ کرنے والا قابلِ توجہ، لائق تعاون ایک منظم کام اور مرشد و مطیع کے درمیان مضبوط تعلق کا نام ہے"[17]۔

**ریاستی استحکام اور نظم وضبط کی اہمیت**

جس طرح یہ بات طے شدہ ہے کہ جس ریاست کے افراد میں نظم وضبط نہ ہو اور باہمی انتشار کا شکار ہو تو وہ باطل قوتوں کی سازشوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی، بلکہ باطل سازشوں کا شکار ہو کر صفحہ ہستی سے جلد ہی مٹ جاتی ہے۔ مقابلۃً جن ریاستوں کے افراد نظم وضبط کے پابند اور باہم متحد ہوں، وہ باطل قوتوں کی تمام تر سازشوں کے باوجود ختم

نہیں ہوتیں۔ اس سلسلے میں امتِ مسلمہ کے لئے اللہ تعالی کا پیغام یہ ہے:

﴿ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا--- ﴾[18]

"سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے"۔

عصر حاضر میں عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے اور اُن کے نظم کو برقرار رکھنے کے لئے ناگزیر ہے کہ قرآن وسنت کی واضح تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کو آسان بنا دیا جائے تاکہ یہ قوم امن و جنگ ہر حال میں باطل کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ ﴾[19]

"اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"۔

آج ہمیں نظم وضبط کی بے حد ضرورت ہے کیونکہ ترقی یافتہ ممالک نے دنیا میں امن و سلامتی کو مشکل بنا دیا ہے۔ اس کو ممکن بنانے کے لئے نظم وضبط ناگزیر ہے۔ ان کا مقابلہ اجتماعیت اور اسلام کے جامع نظام ہی سے ممکن ہے۔ جس کے بارے میں نصر بن محمد رقمطراز ہے:

"يقدم الإسلام للإنسان نظاماً اجتماعياً متكاملاً، يضم في تناسق تام المصلحة العامة والمصلحة الخاصة، الدينية والدنيوية، ويرفض رفضاً باتاً الفصل بين الدنيا والدين، وبالتالى فلا يقبل المنهج الغربي العصراني (العلماني). ويستمد الإسلام هذا المنهج في عصر النبوة، حيث كان رسولنا الكريم نبيا وحاكماً لأول دولة إسلامية أسسها في المدينة المنورة، وكتب لها دستورها الذي تضمن تنظيماً دقيقاً لكل ما احتاجته من مؤسسات وقوانين عُرفت في كتب السيرة بصحيفة المدينة "[20]

"اسلام نے انسانوں کے لئے ایک کامل اجتماعی نظام فراہم کیا ہے، جس میں خاص اور عام مقاصد (دینی، دنیوی) دونوں کو شامل کر کے منظم کیا ہے۔ اور دین و دنیا میں انفصال کو مکمل رد کرتا ہے، اور ساتھ مغربی سکولر منہج کو بھی قبول نہیں کرتا، اور اس دستور کو اسلام نے عصرِ نبوی میں ہی متعارف کرایا تھا گویا ہمارے نبی ﷺ بیک وقت نبی اور حاکم تھے، جنہوں نے مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کی تاسیس کی تھی، اور اس کا ایک لکھا ہوا دستور بنایا تھا جو ہر طرح منظم اور ہر اس چیز کو شامل کیا تھا جس کی ضرورت تھی مثلاً ادارے اور قوانین جو کتب سیرت میں صحیفہ مدینہ کے نام سے معروف ہے"

## ریاست میں عوام الناس کا اصولِ نظم وضبط

نظم وضبط سیکھنے اور سکھانے کی چیز ہے۔ کسی خاص نظام کا نظم وضبط سیکھنے کے لئے تربیت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ تربیتی پروگرام میں کسی فرد کو صحیح معنوں میں مفید شہری بنانے کے لئے مختلف تربیتی مرحلوں سے گزرا جاتا ہے۔ عوام الناس کو کن اصول وضوابط کے ذریعے نظم وضبط کا پابند بنایا جائے، اس مقالے میں اس کا جامع تذکرہ کیا جائے گا۔

## قانونِ شریعت کی اتباع

نظامِ کائنات انسان کے لئے نظم وضبط کی دعوتِ فکر دیتا ہے۔ اگر وہ قانونِ فطرت کے پابند ہیں، تو انسان قانونِ شریعت کے۔ فرائض کی ادائیگی میں تندہی، عمل میں مربوطی اور کارکردگی میں روز بروز اضافہ اور تسلسل انسانی زندگی کو خوش گوار بنادیتے ہیں۔ اسی طرح ہر کام میں نظم وضبط اور سلیقہ اس کے معیار اور رفتار میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ اور اس سے روگردانی اللہ کی رحمت سے دوری اور تنگی کا سبب ہوگا، اللہ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَه مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُه يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾[21]۔

" اور جو میرے " ذکر " (درس نصیحت) سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے "۔

اسلامی ریاست کی صورت میں ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم شعوری طور پر قانونِ الٰہی کی اتباع کو اختیار کریں، علامہ اقبال کے بقول:

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات　　مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند[22]

نظم وضبط کے قیام کے لئے قانون کا نفاذ ضروری ہے، اور اسلام میں قانون سے مراد ایک ضابطے کا نام ہے جو معاشرے میں توازن برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

"مغرب میں قانون اقتدار اعلیٰ کی منشاء کا نام ہے لیکن اسلامی ملکوں میں قانون خدا کی مرضی کا نام ہے"[23]

ہدایتِ ربانی اور قانونِ شریعت کے اتباع میں انسان خوف وحزن سے نجات پاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾[24]

"پس جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا "۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر نے حضرت ابن عباس ؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"فَلاَ يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا وَلاَ يَشْقَى فِي الْآخِرَةِ"[25] " نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوں گے اور نہ آخرت میں نامراد"

لہٰذا قانون شریعت کی اتباع میں نہ صرف آخرت کا بلکہ اس دنیا کا بھی فائدہ ہے اور وہ ہے ریاستی نظم وضبط، جس میں امن وسکون اور رزق کی فراوانی اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات پر عمل کرنے سے مشروط کر دیا ہے۔ ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْاَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾[26]

"اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انہیں حتیٰ کہ) وہ کھاتے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی"

قریشِ مکہ جس وقت انتشار اور بد نظمی کے شکار تھے، ان کو اللہ نے ان الفاظ میں امن کا احساس دلایا:

﴿ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴾[27]

"پس انہیں چاہیے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں، جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور ڈر (اور خوف) میں امن و امان دیا"

بائبل) احبار) کا بیان ہے:

"پس تم میرے احکام پر عمل کرنا اور میرے قوانین کو پوری طرح ماننا تو تم اس ملک میں امن کے ساتھ بسے رہو گے، تب زمین اپنی پیداوار دے گی اور تم پیٹ بھر کر کھاؤ گے اور وہاں محفوظ بسے رہو گے۔"[28]

## اجتماعیت کو فروغ دینا

ہم مسلمان ہیں اور ہماری ریاست اسلامی ہے، لیکن اس میں نظم وضبط کا فقدان ہے، اس کی عوام کے نظم وضبط کا ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے درسِ اجتماعیت اور ایک سوچ کو فروغ دینا۔ علامہ اقبال نے فرمایا:

ربط وضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر[29]

حقیقت یہ ہے کہ اقوامِ مشرق اس نسخہ کیمیاء سے بے خبر ہیں، لہذا اس کی احیاء امت مسلمہ کے انتشار کا علاج اور عصرِ حاضر کی اشد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو یہ کیمیائے سعادت دے کر بھیجا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ﴾[30]

"اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی"

ریاست اور اجتماعیت کے لئے اسلام کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے شحاتہ محمد لکھتے ہیں:

" أما فيما يتعلق بحياة الجماعة فالإسلام يغرسُ في النفس البشرية شعورها بمسؤلية الجماعة ويربط بين الناس في نطاق الجماعة والدولة، ويأمر كل فرد بمراعاة الصالح العام المشترك، فالصلاة في الإسلام تقام في جماعات وفي هذا ما يغرس الشعور بالنظام الجماعي في نفس الفرد الواحد "[31]

"وہ تعلیمات جس کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہے، پس اسلام ہی روح انسانی میں وہ احساسِ ذمہ داری پیدا کرتا ہے جو لوگوں کے درمیان اجتماعیت اور ریاست کی صورت میں تعلقات استوار کرنے کا حکم دیتا ہے اور ہر فرد کو اجتماعی بھلائی کا حکم دیتا ہے اور لوگوں کو آپس میں جوڑتا ہے۔ اسلام میں باجماعت نماز اداء کرنے سے فرد کے اندر اجتماعیت کا احساس پیدا ہوتا ہے"۔

اجتماعیت وہ گر اور وسیلہ ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالی کی مدد شاملِ حال رہتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

« يَدَ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ، فَإِنّ الشَّيْطَانَ مَعَ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ »[32]

"اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے، اور شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے جو جماعت سے علیحدہ ہوتا ہے"

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جماعت کے ساتھ ہونے میں کس قدر فائدہ ہے، کہ انسان شیطان اور شیطانی چیلوں کے حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالی کی پناہ میں آجاتا ہے۔

**حدود اللہ کا نفاذ**

ریاست میں نظم وضبط اور استحکام لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے شرعی حدود کے نفاذ کا حکم دیا ہے، اس سے نہ صرف یہ کہ اللہ راضی ہوتا ہے بلکہ اسلامی ریاست کے نظم وضبط پر کنٹرول کرنے میں بھی آسانی ہوتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ریاست اس کی نفاذ پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیں تاکہ ہر قسم کی خرابی اور دہشت گردی کا سدِ باب ہو۔ مختصر یہ کہ عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے شرعی توجیہات ازبس ضروری ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾[33]۔

"عقلمندو! قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اس کے باعث تم (قتل ناحق سے) رکو گے"۔

نظم وضبط کو تہ وبالا کرنے اور امن وچین تباہ کرنے اور خوف وہراس پھیلانے والے عناصر کے لئے اسلام میں سخت سزائیں مقرر ہیں، تاکہ معاشرتی امن وسکون قائم رہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا جَزٰؤُا الَّذِينَ يحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَيسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يقَتَّلُوْا اَوْ يصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَيدِيهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ ينْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَاب عَظِيم﴾[۳۱]

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی پر چڑھا دیے جائیں یا ان کی ایک طرف کے ہاتھ اور ایک طرف کے پاوں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے"۔

عصرِ حاضر میں اسلامی ریاستوں کے نظم وضبط میں خلل کی سب سے بڑی وجہ حدود اللہ کے نفاذ کا فقدان ہے۔ اگر اسلامی ریاست میں ان کا نفاذ یقینی بنایا جائے تو کافی حد تک شر وفساد اور دہشت گردی میں کمی آسکتی ہے اور نظم وضبط قائم ہو سکتا ہے۔

## عبادات اور نظم وضبط

اسلام میں نظامِ عبادات انتظامی استحکام کا وہ زبردست ذریعہ ہے کہ جس کا تصور کسی اور مذہب میں نہیں کیاجاسکتا۔ تصور کیجئے پانچ وقت کی نمازوں، سالانہ ایک مہینے کے روزوں کا تربیتی ورکشاپ، حج کا منظم اور روح پرور اجتماع اوراس جیسے بہترین مہمات انتظامی استحکام اور عوام الناس کوایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے اہم دعوتی مواقع ہیں، لہذا ریاستِ پاکستان میں نظام عبادات کے فروغ کے ذریعے عوام الناس کی نظم وضبط پر توجہ دینی چاہئے۔ دین تو وحدت کا نام ہے اور وہ وحدت، وحدتِ تقویٰ ہے۔ یہ طبقاتیت ہمیں ایک ہونے نہیں دیتی۔ علامہ اقبال نے کیاخوب کہا:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز　　نہ کوئی بندہ رہانہ کوئی بندہ نواز
بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے　　تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے[34]

مثلاً اس روحانی نظم وضبط اور تربیت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلا فَاعْدِلُوا صُفُوفَكُمْ وَسُدُّوا خَلَلَ الصُّفُوفِ »[35]" خبردار! اپنی صفوں کو درست کرو اور صفوں کے درمیان خالی جگہ پُر کرو"

جبکہ دوسری روایت میں نظم وضبط کے اس پروگرام کو ان الفاظ کے ساتھ تاکید فرمائی ہے:

« أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثَلاَثًا، وَاللَّهِ لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ»[36]

"اپنی صفوں کو درست کرو یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی اور ساتھ قسم کھاکر فرمایا: تم اپنی صفوں کو درست کروگے، ورنہ اللہ تمہارے دلوں کے اندر مخالفت پیدا کرے گا"

عملی زندگی میں اس روحانی تربیت سے فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے ہماری زندگی میں ہمیں تباہی وبربادی دیکھنی پڑرہی ہے۔

## ریاست میں امتیازات کا خاتمہ

اسلام رنگ ونسل کے کسی امتیاز پر یقین نہیں رکھتا اور نہ مال وزر کو نظم وضبط کے راہ میں رکاوٹ بننے دیتا ہے۔ لہٰذا اولی الامر کو خاص طور پر اس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ریاست میں ہر قسم کے امتیازات کا خاتمہ کریں تاکہ نظم وضبط میں آسانی ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾[37]

"لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے

زیادہ پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے"۔

اور ظاہر ہے کہ یہ اصول نظم وضبط کے استحکام کے لئے انتہائی کار آمد اور ضروری ہے۔ رنگ ونسل اور دیگر امتیاز سے نظم وضبط کی کوششوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے فطرت کو جگایا ہے۔ آپ ﷺ نے اچھی طرح امت کو یوں سمجھایا:

« أَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيّ عَلَى أَعْجَمِيّ وَلاَ لِعَجَمِيّ عَلَى عَرَبِيّ وَلاَ لأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلاَ أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلاَّ بِالتَّقْوَى أَبَلَّغْتُ»[38]

صحابی ابو نضرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق میں ہم سے خطاب کیا اور فرمایا:

"اے لوگو! آگاہ رہو تمہارا رب ایک، تمہارا باپ ایک، خبر دار! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل مگر تقویٰ کی بنیاد پر"

**اسلامی اخوت کو فروغ دینا**

ایسا دین جس نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے، اس کی تعلیمات کے ذریعے اسلامی ریاست میں نظم وضبط، استحکام اور مضبوط بھائی چارہ قائم کرنا مشکل نہیں ہے، ایسی تعلیمات جو دیرپا اور اثر انگیز قوت رکھتی ہو، کسی قیمت پر بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، لہٰذا ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام الناس میں اخوتِ اسلامی کی بنیاد پر نظم وضبط پیدا کرنے کو غنیمت سمجھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾[39]

"مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ومعاون اور دوست ہیں، وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں"۔

رسول ﷺ نے اسلامی اخوت کو بنیانِ مرصوص سے تشبیہ دی ہے، فرمایا:

« إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ »[40]

"ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کے مانند ہے کہ ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے، آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر اشارہ فرمایا"۔

اسلامی اخوت کو جو قوت حاصل ہے وہ خونی رشتہ کو بھی نہیں۔ ایک مسلمان کا کسی غیر مسلم سے خونی رشتہ ہونے کے باوجود اس کی شہریت دوسرے غیر مسلم رشتہ دار سے الگ سمجھی گئی ہے۔ مسلمان ایک ہی برادری کے ارکان ہیں اور ان کے بنیادی انسانی حقوق میں بھی کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ وہ عقیدے کی بنیاد پر رشتہ اخوت میں پرو دیے گئے ہیں۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا　　نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی[41]

## فروغ اخلاق

اسلامی ریاست میں اجتماعی استحکام اور نظم وضبط کے قیام کے لئے بے حد ضروری ہے کہ نظامِ اخلاقیات کو عام کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں مسلسل پیغمبر بھیجے تاکہ پند ونصیحت کے ذریعے معاشرتی استحکام کو فروغ دیا جاسکے، کیونکہ اسلامی تعلیمات میں بڑے چھوٹے، آمر اور مامور کے آداب اور احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اگر ان کا احیاء ہو تو صالح معاشرہ وجود میں آئے گا، بصورت دیگر مصائب سے دوچار ہونا لازمی نتیجہ ہے، کیونکہ احکاماتِ الٰہی سے روگردانی کی وجہ سے انسان من مانی کی روش پر چل پڑتا ہے جو خرابی کی اصل جڑ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَه مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُه يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾[42]۔

"اور جو میرے "ذِکر" (درس نصیحت) سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے"۔

اسلام میں معاشرتی بہبود اور روحانی واخلاقی اقدار میں گہرا تعلق ہے۔ یہ اقدار انسان کو ایثار، قربانی اور بے لوث خدمتِ خلق پر آمادہ کرتی ہیں، جو روحانی خوشی کا سبب ہے۔ اس سلسلے میں انصار مدینہ کا ایثار تاریخ میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[43]۔

"اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں"

## خیر اور بھلائی کو فروغ دینا

اسلام خیر اور بھلائی کو فروغ دیتا ہے اور اس میں تعاون کی حوصلہ افضائی کرتا ہے کیونکہ اس سے معاشرے کو استحکام ملتا ہے، اس قسم کی دیرپا اور اجتماعی کوششیں ریاستی استحکام کے لئے درکار ہیں، لہٰذا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ عوام الناس میں اس فکر اور جذبے کو عام کرنے کے لئے ہر قسم کے وسائل کو استعمال میں لائیں، اور انفرادی کوششوں کو اجتماعی کاوشوں میں تبدیل کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[44]۔

" (اے لوگو جو ایمان لائے ہو) جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو"

ہمدردی وخیر خواہی انسانی فطرت کی طرف دعوت ہے اور خدا کے لئے ہمدردی وخیر خواہی تمام اعمال کا محرک اور اسلام کے بہترین اصولِ اخلاق میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

« اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله »[45]۔

"مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، پس اللہ تعالیٰ کو وہ شخص محبوب ہے جو اس کے مخلوق کے ساتھ بھلائی کرتا ہے"
جبکہ دوسری جگہ اس سے بھی واضح انداز میں یوں فرمایا ہے:
« خَيْرُالنَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ »[46]
"لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے"۔
ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ بذات خود بہت بڑا کارنامہ ہے اس میں ہر قسم کی بھلائی شامل ہے اور یہ انسان کے لئے صدقے کی حیثیت رکھتا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:
« كلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ »[47]۔ " ہر اچھی بات صدقہ ہے "

**امانتداری اور اہلیت کا فروغ**

امانت و دیانت عدلِ اجتماعی کے لئے ایک اہم عنصر ہے، عوام الناس کے نظم وضبط میں مدد و معاون اور استحکامِ معاشرہ کے لئے ضروری ہے۔ لہذا ریاستی بنیاد پر اہلیت کو مد نظر رکھا جائے اور موزوں اور امانت دار قیادت کو ذمہ داریاں دی جائے تاکہ مفاد عامہ میں بہتری لائی جائے۔ لہذا ریاست کے نگران اور اولی الامر کو حکم ہے کہ اہل افرادِ کار کا انتخاب کر کے اجتماعی کنٹرول اور نظم وضبط کا حصول ممکن بنائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا ﴾[48]
"بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچا دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو بیشک تمہیں نہایت اچھی نصیحت کرتا ہے بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے"۔
کیونکہ بد دیانتی معاشرے کے لئے موت ہے، آپ ﷺ نے اس حقیقت کی طرف مسلمانوں کو ان الفاظ میں متوجہ کیا ہے:
«فَإِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ . قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا قَالَ إِذَا وُسِّدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ»[49]۔
"حضرت ابوہریرہ τ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت ضائع ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا اس کا ضائع ہونا کس طرح ہے یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اِقتدار نا اہل کے سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو"

**عوام النّاس میں نظام الاوقات کی پابندی کا شعور اجاگر کرنا**

ضروریاتِ زندگی زیادہ اور وقت کم ہے لہذا کم وقت سے استفادہ اس صورت میں ممکن ہے کہ نظام الاوقات میں نظم وضبط کی پابندی کا خیال اور روز و شب کو ضرورتوں کے مطابق تقسیم کیا جائے، جو ریاست کی ذمہ داری ہے، کہ عوام الناس کی زندگی میں اس بنیاد کو مزید محکم بنایا جائے۔ حضرت علی ρ نے ایک مسلمان کو اپنی

زندگی اس انداز سے منظم کرنے کی نصیحت کی ہے:

"ایک مسلمان شخص کو اپنے روز و شب کے اوقات کے تین حصے بنانے چاہیئے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے، ایک حصہ معاش اور زندگی کے اخراجات حاصل کرنے کے لئے اور ایک حصہ ان نفسانی لذتوں کو حاصل کرنے کے لئے جن کے بغیر مادی زندگی میں چارہ نہیں ہے" (50)

مطلوبہ اہداف و مقاصد کو کیسے حاصل کیا جائے گا؟ جائزہ لینے کے بعد مستقبل کی پلاننگ کی جائے اور حتی المقدور اس پر کاربند رہنے کا عزم مصمم کیا جائے۔ یہ قلیل المدتی اور طویل المدتی دونوں بنیادوں پر بنایا جاسکتا ہے۔ ہفتے یا مہینے کے اختتام پر کارکردگی کا جائزہ لیا جائے اور نظم وضبط مد نظر رکھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کی مکمل کوشش کیجئے۔

## بنیادی شہری حقوق اور نظم وضبط

اسلامی ریاست میں یوتو شہریوں کو بہت سے بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

اَ) جان ومال کا تحفظ اور عزت وابرو کی حفاظت کا حق۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ (51)

"اور جس جان کو قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اسے ناحق قتل نہ کرنا"

ب) رائے کی آزادی، ضمیر کی آزادی اور تنقید کی آزادی کا حق۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﴾ (52) "دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے"

ج) نجی زندگی کے تحفظ کا حق۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا﴾ (53)

" اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو"

د) ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ (54)

" اللہ کو کسی کی بڑی بات کا ظاہر کرنا پسند نہیں مگر جس پر ظلم ہوا ہو "

ہ) نیکی اور بھلائی کے کام کے لئے اجتماع کی آزادی کا حق۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (55)

"تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے "

و) مذہبی دل آزاری سے تحفظ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (56)

"اور (اے ایمان لانے والو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں"

اسلامی ریاست کو اپنے شہریوں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہئے، کیونکہ جب ان میں اپنے حقوق کے تحفظ کا اطمینان حاصل ہو گا، اور ریاست میں حقوق اور واجبات کی ادائیگی کا متوازن نظام جاری وساری ہو گا تو شہری بھی ذمہ داری کے ساتھ واجبات کو ادا کرتے رہینگے اور یوں نظم وضبط قائم رہے گا۔ جس کی طرف ایک جامع حدیث میں یوں اشارہ کیا گیا ہے:

«كلكم راع وكلكم مسؤولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ راع عَلَى أهل بيته وهو مسؤولٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ راعيةٌ عَلَى بَيْتِ بعلها وولده وهي مسؤولةٌ عَنْهُمْ، وَالْعَبْدُ راع عَلَى مَالِ سيده وهو مسؤولٌ عَنْهُ، أَلا فَكُلُّكُمْ راع وَكُلُّكُمْ مسؤولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» (57)

"تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی راعیت کا ذمہ دار ہے، اور مرد اپنے گھر والوں کا راعی ہے اور وہ ان کا ذمہ دار ہے، عورت اپنے شوہر اور بیٹے کے گھر پر راعیہ ہے اور وہ ان کے لئے ذمہ دار ہے، اور غلام اپنے مالک کے مال کا راعی اور ذمہ دار ہے، پس خبردار تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور اس سے اس کی راعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا ہے"۔

**عدل وانصاف اور مساوات**

عدل وانصاف اور مساوات کا نظم وضبط سے بہت بڑا گہرہ تعلق ہے، جب عدل وانصاف ہو گا تو معاشرہ نظم وضبط کا گہورہ ہو گا۔ اسلام نے جن معاشرتی امور پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، ان میں ایک اعلی اخلاق وصف عدل وانصاف اور مساوات ہے، جس سے معاشرے کی امن وسلامتی وابستہ ہے، اور انبیاءؑ کو اس کے قیام کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (58)

"ہم نے اپنے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان عدل کر سکیں"

اور اہل ایمان کو بھی عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم ہے، خواہ معاملہ کسی جانی دشمنی سے ہی کیوں نہ ہو، فرمایا:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (59)

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ عدل چھوڑ دو عدل کیا کرو کہ یہ تقویٰ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبر دار ہے"

اسلام نے معاشرتی امن و سلامتی کو قائم کرنے کے لیے ایسا ضابطہ قائم کیا کہ باپ کا بدلہ بیٹے سے لینے کی بھی گنجائش باقی نہیں رکھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

« اَلَا لَایحْنِيْ وَالِد عَلَيْ وَلَدِه »[60]

"خبر دار باپ کا بدلہ بیٹے سے نہ لیا جائے"

معاشرے میں عدل وانصاف کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عادل اور منصف قاضی کے لئے آپ ﷺ نے عظیم الشان خوشخبری ان الفاظ میں سنائی ہے:

«اِنَّ الْمُقْسِطِينَ عَلَيْ مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَلَيْ يمِينَينِ الرَّحْمٰنُ الَّذِينَ يعْدِلُوْنَ فِي حُكمِهِمْ وَاَهْلِيهِمْ وَمَاوَلُّوْا»[61]

"عدل وانصاف کرنے والے لوگ اللہ کے نزدیک دائیں جانب نور کے منبروں (مسندوں) پر بیٹھے ہوئے ہونگے (یہ ان کا اعزاز ہے) کہ وہ قضاء کے معاملات اور لوگوں کے درمیان انصاف کیا کرتے تھے"

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور جو بھی اس کے حقوق کی پاسداری کا کام کرتا ہے اور جس سے ان کو عدل وانصاف ملے، اللہ تعالیٰ ایسے انصاف پسندوں سے محبت رکھتا ہے، کیونکہ عدل وانصاف سے انسانوں کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔ عدل وانصاف اور مساوات اس قدر اہم معاشرتی عامل ہیں کہ اس کا تذکرہ بائبل میں بھی آیا ہے:

"خداوند تمہارے خدا کے تمہیں دیے ہوئے ہر شہر میں اپنے ہر قبیلے کے لئے قاضی اور حاکم مقرر کر لو جو سچائی سے لوگوں کا انصاف کریں۔ تم انصاف کا خون نہ کرنا اور غیر جانبدار رہنا، تم رشوت نہ لینا کیونکہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے اور راست بازوں کی باتوں کو توڑ مروڑ ڈالتی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ انصاف پر قائم رہنا تاکہ تم جیتے رہو"[62]

بائبل میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے:

"تم خدا کا کلام سنو! خداوند فرماتا ہے کہ انصاف اور راست بازی کے کام کرو، مظلوم کو اس پر ظلم کرنے والے کے ہاتھ سے چھڑاو، بیگانہ، یتیم اور بیوہ کے ساتھ برا سلوک نہ کرو"[63]

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عدل وانصاف کے قیام کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾[64]

"بے شک اللہ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے"

جب اسلام کی دعوت بلند کی گئی تو انسانیت لفظ مساوات سے ناآشنا ہو چکی تھی، ایسے حالات میں دین اسلام آیا اور دنیا کے سامنے مساوات کا درس پیش کیا۔ اسلام نے مبدا و معاد اور موت و زندگی میں حقوق و فرائض کے باب میں قانون کے سامنے اور اللہ کے حضور اور دنیا و آخرت، غرض ہر جگہ ہر حیثیت سے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا اور واضح کیا کہ عمل صالح کے سوا فضیلت و امتیاز کا کوئی اور معیار نہیں، عزت و شرف اگر ہے تو ان کے لیے جو زیادہ متقی اور پاکباز ہو۔ ارشاد باری ہے: ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾[65]

اسلام نے مصنوعی امتیازات کا خاتمہ کیا اور انسانوں کو بتایا کہ جس طرح تم تخلیق کے اعتبار سے ایک ہو، اسی طرح تمہارے بنیادی انسانی ضروریات اور بنیادی حقوق مساوی ہیں۔ ان بنیادی انسانی حقوق کے بارے میں مساوات کا اعلان محمد مصطفیٰ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ان الفاظ میں فرمایا:

"اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر، سوائے تقویٰ کے"[66]

ڈاکٹر خالد علوی مرحوم لکھتے ہیں:

"یہ بات ذہن نشین رہے کہ جس مساوات انسانی کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس سے مراد ہے معاشرتی اور سیاسی حقوق کی مساوات، بنیادی انسانیت کی مساوات اور یہ ایسی مساوات ہے جو خود ساختہ امتیازات کو یکسر مٹا دے۔ ایسی مساوات نہیں جو غیر فطری اور ناممکن الحصول ہو۔ ایسی نہیں جس کے لیے انسانوں کی آزادی سلب کر لی جائے اور انہیں انسانیت سے نکال کر مشین یا حیوان بنا دیا جائے۔ اسلام سماجی، شہری اور سیاسی مساوات کی ضمانت دیتا ہے۔"[67]

اسلام نے قانون کی نظر میں سب کو برابر قرار دیا ہے کیونکہ اس سے معاشرے کا نظم و ضبط قائم رہتا ہے، بلکہ یہ تو الہامی تعلیمات کی خصوصیت ہے۔ اس سلسلے میں بائبل کا بیان ہے:

"اور اس وقت میں نے تمہارے قاضیوں کو یہ تاکید کی تھی کہ تم اپنے بھائیوں کے مقدمے سنا کرو اور انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو خواہ وہ معاملہ کسی آدمی سے، خواہ وہ اسرائیلی ہو یا کوئی پردیسی تعلق، انصاف کرتے وقت کسی کی طرفداری نہ کرنا۔"[68]

تاریخ انسان میں پہلی مرتبہ مساواتِ انسانی کا اتنا عظیم تصور عملی صورت میں ظاہر ہوا، جس سے ظلم کی راہوں کو مسدود کیا گیا اور امیر و فقیر یا غلام و آقا کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ وَمَنْ اَخْصِيَ عَبْدَهُ اَخْصَيْنَاهُ»[69]

"جو اپنے غلام کو قتل کرے گا اسے ہم قتل کریں گے، جو اس کی ناک تراشے گا اس کی ناک تراش لی جائیگی اور جو اس کو خصّی کرے گا، ہم اسے خصّی کریں گے"۔

شریعت اسلامی کی نظر میں سب برابر ہیں ان سے یکساں سلوک کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُقِيمُوْنَ الْحَدَّ عَلَي الْوَضِيعِ وَيَتْرُكُوْنَ الشَّرِيفَ والَّذِي نَفْسِي بِيدِه لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ (بِنْت مُحَمَّدٍ) فَعَلَتْ ذٰلِك لَقَطَعْتُ يدَهَا»[70]

"تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اسلئے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجہ کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور برتر درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ (بنت محمد ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے بھی ہرگز دریغ نہ کرتا۔"

**اعتدال پسندی اور نظم وضبط**

دینِ اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے میانہ روی اور اعتدال کو بہت اہمیت دی گئی ہے، جس سے عوام الناس کو نظم وضبط پر کاربند بنانے میں مدد ملتی ہے۔ لہٰذا جو شخص اعتدال کا دامن تھامے رکھے گا وہ ہر قسم کی آزمائشوں اور ابتلاوں میں ثابت قدم رہے گا، نیز اس کی برکت سے مسلمانوں کے اندر مشکلات اور آزمائشوں سے مقابلہ کرنے کی قوت اور قدرت پیدا ہو جائے گی اور انہیں صبر واستقامت نصیب ہو گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے امتِ محمدیہ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾[71]

"اِسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک "امّتِ وَسَط" بنایا ہے "

اُمت وسط ہونا اس اُمت کا خاصا ہے اور وسط اُمت ہونے کا تعلق جس طرح عقیدے اور نظریات سے ہے، اسی طرح اعمال کے ساتھ بھی ہے، لیکن جو لوگ میانہ روی اور اعتدال کے راستے کو چھوڑ کر غلوّ اور شدّت سے کام لیتے ہیں، وہ عنقریب بد نظمی کا شکار ہو جائیں گے۔ قران و سنت کی بے شمار نصوص میں میانہ روی اور اعتدال کے راستے کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ شدت پسندی، غلوّ اور بے جا تکلّف سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ﴾[72]

"اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو "

غلو اور شدت پسندی کو نبی کریم ﷺ نے رہبان اور رہبانیت کی صفت قرار دیا ہے۔ سیدنا انس بن مالک ρ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« لاَ تُشَدِّدُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، فَيُشَدَّدَ عَلَيْكُمْ، فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ، فَشَدَّدَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ، فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِى الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ »[73]

"اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تم پر سختی کرے۔ ایک قوم نے تشدد اختیار کیا تھا تو اللہ نے بھی اسے سختی کے ساتھ پکڑا، وہ ان کے بقایا ہی تو ہیں جو تم کو راہب خانوں اور کلیساؤں میں دکھائی دیتے ہیں"

اس متشددانہ رویہ اور طرزِ عمل اپنانے والوں کے بارے میں اللہ نے ان الفاظ میں خبر دی ہے:

﴿رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (74)

"اور انہوں نے رہبانیت خود ایجاد کر لی ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی اور پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا"

لہٰذا استطاعت بھر ہر کام سرانجام دینے میں اعتدال سے کام لینا چاہیے تاکہ تسلسل کے ساتھ نظم وضبط بھی قائم رہے اور بدنظمی اور انتشار وفساد بچا جاسکے۔

**بلند حوصلہ اور عزم وہمت**

انسان کے پاس دیگر حیوانات کی طرح "ارادہ" کی طاقت بھی ہوتی ہے۔ دیگر حیوانات کا ارادہ ان کی "حیوانی جبلت" کے ہاتھ میں ہوتا ہے جبکہ انسان کے ارادے کو "عقل" کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ انسان کو عزم و ارادہ ہمیشہ بلند رکھنا چاہیئے، اس کا مقصد ناپائیدار اور گھٹیا دُنیا کی بجائے آخرت ہونی چاہیئے، دُنیوی کامیابی کی بجائے اس کی نظر جنت الفردوس کے حصول پر ہونی چاہیئے، مخلوق کی رضا کی بجائے اسے خالق کی رضامندی کی فکر ہونی چاہیئے، جو شخص اس کوشش میں کامیاب ہو گیا وہ مراد کو پہنچ گیا۔ اب اسے چاہیئے کہ جب تک جسم میں جان ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کو لازم پکڑے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ (75)

"اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے"

عبادت میں وہ تمام احکامات شامل ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عائد ہیں۔ جب انسان تمام احکامات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری کرے گا اور مقصد عالی اور ارادے بلند ہونگے تو وہ نظم و ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر معاملے میں عزیمت کا راستہ اختیار کرے گا۔ لیکن اس کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ مومن اپنے نفس کو عزیمت کا عادی بنائے، کیونکہ رخصتوں کا خوگر بننے والا نفس بہت جلد بدنظمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جعفر سبحانی رقمطراز ہیں:

" مصمم ارادہ رکھنے والا شخص، ڈیوٹی پر موجود فوجی کی طرح ہوتا ہے، جسے تیار رہنے کا حکم مل چکا ہو۔ ایسا شخص حالات سے ٹکرا جاتا ہے اور مشکلات اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔ ہدف کے راستے کی سختیاں اس کی نظر میں ممکن چیز کو ناممکن ظاہر نہیں کر سکتیں۔ "(76)

لہٰذا اسلامی ریاست کو ایسے ہی مصمم ارادوں، عزم وہمت اور حوصلوں کے مالکوں کی ضرورت ہے تاکہ ریاستی نظم وضبط کو قائم رکھ کر عوام الناس کے قوتِ ارادی کو بھی مضبوط کیا جاسکے۔

**بدنظمی اور اسلامی تعلیمات**

اسلام ایک منظم دین ہے، ہر معاملے میں نظم وضبط کی تحسین کرتا ہے اور بد نظمی اور انتشار کی مذمت کرتا ہے۔ اور ایسے وقت آیا کہ عرب میں بد نظمی اور انتشار کا دور دورہ تھا، آپ ﷺ نے اسلامی تعلیمات کے ذریعے ان کو ایسا منظم کیا کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ جنگ جیسے پر خطر ماحول میں بھی آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے کمال درجہ نظم وضبط کا مظاہرہ کیا۔ ایک جنگی مہم کے دوران آپ ﷺ نے پڑاوں ڈالا تو فوج نے بد نظمی کا مظاہرہ کیا، سہل بن معاذ τ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور فوج نے ایسی بد نظمی کا مظاہرہ کیا کہ فوج ہر جگہ پھیل گئی تھی اور راستوں پر چلنا مشکل ہو گیا تھا، تو آپ ﷺ نے نوجوانوں کو نظم وضبط کی تعلیم دیتے ہوئے منادی کرائی:

« من ضيق منزلا أو قطع طريقا فلا جهاد له » [77]

"جو خیمے لگا کر راستوں کو تنگ کرے گا یا راہ گیروں کو لوٹے گا تو اس کا جہاد نہیں ہو گا"

اور ایک اور موقع پر فرمایا کہ:

« إِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِي هَذِهِ الشِّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ إِنَّمَا ذَلِكُمْ مِنْ الشَّيْطَانِ » [78]

"تمہارا اس طرح وادیوں گھاٹیوں میں منتشر ہو جانا ایک شیطانی فعل ہے"

اسلام سے قبل اہل عرب کی عادت تھی کہ جب میدان جنگ کی طرف نکلتے تو راستے میں جو ملتا اسے تنگ کرتے اور ویسے بھی جب کسی جگہ اترتے تو ساری منزل پر پھیل جاتے، یہاں تک کہ راستوں پر چلنا مشکل ہو جاتا تھا۔ داعی اسلام نے ان کو ایسی نظم وضبط کی تعلیم دی کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے[79]۔

ہمارے گرد وپیش میں کچھ جیتی جاگتی مثالیں ہر فرد کو فطری طور پر نظم وضبط کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں، مثلاً ٹریفک جام ہونا۔ ٹریفک جام کا شکار ہر فرد یہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ کسی ایک شخص یا چند اشخاص کی غلطی سے سینکڑوں گاڑیاں اور ان میں سوار افراد اپنے وقت کے ضیاع پر رنجیدہ ہیں، بیزار ہیں اور بے سبب اپنے آپ کو کوس رہے ہیں۔ قدرتی طور پر وہ اس عذاب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کرنے کا جو طریقہ یا حل ڈھونڈیں گے، وہ حل نظم وضبط کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

ٹریفک جام میں یہ بات اہم ہے کہ اس کا خمیازہ گاڑیوں میں بیٹھے لوگ ہی نہیں بھگت رہے ہوتے بلکہ یہ خلل دور رس نتائج کا باعث بنتا ہے۔ صبح کے وقت ٹریفک جام ہونے کی صورت میں سرکاری دفاتر اور بازاروں کے کاروبار تو ایک طرف، پوری زندگی کا پہیا ہی جام ہو جاتا ہے۔ انھی میں وہ گاڑیاں بھی پھنسی ہوئی ہوں گی، جن میں ڈاکٹر مریضوں کو دیکھنے جا رہے ہوں گے۔ استاد پڑھانے، بچے پڑھنے، چوکیدار، دوسرے چوکیدار کو ڈیوٹی سے چھٹکارا دلانے جا رہا ہو گا۔ کوئی خریدی ہوئی دوا اپنے مریض کو وقت پر پہنچانے جا رہے ہوں گے۔ ٹریفک جام ہونے سے بد نصیب لوگ انتظار کی صورت میں سزا بھگت رہے ہوتے ہیں۔ ایسے میں کسی کا کوئی بھی نقصان ہو سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے:

"نظم وضبط کا مطلب زندگی میں کامیابی اور بد نظمی کا مطلب مکمل تباہی ہے"[80]

## تجسّس اور نظم وضبط

عوام کی خبر گیری اسلامی ریاست کے سربراہ کی اہم ذمہ داری ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عوام کی ٹو میں لگ کر ان کا سکون تباہ وبرباد کر دیں، جیسا کہ آج کل حکومت کی خفیہ ایجنسیوں نے عوام کے ناک میں دم کر رکھا ہے، جس سے عوام میں اضطراب اور انتقامی جذبات جنم لے رہے ہیں، جو کہ نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لئے زہرِ قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں، جس سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَّلَا تَجَسَّسُوْا ﴾[81] "اور نہ تم تجسس کرو"

اور مومنوں کی بھی اللہ نے یہ تعریف بیان کی ہے کہ دوسروں کی بد گمانی میں نہیں لگتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾[82]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"

اسی طرح آپ ε نے بھی یہ ہدایت فرمائی ہے کہ اگر عوام الناس کی مخبری کروگے تو ان میں شکوک وشبہات پیدا ہو کر ریاست میں بگاڑ کا سبب بن سکتے ہیں:

«إِنَّكَ إِن اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَوْ عَثَرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ»[83]

"اگر آپ لوگوں کے رازوں یا ان کے عیبوں کو تلاش کروگے تو ان کو بگاڑ دوگے یا قریب ہے کہ وہ بگڑ جائیں"

## قیادت اور نظم وضبط

موزوں اور معاملہ فہم قیادت کے بغیر پوری انسانی تاریخ میں کوئی ایسا انقلاب نہیں ہے جو قیادت کے بغیر بپا ہوا ہو، اسی طرح اسلامی ریاست کو ایک مخلص اور سنجیدہ قیادت کی ضروری ہے، جو حالات کو کنٹرول کر کے نظم وضبط کو قائم رکھ سکیں اور عوام الناس کو ساتھ لے کر چلے اور ملک وملت کو مشکلات سے باہر نکالے۔ ایسے قائد میں درج ذیل خصوصیات کا ہونا ضروری ہے:

1) اس میں خود اعتمادی ہو 2) نصب العین واضح ہو اور قائد اسے اپنی ذات پر ترجیح دے

3) رعایا کو اپنی قیادت پر اعتماد ہو 4) قائد کو اپنے پیروؤں پر اعتماد ہو[84]

واضح نصب العین کے ساتھ خود اعتمادی اور دیگر قائدانہ خصوصیات کے ساتھ حکمران اور رعایا کا ایک دوسرے پر اعتماد ہو تو نظم وضبط قائم رہتا ہے۔ اسلامی ریاست کے امیر میں بطورِ خاص جن خصوصیات کا موجود ہونا ضروری ہے، اقبال نے ان کا یوں نقشہ کھینچا ہے:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا[85]

## ریاست اور عوام کا رابطہ

عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست اور عوام النّاس کا آپس میں مضبوط رابطہ ہو بلکہ حکومت سے عوام اس قدر خوش ہوں کہ وہ حکومتی منصوبوں پر چھائے ہوئے ہوں۔ ریاست عوام کو عزت و وقار سے دیکھتی ہو۔ قانونِ عدل عوام پر حاکم ہو۔ فرعون کی طرح اپنی قوم وملّت کو حقیر نہ سمجھا جائے اور نہ ان کو ظلم واستبداد کا نشانہ بنایا جائے کہ وہ حق وباطل میں تمیز کرنا چھوڑ جائے اور فسق وفجور میں تمام قوم شامل ہو کر ایک ذلیل، ستم کش اور فاسق قوم کے نام سے یاد کیا جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَه فَاَطَاعُوه اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِينَ﴾[86]

"پس اس نے اپنی قوم کو احمق بنا دیا پھر اس کے کہنے میں آ گئے کیونکہ وہ بدکار لوگ تھے "

اسلامی احکام کے دائرے میں رہ کر اولی الامر کی اطاعت میں مشکلات پیش نہیں آئیں گی۔ اور یوں ریاست عوام النّاس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کی بڑی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکے گی۔ ریاست کی کوشش سے معاشرہ بد نظمی کی مصیبت سے اس وقت نجات پا سکتا ہے کہ جب ہر فرد میں معاشرہ کو پستی سے نکالنے اور نظم و ضبط کی پابندی کا جذبہ پایا جائے۔ ریاست اور افراد کے اشتراک سے یہ حق ادا ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح اسلامی ریاست اور عوام زندگی کے ہر شعبہ میں نظم و ضبط کو اپنا شعار بنا کر ترقی اور کامیاب سے ہمکنار کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ پورا معاشرہ اس حدیث کا مصداق ہو آپ ε نے فرمایا:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوٌ مِنْهُ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمَّى وَالسَّهَرِ»[87]

"آپس میں تراحم، محبت اور رحمدلی میں مومنوں کی مثال ایک جسم کے مانند ہے جب اس کا ایک حصہ تکلیف میں ہو تمام جسم اس سے بے قرار ہو"

## امام کی اطاعت

سیدنا حذیفہ بن یمان نے نبی کریم ε سے دریافت کیا کہ جب فتنے سر اُٹھائیں تو میں اُس وقت کیا کروں اور کس طرح ان فتنوں سے بچ جاوں؟ تو آپ ε نے ارشاد فرمایا:

«تلزم جماعة المسلمين وامامهم»[88] "تم مسلمانوں کی جماعت اور اُن کے امام کو لازم پکڑو"

معاشرے میں نظم ونسق کے ذریعے استحکام پیدا ہوتا ہے، جب کہ استحکام کا بہترین وسیلہ اطاعتِ امیر اور اطاعتِ حاکم ہے، جو معاشرے میں نظم ضبط اور استحکام برقرار رکھنے کے لئے زبردست طریقہ ہے، جو اسلامی تعلیمات

کی احیاء سے ممکن ہے۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾[89]

"اے ایمان والو اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہوں"

اور نبی کریم ﷺ نے اس سلسلے میں یہ تعلیم فرمائی ہے: «مَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي»[90]

"جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"

اسی طرح تنظیم اور نظم وضبط کا تصور اجاگر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے رعایا کو امام کی اقتدا اور پیروی کی تعلیم ان الفاظ میں دی ہے:

«ولو استعمل عليكم عبد حبشي يقودكم بكتاب الله فاسمعوا له وأطيعوا»[91]

"اگر چہ تمہارے اوپر ایک حبشی غلام کیوں نہ امیر مقرر کیا جائے جو تمہیں کتاب اللہ کے مطابق چلائیں، اس کی سنو اور اطاعت اختیار کرو"

نظم وضبط اور تنظیم سازی کے یہ تمام انتظامات عوام الناس کے فلاح وبہبود کے لئے اختیار کئے جائیں۔ آپ ﷺ کی تعلیم سے معلوم ہوا ہے کہ کسی ایسے شخص کو عہدہ یا منصب نہ دیا جائے جو اس کا طالب ہو، تاکہ وہ منصب کو ذاتی مفادات اور رعایا کے استحصال کے لئے استعمال نہ کرے۔ خود سری اور خود غرضی جیسے جذبات سے معاشرے کا نظم وضبط خراب اور درہم برہم نہ ہو اور استحکام ریاست قائم رہے۔

عصر حاضر میں اس چیز کی اشد ضرورت ہے کہ ہم ہر طرح سے اور ہر میدان میں منظم ہونے کی کوشش کریں اور جو ایک قائد کی قیادت میں ہی ممکن ہے، ہمارے ارد گرد اس کی چلتی پھرتی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ کرکٹ کے کھیل میں اگر کوئی بلّے باز آوٹ ہونے پر باہر جانے سے انکار کر دے یا کوئی فٹ بال کا کھلاڑی ریفری کے سیٹی بجانے کو اہمیت نہ دے، وہاں کرکٹ یا فٹ بال کے کھیل کا خاتمہ سمجھیے۔ کوئی تعلیمی ادارہ، سکول یا کالج، پرنسپل یا کسی قائد اور نظم وضبط کے بغیر بے معنی ہو گا، اسی طرح فوج قائد اور نظم وضبط کے بغیر ایک ہجوم، اور ہر کھیل قائد اور قواعد کے بغیر لڑائی جھگڑا ہو گا۔

## دینی تعلیم و تربیت

دینی تعلیم و تربیت کی اہمیت اور افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ یہ نہ صرف انسان کو مہذب بناتی اور اس کے اخلاق و کردار کو سنوارتی ہے بلکہ زندگی کے دشوار گزار اور پُرپیچ راستوں پر چلنے کے لئے اس کے اندر نظم و ضبط بھی پیدا کرتی ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص جو اپنے دین کو سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش

ہی نہیں کرتا، وہ دین پر قائم کیسے رہے گا؟ کیونکہ وہ اپنے دین کو پہچانتا ہی نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَلْ يسْتَوِي الَّذِينَ يعْلَمُوْنَ وَ الَّذِينَ لاَ يعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يتَذَكَّرُ اُوْلُوا الْاَلْبَابِ﴾[92]

"بتلاؤ بھلا! علم والے اور بے علم، کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔"

جس قسم کی تعلیم انسان حاصل کرتا ہے، سیرت و کردار پر اسی قسم کے نقوش مرتسم ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ε نے صحابہ کرام ψ میں دین کا علم اور سمجھ پیدا کرنے کے لئے بڑی جدوجہد فرمائی۔ اسی دینی تربیت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام ψ کی زندگیوں میں شاندار نظم و ضبط نمایاں ہے۔

**قانون کی بالادستی**

اسلام میں قانونی بالادستی ریاستی استحکام اور نظم وضبط کے لئے ضروری ہے، جو امن وسلامتی کی ضمانت ہے، خواہ بعض اوقات دہشت سے کام لینا پڑے، بشرطیکہ اس کے قیام میں عدل وانصاف سے کام لیا جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ﴾[93]

"اور چور خواہ مرد ہو یا عورت، کاٹ دو ان دونوں کے ہاتھ (ان کی کہنیوں سے) ان کے اپنے کئے کے بدلے میں، عبرتناک سزا کے طور پر، اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑا ہی زبردست نہایت ہی حکمت والا ہے، جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مہربانی کرنے والا ہے"۔

قانونی بالادستی کے قیام کے لئے قوتِ قاہرہ کی ضرورت ہے تاکہ قوانین کو صحیح طور پر قائم کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ یوسف υ نے فرمایا:

﴿ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴾[94]

"ملک کے خزانے میرے سپرد کیجیے، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں"

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان τ سے روایت ہے کہ:

"إن الله ليزع بالسلطان ما لا يزع بالقرآن، أي:إن كثيراً من الناس لا تؤثر فيه القوارع والزواجر بالقرآن ولا تحرك به لهم ساكناً، ولكنه الخوف من العصا والسوط والأدب، والعصا لمن عصا كما يقولون"[95]

"اللہ بادشاہ اور ریاست کے ذریعے جن چیزوں کا تدارک کرتا ہے وہ قرآن کے ذریعے نہیں کرتا یعنی بہت سارے لوگوں کے لئے قرآن کا وعظ ونصیحت کارگر نہیں ہوتا اور نہ ان کے سکون میں تحرک پیدا کرتا ہے بلکہ ان کے لئے خوف، کوڑا اور ادب کارگر ہوتا ہے، جیسا کہ کہتے ہیں: عاصی کے لئے عصیٰ"(لاتوں کے بوت باتوں سے نہیں مانتے)۔

**اسلامی ریاست میں عوام الناس کا نظم وضبط اور فرمانِ نبوی ε**

تاریخ گواہ ہے کہ اس دین کو اللہ تعالی نے سینکڑوں برس تک سب مذاہب پر غالب کیا اور مسلمانوں نے تمام مذاہب والوں پر صدیوں تک بڑی شان وشوکت سے حکومت کی اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے کہ جب تمام دنیا پر دین برحق کی حکومت ہوگی اور باطل سرنگوں ہوگا۔ آج جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہورہا ہے، یہ ان کے اپنے اعمال اور بدنظمی کا نتیجہ ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ε اہل عرب کے مشہور قبائل کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، تو ان سے فرمایا:

"اے لوگو! کہہ دو سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں تو کامیاب ہو جاوگے، عرب کے حکمران بن جاوگے اور عجم بھی تمہارے ماتحت ہو جائیں گے، اور جب تم ایمان لاوگے تو جنت میں بھی بادشاہ بن جاوگے"[96]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسلامی ریاست کی بقاء اور ترقی اللہ اور اس کے رسول ε کی اتباع کی روشنی میں ممکن ہے۔ جن کا نظم وضبط ایسا بے مثال ہے کہ جس سے عرب جیسی بدو قوم نے عجم کو اپنے ماتحت کر لیا۔ نبی ε کی یہ پیشکش ایک معجزہ ثابت ہوا۔ اور اس کو قبول کرنے والوں نے نہ صرف دنیاوی کامیابی حاصل کی بلکہ اخروی نجات اور بادشاہت کی بھی مستحق ٹھہرے۔ اسلامی ریاست کی بقاء کی یہ ذمہ داری آپ ε نے اپنی امت کے سپرد کر دی ہے جیسا کہ سابقہ امتوں کو یہ ذمہ داری ان کے انبیاء نے سونپی تھی، تاکہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم ہو جائے اور اشرف مخلوق میں اس کا احیاء ہو۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی روشن کتاب اور آپ ε کا اسوہ حسنہ تاقیامت آنے والے انسانوں کے لئے رہنما ہے۔ اب یہ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی اس نمونے کی پیروی کرے اور اسلامی ریاست کی بقاء کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس فرضِ منصبی سے خوش اسلوبی سے سبکدوش ہو۔ اس نقطہ نظر کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے یوں بیان کیا ہے:

"ختم نبوت ورسالت کا ایک لازمی نتیجہ ہے کہ جو کام آنحضور ε سے قبل انبیاء ورسول کیا کرتے تھے آپ ε کے بعد اب وہ سب کے سب آپ ε کی امت کے ذمے ہے گویا خواہ دعوت وتبلیغ، انذار وتبشیر، تعلیم وتربیت اور اصلاح وتزکیہ پر مشتمل فریضہ، شہادتِ حق ہو جو بعثتِ انبیاء ورسل کی غرضِ اصلی اور غایتِ اساسی ہے، خواہ اعلاء کلمۃ اللہ، اقامتِ دین اور اظہارِ دین حق علی الدین کلہ پر مشتمل بعثت محمدی کا مقصد امتیازی اور منتہائے خصوصی ہو جملہ اہل ارض اور جمیع کرہ ارضی کے اعتبار سے یہ سارے فرائض اب ان لوگوں پر عائد ہوتے ہیں جو آنحضور ε کے نام لیوا ہیں اور آپ ε کے نام نامی سے منسوب ہونے پر فخر کرتے ہیں اور آپ ε کی اُمت میں ہونے کو موجب سعادت جانتے ہیں

"[97]۔

نظم وضبط مسلمانوں کو اسلام نے عطا کیا ہے۔ اِس نظم وضبط کو ہر مسلمان کی انفرادی زندگی میں بھی کار فرما ہونا چاہیئے اور اجتماعی زندگی میں بھی۔ اس کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان اپنی خواہشات اللہ کی رضا کے تابع کر دے۔ ہمارے اسلاف کا ایمان یہ تھا کہ قران پاک نے جو بھی ضابطہ دیا ہے، وہ قرآن پاک کو سمجھ کر اور اس پر عمل پیرا ہو کر زندگی گزارنے کا ضابطہ ہے۔ اسی لئے ان کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، کہنا سننا، غرض زندگی کا چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی الہامی ہدایات کے مطابق ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے دنیا زیر کر لی تھی اور دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں ان کا دم بھرتی تھیں۔

آج جو مسلمانوں کی حالت زار ہے، کھوج لگائیں گے تو پہلی اور آخری وجہ ایک ہی ملے گی: ہماری زندگی الہامی نظم وضبط سے یکسر خالی ہو گئی ہے۔ اسی نظم وضبط سے ہم میں اتحاد بھی تھا، محبت اور یک جہتی بھی۔ آئیں اللہ کی رسّی اجتماعی طور پر مضبوطی سے پکڑ لیں، عزم مصّمم کے ساتھ آگے بڑھیں، ان شاء اللہ کھوئی ہوئی سرفرازی کا تاج پھر ہمارے سر پر سج جائے گا[98]۔

**الغرض! تعلیمات نبوی کی روشنی میں درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:**

- اسلام نے زندگی کے ہر پہلو میں نظم وضبط کو مدِ نظر رکھا ہے، خواہ عبادات ہو یا دنیاوی معاملات۔
- عوام النّاس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے لئے مقصد کا تعین اور اجتماعی سوچ وفکر کو فروغ دینا ضروری ہے۔
- مختلف النوع صلاحیتوں کے لوگوں میں امتزاج، اعمال میں تسلسل واستقلال کے لئے اصول وضوابط کو ضروری قرار دیا جائے۔
- ریاستی نظم وضبط ہو یا دنیا وآخرت کے امور، امن وسکون اور رزق کی فراوانی، سب میں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کو ترجیح دی جائے۔
- رنگ ونسل اور مال وزر کے امتیازات کو نظم وضبط کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دیا جائے اور عوام الناس میں اخوتِ اسلامی کو فروغ دیا جائے۔
- ریاستی استحکام اور نظم وضبط کے قیام کے لئے نظامِ اخلاقیات پر زور دیا جائے اور خیر وبھلائی کی فکر اور جذبے کو عام کیا جائے۔
- مستحکم ریاست اور نظم وضبط کے لئے موزوں اور امانت دار قیادت کو ذمہ داریاں دی جائے جو مفاد عامہ کی بہتری کے لئے ضروری ہے۔
- عوام النّاس میں نظام الاوقات کے شعور کو اجاگر کرنے کے لئے نظامِ صلوٰۃ کو فروغ دیا جائے۔
- عدل وانصاف اور مساوات اس قدر اہم معاشرتی عوامل ہیں کہ ان کا تذکرہ سابقہ الہامی کتابوں میں بھی آیا

ہے، شہریوں کے حقوق اور واجبات کی متوازن ادائیگی کے لئے اس پر توجہ دی جائے۔

- ریاست کی طرف سے خواہ مخواہ کی خفیہ کاروائیاں عوام میں اضطراب، نظم وضبط میں خلل پیدا کرتی ہیں اور اس سے انتقامی جذبات جنم لیتے ہیں، لہٰذا اس پر نظر ثانی کی جائے۔
- واضح نصب العین، خود اعتمادی اور حکمران ورعایا کا باہم اعتماد اور دیگر قائدانہ صلاحیتیں جو نظم وضبط کے قیام کے لئے ضروری ہیں، ان کو فروغ دیا جائے۔
- اطاعتِ ریاست وحاکم اسلامی تعلیمات کے احیاء سے ممکن ہے جو ریاستی قانونی بالادستی کے استحکام، نظم وضبط اور امن وسلامتی کی ضمانت ہے۔
- اسلامی نظام خلافت کا قیام امت مسلمہ کے فرائض منصبی میں سے ہے جو بہترین نظامِ نظم وضبط ہے۔۔

واللہ ھو الموفق۔

## حوالہ جات

---


(1)۔ الملک: ۳- ۴۔

(2)۔ تاج العروس من جواهر القاموس، محمّد بن محمّد الزَّبيدي، تحقيق: مجموعة من المحققين الناشر: دار الهداية، ص:۳۳/ ۴۹۷۔

(3)۔ معجم اللغة العربية المعاصرة، د أحمد مختار عبد الحميد، عالم الكتب، ط: الأولى، - ۲۰۰۸م، ص:۳/ ۲۲۳۵۔

(4)۔ أساس البلاغہ، محمود بن عمرو بن أحمد، الزمخشری، جار اللہ، تحقیق: محمد باسل عیون السود، دار الکتب العلمیہ، بیروت-لبنان، ط:۱، ۱۹۹۸م، ص:۲/ ۲۸۴

(5)۔ دیکھئے: لسان العرب، ابن منظور، محمد بن مكرم الا فريقي المصري الناشر: دار صادر -بيروت، ط: الاولي، ص:۱۲/ ۸۷۵۔

(6)۔ ایضاً (لسان العرب، ص:۱۲/ ۸۷۵)۔

(7)۔ المعجم الرائد، معجم الرائد: جبران مسعود عدد المشاهدات: ۵۰۱۷، تاریخ الإضافہ: ۱۴جون ۲۰۱۱م، ص:۱ /۸۷۵۔

(8)۔ دیکھئے: نظم وضبط کے تقاضے، ص:۹

(9)۔ تهذيب اللغة، محمد بن أحمد بن الأزهری، المحقق: محمد عوض مرعب، دار إحياء التراث العربي – بيروت، ط:۱- ۲۰۰۱م، ص:۲ /۱۹۴۔

(10)۔ انبیاء:۳۳۔
(11)۔ یس: ۳۸- ۴۰۔
(12)۔ البقرہ:۲۵۵۔
(13)۔ الصف:۹۔،الفتح:۲۸۔التوبہ:۳۳۔
(14)۔ بانگِ درا،اقبال،شکوہ،رابعہ بک ہاوس کریم مارکیٹ لاہور-س ن،ص:۱۷۱۔
(15)۔ الجموع البهية للعقيدة السلفية التي ذكرها العلامة الشِّنقيطي في تفسيره أضواء البيان، جمع: أبو المنذر محمود بن محمد بن مصطفى بن عبد اللطيف المنياوي الناشر: مكتبة ابن عباس، مصر الطبعة: الأولى- ۲۰۰۵م ص:۲/ ۳۹۲۔
(16)۔ دیکھئے: اسلامی نظم اور اس کے لوازمات، ڈاکٹر حسین الدین احمد، وغیرہ، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ایڈیشن:۳،۲۰۰۴ء،ص:۳۳
(17)۔ ادارة عمر الفاروق τ،حسن بن محمد الشريف، اداره مطبوعات مكة المكرمة، ۱۴۰۱ھ،ص:۴۹۔
(18)۔ آل عمران:۱۰۳۔
(19)۔ الصف:۴۔
(20)۔ الإسلام والغرب، نصر بن محمد الصنقري، ص:۱ / ۸۲۔
(21)۔ طہ:۱۲۴۔
(22)۔ کلیات اقبال،(علامہ) محمد اقبال،ضرب کلیم،الحمرا پبلشنگ اسلام آباد،۲۰۰۴،ص:۷۰۲
(23)۔ اسلامی معاشرہ کی تاسیس و تشکیل، صاحب زادہ ساجد الرحمان، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلامی آباد،ص:۱۶۱۔
(24)۔ البقرہ: ۳۸۔
(25)۔ تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورت بقرہ آیت نمبر ۳۸۔
(26)۔ سورۃ المائدہ: ٦٦۔
(27)۔ سورۃ القریش:۳،۴۔
(28)۔ احبار:۲۵: ۱۸- ۱۹۔
(29)۔ بانگِ درا،اقبال،شکوہ،رابعہ بک ہاوس کریم مارکیٹ لاہور-س ن،ص:۲۳۵۔
(30)۔ انفال:۴٦۔

(31)۔ عرفوا الحق فتركوا الباطل المؤلف: شحاتة محمد صقر الناشر: مكتبة دار العلوم، البحيرة (مصر)، ص:۱/ ۵۸

(32)۔ المسند الجامع المعلل ص:الجزء۲۴/ ۳۶۔

(33)۔ البقرہ:۱۷۹۔

(34)۔ بانگِ درا، اقبال، شکوہ، رابعہ بک ہاوس کریم مارکیٹ لاہور-س ن، ص:۱۴۹۔

(35)۔ المنتخب من كتاب السياق لتاريخ نيسابور، إبراهيم بن محمد الصريفيني، دار الفكر للطباعة التوزيع، ۱۴۱۴ھ، موقع الشبكة الإسلامية، ص:۱/ ۲۳

(36)۔ سنن البيهقى الكبرى، ومعه: شُيُوخِ الإمَامِ الحَافِظِ البَيْهَقِيّ، جمعه: أبو عبد الله حامد بن أحمد آل بكر، ص:۱/ ۷۶

(37)۔ الحجرات:۱۳۔

(38)۔ المسند الجامع المعلل، الجزء۳۶، ص:۱۶۲۔

(39)۔ التوبہ:۷۱۔

(40)۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ عَنْ أَبِى أُسَامَةَ. وسنن البيهقى الكبرى ومعه: شُيُوخ البَيْهَقِيّ، جمعه: حامد بن أحمد آل بكر، ص:۶ /۹۴۔

(41)۔ بانگِ درا، اقبال، طلوع اسلام، روبی پبلیکیشنز، الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور- ۲۰۱۱، ص:۲۹۰۔

(42)۔ طہ:۱۲۴۔

(43)۔ الحشر: ۹۔

(44)۔ المائدہ:۲۔

(45)۔ مسند الشاشي، الهيثم بن كليب الشاشي، المحقق: د. محفوظ الرحمن زين الله، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، ط:۱، ۱۴۱۰ھ، ص:۱/ ۲۳۰

(46)۔ دیکھئے: مشکوٰۃ حدیث:۴۹۹۸، بیہقی، شعب الایمان، دار لکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۹۹۰ء۔ ص:۶/ ۴۴۔

(47)۔ بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر:۶۰۲۱۔

(48)۔ النساء:۵۸۔

(49)۔ أخرجه أحمد، ۲/ ۳۱۶ (۸۷۱۴) والبُخاري، ۱/ ۲۳ (۵۹)۔

(50)۔ نہج البلاغہ، الشریف الرضی، محمد بن حسین (ترجمہ سید رئیس احمد امروہوی وغیرہ)، شیخ غلام علی اینڈ

سنز،لاہور،نومبر ۱۹۸۱ء،کلمات قصار،رقم ۳۹۰۔

(51)۔ الاسراء:۳۳۔

(52)۔ البقرہ:۲۵۶۔

(53)۔ النور:۲۷۔

(54)۔ النساء:۱۴۸۔

(55)۔ آل عمران:۱۰۴۔

(56)۔ الانعام:۱۰۸۔

(57)۔ جزء فيه المنظوم والمنثور من الحديث النبوي، عفيف بن محمد الخطيب، المحقق: محمد صباح منصور، دار البشائر الإسلامية، ط:۱- ۲۰۰۲م، ص:۱/ ۷۷

(58)۔ سورۃالحدید:۲۵

(59)۔ سورۃالمائدہ:۸

(60)۔ علی بن عمر الدار قطنی،السنن،کتاب البیوع،مکتبہ قدوسیہ لاہور،ص: ۳/ ۴۵۔

(61)۔ نسائی، احمد بن شعیب،السنن الکبری،دار السلام الریاض،۱۹۹۹ء حدیث نمبر:۵۳۸۱۔

(62)۔ بائبل؛استثناء۱۸:۱۶-۲۰۔

(63)۔ بائبل،یسعیاہ؛۲۲: ۲-۳۔

(64)۔ سورۃالنحل:۹۰

(65)۔ سورۃالحجرات:۱۳۔

(66)۔ مسند احمد،ج:۵،ص:۱۴۴۔

(67)۔ ثقافت کا اسلامی تصور،ڈاکٹر خالد علوی، دعوہ اکیڈمی فیصل مسجد اسلام آباد،۲۰۰۵ء-،ص:۳۳-۳۴۔

(68)۔ بائبل؛استثناء؛۱: ۱۶- ۱۷۔

(69)۔ جامع ترمذی،حدیث نمبر:۱۴۱۴،ابو داود،حدیث نمبر:۴۵۱۵،ابن ماجہ،حدیث نمبر:۲۵۴۷۔

(70)۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم،حدیث نمبر:۴۴۱۰،۴۴۱۱،ترمذی حدیث نمبر:۱۴۳۰۔

(71)۔ سورہ البقرہ:۱۳۴۔

(72)۔ النساء:۱۷۱۔

(73)۔ تَهْذِيْبُ سُنَنِ أَبِي دَاودَ وَإِيضاحِ مُشكِلاتِهِ، لِلإِمامِ العَلاَّمةِ ابنِ قَيِّمِ الْجَوْزِيَّةَ رحمه

الله، ص:۱/ ۱۶۸۔

(74)۔ الحدید:۲۷۔

(75)۔ الحجر:۹۹۔

(76)۔ عظیم لوگوں کی کامیابی کے راز، ص:۹۹۔

(77)۔ الفتح الرباني/ الساعاتي، ص:۱/ ۸۴۔

(78)۔ سنن ابوداود، باب مايؤمر من انظمام العسكر وسعته- موقع السلام، ص:۷/ ۲۱۴۔

(79)۔ دیکھئے: الجہاد فی الاسلام، سید ابوالاعلی مودودی، ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ غزنی سٹریٹ رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، ص:۲۳۳

(80)۔ اردو جماعتِ ہفتم، تاج محمد وغیرہ، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، طبع دوم، ۲۰۱۵ء، ص:۱۵۰۔

(81)۔ الحجرات:۱۲۔

(82)۔ الحجرات:۱۲۔

(83)۔ سنن البيهقى الكبرى، ومعه: شُيُوخِ الإمَامِ الحَافِظِ البَيْهَقِيّ، جمعه: أبو عبد الله حامد بن أحمد آل بكر- ص:۸ /۳۳۳۔

(84)۔ انسان کامل، ڈاکٹر خالد علوی، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب اردو بزار لاہور، ۲۰۰۹م۔ ص ۲۳۴۔

(85)۔ بانگِ درا، اقبال، طلوع اسلام، روبی پبلیکیشنز، الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور- ۲۰۱۱، ص:۲۹۰۔

(86)۔ الزخرف:۵۴۔

(87)۔ آداب الصحبة، محمد بن الحسين النيسابوري، المحقق: مجدي فتحي السيد، دار الصحابة للتراث- طنطا – مصر، ط: الأولى، ۱۹۹۰، ص:۱/ ۳۹۔

(88)۔ الجامع الصحيح، محمد بن إسماعيل البخاري، كتاب بدءالوحي، حسب ترقيم فتح الباري، دار الشعب القاهرة، ط:۱ - ۱۹۸۷م، جزء:۴، ص:۲۴۲۔

(89)۔ النساء:۵۹۔

(90)۔ الصحیح البخاری، محمد بن اسماعیل،:كتاب الأحكام: باب قول الله تعالى (أطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم) دارالسلام ریاض۔ ۱۹۹۹ء۔

(91)۔ سنن النسائي الكبرى، أحمد بن شعيب، النسائي- باب ص:۴/ ۳۸۵

(92)۔ الزمر:۹

(93)۔ المائدہ: ۳۸،۳۹۔

(94)۔ سورت یوسف:۵۵۔

(95)۔ شرح سنن أبي داود، عبدالمحسن العباد، مصدر الكتاب: الشبكة الإسلامية، جزء:۱/ ۲

(96)۔ طبقات ابن سعد، محمد بن سعد، مكتبة العلم والحكمز مدينة منورة، ص: ۱/۱۶ ۲

(97)۔ نبی اکرم کا مقصد بعثت، اسرار احمد، ڈاکٹر، انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ہشتم، س/ن ۲۰۰۹ء، ص:۴۸

(98)۔ اردو جماعتِ ہفتم، تاج محمد وغیرہ، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، طبع دوم، ۲۰۱۵ء، ص:۱۵۳۔

# [[017]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

میمونہ یاسمین
اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامیات، راولپنڈی

بسم الله الرحمن الرحيم

ABSTRACT

نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ بطور اُسوہ حسنہ ہدایت وروشنی کے ایک ایسے مینار کی مانند ہے جس کی روشنی سے ہر زمانہ ووقت کے انسان فیض حاصل کرتے ہیں۔ سرور دوعالم ﷺ نے عملی وتعلیماتی انداز سے وہ عالمی منشور حیات وریاست عطا فرمایا کہ جس میں آپ ﷺ نے دولت وحشمت، امارات، حسب ونسب، خاندانی شرافت، قبائلی تعصب اور جاہ وحشم کو ختم کر کے تکریم کی بنیاد صرف تقویٰ وپرہیز گاری پر رکھی۔ آپ ﷺ نے یہ درس اس وقت دیا جب سب سے پہلی اسلامی ریاست مدینہ منورہ کی تشکیل ہوئی۔ جس کی بنیاد آپ ﷺ نے ان ربکم واحد وان اباکم واحد کے قولِ زریں پر رکھی اور اسلامی ریاست کے لیے بطور فلاحی ریاست کے وہ منظم اُصول وضوابط متعین فرمائے جو تاحیات اور تاقیامت عوام الناس کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپ ﷺ نے عملی کردار کے اعتبار سے بھی نظم وضبط کی بہترین مثالیں دیں جن میں سے میثاقِ مدینہ، صلح حدیبیہ اور فتح مکہ منہ بولتا ثبوت ہیں اور نظم وضبط کی اہمیت کو بخوبی اُجاگر کرتے ہیں۔

## 1۔ تعارف:

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں آکر رسالت کے ساتھ فرمانروا اور حکمران کی حیثیت سے مدنی زندگی کا آغاز کیا کیونکہ مکہ میں آپ ﷺ کی حیثیت حکمران کی سی نہ تھی اور نہ وہاں آپ ﷺ کے پاس اقتدار تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ کی ہدایات کی روشنی میں اپنے حسن تدبر اور حسن انتظام سے مدینہ میں مثالی سلطنت اور ایسا مثالی معاشرہ قائم کیا جو بھائی چارے، اخوت، ہمدری محبت، ہمدردی اور ایثار میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپ ﷺ کی سیاست میں حکمت اور دوراندیشی نمایاں تھی۔ آپ ﷺ مذہب کے ساتھ ساتھ ریاست کے بھی سربراہ تھے۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ کی اکیلی شخصیت میں دینی ودنیاوی ہر دو قسم کا اقتدار جمع تھا۔ لیکن نہ تو آپ ﷺ میں پوپ (عیسائیوں کا سب سے بڑا رہنما) کا سا جھوٹا غرور تھا اور نہ ہی قیصر کی طرح کی کوئی فوج آپ ﷺ کے پاس تھی۔[1]

نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی عظیم مدبر ومنتظم کی بھی تھی اور مکی زندگی میں قبل از نبوت دو واقعات آپ

کی سیاست اور اجتماعی شعور و تدبیر کی بہترین مثال ہیں۔ ان میں سے پہلا واقعہ تو حلف الفضول کا ہے۔ جس کے متعلق نبی کریم ﷺ فخریہ یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ میں اس معاہدے میں شریک تھا۔[2] رسول اللہ ﷺ کی سیاسی تدبیر کی دوسری شہادت حجر اسود کے نصب کرنے کا واقعہ ہے۔[3] جب سب نے اس کو نصب کرنے میں اپنا اپنا حق تفوق پیش کیا تھا۔ اس وقت اختلاف و منافرت کی جو آگ کتنے ہی خرمنوں کو خاکستر کرنے والی تھی۔ آپ ﷺ کے تدبر سے بجھ گئی اور اہل مکہ پر آپ ﷺ کی عظمت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی فراست بھی واضح ہو گئی۔[4] اور اہل مکہ وہ اپنے فعل پر خود حیران تھے کہ انہوں نے عمر میں اپنے سے چھوٹے اور مال میں اپنے سے کمتر کی اطاعت کی۔ اس طرح ان سب نے تب ہی آپ ﷺ کو خود پر حاکم و رئیس تسلیم کر لیا۔[5]

اسلام نے انسان کی جسمانی زندگی، اس کے تقاضوں اور اس کی مادی ضرورتوں کو ہر گز نظر انداز نہیں کیا۔ وہ رہبانیت کا سخت مخالف ہے، معاشی سرگرمیوں کو نہ صرف جائز اور مستحسن بلکہ بسا اوقات واجب اور ضروری گردانتا ہے۔ وہ کسب حلال کو "فريضة بعد فريضة" (۱) قرار دیتا ہے۔ وہ تجارت کو "فضل الله"۔(۲) اموال کو "خير" (۳) اور "التي جعل الله لكم قياماً" (۴) خوراک کو "الطيبات من الرزق" (۵) لباس کو "زينة الله" (۶) اور رہائش کو "سكن" (سکون و اطمینان کی جگہ)(۷) سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ بیک وقت دین و دنیا دونوں کی فلاح و کامیابی اور کفالت کا ضامن ہے۔[6]

دنیاوی خوشحالی اور رفاہیت فضل خداوندی اور نکبت و فلاکت عذاب ہے، آپ ﷺ نے نہ صرف خود فقر و افلاس سے پناہ مانگی بلکہ امت کو بھی اس سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی۔ کیونکہ اسلام در حقیقت خوشحالی کا ایسا نظام بروئے کار لانا چاہتا ہے جس کے سایہ میں ہر انسان کو اس کی لازمی ضرورت کے مطابق کھانے پینے، رہنے سہنے اور زندہ رہنے کا سامان میسر آئے اور جس میں پھل پھول کی بہار بھی نظر آئے۔[7] ریاست اور حکومت اسلام کا مقصد نہیں بلکہ اسلام کی ضرورت ہے۔ اسی ضرورت کے تحت نبی اکرم ﷺ نے مدینہ میں ریاست قائم فرمائی جو ہمیشہ کے لیے تمام ریاستوں کے لیے اسی طرح کا نمونہ ہے جس طرح کہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی ہر انسان کے لیے نمونہ ہے۔ اس ریاست نے جو قوانین نافذ کیے وہ تمام قوانین کا سرچشمہ ہیں۔[8] اور جن سے استفادہ و راہنمائی سے نہ صرف انسانی کردار کی تشکیل و تعمیر ممکن ہے، بلکہ موجودہ سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی زوال کا سدباب بھی کیا جا سکتا ہے۔ امام ابو الحسن ماوردیؒ فرماتے ہیں۔

الامامة موضوعة لخلافة النبوة في حراسة الدين وسياسة الدنيا[9]

امامت نبی ﷺ کی نیابت کے لیے دین اسلام کی حفاظت کرنے اور دنیا میں نظم و نسق چلانے اور اس کی اصلاح کرنے کے لیے بنائی جاتی ہے۔ ابن عابدین شامی حنفیؒ فرماتے ہیں۔

رياسة عامة في الدين والدنيا خلافة عن النبيﷺ۔[10]

وہ عوامی ریاست جو دینی اور دنیوی امور میں نبی ﷺ کی نیابت میں کام کرتی ہو۔ گویا کہ آپ ﷺ ان کی تشریعی اور تشریحی حیثیت یہاں بیان کی گئی ہے۔

## 2۔ اسلامی ریاست کی وضاحت:

### 2.1۔ ریاست سے مراد:

ریاست کے لغوی معنی ہیں: ۱۔ سرداری، افسری، امارت ۲۔ راج، عملداری، حکومت
۳۔ آزاد علاقہ جو کسی سلطنت یا حکومت کی عملداری میں ہو ۴۔ دیسی نوابوں اور راجاؤں کا زیر اقتدار علاقہ [11]

ریاست یا مملکت کے لیے انگریزی زبان میں اسٹیٹ (State) کا لفظ مستعمل ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یونانی زبان کے لفظ (Status) سے ماخوذ ہے۔[12] اٹھارھویں صدی عیسوی (۱۷۰۱ء)[13] سے پہلے "اسٹیٹ" کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے دوسرے الفاظ کا سہارا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ یونانیوں کے یہاں بالعموم پولس کا لفظ مستعمل رہا، جس کے لفظی معنی شہر (City) کے ہیں۔ یہ اس امر کی علامت ہے کہ ان کا تصور ریاست "شہر" پر مبنی اور انتہائی محدود تھا۔[14] اور اس سے محض ایک "میونسپل ریاست کا تصور قائم ہوتا تھا نہ کہ ایک قومی یا ملکی ریاست کا"۔[15] رومیوں نے ریاست کا مفہوم کو سیویٹاس (Civitas) کے ذریعے نسبتاً وسعت کے ساتھ ظاہر کیا۔ رومیوں کے یہاں ایک دوسرا لفظ ریس پبلیکا (Respublica) بھی ملتا ہے۔ جو ریاست کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے نہ صرف شہریت بلکہ ریس پوپلی (Respopuli) یعنی ایک قوم اور اس قوم کے مفادات کی طرف بھی نشان دہی ہوتی ہے۔[16] ریاست ایک منظم معاشرہ کا نام ہے اور یہ اس وقت وجود پذیر ہوتا ہے جب ایک طرف افراد پر اقتدار قائم کرنے اور یہ دوسری طرف افراد کی جانب سے اطاعت کرنے کا دوگونہ رابطہ عمل میں آجائے۔[17]

مولانا حامد الانصاری کے نزدیک: سلطنت (State) ریاست سے مراد وہ رقبہ زمین ہے جہاں انسانوں کی سیاسی تنظیم ایک اجتماعی ہیئت اختیار کر لیتی ہے۔[18] ریاست انسانوں کا ایک گروہ یا تنظیم ہے جو مشترکہ مقاصد کے لیے مل جل کر کام کرے۔[19]

شاہ ولی اللہ کے مطابق:

واعني بالمدينة جماعتة متقاربة تجري بينهم المعاملات ويكونون اهل منازل نشتي- والاصل في ذلك ان المدينة شخص واحد من جهة ذلك الربط مركب من اجزا وهيئة اجتماعية۔ [20]

شہر سے وہ جماعتیں مراد ہیں جو قریب قریب آباد ہوں۔ ان میں باہم معاملات ہوتے رہیں اور جدا جدا مکانوں میں بود و باش رکھتے ہوں۔ سیاست مدن میں اصلی امر یہ ہے کہ تعلقات شہر گویا ایک شخص ہوا کرتا ہے جو

اجزاء اور مجموعی ہیئت سے مرکب ہے۔

### 2.2۔ اسلامی ریاست سے مراد:

اسلامی مملکت کی بنیاد صرف اسلامی احکام پر وجود میں آئی اس کے لئے قرآن مجید و سنت سے تعلیمات ملتی ہیں کہ سب سے پہلے اس امت کو اپنا مقصد حیات وہ بنانا ہو گا جو سید الکونین ﷺ کا مقصد حیات تھا۔ جس وقت امت حضور ﷺ کے مقصد حیات کو اپنا مقصد حیات بنا لیتی ہے، تو اللہ جل جلالہ کا نظام ہے کہ وہ امت کے لئے حضور ﷺ کا طرز حیات آسان فرما دیتے ہیں۔ حضور ﷺ کا مقصد حیات، دعوت الی اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے، اور طرز حیات پوری شریعت ہے۔ جب تک امت حضور ﷺ کے مقصد حیات کو اپنا مقصد حیات نہیں بنایا کرتی ہے۔ اس وقت تک امت کے لئے حضور ﷺ کے طریقہء حیات پر چلنا آسان نہیں رہتا ہے، اور اس وقت میں یہی مشکل پیش آتی ہے لہذا امت اپنا مقصد حیات متعین کر لے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: الاسلام والسلطان اخوان توأمان، لا يضلح احد منها الا بصاحبها فالا سلام اس والسلطان حارس ما لا اس له يهدم ومالا حارس له ضائع (الديلمي: مسند عن جابر) یعنی اسلام اور حکومت و سلطنت توام بھائی ہیں، دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

امام شاطبی لکھتے ہیں: فرد کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان اپنی طاقت اور استعداد کے مطابق خلیفۃ اللہ کی ہے مگر ایک مرد اتنی استعداد بھی نہیں رکھتا کہ وہ اپنے ذاتی حالات اور پھر اہل و عیال کے مصالح کی نگرانی بھی کرتا رہے کجا یہ کہ پورے قبیلے یا سب بنی نوع انسان کے مصالح کا تحفظ کر سکے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشترک انسانی ضروریات کی تکمیل کی ذمے داری اجتماع پر ڈالی ہے اور اسی بنا پر زمین میں ریاست کا قیام عمل میں آیا ہے[21]۔ دراصل اسلام اس تحریک کا نام ہے جو انسانی زندگی کی پوری عمارت کی تشکیل کرتی ہے اور اس میں دین و حکومت کی دوئی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا اور اس کا دائرہ انفرادی زندگی تک محدود نہیں۔

### 2.3۔ ریاست کی وسیع قرآنی اصطلاحات و مترادفات:

قرآنِ مجید ریاست کے لیے خلافت و امامت[22]، ولی الامر[23]، سلطان[24] اور ملک[25] کی وسیع اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ ان تمام مترادفات کے پیش نظر یہ بات اجاگر ہوتی ہے کہ حکومت و ریاست اس تنظیم کا نام ہے جو افراد معاشرہ کی خیر خواہی اور بہتری کے لیے قائم کی جاتی ہے وہ تمام سیاسی، معاشی اور معاشرتی بھلائیوں کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے تمام وسائل و ذرائع کو بروئے کار لاتی ہے۔ اور لفظ سرکار حکومت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

### 2.4۔ اسلامی ریاست بطور فلاحی ریاست و مملکت:

فلاحی ریاست ایسی ریاست کو کہتے ہیں، جس کے تحت عوام الناس کی فلاح و بہبود ہو اور ریاست معاشی اعتبار

سے خوشحال ہوں اور انہیں ایسے مواقع فراہم ہوں کہ تمام شہری باعزت طریق سے زندگی بسر کر سکیں۔ اس کی تعمیر و بنیاد ایک عقیدے پر رکھی گئی۔

**3۔ نظم وضبط سے مراد:**

**3.1۔ نظم کے معنی ہیں:** ا۔ لڑی، سلک ۲۔ موزوں کلام ۳۔ بندوبست انتظام[26]

**جبکہ ضبط کے معنی ہیں:** ا۔ تحمل، صبر، برداشت ۲۔ انتظام، بندوبست ۳۔ روک، رکاوٹ ۴۔ قید، پابندی ۵۔ فرق[27]

لفظ نظم کے معنی تالیف اور مجموعہ کے ہیں۔ یعنی کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ کسی ترتیب سے منسلک کر دینا نظم کہلاتا ہے۔[28] مختلف اجزاء کو جوڑ کر ایک چیز بنانا بھی نظم ہی ہے۔ جس کو انگریزی میں System کہا جاتا ہے۔[29] عربی میں کہا جاتا ہے نظمت اللؤلؤ یعنی ان کو ایک ترتیب سے رسی میں پرو دیا۔ تنظیم کے معنی بھی نظام کی طرح ہی ہیں۔[30]

النظام: أن يرتب الفرد أو الجماعة الأمور ترتيبا يجعلها متناسقة، مؤتلفة، لا تناقض فيها، ولا تنافر۔

"کسی ایک فرد یا زیادہ افراد کے کاموں میں مناسب ترتیب قائم کرنا تاکہ مذکورہ امور ترتیب سے ادا ہو سکیں"۔

جب بھی دو یا دو سے زائد افراد مل کر شعوری طور پر کسی کام کو کرنے کا قصد کرتے ہیں تو ایک نظم وجود میں آجاتا ہے گویا کہ نظم دو یا اس سے زائد افراد کے اجتماعی کام کرنے کا نام ہے۔ الغرض نظم وضبط سے مراد معاملات کی کسی مخصوص و معروف طریقے اور اسلوب سے انجام دہی ہے۔

**3.2۔ نظم وضبط قرآن وسنت کی روشنی میں:**

قرآن کریم انسان کو نظم و نسق کا سبق دیتا ہے۔ حاکم وقت اور امیر کے حکم پر مسلمانوں کا اجتماع اور اس کی اجازت سے اس کی اجازت سے منتشر ہونا ایک انتظامی امر ہے۔

قال الله تعالىٰ: (اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِه صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ)[31]

"اللہ پسند کرتا ہے ان لوگوں کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم[32]

"تم اپنی صفوں کو برابر کو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں (دلوں) کے درمیان مخالفت پیدا کرے گا"۔

اس طرح مسلمانوں کو نماز کے وقت نہ صرف منظم رہنے بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ قریب کھڑے رہنے

کا بھی حکم ہے۔

### 3.3۔ عوام الناس کی روزمرہ زندگی میں نظم وضبط کی پابندی کی اہمیت:

اسلام ایک منظم دین ہے اور مسلمانوں کو زندگی کے ہر پہلو میں نظم ونسق کا سبق دیتا ہے۔ جو لوگ نظم ونسق کے معتقد اور پابند نہیں ہیں۔ وہ دراصل اپنے دین سے ناواقف ہیں اگر وہ اپنے دین کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ تو نظم ونسق کے معتقد بن جائیں گے۔ اور غیر منظم زندگی کو منظم زندگی کے ساتھ تبدیل کر دینگے۔[33]

حضرت خالد بن ولید وہ عظیم جرنیل، جس کی تلوار نے عراق وشام کو زیر نگین کیا، اتنا عظیم سپہ سالار، جس کا کوئی مد مقابل عالم اسلام میں نہ تھا، انہوں نے کسی شاعر کو خوش ہو کر دس ہزار درہم انعام میں دے دیئے تھے تو اُن کو مجمع عام میں معزول کر دیا تھا کیونکہ قیادت کا احترام اور نظم وضبط اور سمع وطاعت کی پابندی بہر حال ضروری تھی۔ اسلامی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ:

السمع والطاعة علي المرء المسلم فيما احب وكره مالم يومر بمعصي فاذا امر بمعصي فلا سمع ولا طاعة (متفق عليه)[34]

"مسلمان پر امیر کا حکم سننا اور ماننا لازم ہے۔ چاہے یہ حکم اس کو اچھا لگے یا پسند نہ آئے جب تک اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سننا لازم ہے نہ اطاعت کرنا"۔

عوام کو چاہیے کہ نظم وضبط کی خود بھی پابندی کریں اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے پر آمادہ کریں۔ ہمارے دین کی تعلیمات بھی یہی ہیں اس کا سبق بھی یہی اور ہمارا ذاتی اور اجتماعی مفاد بھی اسی میں مضمر ہے۔ کیونکہ قواعد و ضوابط کا مقصد حقوق اور فرائض کے مابین کا قیام ہے۔ لیکن اگر ان قواعد کا احترام نہ کیا جائے تو ایک طبقہ دوسرے طبقے سے اور ایک فرد دوسرے فرد سے متصادم ہو گا۔ نتیجتاً خلاف ورزی کرنے والا یا تو خود نقصان اٹھائے گا یا دوسرے فرد سے متصادم ہو گا۔

## 4۔ اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند رکھنے کے طریقے:

اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط و قانون کا پابند رکھنے کے چند اہم طریقوں کی تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں وضاحت کی جاتی ہے:

### 4.1۔ نظم وضبط کے ریاستی ڈھانچے کے نمایاں خدوخال:

#### 4.1.1۔ ریاست کی انتظامی سطحیں:

عہد نبوی ﷺ میں انتظامی ڈھانچے کے اعتبار سے ریاست مدینہ کا نظم ونسق تین سطحوں پر قائم تھا۔

ا۔ مرکزی سطح ۲۔ صوبائی سطح ۳۔ مقامی سطح

تنظیمی ڈھانچہ کی درجہ بندی اور محکمہ جات کی تقسیم کا انتظام وانصرام مثالی نوعیت کا تھا جس میں اقتدار واختیار

کا سرچشمہ حضور نبی اکرم ﷺ تھے، سربراہ حکومت کی حیثیت سے آپ ﷺ نے اپنے کچھ اختیارات مرکزی، صوبائی اور مقامی حکام کو بھی منتقل کر رکھے تھے۔ تینوں سطحوں کے حکام کی تقرری، تبدیلی اور معزولی کا کلی اختیار آئین کے مطابق آپ ﷺ کے پاس تھا۔[35] مرکزی انتظامیہ میں مختلف نوعیت کے عہدیداران شامل تھے۔ جبکہ صوبائی انتظامیہ میں ولاۃ اور ان کے ماتحت حکام اور عمال شامل تھے۔ مقامی نظم و نسق کی سطح پر ریاستی ڈھانچہ شیوخ، قبائل، مقامی منتظمہ، نقیبان شہر مدینہ، عدلیہ اور عمومی افسران پر مشتمل تھا۔

### 4.1.2۔ اقتدار اعلیٰ کے تصور کو اجاگر کرنا:

اسلام کے نزدیک حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کے علاوہ کسی کو اختیار حاصل نہیں، اور اس کے حکم کے مطابق اس کا پیغمبر اس کے احکامات کی تنفیذ کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

(ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللّهِ مَوْلاَهُمُ الْحَقِّ أَلاَ لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ)[36]

"آگاہ ہو جاؤ، بس اسی کا حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے"۔

اسلامی ریاست میں اصل حاکمیت و اقتدار اعلیٰ صرف اللہ کی ذات ہے۔ قرآن مجید میں اس کے لفظ "ملکوت" مستعمل ہے۔ یعنی دنیا کی ہر چیز اللہ ہی کے زیر اقتدار ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے عہد میں اقتدار اعلیٰ اور طاقت کا سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تھی۔ قانونی، معاشرتی، انتظامی، فوجی، عدالتی سیاسی و شرعی قوانین کا اظہار اور انتظامی اختیارات شریعت سے متجاوز نہ ہونے پائے تو آپ ﷺ کے اختیارات اس حکم الٰہی کا واضح ثبوت پیش کرتے ہیں۔

آسمان و زمین، جملہ ستاروں و سیاروں کی تخلیق، ترتیب و تنظیم اور تدبیر صرف اللہ کے اقتدار و تملک کی مرہون منت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

(لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى)[37]

"اسی اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو انکے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کی تہہ میں ہے"۔

### 4.1.3۔ عوام الناس کو اسلامی ریاست کے مقصد حقیقی سے آگاہ کرنا:

کسی معاشرے کی اجتماعی اقدار اس کی سالمیت کا تحفظ، امن و سلامتی اور نظم و ضبط کی تمام تر ذمہ داری ریاست پر عائد ہوتی ہے۔ محض امن کا قیام، قومی سرحدوں کی حفاظت، عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنا ریاست کا آخری اور انتہائی مقصد نہیں ہے۔ یہ اجتماعی شیرازہ بندی ہی ہے جس پر دنیا کی تعمیر اور خلافت و ریاست کا دارومدار ہے۔ اسلامی ریاست کا حکمران عوام الناس کی خدمت کے لیے پالیسیوں کو روبہ عمل لاتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ حکمران کا انتخاب ذہانت، قابلیت، تخلیقی سوچ اور اخلاق کی بنیاد پر کیا جائے۔ وہ قانون اور اصول کا سخت پابند ہو تا کہ وہ فرائض کو بخوبی سرانجام دے سکے۔ امام ابو الحسن الماوردی نے حاکم کے فرائض میں خاص طور پر ان عوامل کا تذکرہ

کیا ہے جو کسی بھی حکومت کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں: "ان يباشر بنفسه مشارفة الامور وتصفح الأحوال، لينهن بسياسة الأمة وحراسة المسة، ولا يعول علي التفويض تشاغلاً بلذة أوعبادة، فقد يخون الأمين ويغش الناصح"۔[38]

شاہ ولی اللہ نے بھی اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حکومت کو اللہ اور بندوں کی ایک امانت قرار دیا ہے۔[39]

ما من امام يخلق بابه دون ذوي الحاجة والخلة والمسكنة الاأغلق الله ابواب السماء دون خلته وحاجته ومسكنته[40]

"جو حکمران ضرورت مندوں سے اپنا دروازہ بند کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کے وقت آسمان کا دروازہ بند کر دے گا)"۔

### 4.1.4۔ اسلامی ریاست کے اولین مؤسس کی اطاعت گزاری:

ایک مثالی اور فلاحی مملکت کو تشکیل دینے والے اور اسے روبہ عمل لانے والے آنحضرت ﷺ اسلامی ریاست بطور فلاحی مملکت کا تصور ہی کی ذات بابرکات تھی۔ اور نہ صرف فلاحی ریاست کا تصور پیش کیا بلکہ اسے عملاً نافذ کر کے بھی دکھایا اور زمانے نے اس فلاحی مملکت کے فیوض و برکات کا بنظر غائر مشاہدہ بھی کیا۔

### 4.1.5۔ اسلامی ریاست کے دستور و آئین کا تعین:

ریاست مدینہ میں آغاز سفر ہی سے طے کر دیا گیا کہ آئین و قانون کے بنیادی اصول وہی جاری و ساری ہوں گے جو رب کائنات نے عطا کیے ہیں اور اس کی عملی صورت رسول اللہ ﷺ تجویز فرمائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّهُ وَلاَ تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا)[41]

"اے پیغمبر! ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ اللہ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو اور دیکھو دغابازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا"۔

### 4.1.6۔ صوم و صلوٰۃ کا قیام:

رسول اللہ ﷺ اس حیثیت میں ریاست مدینہ کے آئین ساز حکمران تھے اور دستوری طور پر آپ ﷺ کی بات آخری بات اور آپ ﷺ کا فیصلہ آخری فیصلہ تھا۔ آپ ﷺ سے اسی ذمہ داری کے تحت قرآن کریم کے احکام کی تشریح کر کے ان کی تنفیذ کا عظیم الشان کام کیا۔ مثال کے طور پر قیام صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ اور حدود و تعزیرات کا عملاً نفاذ کیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے حاکمیت الٰہیہ قائم کی۔ اسلامی ریاست کا اساسی و بنیادی دستور قرآن مجید ہے، جو احکم الحاکمین کا کلام ہے۔ جس میں خالق کائنات نے تمام بنیادی مسائل کے متعلق اپنی مکمل ترین ہدایت ہمیشہ کے لئے اشرف المخلوقات کو عطا فرما دی اور اعلان فرما دیا کہ

ہدایت اس سے وابستہ ہے۔ مصارفِ زکوٰۃ میں بھی انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ حکومت کی طاقت اور وسائل سے اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا جائے جو دنیا میں اسلام کے آنے کا اصل مقصد ہے اور برائی کو دبا دیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض ہے۔[42]

### 4.1.7۔ اسلامی ریاست کے مقاصد اصلیہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ترغیب دینا:

قرآن ان بنیادی مقاصد کا بھی ذکر کرتا ہے جن کے لئے اسلامی حکومت وجود میں لائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ)[43]

"یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کو ملک میں حکومت دے دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں"۔

### 4.1.8۔ جمہوری طرز حکومت کا قیام:

احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذات میں ایک حاکم و فرمانروا، سیاست دان اور عظیم مدبر و منتظم سب کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ قرآن کریم کی متعدد آیات اس مضمون کو بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کی جانب سے مقرر کردہ حاکم ہیں اور یہ منصب امام الوریٰ ﷺ کو بحیثیتِ رسول اللہ عطا ہوا ہے۔[44] آپ کی اکیلی شخصیت میں دینی و دنیاوی ہر دو قسم کا اقتدار جمع تھا۔ لیکن نہ تو آپ ﷺ کو پوپ (عیسائیوں کا سب سے بڑا رہنما) کا سا جھوٹا غرور تھا اور نہ ہی قیصر کی طرح کی کوئی فوج آپ ﷺ کے پاس تھی۔[45] نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی عظیم مدبر و منتظم بھی تھی اور آپ ﷺ کی مکی زندگی میں قبل از نبوت کے واقعات آپ ﷺ کی سیاست اور اجتماعی شعور و تدبیر کی بہترین مثال ہیں۔ ان میں سے پہلا واقعہ تو حلف الفصول کا ہے۔ جس کے متعلق نبی کریم ﷺ فخریہ یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ میں اس معاہدے میں شریک تھا۔[46] رسول اللہ ﷺ کے سیاسی تدبیر کی دوسری شہادت حجر اسود کے نصب کرنے کا واقعہ ہے[47] جب سب نے اس کو نصب کرنے میں اپنا اپنا حق تفوق پیش کیا تھا۔ اس وقت اختلاف و منافرت کی جو آگ کتنے ہی خرمنوں کو خاکستر کرنے والی تھی وہ آپ ﷺ کے تدبر سے بجھ گئی اور اہل مکہ پر آپ ﷺ کی عظمت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی فراست بھی واضح ہو گئی۔[48] اعلان نبوت کے ساتھ ہی آپ ﷺ کی حیثیت قائدِ تحریک کی ہو گئی۔ جس پر مخالفتوں کے طوفان اٹھے اور مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے۔ معاشرتی مقاطعہ ہوا، اور رفقا کے لئے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ لیکن آپ ﷺ نے کاروانِ شوق کو اپنی پیغمبرانہ بصیرت و تدبر اور تائید ایزدی کے ذریعے بچا لیا۔ اگر آپ ﷺ کی سیاسی پالیسی و فراست میں ذرہ بھر کمی ہوتی تو مکہ میں تصادم ہو جاتا اور مٹھی بھر مسلمان ختم ہو جاتے۔[49]

### 4.1.9۔ جمہوری نظام حکومت کے لیے مجلس شوریٰ کا قیام:

اسلامی ریاست میں مجلس شوریٰ کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ شوریٰ کی پہلی نبوی مثال ایک مذہبی معاملہ سے متعلق ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ہجرت کے معاً بعد نماز کے لئے بلانے کے طریقہ پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ متعدد رائیں دی گئیں اور بالآخر فیصلہ مروجہ اذان کے کلمات پر ہوا جس کی رائے بہ اختلاف روایات حضرات عبداللہ بن زید انصاری اور عمر بن خطاب عدوی قریشی کے علاوہ متعدد دوسرے اصحاب نے دی تھی۔[50] مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے جگہ کا انتخاب صلاح و مشورہ کے بعد ہی ہوا تھا۔[51] مواخاۃ کا نظام بھی طرفین کی مرضی اور باہمی مشاورت سے قائم کیا گیا تھا۔[52] مدینہ کے یہودی قبائل کی آراضی کی تقسیم انصار کے مشورہ و مرضی سے عمل میں آئی تھی۔[53] نظام حکومت کا بنیادی ضابطہ قرآن مجید کی رو سے (وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ)[54] ہے۔ قرآن کا یہ مختصر جملہ نظم و ضبط کا واحد ثبوت ہے۔

حربی امور کے سلسلہ میں مشورہ اور ان کے مشیروں کے اسماء گرامی کا ذکر خاصی صراحت کے ساتھ ملتا ہے۔ غزوہ بدر سے قبل جب قریش مکہ کی فوج کی آمد کی خبر ملی تو اسلامی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی اور حضرت ابو بکر و عمر و مقداد بن عمرو خزاعی نے مہاجرین میں سے اور حضرت سعد بن معاذ اوسی، سعد بن عبادہ خزرجی اور حباب بن مندر خزرجی نے آپ کے منصوبہ جنگ کی بھرپور حمایت کی۔[55]

### 4.1.10۔ اسلامی ریاست کا حکمران بطور راعی:

جب رسول اللہ ﷺ کی نیابت خلفاء کے سپرد ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے "خلیفۃ اللہ" کی بجائے اپنے لیے "خلیفۃ الرسول" کا لقب پسند فرمایا۔ اسلامی حکومت کے سربراہ کے فرائض میں جملہ اُمور و معاملات یعنی نظریاتی، عسکری، اقتصادی، قانونی اجتماعی، تعلیمی، انسانی اور اخلاقی سبھی قسم کی ذمہ داریاں شامل ہیں چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ألا كلكم راع وكلكم مسؤل عن رعيته، فلا مام الذي علي الناس راع وهو مسؤل عن رعيته، والرجل راع علي أهل بيته، وهو مسؤل عن رعية علي أهل بيت زوجها، وولده وهي مسؤلة عنهم، عبدالرجل راع علي مال سيده وهو مسؤل عنه، ألا فكلكم راع كلكم مسؤل عن رعيته۔[56]

"آگاہ رہو کہ تم میں سے ہر شخص نگران اور اپنی رعیت کا مسؤل (یعنی ذمہ دار اور جوابدہ) ہے۔ چنانچہ لوگوں کا امیر بھی نگران ہے اور اپنی تمام رعایا کا مسؤل ہے۔ آدمی اپنے اہل خانہ کا نگران اور ذمہ دار ہے۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران اور ذمہ دار ہے اور آدمی کا غلام اپنے مالک کے مال پر نگران اور اس کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ تم سب نگران اور جوبداہ ہو"۔

اس فرمان کے مطابق ہر شخص کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی ذمہ داریوں کے بابت

جوابدہ ہونا پڑے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا يسترعي الله تبارك وتعالي عبدارعية قلت أو اكثرت الاسأله الله تبارك وتعالي عنها يوم القيامة أقام فيهم أمر الله تبارك وتعالي أم أضاعه حتي يسأله عن أهل بيته خاص[57]

"اللہ تعالیٰ جس شخص کو رعیت کا "خواہ وہ کم ہو یا زیادہ" ذمہ دار بناتا ہے اس سے رعایا کے متعلق قیامت کے دن باز پرس بھی کرے گا کہ اس نے اپنی رعایا کے بارے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو قائم کیا یا ضائع کیا؟ یہاں تک کہ اس کے اہل خانہ کے متعلق بھی خصوصیت کے ساتھ پوچھا جائے گا"۔

### 4.1.11۔ انتظامی عہدے داروں کی معیاری بنیادوں پر تقرری:

آپ ﷺ حکام و عمال سے فرمایا: "ہاں مظلوم کی بد دعاء سے بچتے رہنا کہ ان کی دعا، اور قبول میں کوئی چیز حارج نہیں ہوتی، اور اُن سے فرمایا کہ: "تم اپنے عاملوں کو اپنے عمل سے راضی رکھو"۔[58]

آپ ﷺ نے مختلف کلیدی عہدوں پر حکام کی تقرری معیار پر کی۔ یہ تقرری نہ صرف امت اسلامی کے تمام ارکان کی معاشرتی و سیاسی مساوات کی دلیل ہے بلکہ خاندانی شرف و نجابت پر فخر کرنے والے عربوں کے نظریہ نجابت کے لیے برہان قاطع بھی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صلاحیت ولیاقت ہی بنائے تقرری تھی نہ کہ قرابت، خون کی رشتہ داری یا محض خاندانی وجاہت۔[59]

عہد نبوی ﷺ کے نظام حکومت کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں کار فرماؤں اور کار پردازوں کے سامنے خوب و ناخوب کے جو پیمانے رکھے جاتے ہیں، ان میں بنیادی تصور اللہ کی رضاجوئی، فلاح آخرت اور رعایا کی خیر خواہی ہے اور فی الواقع رعیت کے حق میں بھی اس کے نتائج بڑے مفید اور خوشگوار ثابت ہوئے۔[60]

جو اس اسلامی ریاست میں جاری و ساری تھا۔ چنانچہ ایک سربراہ ریاست کی انتہائی اہم ذمے داری یہ ہے کہ وہ ریاست کے انتظامی مناصب پر ایسے لوگوں کا انتخاب کرے، جو ریاست کے مقصد وجود کو سمجھتے ہوں اور اپنی صلاحیتوں کو ٹھیک ٹھیک استعمال کر کے اپنے عہدوں سے انصاف کر سکتے ہوں۔[61] رسول اللہ ﷺ نے ان مناصب کا رشتہ اخلاقی تعلیمات سے استوار کرتے ہوئے فرمایا:

انا والله لا نولي علي عملنا هذا احدا سأله وحرص عليه[62]

"خدا کی قسم، ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے، جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص ہو"۔

نظم و نسق ریاست کے سلسلے میں مختلف انتظامی مناصب پر اہل اور دیانت دار افراد کے تقرر اور امورِ ریاست کی احساس ذمے داری کے ساتھ کڑی نگرانی کا نتیجہ یہ تھا کہ ریاست نبوی ﷺ کو ایک مضبوط انتظامی ڈھانچہ مل گیا

اور پھر اس کا مزید خوشگوار نتیجہ یہ تھا کہ معاملات ریاست جس طرح رسول اللہ ﷺ کی دارالحکومت میں موجودگی میں چلتے تھے اسی طرح آپ ﷺ کی مدینے سے غیر حاضری کی صورت میں بھی معمولاً جاری رہتے تھے۔[63] یقیناً ایک حکومت کے بہترین نظم و نسق کا دارومدار بنیادی طور پر اس بات پر ہے کہ جس عہدہ کے لیے جس شخص کا انتخاب کیا جائے وہ اس کے لیے موزوں ترین ہو۔

### 4.1.12۔ معتدل و متوازن نظام حکومت کی بنیاد رکھنا:

آپ ﷺ نے ایک معتدل و متوازی نظام حکومت کی بنیاد رکھی۔

As the Prophet and reformer of his people Muhammad (PBUH) could not be otherwise than a revolutionary in the fullest sense of the word ،for his religious propaganda introduced not only a complete change in the political situation but also had an equally important bearing on the social conditions.[64]

نبی ﷺ نے سیاسی رہنما کی حیثیت سے جو نظام حکومت قائم فرمایا وہ کوئی شہنشاہی نظام نہ تھا بلکہ اسلام کی محدود ضروریات کے مطابق ایک سادہ اور مختصر نظام حکومت تھا اور وقتاً فوقتاً جو ضروریات پیش آتی جاتی تھیں اس کے مطابق بنتا جاتا تھا۔

آپ ﷺ نے اجتماعی تنظیم اور امن وامان کی بحالی کے لیے چند فوری اقدامات فرمائے۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر فرمائی، اجتماعی نظم و نسق کے لیے مدینہ کے انتظامی امور کا بار آپ ﷺ کے کاندھوں پر تھا۔ ارد گرد کے قبائل سے معاہدہ امن کیا۔ خارجی و داخلی امن وامان کے لیے کوشیش کیں۔ مدنی دور میں آپ ﷺ کی ذمہ داریاں مقدمات کا فیصلہ، فرامین کا اجراء، والیوں کا تقرر، زکوٰۃ کے محصلین کا تقرر، عہدے دار افراد کی خبر گیری، احتساب، نوجوانوں کی تربیت، فوج کی تربیت، مساجد کی تعمیر، خانہ جنگیوں کا انسداد، غیر مسلم قوموں سے مصالحت جرائم پر اجرائے حد یا تعزیر، سرایا کی روانگی اور مسائل شرعیہ میں افتاء تھیں۔[65]

### 4.1.13۔ نفاذ حدود و تعزیرات کے ذریعے اسلامی معاشرے کی تطہیر:

اسلامی ریاست کے تحت سربراہ ریاست پر اللہ تعالیٰ کے احکامات و قوانین کے نفاذ کی پابندی عائد کی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حدود اللہ کے نفاذ سے معاشرتی تطہیر کے تصور کو موجب رحمت و برکت قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"اقامة حد من حدود الله خير من مطر اربعين ليلة في بلاد الله"[66]

حدود و تعزیرات کے بغیر کوئی معاشرہ بھی پھل پھول نہیں سکتا۔ اگر سزا کا ڈر نہ ہو تو انسان بے لگام ہو جائے چنانچہ آپ ﷺ نے مختلف علاقوں میں قاضی مقرر فرمائے جو شریعت کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ مختلف علاقوں

میں متعین یہ والی عدل اور امن وامان کے ذمہ دار اور داعی ہوا کرتے تھے۔

### 4.2۔ نظم وضبط کے مذہبی ڈھانچے کے نمایاں خدوخال:

#### 4.2.1۔ وحدت الہ کا تصور پیہم:

قرآن مجید دنیا کی واحد مذہبی کتاب ہے جو اپنے خطاب کا اغاز یا بنی آدم اور یا ایھا الناس جیسے الفاظ سے کرتی ہے۔ قرآن نے خالق کائنات کا تعارف بھی کسی قوم، قبیلہ یا نسل کے معبود کے طور پر نہیں بلکہ رب العالمین اور رب الناس کے طور پر کرایا ہے۔ خالق کائنات پوری کائنات اور عالم انسانیت کا فرمانروا ہے، وہ پوری انسانیت کا خالق ومالک اور معبود ہے، جس ذات گرامی ﷺ کے ذریعے قرآن مجید انسانوں تک پہنچایا گیا اس کا امتیازی وصف بھی رحمت للعالمین ہے۔ حضور ﷺ نے اس عالمی نظام کی بنیادیں اور بنیادی قواعد وضوابط مقرر فرمائے جو وحدت الہ پر مبنی تھے۔ اورقل ھو اللہ احد کا عملی مصداق تھے۔

#### 4.2.2۔ مذہبی رواداری کا فروغ:

رواداری اسوہ نبوی ﷺ کا خصوصی طرہ امتیاز ہے، عفوودرگزر اور صبر و برداشت کے مثالی پیکر، پیغمبر رحمت ﷺ کے متعلق قرآنِ کریم نے شہادت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: " فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ "[67] تو اللہ کی رحمت کے سبب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تم مزاج کے اکھڑ اور دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔[68] چنانچہ رحمتِ عالم، حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں رافت ورحمت، صبر وبرداشت اور تحمل ورواداری کا وصف سب سے نمایاں طور پر ودیعت کیا گیا تھا۔

عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں: "لا نتعرض لهم في عقائد هم فحرية العقيدة حق مضمون للذمي"[69] ہم ان کے مذہبی معاملات اور عقائد میں مداخلت نہیں کریں گے، اس لئے کہ مذہبی آزادی اہل ذمہ کا وہ حق ہے، جس کی تعلیمات نبوی ﷺ میں یقینی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید لکھتے ہیں: "قرآن مجید میں اصول ملتا ہے کہ ہر مذہبی کمیونٹی کو کامل داخلی خود مختاری دی جائے۔[70] مغربی مورخ الفریڈ اسمتھ (ALFRED SMITH) معترف ہے: "پیغمبر اسلام ﷺ نے مذہبی رواداری کے جو اصول وضع کیے تھے، مسلمانوں نے ان پر سختی سے عمل کیا"۔[71] پر امن بقائے باہم اور مذہبی رواداری کا فروغ، پرچار اور نفاذ اسلامی تعلیمات اور سوہ نبوی ﷺ کی بنیاد ہیں۔ قرآن کے اصول رواداری(لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ)[72] "دین میں کوئی زبردستی نہیں، حقیقت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے"۔ اس کے مطابق لوگوں کو مذہب کے معاملے میں پوری آزادی حاصل ہوتی ہے۔

### 4.3۔ نظم وضبط کے معاشی ڈھانچے کے نمایاں خدوخال:

### 4.3.1۔ معاشی اعتبار سے معاہدات کی پابندی:

اسلامی نظام مملکت چونکہ انسانی فلاح و بہبود پر مبنی ہے، اس لئے اس میں دولت و سرمائے کی مساویانہ اور عادلانہ تقسیم کا انتظام کیا گیا ہے، تاکہ معاشرے کا کوئی فرد بھی محروم اور تہی دست نہ رہے اور عوام الناس بھی نظم وضبط کا پابند ہوں۔ فرمان الٰہی ہے:

(كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاء مِنكُمْ)[73]

"تاکہ دولت و سرمایہ تمہارے دولتمند لوگوں میں ہی گردش نہ کرتا رہے اور صرف سرمایہ دار طبقے میں ہی محدود نہ ہو جائے"۔

اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ معاشی و اقتصادی معاہدات کی پابندی کی جائے، تاکہ باہمی شک و شبہ اور بداعتمادی کی فضا ختم ہو کر امن وامان کی راہ ہموار ہو سکے، اور عام انسانی صلاحتیں اور قوتیں تعمیری کاموں میں صرف ہوں۔

آپ ﷺ نے وہ تمام طریقے اپنائے جن سے استحکامِ ملت ممکن تھا۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے سیاسی حکمت عملی سے دشمن کی قوت کو توڑا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے پہلی تدبیر یہ کی کہ مشرکین پر آپ ﷺ نے معاشی دباؤ ڈالا۔ اسی طرح اہل مکہ کے حلیفوں سے تعلقات استوار کئے۔ آپ کے مختلف معاہدوں پر نظر ڈالی جائے تو آپ ﷺ کی سیاست کا یہ اصول بڑا موثر ہے۔ بیعتِ عقبہ میں مدینہ والے دراصل قریش سے صلح کے لئے آئے تھے۔ میثاقِ مدینہ میں بھی یہی جذبہ کار فرما تھا جو آپ ﷺ کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار ہے۔[74]

### 4.3.2۔ بیت المال کا قیام وانصرام:

اسلامی ریاست میں افراد انسانی کی معاشی ترقی اور نظم وضبط کے لیے بیت المال کا انتظام بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ، عشر، خمس، جزیہ، صدقات اور اوقاف کا ایک بے مثال نظام پیش کیا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ عالمی فلاح کی ایک سکیم ہے۔ اور ارتکازِ دولت کی حوصلہ شکنی اور دولت کی منصفانہ تقسیم بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ)[75]

"اور آپ ﷺ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرمادیں جو ضرورت سے زائد ہے"۔

ایک مشہور روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ بھاگے ہوئے مدینہ سے باہر جا رہے ہیں۔ حضرت ملے اور دریافت کیا کہ آپ اس دھوپ میں کہاں بھاگے جا رہے ہیں؟ فرمایا! بیت المال کا ایک اونٹ کھو گیا ہے اس کو تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: "آپ نے اپنے بعد آنے والوں کو تھکا دیا"۔[76]

### 4.3.3۔ معاشی استحصال کا خاتمہ:

یہ نظام ہر انسان کو معاشی و اقتصادی آزادی کی بھی ضمانت دیتا ہے، اور معاشی استحصال کے خاتمے کا داعی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ آج سے ہر قسم کا سود (مکمل سودی معاشی نظام) منسوخ کیا جاتا ہے، سوائے راس المال کے، تم لین دین کی صورت میں نہ ظلم کرو نہ تم پر روزِ قیامت ظلم ہو گا"۔[77] تمام اقوام عالم ایک فطری، ہمہ گیر و آفاقی اور مثالی نظام معیشت کے نفاذ سے محروم ہیں۔ اس مسئلے کا واحد علاج اسلامی نظام معیشت کا نفاذ ہے۔ معاشی نظم وضبط کے لیے درج ذیل اقدامات لازم ہیں:

۱۔ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق متبادل معاشی نظام تشکیل دینا۔

۲۔ تمام مسلم ممالک کے درمیان مشترکہ کرنسی کا اجراء بھی ضروری ہے۔ ۳۔ تمام اسلامی ممالک باہمی تجارت کو فروغ دیں۔

نبی اکرم ﷺ کی مواخات کی حکمت عملی ہی اس ابتدائی زمانے میں ریاست کے مالیاتی اور اقتصادی استحکام کا باعث بنی۔ بعد میں بتدریج مالیاتی نظام کا ارتقاء و فروغ ہوتا گیا۔ اسلامی ریاست کے اہم ذرائع آمدنی یہ تھے۔ زکوٰۃ، غنائم، زراعت، متفرق ذرائع۔

معاشی نظام کے تحت محمد رسول اللہ ﷺ کے عمال مختلف علاقوں سے صدقات و زکوٰۃ اکٹھا کرتے اور ایمانداری سے مرکزی بیت المال میں جمع کرتے۔ عہد نبوی ﷺ کے عمال افسران نے اپنے مناصب اور عہدوں اور ذرائع کا استعمال اس قدر دیانت داری سے کیا کہ امت مسلمہ کے پاس چند سالوں میں مال و اسباب کے ڈھیر لگ گئے جس سے اسلامی ریاست کی معیشت مضبوط ہو گئی قیصر و کسریٰ زیر نگیں ہوئے۔ اس ضمن میں امام تیمیہؒ لکھتے ہیں:

وليس لولاة الأموال أن يقسموها بحسب أهوائهم، كما يقسم المالك ملكه، فانهم أمناء ونواب ووكلاء ليسوا ملاكا۔ [78]

"پس والیان مال کو کسی طرح حق نہیں پہنچتا کہ وہ مال کو اپنی خواہشات کے مطابق تقسیم کریں۔ جس طرح کہ مال کے مالک اپنا مال تقسیم کر لیتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں لیتے دیتے ہیں، کیونکہ والیانِ مال اس مال کے مالک نہیں ہیں بلکہ امین، نائب اور وکیل ہیں"۔

### 4.3.4۔ زراعت کو فروغ دینا:

ریاست کی آمدنی کا ایک ذریعہ زراعت تھا۔ ان تمام مدات سے حاصل ہونے والی آمدنی کا حساب حضرت بلالؓ کے پاس ہوتا تھا جو موذن رسول ﷺ بھی تھے۔ مسجد نبوی کے ایک حجرے کو مقفل رکھا جاتا تھا، جس کے انچارج حضرت بلالؓ تھے۔[79] اس طرح آپ پہلی اسلامی ریاست کے وزیر خزانہ تھے۔ حافظ ابن جریر سے منقول ہے زراعات کی ترقی کے لئے آپ ﷺ نے اہل مدینہ کو زیادہ سے زیادہ کاشت کرنے کا حکم دیا اور پیداوار بڑھانے کے لئے یہ تدبیر بتائی کہ کھیتوں میں اونٹوں کی کھوپڑیاں استعمال کیا کریں۔[80] ایک اور حدیث ہے کہ تجارت کی ترقی کے

لئے آپ ﷺ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ کپڑے کی تجارت کیا کرو کیونکہ کپڑوں کا تاجر یہ چاہتا ہے کہ لوگ خوشحال ہوں اور فارغ البال ہوں۔ [81] آپ ﷺ نے متعدد لوگوں کو تجارت کے لئے عمان اور مصر جانے پر آمادہ کیا۔ [82] زراعت اور معدنیات سے فائدہ اٹھانے کے لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أُطلبو ا الرزق في خبايا الارض- [83]

"زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں رزق تلاش کرو"۔

### 4.3.5۔ناجائز ذرائع آمدن کی حوصلہ شکنی (رشوت، سود خوری وغیرہ):

معاشی نظم وضبط کے لیے حضور ﷺ نے ناجائز ذرائع استعمال کرنے کی سختی سے مذمت کی۔ فرمایا:

عن عبدالله بن عمر وقال: لعن رسول اللهﷺ الراشي المرتشي- [84]

"حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے: رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر"۔

یہ گناہ ایسا ہے جس کے اثرات لا محدود ہیں اور آہستہ آہستہ پورے معاشرے کو تباہ کر ڈالتے ہیں، فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

عن عمرو بن العاص، قال: سمعت رسول اللهﷺ يقول: ما من قوم يظهر فيهم الربا، الا اخذوا بالسنة، وما من قوم يظهر فيهم الرشا، الا اخذوا بالرعب۔ [85]

"حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے سنا: کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ اس میں بدکاری عام ہو مگر یہ کہ وہ قحط سالی میں گرفتار ہو جاتی ہے اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں رشوت پھیل جائے مگر یہ کہ اس پر خوف و دہشت طاری ہو جاتی ہے"۔

سود ام الخبائث اور معاشی زندگی کا روگ ہے اور (فَأْذَنُوْ ابِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِه) کے تحت ان کے خلاف اعلانِ جنگ کا حکم ہے۔ لہذا معاشرتی ترقی اور نظم و ضبط کے لیے سودی معیشت سے جلد از جلد گلو خلاصی کروانا امر ناگزیر ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ آج کے بعد ہر قسم کا سودی کاروبار بند ہے اور کسی قسم کا سود نہیں لیا جائے گا۔ میں اپنی طرف سے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کی سودی رقم معاف کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاہلیت کے تمام خون اور انتقامِ باطل کر دیئے گئے۔ سب سے پہلے میں اپنے خاندان والوں۔ ربیعہ بن حارث عبد المطلب کا خون معاف کرتا ہوں۔ [86]

اسی طرح اللہ رب العزت نے متعدد جگہ اموال کے ناحق کھانے سے، باطل ذرائع اور ناجائز وسائل کے استعمال سے روکا ہے۔

### 4.3.6۔ زکوٰۃ اور ٹیکس کی ادائیگی پر زور دینا:

نماز اگر بدنی عبادت ہے تو زکوٰۃ مالی۔ جس طرح فرض نماز کا تارک کافر ہے اسی طرح فرض صدقہ (زکوٰۃ) کا منکر بھی کافر ہے۔ اسلامی زکوٰۃ کی وصولی کا نظام بھی عادلانہ اور ذمہ دارانہ تھا۔ صدقات اسلامی ریاست کی وہ آمدنی تھی جو صاحب حیثیت بررضاورغبت ریاست کو دے دیا کرتے تھے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے دو ہجری میں زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے صدقہ فطر کا حکم دیا تھا۔ آپ ﷺ نے ہی فطر کی مقدار بھی مقرر فرمائی تھی۔ مثلاً ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو مسلمانوں میں سے ہر آزاد، غلام مرد عورت پر فرض ہے۔ قرآن کی رو سے صدقات کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔ [87]

### 4.4۔ نظم وضبط کے دفاعی وعسکری اور سراغ رسانی کے ڈھانچے کے نمایاں خدوخال:

عوام الناس کو پر امن رکھنے کے لیے ملک کی حفاظت، دیار اسلام کا دفاع، مال وجان کا تحفظ امت کو خطرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کر کے قیام امن کرنا اسلامی ریاست کی بہت بھاری ذمہ داری ہے۔

اسلامی ریاست کے اہم ترین فرائض میں نظم وضبط کے دفاعی نظام کا قیام بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو زمانہ امن کی فوجی تربیت، ہتھیاروں، گھوڑوں اور باربرداری کے اونٹوں اور دوسرے جنگی سازوسامان کی فراہمی سے بڑی دلچسپی تھی۔ (جو آپ ﷺ کی دفاعی تیاریوں کا حصہ تھا) عورتیں بھی جنگی مہمات میں حصہ لیتیں۔ عام طور پر ان کی خدمات کا دائرہ زخمیوں کی خبر گیری، سپاہیوں کے لیے کھانے کی تیاری اور دوسرے سول معاملات تک محدود تھا۔ تاہم ہنگامی صورتحال میں وہ باقاعدہ لڑائی میں بھی شرکت کرتیں۔ [88]

عن أنسؓ قال كان النبيﷺ أحسن الناس وأشجع الناس ولقد فزع أهل المدينة ليلة فخرجوا نحو الصوت فاستقبلهم النبيﷺ وقد استبرأ الخبر وهو علي فرس لأبي طلحة عري وفي عنقه السيف وهو يقول لم ترا عوا لم تراعوا- ثمه قال وجدناه بحرا- أوقال انه لبحر- [89]

"حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور سب لوگوں سے زیادہ بہادر تھے ایک مرتبہ مدینہ والوں کو کچھ خوف ہو گیا اور ایک طرف سے کچھ آواز آرہی تھی تو لوگ اس آواز کی طرف گئے آنحضرت ﷺ سب سے آگے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے اس واقعہ کی تحقیق کی آپ ﷺ ابو طلحہؓ کے گھوڑے پر بغیر زین کے سوار تھے، اور گلے میں تلوار حمائل تھی اور آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ ڈرو مت کوئی خوف نہیں ہے اس کے بعد فرمایا: البتہ ہم نے اس گھوڑے کو دریا کی طرح سبک سیر دیکھا"۔

عہد رسالت میں ریاست مدینہ کی حفاظت کا باقاعدہ انتظام وانصرام موجود تھا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ لکھتے ہیں کہ "اس بارے میں کچھ لوگوں کا تاثر یہ ہے کہ جب حضور ﷺ جہاد کی ضرورت محسوس کرتے تھے تو ایک ہجوم جمع

ہو جاتا تھا اور چل پڑتا تھا۔ ایسا نہیں تھا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد حضور ﷺ نے اولین فرصت میں جو کام کیے ان میں ایک مردم شماری کا کام تھا۔ مردم شماری میں تمام بالغ مسلم خواتین و حضرات کے نام لکھے گئے، پھر جب کوئی غزوہ یا دستہ بھیجا جاتا تھا تو شرکاء کے نام باقاعدہ لکھے جاتے تھے، فہرست بنتی تھی اور اس کا ریکارڈ بنتا تھا"۔[90] احادیث مبارکہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ غزوات و سرایا میں افراد کے نام کا اندراج کیا جاتا تھا۔ مثلاً عن ابن عباس قال جاء أعرابي الي النبي ﷺ قال: اني اكتتبت في غزوة كذا وكذا وامرأتي حاجة قال: فارجع معها۔[91]

حاصل بحث یہ ہے کہ ریاستی نظم اور حفاظت کے لیے محکمہ دفاع اہم کردار ادا کرتا ہے اور حفاظت کے لیے قبل از وقت انتظام کرنے کا ثبوت قرآن واحادیث میں صراحتاً موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے سلسلے میں ایک مکمل ضابطہ حیات اور قانون صلح دیا۔ جنگ کے آداب، اس کے اخلاقی حدود و محاسن کے حقوق مقاتلین وغیرہ کا فرق، معاہدین مفتوح قوموں، سفراء اور اسیران جنگ کے حقوق وغیرہ کی تعلیم دی ہے اور غفلت میں حملے کرنے، آگ لگانے، لوٹ مار، تباہ کار، مثلہ قتل اسیر، بدعہدی، وبد نظمی انتشار اور دوسرے وحشیانہ افعال کو قطعا ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کے مقابلے میں تقویٰ، خوفِ خدا، ایفائے عہد، رحم وہمدردی کی ہدایت کی۔[92]

اسلام کسی طرح فتنہ وفساد کرنے، باہم تندہی اور سختی یا جبر کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام جنگ کے برعکس صلح جوئی، امن اور خیر سگالی چاہتا ہے۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:"انا نبي الرحمة انا نبي الملحمة"۔[93]

ریاستی نظم ونسق اور دفاعی منصوبوں کی کامیابی کا انحصار بروقت اور درست اطلاعات کی فراہمی پر بھی ہوتا ہے۔ ملکی حفاظت کی غرض سے تعسس و تجسس کی ممانعت نہیں ہے۔ سیرت طیبہ سے اس ضمن میں کئی مثالیں ملتی ہیں مثلاً

عن أنس قال بعث يعني النبيﷺ بسيسة عينا ينظر ما صنعت عير أبي سفيان[94]

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بسیسہ کو جاسوس بنا کر بھیجا تاکہ وہ دیکھے کہ ابوسفیان کا قافلہ کیا کر رہا ہے"۔

اس طرح حضرت عباسؓ قریش مکہ کی تیاریوں سے حضور ﷺ کو مطلع فرماتے رہتے تھے۔[95] پس محکمہ سراغ رسانی ملکی نظم ونسق کے حوالے سے ایک اہم محکمہ ہے اور ملک وملت کی سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ اس اہم کام کے لیے انتہائی قابل وضابط اشخاص کا انتخاب کیا جائے۔

### 4.5۔ نظم وضبط کے سماجی ومعاشرتی ڈھانچے کے نمایاں خدوخال:

### 4.5.1۔ منصفانہ عدالتی نظام کا فروغ:

اسلامی ریاست کا اصل مقصد اجتماعی عدل کے اس متوازن نظام کو رائج کرنا ہے، جو قرآن حکیم پیش کرتا ہے۔ اس کا مقصد بدی کی ان تمام صورتوں کو مٹانا اور نیکی کی ان تمام شکلوں کو قائم کرنا ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح ہدایات بیان فرمائی ہیں۔ اسلامی ریاست ایک ہمہ گیر ریاست ہے۔ تنظیمی اعتبار سے اس کا دائرہ عمل پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ یہ تمدن کے ہر شعبہ کو اپنے مخصوص اخلاقی نظریہ اور اصلاحی پروگرام کے مطابق ڈھالنا چاہتی ہے۔ اسلامی ریاست کے آئینی اور قانونی ڈھانچے کا یہ خاصہ ہے کہ اسلام میں صدر ریاست اور گورنروں اور اعلیٰ حکام اور عامۃ الناس سب کے لیے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام عدالت ہے کسی کے لیے کوئی قانونی امتیاز اور خصوصی عدالتیں نہیں ہیں نہ کوئی قانون کی پکڑ سے مستثنیٰ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے آخر وقت میں خود اپنے آپ کو پیش کیا کہ جس کو میرے خلاف کوئی دعویٰ ہو وہ آئے اور اپنا حق وصول کرے۔

عدل کے بہترین مثال اس حدیث سے ملتی ہے عن عاشة أن قريشا أهمهم شأن المرأة المخزومية التي سرقت، فقالوامن يكلم فيها رسول اللهﷺ فقالوامن يجترئُ عليه الا أسامة حب رسول اللهﷺ فكلمه أسامة فقال رسول اللهﷺ أتشفع في حد من حدوداللہ ثمه قام فاختطب فقال ايها الناس انما أهلك الذين ابلكم أنهم كانو ا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف أقامواعليه الحد وايم الله لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها۔[96]

اس طرح سے آپ ﷺ نے عدل وانصاف کا آغاز اپنی ذات مبارکہ سے کیا جس کی بعد ازاں صحابہ کرامؓ نے پیروی کی۔

### 4.5.2۔ خاندان کے باہمی حقوق وفرائض کی ادائیگی پر زور:

ہر خاندان، خواہ اس کے افراد کہیں بھی رہتے ہوں۔ مرد، عورت، والدین، اولاد، بہن، بھائی وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان سب کا آپس میں خونی رشتہ ہوتا ہے۔ یہ ایک زبان بولتے ہیں۔ ایک جیسا لباس پہنتے ہیں اور عام طور پر ایک ساتھ مل کر رہتے ہیں۔ یہ انسانی معاشرے کی بنیادی اکائی ہوتا ہے، اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے اصلاح وارشاد کا کام اسی اکائی سے شروع کیا۔ اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو پھر معاشرے کی اصلاح اور نظم وضبط آسان ہو جاتی ہے۔ کیونکہ معاشرہ ایسی لاتعداد اور لامحدود اکائیوں سے ہی وجود میں آتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

(يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا اَنفُسَكُمْ وَاَهْلِيكُمْ نَارًا)[97]

"اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ"۔

اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے اسی صورت میں بچایا جا سکتا ہے کہ ان کی دیکھ بھال اور تربیت صحیح اسلامی

خطوط پر کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعے تمام بنی نوع انسان، بالخصوص مسلمانوں کو حقوق و فرائض کا ایک نظام دیا ہے۔ اگر ہم میں سے ہر کوئی اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے تو دنیا سے ناانصافی اور ظلم کا خاتمہ ہو کر نظم قائم ہو جائے۔

### 4.5.3۔ووٹ کے صحیح استعمال کا حق:

حکومت اور اس کے اختیارات اور اموال اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کی امانت ہیں، اور اس امانت میں کسی شخص کو من مانے طریقے پر یا نفسانی اغراض کے لئے تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَن تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلَى اَهْلِهَا)[98]

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ (دور جدید میں اس کا مطلب ہے ووٹ) اہل امانت کے سپرد کرو"۔

اگرچہ دور نبوی ﷺ میں بیلٹ پیپر کا طریقہ رائج نہیں تھا۔ لیکن ایک اسلامی مملکت میں انتخابات کو یکسر ترک کر دینے کی بجائے اس میں اسلامی حکومت کی ضروریات کے مطابق اصلاحات کی جائیں۔

### 4.5.4۔ریاست سے وفاداری کے قواعد وضوابط:

ریاست کی انتظامی کامیابی کے لیے اس کے شہریوں کا ریاست سے کلی وفاداری لازم ہے کا قرآن مجید میں اسلامی ریاست کے اس اصول کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ:

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً)[99]

"اے ایمان والو! حکم مانو رسول ﷺ کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کے حضور رجوع کرو۔ اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا"۔

### 4.5.5۔بنیادی حقوق کی فراہمی (مقاصد الشریعہ کا حصول):

اسلام عالمگیر نظام امن ہے کہ جو شرعی مقاصد و حقوق کو مکمل ہم آہنگی سے پورا کرتا ہے اور بنیادی طور پر انسان کو ان پانچ چیزوں کی حفاظت کی ضرورت ہے: ۱۔ حفاظت جان ۲۔ حفاظت مال ۳۔ حفاظت عزت وآبرو ۴۔ حفاظت نسل ۵۔ محافظت عقل

شریعت اسلامیہ کے ان پانچ اصولوں کی حمایت اور وضاحت کرتے ہوئے امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

نعني بالمصلحة المحافظة علي مقصود شرع، ومقصود الشرع من الخلق خمسة وهو ان يحفظ عليهم دينهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم فكل ما لتضمن حفظ

هذه الاصول الخمسة فهو مصلحة وكل ما يغوت هذه الاصول فهو مفسدة ورفعها مصلحة۔[100]

"اسلامی شریعت میں مصلحت مقاصد شریعت کی حفاظت کا نام ہے اور شرع کو مخلوق کے پانچ امور کی حفاظت مقصود ہے۔ دین، نفس، عقل، نسل اور مال۔ پس ہر وہ شے جو ان امور کی حفاظت کرے مصلحت ہے اور جو چیز ان مصالح کے ضیاو فوات کو متضمن ہو وہ مفسدہ ہے اور اس کا دفع کرنا مصلحت ہے"۔

شریعت اسلامیہ میں انسانی حقوق کے تحفظ پر حد درجہ زور دیا گیا ہے۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ رعایا کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے داعی امن رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

فان دماءكم واموالكم واعراضكم حرام الي أن تلقوا ربكم كحرمة يومكم هذا۔[101]

"بلاشبہ تمہاری جان و مال اور آبرو ایک دوسرے کے لئے اسی طرح محترم ہے جس طرح آج کا یہ دن ہے حتی کہ تم اللہ سے جاملو"۔

### 4.5.6۔ نظم وضبط کے لیے پابندی وقت:

پابندی وقت اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک انتہائی اہم اصول ہے۔ ہمارے تمام دینی فرائض کے اوقات مقرر اور معین ہیں۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مومن کا سب سے پسندیدہ کام یہ ہے کہ وہ ٹھیک وقت پر نماز ادا کرے۔ سرکاری امور کی انجام دہی کے لیے بھی پابندی انتہائی ضروری امر ہے، ان معاملات میں نظم وضبط اور وقت کی پابندی دیانت وامانت اور فرض شناسی شامل ہے۔

عوام الناس کو ان کے حقوق بروقت دلانے کے لیے اسلامی ریاست اور عمال ریاست کو پابندی وقت کے ساتھ ہر کام کو وقت پر کرنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ کام میں زور و قوت باقی رکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ ڈالا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو تمہارے سامنے کاموں کا ڈھیر لگتا جائے گا اور تمہیں یہ سدھ نہ رہے گی کہ سب سے پہلے کسی کام کو انجام دیا جائے، نتیجہ یہ ہو گا کہ تم اپنے کام بگاڑ لو گے۔[102]

### 4.5.7۔ ملکی امور میں خواتین کی شمولیت کا ضابطہ:

رسول اللہ ﷺ کے عطا کردہ زریں جمہوری اصولوں پر خلفائے راشدین بھی کار بند رہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مختلف ریاستی معاملات میں خواتین سے مشاورت کی۔ ایک رات حضرت عمرؓ مدینے میں لوگوں کے مسائل سے آگہی کے لیے گھوم رہے تھے کہ ایک گھر سے آپؓ نے ایک عورت کے اشعار سنے جس میں وہ اپنے شوہر کی جدائی کا ذکر کر رہی تھی جس کا شوہر جہاد پر جانے کی وجہ سے کافی عرصے سے گھر سے دور تھا۔ اس معاملے نے آپ کو پریشان کر دیا اور آپ نے واپس آتے ہی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے اس پر مشاورت کی اور ان کے مشورے سے مجاہدین

کے گھر سے دور رہنے کی زیادہ سے زیادہ مدت چار ماہ مقرر فرمائی۔[103]

مسلم معاشرے میں خواتین کو صرف مجلس شوریٰ کی رکنیت کا حق ہی حاصل نہیں تھا بلکہ وہ مختلف انتظامی ذمہ داریوں پر بھی فائز رہیں مثلاً حضرت عمرؓ نے شفا بنت عبداللہ عدویہ کو بازار کا نگران مقرر کیا تھا وہ قضاء الحسبہ (Accountability Court) اور قضاء سوق (Market Administration) کی ذمہ دار تھیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کا ام المومنین ام سلمیٰؓ سے مشورہ کرنا صائبۃ الرائے خواتین سے مشاورت کا اصول بیان کرتا ہے۔[104]

### 4.5.8۔ اوقات کار کا منصفانہ اہتمام:

روز مرہ معمولات میں نظم و ضبط کے لیے لازم ہے کہ صاحب اختیار اپنے کام کو مکمل وقت دے۔ مقررہ وقت سے قبل کام چھوڑ کر نہ جائے اور اس دوران جو ذرائع واشیاء اسے جس مقصد کے لیے فراہم کی گئی ہیں انہیں انہی مقاصد کے لیے استعمال کرے، فرمانِ نبوی ﷺ ہے۔

من ولي من أمر المسلمين شيئا فلم يحطهم بنصيحة كما يحيط أهل بيته فليتبو أمقعده من النار۔ [105]

"جس شخص نے مسلمانوں کے اجتماعی امور کی ذمہ داری قبول کی پھر اس نے ان کے ساتھ خیر خواہی نہ کی اور ان کے کام انجام دینے میں اپنے آپ کو اس طرح نہیں تھکایا جس طرح وہ اپنی ذاتی ضرورت کے لیے خود کو تھکاتا ہے تو اللہ اس شخص کو منہ کے بل جہنم میں گرا دے گا"۔

### 4.5.9۔ اعتدال پسندی کا اصول اپنانا:

اسلام اعتدال پسندی دنیا اور آخر دونوں کی اصلاح کا طریقہ بتاتا ہے، قرآن کریم عوام الناس کو دعائیہ کلمات بھی معتدل انداز میں کرنے کا درس دیتا ہے۔رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً۔[106]

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھلائی بخش اور آخرت میں بھی"۔

اسی اعتدال پسندی، روشن خیالی اور میانہ روی کی وجہ سے قرآن کریم نے ملت اسلامیہ کو "أُمَّةً وَسَطًا"[107] کا خطاب دیا۔ کیونکہ اسلام کی راہ اعتدال کی راہ ہے، ہر چیز میں اعتدال، تصور اور عقائد میں، عبادت اور زہد میں، اخلاق اور رویے میں، معاملات اور قانون سازی میں، اسی راہ کا نام اللہ نے "صِرَاطَ المُستَقِيم" رکھا ہے۔[108]

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:"عن ابنِ عباس قال، قال رسول الله ﷺ: اياكم والغلو في الدين، فانما اهلك من كان قبلكم لغلوفي الدين"۔[109] حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: خبردار دیکھو، دین میں غلو (انتہا پسندی) سے بچنا، کیونکہ بے شک، تم سے پہلے

لوگ دین میں غلو اور انتہا پسندانہ رویے کی بنا پر ہلاک کر دیے گئے۔ اسی طرح متعدد احادیث میں آسانی اختیار کرنے، تنگی اور کجی کی راہ اختیار نہ کرنے، بشارت سنانے اور منافرت کا پیغام عام نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

### 4.5.10۔ تعصب کا خاتمہ:

آنحضرت ﷺ نے ضلالت و کفر اور عصبیت کو مٹانے کیلئے باقاعدہ جہاد کیا اور خون و خاک، رنگ و زبان، پستی و بلندی کی تفریق کو مٹا کر تمام بنی نوع کو یکساں قرار دیتے ہوئے فرمایا:

ليس منامن مات علي العصبيه- ليس منامن دعا الي العصبيه، ليس منامن قاتل علي العصبيه-

"جس نے عصبیت پر جان دی۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جس نے عصبیت کی طرف بلایا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے"۔[110]

امت مسلمہ کے قیام کیلئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

من أراد أن يفرق أمر هذه الأمه وهي جميع فاجر بوه بالسيف كائنا من كان

"جو کوئی اس امت کے بندھے ہوئے رشتے کو پارہ پارہ کرنے کا ارادہ کرے اس کی تلوار سے خبر لو، خواہ وہ جو بھی ہو"۔[111]

حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے جب آپ ﷺ نے جاہلیت کی رسموں کے خاتمے کا اعلان کیا۔ تو اس کا عملی نفاذ اپنے آپ اور اپنے خاندان والوں سے شروع کیا۔ لسانی و گروہی تعصبات کے خلاف تعلیماتِ نبوی ﷺ کی بدولت ہی حضرت بلال حبشیؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت صہیب رومیؓ اعلیٰ حسب و نسب اور رنگ و نسل کی نسبت نہ رکھنے کے باوجود اور علاقائی لسانی، گروہی اور جغرافیائی تفاوت کے باوجود بارگاہِ نبوت میں عزت واحترام کے جس عظیم مقام سے سرفراز ہوئے وہ معاشرتی زندگی کے لئے وجہ افتخار بن گیا۔

### 4.5.11۔ انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے اقدامات:

تمام دنیا سے دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے تمام اقوام اور مذاہب کا ایک دوسرے کو برداشت یعنی ضبط کرنا ضروری ہے:

A Tolerance for legitimate differences must be achieved if conflicts between nations are to be avoided. A universal Society can only function if individual socities accept adequate standards of tolerance.[112]

حضور ﷺ نے اپنے مبارک دور میں برداشت وضبط کی بے شمار مثالیں قائم کیں۔ مکی دور کے تیرہ سال تو سراپا صبر و برداشت ہیں ہی، مدنی دور بھی صبر و برداشت اور پر امن بقائے باہمی کے واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ نجران

کے عیسائیوں کا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے بعد مسجد نبوی میں اپنے طریقے سے نماز ادا کرنا (صلوا صلاتهم) اور ثقیف کے بت پرست مشرکوں کے وفد کو مدینہ کی مسجد نبوی کے ایک گوشے میں خیمے لگا کر ٹھہرانا حالانکہ خیمے کے لئے مدینہ میں جگہ کم نہ تھی، بعض حضرات نے کہا یہ ناپاک ہیں، آپ نے فرمایا: ليس علي الارض من نجاستهم شيء یعنی ان کی نجاست سے زمین پر کوئی اثر نہیں پہنچتا۔

اسلامی ریاست ضامن ہے اس بات کی کہ انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے قومی سطح پر ٹھوس اقدامات کیے جائیں اور اختلافی مسائل کی سرعام اشاعت نہ کی جائے۔ تاکہ ملکی نظم و نسق اور امن وامان قائم رہ سکے۔

### 4.5.12۔ نظم وضبط کے لیے ٹریفک کے قوانین وضوابط:

سماجی لحاظ سے بلدیاتی نظام میں سب سے اہم کام سڑکوں، پلوں کی تعمیر اور دیکھ ریکھ کے علاوہ نئی شاہراہوں کی تعمیر اور آیندہ کے لیے ان کی منصوبہ بندی کا کام ہوتا ہے۔ بعض لوگ ذاتی اغراض کے لیے سڑکوں کو گھیر لیتے ہیں۔ بعض مستقل طور پر دیواریں کھڑی کر لیتے ہیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ: "اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم راستے میں اختلاف کرو تو اس کی چوڑائی سات ہاتھ ہو گی۔ اس سے کم گلی بھی نہیں ہو سکتی"۔[113] نیز سڑکوں پر بیٹھ کر باتیں کرنے اور ٹریفک کو روکنے سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔ کیونکہ اس سے عوام میں نظم وضبط پروان چڑھتا ہے۔ آپ ﷺ نے جانوروں تک کے لیے راستے کی آزادی برقرار رکھی ہے۔

### 4.5.13۔ قومی مفادات کا تحفظ ونگہداشت:

اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ قومی مفادات سرکاری ذرائع و وسائل اور قومی دولت کی نگرانی اور اس سلسلے میں پوری امانت داری سے کام لیں۔ قومی مالیات جو حکام کی تحویل میں ہوتی ہیں، امانت ہوتی ہیں اور ان میں ذرہ برابر خورد برد خیانت کے ذیل میں آتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ما من وال يلي رعية من المسلمين فيموت وهو غاش لهم الا حرم الله عليه الجنة۔[114]

"کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے، پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے، وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں قطعاً داخل نہیں ہو گا"۔

اسلامی ریاست کی غرض غایت دنیا کی بہتری قرار دیتے ہو علامہ ابو الحسن ماوردیؒ فرماتے ہیں۔ کہ دنیا کی بہتری دو صورتوں سے اپنا اعتبار قائم کرتی ہے: اول۔ دنیا کی منظم اجتماعی شیرازہ بندی۔ دوم۔ دنیا کے ہر فرد کی انفرادی بہتری۔[115]

### 4.5.14۔ خود احتسابی اور جواب دہی کے تصور کا عملی احیاء:

عہد نبوی ﷺ حکمرانوں اور عہدے داروں کے علاوہ عام شہریوں کے احتساب کے لیے بھی باقاعدہ محتسب مقرر کیے جاتے تھے۔ تاکہ وہ دیکھیں کہ لوگ شعائر اسلام کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں۔ محتسب کو اختیار تھا کہ معمولی لغزشوں کے سلسلے میں موقع ہی پر لوگوں کی سرزنش کرے یا سزا دے۔ لیکن ملکی و معاشرتی نظم وضبط کے تحفظ کے لیے سنگین نوعیت کی خلاف ورزیوں یا جرائم کی شکایت کی صورت میں مقدمات قاضیوں کی عدالت میں پیش کیے جاتے تھے۔ خود احتسابی وجواب طلبی کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

الا كلكم راع وكلكم مسول عن رعيته فالا مام الأعظم الذي علي الناس راع وهو مسؤل عن رعيته۔ [116]

"خبردار رہو، تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو حکمران ہو، وہ بھی راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے"۔

نبی ﷺ نے اپنی ذات کو احتساب کے لیے پیش کر کے امت مسلمہ کو اس بات کا درس دیا کہ جس شخص کو کوئی ذمہ داری سونپی جائے گی اسے اس کے بارے میں جوابدہ ہونا ہو گا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک بار نماز کے لیے گھر سے باہر نکلے تو ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ میری حاجت پوری کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت مجھے چھوڑ دو تمہاری حاجت پوری کر دی جائے گی۔ اس نے یہ بات تین بار کہی اور آپ ﷺ نے تین بار یہی جواب دیا۔ اس کے اصرار پر آپ ﷺ نے اسے اپنا کوڑا مارا۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا:(ادن فاقتص! فرمي اليه بالسوط قال بل اعفو) میرے قریب آکر اپنا بدلہ لے لو اور آپ ﷺ نے اپنا کوڑا اس کی طرف پھینک دیا لیکن اس نے کہا میں معاف کرتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا(والذي نفسي بيده لا يظلم مؤمن مؤمنا فلا يعطيه مظلمة في الدنيا الا انتقم الله له منه يوم القيامة) یعنی اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی مومن ایسا نہیں جو دوسرے مومن پر کوئی زیادتی کرے اور پھر دنیا میں ہی اپنے کردہ ظلم کی تلافی نہ کرے مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے بدلہ لے گا۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حضرت ابو ذر غفاریؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اونٹ پر نیم خوابیدہ حالت میں سوار تھے تو میں نے آپ ﷺ کے سر کو چھڑی سے چھو کر کہا کہ آپ ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ جائیں اس لیے آپ ﷺ بھی مجھ سے بدلہ لے لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں میں معاف کرتا ہوں۔ حضرت ابو ذرؓ نے بدلہ دینے پر اصرار کیا پھر آپ ﷺ نے ابو ذرؓ کو کوڑا مارا"۔ [117] ان احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنی ذمہ داریوں کے لیے جوابدہ ہے اگر اس کے کسی عمل کی وجہ سے کسی کو نقصان پہنچے تو اسے اس کا بدلہ دینا ہو گا۔ اس لیے سرکاری ملازم بھی ان تمام ذرائع ووسائل کی حفاظت اور مناسب استعمال کے ذمہ دار ہیں۔

یہ چند بنیادی حقوق اور اصول وضوابط ہیں جو اسلام نے ہر شخص کے لیے تسلیم کیے ہیں اور ان کے نفاذ کی

ذمے داری حکومت پر ڈالی ہے اور اس طرح اسلام نے نہ صرف یہ بنیادی حقوق قائم کیے ہیں بلکہ ان کے پیچھے ایک سند (authority)اور قوت نافذہ بھی رکھی ہے۔ اسلامی ریاست کے اہم مقاصد اور ذمے داریوں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ اگر ان اصول وضوابط کی روشنی میں اسلامی ریاست کے تقاضے پورے کئے جائیں گے تو اسلامی ریاست امن وآشتی اور نظم وضبط کا گہوارہ بن جائے گی۔

**خلاصہ کلام:**

ساری کائنات اس بات کی شاہد ہے کہ سورج خاص وقت میں طلوع ہوتا ہے اور معین راستے پر چلتا ہوا اپنا سفر مکمل کرتا ہے۔ چاند ازل سے کسی کا پابند نظر آتا ہے۔ موسموں کی تبدیلی بھی ایک ترتیب سے ہوتی ہے۔ سمندر میں مدوجزر کے لگے بندھے قواعد ہیں بارش، برف باری اور طوفان بھی بے لگام نہیں ہوتے۔ انسانی معاملات میں بھی اللہ تعالیٰ کا اقتدار اعلیٰ ہر سو نظر آتا ہے۔ انسان کی پیدائش کسی خاص علاقے، قبیلے اور خاندان میں پیدا ہونا اللہ کی تدبیر سے ممکن ہے اس کا حسب نسب، اعزہ واقرباء کے کوائف اور حتی کہ خود اس کے مزاج کی ترکیب میں انسان کا عمل دخل کہیں بھی نظر نہیں آتا یہ تمام شواہد اور مثالیں اللہ تعالیٰ کے اقتدار کا کھلا ثبوت ہیں۔ [118]

(يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ)[119]

"آسمان سے زمین تک دنیا کا انتظام وہی کرتا ہے"۔

حضور ﷺ اس پہلی اسلامی ریاست (مدینہ منورہ) کے پہلے حکمران تھے، اس لیے آپ ﷺ نے جس سیاسی تدبر اور پیغمبرانہ بصیرت کے ساتھ مملکت اسلامیہ کا نظم ونسق چلایا اور آپ ﷺ نے ایسے ایسے سیاسی کارنامے انجام دیئے، تاریخ عالم جن کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کو پہلی اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں نبھانا پڑیں تو گردوپیش کے حالات انتہائی خطرناک تھے۔ ایک طرف کفار مسلمانوں سے برسرپیکار تھے تو دوسری طرف منافقین نے زیر زمین سازشوں کا ایک جال بچھا رکھا تھا، لیکن اس عظیم سیاستدان پیغمبر ﷺ نے پوری جرات و استقامت کے ساتھ اسلام کی اس پہلی سلطنت کو ایک مثالی ریاست بنانے کے لیے بھرپور سیاسی صلاحیتوں اور نظم وضبط سے کام لیا۔ آپ ﷺ نے اسلامی افواج کی کمان بھی خود سنبھالی، عدلیہ کے سربراہ بھی خود تھے، اقتصادیات کے شعبوں کی نگرانی بھی خود فرماتے۔ لوگوں کی معاشرتی فوزوفلاح کے امور کی نگہداشت بھی آپ ﷺ ہی کو کرنا پڑتی۔ لوگوں کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں درپیش ہونے والی مشکلات کا حل بھی آپ ﷺ ہی فرماتے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کی ذات مقدسہ کی وجہ سے دائرہ سیاست میں نئے نئے اصول، ضابطے، احکام اور اساسی تنظیمات نے راہ پائی اور اس طرح قدیم فطری تصورات ایک جدید لیکن متوازن نظام سے آشنا ہوئے۔

آپ ﷺ کے عہد میں تمام عہدیداروں میں ربط و تسلسل پایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک بہترین عادلانہ، ذمہ دارانہ، دیانتدارانہ نظام کی بنیاد ڈالی جس کا قانون خدا کا قانون اور جس کی حکومت خدا کی حکومت تھی جس

کی قوت و طاقت خدا کی قوت و طاقت تھی جس کے اختیارات کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ جہاں ہر شخص خود ہی اپنا محاسب خود ہی اپنا ماتحت تھا۔ ہر شخص خود ہی نگہبان اور نیابت کا حق ایک جیسا تھا۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے ایسا ہی شفاف نظام چاہتا ہے جہاں پر ہر شخص اپنی اپنی حد میں اپنی اپنی رعایا کا نگہبان ہے۔ شوہر اپنے اہل و عیال کا، معلم اپنے شاگردوں کا، آقا اپنے غلاموں کا۔[120]

نبی اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کے عوام الناس کو نظم وضبط کا عملی طور پر پابند بنانے کے لیے نہ صرف قولی بلکہ عملی اعتبار سے بھی ایک منظم و مربوط مملکت و ریاست عطا فرمائی۔ جس میں نہ صرف یہ کہ عوام الناس کو مذہبی، معاشی، معاشرتی حقوق حاصل تھے بلکہ ہر قسم کی نسلی و لسانی تعصب سے بھی چھٹکارہ حاصل تھا۔ کیونکہ اس اسلامی ریاست کی بنیاد عقیدہ توحید اور آخرت کی جواب طلبی بنیاد تھی۔

غرض روزمرہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس کے لیے حضور ﷺ نے احکام و اصول وضع نہ فرمائے ہوں ہر شے ایک نظم وضبط اور قرینے سے ہوتی تھی۔ ایک نظام تھا جس کے بنیادی اصول قرآن مجید سے اخذ کئے گئے تھے اور حضور ﷺ کی بصیرت اور اسوہ حسنہ نے انہیں عملی زندگی میں رائج کر دیا تھا اور رسالت کے انتظامی ڈھانچے کی اولین بنیاد پر ہی نظام خلافت بھی رائج ہوا۔

**نتائج:**

مقالہ ہذا میں پیش کیے گئے نکات کی روشنی میں درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل مکہ آپ ﷺ کی صداقت پر یقین رکھتے تھے اور نظم وضبط کے حوالے سے اپنے مقدمات اور تنازعات کا فیصلہ آپ ﷺ سے کراتے تھے۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے لیے نہ صرف ایک اسلامی ریاست بلکہ فلاحی ریاست کے طور پر ایک پلیٹ فارم تشکیل دیا جس میں ہر طرح کے نظم اور اصول وضع کیے۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ نے نظم وضبط کے حوالے سے اپنی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کیا بلکہ اسلامی ریاست کو ایک ایسا منظوم ریاستی نظام بھی عطا فرمایا کہ جو تا قیامت لوگوں کے لیے مثالی ریاست کے طور پر قائم رہے گا۔

۴۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ اور تعلیمات کی روشنی میں عوام الناس کے لیے معاشی، مذہبی، معاشرتی اور ملکی لحاظ سے انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے ایک معتدل اور متوازن نظام عطا فرمایا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کے تصور کو اولیت دی گئی۔

۵۔ واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ بطورِ سیاستدان و حکمران عظیم مقنن اور منتظم و مدبر تھے۔ آپ ﷺ نے آنے والوں کے لئے قابل اتباع نمونہ عمل چھوڑا اور قرآن کی بیان کردہ سیاست کو عملی سیاست بنایا اور آپ ﷺ

کے قائم کردہ اصولِ سیاست آج بھی عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنا کر معاشرہ کو ترقی و عروج کی بلندی پر پہنچا سکتے ہیں۔

## سفارشات:

مقالہ ہذا کی روشنی میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند رکھنے کے لیے قرآن وسنت کی تعلیمات کا پرچار کرے۔

۲۔ عوام الناس میں ہر طرح کی نسلی، لسانی، قومی تعصبات کا خاتمہ کر کے ایک مساوی اور منصفانہ نظام عدل کو فروغ دیا جائے اور حکمران سے لے کر عوام تک ہر ایک کا احتساب کیا جائے تاکہ بدعنوانی کا سدباب ہو سکے۔

۳۔ اسلامی معیشت کے عملی نفاذ اور معاشی تحفظ کے لیے مشترکہ عالمی منڈی کا انعقاد کیا جائے۔

۴۔ پرامن معاشرے کے لیے اپنی دفاعی اور عسکری نظام کو بہتر بنیادوں پر جدید تقاضوں کے مطابق استوار کیا جائے۔

۵۔ اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ اسلام کے بنیادی مقاصد شریعہ کے پیش نظر عوام الناس کو سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں تمام حقوق بہم پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ تاکہ عوام الناس بدنظمی اور انتشار کا شکار نہ ہونے پائیں۔

۶۔ عصر حاضر کے پیش نظر دفاعی نقطہ نظر سے دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے سیرت نبوی ﷺ کی تعلیمات کی رُو سے مناسب اقدامات کئے جائیں اور اس سلسلے میں قرآن کے ابدی اصول امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو عملی طور پر اپنایا جائے۔

## حواشی وحوالہ جات

---

1 خالد علوی، انسان کامل، ص۔ ۳۶۰

2 ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج ۱، ص۔ ۱۲۸

3 ابن ہشام، سیرۃ النبویۃ، ج:۱، ص:۲۰۹

4 محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ، ص:۲۸۱

5 محمد علی کرد، الاسلام والحضارۃ العربیۃ، ص:۳۳۲

6 از کیا ہاشمی، ڈاکٹر، اسلامی فلاحی ریاست کا تصور، (لاہور، سہ ماہی منہاج، جنوری ۱۹۹۴)، ج:۱۲، ش:۱، ص:۹

7 سید از کیا ہاشمی، منہاج، (لاہور، سہ ماہی)، ج:۱۲، ش:۱، ص:۹۔ ۱۰

8 محمود غازی، ڈاکٹر، محاضرات سیرت، ریاست مدینہ، ص:۳۲۱

9 ماوردیؒ،(الاحکام السلطانیہ، امام ابوالحسن، طبع مصر ۱۹۷۳ء)، ص:۵

10 ابن عابدین شامی، مجموعہ شامی، باب الامامۃ، ج:۱، ص:۱۱

11 فیروزاللغات، ص:۷۷۴

12 Shipley, joseph, t., Dictionary of Word Origins, Philosophical Lib., New York, 1945, p. 334.

13 William Little, H.W. Fowler, J. Coulson, (edd), the shorter Oxford English Dictonary, the Clarendon Press, London, 1965, p. 2005.

14 بلنچلی۔ج۔کے۔ نظریہ سلطنت،(دکن:ترجمہ قاضی تلمند حسین، جامعہ عثمانیہ،۱۹۲۸ء)، ص:۲۲

15 Barker, Sir Earnest, Greek political Theory, University, papwr backe, Methuen, London, 1960, p.22.

16 بلنچلی، ص:۲۲

17 نثار احمد، ڈاکٹر، نقوش رسول ﷺ نمبر (لاہور: ادارہ فروغ اردو، دسمبر، ۱۹۸۳ء)، ش:۱۳۰، ص:۵۔۱۴

18 انصاری، حامد، اسلام کا نظامِ حکومت،(لاہور، س۔ن)، ص:۴۰

19 Encyclopedia of Social Sciences (New York), V-14, P.328.

20 شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ،(مطبوعہ کراچی)، ج:۱، ص:۹۰

21 الشاطبی: الموافقات فیاصول الشریعۃ، ج:۲، ص:۱۷۷

22 النور:۵۲۴

23 النساء:۵۹

24 بنی اسرائیل:۸۰

25 یوسف:۱۰۱

26 فیروز اللغات، ص:۱۴۳۳

27 فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)،(لاہور، فیروز سنز پرائیویٹ، لمیٹڈ)، ص:۹۱۹

28 الزبیدی (محب الدین أبی الفیض محمد مرتضی) (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) تاج العروس، (دار اللیبیا للنشر والتوزیع، بنغازی ۱۹۶۶ھ)، ج:۹، ص:۷۹

29 The American Heritage Dictionary of English Language (3rd

Edition Houghtion Mufflin Compan) Bostan, New York, London 1992), P. 1823.

30 ابن منظور (محمد بن مکرم)(م ۷۱۱ھ / ۱۳۱۱ء)لسان العرب (دار الجیل ودار لسان العرب بیروت ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء)مادہ نظم،ج:۶،ص:۶۶۷،الزبیدی تاج العروس،ج:۹،ص:۷۰

31 الصف:۴

32 بخاری کتاب الجماعۃ باب تسیۃ الصفوف رقم:۶۸۵

33 عبد الباقی حقانی، مولانا، السیاسۃ والادارۃ الشرعیۃ، (اسلام کا نظام سیاست و حکومت، مترجم مولانا شکیل احمد حقانی)،ج ۲،ص ۲ / ۷۴

34 ابن حبان، صحیح،ص:۲ / ۴۲۸

35 مزید دیکھئے،میثاق مدینہ، شق نمبر،۲۸

36 انعام:۶۲

37 طٰہٰ:۶

38 ماوردی، ابو الحسن، علی، الاحکام السلطانیۃ فی الولایات الدینیۃ، (شرکۃ دارالارقم بن أبی ارقم، بیروت لبنان، س۔ن)،ص:۷۶

39 شاہ ولی اللہ، دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، (القاہرہ، مصر، دارالکتب الحدیثیہ س۔ن،ج:۲،ص:۱۵۰

40 الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، تحقیق:، احمد شاکر وآخرون، (لسان داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان، س ن)، کتاب الاحکام، باب ماجآء فی امام الرعیۃ

41 النساء:۱۰۵

42 مودودی، خلافت وملوکیت، (ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۱۱ء)، ص:۴۳۔۴۴

43 الحج:۴۱

44 النساء:۶۴

45 ڈاکٹر خالد علوی، انسان کامل، (لاہور، الفیصل ناشران)، ص:۳۶۰

46 ابن سعد، طبقات الکبریٰ،ج:۱،ص:۲۸۱

47 ابن ہشام، سیرۃ النبویۃ،ج:۱،ص:۲۰۹

48 محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ، ص:۲۸۱

49 سیرۃ النبویۃ،ج:۱،ص:۳۱۰۔۳۳۹

50 انساب الاشراف، اول ۳۵۵

51 بخاری، کتاب النکاح، باب موعظۃ الرجل، کتابن اللباس، باب ماکان یجوز رسول اللہ ﷺ من اللباس

52 ملاحظہ ہو غطفان سے معاہدہ کے سلسلہ میں حضرات سعد بن عبادہ و سعد بن معاذ وغیرہ سے حدیث نبوی متعلقہ

53 ابن اسحاق، ۴۔ ۴۹۳، واقدی ۸۔ ۱۰۷؛ بخاری، فضائل اصحاب النبی؛ طبری دوم ص ۷۴۔ ۷۷، ابن سعد، دوم ۶۔ ۷،؛ مسلم، غزوہ بدر؛ انساب الاشراف، اول، ص: ۴۔ ۲۹۳

54 الشوریٰ: ۳۸

55 ابن اسحاق، ۴۔ ۴۹۳، واقدی ۸۔ ۱۰۷؛ بخاری، فضائل اصحاب النبی باطبری دوم ص ۷۴۔ ۷۷، ابن سعد، دوم ۶۔ ۷، مسلم غزوہ بدر؛ انساب الاشراف اول ۴۔ ۲۹۳

56 صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ و، اطیعو اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، حدیث: ۷۱۳۸

57 احمد بن حنبل، مسند احمد، موسسۃ قرطبۃ، القاہرۃ، باب مسند عبد اللہ بن عمرؓ بن الخطاب، الجزء: ۲، ص: ۱۵، حدیث: ۴۶۳۷

58 صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ باب ارضا، السعاۃ، ج: ۲، ص: ۳۶۶

59 ابن سعد، دوم ۶۳،؛ انساب الاشراف، اول ۳۴۲

60 قادری، سید شمیم حسین / اسلامی ریاست، لاہور، محکمہ اوقاف پنجاب، ص: ۱۱۲

61 نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ میں ریاست کا نشو وارتقاء، لاہور، ص: ۴۰۶

62 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، مسلم، کتاب الامارہ، باب سوم

63 نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ میں ریاست کا نشو ارتقاء، ص: ۱۰۸

64 S.A.Q Hussaini, Arab administration, P19.

65 شبلی نعمانی، سیرت النبی (مطبوعہ کراچی، س۔ن)، ج: ۲، ص: ۵۵

66 ابن ماجہ، ج: ۲، ص: ۸۴۸، واخرجہ السیوطی الجامع الکبیر، ج: ۱، ص: ۴۴۳۰

67 آل عمران: ۱۵۹

68 نیز دیکھئے: آل عمران ۱۳۴، الشوریٰ ۴۳، المومنون ۹۶۔ ۹۸، الاحقاف ۵۳

69 عبد الکریم زیدان، احکام الذمیین فی الاسلام، بغداد (س۔ن)، ص: ۹۵

70 حمید اللہ خطبات بہاولپور، ص: ۴۱۴۔ ۴۱۵

71 امام الدین، غیر مسلم مشاہیر عالم اور محاسن اسلام (مطبوعہ) صدیقی ٹرسٹ، کراچی، ص: ۹، نیز دیکھئے! ڈاکٹر

گستاولی بان، تمدن عرب، ص:۱۴۹

72 البقرہ:۲۵۶

73 الحشر:۷

74 عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص:۲۶۹

75 البقرۃ: ۲۱۹

76 بحوالہ محمد حسین ہیکل الفاروق، ج:۲، ص:۱۱۲

77 ترمذی، جامع ترمذی، ج:۵، ص:۶۰، رقم:۳۰۹۸

78 ابن تیمیہ السیاسۃ الشرعیۃ، ص:۲۸۔۳۴

79 اصبھانی، حلیۃ الاولیاء، ۳۴۹: ۱، سخاری، التحفۃ اللطیفہ، ج:۱، ص:221

80 علی متقی الہندی، کنز العمال، (حیدر آباد دکن، مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ، ۱۹۵۴ء)، ج:۲، ص:۱۲۹

81 کنز العمال، ج:۲، ص:۱۲۹

82 کنز العمال، ج:۲، ص:۱۹۷

83 کنز العمال، ج:۲، ص:۱۹۷

84 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی داؤد، موسوعۃ الحدیث الشریف الکتب الستہ، المملکۃ العربیہ السعودیۃ، ریاض، ۱۴۲۹ھ، کتاب القضاء، باب فی کراھیۃ الرشوۃ، رقم الحدیث ۳۵۸۰، ص:۱۴۷۷

85 احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ بن ہلال بن اسد الشیبانی، مسند احمد بن حنبل (السید ابو المعاطی النوری: محقق) عالم الکتب بیروت، ۱۹۹۸ء ج:۴، ص:۲۰۵، رقم الحدیث:۱۷۹۷۶

86 مسند امام احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۳۱

87 ابو عبیدہ کتاب الاموال، ص ۲۱۰

88 رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص:۹۱

89 صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الحمائل و تخلیق السیف بالغق، حدیث:۲۷۵۱

90 النسائی، احمد بن شعیب، ابی عبد الرحمن، سنن النسائی، موسوعۃ الحدیث الشریف الکتب السنۃ، دارالسلام للنشر والتوزیع، المملکۃ العربیہ السعودیۃ، ریاض، ۱۴۲۹ھ، کتاب الخیل والسبق والرمی، باب الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ، رقم الحدیث:۳۵۹۳، ص:۲۳۲۳

91 محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات سیرت، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۹، ص: ۳۵۲

92 ابن ہشام، سیرت النبیؐ، شیخ غلام علی اینڈ سنز اردو بازار لاہور، ص:۳۷۰

93 عین الحق محمد، سیرت النبی ﷺ، مع سیرت نگار عبد اللہ برادر لاہور، ص:۳۸۱

94 ابن ماجہ، محمد بن یزید الربعی، ابی عبد اللہ، سنن ابن ماجہ، موسعۃ الحدیث الشریف الکتب الستہ، دارالسلام للنشر والتوزیع، المملکۃ العربیہ السعودیۃ، ریاض، ۱۴۲۹ھ، ابواب المناسک، باب المرأۃ تحج بغیر ولی، رقم الحدیث:۲۹۰۰، ص:۲۶۵۲

95 سنن ابوداؤد، کتاب الجھاد، باب فی ابعث العیون، رقم الحدیث:۲۶۱۸، ص:۱۴۱۶

96 صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیرہ، والنھی عن الشفاعۃ فی الحدود، رقم الحدیث:۴۴۱۰، ص:۹۷۶

97 التحریم:۶

98 النساء:۵۸

99 النساء:۵۹

100 غزالی، ابوحامد، محمد بن محمد (م ۵۰۵ھ)، المستصفی من علم الاصول، مصر، ۱۳۰۶ھ، ج۱، ص:۲۸۶

101 ابن ہشام ابو محمد بن عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، ج۴، ص:۲۵۰

102 ابو عبید القاسم بن اسلام، کتاب الاموال، (مترجم عبد الرحمن طاہر سوئی)، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ج:۱، ص:۱۱۴

103 تاریخ الخلفاء، علامہ سیوطی، ص:۱۳۹

104 ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۶، ص:۲۷۵

105 الطبرانی، المعجم الکبیر، باب معقل بن یسار یکنی آبا علی، ج:۲۰، ص:۲۲۱، رقم الحدیث:۵۱۳

106 البقرہ:۲۰۱

107 البقرہ:۱۴۲

108 البقرہ:۲۵۶

109 النسائی، سنن النسائی، ج:۵، ص:۲۶۸، احمد بن حنبل، المسند، ج:۱، ص:۲۱۵

110 سنن ابوداؤد، (مطبوعہ ۱۹۵۲)، ج:۲، ص:۶۲۵

111 صحیح مسلم، کتاب الامارہ

112 Ruch, F.l: Psychology and life, (New York: F and company), p. 682

113 ظفر اللہ خان، (کراچی، رحمت للعلمین، ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، مئی ۱۹۸۹)، ج:۲۹، ش:۵، ص:۱۰۴

114 مسلم، کتاب الامارہ، باب:۵

115 ادب الدین والدنیا، ص:۷۹

116 بخاری، کتاب الاحکام، باب ا۔ مسلم کتاب الامارہ باب:۵

117 عبد الرزاق، المصنف، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۹۷۰، ج:۹، ص:۴۶۵

118 شام شہزاد اقبال، اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص:۲

119 سجدۃ:۵

120 صحیح مسلم، کتاب الامارہ

# [[018]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

انیسہ فرزند، لاہور

**تمہید:**

اسلام ایک جامع، ہمہ گیر اور کامل دین ہے۔ جس میں زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں ہمارے لیے راہنمائی موجود نہ ہو اور اس ہدایت ورہنمائی کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے ایسی ذات مبارکہ کے ذریعے کی جو بے حد حساب خصائص واوصاف کی مالک تھی۔ جن کی سیرت مقدسہ، تعلیمات بے پایاں پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے۔ جن کا اسوۂ حسنہ زندگی کے تمام پہلوؤں مذہبی، معاشی، معاشرتی، سیاسی، تعلیمی، اقتصادی، عسکری الغرض تمام شعبہ ہائے زندگی میں رہنمائی کا مکمل سامان فراہم کرتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۱) کے مصداق آپ ﷺ کی مثالی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ ہر دور میں مسلمانوں کی قوت ورفعت کا سرچشمہ اور ان کی قومی سیرت کی تشکیل وتعمیر کا بنیادی عنصر رہا ہے کہ

نگاہ عشق ومستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقان، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ (۲)

آپ ﷺ نے اپنی ۲۳ سالہ قلیل ترین دعوتی زندگی میں روئے زمین پر ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کیا جس نے جہالت وتاریکی میں ڈوبے عربوں کو دنیا کی اعلیٰ ترین قوم بنا دیا اور انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک ایسا جامع نظام پیش کیا جو روحانی اور مادی اعتبار سے انسانی مسائل کے حل اور اس کے ارتقاء اور ترقی کا ضامن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ نظر اور شبانہ روز کاوشوں سے دنیا کے نقشے پر پہلی اسلامی فلاحی ریاست وجود میں آئی جس کا نظم وضبط اور انتظامی معاملات خواہ وہ سیاسی، معاشی، معاشرتی یا سماجی ہوں، ہمارے لیے نمونہ تقلید ہیں۔ ایک ایسی ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے نصب العین کی صراحت اس ریاست کے دائمی اور ناقابل تغیر دستور "قرآن مجید" میں اس طرح کر دی گئی ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۳)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو اگر ہم زمین میں تمکن وحکومت عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے،

زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

گویا اقتدار و اختیار کی قوت جب بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے گی وہ چار بڑے مقاصد کے لیے استعمال ہو گی:

۱۔ اقامت صلوٰۃ کے ذریعے خدا اور بندے کے تعلق کو مضبوط و مستحکم بنائے رکھنے کا حکم۔

۲۔ ایتائے زکوٰۃ کے ذریعے بندگانِ خدا کے درمیان ایسے عادلانہ معاشی نظام کا قیام جو ظلم و استحصال کا ہر دروازہ بند کر دے اور مسلمانوں کے معاشرے کو ایثار و اخوت، کفایت و سرپرستی اور مروت و احسان کی پاکیزہ بنیادوں پر استوار کر سکے۔ جہاں ناداری، محتاجی اور محرومی کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

۳۔ ریاست کے جملہ افرادی و مادی وسائل اور تمام ذرائع کو نیکی پھیلانے کی جدوجہد میں لگا دینے کا اہتمام۔

۴۔ ہر ممکن ذریعے اور اقتدار و اختیار کی پوری قوت کے ساتھ بدی کو مٹانے کی کوشش۔

یہ چار مقاصد بھی در حقیقت ایک ہی مقصد کی تکمیل کے لیے چار بنیادی ضروریات ہیں اور وہ مقصد ہے ایک ایسی ریاست کا قیام جو روحانی اعتبار سے انتہائی بلند، معاشی اعتبار سے بہت عادلانہ، اخلاقی پہلوؤں سے نہایت اعلیٰ و ارفع اور معاشرتی اعتبار سے انتہائی صاف ستھری اور پاکیزہ ہو۔ انسانیت کی فلاح و بہبود انہی چار نکات میں مضمر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ اور پوری حیاتِ طیبہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی انہی مقاصد کی تکمیل کے لیے وقف رہی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام کام حسنِ تدبر اور نظم و ضبط کے متقاضی ہیں اس کے بغیر کوئی ریاست نہ تو پنپ سکتی ہے اور نہ ہی کوئی قوم منزلِ مراد سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ریاست میں شہریوں کی جان و مال کا تحفظ، امن و امان کی بحالی، عدل و انصاف کی فراہمی اور بنیادی حقوق کی پاسداری سب نظم و ضبط کے زمرے میں آتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ریاست کی کارکردگی کا انحصار اس کے قائم کردہ نظم و ضبط پر ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا چار مقاصد کی تکمیل میں نظم و ضبط کلیدی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر ایک اسلامی اور فلاحی ریاست کا قیام محال ہے۔

زیر نظر مقالے میں چند ضروری تمہیدی مباحث کے بعد تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلامی ریاست میں نظم و ضبط کے قیام کے لیے بنیادی اُصولوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی جائے گی اور یہ کہ نظم و ضبط کا قیام کس طرح ممکن ہے۔

مقالے کے آخری حصے میں انہی اُصولوں کی روشنی میں واضح کیا جائے گا کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کے قیام کے لیے کیا کوششیں کیں نیز موجودہ دور میں عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیا جا سکتا ہے؟

**نظم وضبط:**

نظم وضبط دو الفاظ نظم اور ضبط کا مجموعہ ہے یہ دونوں عربی کے ہیں ان کا خاص مطلب ہے کہ کسی بھی چیز کا ایک لڑی میں باندھ دینا یا اپنے کاموں کو کسی قانون یا قاعدے کے تحت کرنا، نظم و نسق یا منظم انداز میں کسی خاص طریقہ کار کی پیروی کرنا۔(۴)

انگریزی میں نظم وضبط کے لیے Discipline لفظ مستعمل ہے اور اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

Discipline:the practice of training people to obey rules and orders and punishing them if they do not; the controlled behaviour or situation that results from this training.(۵)

اسلامی نقطہ نظر سے اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ ایسا منظم اور نتیجہ خیز رویہ جس کی بنیاد اخلاقی اقدار پر ہو۔ اس کے ضمن میں وہ سب چیزیں آتی ہیں جو کسی قوم کے زندہ رہنے کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ اگر کوئی ریاست اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کچھ متعین اُصولوں پر عمل کرے جس میں اپنے کارکنوں کی خیر خواہی اور عزتِ نفس کا خیال رکھا جاتا ہو تو ایسی ریاست کو ایک منظم ریاست کہا جاسکتا ہے۔

نظم وضبط کے اجزائے ترکیبی میں وقت کی پابندی، عہد کی پاسداری، کاموں کو ایک معمول کے مطابق کرنا، کرانا اور فیصلوں پر عمل درآمد کرنا بھی شامل ہے۔

**نظم وضبط کی ضرورت واہمیت:**

نظم وضبط کا مطلب، بنیادی طور پر یہ ہے کہ کوئی شخص خود کو اس قدر آزاد خیال نہ کرے کہ وہ ہر وقت ہر مقام پر "من مانی" کر سکتا ہے۔ نظم وضبط دراصل ایک لگام ہے جو انسان کی جبلت اور اس کی منہ زور خواہشات کو کنٹرول میں رکھتا ہے۔ انسان جب سمجھ جاتا ہے کہ اس سے کیسے رویے کی توقع رکھی جاسکتی ہے، معاشرہ اس کی کس بات کو قبول کرتا ہے کس کو نہیں، تو نہ صرف اس کی زندگی خود اپنے لیے اور معاشرے کے لیے کارآمد بن جاتی ہے بلکہ اسے احساسِ تحفظ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ انسان خود پر کنٹرول کرنا سیکھتا ہے اور ضبط نفس ایک اعلیٰ صفت ہے جس کے حصول کے لیے ہر زمانہ میں ہر مذہب میں ترغیب دی جاتی رہی ہے اور یوں انسان کا تعلق اپنے رب سے مضبوط ہو جاتا ہے۔

اسلام نے آغاز ہی سے نظم وضبط کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ عبادات، معاملات، معیشت، معاشرت، سیاست غرض کہ تمام شعبہ جات میں نظم وضبط کی کاروائی واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ آج ہم اپنے اسلاف کی زندگیوں پر نظر دوڑائیں تو ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتے ہیں کہ کس طرح انہوں نے منظم زندگی گزار کر دین، سیاست، تحریر و تقریر غرض ہر میدان میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے اور پوری ملت کے ذہنوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ یہی

نظم وضبط جماعت و معاشرے کو اختلاف و انتشار سے محفوظ رکھتا ہے اور زندگی پر سکون اور پر مسرت گزرتی ہے جب کہ بد نظمی اور بے انتظامی پریشانی اور عوام میں عدم اطمینان کا باعث بنتی ہے۔

نظم وضبط اہداف تک پہنچنے کے لیے ایک بہترین وسیلہ ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کسی قوم وملت کی سلامتی بنا نظم وضبط کے ممکن ہو سکے۔ قوموں کی ترقی وخوشحالی میں نظم وضبط ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے بغیر ترقی کا سفر ناممکن ہے جب تک کوشش اور مصمم ارادے سے ایک صحیح اور منظم پروگرام تشکیل دے کر اس پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ صحیح منشور پر عمل انسان کو منظم متحد اور انجام دیے جانے والی چیز کا معتقد بناتا ہے اور ایک اسلامی اور فلاحی ریاست کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ انصاف اور نظم وضبط کے قیام کا معقول بندوبست کرے۔ قانون کی حاکمیت اور نظم وضبط کا ایک عمدہ نمونہ ریاست مدینہ اور خلافت راشدہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

## نظم وضبط... دینی تناظر میں

### ا۔ نظم وضبط اور کائنات کی تخلیق وترتیب:

قرآن حکیم میں بہت سی آیات، کائنات کی تخلیق وارتقاء پر روشنی ڈالتی ہیں کہ یہ کائنات محض حادثاتی طور پر وجود میں نہیں آئی بلکہ اللہ رب العزت کے ارادے اور اس کی قدرتِ کاملہ کا نتیجہ ہے اس غیر محدود اور تعجب خیز کائنات میں پھیلا ہوا نظم وضبط اور نظام یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا وجود قدرت الٰہیہ کی کامل منصوبہ بندی کے تحت ہی قائم ہے۔ جملہ کائنات کی تخلیق وارتقاء ایسا مرحلہ وار عمل تھا جو بتدریج 6 ارتقائی ادوار میں مکمل ہوا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ (۶)

"یقیناً تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ مراحل میں (تدریجاً) پیدا کیا۔"

اس دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے تمام تر حوادث وواقعات اس کے خالق کے بنائے ہوئے نظام اور حکم کے ساتھ مربوط ہیں۔ یہ ربانی منصوبہ بندی اور اقتدار پوری کائنات کو کچھ اس طرح سے منظم اور ہم آہنگ بنائے ہوئے ہے کہ کوئی شے اپنے طے شدہ ضوابط سے روگردانی نہیں کر سکتی۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (۷)

"نہ سورج کی یہ مجال کہ وہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ جانے والی ہے اور سب کے سب اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔"

غرض اللہ تعالیٰ پوری کائنات کو ایک مضبوط اور مربوط نظم وضبط کے تحت چلا رہے ہیں۔ نظم وضبط کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود لیل ونہار کے اوقات، نظامِ شمسی اور سیاروں کی گردش میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔(۸)

اگر یہ خاص نظام کے تحت نہ ہوتے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (۹)

"اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود ہوتا تو آپس میں فساد برپا کرتے۔ پس پاک ہے اللہ عرش کا مالک ان باتوں سے جو وہ لوگ کرتے ہیں۔ "

**۲۔ نظم وضبط اور عبادتِ اسلام:**

ہم بحیثیت مسلمان تمام عبادات کا جائزہ لیں تو ہمیں ایک خاص ترتیب اور نظم نظر آتا ہے۔ اس نظام ترتیب پر غور کرنے سے سب سے پہلے جو بات نظر آتی ہے وہ یہ کہ اسلام اس طریقے سے انسان کے شعور میں اللہ کی حاکمیت کے اقرار و اعتراف کو مستحکم کرنا چاہتا ہے اور اس شعور کو اتنا طاقت ور بنا دینا چاہتا ہے کہ انسان اپنی آزادی اور خود مختاری کو اللہ کے آگے بالفعل تسلیم کرے، مسجد کے اندر اور باہر نظم وضبط کے اصول کا اطلاق امت کو متحد و منظم رکھنے اور اس کی شیرازہ بندی کے لیے از حد ضروری ہے۔ صفوں میں ترتیب و قرینہ کو ملحوظ رکھنا ضروری قرار دیا گیا کہ یہ نماز کا حصہ ہے۔(۱۰)

نمازوں کو منظم اور مخصوص اوقات میں پڑھنے کی تلقین کی گئی۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۱۱)

"بے شک نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔"

روزمرہ کی زندگی میں بھی اسی نظم کی تلقین کی گئی۔ بچے کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کی ترغیب اور دس سال کے بعد نا پڑھنے پر سختی کرنے کی تلقین کی گئی گویا صرف ڈنڈے کے زور پر نہیں بلکہ ایک خاص نظم کے تحت انہیں نماز کا عادی بنانے کا حکم دیا گیا۔ اسی طرح روزے کے سخت ضابطے کو اپنے اوپر نافذ کر لینا، اپنی آزادی و خود مختاری سے حاکم اعلیٰ کے سامنے دست بردار ہونا اور ایک مخصوص وقت تک اپنے آپ کو حلال چیزوں سے روکے رکھنا بھی نظم وضبط اور ضبط نفس کا عادی بناتا ہے کہ اللہ کی اطاعت تمام اطاعتوں پر غالب ہے۔(۱۲) معاشی نظم وضبط کے قیام کے لیے زکوٰۃ کا نظام نافذ کیا گیا تا کہ ریاست افراط و تفریط کا شکار نہ ہو۔ دیگر عبادات کی طرح حج کے موقع پر مختلف رنگ و نسل، زبان اور جغرافیائی خطوں سے تعلق رکھنے والے لوگ سب امتیازات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسلامی اخوت اور نظم وضبط کا بصیرت افروز منظر پیش کرتے ہیں بقول اقبال

تمیز رنگ وبو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم(۱۳)

کا نظارہ چشم عالم کو کرایا جاتا ہے۔ اگر ان شرائط وضوابط کی پابندی نہ کی جائے تو عبادت کی ادائیگی ممکن نہ ہو سکے گی۔ گویا ہمارے دین کا بنیادی نقطہ ہی نظم وضبط ہے۔(۱۴)

**۳۔ نظم وضبط اور احکام عائلیہ:**

خاندان ریاست کی ابتدائی منزل اور اس کی اساس ہے۔ خاندان ہی کی ارتقائی شکل کو ہم ریاست کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ایک خاص نہج پر ریاست کی تنظیم و تشکیل سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ خاندان اس اجتماعیت کا پہلا زینہ ہے۔(۱۵)

خانگی زندگی کے نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لیے میاں بیوی میں سے ایک کا سربراہ ہونا ضروری ہے۔ اگر دونوں بالکل مساوی درجہ اور اختیارات رکھتے ہوں تو خاندان بدنظمی کا شکار ہو جائے گا۔ مغربی معاشرہ کی بگاڑ کی اصل وجہ ہی خاندانی سسٹم کا نہ ہونا ہے۔ دین اسلام نے ہمیں دیگر معاملات کی طرح عائلی زندگی کو بھی مضبوط و پائیدار بنانے کے لیے نظم کا پابند کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَي النِّسَاۗءِ۔ (۱۶)

"مرد عورتوں پر قوام (حاکم) ہیں۔ "

اور قوام سے مراد (Provider Sustainer) محافظ و سربراہ کے ہیں۔ سربراہی کے لیے مرد کو حاکم بنایا گیا اور عورت کو گھر کی ذمہ داریاں دے کر الگ دائرہ کار دیا گیا۔ گویا دونوں کو ایک نظم کا پابند کر دیا کہ اس پر کاربند رہنے سے ہی خاندان مضبوط اور مستحکم ہو گا اور معاشرے کی کامیابی چونکہ خاندان پر منحصر ہے تو اس نظم سے تغافل اور بے اعتنائی سارے معاشرے کی ہلاکت کا موجب ہو گئی۔(۱۷)

**۴۔ نظم وضبط اور تمدنِ اسلامی کا استحکام:**

ہر انسان طبعاً انسانیت عامہ کی بہتری چاہتا ہے کسی ایک انسان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ تنہا انسانی تمدن اور تہذیب کے تمام مطالبات کو پورا کرے بلکہ وہ اجتماعی نظام بنانے پر مجبور ہے۔ یہ نظام فرد سے شروع ہو کر اُمت اور حکومت کے نظم پر ختم ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ شہری نظم، ارضی بندوبست، عدالت، فوج، قانون جیسے سیاسی امور کا تعلق ہے۔(۱۸) چنانچہ تمدنِ اسلامی کا استحکام اِسی صورت ممکن ہے جب ارباب حل وعقد کا مضبوط ہونا، امن وامان اور قانون کی حکمرانی کے اعتبار سے صورت حال کا قابل اطمینان ہونا اور عوام کا اپنے لیڈروں پر اعتماد قائم ہو گا اور تمام ادارے اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ اور نظم وضبط کے ساتھ چلانے کے پابند ہوں گے۔ اور سب سے بڑھ کر اگر معاشرہ اسلامی اصول وضوابط پر کاربند ہو۔

اس کی بہترین مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا مدنی معاشرہ ہے۔ چنانچہ معاشرہ یا ریاست کو مستحکم بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ کو حاکم و مطلق مان کر اس کے بتائے ہوئے احکامات کی روشنی میں اپنے فرائض خاص نظم ونسق کے تحت چلانے کا پابند ہو۔ معاشرے میں عدم استحکام اور انتشار اِسی صورت پیدا ہوتا ہے جب انسان اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتے اور معاشرہ کسی خاص قوانین اور نظم کا پابند نہ ہو۔

**قیامِ نظم وضبط کے بنیادی اُصول... تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں**

مندرجہ بالا مباحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین اسلام میں نظم وضبط کی کیا اہمیت ہے؟ اس نظم وضبط کے قیام کی عملی تصویر ریاست مدینہ کی صورت میں ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ کسی بھی ریاست میں نظم وضبط کے قیام کے لیے کن اُصولوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ ذیل میں ان نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

**ا۔ عدل اجتماعی کی تشکیل:**

اسلامی ریاست کی تشکیل کے لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عدلِ اجتماعی کو فروغ دینے کی ترغیب دی ہے۔ اسلامی شریعت میں عدل کا تصور دو اجزاء سے عبارت ہے ایک یہ کہ بنی نوع انسان کے درمیان مختلف حقوق ورعایات میں توازن وتناسب قائم کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ ہر کسی کو اس کا استحقاق دیا جائے اور اس حق کو ادا کرنے کی یقینی صورت پیدا کی جائے۔ اس تصور عدل کے بغیر فرد ہو، معاشرہ یا ریاست، ہلاکت خیز اور سنگین نتائج کا سامنا کرتے ہیں۔ (۱۹)

قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر عدل کرنے کا حکم دیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۲۰)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرائض نبوت کے سلسلے میں قیام عدل (۲۱) کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ریاست مدینہ اس عدل اجتماعی کا پہلا گہوارہ تھی۔ لاقانونیت، فتنہ وفساد اور بدامنی کو ختم کرنے کا واحد ذریعہ عدل اجتماعی کا نفاذ اور اس پر عمل ہے۔ عدل وانصاف کسی بھی ریاست میں نظم وضبط کے قیام کی پہلی کڑی ہے۔ تاریخ اسلام میں خلافت راشدہ اس کی بہترین مثال ہے۔ (۲۲)

**۲۔ قانون کی تنفیذ بلا استثناء:**

نظم وضبط کے قیام کے ضمن میں قوانین کا بلا امتیاز نفاذ اور ان پر بلا تخصیص عمل درآمد بھی ایک اہم ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر قوانین کا نفاذ بھی کسی وجہ سے طبقاتی تقسیم کا شکار ہو جائے اور مساوات برقرار نہ رہے تو ریاست کا نظم وضبط برقرار نہ رہے گا۔ عام طور پر برسر اقتدار اور بااختیار لوگ، ان کے اقرباء ومصاحبین عام لوگوں کے ساتھ زیادتی کر جاتے ہیں اور اپنے آپ کو قانون کی گرفت سے آزاد سمجھتے ہیں۔ اس طرح عوام کا حکومت پر اعتماد قائم نہیں رہتا اور وہ قانون سے فرار کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوانین کے بلا استثناء نفاذ کے سلسلے میں ہمیشہ اہم اقدامات کیے اور ریاست کے تمام اراکین پر بغیر تخصیص کے انہیں لاگو کیا اور اس سلسلے میں نہ کسی کی سفارش قبول کی نا رعایت سے کام لیا۔ بنو مخزوم کی عورت پر چوری کی وجہ سے جب حد سرقہ نافذ نہ کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کا اظہار کیا اور فرمایا:

"تم سے پہلی اُمتیں اس لیے تباہ ہو گئیں کہ جب کوئی معزز آدمی جرم کرتا تو در گزر کرتے اور اگر معمول حیثیت کا آدمی کوئی جرم کرتا تو اس کو سزا دیتے، خدا کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔" (۲۳)

یہاں آخری جملہ خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہے، درس یہ دینا مقصود ہے کہ اسلامی نظام چونکہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کا عطا فرمودہ ہے اس لیے اس میں ترمیم و تنسیخ اور تبدیلی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں اور نہ اس کے اجراء و نفاذ میں کسی قسم کی تخصیص روا رکھی جا سکتی ہے۔ یہی اعتدال و توازن اسلامی ریاست میں عوام الناس کو حکومتی اُصول و ضوابط کا پابند بناتا ہے۔

### ۳۔ حاکم و امیر بحیثیت مثالی شخص:

عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے لیے ضروری ہے کہ حکمران بھی اُن اُصول و ضوابط کی پابندی کریں جو انہیں رعایا سے مطلوب ہیں۔ اپنی ذات کو ان کے لیے بطور نمونہ (رول ماڈل) پیش کریں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن حکیم میں یہ الفاظ پوری صراحت کے ساتھ موجود ہیں کہ:

اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ۔ (۲۴)

"مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے تابعداری اختیار کروں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے احکام کا اطلاق اپنی ذات سے کیا۔ خود ہی اپنے خلاف متعدد بار لوگوں سے یہ کہہ کر گویا مقدمہ کی دعوت دی کہ اگر ان کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو اس کا بدلہ لے لیا جائے۔(۲۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شہادت دیتے ہیں کہ:

رَأَیتُ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّي الله عَلَیه وَسَلَّمَ یقْصُ مِنْ نَفْسِه۔ (۲۶)

"میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات سے بھی قصاص لیتے تھے۔"

یہ کسی معمولی کردار کا مظاہرہ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ذریعے اگر ایک طرف بادشاہوں اور حکمرانوں کے خدائی حقوق کی جڑ کاٹ دی تو دوسری طرف ریاست میں قانونِ الٰہی کی بالادستی و حکمرانی کو پوری قوت

سے نافذ کر کے خود کو نمونہ تقلید کے طور پر پیش کیا۔

**۴۔ اسلام کے تصور اطاعت امیر کا فروغ:**

عوام الناس میں حکمرانوں کی اطاعت و فرمانبرداری کا شعور بیدار کرنا قیام نظم و ضبط کے لیے بنیادی ضرورت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (۲۷)

"اطاعت کرو اللہ اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ان لوگوں کو جو تم میں صاحب امر ہوں۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان امر عليكم فعبد مجدع يقودكم بكتاب الله فاسمعوا واطيعوا۔ (۲۸)

"اگر تم پر کوئی نکٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کی سنو اور اطاعت کرو۔"

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

السمع والطاعة علي المرء المسلم في ما احب وكره مالم يومر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولاطاعة۔ (۲۹)

"ایک مسلمان پر سمع و اطاعت لازم ہے خواہ برضا و رغبت کرے یا بکراہت، تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے، پھر جب اُسے معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سمع ہے نہ اطاعت۔"

نظم و ضبط کے قیام کے لیے جہاں حکمرانوں پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین کا نفاذ ضروری قرار دیا گیا وہیں عوام الناس پر لزوم جماعت اور اطاعت امیر کو فرض کر دیا گیا۔

**۵۔ دعوت و اصلاح کا مذہبی طریقہ کار:**

سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض ڈنڈے کے زور پر لوگوں کی اصلاح اور قانون کی پابندی نہیں کرائی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے لوگوں کے ذہن، سوچنے کے انداز اور ان کے غور و فکر کے اسلوب کو ایک نئی جہت پر گامزن کیا۔ اس ذہن سازی اور تربیت کے نتیجہ یہ نکلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحبت یافتہ ہر فرد آسمانِ ہدایت کا درخشندہ ستارہ قرار پایا۔ (۳۰)

کسی بھی اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے لیے ایسی ہی ذہن سازی و تربیت کی ضرورت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث الدین النصیحة (۳۱) ہمارے بہت سے اجتماعی امور و انتظامی معاملات میں ہماری راہنمائی کرتی ہے۔ اسے بطور اُصول قبول کر کے اُمت مسلمہ کو اپنے نظامِ حیات اور تعلیم و تربیت کے نظام کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر ہمارے اخلاقی رویوں کی تربیت میں اخلاص نیت کا گہرا دخل ہے

اور اس کی اصلاح کے بغیر نظم وضبط قائم کرنا محال ہے۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکمت عملی اختیار فرمائی وہ یہ تھی کہ معاشرے میں کوئی عملی تبدیلی اس وقت بروئے کار لائی جائے جب ایک طرف اس تبدیلی کے لیے سازگار دینی فضا تیار ہو جائے اور دوسری طرف موافق اور مناسب خارجی حالات پیدا ہو جائیں۔ کیونکہ ان دونوں چیزوں کے بغیر جو اصلاح عمل میں آتی ہے وہ عارضی اور وقتی ہوتی ہے۔ پائیدار اور مستحکم نہیں ہوتی۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب، زنا اور سود وغیرہ کے خلاف اس وقت تک عملی قدم نہ اُٹھایا جب تک اس کے لیے سازگار دینی ماحول تیار نہ ہو گیا۔(۳۲) ابو مسلم حولانی فرماتے ہیں:

لا یصلح الناس الا بالامام، ولا یصلح الامام الا بالناس(۳۳)

"لوگوں کی اصلاح امام کے بغیر اور امام کی اصلاح لوگوں کے بغیر ممکن نہیں۔ "

گویا اصلاح کا عمل دونوں طرف سے جاری رہتا ہے، جہاں حکومت لوگوں اور معاشرے کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتی ہے وہاں عوام اپنی ناصحانہ اور مخلصانہ تنقید کے ذریعے حکمرانوں کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ (۳۴) اس طرح ریاست میں نظم وضبط قائم رہتا ہے۔

**۶۔ احتساب ومواخذہ:**

احتساب کی ضرورت واہمیت سے کوئی بھی متمدن ریاست انکار نہیں کر سکتی۔ اسلامی ریاست میں نظم وضبط کے قیام اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے احتساب لازمی عنصر ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ احتساب کا عمل فرد سے شروع کیا جائے اور یہی آغاز معاشرے اور معاشرے سے ریاست کی تعمیر وترقی کا سنگ بنیاد بھی ثابت ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

موتوا قبل ان تموتوا وحاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ (۳۵)

"مارو اپنے آپ کو (یعنی اپنے نفس کو) اپنی موت سے پہلے اور اپنا احتساب کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔"

اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہو گا جب لوگوں میں تقویٰ اور فکر آخرت پیدا ہو گئی۔ اگر ہر شخص اپنی رعیت کے بارے میں قوا انفسکم و اھلیکم النارا (۳۶) فکر مند ہو جائے تو معاشرہ امن وسکون اور نظم کا پابند ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیته۔ (۳۷)

"آگاہ ہو جاؤ! تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیتِ (زیر اثر افراد) کی بابت سوال ہو گا۔"

یہی خود احتسابی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو هلك حمل من ولد الضأن ضياعا بشاطئ الفرات خشيت أن يسألني الله۔(۳۸)

"دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ مجھ سے باز پرس کرے گا۔"

حکمرانوں میں یہ جذبہ اس لیے بھی زیادہ ہونا چاہئے کہ الناس علی دین ملوکھم (۳۹) کے بہ مصداق عوام میں وہی خواہشیں، تمنائیں اور عادات پرورش و فروغ پاتی ہیں جو ان کے حکمرانوں کا وطیرہ ہوتی ہیں۔ اس لیے اگر عوام الناس میں ایمانداری و اخلاقِ حسنہ اور معاشرے میں نظم و ضبط کو فروغ دینا ہے تو حکمرانوں میں ان صفات کو پیدا کرنا ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

اعلم أن العامل إذا زاغ زاغت رعيته وأشقي الناس من شقيت به رعتيه۔(۴۰)

"جان لو کہ جب حاکم کو کج روی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی رعایا بھی کج رو ہو جاتی ہے اور جس حاکم کی وجہ سے اس کی رعایا کج ہو وہ بدترین انسان ہے۔"

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب ہم میں سے ہر شخص اپنے فرائض کی انجام دہی میں خوف خدا سے کام لے اور آخرت میں جوابدہی کا احساس پیش نظر ہو تو فرد، معاشرہ اور ریاست خود بخود نظم و ضبط کے تابع ہو جائے گی۔

**۷۔ اہل اور دیانت دار عہدیداران کا تقرر:**

قیام نظم و ضبط کے لیے ضروری ہے کہ حکومتی مناصب خصوصاً قاضی جیسے اہم عہدہ پر ایسے افراد کا تقرر کیا جائے جو اہل دیانت و امانت ہوں۔ اور اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے درکار مکمل اہلیت کے بھی حامل ہوں۔ نااہل اور بد دیانت افراد کا تقرر استحکام ریاست کے لیے بھی مضر ہے اور نظم و ضبط کے قیام کے لیے بھی۔ کیونکہ نااہل افراد دیانت داری کے تصور کا پاس رکھ سکتے ہیں نہ ان میں یہ اہلیت ہوتی ہے کہ ذمہ داری اور پوری تن دہی اپنے فرائض انجام دے سکیں اور یوں ریاست میں امن و امان، نظم و ضبط اور احتساب کی روح مجروح ہوتی ہے۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پہلوؤں (دیانت دار افراد کا تقرر اور اہم مناسب پر فائز افراد میں اس کی اہلیت) کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اپ مجھے عامل مقرر کیوں نہیں کرتے۔؟؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يا اباذر! انك ضعيف، وانها امانة وانها يوم القيامة فزي و ندامة الامن اخذها بحقها وادع الذي عليه فيها۔ (۴۱)

"اے اباذر! تم کمزور ہو اور یہ عہدے امانت ہیں اور یہ عہدے روزِ قیامت رسوائی اور ندامت کا

باعث ہوں سوائے اس کے جس نے یہ عہدے حق طریقے سے حاصل کیے اور اس سلسلے میں اپنے آپ پر عائد ہونے والے حقوق ادا کیے۔"

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدے طلب کرنے والے کا خائن قرار دیا۔ (۴۲) عمال حکومت کی تقرری کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تفصیلی ہدایات دیتے جن میں ان کی ذمہ داری کا تعین، احساسِ ذمہ داری پر زور اور فرائض کی تفصیل بیان ہوتی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، والی یمن کے نام آپ صلی اللہ علیہ سلم کی وصیت (۴۳) سے واضح ہوتا ہے کہ ایک والی ریاست کی ذمہ داریوں میں قانون کا نفاذ، امن وامان، انتظام سلطنت، اشاعت اسلام، مقدمات کے فیصلے اور محصولات کی وصولی بھی شامل تھیں۔ چنانچہ حکمران اگر یہ ذمہ داریاں، جوابدہی کے احساس کے ساتھ ادا کریں گے اور ان کو ادا کرنے کے سلسلے میں شریعت اور نظم کے پابند ہوں گے تو ان کے ماتحت افراد بھی اس کی تقلید کریں گے۔

**۸۔ حدود و تعزیرات کا نفاذ:**

اسلامی ریاست کے استحکام اور اس کے نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کے لیے ایک اہم کردار جرائم کی حوصلہ شکنی کرنے والے قوانین کا اجراء اور ان کے نفاذ کا ہوتا ہے۔ یہ کام جس قدر احتیاط، غیر جانبداری اور انصاف سے کیا جائے گا ریاست کے نظم و نسق کی بنیادیں اسی قدر مضبوط و مستحکم ہوں گی۔ اسلامی نظام کی خصوصیت ہے کہ اسے انسدادِ جرائم کے سلسلے میں جو قوانین عطا ہوئے ہیں وہ وحی کی صورت میں منزل من اللہ ہیں البتہ ان جرائم کے انسداد اور سدباب کے لیے صرف قوانین وضع کرنا ہی کافی نہیں ہوتا، اصل مسئلہ ان کا نفاذ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوانین و اصول تو دنیا نے بہت بنائے لیکن جرائم پر قابو صرف اس معاشرے میں پایا جاسکا ہے جہاں وہ قوانین بلا تفریق رنگ و نسل اور بلا امتیاز طبقات و قبائل رائج ہوئے۔ کسی بھی ریاست میں چوری، ڈاکہ، زنا، افراتفری، بدنظمی، بے یقینی، عدم اطمینان اور دیگر جرائم و قبائح کے سدباب کے لیے اسلام ایک مربوط مکمل نظام رکھتا ہے جسے حدود و تعزیرات کہا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اراکین ریاست اور عوام پر بلا تفریق انہیں یکساں طور پر نافذ کیا اور اس سلسلے میں کسی رعایت سے کام نہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فرمان مبارک ہے کہ:

"قریب و بعید سب پر حدود اللہ جاری کرو اور خبردار اللہ تعالیٰ کا حکم یعنی حد جاری کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہارے آڑے نہ آئے۔" (۴۴)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کا قائم کرنا، اللہ تعالیٰ کی زمین پر چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔"(۴۵)

تاریخ گواہ ہے ریاست مدینہ اور خلافت راشدہ کے دور کے علاوہ بھی جہاں جہاں ان تمام حدود و تعزیرات کا

نفاذ ہوا وہاں مثالی استحکام، امن و امان اور نظم وضبط، قوانین کے مفید ہونے کی بین دلیل ہے۔ آج بھی ان اسلامی قوانین کا ان کی اصل روح کے مطابق بلا امتیاز و بلا رعایت فوری اطلاق و نفاذ کر کے اور ان پر سختی سے عمل درآمد کروا کر ہم قرونِ اولیٰ جیسا امن و امان اور نظم و ضبط قائم کر سکتے ہیں۔ (۴۶) اور ان تمام اصول و ضوابط کا اطلاق کر کے ایک مثالی ریاست کا خواب شرمندہ تعبیر کر سکتے ہیں۔

ایک اسلامی و فلاحی ریاست کا قیام کیوں کر ممکن ہے؟ اس کے لیے کیا لائحہ عمل اور جدوجہد کی جا سکتی ہے؟؟ اس سلسلے میں بھی اُسوۂ حسنہؐ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

**اسلامی ریاست کا قیام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مساعی:**

انسان کی اجتماعی زندگی کی ترتیب و تنظیم میں ریاست کا ادارہ ہمیشہ سے اہم رہا ہے۔ ہر نظم کی کیفیت یہ ہے کہ جب تک اس کا ایک مرکز نہ ہو، جب تک کوئی ایسی ذات نہ ہو جس کا حکم ماننا ہر شخص اپنا فرض سمجھے، جو اپنے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا دے سکے، جس کی اطاعت محض قانونی طور پر ہی نہیں، بلکہ مذہبی تقدس کے ساتھ کی جائے، اس وقت وہ تنظیم قائم نہیں رہ سکتی اور حاکمیت الٰہی کا نظریہ ان تمام ضرورتوں کا حصہ پورا کرتا ہے۔(۴۷)

نبی آخر الزماں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حق کی دعوت و تبلیغ کے فریضہ اساسی کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اجتماعی نظم کے قیام اور ایک اسلامی ریاست کی تاسیس و تشکیل بھی کی۔(۴۸)

مدینہ آمد کے پہلے ہی سال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے (یعنی مہاجرین) اور مقامی باشندوں کے باہمی حقوق و فرائض کے تعین اور نظم و ضبط کے قیام کے لیے شہر کے غیر مسلموں خاص کر یہودیوں سے تعلقات کے قیام، شہر کی باضابطہ طور پر سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کے انتظام کی غرض سے ایک دستاویز جو بالعموم "میثاقِ مدینہ" کے نام سے معروف ہے اور جسے بجا طور پر مملکت مدینہ کا دستور قرار دیا گیا، مرتب کرائی۔(۴۹) جس کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باضابطہ طور پر مدینہ منورہ کا سیاسی رئیس و حکمران تسلیم کیا گیا۔(۵۰)

اس دستاویز نے مدینے کی شہری مملکت کے آئین و دستور کی حیثیت حاصل کر لی۔ جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی شہری ریاست کے سردار اور حکمران کے بطور ایک حکم کی صورت میں جاری و نافذ کر دیا۔(۵۱)

اس دستاویز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدالتی، تشریعی، فوجی اور تنفیذی تمام اعلیٰ ترین اختیارات اپنے لیے محفوظ فرما لیے مگر ایک انتہائی اہم اور قابل ذکر فرق اس اقتدار اور دیگر ممالک کے مستبدانہ شاہی اقتدار میں یہ تھا کہ یہاں مادیت کو دخل نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست میں اخلاقی عناصر داخل کیے، اصل سرچشمہ حاکمیت و اقتدار اعلیٰ کا منصب اللہ رب العزت کو قرار دیا تو اپنے آپ کو اس کا رسول، خلیفۃ اللہ اور ساتھ ہی امت کے لیے لائے ہوئے احکامات اپنے اوپر بھی مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دیے۔(۵۲)

حاکمیت الٰہی کا یہی وہ بنیادی اُصول ہے جس نے اس ریاست کو دنیا کی دیگر ریاستوں میں انفرادیت عطا کی اور

اس کے نظم و نسق کو ایک خاص نہج پر استوار کیا۔

**قیامِ نظم وضبط کے ضمن میں ریاست مدینہ کی شرعی اہمیت:**

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ ریاست مدینہ کی اہمیت کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ یہ جن اُصولوں پر استوار تھی ان کے مطابق اقتدار کا سرچشمہ ذاتِ الٰہی کو قرار دیا گیا۔ اُمورِ مملکت میں مشاورت کو لازم ٹھہرایا گیا۔(۵۳) حکمران کی اطاعت فی المعروف کو واجب قرار دیا گیا۔ قرآن حکیم کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو قانون کی حیثیت دی گئی۔ عدل گستری، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ کا قیام، قانونِ خداوندی کا نفاذ و اجراء، مساوات بین المسلمین کا قیام، رعایا کی فلاح و بہبود اور خیر خواہی حکمران (ریاست) کی ذمہ داری قرار پائی۔ حکومت اور انتظامی و سیاسی مناصب کو امانت قرار دیا گیا اور اقتدار، عہدہ اور منصب کی طلب و حرص ممنوع قرار پائی۔(۵۴)

غرض یہ کہ نبوی ریاست ایک نظریاتی، مثالی، فلاحی اور داعی و معلم ریاست تھی جس کا اساسی نصب العین پیغامِ الٰہی کی دعوت و تبلیغ اور قانونِ الٰہی کی تنفیذ و اجراء تھا۔(۵۵) یہ ریاست دین، سیاست و حکومت کے کامل امتزاج کی آئینہ دار تھی۔(۵۶) اسی وجہ سے اس چھوٹی سی ریاست میں، دس سال کے عرصے میں بہت زیادہ توسیع ہوئی حتیٰ کہ پورے ملک عرب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔(۵۷)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مملکت کی بیرونی حملوں سے حفاظت و مدافعت، اس کے داخلی استحکام، رعایا کی فلاح و بہبود، تشریع و قانون سازی، عدل و انصاف، تبلیغ دین، تعلیم و تربیت اور عام نظم و نسق کے سلسلے میں تمام ضروری اقدامات کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳ نبوی / ۱۰ھ / ۶۳۲ء میں جب اس جہانِ فانی سے اپنے رب کے حضور جا پہنچے تو اس وقت اپنے پیچھے ایک انتہائی منظم مملکت چھوڑ گئے۔(۵۸)

**ریاست نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند کرنے کے لیے اقدامات:**

ریاست مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک میں امن و امان کو قائم کرنے، نظم وضبط برقرار رکھنے اور اسے سیاسی معاشرتی و معاشی انتشار سے بچانے کے لیے ہر ممکن کاوش کی۔ قیامِ مدینہ کے بالکل آغاز ہی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منشور مدینہ کے ذریعے مدینہ کو حرم قرار دے دیا یعنی متعینہ علاقے میں لڑائی جھگڑا، دنگا فساد، خون خرابہ، قتل و غارت گری اور بدامنی پھیلانا حرام ٹھہرا، اس طرح مدنی معاشرہ کو امن و سلامتی کی دولت بے بہا مل گئی۔ ان ابتدائی انتظامات کے نتیجے میں یہ بات لازمی تھی کہ امن و امان کو کم سے کم خطرہ درپیش ہو۔ لیکن بہر حال امن و امان اور نظم وضبط کی صورت حال خراب کرنے والوں کی تادیب کے لیے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ انتظام کر رکھا تھا۔

**انسداد جرائم کے لیے اقدامات:**

اس غرض سے نہ صرف یہ کہ پولیس کا محکمہ اپنی ابتدائی شکل میں موجود تھا۔(۵۹)اور وہ سرگرمِ عمل رہتا تھا بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر بھی اس میں دلچسپی لیتے تھے چنانچہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قسم کے خطرہ کی بو محسوس کر کے تحقیق حال کے لیے راتوں میں خود گشت پر نکل جاتے۔(۶۰) علاوہ ازیں رات کی پہرہ داری اور چوکیداری کے لیے مدینہ میں ایک "صاحب العسس" بھی مقرر فرمایا تھا۔ جس کا کام یہ تھا کہ راتوں کو گشت کرے اور مشکوک افراد کا پیچھا کرے۔(۶۱) اس میں شک نہیں کہ اسلام نے کسی بھی دشمن کے ذاتی معاملات میں تجسس سے منع کیا ہے۔(۶۲) لیکن سیاسی مصالح اور معاشرتی ضرورتوں کے تحت بقدر ضرورت تحقیق و تفتیش اور تلاش و تجسس کی اجازت ہے جس کی تائید سیرت کے متعدد واقعات سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہر حال وقت اور حالات کے تحت مخبری اور جاسوسی کے ضروری اقدامات کیے اور ایک "متجسس" کا تقرر فرمایا۔(۶۳)

ریاست میں جرم کا ارتکاب کرنے والوں سے نمٹنے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تنبیہ بھی کرتے اور ضروری سزا بھی دیتے۔(۶۴)اگر مناسب سمجھتے تو انہیں محبوس فرمادیتے اس غرض سے کبھی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی دارالحبس یا قید خانہ کا کام دیتی(۶۵) اور کبھی کسی کا گھر استعمال کیا جاتا۔(۶۶) بلکہ تاریخ سے تو یہ بھی پتا چلتا ہے کہ عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ قید خانوں میں رکھا جاتا تھا۔ (۶۷)جنگی قیدیوں کے معاملے میں بھی یہی صورت حال تھی۔(۶۸) قیدیوں پر نگرانی کے لیے افسروں کو مقرر کیا جاتا تھا۔(۶۹)جن کو آج کی اصطلاح میں جیلر کہا جاتا ہے۔

**حدود اللہ کا نفاذ:**

مجرموں پر حدود اللہ نافذ کرنے کے لیے افسران علیحدہ تھے۔(۷۰)اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سخت قوانین موجود تھے جس کا نفاذ شہادتوں کی موجودگی میں بلا تفریق لازماً کیا جاتا تھا۔

**احتساب:**

عمال کی تربیت اور محاسبہ کو یقینی بنایا گیا۔ تجارتی بدعنوانیوں کے انسداد کے سلسلے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نگرانی و اہتمام کیا۔ بعض اوقات بازاروں اور منڈیوں کا دورہ کرتے اور موقع پر ہی تحقیق و تفتیش فرما کر ضروری تنبیہ یا کاروائی عمل میں لے آتے تھے۔ منڈیوں اور بازاروں کی مجموعی نگہداشت کے لیے باقاعدہ محتسب (مارکیٹ انسپکٹرز) کا تقرر بھی کیا تھا۔(۷۱)

**عدل وانصاف:**

ہجرتِ مدینہ کے بعد عدل وانصاف کو شخصی اور قبائلی سطح سے اُٹھا کر مرکزی معاملہ بنادیا اور قانون کا نفاذ ہر ایک پر یکساں طور پر عائد کیا۔ یہاں پر یہ وضاحت بے محل نہ ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں

مقدمات بہت کم تعداد میں آتے تھے کیونکہ ریاست نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قانون کا اجراء اور نفاذ معاشرے کے اخلاقی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہوا اور یوں قانون کے ساتھ اس کی اصل روح عمل کے سانچے میں ڈھلتی گئی۔ غالباً اس لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حکم جاری ہوتا یا کوئی فیصلہ کر دیا جاتا تو اسے فی الفور تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ محض ایک قانون معاملہ نہ تھا دین و ایمان کا بھی تقاضا تھا۔(۷۲) گویا نفاذِ قانون کے لیے ریاست کی طاقت کو استعمال کرنے کی ضرورت شاذ و نادر ہی پڑتی تھی اور قانون کی روح تقدس کی وجہ سے ہر ایک اس پر از خود عمل پیرا ہو جاتا تھا۔(۷۳)

مختصراً یہ کہ ریاست میں امن و امان کی فضا قائم کرنے اور نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھرپور کوششیں کیں اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے کامیاب ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد حکومت میں کبھی بدامنی، بدنظمی اور سیاسی و معاشرتی انتشار کا مسئلہ قابل ذکر طور پر کبھی پیدا نہیں ہوا۔ تاریخ اسلام میں نبوی مملکت ؐ کو ایک اعلیٰ ترین مثالی اسلامی ریاست کا درجہ حاصل ہے۔ چناچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف وہی ریاست ایک حقیقی اسلامی ریاست کہلائے گی جو اپنے بنیادی اصول و تصورات اور روح کے اعتبار سے نبوی مملکت سے ہم آہنگ ہو گئی۔

## جدید ریاستی نظم اور عوام کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے طریقے

### تجاویز:

اگر ہم اپنے نظامِ حکومت کو اس شکل میں استوار کرنا چاہیں جن کی بنیاد اسلام کے منصوص اُصولوں پر اُٹھائی گئی، جس کا عملی نمونہ ریاستِ مدینہ کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ریاست کا نظام اسلامی اُصولوں پر استوار ہو، اس میں طرزِ حکومت، دستور سازی اور قوانین کے نفاذ کا مکمل بندوبست کیا گیا ہو، ایسی صورت میں ہی ملک میں امن و امان اور نظم و ضبط کی فضا قائم ہو سکتی ہے اور دین اسلام کے مقاصد نتیجہ خیز اور ثمر آور صورت میں سامنے آسکتے ہیں۔ موجودہ دور میں عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے لیے درج ذیل طریقے اپنائے جاسکتے ہیں:

### ا۔ میڈیا کے ذریعے عوام میں شعور و آگاہی:

اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی حفاظت و بقاء کے ہر ممکن جدوجہد و سعی اُمت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔(۷۴) وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (۷۵) کے مطابق اس فریضہ کی انجام دہی کے لیے جدید و قدیم ہر ممکن جائز ذریعہ و وسیلہ کا استعمال درست ہے۔ عوام کی ذہن سازی اور ان میں شعور و آگاہی پیدا کرنے کے لیے موجودہ دور میں سب سے مؤثر ہتھیار میڈیا ہے۔ خواہ وہ الیکٹرانک میڈیا ہو، پرنٹ یا سوشل۔ ان میں سے ہر ایک عوام الناس کے اندر شعور اور بیداری پیدا کرنے کے لیے اپنا فعال کردار ادا کر سکتا ہے۔ اخبارات میں لوگوں کو حکومتی نظم کا پابند

کرنے کے لیے ایک باقاعدہ اخلاقی پالیسی بنائی جائے جس کے تحت وہ کام کرے اور اسلامی معاشرے کی تشکیل اس کا ہدف ہو۔ ریڈیو، ٹی وی، ٹیپ ریکارڈ کیسٹ، سی ڈی نیز انٹرنیٹ ایسے ہی جدید آلات ہیں جنہوں نے بڑے پیمانے پر معاشرہ اور سماج کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ (۷۶) چنانچہ معاشرے کے تمام طبقات مؤثر پیغام رسانی کے یہ اہم ترین ذرائع ہیں۔ عوام الناس میں نظم وضبط کے قیام کے لیے ان پر مختلف پروگرامز منعقد کیے جاسکتے ہیں جس میں انہیں نظم وضبط کے فوائد و ثمرات سے آگاہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ سوشل میڈیا پر لوگوں سے (نظم وضبط کو قائم کرنے اور اس کے کیا اقدامات کیے جائیں) براہِ راست رائے لی جاسکتی ہے۔ اس عنوان پر مباحثہ، مذاکرہ اور گروپ ڈسکشن بھی عوام میں آگاہی و بیداری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ رائے عامہ کی تشکیل اور سیرت و کردار کی تعمیر میں میڈیا کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

**۲۔ اسلامی اداروں کے ذریعے دعوتی سرگرمیاں:**

پاکستان میں اس وقت کئی دینی ادارے دعوت و تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لیے کوشاں ہیں۔ ان اداروں سے وابستہ افراد اپنے امراء اور جماعت سے جذباتی اور دلی وابستگی رکھتے ہیں چنانچہ مناسب پلیٹ فارم مہیا کرکے ان اداروں کے ذریعے عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند کرنے کا شعور پیدا کیا جاسکتا ہے تاکہ ملک میں امن وامان کا قیام یقینی بنایا جاسکے۔

**۳۔ نصابِ تعلیم اور تدریس کے ذریعے: نظم وضبط کی پیروی کی تربیت**

تعلیم ہی انسان کی سوچ، فکر اور ذہن سازی میں تنوع پیدا کرتی ہے اور اسلامی نظامِ تعلیم ہی وہ جامع الصفات نظام ہے۔ جس میں انسان کی شخصیت کے ہر پہلو اور اس کی تمام فطری قوتوں اور صلاحیتوں اور اس کی ساری ضروریات کی پوری رعایت رکھی گئی ہے۔ (۷۷) نصابِ تعلیم میں نظم وضبط کی اہمیت فوائد و ثمرات کے اسباق اور مختلف مثالوں کے ذریعے بچوں، بڑوں اور دیگر افراد میں شعور و آگاہی پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں اساتذہ کرام کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مختلف اہل علم و دانشور افراد اور علماء کرام پر مشتمل ایک بورڈ بنایا جائے جو نصابِ تعلیم میں اصلاحات کرے اور مختلف تجاویز و آراء کی روشنی میں لائحہ عمل طے کیا جائے۔

**۴۔ مساجد کا فعال کردار:**

مسجد سے مسلمانوں کا ہر زمانے میں کسی نہ کسی حیثیت سے مضبوط تعلق رہا ہے۔ لیکن اب جدید دور کے مشاغل اور دین سے دوری کی وجہ سے کم ہوتا جارہا ہے۔ ہمارے لیے مسجد اتحاد المسلمین یکجہتی، ہم آہنگی، باہمی اخوت و محبت، انفرادی و اجتماعی فلاح و بہبود، نظم وضبط، روحانی تعلیم و تربیت، درس و تدریس اور فروغِ اسلام کا مضبوط ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ مسجد بذاتِ خود پابندی اوقات کا سبق سکھلاتی ہے۔ اور امام کی اقتداء، صفوں کی درستگی، اطاعت امیر کی

بہترین تربیت کا عمدہ مظاہر ہے۔(۷۸)

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دوبارہ سے یہ احساس زندہ کریں اور مسجد میں ایک کمیٹی بنائی جائے جو عوام کے مسائل حکومت کے نمائندوں تک پہنچائے اور حکومت کا تعمیری نقطۂ نظر لوگوں تک پہنچائیں اور یوں معاشرے میں نظم کے قیام کو یقینی بنایا جائے۔

**۵۔ورکشاپ، سیمینارز، کانفرنسز کا انعقاد:**

عوام الناس کو حکومتی نظم کا پابند کرنے کے لیے اس موضوع پر مختلف ورکشاپ، سیمینارز اور کانفرنسز اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ جدید تکنیکی سہولیات کا استعمال کرتے ہوئے ملٹی میڈیا و دیگر ذرائع استعمال کر کے مختلف مثالوں، شارٹ کلپس اور ویڈیوز کے ذریعے عوام کی انفرادی و اجتماعی تربیت کی جا سکتی ہے اور یہ شعور ان کے ذہن میں پختہ کر دیا جائے کہ قیام نظم وضبط دراصل ان کی فلاح و بہبود اور ترقی کا ضامن ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مکمل ترقی، خوشحالی، امن و امان اور نظم و ضبط کا دار و مدار انفرادی و اجتماعی، حکومتی اور عوامی دونوں سطح پر افراد کی دیانت و امانت، احساسِ ذمہ داری اور اعلیٰ اخلاق پر منحصر ہے۔ اس کے لیے جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین کا نفاذ اور انتظامی معاملات کے لیے اہل اور دیانت دار افراد کا تقرر ضروری ہے وہیں عوام الناس میں احساسِ ذمہ داری پیدا کرنے اور ان کے اندر حکومتی معاملات، قوانین اور احکام پر عمل درآمد کرانے کے لیے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر ایک باقاعدہ مہم چلائی جائے، ملک بھر سے اہل علم اس موضوع پر روشنی ڈالیں۔ علاوہ ازیں حکومتی وصوبائی سطح پر نظم وضبط کی پابندی اس کی اہمیت اور فوائد پر لیکچرز کا اہتمام کیا جائے۔ کیونکہ محض قانون اور ڈنڈے کے زور پر لوگوں کی اصلاح نہیں کی جا سکتی۔ پہلے ذہن سازی اور یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی(۷۹)

جب لوگوں میں یہ احساس ذمہ داری اور شعور بیدار ہو گیا تو قانون کی بالادستی خوبخود عمل میں آجائے گی جو کہ امن و امان اور قیامِ نظم وضبط کے لیے ازحد ضروری ہے۔ اس سے ایک طرف تشدد و دہشت گردی کا خاتمہ یقینی ہے اور دوسری طرف بدعنوانی اور جرائم پر بھی قابو پایا جا سکے گا اور تمام افراد کو بہتر معیاری زندگی یکساں ترقی کے مواقع اور تمام بنیادی حقوق کی فراہمی ممکن ہو گی۔

**خلاصہ بحث:**

مغرب کا نامور مورخ اور مشہور دانش ور ول ڈیورانٹ اپنی کتاب "ہیروز آف ہسٹری" میں محسن انسانیت پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ حکمران اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت و قیادت کے متعلق

خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے: "اگر ہم تاریخ پر اثرات کے حوالے سے تجزیہ کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کی دلدل میں دھنسے ہوئے لوگوں کو روحانی اور اخلاقی رفعت سے ہم کنار کیا اور کسی بھی دوسرے مصلح یا پیغمبر کی نسبت کہیں زیادہ کامیاب رہے۔ تاریخ انسانی کا شاید ہی کوئی اور آدمی اپنے خوابوں کو اس قدر بھرپور انداز میں تعبیر دے سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو تہذیب کے ساتھ ساتھ ایک نیا مذہب بھی دیا۔ کیوں کہ مذہب کے علاوہ کوئی اور طریقہ دستیاب ہی نہیں تھا... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب ایک صحرا تھا، جہاں بہت سے بت پرست قبائل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت تک عرب ایک متحد اور منظم قوم بن چکے تھے۔" (۸۰)

تاریخ گواہ ہے کہ معلم بنی نوع آدم، محسن انسانیت، پیغمبر رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایسے دور میں ہوئی جب پوری دنیا میں کسی بھی مثالی فلاحی ریاست کا وجود نہ تھا جہاں انفرادی اور اجتماعی سطح پر لوگ دیانت و امانت، خود احتسابی، احساسِ ذمہ داری، نظم و ضبط، فرض شناسی یا جواب دہی کے تصور سے آشنا ہوں۔ کرۂ ارض، عالمی تہذیبیں اور اقوامِ عالم ایک مثالی، فلاحی اور منظم ریاست کے خلا کو محسوس کر رہا تھا جس کی اساس خوفِ خدا، پرہیز گاری، عدل و انصاف، اعلیٰ اخلاقی و آفاقی اقدار اور ابدی اُصولوں پر استوار ہو، سرورِ کائنات، امام الانبیاء، سرورِ دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی تعلیمات، اعلیٰ اخلاقی اقدار، بے مثال سیرتِ طیبہ اور دائمی و ادبی نمونہ عمل اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خلا کو فکری و عملی دونوں سطحوں پر پر کیا۔ اور عالم انسانیت کو ریاست و جہاں بانی کے ایسے آفاقی اُصول و ضوابط عطا فرمائے جن کی افادیت اور اخلاقی اہمیت سے انسانی تہذیب اور اقوام عالم کبھی بھی مستغنی نہیں ہو سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ میں پہلی بار میثاقِ مدینہ کی شکل میں دستورِ ریاست نافذ کیا۔(۸۱)

ریاست کو منظم و مستحکم بنانے میں اس دستور کو اولیت اور بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی ریاست کی کارکردگی کا اظہار اس کے قائم کردہ نظم و ضبط پر ہوتا ہے کیونکہ اس وجہ سے وہ شہریوں کو بنیادی سہولیات اور عدل و انصاف فراہم کرتی ہے۔ آزادی، مساوات، رواداری جیسی جمہوری روایات فروغ پاتی ہیں۔ نیز ریاست میں امن و امان کے قیام کے لیے نظم و ضبط کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ انہی نظم و ضبط کے اُصولوں، اعلیٰ اخلاقی اقدار، کردار و عمل، مثالی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ کو دنیا کی سب سے بڑی، مستحکم اور منظم ریاست بنا دیا۔ جس کی حدود دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبے پر محیط تھیں۔ جس کے دیرپا اور ہمہ گیر اثرات عہد خلافت راشدہ اور بعد کے اسلامی ادوار میں نظر آئے۔ جس کی عظمت و شوکت کے آگے قیصر و کسریٰ کے اقتدار کا سورج غروب ہو گیا۔ جس کی مثالی تعلیمات اور دستور حیات سے آج بھی مفر نہیں، جس کی اتباع اور پیروی میں ہی بنی نوع آدم کی فلاح اور نجات کا راز پوشیدہ ہے۔ آج بھی ان تعلیمات کے ذریعے عوام الناس کو

حکومتی نظم کا پابند کر کے وہی نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں جس کی مثالیں ہمیں قرون اولیٰ میں نظر آتی ہیں۔

ویست دینِ مصطفیٰ دین حیات
شروع او تفسیر آئین حیات(۸۲)

وما علينا الا البلاغ المبين.

صلى الله عليه وسلم-

**حوالہ جات**


۱۔ الاحزاب۲۱:۳۳

۲۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال / بال جبریل، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۱، ۳۹/ ۳۶۳

۳۔ الحج۲۲: ۴۱

۴۔ کیرانوی، وحید الزمان، مولانا، القاموس الجدید (عربی - اردو لغت) ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۸۹۷

۵۔ Sally Wehmeier، Oxford Advanced Learner's Dictionary of current English، Oxford Univeristy Press، 2001، pg: 356

۶۔ یونس۱۰: ۳

۷۔ یٰسین۳۶: ۴۰

۸۔ حسین رشید، محمد و دیگر علماء، نصرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریمؐ، المرکز الاسلامی للبحوث العلمیہ، کراچی، ۲۰۰۹ء، ص:۳۴۰

۹۔ الانبیاء۲۱: ۲۲

۱۰۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، مارچ ۱۹۹۹ء، کتاب الاذان، باب: اقامۃ الصف من تمام الصلوٰۃ، ح: ۷۲۲، ص:۱۱۸

۱۱۔ النساء:۱۰۳

۱۲۔ مودودیؒ، ابوالاعلیٰ، سید، اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، ۲۰۰۲ء، ص:۷۶

۱۳۔ محمد اقبال، علامہ، پیام مشرق، مکتبہ دانیال، لاہور، س ن، گل لالہ، ۵۷

۱۴۔ طاہر القادری، محمد، ڈاکٹر، ارکانِ اسلام، ادارہ منہاج القرآن لاہور، ۱۹۹۱ء، ص:۸۴

۱۵۔ عمری، جلال الدین انصر، اسلام کا عائلی نظام، البدر پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص: ۹

۱۶۔ النساء۴: ۳۴

۱۷۔ شاہدہ پروین، ڈاکٹر، عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات، پریس اینڈ پبلیکیشنز ڈیپارٹمنٹ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۱۳ء، ص:۱۹

۱۸۔ محمد احسن نانوتویؒ، مولانا، حقیقۃ الدنیا، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۱۲۸۱ھ، ۳/۳۲۱

۱۹۔ سید قطب شہید، اسلام میں عدل اجتماعی، مترجم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص:۸۳

۲۰۔ المائدہ۵: ۸

۲۱۔ الحدید۵۷: ۲۵

۲۲۔ ندوی، معین الدین، تاریخ اسلام، سعید ایچ ایم کمپنی کراچی، ۱۹۷۳ء، ۱/۲۶۱-۲۶۶

۲۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد، ح:۶۷۸۸، ص: ۱۱۷۰

۲۴۔ الانعام۶: ۱۴

۲۵۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، اصح المطابع کراچی، ۱۳۶۰ھ، کتاب الدیات، ۲/۶۲۴؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، النشر الثقافۃ الاسلامیہ کراچی، ۱۳۵۸ھ، ۲/۲۵۵

۲۶۔ ابو یوسف، قاضی، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، المطبعۃ السلفیہ ومکتبھا، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ، ص: ۱۱۵

۲۷۔ النساء۴: ۵۹

۲۸۔ مسلم، ابی الحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع ریاض، مارچ ۱۹۹۹ء، کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر راکباً وبیان قولہ ﷺ: لتاخذوا عنی مناسککم، ح:۳۱۳۸، ص: ۵۴۶

۲۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ لامام مالم تکن معصیۃ، ح: ۷۱۴۴، ص:۱۲۲۹

۳۰۔ التبریزی، الخطیب العمری، محمد بن عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، س ن، ص: ۴۵۵

۳۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب قولہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الدین النصیحۃ، ص: ۱۳

۳۲۔ محمد طاسین، مولانا، اصلاح معاشرہ کی نبوی حکمت عملی، (ششماہی) السیرۃ العالمی، کراچی، ستمبر ۲۰۰۶ء، شمارہ: ۱۶، ص:۳۲۷

۳۳۔ مصنف عبد الرزاق، کتاب الجامع الامام معمر بن راشد الازدی روایۃ الامام عبد الرزاق... تحقیق حبیب الرحمن الاعظمی، باب الامام راع، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۳ھ، ح:۲۰۶

۳۴۔ یوسف فاروقی، محمد، اُصولِ احتساب؛ اسوۃ حسنہ کی روشنی میں، (ششماہی) السیرۃ العالمی، کراچی، جون ۲۰۱۵ء، شمارہ: ۳۴، ص: ۶۰

۳۵۔ عجلونی، کشف الخفاء، مکتبہ دارالتراث، بیروت، س ن، ۲/۴۰۲

۳۶۔ التحریم۶۶: ۶
۳۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاستعراض، باب العبد راغ فی مال سیدہ
۳۸۔ المتقی الہندی، کنز العمال، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۹ء، ج:۵، ح: ۲۵۱۲
۳۹۔ ملا علی القاری، ابوالحسن، الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، دارالامانۃ، بیروت، س ن، ص:۳۵۲
۴۰۔ مفتاحی، ندوی، ظہیر الدین، محمد، اسلام کا نظام امن، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۹۸۱ء، ص:۶۵
۴۱۔ مسلم، الجامع الصحیح، ح:۱۸۲۵، ۳/۲۲۴
۴۲۔ ابوداؤد، السنن، ح: ۲۹۳۵، ۳/۶۱
۴۳۔ مسلم، الجامع الصحیح، بیروت، ۱۹۸۱ء، کتاب الایمان، ص: ۶۳
۴۴۔ قطب الدین دہلوی، مظاہر حق جدید، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۹۶ء، ۳/۶۲۵
۴۵۔ ابن ماجہ، السنن، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء، کتاب الحدود، ص: ۱۸۲
۴۶۔ عزیز الرحمٰن، سید، تعلیماتِ نبویؐ اور آج کے زندہ مسائل، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۴۹
۴۷۔ نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ریاست کا نشوو ارتقاء، نشریات لاہور، ۲۰۰۸ء، ص:۳۹۲
۴۸۔ حمید اللہ، محمد، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص:۱۶۷-۱۷۷
۴۹۔ اس دستاویز کے متن کے لیے ملاحظہ ہو: ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، تحقیق وتوضیح: ابراہیم الابیاری مصطفی السقا، عبدالحفیظ شلبی، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ۲/۱۱۵-۱۱۷
۵۰۔ Reynold A. Nicholson، A Literary History of the Arabs، Cambridge University Press، Cambridge، 1996، Page: 173، W. Montgomery Watt...، Muhammad at Medina، Oxford University Press، Karachi، 1998، Page: 228-238
۵۱۔ حمید اللہ، محمد، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نظامِ حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص:۸۲-۸۱
۵۲۔ عہد نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ص: ۸۳
۵۳۔ آلِ عمران۳: ۵۹
۵۴۔ حمید اللہ، محمد، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نظامِ حکمران، ص: ۱۰۶- ۱۳۷
۵۵۔ مودودیؒ، ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص: ۴۲۰- ۴۴۱؛۔۔ مودودیؒ، ابوالاعلیٰ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص: ۶۱-۸۰
۵۶۔ Amir Hassan Siddiqi، Islamic State: A Historical Survey، Jamiyyat ul

Page: 14-15،1970،Karachi،Falah Publication

۵۷۔ حمید اللہ، محمد، عہد نبویؐ کے میدانِ جنگ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص:۷

۵۸۔ مظہر صدیقی، محمد یٰسین، عہد نبویؐ میں تنظیم و ریاست و حکومت، نقوش رسول نمبر، جلد: ۵، شمارہ: ۱۳۰، ص: ۵۲۵-۷۲۴؛ حمید اللہ، محمد خطبات بہاولپور، ص: ۲۲۳-۴۳۴

۵۹۔ محدثین اور اصحاب السیر نے یہ صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عہد رسالتؐ میں قیس بن عبادہ، صاحب الشرطہ کی حیثیت رکھتے تھے، الخطیب العمری، کتاب الامارۃ والقضاۃ، ص: ۳۲۱

۶۰۔ امام بخاری نے لکھا ہے: ولقد فزع اہل المدینۃ ذات لیلۃ فانطلق الناس قبل الصوت فاستقبلھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد سبق الناس الی الصوت وھو یقول لم نزاعو لم تراعو۔ وھو علی فرس لابی طلحۃ عربی ماعلیہ سرج وفی عنقہ سیف فقال لقد وجدتہ بحراً او انہ لبحر۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دہلی، ۱۳۷۷ھ، کتاب الادب: ۲/ ۸۹۱

۶۱۔ کتانی الفاسی، عبد الحئ، الشیخ، نظام الحکومت النبویۃ المسمی التراتیب الاداریۃ، رباط، ۱۳۴۷ھ، ۲/ ۲۹۲- ۲۹۳

۶۲۔ الحجرات ۴۹: ۱۲

۶۳۔ کتانی ۱/ ۳۶۱

۶۴۔ کتانی ۱/ ۳۶۳+۳۶۱

۶۵۔ ایضاً، ۱/ ۳۶۳

۶۶۔ کتانی ۱/ ۳۰۰

۶۷۔ کتانی ۱/ ۲۹۵

۶۸۔ ایضاً، ۲/ ۲۹۴

۶۹۔ کتانی ۱/ ۲۹۳-۳۰۰

۷۰۔ کتانی ۱/ ۳۱۳

۷۱۔ چنانچہ بعد فتح مکہ کے سوق کے نگران سعد بن سعید بن العاصؓ اور سوق مدینہ کے نگران و محتسب عمر بن الخطابؓ تھے۔ الحلبی، علی بن برھان الدین، السیرۃ الحلبیہ، قاہرہ، ۱۹۶۲ء، ۳/ ۳۶۵

۷۲۔ النساء ۴: ۶۵

۷۳۔ غازی، محمود احمد، محاضرات سیرتؐ، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، مئی ۲۰۰۷ء، ص: ۴۱۹

۷۴۔ آل عمران ۳: ۱۱۰

۷۵۔ الانفال ۸: ۶۶

۷۶۔ قاسمی، ابوالحسن، رحمانی، سیف اللہ، مولانا و دیگر، انٹرنیٹ اور جدید ذرائع ابلاغ، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء، ص:۱۷۱
۷۷۔ افضل حسین، فن تعلیم وتربیت، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص:۷۳
۷۸۔ قادری، شمیم حسین، اسلامی ریاست، علماء اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۴ء، ص: ۳۸
۷۹۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال / بانگ درا، نیشنل بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۹، ۲۷۷ / ۲۶۱
۸۰۔ ول ڈیورانٹ، ہیروز آف ہسٹری، ترجمہ: یاسر جواد، نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص: ۲۳۴
۸۱۔ حمید اللہ، محمد، الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی صلی اللہ علیہ وسلم، لجنۃ التالیف والترجمہ، قاہرہ، ۱۹۴۱ء، ص: ۱
۸۲۔ اقبال، ڈاکٹر، علامہ، اسرار ورموز، کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۶ء، ص:۱۲۸

# [[019]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر فرحت عظیم
سابق پرنسپل: سرسید گورنمنٹ کالج ناظم آباد کراچی
ڈائریکٹر: پوسٹ گریجویٹ انسٹیٹیوٹ آف سوشل سائنسز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

**اللہ تعالیٰ کُل نظم وضبط کا خالق ہے:**

اللہ تعالیٰ ہی کُل نظم وضبط کا خالق ہے۔ یہ کائنات نظم وضبط کے بغیر قائم ہی نہیں رہ سکتی۔ سورج مشرق سے نکلتا ہے مغرب میں غروب ہوتا ہے، چاند ستارے سب اپنے اپنے مدار پر رہتے ہیں، دریا سمندر ہوا پانی اپنے اپنے راستوں پر رواں دواں ہیں، اسی طرح ربِّ کائنات نے ہمیں تخلیق کیا ہے، کہ ہم اس کے مقرر کردہ راستوں پر چلیں۔ اسی کا نام نظم وضبط ہے۔ ہماری دنیا، ہمارا دین، مملکت اور اس کے دائرۂ کار میں ہماری ذمہ داریاں اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ ہی منصب عطا کرتا ہے، اور ہم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ منصب کو اپنے پاس امانت کے طور پر رکھتے ہیں، اس وعدہ کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے ذریعے جو ذمہ داری عطا کی ہے اُسے پورا کریں گے۔ ہم اُسے نظم و ضبط کے ساتھ پورا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا ہمیں منصب عطا کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ وہ ساری کائنات کی تخلیق کا مالک ہے۔(۱) صرف لفظ کن کے کہہ دینے سے چیزیں پیدا ہو گئیں۔

وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۱۱۷ (۲)

جب وہ کسی کام کا ارادہ کرلیتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔

کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، تنہا اُس ہی کی مرضی سے دنیا کے تمام کام انجام پاتے ہیں۔ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اِس نظم میں اپنی مرضی بھی شامل کر سکے۔ کائنات یا اس دنیا میں انسان اپنی مرضی سے اپنا منصب یا ذمہ داری لینے کا اہل ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے کہ وہ مخلوق ہے اور خالق کے سامنے محض جوابدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تنہا کائنات کو تخلیق کیا ہے، اور تنہا ہی اُسے ختم بھی کرنے والا ہے۔(۳)

اَللہُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (۴)

ترجمہ: اللہ ہی خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے وہی اس کو پھر پیدا کرے گا پھر تم اُسی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ (۵)

ترجمہ: زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں اُسی ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ چھ دن میں زمین و آسمان بن کر تیار ہو گئے۔

خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ (۶)

ترجمہ: صرف زمین کی تخلیق پر دو دن لگے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۲۵۵ (۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہ زندۂ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے، وہ نہ سوتا ہے، نہ اسے اونگھ آتی ہے۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے، اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے، اس سے بھی وہ واقف ہے اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت ادراک میں نہیں آسکتی۔ الا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔ اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی نگہبانی اس کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے۔ بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔـهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲۵۷ (۸)

ترجمہ: اللہ حامی و مددگار ہے ان کا، جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے، اور لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں، وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۸۷ ۝ (۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہ تم سب کو اُس قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۲ (۱۰) (۱۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں، پھر وہ اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا، اور اُس نے آفتاب و ماہتاب کو ایک قانون کا پابند بنایا۔ اس سارے نظام کی ہر چیز ایک وقت مقرر تک کے لئے چل رہی ہے اور اللہ ہی اس سارے کام کی تدبیر فرما رہا ہے۔ وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان

کرتا ہے شاید کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔

اَللہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ. وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ۸ (۱۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایک ایک حاملہ کے پیٹ سے واقف ہے، جو کچھ اس میں بنتا ہے، اُسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ اس میں کمی یا بیشی ہوتی ہے اس سے بھی وہ باخبر رہتا ہے۔ ہر چیز کے لئے اس کے ہاں ایک مقدار مقرر ہے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالِ۹ (۱۲)

ترجمہ: وہ پوشیدہ اور ظاہر، ہر چیز کا عالم ہے۔ وہ بزرگ ہے اور ہر حال میں بالاتر رہنے والا ہے۔

اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور حاصل نہ ہو تو باقی ساری تعلیم بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ توحید آدمی کی سمجھ میں آجانے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی بنیاد قائم ہوگئی۔ مگر اللہ کا منشا یہ نہیں ہے کہ اس کے ماننے پر لوگوں کو زبردستی مجبور کیا جائے۔ جو اس کو مان لے گا، وہ خود ہی فائدے میں رہے گا اور جو اس سے منہ موڑے گا وہ آپ نقصان اٹھائے گا۔

اللہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. وَوَیْلٌ لِّلْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ۲ (۱۳)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کی ساری موجودات کا مالک ہے اور سخت تباہ کن سزا ہے قبولِ حق سے انکار کرنے والوں کے لئے۔

## منظم زندگی اسلام کی شرطِ اولین ہے:

خالق کائنات اپنی مخلوق کو خوشحال دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے پیغمبر بھیجے اور رسولوں اور پیغمبروں کا یہ سلسلہ خاتم النبیین ﷺ پر ختم ہوا۔ منصب رسالت ہی وہ عظیم منصب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو عطا کیا گیا ہے، تاکہ نوعِ انسانی کو سیدھی اور صحیح راہ پر چلا سکے۔ اس کے بعد بھی ہر زمانے میں تنظیم کی ضرورت رہی۔ منظم زندگی اسلام کی شرط اولین ہے، لہٰذا ہر زمانے میں نظم کو قائم رکھنے کے لئے معاشرے کا کوئی نہ کوئی سربراہ رہا اور سربراہی کا یہ منصب خدائے بزرگ و برتر عطا کرتا ہے۔ (۱۴) اللہ (اپنے فرامین کی ترسیل کے لئے) ملائکہ میں سے بھی پیغام رساں منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سمیع اور بصیر ہے۔

اَللہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ. اِنَّ اللہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ۷۵ (۱۵)

ترجمہ: خدا فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کرلیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ بے شک خدا سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَمَا خَلْفَہُمْ. وَاِلَی اللہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۷۶ (۱۶)

ترجمہ: جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ واقف ہے، اور سارے معاملات اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

اَللہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ۔ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ۔ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ۔ يَهْدِي اللہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ يَّشَاۗءُ۔ وَيَضْرِبُ اللہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ۔ وَاللہُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۳۵ (۱۷)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے، (اس طرح) روشنی پر روشنی (بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں)، اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے، وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے، وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

اَللہُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ہُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۲۶ ۞ (۱۸)

ترجمہ: اللہ کہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، جو عرشِ عظیم مالک ہے۔

اَللہُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُہٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ يَشَاۗءُ وَيَجْعَلُہٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِہٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ اِذَا ہُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ۴۸ (۱۹)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل اٹھاتی ہیں، پھر وہ ان بادلوں کو آسمانوں میں پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انہیں ٹکڑیوں میں تقسیم کرتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادلوں میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں۔ یہ بارش جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے برساتا ہے تو یکایک وہ خوش و خرم ہو جاتے ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نظم وضبط سے مشروط ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی مخلوق پر اپنی رحمتوں اور انعامات کی بارش کی ہے وہیں اسے نظم وضبط کا پابند کیا ہے۔ تاکہ وہ ان نعمتوں سے مستفید ہوں وہاں ان نعمتوں کے استعمال کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ رحمتوں اور نوازشوں سے برکات حاصل کرنے کے اصول اور ضابطے بھی بتائے، ذمہ داری کا یہی احساس ہے جو اُس کی مخلوق کو اپنے خالق سے ملاتا ہے، اگر انسان چاہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، نوازشوں اور رحمتوں سے بھی لطف اندوز ہوں، لیکن اُن تمام حدودں کو نظر انداز کر دے جو ایک انسانی معاشرے کی بہتری اور فلاح و بہبود کے لئے اللہ تعالیٰ نے متعین کی ہیں تو پھر انسانی معاشرے سزاوار ہوتے ہیں، خود نقصان اُٹھاتے ہیں۔ یہ غیر ذمہ داری اُن کی زندگیوں کو خوشحال نہیں، بدحال بنا دیتی ہے۔(۲۰)

اَللہُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً۔ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُۚ وَہُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ۵۴ (۲۱)

ترجمہ: اللہ ہی تو ہے جس نے ضعف کی حالت میں تمہاری پیدائش کی ابتدا کی، پھر اس ضعف کے بعد تمہیں

قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد تمہیں ضعیف اور بوڑھا کر دیا۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور وہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اَللہُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰي عَلَي الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ۴ (۲۲)

اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن ساری چیزوں کو جو اِن کے درمیان ہیں چھے دنوں میں پیدا کیا اور اس کے بعد عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ اس کے سوا نہ تمہارا کوئی حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اس کے آگے سفارش کرنے والا، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟

اَللہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللہِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللہِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللہُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۲۳ (۲۳)

ترجمہ: اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزا ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دُہرائے گئے ہیں۔ اُسے سُن کر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں، اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت نہ دے اس کے لئے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔

اَللہُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۴۲ (۲۴)

اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے۔ پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقرر کے لئے واپس بھیج دیتا ہے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللہِ شُفَعَاۗءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ۴۳ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۴۴ (۲۵)

ترجمہ: کیا اس اللہ کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے؟ ان سے کہو: کیا وہ شفاعت کریں گے خواہ ان کے اختیار میں کچھ نہ ہو اور وہ سمجھتے بھی نہ ہوں؟ کہو: شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا وہی مالک۔ پھر اسکی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللہِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۶۳ (۲۶)

زمین اور آسمانوں کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے ہیں وہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا، پھر اُسے فائدے پہنچانے کے لئے کائنات کی تمام اشیاء اس کے لئے مسخر کر دیں۔ اسی طرح جب انسان اپنے معاشرے کو منظم کرتا ہے تو اپنے فائدے کے لئے کرتا ہے، تنظیم ہی کے ذریعے انسان کو ایک بہترین زندگی مل سکتی ہے، انسانی زندگی کی تنظیم کا سفر جاری رہا اور حکومتیں وجود میں آئیں ان حکومتوں کو چلانے کے لئے بھی انسانوں ہی میں سے کچھ افراد منتخب ہوئے، ان کو ذمہ داری دی گئی کہ وہ تنظیمی اصولوں وضابطوں اور قوانین کے مطابق اپنے مناصب کا استعمال کریں۔ ایسا کریں گے تو فائدے میں رہیں گے اور اگر مروّجہ اصولوں اور ضابطوں کے خلاف کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔(۲۷)

اَللہُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۶۱ (۲۸)

ترجمہ: اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو، اور دن کو روشن کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے، دن کو روشن کیا، حقیقتیہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے، مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

اَللہُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۷۹ (۲۹)

ترجمہ: اللہ ہی نے تمہارے لئے یہ مویشی جانور بنائے ہیں تاکہ ان میں سے کسی پر تم سوار ہو اور کسی کا گوشت کھاؤ۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَي الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۸۰ (۳۰)

ان کے اندر تمہارے لئے اور بھی بہت سے منافع ہیں۔ وہ اس کام بھی آتے ہیں کہ تمہارے دلوں میں جہاں جانے کی حاجت ہو وہاں تم ان پر پہنچ سکو۔

اَللہُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَہُوَالْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۱۹ (۳۱)

اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ جسے جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے، اور وہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَہٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَہٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۲۰ (۳۲)

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا میں سے دیتے ہیں، مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

اَللہُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۱۲ (۳۳)

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو۔

## اللہ تعالیٰ کے سامنے نظم وضبط کی پابندی کا حساب پیش کرنا ہو گا:

دنیا میں انسان کو غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے، بلکہ وہ اپنے خالق کے سامنے جواب دہ ہے۔ دُنیا کی موجودہ زندگی دراصل انسان کے امتحان اور آزمائش کے لئے ہے۔ اس کے خاتمے کے بعد اُسے اپنے کارنامہء حیات کا حساب اللہ تعالیٰ کو دینا ہو گا۔(۳۴) اس محاسبے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ نوعِ انسانی کو دنیا میں کام کرنے کے لئے جتنی مہلت دینے کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے، اس کے اختتام پر قیامت برپا ہو گی، جس میں دنیا کا موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے گا اور ایک دوسرا نظام عالم نئے طرز پر برپا کیا جائے گا۔ اُس نئی دنیا میں وہ تمام انسان دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، جو ابتدائے آفریشن سے قیامت تک پیدا ہوئے تھے۔ اُس وقت ان سب کو بہ یک وقت خداوندِ عالم کی عدالت میں پیش کیا جائے گا، اور ہر شخص کو اپنی ذاتی حیثیت میں اُن اعمال کی جواب دہی کرنی ہو گی، جو اُس نے خود اپنی ذمہ داری پر دنیا میں کئے ہوں گے۔(۳۵)

اَللہُ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ۱۱ (۳۶)

اللہ ہی خلق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا، پھر اُسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے۔

اَللہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ رَزَقَکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ؕ بَلۡ مِنۡ شُرَکَآئِکُمۡ مَّنۡ یَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِکُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ۴۰ (۳۷)

اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا، پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے، پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو اِن میں سے کوئی کام بھی کرتا ہو؟ پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

جس چیز کو خیر قرار دیا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے خیر ہے، جس چیز کو شر کہا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے شر ہے جو چیز فرض کی گئی ہے وہ ہمیشہ کے لئے فرض ہے، جس چیز کو حلال ٹھیرایا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے حلال ہے، اور جس چیز کو حرام کہا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ اس قانون میں کسی قسم کی ترمیم، یا حذف و اضافہ، یا تنسیخ کا اختیار کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اِلاّ یہ کہ کوئی شخص، یا گروہ، یا قوم اسلام ہی کو چھوڑ دینے کا اِرادہ رکھتی ہو۔ جب تک مسلمان، مسلمان ہیں ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ کل کا شر آج خیر ہو جائے، اور پرسوں پھر شر ہو جائے۔ کوئی قیاس، کوئی اجتہاد، کوئی اجماع اس قسم کی تبدیلی کا مجاز نہیں ہے۔(۳۸)

اَللہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَیَقۡدِرُ لَہٗ ؕ اِنَّ اللہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ۶۲ (۳۹)

اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے، یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

جواب دہی کے روز اللہ تعالیٰ نظم وضبط کے استعمال کی جواب دہی صرف اپنے ذاتی علم پر نہیں کرے گا، بلکہ

عدل کی تمام شرائط پوری کی جائیں گی۔ ہر شخص کے کارنامہء حیات کا پورا ریکارڈ بے کم وکاست عدالت کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور بے شمار اقسام کی شہادتیں اس امر کے ثبوت میں پیش کر دی جائیں گی کہ اُس نے خفیہ اور علانیہ کیا کچھ کیا ہے اور کس نیت سے کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کوئی رشوت، کوئی بے جا سفارش اور کوئی خلافِ حق وکالت نہ چل سکے گی۔ کسی کا بوجھ دُوسرے پر نہ ڈالا جائے گا۔ کوئی قریب سے قریب عزیز یا دوست یا لیڈر یا مذہبی پیشوا یا خود ساختہ معبود کسی کی مدد کے لئے آگے نہ بڑھے گا۔ (۴۰) انسان وہاں تن تنہا بالکل بے یارومددگار کھڑا ہوا اپنا حساب دے رہا ہو گا اور فیصلہ صرف اللہ کے اختیار میں ہو گا۔ فیصلے کا سارا دارومدار اس بات پر ہو گا کہ انسان نے دنیا میں انبیاؑ کے بتائے ہوئے حق کو مان کر اور آخرت میں اپنی جوابدہی کو محسوس کر کے ٹھیک ٹھیک اللہ کی بندگی کی یا نہیں۔ پہلی صورت میں اس کے لئے جنت ہے، اور دوسری صورت میں دوزخ۔ جو آخرت کے قائل نہیں ہیں اور بس اسی دنیا کی زندگی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ وہ لامحالا خیر وشر کا معیار، اعمال کے اُن نتائج ہی کو سمجھیں گے جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ (۴۱)

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۶۸ (۴۲)

اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ کو خوب معلوم ہے۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۶۹ (۴۳)

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمہارے درمیان ان سب باتوں کا فیصلہ کر دے گا، جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔

اِسلام، ایک پوری تہذیب، ایک جامع تمدن اور ایک ہمہ گیر نظامِ حیات ہے اور انسانی زندگی کے تمام گوشوں میں اخلاقی رہنمائی دیتا ہے۔ اس لئے اس کے اخلاقیات دراصل تاریک الدنیا راہبوں اور جوگیوں اور سنیاسیوں کے لئے نہیں ہیں، بلکہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں کو چلاتے یا ان کے اندر کام کرتے ہیں۔ اخلاق کی جو بلندیاں دُنیا، خانقاہوں راہب خانوں، صوفیوں میں تلاش کرتی ہے، اسلام ان کو زندگی کے بیچ منجدھار میں لے آنا چاہتا ہے۔ (۴۴) اس کا منشا یہ ہے کہ حکومتوں کے فرماں روا، صوبوں کے گورنر، عدالتوں کے جج، فوج اور پولیس کے افسر، مجالس قوانین کے ممبر، مالیات اور صنعت و حرفت کے کارفرما، کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے اساتذہ و طلبہ، بچوں کے باپ، باپوں کے بچے، عورتوں کے شوہر اور شوہروں کی عورتیں، ہمسایوں کے ہمسائے، غرض سب ان اخلاقیات سے آراستہ ہوں۔ وہ چاہتا ہے کہ کاروبار کے سارے اِدارے اور حکومت کے سارے محکمے اسی کی پیروی کریں۔ (۴۵) سیاست سچائی اور انصاف پر مبنی ہو۔ قومیں حق شناسی اور ادارے حقوق پر ایک دوسرے سے معاملہ کریں۔ جنگ بھی ہو تو شرافت اور تہذیب کے ساتھ ہو، نہ کہ بھیڑیوں کی سی درندگی کے ساتھ۔ انسان جب خدا ترسی اختیار کر لے، اللہ تعالیٰ کے قانون کو بالاتر مان لے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی جوابدہی کو یاد رکھ کر مستقل اقدار کا پابند

ہو جائے، تو پھر اس کی یہ صفت صرف عبادت گاہ تک محدود نہیں رہتی چاہئے، بلکہ جس منصب میں بھی وہ دنیا کے اندر کام کر رہا ہے اللہ کے سچے اور وفادار بندے کی طرح ہی کام کرے۔ یہ ہے مختصراً وہ چیز جس کا اِسلام علم بردار ہے اور یہ محض کسی فلسفی کی خیالی جنت نہیں ہے بلکہ محمد ﷺ نے اسے عملاً برپا کر کے دکھایا۔(۴۶)

## نظریۂ نظم وضبط اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے:

اللہ تعالیٰ کا نظم وضبط کا نظریہ یہ ہے کہ ملک اللہ تعالیٰ کا ہے اور وہی اس کا حاکم ہے۔ کسی شخص یا خاندان یا طبقہ یا قوم کو بلکہ پوری انسانیت کو بھی حاکمیّت کے حقوق حاصل نہیں ہیں۔ حکم دینے اور قانون بنانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔(۴۷) حکومت کی صحیح شکل اور انسان کا منصب اس کے سوا کوئی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے کام کرے اور یہ حیثیت صحیح طور پر صرف دو صورتوں سے قائم ہو سکتی ہے، یا تو کسی انسان کے پاس براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے قانون اور دستورِ حکومت آیا ہو، یا وہ اس شخص کی پیروی اختیار کرے، جس کے پاس اللہ کی طرف سے قانون اور دستور آیا ہے۔(۴۸) یہی انسان کا سرکاری منصب ہے۔ اس کام میں تمام وہ لوگ شریک ہوں گے جو اس قانون پر ایمان لائیں اور اس کی پیروی کرنے پر تیار ہوں۔ یہ کام اس احساس کے ساتھ چلایا جائے گا کہ ہم بحیثیت مجموعی، اور ہم فرداً فرداً اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے جو ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، جس کے علم سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی، اور جس کی گرفت سے مر کر بھی ہم نہیں چھوٹ سکتے۔(۴۹)

نظم وضبط کی جو ذمہ داری ہمارے سپرد کی گئی ہے، یہ اس لئے نہیں ہے کہ ہم لوگوں پر اپنا حکم چلائیں، اُن کو اپنا غلام بنائیں، اُن کے سر اپنے آگے جھکوائیں، ان سے ٹیکس وصول کر کے اپنے محل تعمیر کریں، حاکمانہ اختیارات سے کام لے کر اپنے عیش اور اپنی نفس پرستی اور اپنی کبریائی کا سامان کریں، بلکہ یہ بار ہم پر اس لئے ڈالا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قانون عدل کو اس کے بندوں پر جاری کریں۔ اس قانون کی پابندی اور اس کے نفاذ میں ہم نے اگر ذرا سی کوتاہی بھی کی، اگر ہم نے اس کام میں ذرّہ برابر بھی خود غرضی، نفس پرستی، تعصب، جانبداری یا بددیانتی کو دخل دیا تو ہم اللہ کی عدالت سے سزا پائیں گے، خواہ دنیا میں ہر سزا سے محفوظ رہ جائیں۔ (۵۰)

اَللہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۭ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا فِي الْاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ ۲۶

(۵۱)

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تُلا رزق دیتا ہے۔ یہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَي الْاٰخِرَۃِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللہِ وَیَبْغُوْنَھَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ ۳

(۵۲)

جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ راستہ (ان کی خواہشات کے مطابق) ٹیڑھا ہو جائے۔ یہ لوگ گمراہی میں بہت دُور نکل گئے ہیں۔

**اسلامی ریاست کا مفہوم:**

اسلامی ریاست کو تاریخ اقوام میں جو منفرد حیثیت حاصل ہے وہ جاہ و اقتدار، ایجاد و انکشاف، قوت و سطوت یا نسل و نسب کی بنیاد پر نہیں۔ اس کی نسبت ایک اور صرف ایک ہے۔ یعنی عقیدہ توحید اور دین کی بنیاد پر وجود میں آنے والی ایک عالمگیر اور صاحب دعوت امت۔(۵۳)

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی(۵۴)

جس کا وصف اللہ رب العزت بتاتا ہے۔(۵۵)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُوْنُوْ شَهَدَآءَ عَلَى النَّاس (۵۶)

یعنی ہم نے تم مسلمانوں کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو۔ پس امت مسلمہ وہ انصاف اور اعتدال پسند امت ہے جسے صراط مستقیم سے دائیں بائیں ہٹی ہوئی گمراہی اور ضلالت کے خلاف دنیا میں اور آخرت میں گواہ بنا کر کھڑا کیا گیا ہے۔(۵۷) اور امت مسلمہ کے لئے مذہب کے بجائے "دین" کی اصلاح متعارف کرائی۔

دین کے لغوی معنی ہیں انقیاد و اخلاص، مگر استعارہ و اصطلاحاً اس سے مراد شریعتیا امت مسلمہ ہے۔(۵۸) قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ (۵۹)

یعنی بے شک اللہ کے نزدیک اگر کوئی دین ہے تو وہ اسلام ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں اسلام کے لئے دین الحق(۶۰) دین اللہ (۶۱)دین القیم (۶۲)کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ جب وحی کے ذریعے دین کے کامل ہونے کی خوشخبری دی گئی تو اس وقت بھی دین کی اصطلاح استعمال کی گئی۔

اَلْيَومَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دينكم وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيْتُ لَكُم الاسلام دينا(۶۳)

**اسلامی ریاست کا مرکزی عقیدہ نظم وضبط ہے:**

اسلامی ریاست کا مرکزی عقیدہ نظم وضبط ہے۔(۶۴) اور اس کا تقاضہ دن رات میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے آگے سر بسجود ہونا۔ سال بھر میں ایک ماہ کے روزہ رکھنا۔ استطاعت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا۔ زندگی میں ایک مرتبہ صاحب ثروت کا حج کرنا، گویا اسلام میں داخل ہونا ہے۔(۶۵) امت مسلمہ کے یہ بنیادی فرائض بنی نوع انسان اور انسانی معاشرہ کی اصلاح اور فلاح و بہبود پر مبنی ہیں۔ (۶۶) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کے بعد انسانی ذہن کو اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ اس کے فرائض بنی نوع انسانیت کی بھلائی کے لئے ہیں۔ دین اسلام کا یہ مرکزی استدلال ہے جسے قرآن پاک میں بار بار واضح کیا گیا ہے۔

ہُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِیْ الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّۃَ أَبِیْکُمْ اِبْرَاہِیْمَ ہُوَ سَمَّاکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ)O۶۷)

تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔ جو تمہارے جو تمہارے باپ دادا کا دین ہے اور اسی نے ہم نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

قُلْ اِنَّنِیْ ہَدَانِیْ رَبِّی إِلَی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْناً قِیَماً مِّلَّۃَ اِبْرَاہِیْمَ حَنِیْفاً وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ(۶۸)

کہہ دیجئے کہ میرے اللہ نے میری ہدایت صراط مستقیم کی طرف کی ہے جو دین قیم ہے۔ جو ملت دین ابراہیم ہے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَن مِّلَّۃِ اِبْرَاہِیْمَ اِلاَّ مَن سَفِہَ نَفْسَہُ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنَاہُ فِیْ الدُّنْیَا وَاِنَّہُ فِیْ الآخِرَۃِ لَمِنَ الصَّالِحِیْنَ) O۶۹)

جو شخص دین سے روگردانی کرے وہ اپنی ذات کو ہلکا بناتا ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الإِسْلاَمِ دِیْناً فَلَن یُقْبَلَ مِنْہُ وَہُوَ فِیْ الآخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ(۷۰)

اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سوا اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔

مندرجہ بالا آیات مبارکہ میں دعوت دی گئی ہے کہ بھلائی کا راستہ صرف اور صرف دین اسلام ہے۔(۷۱) اسلام کسی فلسفیانہ تصور یا مابعد الطبعیاتی نظریئے کا نام نہیں نہ زندگی گزارنے کا وہ سیدھا سادھا طریقہ جو دنیا کی زندگی کو ہنر وصلاح سے بھر دیتا ہے اور آخرت میں انسان کی کامیابی کا ضامن ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات، نیز انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر اہم پہلو کے بارے میں واضح رہنمائی دی گئی ہے کہ بندے کا تعلق اپنے رب سے، کائنات اور اس کے وسائل سے اور دوسرے تمام انسانوں اور سماجی اداروں سے صحیح خطوط پر استوار ہو سکے۔(۷۲) انسانیت کی بقاء کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اعلان خداوندی ہے۔

الْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ(۷۳)

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

امت مسلمہ جغرافیائی حدود کی پابند نہیں۔ اسلام نے تمام امت مسلمہ کو جسد واحد اور ایک برادری قرار دیا ہے۔ اخوت واجتماعیت کا یہ رنگ امت مسلمہ کی عبادات میں بھی موجود ہے۔ خصوصاً حج کے موقع پر بلا تفریق ورنگ و نسل امت مسلمہ کا ہر فرد مساوات کا عملی مظاہرہ کرتا نظر آتا ہے۔ نماز بھی مسلمانوں کی اخوت و اجتماعیت کی مظہر ہے۔ قرآن کریم نے تمام اہل ایمان کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ اس کی وحدت یگانگ اور اخوت و اجتماعیت کا اظہار کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّہِ جَمِیْعًا وَلاَ تَفَرَّقُوْا (۷۴)

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور باہم تفرقہ نہ ڈالنا، متفرق نہ ہو۔

**اسلامی ریاست میں نظم وضبط کا مرکز آپ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے:**

اللہ تعالیٰ کی کتاب کا عملی نمونہ حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارک اسلامی ریاست کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید، فرقان حکیم میں حضور اکرم ﷺ کی اخلاقی خصوصیات ظاہر کی ہیں جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وجود مسعود میں کمال انسانیت کے بہترین خصائص موجود ہیں۔ (۷۵)

اعلیٰ اخلاق: قرآن بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا، اخلاق کے نہایت بلند مقام پر تھا۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (۷۶)

**عزم راسخ:** قرآن کریم نے حضور اکرم ﷺ کو ایک راسخ العزم، مستقیم الارادہ اور اللہ پر ہر حال میں بھروسہ رکھنے والا انسان بتایا ہے کہ جس وقت اس کی ساری قوم، اسے مٹا دینے پر آمادہ ہو گئی تھی اور وہ صرف ایک مددگار کے ساتھ، ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہوا تھا، اس سخت مصیبت کے وقت بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور اپنے عزم پر قائم رہا۔

اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (۷۷)

یاد کرو جب کہ کافروں نے اس کو نکال دیا تھا، جب کہ وہ غار میں صرف ایک آدمی کے ساتھ تھا، جب کہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

**فراخ حوصلہ:** قرآن کریم آپ ﷺ کو ایک نہایت فراخ حوصلہ اور فیاض انسان قرار دیتا ہے کہ جس نے اپنے بدترین دشمنوں کے لئے بھی بخشش کی دعا کی اور آخر اللہ تعالیٰ کو اسے اپنا یہ قطعی فیصلہ سنا دینا پڑا کہ وہ ان لوگوں کو نہیں بخشے گا:

اَسْتَغْفِرْ لَھُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ (۷۸)

چاہے تم ان کے لئے معافی مانگو چاہے نہ مانگو، اگر تم ستر بار بھی ان کے لئے معافی مانگو گے، تب بھی اللہ ان کو معاف نہ کرے گا۔

**نرم خو:** قرآن بتاتا ہے کہ اس کے لانے والے کا مزاج نہایت نرم تھا۔ وہ کبھی کسی کے ساتھ درشتی سے پیش نہیں آتا تھا اور اسی لئے دنیا اس کی گرویدہ ہو گئی تھی:

فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ (۷۹)

یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان کے ساتھ نرم ہو، ورنہ اگر تم زبان کے تیز اور دل کے سخت ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ کر الگ ہو جاتے۔

**دعوت کی تڑپ:** قرآن بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا، بندگانِ خدا کو راہِ راست پر لانے کی سچی تڑپ دل میں رکھتا تھا اور ان کے گمراہی پر اصرار کرنے سے، اس کی روح کو صدمہ پہنچتا تھا، حتیٰ کہ وہ ان کے غم میں گھلا جاتا تھا:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا (۸۰)

اے محمد ﷺ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیچھے، رنج و غم میں اپنی جان کھو دو گے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائے۔

**بھلائی کا حریص:** قرآن بتاتا ہے کہ اس کے لانے والے کو اپنی امت سے بے حد محبت تھی، وہ ان کی بھلائی کا حریص تھا، ان کے نقصان میں پڑنے سے کڑھتا تھا، اور ان کے حق میں سراپا شفقت و رحمت تھا:

لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِیْمٌ(۸۱)

تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جسے ہر وہ چیز شاق گزرتی ہے جو تمہیں نقصان پہنچانے والی ہو، جو تمہاری فلاح کا حریص ہے اور اہل ایمان کے ساتھ نہایت شفیق و رحیم ہے۔

**رحمتِ عالم:** قرآن بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا، صرف اپنی قوم ہی کے لئے نہیں، بلکہ تمام عالم کے لئے اللہ کی رحمت تھا:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (۸۲)

اے محمد ﷺ! ہم نے تو تم کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

**زہد و عبادت:** قرآن بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا راتوں کو گھنٹو، اللہ کی عبادت کرتا اور خدا کی یاد میں کھڑا رہتا تھا:

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ اللَّیْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ(۸۳)

اے محمد ﷺ! تمہارا رب جانتا ہے کہ تم رات کو تقریباً دو تہائی حصے تک، اور کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی حصے تک نماز میں کھڑے رہتے ہو۔

**صدق و ثبات:** قرآن بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا ایک سچا انسان تھا، نہ کبھی اپنی زندگی میں راہ حق سے بھٹکا، نہ فاسد خیالات سے متاثر ہوا اور نہ کبھی اس نے ایک لفظ خواہشِ نفس کی پیروی میں حق کے خلاف زبان سے نکالا:

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی(۸۴)

لوگو! تمہارا صاحب نہ کبھی سیدھی راہ سے بھٹکا اور نہ صحیح خیالات سے بہکا اور نہ وہ خواہش نفس سے بولتا ہے۔

**اسوۂ کامل:** قرآن بتاتا ہے کہ اس کے لانے والے کی ذات، تمام عالم کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ تھی اور اس کی پوری زندگی کمالِ اخلاق کا صحیح معیار تھا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ(۸۵)

تمہارے لئے رسول ﷺ اللہ کی ذات میں ایک اچھا نمونہ ہے۔

قرآن نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ اس کتاب کا لانے والا ایک کامل انسان تھا، بہترین اخلاق سے متصف تھا، انبیائے سابقین کی تصدیق کرتا تھا، کسی نئے مذہب کا بانی نہ تھا اور کسی فوق البشر حیثیت کا مدعی نہ تھا۔ اس کی دعوت، تمام عالم کے لئے تھی، اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے چند مقرر خدمات پر مامور کیا گیا تھا اور جب اس نے خدمات کو پوری طرح انجام دے دیا، تو نبوت کا سلسلہ اس کی ذات پر ختم ہو گیا اور اس کا ہر عمل عالم انسانیت کے لئے سنت قرار پایا۔(۸۶)

**حق کا نفاذ نظم وضبط کے ذریعہ ہی ممکن ہے:**

آپ ﷺ اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے عظیم ذمہ داری کے حامل تھے، نبی پاک ﷺ کی ساری زندگی حق کی شہادت کی زندگی تھی اور آپ ﷺ کی یہی وہ سنت کبریٰ ہے جس کے اتباع کی ذمہ داری امت مسلمہ پر ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَما جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ مِلَّتَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ(۸۷)

"اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام "مسلم" رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ"(۸۸)

**ریاست عامہ اور نظم وضبط:**

آنحضرت ﷺ نے سربراہِ حکومت کی حیثیت سے انسانی سوسائٹی کی تشکیل، اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے حکومت کی ہستی کو تمام بے فائدہ نمائشوں، تباہ کن جعلسازیوں اور سرمایہ دارانہ آرائشوں اور آلائشوں سے پاک وصاف کیا اور قدرت کے قابل عمل قوانین کو حقیقی عدل اور سچے اعتدال کے ساتھ نافذ کر کے دکھایا۔ دنیا کے دائرہ میں حکومت کو عوام کی چیز بنایا اور عوام کے اختیار کو اس کے سیاسی مزاج میں داخل کیا۔(۸۹) شہنشاہیت کے نظریہ کو عقیدہ اور عمل کی دنیا سے خارج کر کے حکومت کو "ریاستِ عامہ" قرار دیا اور اس کی فطرت میں اس درجہ سادگی کو داخل کیا، جس کی وجہ سے تاج وتخت، قصور ومحلات، صاحب ودربان، حشم وخدم، بڑی بڑی تنخواہوں والے حکام اور رشوت خور عمال سب ختم ہو گئے۔(۹۰) انصاف کی حقیقت کو نافذ کیا، جس سے انصاف کا حصول آسان اور خود انصاف سستا ہو گیا۔ انصاف کا مقصد ٹھہرا؟ کمزور کی حمایت اور فریقین مقدمہ کی باہمی صلح اور اصلاح، آپ ﷺ نے انسانی حقوق کی مساوات کا اعلان کیا، شہریوں کی حیثیتیں متعین کی، اور مناسب محصول عائد کئے اور ہر محصول کا مستقل نام تجویز کیا۔ آپ نے اس کام کے لئے مالیات کے افسر مقرر فرمائے اور دفر مالیات قائم فرمایا۔ اجتماعی کوششوں سے حاصل ہونے والے سرمایہء ودولت کو عوام کی دولت قرار دیا اور سرکاری روپے کے لئے یہ قانون مقرر کیا کہ

امیروں پر ٹیکس لگایا جائے اور غریبوں پر خرچ کر دیا جائے۔(۹۱)

**مفادِ عامہ اور نظم وضبط:**

آپ ﷺ نے انتظامی حلقے قائم کئے، مدینہ کو دارالسلطنت بنایا، اطراف کے لئے حکام کا تقرر کیا، اور تقرر کا معیار یہ قرار پایا کہ کردار اوّل درجہ کا ہو، کام کی اہلیت ہو، علم سے بہرہ مند ہو، اور حاکم رائے عامہ کے مطابق مفادِ عامہ کے لئے کام کرے۔ آپ ﷺ نے شوریٰ کو سلطنت کے کاموں کی روح قرار دیا، حکومت کے مزاج میں مرکزیت، قوت اور استحکام پیدا کرنے کے بعد حکم دیا کہ حکومت کے کام شوریٰ سے طے کئے جائیں۔ (۹۲) آپ ﷺ نے فوجوں کی تنظیم کی اور نو جنگوں اور اٹھارہ دفاعی اور کتشافی حربی مُموں میں حصہ لیا، انتالیس عسکری مہموں کو اپنے حکم سے محاذ پر بھیجا اور افواج کے کمانڈر مقرر کئے۔ جنگ میں انسانیت کے طریقوں کو جاری کیا۔ فتح میں انسانی خون کی قدر و قیمت کی حفاظت کی اور صلح کے وقت معاہدوں کے لئے نیا معار قائم کیا۔(۹۳) آپ ﷺ نے انسانی سوسائٹی کے لئے فطری مذہب کے اصولوں کو لازمی گردانا، اخوت کے قانون کو حکمت عملی کے رنگ میں پیش کر کے دکھایا، بیعت کو مرکزی ہئیت کے قیام کے لئے ایک اصول بنایا۔ انسانی معاشرہ کے گمراہ ارکان کے لئے نمائندے اور نقیب مقرر کئے، ان کے پاس اپنے وفد بھیجے اور ان کے وفود کو اصلاحِ حال کے لئے طلب کیا، اور نافرمان لوگوں کی سرکشی کو بہ طریقِ محمود دبایا۔(۹۴) بین الاقوامی معاملات کی درستی کے لئے سلاطین، امراء اور والیانِ ریاست کو فرمان لکھے اور سب کو ایک اللہ کے نام پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ پیغمبری، سیاست اور حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس کے لئے آپ ﷺ نے کوئی اصول اور قانون نہ پیش کیا ہو۔(۹۵)

**پاکیزہ اخلاق اور نظم وضبط:**

قرآن کی توضیحات کے مطابق آپ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ خدا پرستانہ حکمت اور پاکیزہ اخلاق سے آراستہ کر کے آپ ﷺ ایک ایسی جماعت کھڑی کریں جو آپ ﷺ کی قیادت میں بھرپور جدوجہد کر کے دین برحق کو ہر دوسرے نظریے اور فلسفے اور مذہب کے مقابلے میں پوری انسانی زندگیپر غالب کر دے(۹۶) حضور ﷺ کو اپنے کام کے حوصلہ شکن ابتدائی دور میں پورا شعور تھا کہ کیا کرنے چلے ہیں۔ دعوت کا کام شروع کرنے کے جلد ہی بعد خاندانِ بنو ہاشم کو کھانے پر جمع کیا اور اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا: جو پیغام میں تم تک لایا ہوں اسے اگر تم قبول کر لو تو اس میں تمہاری دنیا کی بہتری بھی ہے اور آخرت کی بھلائی بھی۔" پھر ابتدائی دورِ کش مکش میں مخالفین سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "بس یہ ایک کلمہ ہے"، اسے اگر مجھ سے قبول کر لو تو اس کے ذریعہ تم سارے عرب کو زیر نگین کر لو گے اور سارے عجم تمہارے پیچھے چلے گا۔" پھر ایک موقع پر رسولِ بشیر و نذیر ﷺ کعبے کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، خباب ابن الارت ؓ نے جو قریش کے تدد کا نشانہ بن رہے تھے، عرض کیا: حضور ﷺ، ہمارے لئے اللہ کی مدد کی دعا نہیں فرمائیں گے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ تم سے پہلے ایسے لوگ ہو گزرے ہیں کہ

گڑھے کھود کر ان کے دھڑ مٹی میں داب دئے جاتے اور پھر ان کے سروں پر آرے چلا کر ان کو دو ٹکڑے کر دیا جاتا۔ تیز لوہے کی بڑی بڑی کنگھیوں سے بحالت زندگی ان کے گوشت اور کھالوں کی کترنیں ہڈیوں سے نوچ لی جاتیں، لیکن یہ چیزیں ان کو دین و ایمان سے نہ پھیر سکیں۔ پھر فرمایا کہ "اللہ کی قسم! اس کام کو اللہ تعالیٰ ایسی تکمیل منزل تک پہنچائے گا کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک تنہا سفر کرے گا، اور اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف لاحق نہیں ہو گا"۔ مدنی دور میں عدی بن حاتم سے فرمایا کہ: "بخدا وہ وقت قریب آرہا ہے جب تو سن لے گا کہ اکیلی عورت قادسیہ سے چلے گی اور مکہ حج کرے گی اور اسے کسی کا خوف ڈر نہ ہو گا"۔ ان کلمات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے اخوت و مساوات، عدل و انصاف اور امن و سلامتی کے ایک ایسے نظام کا نقشہ تھا جس میں کمزور اور تنہا فرد بھی ہر ضرر اور ظلم سے محفوظ ہو گا۔(۹۷) یہ تھی منزل جہاں تک پوری انسانیت کے قائد کے قائد ﷺ نے عرب کے اس معاشرے نے کے لئے عمر بھر جان ماری کی جو جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، نظم سے محروم تھا، جرائم کی جولاں گاہ تھا، اور جس کے اُجڈ اور اکھڑ لوگ آپ میں لڑ بھڑ کر قوتیں برباد کر رہے تھے۔(۹۸) اس انقلاب کی بنیاد یہ تھی کہ کائنات کا اور تمام نوعِ انسانی کا ایک ہی الٰہ ہے(۹۹) اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ پوجا صرف اُس صرف اُس کی ہو گی، حکم اور قانون صرف اس کا چلے گا۔(۱۰۰) حاجات اس سے مانگی جائیں گی، دعائیں اس سے کی جائیں گی، نذریں اس کے سامنے پیش کی جائیں گی، اعمال کا حساب کتاب لینے والا اور جزا سزا دینے والا وہ ہے۔ زندگی، موت اور صحت اور رزق اور امن اور عزت، سب کچھ اس کی طرف سے ہے۔ زندگی میں اور کوئی الٰہ نہیں ہو گا، کسی بادشاہ کی، کسی حکمران کی، کسی خاندان کی، کسی دولت مند کی، کسی پروہت اور پادری کی، کسی نمبر دار اور چودھری کی اور خود کسی شخص کے اپنے نفس کی خدائی بھی نہ چلے گی۔ اللہ کے سوا دوسرا جو کوئی بھی خدا بنتا ہے یا اپنی مرضی ٹھونستا اور اپنا قانون چلاتا ہے، یا دوسروں کے سر اپنے سامنے یا کسی اور کے سامنے جھکاتا ہے، یا جو لوگوں کی حاجات پوری کرنے کا مدعی بنتا ہے، وہ طاغوت کا پارٹ ادا کرتا ہے۔ اس انقلابی کلمے کا دوسرا جز یہ بتاتا ہے کہ محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول مقرر کیا ہے، ان کو وحی کے ذریعے ہدایت اور ضلالت، نیکی اور بدی، حلال اور حرام کا علم عطا کیا ہے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت تک تمام مسلمانوں کے پیشوا اور قائد، معلم اور مزگی اور اسوۂ اور نمونہ قرار دئے گئے ہیں۔ اس انقلابی کلمے کے بیج سے نظامِ عدل و رحمت کا وہ شجرۂ طیبہ ظہور میں آیا جس کی شاخیں فضاؤں میں پھیل گئیں اور جڑیں زمین میں اُتر گئیں۔ جس کی چھاؤں دُور دُور تک پھیل گئی اور جس کے فکری، تہذیبی اور اخلاقی برگ و بار کا کچھ حصہ ہر قوم اور معاشرے تک پہنچا۔(۱۰۱)

**اسلامی ریاست پر نظم و ضبط کے اثرات:**

آپ ﷺ کے انقلابِ عظیم کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ جس نے آپ ﷺ کے پیغام کو قبول کیا اس کی ساری ہستی بدل گئی۔ اس کے ذہن کی ساخت، اس کے افکار و جذبات، اس کے ذوق اور دل چسپیاں، اس کی دوستیاں اور

دشمنیاں، اس کے اخلاقی معیارات سب کے سب بدل گئے۔ چور اور ڈاکو آئے اور دوسرے لوگوں کے اموال کے نگہبان بن گئے۔ زانی آئے اور دوسروں کی عصمتوں کے رکھوالے بن گئے۔ سود کھانے والے آئے وہ اپنی کمائیاں خدا کے دین اور بندوں کی خدمت کے لئے لٹانے لگ گئے۔ کبر کے مسجمے آئے اور عاجزی کا نمونہ بن گئے۔(۱۰۲)خواہشوں کے غلام آئے اور پل بھر میں دنیا نے دیکھا کہ وہ اپنی خواہشوں کو روندتے ہوئے ایک اعلیٰ نصب العین کی طرف لپکے جارہے ہیں۔ جاہل آئے اور آسمانِ علم پر اُنہوں نے اس طرح کمندیں ڈالیں کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اُونٹوں کے چرواہے انسانوں کے شفیق گلہ بان بن گئے۔ لونڈیوں، غلاموں کے پسے ہوئے طبقے سے وہ شجاع اور غیور ہستیاں نمودار ہوئیں، جن پر دشمنوں نے ظلم وستم کے سارے حربے آزماڈالے، مگر ان کے ضمیروں کو بدلنے اور ان کے ایمان کو شکست دینے میں کامیاب نہ ہوئے۔(۱۰۳)

آپ ﷺ کے ان رضاکار سپاہیوں میں ڈسپلن اور ضبط و نظم ایسا بے مثال تھا کہ حالت نماز میں ان کو تحویل قبلہ کا حکم ملا تو انہوں نے فوراً رُخ بیت المقدس سے کعبے کی طرف پھیر لئے، اُن کے لئے شراب حرام کی گئی تو انہوں نے منہ کے ساتھ لگے ہوئے پیالے تک الگ کر کے پھینک دیئے،(۱۰۴) ان کی خواتین نے حب رسول پاک ﷺ کی زبان سے حکم حجاب سنا تو اس مین میخ نکالنے کے بجائے فوراً اپنے سروں اور سینوں اور زینتوں کو ڈھانپ لیا۔(۱۰۵) ان میں سے اگر کسی مرد یا عورت سے اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے خلاف کوئی جرم سرزد ہو گیا تو اپنے جرم کے اقراری بن کر خود پیش ہوئے اور اصرار کیا کہ ان پر سزا نافذ کر کے انہیں حضور ﷺ پاک کر دیں۔ اُن سے چندہ طلب کیا گیا تو کسی نے گھر کا سارا سامان لا کے مسجد میں ڈھیر کر دیا، کسی نے سامان سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطاریں کھڑی کر دیں، اور کسی مزدور نے دن بھر کی محنت کی کمائی ہوئی چند کھجوریں پیش کر دیں۔ (۱۰۶) پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا ایک بڑا احسان تہذیبِ انسانی پر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسانوں کے تمام رشتوں اور رابطوں کو محکم بنادوں پر استوار کیا، ایک دوسرے کی باہمی ذمہ داریاں واضح کیں، سب کے حقوق و فرائض متعین کئے، اور اپنے نمونے کے معاشرے میں والدین اور اولا، بھائی بہنوں، میاں بیوی، استاد اور شاگرد، امیر اور غریب، پڑوسی اور ہم سفر، حاکم اور رعب کے ربط و تعلق کو احسن شکل دیں۔ (۱۰۷)

آپ ﷺ کے رفیق پتی ریت پر لٹائے گئے، ان کے سینوں پر پتھر رکھے گئے، ان کی پیٹھوں کے نیچے دہکتے انگارے ٹھنڈے ہو گئے، کسی کے گلے میں رسّی ڈال کر گلیوں میں گھسٹیا گیا، کسی کو تازیانے مار کر ادھ موا کر دیا گیا اور کسی کو عذاب دے دے کر جان ہی لے لی گئی۔ (۱۰۸) پھر مدینہ میں آکر یہودیوں کی شرارتوں اور منافقین کی غداریوں کا سامنا کیا۔ یہاں تک بار بار آپ ﷺ کے قتل کی سازشیں کی گئیں، جن سے حضور ﷺ بال بال بچ نکلے، مگر یہودیوں اور منافقوں کی ایک بڑی تعداد پوری آزادی کے ساتھ موجود رہی اور شر انگیزی کرتی رہی۔(۱۰۹) جنگوں میں نبی ﷺ امن و رحمت نے ایک طرف ایسی تدبیریں اختیار کریں کہ ضابطے نافذ کر کے دکھایا کہ خدا

پرستوں کے اندر کیا ہوتے ہیں۔ نو سال کی تمام جنگی کارروائیوں میں دشمن کے ۷۵۹ افراد ہلاک ہوئے، یعنی ۸۴ افراد ہلاک ہوئے، یعنی ۸۴ افراد فی سال، اور جنگوں میں مسلمانوں کا کل جانی نقصان ۲۵۹ ہے، ۸، ۹ سال کی مدت میں دو طرفہ جنگی اموات کی میزان ۱۰۱۸ ہے۔ (۱۱۰) کیا دنیا کا، اور خصوصاً آج کی مہذب دنیا کا کوئی انقلاب اتنے کم جانی نقصان کے ساتھ اتنے بڑے تغیر کی مثال پیش کر سکتا ہے؟ اس نام نہاد مہذیب دنیا میں تو انقلاب ایک عفریب کی طرح آتا ہے اور ہزار ہا انسانوں کو لقمہ بناتا ہے۔ پھر انقلابی حکومتیں جبریت کے تخت پر بیٹھ کر لوگوں کو مسلسل قتل کرتی رہتی ہیں، جیلوں میں ڈالتی ہیں، ان کو عذاب دیتی ہیں اور برسوں خوف اور دہشت کی فضا طاری رہتی ہے۔ ان جبری اور خون ریز انقلابوں نے تو انسان کی فطرت کو بالکل مسخ کر دیا ہے۔ سیرت نبوی ﷺ سے ہمارا مقصود یہ ہونا چاہئے کہ ہم حضور ﷺ کے پیغام، حضور ﷺ کے ذکر و عبادت، حضور ﷺ کے اخلاق، حضور ﷺ کی تنظیم، حضور ﷺ کے طریق کار اور حضور ﷺ کی حکمت عملی کو سمجھ کر اپنے آپ کو اس امر کے لئے تیار کریں کہ پہلے ہمارے اپنے اصلاح کا آغاز ہو اور پھر ہم نہ صرف اپنے ملک اور معاشرے کو، بلکہ پوری نوعِ انسانی کو آپ ﷺ کی برکتوں اور سعادتوں سے بہرہ مند کریں۔ ہمارے لئے حق کی راہ صرف یہ ہے کہ حضور ﷺ ساری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے پیشوا، قائد اور اسوہ نمونہ تسلیم کریں اور کسی دوسرے فلسفی یا انقلابی یا سیاستداں کی پیروی نہ کریں۔ (۱۱۱)

## اسلامی ریاست میں نظم وضبط قائم کرنے کیلئے آپ ﷺ کی مبارک زندگی کی عملی مثالیں

آپ ﷺ نے اسلامی ریاست میں نظم وضبط کو بنیاد بنایا۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا: سب سے اچھی چیز حکومت ہے، لیکن اس کے لئے جس نے اسے اس کے لوازمات صحیحہ اور حقوق کیساتھ استعمال کیا، اور سب سے بڑی چیز امارت ہے لیکن اُس کے لئے جس نے اس کے حقوق ملحوظ نہ رکھے۔ یہ اس کے لئے قیامت کے دن حسرت و ندامت کا سبب ہو گی۔ (۱۱۲) جو ہماری طرف سے حاکم بنایا گیا۔ اگر اس کے پاس عورت نہیں ہے تو کسی عورت سے نکاح کر لے، اور اگر اس کے پاس خادم نہیں ہے تو خادم رکھ لے، اور جس نے اس کے سوا کوئی خزانہ یا اونٹ یا جانور لئے، وہ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں چور ڈاکو کی شکل میں حاضر ہو گا۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: "تم میں سے جس کسی کے سپرد بھی ہم نے حکومت کا کام کیا، اُس نے اگر ایک سوئی بھی چرائی تو وہ چور ہو گا۔ وہ قیامت کے دن اسے لے کر دربار خداوندی میں آئے گا۔" رسول اللہ ﷺ نے یہ کلیہ محض دوسرے عمال کے لئے وضع نہ کیا تھا وہ خود بھی اس کے پابند تھے۔ وہ خود کو بھی مسؤل سمجھتے۔ وہ اللہ کے ہاں اپنے آپ کو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا جواب وہ سمجھتے۔ وہ آپ بھی مسلمانوں کے مال میں سے سوائے اس خمس کے جسے خدا کی اجازت سے انہیں خرچ کرنے کا حق تھا کچھ بھی نہ لیتے۔ اُنہوں نے حنین کے موقعہ پر عوام سے جب خطاب عام فرمایا تھا۔ تو یہ بات بھی کہی تھی۔ "خدا کی قسم، اگر تہامہ کے درخت، جتنی نعمتیں تمہیں نصیب ہوں، تو یہ سب کی سب میں تم ہی میں بانٹ دوں گا، تم مجھے

بخیل نہ پاؤ گے نہ لالچی اور جھوٹا"۔(۱۱۳) آپ ﷺ خود کو مسلمانوں کی پریشانیوں میں شریک رکھتے۔ لوگ بھوکے رہتے تو وہ بھی بھوکے رہتے۔ لوگوں کے پاس لباس نہ ہوتا تو اُن کے پاس بھی نہ ہوتا۔

## 1) آپ ﷺ نے اپنے لئے رہائش تعمیر نہیں کی:

آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آنے والوں کو جب تک گھر رہنے کو نہ ملے تھے آپ نے بھی اپنے لئے کوئی گھر نہ بنایا۔ اور جب مواخاۃ کو ذریعہ بنا کر اُنہوں نے پینتالیس مہاجرین کے لئے گھر مہیا کر دئے، تو انہوں نے بھی اپنے لئے جھونپڑے بنوائے، اور یہ جھونپڑے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت تک جبکہ اسلامی حکومت کا دائرہ حجاز، یمن، نجد، طائف اور بحرین تک پھیل چکا تھا، جوں کے توں رہے، ان میں کوئی فرق نہ آیا۔ مسلمانوں کے یہ پہلے حاکم، یہ نئی طرز کی حکمت کے بانی اس بات کے خلاف تھے کہ مسلمانوں کی لازمی ضرورتوں کو تشنہ چھوڑ کر اپنی ذات کے لئے کوئی شاندار عمارت بنوائیں۔ حضور ﷺ جب غزوۂ دومہ تشریف لے گئے تھے تو ان کی غیر موجودگی میں حضرت اُم سلمہ ρ نے اپنے حجرے کو کچی اینٹوں سے تعمیر کیا۔ حضور ﷺ مدینہ واپس آئے تو سب سے پہلے جس حرم محرم کے پاس تشریف لے گئے وہ ام المومنین ام سلمہ ρ تھیں۔ انہوں نے حجرہ میں داخل ہوتے ہی پوچھا: "یہ کیا عمارت ہے، ام سلمہ ρ نے عرض کیا، میں نے سوچا تھا کہ لوگوں کی نگاہوں کو اس طرف آنے سے روک دوں۔ "(۱۱۴)

حضور ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ ρ، مسلمانوں کے مال کا سب سے بُرا مصرف مکانوں کی تعمیر ہے۔ یہی سبب تھا کہ حضور ﷺ نے اپنی دس سالہ حکومت کے دوران میں مسلمانوں کے مال کو عمارتوں پر ضائع نہیں کیا۔ ان کے سارے حجروں میں جو اُن کی ایک ایک بیوی کے لئے مخصوص کیا گیا تھا، کھجور کے تنوں، ان کے ٹکڑوں، اُن کے پتوں اور مٹی کے سوا کسی دوسرے عمارتی سامان کو استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ ستون، کھجور کے تنوں کے تھے، شہتیروں کے طور پر بھی کھجور کے تنے ہی استعمال ہوئے تھے۔ ان کے اوپر کھجور کے پتے اور شاخیں ڈال کر مٹی سے لیپ دیا گیا تھا۔ صرف چار حجروں کے آگے مٹی کی دیواریں بنی تھیں، باقی پانچ کے آگے دیواریں بھی نہ تھیں۔ اُونٹوں کے بالوں سے بنے ہوئے ٹاٹ ڈال کر پردہ کیا گیا تھا۔(۱۱۵)

ولید کے زمانہ میں جب مسجد نبوی میں توسیع کی گئی تو رسول اللہ ﷺ کی ازدواج کے یہ مکان مسجد میں ملا دیئے گئے، حضرت سعید بن المسیّب جو اپنے وقت کے سب سے بڑے فقیہہ محدث تھے کئی اور لوگوں کے ساتھ وہاں جمع تھے، سعید اور دوسرے لوگ اس موقعہ پر بہت بری طرح روئے، سعید نے کہا: بخدا! میری خواہش تھی کہ یہ حجرے نہ گرائے جاتے۔ یہ جوں کے توں رہنے دئے جاتے، تاکہ مدینہ میں نشو و نما پانے والے اور باہر سے مدینہ میں آنے والے لوگ دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ کن مکانوں میں رہتے تھے اور کس چیز پر اکتفا کی تھی۔ اس موقعہ پر ابوامامہ نے کہا تھا: "اے کاش یہ گرائے نہ جاتے یوں ہی چھوڑ دیئے جاتے، تاکہ لوگ عمارات کی تعمیر سے رُکتے، اور دیکھتے کہ

نبی υ کس پر راضی ہو گئے تھے، حالانکہ ان کے ہاتھ میں دنیا کے خزانوں کی کنجیاں تھیں"۔(۱۱۶)

ظاہر ہے جو جھونپڑے کھجور کے پتوں، تنوں اور اونٹوں کے بالوں سے بنے تھے، جن کے دروازے ایک ایک گز کے تھے۔ ان میں اس حاکم اعلیٰ نے کیا رکھا ہو گا۔ ان کی سجاوٹ کیا کی ہو گی۔ ان میں نہ کوئی دری بچھی تھی۔ نہ پورے کمرہ میں کوئی صف ہی تھی۔ کوئی پلنگ بھی نہ تھا۔ یہ حاکم اعلیٰ ایک چٹائی پر سویا کرتے، یا ایک چارپائی استعمال میں لاتے جو کھردرے بان کی ہوتی۔ یا کبھی کھال بچھا لیتے جس میں پتے بھرے ہوئے ہوتے۔ حضرت عائشہ ρ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر τ کو اندر آنے کی اجازت دی، اور وہ زمین پر بچھی ہوئی ایک چٹائی پر لیٹے تھے۔ حضرت عائشہ ρ کے الفاظ ہیں: "رسول اللہ ﷺ لیٹے تھے، ان کے اور زمین کے درمیان ایک چٹائی کے سوا کوئی دوسری چیز نہ تھی، اور اس چٹائی نے ان کے پہلو پر نشان ڈال دئے تھے، اُن کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تھیلا تھا، جس میں پتے بھرے ہوئے تھے۔"

حضرت عائشہ ρ ہی فرماتی ہیں کہ اُن کے پاس ایک انصاریہ آئیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا بچھونا دیکھا جو ایک بنی ہوئی چٹائی تھی تو وہ اپنے گھر گئیں، ایک بچھونا لائیں جس میں اون بھری تھی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، انہوں نے یہ بچھونا دیکھا تو پوچھا، یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ ρ نے قصہ عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے لوٹا دو۔(۱۱۷) حضرت عائشہ ρ فرماتی ہیں مگر مجھے یہ بچھونا اچھا معلوم ہوا اور میرا جی چاہا یہ میرے گھر میں ہو۔ میں نے اسے نہیں لوٹایا۔ حضور ﷺ نے اپنا حکم تین دفعہ دُہرایا، اور حضرت عائشہ ρ مجبور ہو گئیں کہ اسے لوٹا دیں۔ (۱۱۸)

حضرت فاروق τ کو بھی معلوم تھی کہ اگر اسلامی حکومت کے بانی کو قیصر و کسریٰ کی طرح رہنا ہوتا تو وہ یہ انداز کیوں اختیار فرماتے۔ اس نئی حکمت کی بنا کیوں رکھتے۔ اس نئی حکومت کی بنا تو رکھی ہی اسی لئے گئی تھی کہ حکمران خود تکلیف میں رہیں اور عوام سُکھ پائیں۔

## 2) آپ ﷺ نے ہمیشہ قیمتی چیزوں اور قیمتی لباس سے گریز کیا:

آپ رسول اللہ ﷺ چاہتے تو بڑے سکھ اور آرام سے رہ سکتے تھے۔ جو عوام اُن کے حکم پر آگ میں کود پڑتے، وہ اُن کے لئے اونچے سے اونچا مکان تعمیر کر سکتے تھے۔ وہ انہیں اعلیٰ سے اعلیٰ لباس مہیا کر سکتے تھے۔ وہ ان کے گھر میں خوراک کے ذخیرے جمع کر دیتے۔ رسول اللہ ﷺ آپ خود مختار امیر تھے۔ وہ اگر چاہتے تو سونے چاندی سے کھیل سکتے تھے۔ لیکن اُنہوں نے سونے چاندی سے کھیلنا تو کجا، سونے کو اپنے قریب لانا بھی پسند نہیں فرمایا تھا۔ حضور ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی، غالباً پہلا دن تھا کہ اسے پہن کر مسجد میں آئے۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی۔ اُسے اپنے دائیں ہاتھ میں پہنتے، اور اُس کے نگینے کو ہتھیلی کے اندر کی طرف رکھتے۔ لوگوں نے بھی انگوٹھیاں بنوالیں۔ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیٹھے انگوٹھی کو اُتارا۔ اُسے

پھینکا اور فرمایا، ہم بخدا اسے کبھی نہیں پہنیں گے۔ نبی ﷺ نے انگوٹھی پھینک دی تو لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔ (۱۱۹)

انہوں نے سونے کی انگوٹھی ہی نہیں پھینکی، ریشم واطلس و کمخواب بھی پھینکا، کہ یہ اس عوامی حکومت کے بانی کا لباس نہ تھا، یہ ان امراء کا لباس تھا جو آدمیوں کی کھال نوچتے اور اُن کے جبڑے توڑتے تھے، یہ نیا حکمران عوام کو ننگے رکھ کر خود ریشم واطلس کا لباس پہننا آدمیت کی توہین سمجھتا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ریشم کی قبا تحفۃً پیش کی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے پہنا۔ اس میں نماز پڑھی۔ پھر منہ پھیرا، اُسے بڑی کراہت کے ساتھ اپنے جسم سے نوچا، پھر فرمایا یہ نیکوکاروں کے لئے نہیں ہے۔(۱۲۰)

یقیناً یہ نیکوکاروں کا لباس نہ تھا۔ ان لوگوں کا لباس یہ کیسے ہو سکتا تھا جنہیں عوامی ننگ واحتیاج کا احساس تھا۔ ایک اور موقعہ پر آپ کو بادشاہ کی طرف سے ایک خلعت یا عبا بھیجی گئی، جو سندس کی تھی، حضور ﷺ نے اسے پہنا، لوگوں نے کہنا شروع کیا، یہ لباس آپ پر آسمان سے نازل ہوا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا، اس پر تعجب کیوں کرتے ہو، اللہ کی قسم سعد بن معاذ کو جنت میں جو مِندیل ملیں گے وہ اس سے بہتر ہوں گے۔ پھر اُسے اُتار دیا اور جعفر بن ابیطالب τ کو بھیج دیا، جعفر نے اُسے پہن لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے پہنے دیکھ کر فرمایا، یہ ہم نے تمہیں پہننے کے لئے نہیں دیا تھا۔ یہ اس لئے دیا تھا کہ اسے اپنے بھائی نجاشی کو بھیج دیتے۔ رسول اللہ ﷺ ہر ایسے لباس کو پہننا ناپسند کرتے تھے جس سے تعیش کی بو آتی، ان کا لباس بہت مختصر اور بہت ضروری ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کی قمیص قطن کی ہوتی جو لمبی بھی کم ہوتی، اور جس کی باہیں بھی مختصر ہوتیں، وہ جو چادر عیدین اور جمعہ کے اجتماع کے موقع پر کندھوں پر اوڑھتے وہ بھی بہت مختصر ہوتی۔(۱۲۱)

رسول اللہ ﷺ نے کپڑے کے ایک تاجر کو دیکھا، اُس سے ایک قمیص چار درہم میں خریدی۔ اُسے پہن کر آگے چلے۔ چانک ایک انصاری نے حضور ﷺ سے کہا، مجھے پہنائے، آپ کو اللہ جنت کے کپڑوں میں سے پہنائے گا، حضور ﷺ نے قمیص اتاری، اُسے پہنچائی، پھر دکاندار کے پاس آئے اور وہاں سے ایک اور قمیص خریدی۔(۱۲۲)

حضور ﷺ کو اپنے ساتھیوں کا ننگ پسند نہ تھا، وہ اپنا لباس اُتار کر ان کے جسم ڈھکنے کو اپنا جسم ڈھانکنے پر ترجیح دیتے تھے۔

### 3) آپ ﷺ اکثر بھوکے رہتے تاکہ باقی خوراک دوسرے لوگوں کے کام آئے:

رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں پر پے درپے کئی راتیں گزر جاتیں اور انہیں رات کو کھانے کو کچھ نہ ملتا۔ حضرت ابن عباس τ ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عام خوراک جو کی روٹی ہوتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ ρ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کبھی گندم کی روٹی سے پے بہ پے تین دن پیٹ نہیں بھرا اور ان کا یہ طریق مدینہ میں آنے

کے دن سے لے کر رحلت کے وقت تک رہا۔ حضرت عائشہ صدیقہ ρ ہی فرماتی ہیں: آل محمد ﷺ نے جو کی روٹی سے بھی متواتر دو دن کبھی پیٹ نہیں بھرا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔(۱۲۳) یہ تو جو اور گندم کی روٹی تھی، جس سے انہوں نے اور آلِ محمد ﷺ نے کبھی دو دن متواتر پیٹ نہیں بھرا، دو کھجوروں تک سے متواتر پیٹ نہ بھر سکتے تھے۔ حضرت عائشہ ρ ہی کا بیان ہے: رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن انہوں نے کھجور اور پانی سے بھی کبھی پیٹ بھر کر نہ کھایا۔(۱۲۴) اسی طرح رسول اللہ ﷺ روٹی اور زیتون سے بھی پیٹ بھر نہ کھاتے۔ وہ یہ خوراک بھی صرف ایک وقت کھاتے تاکہ باقی خوراک مسلمانوں کے کام آئے۔ رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی یا وہ زندگی جو انہوں نے اسلامی حکومت کی بنا رکھنے کے بعد گزاری، وہ بڑی تنگی ترشی کی تھی۔ آپ ﷺ کو کئی کئی دن کھانے کو نہ ملتا۔ حضرت انس τ کہتے ہیں، ایک بار حضرت فاطمہ ρ روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا یہ کیسا ٹکڑا ہے؟ حضرت فاطمہ ρ نے عرض کیا: یہ روٹی کا ٹکڑا ہے۔ ہمیں اچھا نہ لگا کہ ہم آپ ﷺ کے پاس یہ ٹکڑا لائے بغیر کچھ کھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ پہلا کھانا ہے جو تین دن کے بعد تمہارے باپ کے منہ میں گیا ہے۔(۱۲۵)

حضرت ابوہریرہ τ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھوک کے سبب پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے کہ آنتیں بوجھل رہیں۔ حضرت عائشہ ρ حضور ﷺ کی سب سے پیاری بیوی تھیں، ایک بار وہ ان کے پاس گئے تو وہ رو رہی تھیں۔ مسروق τ نے پوچھا کیوں روتی ہیں۔ تو حضرت عائشہ ρ نے کہا میں بھوکی ہوں اور سوچا دلوں۔ یہی راوی کہتے ہیں کہ چار مہینے سے متواتر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انہیں کھانے کو جو ملتا اس سے ان کا پیٹ نہ بھرتا۔ ابن سعد τ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے گھروں سے کبھی روٹی کا کوئی فالتو ٹکڑا اٹھایا نہیں گیا۔ ٹکڑا تو تب اٹھایا جاتا جب پیٹ بھرنے سے کبھی کچھ بچ جاتا۔ یہاں تو یہ حال تھا کہ جو کی روٹی بھی کئی کئی دن تک کھانے کو نہ ملتی تھی، اور کئی کئی مہینوں تک آگ نہ جلتی تھی، وہ مہینوں کھجوریں کھا کر پانی پی لیتے تھے۔(۱۲۶) حضرت انس τ نے قسم کھا کر ایک بار کہا، رسول اللہ ﷺ نے کبھی نرم اور مرغن روٹی اپنی آنکھ سے دیکھی تک نہ تھی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف τ بڑے متمول اور بزرگ صحابہ میں سے ہیں، ابن سعد τ کا بیان ہے کہ ایک بار وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کھانا آیا، جو روٹی اور گوشت پر مشتمل تھا۔ عبدالرحمن τ اچانک رو پڑے، ساتھیوں نے پوچھا کیوں روئے ہیں۔ تو عبدالرحمن نے ان سے کہا رسول اللہ ﷺ وصال پا گئے ہیں مگر انہوں نے اور ان کے اہل نے کبھی پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہ کھائی تھی، یہاں تک کہ ولیمہ کے دن بھی ان کے دستر خوان پر روٹی گوشت نہ آیا۔ حضرت انس بن مالک τ کا بیان ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ایک ولیمہ میں شریک ہوئے جس میں روٹی گوشت نہ تھا۔(۱۲۷) جب فتوحات کا سلسلہ پھیل نکلا اور مسلمانوں کی آمدنی خوب بڑھی تو حضرت عمر فاروق τ نے ایک دن خطبہ دیا: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک دن دیکھا کہ بھوک سے بیتاب تھے، ان کے پاس کوئی چیز بھی تو نہ تھی جس سے وہ پیٹ بھرتے"۔

حضرت عمران بن زید τ کی روایت ہے کہ ایک بار حضرت عائشہ ρ کے ہاں آئے، تو وہ ہمیں دیکھ کر رو پڑیں۔ ہم نے پوچھا کیوں روتی ہیں، جواب دیا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ ایک ایک وقت میں کئی کئی قسم کے کھانے کھاتے ہو، پھر اسے ہضم کرنے کے لئے تمہیں دوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے تمہارے بارے میں یہ سن کر رسول اللہ ﷺ یاد آئے۔ جو دنیا سے اس طرح تشریف لے گئے کہ ان کا پیٹ کبھی ایک دن میں ایک کھانے سے بھی نہ بھرا، ان کا یہ حال تھا کہ اگر وہ کھجور سے بھوک مٹاتے تو روٹی نہ کھاتے، اور اگر روٹی سے پیٹ بھرتے تو کھجور نہ کھاتے۔ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے لئے جو کے جس آٹے سے روٹی پکتی وہ چھنا ہوا نہ ہوتا۔ چھلنی اس وقت مدینہ میں تھی ہی نہیں، جو پیس لئے جاتے اور چھلکے پھونکیں مار کر اُڑا دئے جاتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ τ نے حضور ﷺ کے اس تنگی ترشی سے کھانے کی وجہ بیان کی ہے، ہم حضرت ابوہریرہ τ کی پوری روایت نقل کر رہے ہیں تاکہ عوام کو معلوم ہو کہ حضور ﷺ کی اس تنگی ترشی کی وجہ دنیا سے بیزاری نہ تھی بلکہ عوامی احساس تھا۔

رسول اللہ ﷺ بھوکے رہا کرتے تھے۔ ابوہریرہ سے کہا گیا ایسا کیوں ہوتا۔ حضرت ابوہریرہ τ نے جواب دیا، اس لئے کہ ان لوگوں کی تعداد بہت تھی جو ان کے اوپر پڑے تھے۔ ان کے مہمان ہوتے اور ایک گروہ کا گروہ اُن کے ساتھ لگا ہوتا۔ وہ کبھی کھانا نہ کھاتے، جب تک کہ ان کے ساتھ اور اہل حاجت جو مسجد سے اُن کے پیچھے آتے، ان کے ساتھ شامل نہ ہو جاتے۔ (۱۲۹) زیادہ تر تنگی فتح خیبر کے وقت تک رہی، بعد میں کسی قدر سہولت ہو گئی، پھر بھی رسول اللہ ﷺ کی خوراک کا وہی عالم رہا۔ اور ان کا عام طریق کار اور عوام سے سلوک بھی پہلے دور کے حکمرانوں اور بعد کے حکمرانوں سے بالکل الگ تھا، وہ گو نبی تھے وہ گو اس دنیا کے تختہ پر سب سے اونچے انسان تھے۔ مگر انہیں عوام کی تکلیفوں کا کچھ اس طرح احساس ہوتا جیسے وہ ان ہی میں سے تھے۔ (۱۳۰)

### 4) آپ ﷺ مستحقین، ضرورتمندوں اور قرض خواہوں کے حاجت روا تھے:

حضرت بلال τ ہیں، حضرت بلال τ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن بھی تھے اور خادمِ خاص بھی تھے۔ آپ وہ کہتے ہیں: میں وہ ہوں جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر آپ ﷺ کے وصال تک آپ ﷺ کے ساتھ رہا۔ (۱۳۱) یہ کہنے کے بعد حضرت بلال τ فرماتے ہیں: جب کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا، اور وہ اس محتاج و بے آسرا سمجھتے تو مجھے اُس کے بارے میں حکم دیتے میں نکلتا، اس کی خاطر قرض لیتا، اُس سے چادر خریدتا، اُس کو پہناتا، اُس کو کھلاتا، یہی حال تھا کہ مشرکین میں سے ایک شخص مجھے ملا، اُس نے مجھے کہا، میرے پاس روپیہ ہے، تو کسی دوسرے سے قرض نہ لیا کر، مجھ سے لے لیا کر، میں نے ایسا ہی کیا، ایک دن میں نے وضو کیا، اور اذان کے لئے کھڑا ہوا، تو وہ مشرک تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ آیا اور جب مجھے دیکھا تو پکارا، اے حبشی، میں نے کہا حاضر ہوں، وہ

مجھ پر جھپٹا اور مجھے بڑی سخت بات کہی، کیا تو جانتا ہے کہ مہینہ کے گزرنے میں کتنے دن ہیں؟ میں نے کہا وہ ختم ہونے کے قریب ہے، اس نے کہا چار دن باقی ہیں، میں تجھ سے وہ رقم لے لوں گا جو تم نے مجھ سے لی تھی، میں نے تمہیں جو دیا تھا وہ تمہیں تمہاری یا تمہارے مالک کی بزرگی کے سبب نہیں دیا تھا۔ میں نے یہ رقم تمہیں اس لئے دی تھی کہ تمہیں اپنا غلام بناؤں، اور تجھ سے اس طرح بکریاں چراؤں جیسے تو پہلے چرایا کرتا تھا۔ میرے دل میں یہ بات ویسے ہی بیٹھ گئی جیسے لوگوں کے دل میں بیٹھتی ہے، میں نکلا، اذان دی، حتّٰی کہ نماز پڑھی، رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کر گھر چلے گئے، میں حاضر خدمت ہوا، اور میں نے عرض کیا، اے رسول اللہ ﷺ میں نے جس مشرک سے قرض لیا تھا اس نے مجھ سے یہ یہ بات کہی، اور میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ میں اس کا قرض ادا کر سکوں، رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں کا نام لیا اور فرمایا انہیں بلا لاؤ، میں انہیں بلا لایا، اور ان سے وہ رقم مل گئی، جس سے رسول اللہ ﷺ کا قرض پورا ہو جاتا۔ حضرت بلال ؓ فرماتے ہیں دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد میں قرض خواہوں کے پاس گیا، ایک ایک کو پکارا، اور سارے قرضے جو رسول اللہ ﷺ کے ذمے تھے ادا کر دیئے۔ کچھ رقم بچ رہی، حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا میں یہ رقم بھی مستحقین میں بانٹ دوں اور فرمایا: میں اپنے کسی گھر میں نہیں جاؤں گا جب تک تو اسے خرچ کر کے مجھے سکون نہیں دے گا۔ (۱۳۲)

حضور ﷺ نے جن لوگوں سے یہ رقم لی تھی مستحقین کے لئے لی تھی۔ یہ ان کے پاس ایک امانت تھی اور اس کو خرچ کرنے سے پہلے گھر جانا وہ دیانت و فرض شناسی کے منافی سمجھتے تھے۔ عرب کے بعض سردار رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آئے اور رسول اللہ ﷺ کو صہیب، بلال، عمار اور خباب ؓ کے جھرمٹ میں بیٹھے دیکھا، انہیں یہ بات بری معلوم ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھا کریں، مگر رسول اللہ ﷺ نے اُن کی یہ بات رد کر دی، اور ان کو اپنے ساتھ اس طرح بٹھاتے جیسے وہ اُن جیسے تھے۔ وہ نہ صرف ان میں بیٹھ کر خوش ہوتے، وہ جب بیمار پڑتے ان کی عیادت کو جاتے اور ان کی ضرورتیں پوری کرتے۔ (۱۳۳)

آپ ﷺ اپنے کپڑے آپ سیتے، اپنی جوتی آپ گانٹھتے، گھر کے کام کرتے، اور اکثر کپڑے وہی سیتے، انہوں نے کبھی کسی کو نہیں مارا اور نہ کسی سے انتقام لیا، البتہ جہاد کیا، آپ ﷺ غلاموں کی دعوتوں میں جاتے اور خوش ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ذاتی روپیہ بہت کم ہوتا۔ جنگ بدر میں آپ ﷺ کے ایک یہودی حلیف یخریق نے بدر میں شرکت کے وقت وصیت کی کہ اگر وہ لڑائی میں مارا گیا تو اس کا مال و متاع رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہو گا۔ یہ ملکیت جیسے ہی رسول اللہ ﷺ کو ملی رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت مستحقین میں بانٹ دی۔ (۱۳۴) بنو نضیر و بنو قریظہ کے اموال جب آپ ﷺ کو ملے، تو ان میں سے وہ بہت تھوڑا اپنے لئے رکھتے، باقی سب کا سب محتاجوں کو دے دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے بیواؤں، یتیموں اور محتاجوں کے روزینے مقرر کر دیئے تھے، جو اُن کو بڑی باقاعدگی سے دئے جاتے۔ رسول اللہ ﷺ کا جب وصال ہوا تو آپ ﷺ کوئی وارث نہ چھوڑ گئے تھے، زندگی میں

آپ ﷺ کو جو ملا اسے آپ ﷺ نے عوام پر خرچ کر دیا۔(۱۳۵)

## 5) آپ ﷺ نے کوئی وراثت نہیں چھوڑی:

رسول اللہ ﷺ نے جو طریق حکومت رواج دیا تھا اس میں امیر ملت یا حاکم اعلیٰ کی وراثت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ البتہ اگر رسول اللہ ﷺ اپنے باپ یا دادا سے کوئی جائداد پاتے اور یہ جائداد نبی کی حیثیت سے نہیں، ایک عام فرد کی حیثیت سے انہیں ملتی تو بات شاید الگ ہوتی، باغِ فدک اور خیبر کی بعض زمینیں رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے حاکم ہونے کی حیثیت سے ملی تھیں، اور اگر وہ یہ زمینیں اپنی بیٹی یا اپنے نواسوں اور دوسرے عزیزوں کے لئے مخصوص کر جاتے تو پھر اُن میں اور دوسرے حکمرانوں میں کیا فرق رہتا۔ لہٰذا حضرت ابو بکرؓ نے حضرت فاطمہ ρ سے کہا تھا، یہ باغ فدک میرے تسلط میں اس طرح رہے گا، جس طرح رسول اللہ ﷺ کے تسلط میں تھا، اور میں اسے اس طرح خرچ کروں گا، جس طرح رسول اللہ ﷺ اسے خرچ کرتے۔ (۱۳۶) باغِ فدک اور دوسری مخصوص زمینیں اپنے قبضہ میں لے لی تھیں۔ لیکن اُن کی پیداوار اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔

بنی نفیر کے اموال، ان اموال میں سے تھے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو عطا کئے تھے، یہ ایسے اموال تھے جن پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے تھے نہ دوسری سواریاں، یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص تھے۔ ان میں سے حضور ﷺ اپنے اہل وعیال کا سال بھر کا خرچ لے لیتے۔ جو باقی بچتا اس سے اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے سازو سامان واسلحہ خریدتے۔ گو یہ اموال حضور ﷺ کے لئے خاص تھے، مگر وہ پیداوار بھی عوام میں تقسیم کر دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب لڑائی کے بعد خیبر فتح کیا تو اس میں سے خمس نکال کر باقی کو مسلمانوں میں بانٹ دیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ابن شہاب کی ایک روایت نقل کی ہے، ابن شہاب کہتے ہیں: خیبر ۶ھ یا ۷ھ میں فتح ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے چار دن متواتر اس کا محاصرہ کیا تھا۔ یہود نے ہتھیار ڈال دئے۔ ان میں اور رسول اللہ ﷺ میں شرائط طے ہوئے کہ وہ اپنا مال ومتاع اور املاک وہیں چھوڑ کر اپنی جانیں اور جسموں پر پہنے ہوئے لباس لے کر خیبر سے رُخصت ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی یہ زمین جو فتح ہوئی تھی اسے چھبیس حصوں پر بانٹا تھا، اور ہر حصہ کے آگے سو حصے تھے۔ گویا خیبر کی زمین چھتیس سو حصوں پر تقسیم ہوئی۔ یعنی ۱۳ سو حصے رسول اللہ ﷺ نے حکومت یا حکمران کے تصرف خاص اعمال حکومت، نائبوں اور ریاست کے دوسرے اخراجات کے لئے مخصوص فرمالئے، تیرہ سو حصے عام مسلمانوں میں بانٹ دیئے۔ (۱۳۷) محمد رسول اللہ ﷺ نے جو اس کائنات میں پہلے عوامی حاکم اعلیٰ بھی تھے اور مامور من اللہ بھی خصوصی تقسیم کو عوام کی حق تلفی سمجھا، اور اس مختصر زمین کو تیرہ سو حاجتمند مسلمانوں میں بانٹ کر ہر ایک کو اس قومی ملک کا حقدار قرار دیا۔ حضور ﷺ نے اس موقعہ پر یا کسی دوسرے وقت اپنے اس طریق کار کی وضاحت آپ ہی فرمائی، ارشاد فرمایا: "جو بھی بستی تمہیں دی گئی جس میں تم آباد ہوئے، تو وہ تمہارے حصہ کی ہے، اور ہر وہ بستی جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی، اس میں خمس اللہ اور اس کے

رسول کا ہے باقی وہ تمہاری ہے"۔(۱۳۸)

**6) آپ ﷺ نے زمین کو اللہ کی ملکیت قرار دیکر جاگیر داری کا خاتمہ کیا:**

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیر آباد شدہ زمین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے، پھر وہ تم مسلمانوں کی ہے، یعنی یہ کہ اسے لوگوں کو آباد کرنے کے لئے دیا جائے۔ ایک اور جگہ فرمایا: مردہ زمین اللہ اور اُس کے رسول اللہ ﷺ کی ہے، پھر یہ میری طرف سے تمہاری ہے اے مسلمانو!(۱۳۹) اسلام حضرات ابو بکر τ و علی τ و فاطمہ τ و اسماء τ، عثمان τ و طلحہ τ، فاروق τ و حفصہ τ کے لئے باعث برکت و سربلندی نہ تھا۔ سارے عالم کے لئے آیہء رحمت بن کر آیا تھا۔ اس کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے تھے۔(۱۴۰) جس نے ایسی مردہ زمین کو زندہ کیا جو کسی کی نہ تھی، تو اُس کا زیادہ حقدار وہی ہے۔(۱۴۱) حضور ﷺ کے اس ارشاد کی تصریح حضرت عمر فاروق τ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے جو اُنہوں نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا۔ عبد اللہ نے مجھ سے دجلہ کے کنارے کی ایک زمین مانگی ہے۔ اگر جزیہ کی زمین نہیں ہے یا اسے جزیہ کی زمین کا پانی نہیں پہنچتا تو یہ اسے دے دو۔(۱۴۲) کنز العمال جز ۲، میں اس روایت کے یہ الفاظ بھی ہیں: اگر یہ خراجی زمین نہیں ہے اور اس کے دینے سے کسی مسلمان کو نقصان نہیں پہنچتا۔ (۱۴۳)

**7) آپ ﷺ نے عزیزوں، رشتہ داروں کے بجائے حق کو مقدم رکھا:**

حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں جتنی مردہ یا متروکہ زمینیں تقسیم کیں، اُن میں حق کو مقدم رکھا۔ اپنے کسی رشتہ دار کو، اپنے کسی داماد کو، اپنی کسی بیٹی، اپنے کسی بھائی یا اپنے کسی دوست کو عام مسلمانوں کو نظر انداز کر کے کوئی خصوصی زمین نہیں دی، سوائے سیدنا بلال τ حبشی کے جو اُن کے خادم تھے۔ سیدنا بلال τ حبشی جنہوں نے اسلام کے لئے سب سے بڑی قربانیاں دیں جو سیاہ فام اور بے آسرا و محتاج و مفلس مسلمان تھے، جو دن اور رات محمد ﷺ کی بنائی ہوئی مسجد میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر پڑے رہتے۔ جن کا مسجد نبوی ﷺ کے سوا کوئی گھر نہ تھا، نہ کوئی عزیز و رشتہ دار تھا۔ جو بلا تنخواہ، بلا معاوضہ، بلا طمع و حرص رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتے۔ جو بعثت سے لے کر حضور ﷺ کے وصال تک حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔ جو آل نبی ﷺ کے ساتھ کئی دن بھوکے رہے، جن کا لباس کملی کا، اور وہ بھی پھٹا ہوا ہوتا۔ جو اسلام کے پہلے مؤذّن تھے۔ جن کی آواز مدینہ کی گلی گلی، کوچے کوچے میں اللہ کی بڑائی کا پانچ وقت اعلان کرتی۔ یہودی جن کا مذاق اُڑاتے۔ جنہیں حبشی کہہ کہ کر پکارتے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے خازن بھی تھے اور صدقات و اموالِ ریاست کے نگران بھی۔ مگر جنہوں نے کبھی ایک کھجور بھی حق کے بغیر اس مال سے نہ کھائی تھی۔(۱۴۴)

**8) آپ ﷺ نے سیاسی استحکام کو اہمیت دی:**

رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانہ میں بعض قبائل و اشخاص کو اسلام کی طرف لانے کے لئے تالیف قلب کے

طور پر بعض زمینیں عطا کیں مگر ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ تالیف قلب یا سیاسی اغراض کی تکمیل بھی سیاست کا ایک بڑا شعبہ ہے، یاد ہو گا جب حنین کی لڑائی مسلمانوں نے جیتی تو مسلمانوں کو بیشمار غنیمتیں ہاتھ آئی تھیں، اور ان غنیمتوں کی تقسیم کے وقت رسول اللہ ﷺ نے محض تالیف قلب کو پیش نظر رکھا۔ محض ان قبائل اور ان اشخاص کو نوازا، جن کا اسلام ضعیف تھا، یا جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ اللہ کی قسم اگر تہامہ کے درخت جتنی نعمتیں تمہیں نصیب ہوں، تو یہ سب میں تم میں بانٹ دوں گا، تم مجھے بخیل، تھوڑ دلا اور جھوٹا نہ پاؤ گے۔(۱۴۵)

مگر جب حضور ﷺ نے تقسیم غنیمت شروع کی تو المؤلفۃ قلوبھم کو خوب دیا۔ یہ سارے کے سارے اشراف قبائل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دے کر انہیں اور ان کے قبیلوں کو اپنے سے قریب کیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے دلوں میں اسلام کے لئے جگہ پیدا کی۔ اس دن رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان، معاویہ، حکیم بن خرام، حارث بن حارث اور اسی قسم کے سرداروں کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ بعض قریش کو ۵۰۔ ۵۰ اونٹ دئے۔ ایک شاعر عباس بن مروان کو اس کی امیدوں سے کم دیا تو اُس نے رسول اللہ ﷺ کی ہجو لکھی تو حضور ﷺ نے صحابہ ؓ کو حکم دیا اونٹ لے کر اس کے پاس جائیں اور اس کی زبان بند کریں، ایسا ہی کیا گیا۔ اس کی منشاء و امید کے مطابق اُسے دیا گیا اور اس کی زبان بند ہو گئی۔ حنین کا دن بیعت عامہ کا دن تھا۔ اُس دن قریش کے بڑے اور دوسرے جو قبائل اسلام لائے ان کے اسلام لانے میں اخلاص اور اسلام کی محبت شامل نہ تھی۔ یہ سیاسی ایمان تھا اور اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی تالیف قلب کی ضرورت سمجھی اور انہیں مال غنیمت میں سے بڑھ چڑھ کر دیا۔(۱۴۶) مدینہ کے رہنے والے اپنی رغبت سے بغیر کسی جبر کے اسلام لائے، اور سنت رسول ﷺ یہ تھی کہ جو اسلام لے آتا۔ اس کے پاس جو ہوتا وہ اسی کا رہتا۔(۱۴۷) رسول اللہ ﷺ جب مدینے تشریف لائے، تو مدینہ کے لوگوں نے مدینہ کی وہ ساری زمین رسول اللہ ﷺ کو دے دی جہاں پانی نہیں پہنچتا تھا، اور انہیں اختیار دیا کہ اس زمین کے ساتھ جو چاہیں سو کریں۔ (۱۴۸)

## خلافت راشدہ میں مثالی نظم وضبط: آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا کے تمام معلوم سیاسی نظام بادشاہی کی بنیاد پر قائم تھے یا شخصی آمریت کی۔ آپ ﷺ نے جو نظامِ حکومت قائم کیا وہ شخصی بنیاد بنیاد کے بجائے قانون کی بالادستی اور اور معین دستور کی حکومت کی اساس پر تھا۔ اس میں نہ شہنشاہیت کی گنجائش تھی اور نہ آمریت کی، نہ خاندان پرستی تھی اور نہ شخصیت پرستی کی۔ حاکمیت کے اصل اختیارات اللہ تعالیٰ کو حاصل تھے اور اس کا عطا کردہ، قانون مملکت کا قانون تھا۔ امیر اور غریب اور اپنے اور پرائے سب اس قانون کے تابع تھے اور کوئی اس سے سر مو انحراف نہ کر سکتا تھا۔ حالانکہ اس کا مزاج جبر کا نہیں لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۱۴۹) یہی چیز ہے جس کا اظہار حضرت ابو بکر ؓ نے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا ہے:

لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں فلاح و بہبود کے کام کروں تو میری امداد کرنا ورنہ اصلاح کر دینا۔ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرنا، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو کوئی اطاعت تم پر نہیں ہے۔(۱۵۰)

پھر حضرت اسامہ بن زید ؓ کے لشکر کو روانہ کرتے ہوئے آپ ؓ نے فرمایا:

میرا مقام صرف متبع کا ہے، میں بہر حال کوئی نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں۔ پس اگر نبی ﷺ کی راہ پر استوار ہوں تو میری پیروی کرنا اور اگر اس راہ سے ہٹ جاؤں تو مجھے راہ راست پر لے آنا۔(۱۵۱)

**1) خلاف راشدہ میں حاکم خود نظم وضبط کا پابند اور قانون کو جواب دہ تھا:**

امیر جو کچھ چاہے وہ کرنے کے لئے آزاد نہیں ہے۔ وہ خود ایک قانون کا پابند ہے اور اس کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ اس قانون کو نافذ کرے۔ یہی قانون خود اس کے اُوپر بھی قائم ہوتا ہے اور یہی تمام مسلمانوں پر بھی۔ وہ لوگوں پر اپنی مرضی تھوپنے کا حق دار نہیں ہے۔ حضرت عمر ؓ نے اس حقیقت کو اس طرح ادا کیا ہے:

ایک حاکم کو سب سے زیادہ اہتمام کے ساتھ لوگوں کے اندر جو چیز دیکھنی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو حقوق و فرائض ان پر عائد ہوتے ہیں، ان کو وہ ادا کر رہے ہیں یا نہیں۔ ہمارا فرض صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جس اطاعت کا حکم دیا ہے اس کا حکم دیں، اور جس نافرمانی سے روکا ہے اس سے روکیں۔ (۱۵۲)

امیر اپنی ذات میں مطاع نہیں ہونا۔ اس کی اطاعت صرف اس لئے ہوتی ہے کہ وہ شریعت کو قائم کرنے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کا بنیادی اصول ہے کہ اطاعت صرف معروف میں ہے منکر میں نہیں، اور اسلام شخصی حکومت کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (۱۵۳)

**معاونت کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں اور تعاون نہ کرو گناہ اور برائی کے کاموں میں۔**

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً۔ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۲۰۸ (۱۵۴)

**مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔**

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاۗءَتْنَا۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ۱۲۶ (۱۵۵)

**اور اس کے سوا تجھ کو ہماری کون سی بات بری لگی ہے کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے پاس آ گئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے پروردگار ہم پر صبر واستقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں مسلمان ہی ماریو۔**

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ۱۹ (۱۵۶)

تو وہ اس کی بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَآ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۱۲۸ (۱۵۷)

اے پروردگار، ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رہیو، اور (پروردگار) ہمیں طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ (۱۵۸)

(اے پیغمبر) میرے مومن بندوں سے کہہ دو کہ نماز پڑھا کریں اور اس دن کے آنے سے پیشتر جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہو گا اور نہ دوستی (کام آئے گی) ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے در پردہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

اسلامی حکومت کے سرکاری منصب کاروں کی اطاعت واجب ہے جب تک کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں۔ اور جب اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سننا ہے اور نہ ماننا ہے۔ (۱۵۹) منصب دار اس قانون کو صرف اوروں ہی پر نافذ نہیں کرتا بلکہ خود اپنے اوپر بھی نافذ کرتا ہے اور خود بھی اس کی اس طرح اطاعت کرتا ہے جس طرح کہ دوسروں سے کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

میں ایک عام مسلمان اور ایک کمزور بندہ ہوں، صرف اللہ تعالیٰ کی مدد کا مجھے بھروسا ہے۔ میں جس منصب پر مقرر کیا گیا ہوں، انشاء اللہ وہ میری طبیعت میں ذرّہ برابر بھی تغیر پیدا نہیں کر سکے گا۔ بزرگی اور بڑائی جتنی بھی ہے سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ بندوں کے لئے اس میں کوئی حصہ نہیں۔ تم میں سے کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ عمر خلیفہ بن کر کچھ سے کچھ ہو گیا۔ میں اپنی ذات سے بھی حق وصول کر لوں گا اور جس معاملے میں ضرورت ہو گی خود بڑھ کر صفائی پیش کروں گا۔ میں تمہارے اندر کا ایک آدمی ہوں، تمہاری بہبود مجھے عزیز ہے، تمہاری خفگی مجھ پر گراں ہے اور جو امانت میرے سپرد کی گئی ہے مجھے اس کی جواب دہی کرنی ہے۔

**2) خلافت راشدہ میں حاکم کو بیت المال پر بے مقصد تصرف کا اختیار نہیں تھا:**

خلافت راشدہ میں سے حاکم کو بیت المال پر بے قید تصرف کا اختیار نہیں۔ وہ اس کو استعمال کرنے کا تو مجاز ہے مگر اپنی ذاتی خواہشات کے مطابق نہیں، بلکہ شریعت کے احکام کے مطابق، خلافتِ راشدہ میں نہ امیر خود اپنے اُوپر بیت المال کی رقم کو بے محابا خرچ کر سکتا ہے اور نہ دوسروں کے اُوپر۔ اس اصول کو حضرت عمرؓ نے اس طرح بیان کیا ہے:

میں نے اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے اس مال کو یتیم کے مال کے درجے پر رکھا ہے۔ اگر میں اس سے مستغنیٰ ہوں گا تو اس کے لینے سے احتراز کروں گا اور اگر حاجت مند ہوں گا تو دستور کے مطابق اس سے اپنی ضرورتیں پوری کروں گا۔ (۱۶۰)

یہی حال حضرت علیؓ کا تھا جو بیت المال سے بے جا طور پر نہ خود ایک پیسہ لیتے تھے اور نہ کسی دوست اور رشتہ دار کو دیتے تھے، حتیٰ کہ انہوں نے یہ گوارا کر لیا کہ بہت سے لوگ خواہ ان سے کٹ کر دمشق کے اصحاب اقتدار سے جا ملیں، لیکن یہ گوارا نہ کیا کہ کسی کو ایک پائی بھی بغیر حق دے دیں۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں اگر کوئی شخص بیت المال کی کوئی رقم غلط خرچ کرتا تھا تو اس پر سخت کارروائی کی جاتی تھی اور حضرت عمرؓ نے تو حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے جرنیل تک کو ۱۰ ہزار درہم غلط طور پر استعمال کرنے کے جرم میں معزول کر دیا تھا۔ خلافتِ راشدہ کی بنیاد یہ تھی کہ حکومت شخصی نہیں دستوری ہے، اور دستور عملی کی حیثیت خدا کی نازل کردہ شریعت کو حاصل ہے جس کی اطاعت تمام سرکاری مناصب سے رکھنے والوں کو کرنی ہے، اور جس کی اطاعت سے انحراف کے بعد کوئی طاقت باقی نہیں رہتی ہے۔ اس اصول نے آمریت کے خطرے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا،(۱۶۱) اور قانون کی حکمرانی کے اس دور کا آغاز کیا جس کا اصول یہ تھا کہ: "اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ قلم کر دیا جائے گا۔"(۱۶۲)

### 3) خلافت راشدہ میں سرکاری نظم وضبط کا استعمال شورائی اور جمہوری تھا:

خلافتِ راشدہ میں پورا نظام شورائی اور جمہوری تھا۔ اسلام میں شوریٰ کی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ خود نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ(۱۶۳)

"اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرو۔"

اور ملت کے نظامِ اجتماعی کے متعلق قرآن کی واضح ہدایتیہ ہے کہ:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (۱۶۴)

ترجمہ: ان کے معاملات باہم مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

خلافتِ راشدہ کا نظام اسی قرآنی اساس پر قائم تھا اور حکومت کے ہر شعبے میں مشاورت کی اسپرٹ

کار فرما تھی۔

خلیفہ کا انتخاب باہم مشورے سے ہوتا تھا۔ حضرت ابو بکر τ کو ثقیفہ بنو ساعدہ میں باہم مشاورت کے بعد منتخب کیا گیا۔ حضرت عمر τ کی تجویز پر تمام مسلمانوں نے حضرت ابو بکر صدیق τ کو برضا و رغبت اپنا خلیفہ چنا اور آپ τ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت عمر τ نے بیعت عام کے بعد اپنے منصب کو سنبھالا۔ حضرت عثمان τ کے انتخاب میں بھی مدینہ کے ایک ایک فرد سے مشورہ کیا گیا اور مسلمانوں کی رائے سے آپ τ خلیفہ منتخب ہوئے۔ حضرت عثمان τ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی τ کو خلیفہ بنانے کی تجویز دی گئی تو حضرت علی τ نے صاف کہا:

میری بیعت خفیہ طریقے سے نہیں ہو سکتی، یہ مسلمانوں کی مرضی سے ہو سکتی ہے۔ آپ τ نے اسی موقع پر اسلام کے نظامِ انتخاب کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: "تمہیں ایسا کرنے کا (یعنی کسی کو خلیفہ بنانے) کا اختیار نہیں ہے۔ یہ تو اہل شوریٰ اور اہل بدر کا کام ہے جس کو اہل شوریٰ اور اہل بدر خلیفہ بنانا چاہیں گے، وہی خلیفہ ہو گا۔ پس ہم جمع ہوں گے اور اس معاملے پر غور کریں گے۔"

اس طرح خلافتِ راشدہ کے دور کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خلافت ایک انتخابی منصب تھا اور مسلمان اپنی آزاد مرضی سے اپنے میں سے بہترین شخص کو اس کام کے لئے منتخب کرتے تھے۔ کسی شخص کے لئے یہ جائز نہ تھا کہ وہ اُوپر سے اُمت پر مسلط ہو جائے۔ جب مسلمانوں میں قیصر و کسریٰ کے اس مکروہ طریقے کا آغاز ہو گیا تو خلافت راشدہ ختم ہو گئی اور ملوکیت کا دور شروع ہو گیا۔ (۱۶۵)

## 4) خلافت راشدہ میں نظم وضبط کیلئے قانون سازی کا اختیار صرف حاکم کو حاصل نہیں تھا:

خلافت راشدہ میں قانون سازی کا اختیار خلیفہ کو حاصل نہیں تھا۔ اصل قانون قرآن اور سنت ہے، لیکن جن چیزوں میں قرآن و سنت خاموش ہیں، خلیفہ کا اجتہاد بھی ایک اجتہاد ہے۔ قانون کا درجہ اسے صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اس پر اُمت کے ارباب حل وعقد کا اجماع ہو جائے۔ قانون ساز ادارے کی حیثیت اجماع کو حاصل ہے، خلیفہ کی رائے کو نہیں۔ اپنے زمانے میں یہ ایک ایسا انقلابی اقدام تھا کہ ایک عرصے تک تاریخ اس کی اصل اہمیت کو محسوس بھی نہ کر سکی۔ آج جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل وظائف حکومت کی مختلف اداروں میں تقسیم تھی اور اس کے ذریعے نظامِ حکومت میں محاسبہ و توازن کا ایک نظام قائم کیا گیا تھا۔ خلافت راشدہ کی دوسری بنیاد شوریٰ تھی، یہی اسلام کی اصل روح ہے۔ اگر یہ باقی نہ رہے تو پھر خلافت کا نظام بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے خلفائے اربعہ کے زمانے میں مناسب ادارے بھی بنائے گئے تھے تاکہ شوریٰ کا اصول عملی طور پر بروئے کار آسکے۔ جب خلافت آمریت اور ملوکیت میں بدل گئی تو شوریٰ کا یہ نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔ اسلام کے اس شورائی نظام کو اسلامی جمہوریت کہا جاسکتا ہے، جس میں جمہور کی رائے اور کردار ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے، لیکن وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طے کردہ حدود کے اندر واقع ہوتا ہے اور ان حدود سے باہر جانے کا اختیار کسی کو بھی

حاصل نہیں۔

اَللہُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْہٰرَ ۳۲ (۱۶۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل پیدا کئے۔ جس نے کشتی تمہارے لئے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لئے مسخر کیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّہَارَ ۳۳ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللہِ لَا تُحْصُوْہَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۳۴ (۱۶۷)

ترجمہ: جس نے سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لئے مسخر کیا، جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے، حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

اَللہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۭ لَہُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۸ (۱۶۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہ ہے، جس کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کے لئے بہترین نام ہیں۔

## 5) خلافت راشدہ میں نظم وضبط کا مقصد اجتماعی فلاح کا قیام تھا:

خلافت راشدہ کا مقصد اجتماعی فلاح کا قیام تھا، اور اس سلسلے میں خلافت راشدہ نے تین بنیادی اقدامات کئے۔ پہلا اقدام کتاب وسنت کی تعلیم، اور ان کا فروغ اور قیام تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے جب عمرو بن حزم ؓ کو یمن کا گورنر بنایا تو ان کو ہدایت کی تھی کہ وہ حق پر قائم رہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور لوگوں کو بھلائی کی خوشخبری اور نیکی کا حکم دیں اور لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیں اور ان میں اس کی سمجھ پیدا کریں اور لوگوں کی دل داری کریں یہاں تک کہ لوگ دین کا فہم پیدا کرنے کی طرف مائل ہو جائیں۔ اسی پالیسی پر خلافت راشدہ کے پورے دور میں عمل کیا گیا۔ حضرت عمر ؓ نے ارشاد فرمایا:

"اے اللہ! میں اپنے تمام علاقوں کے عہدے داروں پر تجھ کو گواہ ٹھیراتا ہوں کہ میں نے ان کو اس لئے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے دین اور ان کے نبی ﷺ کی سنت کی تعلیم دیں۔ "

خلفائے اربعہ قیامِ فلاح کے لئے سب سے ضروری اس امر کو سمجھتے تھے کہ لوگوں کو فلاح کا صحیح اور اس کا اصل راستہ بتادیں اور یہ علم قرآن اور سنت نبوی ﷺ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کا مقصد دنیاوی اور اُخروی فلاح تھا اور اس کے حصول کے لئے سب سے پہلی ضرورت قرآن کریم اور سنت کی تعلیم اور تنفیذ تھی۔ یعنی ریاست تمام اچھی چیزوں کی ترویج کرے، نیکیوں کو پھیلائے، صدقات کو عام کرے اور خیر کی روایت قائم کرے، نیز ان تمام

چیزوں کی حوصلہ افزائی کرے جو کسی طرح بھی حسنات کو فروغ دینے والی ہوں۔ اسی طرح ریاست ان تمام چیزوں کو ختم کرے جو برائی اور منکر کو پھیلانے والی ہوں اور معاشرے میں کسی قسم کی بھی گندگیوں کو نہ پنپنے تاکہ فرد اور ملت دونوں کو صحیح خطوط پر ترقی کرنے کا پورا پورا موقع ملے۔ حکومت کی اس پالیسی کی اساس قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ۔ (۱۶۹)

ترجمہ: (مومنو) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

حکومت عوام کے لئے آسانیاں پیدا کرے، ان پر ظلم و جبر نہ کرے، ان پر ایسا بوجھ نہ ڈالے جس کے وہ متحمل نہ ہو سکتے ہوں۔ نیز حسنات زندگی کو فروغ دے، اور اس بات کی کوشش کرے کہ اس کے دائرہ اثر میں کوئی متنفس بلا لحاظ مذہب و ملت ایسا نہ رہے جو اپنی بنیادی ضرورتیں پوری نہ کر رہا ہو۔ اسلام اعلیٰ ترین مدنیت کا حامل معاشرہ فراہم کرتا ہے۔ وہ کہیں بھی انسان کو رہبانیت کا درس نہیں دیتا۔ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا یعنی ترکِ تمدن بدعت ہے۔ (۱۷۰)

"سب سے زیادہ خوش نصیب حاکم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جس کے سبب سے اس کی رعایا خوش حال ہو، اور سب سے بدبخت حاکم وہ ہے جس کے سبب سے اس کی رعایا بدحال ہو۔ تم خود بھی اپنے آپ کو کج روی سے بچانا تاکہ تمہارے ماتحت کج روی اختیار نہ کریں۔ "

اس حقیقت کو خود نبی اکرم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا تھا کہ:

"اے اللہ! جو شخص میری اُمت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا جائے اور وہ ان کو مشقت میں ڈالے تو، تو بھی اس کو مشقت میں ڈال، اور جو شخص میری اُمت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا تو، تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر"

خلافت راشدہ کی تمام پالیسیوں میں لوگوں تک حسنات زندگی پہنچانے اور ضرورت مندوں کی کفالت کرنے کا جذبہ کارفرما تھا، بلکہ حضرت عمرؓ تو فرمایا کرتے تھے کہ:

"اللہ کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو صفاء کے پہاڑوں میں جو چرواہا اپنی بکریاں چرا رہا ہو گا، اس کو بھی اس مال سے اس کا حصہ پہنچے گا اور اس کے لئے اس کو کوئی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی"۔ اور یہ کہ: "اللہ کی قسم! اگر میں اہل عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لئے زندہ رہ گیا تو ان کو اس حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی اور امیر کی مدد کی احتیاج باقی نہ رہے گی۔" (۱۷۱)

## 6) خلافت راشدہ میں نظم وضبط کے ذریعہ حقوق عطا کئے گئے:

حضرت عمرؓ نے حقوق کی ضمانت ان الفاظ میں دی تھی کہ: "میں کسی شخص کو اس بات کا موقع نہیں دوں گا کہ وہ کسی کی حق تلفی یا کسی پر زیادتی کر سکے۔ جو شخص ایسا کرے گا میں اس کا ایک گال زمین پر رکھوں گا اور اس کے

دوسرے گال پر اپنا پاؤں رکھوں گا، یہاں تک کہ وہ حق کے آگے جھک جائے۔" حضرت ابو بکر ؓ نے شہریوں کے حقوق کی حفاظت کا اعلان اس بلیغ انداز میں فرمایا تھا کہ: 'تمہارے اندر جو بے اثر ہے، وہ میرے نزدیک بااثر ہے، یہاں تک کہ میں اس سے چھینا ہوا حق اس کو واپس دلادوں، اور تمہارے اندر جو بااثر ہے وہ میرے نزدیک بے اثر ہے، یہاں تک کہ میں اس سے اس حق کو وصول کرلوں جو اس نے غصب کر رکھا ہے۔"

حضرت عمر ؓ کا ارشاد تھا کہ: "میں اپنے عاملوں کو تمہارے پاس اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہیں ماریں پیٹیں یا تمہارے مالوں کو ناجائز طریقے پر لیں، بلکہ اس لئے بھیجتا ہوں کہ تم کو تمہارا دین سکھائیں اور تمہارے نبی کا طریقہ سکھائیں۔ اگر کسی کے ساتھ اس قسم کی کوئی زیادتی کی گئی ہو تو وہ میرے علم میں لائے۔ اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے، میں اس کو زیادتی کرنے والے سے اس کا قصاص ضرور دلاؤں گا۔ " اس نظام میں لوگوں کی آزادیوں کا جو لحاظ رکھا جاتا تھا وہ حضرت عمر ؓ کے ان تاریخی الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے جو آپ ؓ نے والیٔ حضرت عمرو بن عاص ؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا، حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا"۔

حضرت علی ؓ نے خوارج کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ: "تم کو آزادی حاصل ہے کہ جہاں چاہو رہو، البتہ ہمارے اور تمہارے درمیانیہ قرار داد ہے کہ ناجائز طور پر کسی کا خون نہیں بہاؤ گے، بدامنی نہیں پھیلاؤ گے اور کسی پر ظلم نہیں ڈھاؤ گے۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی بات تم سے سرزد ہوئی تو پھر میں تمہارے خلاف جنگ کا حکم دے دوں گا۔"

اس سے وسیع تر آزادی کا کون سا تصور ہے جو انسان کر سکتا ہے؟ یہ بھی واضح کیا گیا کہ جن کا مزاج ہی:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

ترجمہ: "ین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔" ہو، وہ تشدد اور دہشت گردی جیسے برے راستے پر کبھی نہیں نکل سکتے۔ (۱۷۲)

آپ ﷺ نے علم کو ان امور میں شامل کیا ہے جن پر رشک کیا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ دعا فرماتے:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (۱۷۳)

ترجمہ: میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ (۱۷۴)

عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ (۱۷۵)

ترجمہ: اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو، سہو۔

وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِـيْمًا ۳۲ (۱۷۶)

مردوں کا وہ حصہ ہے، جو وہ کمائیں اور عورتوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں۔
عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔(۱۷۷)

قرآن کریم کی تعلیمات اور ارشاداتِ نبی کریم ﷺ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ تعصب کی مذمت کی ہے اور معاشرے کو ہمیشہ اس برائی سے پاک رکھنے کی سعی کی ہے ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (۱۷۸)

اور خدا نے جو تم پر احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو اور اس عہد کو بھی جس کا تم سے قول لیا تھا (یعنی) جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے (خدا کا حکم) سن لیا اور قبول کیا۔ اور اللہ سے ڈرو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا دلوں کی باتوں (تک) سے واقف ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۷۹)

اے ایمان والوں! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبر دار ہے۔

حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کی فتح کے بعد جو معاہدہ لکھوایا اس کے الفاظ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا: یہ وہ امان ہے، جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ اس طرح کہ نہ ان کے گرجوں میں سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ اُن کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کے مالوں میں کمی کی جائے گی اور مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔(۱۸۰)

## 7) خلافت راشدہ میں نظم وضبط کی پابندی نہ کرنے پر حاکموں کا محاسبہ کیا جاتا تھا:

خلافت راشدہ کا یہ اعجاز ہے کہ اس میں پہلے دن سے تنقید و محاسبے کی فضا قائم تھی۔ ہر شخص نظامِ حکومت پر نگاہ رکھتا تھا، اور جہاں کہیں بھی جو برائی دیکھتا تھا، اس کو درست کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتا تھا، بلکہ گہری نگاہ سے حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ اور خود آج کے جمہوری نظام میں تنقید و محاسبے کے مقام کے سلسلے میں ایک بڑا باریک لیکن بڑا اہم فرق تھا۔ دوسرے نظاموں میں تنقید زیادہ سے زیادہ عوام کا ایک حق رہی ہے لیکن خلافت راشدہ میں یہ صرف حق ہی نہیں بلکہ ایک فریضہ بھی تھی۔ یہ بات لوگوں کی مرضی پر چھوڑ نہیں دی گئی تھی کہ چاہے محاسبہ کریں اور چاہے نہ کریں، بلکہ ان کو یہ تربیت دی گئی تھی کہ دین کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر

مسلمان صحیح طریقے پر تنقید و محاسبہ کرتا رہے اور اگر کوئی شخص اپنے اس فریضے کو ادا نہیں کرتا تو وہ اس کوتاہی پر اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہوگا۔(۱۸۱)

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "دین نام ہے خیر خواہی کا، خیر خواہی اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول ﷺ کی، مسلمانوں کے قائدین کی اور سب مسلمانوں کی۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تمہیں لازم ہے کہ نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو، اور بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف موڑ دو"۔(۱۸۲) ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ: "اگر برائی کو دیکھو تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دو، اگر اس کی استطاعت نہ رکھتے ہو تو زبان سے اس کے خلاف آواز بلند کرو، اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو کم از کم دل میں اس کو برا جانو اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔"(۱۸۳)

خلافت راشدہ کے نظام کی بنیاد زبانِ رسالت مآب ﷺ سے نکلی ہوئی انہی ہدایات پر تھی۔ یہ مقدس ذمہ داری ایک طرف انجام دی جاتی تھی تو دوسری طرف اس کو ان حدود میں رکھا جاتا تھا جو بدنظمی، انتشار، افتراق اور انارکی کے فساد سے معاشرے اور ریاست کو محفوظ رکھیں۔ (۱۸۴)

## 8) خلافت راشدہ میں نظم وضبط کے ذریعہ عوام کو نمائندگی دی گئی تھی:

دور خلافت راشدہ میں ہمیں یہ اہم چیز نظر آتی ہے کہ اس میں اپنے دور کے قبائل، برادریوں اور مشترک اجتماعی وجود رکھنے والے گروہوں کو ختم نہیں کیا گیا، لیکن پارٹی بازی اور خاندانی، قبائلی یا گروہی مفادات کو حق و باطل کا معیار ماننے کا اصول اُکھاڑ پھینکا گیا۔ جماعتیں اس لئے تھیں کہ لوگ ایک دوسرے کو جانیں، اجتماعی نظام زیادہ آسانی سے کام کر سکے۔ ہر شخص کی رائے معلوم کرنے کے بجائے ایک گروہ اور پارٹی کے قائدین کی رائے معلوم کر لی جائے اور اس طرح اس پورے گروہ کے نقطہء نظر سے آگاہی حاصل کر لی جائے، لیکن تربیت اور تعلیم کے ذریعہ سے لوگوں میں پارٹی کی عصبیت کو، پارٹی بازی اور پارٹی پرستی کو ختم کیا گیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ خلافت راشدہ نے کسی جبر و تشدد کے بغیر، غلط احساسات کو زیادہ دبا دیا، اور پارٹی پرستی کے فتنے کو اخلاق سنوار کے ذریعے ختم کر دیا۔(۱۸۵) حضرت ابو بکرؓ نے ثقیفہ بنو ساعدہ میں اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ امیر مہاجرین میں سے ہوگا اور انصار ان کے وزیر ہوں گے۔ خلفائے اربعہ نے مناصب کی تقسیم کے سلسلے میں اس بات کا پورا لحاظ رکھا کہ مختلف گروہوں میں سے اہل لوگوں کو مناصب دیے جائیں اور اس طرح ہر پارٹی کو نمائندگی ملتی رہے اور شکر رنجی نہ پیدا ہو۔ یہی خود قرآن کریم کے اس ارشاد کا بھی منشا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۱۳ (۱۸۶)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو

شناخت کرو، اور اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ نیکوکار اور پرہیز گار ہے۔

**9) خلافت راشدہ کے نظم وضبط نے جوابدہی اور ذمہ داری کا احساس پیدا کر دیا تھا:**

حضرت ابو بکرؓ میں ذمہ داری کا احساس اتنا تھا کہ گھنٹوں رویا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کاش! میں پتھر ہوتا، مگر امارت کے اس بار سے آزاد ہوتا۔ شخصی سیرت کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی پر زیادتی نہ کی، کبھی کسی کو دُکھ نہ پہنچایا اور حق کی راہ میں کبھی کوئی کمزوری نہ دکھائی۔ خدمت خلق کا یہ عالم تھا کہ خلافت سے پہلے محلے کی جن بیواؤں کا سودا لا کر دیتے تھے اور جن کی بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے خلافت کے بعد بھی اس کام کو اسی طرح جاری رکھا۔ دن کو امورِ خلافت کی دیکھ بھال اور رات کو عبادت کا اہتمام ان کا روز مرہ کا شعار تھا۔ ہمہ وقتی خدمت کے باوجود کوئی معاوضہ لینے پر تیار نہ ہوتے تھے اور بہ مشکل تیار ہوئے تو بھی وفات کے وقت ساری رقم اپنا مکان بیچ کر ادا کر دی۔

حضرت عمرؓ اس معیار پر سختی سے قائم رہے کہ اس کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔ حضرت عمرؓ کسی کروفر کے قائل نہ تھے، زمین پر سوتے، پیدل پھرتے، اپنے اونٹ کی نکیل تھام کر خود چلتے اور اپنے غلام کو آرام کرنے کے لئے اونٹ پر بٹھا دیتے۔ اپنے کپڑے خود دھوتے اور کپڑے اتنے کم تھے کہ ایک مرتبہ مسجد وقت پر اس لئے نہیں آسکے کہ کوئی دوسرا جوڑا نہ تھا اور آپؓ اپنی قمیص دھو کر سکھا رہے تھے۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ سفر شام کے دوران میں ایک جگہ راستے میں پانی عبور کرنا پڑا تو بے تکلف اُونٹ سے اُترے، چرمی موزے ہاتھ میں لئے اور اونٹ کی نکیل تھام کر پانی میں گھس گئے۔ فوج کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہاں کے لوگ آپؓ کی اس بات کو دیکھ کر بڑا تعجب کریں گے، تو آپؓ نے فرمایا: اے ابو عبیدہؓ! کاش یہ بات تمہارے سوا کوئی اور کہتا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم سب سے زیادہ ذلیل تھے، ہم سب سے زیادہ حقیر تھے اور ہم سے زیادہ کم تعداد کوئی اور قوم نہ تھی، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم کو اسلام کے ذریعے عزت دی، یاد رکھو! اگر تم اسلام کی بخشی ہوئی عزت کے سوا کوئی اور صورت عزت کی حاصل کرنا چاہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ذلیل کر دے گا۔" ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ کھو گیا تو آپؓ دھوپ میں مارے مارے پھرے تاکہ اس کو ڈھونڈھ لائیں۔ حضرت علیؓ نے یہ حال دیکھا تو بے ساختہ کہا: "آپ نے اپنے بعد آنے والوں کو تھکا دیا"۔ حضرت عمرؓ گلیوں میں پھرتے تھے کہ کوئی مستحق حکومت کی مدد سے محروم نہ رہ جائے اور اگر کسی کی مصیبت کا کوئی واقعہ سامنے آتا تو کانپ اٹھتے، خود سامان اٹھا کر لاتے، کھانا پکا کر کھلاتے اور کیا کیا کچھ نہ کرتے! اور اس سب کے بعد بھی آخر عمر میں کہا کرتے تھے کہ اگر برابر برابر چھوٹ جاؤں، نہ انعام ہی پاؤں اور نہ ہی سزا کا مستحق ٹھیرایا جاؤں تو بڑی بات ہے۔ حضرت عثمانؓ کا حال بھی یہ تھا کہ اپنا مال اور اپنی دولت دین اور اہل دین کی ضرورتوں کے لئے وقف کر رکھی تھی۔(۱۸۷)

## اسلامی ریاست میں نظم وضبط کے مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں

آج مغربی ذرائع انتہائی نظم وضبط کے ساتھ یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ اسلام ایک 'انتہا پسند'، 'قدامت پرست' اور 'دہشت گرد' مذہب ہے۔ وہ ہر مسلمان کو 'دہشت گرد' اور اسلام کو دہشت گردی کی فیکٹری قرار دیتا ہے، اور اس کے ساتھ لبرل اِزم کے نام پر مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کی حرارت نکالنے کے لئے ہر حربہ استعمال کر رہا ہے۔ فحاشی اور بے حیائی کو نہایت تیزی سے دلوں میں اتار دینے میں کوشاں ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اسلامی ریاستوں کو بھی اپنی صفوں میں نظم وضبط پیدا کرنا ہوگا، اور ایک مضبوط لائحہ عمل کے ذریعہ مخالفین کے پروپیگنڈہ کا جواب دینا ہوگا۔

**مضبوط لائحہ عمل کے بنیادی نکات:**

- ہمیں ثابت کرنا ہے کہ اسلام ہی ساری دنیا کو بھلائی دینے والا دین ہے۔
- ہمیں ثابت کرنا ہے کہ یہ امت عالم گیر امن کی دعوے دار امت ہے۔
- ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ان کی کتاب دنیا کو روشنی فراہم کرنے والی کتاب ہے۔
- ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ان کا رسول ﷺ تو تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آنے والا رسول ہے۔(۱۸۸)
- ہمیں ثابت کرنا ہے کہ مغرب کو بتایا جائے کہ خود ان کے بڑے بڑے دانش ور تسلیم کرتے ہیں کہ:

"He was the only man in history who was supremely successful on both the religions and secular levels".(189)

- یہ بھی واضح کیا جائے کہ جن کا مزاج ہی لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ہو، وہ تشدد اور دہشت گردی جیسے برے راستے پر کبھی نہیں نکل سکتے۔

امت مسلمہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سرکارِ دو جہاں، رحمت کون و مکان ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کی سیرت کا ورق ورق دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دے اور دنیا خود دیکھ لے کہ اسلام اور اسلام کی حقیقی تعلیمات کیا ہیں۔ (۱۹۰)

**ہمیں نظم وضبط قائم کرنے کیلئے عملی کام کرنے ہوں گے:**

**علم و تحقیق اور نظم وضبط:** اسلام، علم کے زیور سے آراستہ معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ اسلام علم حاصل کرنے اور رموزِ کائنات کا کھوج لگانے پر جتنا زور دیتا ہے، کوئی اور مذہب اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔(۱۹۱) اسلامی معاشرے میں جاہلوں اور بے علم لوگوں کو ہرگز وہ مقام نہیں مل سکتا جو صاحبِ علم لوگوں کو حاصل ہوا کرتا ہے۔(۱۹۲)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے اس حال میں صبح کرنی چاہئے کہ تو عالم ہو، متعلم ہو، علم سننے والا اور علم سے محبت کرنے والا ہو، اگر کوئی پانچویں صورت اختیار کی تو (یاد رکھ) ہلاک ہو جائے گا۔(۱۹۳) آپ ﷺ نے علم کو ان امور میں شامل کیا ہے جن پر رشک کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ دعا فرماتے: میرے رب! میرے علم میں اضافہ

فرما۔(۱۹۴)

اس طرح آپ ﷺ نے ایسا معاشرہ تشکیل دیا جو دلوں سے جہالت کے اندھیرے نکال کر ان کی جگہ علم کی شمعیں جلا دیتا ہے۔

**حقوقِ نسواں و نظم وضبط:** آج مغرب الزام دیتا ہے کہ اسلام عورتوں کے معاملے میں انصاف نہیں کرتا۔ اسے خبر ہی نہیں کہ اس دین کے نام لیواؤں کا خدا تو انہیں حکم دیتا ہے کہ:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰہَ عُرْضَۃً لِّاَیْمَانِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ۔ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۲۲۴(۱۹۵)

عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔

یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ کَرْہًا وَّلاَ تَعْضُلُوہُنَّ لِتَذْہَبُوْا بِبَعْضِ مَا آتَیْتُمُوہُنَّ اِلَّا اَنْ یَّأْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ وَعَاشِرُوہُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن کَرِہْتُمُوہُنَّ فَعَسٰی اَنْ تَکْرَہُوْا شَیْئًا وَیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا) ۱۹۶O

اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو، سہو۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہِ بَعْضَکُمْ عَلَی بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاء نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللّٰہَ مِن فَضْلِہِ إِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْماً) ۱۹۷O

مردوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

ان کا نبی ﷺ ان سے کہتا ہے: عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔(۱۹۸)

اسلام نے تعلیم کو کبھی ایک طبقے تک محدود نہیں رکھا۔ خواتین نے جب آپ ﷺ سے تعلیم کے لئے ملنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کے لئے علیحدہ وقت مقرر کر دیا اور الگ جگہ کا تعین فرما دیا۔(۱۹۹)

اسلام خواتین کے بارے میں کہیں رکاوٹ نہیں ڈالتا۔ انہیں برابری کا حق دے کر ان کی پوری حوصلہ افزائی کرتا ہے۔(۲۰۰)

اسلامی نظام تعلیم میں لڑکیوں کے لئے تعلیم کا انتظام الگ ہونا چاہئے۔ ان کے لئے نصابِ تعلیم الگ ہونا چاہئے کیوں کہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہوتی ہے۔ اسلامی معاشرہ خواتین کو حصولِ علم کا ہر موقع فراہم کرتا ہے اور انہیں پورا تحفظ فراہم کرتا ہے تو اس کی 'روشن خیالی' میں کہاں کمی رہ جاتی ہے۔ البتہ یورپ اگر اہل ایمان کی قندیل ایمانی کو بے حیائی اور فحاشی کی تعلیم سے مدہم کرنا چاہتا ہے۔

**عصبیت سے مبرا معاشرہ اور نظم وضبط:** غیر مسلموں کے پروپیگنڈے کے برعکس قرآنِ مجید کی تعلیمات اور ارشاداتِ نبی کریم ﷺ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ تعصب کی مذمت کی ہے اور معاشرے کو ہمیشہ اس برائی سے پاک رکھنے کی سعی کی ہے۔

وَاذْکُرُواْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَمِیْثَاقَہُ الَّذِیْ وَاثَقَکُم بِہِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰہَ إِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ

الصُّدُورِ(۲۰۱)

"اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبے سے روکا تھا تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرو"۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُونُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاء بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلاَّ تَعْدِلُوْا اعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ) O۲۰۲)

"اے لوگوں، جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔ یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسب رکھتا ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس کی فتح کے بعد جو معاہدہ لکھوایا اس کے الفاظ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا: یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ اس طرح کہ نہ ان کے گرجوں میں سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کے مالوں میں کمی کی جائے گی اور مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔

حکمرانِ امویہ، عباسیہ، اندلسیہ و فاطمیہ کے عہد حکومت میں اقوامِ غیر کا صدیوں تک آباد رہنا مسلمانوں کی بے تعصبی کی روشن دلیل ہے۔ اورنگ زیب عالم گیر کو متعصب قرار دیا جاتا ہے لیکن اس کے دربار میں ہندو امرا کی فہرست اکبر کے دربار سے زیادہ لمبی ہے۔ سیاستِ حاضرہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ بے تعصبی اور رواداری ہی ان کے زوال کا سبب بنی۔ ایک سیر چشم مسلمان یہ اعتراض تو تسلیم کر سکتا ہے لیکن یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا ہے کہ اسلام میں تعصب ہے۔(۲۰۳)

**بہترین مدنیت اور نظم وضبط:** اسلام اعلیٰ ترین مدنیت کا حامل معاشرہ فراہم کرتا ہے۔ وہ کہیں بھی انسان کو رہبانیت کا درس نہیں دیتا۔

وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا (۲۰۴)

یعنی ترکِ تمدن بدعت ہے۔

اسلام انسان کی خودی کی تعمیر کر کے اسے ایسا روشن خیال بنا دیتا ہے ہے جس کی دنیا اور دین کے درمیان فاصلے ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ اسے معاشرے کا ایسا فرد بنا دیتا ہے جس کی زندگی کا کوئی پہلو کمزور نہیں رہتا۔ وہ اسے اپنے خالق کا سچا بندہ، والدین کا سعادت مند بیٹا، رشتہ داروں کا حقوق ادا کرنے والا، تمدن کا پورا محافظ، فرماں بردار، راست گو، امانت دار، صلح پسند، فساد کا دشمن اور نسلِ انسانی کا دوست بنا دیتا ہے۔ اور پھر ایسے افراد مل کر جو معاشرہ تشکیل دیتے ہیں تو اس میں اعلیٰ ترین مدنیت از خود ہر طرف سے جھلکتی نظر آتی ہے۔(۲۰۵)

## مساواتِ انسانی اور نظم وضبط:

اسلام مساوات انسانی کا ایسا علم بردار معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں ہر شہری کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جن کا وہ حق دار ہوتا ہے۔ اسلام اس اصول کی پوری پاس داری کرتا ہے۔ اعلیٰ ترین تمدن کا دعوے دار یورپ، تمام دعوؤں کے باوجود عملاً ایسا نہیں کرتا۔ برطانیہ کی سلطنت میں، اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ اور ویلز، سب شامل ہیں۔ لیکن ان کا کوئی باشندہ آج تک برطانیہ کا وزیر اعظم نہیں بن سکا۔ کوئی کیتھولک اس عہدے تک نہیں پہنچ سکا۔ دوسری طرف تاریخِ اسلام شہادت دیتی ہے کہ یہاں ایک غلام کا بیٹا بھی دربارِ رسالت ﷺ سے فوجوں کی سپہ سالاری کا عہدہ پا سکتا ہے۔ ایک زر خرید غلام کے بیٹے کا نکاح سید البشر ﷺ کی پھوپھی زاد بہن سے ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے غلام کو مارتے ہیں۔ رسول خدا ﷺ موقع پر پہنچ کر فرماتے ہیں: جو قدرت اس غلام پر تجھے حاصل ہے اس سے زیادہ اللہ کو تجھ پر حاصل ہے۔ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمین پر گر پڑتے ہیں اور غلام سے کہتے ہیں: اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دے کہ میری نخوت نکل جائے۔ عدالت میں ایکیہودی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برابر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر کیا عظیم منشورِ انسانی پیش کرتے ہیں۔ فرمایا: لوگو! خبر دار رہو۔ تم سب کا خدا ایک ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔(۲۰۶)

## نظم وضبط قائم کرنے کے چند ناگزیر تقاضے:

ان حالات میں اب امت مسلمہ پر لازم ہے کہ:

- اسلامی ریاستوں پر لازم ہے کہ اپنی منتشر صفیں درست کریں: انتشار کے نتیجے میں اس نے آج تک بڑے نقصان اٹھائے ہیں۔ آج دنیا میں ۵۰ سے زیادہ اسلامی مملکتیں موجود ہیں۔ یہ تمام بے پناہ قدرتی وسائل اور خزانوں سے معمور ہیں لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح معنوں میں آزاد مملکت ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ان میں سے کوئی مجبور ہے تو کوئی معذور۔ ان کے درمیان اتحاد و اتفاق نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ غیر مسلم آقاؤں کی خوشنودی میں ایک دوسرے کی سلامتی سے بھی کھیل جانے سے گریز نہیں کیا جاتا۔(۲۰۷)

جدید دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر اب عالمِ اسلام پر لازم ہو گیا ہے کہ:

- اسلامی ممالک کی تنظیم (O.I.C) کو ایک مضبوط اور فعال ادارہ بنایا جائے۔(۲۰۸)
- اسلامی ممالک کا ایک مشترکہ فنڈ قائم کیا جائے اور اس فنڈ سے غریب مسلم ممالک کی ترقی کے لئے ہر شعبے میں ان کی امداد کی جائے۔(۲۰۹)

- اسلامی ممالک کی تنظیم کے تحت ایک مشترکہ اسلامی فوج قائم کی جائے تاکہ ہر جارحیت کا متحد ہو کر بروقت سدِّباب کیا جاسکے۔(۲۱۰)
- تمام اسلامی ممالک متحد ہو کر جدید سائنسی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کریں اور اس سلسلے میں کثیر تعداد میں طلبہ، اساتذہ اور ماہرین کے باہمی تبادلے سے ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے کی مشترکہ سعی کریں۔(۲۱۱)
- جدید سائنسی علوم کے حصول کی کوششوں کے ساتھ دینی اور شرعی علوم کے حصول کا حکومتی سطح اور اسلامی ممالک کی تنظیم کی سطح پر متحدہ اور مشترکہ انتظام کیا جائے۔ ماضی قریب میں غیر ملکی تسلط نے بڑے منظم طریقے سے مسلمانوں کو ان کے مذہبی علوم سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے اور مسلمانوں نے مجرمانہ حد تک ان کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ آج مسلمان اپنے دینی علوم حاصل کرنے میں شرم کیوں محسوس کرتا ہے؟(۲۱۲)
- ہر حکومت عوام میں پائی جانے والی نفرتوں کو دور کرنے کے لئے سرکاری سطح پر:
- لاؤڈ اسپیکر کے بے جا استعمال کو سختی سے روکے۔
- مناظرہ بازی کے رواج کا سختی سے سدباب کرے (مناظرہ بازی کے چسکے نے ہمیں رسوائیوں کے سوا کچھ نہیں دیا)۔
- منافرت اور انتشار پھیلانے والے لٹریچر پر کڑی پابندیاں عائد کرے۔

مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلم عوام کے اندر تہذیبی شعور (Civic Sense) بیدار کرنے کا خصوصی اہتمام کرے تاکہ ہر گھر کے اندر اور باہر طہارت، جو ایمان کی ایک بنیادی شرط ہے، پوری ہوتی نظر آئے۔(۲۱۳)

**نظم وضبط کے ذریعہ حقوق انسانی کا اسلامی تصور اجاگر کیا جائے:**

اسلامی ریاست پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ اسلامی، معاشرتی اور انسانی صفات کا عملی مظاہرہ کرے اور حقوقِ انسانی کے تحفظ کا وہ نمونہ پیش کرے جو اس کے اسلاف نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ عفو و درگزر، صبر و استقلال اور عدل و انصاف کے ذریعے وہ معاشرہ تشکیل دے جس کا مثال سرکارِ دو جہاں ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔(۲۱۴)

**نظم وضبط کے ذریعہ اسلام کی روحانی اقدار کو اجاگر کیا جائے:**

اسلام نے روحانیت کی تعلیم کو 'الاحسان' کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ اسلام میں عبادات کا مقصد ہی انسان کو روحانی تسکین فراہم کرنا اور اسے اپنے اللہ کے قریب تر لے جانا ہے۔(۲۱۵)

**نظم وضبط کے ذریعہ دل اور بدن کی اصلاح کی کی جائے:**

آج انسان کے دل اور بدن میں کوئی ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔ اس ہم آہنگی کا واحد ذریعہ اللہ کا ذکر اور صحیح معنوں میں عبادات کی بجا آوری ہے۔ اس سلسلے میں قرآن اور سیرت کا مطالعہ حد درجہ معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن کاش امتِ مسلمہ اس کا احساس کرے۔ آج ہم قرآن اور سیرت کے مطالعے کی دعوت دیتے ہوئے کیوں شرما جاتے ہیں؟ ہمیں قرآن اور سنت کے مطالعے کی اہمیت کا کیوں احساس نہیں ہوتا؟(۲۱۶)

**نظم وضبط کے ذریعہ مذاہب کے درمیان مشترکہ اخلاقی اقدار کو اجاگر کیا جائے:**

آج امت مسلمہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان اعلیٰ اخلاقی اقدار کو مل جل کر فروغ دے، جو اسلاف سے اس نے میراث میں پائی تھیں اور جنہیں اب وہ کافی حد تک گنوا بیٹھی ہے۔(۲۱۷) اور جو تمام آسمانی مذاہب میں مشترک ہیں، صداقت، امانت، دیانت، ایفائے عہد، انصاف، باہمی محبت، شفقت اور تعظیم کی صفات نہ صرف اس کے اندر پیدا ہو جائیں بلکہ ان کے فروغ کے لئے ہر مسلمان انفرادی سطح پر بھی ان کا عملی نمونہ بن جائے۔ ہر مومن ان اوصافِ حمیدہ کا اس طرح مظاہرہ کرے کہ دوسروں کے دلوں میں اس کے خلاف بھری کدورت نہ صرف نکل جائے بلکہ وہ از خود اس طرف کھچے چلے آئیں۔ (۲۱۸)

**نظم وضبط کے ذریعہ ہر مسلمان دین کا سچا داعی بن جائے:**

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مومن کا جسم اور روح دونوں صحیح معنوں میں سیرتِ مصطفی ﷺ کی پیروی میں لگ جائیں۔ وہ خدا کے سچے دین کا سچا داعی بن جائے۔ وہ ہدایت کا ایسا چراغ بن جائے جو جہاں بھی جائے، اس کے ارد گرد کا ماحول اس کے کردار اور اس کے پاکیزہ الفاظ کی کرنوں سے جگمگانے لگے۔(۲۱۹) اس کے لباس، خوراک، رہن سہن، بود و باش، بول چال اور معاملات سے وہی خوشبو آئے جو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی سیرت سے آیا کرتی تھی۔ وہ حق کا پیغام گھر گھر پہنچانے پر کمربستہ ہو جائے۔ وہ اپنے اللہ کا فرمان اور پیغمبر ﷺ کی آواز بن جائے۔(۲۲۰)

**خلاصۂ بحث:**

آپ ﷺ نے نظم وضبط کا جو ماڈل پیش کیا، وہ دنیا پرستی اور قوت و حکمرانی کے اس ماڈل سے بالکل مختلف ہے جو ہمیں دنیا کی دوسری تہذیبوں میں نظر آتا ہے۔ یہاں اگر قوت و اقتدار قیام حق کی جدوجہد کا ایک لازمی حصہ اور مرحلہ ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ یہ قوت اور یہ اقتدار اخلاق کی بالادستی، دعوت دین، رب کی اطاعت اور انسانوں کی خدمت کے شرائط سے مشروط ہیں۔ دنیا اور اقتدار خود مطلوب نہیں۔ ان کا حصول صرف دعوت رب کے ذریعے اور دعوت رب کی خاطر ہے۔ اس کا بہترین مظہر وہ مکالمہ ہے جو قریش کے سرداروں اور نبی برحق ﷺ کے درمیان ہوا۔ جب قریش نے دیکھا کہ لوگ حضور ﷺ کی دعوت کی طرف لبیک کہہ رہے ہیں تو اس سے زیادہ پہنچ

ہی نہیں سکتے تھے جو انسان کی خالص دنیوی اور طبعی سطح کی معراج ہے۔ وہ سمجھوتے کی دعوت لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے۔ ان کی سوچ بس یہیں تک جا سکتی تھی کہ انسان ساری تگ و دو کس لئے کرتا ہے۔ دولت، حسن، اقتدار، انہوں نے آپ ﷺ کو تینوں کی پیش کش کی اور یہ پیش کش دعوت کو ترک کر دینے سے مشروط تھی۔ وہ آپ ﷺ کو دولت سے مالا مال کرنے کو تیار تھے، خوبصورت ترین خاتون آپ ﷺ کے نکاح میں دینے کے لئے آمادہ تھے، آپ ﷺ کو سرداری اور اقتدار پیشکر رہے تھے۔ لیکن جو قوت، دولت اور اقتدار آپ ﷺ کے پیش نظر تھا وہ دعوت کے ذریعے اور دعوت کے لئے تھا۔ دعوت کو ترک کر کے محض اپنی ذات کے لئے نہیں۔ آپ ﷺ نے صاف کہہ دیا:

"مجھ کو مال و دولت کی تمنا نہیں، شہرت اور بادشاہت میرا مقصد نہیں، میں ہوس کا بھی شکار نہیں اور نہ کوئی اور شکایت مجھے ہے۔ میں تو اللہ کا رسول ﷺ ہوں۔ اس نے مجھے بھیجا ہے تاکہ تم کو غفلت سے چونکا دوں، برائی کا برا انجام بتا دوں اور نیکی کا نیک انجام بھی سنا دوں، اور تمہیں تمہارے رب سے ملا دوں"۔

مقصد دولت، اقتدار یا غلبہ نہیں، اللہ کی بندگی اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانا اور صرف ایک اللہ کی بندگی میں لانا تھا اور دولت، قوت، اقتدار اور غلبہ ہر چیز کلمۃ اللہ العلیٰ کے لئے تھی، خود مقصود نہ تھی، یہی وجہ ہے حکمرانی کا جو نمونہ حضور ﷺ نے پیش فرمایا وہ بادشاہوں اور دولت اور اقتدار کے پجاریوں والا نہیں، اللہ کے ایک مطیع بندے اور اللہ کے بندوں کے خادم اور خیر خواہ کا تھا۔(۲۲۱)

دعوت، تزکیہ، خدمت، اصلاح بین الناس، عدل و انصاف، دادرسی اور کرم گستری، یہ ہے سنت نبوی ﷺ میں قوت و اقتدار کا مزاج اور غلبہ دین کا حاصل اور پیغام۔ جب تک مسلمان سنت خیر الانام ﷺ کے اس مرکزی نکتہ کو ایک بار پھر حرز جاں نہیں بنا لیتے، وہ تاریخ میں اپنا حقیقی کردار ادا نہیں کر سکتے۔ اقبال نے اپنے ۱۹۳۰ء کے تاریخی خطبہ صدارت میں تصور پاکستان کا اولین نقشہ ہی پیش نہیں کیا، اس میں اسلام کے انسان ساز اور تاریخ گر کردار کو بھی نمایاں کیا ہے اور ایمان کو ایک ایسے روحانی تجربہ کے طور پر پیش کیا ہے جو انسانی معاشرے کی الہامی ہدایت کی روشنی میں تنظیم نو کرتا ہے اور پھر تاریخ کے اس زریں سبق پر توجہ کو مرکوز کیا ہے کہ:

"One lesson I have learnd from the history of Muslims: at critical moments in their history it is Islam that has saved Muslims and not vice versa".

"میں نے مسلمانوں کی تاریخ سے ایک سبق سیکھا ہے اور وہ یہ کہ ان کی تاریخ کے تمام نازک اور فیصلہ کن لمحات میں مسلمانوں نے اسلام کو نہیں بچایا۔ یہ اسلام ہے جس نے ہمیشہ مسلمانوں کو بچایا اور تحفظ اور زندگی فراہم کی ہے۔(۲۲۲)

اور جیسا امام مالکؒ نے کہا کہ مسلمانوں کو ان کے بعد کے دور میں بھی ترقی اور بلندی اسی چیز سے حاصل ہو سکتی

ہے جس سے ان کو پہلے دور میں عزت اور سربلندی میسر آئی تھی۔یعنی قرآن اور سنت رسول ﷺ۔(۲۲۳)

ظ

## حواشی وحوالہ جات


۱۔ تاریخ مسلمانان عالم (جلد اول)، مولانا قاری احمد، محمد سعید اینڈ سنز کراچی، ص ۱۰

۲۔ سورۃ البقرۃ: آیت ۱۱۷

۳۔ سیرت سرور دوعالم (جلد اول) سید ابوالاعلی مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۱۹۲

۴۔ سورۃ الروم، آیت ۱۱

۵۔ سورۃ الحدید، آیت ۴

۶۔ سورہ فصلت: آیت ۹

۷۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۵

۸۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۵۷

۹۔ سورہ نساء، آیت ۸۷

۱۰۔ سورہ الرعد، آیت ۲

۱۱۔ سورہ الرعد، آیت ۸

۱۲۔ سورہ الرعد، آیت ۹

۱۳۔ سورہ ابراہیم، آیت ۲

۱۴۔ مسلمانوں کے سیاسی افکار، پروفیسر خورشید احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۶۱ء، صفحہ: ۱۶، ۱۷

۱۵۔ سورہ الحج، آیت ۷۵

۱۶۔ سورہ الحج، آیت ۷۶

۱۷۔ سورہ النور، آیت ۳۵

۱۸۔ سورہ النمل، آیت ۲۶

۱۹۔ سورۃ الروم، آیت ۴۸

۲۰۔ بنیادی حقوق، محمد صلاح الدین، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۰۶

۲۱۔ سورۃ الروم، آیت ۵۴

۲۲۔ سورۃ الجمعہ، آیت ۴

۲۳۔ سورۃ الزمر، آیت ۲۳

۲۴۔ سورۃ الزمر، آیت ۴۲
۲۵۔ سورۃ الزمر، آیت ۴۳، ۴۴
۲۶۔ سورۃ الزمر، آیت ۶۳
۲۷۔ تحریک اسلامی اور اجتماعی تبدیلی، ڈاکٹر انیس احمد، ماہنامہ ترجمان القرآن، جون ۲۰۱۳ء، ص ۴۳
۲۸۔ سورۃ المومن، آیت ۶۱
۲۹۔ سورۃ المومن، آیت ۷۹
۳۰۔ سورۃ المومن، آیت ۸۰
۳۱۔ سورۃ الشوریٰ، آیت ۱۹
۳۲۔ سورۃ الشوریٰ، آیت ۲۰
۳۳۔ سورۃ الجاثیہ، آیت ۱۲
۳۴۔ اہل حق کی ذمہ داریاں، سید ابوالاعلی مودودی، ترجمان القرآن، جولائی، ۲۰۱۳ء، ص ۲۱
۳۵۔ رحمۃ اللعالمین، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، دارالاشاعت کراچی، ص ۲۸۱
۳۶۔ سورۃ الروم، آیت ۱۱
۳۷۔ سورۃ الروم، آیت ۴۰
۳۸۔ سیرت سرور دوعالم ﷺ، (جلد اول)، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۲۸۹
۳۹۔ سورۃ العنکبوت، آیت ۶۲
۴۰۔ سیرت سرور دوعالم ﷺ، (جلد اول)، سید ابوالاعلی مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۸ء، ص ۶۴
۴۱۔ مسلمان حکمران، رشید اختر ندوی، احسن برادرز لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۸، ۱۹
۴۲۔ سورۃ الحج، آیت ۶۸
۴۳۔ سورہ الحج، آیت ۶۹
۴۴۔ اسلام کا نظام حکومت، مولانا حامد الانصاری غازی، ندرۃ المصنفین دہلی، ۱۹۵۶ء، ص ۱۷
۴۵۔ سیرت رسول ﷺ من القرآن، سید محمد رضوان اللہ وانتظام اللہ شہابی، دائرۃ المصارف قرآنیہ، ناظم آباد، ۱۹۶۳ء، ص ۳۹۷
۴۶۔ تاریخ دعوت وعزیمت (حصہ دوم)، مولانا سید ابوالحسن ندوی، اعظم گڑھ، ۱۹۸۷ء، ص ۲۸۵
۴۷۔ رسول عربی ﷺ، محمد اجمل خان، بیت الحکمت، اردو بازار، ۱۹۵۶ء، ص ۲۳
۴۸۔ امام غزالی کا فلسفۂ مذہب واخلاق، ڈاکٹر سید حسین قادری، اردو بازار دہلی، ۱۹۶۱ء، ص ۴۵

۴۹۔ حیات سرور کائنات ﷺ (جلد دوم)، ملاواحدی، جیکب لائنز کراچی، ۱۹۵۷ء، ص ۲۰۰
۵۰۔ تاریخ اسلام، عبدالرحمن شوق، ملک دین اینڈ سنز لاہور، ص ۳۲
۵۱۔ سورہ الرعد، آیت ۲۶
۵۲۔ سورہ ابراہیم، آیت ۳
۵۳۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، علامہ شبلی نعمانی، مسلم پریس لاہور، ص ۸۷
۵۴۔ کلام اقبال
۵۵۔ القرضاوی، ڈاکٹر محمد یوسف، الصحوۃ الاسلامیہ بین الجحود، والقطرف، اردو ترجمہ، اسلامی بیداری، سید سلیمان ندوی، لاہور مکتبہ انسانیت، ص ۱۰
۵۶۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۴۳
۵۷۔ اسلامی بیداری، سید سلیمان ندوی، لاہور، مکتبہ انسانیت، ص ۱۱،
۵۸۔ ال جوہری، الصحاح لسان العرب تاج العروس بہ عنوان "مادہ شریعت"
۵۹۔ سورہ ال عمران، آیت ۱۹
۶۰۔ سورۂ التوبہ، آیت ۳۳
۶۱۔ سورۂ النصر، آیت ۲
۶۲۔ سورۂ روم، آیت ۳۰
۶۳۔ سورۂ المائدہ، آیت ۳
۶۴۔ مذاہب عالم، احمد عبداللہ سرورسی، کراچی، مکتبہ خدام ملت، ۱۹۵۸ء، ص ۴۱۵
۶۵۔ سیرت الرسول جلد ہفتم، منہاج القرآن پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۴۶۹
۶۶۔ سیرۃ ابن ہشام، مقبول اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۵ء
۶۷۔ سورۂ حج آیت ۷۸
۶۸۔ سورۂ انعام، آیت ۱۶۱
۶۹۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۳۰
۷۰۔ سورۂ ال عمران، آیت ۸۵
۷۱۔ انسان دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مولانا سید ابوالحسن ندوی، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۳۰
۷۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۶

۷۳۔ سورۂ مائدہ، آیت ۳
۷۴۔ سورۂ ال عمران، آیت ۱۰۳
۷۵۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند پہلو، قرآن کریم کی روشنی میں، مولانا سید ابوالاعلی مودودی، ترجمان القرآن، اپریل ۲۰۰۵ء، ص ۳۷
۷۶۔ سورۂ القلم، آیت ۸
۷۷۔ سورۂ توبہ، آیت ۴۰
۷۸۔ سورۂ توبہ، آیت ۸۰
۷۹۔ سورۂ ال عمران، آیت ۱۵۹
۸۰۔ سورۂ الہب، آیت ۶
۸۱۔ سورۂ توبہ، آیت ۱۲۸
۸۲۔ سورۂ الانبیاء، آیت ۱۰۷
۸۳۔ سورۂ المزمل ۷۳: آیت ۲۰
۸۴۔ سورۂ النجم ۵۳: آیات ۲۔۳
۸۵۔ سورۂ الاحزاب ۳۳: آیت ۲۱
۸۶۔ سیرت رسول ﷺ کے چند پہلو، قرآن کریم کی روشنی میں، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، ۲۰۰۵، ص ۳۷
۸۷۔ سورۂ الحج ۲۲: آیت ۷۸
۸۸۔ سیرت پاک ﷺ کا تاریخی کردار، پروفیسر خورشید احمد، لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۱۱
۸۹۔ سیرت النبی ﷺ، علامہ شبلی نعمانی، جلد اول، اعظیم گڑھ، ص ۱۶۲
۹۰۔ سیرت مصطفی ﷺ، مولانا ادریس کاندھلوی، جلد اول، ص ۱۵۲
۹۱۔ تفہیم القرآن (جلد اول)، مولانا سید ابوالاعلی مودودی، ادارۂ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۷۴، ص ۱۶۵
۹۲۔ حیات محمد ﷺ، محمد حسین ہیکل مصری، مکتبہ جدید لاہور، ص ۲۰۳۔۲۰۲
۹۳۔ اسوۂ صحابہ، مولانا عبدالسلام ندوی، ص ۳۴۔۳۲
۹۴۔ تفسیر ابن کثیر، جلد ۴، کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ روڈ کراچی، ص ۸۸، ۸۱، ۳
۹۵۔ رحمۃ للعالمین، قاضی سلمان منصور پوری، شیخ غلام اینڈ سنز لاہور، جلد اول، ص ۱۸۰
۹۶۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن، ص ۳۳۲

۹۷۔ تفہیم القرآن (جلد دوم) مولانا عبد ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۴، حاشیہ نمبر ۱۱۴، ص ۶۴
۹۸۔ معالم قرآن، مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی، ادارہ تعلیمات قرآن، سیالکوٹ، ۱۹۷۴، ص ۱۵
۹۹۔ کتب الاموال، ابوعبید، مترجم عبدالرحمن طاہر سورتی، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ۱۹۶۹ء، جلد اول، ص ۱۵۸
۱۰۰۔ محسن انسانیت، نعیم صدیقی، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۲۲۴
۱۰۱۔ کتاب الخراج، قاضی ابویوسف، مترجم: محمد نجات اللہ صدیقی، چراغ راہ کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ۳۶۷
۱۰۲۔ اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا محفظ الرحمن سیوہاروی، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۵۹ء، ص ۹۲
۱۰۳۔ اسلامی ریاست، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۵۷۸
۱۰۴۔ اسلام میں عدل اجتماعی، سید قطب سہید، ترجمہ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۷۱ء
۱۰۵۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مولانا سید ابوالحسن ندوی، ندوۃ العلماء لکھنو، ۱۹۶۷ء، ص ۱۰۳
۱۰۶۔ مسلمانوں کے سیاسی افکار، پروفیسر رشید احمد صدیقی، ادارہ ثقافت لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۵۸
۱۰۷۔ محسن انسانیت، نعیم صدیقی، اسلامک پبلی کیشنز، لاوہر، ۱۹۶۰ء، ص ۴۱۷، (جنگی کارروائیاں)
۱۰۸۔ ایضاً، ص ۲۵۹، (امت اسلامیہ کا مقام اور دعوت)
۱۰۹۔ بنیادی حقوق، محمد صلاح الدین، ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۰۶
۱۱۰۔ ایضاً، ص ۲۰۱
۱۱۱۔ اسوہ حسنہ، نعیم صدیقی، ترجمان القرآن، فروری، ۲۰۱۰ء
۱۱۲۔ بخاری، حدیث نمبر ۳۰۷۴
۱۱۳۔ کتاب الاموال، ابی عبید القاسمہ بن سلام، جلد اول، باب چہارم، ۲۰۰۶ء
۱۱۴۔ سیرت ابن ہشام، جز ۴، بیروت، ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۴
۱۱۵۔ طبقات سعد، علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد البصربی، جز اول اول، اشاعت ترجمہ ۲۰۰۳ء، کراچی
۱۱۶۔ طبقات ابن سعد، ترجمہ علامہ عبداللہ المعادی، جز اول ودوم، ۲۰۰۳، کراچی، ص ۴۰
۱۱۷۔ ابن سعد جز اول، ۱۵۸، ابن کثیر جز ۶، ۵۳، کنز العمال، ج ۴، کتاب الشمائل قسم الافعال، ۳۸
۱۱۸۔ کنزل العمال، جز ۴، ۳۸، ابن سعد طبقات جز اوّل ۱۵۷، ابن کثیر جز ۶، ۵۳
۱۱۹۔ ابن سعد، طبقات جز اوّل ۱۶۱
۱۲۰۔ ابن سعد طبقات، جز اول، ۱۵۲، ۱۵۳
۱۲۱۔ ابن سعد، طبقات، جز اول، ۱۱۳، ۱۱۴،
۱۲۲۔ کنزل العمال، جز ۴، ۳۸، ابن جزیر طبری نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔

۱۲۳۔ ایضاً
۱۲۴۔ کنزل العمال، جز۴،۳۸
۱۲۵۔ ابن سعد طبقات جز۱۱۴
۱۲۶۔ ایضاً
۱۲۷۔ ابن کثیر جز۶،۵۶ومسند احمد، ترمذی، نسائی، بخاری
۱۲۸۔ ابن کثیر جز۱۲۰
۱۲۹۔ مسلمان حکمراں، رشید اختر ندوی، احسن برادرز لاہور، ۱۹۵۵ء، ص۲۵
۱۳۰۔ تاریخ اسلام (جلد اول)، مولوی سید امیر احمد کشمیری بازار لاوہر، ۱۹۵۹ء، صفحہ ۱۰۲
۱۳۱۔ کنز العمال، جز۴،۲۹، ابن کثیر جز۶،۴
۱۳۲۔ ابن کثیر جز۶،۵۷، کنز الالعمال جز۴،۴۳
۱۳۳۔ بخاری، باب ترک رسول اللہ ﷺ دیناراً ودرھماً، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد
۱۳۴۔ رحمۃ اللعالمین، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، دارالاشاعت کراچی، ص۲۰۰
۱۳۵۔ اہل حق کی ذمہ داریاں، سید ابوالاعلی مودودی، ترجمان القرآن، جولائی ۲۰۱۳ء، ص۲۴
۱۳۶۔ امام غزاتی کا فلسفہء مذہب واخلاق، ڈاکٹر سید حسین صاحب تقادری، ندوۃ العفقین اردو بازار، دہلی، ۱۹۶۱ء، ص۴۰
۱۳۷۔ الاموال، ۵۷، صحیح بخاری، جز۵، ۱۳۸، فتح الباری جز۷، ۳۴۴، یحیٰ ابن آدم ۱۰۶، ۱۰۷، الفاظ کا کہیں کہیں اختلاف ہے۔
۱۳۸۔ التلخیص، ۲۵۶
۱۳۹۔ الاموال ۲۸۵، التلخیص ۲۵۶، مسند امام احمد باب احیاء الارض، نسائی باب احیاء الارض، ابن حبان باب احیاء الارض
۱۴۰۔ یحیٰ ابن آدم ۶۴
۱۴۱۔ الاموال ۲۷۷
۱۴۲۔ کنز العمال جز۲، ۱۸۸
۱۴۳۔ سنن ابوداؤد، جز۳، ص۳۸
۱۴۴۔ ابن ہشام، جز۴، صفحہ ۱۰۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، مصر
۱۴۵۔ ایضاً، ۱۳۸
۱۴۶۔ الاموال ۲۸۱
۱۴۷۔ مستدرک جز۳، ۵۱۷، ابوداؤد جز۳، ۱۳۸، الاموال ۲۷۳

۱۴۸۔ منصب کی طلب، محمد نصیر الدین، ترجمان القرآن، فروری ۲۰۱۲ء، ص۴۹
۱۴۹۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۵۶
۱۵۰۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ، ابوریحان ضیاء الرحمن، نیت ورک، ۱۹ مئی ۲۰۱۰ء، ص ۲
۱۵۱۔ ایضاً، ص ۳
۱۵۲۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ، ابوریحان ضیاء الرحمن، مترجم: مولانا خالد محمود صاحب، بیت العلوم لاہور
۱۵۳۔ سورہ المائدہ، آیت ۲
۱۵۴۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۰۸
۱۵۵۔ الاعراف ۷: آیت ۱۲۶
۱۵۶۔ سورہ نمل ۲۷: آیت ۱۹
۱۵۷۔ سورہ بقرہ: ۱۲۸
۱۵۸۔ ابراہیم ۱۴: آیت ۱۷۴
۱۵۹۔ صحیح بخاری، (جلد پنجم) ترجمہ: حضرت مولانا محمد داؤد راز، مکتبہ ترجمان دہلی، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰۶
۱۶۰۔ حضرت عمر کے سو حصے، شیخ محمد منشاوی، ترجمہ: مولانا خالد محمود، جامعہ اشرفیہ لاہور، ص ۶۴
۱۶۱۔ خلافت وملوکیت، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۷۳
۱۶۲۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، حدیث نمبر ۶۷۸۷
۱۶۳۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹
۱۶۴۔ سورہ شوریٰ، آیت ۳۸
۱۶۵۔ خلافت وملوکیت، سید ابوالاعلی مودودی، ترجمان القرآن، لاوہر، ۲۰۰۰ء، ص ۶۶
۱۶۶۔ سورہ ابراہیم، آیت ۳۲
۱۶۷۔ سورہ ابراہیم، آیات ۳۳۔ ۳۴
۱۶۸۔ سورہ طٰہٰ، آیت ۸
۱۶۹۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۱۰
۱۷۰۔ سورہ الحدید، آیت ۲۷
۱۷۱۔ مسلم شریف (جلد ششم)، ترجمہ: علامہ وحید الزماں، نعمانی کتب خانہ لاہور، ص ۱۷۔۱۹
۱۷۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۵۶
۱۷۳۔ سورہ طٰہٰ، آیت ۱۱۴

۱۷۴۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸
۱۷۵۔ سورہ نساء، آیت ۱۹
۱۷۶۔ سورہ نساء، آیت ۳۲
۱۷۷۔ مسلم، ج ۱، ص ۳۹
۱۷۸۔ المائدہ آیت ۱۹۴
۱۷۹۔ سورہ المائدہ، آیت ۸
۱۸۰۔ رحمۃ للعالمین، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، لاہور، ص ۳۷۵
۱۸۱۔ صحیح مسلم
۱۸۲۔ صحیح مسلم
۱۸۳۔ صحیح مسلم
۱۸۴۔ سیرت النبیؐ (جلد چہارم)، علامہ شبلی نعمانی، ادارۂ اسلامیہ لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۳۴۴۔ ۳۵۲
۱۸۵۔ اسلامی ریاست، مولانا امین احسن اصلاحی، ص ۳۲
۱۸۶۔ سورہ الحجرات، آیت ۱۳
۱۸۷۔ حضرت عمر کے سو قصے، شیخ محمد منشاری، ترجمہ: مولانا حامد محمود، جامعہ اشرفیہ لاہور، ۱۰۰۳ء، ص ۴۱
۱۸۸۔ اسلامی نظام حکومت، علامہ ابوالحسن ماوردی، کراچی ص ۱۷
۱۸۹۔ Dr. Michal Hart, The 100
۱۹۰۔ روح اسلام، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۵۶،
۱۹۱۔ ابدی اسلامی، محمد مظہر الدین صدیقی، لاہور، ص ۱۰۲، بحوالہ اسلام کی بنیادی حقیقتیں،
۱۹۲۔ اسان اسلام، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، لاہور، ص ۱۹۶۸ء ص ۱۶۸، بحوالہ، اسلام کی بنیادی حقیقتیں،
۱۹۳۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۱۲۲
۱۹۴۔ طٰہٰ، ۲۰، آیت ۱۱۴
۱۹۵۔ البقرہ، ۲۲۴
۱۹۶۔ النساء، آیت ۱۹
۱۹۷۔ النساء، ۴: ۳۲
۱۹۸۔ مسلم، ج ۱، ص ۳۹
۱۹۹۔ مسند احمد، ج ۱۳، ص ۸۵

۲۰۰۔ انسان کالم، ص ۲۴۵
۲۰۱۔ المائدہ ۵: ۷
۲۰۲۔ المائدہ ۵: ۸
۲۰۳۔ رحمۃ للعالمین، ص ۳۷۴۔۳۷۵
۲۰۴۔ الحدید ۵۷: ۲۷
۲۰۵۔ اصول اسلام، خواجہ عباداللہ اختر، لاہور، ۱۹۵۵، صفحہ ۹۵، بحوالہ اسلام کی بنیادی حقیقتیں،
۲۰۶۔ رحمہ للعالمین، ص ۸۷۔۸۹
۲۰۷۔ روح اسلام، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، لاہور، ص ۶۰، بحوالہ اسلام کی بنیادی حقیقتیں
۲۰۸۔ ابدی اسلام، محمد مظہر الدین صدیقی، لاہور، ص ۱۲۰، بحوالہ اسلام کی بنیادی حقیقتیں
۲۰۹۔ اساس اسلام، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحلیم، لاہور، صفحہ نمبر ۱۷۰ بحوالہ اسلام کی بنیادی حقیقتیں
۲۱۰۔ اصول اسلام، خواجہ عباداللہ اختر، لاہور، صفحہ ۱۰۰
۲۱۱۔ Preaching of Islam, Sir Thomas Arnold, London 1964, p. 227
۲۱۲۔ Preaching of Islam, Sir Thomas Arnold, London 1964, p. 227
۲۱۳۔ تاریخ اسلام، سید امیر علی، ۱۸۷۹ء لاہور، صفحہ ۳۶۸
۲۱۴۔ کاروان اسلام، رئیس احمد جعفری، ڈھاکہ، ص ۸۷۷
۲۱۵۔ کاروان اسلام، رئیس احمد جعفری، ڈھاکہ، ص ۸۰۰
۲۱۶۔ تاریخ اسلام، ڈاکٹر حمید الدین، کراچی، صفحہ ۷۹
۲۱۷۔ تاریخ اسلام، ڈاکٹر حمید الدین، کراچی، صفحہ ۷۹
۲۱۸۔ سیرت النبی ﷺ، مولانا مودودی، لاہور صفحہ ۱۶۰
۲۱۹۔ سیرت النبی ﷺ، مولانا مودودی، لاہور صفحہ ۱۶۰
۲۲۰۔ کیمیائے سعادت، امام محمد غزالیؒ، لاہور ۱۹۸۰ء، صفحہ ۹۹
۲۲۱۔ سیرت ابن ہشام
۲۲۲۔ علامہ اقبال کا تاریخی خطبہ الہ آباد، ۱۹۳۰ء
۲۲۳۔ موطا، امام مالک

# [[020]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

صالحہ عثمان غنی عالم-کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جس طرح آسمان کی بلندیوں پر تابندہ روشن ستاروں کی تابندگی ان کی ذاتی نہیں بلکہ سورج کی روشنی سے مستفاد ہوتی ہے بعینہ اسی طرح تقدیر ملت کے ان ستاروں کی روشنی بھی اس کی ذاتی نہیں ہوسکتی اس کے لئے استفادۂ نور کا کوئی "منبع ومرکز" اگر ممکن ہے تو وہ نورِ نبوت اور مشکوٰۃ نبوی ﷺ ہوسکتا ہے یہی وہ "چراغ اور سراج منیر"(۱) ہے جس سے نورِ ہدایت پھوٹتے ہیں۔ اس نورِ ہدایت اور اس کی دمکتی ہوئی روشنی میں صراط مستقیم (۲) کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ بحر ذخار ہے جس سے زندگی کی خشک وبنجر زمین کو سیراب کرکے قابل کاشت بنایا جاسکتا ہے یہی مقام انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن کے لیے غازہ بہار ہے اور مایوس انسانیت کے لئے آس وامید کی کرن ہے اور فقط نبوت ہی ہے جس کے خورشید منور کی ضیاپاش کرنوں سے بزم انسانیت کی تاریکیوں اور ظلمتوں کا دور ختم ہوکر صبح سعادت کا آغاز ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا:

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کردیا — دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا
جو نہ تھے خود راہ پر غیروں کے رہبر بن گئے — کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

نبوت کا یہ چراغ اپنی تمام تر روشنیوں کے ساتھ حیاتِ انسانی کے ہر شعبے اور ہر شعبے کی ہر جہت اور ہر ہر پہلو میں مینارۂ نور بن کر اسوۂ نبی اکرم ﷺ کی صورت میں انسانوں کی صحیح رہنمائی کے لئے اپنی تمام تر برکات کے ساتھ موجود ہے جو چاہے اور جب چاہے اس سے اپنی ہدایت ورہنمائی کا سامان باہم لے سکتا ہے۔ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ، حَسَنَةٌ" (۳) کہہ کر اللہ رب العزت نے کامیابی وکامرانی کے متلاشی ساری دنیا کے انسانوں کو خبر دے دی کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منبع البرکات ذات بہترین نمونہ ہے اس لئے ہدایت کے خواستگار کو چاہئے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت وسکون، نشست وبرخاست، سیادت وقیادت، امارت وحکومت اخلاق وکردار، معاشرت، معیشت وتجارت، صبر وقناعت، زہد وعبادت، مروت وشجاعت، عدل، اور نظم وضبط بلکہ ہر ہر عمل کے اندر کامیابی وکامرانی کے لئے نبی اکرم صلی اللہ وسلم کے طور طریق کو بطور نمونہ اپنے پیش نظر رکھیں۔

کائنات کی تاریخ میں صحابہ کرام کی مقدس جماعت نے نبی کریم ﷺ کے طور طریق بطور اسوہ اپنا کر ہر

میدان میں فتح مندی کا وہ پرچم لہرایا دنیا جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسی لئے سرور کائنات ﷺ کے طرز حیات کے مقابلے میں دنیا کی کوئی تہذیب وتمدن، کوئی ثقافت ومعاشرت اور طرز حیات ان کی آنکھوں کو خیرہ اور دلوں کو فریفتہ نہ کر سکی۔ تقدیر ملت کے ستاروں کی روشنی اس وقت تک ماند نہیں پڑ سکتی جب تک عوام الناس کے ہاتھوں میں "اسوۂ حسنہ" کی مشعل اپنے پورے استحکام کے ساتھ باقی رہے گی۔ عوام الناس اور ملت کے افراد اسوۂ نبوی ﷺ کے ہر شعبے میں پائے جانے والے نظم وضبط، توازن، اعتدل، ضابطے اور ضابطۂ حیات کے اصول پر عمل پیرا ہو کر دین ودنیا میں کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر پورا مسلم معاشرہ بلکہ پوری دنیا امن وامان کا گہوارہ بن سکتی ہے۔(۴) شاعر مشرق علامہ اقبال نے کہا تھا۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا(۵)

اگر عوام الناس اپنی حیثیت کو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں سمجھیں اور اس پر عمل کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو یقینا ہمارا بگڑا ہوا معاشرہ اصلاح کی راہ پر گامزن ہو جائے اور گھر، خاندان، اور معاشرہ چین وسکون اور امن وامان کا گہوارہ بن جائے۔ شاعر نے بڑے ہی درد کے ساتھ کہا ہے کہ

اگر ہم اپنی روش بدل کر رہ ہدایت پہ ہوں روانہ
خدائی نصرت بھی ساتھ ہو گی مٹے گا یہ دور جابرانہ

## نظم وضبط کیا ہے؟

ضبط عربی زبان میں ثلاثی مجرد کے باب سے مشتق اسم ہے، اردو میں بطور اسم مستعمل ہے۔ اس کے معنی انتظام، نظم ونسق، بندوبست، تحمل، برداشت اور صبر کے ہے۔

A way of behaving that shows a willingness to obey rules or orders or Behavior that is judged by how well it follows a set of rules or orders.(6) or A process of controlling one's behavior and actions, either through self-motivation or through teaching and punishment.(7)

## بعثت نبوی ﷺ سے قبل نظم وضبط:

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی تمام عرب قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ ان قبائل کی باہمی شیرازی بندی نسب اور اتحاد خون کے واسطے سے ہوتی تھی۔ قبیلہ کی حکومت جمہوری طرز ہوتی تھی۔ ہر قبیلہ کا رئیس اعلیٰ اہل قبیلہ سے ہوتا۔ جمہوری اصول کے مطابق وہی شخص منصب سیادت کا اہل ہوتا۔ جس کے حامی

سب سے زیادہ ہوں۔ وہ شجاعت مہمان نوازی اور فیاضی میں ممتاز حیثیت میں رکھتا تھا۔ قبیلے کا رئیس کنبوں کے دوسرے سرداروں کو جمع کرتا۔ اس سے "مجلس القبیلة" تشکیل پاتی تھی۔ اس میں جنگ و صلح، دوسرے اہم امور کے متعلق گفتگو ہوتی۔ قبیلے کا کوئی قانون نہ ہوتا۔ (۸) قبائلی جھگڑے سالوں ختم نہیں ہوتے تھے۔ مسدس حالی میں اس کی منظر کشی اس طرح کی گئی ہے۔

بنی بکر اور تغلب کی باہم لڑائی — صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی — تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی

مزید فرماتے ہیں:

نہ ٹلتے تھے ہر گز جواڑ بیٹھتے تھے — سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے — تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گرواں شرار — تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا(۹)

عرب میں مرکزی حکومت کے فقدان کی وجہ سے نہ کوئی محکمہ عدلیہ تھا، نہ نظم امن کو قائم رکھنے کے لیے محکمہ پولیس تھا اور خارجی خطرات کے دفاع کے لیے فوجی نظام نہ ان کے پاس اپنا سکہ یا یکساں تھی۔ مرکزی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ہی ایک قبیلہ ودسرے قبیلہ پر حملہ کر دیتا۔ مظلوم قبیلہ کے مرد وزن کو تہ تیغ کر دیے جاتے۔

دورِ جاہلیت میں قبیلہ کا مفہوم افرادِ انسانی کا وہ مجموعہ تھا جو ایک خطہ پر قیام پذیر ہو، قبیلہ کا شیخ ان کا حاکم تھا وہ قبیلہ کے افراد کے نسب اور خون کے رشتہ کی بناء پر شیرازہ بندی کرتا تھا اور افراد کی امداد سے قبیلہ کی فلاح و بہبود میں کوشاں رہتا تھا، عربوں میں عہد حاضر کی حکومتوں میں سے کسی نوع کی حکومت وجود نہ تھا، نہ ان کے ہاں آج کی طرح عدالت کا نظام تھا، جہاں وہ جھگڑے قضیوں کا فیصلہ کرائے جاتے، نہ پولیس تھی جو امن وامان قائم رکھتی اور نہ فوج تھی جو بیرونی خطرات کی مدافعت کرتی، عرب کسی منظم حکومت کے ماتحت نہ تھے، اس لئے ٹیکس وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ان میں مظلوم اپنا انتقام ظالم سے خود لے لیتا تھا، اس وقت قبیلہ کا فرض ہوتا تھا کہ وہ اس کی پشت پناہی کرے اگر ظالم اپنے ظلم کی تلافی کر دیتا تو پھر اس سے انتقام لینے کا حق نہ رہتا، اگر ظالم خود مظلوم کا کوئی عزیز رشتہ دار ہوتا تو وہ تنہا اسی سے اپنا بدلہ لے لیا کرتا، قبیلہ اس وقت دخل نہ دیتا۔ شرفاء عرب اپنے ایک امیر کی قیادت میں لڑتے اور امن کے زمانے مین ان کی حیثیت ایک منظم سوسائٹی یا معاشرہ کی ہوتی تھی۔ (۱۰) الطاف حسین حالی فرماتے ہیں:

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر لوٹ اور مار میں تھا بیگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے　　درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے(۱۱)

اسلام نے نظم وضبط قائم کیا: نسل انسانی اور تہذیب و تمدن کی اس جان کنی کے عالم میں جزیرۃ العرب میں اللہ تعالیٰ نے ایک برگزیدہ ہستی کو پیدا کیا اور نوع انسانی کو نہ صرف بچانے بلکہ انسانیت کے اس اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک پہنچانے کا دشوار ترین اور نازک ترین کام سپرد کیا، جو مورخوں کے وسیع تجربے اور شاعروں کے بلند تخیل سے بھی فزوں تر تھا اور اگر اس کے لیے ناقابل انکار تاریخی شہادتیں اور متواتر ذرائع نہ ہوتے، تو اس کا یقین کرنا مشکل تھا، یہ سید البشر، امام الانبیاء، ختم الرسل، نبیٔ رحمت، سرکار دو عالم، در یتیم، بے مثل سپہ سالار، حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات تھی، جو چھٹی صدی مسیحی میں ظہور میں آئی، آپ ﷺ کا پہلا کام یہ تھا کہ اس تلوار کو جو بنی نوع انسان کے سر پر لٹک رہی تھی اور کوئی گھڑی، اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کر دے، ہٹالیا اور اس کو وہ تحفے عطا کیے، جنہوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی عزت، نئی تہذیب اور نئی منزل سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت، تہذیب و تمدن، علم و فن، روحانیت و اخلاص، نظم وضبط، منصوبہ بندی، انتظام و انصرام اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا، آپ ﷺ نے انسانی معاشرہ کو ایک بے بہا دولت عطا کی، جو کہ انسانیت کے لیے خیر و برکت اور تہذیب و تمدن کی تعمیر و ترقی کا محور اور قیمتی سرمایہ ہے، بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ اور شرک کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توسیع و ترقی کے لیے قربانیاں دینے کا مبارک عزم، انسان کی تمام تر ترقیات، سربلندیوں اور ناقابل فراموش کارناموں کا اصل اور اساسی سبب یہی مقدس جذبہ اور مبارک عزم ہے۔(۱۲)۔ خواجہ الطاف حسین حالی فرماتے ہیں:

مسِ خام کو جس نے کندن بنایا　　کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا　　پلٹ دی بس اک آن میں ان کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا　　اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا(۱۳)

ہم جانتے ہیں کہ منتشر اینٹیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، انہیں یکجا کر دیا جائے تو عمارت بنتی ہے، بکھرے ہوئے موتی اکٹھے ہو جائیں تو گلے کا ہار بن جاتا ہے۔ امت کے تمام طبقات اس پر متوجہ ہوں پھر یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پوری دنیا کو بتائیں کہ ہمارا دین کس طرح نظم وضبط اور امن کے لیے کوشاں ہے۔ اسلام بدنظمی، انتشار، شیر از ہندی، فرقہ واریت اور دہشت گردی کا دین نہیں بلکہ یہ امن و سلامتی کا اور عالمی نظم وضبط ضامن ہے۔ اللہ کی خاص توفیق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منتشر اور غیر متحد، آپس میں دست و گریباں رہنے والے، قبائل کے درمیان اتحاد پیدا کر دیا۔ جس پر ہندو شاعر پنڈت ہری چند اختر داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا | کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
زندہ ہو جاتے ہیں وہ جو مرتے ہیں حق کے نام پر | اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُر یتیم | اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولیٰ کر دیا
کہہ دیا لا تقنطوا اختر کسی نے کان میں | آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اور دل کو سر بسر محو تمنا کر دیا | اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا(۱۴)

ہجرت نبوی ﷺ کے بعد مدینے میں رسول اللہ ﷺ نے شہری نظام کے بنیاد رکھ دی تھی، مدینہ میں اسلامی ریاست کا باقاعدہ نظام قائم تھا، رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حجاز و یمن کے بڑے بڑے شہروں اور بڑے بڑے قبیلوں میں حکام کا تقرر کیا گیا تھا۔ اس وقت ان حاکموں کے اختیارات کا دائرہ نماز کی امامت اور صدقات کے جمع و انتظام تک محدود تھا۔ اور ان کی کوئی سیاسی حیثیت نہ ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ سے کسی غزوہ کے لئے روانہ ہوتے تو مدینہ میں اپنے کسی صحابی کو اپنا قائم مقام بنا جاتے۔ وہ آپ ﷺ کی بجائے نماز میں امامت کرتا۔ جب کسی شخص کو سپہ سالار بنا کر روانہ فرماتے تو امامت کے علاوہ انتظامی اور فوجی اختیارات بھی اس کے سپرد کر دیئے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ حاکموں کے انتخاب کے وقت یہ خیال رکھتے تھے کہ ان کا پایہ صلاح و تقویٰ، علم و عمل اور تفقہ اور بصیرت کے لحاظ سے بلند ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے عتاب بن اسید گورنر مکہ کی تنخواہ ایک درہم یومیہ مقرر فرمائی تھی۔ اس سے قبل ان حاکموں کی باقاعدہ تنخواہوں کا معمول نہ تھا۔ فتوحات اور مالِ غنیمت سے انہیں حصہ مل جاتا تھا، یہی ان کی تنخواہ خیال کی جاتی تھی۔(۱۵)

ابن عبد ربہ (۱۶) اور دیگر مؤلف بیان کرتے ہیں کہ مکے میں دس ہی سرکاری عہدے تھے، جن کو دس قبائل کے سردار موروثی طور سے انجام دیا کرتے تھے۔"(۱۷) حقیقت میں ہمیں دس سے بہت زیادہ اداروں کا پتہ چلتا ہے جن کی تفصیل عرب مؤلفوں کی کتابوں کی ورق گردانی پر معلوم ہو سکتی ہے، خود ابن عبد ربّہ نے اگرچہ صراحت سے بیان کیا ہے کہ مکے میں سردار دس ہی تھے لیکن خود اسی مولف نے سترہ عہدوں کے نام گنائے ہیں اور بعض سرداروں کو ایک سے زیادہ عہدوں پر مامور بتایا ہے۔ ان سترہ عہدوں پر ہم موجود مآخذ سے چار پانچ اور عہدوں کو بڑی آسانی سے اضافہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کی فہرست یہ ہے۔ ۱۔ ندوہ، ۲۔ مشورہ، ۳۔ قیادہ، ۴۔ سدانہ، ۵۔ حجابہ، ۶۔ سقایہ، ۷۔ عمارۃ البیت۔ ۸۔ افاضہ، ۹۔ اجازہ، ۱۰ نسی، ۱۱۔ قُبہ، ۱۲۔ اعنہ، ۱۳۔ رفادہ، ۱۴۔ اموال محجرہ ۱۵۔ ایسا، ۱۶۔ آشناق، ۱۷۔ حکومہ، ۱۸۔ سفارہ، ۱۹۔ عقاب، ۲۰۔ لواء، ۲۱۔ حُلوان النضر اولاً آبادی یا شہریوں کو "جماعہ "(۱۸) کا نام دیا جاتا تھا، یہ لفظ آپ ﷺ نے بھی برقرار رکھا اور اس سے مراد آپ ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کے متبعین کی پوری ہوتی تھی، جو باقی دنیا سے ممتاز ایک وحدت تھی اور بحرین کے حکمران کے نام جو مکتوب نبوی ﷺ گیا۔(۱۹)

اس میں میں بھی اسے دعوت دی گئی ہے کہ وہ اس "جماعہ" میں شریک ہو جائے۔

**اسلامی ریاست:**

قرآنِ کریم ایسا اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے، جس میں عوام الناس اخلاقی اصولوں، نظم وضبط کے پابند ہوں اور جو معاشرہ ان افراد پر مشتمل ہو، وہ ان مستقل اقدار کا حامل ہو جو عالمگیر انسانیت کو اس کی منزلِ مقصود تک لے جائے اور یہ ہے قرآن کا وہ نظام جس کی مثال کسی اور جگہ نہیں مل سکتی۔ قرآنی تعلیم اپنی اس خصوصیتِ کبریٰ کی بناء پر بے مثل و منفرد ہے۔ قرآن میں مومنین کی ان انفرادی اور اجتماعی خصوصیات کا ذکر اس تفصیل، کثرت اور تکرار سے آیا ہے کہ اس سے افراد کی سیرت و کردار کا صحیح نقشہ اور جماعتِ مومنین (اسلامی معاشرہ) کا بیّن اور واضح تصور سامنے آجاتا ہے۔ اکثر مقامات پر ان انفرادی اور اجتماعی خصوصیات کا ذکر الگ الگ آیا ہے لیکن بعض مقامات پر یہ ایک دوسرے میں یوں سموئی ہوئی سامنے آتی ہیں جیسے ایک حسین وشاداب شجرِ طیّب کہ اگر اس کی شاخوں، پتیوں، پھولوں اور شگوفوں کو الگ الگ بھی دیکھا جائے تو پورے کا پورا درخت باعثِ شاداب ء قلب و نظر ہو جائے اور اگر، اس سرسبز وشاداب درخت پر بہ ہیئتِ مجموعی نگاہ ڈالی جائے تو اس کی تمام پھول پتیوں کی نزہت و نظافت وجہ نشاط روح بن جائے۔(۲۰)

اسلام رہبانیت کا شدید مخالف ہے۔ اس لیے کہ" لا رهبانية في الاسلام "رہبانیت خلافِ اعتدال اور خلاف نظم وضبط ہے، لہٰذا اسلام میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں، لیکن مغرب کی بے روح مادہ پرستی بھی ناگوار شے ہے، اس لیے کہ بے روح معاشرہ احترامِ انسانیت کے تصور ہی سے محروم رہ جاتا ہے اور نتیجتاً اخلاق کی ناقہ بے زمام ہو جاتی ہے۔ رحم اور ہمدردی کا جذبہ ناپید ہو جاتا ہے۔ ہوس سود کی کوئی حد نہیں رہتی۔ معاشرہ طبقات کی نذر ہو جاتا ہے۔ گویا عالمِ انسانیت وحشت کدہ بن کر رہ جاتا ہے۔ نظم وضبط، اعتدال پسندی، توازن، سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ علامہ اقبال کو نہ رہبانیت پسند ہے اور نہ مادہ پرستی، چنانچہ وہ اپنے دَور کے مشرق و مغرب، دونوں سے خوش نہ تھے:

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا(۲۱)

اسی طرح جاوید نامہ میں رقمطراز ہیں

غربیاں را زیر کی سازِ حیات — شرقیاں را عشق رازِ کائنات
زیرکی از عشق گرد و حق شناس — کارِ عشق از زیرکی محکم اساس
خیز و نقشِ عالمِ دیگر نبہ — عشق را بازیر کی آمیزدہ(۲۲)

**مثالی مدنی اسلامی ریاست:**

اس سے کوئی بھی ذی روح انکار نہیں کر سکتا کہ اگر کوئی، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں جمہوری اور سیاسی نظام مرتب کرے گا تو اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ آپ ﷺ کی قائم کردہ نظم وضبط سے بھر پور مدینے کی مثالی اسلامی ریاست کو اپنے لیے رول ماڈل بنائے۔ اہالیان پاکستان تو مدینے اور تاجدار مدینہ دونوں سے جذباتی وابستگی رکھتے ہیں اس لیے کسی کو بھی اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا کہ ہمارے لیے مدینے کی ریاست بنیاد ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینے کی مثالی ریاست کو اول درجے کے عامل حکومت کی حیثیت سے انسانی سوسائٹی کی تشکیل، جامعہ اسلامیہ کی تنظیم اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کارنام انجام دیئے۔(۲۳) وہ مختصراً اور مستند سے مستند الفاظ میں یہ ہیں۔

☆۔ حکومت کی ہستی کو متام بے فائدہ نمائشوں، تباہ کن جعلسازیوں اور سرمایہ دارانہ آرائشوں اور آلائشوں سے پاک وصاف کیا۔ دنیا کے دائرہ میں حکومت کو عوام کی چیز بنایا اور عوام کے اختیار کو اس کے سیاسی مزاج میں داخل کیا۔(۲۴)

☆۔ حکومت کو ریاست عامہ قرار دیا اور اس کی فطرت میں اس درجہ سادگی کو داخل کیا، جس کی وجہ سے تاج و تخت، قصور و محلات، حاجب و دربان، حشم و خدم، بڑی بڑی تنخواہوں والے حکّام اور رشوت خور عمال سب ختم ہو گئے۔(۲۵)

☆۔ انصاف کی حقیقت کو نافذ کیا جس سے انصاف کا حصول آسان اور خود انصاف سستا ہو گیا، انصاف کا مقصد کمزور کی حمایت اور فریقینِ مقدمہ کی باہمی صلح اور اصلاح ٹھہرانا کہ دونوں کے مفاد کی تباہی اور گھروں کی ویرانی۔

☆۔ آپ نے انسانی حقوق کی مساوات کا اعلان کیا، مناسب محصول عائد کیے اور اس کام کے لیے مالیات کے افسر مقرر اور دفتر مالیات قائم کیے۔

☆۔ سرکاری روپے کے لیے قانون مقرر کیا کہ امیروں پر ٹیکس لگایا جائے اور غریبوں پر خرچ کر دیا جائے۔

☆۔ انتظامی حلقے قائم کیے۔ مدینے کو دارالسلطنت بنایا اطراف کے لیے حکام مقرر کیے، تقرر کا معیار کردار، کام کی اہلیت، علم سے بہرہ مند ہو اور حاکم رائے عامہ کے مطابق مفاد عامہ کے لیے کام کرے۔

☆۔ آپ ﷺ نے شوریٰ کو سلطنت کے کاموں کی روح قرار دیا، حکومت کے مزاج میں مرکزیت، قوت اور استحکام پیدا کرنے کے بعد حکم دیا کہ حکومت کے کام شوریٰ سے طے کیے جائیں۔ (۲۶)

☆۔ آپ ﷺ نے فوجوں کی تنظیم کی اور نو جنگوں اور اٹھارہ دفاعی و اکتشافی حربی مہموں میں حصہ لیا۔ انتالیس عسکری مہموں کو اپنے حکم سے محاذ پر بھیجا اور فوج کے کمانڈر مقرر کیے۔ جنگ میں انسانیت کے طریقوں کو

جاری کیا۔ فتح میں انسانی خون کی قدر و قیمت کی حفاظت کی اور صلح کے وقت معاہدوں کے لیے نیا معیار مقرر کیا۔(۲۷)

☆۔ بین الاقوامی معاملات کی درستی کے لیے سلاطین، امراء، والیان ریاست کو فرمان لکھے اور سب کو ایک خدا کے نام پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ مختصر یہ کہ پیغمبری، سیاست اور حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس کے لیے آپ ﷺ نے کوئی اصول اور قانون نہ پیش کیا ہو۔(۲۸)

اسلامی نظم و ضبط اور نظم و نسق ایک فن ہے جس کے ذریعہ سے اسلامی حکومت کا نظام چلتا ہے اور ایک طریقہ ہے جس کی رو سے ریاست عامہ کے افراد اپنی بہتری کا کام انجام دیتے ہیں۔ اسلامی سیاست عدل اور اعتدال کے ساتھ اسلام کے قوانین کے مطابق حرکت کرتی ہے اور ان اغراض کے لیے منظر عام پر آتی ہے جن کا تعلق امت کے افراد اور عام انسانی بہتری سے ہے۔(۲۹)

قرآن عظیم میں سیاست کے ہم معنی "حکمت" ایک ایسا لفظ ہے جس کا اطلاق سیاسی حکمت عملی پر بھی ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ حکمت کا لفظ سیاست کے مفہوم کو بھی پیش کرتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے وسیع مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن میں ملک و ملت اور قانون کے ساتھ ساتھ بار بار حکمت کا ذکر کیا گیا اور ایک فرمان میں کہا گیا ہے کہ "اللہ رب العالمین جس کو حکمت سے بہرہ مند کرتا ہے وہی زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرتا اور خیر کثیر کا مستحق ہے۔" یہ امر اس کا واضح ثبوت ہے کہ حکمت کا تعلق سلطنت کی حکمت عملی سے بھی ہے۔(۳۰) علمائے اسلام نے واضح طور پر اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ حکمت کا تعلق حکومت، احکام حکومت، محاکمِ حکومت، دین کی فلاح، دنیا کی عام اصلاح اور نظم و ضبط سے ہے۔ قرآن اور قانون سنت کے احکام کا اجراء بھی حکمت ہی سے متعلق ہے کیونکہ یہی دونوں چیزیں ریاست عامہ کی سیاست کا مآخذ ہیں۔ (۳۱)

## اسلامی ریاست میں نظم وضبط سیرۃ الرسول ﷺ کی روشنی میں

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ ہماری ہر میدان میں رہنمائی کرتی ہے اور تا قیام قیامت رہنمائی کرتی رہے گی، اسلامی ریاست میں نظم و ضبط، عدل، توازن، جمہوری اور سیاسی نظام کے حوالے سے بھی آپ ﷺ کی پاکیزہ سیرت ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہے، چنانچہ اس مقالے میں سیرت رسول ﷺ کی انتظامی، آئینی، و دستوری اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں، جس کی روشنی میں اسلامی ریاست کا نظم و ضبط، نظم و نسق، انتظام و انصرام، آئینی و دستوری خدوخال واضح ہو جاتے ہیں۔

۱۔ اسلامی ریاست میں اعلیٰ ترین حاکمیت اللہ اور رسول ﷺ (Supreme Authority of Almighty Allah and Holy Prophet) کی ہو گی۔

۲۔ قرآن و سنت ملک کا اعلیٰ ترین قانون (Quran & Sunnah Supreme Law of State) ہو گا۔

۳۔ عدلیہ کی بالادستی (Supermacy of Judiciary) کو ہر حال میں یقینی بنایا جائے گا۔

۴۔ آئینی نظام کے نفاذ کا وجوب (Essentiality of Enforcement of Constitution) کے درجے کا حامل ہو گا۔

۵۔ قانون کی حکمرانی و بالادستی (Rule of Law) ہو گی۔

۶۔ آئینی و سیاسی عہدے شرائط اہلیت (Qualification for Constitutional and Political Office) کے حامل افراد کو ہی دئے جائیں گے۔

۷۔ سربراہ مملکت (Muslim Head of State) مسلمان ہو گا۔

۸۔ ریاستی و حکومتی عہدے بطور امانت و نیابت (State Responsibilities as Trust) سونپے جائیں گے۔

۹۔ ہر شہری آئینی منصب امانت (Constitutional Status of Trustee for every Citizen) کا حامل ہو گا۔

۱۰۔ حکومت کا حقِ اطاعت مشروط (Conditional Superordination of State) ہو گا۔

۱۱۔ ہر عاقل و بالغ کو حق رائے دہی (Adult Franchise) حاصل ہو گا۔

۱۲۔ حق رائے دہی جنسی امتیاز (No Gender Discrimination in Adult Franchise) سے ماوراء ہو گا۔

۱۳۔ اختلاف رائے کو بنیادی حقوق (Difference of Opinion as Fundamental Right) کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔

۱۴۔ اکثریت کی رائے کا احترام (Respect of Majority Opinion) کیا جائے گا۔

۱۵۔ اسلامی حکومت، منتخب اور نمائندہ حکومت (Elected and Representative Govt) ہو گی۔

۱۶۔ نظام حکومت کی ہیت ترکیبی (Structure of Govt System) عوام کی صوابدید پر ہو گی۔

۱۷۔ حکومت دوطرفہ معاہدہ (Govt - a Biletral Contract) متصور ہو گا۔

۱۸۔ حکومت کا مقصد نظام عدل و فلاح کا قیام (Purpose of Govt Maintenance of Justice & Welfare System) ہو گا نہ کہ شخصی اقتدار کا قیام۔

۱۹۔ حکومت اور عوام کو باہم حقوق و فرائض (Duties & Rights of Govt & People) حاصل ہوں گے۔

۲۰۔ اقتدار کے اختیار کا مقصود خلافت نبوی کا نفاذ (Viceregency of Holy Prophet in Exercise of Govt Powers) ہو گا۔

۲۱۔ مذہبی آزادی کی ضمانت(Guarentee of Religious Freedom)دی جائے گی۔
۲۲۔ سیاسی آزادی کی ضمانت(Guarentee of Political Freedom)دی جائے گی۔
۲۳۔ بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت(Guarentee of Equal Human Rights)ہو گی۔
۲۴۔ حکومتی اختیارات کی جواب دہی(Accountability in Exercise of Govt. Powers)ریاست کے آئینی نظام کا حصہ ہو گی۔(۳۲)

**قرآن کریم کی روشنی میں اسلامی ریاست اور نظم وضبط:**

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وہ آخری آسمانی کتاب ہے، جو پوری انسانیت کی تا قیام قیامت رہنمائی کرتی رہے گی، اس کتاب مبین میں حکومت، سیاست اور جمہوریت کے حوالے سے بھی ہماری مکمل رہنمائی کی ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ حکم، فیصلہ، اور اوامر و نواہی کا حکم دیا گیا ہے اور ان سب کا تعلق سیاست، حکومت اور جمہوریت سے ہے۔

قرآن کریم کی آیات بینات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اِنِ الْحُکْمُ إِلاَّ لِلّٰہِ اَمَرَ اَلاَّ تَعْبُدُوْا اِلاَّ اِیَّاہُ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ(۳۳)
حکم سوائے اللہ کے کسی اور کا نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو یہی صحیح دین ہے۔

۲۔ یَقُولُونَ ہَلْ لَّنَا مِنَ الأَمْرِ مِن شَیْءٍ قُلْ إِنَّ الأَمْرَ کُلَّہُ لِلّٰہِ(۳۴)
وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

۳۔ وَلاَ تَقُولُواْ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ہَـذَا حَلاَلٌ وَہَـذَا حَرَامٌ (۳۵)
اپنی زبانوں سے یونہی غلط سلط نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

۴۔ وَمَن لَّمْ یَحْکُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰہُ فَأُوْلَـئِکَ ہُمُ الْکَافِرُونَ(۳۶)
جو اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی دراصل کافر ہیں۔

اس نظریے کے مطابق حاکمیت(Sovereignty)صرف خدا کی ہے۔ قانون ساز (Law Giver) صرف خدا ہے۔ کوئی انسان خواہ وہ نبی علیہ السلام ہی کیوں نہ ہو بذات خود حکم دینے اور منع کرنے کا حقدار نہیں۔ نبی خود بھی اللہ کے حکم ہی کا پیرو ہے۔

۵۔ إِنْ اَتَّبِعُ إِلاَّ مَا یُوحَی إِلَیَّ(۳۷)
میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔

عام انسان نبی کی اطاعت پر صرف اس لیے مامور ہیں کہ وہ اپنی حکم نہیں، بلکہ خدا کا حکم بیان کرتا ہے:

۶۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلاَّ لِیُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰہِ(۳۸)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن (Sanction) کے تحت اس کی اطاعت کی جائے۔

۷۔ أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ آتَیْنَاہُمُ الْکِتَابَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ(۳۹)

یہ (نبی) وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب دی۔ حکم (Authority) سے سر فراز کیا اور نبوت عطا کی۔

۸۔ مَا کَانَ لِبَشَرٍ أَن یُؤْتِیَہُ اللّہُ الْکِتَابَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُولَ لِلنَّاسِ کُونُواْ عِبَاداً لِّیْ مِن دُونِ اللّہِ وَلَکِن کُونُواْ رَبَّانِیِّیْنَ(۴۰)

کسی بشر کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت سے سر فراز کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کی بجائے میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم ربانی بنو۔

۹۔ خَلَقَکُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَۃٍ وَخَلَقَ مِنْہَا زَوْجَہَا وَبَثَّ مِنْہُمَا رِجَالاً کَثِیْراً وَنِسَاء (۴۱)

"اللہ نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور دونوں سے بہت مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔

۱۰۔ یَا أَیُّہَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُم مِّن ذَکَرٍ وَأُنثَی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِندَ اللّہِ أَتْقَاکُمْ (۴۲)

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ و قبائل بنا دیا تا کہ تم آپس میں پہنچانے جاؤ۔ مگر در حقیقت معزز تو تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

۱۱۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ

اور ہم نے اولاد آدم کو صاحب عزت بنایا۔(۴۳)

وَشَاوِرْہُمْ فِیْ الأَمْرِ

۱۲۔ اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔(۴۴)

وَأَمْرُہُمْ شُورٰی بَیْنَہُمْ

اور ان کے امور آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ (۴۵)

۱۳۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کرو۔(۴۶)

**احادیث مبارکہ کی روشنی میں اسلامی ریاست اور نظم وضبط:**

قرآن کریم نے جہاں ہماری رہنمائی کی ہے وہاں آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ ہمیں تفصیلات بیان کرتی نظر آتی ہیں اور ہمارے لیے رہنمائی اور روشنی کا ناختم ہونے والا مینارہ نور ہے جس سے ہم، ہمیشہ رہنمائی اور روشنی حاصل کرتے رہیں گے اور وطن عزیز کی جمہوری سیاسی نظام کی ترقی کے لیے اور ان کو تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق ڈھالنے کے لیے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہیں گے۔ ان االلہ لیزع بالسلطان ما لا یزع بالقرآن (۴۷) ترجمہ:"اللہ

تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدباب کر دیتا ہے جن کا سدباب قرآن سے نہیں کرتا۔"

الاسلام والسلطان اخوان توأمان لا يصلح واحد منهما الا لصحاحب فالاسلام اسس والسلطان حارس ومالا اسس له ليهدم ومالا حارس له ضائع (۴۸)

اسلام اور حکومت وریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان۔(۴۹)ترجمہ:"تم میں(سے جو شخص کوئی بدی دیکھے، اس کو ہاتھ سے (نیکی سے) بدل دے، اگر ایسا نہ کر سکے، تو زبان سے روکے، اگر زبان سے بھی نہ روک سکے تو دل سے بُرا سمجھے اور یہ (آخری درجہ) ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔(۵۰)

"والذي نفس محمد بيده لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت يدها- "ترجمہ:"اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں محمد کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ ضرور کاٹ دیتا۔"(۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"تمہارے بہترین امام اور قائد وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہوں اور تم ان کو دعائیں دیتے ہو اور وہ تم کو دعائیں دیتے ہوں اور تم میں بدترین رہنما وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تم کو ناپسند کرتے ہوں اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں اور تم ان پر لعنت بھیجتے ہو۔"(۵۲)

اور حضرت ابوہریرہؓ شہادت دیتے ہیں کہ: " ما رأيت أحداً اكثر مشورة لاصحابه من النبى صلى الله عليه وسلم"ترجمہ"میں نے نبی ﷺ سے بڑھ کر کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔"(۵۳)

آپ ﷺ کی ایک دوسری حدیث میں اسلامی معاشرے کی صحیح حالت کا نقشہ اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:"جب تمہارے حکام تم میں نیک اور صالح ہوں، تمہارے اہل ثروت تم میں فیاض ہوں اور تمہارے امور باہم مشورے سے طے ہوں۔ " (۵۴)

"بخدا ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی عہدے پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص ہو۔"(۵۵)

"ہمارے نزدیک تم میں سب سے بڑا خائن وہ ہے جو خود حکومت کے کسی عہدہ و منصب کا طالب ہو۔"(۵۶)

**آیات کی ترتیب اور نظم وضبط:**

آیات کی موجودہ ترتیب اور نظم وضبط تمام امت مسلمہ کے نزدیک اجماعی اور توقیفی ہے. یعنی جس میں کوئی تبدیلی اور جابجائی یا قیاس واجتہاد کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ جب حضرت جبرئیل آیات لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتے تو جبرئیل ان آیات کی جگہ اور ترتیب بھی معین کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ہو بہو اسی ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ اصحاب اور کاتبین وحی کی خدمت میں پیش کرتے تھے. اور ہر ایک آیت کی جگہ بھی معین کرتے تھے، اور عین اسی ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ نماز اور خطبوں اور موعظوں کے اوقات تلاوت فرماتے تھے، حتی علوم القرآن کے ماہرین اور محققین اپنی گراں قدر کتب میں تحریر کر چکے ہیں کہ حضرت جبرئیل ہر سال ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتے ور عین اسی نظم وضبط کے ساتھ آیات کی تکرار کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے سال میں جبرئیل دو دفعہ آئے اور پوری آیات کو اسی ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ تکرار کیا تھا جس کو علوم القرآن کی اصطلاح میں "عرضہ اخیر" کہا جاتا ہے، اور اصحاب وکاتبین وحی اور حافظین قرآن بھی اسی ترتیب اور نظم وضبط کی ہمیشہ رعایت کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال ایک مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا جاتا تھا، لیکن آپ ﷺ کی وفات کے سال یہ دو مرتبہ آپ ﷺ کو سنایا گیا۔"(۵۷)

لہذا کہا جا سکتا ہے کہ آیات کی ترتیب اور نظم نسق اور آیات کی جگہ جس طرح موجود ہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے حکم سے رکھی گئی ہے، جس میں کسی قسم کی تبدیلی لانے کی گنجائش نہیں ہے، جس کی تائید احادیث بھی کرتی ہیں۔ حضرت ابی العاصؓ، کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے آسمان کی طرف نظر کی اور فرمایا: "ابھی جبرئیل امین نازل ہوئے تھے اور مجھ سے کہا، اس آیت کو اپنے سورہ کے مخصوص معین جگہ رکھیے وہ آیت "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ " تھی (۵۸)

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:" رسول اللہ ﷺ کئی سورتوں کو نماز جمعہ کے خطبے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حضور میں آیات کی موجودہ ترتیب اور نظم ونسق کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے، یہ چیزیں آیات قرآن کی ترتیب اور نظم وضبط توقیفی ہونے کی بہترین دلیل ہیں او راصحابؓ بھی اسی ترتیب کے پابند رہتے تھے کبھی کسی کو اس ترتیب کے خلاف تلاوت کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی، یہ بات تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔"(۵۹)

**کائنات میں نظم وضبط:**

قرآنِ مجید اِنسانیت کو جابجا اُس کے اِرد گرد پھیلی ہوئی بے عیب، عظیم اور بارُعب کائنات کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ درس دیتا ہے کہ وہ اللہ ربُّ العزّت کی ہدایت کی پاسداری اور اِطاعت گزاری کرے۔ مطالعہ قرآن سے یہ

حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جملہ کائنات کی تشکیل و تعبیر کا سلسلہ نظم و ضبط اور چھ اَدوار سے گزرا ہے، جنہیں چھ اَدوارِ تخلیق(six periods of creation)کا نام دیا جاتا ہے۔ اِرشادِ ربانی ہے:

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ(۶۰)

ترجمہ: " یقیناً تمہارا ربّ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین (کی بالائی و زیریں کائنات) کو چھ مراحل میں (تدریجاً) پیدا فرمایا۔"

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ(۶۱)

"اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، کو چھ مراحل میں پیدا کیا، پھر (اپنے) تخت پر قیام فرمایا۔"

"وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّلَّھَا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِO* وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِO لَا الشَّمْسُ یَنْبَغِیْ لَھَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ ؕ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ)"O۶۲)

ترجمہ:"اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے، یہ زبردست (اللہ) کا بنایا ہوا ہے۔ اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے، نہ سورج کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے، اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے۔ اور ہر ایک ایک آسمان میں تیرتا ہے۔"

"الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌ"

ترجمہ:"(وہی اللہ ہے) جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے، تو رحمن کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا، تو پھر نگاہ دوڑا، کیا تجھے کوئی شگاف دکھائی دیتا ہے(؟) پھر دوبارہ نگاہ کر، تیری طرف نگاہ ناکام ہو کر لوٹ آئے گی، اور وہ تھکی ہوئی ہو گی۔(۶۳)

" فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَھَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔ "(۶۴)

ترجمہ:"پھر انہیں دو دن میں سات آسمان بنا دیا، اور اس نے ہر ایک آسمان میں اس کا کام القا کیا، اور ہم نے پہلے آسمان کو چراغوں سے زینت دی، اور اسے محفوظ بنایا، یہ زبردست جاننے والا کا کام ہے۔"

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰھَا وَاَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ وَاَنْبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ (۱۹) وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَہٗ بِرٰزِقِیْنَ (۲۰)وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۲۱)

ترجمہ "اور ہم نے زمین کو پھیلایا، اُس میں پہاڑ جمائے، اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی (☆) اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے، تمہارے لیے بھی اور اُن بہت سی مخلوقات کے لیے

بھی جن کے رازق تم نہیں ہو(☆) کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں(☆)۔"(٦٥)

مذکورہ بالا آیات سے ہم بآسانی مندرجہ ذیل نکات حاصل کر سکتے ہیں:

١۔ کائنات محض حادثاتی طور پر معرضِ وُجود میں نہیں آئی بلکہ یہ اللہ ربّ العزّت کے اِرادے اور اُس کی قدرتِ کاملہ کا نتیجہ ہے۔ اِس غیر محدُود اور تعجب خیز کائنات میں پھیلا ہوا نظم وضبط اور نظام یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس کا وُجود قدرتِ الٰہیہ کی کامل منصوبہ بندی کے تحت ہی قائم ہے۔

٢۔ جملہ کائنات کی تخلیق واِرتقاء ایک ایسا منظم مرحلہ وار عمل تھا جو بتدریجاً 6 اِرتقائی اَدوار میں مکمل ہوا۔

٣۔ کوئی شے اپنے طے شدہ نظم وضبط سے رُوگردانی نہیں کر سکتی۔

٤۔ کائنات کی تخلیق کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: زیریں، بالائی اور وسطانی۔۔۔ یعنی زمینی، آسمانی اور خلائی۔

جیسا کہ سورۂ السجدہ میں مذکور ہے " خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا "اُس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے تخلیق فرمایا۔(٦٦)

٥۔ اُس کی تدبیر (divine planning) کائنات کے پورے نظام کو ایک مقصد اور نظم وضبط کے تحت مربوط اور منظم کرتی ہے جس کے نتیجے میں جملہ اُمور اِس طرح انجام پاتے ہیں کہ کوئی وُجود اُس ضابطۂ قدرت سے اِنحراف نہیں کر سکتا۔

٦۔ کسی چیز کا زمینی حدود میں داخل ہونا، اُس میں سے خارج ہونا، کسی سیارے سے آسمان کی وُسعتوں کی سمت جانا، آسمانی وُسعتوں سے زمین کی طرف اُترنا، کسی کا باقی رہنا اور ختم ہو جانا الغرض یہ سب کچھ اُسی کے قائم کردہ نظم وضبط اور جاری قوانین کے مطابق ہے۔

٧۔ سورہ فصلت کی آیت نمبر ١٢ مختلف اِنکشافات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ آیتِ مُبارکہ کا ہر حصہ کائنات کے تخلیقی واِرتقائی خدوخال ظاہر کرتا ہے۔(٦٧)

ہر آسمان یا ہر کائنات کو اُس کا مکمل نظم وضبط عطا کیا گیا ہے، ایک ایسا نظم وضبط یا عمل درآمد کا ایک ایسا اِنتظامی ڈھانچہ جو اُس کی تشکیل سے متعلقہ اَفعال کا حامل ہو۔

٨۔ کہکشائیں اور ستارے کائنات میں اِس قدر دُوری میں واقع ہیں کہ سات آسمانوں میں سے ہمارا نزدیک ترین آسمان اِس قدر پھیلاؤ اور غیر محدُودیت کے سبب اِنتہائی محفوظ ہو گیا ہے۔ یہ بات اِنتہائی محیر العقول ہے کہ روشنی (جو کائنات کا اپنا مادّی حصہ ہے) اور جو مجرّد مادّی ذرّات کے لئے سفر کا تیز ترین اور حتمی ذریعہ ہے، اُس کے لئے بھی کائنات اپنی بے پناہ توسیع کے سبب ناقابلِ فسخ ہے۔ واضح رہے کہ روشنی 1,86,282.397 میل یعنی 2,99,792.458

کلو میٹر فی سیکنڈ کی سمتی رفتار (velocity) سے اِس وُسعت پذیر کائنات میں سفر کرتی ہے۔

لی مین برائی سن Lyman Bryson کا خیال یہ ہے کہ دینی جذبہ خواہ وہ کسی بھی روپ میں ہو اور خواہ وہ اپنے اظہار میں کتنا ہی مبتدیانہ ہو یا کتنا ہی پختہ و عمیق، ہمیشہ اس اعتقاد پر مبنی ہوتا ہے کہ فطرتِ کائنات اور انسان کے تصور انصاف، رحم اور راستبازی کے مابین ایک غایتی ہم آہنگی موجود ہے۔(۶۸)

نظم و ضبط اور توازن ہی میں قوت کا راز پنہاں ہے۔ کائنات اس لیے باقی ہے کہ اس میں باقی رہنے کی قوت ہے، وہ نظم و ضبط و قوت توازن کا عطیہ ہے۔ جوں ہی توازن بگڑا، اثیرِ بسیط میں تیرنے والے جہان آپس میں ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے۔ یہی کیفیت اس عالمِ اصغر کی ہے جسے آدمی کہتے ہیں اور یہی تقدیر اس معاشرے کی ہے جسے آدمیوں کا مجموعہ استوار کرتا ہے یعنی نظم وصبط۔(۶۹)

**حیوانات میں نظم وضبط:**

ارشاد ربانی ہے: " وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَا حَیْہِ اِلَّا اُمَمٌ، اَمْثَالُکُمْ "ترجمہ: زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو یہ سب تمہاری طرح کے معاشروں میں (رہتے) ہیں۔ (۷۰)

تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ جانور اور پرندے بھی معاشروں (communities) کی شکل میں رہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان میں بھی ایک اجتماعی نظم وضبط ہوتا ہے۔ وہ مل جل کر رہتے ہیں اور کام بھی کرتے ہیں۔ اونٹوں کو صحرا میں چلتے ہوئے دیکھیے یہ بھی ایک قطار میں چلتے ہیں ہر اونٹ اپنی سیدھی لائن میں چلتا ہے۔

**پرندوں کی پرواز میں نظم وضبط:**

ارشاد ربانی ہے: اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ط مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ "ترجمہ:۔ کیا ان لوگوں نے کبھی پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں کس طرح مسخر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کس نے انکو تھام رکھا ہے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں۔(۷۱)۔ ایک اور آیت مبارکہ میں پرندوں پر کچھ اس انداز سے بات کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: " اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَھُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقْبِضْنَ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ بَصِیْرٌ۔ "ترجمہ: یہ لوگ اپنے اوپر اُڑنے والے پرندوں کو پر پھیلاتے اور سکیڑتے نہیں دیکھتے؟ رحمان کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو۔ وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔(۷۲)

عربی لفظ اَمسَکَ کا لغوی ترجمہ کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دینا، روکنا، تھامنا، یا کسی کی کمر پکڑ لینا ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں یمسکھن سے اس بات کا اظہار ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے پرندوں کو ہوا تھامے رکھتا ہے۔ ان آیات ربانی میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ پرندوں کے طرز عمل کا مکمل انحصار انہی قوانین پر ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا ہے۔ (جنہیں ہم قوانین فطرف کے نام سے جانتے ہیں) جدید سائنسی معلومات سے ثابت ہو

چکا ہے کہ بعض پرندوں میں پرواز کی بے مثل اور بے عیب صلاحیت کا تعلق اس وسیع تر اور مجموعی منصوبہ بندی (programming)اور نظم وضبط سے ہے جو انکی حرکات وسکنات سے متعلق ہے۔

## شہد کی مکھی میں نظم ضبط:

ارشاد ربانی ہے: " وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۔ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلاً ۔ "ترجمہ:"اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور اُونچی چھتریوں پر اپنے چھتّے بناتے اور ہر طرح کے پھولوں کا رس چوستے اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ۔(۷۳)

ملاحظہ فرمایئے کہ مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں قرآن عظیم نے کتنی صراحت کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو خاص طرح کی مہارت عطا فرمائی ہے جس سے لیس ہو کر وہ اپنے رب کے بتائے ہوئے راستے تلاش کر لیتی ہے۔ ایک اور توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں شہد کی مکھی کیلئے جو صنف استعمال کی گئی ہے، وہ مادہ (female) کی ہے (یعنی، فَاسْلُکِی اور کُلی) اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غذا کی تلاش میں نکلنے والی شہد کی مکھی مادہ ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر سپاہی یا کارکن شہد کی مکھی بھی مادہ ہی ہوتی ہے۔

شہد کی ہر مکھی کا ایک نظم وضبط اور فرض شناسی ہے۔ اُس کی یہ مجال نہیں کہ وہ اپنی ڈیوٹی سے ادھر ادھر ہو جائے۔ جو اس کا مقصد حیات ہے وہ ساری زندگی وہی کرے گی۔ اس کارخانے میں کسی کی مجال نہیں کہ وہاں نزاع یا دشمنی ہو، ظلم وستم یا خون خرابہ ہو۔ وہاں ایک ایسا ماحول ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ محبت واُلفت سے رہتی ہیں۔ جو وظیفہ جس کو دے دیا جائے وہ اس پر گام زَن رہتی ہیں اور اِدھر اُدھر نہیں بھٹکتیں۔ جب تک نتیجہ حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتیں۔ یعنی ان کی جدوجہد کبھی نہیں رُکتی اور نظم وضبط ٹوٹتا نہیں۔ شہد کی مکھیاں ایک گروہ کی صورت میں مجتمع ہو کر رہتی ہیں۔ آپ ان میں کوئی جھگڑا دیکھیں گے نہ فساد۔۔۔ ان میں کوئی اختلاف ہو گا نہ اعتراض۔۔۔ نہ کسی کے کام میں دخل اندازی کرتی ہیں۔ ان کے نظم وضبط سے معلوم ہوا کہ جب ہر کوئی اپنا کام کرنے لگ جائے تو پھر شہد پیدا ہوتا ہے۔(۷۴)

## چیونٹیوں کی طرز حیات میں نظم وضبط:

ارشاد ربانی ہے: " وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُہٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ۔ حَتّٰٓی اِذَآ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَۃٌ، یّٰٓاَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ ج لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ لا وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ "(۷۵) ترجمہ:"سلمان کیلئے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے تھے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا۔ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اسکے لشکر تمھیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔"

ہو سکتا ہے کہ ماضی میں بعض لوگوں نے قرآن پاک میں چیونٹیوں کا مذکورہ بالا مکالمہ دیکھ کر اس پر نکتہ چینی کی ہو اور کہا ہو کہ چیونٹیاں تو صرف کہانیوں کی کتابوں ہی میں باتیں کرتی ہیں۔ البتہ، حالیہ برسوں کے دوران ہمیں چیونٹیوں کے نظم وضبط، طرز حیات، باہمی روابط اور پیچیدہ معلومات کے تبادلے کے حوالے سے بہت کچھ علم ہو چکا ہیں۔ یہ معلومات دور جدید سے پہلے کے انسانوں کو حاصل نہ تھیں۔ تحقیق سے انکشاف ہوا ہے کہ وہ جانور یا حشرات (کیڑے مکوڑے) جن کا نظم وضبط اور طرز حیات انسانی معاشرت سے غیر معمولی مماثلت رکھتا ہے، وہ چیونٹیاں ہی ہیں۔ اس کی تصدیق چیونٹیوں کے بارے میں درج ذیل حالیہ دریافتوں سے بھی ہوتی ہے کہ چیونٹیاں بھی اپنے مردوں کو انسانوں کی طرح دفناتی ہیں۔ ان میں مکمل نظم وضبط پایا جاتا ہے۔ ان میں کارکنوں کی تقسیم کا پیچیدہ نظام موجود ہے جس میں نگران، نگران کارکن اور مزدور وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں باہمی تبادلہ (communication) کا ترقی یافتہ نظام موجود ہے۔ ان کی کالونیوں (colonies) میں باقاعدہ مارکیٹیس (markets) ہوتی ہیں جہاں وہ اشیاء کا تبادلہ کرتی ہیں۔ سردیوں میں لمبے عرصے تک زیر زمین رہنے کیلئے وہ اناج کے دانوں کا ذخیرہ بھی کرتی ہیں۔ اور اگر کوئی دانہ پھوٹنے لگے، یعنی اس سے پودا بننے لگے تو وہ فوراً اسکی جڑیں کاٹ دیتی ہیں۔ جیسے انہیں یہ پتا ہو کہ اگر وہ اس دانے کو یونہی چھوڑ دیں گی تو وہ بڑھنا اور پکنا شروع کر دے گا۔ اگر انکا محفوظ کیا ہوا اناج کسی بھی وجہ سے مثلاً بارش سے گیلا ہو جائے تو وہ اسے اپنے بل سے باہر لے جاتی ہیں اور دھوپ میں سکھاتی ہیں۔ جب اناج سوکھ جاتا ہے تبھی وہ اسے بل میں واپس لے کر جاتی ہیں۔ یعنی یوں لگتا ہے، جیسے انہی یہ علم ہو کہ نمی کی وجہ سے اناج کے دانے سے جڑیں نکل پڑیں گی جو دانے کو اس قابل نہیں چھوڑیں گی کہ اسے کھایا جا سکے۔ چیونٹی اگرچہ کمزور ہے مگر وہ بھی ایک لائن میں چلتی ہے اور نظم وضبط کی پابندی کرتی ہے، چیونٹی کی کیا مجال کے وہ اپنی لائن سے ہٹ جائے۔(۷۶)

**عہد نبوی ﷺ کی اسلامی ریاست میں نظم وضبط:**

حالی نے کیا خوب کہا ہے:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی — عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگادی — اک آواز میں سوتی بستی جگا دی(۷۷)

اس ہمہ گیر اور جامع شخصیت کے جس پہلو کا ہم یہاں ذکر کریں گے وہ ان کا نظم وضبط، انتظام وانصرام، نظم و نسق اور تدبر ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے حسن تدبر اور حسن انتظام سے روئے زمین پر ایک ایسی مثالی سلطنت اور نمونے کا ایسا اسلامی معاشرہ قائم کیا، جس کے لیے چشم فلک آج تک ترس رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی عظمت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے جب تاریخ کا طالب علم یہ جانتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ کارنامہ اس ماحول اور ان حالات میں سرانجام دیا جب کہ عام آدمی کو معمولی سی تبدیلی بھی کوہ گراں معلوم ہوتی تھی۔ بقول موسیو گال لیبام: "ساری دنیا کا

مطلع فتنہ وفساد کے سیاہ بادلوں سے تیرہ و تار تھا۔۔ عالم ارضی کی فضا وحشیانہ بے چینیوں کے غلیظ و کثیف بادلوں سے تاریک تھی۔ دنیا کے ہر حصہ میں ہر انسان اچھے ذرائع اختیار کرنے کی بجائے شرارت آمیز وسائل پر اعتماد کرتا تھا۔ امن و اطاعت پر جنگ اور میدان جنگ کو تفوق حاصل تھا۔ مال غنیمت سے خزانوں کو بھرنا، قوموں، شہروں، اور شرفاء پر غارت ڈالنا ایسے کارنامے تھے جو اس ساری تاریخ میں قابل ذکر ہیں۔ (۷۸) ان حالات میں آپ ﷺ نے نظم وضبط سے بھرپور صالح اسلامی معاشرہ کی بنیاد رکھی۔ آپ ﷺ کی شخصیت کے اس پہلو پر ایک غیر مسلم مصنف "رگینالڈ بوزورتھ اسمتھ "(۷۹) کہتا ہے:

"He was Caesar and Pope in one; but he was Pope without Pope's pretensions, Caesar without the legions of Caesar: without a standing army, without a bodyguard, without a palace, without a fixed revenue; If ev er any man had the right to say that he ruled by the right divine, it was Mohammed, for he had all the power without its instruments and without its supports."(80)

"وہ (محمد ﷺ) اکیلا ہی قیصر (قیصر روم) بھی تھا اور پوپ بھی۔ لیکن وہ ایسا پوپ تھا جس میں (کلیسا کے) پوپ جیسی ریاکاری نہ تھی، وہ ایسا قیصر تھا جس کے پاس قیصر روم کی افواج جیسا جم غفیر نہ تھا: یعنی ایک پیشہ ور فوج کے بغیر، بنا کسی محافظ کے، بنا کسی شاہی محل کے اور بغیر کسی متعین شدہ آمدنی کے۔ اگر کسی شخص کے پاس یہ حق ہے کہ وہ کہہ سکے کہ اس نے ایک خداداد طریقے پر حکومت کی ہے تو ایسا شخص صرف محمد ہی ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس تمام تر طاقت موجود تھی اور وہ بھی طاقت کی ہر قسم کی بیساکھیوں اور بیرونی امداد کے بغیر۔"

قرآن پاک نے اسلامی معاشرے کا مقصد متعین کر دیا ہے: الَّذِيْنَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِيْ الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (۸۱) ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہے۔"

یہ آیت آپ ﷺ کے قائم کردہ اسلامی معاشرے کے طریق کار کو متعین کرتی ہے، آپ ﷺ کے قائم کردہ اسلامی معاشرے کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول اور عوامی بہبود تھا۔ اس معاشرے کی بنیاد خاندانی عصبیت اور نسلی شعور کی جگہ دینی وحدت پر قائم تھی۔ (۸۲) اس انوکھے اور اپنی نوعیت کے منفرد اسلامی معاشرے کے منتظم کا انداز بھی عام حکمرانوں سے مختلف تھا۔ مدبر و منتظم ریاست کی حیثیت سے آپ ﷺ کے نظم و ضبط اور تدبر کی بے شمار مثالیں آپ ﷺ کی حقیقی عظمت کا پتہ دیتی ہیں۔ مدبر کے طور پر آپ ﷺ کے کارناموں کو امور داخلہ اور امور خارجہ میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک زبردست مدبر کی حیثیت سے داخلہ اور خارجہ پالیسیوں کو مرتب

کیا کہ ہمیشہ کامیابی نے آپ ﷺ کے قدم چومے۔۔ اور اگر کہیں ناکامی ہوئی تو اس کا سبب آپ ﷺ کے نظم وضبط، تدبر سے انحراف یا گریز تھا۔(۸۳)

آپ ﷺ نے جاہلیت کی دلدل میں دھنسے ہوئے لوگوں کو روحانی اور اخلاقی رفعت سے ہم کنار کیا، اور کسی بھی دوسرے مصلح یا پیغمبر کی نسبت کہیں زیادہ کامیاب رہے۔ تاریخ انسانی کا شاید ہی کوئی اور آدمی کبھی اپنے خوابوں کو اس قدر بھرپور انداز میں تعبیر دے سکا۔ آپ ﷺ نے عربوں کو تہذیب کے ساتھ ساتھ ایک نیا مذہب بھی دیا، کیونکہ مذہب کے علاوہ کوئی اور طریقہ دستیاب ہی نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے عربوں کے تخیل، خوفوں اور امیدوں تک رسائی حاصل کی اور انہیں قابل فہم انداز میں ہدایت دی۔ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت عرب ایک صحرا تھا، جہاں بہت سے بت پرست قبائل آباد تھے، آپ ﷺ کے وصال تک عرب ایک متحد قوم بن چکے تھے۔(۸۴)۔ غیر مسلم بھی آپ ﷺ کی بے مثال نظم وضبط اور طرز حکمرانی کی تعریف کرنے پر مجبور ہیں۔ تھامس کیرل (۸۵) رقم طراز ہیں کہ "کس طرح ایک تنہا آدمی نے دو عشروں سے بھی کم وقت میں دشمن قبائل اور خانہ بدوش بدوؤں کو آپس میں یوں شیر وشکر کر دیا کہ وہ سب سے طاقتور اور تہذیب یافتہ قوم کی شکل میں ابھرے۔ جس طرح دروغ گوئی کا انبار ہم نے اس ہستی (محمد ﷺ) کے گردار پر لگا دیا ہے وہ خود ہمارے (مغرب) کے لیے ہی باعث شرم ہے۔ ایک پر سکون عالی مرتبت ہستی، جو انتہائی سنجیدہ خو بھی ہے۔ اس نے اس دنیا کو ٹھیک ایسے ہی روشن کیا جیسے اس دنیا کے خالق کا حکم تھا۔"(۸۶) بقول حالی کے

سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا — حقیقت کا گُر اک اک ان کو بتایا
زمانہ کے بگڑے ہوؤں کو بنایا — بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا(۸۷)

پروفیسر کرسچین سنوک ہرگرونجی (۸۸) "اسلام کے پیغمبر نے ایک ایسی لیگ آف نیشنز (اقوام متحدہ) بنائی، جس نے بین الاقوامی اتحاد و یگانگت اور انسانی اخوت کو کائناتی بنیادیں فراہم کیں جس سے یہ دوسری اقوام کے لیے بھی روشنی کا ذریعہ بنی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے جو کچھ دنیا کو ایک قوم (اقوام متحدہ) بنانے کے لیے کیا ہے، دنیا کی کوئی دوسری قوم اس جیسی مثال پیش نہیں کر سکتی۔"(۸۹)

یہ صرف چند اقتباسات ہیں، جو کہ تحریر کیے گئے ہیں۔

## ہجرت مدینہ، مسلمانوں کی نو آبادکاری کا ایک عظیم الشان منصوبہ

**اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:** وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ (۹۰)(سورہ المزمل / سورہ نمبر ۷۳ / آیت نمبر ۸۔

۱۰)ترجمہ: "اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کے اسی کے ہو رہو۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، لہٰذا اسی کو اپنا وکیل بنالو اور جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔"

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کے لیے ہجرت کرنے اور نئی دنیا بسانے کی ہدایت پہلے سے موجود تھی اور اسی کی عملی شکل مدینہ کی ریاست کی شکل میں سامنے آئی۔

اس سلسلہ میں معروف محقق ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی وہ رائے ہمارے اس تجزیے کی تصدیق کرتی ہے جو انہوں نے لفظ ہجرت کا مفہوم متعین کرنے میں پیش کی ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق ہجرت کا لفظ ہجر سے ماخوذ ہے جس کے معنی حبشی اور بعض دیگر سامی زبانوں، بلکہ خود قدیم عربی میں بھی شہر بسانے کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کے معنی ابتداء سے ہی، کسی بستی اور شہر میں جاکر آباد ہونا، کے تھے۔ سیرۃ النبی ﷺ اور خلافت راشدہ کے سلسلہ میں ہجرت کے معنی ہجرت مدینہ ہی نہ تھے بلکہ نو مسلموں کا اسلامی علاقے میں آکر اکٹھا ہونا اور مفتوحہ علاقوں میں مسلم آباد کاروں کا لے جاکر بسانا، اسی نام سے یاد کیا گیا۔ اس اعتبار سے ہجرت مدینہ دراصل مسلمانوں کی نو آباد کاری کا عظیم منصوبہ تھی۔(۹۱)

**قبل از ہجرت سید البشر ﷺ کی منصوبہ بندی:**

رسول اللہ کی آمد سے قبل، قبائل کی تقسیم در تقسیم، اور اقتدار کی طویل کشمکش کی وجہ سے یثرب میں بدامنی جاری تھی۔ ایسی صورت حال میں رسول اللہ ﷺ مدینے کے مضافاتی قریہ، قبا میں آکے ٹھہرے، جہاں انصار کے بہت سے قبائل آباد تھے۔ یعنی مدینہ کے وہ قبائل جو اوس اور خزرج کے نام سے مشہور تھے اور ہجرت سے قبل بیعت عقبہ کی صورت میں آپ ﷺ کے ساتھ، نصرت اسلام کا عہد باندھ چکے تھے۔ اور آپ کی آمد کے منتظر تھے۔(۹۲)

**قبا میں آمد اور نظم وضبط کا قیام:**

قبا میں آپ ﷺ نے اسلام کی پہلی مسجد تعمیر کی اور اپنی آمد کے چوتھے روز یثرب کے تمام مسلمانوں کو طلب فرمایا۔ وہ مسلمان جو ہتھیار سجائے ہوئے حاضر خدمت ہوئے ان کی کل تعداد ایک سو تھی۔(۹۳) دو ہفتے قیام کے بعد، آپ ﷺ مدینے کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں محلہ بنی سالم میں آپ ﷺ نے سب سے پہلی نماز جمعہ ادا کی۔ قبا سے مدینے تک راہ میں دونوں طرف انصار کی صفیں اور قطاریں آپ ﷺ کے استقبال کے لیے موجود تھیں۔ مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ انصاری کے مکان میں رہائش اختیار کی۔

**مدینے میں آمد نظم وضبط کا قیام:**

مدینہ، ہجرت نبوی ﷺ سے قبل، یثرب کے نام سے معروف تھا۔ (یثرب بن قاید بن عبیل، پہلے آباد کار کے نام پر) ہجرت کے بعد اس کا نام مدینۃ النبی ﷺ مشہور ہو گیا۔ اس عربی ترکیب کے معنی۔" نبی کا شہر "ہیں۔ ایک

معروف مغربی محقق کے مطابق مدینہ آرامی زبان کے لفظ Mandita سے مشتق ہے۔(۹۴) یہ لفظ لاطینی سے ہوتا ہوا، انگریزی زبان میں Mandate کے طور پر استعمال ہوا۔ اسی سے لفظ Mandated Territory بنا ہے جس کے معنی ہیں، کسی کی عملداری یا دائرہ اختیار میں شامل علاقہ یعنی Area of Jurisdiction لہٰذا مدینتہ النبی کا مطلب ہوا، "نبی کے زیر نگیں علاقہ"

معروف عیسائی مصنف فلپ حتی (Philip K.Hitti) کے بقول، یثرب میں آپ ﷺ کا استقبال، بطور ایک معزز سربراہ "As an honoured chief" کیا ہوا۔(۹۵) دیگر حقائق بھی شاہد ہیں کہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی آمد ایک مہاجر کی بجائے ایک فرمانروا کی آمد تھی۔ مثلاً بیعت عقبہ ثانیہ کے الفاظ واضح ہیں کہ آپ نے اہل یثرب سے عہد لیا تھا کہ وہ آپ کی اطاعت کریں گے۔ اللہ کے دین کے لیے ہر حال میں کام کریں گے اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کریں گے۔(۹۶) اسی طرح ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی، درج ذیل آیات میں آپ کو اقتدار اور ریاست کے حصول کی دعا سکھائی گئی:

"وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا"(۹۷)
ترجمہ: "اور دعا کرو کہ پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔"

تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ بات تو نبی ﷺ کا استقبال کرنے والی بچیوں تک کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی کی حیثیت سے آرہے ہیں اور وہ آپ ﷺ کا استقبال، آپ ﷺ کو ایک مطاع اور فرمانرواں مان کر، کر رہی ہیں، جیسا کہ ان بچیوں نے کہا: "ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع"۔ (۹۸)

ان حقائق سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ مکے سے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مستقبل کے منصوبہ بندی کے بغیر نہیں تھی اور آپ ﷺ کی مدینے میں آمد دراصل مسلمانوں کی نو آبادکاری اور اسلامی ریاست کے قیام میں سب سے اہم سنگ میل تھی جس کی بنیادیں بیعت عقبہ کے معاہدے میں رکھ دی گئی تھیں۔ مدنی قبائل میں اہم ترین قیادت نے نئی ریاست کے قیام کے لیے آپ ﷺ کی سربراہی پر اعتماد کیا تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے ہجرت کے مقاصد کو مدینہ کی اسلامی ریاست کی تعمیر اور امت مسلمہ کی تشکیل کی صورت میں حاصل کر لیا۔

**مواخات میں نظم وضبط:**

رسول اللہ ﷺ نے عرب معاشرے میں اور عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کیا، انہیں اللہ کی بات سننے اور ماننے کے لیے تیار کیا، ان کی سوچوں کا رخ انفرادیت سے ہٹا کر اجتماعیت کی طرف موڑ دیا۔ انہیں اعلیٰ اخلاق و کردار کا پیکر بنایا اور پھر جب اسلامی ریاست کا وجود عمل میں آیا، تو ایسا نظم وضبط قائم کیا کہ آج مخالفین بھی اپنی تقاریر، کتب اور مضامین میں اس کی مثال دینے پر مجبور ہیں۔ وہ اسلامی ریاست ایسی اسلامی ریاست بن گئی کہ عدل و انصاف کا بول بالا

ہونے لگا، قربانی وایثار کی لازوال داستانیں رقم ہوئیں، گورنر، قاضی، حاکم، زندگی کے تمام شعبوں میں جن جن افراد کا انتخاب کیا گیا، انہوں نے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کیا۔ یہ صرف اور صرف نظم وضبط کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔

اسلام کے نظم وضبط واتحاد نے انصار کے دو بڑے قبیلے اوس و خزرج کو شیر وشکر بنادیا، یہ دونوں ہمیشہ دو مستقل قوموں اور حریفوں کی طرف ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا اور نبرد آزار رہتے تھے۔ حالی فرماتے ہیں:

بنی بکر اور تغلب کی باہم لڑائی
صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی(۹۹)

اللہ کے رسول ﷺ نے کلمہ کی بنیاد پر دونوں کو متحد کر دیا، اب یہ دونوں ایک دوسرے کے مونس وہمدرد اور غمگسار بن گئے، صحابی رسول حضرت بلال حبشیؓ کی سماجی حیثیت مکہ میں کچھ نہ تھی، وہ غلام تھے، سیاہ فام تھے بے ننگ ونام تھے، لیکن جب ان کا قلب نور ایمان سے منور ہو گیا اور مشرف بہ اسلام ہوئے، تو انہیں یہ مقام اور مرتبہ ملا کہ دیوار کعبہ پر کھڑے ہو کر اذان دی، حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کے برابر بیٹھنے لگے، کیوں کہ ایمان کا رشتہ خاندانی ونسلی رشتوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہوتا ہے اور بقول حضرت مولانا ابو الکلام آزاد کہ "دنیا کے تمام رشتے، عہد مودت، خون ونسل کے باندھے ہوئے پیماں وفا ومحبت ٹوٹ سکتے ہیں، مگر جو رشتہ ایک چین کے مسلمانوں کو افریقہ کے مسلمان سے، ایک عرب کے بدو کو تاتار کے چرواہے سے اور ہندوستان کے نو مسلم کو مکہ مکرمہ کے صحیح النسب قریشی سے پیوست ویک جان کرتا ہے، دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو اسے توڑ سکے اور اس زنجیر کو کاٹ سکے۔ جس میں خدا کے ہاتھوں نے انسانوں کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جکڑ دیا ہے۔(۱۰۰) انہیں رشتوں کی وجہ سے دنیا کے ایک کنارے کسی مسلمان کو تلوے میں کانٹا چبھتا ہے تو اس کی ٹیس دوسرے کنارے میں رہنے والے مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ترى المؤمنين في تراحهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمٰى- ""تم مسلمانوں کو باہم رحم دل، باہم محبت کرنے والے اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس کے بارے میں ایسا دیکھو گے جیسا کہ ایک قالب اور ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بیداری کے لئے تیار رہتا ہے۔"(۱۰۱)

اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کی وحدت، اجتماعیت اور نظم وضبط کو ایک عمارت کی مانند قرار دیا، فرمایا " المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا ثم شبك اصابعه "ترجمہ: "ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک عمارت کی طرح ہے جس طرح مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لئے مضبوطی اور قوت کا باعث ہوتی ہے۔" پھر آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے ملا کر سمجھایا۔(۱۰۲)

مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ جو دین نظم وضبط، عالمگیر وحدت واخوت کا داعی وپیامبر ہے آج خود اس کے پیروکار

گروہی و علاقائی عصبیت، خاندانی و نسلی برتری، زبان و بیان اور مسلکی اختلاف کی بنیاد پر انتشار و افتراق کے شکار ہو گئے، انھوں نے رنگ و نسل کے امتیاز و اختلاف کی اونچی اونچی دیواریں کھڑی کر دیں کوئی سید خاندان سے تعلق رکھتا ہے تو اس کو اپنے عالی نسب ہونے پر فخر ہے کوئی شیخ و پٹھان ہے تو منصوریوں اور سبزی فروشوں کو نیچی نظروں سے دیکھتا ہے۔ بقول علامہ اقبال:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں(۱۰۳)

## عہد نبوی ﷺ کا فوجی نظم وضبط:

ہر ادارے کا ایک نظام ہوتا ہے، نظم وضبط ہی ادارے کی صلاحیتوں کا نشان ہوتا ہے۔ عہدِ نبویؐ دور خلافتِ راشدہؓ اور اسلامی تاریخ کے ہر دور میں جدید عسکری نظام، جدید ترین ہتھیاروں کے حصول، اسلحہ سازی اور عسکری اور فوجی تربیت اور دفاعی امور کو اولیت حاصل رہی۔ اللہ کی ذات پر اعتماد اور بھروسے کے ساتھ مادّی وسائل اور جدید ترین ہتھیاروں کو بھی اہمیت دی گئی، اسلحہ سازی کے لیے باقاعدہ ادارے قائم کیے جاتے تھے، اس طرح ایمانی قوت، اللہ پر توکّل اور دفاعی امور پر بھرپور توجہ کی بدولت مسلم افواج نے عظیم دفاعی معرکے طے کیے اور اسلامی تاریخ میں اپنا نام روشن کیا۔ آخر وقت کے مورخ اور مفکر نے انہیں ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا:

یہ غازی، یہ تیرے پراسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ اِن کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو — عجب چیز ہے لذت آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن — نہ مال غنیمت، نہ کشور کشائی(۱۰۴)

عہد نبوی ﷺ میں ایک کاتب کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ ان بالغ لوگوں کی فہرس مرتب کرے جو نہ صرف جنگ کے قابل ہیں، بلکہ اس پر آمادہ رہیں کہ جب انہیں بلایا جائے تو، فوراً فوجی مہم پر روانہ ہو جائیں۔ ایسے لوگوں کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا۔ (۱۰۵) حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں باقاعدہ فوج کا محکمہ قیام کیا اور رضاکار و مجاہدین کی تنخواہیں مقرر کیں، فوجی گھوڑوں کو چوری سے محفوظ رکھنے اور ان کا حساب کتاب رکھنے کے لیے ان پر نشان "جیش فی سبیل اللہ" داغے گئے - امن و امان کے لیے پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ بیت المال کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔(۱۰۶) یہ سلسلہ آج بھی دنیا بھر میں قائم ہے

## عبادات میں نظم وضبط

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے شہادتین، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ نماز، روزہ، زکوٰہ اور حج جیسی عبادات کا

نظم وضبط کے حوالے سے مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔

**ا۔ نماز میں نظم وضبط:** اللہ رب العزت نے نماز کو مقررہ وقت پر فرض کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا" (۱۰۷)ترجمہ: "بے شک نماز اپنے مقررہ وقتوں میں مومنوں پر فرض ہے۔ "یہی اوقات فرد میں نظم وضبط پیدا کرتے ہیں۔

مسلمان کے نظم وضبط، ترتیب اور مہذب ذوق پر غور وفکر کرو کہ کیسے وہ اپنے بدن، کپڑے اور جگہ کو پاک صاف کر کے نماز کی تیاری کرتا ہے، مسواک کرتا ہے اور زینت اختیار کرتا ہے، پھر سکون اور وقار کے ساتھ مسجد کی طرف چلتا ہے، وہ اپنی ذات، اپنے بھائیوں اور مقرب فرشتوں کا خیال رکھتے ہوئے ناگوار بو سے بچتا رہتا ہے، پھر گھر، اور مسجد سے نکلنے اور داخل ہونے کے آداب کا خیال رکھتا ہے، آواز کو پست اور نظروں کو نیچا رکھتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: " وَلَا تَجْھَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِھَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا "(۱۰۸)ترجمہ: "اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت پست آواز سے، ان دونوں کے درمیان اوسط درجے کا لہجہ اختیار کرو"

اللہ کا فرمانبردار ہو کر خاموشی سے قیام کرتا ہے، کوئی لغو حرکت کرتا ہے اور نہ اپنی سوچ کو منتشر کرتا ہے، امام کی پیروی کرتا اور اپنی صف میں منظم طریقے سے کھڑا ہوتا ہے، نماز میں بلند ذوق اور اعلیٰ آداب کے بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ہمارے کندھوں کو چھوتے اور فرماتے: برابر ہو جاؤ اور کجی نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی تم میں سے سمجھ دار اور دانشمند لوگ میرے قریب کھڑے ہوں پھر جو ان سے قریب ہوں پھر جو ان سے قریب ہوں۔ (۱۰۹)

حضرت ابو ہریرہؓ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس کے مخالف نہ چلو جب وہ رکوع میں چلا جائے تب تم رکوع کرو، وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہہ لے پھر تم کہو ربنا لک الحمد، جب وہ سجدے میں چلا جائے تو تم سجدے میں جاؤ، جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو اور صف کو درست کرو کیونکہ صف کو درست کرنا نماز کی خوبصورتی ہے۔ "(۱۱۰)مومن اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع اختیار کرتے اور لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ "ترجمہ: "بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے "(۱۱۱)

غور کیجئے کہ نمازیں ہر شخص تنہا تنہا بھی ادا کر سکتا ہے بلکہ یہ طریقہ ریا ونمود سے محفوظ اور اخلاص وللّٰہیت سے قریب تر ہے، لیکن پنج وقتہ نمازوں کے لئے جماعت کو واجب قرار دیا، جمعہ وعیدین کے لئے گاؤں کی بڑی جامع مسجد اور عید گاہ میں اکٹھا ہو کر ایک امام کے پیچھے باجماعت نماز ادا کرنے کو لازم ٹھہرایا تاکہ مسلمانوں کے اندر برادرانہ مساوات کی تربیت دی جاسکے اور دلوں میں نظم وضبط اتحاد وہم آہنگی کے جذبہ کو فروغ مل سکے، نماز باجماعت ادا کرنے کی حکمتوں اور مصلحتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے۔ (۱۱۲)ممتاز مورخ وسیرت نگار حضرت علامہ سید سلیمان ندوی

رقم طراز ہیں: "جماعت کی نماز مسلمانوں میں برادرانہ مساوات اور انسانی برابری کی درس گاہ ہے، یہاں امیر و غریب، کالے گورے، رومی و حبشی، عرب و عجم کی کوئی تمیز نہیں ہے سب ایک ساتھ، ایک درجہ اور ایک صف میں کھڑے ہو کر خدا کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں۔ یہاں شاہ و گدا اور شریف و رذیل کی تفریق نہیں، سب ہی ایک زمین پر، ایک امام کے پیچھے ایک صف میں دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں اور کوئی کسی کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔(۱۱۳)

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز　　نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز
بندہ صاحب و محتاج غنی ایک ہوئے　　تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے(۱۱۴)

نماز میں اجتماع کی وجہ سے اللہ کی طرف سے برکتوں کا نزول ہوتا ہے، آسمان سے رحمتیں اترتی ہیں اور ان کو اپنے سایہ میں ڈھانپ لیتی ہیں۔

**ب۔ روزے میں نظم وضبط:** اسلام نے اجتماعی طور پر ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم دیا، ایسا ہو سکتا تھا کہ ہر ملک کے مسلمان آب و ہوا اور موسم کے لحاظ سے الگ الگ مہینوں میں روزے رکھ لیتے، لیکن تمام مسلمانوں پر ایک ہی مہینہ میں روزہ فرض کیا تاکہ نظم وضبط جماعتی شان برقرار رہے۔ رمضان کا پورا مہینہ گویا مسلمانوں کیلئے ایک ٹریننگ کیمپ ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کی نظریاتی اور عملی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ مسلمان بھوک، پیاس کو برداشت کرنے کی تربیت سے گزر کر عملی زندگی میں پیش آنے والی مشکلات کا سامنا صبر اور برداشت کے ذریعے کر کے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے سکیں جس کی بنیاد صبر اور برداشت جیسی اعلیٰ صلاحیت اور خوبیوں پر قائم ہو۔

**ج۔ زکوٰۃ میں نظم وضبط:** زکوٰۃ میں بھی اجتماعی نظام کو ملحوظ رکھا گیا، اس کے ذریعہ قوم کے ضعیف و بے سہارا طبقہ کی پرورش و کفالت ہوتی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "زکوٰۃ ان کے مالداروں سے لی جائے اور حاجت مندوں کو واپس کر دی جائے۔"(۱۱۵)

**ھ۔ حج میں نظم وضبط:** پوری دنیا کے مالدار مسلمانوں پر ایک خاص ایام میں حج کا حکم دیا گیا یہ بات بھی ممکن تھی کہ ہر ممالک کے مسلمانوں کے لئے الگ الگ مہینوں میں فریضہ حج ادا کرنے کی تاکید کی جاتی تاکہ اژدہام کم ہوتا اور مناسک حج کی ادائیگی میں کوئی دشواری پیش نہ آتی، لیکن حکم دیا گیا کہ نہیں، سبھوں کو ذی الحجہ کے ایام میں حج بیت اللہ کا طواف کرنا، صفا و مروہ کا سعی کرنا اور ارکان حج کو ادا کرنا ضروری ہے، تاکہ مسلمانوں میں نظم وضبط اجتماعیت اور آفاقیت کا مزاج پیدا ہو اور سارے مسلمان وطنیت، قومیت، تمدن و معاشرت کے تمام امتیازات کو مٹا کر سب ایک ہی ملت (ملت ابراہیمی) میں گم ہو جائیں اور ایک ہی بولی میں خدا سے باتیں کریں۔ بقول علامہ اقبال

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی (۱۱۶)

حاکم ہو یا محکوم، عالم و فاضل ہو یا فقیر بے نوا سب اپنی امتیازی حیثیت کو مٹا کر اپنی انانیت اور خودی کو قربان کر کے مالک کے دروازے پر بھکاری بن کر آئے ہیں، یہی وہ وحدت کا رنگ ہے جو ان تمام مادی امتیازات کو مٹا دیتا ہے۔ پس یہ صبر ہی تو ہے جو مسلمان کو نظم و ضبط کے دائرے میں رکھتا ہے کیونکہ صبر مسلمان کو ناپسندیدہ امور پر نامناسب رد عمل کے اظہار سے منع کرتا ہے جس سے کسی کی حق تلفی ہوتی ہو۔ اور اسے معاشرے کے حسن کو برقرار رکھنے میں مدد و معاون ہر ضابطے کی پابندی کی تلقین کرتا ہے اور حاجی تو اس کا زیادہ محتاج ہوتا ہے کیونکہ حج نظم و ضبط کی پابندی کا نام ہی تو ہے۔(۱۱۷)

**غزوات اور اسلامی جنگوں میں نظم و ضبط:**

غزوات اور جنگ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے اولاً گزشتہ جنگی طریقوں کی اصلاح کی، اس کے بعد اس کے لیے ایسے پاکیزہ اصول و ضوابط طے کیے کہ یہی جنگ جس کا نام سنتے ہی روح کانپ اٹھتی تھی اور مفتوح قوم کھلی آنکھوں موت کا مشاہدہ کرنے لگتی تھی، انسانیت کی بے راہ روی اور اخلاقی، جانی اور مادی تحفظ کا ذریعہ بن گئی، اولاً صلح و امن سے کام لینے کی تاکید کی گئی اور انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں سخت اصول و ضوابط اور شرائط کے ساتھ تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔(۱۱۸) یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی مسلسل تیرہ سال ظلم و ستم کی چکی میں پستے رہے اور بغیر کسی جرم و خطا کے ان کو ان کے گھروں سے نکال کر جلاوطن کر دیا گیا، لیکن جلاوطنی کے بعد بھی تعاقب جاری رہا تو انھیں جنگ کی اجازت دی گئی، لیکن اجازت اس طرح کہ امیر جیش کے حکم اور نظم و ضبط کی پابندی کے بغیر صف سے نکلنا بھی گوارہ نہ تھا، ناحق خون بہانے کی قطعاً اجازت نہیں دی گئی؛ بلکہ جو بالمقابل ہے اسی سے لڑو، لاشوں کو مثلہ نہ کرو، شب خون نہ مارو، اذیت دے کر قتل نہ کرو، راہبوں، گوشہ نشینوں، معذوروں، عورتوں، بچوں بوڑھوں کو نہ چھیڑو، عمارت نہ ڈھاؤ، پھلدار درخت نہ کاٹو، جو لوگ تمہارے قیدی بن جائیں ان سے حسن سلوک کا معاملہ کرو، ان کو کھانا کھلاؤ اور لباس کا خیال رکھو۔ قرآن نے قیدیوں کے کھانا کھلانے کو بہترین عمل قرار دیا ہے۔(۱۱۹) پھر ارشاد ہوا آبادی کو نہ اجاڑو یہاں تک کہ فخر و غرور سے پُر نعرے بازی سے بھی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔(۱۲۰) ان اصول و ضوابط اور طریقۂ کار کو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جاں نثار ساتھیوں نے عملی جامہ پہنا کر غیر مسلم قوم کے ظالمانہ جنگی طریقوں کی تمام راہیں مسدود کر دیں، ان اصول و ضوابط سے انسانی جان کی غیر معمولی قدر و اہمیت اور اس کے احترام کا پتہ چلتا ہے۔

عہدِ نبوی کے تمام غزوات میں کل ۶۵۶۴ قیدی اور ۷۵۹ لوگ مقتول ہوئے اور مسلمانوں میں ۲۵۹ لوگ شہید اور ایک بزرگ قید ہوئے اور تاریخ گواہ ہے کہ دشمنوں کے ان قیدیوں میں سے ۶۳۴۸ قیدیوں کو اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے بعد بغیر کسی شرط کے رہا کر دیا، صرف ایک شخص قصاصاً قتل ہوا پھر ۲۱۵ قیدیوں میں ۷۰ کو بدر میں فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا اُس کے بعد جبالِ تنعیم پر مسلمانوں پر حملہ کرتے ہوئے ۸۰ لوگ قید ہوئے

اُن کو بھی اسی طرح رہائی ملی۔(۱۲۱)

**غزوہ احد میں نظم وضبط کی خلاف ورزی کا نتیجہ:**

میدان احد میں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب و تنظیم قائم کی، اور جنگی نقطۂ نظر سے اسے کئی صفوں میں تقسیم فرمایا۔ ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی منتخب کیا جو پچاس مردان جنگی پر مشتمل تھا۔ ان کی کمان حضرت عبد اللہ بن جبیر بن نعمان انصاری دَوْسی بدریؓ، کو سپرد کی، اور انہیں وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر جو اسلامی لشکر کے کیمپ سے کوئی ڈیڑھ سو میٹر جنوب مشرق میں واقع ہے اور اب جبل رماۃ کے نام سے مشہور ہے، تعینات فرمایا۔ اس کا مقصد ان کلمات سے واضح ہے جو آپ ﷺ نے ان تیر اندازوں کو ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمائے۔ آپ ﷺ نے ان کے کمانڈر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "شہسواروں کو تیر مار کر ہم سے دور رکھو۔ وہ پیچھے سے ہم پر چڑھ نہ آئیں۔ ہم جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ رہنا۔ تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہ ہونے پائے۔"(۱۲۲)

پھر آپ ﷺ نے تیر اندازوں کو مخاطب کر کے فرمایا: "ہماری پشت کی حفاظت کرنا۔ اگر دیکھو کہ ہم مارے جارہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔"(۱۲۳)

اور صحیح بخاری کے الفاظ کے مطابق آپ ﷺ نے یوں فرمایا: "اگر تم لوگ دیکھو کہ ہمیں پرندے اچک رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں، اور اگر تم لوگ دیکھو کہ ہم نے قوم کو شکست دے دی ہے اور انہیں کچل دیا ہے تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں۔ "(۱۲۴)

حضرت علیؓ نے کفار کے علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد علم بلند کرنے والوں کو علی، عاصم بن ثابت اور زبیر بن عوام نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بعد ازاں مسلمان جنگجوؤں میں حمزہ، علی، ابو دجانہ، زبیر بن عوام اور مقداد بن عمرو رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دشمن کی صفیں الٹ کر رکھ دیں، جس سے دشمن کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ مشرکین میدان جنگ سے بھاگ نکلے تو مسلمان مال غنیمت سمیٹنے لگے۔ ادھر جب تیر اندازوں نے یہ منظر دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ اللہ نے دشمن کو شکست سے دوچار کر دیا ہے اور ہمارے بھائی غنیمت سمیٹ رہے ہیں، لہذا ہمیں بھی ان کے ساتھ شامل ہو جانا چاہیے۔ عبد اللہ بن جبیرؓ، ان کے پیچھے لپکے اور رسول اللہ ﷺ کا حکم یاد دلا کر انھیں روکتے رہے، لیکن وہ کہنے لگے: "جو صورت حال رونما ہو چکی ہے، اس کے پیش نظر تو آپ ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا تھا۔" چنانچہ چند تیر اندازوں کے علاوہ باقی (چالیس تیر انداز) مال غنیمت کی طرف دوڑ پڑے۔(۱۲۵)

لشکرِ کفار میں شامل نوجوان خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ)، جو ابھی ایمان نہ لائے تھے اور جنگ حکمت عملی (War Tactics) کے میدان میں سپر جینئس کی حیثیت رکھتے تھے، واپس پلٹے اور اسی پہاڑی درے سے ہو کر اسلامی لشکر پر پیچھے کی جانب سے حملہ آور ہوئے جس سے اسلامی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس کا فائدہ اٹھا کر سامنے سے

بھاگنے والے کفار بھی پلٹ کر حملہ آور ہوئے۔ اب مسلمان دو طرف سے نرغے میں آ گئے اور یکایک 70 صحابہ جام شہادت نوش کر گئے جن میں سب سے نمایاں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ صحابہ کی ایک خاص تعداد نظم وضبط اور صبر واستقلال کا مظاہرہ نہ کر سکی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے احکامات اور نظم وضبط کی خلاف ورزی کی جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔(۱۲۶)

## شتر بانی سے جہاں بانی کے مقام پر:

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے دس سال بعد مملکت کا رقبہ تیس لاکھ مربع کلو میٹر تک پھیل گیا۔ آپ ﷺ نے عرب قوم کو شتر بانی کے مقام سے جہاں بانی کے مقام پر پہنچا دیا۔ آج بھی ہم اس شمع سے اکتساب کر سکتے ہیں اور اسی میں ہماری حقیقی نجات اور رہنمائی ہے۔ آخر اس سیاسی نظام میں کیا خوبیاں تھیں؟ اس کا تاریخ کے آئینے میں مطالعہ کرنا ہو گا۔ حضور ﷺ نے دنیا و دین دونوں کی بہ یک وقت بھلائی کے حصول کا تصور دیا۔ روحانی ترقی اور تزکیہ نفس۔۔۔ تقوی، اخلاص، توکل، صبر، شکر، اپنے دشمنوں سے پیار کرنا، صدق یعنی دل کی سچائی، زبان کی سچائی، عمل کی سچائی، عفو و درگزر، صلح اور بردباری، رفق و ملاطفت، تواضع و خاکساری، جوش کلامی، ایثار، اعتدال و میانہ روی، شجاعت اور بہادری، استقامت حق گوئی اور استغناء۔۔۔ یہ وہ صفات ہیں جو ہمیں حضور ﷺ کے سیاسی اسوہ میں نظر آتی ہیں۔ بطور حکمران اور مدبر آپ ﷺ میں یہ صفات علیہ دنیا کے ہر حکمران کے لے روشنی کا مینار ہیں۔

فحشاء، منکر، بغی سے اجتناب، جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت اور بد دیانتی، غداری اور دغابازی، منافقت، بخل، حرص و طمع، بے ایمانی، چوری، ناپ تول میں کمی، چالبازی اور لوگوں کے حقوق غصب کرنا، رشوت، سود خوری، شراب نوشی، ظلم، خود نمائی اور فضول خرچی وہ ذائل ہیں جن سے سقوام کمزور ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ کی سیاست اور جہاں بانی کے اصولوں نے ان ذائل کی بیخ کنی کی۔

حضور اکرم ﷺ نے اس سیاسی نظام میں مسجد کی سطوت اسلام کا مظہر بنایا۔ بطور مرکز عبادت بطور ساسی مرکز، بطور تعلیمی مرکز بطور انتظامی مرکز اور بطور عدلیہ کا مرکز، مسجد مسلمانوں کی تمدنی زندگی مے ایک مرکز و محور بن گئی۔ آپ ﷺ منبر پر بیٹھ کر مشورہ طلب فرماتے۔ ہر قبیلے کے سردار یا نمائندہ سے توقع کی جاتی کہ وہ تائید یا اختلاف کے لیے ضرور رائے دے گا۔

نہ صرف آپس کے لین دین بلکہ میدان سیاست میں بھی جو اخلاقی جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ دیانتداری اور امانت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

"جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ " (۱۲۷)

حضور اکرم ﷺ کی سیاست میں سادگی کے ساتھ ساتھ امانت داری نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص ہماری حکومت کے کسی منصب پر فائز ہو وہ اگر بیوی نہ رکھتا تو شادی کر لے، اگر خادم نہ رکھتا ہو تو ایک خادم حاصل کر لے، اگر گھر نہ رکھتا ہو تو ایک گھر لے لے، اگر سواری نہ رکھتا ہو تو ایک سواری لے لے، اس سے آگے جو شخص قدم بڑھاتا ہے وہ خائن ہے یا چور۔"(۱۲۸)

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:"کوئی حکمران جو مسلمانوں میں کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو اگر اسی حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس کے لیے جنت حرام کر دے گا۔"(۱۲۹)

حضور ﷺ نے اقتدار کی طلب و حرص کو بھی ممنوع قرار دیا۔ آپ ﷺ نے رشاد فرمایا:

"تم میں سب سے بڑھ کر خائن ہمارے نزدیک وہ ہے جو اسے خود طلب کرے۔"(۱۳۰)

حضور ﷺ نے اسراف سے بھی منع فرمایا۔ اسی طرح تبذیر کی بھی ممانعت ہے۔ مناظر احسن گیلانیؒ نے تبذیر کی یوں تعریف کی ہے:"مال کو ناجائز خواہشوں اور غیر قانونی افعال و اعمال پر خرچ کرنا۔"(۱۳۱)

اس کی ایک مثال رضا شاہ پہلوی کی ہے جس نے ایران میں Persepolis کے کھنڈرات میں اڑھائی ہزار سالہ جشن منایا تو ۳۰۰ ملین امریکن ڈالر خرچ کیے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب خطبہ حجۃ الوداع دیا تھا تو آپ ﷺ کی اونٹنی کا کجاوہ خستہ حالت میں تھا اور اس پر پڑی ہوئی چادر کی مالیت صرف چار درہم تھی یہ تھی ایک مثال شاہ کونین ﷺ کی سادگی کی!

رسول اللہ ﷺ کا رویہ عوام سے انتہائی مشفقانہ تھا۔ دیہات کے اعرابی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور نہایت بے تکلفی اور بے باکی سے سوال جواب کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نرمی سے پیش آتے۔ ایک بدو نے ایک دفعہ آپ ﷺ کی چادر پکڑ کر کھینچی۔ آپ ﷺ اس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے اور اس کو عطیہ دیا۔"(۱۳۲)

آپ ﷺ کے نظام حکومت کی ایک اور بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ ﷺ قرض کو اچھا نہ سمجھتے۔ آپ ﷺ غریبوں کو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے کے جائے محنت اور جدوجہد کی تلقین فرماتے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔"(۱۳۳)

آپ ﷺ غیر اقوام سے قرضے نہ مانگتے۔ حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مجلس میں موجود چند صحابہ کرامؓ سے اس پر بھی بیعت لی کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے۔(۱۳۴)

رسول اللہ ﷺ سوال کرنے کی بجائے جنگل سے لکڑیں کاٹ کر لانے اور بازار میں فروخت کر کے روزی کمانے کی ترغیب دلاتے۔(۱۳۵)

کفایت شعاری بھی آپ ﷺ کی سیاست اور نظام حکومت کا ایک نمایاں پہلو ہے، آپ ﷺ نے حضرت عتاب ابن اسید کو گورنر مکہ مقرر فرمایا اور ان کی تنخواہ ایک درہم یومیہ رکھی۔(۱۳۶) یہ ہیں رسول اللہ ﷺ کی قائم

کردہ اسلامی ریاست کے نمایاں خدوخال اور سید البشر ﷺ کا دیا ہوا نظم وضبط۔

**خلفائے راشدین کے دور میں نظم وضبط:**

خلفائے راشدین کا دور جہاں روحانی سعادتوں سے مالامال تھا۔ معاشرتی نظم وضبط اور سیاسی اعتبار سے بھی بے مثال تھا۔ خلفائے راشدین کی راتیں اللہ کے حضور میں قیام و سجود کی حالت میں گزرتی تھیں اور دن مخلوقِ الٰہی کی خدمت میں بسر ہوتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے سوا دو برس کی قلیل مدت خلافت میں ایسے عظیم کارنامے سر انجام دیئے کہ ان کے نقشِ لازوال ہیں رسول اللہ ﷺ کے بعد سرزمین عرب پھر ایک بار انار کی اور طوائف الملوکی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ امام طبری کہتے ہیں کہ: "قریش اور ثقیف کے علاوہ تمام عرب حلقہ اطاعت سے باہر ہونے لگے۔ مدعیانِ نبوت کی جماعتیں ملک میں شور برپا کر رہی تھیں اور منکرین زکوٰۃ مدینہ منورہ لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ یہ صدیق اکبرؓ، ہی کی ہمت، فراست اور استقامت تھی کہ حالات پر قابو پالیا۔ باغیوں کی طنابیں کھینچیں اور للکار کر کہا:۔ "کیا دینِ محمد ﷺ میں نقص پیدا کیا جائے گا اور ابو بکر زندہ ہو گا۔" (۱۳۷) پوری قوت کے سات ہر فتنے کو دبا دیا۔ خلافتِ اسلامی کی داغ بیل حضرت ابو بکر ہی نے ڈالی۔"

خلافتِ راشدہ کی تاریخ کا ہر ہر ورق گواہی دیتا ہے کہ جمہور کے مشورے ہی سے تمام اہم کام سر انجام پاتے تھے۔ خلیفہ کا انتخاب بھی جمہور کے مشورے سے ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا جانشیں خود مقرر نہیں کیا بلکہ انتخاب کی آپس میں تیز تیز بحثیں ہوئیں اور آخر سب نے متفقہ طور پر حضرت ابو بکرؓ، کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ طبقات ابن سعد میں ہے:۔ "کہ حضرت ابو بکر صدیق کو جب کوئی معاملہ در پیش ہوتا تو صاحب الرائے اور سمجھ بوجھ والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ لیتے تھے۔" (۱۳۸)

حضرت عمرؓ، نے تو باضابطہ مجلس شوریٰ قائم کی اور تمام قومی مسائل اس مجلس کے سامنے رکھتے تھے اور کثرتِ رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے۔ مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی حضرت عمرؓ نے قائم کی جس میں مہاجرین وانصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے۔ یہ مجلس نہایت اہم امور کے پیش آنے پر طلب کی جاتی تھی ورنہ روزمرہ کے کاروبار میں مجلس شوریٰ کا ہی فیصلہ کافی سمجھا جاتا تھا۔ مجلس شوریٰ کے انعقاد کا عام طریقہ یہ تھا کہ مناوی "الصلوۃ جامع" کا اعلان کرتا تھا۔ لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے پھر دو رکعت نماز پڑھ کر خلیفہ بحث طلب بات پر لوگوں کو خطاب کرتا تھا۔ اس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کی جاتی تھی۔ خلافتِ راشدہ کی یہ ایک بھری ہوئی خصوصیت کہ محض اہمیت اور استحقاق کی بنا پر ہی عمال کو عہدوں پر فائز کیا جاتا تھا۔ (۱۳۹)

مزید یہ کہ عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا، باقاعدہ بیت المال قائم کیا، فوج کا محکمہ قائم کیا اور رضاکار مجاہدین کی تنخواہیں مقرر کیں، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاس وغیرہ نئے شہر آباد کئے، مردم شماری کرائی، جرائم کے لیے جیل

خانے بنائے، فوجی گھوڑوں کو چوری سے محفوظ رکھنیاور ان کا حساب کتاب رکھنے کے لیے ان پر نشان "جیش فی سبیل اللہ" داغے گئے، امن و امان کے لیے پولیس کا محکمہ قائم کیا، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مسافروں کے لیے سرائیں قائم کیں، نئی نہریں کھدوائیں اور آبپاشی کا بندوبست کیا، ڈاک کا نظام قائم کیا اور ڈاک چوکیاں بنائیں، لاوارث اور بے سہارا بچوں کے لیے وظیفے مقرر کیے، چاندی کے سکے جاری کیے، رات کو گشت کا طریقہ ایجاد کیا، عشور یعنی مال تجارت پر 1/10 محصول مقرر کیا، فجر کی آذان میں "الصلوۃ خیرمن النوم" کا اضافہ فرمایا، نماز تراویح کا باجماعت اہتمام کیا، شراب نوشی پر 80 کوڑوں کی حد مقرر کی، مساجد میں وعظ کا طریقہ شروع کیا، امام اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم کے لیے دینی مدارس قائم کیے اور ان میں تنخواہ دار معلمین مقرر کیے، نماز جنازہ میں چار تکبیروں کی سنت جاری فرمائی۔(۱۴۰)

حضرت ابو بکرؓ، کہتے تھے کہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور وہ کسی کو اہمیت و استحقاق کے بغیر کسی عہد پر فائز کرے اس پر خدا کی لعنت ہو، اللہ اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ کرے گا۔"(۱۴۱)

خلفائے راشدین حکام کی کڑی نگرانی کرتے تھے۔ ان کا سخت احتساب ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ، اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ: ۱۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی سے اجتناب کریگا۔ ۲۔ ریشمی لباس نہیں پہنے گا۔ ۳۔ چھنا ہوا آٹا نہیں کھائے گا۔ ۴۔ اور اپنے دروازے پر دربان نہیں بٹھائے گا۔ ۵۔ اور حاجت مندوں کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔(۱۴۲)

امام بلازری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ:۔ "حضرت عمرؓ، ہر حاکم کے مال اور اسباب کی فہرست تیار کرواتے تھے اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافے کی خبر ان کو ملتی تو جائزہ لے کر آدھا مال بیت المال میں داخل کرا دیتے تھے۔ ایک دفعہ بہت سے عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے سب کی املاک کا جائزہ لے کر سب کے مال کا آدھا آدھا حصہ بیت المال میں جمع کرا دیا۔ حج کے زمانے میں اعلانِ عام ہوتا تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً خلیفہ کے پاس چلا آئے۔ لوگ چھوٹی چھوٹی شکایتیں بھی حضرت عمرؓ، کے پاس لاتے اور وہ پوری مستعدی کے ساتھ ان کا تدارک فرماتے۔ حضرت عمروؓ بن العاص کے بیٹے نے ایک مصری کو ناجائز پیٹا اور کہا کہ "ہم اکابر کی اولاد ہیں۔" حضرت عمرؓ، کے پاس اس مصری نے شکایت کی تو فوراً عمروؓ بن العاص کے بیٹے کو بلوایا اور عمروؓ بن العاص کی موجودگی میں ان کے بیٹے کو درے لگوائے۔"(۱۴۳)

حضرت سعد بن ابی وقاص نے کوفہ میں ایک گھر تعمیر کیا۔ جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ حاجت مندوں کو حضرت سعد بن ابی وقاص سے ملنے میں دقت ہوگی۔ محمد بن سلمہ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور حضرت سعد بن ابی وقاص پاس کھڑے خاموشی سے اپنے مکان کی

ڈیوڑھی جلنے کا تماشا دیکھتے رہے۔(۱۴۴)

حضرت عثمانؓ کا مزاج اگرچہ دھیما اور حلم ان کے ضمیر میں گندھا ہوا تھا لیکن ان کے مزاج کا دھیما پن قومی اور ملی معاملات میں انہیں احتساب سے باز نہیں رکھتا تھا۔ سعد بن ابی وقاص نے بیت المال سے ایک خطیر رقم لی جسے وہ ادا نہ کر سکے۔ حضرت عثمانؓ نے نہایت سختی سے باز پرس کی اور معزول کر دیا۔ ولید بن عقبہ نے بادہ نوشی کی تو معزول کر کے اعلانیہ حد جاری کی۔(۱۴۵)

خلفائے راشدین جو عمال کی کڑی نگرانی کرتے تھے حتیٰ کہ کسی عامل کو رشوت ستانی، ذخیرہ اندوزی اور بد دیانتی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ سب س سخت محاسبہ وہ اپنی ذات کا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین ایک متوسط آدمی کا خرچ بیت المال سے لیتے تھے اور جیسا کہ تاریخ طبری میں ہے "ایک جوڑا گرمیوں میں اور ایک جوڑا سردیوں میں۔" اس سے زیادہ بیت المال میں اپنا حق نہ سمجھتے تھے۔(۱۴۶)

حضرت ابو بکرؓ، کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ خلافت کے بعد حسب معمول کندھے پر کپڑے کے تھان رکھ کر بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت عمرؓ، اور حضرت ابو عبیدہؓ، سے ملاقات ہوئی انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا: "اب آپؓ مسلمانوں کے حاکم ہیں۔ اگر آپؓ حسبِ معمول کپڑا فروخت کرتے رہے تو خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہونا آپؓ کے لئے مشکل ہو جائے گا۔"(۱۴۷)

زمانہ خلافت میں، حضرت ابو بکر صدیقؓ، کو بیت المال سے چھ ہزار روپیہ قرض لینا پڑا۔ وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ میرا فلاں باغ بیچ کر میرا قرض ادا کیا جائے اور میرے مال سے جو چیز فالتو نظر آئے وہ حضرت عمرؓ، کے پاس بھیج دی جائے۔ خلافتِ راشدہ کی تاریخ کا ہر ہر ورق یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ عہد نظم وضبط، دیانتداری، راست بازی اور عوام کی خوشحالی کا ایک بے مثال عہد تھا اور اور ہماری تمام الجھنوں کا حل اسی میں ہے کہ اس ملک کو خلافت راشدہ کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔(۱۴۸)

**نظم وضبط کی پابندی:**

کامیابی اور فلاح کی یقینی ضمانت: اسلام مسلمانوں کو نظم وضبط واتحاد کے ساتھ جماعتی زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے وہ انتشار اور خود سرائی کو قطعاً برداشت نہیں کرتا، اس لئے اس نے نظام عبادت کی روح اجتماعیت وشیرازہ بندی پر رکھا تاکہ مسلمان ایک مرکز سے وابستہ رہیں: علامہ اقبال

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں(۱۴۹)

افسوس کہ جب قیامت آئے گی تو یہ سارے خاندانی ونسلی رشتے اپنا وجود کھو دیں گے، نسب اور رشتہ داری اس دن کام نہیں آئے گی اس لئے کہ گروہ بندی اور فرقہ بندی شعار جاہلیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے

موقع پر آباؤ اجداد اور خاندان کی مفاخرت پر پوری قوت سے چوٹ لگاتے ہوئے فرمایا:" قریش کے لوگو! اللہ نے تم کو جاہلیت کی جھوٹی نخوت سے نجات دے دی اور باپ دادا کی بنیاد پر بڑائی جتلانے کا دستور ختم کر دیا۔"(۱۵۰)

پس جس کسی نے بھی شعار جاہلیت کو زندہ کیا ذات و برادری کی بنیاد پر ملت کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا، حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:" جو جاہلیت کا نعرہ لگائے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔" اسلام گروہ بندی اور داخلی انتشار کو قطعاً برداشت نہیں کرتا۔ رسول اکرم ﷺ نے حجتہ الوداع میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:"یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد لا فضل لعربي علی عجمي ولا لعجمي، علی عربي ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علی اسود الا بالتقویٰ"۔

ترجمہ:" اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے کسی عربی کو عجمی پر، اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی کالے کو گورے پر، اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنیاد پر اس لئے کہ حسب و نسب، خاندان اور قبیلے ایک دوسرے کے تعارف اور شناخت کے لئے بنائے گئے ہیں۔ "(۱۵۱)

قرآن کریم میں ہے: " يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ "ترجمہ:" اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر ہم نے تمہیں قوموں اور قبیلوں میں اس لئے بانٹ دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہیں جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہیں۔ "(۱۵۲) قرآن کریم نے انسانوں کی بنائی ہوئی تمام تفریقات کو توڑ دیا اور بتلایا کہ فخر و عزت کی چیز در حقیقت ایمان اور تقویٰ ہے۔ بقول علامہ اقبال:

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ　　پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ((۱۵۳)

اس لئے قرآن کہتا ہے کہ سب مل کر اپنے پروردگار کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو مضبوطی سے پکڑ لو، ارشاد ربانی ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا، ترجمہ:" تم سب اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ٹکڑوں میں نہ بٹو۔"(۱۵۴) جس طرح بٹی ہوئی رسی ایک دوسرے کو قوت پہنچاتی ہے تم بھی نظم و ضبط، اتحاد و اجتماعیت کی زندگی گزار کر اسلام کو فروغ دو، اگر منتشر رہو گے تو تمہاری اجتماعی قوت ختم ہو جائے گی۔ قرآن کریم میں ہے:"وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا" ترجمہ: اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، آپس میں نہ جھگڑو، ورنہ تمہارے قدموں میں لغزش پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔"(۱۵۵)

بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب لوگ گروہ بندیوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں تو ان سے سنجیدگی اور اعتدال کا دامن چھوٹ جاتا ہے پھر وہ بے راہ روی کے شکار ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر طٰہٰ جابر فیاض علوانی کہتے ہیں:" جب اختلاف بڑھتا ہے تو اس کی خلیجیں وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی ہیں اور آدمی کے حواس پر اس کے اثرات اس حد تک چھا جاتے ہیں کہ وہ نظم و ضبط اور نقطہ اتحاد کو بھول جاتا ہے اس کی نظر میں اسلامی اخلاق کی ابتدائی چیزیں بھی نہیں آپاتیں جس کی وجہ

سے اس کا معیار فکر بدل جاتا ہے۔"(۱۵۶) پھر اس سے وحدت امت کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن مالٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دیوبند تشریف لائے تو فرمایا: "ہم نے مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں پھر فرمایا کہ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن کو چھوڑنا، دوسرے ان کے آپس کے اختلاف، بد نظمی اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے، بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کئے جائیں، بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معنی سے روشناس کرایا جائے۔ اور قرآنی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"(۱۵۷)

ماضی میں اسپین کی مسلم حکومت (۱۱۷- ۲۹۴۱) کے ختم ہونے کی وجہ بھی مسلمانوں کا باہمی اختلاف تھا۔ اسپینی مسلمانوں نے جس وقت مسیحی قوتوں سے شکست کھائی اس وقت وہ علم وتہذیب اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں اپنے حریف سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے اس کے باوجود ان کے شکست وریخت کی وجہ یہ تھی کہ عیسائی باہم متحد و منظم اور نظم وضبط کے پابند تھے جب کہ مسلمان بد نظمی، فرقوں اور جماعتوں میں بٹ گئے، امراء وعمال نے مرکز خلافت سے بغاوت کر کے اپنی چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتیں قائم کر لی تھیں۔ (۱۵۸)

اسلام نے اسی فکر میں تبدیلی لانے کے لئے ایک مرکز سے وابستہ رہنے کی تعلیم دی، مسلمانوں کی تعظیم و تکریم کو ایمان کی علامت قرار دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان مسلمان سب بھائی ہیں نہ ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو کسی مصیبت میں ڈال سکتا ہے، جو اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی کی فکر میں رہتا ہے اللہ اس کی حاجت روائی کرتا ہے اور جو کسی مسلمان کی کوئی مشکل آسان کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی مشکلات میں اس کی مشکل آسان کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی آخرت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمالیتا ہے۔"(۱۵۹)

دوسری حدیث میں ہے المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یخذله ولا یحقره، التقوی ههنا ویشیر الی صدره ثلاث مرار، بحسب امرإ من الشر ان یحقر اخاه المسلم. کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه.

"مسلمان سب بھائی بھائی ہیں ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ ظلم کر سکتا ہے نہ بروقت اس کی مدد سے دست کش ہو سکتا ہے اور نہ اس کو حقیر کر سکتا ہے اس کے بعد آپ نے سینہ کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا کہ اصل تقوی یہاں ہے برائی کے لئے بس اتنی ہی بات کافی ہے کہ اپنے کسی بھائی کو ذلیل اور حقیر سمجھے یاد رکھو کہ ہر مسلمان پورا کا پورا قابل احترام ہوتا ہے اس کی جان بھی، اس کا مال بھی، اور اس کی آبرو بھی۔"(۱۶۰)

## نظم وضبط: ترقی یافتہ اقوام کا شیوہ:

" نظم وضبط ایک تکلیف دہ عمل ہے - لیکن اس کی تکلیف یقیناً ناکامی اور پچھتاوے کی تکلیف سے کم ہوتی ہے۔ ۲۰۱۴ میں امریکہ میں ایک سروے ہوا، جس میں کاروباری سربراہان سے پوچھا گیا کہ کامیابی کیلئے سب سے اہم چیز کیا ہے؟ تقریباً 65 فیصد کا جواب تھا: " نظم وضبط اور توازن "(Balance and Discipline)۔ مشہور امریکی مصنف کوپ کومئر (۱۶۱) (KOP KOMEYER) کے مطابق کامیابی کے 1000 اصول ہیں (جو انہوں نے اپنی چار کتابوں میں بیان کیے) جن میں سب سے اہم اصول " نظم وضبط کی پابندی " کا ہے۔ اس کے مطابق انسان خود کو وہی کام کرنے پر مجبور کرے جو اسکو کرنا چاہئے اور اپنے وقت کے ضیاع کو بچائے۔

نپولین ہل نے اپنی کتاب (THINK AND GROW RICH) کیلئے دنیا کے 500 امیر ترین افراد کا انٹرویو کیا اور سب سے سوال کیا: " آپکے امیر ہونے کا راز کیا ہے؟ "- تو سب کا کم و بیش ایک ہی جواب تھا: " نظم وضبط "(۱۶۲)

کسی ریاست میں شہریوں کی جان ومال کا تحفظ، امن وامان کی بحالی، عدل وانصاف کی فراہمی اور بنیادی حقوق کی پاسداری وغیرہ معاشرتی نظم وضبط کے زمرے میں آتے ہیں۔ ریاست میں جس قدر ان عوامل کی صورتِ حال بہتر یا ابتر ہوتی ہے اتنا ہی معاشرتی نظم وضبط معیاری یا غیر معیاری تصور کیا جاتا ہے۔ یعنی کسی ریاست کی کارکردگی کا انحصار اس کے قائم کردہ نظم وضبط پر ہوتا ہے کیونکہ معاشرتی نظم کے ذریعے ہی وہ عدل وانصاف فراہم کرتی ہے۔ شہریوں کے جان ومال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہے۔ بہتر منصوبہ کرتی ہے، افراد کو تعلیم وصحت کی بہتر سہولتیں فراہم کرتی ہے۔ معاشی ترقی کا انتظام کرتی ہے۔ نیز اچھے معاشرتی نظم وضبط کی موجودگی میں آزادی، مساوات، رواداری جیسی جمہوری روایات فروغ پاتی ہیں۔ بدعنوانی اور جرائم میں کمی آتی ہے۔ بہتر نظم وضبط کی بنیاد پر تشدد و دہشت گردی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ تمام افراد کو ترقی کے یکساں مواقع مہیا کئے جاسکتے ہیں۔ افراد کا معیار زندگی بلند کیا جاسکتا ہے انہیں تمام بنیادی حقوق مہیا کئے جاسکتے ہیں۔ جبکہ معقول معاشرتی نظم وضبط کے مفقود ہونے پر افراد کی جان ومال غیر محفوظ رہتی ہے۔ ان کا آرام وسکون تباہ ہو جاتا ہے۔ وہ دلجمعی سے اپنی سرگرمیاں اور ذمہ داریاں ادا نہیں کرسکتے۔ ملک کا امن وامان برباد ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ معاشرے میں انتشار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں معاشرتی نظم وضبط کے فقدان کی بدولت اس وقت جس قسم کی کیفیت موجود ہے وہ بہت تکلیف دہ امر ہے اس معاشرتی انتشار کی تاریخ پرانی ہے۔(۱۶۳)

اسلام زندگی کو نظم وضبط کے ساتھ گزارنے کو بڑی اہمیت دیتا ہے - انسانی زندگی کو مفید اور کارآمد بنانے کے لئے نظم وضبط نہایت ضروری ہے - اوقات منضبط ہوں، بے کار مشاغل میں ضائع نہ کئے جائیں تو ان میں بڑی برکت ہوتی ہے تھوڑے وقت میں بہت زیادہ کام کیا جاسکتا ہے۔

آج ہم جس زبوں حالی سے دوچار ہیں اس میں جہاں اور بہت سے عوامل اثر انداز ہو رہے ہیں ایک بڑی اور اہم وجہ نظم وضبط کا فقدان ہے- نظم وضبط کا یہ فقدان ہماری عام زندگی میں، سفر میں، بازار میں اور دیگر بہت ساری جگہوں پر دیکھا جا سکتا ہے- بد نظمی در حقیقت ہلاک کر دینے والی ہے عذاب یہی نہیں کہ آسمان سے پتھر برسیں، قوت کار کو مفلوج کر دینے والی بد نظمی بھی در حقیقت ایک بڑا عذاب ہے جو ہم پر مسلط ہے یا جسے ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے مسلط کر رکھا ہے- خود کو اس عذاب کی گرفت سے بچانے کے لئے بڑی مربوط اور ہمہ گیر وہمہ پہلو جدوجہد کی ضرورت ہے- اس لئے جہاں ہم بے شمار دوسرے اقدام سوچ سکتے ہیں ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ کم از کم نسلِ نو کو ابتدا ہی سے نظم وضبط کا خوگر بنایا جائے۔

نظم وضبط کا مطلب بنیادی طور پر یہ ہے کہ کوئی شخص خود کو اس قدر آزاد خیال نہ کرے کہ وہ ہر وقت ہر مقام پر "من مانی" کر سکتا ہے- نظم وضبط دراصل ایک لگام ہے جو انسان کی جبلت اور اس کی منہ زور خواہشات کو کنٹرول میں رکھتا ہے- انسان جب یہ سمجھ جاتا ہے کہ اس سے کیسے رویے کی توقع رکھی جا سکتی ہے، معاشرہ اس کی کس بات کو قبول کرتا ہے، اس کی زندگی خود اپنے لئے اور معاشرے کے لئے کارآمد بن جاتی ہے اور اسے احساس تحفظ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔(۱۶۴)

**اسلامی ریاست میں نظم وضبط، توازن اور اعتدال کا ایک روشن نمونہ:**

شاعر مشرق، علامہ اقبال کا مردِ مومن ان کا نصب العینی انسان ہے۔ وہ کیسا ہونا چاہیے، جواب تو ایک ہی ہے کہ نظم وضبط، توازن واعتدال کا نمونہ، اعمال واقوال کا خوبصورت امتزاج؟ چنانچہ ضربِ کلیم کی ایک نظم کے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں جو مردِ مومن کی توصیف میں ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان — کردار میں گفتار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے — دُنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم — دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز — آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمن! (۱۶۵)

مسجدِ قرطبہ میں "مردانِ حق" کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ یوں ہے:

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز(۱۶۶)

بانگِ درا میں کہا ہے:

گزر جا بن کے سیلِ تُند رَو کوہ و بیاباں سے
گلستان راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا(۱۶۷)

اسی طرح ضربِ کلیم میں آتا ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن(۱۶۸)

گویا علامہ اقبال کا نصب العینی انسان "احسن تقویم" کی صحیح مثال ہے۔ سختی کی جگہ سختی، نرمی کے موقع پر نرمی، جگرِ لالہ کے لیے ٹھنڈک، دریاؤں کے لیے طوفان، کوہ و بیابان کے لیے سیلِ تُند رَو اور گلستان کے لیے جوئے نغمہ خواں، بزمِ اُنس میں ابریشم، رزمِ حق و باطل میں فولاد — یہی اسلام کا نظم و ضبط اور اس کی اصل روح ہے، اسی کا نام صراطِ مستقیم ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تکن راطباً فتعسر ولا یبساً فتکسر۔(نہ اتنے تر بنو کہ نچوڑ لیے جاؤ اور نہ اتنے خشک بنو کہ توڑ دیے جاؤ۔)(۱۶۹)

قرآن حکیم میں آتا ہے: "نہ تو اپنے بازو کو اپنے گلے کا ہار بنالو اور نہ بے تحاشا پھیلاتے چلے جاؤ۔ (دونوں صورتیں غیر معتدل ہیں)۔ لہٰذا خطرہ ہے کہ پھٹکار اور دھتکار پا کر بیٹھے رہو گے۔"(۱۷۰)

نظم وصبط اور توازن کا درس دینے والی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ مگر مزید مثالوں سے دانستہ گریز کیا جارہا ہے۔ علامہ اقبال قرآن کی اسی نظم وضبط اور توازن آموزی کے پیشِ نظر لکھتے ہیں: اسی طرح ضربِ کلیم میں آتا ہے:

ز قرآں پیش خود آئینہ آویز دگرگوں گشتہ از خویش بگریز
ترازوئے بنہ کردارِ خود را قیامت ہائے پیشیں رابر انگیز (۱۷۱)

"قرآن کو آئینے کی طرح پیشِ نظر رکھ۔ اس آئینے میں دیکھے گا، تو پتہ چلے گا کہ تو بالکل بدل کر رہ گیا ہے، لہٰذا اپنے اس مسخ شدہ وجود سے گریز اختیار کرلے، اپنے کردار کے لیے ترازو مقرر کرلے یعنی کردار کو نظم وضبط اور اعتدال کا نمونہ بنالے۔ جب تو ایسا کرے گا تو تجھ میں وہی قوت آجائے گی، جو تیرے آباؤ اجداد کو میسر تھی۔ لہٰذا تو بھی وہی قیامت دُنیا میں بپا کر دے گا، جو عہدِ ماضی میں تیرے آباؤ اجداد بپا کرتے تھے۔" گویا علامہ اقبال کے یہاں طاقت اور قوت کا راز نظم وضبط، تناسب اور توافق میں پنہاں ہے۔

**عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں:**

**اظہار رائے کی ازادی اور آزادی تحریر و تقریر میں نظم وضبط:**

اسلام نے حریت رائے کو بھی تسلیم کیا ہے ایسے متعدد واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے

حریت رائے کا کس درجہ احترام کیا ہے، اور کہاں تک آزادی بخشی ہے۔ غزوہ احد میں نبی کریم ﷺ اور جلیل القدر صحابہ کرام کی رائے تھی کہ مدینے کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر حضرت حمزہؓ اور نوجوانوں کی رائے یہ ہوئی کہ باہر نکل کر جنگ کی جائے۔ جب آپ ﷺ نے یہ دیکھا کہ اکثریت باہر نکل کر جنگ کرنے کے حق میں ہے تو اسی کے مطابق عزم جنگ کیا اور مسلح ہونے کے لئے حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا اختلاف ہے جو جنگی قیدیوں کے بارے میں تھا، حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کہتے تھے، فدیہ لے کر چھوڑا جائے۔ اسی طرح صحابہؓ کا اختلاف ہے، جو خلافت اور دوسرے معاملات میں رونما ہوا۔ اگر معاملہ دینی ہے تو ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ رائے کا اظہار کرے۔ بشرطیکہ اجتہاد نص سے متصادم نہ ہو۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے قیاس کو اپنے اہم ترین اصولوں میں سے ایک اہم رکن قرار دیا ہے۔ قیاس کے پوری آزادی مرحمت فرمائی ہے بلکہ آپ ﷺ نے صاحب الرائے کو اجر کا مستحق قرار دیا ہے کہ ہر مجتہد کیا تو اسے دو اجر ملیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر اجتہاد کبھی کبھی غلط ہی کیوں نہ ہو لیکن ہے باعث اجر، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام میں رائے اور قیاس کو کتنی اہمیت دی گئی ہے۔ بلکہ اسلامی میں امیر المومنین کو اہل الرائے کے مشورہ کا پابند بنایا گیا ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آیت قرآنی میں عزم سے کیا مراد ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امیر کا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر ان کے مشورہ کا پابند ہونا بھی عزم ہے۔(۱۷۲)

قرآن مجید کی ایک "سورہ مجادلہ" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک عورت حضرت خولہؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور طلاق کے سلسلے میں ایک مسئلہ پر آپ ﷺ سے مجادلہ کیا۔ زمانہ جاہلیت کے رواج کے مطابق اگر کوئی خاوند اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تو میری ماں کی طرح ہے تو اسے طلاق ہو جاتی تھی۔ حضرت خولہؓ کا استدلال یہ تھا کہ یہ جاہلانہ تصور ہے، اس سے نکاح جیسا مقدس رشتہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ رسول اللہ ﷺ اس رائے سے اتفاق نہیں کر رہے تھے۔ اس طرح دونوں میں اظہار رائے کا مجادلہ ہو رہا تھا، آخر کار عورت کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی اور ویصلہ ہوا کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے نکاح نہیں ٹوٹتا بلکہ خاوند اس جاہلانہ رسم و رواج پر عمل کرنے کا کفارہ ادا کرے۔ وہ ایک غلام آزاد کرے یا متواتر دو ماہ کے روزے رکھے، یا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ اسلام میں آزادی اظہار رائے کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔(۱۷۳)

غزوہ بدر کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا، صحابی رسول ﷺ حضرت خبابؓ نے پوچھا: "کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم اس جگہ پڑاؤ ڈالیں یا آپ ﷺ کی ذاتی رائے ہے۔" اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " یہ میری ذاتی رائے ہے۔" اس پر حضرت خبابؓ نے عرض کیا: "کہ پھر میری رائے یہ ہے کہ ہم یہاں پڑاؤ نہ کریں، بلکہ ہم دشمن کے قریب ترین کنویں پر قبضہ کر لیں اور پیچھے والے تمام کنویں بند کر دیں۔ اس طرح

جنگ کے دوران ہمیں پانی کی سہولت میسر ہو گی جبکہ دشمن اس سے محروم ہو گا۔" آپ ﷺ نے حضرت خبابؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور اس کے مطابق عمل کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں آزادی اظہار رائے کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

غزوہ خندق کے دوران رسول اللہ ﷺ نے بنو غطفان کو اپنے خلاف اتحادی فوجوں سے کاٹنے کے لیے انہیں مدینے کھجوروں کا کل فصل کے ایک تہائی حصے کی پیش کش کی۔ انصار کی دو مقتدر شخصیات حضرت سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ نے دریافت کیا: "کہ یہ اللہ کا حکم ہے کہ ہمیں صرف اس کی پیروی کرنی ہے یا یہ آپ ﷺ کی ذاتی رائے ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: " یہ میری ذاتی رائے ہے۔" انہوں نے کہا: "پھر ہمیں بھی اپنی رائے کے اظہار کی آزادی ہے۔ اللہ کی قسم ہم نے ان لوگوں کو کفر و شرک کے دوران بھی ایک کھجور نہیں دی تھی اور اب جبکہ آپ ﷺ کی بدولت ہم اسلام کی نعمت سے مالا مال ہیں تو انہیں ایک تہائی کھجور کی فصل کیسے دے سکتے ہیں؟" آپ ﷺ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور اپنی رائے واپس لے لی۔(۱۷۴)

اسلامی ریاست میں شہریوں کو ملک معاملات کو ملکی معاملات اور مسائل پر آزادانہ اظہار رائے کا نہ صرف حق ہے بلکہ یہ ان کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے، "میرے بعد کچھ لوگ حکمران ہونے والے ہیں، جو ان کے جھوٹ میں ان کی تائید کرے اور ان کے ظلم میں ان کی مدد کرے وہ مجھ سے نہیں اور میں اس نہیں۔ " (۱۷۵)

آزادی اظہار رائے کو بین الاقوامی طور پر انسانی حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اسلام اسے یہ حیثیت اور حق عطا کرنے والا پہلا مذہب ہے۔ اسلام میں اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے لیے عورت اور مرد، دونوں کو ازادی اظہار کی نعمت سے نوازا گیا ہے۔ جسم کو تو قید کیا جاسکتا ہے لیکن فکر حریت کو نہیں روکا جاسکتا۔ اسلام فکر کی حریت کا داعی ہے۔ فکر کی حریت اس کا ایک امتیاز ہے۔ اسلام میں فکری حریت ہے بشرطیکہ خیالات ملحدانہ نہ ہوں۔ یا ایسا پروپیگنڈہ ممنوع ہے جو اسلام کے خلاف ہو۔ نظم و ضبط کی پابندی کے ساتھ اسلام جائز قید ضرور لگاتا ہے۔ عوام الناس کو اسلامی ریاست یا معاشرے میں بے لگام نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اسلامی ریاست میں فرد کو آزادی ہے لیکن آزادی پر بھی جائز قید عائد کی جاتی ہیں۔ اسلام انسانیت کی قدر کرتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر (Dignity of Mankind) کا خیال رکھتا ہے۔(۱۷۶)

## تشہیر و پھیلاؤ میں نظم وضبط:

فواحش و منکراتِ کی اشاعت کا دوسرا طریقہ تشہیر ہے۔ تشہیر ابلیسی فن کاری کا شاہکار ہے۔ شیطان نے اللہ پاک سے وعدہ کیا تھا کہ وہ نسل آدم کو بہکانے اور معصیت الٰہی پر آمادہ کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرے گا اس میں مختلف اعمال کو مزین کرنا اور جھوٹ اور فریب پر مبنی وعدے کرنا شامل ہے۔ سابقہ امتوں میں شیطان کی کارستانیوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیتے ہوئے فرمایا: تَاللّٰہِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَزَیَّنَ لَہُمُ

الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۱۷۷)ترجمہ:"اللہ کی قسم ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے تھے شیطان نے ان کے کردار (ناشائستہ) ان کو آراستہ کر کے دکھائے تو آج بھی وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔"

تشہیر شیطان کے انہی دو اصولوں پر مبنی ہے جھوٹا وعدہ اور آرزوؤں کا بیدار کرنا۔ جھوٹے وعدے اور غلط آرزوئیں پروپیگنڈے کے بنیادی اصول ہیں۔ اس کو مغرب نے خوب ترقی دی، تشہیر نے انسانی زندگی کو بے حد متاثر کیا ہے اگر دورِ حاضر کی زندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ نوے فیصد کا دارومدار تشہیر پر ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ نے ان طریقوں میں نت نئے اسالیب پیدا کر کے اخلاقی اقدار اور معاشرتی روایات کو تباہ کر دیا ہے۔ مغربی تہذیب نے عورت کو گھر سے نکال کر کارخانوں، دفتروں اور نائٹ کلبوں میں پہنچایا اور اب مقابلہ حسن کی منڈی سجائی ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ نے عورت کے استحصال کو اس کی آزادی اور خود مختاری کے حسین عنوانات کے ذریعہ مستحکم کیا ہے۔ ذرائع ابلاغ نے عورت کو گلوکاری، اداکارہ اور تشہیری دنیا میں بطور ماڈل پیش کر کے اس کی تحقیر کی ہے لیکن ابلیسی حکمت عملی کی کامیابی ہے وہ اس پر فخر کرتی ہے اور اسے عزت و وقار کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ مغرب کی اس وبا نے مسلمان معاشروں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ مسلمان ممالک کے ذرائع ابلاغ وہی کچھ کر رہے ہیں جو مغربی ذرائع ابلاغ یا دوسرے کافرانہ معاشروں کے ذرائع ابلاغ کر رہے ہیں۔ (۱۷۸)

ابلیسی ماڈل کی اساس انسان کی تحقیر پر ہے۔ ابلیس نے اپنے خالق کو چیلنج کرتے ہوئے آدمؑ کی کمتری اور اپنی برتری کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا: "اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ"(۱۷۹)ترجمہ:" میں اس سے افضل ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔"

جبکہ اسلامی ریاست کی بنیاد انسانی تکریم پر ہے۔ آدمؑ کی تحقیر کے لئے ابلیس نے اجزائے ارضی کا خصوصی ذکر کیا۔ سورہ الحجر میں واضح طور پر عدم سجدہ کی وجہ نقل کی گئی ہے۔ ابلیس نے کہا:" قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ(۱۸۰) ترجمہ:"اس نے کہا: میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو جس کو تو نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے بنایا ہے سجدہ کروں۔ "

دور حاضر کے ذرائع ابلاغ کو فواحش کے فروغ میں بے پناہ قدرت شہرت حاصل ہو گئی ہے۔ قدیم عہد میں اس کا ارتکاب محدود پیمانے پر ہوتا تھا۔ حکمران گروہ اور صاحب ثروت افراد عیاشی میں مبتلا ہوتے۔ شراب، زنا، بدکاری و عریانی کا استحقاق چند طبقات تک محدود تھا۔ اس کا ذکر شعراء کے اشعار یا قصہ گوؤں کے بیانات میں ہوتا لیکن دور حاضر کے ابلیسی ذرائع ابلاغ نے اسے گھر گھر پہنچا دیا ہے۔ مغرب چونکہ حیا کے بنیادی وصف سے محروم ہے اس لئے اس کا ادب، آرٹ اور تفریح سب بے حیائی کے مظہر اور فحاشی کے فروغ کا باعث ہیں۔ جنسی آوری ان کی تہذیب کا خاصہ ہے، قرآن کریم نے اہل کفر و نفاق کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: "اَلْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ

بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوْا اللّٰہَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ ہُمُ الْفٰسِقُونَ" (۱۸۱)ترجمہ:"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کی طرح ہیں برے کام کا حکم دیتے ہیں اور نیک کاموں سے منع کرتے ہیں اور خرچ کرنے سے ہاتھ بند کئے رہتے ہیں، انہوں نے اللہ کو بھلا دیا بیشک منافق نافرمان ہیں۔

فواحش کا ارتکاب شیطانی حکمت عملی کا حصہ ہے قرآن انسان کو خبر دار کرتے ہوئے کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَاِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ (۱۸۲)

ترجمہ:"اے اہل ایمان! شیطان کے قدموں پر نہ چلنا اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے گا تو شیطان تو بے حیائی کی باتیں اور برے کاموں کا حکم دے گا۔"

اس پس منظر میں جدید ذرائع ابلاغ کو دیکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کام فواحش کی اشاعت کے سوا کچھ نہیں۔ موجودہ ذرائع ابلاغ نوجوان نسل کو عریانی، فحاشی اور جنسی بے راہ روی کی دلدل میں دھکیل رہے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:"لوگو! کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترا کرتے ہیں وہ جعل ساز، بدکار پر اترا کرتے ہیں۔ سنی سنائی باتیں کانوں میں پھونکتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں، رہے شعراء تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا۔(۱۸۳)

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ذرائع ابلاغ کا کام معلومات، تعلیم اور تفریح مہیا کرنا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو معلومات کی تحریف، تعلیم کی تخریب اور تفریح کی تبخیس ہے۔ جس میں فحاشی کے سوا کچھ نہیں پیش کیا جارہا ہے۔

مغربی تہذیب چونکہ نسلی تفاخر کے ابلیسی اصول پر مبنی ہے اس لئے سفید نسل کے علاوہ پوری انسانیت کی تحقیر اس کا مسلک ہے۔ مغرب کی تمام معاشی، سیاسی، معاشرتی، منصوبے مفاخرت کے اسی ابلیسی اصول پر مبنی ہیں۔ چنانچہ جہاں انسانیت کی عظمت کی بات ہوتی ہے تو اس سے مراد سفید فام انسان ہے۔ جہاں معاشی خوشحالی کی تشہیر ہوتی ہے تو وہاں مغرب کی خوشحالی مراد ہوتی ہے۔ جہاں انسانی حقوق اور مساوات کا ذکر ہوتا ہے تو اس میں مغرب کا انسان پیش نظر ہوتا ہے۔ دنیا کے دوسرے انسان اگر کچھ عزت پاسکتے ہیں تو اسی صورت میں جب وہ ابلیسی پروگرام کے کارندے بن جائیں اور وہی طرزِ حیات اپنالیں۔ یہ تمام صورتحال اسلامی نظم وضبط کے سراسر خلاف ہے۔(۱۸۴)

**نجی وعوامی زندگی میں نظم وضبط:**

افراد کی خلوت میں مداخلت نہ کی جائے، ازدواجی رشتے اور گھریلو زندگی کے تقدس کا خیال رکھا جائے۔ نوع انسانی کے وقار اور اخوت کے اصولوں کی پاسداری کی جائے۔ حُسن سلوک سے کام لیا جائے، ہر شخص کو عزت واحترام سے رہنے کا حق حاصل ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ نظم وضبط کا خیال کرتے ہوئے اسلامی ریاست میں عوام الناس کی نجی

زندگی میں جھانکنے سے گریز کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَO فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَآ اَحَدًا فَلَاتَدْخُلُوْھَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ھُوَاَزْکٰی لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌO

ترجمہ: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل ہو کر، جب تک گھر والوں کی خسارے لو، اور گھر والوں پر سلام نہ بھیجو۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے، پھر اگر جال کسی کو موجود نہ پاؤ تو داخل نہ ہو، جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے تو واپس چلے جاؤ۔ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔(۱۸۵)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات(۱۸۶) بنایا اور اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ عقل، قلم اور علم(۱۸۷) ہے۔ اگر انسان ان دونوں کو اچھی طرح سے استعمال کرتا ہے تو وہ بہت بلندی پر جا سکتا ہے۔ کسی بھی شخص کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کیا جائے۔ نظم و ضبط پیدا کرنے کے لیے ایسی تربیت بھی اہم ہے جو اسے نظم و ضبط سکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ ارشاد ربانی ہے "اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ"(۱۸۸)۔ کائنات کے ذرے ذرے میں نظم و ضبط ہے۔ زمین، سورج، چاند اور ستاروں سے پانی کی مخلوقات تک سب کے سب منظم ہیں۔ (۱۸۹) اس سے نظم و ضبط کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ زندگی میں انسان کو بہت سی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اگر انسان منصوبہ بندی سے روز مرّہ کے تمام کام انجام دے تو اس کی پریشانیاں کافی حد تک کم ہو جاتی ہیں۔ جب کوئی شخص خود منظم زندگی نہ گزار رہا ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک اچھی زندگی بسر کر سکے۔ ایسے افراد جو اپنی زندگی میں منظم نہیں ہوتے ہیں، ان کے متعلق معاشرے کی رائے اچھی نہیں ہوتی ہے۔

## ضابطۂ اخلاق اور گرفت کی ضرورت:

رہنمایانِ ملک اور روساے قوم اگر ایسے افراد کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں اور عدلیہ بھی اگر ان کے ان افعالِ رذیلہ سے بے اعتنائی برتتی ہے، تو ملک و قوم میں امن و آشتی، راست روی، حق گوئی اور حقائق سے آگہی کے لیے فضا ہموار نہیں کی جاسکتی اور ملک و قوم کو معنوی ترقیوں سے ہم کنار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ایسے افراد یا میڈیا بہر حال پرُامن اور خوش حال زندگی کے لیے چیلنج ہیں اور ان سے سخت طریقے سے نمٹنے کی ضرورت ہے۔ مذکورہ آیت سے متعلق عبد اللہ یوسف علی کی رائے ہے: "ان افراد کے ذریعے زندگی کو سنجیدگی سے لیا جانا چاہیے جو ان معاملات و مسائل کا شعور رکھتے ہیں جن سے زندگی متعلق ہے۔ لیکن (معاشرے میں) غیر سنجیدہ اور بے ہودہ ذہنیت کے لوگ بھی ہوتے ہیں جو لغو باتوں اور بے حقیقت قصوں کو صداقت اور حقائق پر ترجیح دیتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو بجا طور

پر ملامت زدہ ہیں۔ "(۱۹۰)

میڈیا دو دھاری تلوار کی طرح طاقت رکھتا ہے۔ تلوار کا استعمال شر و فساد کا خاتمہ کرنے کے لیے اور امن و آشتی کی پُر بہار فضا قائم کرنے کے لیے بھی ہوتا ہے اور اس کا استعمال قتل و خوں ریزی کے لیے اور فتنہ و فساد کے جذبات کو بھڑکانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ تلوار کس کے ہاتھ میں ہے۔ آیا یہ تلوار ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جو امن و آشتی کا مفہوم نہیں جانتا، جو انسانی قدروں کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھتا اور جو اخلاقی قدروں کی پامالی کو اپنا شیوہ بناتا ہو، یا یہ تلوار ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جس کی سرشت میں عدل و انصاف ہو، امن و آشتی کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتا ہو، انسانی اقدار کا پاسباں اور نقیب ہو اور اخلاقیات اس کی ترجیحات میں ہوں۔ کامیاب میڈیا دراصل وہی ہے جس کے اہل حل و عقد میں ایک طرف اس کائنات کے حقیقی مالک کا خوف قلب و ضمیر پر حکمرانی کرتا ہو اور دوسری طرف جو موت کے بعد کی زندگی میں اپنے آقا کے سامنے اعمال کی جواب دہی کا احساس رکھتا ہوں۔ اس کے علاوہ راست گوئی، عدل وانصاف اور تحقیق و تمحیص کی بنیاد پر کہی گئی باتیں ہی دراصل علمی دیانت داری کا مظہر ہیں اور یہی چیزیں علاقہ، قوم، ملک بلکہ پوری دنیا میں انسانی قدروں کی افزایش کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ یہی چیزیں خدمتِ قوم بلکہ خدمتِ انسانیت کا حق ادا کرنے کے لیے قوتِ محرکہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

موجودہ ذرائع ابلاغ خواہ طباعتی ہوں یا برقیاتی، علاقائی سطح پر ہوں یا ملکی سطح پر یا پھر بین الاقوامی سطح پر، وہ افراد ہوں جن کا شیوہ ہی فسق و فجور اور بے حیائی و بدکرداری ہو یا وہ معاشرہ ہو جو شر انگیز اور فتنہ پروروں کو نہ صرف یہ کہ انگیز کوتا ہو بلکہ محویت و استغراق کے ساتھ ان کے قافلے میں شریک ہو جاتا ہو، ایسے افراد و اشخاص یا ایسی جماعتیں اور تنظیمیں یا ذرائع ابلاغ اور اطلاعات کے وسائل نہ صرف یہ کہ قابلِ مذمت ہیں بلکہ قابلِ مواخذہ ہیں، اور ملک و قوم کی امن و آشتی کے لیے اور عوام و خواص کی مرفہ الحالی کے لیے ضروری ہے کہ حکومت اور عدلیہ کی سطح پر ان پر سخت کارروائی ہو۔ قرآن مجید اس سلسلے میں رہنما نقوش یہ دیتا ہے کہ اس فانی زندگی میں اس قسم کے جرائم کی سنگینی کے پیش نظر انھیں کیفر و کردار تک پہنچایا جانا چاہیے، اگرچہ موت کے بعد کی زندگی میں رب السموات والارض کی طرف سے ان کے لیے دردناک عذاب کی نوید بھی ہے۔(۱۹۱)

میڈیا جہاں ملک و قوم اور افراد و معاشرے کی زندگی کے دوسرے گوشوں میں خیانت کا ارتکاب کرتا ہے، ان میں سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ ایک مخصوص مذہب کے خلاف انھیں استعمال کیا جارہا ہے۔ اسلام جو عالم گیر بھائی چارگی کا تصور دیتا ہے، تمام معبودان باطل سے متنفر کرا کے خدائے واحد کی عبودیت کا تاج سر پر رکھتا ہے، انسان کو اشرف و اکرم کا اعزاز بخشتا ہے، تسخیر کائنات کا پروانہ سونپتا ہے اور ایک انسان کے قتل ناحق کو ساری انسانیت کے قتل ناحق کے مترادف قرار دیتا ہے۔ ایسے آفاقی اور انسانیت نواز مذہب کے رُخ زیبا کو انتہا پسندی، خوں خواری اور دہشت گردی جیسے الفاظ سے داغ دار کیا جارہا ہے اور "لِيُطْفِؤُا نُوْرَاللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ"(۱۹۲) کے اعلان کے مطابق پوری دنیا

اللہ رب العزت کی اس بیش قیمت نعمت اور انسانیت نوازی کے سب سے بڑے نقیب مذہب کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کے لیے سعی میں مصروف ہے۔

**اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے عدل وانصاف:**

انسانی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ریاست کے استحکام کا دارومدار عدل وانصاف کے قیام اور اس کی مضبوطی سے ہی ممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ریاست کا مقصد وجود ہی قیام عدل ہے، لہٰذا کسی بھی منظم معاشرے کے مستحکم ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ اس معاشرے میں نظام عدل اپنے پورے آداب وشرائط کے ساتھ نافذ ہو۔ قرآن مجید میں اسلامی ریاست کو عدل کے سلسلہ میں یہ حکم دیا گیا ہے: " اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ" (۱۹۳)ترجمہ:"بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کے حوالے کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ کیا کرو۔"

اسی طرح اللہ کی طرف سے رسولوں کے مقصد بعثت کی یوں وضاحت کی ہے: "لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ "(۱۹۴)ترجمہ:"تاکید ہم نے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ ہم نے انصاف کا پیمانہ اتارا تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔ "

اس اعتبار سے رسول اللہ ﷺ بطور سربراہ ریاست، عدل وانصاف کے قیام کے ذمہ دار تھے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید آپ ﷺ کو یہ اعلان کر دینے کی ہدایت کرتا ہے۔ "وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ"ترجمہ:"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔ "(۱۹۵)

یاد رہے کہ اسلام میں حکمرانی اور عدل وانصاف ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے حکمرانی اور منصفی کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان کا مادہ ایک ہی لفظ یعنی " حکم " ہے۔ سربراہ ریاست کو "حاکم" جبکہ منصف کو "حکم" کہا جاتا ہے۔(۱۹۶)

دور رسالت مآب ﷺ میں حکومت کا اہم ترین عدلیہ تھا، مرکز یعنی مدینہ میں آپ ﷺ خود چیف جسٹس کے طور پر کام کرتے۔ آپ کی عدالت عالیہ میں چوبیس گھنٹے ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت ہوتی۔ عرب میں نظام عدل کے منتشر حصے کام کر رہے تھے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے عدالت کو ریاست کا مرکزی معاملہ بنا دیا اور دستور مدینہ میں اس کے قیام واجراء کی بنیادیں رکھ دیں۔ اور عوام الناس کو عدلیہ کے بہترین نظام کے ساتھ ہی منظم کیا گیا اور جرائم پر کنٹرول ہوا اور اسلامی فلاحی ریاست مضبوط ہوئی۔

سیرت رسول ﷺ کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ نے عدل کے قیام کے لیے اپنے اسوہ کو ایک مثال بنا کے پیش کیا اور اپنی ذات اور خاندان سے ہی عدل کے تقاضے پورے کرنے کا آغاز کیا۔ اس سلسلہ میں ل یہ واقعہ بہت مشہور ہے: "انما هلك من كان قبلكم انهم كانو يقيمون الحدّ على

الوضيع ويتركون الشريف، والّذي نفس محمد بيده لو ان فاطمة (بنت محمّد) فعلت ذلك لقطعت يدها۔ "ترجمہ: "تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اسی لیے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کمتر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر محمد ﷺ کی اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔(۱۹۷)

اس بنیادی اصول کی روشنی میں جب ریاست مدینہ میں موجود عدالتی نظام کا تجزیہ کیا جائے تو درج ذیل پہلو سامنے آتے ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ صوبائی حکومتوں کے والیوں کو بطور جج کام کرنے کا بھی حکم تھا۔ مثلاً عمر بن حزم جب یمن کے گورنر بنا کر بھیجے گئے تو انہیں تحریری ہدایت نامہ دیا گیا جس میں عدل و انصاف کی تاکید موجود ہے۔

۲۔ اہل کتاب غیر مسلموں کے مقدموں میں رسول اللہ ﷺ ان کے مذہب کے مطابق فیصلے فرماتے تھے۔ یہ اصول بعد میں مستقل قانون کا درجہ اختیار کر گیا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں موجود غیر مسلموں کو ان کی الہامی تعلیمات کے مطابق پابند بنایا جا سکتا ہے۔

۳۔ انصار کے قبائل کی حد تک آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے پہلے ہی بیعت عقبہ میں ہر ایک قبیلے کا ایک ایک نقیب مقرر کیا تھا جو اپنے قبیلے کی نمائندگی اور ان کے باہمی نزاعات کے فیصلوں کا ذمہ دار تھا۔ اگر کسی معاملے میں نقیب کا فیصلہ تشفی کا سامان نہ کرتا تو معاملہ آنحضرت ﷺ کے پاس آتا۔ نقیب کے تحت ہر دس آدمیوں کا ایک افسر ہوتا تھا جسے عریف کہتے تھے۔(۱۹۸)

**نظم وضبط کی پابندی کے لیے عدالتی اصلاحات کا نفاذ:**

شعبہ عدالت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انسانی تاریخ میں پہلی دفعہ بے مثل اصلاحات کا نفاذ ہوا۔ جن میں انسانی جان اور عزت نفس کا احترام، حقوق انسانی اور وقار انسانی کا تحفظ شامل ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں ایک مسلمان نے ایک ذمّی کو قتل کر دیا تھا۔ آپ نے نہ صرف قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا بلکہ غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کا اپنے آپ کو ذمّہ دار قرار دیا۔ ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے اعلان فرمادیا: "الا من ظلم معاهداً او انتقصه او كلّفه فوق طاقته او اخذ منه شيئاً بغير طيب نفس فأنا حجيجه يوم القيامة۔" (۱۹۹)ترجمہ:""خبردار جو شخص کسی معاہدہ پر ظلم کرے گا یا اسکے حقوق میں کمی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا یا اس کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا اسکے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث بنوں گا۔"

دنیا کے عدالتی نظام پر جس شخص کی نظر ہو اور وہ قرون وسطیٰ کی دنیا کے نظم عدالت سے بھی باخبر ہو تو وہ

کچھ حیران کن عدالتی اصلاحات دیکھے گا جو آپ ﷺ نے اس دور میں پہلی دفعہ متعارف کروائیں۔ آپ ﷺ نے ایک طرف تو غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا اور دوسری طرف حاکم و محکوم کے لیے ایک ہی قانون عملاً نافذ کر دکھایا، یوں قانونی مساوات کا عمل مظہر پہلی دفعہ نظر آیا۔ آپ ﷺ نے انسانی تاریخ میں پہلی دفعہ عدالتی اصلاحات متعارف کروائیں، درج ذیل ہیں:

۱۔ عمد، مشابہ عمد اور خطا میں فرق کیا گیا اور جرم میں، مجرم کی نیت کے عمل دخل کو سب سے پہلے دیکھا گیا، ضامن کا قانون مقرر ہوا۔ ہر جانے کا معاوضہ رقم کی صورت میں مقرر ہوا، بے رحم انصاف کی جگہ استحسان کو عدالتوں میں رواج دیا گیا اور کسی زیادتی کی ذمہ داری کو شخصی قرار دیا گیا، ایک کا بار دوسرے پر لادنے کا سلسلہ نہیں، شک کا فائدہ ملزم کو دینا اور غلطی سے سزا دینے کی جگہ، غلطی سے رہا کرنا، اصولاً بہتر قرار دیا گیا، آپ ﷺ نے ہدایات جاری کیں کہ: "امام سے غلطی معاف کرنے میں ہو جائے تو بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے۔"

۲۔ انصاف رسانی کے لیے قاضی کو صرف روداد پر فیصلہ کرنے کی تلقین کی گئی اور اپنی خانگی معلومات کو دخل دینے سے روکا گیا۔ دونوں فریقوں کا مؤقف سننے پر زور دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ ﷺ نے ہدایت کی: "فلا تقض بينهم حتى تسمع من الآخر كما سمعت من الاول"(۲۰۰)

۳. آنحضرت ﷺ نے قانون کا یہ قاعدہ بھی مقرر فرمایا کہ ثبوت پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے۔ اگر مدعی ثبوت نہ دے سکے تو دعویٰ کے منکر یعنی مدعا علیہ سے قسم لی جائے۔ اس قاعدے کو بدلنے کی اب تک کہیں ضرورت نہیں سمجھی گئی: "البينة على المدعي و اليمين على المدعىٰ عليه" (۲۰۱)

۴۔ قانون شہادت کو تفصیلات کے ساتھ نافذ کیا گیا۔ قرآن کی ہدایات کے مطابق سزا یافتہ، گناہ کبیرہ کے مرتکب، جھوٹے اور فاسق و بدکار کی شہادت غیر معتبر قرار دی گئی۔ تفتیش، تنقیح، شہادت اور جرح کے قواعد، گواہوں کی تعداد، عمر، مرد و عورت، مسلم اور غیر مسلم کی شہادت اور غیر ملکی مستامنوں کے عدالتی حقوق۔۔ سب کچھ کے تفصیلی قواعد کا اجراء ہوا۔ قاضیوں کے لیے تنخواہوں کا نظام بھی نافذ کیا گیا۔(۲۰۲)

۵۔ انگریزی قانون کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ بادشاہ کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں دائر کیا جا سکتا کیونکہ King can do no wrong لیکن اسلام کسی انسان کو خطا سے مبرا نہیں سمجھتا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ آنحضرت ﷺ نے خود اپنی ذات کے خلاف مقدمات سنے اور مدعیوں کے حق میں فیصلے صادر کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی ذات سے بدلہ دیتے دیکھا ہے: رأيت رسول االله صلى االله عليه وسلم يقيد من نفسه(۲۰۳)

## وضع قطع، لباس، رسوم ورواج کے طریقوں میں نظم وضبط:

کسی بھی قوم کی تہذیبی وثقافتی پہچان اور امتیاز میں اسکی عمومی وضع قطع کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ عیسائی اور مجوسی لوگ عموماً تمدنی حیثیت سے جبکہ مشرکین مذہبی حیثیت سے داڑھی منڈوانا ضروری خیال کرتے ہیں۔ دوسری طرف سکھوں، یہودیوں اور جوگیوں کا عمومی شعار داڑھی لمبی چھوڑ دینا ہے۔ پیغمبر ﷺ نے اس معاملے میں ہر دو طبقوں کی مشابہت سے بچنے کیلئے پہلے طبقہ کے مقابلے میں داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے اور دوسرے کے مقابلہ میں داڑھی کی کچھ حد بند کر دی ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"خالفوا المشركين اوفروا اللحى واعفوا الشوارب" ترجمہ: "مشرکین کی مخالفت کرو۔ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ" (۲۰۴)

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عدمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ "رسول ﷺ طول اور عرض میں اپنی ریش مبارک کے (مٹھی بھر سے زائد) بال لے لیا (کاٹ دیا) کرتے تھے، رواہ الترمذی۔ (۲۰۵)

دور جاہلیت میں سر کے کچھ بال چھوڑ دینے اور کچھ منڈوا دینے (قزع) کا بھی رواج تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے بالوں کی ایسی وضع (قزع) سے بھی منع فرمادیا۔ (۲۰۶) اسی طرح یہود نصاریٰ سر اور داڑھی کے بالوں پر خضاب نہیں لگایا کرتے تھے مگر آپ ﷺ نے ان کی مخالفت کا حکم دیا۔ (۲۰۷)

غیر مسلموں کیلئے مخصوص اور امتیازی ملبوسات کے معاملے میں پیغمبر اسلام ﷺ نے کس قدر ان کی مخالفت اور ان کی مشابہت سے بچنے کی تاکید وتہدید فرمائی ہے، اس کا اندازہ درج ذیل روایات سے لگایا جاسکتا ہے۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میر جسم پر زعفرانی رنگ کے دو کپڑے دیکھے تو فرمایا: یہ کفار کے کپڑے ہیں۔ لہٰذا انہیں مت پہنو اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس ارشاد نبوی پر میں نے عرض کیا کہ کیا انہیں دھوڈالوں؟ فرمایا بلکہ انہیں جلاڈالو۔ (۲۰۷)

۲۔ حضرت رکانہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر عمامے باندھنا ہے۔ یعنی ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں اور وہ بلا ٹوپی۔ (۲۰۸)

۳۔ حضرت ابوریحانہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے ممانعت فرمائی ہے کہ آدمی عجمیوں کی مثل اپنے کپڑوں (قمیص وغیرہ) کے نیچے ریشم کا استر رکھے یا عجمیوں کی طرح اپنے دونوں مونڈھوں پر ریشم کے نشان رکھے جائیں۔ (۲۰۹)

۴۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جب حاضر ہوا تو اس نے پیتل کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تجھ سے بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں تو اس نے اسے پھینک دیا۔ پھر حاضر ہوا تو اس نے ہوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے

فرمایا: کیا بات ہے میں تجھ پر اہل دوزخ کا زیور دیکھ رہا ہوں تو اس نے اسے بھی پھینک دیا اور پوچھا رسول اللہ ﷺ میں کس چیز کی انگوٹھی بنواؤں؟ فرمایا: چاندی کی اور اس کا وزن مثقال سے کم ہی ہو۔(۲۱۰)

خورد و نوش کے آداب اور طریقے کسی قوم کی تہذیب و کلچر کا اہم ترین حصہ ہوتے ہیں اور یہ بات چنداں محتاج دلائل نہیں کہ غیر مسلم اقوام کے نزدیک اشیاء خورد و نوش میں حلت و حرمت کا کوئی تصور نہیں جبکہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو ظاہری اور باطنی اعتبار سے پاک یعنی حلا و طیب کھانے کی تاکید فرمائی ہے اور حرام و خبیث اشیاء کی طرف سوائے حالت اضطراب کے، ہاتھ بڑھانے کی قطعی ممانعت کر دی ہے۔ علاوہ ازیں غیر مسلم اقوام کے برعکس رزق الٰہی کی تعظیم و تکریم، کھڑے ہو کر کھانے کی بجائے بیٹھ کر کھانے اور تواضع کی صورت میں دستر خوان پر بیٹھنے کا کلچر رواج دیا۔ ساتھ ساتھ میلے کچیلے ہاتھ منہ کے ساتھ کھانے پر جانوروں کی طرح جھپٹ پڑنے کی بجائے ہاتھ دھو کر، (بسم اللہ) پڑھ کر اپنے سامنے سے انتہائی اطمینان و سکون اور غیر حریصانہ انداز میں کھانے کا انتہائی مہذب اور شایان شان آداب تعلیم فرمائے۔ جن کی تفصیل کا یہ مقالہ متحمل نہیں ہو سکتا۔(۲۱۱)

کھانے پینے میں حلال و حرام کی تمیز اور نظم و ضبط: جو شخص حیات و کائنات کی کلیت اور وحدت کا تصور رکھتا ہو، وہ زندگی کے معاملے میں بھی نظم و ضبط کو نظر انداز نہ کرے گا۔ جب بھوک مٹانے کے بجائے محض کھانا پینا ہی مقصود بن جائے اور ہوس کا رنگ اختیار کر لے تو گویا نظم و ضبط اور توازن چھن گیا۔ قرآن حکیم کا حکم ہے: "وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا" ترجمہ: "کھاؤ پیو، مگر زیادتی نہ کرو" (۲۱۲) زیادتی مراد ہے بھوک اور پیاس کا حد سے بڑھ جانا۔

امام غزالی کہتے ہیں: "ضرورت سے زیادہ کھانا پینا، ذہن کو کند اور حافظے کو کمزور کر دیتا ہے۔ خوابیدگی بڑھ جاتی ہے جو وقت کا ضیاع بھی ہے اور جس سے قلب کی قوت بھی گھٹ جاتی ہے، نورِ دانش دھندلا جاتا ہے اور آدمی نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی اہلیت سے محروم ہو جاتا ہے۔"(۲۱۳)

یہ نظم و ضبط، توازن اور اعتدال کی نہایت معمولی سی مثال تھی مگر اس کے اثرات کی جولان گاہ بھی کتنی وسیع ہے۔ معنی یہ کہ ہر وہ چیز جو اپنی حدود کی پابند ہے، وہ متناسب ہے، متوازن ہے، حسین ہے اور خیر ہے۔

یہاں ابن مسکویہ کا قولِ ذیل بے محل نہ ہو گا: "ہر وہ شے جو عمل میں آنی چاہیے، اگر اس طرح عمل میں آئے جس طرح آنی چاہیے، اس حد تک جس حد تک چاہیے، وہاں جہاں چاہیے، اور اس وقت جس وقت چاہیے، خیر کہلاتی ہے، اور ہر وہ شخص جو سوچ سمجھ کر اپنے شوق و اختیار سے اس طریق پر گامزن ہوتا ہے، اسے مردِ دانا کہتے ہیں۔"

**نظم و ضبط کے قیام کے لیے تعلیم و تعلم کا نفاذ:**

قرآن مجید کی پہلی وحی اقراء یعنی پڑھنے کے حکم (۲۱۵) سے شروع ہوتی ہے اور "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ" (انسان کو وہ علم عطا کیا جو اس کے پاس نہیں تھا پہ ختم ہوتی ہے۔(۲۱۶) سورۃ البقرہ میں کائنات میں پہلے انسان اور

نبی، آدم کی فوقیت و برتری کی بنیاد اس کے علم کو قرار دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو "رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" ترجمہ: "اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔" (۲۱۷) کی دعا سکھائی ہے۔ علم کی اسی فضیلت کے پیش نظر، اسلام (اس سلسلہ میں دنیا کا واحد مذہب ہے) نے حصول علم کو رسول ﷺ کے ذریعے فرض قرار دیا۔ نبی آخر الزماں ﷺ نے جہاں انسانیت کو دین اسلام کے ذریعے، جاہلیت کی تاریکی سے نکالا وہاں تعلیم کے ذریعے معاشرے کو جہالت کے اندھیروں سے پاک کیا۔ ریاست مدینہ میں خواندگی اور اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں جو اقدام کیے گئے انکا خلاصہ کچھ یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

رسول اللہ ﷺ نے بے شمار مصروفیات کے باوجود تعلیمی منصوبہ بندی کی طرف بھرپور توجہ دی اور ذاتی طور پر آپ اس کی نگرانی فرماتے رہے۔ سعید بن العاص جو کہ خوشنویس تھے، معلم حکمت، مقرر ہوئے جن کے ذمے لوگوں کو لکھنا سکھانا تھا۔ حضرت عبادہ بن الصامت کو، صفہ میں معلم مامور کیا گیا۔ ہجرت سے ڈیڑھ سال بعد جنگ بدر میں گرفتار ہو کر آنے والے قیدیوں کے لیے رہائی کا یہ فدیہ مقرر کیا گیا کہ وہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں گے۔

قبائلی وفود اسلام قبول کرنے کی غرض سے جناب رسول اللہ ﷺ سے ملنے آتے تو آپ ان کے ساتھ کسی تربیت یافتہ صحابی کو بطور استاد روانہ کر دیتے تاکہ نو مسلموں کی تعلیم کا اہتمام ہو۔ یہ صحابی اپنی ذمہ داریاں پوری کر کے واپس آجاتے۔ بیر معونہ کے مشہور واقعہ میں آپ ﷺ نے ستر قاری قرآنی تعلیم کے لیے روانہ کئے تھے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے معلمین اور علماء کو معاشرے میں عزت و تکریم کا اعلیٰ مقام عطا کیا حتی کہ انہیں انبیاء کا وارث قرار دے کر ان کے سماجی مقام کا تعین کیا۔ آپ نے معلمین و مدرسین کو طلبہ پر سختی سے احتراز کرنے اور لوگوں کے فہم کے مطابق ان کو بات سمجھانے کی ہدایت فرمائی۔

تحریر و کتابت کے سلسلہ میں نفاست و صفائی کے آداب بتائے۔ کاغذ کو سیاہی خشک ہونے پر تہہ کرنے اور لکھنے میں تھوڑے وقفہ کے دوران میں قلم کان میں پر لگا لینے کے طریقے سکھائے۔

خطوط پر مہر لگانے کا رواج بھی سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے شروع کیا۔ آپ ﷺ کی مہر جس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا، سرکاری ہدایت نامے اور دستاویز پر ثبت ہوتی تھی۔ اس کا عکس محفوظ ہے۔ (۲۱۸)

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کے بعد مسجد کی تعمیر کی جس میں مدرسہ کا اجراء فرمایا، مکہ مکرمہ میں تین خفیہ درسگاہیں تھیں۔ (۲۱۹) مدینہ میں درسگاہ صفہ کے علاوہ تین مساجد بنی زریق، قباء تقیع الخضمات میں تعلیمی ادارے قائم کئے۔ (۲۲۰) یہ سلسلہ پھیلتا گیا، حتی کہ بقول قاضی اطہر مبارکپوری نوے درسگاہیں قائم ہو گئیں۔ (۲۲۱) اور ان درسگاہوں میں اس زمانہ کے جدید علوم کے ساتھ جدید زبانیں سیکھنے کی ترغیب بھی دی گئی، ہمیں بھی چاہئے عہد حاضر کے علوم و ٹیکنالوجی کے فروغ کے لئے زیادہ سے زیادہ ادارے قائم کریں اور علم کے ذریعہ

دشمن کا مقابلہ کریں، آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: اللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعْنِي وَزِدْنِيْ عِلْماً۔(۲۲۲) اے اللہ مجھے جو علم عطا کیا ہے اس سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطاء فرما اور جو علم فائدہ پہنچانے والا ہو وہی مجھے عطا فرما اور میرے علم میں اضافہ فرما۔

مدینہ میں صفہ کے علاوہ کم از کم ۹ مسجد مکاتب، سکولز کام کر رہے تھے اور ہر محلے کے لیے تعلیمی رہنمائی جاری تھی۔ رسول اللہ ﷺ خود ان کا معائنہ کرتے اور ضروری ہدایات دیتے۔ جہاں تک نصاب تعلیم کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں کہ: "ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری تھا۔ معینہ کتب پڑھانے کی جگہ معینہ معلم کے پاس لوگ جاتے اور وہ جو کچھ پڑھا سکتا تھا اس سے پڑھتے، بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی طب، علم ہیت، علم انساب اور علم تجوید قرآن کی تعلیم دی جائے۔(۲۲۳)

صفّہ، مسجد نبوی کے صحن میں ایک احاطہ جو دراصل ایک اقامتی درسگاہ کے طور پر شروع کیا گیا، اس میں قرآن، تجوید، فقہ اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم ہوتی۔ یہاں مستقل طور پر رہائش پذیر طلبہ کے علاوہ محدود وقت کے لیے پڑھنے والے بھی آتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی نگرانی فرماتے۔ خواتین کی تعلیم کے لیے آپ ﷺ نے ہفتہ میں ایک دن مخصوص کیا، جب مسجد نبوی میں صرف خواتین تعلیم کے لیے آتیں۔ اس سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمات بے مثال ہیں۔ (۲۲۴)

**طلبہ میں نظم ضبط:**

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی، اس کی ابتداء اقرأ (۲۲۵) سے ہوتی ہے۔ علم کے حصول کے لیے اسلامی ریاست اور معاشرے میں کئی طرح کے ادارے پائے جاتے ہیں، جن میں مدارس، دارالعلوم، اسکول، کالجز، جامعات وغیرہ شامل ہے تاہم بچے کی سب سے پہلی درسگاہ ماں کی گود ہے۔ بچوں میں نظم وضبط انہی اداروں میں پیدا کیا جاسکتا ہے۔

نظم وضبط کی تربیت ابتدا ہی سے دینا بڑا ضروری ہے، اس کا طریقہ یہی نہیں کہ ماں باپ ہر وقت کوڑا ہاتھ میں رکھیں اور ذرا ذرا سی بات پر بچے پر آزمانا شروع کر دیں یا ہر وقت روک ٹوک کرتے رہیں کہ یوں کرو، یوں نہ کرو۔ طلباء میں نظم وضبط پیدا کرنے کا ایک طریقہ ان کی کڑی نگرانی ہے۔ سکول اوقات میں ان کی کڑی نگرانی کر کے ان کو بہت سے باضابطگیوں سے بچایا جاسکتا ہے۔ اسکول اوقات کی پابندی اس سلسلے میں بہت اہم کڑی ہے۔ دوسرا طریقہ گھریلو سطح پر بچوں کی اچھی دیکھ بھال ہے جو کہ اساتذہ کے بجائے والدین کی ذمہ داری ہے۔ بچہ جب گھر پر ہو تو اس کے کھانے پینے اور سونے جاگنے کے اوقات متعین کیے جائیں۔ اچھے نظم وضبط والے دوستوں کی صحبت بھی انسان کی زندگی میں منظم کرتی ہے۔ بعض اوقات طلباء نظم وضبط سے فرار چاہتے ہیں، ایسے میں ان پر سختی بھی برتی جاسکتی ہے۔

نظم وضبط اہداف تک پہنچنے کے لئے ایک بہترین وسیلہ ہے، اپنے اہداف تک پہنچنے کے لئے منظم پروگرام تشکیل دے کر اپنی زندگی کے لمحات کو خوشگوار اور پُر ثمر بنا سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کسی قوم وملت کی سلامتی بنا نظم وضبط کے ممکن ہو سکے۔ یہ وہ راستہ ہے کہ تاریخ کے عظیم ترین اور کامیاب افراد نے جس کی پیروی کی اور اس کے پابند رہے اور اپنے پیروکاروں کے لیے مثالی نمونہ بنے۔(۲۲۶)

اوقات کی پابندی اور نظم وضبط: نماز کے اوقات کی پابندی کرنا، یعنی ہر نماز کو حتی الوسع اُس کے مقررہ وقت میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرنا۔ اس سے انسان زندگی میں بہت زیادہ نظم وضبط(Displine) آتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جتنا زیادہ انسان اپنی نمازوں کے اوقات منضبط کرتا چلا جاتا ہے اُتنا ہی انسان کی دیگر سرگرمیاں نظم وضبط کے دائرے میں آتی جاتی ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے: "اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا"(۲۲۷)

نماز پنجگانہ کی وسعتوں کی حد، نظم وضبط اور مشترکہ اوقات کا تعین کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے: "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا۔ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا "ترجمہ:"(اے محمد ﷺ)سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نمازیں اور صبح کو قرآن پڑھا کرو، کیونکہ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا موجب حضور(ملائکہ) ہے۔"(۲۲۸)

اس آیت میں نماز پنجگانہ کے اوقات اور نظم وضبط کا مجموعی طور پر اشارہ کیا گیا ہے جس کی تفصیل اسلامی روایات میں ذکر ہوئی ہے سورج جس وقت نصف النہار پر پہنچ کر زوال کی طرف مائل ہونے لگتا ہے نماز ظہر کا وقت ہو جاتا ہے ظہر کی نماز کے بعد عصر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے پھر غروب آفتاب کے بعد مغرب کے وقت سے نصف شب تک جب رات کی سیاہی پوری طرح چھا جاتی ہے مغرب اور عشاء کی نماز کا مشترک وقت ہے، ان چاروں نمازوں، ظہر و عصر اور مغرب وعشاء کے اوقات ایک دوسرے سے متصل ہیں پھر نصف شب کے بعد فجر صادق سے طلوع آفتاب تک نماز صبح کا وقت ہے جسے تلاوت قرآن کے سبب "قرآن فجر" کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے اور اعلان ہوا ہے کہ نماز صبح کے لئے شاہد و گواہ کا انتظام ہے۔ روایات کی روشنی میں نماز صبح کا امتیاز یہ ہے کہ وہ فرشتے جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے شب وروز کا حساب رکھنے پر مامور کر رکھا ہے صبح کے وقت تبدیل اور حاضر ہوتے ہیں رات کا فرشتہ جاتا اور دن کا فرشتہ آتا ہے اور دونوں نماز فجر کی گواہی دیتے ہیں کیونکہ دونوں نماز فجر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ البتہ بعض نے نماز فجر کے وقت تمام حواس حاضر ہونا بھی مراد لیا ہے۔ یہاں اللہ رب العزت نے نظم وضبط اور ترتیب کے ساتھ نماز کے اوقات کا ذکر فرمایا ہے۔(۲۲۹)

وقت کی قدردانی بہت ضروری ہے، وقت کو صحیح استعمال کرنا، بیکار اور فضول ضائع ہونے سے بچانا از حد ضروری ہے، وقت کو فضول ضائع کر دینے پر بعد میں جو حسرت و پچھتاوا ہوتا ہے وہ ناقابل تلافی ہوتا ہے۔ سوائے

ندامت کے اس کے تدارک کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ جو لمحہ اور گھڑی ہاتھ سے نکل گئی وہ دوبارہ ہاتھ میں نہیں آسکتی، لہٰذا عقلمندی کا کام یہ ہے کہ آغاز ہی میں انجام پر نظر رکھے، تاکہ حسرت و پچھتاوے کی نوبت نہ آئے۔(۲۳۰) شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ہے وہ عاقل جو کہ آغاز میں سوچے انجام ورنہ ناداں بھی سمجھ جاتا ہے کھوتے کھوتے

حدیث میں ہے: "کوئی دن ایسا نہیں کہ جب وہ طلوع ہوتا ہو مگر یہ کہ وہ پکار پکار کر کہتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے! میں ایک نوپید مخلوق ہوں، میں تیرے عمل پر شاہد ہوں، مجھ سے کچھ حاصل کرنا ہو تو کرلے، میں قیامت تک لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ دنیا کی تمام چیزیں ضائع ہو جانے کے بعد واپس آسکتی ہیں۔ لیکن ضائع شدہ وقت واپس نہیں آسکتا۔"

کہنے والے نے صحیح کہا ہے: "تیری زندگی چند محدود گھڑیوں کا نام ہے، ان میں سے جو گھڑی گذر جاتی ہے، اتنا حصہ زندگی کا کم ہو جاتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی کو چھوڑ دے۔"(۲۳۱)

اس حدیث میں لطیف پیرایہ میں اضاعت اوقات سے ممانعت اور حفاظت اوقات کے اہتمام کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی ہر ایسے قول و عمل اور فعل و حرکت سے احتراز کرے جس سے اس کا خاطر خواہ اور معتد بہ دینی یا دنیوی فائدہ نہ ہو۔

وقت اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ قیمتی سرمایہ ہے۔ اس کی ایک ایک گھڑی اور ہر سکنڈ اور منٹ اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتی، لیکن آج ہم وقت کی کوئی قدر نہیں کرتے کہ یونہی فضول باتوں میں اور لغو کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ جو لوگ بازاروں میں، چائے خانوں میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے رہتے تھے، ان کو دیکھ کر حسرت فرماتے اور عجیب بات فرماتے، تذکرہ نگار لکھتے ہیں: (ایک دفعہ وہ قہوہ خانے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے، جو لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ لوگ لایعنی اور ٹھٹھے میں مشغول تھے، نہایت حسرت کے ساتھ اپنے ایک ساتھی سے فرمایا آہ! جی یوں چاہتا ہے کہ وقت کوئی ایسی شئے ہوتی جو بیچی خریدی جاسکتی تو میں ان سب لوگوں کے اوقات کو خرید لیتا۔)(۲۳۲)

## اقتصادی و معاشی نظم و ضبط کا قیام:

رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات میں مسئلہ معاش کو براہ راست انسانی زندگی میں نیکی اور بدی کے امتیاز میں ایک موثر بلکہ فیصلہ کن عامل قرار دیا ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'ممکن ہے غربت و افلاس (کا رد عمل) کفر کی حد تک پہنچ جائے۔"(۲۳۳) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے اعتدال کو بھی معتدل

معاشی سرگرمیوں سے مشروط قرار دیا"خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔"(۲۳۴)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی تعلیمات سے معاشرے میں معاشی استحکام پیدا فرمایا۔ جب سوسائٹی کے معاشی حالات اجتماعی طور پر اچھے نہ تھے تو آپ نے ان لوگوں کو جن کے پاس مال واسباب تھا اس میں دوسروں کو شریک کرنے کی ترغیب اور حکم ارشاد فرمایا تاکہ معاشرے میں معاشی تفاوت پروان نہ چڑھ سکے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے، دو آدمیوں کا کھانا چار کے لئے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔"(۲۳۵)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"(۲۳۶) قرآن کی معاشی تعلیمات، جزئی معاشیات اور کلی معاشیات کے تمام بنیادی اصولوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں اجتماعی ذرائع، محاصل اور مصارف سے لے کر انفرادی ذرائع آمدن وتصرف اور اکتساب رزق کی ہدایات تک۔۔۔ ایک صاف ستھرا مکمل نظام موجود ہے۔ قرآن نے انسانی سعی کو اقتصاد کی بنیاد قرار دیا ہے اس سلسلہ میں ریاستی مداخلت کو کم سے کم رکھا گیا ہے۔ یہ دنیا کی واحد الہامی کتاب ہے، جس نے معیشت اور اقتصادیات پر بھی تفصیل سے ہدایات مہیاّ کی ہیں، جو کہ رسول اللہ ﷺ کی معاشی حکمت عملی میں واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ جہاں تک اس سلسلہ میں قرآن حکیم کے عطا کردہ بنیادی اصولوں کا تعلق ہے، انکا خلاصہ حسب ذیل بنتا ہے:

۱۔ اللہ نے زمینی وسائل انسان کے لیے پیدا کی ہیں، ۲۔ اللہ انسانوں کے درمیان معیشتوں کی تقسیم اور تقدیر کا فیصلہ فرماتا ہے،۔ 3رزق اللہ کی عطا اور فضل ہے، اس نعمت کے لیے کوشش کی جائے، ۴۔ رزق کے دو حصے ہیں ؛ایک وہ جو ہر صورت میں مل کے رہیگا اور دوسرا انسان کی کوشش اور سعی کیساتھ وابستہ ہے، ۵۔ اپنے نصیب کا حصہ وصول کرنا ہر ایک کا حق ہے، 6۔ انسان کی شایان شان یہ ہے کہ وہ پاکیزہ اور حلال کھائے، ۷۔ اس سلسلہ میں ناجائز راستوں کا اختیار کرنا اللہ کی نافرمانی ہے، ۸۔ ذرائع اور وسائل پر قبضہ کر کے بیٹھ جانا اپنے اور دوسروں کیلئے مہلک ہے، ۹۔ ذرائع اور وسائل کے حصول اور انکے استعمال میں اعتدال ہی میں فلاح ہے، ۱۰۔ محروموں اور سائلوں کے لیے حصہ نکالنا، صاحبان ثروت کیلیے لازم ہے، ۱۱۔ یہ وسائل ایک خاص مہلک عمل کیساتھ انسان کو مہیا کیا گیا ہیں۔ ایک دن انسان کو اپنے رب کے سامنے ان نعمتوں کا حساب دینا ہے۔ ان اصول وضوابط کی روشنی میں، رسول اللہ ﷺ کی حکومت کی طرف سے، جو معاشی نظام ترتیب دیا گیا اسکی دو بنیادیں تھیں: (اَ) تمام خلق اللہ کا کنبہ ہے۔ (ب) تمام انسان اللہ کے نزدیک برابر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ریاست میں یہ اہتمام کیا کہ ایک تو اللہ کے کنبے کا کوئی فرد کھانے، لباس اور رہائش سے محروم نہ رہے اور دوسرا یہ کہ اللہ کے بندوں میں سب کو انسانیت کے تمام حقوق میں برابر سمجھا جائے۔ یوں معاشی نظم وضبط اور مساوات کو آئینی تحفظ دیا گیا۔

**نظم وضبط کے قیام کے لیے عمال کا تقرر:**

جوں جوں اسلامی ریاست وسیع ہوتی گئی رسول اللہ ﷺ، انتظامی لحاظ سے اسے چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کرتے گئے، حتیٰ کہ چودہ صوبے قائم ہوئے۔ ہر ایک صوبے کا حکمران رسول اللہ کا متعین کردہ والی ہوتا تھا۔ یہ نمائندگان رسول ﷺ نہ صرف صوبے کے حاکم و والی ہوتے بلکہ وہاں ایک مبلغ دین اور معلم اخلاق کا فریضہ بھی انجام دیتے۔ نمازوں سے لے کر لوگوں کے معاملات تک میں حکمرانی کا فریضہ سرانجام دیتے۔ ضرورت پڑنے پر آپ ﷺ کی طرف سے ان حکام کی تبدیلی و تبادلہ عمل میں آتا اور کارکردگی تسلی بخش نہ ہونے پر ان کا احتساب اور معزولی بھی عمل میں آتی۔

ریاست کے حسن انتظام کے لیے، رسول ﷺ کی یہ حکمت عملی کہ ریاست کو چھوٹی انتظامی اکائیوں میں تقسیم کر دیا جائے بہت اہم تھی، جسے جدید سیاسیات کے ماہرین بھی غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ اصول اس لیے اپنایا کہ عوام الناس کی رسائی سہولیات زندگی تک آسان ہو، عوام اور حکمرانوں کے درمیان فاصلے کم ہوں اور انتظامی امور چلانے میں آسانی ہو۔

عمال کی تقرری کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کو تفصیلی ہدایات دیتے جن میں ان کی ذمہ داری کا تعین، احساس ذمہ داری پر زور، اور فرائض کی تفصیل بیان ہوتی۔ ان کی ذمہ داریوں میں شامل تھا، دعوت اسلام عام کرنا، دینی فرائض کی ادائیگی پر زور دینا، زکوٰۃ کی وصولی اور حقداروں کو اس کی ادائیگی یقینی بنانا اور مظلوموں کی دادرسی کرنا۔ رسول کریم کی اس سلسلے میں ہدایات کی ایک مثال، معاذ بن جبل، والی یمن کے نام آپ کا وہ وصیت نامہ ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

"انك ستأتي قوما من اهل الكتاب فادعهم الٰى شهادة ان لا اله الا االله واني رسول االله فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان االله افترض عليهم خمس صلوات فى كل يوم وليلة، فان اطاعوا لذلك فاعلمهم ان االله افترض عليهم صدقة تؤخذ من اغنياءهم وترد الى فقراءهم فان اطاعوا لذلك فاياك و كرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم، فانه ليس بينها وبين االله حجاب-" (۲۳۷)

رسول کریم ﷺ کی ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک والی ریاست کی ذمہ داریوں میں قانون کا نفاذ، امن و امان، عام انتظام سلطنت، اشاعت اسلام، مقدمات کے فیصلے اور محصولات کی وصولی بھی شامل تھیں۔ ان فرائض کی بجا آوری کے نتیجے میں ریاست کی جانب سے ان کو جو معاوضہ ملتا اس کی تفصیل ہمیں اس حدیث کی عبارت سے ملتی ہے، جو ابوداؤد نے نقل کی ہے:

"من كان لنا عاملاً فليكتسب زوجة فان لم يكن له خادم، فليكتسب

خادما وان لم یکن له مسکنا فلیکتسب مسکنا ومن اتخذ غیر ذلك فهو غال۔"(۲۳۸)

ترجمہ:"جو ہمارا عامل ہو اس کو اس کی ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا، اگر مکان نہ ہو تو مکان کا (خرچ) اس سے زیادہ اگر کوئی حاصل کرے تو وہ خائن ہو گا۔"

**اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے مساوات کا فروغ:**

اسلامی ریاست کے تمام طبقات اور قوتوں کے مابین ہر اعتبار سے مساوات قائم رکھنا بھی والیان ریاست کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ معاشرتی اونچ نیچ بھی ملکی استحکام کو خطرات سے دو چار کر سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس معاملے میں بھی جامع ترین اسوہ عمل ہمارے لیے چھوڑا ہے۔

ایک ایسے معاشرے میں جہاں عقائد و مذہب کی بنیاد پر تعصب کی جڑیں نہایت گہری تھیں آپ ﷺ نے کسی بھی طرح مساوات کی روح کو متاثر نہیں ہونے دیا، خصوصاً قوانین کے اجراء نفاذ میں بھی مساوات کا خاص خیال رکھا۔ ریاست کے معاملات میں سب برابر تھے، خواہ امیر ہو یا غریب اور کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم، آپ کا سلوک ان کی انفرادی اور مذہبی حیثیت سے قطع نظر صرف وہی ہوتا تھا جس کا انصاف تقاضا کرتا تھا اور جو عدل کے مطابق تھا یہی وجہ تھی کہ یہود جیسے کٹر دشمنان اسلام تک نے اپنے باہمی تنازعات میں ہمیشہ آپ ﷺ کے فیصلوں پر اعتماد کیا۔

آپ ﷺ نے مساوات کے سلسلے میں کبھی اپنے دبے گانے کی تفریق نہیں فرمائی۔ نہ صغیر و کبیر کی بنیاد پر کسی قسم کا امتیاز کیا۔ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ ہر معاملے میں تیمُّن (دائیں طرف سے ہر کام کے آغاز) کو پسند فرماتے تھے۔ ایک بار آپ کی مجلس میں کبار صحابہؓ کا مجمع تھا۔ اتفاق سے دائیں جانب ایک کم سن صحابی (ابن عباسؓ) بیٹھے ہوئے تھے۔ کہیں سے دودھ آیا۔ آپ ﷺ نے نوش فرما کر ان سے پوچھا کہ اگر اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دے دوں؟ کمسن صحابی ابن عباسؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں اس ہدیے میں ایثار نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ نے انہیں دودھ دے دیا کیونکہ دائیں جانب ہونے کی وجہ سے ازروئے ترتیب مجلس، وہی حقدار تھے۔(۲۳۹)

امراء اور طبقہ اشرافیہ کا زمانہ قدیم میں یہ دستور چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لیے مختلف روایات قائم کرتے ہیں۔ یہ روشن معاشرے میں طبقاتی تضاد کو ابھارتی اور اراکین سلطنت میں تفریق کو فروغ دیتی ہے، جس سے اتحاد و اتفاق اور مساوات کی روح مجروح ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس تفریق کو بھی کبھی پسند نہیں فرمایا۔(۲۴۰)

آپ ﷺ نے اپنے لیے بھی عام لوگوں سے نمایاں انداز اختیار نہیں فرمایا۔ ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مل جل کر اور سادہ انداز میں بسر کی، حتیٰ کہ جب صحابہ کرامؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ کے لیے سایہ دار چھپر ڈال دیا جائے تو آپ ﷺ نے اسے بھی ناپسند فرمایا۔(۲۴۱) آپ ﷺ ہر کام میں خود بنفس نفیس شریک رہتے تھے۔ مدینہ

منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کی داغ بیل کے بعد آپ ﷺ کا پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی، جو مسجد ہونے کے ساتھ ساتھ ایوان حکومت دربار رسالت، مرکز اسلام اور دارالانصاف وغیرہ سب ہی کچھ تھی۔ آپ ﷺ اس کی تعمیر میں بذات خود شریک رہتے اور خود اینٹیں اٹھا کر لاتے رہے۔(۲۴۲)

غزوہ خندق کے موقع پر جب مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کا مرحلہ آیا تو آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ قدم قدم پر شریک رہ کر ان کا حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ آپ ﷺ نے خود کھدائی میں حصہ لیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک پر مٹی جم گئی تھی۔(۲۴۳)

غزوہ بدر میں سواریاں کم تھیں۔ تین افراد کے حصہ میں ایک اونٹ آیا تھا۔ تمام لوگ باری باری سفر کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے حصے میں آنے والے اونٹ میں بھی دو اور صحابیؓ شریک تھے۔ سب نے کہا کہ آپ سواری فرمائیں ہم پیدل چلیں گے مگر آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیدل چل سکتے ہو نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں۔ (۲۴۴)

یہ تھا وہ اسوہ حسنہ جو آپ ﷺ نے ایک حاکم اور امیر سلطنت کی حیثیت سے پیش فرمایا۔ یہ اسوہ ہم سب کو دعوت عمل دے رہا ہے۔ ہمارے یہاں معاشرتی اونچ نیچ بڑھ چکی ہے، حکمرانی کو ایک خاص طبقے کی میراث قرار دے دیا گیا ہے۔ ایک طرف تو عام لوگوں کے لیے ضروریات زندگی قرار دی جانے والی اشیاء بہ افراط دستیاب نہیں ہیں اور دوسری جانب طبقہ اشرافیہ کے اللے تللے تمام حدود سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ کسی بھی قسم کا اختیار رکھنے والے اپنا آپ کو عامۃ الناس کی سطح پر برتر سمجھنے لگتے ہیں۔ قانون کے بارے میں عام تصور یہ قائم ہو چکا ہے کہ اس کا اطلاق اور نفاذ صرف عوام پر ہوتا ہے۔ ایسی سنگین صورت حال میں ضروری ہے کہ ہم اپنے طرز عمل کا از سر نو جائزہ لیں اور اپنے انداز حیات کو تبدیل کریں۔ معاشرے میں بے چینی و بداعتمادی کا سبب بننے والی مصنوعی تفریق کو ختم کریں اور حکومتی ذمہ داریوں پر فائز ہونے والے حضرات اپنے انداز فکر کو بدلتے ہوئے سب کے ساتھ مساوات پر مبنی سلوک کریں۔ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہر قسم کا امتیاز ہمارے ہاں ختم ہو جائے اور سب مساوات و بھائی چارے کے ساتھ امن و سکون کے ساتھ رہ سکیں اور وطن عزیز کو جمہوری سیاسی استحکام حاصل ہو۔

**اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے لیے باہمی تنازعات سے اجتناب:**

اسلامی ریاست میں امن و استحکام کے لیے باہم اتحاد قائم رکھنا اور آپس کے لڑائی جھگڑوں اور تنازعات سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس عالم آب و گل میں بسنے والے تمام انسان بلا تفریق رنگ و نسل اور قوم و قبائل آپس میں مل جل کر رہیں اور ایک ایسی ریاست تشکیل و ترتیب دیں جہاں تمام معاملات کی بنیاد اخوت و محبت پر ہو اور جہاں تمام فیصلے عدل و انصاف سے کیے جائیں۔ جہالت اور اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت عصبیت کو فروغ دیتی ہے۔ قرآن کریم نے اس کی کھلی اور واضح تردید فرماتے ہوئے اتحاد اخوت کا درس دیا۔ ارشاد باری ہے: "یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ

اِنَّاخَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔" (۲۴۵)
ترجمہ: "اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔"

یعنی قبائل اور برادریاں صرف باہم متعارف ہونے کے لیے قائم کی گئیں۔ ان کو نفرت و حقارت کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا اور قبائلی اونچ نیچ اور ذات پات کی برتری اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر عند اللہ کوئی چیز مقبول ہے، اگر اللہ کے ہاں کسی بات کی اہمیت ہے تو وہ صرف اور صرف تقویٰ ہے۔(۲۴۶)

در حقیقت اخوت و اتحاد ہی وہ بنیادی عناصر ہیں جن کو بروئے کار لا کر کسی بھی قوم کی شیرازہ بندی کی جاسکتی ہے۔ اسلام نے بھی اس کو اہمیت دی ہے۔ اور عبادات کو بھی اس کی ترویج کے لیے استعمال کیا۔ خصوصاً نماز کو باجماعت ادا کرنے کی تاکید فرمائی تاکہ لوگ ایک دوسرے سے ملیں اور اتحاد کو فروغ حاصل ہو۔ پھر جمعہ کی نماز ہفتے میں ایک بار فرض قرار دی اور اس کو مسجد و جماعت کے ساتھ مشروط کیا تاکہ عام ایام میں سستی کرنے والے حضرات کو بھی باہم مل بیٹھنے کا موقع مل سکے۔ کیونکہ رنجشیں اور کدورتیں دور رہنے سے بھی زیادہ ہوتی ہیں اور قریب ہونے اور مل بیٹھنے سے انہیں دور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

باہمی تنازعات بھی اتحاد و اتفاق کی فضا کو مسموم کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے ریاست کے استحکام کو نقصان پہنچتا ہے۔ قرآن کریم نے اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" ترجمہ: "آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"(۲۴۷)

یعنی اگر تم آپس میں جھگڑا کرنے لگے تو تم استحکام کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اور ترقی نہ کر سکو گے۔ اس آیت میں باہمی تنازع کے دو نقصان بتائے گئے ہیں: (۱) تم آپس کے جھگڑوں میں الجھ کر بزدل ہو جاؤ گے اور دشمن سے مقابلے کی صورت میں تم کامیابی حاصل نہ کر سکو گے۔ کیونکہ تمہاری قوت اور تمام تر توانائیاں، جنہیں ریاست کی حفاظت و استحکام کے لیے کام آنا چاہیے، آپس کے تنازعات میں صرف ہو چکی ہوں گی۔ (۲) تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن پر تمہارا رعب و دبدبہ برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اور دشمن تم پر حملہ آور ہونے کے لیے پر تولنے لگے گا اور یہ امر واقعہ ہے کہ کسی بھی سلطنت پر دشمن قوتوں کو حملہ آور ہونے کا جواز اکثر ریاست کی مختلف قوتوں کے باہمی تنازعات نے فراہم کیا ہے۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اتحاد و اتفاق خود ہماری اپنی بقا کی ضرورت ہے، کیونکہ زندگی تنہا نہیں گزاری جاسکتی اور انسان کو اپنے سکون و اطمینان کے لیے اتحاد درکار ہے۔ بصورت دیگر وہ اس کائنات کا نظام کا حصہ نہیں بن سکتا۔

اسلام کے عطاء کردہ نظام میں انتشار وافتراق کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ وہ کسی بھی قسم کی تقسیم کا قائل نہیں بلکہ وہ ہر قسم کی تفریق و امتیاز کو ختم کر کے ایک قوم کو صورت عطا کرتا ہے اور المسلم اخو المسلم (مسلمان مسلمان کا بھائی ہے) کا فلسفہ اخوت و محبت پیش کرتا ہے۔ اسلامی ریاست کی ساری عمارت اسی فلسفہ کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ آنحضور ﷺ کے بے لوث محنت اور تربیت کا ہی فیضان اثر تھا کہ متفرق، منتشر اور ہزارہا قبائلی ٹکڑوں میں منقسم گروہوں کا ہجوم ایک مضبوط قوم اور ناقابل تسخیر قوت میں تبدیل ہو گیا۔

جنگ یرموک کا ناقابل فراموش اور سبق آموز واقعہ ہم سب کو دعوت غور و فکر دیتا ہے۔ حضرت ابو حذیفہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس جنگ میں میرے بھائی زخمی ہوئے۔ وہ تڑپ رہے تھے اور پیاس کی شدت سے بے تاب تھے۔ انہوں نے اشارے سے مجھ سے پانی طلب کیا۔ میں پانی لے کر ان کے پاس پہنچا تو قریب ہی موجود دوسرے زخمی مجاہد کی کراہ سنائی دی۔ میرے بھائی نے پانی اس مجاہد کو پلانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پہنچا تو تیسرے مجاہد کی آواز آئی۔ دوسرے مجاہد نے اسے پلانے کا اشارہ کیا۔ میں وہاں پہنچا تو چوتھے زخمی مجاہد کی آواز سنی۔ غرض جب میں آخری شخص کے پاس پہنچا تو وہ اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر چکا تھا۔ میں واپس پلٹا تو تیسرے مجاہد کی روح بھی پرواز کر چکی تھی۔ اسی طرح دوسرے مجاہد سے ہوتا ہوا جب واپس اپنے بھائی کے اس پہنچا تو وہ بھی دار بقا کو روانہ ہو چکے تھے۔ یہ تھی انما المومنون اخوۃ کی عملی تفسیر کہ انہیں حالت نزاع میں بھی اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف گوارا نہ تھی۔

اس واقعے کی روشنی میں ہمیں اپنے طرز عمل کا جائزہ لینا چاہیے، اور اپنی سوچ و فکر کو پرکھنا چاہیے۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ آج وطن عزیز کو ایسے ہی جذبہ ایثار و قربانی اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے اور اتحاد ہی کے بل پر ہم دولت استحکام حاصل کر سکتے ہیں۔

**اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے اتحاد و یکجہتی کو فروغ دینا ہو گا:**

ملک و ملت کے حقیقی استحکام کی بنیاد اتحاد و یکجہتی ہے قرآن حکیم میں اسے عظیم نعمت قرار دیا گیا ہے۔(۲۴۸) اس کی نظر میں انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی اختلافات کا خاتمہ ہے۔(۲۴۹) اس کے نزدیک تفرقہ بازی شرک کے مترادف ہے اور اختلاف و تنازع ضعف و کمزوری اور عذاب خداوندی کا سبب ہے۔(۲۵۰) وہ اتحاد و محبت کے راستے میں حائل ان رکاوٹوں کی نشاندہی کرتا ہے جو نفرت و عداوت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ مثلاً استہزا، طعنہ زنی، برے القاب سے پکارنا، بدگمانی، تجسس وغیرہ۔(۲۵۱)

آنحضرت ﷺ نے تمام مؤمنین کو جسد واحد سے تشبیہ دی ہے۔(۲۵۲) اور انہیں ایک دوسرے کو بنیان مرصوص (سیسہ پلائی دیوار قرار دیا گیا ہے۔(۲۵۳) آپ ﷺ نے انتشار و افتراق پیدا کرنے والوں کو قتل تک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔ -" من اراد ان يفرق امر هذه الامة وهي جميع فاضربوه

بالسیف کائنًا ما کان"۔(۲۵۴) (جو کوئی اس امت کے بندھے ہوئے رشتے کو پارہ پارہ کرنے کا ارادہ کرے اس کی تلوار سے خبر لو خواہ وہ کوئی ہو)۔

اسلام دشمن طاقتیں آج مسلمانوں میں نسلی، لسانی اور گروہی امتیازات اجاگر کر کے، نظریاتی اختلافات کو ہوا دے کر اور فرقہ وارانہ اختلافات کو بھڑکا کر ہماری صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہی ہیں۔ ہم آج امت واحدہ کا مظاہرہ کر کے ہی دشمنان اسلام کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اپنی ارتقاء کی منازل طے کر سکتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں ریاست مدینہ کی مثال انتہائی روشن ہے جہاں حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اوس و خزرج کے قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور باہم اختلافات کا شکار تھے۔(۲۵۵) عربوں کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ اپنی پوری تاریخ میں ایک چھوٹی سی سلطنت بھی قائم نہ کر سکے تھے ہمیشہ سے متحارب قبائلی نظام میں منتشر اور مفلوک الحال تھے، اگر وہ آپس میں اپنے حقوق کی خاطر اس طرح برسرپیکار رہتے تو تباہ و برباد ہو جاتے مگر جب اسلام قبول کر کے اپنے صدیوں پرانے تنازعات بھلا دیے، جاہلی تعصبات ختم کر دیے تو ان کو وہ عراج حاصل ہوا کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی اور چند ہی سالوں میں اس دور کی سپر پاورز روم و فارس کو اسلامی اقدار کے زیر نگیں لے آئے۔ یہ کامیابیاں دراصل تاریخ حالات اور اسباب کا منطقی نتیجہ نہ تھیں بلکہ یہ اس اخوت اور اتحاد کا ثمرہ تھا جو حضور ﷺ کے صدقے انہیں عطا ہوا۔ خود مملکت پاکستان کا قیام بھی اتحاد و اتفاق کی بدولت معرض وجود میں آیا اور اس کا استحکام بھی اسی جذبے کا مرہون منت ہے۔ اس وقت اتحاد و یکجہتی کے راستے میں دو بڑی رکاوٹیں حائل ہیں جن میں ایک قومیت پرستی ہے اور دوسری مذہبی تفرقہ بازی۔

**اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند کے لیے قومیت پرستی کا خاتمہ کرنا ہوگا:**

خاندان اور قوم و قبیلے اور علاقے کی محبت جب تعصب کی شکل اختیار کر لے تو وہ ملک اور معاشرے کے لیے سخت مہلک ثابت ہوتی ہے۔ یہ محبت افراد و قوم میں حق و انصاف کے سوال کو نظر انداز کر کے ہر حال میں اپنی قوم کی حمایت پر آمادہ کرتی ہے۔ قرآن حکیم میں اسے "حمیة الجاهلية" کا نام دیا گیا ہے۔ یہود و منافقین کی سازش کے نتیجے میں ایسی ہی صورتحال ایک موقع پر عہد نبوی میں پیش آئی جب ایک مہاجر و ایک انصار کے درمیان کسی مسئلہ پر تکرار ہوئی اور انہوں نے "یا معشر الانصار" اور "یا معشر المهاجرين" کہہ کر اپنے ساتھیوں کو پکارا تو آپ ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ یہ کہہ کر اس فتنے کو کچل دیا۔ "ما بال دعوى الجاهلية"( 256) (یہ کیا جاہلیت کی پکار ہے؟) آپ ﷺ نے قوم کے ظلم کی حمایت کو "عصبیت" سے تعبیر کیا۔ فرمایا: ليس منا من مات على العصبية- ليس منا من دعا الى العصبية. ليس منا من قاتل على العصبية"(۲۵۷) (جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں)۔

قومیت پرستی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی عصبیت مسلمانوں کے اجتماعی وجود کے لیے ہمیشہ مہلک ثابت ہوئی، خلافت عثمانیہ و مشرقی پاکستان کا سقوط انہیں تعصبات کا نتیجہ ہے اس سے انکار نہیں کہ بعض طبقوں اور عصبیتوں کو تقویت ملتی ہے، مگر اس کی بنیاد پر علیحدگی کے مطالبے اور منصوبے بنانا منافرت کی آگ کو بھڑکانا اور بے گناہوں کی جان ومال اور آبرو پر حملہ کرنے کا کائی جواز نہیں اس سلسلے میں جہاں ارباب اختیار کو ان کی معقول شکایات اور مسائل کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے وہاں ان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ ایثار و مروت اور مفاہمت کا مظاہرہ کریں اور شکایات واختلافات کو مل بیٹھ کر طے کریں۔

**اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے فرقہ واریت اور مذہبی منافرت کا خاتمہ**

دوسری چیز جس سے ملک وملت کی سلامتی کو خطرہ درپیش ہے مذہبی فرقہ واریت اور علاقائی عصبیت ہے اور امت آج اسی صورت حال سے دوچار ہے جو دور جاہلیت میں تھی کہ اس وقت ہر مذہبی گروہ وہ اپنے آپ کو حق کا علمبردار اور مخالف گروہ کو حق سے منحرف خیال کرتا تھا۔(۲۵۸)اور " لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّيْنَ سَبِيْلٌ"(۲۵۹) فریق مخالف پر ہر قسم کے ظلم و تشدد، بد دیانتی اور بد اخلاقی کو جائز خیال کرتا تھا۔ آج بھی مسلمانوں کے مختلف مذہبی گروہ اور جماعتیں اپنے آپ کو حق کا اجارہ دار سمجھ کر مذہب کی حقیقی روح کو فراموش کر کے اپنی تمام تر مساعی اپنے مخصوص نظریات اور فروعی مسلک کی ترویج اور اشاعت میں لگا رہی ہے۔ اس سلسلے میں سب وشتم، طعن و تشنیع طنز و تعریض اور لڑائی جھگڑوں تک سے گریز نہیں کرتیں۔ اور یہ بھلا بیٹھی ہے کہ یہ ان کا رویہ پیغمبرانہ طرز عمل اور قرآن حکیم کی واضح ہدایات کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن حکیم آنحضرت ﷺ کی نرمی اور ملاطفت کی تعریف کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اگر آپ سخت دل اور تند خو ہوتے تو کفار آپ کے قریب بھی نہ پھٹکتے بھاگ جاتے۔(۲۶۰) وہ تو حکمت اور موعظہ حسنہ کا درس دیتا ہے۔ (۲۶۱) اور کافروں اور مشرکوں کو بھی سب و شتم سے منع کرتا ہے۔(۲۶۲) اس صورتحال نے مسلمانوں کو تقسیم کر کے ان کی توانائیوں کو لڑائی جھگڑوں اور فسادات کی نظر کر دیا ہے اور دشمنان اسلام تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی ذہنی اور علمی توانیاں کفر والحاد کا مقابلہ کرنے اور ملک وملت کے حقیقی مسائل کو حل کرنے کے بجائے مسلکی اور فروعی مسائل پر جھگڑنے میں صرف ہو جائیں اور وہ اس جھگڑوں کی آڑ میں دہشت گردی اور تخریب کاری میں مشغول ہیں۔ اس لیے مذہبی جماعتوں کا اپنے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے مشترکہ اصولوں کی بنیاد پر اتحاد وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اختلاف رائے اگرچہ ایک طبعی اور فطری امر ہے یہ معیوب نہیں بلکہ امت کی فکری بیداری پر دلالت کرتا ہے مگر اس کی بنیاد پر تفرقہ بازی، تنظیم سازی اور مناظرہ بازی ملک وملت میں انتشار کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ کو تفرقہ بازوں سے قطع تعلقی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔(۲۶۳)

**اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے خود احتسابی**

محسن انسانیت ﷺ نے بے لاگ احتساب کے لیے سب سے پہلے اپنی ذات کو پیش کیا، اس سے بڑھ کر

احتساب کی کوئی مثال کہاں مل سکتی ہے کہ عمر مبارک کے آخری ایام میں خود کو پیش کر دیا کہ، میرے ہاتھوں کسی سے زیادتی ہوئی ہو تو وہ اپنا بدلہ چکا سکتا ہے۔ ایک مسلمان آگے بڑھا اور عرض کی ایک جنگ کے موقع پر آپ ﷺ نے صفیں سیدھی کرتے ہوئے میری ننگی کمر پر چھڑی رسید کی تھی، پس سورج کی آنکھیں موندنیں کو ہو گئیں جب ختم عدالت ﷺ نے اپنی کمر ننگی کرلی اور فرمایا کہ آؤ اپنا بدلہ وصول کرلو وہ مسلمان آیا اور کمر مبارک سے لپٹ کر مہر نبوت کو بوسے دینے لگا اور پھر اس نے کہا کہ میری کیا مجال کہ نبی سے بدلہ لوں میں تو دراصل اس بہانے مہر نبوت کا بوسہ لینا چاہتا تھا۔(۲۶۴)

عہد خلافت راشدہ میں خلفا کے احتساب کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو خلافت فاروقی میں پیش آیا، ایک شخص نے بھری محفل میں علانیہ طور پر امیر المومنین حضرت عمرؓ سے کہا کہ "اگر ہم نے تمہارے اندر کوئی کجی دیکھی تو ہم اپنی تلوار کی دھار سے اسے سیدھا کر دیں گے" اور جب کسی شخص نے اس شخص کی سرزنش کرنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "اگر تم ایسی باتیں نہ کہو تو میں یہ سمجھوں گا کہ تمہارے اندر کوئی خیر (اخلاص) نہیں ہے اور اگر میں اسے قبول کرنے میں تردد محسوس کروں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میرے اندر کوئی خیر نہیں ہے۔"(۲۶۵)

خلفا کے احتساب کی کھلی چھوٹ، بلکہ اس کی ترغیب ہی کا اثر تھا کہ ایک عام مسلمان بھی کوئی قابل گرفت بات دیکھتا تو خلیفہ کے سامنے بلا تکلف اظہار کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں مہر میں غلو کرنے سے منع فرمایا تو ایک بڑھیا کھڑی ہوئی اور کہنے لگی، عمر! کیا ہم آپ کی بات مانیں یا اللہ کی بات؟ حضرت عمر نے فرمایا اللہ ہی کی بات قابل تسلیم ہے، اس پر وہ کہنے لگی کہ اللہ نے تو قرآن میں فرمایا: " وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا " لیکن تم مہر کو زیادہ باندھنے سے منع کرتے ہو؟ حضرت عمر کو فوراً تنبہ ہوا اور اپنی بات سے رجوع فرمالیا، علاوہ ازیں احادیث میں خلیفہ اور حکمران کی اطاعت کی جہاں تاکید کی گئی ہے، وہاں اس کی بھی صراحت ہے کہ خلاف شرع کاموں میں امیر کی اطاعت نہیں ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حکم کو سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، خواہ وہ حکم پسند آئے، یا نہ آئے جب تک حاکم کسی گناہ کا حکم نہ دے، اور جب وہ کسی گناہ کا حکم دے تو اس کی اطاعت ہر مسلمان پر واجب نہیں۔ (۲۶۶) مسلم حکمران شریعت پر عمل آوری کا پابند ہے، یہی وجہ ہے کہ قاضی ابو یعلی محمد بن حسین الفراحنبلی (المتوفی:4584) نے اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں اسلامی حکومت کے سربراہ اور خلیفۃ المسلمین کے لیے دس فرائض تحریر کیے ہیں، جن میں سب سے پہلا فرض امور دین کی اس اصول پر حفاظت ہے، جو اسلاف سے ثابت ہو۔(۲۶۷)

محسن انسانیت ﷺ کی ختم نبوت کا ایک حسین پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے احتساب کا درس دیا، یہ

سبق آپ ﷺ کی ذات بابرکات سے پہلے دنیا سے عنقا ہو چکا تھا اور انسانیت احتساب کو فراموش کر چکی تھی، آپ ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کے اس درس انسانیت کی اس طرح تجدید کی کہ اس کا حق ادا ہو گیا، آپ ﷺ کے گزرے آج کم و بیش ڈیڑھ ہزار برس بیت چکے، اس دوران انسانیت نے بہت ترقی کر لی، علوم و معارف آسمان ثریا کو چھونے لگے ہیں، انسان کے قدم اس کائنات میں زمین سے کوسوں دور خلاؤں میں جا ٹکے ہیں، راتیں دنوں سے زیادہ روشن ہونے لگی ہیں، تہذیب و تمدن اور ثقافت کے ڈانڈے مستقبل میں کمندیں ڈالنے کے قابل ہوا چاہتے ہیں، فاصلے سمٹ گئے اور اور انسان اس جگہ پر پہنچ رہا ہے جہاں پر چند سال پہلے تک بھی سوچنا محال تھا لیکن اس سب کچھ کے باوجود عدالتوں کے لیے کسی ازم نے، کسی دانشور نے، کسی نئے نظام حیات نے بے لاگ احتساب سے بڑھ کر کوئی درس تجویز نہیں کیا یہ انسانیت اپنی ساری ترقیوں کے باوجود نبی آخر الزمان ﷺ کے دیے ہوئے درس اعتدال و عدل و احتساب سے آگے نہیں گزر سکی۔(۲۶۸)

خلفائے راشدین کے دور میں احتساب کے جو نمونے ملتے ہیں وہ آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ خلفائے راشدین نے خود اپنے خطبات میں عوام کو یہ دعوت دی کہ ان کے افعال و کردار کی نگرانی کریں اور ان کی اطاعت اسی وقت تک کریں جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کریں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے سب سے پہلے خطبے میں لوگوں کو یہ تلقین کی، حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ اس دور میں حکمرانوں پر نکتہ چینی یا اعتراض کرنے والوں کے خلاف کبھی کوئی منتقمانہ کاروائی کی گئی ہو۔ حضرت علیؓ کے خیالات کی ایک جھلک ان خطوط میں ملتی ہے جو انہوں نے مصر کے گورنر مالک اشتر بن حارثؓ کو وقتاً فوقتاً امور سلطنت کے بارے میں لکھے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ حکومت کے کارندے اپنے اثاثوں کا اعلان کریں اور جس اہلکار کے پاس اپنی جائز آمدنی سے زائد مال اور دولت یا جائیداد پائی جاتی ہے وہ ضبط کر لی جاتی۔ حضرت عمرؓ اس اصول پر سختی سے کاربند رہے۔ اسلامی ریاست کی ابتدا ہی سے حکومت کے اہلکاروں کے احتساب کا بندوبست کیا گیا اور احتساب کا عمل اسلامی طرز حکومت کا ایک لازمی عنصر تصور کیا جاتا ہے اور اس کی زد میں ادنیٰ اہلکاروں سے لیکر سربراہ مملکت تک سب آسکتے ہیں۔ (۲۶۹)

**اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے سفارشی کلچر کا خاتمہ اولین ترجیح:**

اچھی حکومت کا مطلب باکردار سرکاری ملازمین ہیں۔ سرکاری ملازمین کے بگاڑنے یا سنوارنے میں اعلیٰ حکام کے علاوہ عوام کا بہت دخل ہے۔ رشوت بری چیز ہے عوام متعدی امراض کی طرح اس سے بچتے کیوں نہیں وہ سرکاری ملازمین کے ضمیروں کے گاہک بن کر کیوں جاتے ہیں۔ اپنے مطالبات اور خواہشات کی بنیاد حق پر کیوں نہیں قائم کرتے اور انہیں سیم وزر کے ذریعہ کیوں پورا کروانا چاہتے ہیں۔ رشوت نہ دے کر تھوڑا سا نقصان کیوں نہیں برداشت کرتے جب کہ ان کی عبادت کا فلسفہ ضبط نفس اور قربانی پر مبنی ہے۔ نماز کا مقصد فحاشی اور برائی روکنا ہے روزہ کا مقصد

ضبط نفس و خواہشات ہے۔ زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کا مقصد مالی قربانی ہے۔ جہاد جسمانی قربانی کا تقاضا کرتا ہے یہ سب خاصیتیں مل جائیں تو اسلام معرض وجود میں آتا ہے اور ایک آدمی مسلمان کے رتبہ پر فائز ہوتا ہے۔ ایک واضح حدیث نبوی ﷺ ہے۔ "رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔"(۲۷۰) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا۔ "ترجمہ: "جو بھلائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔"(۲۷۱)

جائز سفارش کی شرط اول تو یہ ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو بوجہ نارسائی خود حکام تک نہ پہنچا سکے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "جو شخص کسی نیکی پر کسی کو آمادہ کر دے تو اس کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا نیک کام کرنے والے کو۔" ایک حدیث یوں بھی ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی امداد میں لگا رہتا ہے۔ جب تک وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی امداد میں لگا رہتا ہے۔"(۲۷۲)

قرآن حکیم اور احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بے کس مسلمان کی جائز معاملہ میں امداد کرنا باعث ثواب ہے۔ مثلاً کسی شخص کو ملازمت دلوانا۔ پولیس نے بے وجہ پکڑا ہو تو حقائق بتانا۔ کوئی حاکم یا ادارہ کسی کو جانی مالی نقصان پہنچائے تو اس کی امداد کرنا، یہ سب امور جائز ہیں اور باعث ثواب ہیں۔ اور اس ثواب میں امداد کرنے والا اور وہ حاکم جو سفارش کے بعد ظلم کرنے سے باز آجائے دونوں شریک ہیں۔ سفارش دودھاری تلوار کی طرح ہے اسے جائز کام میں استعمال کرنا عذاب کو دعوت دینا ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ: "جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں ایک کلمہ سے بھی مدد کی تو وہ قیامت میں حق تعالیٰ کی پیشی میں اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔"(۲۷۳)

اس حدیث کی رو سے بدی اور گناہ پر کسی کو آمادہ کرنا یا سہارا دینا بھی شریک جرم ہونا ہے اور اصل مجرم کے برابر گنہگار ہونا ہے۔ حدود شرعی سزا اور جس معاملہ میں حق کا تعین ہوتا ہے اس میں خلاف حق سفارش کرنا گناہ ہے۔ یہاں کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ منصف کو سفارش کرے اسے چاہئے کہ وہ فریق کو مظلوم سمجھتا ہے تو اس کے حق میں سچی شہادت دے یا جو گواہ ہیں انہیں سچی شہادت دینے کے لئے آمادہ کرے یا مظلوم کی مالی اعانت کرے سزا کے نفاذ میں رسول اللہ ﷺ نے سفارش کی مذمت کی تھی۔

## اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے دولت کی منصفانہ تقسیم

معاشی ترقی واستحکام کے لئے لازمی ہے کہ ملک میں دولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام کیا جائے۔ اسلامی نقطہ نظر سے مال و دولت خواہ کسی بھی شکل میں ہو اللہ کا پیدا کردہ اور اصلاً اسی کی ملکیت ہے۔(۲۷۴) انسان کے پاس جو کچھ گھر بار، مال و دولت اور زمین ہے اس کی حیثیت نائب اور خلیفہ کی ہے نہ کہ خود مختار مالک کی۔(۲۷۵) پھر اللہ تعالیٰ نے

معاش کے اندر جو تفاوت اور اونچ نیچ رکھی ہے اس کے اندر کئی تکوینی مصلحتیں اور بندوں کا امتحان ہے۔(۲۷۶)ایک روایت میں ہے کہ بعض لوگوں کی غربت اور تنگدستی اس لئے نہیں کہ نعوذ باللہ اللہ کے ان کو دینے کچھ نہیں بلکہ اس سے مالداروں کا امتحان مقصود ہے کہ وہ کہاں تک غربا و مساکین کے حقوق پورے کرتے ہیں۔ (۲۷۷) پتہ چلا کہ مال کے اندر تفاوت تکوینی مصالح کے تحت ہے نہ کہ تشریعی نظام کے تحت اور تکونی نظام کے نہیں بلکہ تشریعی نظام کے مکلف ہیں۔ شریعت کہتی ہے کہ دولت کو چند ہاتھوں میں محدود اور سمٹ کر نہیں رہ جانا چاہیے۔(۲۷۸)بلکہ یہ دولت ایسے افراد تک بھی نہیں پہنچنی چاہیے جو پیدائش دولت میں اگرچہ براہ راست حصہ نہیں لیتے مگر دولت کے حقیقی مالک اور رب کریم نے ان کے حقوق بھی دولت میں رکھے ہیں۔ (۲۷۹)ایسے افراد ماں باپ اولاد قریبی رشتہ دار یتیم محتاج، فقراء و مساکین سائل مسافر اور مقروض وغیرہ شامل ہیں۔ (۲۸۰)

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے شریعت نے ایک طرف تو ان راستوں کو محدود کرنے کا حکم دیا ہے جن کے ذریعے دولت کا بہاؤ کسی فرد واحد یا معاشرے کے ایک مخصوص طبقہ کی طرف مڑ جائے۔ دوسری طرف زکوۃ، صدقات، نفقات، کفارات، وصیت، وراثت، وقف اور ھبہ وغیرہ جیسے واجبی اور نفلی احکام دیے ہیں جن کے ذریعے دولت مستحقین اور ضرورت مندوں تک پہنچتی رہتی ہے۔ یہ بات عدل وانصاف اور اسلامی مزاج کے خلاف ہے کہ انسانی معاشرے میں لوگوں کی صورتحال کچھ یوں ہو کہ

ہے ادھر بھی آدمی، ہے ادھر بھی آدمی　　اس کے جوتے پر چمک، اس کے چہرے پر نہیں

نبی کریم ﷺ نے حضر کے ننگے پاؤں، ننگے جسم اور افلاس زدہ لوگوں کو دیکھا تو پریشان ہو گئے اور اس وقت تک چین نہ آیا جب تک کہ ان کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات کا اہتمام نہ ہو گیا۔(۲۸۱) آپ نے اس امر کو ایمان کے منافی قرار دیا کہ ایک آدمی خود تو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی رات بھوکے ہی گزارے۔(۲۸۲) ایک دفعہ ایک ضرورت مند کو دیکھ کر فرمایا۔جس آدمی کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل زاد راہ ہے وہ اس بھائی کو دے دے جس کے زاد راہ نہیں۔ راوی (حضرت ابوسعید خدریؓ) کہتے ہیں: آپ نے اسی مختلف احوال کا ذکر کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں کسی کو بھی اپنے فاضل (زائد) مال میں کوئی حق نہیں۔ (۲۸۳)

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے دو کام بنیادی اہمیت کی حیثیت رکھتے ہیں ایک تو معاشی نظام سے سود کا خاتمہ۔ شرعی نقطہ نگاہ سے ہر طرح کا سود حرام اور اللہ و رسول سے جنگ تو ہے ہی۔(۲۸۴) عقلی اعتبار سے بھی یہ ایسی قباحت یا ایسا مردار ہے کہ جب تک اس کو نہیں نکالا جائے گا نظام معیشت کا کنواں پاک نہیں ہو گا۔ موجودہ اضطراری حالت میں ایک خاص وقت تک تو سودی نظام کی گنجائش ہو سکتی ہے مگر مستقلا اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی نہ شرعانہ عقلانہ قانونا اور نہ اخلاقا۔

دوسرا کام نظام زکوۃ کا بھرپور، موثر اور دیانت دارانہ نفاذ ہے۔ لنگڑے لولے اور برائے نام نظام زکوۃ سے

معاشی مسائل کا حل نہیں ہو گا۔ پروردگار عالم نے اس کو ایسے ہی مسلمانوں پر فرض قرار نہیں دیا۔ یہ ملک کے اندر غربت، افلاس اور معاشی بدحالی کا سب سے بڑا علاج ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "یہ زکوٰۃ اغنیا سے وصول کی جائے گی اور (اسی علاقہ کے) فقرا پر خرچ کی جائے گی۔ (۲۸۵)

پاکستان میں پائے جانے والے حد درجے معاشی تفاوت کو ختم کرنے اور ضرورت مندوں کی کم از کم بنیادی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے موجودہ نظام زکوۃ میں اصلاح پھر دیانتدارانہ وصولی اور دیانتدارانہ تقسیم ضروری ہے۔ باقی سارے اقدامات ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

**حدود میں نظم وضبط**

قرآن ان لوگوں کو "ظالم" اور "معتد" قرار دیتا ہے جو حدود اور نظم وضبط کا احترام نہیں کرتے۔ حدود شکنی کا عمل وہیں ظہور میں آتا ہے، جہاں جبلتیں سرکش ہو جاتی ہیں۔ ہر جبلت انسان کے لیے جوہری قوت کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی جبلت کسی دوسری جبلت یا دوسری جبلتوں پر مسلط نہ ہو جائے۔ یہ ایک جبلت کا کسی دوسری ایک یا ایک سے زیادہ جبلتوں پر تسلط "حد شکنی" اور "نظم وضبط" کی خلاف ورزی کا موجب بن جاتا ہے۔

"احترامِ حدود" کا دوسرا نام نظم وضبط اور انصاف ہے۔ یہی شریعت ہے، یہی آئینِ دین ہے اور پھر وہی بات کہ خودی مسولینی کی ہو یا ہٹلر کی، پابند شرع ہو جائے تو مسلمانی ہو جاتی ہے۔" یہی باعث ہے کہ فقہِ اسلامی میں شریعت کی خلاف ورزی پر عمل میں آنے والی سزا کا نام "حد" ہے۔ علامہ اقبال کے فکر کا لب لباب خودی ہے۔ بعض سہولت پسند نقاد خودی کا سلیس ترجمہ "قوت" کر لیتے ہیں۔ پھر اس ترجمہ کا مزید سلیس ترجمہ فاشیت قرار دے لیا جاتا ہے، اور چونکہ علامہ اقبال کی علامات میں شاہین، شیر، تیغ، جہاد، سنجر، تیمور، ابدالی، نادر اور مسولینی وغیرہ کلمات واسما موجود ہیں، اس لیے "فاشیت" کے دعوے کو دلیل مل جاتی ہے مگر ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ علامہ اقبال جس قوت کے قائل ہیں، وہ اندھی اور بے مقصود نہیں۔ قوت برائے قوت ایک مہمل جوہر ہے۔ قوت "خیر" بھی ہے اور "شر" بھی، نظم وضبط کی پابندی خیر اور خلاف ورزی شر کی طرف لے جاتی ہے۔

فیصلہ مقصود کے ہاتھ میں ہے۔ الاعمال بالنیات۔ قوت کا غلط استعمال شر ہے، قوت کا بجا استعمال خیر ہے۔ ایک قوت وہ ہے جو معاشرے کا تحفظ کرتی ہے، ظلم وجور کا قلع قمع کرتی ہے۔ اس کے برعکس ایک قوت وہ ہے جس کے مزاج میں ذوقِ تخریب وغارت ودیعت کیا گیا ہے۔ مطلب صاف ہے کہ علامہ اقبال جس قوت کے حامی ہیں، وہ "پابندِ حدود" ہے یعنی نظم وضبط۔ وہ شرع کے تابع ہے۔ اس کی روح نظم وضبط اور اعتدال ہے۔ یہی باعث کہ ان کے نزدیک "اختیار" جبر پر استوار ہے اور وہ اختیار جو "غیر مجبور" ہے۔ وہ چنگیزی کے سوا کچھ نہیں، یہاں جبر سے مراد پابندیٔ آئین وشرع ہے۔ علامہ اقبال "می شود از جبر پیدا اختیار" کی وضاحت کرتے ہوئے، اسرارِ خودی میں لکھتے

ہیں:

ہستیِ مسلم ز آئین است و بس | باطنِ دینِ نبی این است و بس
برگِ گل شد چوں ز آئیں بستہ شد | گل ز آئیں بستہ شد گلدستہ شد
نغمہ از ضبطِ صدا پیداستے | ضبط چوں رفت از صدا غوغاستے
دَر گلوئے ما نفس موجِ ہواست | چوں ہوا پابندِ نے گردد نواست (۲۸۶)

مسلمان کی ہستی آئین اور نظم و ضبط کی پابندی کے باعث ہے۔ دینِ رسول ﷺ کی روح یہی امر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پھول کی پتی پابندی آئین کے باعث گل ہے اور گل پابندی کے باعث گلدستے کا روپ دھار لیتا ہے۔

آواز پابند ہوتی ہے تو نغمہ بن جاتی ہے اور پابندی ختم ہو جائے تو نغمہ رخصت ہو جاتا ہے اور شور و غل باقی رہ جاتا ہے۔ ہماری سانس محض موجِ ہوا ہے، جب وابستۂ نے ہو جائے تو نَوا بن جاتی ہے۔ گویا تناسب کا نام حسن ہے اور تناسب ہی میں قوت کا راز پنہاں ہے۔(۲۸۷)

امام غزالی کہتے ہیں: "جمال خود اپنی ذات میں وہ جوہر ہے جو ہر کسی کو مرغوب ہے۔

جمال سے مفہوم ہے کسی کل کے اجزا کا باہمی حسنِ تناسب اور یہ چیز فقط مادی اشیا ہی میں جلوہ گر نہیں ہوتی۔ یہ آدمی کی حرکات و سکنات، نظم و ضبط، طرزِ عمل رویے اور تصورات و نظریات میں بھی پائی جاتی ہے۔ غرضیکہ وہ شے جو جمیل ہے، ہمارے لیے خود اپنی ذات میں مرغوب ہے۔(۲۸۸)

**تیز ترین ذرائع: انٹرنیٹ، سیل فون اور سوشل میڈیا کے استعمال میں نظم و ضبط**

ایک سروے کے مطابق دفاتر میں کام کرنے والے افراد میں سے اکثریت اپنا وقت سوشل میڈیا پر ضائع کرتی ہے۔ ۲۰۱۵ میں یہ شرح تقریبا 51 فیصد تھی جو اب ساٹھ فیصد سے بھی بڑھ چکی ہے۔ مئی 2014 تک امریکہ کی تقریبا 28 ریاستوں میں اس حوالے سے قوانین بن چکے تھے اور اچھے کاروباری ادارے بھی دفتری اوقات کے دوران سوشل میڈیا پالیسی بنا چکے ہیں۔ تاہم ماہرین یہ تسلیم کرنے پہ مجبور ہیں کہ ابھی بھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ موجودہ پالیسیاں لوگوں کو سیلف ڈسپلن کی طرف راغب کرنے میں ناکام ہیں۔

جدید دور میں وقت کا ضیاع، بڑھتی ہوئی کاروباری لاگت، ناراض کلائنٹ، گھٹتا منافع اور چڑچڑے ملازمین نہایت اہم مسائل بن چکے ہیں، جنکی بنیادی وجہ صرف اور صرف غلط ترجیحات، کمزور نگرانی، اور سہولتوں سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے۔ دفاتر کے علاوہ سماج کا بھی یہی حال ہے۔ دنیا کی چالیس فیصد آبادی کے پاس انٹرنیٹ تک رسائی ہے جن میں سے 73 فیصد سوشل میڈیا استعمال کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اس کے بہت سے نفسیاتی، معاشی اوار سماجی مسائل کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس بات کا مقصد سوشل میڈیا کی منفیت اجاگر کرنا نہیں ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ معاشرے

میں نظم وضبط کی کس حد تک کمی ہے اور اسکا نقصان صرف فرد کی ذات، سوشل سرکل اور معاشرے کو نہیں بلکہ ملکی معیشت کو بھی ہوتا ہے۔

ذرا غور کریں! رات گئے تک انٹرنیٹ کو استعمال کرنے والے یہ نوجوان صبح کو کیسے اپنی تعلیم کو پورا کر سکتے ہیں۔ اب تو یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ موبائل کی وبا نے ہماری نوجوان نسل کو ناکارہ بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اب تو صورتحال یہاں تک گھمبیر ہو چکی ہے کہ چھوٹے بچے تک موبائل استعمال کرنے لگے ہیں اور والدین ان کو موبائل استعمال کرتا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ان کا بچہ موبائل چلانا سیکھ رہا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں سوچتے کہ جب ان کا بچہ موبائل کے ساتھ وقت گزارے گا تو وہ پڑھے گا کب اور جب پڑھنے میں کمزوری ہو گی تو پھر اچھے رزلٹ کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس وقت بے حیائی اور فحاشی کا جو سیلاب ملک میں آیا ہوا ہے، اس سے پاکستان کا ہر سنجیدہ طبقہ متفکر و متشوش ہے۔ ایک جانب تو میڈیا کی کھلی اسلام اور پاکستان دشمنی ہے تو دوسری جانب موبائل فون کمپنیز کا جال مختلف پیکیجز کی صورت میں قوم اور ملک کے جوان اثاثوں کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اس وجہ سے جو فتنے پھیل رہے ہیں، وہ پہلے کی بہ نسبت نہ صرف تیز رفتار ہیں، بلکہ شدید بھی۔(۲۸۹)

دوسری جانب اس موبائل کے نقصان میں خواتین بھی شامل ہیں۔ خاتون خانہ ایک طرف کچن میں کام کر رہی ہوتی ہیں تو دوسری طرف اپنی کسی عزیزہ سے بات چیت ہو رہی ہوتی ہے۔ کچھ تو خواتین عام حالات میں ٹی وی ڈرامے اور دیگر کاموں میں مشغول رہتی ہیں اور جیسے ہی کھانے کا وقت ہوتا وہ موبائل کو کان سے لگا لیتی ہیں۔ ایسی خواتین کھانے کے دوران کسی اہم بات کو سننے کے لئے جب کسی جگہ بیٹھ جاتی ہیں تو ان کو کھانا یاد تک نہیں رہتا چونکہ وہ کسی اہم نکتے پر گفت وشنید کر رہی ہوتی ہیں لہذا ان کو ہنڈیا یاد ہی نہیں رہتی کہ وہ تیز آنچ پر چولہے پر رکھی ہے اور جب یاد آتی ہے تب ہنڈیا پک کر کالی ہو چکی ہوتی ہے۔ پاکستان میں تعلیم سے لیکر کاروبار اور سماجی زندگی میں، اکثریتی مسائل کی بنیاد نظم وضبط کی کمی ہے جسکی وجہ سے نوجوان نسل امتحان پاس کر کے بھی تعلیم کا اصل مقصد حاصل نہیں کر پاتی۔ ڈگری مل جائے تو نوکری نہیں ملتی-اور نوکری مل جائے تو خراب کارکردگی آڑے آجاتی ہے۔(۲۹۰)

**اسلامی ریاست میں ہر شخص جواب دہ ہے:**

آپ ﷺ ایک "Outstanding Social Reformer" تھے، نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں انقلاب لائے جبکہ اس وقت نہ پریس تھا، نہ ریڈیو، نہ اخبار تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان تمام رکاوٹوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک صحابہ کرامؓ کے ذریعے سے پہنچایا۔ اسلامی ریاست کا ایک خدوخال یہ بھی ہے کہ اس میں اللہ کے حضور جواب دہی کا تصور ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور ہر انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے اعمال کا جوابدہ ہو گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے ہر شخص جوابدہ ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"(۲۹۱) یعنی بہ الفاظ دیگر ہر شخص پر فرائض عائد ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے پابندی عائد

ہے اور کل اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے کس حد تک حق کا ساتھ دیا، کس حد تک تو نے برائی کو روکا۔ اسلامی ریاست میں ایک اور قابل قدر خدوخال یا اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں نظم وضبط، یکجہتی اور اتحاد کا سبق دیا جاتا ہے اور اس میں مفاد پرستی کا قطعی طور پر کوئی تصور نہیں۔ اگر حق گوئی سے کام لیا جائے تو، ملک کی خاطر، دین کی خاطر، ملت کی خاطر، اس میں کسی فرد کی بہتری کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا بلکہ اس میں تمام اجتماعی نظم وضبط کی بہتری کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، ذاتی اغراض اہمیت کے حامل نہیں۔ ان میں اجتماعی پہلو دیکھا جاتا ہے۔ (۲۹۲) بقول علامہ اقبال

وصل کے اسباب پیدا ہوں تیری تحریر سے
دیکھ! کوئی دل نہ دکھ جائے، تیری تقریر سے (۲۹۳)

## تجاویز

چند تجاویز پیش خدمت ہے:

۱۔ اسلام ہمیں نظم وضبط کی تعلیم دیتا ہے دن میں پانچ وقت کی نماز بھی اپنے مقررہ وقت پر ادا کی جاتی ہے نماز میں سب نمازی ایک امام کے پیچھے ایک ہی وقت میں رکوع سجود کرتے ہیں۔ اسی طرح ماہ صیام میں سحر سے لے کر افطار تک وہ سب کچھ نظم وضبط میں آتا ہے اسی طرح حج میں نظم وضبط کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اس میں تو لاکھوں افراد مختلف ممالک میں سے حج کی سعادت حاصل کرنے آتے ہیں جو کہ کسی نظم وضبط سے کم نہیں۔

۲۔ بد قسمتی سے ہمارے ملک میں نظم وضبط کا خیال نہیں رکھا جاتا جیسا کہ لوگ بس سٹاپ پر نظم وضبط کا خیال نہیں رکھتے ان کو اترنے اور چھڑنے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر یہی لوگ بس سٹاپ یا ریلوے اسٹیشن میں نظم وضبط کا خیال کرے گے تو ان کا وقت بھی بچے گا اور اس میں مسافر آرام سے اتر اور سوار ہو سکیں گے، ہم اس وقت تک ایک کامیاب پاکستان نہیں بنا سکتے جب تک ہم لوگ نظم وضبط کا خیال نہیں رکھیں گے۔

۳۔ نظم وضبط کی خلاف ورزی سے دوسروں کے طعن و تشنیع کے باعث شرمندگی اور احساس ندامت پیدا ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ دونوں ایسے "منفی احساسات" ہیں جو شخصیت کو بری طرح مجروح کرتے ہیں۔ شرمندگی اور ندامت کا احساس انسان کو زندگی کے مختلف مراحل میں اعتماد سے محروم کر دیتا ہے۔ یوں وہ بیک وقت بے شمار محرومیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس سے بچنے کی اشد ضرورت ہے۔

## خلاصہ کلام:

ایک ہی طرح ہاتھ منہ دھونے (وضو)، ایک ہی طرح کی صف بندی کرنے (نماز)، ایک ہی وقت میں کھانا کھانے (روزہ)، ایک ہی جیسا لباس پہننے (احرام، حج) ایک ہی وقت میں جانوروں کا ذبیحہ (قربانی)، شیطان کی مخالفت (رمی)، پیسہ خرچ کرنے (زکوۃ، خیرات، صدقہ)، مخالفین کے خلاف میدان جنگ میں صف بندی اور اصولوں کی پابندی (جہاد)، سب میں نظم وضبط کے اعلیٰ شاہکار ہیں اور ان سب نے حیران کن نتائج پیدا کیے۔

اسلامی ریاست یا معاشرہ اس وقت قوم کہلانے کی مستحق ہوتی ہے جب ان میں ایمان، اتحاد اور تنظیم جیسے اصول پائے جاتے ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے انحراف، عدم مرکزیت کا فقدان، نظم وضبط کی خلاف ورزی، معاشرتی بگاڑ اور سماجی برائیوں کا اصل سبب ہے۔

اسلامی ریاست کے افراد ایک نظام کی لڑی میں پروئے ہوتے ہیں اور ہر بات نظم وضبط اور اجتماعی نقطہ نظر سے سوچتے اور کرتے ہیں، ایسے منظم اور ہم آہنگ افراد کی ہیئت اجتماعیہ قوم کہلاتی ہے۔ غیر منظم اور منتشر افراد کی سوچ اپنی اپنی غرض اور اپنی اپنی ذات تک محدود ہوتی ہے۔ ایسے افراد کا ہجوم قوم نہیں ہوتا۔ ان کی ذاتی اغراض اور انفرادی سوچ ہی سے نفسی نفسی اور قیامت کا سماں پیدا ہوتا ہے، جس میں بیٹے کو باپ اور بھائی کو بھائی کا پاس ولحاظ نہیں رہتا۔ خود غرضی اور مفاد پرستی کا یہ ماحول ہی وسیع بگاڑ کا اصل سبب ہوتا ہے۔ اور یہ بات اصولی طور پر درست ہے کہ ایسے خود غرض اور بکھرے ہوئے افراد کی اصلاح کے لئے کسی شرعی یا غیر شرعی قانون کے نفاذ اور کسی انتخابی ہنگامہ آرائی کی نہیں بلکہ انہیں مناسب خطوط پر نظم وضبط کا پابند کرنے، منظم کرنے اور تربیت دینے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ ایک قوم بن سکیں اور قومی واجتماعی نقطہ نظر سے سوچنے کے قابل ہو سکیں۔

مغرب میں نشاۃ جدیدہ کے بعد مادی قوت اور ظاہری علم میں تیز رفتار ترقی ہوئی لیکن اخلاق واقدار میں اتنی ہی سرعت کے ساتھ زوال وانحطاط واقع ہوتا گیا۔ کچھ مدت کے بعد مادی قوت اور اخلاق کے درمیان زبردست فاصلہ پیدا ہو گیا اور اس کے نتیجہ میں ایک ایسی نسل پیدا ہو گئی جو زبردست افراط و تفریط کی شکار ہے۔ یہ نسل اسراف، مبالغہ آرائی اور انتہاپسندی کی علامت بن گئی ہے۔ کمانے میں اسراف، لہو ولعب اور تفریح طبع میں اسراف، خرچ کرنے میں اسراف، جمہوریت میں غلو، آمریت ہو تو اس میں مبالغہ، اپنے خود ساختہ قوانین اور مقرر کردہ اصول اور قدریں ہوں تو اس کی ضرورت سے زیادہ تقدیس، یہاں تک کہ بال برابر اس سے ہٹنا روا نہیں ہوتا اور اس سے انحراف کرنے والا ایسا مجرم سمجھا جاتا ہے جس کے بعد وہ کسی عزت وشرافت کا مستحق اور احترام کے قابل نہیں رہتا۔ اس نسل کے اخلاق میں توازن نہیں، افراد کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں وہ بڑی ایمانداری سے کام لیتی ہے، لیکن جب اپنی قوم کی مصلحت کا تقاضہ ہوتا ہے تو افراد اور قوموں کو نگل جاتی ہے۔ انفرادی زندگی میں ان کا حال یہ ہے کہ اگر ۹ بج کر ۲۱/منٹ پر آنے کا وعدہ کریں تو ٹھیک اسی وقت پہنچیں، لیکن قومی معاملات میں دوسری قوموں کو دھوکہ دینے میں انھیں ذرا تامل نہیں ہوتا۔

پورا عالم اسلام اور پاکستان میں ایک بڑی خرابی اجتماعیت اور نظم وضبط کا فقدان ہے۔ جس قوم کے افراد میں اجتماعیت اور نظم وضبط نہیں وہ سرے سے قوم ہی نہیں۔ وہ محض بے ہنگم افراد کی بھیڑ ہوتی ہے جس کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ عدم رابطہ کی وجہ سے اعتماد باہمی کی فضا پیدا نہیں ہوتی۔ نظم وضبط اور اجتماعیت، اطاعت الٰہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ملٹری اکیڈیمی میں لباس درست طور پر پہنے، تسمے ٹھیک طرح کسے ہوں، آستینیں ٹھیک طور پر چڑھائے،

ٹوپی ٹھیک طور پہنے اور قدم ایک ساتھ اٹھانے سے نظم وضبط اور اطاعت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اسلام ریاست و ملت کے افراد کے اندر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت، اجتماعیت، نظم ضبط، اعلیٰ اخلاق و کردار کا حصول، ناول نویسی، ڈرامے بازی، قانون سازی، تقاریر و اشعار سے بالکل ہی ممکن نہیں، یہ بات طے شدہ ہے اور مخالفین اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ نے صرف چند سال میں عرب کی ان پڑھ اور جاہل قوم کے اندر نظم وضبط اور اجتماعیت کا نمونہ اور اطاعت کا بلند ترین اخلاق پیدا کر دیا تھا۔ قرآن نے فرمایا: "تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی میں بہترین نمونہ (ماڈل) موجود ہے۔"

آج اس کا ایک فیصد حصہ بھی کوئی سیاسی و مذہبی پارٹی پیدا نہ کر سکی۔ آج ملک و قوم کی اصلاح و تعمیر کے لئے اس کیریکٹر کا تصور پایا جاتا ہے کہ سچ بولا جائے، ملاوٹ نہ کی جائے جھوٹی شہادت نہ دی جائے چوری چکاری اور غنڈہ گردی سے اجتناب کیا جائے۔

اس زمین کے اور کسی قوم کے بگڑے ہوئے معاشرے کے سدھار کے متعلق جس بھی مصلح نے سوچا اس نے سب سے پہلے انسانوں کی درستگی اور نظم و ضبط پر توجہ دی۔ انسانوں کے اجتماعی نظم وضبط کی تشکیل پر کام کیا۔ انسانوں کی خود سری اور خود رائی کو ختم کر کے انہیں نظم وضبط کا پابند بنایا اور اطاعت الٰہی سکھائی۔

دور حاضر اس بات کا متقاضی ہے کہ عالمی نظم وضبط، امن کی بقا، قیام امن و سلامتی، عدل و مساوات، مذہب وعقیدہ کی آزادی، رواداری، باہمی امداد و تعاون، انسانی جذبات و احساسات کا احترام، انسانی ضمیر کی تربیت اور آزادی فکر وخیال کے حوالے سے اسلام کے عالمی نظم وضبط اور عالمی اقدار حیات کو اجاگر کیا جائے، خاص طور سے ہماری دینی قیادت جو امت کا فکری و دینی مقتدا ہے وہ اپنی دانشورانہ کاوش اور علمی تحقیقات میں انسانی فطرت، انسانی تعلقات اور انسانی ماحول کے تعلق سے اسلامی نظم وضبط، اہداف و اقدار، اصولوں اور جہتوں کے متعلق منظم اور مربوط اور سائنٹفک طریقہ فکر پیش کرے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک ایسا منظم و مربوط معاشرتی و مذہبی تصور سامنے لائے جو زیادہ سے زیادہ کشادگی اور گنجائش رکھتا ہو اور انتہائی متنوع کثرت کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور حکمت و تدبر کے ساتھ انسانی معاشرہ کو اس حقیقت سے بھی روشناس کرایا جائے کہ اعلیٰ انسانی اخلاق واقدار کی حامل انسانی تہذیب ہی ایک ایسا گہوارہ امن و انصاف ہے جس میں تمام افراد، قوموں اور گروہوں کو اپنے اپنے عقائد کے مطابق زندگی بسر کرنے کی پوری آزادی ہے اور مفاہمت واحترام کی بنیاد پر باہم تعاون کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہی وہ درست اور عملی راستہ ہے جو امن و سلامتی، تعاون و شرکت عمل پر مشتمل، قابل عمل عالمی نظام کی منزل تک پہنچا سکتا ہے اور مقاصد، اقدار، فلاح وصلاح اور مفاہمت کے وسیع مشترک انسانی دائرہ بھی تشکیل دے سکتا ہے۔ اس حد تک وسیع کہ انسانی گروہوں کے درمیان پڑوسیوں کی سطح سے لے کر پوری انسانیت پر مشتمل امت واحدہ کی سطح تک قابل عمل اصول زندگی کی بالادستی قائم ہو سکے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تمام خود غرضیوں اور مصلحتوں سے اوپر اٹھ کر ملت

اسلامیہ کے اتحاد میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کیا جائے اور ایک ایسی طاقت بنائی جائے جس کو قرآن پاک نے بنیان مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) سے تعبیر کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اختلاف و افتراق سے بچنے، نظم و ضبط اتحاد و اجتماعیت کی زندگی گزارنے کی توفیق بخشے آمین۔

## مصادر و مراجع


(۱) القرآن / سورہ احزاب / آیت نمبر ۴۶ ..... (۲) سورہ فاتحہ / سورہ نمبر ۱ / آیت نمبر ۵ ..... (۳) القرآن / سورہ الاحزاب / آیت نمبر ۲۱ ..... (۴) نوجوان نسل کی ذمہ داری اسوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں / عظیم قاسمی فیض آبادی / مئی ۲۰۱۰ ..... (۵) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ۲۰۰۸ء / ص ..... (6) http://www.merriam-webster.com/dictionary/discipline ..... (7) http://www.businessdictionary.com/definition/discipline.html (۸) رسول اکرمؐ اور رواداری / ڈاکٹر حافظ محمد ثانی / کراچی / فضلی سنز / ۱۹۹۹ء / ص ۵۹ ..... (۹) مسدس حالی / الطاف حسین حالی / لاہور / دوست پبلیکشنز..... (۱۰) تجلیات سیرت ﷺ / حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر / کراچی / فضلی سنز / اشاعت سوم / ص ۹۵ ..... (۱۱) مسدس حالی / خواجہ الطاف حسین حالی / لاہور / دوست پبلیکشنز / ص ۱۰ ..... (۱۲) تہذیب و تمدن کے آئینے میں / ڈاکٹر خلیل اللہ / لاہور / مکتبہ طیبہ / ۲۰۱۰ / ص ۹۳ ..... (۱۳) مسدس حالی / خواجہ الطاف حسین حالی / لاہور / دوست پبلیکشنز / ص ۱۰ ..... (۱۴) پنڈت ہری چند اختر، بحوالہ محمد ﷺ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں ..... (۱۵) محسن انسانیت اور انسانی حقوق / حافظ محمد ثانی، پروفیسر ڈاکٹر / کراچی / دارالاشاعت / ۱۹۹۹ء / ص ۶۰ ..... (۱۶) حافظ محمد ثانی، پروفیسر ڈاکٹر / محسن انسانیت اور انسانی حقوق / کراچی / دارالاشاعت / ۱۹۹۹ء / ص ۴۸ (۱۷) العقد الفرید / جلد ۳ / ص ۴۵ تا ۴۶ (۱۸) نگارشاتِ ڈاکٹر حمید اللہ / محمد عالم مختار حق / لاہور / بیکن ہاؤس / جلد دوم / ۲۰۰۹ء / ص ۲۳۹ (۱۹) مغازی واقدی، ص ۵۹ (۲۰) اسلامی ریاست کا قیام / کلیم اللہ / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ص ۸۷..... (۲۱) کلیات اقبال، بال جبریل / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ۲۰۰۸ء / ص ۷۶ ..... (۲۲) ایضاً / ص ۶۵ ..... (۲۳) اسلام کا نظام حکومت / حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / ۱۹۹۹ء / ص ۹۶ ..... (۲۴) مجمع الزوائد / ج ۵ / باب حق الرعیۃ والنصح لہا / ص ۳۱۱ ..... (۲۵) قالا میر راع علی الناس و مسؤل عن رعیتہ الخ مجمع الزوائد و منبع الفوائد عن انس، ج ۵، ص ۲۰۷ ..... (۲۶) اسلام کا نظام حکومت / حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / ۱۹۹۹ء / ص ۹۷ ..... (۲۷) دیکھو کتاب المغازی و السیر، ج ۶، ص ۲۱۴ ..... (۲۸) اسلام کا نظام حکومت / حامد انصاری / لاہور / الفیصل ناشران / ۱۹۹۹ء / ص ۹۸ ..... (۲۹) ایضاً / ص ۱۹۰ ..... (۳۰) ایضاً / ص ۱۹۰ ..... (۳۱) تفصیل کے لیے دیکھئے البحر المعیط، ابو حیان اندلسی، ج ۱۔ ص ۳۹۲، ج ۲، ص ۳۲۰ تا ۳۶۹ ..... (۳۲) سیرۃ الرسول ﷺ کی آئینی و

دستوری اہمیت / ڈاکٹر محمد طاہر القادری / لاہور / منہاج القرآن پبلی کیشنز / ۲۰۰۵ / ص.....(۳۳) القرآن / سورہ یوسف / سورہ نمبر ۱۲ / آیت نمبر ۴۰ ..... (۳۴) القرآن / سورہ آل عمران / سورہ نمبر ۳ / آیت نمبر ۱۵۴ ..... (۳۵) القرآن / سورہ النحل / سورہ نمبر ۱۶ / آیت نمبر ۱۱۶ ..... (۳۶) القرآن / سورہ المائدہ / سورہ نمبر ۵ / آیت نمبر ۴۴ ..... (۳۷) القرآن / سورہ الانعام / سورہ نمبر ۶ / آیت نمبر ۵۰ ..... (۳۸) القرآن / سورہ النساء / سورہ نمبر ۴ / آیت نمبر ۶۴ ..... (۳۹) القرآن / سورہ الانعام / سورہ نمبر ۶ / آیت نمبر ۸۹ ..... (۴۰) القرآن / سورہ آل عمران / سورہ نمبر ۳ / آیت نمبر ۷۹ ..... (۴۱) القرآن / سورہ النساء / سورہ نمبر ۴ / آیت نمبر ۱ ..... (۴۲) القرآن / سورہ الحجرات / سورہ نمبر ۴۹ آیت نمبر ۱۳ ..... (۴۳) القرآن / سورہ بنی اسرائیل / سورہ نمبر ۱۷ / آیت نمبر ۷۰ ..... (۴۴) القرآن / سورہ آل عمران / سورہ نمبر ۳ / آیت نمبر ۱۵۹ ..... (۴۵) القرآن / سورہ الشوریٰ / سورہ نمبر ۴۲ / آیت نمبر ۳۸ ..... (۴۶) القرآن / سورہ المائدہ / سورہ نمبر ۵ / آیت نمبر ۲ ..... (۴۷) تفسیر ابن کثیر.....(۴۸) کنز العمال..... (۴۹) الحدیث.....(۵۰) صحیح بخاری و صحیح مسلم.....(۵۱) الحدیث..... (۵۲) صحیح مسلم.....(۵۳) بخاری و ترمذی.....(۵۴) صحاح.....(۵۵) بخاری و مسلم.....(۵۶) الحدیث..... (۵۷) صحیح بخاری / رقم حدیث ۸۹۹۴ ..... (۵۸) سورہ النحل / آیت نمبر ۹۰ ..... (۵۹) الاتقان فی اعلوم القرآن / علامہ جلال الدین سیوطی / ج ۱ / لبنان بیروت / الناشر دارالفکر / ص ۱۱۶ ..... (۶۰) القرآن / سورہ یونس / سورہ نمبر ۱۰ / آیت نمبر ۳ ..... (۶۱) القرآن / سورہ السجدہ / سورہ نمبر ۳۲ / آیت نمبر.....(۶۲) القرآن / سورہ یٰس / سورہ نمبر ۳۶ / آیت نمبر ۳۸ تا ۴۰ ..... (۶۳) القرآن / سورہ الملک / سورہ نمبر ۶۷ / آیت نمبر ۳ تا ۴ ..... (۶۴) القرآن / سورہ فصلت / سورہ نمبر ۴۱ / آیت نمبر ۱۲ ..... (۶۵) القرآن / سورہ الحجر / آیت نمبر ۱۹ تا ۲۱ ..... (۶۶) یہی مضمون قرآنِ مجید میں سورہ طٰہٰ، سورہ نمبر ۲۰، آیت نمبر ۶ / سورہ فرقان، سورہ نمبر ۲۵، آیت نمبر ۵۹ / سورہ البقرہ، سورہ نمبر ۲، آیت نمبر ۴۳ / سورہ ق، سورہ نمبر ۵۰، آیت نمبر ۳۸ / سورہ الانبیاء، سورہ نمبر ۲۱، آیت نمبر ۱۶ / سورہ دخان، سورہ نمبر ۴۴، آیت نمبر ۷ و آیت نمبر ۳۸ / سورہ النباء، سورہ نمبر ۷۸، آیت نمبر ۳۷ / سورہ الحجر، سورہ نمبر ۱۵، آیت نمبر ۸۵ / سورہ الجاثیہ، سورہ نمبر ۴۶، آیت نمبر ۳ / سورہ الزخرف، سورہ نمبر ۴۳، آیت نمبر ۸۵ /، سورہ الطلاق، سورہ نمبر ۱۲، آیت نمبر ۶۵ میں بھی بیان ہوا ہے۔.....(۶۷) تفصیل کے ملاحظہ فرمایئے القرآن، سورہ فصلت، سورہ نمبر ۵۴، آیت نمبر ۱۲ ..... (68) Approaches to the World ( ..... P108 /USA /Lyman bryson /Peach۶۹) پروفیسر محمد منور / توازن اقبال کی شاعری کا ایک پہلو، ماخوذ مطالعہ اقبال کے سو سال / لاہو / ص ۱۰۰ ..... (۷۰) القرآن / سورہ انعام / آیت نمبر ۳۸ ..... (۷۱) القرآن / سورہ النحل / آیت نمبر ۷۹ ..... (۷۲) القرآن / سورہ الملک / آیت نمبر ۱۹ ..... (۷۳) القرآن / سورہ النحل / آیت نمبر ۶۸۔۶۹ ..... (۷۴) تحریکی زندگی میں نظم وضبط / ڈاکٹر حسن محی الدین / لاہور / منہاج القرآن /

ص ۶۵ ..... (۷۵) القرآن / سورہ النمل / آیت نمبر ۱۷۔۱۸ ..... (۷۶) چیونٹی ایک معجزہ / ہارون یحییٰ / ص ۸۷ ..... (۷۷) مسدس حالی / خواجہ الطاف حسین حالی / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / .....(۷۸) مولانا حامد الانصاری / اسلام کا نظام حکومت / دہلی / ندوۃ المصنفین / ۱۹۶۴ء / ص ۸۲۔ ۸۳۔ (79) Reginald Bosworth Smith (1839-1908) was an educationist and author of United Kingdom. He wrote a book "Mohammed and Mohammedanism". He records his findings about the Best Praised Muhammad (PBUH (80)http://bestpraised.com/14/ (۸۱) القرآن / سورہ الحج / آیت نمبر ۴۱ ..... (۸۲) مسلمانوں کا نظام مملکت / ص ۸۱، انسان کامل ﷺ / ڈاکٹر خالد علوی / لاہور / الفیصل ناشران / اگست ۲۰۰۲ / ص ۳۶۲۔ (۸۳) انسان کامل ﷺ / ڈاکٹر خالد علوی / لاہور / الفیصل ناشران / اگست ۲۰۰۲ / ص ۳۶۲ ..... (۸۴) ول ڈیورانٹ / ہیروز آف ہسٹری مترجم یاسر جوا / لاہور / نگارشات / ۲۰۰۹ء / ص ۲۳۴ ..... (85) Thomas Carlyle (4 December 1795 – 5 February 1881) was a Scottish philosopher, satirical writer, essayist, historian and teacher during the Victorian era. https://www.google.com.pk/#q=thomas+carlyle&safe=off (86) ( ۸۷http://bestpraised.com/26/) مسدس حالی / خواجہ الطاف حسین حالی / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز ..... (88) Prof. Christiaan Snouck Hurgronje (born Feb. 8, 1857, Oosterhout, Neth.—died June 26, 1936, Leiden) was a Dutch scholar of Oriental cultures and languages and Advisor on Native Affairs to the colonial government of the Netherlands East Indies (now Indonesia).He is a pioneer in the scientific study of Islam. (http://www.britannica.com/EBchecked/topic/ Christiaan-Snouck-Hurgronje ..... (89) http://bestpraised.com/21/ /550526 )۹۰)سورہ المزمل / سورہ نمبر ۷۳ / آیت نمبر ۸۔ ۱۰ ..... (۹۱) عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی / ڈاکٹر محمد حمید اللہ / کراچی / اردو اکیڈمی / ۱۹۸۷ء / ص ۲۶۳۔ ۲۸۲ ..... (۹۲) ہجرت خیر البشر / عبد المالک / کراچی / العرب پبلیشرز / ص ۹۹ ..... (۹۳) الطبقات الکبریٰ / محمد ابن سعد / ج ۱ / دار الفکر / بیروت / ۱۹۹۴ء / ص ۱۶۱ ..... Philip K. Hitti, History of the Arabs, (New York-1968) p:139-40, 116 (94) (95).Philip K. Hitti, History of the Arabs, (New York-1968) p:139-40, 116 )۹۶) امام احمد بن حنبل، المسند (دار الاحیاء التراث العربی، بیروت۔ ۱۹۹۱ء) / ۴۲۶ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی (لاہور۔

۱۹۹۱ء):۱/۲۶۵۔ ۲۶۷ (۹۷) القرآن /سورہ الاسراء/سورہ نمبر ۱۷/آیت نمبر۸۰ ..... (۹۸) السیرۃ النبویۃ/عبدالملک ابن ہشام /ج۱/ مصر/۱۹۳۶ء/ص۱۱۲ ..... (۹۹) مسدس حالی/خواجہ الطاف حسین حالی / لاہور/ علم و عرفان پبلیشرز.....(۱۰۰) خطبات آزاد/ابوالکلام آزاد/ص۸۱ ..... (۱۰۱) الحدیث.....(۱۰۲) الحدیث.....(۱۰۳) کلیات اقبال/ علامہ اقبال/ لاہور/ علم و عرفان پبلیشرز/۲۰۰۸ء/ص.....(۱۰۴) کلیات اقبال/علامہ اقبال/ لاہور/ علم و عرفان پبلیشرز/ص۱۰۵ ..... (۱۰۵) السیر الکبیر اردو مترجم/ امام محمد بن حسن شیبانی/ حیدرآباد دکن/ انڈیا..... (۱۰۶) الفاروق / علامہ شبلی نعمانی/کراچی /دارلاشاعت/ ص۲۳۸ ..... (۱۰۷) سورہ النساء/ آیت نمبر۱۰۳ ..... (۱۰۸) سورہ الاسراء/ سورہ نمبر۱۷/ آیت نمبر۱۱۰ ..... (۱۰۹) صحیح مسلم.....(۱۱۰) متفق علیہ.....(۱۱۱) سورہ العنکبوت/ سورہ نمبر/ آیت نمبر۴۵ ..... (۱۱۲) رضوان احمد ندوی قاسمی/نقیب/پٹنہ،انڈیا/جون۲۰۰۸/ ص.....(۱۱۳) علامہ سید سلیمان ندوی/سیرۃ النبی/ ج۵/ص۹۸۱ ..... (۱۱۴) کلیات اقبال/ علامہ اقبال/ لاہور/ علم و عرفان پبلیشرز/ص..... (۱۱۵) متفق علیہ.....(۱۱۶) کلیات اقبال/ علامہ اقبال/ لاہور/ علم و عرفان پبلیشرز.....(۱۱۷) سرکار دوعالم کا طریقہ حج و عمرہ/ محمد ارشاد القاسمی/ کراچی/ دارالاشاعت/ ص۶۵ ..... (۱۱۸) اخلاق رسول/ مولانا اخلاق حسین قاسمی/ دہلی/ج۲/ص۸۲ ..... (۱۱۹) القرآن..... (۱۲۰) الحدیث.....(۱۲۱) ڈاکٹر حافظ محمد ثانی/ اسلام اور رواداری/کراچی/ دارالاشاعت/ ص۱۶۳ ..... (۱۲۲) ابنِ ہشام/محمد بن اسحاق بن یسار/ج۲/لاہور/ ادارہ اسلامیات/ ص۶۵۔ ۶۶ ..... (۱۲۳) احمد، طبرانی، حاکم، عن ابن عباس۔ دیکھئے فتح الباری۷/۳۵۰ ..... (۱۲۴) صحیح بخاری/محمد اسماعیل بخاری/ کتاب الجہاد ۱/ص۴۲۶ ..... (۱۲۵) ڈاکٹر حافظ محمد ثانی/ رسول اللہ ﷺ عسکری حکمت عملی/کراچی/ص۶۹ ..... (۱۲۶) پیارے نبی ﷺ کی پیاری سیرت/ ڈاکٹر محمد مشتاق کلوٹا/ کراچی/ مکتبہ ارسلان/ ص۹۹ ..... (۱۲۷) صحیح بخاری.....(۱۲۸) الحدیث (۱۲۹) کنز العمال: ج۲ ..... (۱۳۰) کنز العمال: ج۶ ص۳۶۴ ..... (۱۳۱) مسلم، کتاب الامارہ باب۵ ..... (۱۳۲) ۷۲) ابوداؤد، کتاب الامارہ باب۲ ..... (۱۳۳) ۷۳) اسلامی معاشیات/ مولانا مناظر احسان گیلانی/ص۴۴۰ ..... (۱۳۴) بخاری شریف ج۲ ..... (۱۳۵) مسلم شریف، ج۲، ص۷۱۷ ..... (۱۳۶) خوالہ مسلم شریف ج۲، ۶۲۱، حدیث ۱۰۴۳ ..... (۱۳۷) حیات صحابہ کے درخشاں پہلو/ڈاکٹر عبدالرحمان رافت باشا/لاہور/ نعمانی کتب خانہ/ص۱۴۴..... (۱۳۸) طبقات ابن سعد/ محمد ابن سعد/ جلد دوم/کراچی/ نفیس اکیڈمی/ ص۳۳۴ ..... (۱۳۹) خلفائے راشدین/ شاہ معین الدین احمد ندوی/لاہور/ ناشران قرآن لمیٹڈ/ص۹۴ ..... (۱۴۰) الفاروق/ علامہ شبلی نعمانی/کراچی/ دارالاشاعت/ ص۱۵۴ ..... (۱۴۱) حکمران صحابہؓ/ محمود احمد غضنفر/لاہور/مکتبہ قدوسیہ/ص۴۴ ..... (۱۴۲) الفاروق/علامہ شبلی نعمانی/ کراچی/ دارالاشاعت/ ۱۹۹۹ء/ص۹۴ ..... (۱۴۳) فتوح البلدان/ احمد بن یحییٰ بلاذری.....(۱۴۴) حیاۃ الصحابہ

/ محمد یوسف کاندھلوی / جلد دوم / لاہور / کتب خانہ فیضی / ۴۴۳ ..... (۱۴۵) حیاۃ الصحابہ / محمد یوسف کاندھلوی / جلد اول / لاہور / کتب خانہ فیضی / ۵۵۴ ..... (۱۴۶) تاریخ طبری / امام ابن جریر طبری / ج ۲ / کراچی / نفیس اکیڈمی / ص ۲۵۵ ..... (۱۴۷) تاریخ طبری ترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم / ازامام ابن جریر طبری / جلد اول / حیدرآباد دکن / طبع عثمانیہ / ص ۱۵۳ ..... (۱۴۸) ماہنامہ محدث، شمارہ ۲، جنوری ۱۹۷۱، جلد ۱، سید ابو بکر غزنوی ..... (۱۴۹) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ص.....(۱۵۰) سیرۃ النبی ﷺ / علامہ شبلی نعمانی / ج ۲ / ۵۵۰ ..... (۱۵۱) سیرۃ النبی ﷺ / علامہ شبلی نعمانی / ج ۲ / ص ۵۵۱ ..... (۱۵۲) سورہ الحجرات / آیت نمبر ۱۳ ..... (۱۵۳) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ..... (۱۵۴) القرآن / سورہ آل عمران / آیت نمبر ۱۰۳ ..... (۱۵۵) القرآن / سورہ الانفال / آیت نمبر ۴۶ ..... (۱۵۶) دکتور طٰہٰ جابر فیاض علوانی / ادب الاختلاف فی الاسلام / ص ۳۱ ..... (۱۵۷) وحدت امت / محمود الحسن / ص ۴۰ ..... (۱۵۸) الاسلام۔ ص ۸۲۱، بحوالہ: رضوان احمد ندوی قاسمی / نقیب / پٹنہ، انڈیا / جون ۲۰۰۸ / ص ۳۳ ..... (۱۵۹) صحیح بخاری / کتاب المظالم.....(۱۶۰) بہ روایت ابوہریرہ صحیح مسلم.....(161) / kop kopmeyer 1000 success principles/ NEW YORK/ 2011/ P 34 ..... (162) THINK AND GROW RICH/ NEP0LEON HILL / 2005/ NEW YORK/ PENGUINE PUBLISHING GROUP/ P231 ..... (۱۶۳) ریاست کے خدوخال / عرفان علی / لاہور / شمع بک پیلیس / ۲۰۰۳ء / ص ۱۹ ..... (۱۶۴) جہان نو / چوہدری سرفراز احمد / لاہور / اشتیاق پرنٹرز / ۱۹۹۹ء / ص ۷۸ ..... (۱۶۵) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ص..... (۱۶۶) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ص.....(۱۶۷) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ص..... (۱۶۸) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ص.....(۱۶۹) الحدیث.....(۱۷۰) القرآن / سورہ ۲۹ / آیت نمبر ۱۷ ..... (۱۷۱) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ص ..... (۱۷۲) اسلام کا قانون صحافت / ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی / لاہور / بک ٹک / ۲۰۰۸ء / ص ۶۲ (۱۷۳) اسلام کا نظریہ ابلاغ / ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر / اسلام آباد / دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی / ۲۰۰۱ء / ص ۵۰ ..... (۱۷۴) ایضاً / ص ۵۱ ..... (۱۷۵) سنن النسائی / امام عبدالرحمن احمد بن علی النسائی.....(۱۷۶) اسلام کا قانون صحافت / ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی / لاہور / بک ٹک / ۲۰۰۸ء / ص ۸۶ ..... (۱۷۸) محمد اکبر وسیم / ذرائع ابلاغ اور اسلام / لاہور / مکہ پبلی کیشنز لمیٹڈ / ۲۰۰۳ء / صفحہ ۱۵۳ ..... (۱۷۷) القرآن / سورہ نحل، آیت ۶۳ ..... (۱۷۸) محمد اکبر وسیم / ذرائع ابلاغ اور اسلام / لاہور / مکہ پبلی کیشنز لمیٹڈ / ۲۰۰۳ء / صفحہ ۱۵۳ ..... (۱۷۹) القرآن / سورہ الاعراف، آیت ۱۲ ..... (۱۸۰) القرآن / سورہ الحجر / آیت ۳۳ ..... (۱۸۴) اسلامی ریاست اور

ذرائع ابلاغ کی حدود / پروفیسر ڈاکٹر اُم سلمیٰ / کراچی / غازی بک ڈپو / ۲۰۰۰ء / ص۱۹۸ ..... (۱۸۵) القرآن / سورہ نور / آیت نمبر ۲۷-۲۸ ..... (۱۸۶) القرآن / سورہ التین / سورہ نمبر ۹۵ / آیت نمبر ۴ ..... (۱۸۷) القران / سورہ علق / سورہ نمبر ۹۶ / آیت نمبر ۴-۵ ..... (۱۸۸) القرآن / سورہ المومنون / سورہ نمبر ۲۳ / آیت نمبر ۱۱۵ ..... (۱۸۹) سورج، چاند کی گردش کے تفصیل کے ملاحظہ کریں سوریس .....(190) Abdullah Yousuf Ali: The Meaning of the Holy Quran, P-1034 ..... (۱۹۱) میڈیا کا کردار، اسلامی نقطہ نظر سے / ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی / ماہنامہ ترجمان القرآن / دسمبر ۲۰۱۳ / ص ۷۹ ..... (۱۹۲) القرآن / سورہ الصف / سورہ نمبر ۶۱ / آیت نمبر ۸ ..... (۱۹۳) القرآن / سورہ النساء / آیت نمبر ۵۸ ..... (۱۹۴) القرآن / سورہ الحدید / سورہ نمبر ۵۷ / آیت نمبر ۲۵ ..... (۱۹۵) القرآن / سورہ الشوریٰ / سورہ نمبر ۴۲ / آیت نمبر ۱۵ ..... (۱۹۶) امام راغب اصفہانی، المفردات المادہ۔ م۔ ن۔: ۵۴۔ ۲۵۳ ..... (۱۹۷) ابن ہشام، السیرۃ: ۱ / ۳۴۱۔ ۳۴۴، امام ابو عبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال (مصر۔ ۱۹۸۱ء): ۹۷۔ ۱۹۳ ..... (۱۹۸) ابن ہشام، السیرۃ: ۱ / ۹۵۔ ۲۹۳، ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ۱۵۸ ..... (۱۹۹) الحدیث.....(۲۰۰) مسند امام احمد بن حنبل / امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل.....(۲۰۲) الحدیث.....(۲۰۳) الحدیث.....(۲۰۳) مشکوٰۃ المصابیح، باب الترجل، ص ۳۸۰ ..... (۲۰۴) ایضاً، ص ۳۸۱ ..... (۲۰۵) ایضاً، ص ۳۸۰ ..... (۲۰۶) دیکھیے: (الف) صحیح بخاری، کتاب اللباس باب الخضاب: ۲ / ۸۷۵۔ (ب) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب استحباب خضاب الشیب: ۲ / ۱۹۹ ..... (۲۰۷) دیکھیے: (الف) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ باب النہی عن لبس الرجل الثوب المعصر: ۲ / ۱۹۳۔ (ب) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، ص ۳۷۴ ..... (۲۰۸) دیکھیے: (الف) سنن ابی داؤد، کتاب اللباس باب فی العمائم: ۲ / ۵۶۴۔ (ب) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، ص ۳۷۴ ..... (۲۰۹) سنن ابی داؤد، کتاب اللباس باب ما جاء فی لبس الحریر: ۲ / ۵۸۰ ..... (۲۱۰) سنن نسائی، کتاب الزینۃ باب مقدار ما جاء فی الخاتم من الذہب: ۱ / ۲۴۹، طبع کلاں نور محمد کراچی .....(۲۱۱) حدیث وفقہ کی کتابوں میں کتاب الاطعمۃ اور کتاب الاشربۃ کے اندر ان تمام مثالی آداب کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے.....(۲۱۲) القرآن / سورہ الاعراف / آیت نمبر ۳۱ ..... (214) A History of Muhslim Philosophy/M.M. Sharif/P.330 ..... (214A) A History of Muslim Philosophy, p.306 ..... (۲۱۵) سورۃ العلق / آیت نمبر ۱ ..... (۲۱۶) القرآن / سورہ العلق / آیت نمبر ۵ ..... (۲۱۷) القرآن / سورہ طٰہٰ / آیت نمبر ۱۱۴ ..... (۲۱۸) ملاحظہ کیجئے نقش پائے رسول ﷺ / ابو محمد عبد المالک / ص ۱۲۸ ..... (۲۱۹) بخاری، محمد بن اسماعیل صحیح البخاری کتاب الکفالۃ باب جوار أبی بکر اور سیرت بن ہشام، ص / ۳۴۴، ج / ۱، اور سیرت حلبیہ ص / ۳۰۱، ج / ۱ ..... (۲۲۰) ابن حجر عسقلانی الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ص / ۹۰، ج / ۲، فتوح البلدان لبلاذری، ص / ۱۵۶، اور ۴۵۹، اور سیرت ابن ہشام، ص / ۴۳۴، ج / ۱،.....(۲۲۱)

مبارکپوری، قاضی اطہر، خیر والقرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ص/۱۴۶ تا ۳۳۴ ..... (۲۲۲) الترمذی، سنن الترمذی بیروت دارالکتب العلمیۃ،۱۴۰۸ھ، حدیث نمبر ۳۵۹۹ ..... (۲۲۳) اصحاب صفہ / ڈاکٹر حافظ محمد ثانی / کراچی / ص ۳۲ ..... (۲۲۴) صحابیاتؓ کی گراں قدر خدمات / ام سعدیہ / کراچی / غازی بک ڈپو / ص ۱۳۹ ..... (۲۲۵) القرآن / سورہ علق / آیت نمبر ۱ ..... (۲۲۶) نظم و نسق مدرسہ / پروفیسر علی محمد گرجی / لاہور / اے بی سی پبلیشرز / ص ۴۶ ..... (۲۲۷) القرآن / سورہ النساء / آیت نمبر ۱۰۳ ..... (۲۲۸) سورہ اسراء / آیت نمبر ۷۸۔۷۹ ..... (۲۲۹) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے، قرآن کریم کی مختلف تفاسیر .....(۲۳۰) طالب علم اور وقت کی قدر و قیمت / مولانا حفظ الرحمن پالن پوری / ماہنامہ دارالعلوم دیوبند / انڈیا / اگست ۲۰۰۶ء / ص۴۵ ..... (۲۳۱) الحدیث.....(۲۳۲) اقوال سلف / عمران عالم / کراچی / الحمزہ پبلی کیشنز / ۲۰۰۰ء / ص ۵۴ ..... (۲۳۳) بیہقی، شعب الایمان، 5: 267، رقم: 6612 ..... (۲۳۴) طبرانی، المعجم الاوسط، 7: 25، رقم: 6744 ..... (۲۳۵) صحیح مسلم / رقم: 2059 ..... (۲۳۶) سورہ البقرہ / سورہ نمبر ۲ / آیت نمبر ۱۶۸ ..... (۲۳۷) الجامع الصحیح / امام مسلم بن الحجاج القشیری / کتاب الایمان / بیروت / ۱۹۸۱ء / ص ۶۳ ..... (۲۳۸) السنن / امام ابو داؤد السجستانی / کتاب الخراج والفی والامارۃ / باب فی تعشیر اھل الذمہ / بیروت / / ۱۹۸۱ء / ج ۲ / ص ۴۰۷ ..... (۲۳۹) بخاری ۲۳۲، ۳ ..... (۲۴۰) سیرت النبی ﷺ ۳۰۳، ۲ ..... (۲۴۱) مسند احمد۔۲۶۸، ۷ ..... (۲۴۲) بخاری ۲۳۹، ۳ ..... (۲۴۳) بخاری ۲۳، ۳ ..... (۲۴۴) سیرت النبی ﷺ ۲۰۳، ۲ ..... (۲۴۵) القرآن / سورہ الحجرات / آیت نمبر ۱۳ ..... (۲۴۶) تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت۔۲۷ (۲۴۷) القرآن / سورہ الانفال / ۴۶ ..... (۲۴۸) القرآن / سورہ آل عمران / آیت نمبر ۱۰۳ ..... (۲۴۹) القرآن / سورہ البقرۃ / آیت نمبر ۲۳۱ ..... (۲۵۰) القرآن / سورہ الانفال / آیت نمبر ۴۶، سورہ آل عمران / آیت نمبر ۱۰۵ ..... (۲۵۱) القرآن / سورہ الحجرات / آیت نمبر ۱۱، ۱۲ ..... (۲۵۲) الصحیح البخاری: کتاب الادب، باب رحمۃ الناس و صحیح مسلم کتاب البر و الصلۃ باب تراحم المومنین و تعاطفھم ..... (۲۵۳) ایضاً کتاب الادب، باب تعاون المومنین بعضھم بعضا (۲۵۴) مسلمؒ: کتاب الامارۃ والقضائ.....(۲۵۵) ان تنازعات کی تفصیلات کے لیے دیکھئے: (جواد، احمد "ایام العرب فی الجاہلیۃ" قاہرۃ ۱۹۴۲ء نیز دیکھئے: آلوسی، محمود شکری: "عادات العرب فی جاھلیتھم" بیروت ۱۹۲۴ ..... (۲۵۶) صحیح بخاری: باب ذکر نھی دعوۃ الجاھلیۃ ..... (۲۵۷) سنن ابی داؤد: کتاب الادب، باب فی العصبیۃ ..... (۲۵۸) دیکھئے: القرآن / سورہ البقرۃ / ۱۱۳ ..... (۲۵۹) القرآن / سورہ آل عمران / ۷۵ ..... (۲۶۰) القرآن / سورہ آل عمران / ۱۵۹ ..... (۲۶۱) القرآن / سورہ النحل / ۱۲۵ ..... (۲۶۲) القرآن / سورہ الانعام / ۱۰۹ ..... (۲۶۳) القرآن / سورہ انعام / ۱۶۰ ..... (۲۶۴) انسان کامل و نبی اکمل ﷺ / ڈاکٹر منظور ممتاز / لاہور / مکتبہ تعمیر انسانیت / ۱۹۹۴ء / ص ۷۷ ..... (۲۶۵) الشوری و دورھا فی اصلاح الفرد والمجتمع مترجم: ص ۱۶ ..... (۲۶۶) صحیح

بخاری و صحیح مسلم .....(۲۶۷) الاحکام السلطانیہ لابی یعلی:ص27 ..... (۲۶۸) بے لاگ احتساب کا تصور / ڈاکٹر ساجد خاکوانی / مڈویک میگزین / ۱۹ جنوری ۲۰۱۳ ..... (۲۶۹) تصور ریاست اسلامی قرآن کی روشنی میں / جسٹس ریٹائرڈ شیخ انوار الحق / مقالات مذاکرہ ملی تعلیمات نبوی ﷺ / کراچی / ہمدرد فاؤنڈیشن / ۱۹۸۳ / ص ۳۶ ..... (۲۷۰) الحدیث.....(۲۷۱) سورۃ النساء / آیت نمبر ۸۵ ..... (۲۷۲) مسند بزار، طبرانی.....(۲۷۳) صحیح مسلم، کتاب الذکر، ابوداؤد، کتاب الادب، ترمذی، کتاب الحدود..... (۲۷۴) القرآن / سورہ نور /:۳۳ ..... (۲۷۵) القرآن / سورۃ الحدید / ۷ ..... (۲۷۶) القرآن / سورۃ الزخرف / ۳۲ ..... (۲۷۷) کنزالعمال:۲۹۳۳، حدیث نمبر ۴۸۶ حیدر آباد.....(۲۷۸) القرآن / سورۃ الذاریات / ۱۹ ..... (۲۷۹) القرآن / سورۃ الحشر / ۷ ..... (۲۸۰) القرآن / سورۃ البقرۃ / ۰۶ ..... (۲۸۱) صحیح مسلم:۳۲۷، قدیمی کتب خانہ.....(۲۸۲) مشکوۃ ص ۴۲۴، طبع سعید کمپنی کراچی.....(۲۸۳) صحیح مسلم ۸۱:۲ ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب حقوق المال.....(۲۸۴) القرآن / سورۃ البقرۃ / ۲۷۹ ..... (۲۸۵) صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، ۲۰۳، طبع دہلی.....(۲۸۶) کلیات اقبال / علامہ اقبال / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ص.....(۲۸۷) توازن اقبال کا شاعری کا ایک پہلو / پروفیسر محمد منور ماخوذ مطالعہ اقبال کے سو سال، میزان اقبال، اقبال اکادمی، لاہور ۱۹۸۲ء ..... (288) A History of Muslim Philosophy, p. 636 ..... (۲۸۹) ذرائع ابلاغ اور معاشرہ / ڈاکٹر ثناء اللہ پانی پتی / لاہور / مکتبہ فیضان / ص ۱۹۹ ..... (۲۹۰) ذرائع ابلاغ کا مثبت و منفی استعمال / ڈاکٹر اُم سلمی غوری / روزنامہ دنیا / مڈویک میگزین ۱۲ اپریل ۲۰۱۵ / ص ۱۳ ..... (۲۹۱) سنن ابی داؤد / امام ابو داؤد سلیمان بن اشعت / حدیث نمبر ۲۹۲۸ (۲۹۲) تفہیم القرآں / جلد نمبر ۴ / ص ۱۰۔۸ بحوالہ: اسلام کا قانون صحافت / ڈاکٹر لیاقت علی نیازی / لاہور / بک ٹک / ۲۰۰۸ء / ص ۶۱ (۲۹۳) اقبال، کلیات اقبال شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۵۲

# [[021]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

حمیرا گل-ہری پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## تمہید

یہ کائنات کسی حادثے کے طور پر وجود میں نہیں آئی نہ ہی اتفاقاً ایسا ہوا ہے بلکہ اس کو بنانے سنوارنے اور پھیلانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ کائنات پہ ایک طائرانہ سی نظر ڈالیں تو یہ بات آشکارا ہو گی کہ اس لامتناہی اور بیکراں وسعتوں کی حامل کائنات کتنے سلیقے طریقے سے بنائی گئی، نہ موسموں میں موسم مدغم ہوئے، نہ دن میں رات ہوئی، نہ ستاروں کی جگہ چاند نے لی اور نہ خار کی جگہ پھول اُگ سکے مگر ہم نے کبھی سوچا کہ اس کائنات کی تکوین و تخلیق میں ایسا کیونکر ممکن ہو سکا کہ اتنے بڑے نظامِ شمسی اور نظامِ ارض کے ستارے، سیارے، سورج، چاند، نباتات وجمادات، پانی اور ہوا قدرت کے اسیر نظر آتے ہیں جس کی بنا پہ ہواؤں کی جولانی ہو یا ندی اور آبشاروں کی روانی، دریاؤں کی طغیانی ہو یا پہاڑوں کی آتش فشانی سب میں نظامِ قدرت کا ایک نظم وضبط کارفرما نظر آتا ہے اور اگر غور کریں تو سمجھ آجائے کہ زندگی گزارنے کے لیے اصول اور نظم وضبط کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اُس کا دماغ، اعصاب، خون کی گردش اور تنفس مقرر کردہ اصول وضوابط کے تابع ہیں۔ اظہر من الشمس ہے کہ اگر ہم ان اصول وضوابط سے انحراف کریں گے یا کسی نظام کے نظم وضبط کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے تو زندگی کا توازن بگڑ جائے گا۔

اسی توازن اور اصول وضبط کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے اور جو مذہب اور نظام وہ لائے اور اللہ کی پہچان کرائی تو اس نظام کی بنیادی خصوصیت یہی اصول وضوابط ہیں۔ اذان سے لے کر نماز کی ادائیگی تک انسانی جسم ایک طریقہ واصول کے مطابق عمل کرتا ہے اس کا مطلب کسی بھی تخلیقی کار کردگی کے مثبت نتائج کے لیے، حکمت عملی نافذ العمل کرنے کے لیے، کسی بھی مسلک کی تعلیمات عام کرنے کے لیے اور طریقہ کار وضع کرنے کے لیے اصول اور ضابطے بنانے پڑتے ہیں۔ حکومت اور سیاست بھی انہی اصول و قوانین کے تحت ناکام یا کامیاب ہوتی ہے۔ خاص کر حکمرانِ وقت اور اعلیٰ عہدیداران کا قول و فعل اجتماعی اور انفرادی زندگی قانونی ضابطوں اور زندگی کے دیگر نظم ونسق کا آئینہ ہونی چاہیں۔

## اسلامی ریاست: مفہوم ومقصدِ وجود

ریاست کا وجود انسان کی معاشرت پسندی کا فطری نتیجہ ہے۔ امن و امان، دفاع اور اجتماعی خوش حالی، ہر

معاشرے کی بنیادی ضروریات ہیں اور یہ بنیادی ضروریات ایک اجتماعی نظام اپنائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں، چنانچہ ریاست اور اس کے ان لوازم کو ایک حقیقت تسلیم کرتے ہوئے، قرآن مجید نے اسلامی ریاست پر ان سے زائد کچھ خاص ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں، سورۂ حج میں ہے:

"(یہ اہل ایمان وہ لوگ ہیں کہ) اگر ہم ان کو اس سرزمین میں اقتدار بخشیں گے، تو نماز کا اہتمام کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔"(۱)

یہ آیۂ کریمہ اسلامی ریاست کے خصوصی اہداف بیان کرتی ہے۔ چنانچہ اس کی رو سے یہ ضروری ہے کہ اسلامی ریاست میں نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام اجتماعی بنیادوں پر ہو اور معاشرے میں بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کے استیصال کے اقدامات کیے جائیں۔ اسی طرح، جب اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں اسلامی نظام حکومت کی اساسات بیان کیں، تو پہلی ہدایت یہ فرمائی کہ:

"اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، تو عدل کے ساتھ کرو۔ نہایت عمدہ بات ہے یہ، جس کی اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے بے شک، اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔" (۲)

اس ہدایت سے قرآن مجید یہ واضح کر دیتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں حقوق و فرائض کے ادا کرنے میں "امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو" کا اصول ملحوظ رکھا جائے گا اور نزاعات کو نمٹانے میں "فیصلہ عدل کے ساتھ کرو" کے حکم کو بنیادی قدر کی حیثیت حاصل ہو گی۔

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ قرآن مجید نے، تمام مسلمانوں پر، ایک امت کی حیثیت سے، شہادت حق، یعنی ساری دنیا کو دین کا پیغام اس طرح پہنچانے کی ذمہ داری عائد کی ہے کہ تمام عالم انسانی اس دین کا مجسم صورت میں مشاہدہ کر لے۔ وہ دیکھ لے کہ جس دین کو مسلمان مانتے ہیں وہ کیسے انسان پیدا کرتا، کیسا معاشرہ وجود میں لاتا اور انسانیت کو کیسا نظام اجتماعی عطا کرتا ہے، سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تم بہترین امت ہو، جو لوگوں (پر دین کی شہادت) کے لیے برپا کی گئی ہے۔ تم معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر، فی الواقع، ایمان رکھتے ہو۔" (۳)

امت مسلمہ یہ ذمہ داری، بتمام و کمال، صرف ایک سیاسی نظام (ریاست ہائے متحدہ اسلامیہ) میں بندھ جانے کے بعد ہی ادا کر سکتی ہے۔ گویا، ایک اسلامی ریاست نہ صرف اپنے داخل میں دین کو قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے، بلکہ اسے اپنے خارج میں بھی پروردگار کائنات کے دین کی علم بردار کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنا ہے۔

اسلام کے سیاسی قوانین کے مطابق صرف وہی حکومت باضابطہ ہے جو ریاست کے مسلمان شہریوں کے مشورے سے قائم ہوئی ہو۔ قرآن مجید نے اسلامی نظام ریاست کے اس بنیادی اصول کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان

کیا ہے، سورۂ شوریٰ میں ہے:

"(مسلمانوں) کا نظام ان کے باہمی مشورے کی بنیاد سے چلتا ہے۔" (۴)

اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنے عقیدے کو سیاسی اقتدار میں بھی نافذ کر سکیں۔ بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی کے:

"اسلامی نظام میں ریاست اور دین مذہب اور سلطنت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، دونوں کے تقاضے ایک دوسرے سے پورے ہوتے ہیں، چنانچہ ماوردی نے یہ بات لکھی ہے کہ جب دین کمزور پڑتا ہے تو حکومت بھی کمزور پڑ جاتی ہے اور جب دین کی پشت پناہ حکومت ختم ہوتی ہے تو دین بھی کمزور پڑ جاتا ہے، اس کے نشانات مٹنے لگتے ہیں۔ (۵)

اسلامی ریاست میں تمام امور قرآن وسنت کی ہدایات کی روشنی میں انجام دیئے جاتے ہیں اور پورے نظام کی اساس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر استوار ہوتی ہے۔ اسلام نے ہمیں زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں راہنمائی فراہم کی ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات، تجارت ہو یا سیاست، عدالت ہو یا قیادت، طب ہو یا انجینئرنگ، اسلام نے ان تمام امور کے بارے میں مکمل تعلیمات فراہم کی ہیں۔ اسلام کی یہی عالمگیریت اور روشن تعلیمات ہیں کہ جن کے سبب اسلام دنیا میں اس تیزی سے پھیلا کہ دنیا کا دوسرا کوئی بھی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔

**نظم وضبط۔ لغوی اور اصطلاحی معنی**

عربی زبان میں کہا جاتا ہے: نظم، نظماً ونظاماً اللؤلؤ ونحوه: موتی پرونا، آراستہ کرنا، نظم الشيء الي الشيء: ترتیب دینا، کسی چیز کو کسی چیز سے جوڑنا۔ نظم الامر: قائم کرنا۔(۶)

ضبط: قبض علي: پکڑنا، قابو کرنا، قبضہ کرنا۔ کنٹرول کرنا۔ ضبط: عدّلّ، نظّم: مرتب کرنا، برابر کرنا، ترتیب اور ڈھنگ سے رکھنا(۷)

ضبطه--- ضبطا: احتیاط و توجہ کے ساتھ محفوظ کرنا، مضبوط و پختہ کرنا، پکڑنا، قابو میں لانا، اپنی جگہ فٹ کرنا۔

انضبط: منضبط ہونا، مرتب ہونا قابو میں ہونا، صحیح اور درست ہونا۔ اپنی جگہ فٹ ہونا۔ (۸)

انگریزی زبان میں اس کے لئے ڈسپلن کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ بطور اسم کے استعمال ہوتا ہے جس کے معنی درج ذیل ہیں۔

dis•ci•pline

noun.

The practice of training people to obey rules or a code of behavior،using

punishment to correct disobedience.

"a lack of proper parental and school discipline"(9)

اس کے انگریزی مترادفات (control، training، teaching، instruction، regulation، direction،order)ہیں۔ (۱۰)

نظم وضبط دو الفاظ کا مجموعہ ہے ایک نظم اور دوسرا ضبط یہ دونوں لفظ عربی کے ہیں ان کا خاص مطلب ہے کہ کسی بھی چیز کا ایک لڑی میں باندھ دینا اس کا ایک اور مطلب یہ بھی ہوا کہ اپنے جو کام ہیں ان کو کسی قانون یا قاعدے کے باعث کرنا نظم وضبط سے انسان کی اچھی پہچان ہوتی ہے۔

**نظم وضبط کی اہمیت**

نظم و ضبط اہداف تک پہنچنے کے لئے ایک بہترین وسیلہ ہے اپنے اہداف تک پہنچنے کے لئے آپ منظم پروگرام تشکیل دے کر اپنی زندگی کے لمحات کو خوشگوار اور پُر ثمر بنا سکتے ہیں۔ صحیح منشور پر عمل انسان کو منظم اور انجام دیئے جانے والی چیز کا معتقد بناتا ہے کوشش کریں کہ زندگی کا ہر کام آپ کے منظم پروگرام کے مطابق ہو تا کہ اپنی زندگی کے لمحات سے بہتر طور پر استفادہ کر سکیں اور زندگی میں سرخرو ہوں۔ یہ وہ راستہ ہے کہ تاریخ کے عظیم ترین افراد نے جس کی پیروی کی اور اس کے پابند رہے آپ بھی ان کے راستے کو منتخب کریں اور کسی بھی لمحے خدا پسند، منظم اور صحیح آئین کی تشکیل اور اس پر عمل پیرا ہونے میں غفلت نہ کریں۔

زندگی کے امور میں بہت سی مشکلات اور بے نظمی کا سبب، نظم وضبط کا نہ ہونا ہے۔ نظم جیسی پسندیدہ صفت، معجزاتی طور پر طرز زندگی میں مثبت تبدیلیاں وجود میں لاتی ہے۔ کاموں میں نظم وضبط، فرد اور معاشرے میں بہت زیادہ آثار وبرکات کا حامل ہے۔ نظم اور منصوبہ بندی کے سبب وقت اور سرمایوں کے ضائع ہونے کی روک تھام ہوتی ہے انسان کی ضروریات اس طرح سے مختلف اور متنوع ہیں کہ جنہیں بیک وقت انجام دینا انسان کی طاقت وتوانائی سے باہر ہے یہاں تک کہ ان سب کو دنوں اور راتوں میں انجام دینا مشکل ہے۔ اسی بناء پر انسان مجبور ہو کر ان ہی کاموں کو جو اہمیت رکھتے ہیں انہیں کا انتخاب کرتا ہے اور ہر ایک کام کی انجام دہی کے لئے وقت اور زمانے کا تعین کرتا ہے تا کہ رفتہ رفتہ دیگر اوقات میں اپنے تمام کاموں کو انجام دیتا رہے۔ اس بناء پر انسان اپنے کاموں کے انتشار سے پرہیز کرتا اور اپنی عمر، کہ جو اس کا اصلی ترین سرمایہ ہے، بہترین فائدہ حاصل کرتا ہے۔ جو انسان اپنے روزوشب کے اوقات کے لئے منصوبہ بندی کرتا اور اپنے انفرادی واجتماعی کاموں کے لئے وقت کو مد نظر قرار دیتا ہے وہی ان اوقات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے۔ کاموں میں نظم وضبط اس بات کا موجب بنتا ہے کہ ہر کام اپنے وقت پر انجام پائے اور مفید بھی واقع ہو۔

انفرادی واجتماعی رویوں میں نظم وضبط، انسان کی فکر کے منظم ہونے میں موثر عامل ہے۔ جس شخص کے تمام

کام منظم ہوں تو اس کی فکر میں بھی ایک خاص نظم پیدا ہو جاتا ہے۔ انسان اس خصوصیت کا حامل ہونے کے ساتھ ترقی وکمال کے زینے با آسانی طے کر سکتا ہے۔ ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ فکر میں نظم وترتیب در اصل انسانی افعال میں پائے جانے والے نظم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی میں اپنے افعال و کردار کو منظم کریں تو ہماری فکر بھی منظم ہو گی اور جب فکر منظم ہو گئی تو یقینا انسان خدا کے مکمل فکری نظام کا حامل ہو جائے گا۔

**عظیم انسانوں کی کامیابی کا ایک اہم راز، ان کی زندگی میں نظم ونسق کا ہونا ہے۔**

انسان وہی منظم ہے جو اپنے تمام کاموں میں نظم و ضبط کو حاکم بنا کر، دوسروں کے وقت اور عمر کا احترام کرے۔ اور ایک لمحہ بھی وقت کو ضائع نہ ہونے دے۔ جو انسان اپنی زندگی، رفتار و کردار اور حتی کہ فکر کو منظم کر لے اور خود کو اس پسندیدہ صفت سے آراستہ کر لے تو وہ دوسروں کے لئے بھی موثر نمونۂ عمل قرار پا سکتا ہے اور ان کو کاموں میں نظم وضبط پر عملدرآمد کے لئے مجبور کر سکتا ہے۔

اس بناء پر طرز زندگی میں تبدیلی کے لئے ہدف کے تعین، نظم وترتیب اور منصوبہ بندی کے بعد، زندگی کو ایک نیا رنگ حاصل ہو جاتا ہے اور آرام و سکون کا احساس ہونے لگتا ہے اور تمام اضطراب اور ذہنی الجھنیں برطرف ہو جاتی ہیں اور کاموں میں نظم پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی نظم وضبط کی سب سے اعلیٰ ترین مثال ہماری افواجِ پاکستان ہے۔ اگر وہ قانون اور ضابطوں کی اہمیت نہ سمجھ سکیں اور اُن کے مطابق عمل نہ کر سکیں تو وہ اسلحے کی فراوانی اور عددی برتری کے باوجود دشمن کے آگے سینہ سپر نہ ہو سکیں۔

ہماری عسکری طاقت کی پرورش ہی نظم و ضبط کا شاخسانہ ہے اس سے انحراف فتح کو شکست میں بدلنے کے مترادف ہوتا ہے۔ نظم وضبط اور قوانین سے انحراف کی ایک اہم مثال یہ ہے کہ جب نبی پاک نے غزوہِ اُحد کے موقعے پر مسلمان سپاہیوں کے ایک دستے کو ایک درے پہ یہ کہتے ہوئے تعینات کیا کہ "اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اُچک لے گئے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں تمھارے پاس کسی کو بھیجوں" مگر انہوں نے اسی نظم وضبط اور حکم آقا کی نافرمانی کی جس کی بنا پر اُنہیں نقصان اُٹھانا پڑا۔

اگر تاریخ پہ بھی نظر ڈالیں تو قومی زندگی کی کامیابی تو عبارت ہی نظم وضبط اصول و قوانین کی تعمیل سر خم کر کے کرنے میں ہے۔ بادشاہِ وقت اور قانونی محافظ، دریاؤں کا سینہ چیرنے والے اور بلندیوں کے شاہین وقت اور اُس کی تاریخ کو سامنے رکھ کر اور موجودہ حالات وواقعات کی روشنی میں جو بھی حکمت عملی اپناتے ہیں اُن کا اصل اُن کی بنیاد قدرت کے اُسی نظم وضبط پہ محیط ہوتی ہے جسکے تحت یہ نظامِ کائنات توازن نہیں بگڑنے دیتا۔ جس قوم نے نظم وضبط تباہ کر کے اپنی زندگیوں کا توازن بگاڑ دیا ہے وہ ذلت و رسوائی کی پستی میں پٹخ دی جاتی ہیں جس طرح کہ برِ صغیر کے حکمرانوں سے ہوا اور موجود دور میں بھی اسکی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ جب مسلمانوں نے ایکا کیا کہ وہ علامہ اقبال

اور قائدِ اعظم کے بنائے گئے پلیٹ فارم سے پاکستان لے کے رہیں گے تو اُن کی زندگی ایسے نظم وضبط کا آئینہ ہو گئی کہ پاکستان اُن کی آنکھوں میں تمکنت سے نظر آنے لگا، دنیا حیران ہو گئی، بربادیاں اور ناکامیاں سرنگوں ہو گئیں مگر آج وہی ناکامیاں اور بربادیاں سر اُٹھا کر کیوں چل رہی ہیں۔

ہمارے مذہب اور ہمارے آباؤ اجداد کے اعجاز تربیت نے منتشر اور بے راہ روی کی شکار قوموں کو راست بازی کی طرف نہ صرف موڑا بلکہ محبت بھائی چارے کے اصول وضوابط سمجھا کر ایک مالا کے موتی کے طور پر پرویا، اُن کی اطاعت رسول اور مذہب میں نظم وضبط کے تحت عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ذرے صحراؤں میں تبدیل ہو گئے، قطرے مل کر دریا بن گئے اور پاؤں کی ٹھوکروں پہ رہنے والا مسلمان ایک عظیم قوم بن کے اُبھرا۔ آج بھی اُسی کائنات کو توازن کی ضرورت ہے جو کہ نظم وضبط کے بنا ناگزیر ہے۔ آج اقوامِ عالم قومی، انفرادی اور اجتماعی سلامتی وبقا کے لیے قانون اور اُسکے اصول وضوابط پہ عمل پیرا ہونے کی محتاج ہے۔ ہمارے فقیہہ الذہن، صوفیائے اکرام، علمائے دین اور حکمران وقت کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ آج اتنا بڑا انظام چلانے اور قائم کرنے والے کی قوم ونسل زندگی کے ہر مرحلے پہ اپنے نظم وضبط میں توازن کے بگاڑ سے نہ صرف خوفزدہ ہے بلکہ تباہی کے دہانے پہ کھڑی ہوئی ہے۔

## نظم وضبط کی اقسام

ایک کامیاب زندگی وہی ہے جس میں توازن (balance) ہو اور توازن حاصل کرنے کا بہترین طریقہ Self-discipline ہے۔ اگر آپ اپنی ترجیحات درست کر لیں اور پھر سختی سے ان پر کاربند رہیں، تو چند ماہ میں آپ کو اپنی شخصیت اور زندگی میں تبدیلی نظر آئے گی۔

## زندگی میں ڈسپلن کہاں ہونا چاہئے؟ ڈسپلن ہے کیا؟ توازن کیا چیز ہے؟

ہارورڈ یونیورسٹی کے مطابق امریکی ترقی کا راز طویل المدت سوچ یا Long Term Perspective ہے۔ جس کے مطابق آپ بطور فرد / قوم ایک قسم کی قربانی کا وعدہ کرتے ہیں جسکا بہترین نتیجہ آپکو زندگی کے بقیہ تمام سالوں میں نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ آج سے صبح سویرے پانچ بجے اٹھنے کا عہد کر لیں یا روزانہ 30 منٹ ورزش کرنے کی ٹھان لیں۔ اس میں آپکو بظاہر تکلیف برداشت کرنا پڑ رہی ہے لیکن اسکا فائدہ صحت کی صورت میں عمر بھر ساتھ رہے گا۔ اس سوچ کے مطابق آپ اپنی عارضی خوشی قربان کر کے، دائمی خوشیاں حاصل کر سکتے ہیں اور اسلام بھی اسی کی تبلیغ کرتا ہے۔ آپ اس عارضی دنیا کی بہت سی خوشیاں قربان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دائمی انعام وصول کرتے ہیں۔ (۱۱)

تاہم اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ ایک نظم وضبط والی زندگی بوریت سے بھرپور یا آسائشوں سے دور ہوتی ہے بلکہ اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آج آپ اپنی ذات میں سرمایہ کاری کر رہے ہیں جسکا ریٹرن آپکو آئندہ ساری زندگی ملتا رہے گا۔ ہر چیز اعتدال کے دائرے میں اور ایک واضح لائحہ عمل کے تحت کی جائے۔ آپ چیزوں کو مرحلہ وار

تبدیل کریں، چھوٹی چھوٹی سی تبدیلیوں سے آغاز کریں، شروع میں خود پر زیادہ سختی نہ کریں اور سب سے اہم، کسی راہنما سے مشورہ ضرور لیں۔

تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ سیلف ڈسپلن سے انسان کی نہ صرف پرفارمنس بہتر ہوتی ہے بلکہ اسکاSelf-Image بھی بہتر ہوتا ہے۔ جب آپ اپنی خواہش کو کچل کر وہ کریں جو کرنا چاہئے، تو آپکا ذہن آپکے سارے جسم میں ایک خوشی بھرا پیغام(Endrophine) بھیجتا ہے جس کے نتیجے میں آپکیSelf-esteem بھی بہتر ہوتی ہے۔

## نظم وضبط کی موجودہ صورت حال

کہا جاتا ہے کہ "ڈسپلن ایک تکلیف دہ عمل ہے- لیکن اس کی تکلیف یقیناناکامی اور پچھتاوے کی تکلیف سے کم ہوتی ہے"۔

2008 میں امریکہ میں ایک سروے ہوا، جس میں کاروباری سربراہان سے پوچھا گیا کہ کامیابی کیلئے سب سے اہم چیز کیا ہے؟ تقریبا65 فیصد کا جواب تھا" نظم وضبط اور توازن"(Balance and Discipline)۔ مشہور امریکی مصنف کوپ کومئر کے مطابق کامیابی کے 1000 اصول ہیں (جو انہوں نے اپنی چار کتابوں میں بیان کیے) جن میں سب سے اہم اصولSelf-Discipline کا ہے۔ اس کے مطابق انسان خود کو وہی کام کرنے پر مجبور کرے جو اسکو کرنا چاہئے اوراپنے وقت کے ضیاع کو بچائے۔ نپولین ہل نے اپنی کتاب(Think and Grow Rich) کیلئے دنیاکے 500 امیر ترین افراد کا انٹرویو کیا اور سب سے سوال کیا: "آپ کے امیر ہونے کا راز کیا ہے؟"- تو سب کا کم و بیش ایک ہی جواب تھا: خود انضباطی یا سیلف ڈسپلن۔

اس طرح کے بہت سے سروے انٹرنیٹ پر موجود ہیں جو مختلف جہتوں سے ایک ہی نکتہ کی وضاحت کرتے ہیں کہ کامیاب زندگی وہی ہے جس میں ڈسپلن اور توازن ہو۔

اب دوسری طرف آیئے۔ ایک چھوٹی سی مثال دیکھیں۔

ایک سروے کے مطابق دفاتر میں کام کرنے والے افراد میں سے اکثریت اپنا وقت سوشل میڈیا پر ضائع کرتی ہے۔ 2012 میں یہ شرح تقریبا51 فیصد تھی جو اب ساٹھ فیصد سے بھی بڑھ چکی ہے۔ مئی2014 تک امریکہ کی تقریبا28 ریاستوں میں اس حوالے سے قوانین بن چکے تھے اوراچھے کاروباری ادارے بھی دفتری اوقات کے دوران سوشل میڈیا پالیسی بنا چکے۔ تاہم ماہرین یہ تسلیم کرنے پہ مجبور ہیں کہ ابھی بھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ موجودہ پالیسیاں لوگوں کو سیلف ڈسپلن کی طرف راغب کرنے میں ناکام۔

جدید دور میں وقت کا ضیاع، بڑھتی ہوئی کاروباری لاگت، ناراض کلائنٹ، گھٹتا منافع اور چڑچڑے ملازمین نہایت اہم مسائل بن چکے ہیں جنکی بنیادی وجہ صرف اور صرف غلط ترجیحات، کمزور نگرانی، اور سہولتوں سے ناجائز فائدہ

اٹھانا ہے۔ دفاتر کے علاوہ سماج کا بھی یہی حال ہے۔ دنیا کی چالیس فیصد آبادی کے پاس انٹرنیٹ تک رسائی ہے جن میں سے 73 فیصد سوشل میڈیا استعمال کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اس کے بہت سے نفسیاتی، معاشی اوار سماجی مسائل کا سامنا کر رہے ہیں۔

اس بات کا مقصد سوشل میڈیا کی منفیت اجاگر کرنا نہیں ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ سماج میں سیلف ڈسپلن کی کس حد تک کمی ہے اور اسکا نقصان صرف فرد کی ذات، سوشل سرکل اور کمپنی کو نہیں بلکہ ملکی معیشت کو بھی ہوتا ہے۔

پاکستان میں تعلیم سے لیکر کاروبار اور سماجی زندگی میں، اکثریتی مسائل کی بنیاد نظم وضبط کی کمی ہے جسکی وجہ سے نوجوان نسل امتحان پاس کر کے بھی تعلیم کا اصل مقصد حاصل نہیں کر پاتی۔ ڈگری مل جائے تو نوکری نہیں ملتی۔ اور نوکری مل جائے تو خراب کارکردگی آڑے آجاتی ہے۔(۱۲)

## عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے

### مساوات

نسل انسانی کی مساوات انسانیت کا سب سے خوش نما خواب ہے۔ مگر اس کے نتیجے میں اسے جو کچھ ملاوہ پہلے سے زیادہ تعصب، پہلے سے زیادہ نسلی کشمکش اور قبائلی تضاد تھا۔ حالانکہ کسی تہذیب کی آفاقی قدروں کی تشکیل مساوات پر مبنی انسانی رویے کو پروان چڑھائے بغیر ممکن نہیں۔ اس میدان میں اگر کسی تہذیب کو فخر کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اسلامی تہذیب ہے، خود غیر مسلموں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ سوامی ویویکانند کہتا ہے۔

My experience is that if ever any religion approached to this equality in an appreciable manner،it is Islam and Islam alone.(۱۳)

میرا تجربہ ہے کہ اگر کبھی کوئی مذہب عملی مساوات تک قابل لحاظ درجے میں پہنچا ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔

آپ ﷺ نے عملی طور پر اسلامی حکومت کے قیام کے بعد مساوات کا وہ عظیم الشان نمونہ پیش فرمایا کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے آج بھی قاصر ہے۔ آپ کے اور صحابہ کرام کے مابین لباس کے اعتبار سے بھی کوئی فرق موجود نہ تھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست بھی ایسی عام اور کسی امتیاز کے بغیر ہوتی تھی کہ باہر سے آنے والے شخص کو آپ کے بارے میں پوچھنا پڑتا تھا۔ ایک بار صحابہ کرام نے آپ کے بیٹھنے کے لئے ایک چبوترا بنانا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی پسند نہ فرمایا۔(۱۴)

### احترامِ آدمیت کا شعور پیدا کرنا

اسلام دین انسانیت ہے، وہ احترامِ آدمیت سکھاتا ہے۔ انسان خدا کی وہ مخلوق ہے جس کے بارے میں خود قرآن کہتا ہے کہ اسے احسن تقویم میں پیدا کیا گیا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (۱۵) یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر بنایا۔

انسان تخلیق خداوندی کا بے مثال شاہکار ہے، اس لئے وہ ہر طرح کے اختلاف کے باوجود قابلِ احترام ہے، ہر صورت میں قابلِ عزت ہے۔ انسانی تاریخ میں اسلامی تہذیب نے احترامِ آدمیت کو جس درجے قانونی شکل دی ہے، اور اس احترام کو عملاً اپنی تہذیب کا حصہ بنایا ہے، اس کی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ جس ماحول میں بادشاہوں کو دیوتا کا درجہ دیا جارہا تھا، اور انسانوں میں طرح طرح کی تفریق عام تھی اسلام نے انسانیت کو بلا تفریق وبلا تخصیص احترام آدمیت کا درس دیا۔ سہل بن حُنَیف اور قیس بن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا۔ اس کو دیکھ کر دونوں کھڑے ہوگئے۔ ان سے کہا گیا کہ یہ تو ایک ذمی (غیر مسلم) کا جنازہ تھا۔ دونوں نے جواب دیا کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہوگئے۔ آپ سے کہا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا، آپ نے فرمایا کہ کیا وہ انسان نہ تھا۔(۱۶)

اسلام اعلیٰ انسانی قدروں کا مونس اور نگہبان ہے، نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے۔

لن تؤمنوا حتی ترحموا قالوا کلنا رحیم یا رسول اللہ، قال انہ لیس برحمۃ احدکم صاحبہ ولکنھا رحمۃ الناس رحمۃ العامۃ (۱۷)

تم ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جب تک تم رحم نہ کرو۔ لوگوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، ہم میں سے ہر شخص رحم کرنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اپنے ساتھی پر مہربانی کرو۔ بلکہ اس سے مراد تمام لوگوں اور تمام انسانوں کے ساتھ رحم کرنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اس کی اصل یاد دلاتے ہوئے فرمایا:

الناس کلہم بنو آدم و آدم من تراب (۱۸) تمام انسان آدم کی اولاد میں سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔

حجۃ الوداع کے تاریخ ساز موقع پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاریخی اعلان بھی فرمایا:

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولالاسود علی ابیض الا بالتقوی (۱۹)

کسی عربی کو نہ کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر پر، اسی طرح نہ کسی گورے کو کسی کالے پر تفوق ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر۔ ہاں وجہ فضیلت اگر ہے تو صرف اور صرف تقویٰ۔(۲۰)

اور ایک روایت میں فرمایا:

المسلم من سلم الناس من لسانہ ویدہ(۲۱) مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے انسان محفوظ رہیں۔

## قوانین پر بلا تخصیص عمل درآمد

نظم وضبط کو بر قرار رکھنے اور اس پر عمل در آمد کروانے کے لئے قوانین کا بلا امتیاز نفاذ اور ان پر بلا تخصیص عمل درآمد بھی ایک اہم ضرورت ہے، کیونکہ اگر قوانین کا نفاذ بھی کسی وجہ سے طبقاتی تقسیم کا شکار ہو جائے اور مساوات بر قرار نہ رہے تو نظم وضبط قائم کرنے کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے، بلکہ عوام الناس کی نظر میں اس کی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے اور اس کی غیر جانبداری کا تصور ختم ہو جاتا ہے جو نظم وضبط کے عمل کے لئے بے حد ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوانین کے بلا امتیاز نفاذ کے سلسلے میں ہمیشہ اہم اقدامات کئے اور ریاست کے تمام اراکین پر بغیر تخصیص کے انہیں لاگو کیا، اور اس بارے میں نہ کسی کی سفارش قبول کی نہ رعایت سے کام لیا، بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کا ارتکاب کیا، وہ گرفتار ہوئی، چونکہ اس کا تعلق بڑے خاندان سے تھا اس لئے یہ کوشش کی گئی کہ اس پر حدِ سرقہ جاری نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قربت رکھنے والے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سفارش کروائی گئی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعلق خاطر کے باوجود نہ صرف ان کی سفارش قبول نہیں فرمائی بلکہ ان پر غصے کا اظہار فرمایا اور فرمایا "اے اسامہ کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو؟" اور پھر لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا اس میں فرمایا!

"تم سے پہلے کی امتیں اس لئے تباہ ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو درگزر کرتے اور اگر کوئی معمولی حیثیت کا آدمی جرم کر بیٹھتا تو اس کو سزا دیتے، خدا کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، اس کے بھی ہاتھ کاٹتا۔" (۲۲)

یہاں آخری جملہ خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہے، درس یہ دینا مقصود ہے کہ اسلامی نظام چونکہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کا عطاء فرمودہ ہے اس لئے اس میں ترمیم و تنسیخ اور تبدیلی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں، نہ اس کے اجراو نفاذ میں کسی قسم کی تخصیص روا رکھی جاسکتی ہے۔

**خود احتسابی**

عوام میں نظم وضبط کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ نظم وضبط قائم کرنے کی دعوت دینے والے افراد خود بھی نظم وضبط کی صفت سے متصف ہوں۔ اس کے لئے انہیں اپنی ذات سے خود احتسابی کا وصف شروع کرنا ہو گا۔ خود احتسابی ایک ضروری وصف ہے، خصوصاً اسلام میں اس کی بہت اہمیت ہے، قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے!

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ(۲۳)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چاہئے کہ ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے آگے آئندہ (قیامت) کے لئے کیا بھیجا ہے؟ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

یعنی قبل اس کے کہ تمہارا روزِ قیامت محاسبہ کیا جائے تم اپنے آپ کا خود احتساب کرو اور غور کرو کہ اس روز کے لئے جب تم اپنے رب کے حضور پیش کئے جاؤ گے تم نے نیک اعمال کا کیا کچھ ذخیرہ کر رکھا ہے؟ اور جان لو کہ تمہارا

پروردگار تمہارے تمام حالات اور اعمال سے بخوبی آگاہ ہے اس سے نہ کوئی بڑا عمل مخفی ہے نہ کوئی چھوٹی چیز۔(۲۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

موتوا قبل ان تموتوا وحاسبوا قبل ان تحاسبوا (۲۵)

مارو اپنے آپ کو (یعنی اپنے نفس کو) اپنی موت سے پہلے اور اپنا احتساب کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

یعنی مرنے سے قبل اپنا محاسبہ کرو اور خود احتسابی کے عمل سے اپنے آپ کو متواتر گزارتے رہو تاکہ تمہارے اعمال درست رہیں، خود احتسابی کی دو جہتیں ہیں۔ ا۔ ہر شخص کو خواہ کوئی سیاسی و سماجی حیثیت رکھتا ہو یا نہیں ہمہ وقت خود احتسابی کے عمل سے گزرتے رہنا چاہئیے، ۲۔ خصوصاً حکمرانوں کو اور ان لوگوں کو جو کسی بھی نوعیت کی عوامی یا قومی ذمہ داریاں رکھتے ہوں، اس کی اہمیت کا احساس ہونا چاہئیے، اس لئے بھی کہ حکمران طبقہ عام طور پر اپنے آپ کو جواب دہی کی ذمہ داری سے ماوراء تصور کرتا ہے، حالانکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قولِ مبارک کلکم مسؤل عن رعیته (۲۶) کے مطابق جس شخص کو شریعتِ مقدسہ نے جس قدر اختیارات دیئے ہیں اسی قدر اس سے جواب طلبی بھی ہوگی۔ نیز اس لئے بھی حکمرانوں میں خود احتسابی کا جذبہ زیادہ ہونا چاہئیے کہ الناس علی دین ملوکہم کا بہ مصداق عوام میں وہی خواہشیں، تمنائیں اور عادات پرورش و فروغ پاتی ہیں جو ان کے حکمرانوں کا طریقہ و وطیرہ ہوتی ہیں، اس لئے اگر عام لوگوں میں ایمانداری و اخلاقِ حسنہ کو فروغ دینا ہے تو حکمرانوں میں اِن صفات کو پیدا کرنا ہوگا، جس کی صحیح صورت خود احتسابی ہی ہے، خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے!

اعلم ان العامل اذا زاغ زاغت رعیته، واشقی الناس من شقیت به رعیته (۲۷)

جان لو کہ جب حاکم کج روی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی رعایا بھی کج رو ہو جاتی ہے اور جس حاکم کی وجہ سے اس کی رعایا کج رو ہو وہ بدترین انسان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود احتسابی کے قرآنی حکم پر اس طرح عمل کیا اور اپنی تربیت و تعلیم کے ذریعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی صورت میں ایسی قوم تیار کی جس کا ہر لمحہ خود احتسابی کی دولت سے مالا مال تھا۔

## ہر عمل میں نظم وضبط کا قیام

اسلامی ریاست کے حوالے سے نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو اجتماعی نظم وضبط کے حوالے سے جو سنہری ہدایات دیں ان میں ایک ارشاد بہت اہم اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر تین آدمی بھی کسی سفر پر روانہ ہوں تو وہ اپنے میں سے کسی کو اپنا امام و رہبر ضرور بنالیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ . (۲۸)

"جب تین افراد بھی سفر پر نکلیں تو اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں۔ "

اس ارشاد نبوی کی مصلحت یہ بیان کی ہے کہ اگر ان کا امیر موجود نہ ہو تو ہر ایک اپنی رائے پر اصرار کرے گا اور اس سے اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔

گویا نظم و ضبط اور قاعدے قانون کے بغیر تین آدمی بھی نہیں رہ سکتے۔ یہ اس بات کی تربیت تھی کہ مسلمانوں کے مزاج میں نظم وضبط اور ترتیب وانتظام سے ہر کام کرنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے۔ اس تربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے مزاج میں یک نظم وضبط اور ترتیب وانتظام کی روح شامل ہو گئی۔

**احساسِ ذمہ داری**

سنہ ۳ ہجری کا واقعہ ہے، ۵/ شوال کو مشرکین مکہ تین ہزار کا لشکر لے کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کے ارادے سے مکہ مکرمہ سے نکلے اور مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے، یہ لشکر ہر اعتبار سے مسلح اور ہر طرح کی تیاری کے ساتھ آیا تھا، اس جنگ کو غزوۂ احد کہتے ہیں، یہاں اس تاریخی غزوے کی تفصیل پیش کرنا مطلوب نہیں، صرف اس غزوے میں پیش آنے والے ایک واقعے کی جانب توجہ دلانا مطلوب ہے، اس غزوے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے لشکر کی صف بندی کی تو احد کو پشت پر رکھ کر صفیں ترتیب دیں، پشت ہی کی جانب ایک ایسا درہ بھی تھا، جہاں سے دشمن کے سپاہیوں کی جانب سے حملے کا احتمال تھا، اس خطرے کا ازالہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہاڑی درے پر پچاس تیر اندازوں کو متعین فرمایا دیا، اور انہیں حکم دیا کہ ہر صورت میں اپنی جگہ پر قائم رہیں اور شکست یا فتح کسی صورت میں بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ جنگ کا آغاز ہوا، گھمسان کا رن پڑا، مسلمان بے جگری سے لڑے اور بالآخر مشرکین مکہ پسپائی پر مجبور ہو گئے، اس وقت ان تیر اندازوں میں سے بعض کہنے لگے کہ مال غنیمت حاصل کرنے کا موقع آگیا ہے، یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے جنہیں اس دستے کا کمانڈر مقرر کیا گیا تھا، انہیں منع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم انہیں یاد دلایا، لیکن وہ نہ مانے اور مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے، یہ دیکھ کر عقب سے مشرکین حملہ آور ہو گئے اور مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔(۲۹)

دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تیر انداز دستے کو تلقین وہدایت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم اپنی جگہ جمے رہنا اور وہاں سے مت ہلنا، اگر تم دیکھو کہ ہم دشمن کو شکست دے کر اس کا پیچھا کرتے ہوئے ان کے پڑاؤ میں داخل ہو گئے ہیں، تب بھی اپنی جگہ مت چھوڑنا اور اگر تم ہمیں قتل ہوتے ہوئے دیکھو تو بھی ہماری مدد کو مت آنا اور نہ ہی دشمن کو پیچھے دھکیلنے کے لئے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا، بلکہ ان کو تیر اندازی سے ہی روکنا، کیونکہ گھوڑے سوار لشکر کو تیروں کی ہی بوچھاڑ سے روکا جاسکتا ہے، جب تک تم اپنی جگہ پر جمے رہو گے، ہم دشمن پر غالب رہیں گے، اے اللہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں۔ (۳۰)

ایک اہم سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ہر امر پر فوقیت دے کر اپنے آپ کو ایک منظم و مربوط قوم میں ڈھال لیں اور ایک امت کی شکل اختیار کر لیں، جو جسد واحد کی مانند و متحدہ منظم ہو، ایک ہجوم کی طرح نہیں، جو کسی ناگہانی آفت یا حادثے کے سبب جائے وقوع پر جمع ہو جاتا ہے، جس کی باہم نہ منزل ایک ہوتی ہے، نہ سوچ، نہ مقاصد ایک جیسے ہوتے ہیں نہ خیالات، نہ ارادے یکساں ہوتے ہیں نہ قائد ہی ایک ہوتا ہے، ایک وقتی حادثہ انہیں یکجا کر دیتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ ہجوم کائنات میں پر گم ہو کر اپنا نشان تک کھو بیٹھتا ہے۔

اور یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اپنے اپنے محاذ پر جمے رہو، ڈٹے رہو، اس یقین کے ساتھ کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں)

انا لن نزال غالبین ما مکثتم مکانکم (۳۱)

ہم ہمیشہ اپنے مخالف فریق پر غالب رہیں گے، جب تک کہ تم اپنے اپنے محاذ پر جمے رہو گے۔

## جہدِ مسلسل

کسی بھی سفر میں منزل کا حصول فوری طور پر ممکن نہیں ہے، زندگی کے راستے میں منزلوں اور مقاصد کے حصول کے لئے ہمیشہ امید کا دامن تھامے رکھنا پڑتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ وہی معاملہ فرماتا ہے جس طرح کا گمان بندے اللہ تعالیٰ کے بارے میں رکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ہماری چاروں جانب برائیاں براجمان ہیں، نیکیاں مٹ رہی ہیں اور برائیاں پروان چڑھ رہی ہیں، بگاڑ اور فساد کے نیچے معاشرے کے ہر حصے پر گڑے ہوئے ہیں اور بدی کا راج تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے، بد اخلاقی و بے راہ روی کی ہر سو حکمرانی ہے اور طرح طرح کی برائیاں ہم پر حاوی ہوتی جا رہی ہیں لیکن اس سب کے باوجود مایوسی ہمارے ان مسائل کا حل تو نہیں، ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ آخر ان برائیوں کے پروان چڑھنے میں خدانخواستہ کہیں ہمارا بھی تو ہاتھ نہیں؟ ہم بھی دانستہ یا نادانستہ ان برائیوں کے پھیلاؤ میں مدد و معاون تو ثابت نہیں ہو رہے؟

مکے میں مسلمان تھوڑے تھے، کمزور تھے اس لئے مجبور تھے اور مکمل طور پر مشرکین مکہ کے رحم و کرم پر تھے، مشرکین کے مظالم بڑھتے جا رہے تھے، اور مسلمانوں کے سامنے کوئی ایسی صورت نہ تھی جیسے اختیار کر کے وہ ان مشکلات سے چھٹکارا پا سکتے۔ ایسے میں ناامیدی کے جذبات اگر سر اٹھاتے تو قطعاً غیر متوقع نہ تھا، لیکن صحابہ کرامؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، اس لئے ان کے پایۂ ثبات کو استقلال حاصل رہا۔ البتہ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا فرمائیں، چنانچہ ایک موقع پر حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے جو ان چند صحابہ میں شامل تھے جن پر ظلم و تشدد اپنی بدترین حدوں سے بھی گزر چکا تھا، آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ:

الا تستنصر لنا؟ الا تدعو اللہ لنا؟

آپ ہمارے لئے مدد کیوں طلب نہیں کرتے؟ ہمارے لئے اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

کان الرجل فیمن قبلکم یحفرلہ فی الارض فیجعل فیہ فیجاء بالمنشارِ فیوضع علی راسہ فیشق باثنین وما یصدہ ذلک عن دینہ ویمشط بامشاط الحدید مادون لحمہ من عظم او عصب وما یصدہ ذلک عن دینہ واللہ لیتمن ہذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضر موت لایخاف الا اللہ او الذئب علی غنمہ و لکنکم تستعجلون (۳۲)

ایمان لانے کے جرم میں گذشتہ امتوں کے افراد کے لیے گڑھا کھودا جاتا تھا، اور انہیں اس میں ڈال دیا جاتا تھا، پھر آروں کو سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ لیکن یہ سزا بھی انہیں ان کے دین سے نہیں روک سکتی تھی، اسی طرح لوہے کے کنگھے ان کے گوشت میں گھسا کر ان کی ہڈیوں اور پٹھوں پر پھیرے جاتے تھے، اور یہ سزا بھی انہیں ان کے دین سے سے نہیں روک سکتی تھی، خدا کی قسم اسلام کا معاملہ اپنے کمال کو ضرور پہنچے گا، اور پھر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ایک سوار مقام صغاء (یمن) سے حضر موت تک سفر کرے گا، مگر اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہو گا، یا صرف بھیڑیوں کا خوف ہو گا کہ کہیں وہ اس کی بکریوں کو نہ کھا جائیں، البتہ تم لوگ عجلت سے کام لیتے ہو۔

ملاحظہ فرمایئے کہ کیا حالات ہیں؟ مسلمانوں کے کیا جذبات ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے میں بھی امید دلا رہے ہیں، انہیں مایوسی و ناامیدی کے اندھیروں سے امید و رجا کی روشنیوں کی طرف لا رہے ہیں، ان کی راہنمائی عمل کے ان وسیع میدانوں کی جانب فرما رہے ہیں جہاں ناکامی کا گزر ہی نہیں، جہاں کامرانی و فتح مندی ہے، ہمیشہ کی فتح مندی، ہمیشہ کی کامرانی۔

ایسے وقت میں جب کہ مسلمانوں کو صبح کے بعد شام کے خیریت سے گذر جانے کا یقین نہ تھا اور شام خیریت و عافیت سے گذر جاتی تو صبح کے بارے میں فکر مندی کے سائے گہرے ہونے لگتے تھے، مسلمانوں کو مستقبل میں ایسی بڑی کامیابی، رفعت و سربلندی اور پوری دینا میں اسلام کی اشاعت کی خبر ایک پیغمبر ہی دے سکتا تھا، جس کا ہمہ وقت رابطہ اپنے رب سے ہو، اور جسے اپنی کامیابی پر صبح روشن سے زیادہ یقین کامل حاصل ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر یقین کامل اور پھر اپنے صحابہ کو اس قدر واضح اور دوٹوک انداز میں تسلی اور خوشخبری دینا بجائے خود ایک معجزے سے کم نہیں۔

## اجتماعی نظم وضبط میں اتحاد و اتفاق و یکجہتی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم ہماری معاشرتی زندگی کا ایک اہم پہلو اجتماعیت ہے۔ انسان کو مدنی الطبع کہا جاتا ہے، یعنی ایسا جاندار جو دوسروں کے ساتھ مل کر اپنی زندگی گزارنے کا عادی ہو، اب یہ دوسروں سے ملنا کس نوعیت کا ہو؟ اگر اس میں باہمی الفت و محبت، رواداری اور احترام کی کیفت ہے تو اس

سے اتحاد و اتفاق جنم لے گا اور اگر اس میں احترام الفت و محبت کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو پھر انتشار ہو گا اور افتراق پھیلے گا، پہلی صورت محمود ہے اور اسلام کو مطلوب بھی ہے۔

اتحاد و اتفاق اجتماعیت کے لئے نہایت ضروری ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ اجتماعیت اتحاد و اتفاق ہی کی ایک قسم ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر اتحاد و اتفاق اور اجتماعیت کی تلقین اور تاکید فرمائی ہے۔ غزوۂ ذات السلاسل کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ ابتداء میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ کیا، انہیں شام کے اطراف ہی میں دشمن سے مقابلہ درپیش تھا، وہاں پہنچ کر انہیں علم ہوا کہ دشمن کے مقابلے میں لشکر ناکافی ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مزید کمک بھیجنے کی درخواست روانہ کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید دو سو صحابہ کرام کو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں روانہ کر دیا، جب یہ دستہ پہلے دستے سے ملا تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوا کہ ان دونوں دستوں کا امیر کون ہو؟ حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ دستہ میری مدد کے لئے بھیجا گیا ہے، اس لئے یہ میری ہی امارت میں کام کرے گا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان سے اتفاق نہ کر سکے، ان کا کہنا تھا کہ یا تو دونوں دستے الگ الگ امیروں کے زیر کمان کام کریں یا پھر دونوں کی قیادت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کریں، جب اختلاف بڑھا تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عہد دھرایا، یہی عہد پیش کرنے کے لئے یہ واقعہ یہاں درج کیا گیا، انہوں نے کہا کہ اے عمرو بن العاص! جان لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جو آخری عہد لیا، وہ یہ تھا:

إذا قدمت على صاحبک فتطاوعا ولا تختلفا،

جب تم اپنے ساتھی سے ملو، تو ایک دوسرے کی بات ماننا اور باہم اختلاف میں مبتلا نہ ہو جانا، اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

وإنک والله إن عصيتني لأطعتک۔ (۳۳)

اور خدا کی قسم اگر تم میری نافرمانی کرو گے، تب بھی میں تمہاری پیروی کروں گا۔

دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کس قدر برمحل، پر حکمت اور جامع تھیں اور ملاحظہ کیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ سلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قول اور عمل دونوں اس پر کس قدر پورا اتر رہے تھے، یہ تھی در حقیقت ایک فاتح قوم کی اسپرٹ، اسلام ان تمام باتوں کو درگزر اور نظر انداز کرنے کی تلقین کرتا ہے، جو بڑے مقاصد کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش کریں اور مسلمان، آج کل تو خاص طور پر ان ہی باتوں میں الجھ کر اپنی صلاحتیں برباد کر رہے ہیں جو پیدا ہی اس لئے کی گئیں ہیں کہ وہ ان میں الجھ کر اصل مقاصد سے دور ہو جائیں۔

اسلام نے ہر جگہ اجتماعیت کی تلقین کی ہے اور طرح طرح سے اس کا درس دیا ہے، اولاً تو یہ دیکھئے کہ وہ کسی

ایک فرد کو کوئی حکم تلقین نہیں کرتا، وہ تو من حیث المجموعی پوری قوم سے مخاطب ہوتا ہے اور اسلام کے احکام و قوانین بھی امت واحدہ، امت مسلمہ کی اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں، وہ اگر فرد پر بھی واجب ہوتے ہیں تو اس حیثیت سے کہ وہ فرد اپنی جگہ پر امت مسلمہ کے غیر منقسم وجود کا ایک حصہ ہے جس کا اس امت سے ہٹ کر اور علیحدہ رہ کر کوئی وجود نہیں۔

## نظم وضبط کے قیام میں عزم واستقلال کا کردار

آج امت مسلمہ ایک بار پھر اپنی تاریخ کے شدید ترین بحران سے دوچار ہے، مشکلات، مصائب اور شداء کی ایک قطار ہے جو اس پر مسلسل نازل ہو رہے ہیں اور ہر مصیبت پہلے سے زیادہ شدید نظر آتی ہے، لیکن قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا جائزہ لیں اور رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو یہ مصائب ہلکے نظر آنے لگتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا عزم وحوصلہ استقلال اور صبر و تحمل ہمیں نئے راستے بتاتا اور عزم و عمل کی نئی راہیں دکھاتا ہے، سیرت طیبہ کا مطالعہ ہمیں روشنیوں کے اس منبع کی جانب رہنمائی کرتا ہے جہاں اندھیروں کا گزر ہی نہیں اور تاریکی کے جہاں پر جلنے لگتے ہیں۔

مشکلات ہمیشہ عارضی ہوتی ہیں خواہ کتنی ہی طویل مدت تک کیوں نہ جاری رہیں اور پھر یہ تو عزم وارادے کو مہمیز کرنے کا کام دیتی ہیں، پھر یہ مشکلات تو آزمائش ہیں اور آزمائش اہل ایمان کے ساتھ لازم وملزوم ہیں، ایمان اور آزمائش کا چولی دامن کا ساتھ ہے، ہمارا عزم پختہ، عمل مضبوط، راہ متعین اور منزل واضح ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب خواہ کتنا ہی مستحکم ومضبوط نظر آتا ہو، فریب وقت کے سوا کچھ نہیں۔

عزم واستقلال کی بنیاد درحقیقت انسان کے یقین پر ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خدائی مشن کی کامیابی کا اس درجہ یقین حاصل تھا کہ آپ جب تنہا تھے تب بھی اپنے کام کے بارے میں ہر طرح کے کامل عزم کے حامل تھے، آپ جب دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے تب بھی آپ کا عزم اس طرح کامل تھا اور آپ پر جب فتوحات کا دروا ہو چکا تھا تب بھی آپ کا عزم وہی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزِ اول ہی کی مانند اپنے سفر پر گامزن تھے۔

کسی بھی مرحلے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد متزلزل نہ ہوا اور کسی بھی فیصلے کے لئے آپ کو سوچنا نہیں پڑا۔ جب قریش کو ہر طرح سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ان کی جھنجھلاہٹ عروج پر پہنچ گئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرپرست چچا ابو طالب کو اس قدر ڈرایا کہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نرمی کا مشورہ دینے لگے، اس پر آپ ﷺ نے وہ جملہ ارشاد فرمایا جو عزم واستقلال کی معراج کے حصول کے بغیر نہیں کہا جاسکتا، آپ ﷺ نے فرمایا:

يا عم، والله لو وضعوا الشمس في يمني، والقمر في يساري علي ان اترك

هذا الامر حتي يظهره الله، او اهلك فيه، ما تركته(۳۴)

اے چچا! اگر قریش میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تب بھی حق کے اعلان سے باز نہ آؤں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ خود عملی طور پر عزم و استقلال کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش فرمایا، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اسکی تلقین فرمائی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ایک غیر فلاحی معاشرے کو ایک مکمل انسانی اور اسلامی فلاحی معاشرے میں تبدیل کیا، جور و ستم میں ڈوبے ہوئے معاشرے کو عدل و انصاف سے روشناس کرایا اور اس راہ میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو صبر و استقلال سے کام لیتے ہوئے عبور کیا، یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و استقلال کا واضح اور کھلا ثبوت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اپنی جدوجہد کا آغاز کیا، اس وقت آپ کے ہمراہ کوئی ایک شخص بھی نہیں تھا اور پھر کئی برس تک مسلسل جدوجہد اور تبلیغ کے باوجود آپ کی دعوت کو تسلیم کرنے والوں اور پیغام حق کو قبول کرنے والوں کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہ ہو سکی، لیکن یہ بات آپ کے پایۂ استقلال میں ادنی لغزش پیدا کرنے میں بھی کامیاب نہ ہو سکی۔

**دینی عبادات، نظم وضبط کے حصول کا ذریعہ**

نماز اس مخصوص عبادت کا نام ہے جس میں بندے کا اپنے خالق کے ساتھ براہ راست ایک ربط اور تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ نماز ارکان اسلام میں وہ رکن ہے جسے کوئی باہوش و حواس مسلمان کسی حالت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ قرآن پاک میں تقریباً سو جگہ نماز کے قیام کی تاکید کی گئی ہے جس سے اس اہم اسلامی رکن کی فضیلت، عظمت و جلالت اور اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ عبادات میں نماز کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ بندے کو ایک ایسی روحانی کیفیت سے آشنا کرتی ہے جس سے بندہ اپنی اور اپنے ماحول میں موجود ہر چیز کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کی حضوری حاصل کرتا ہے۔ نماز انسان کے باطنی حواس کے لئے ایک پاسبان کی حیثیت رکھتی ہے اور لوگوں میں اجتماعی نظم و ضبط کی تشکیل کرتی ہے۔ نماز کے اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، جسمانی و روحانی بے شمار فوائد ہیں۔ اجتماعی نماز کی پابندی باہمی تعلقات میں استحکام پیدا کرتی ہے۔

ضبطِ نفس کو حاصل کرنے اور زندگی کی آوارگیوں کو کم کر کے مثبت، تعمیری اور صحت مند بنیادوں پر نظم و ضبط کے قیام کا ایک اہم نکتہ اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ایمان کے بعد عملی ارکان میں سے پہلا عظیم الشان رکن ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآنِ مجید کے آغاز میں ہی فرمایا گیا:

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ(۳۵)

"(یہ) وہ عظیم کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، (یہ) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہےo"

قرآن و حدیث میں جتنی اہمیت اس عمل کی بیان کی گئی ہے اور جتنا زور اس پر دیا گیا ہے کسی اور عمل اور عبادت پر نہیں دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّلَاۃُ عِمَادُ الدِّیْن. "نماز دین کا ستون ہے۔"(۳۶)

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْن فَمَنْ اَقَامَھَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْن وَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْن.(۳۷)

"نماز دین کا دستون ہے، پس جس نے اسے قائم کیا اُس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اسے ترک کیا اُس نے دین کی عمارت کو گرا دیا۔"

آخرت کے اندر بھی نجات اور بخشش کا دار و مدار نماز کے درست ہونے پر ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ

اِنَّ اَوَّلَ مَا یُحَا سِبُ بِہِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مِنْ عَمَلِہِ صَلٰوتہ فَاِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَ اَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَ خَسر.(۳۸)

"قیامت والے دن بندہ سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ پس اگر یہ درست ہوئی تو وہ فلاح اور نجات پا جائے گا اور اگر اس میں بگاڑ ہوا تو وہ ناکام و نامراد ہو جائے گا۔"

اسی طرح ارشاد فرمایا:

مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ فَلاَ دِیْنَ لَہ.(۳۹)

"جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی اُس کا کوئی دین نہیں۔ "

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

وَلاَ دِیْنَ لِمَنْ لَاصَلٰوۃَ لَہ.(۴۰)

"جو شخص نماز نہیں پڑھتا اُس کا دین ہی نہیں ہے۔"

مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ نماز زندگی کا مرکز و محور ہے جس کے گرد ایمانی زندگی گھوم رہی ہے۔ ایمانی زندگی کا آغاز بھی نماز سے ہوتا ہے اور اُس کے تمام صلاح و فساد کا دار و مدار بھی نماز پر ہے۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے عمال کے نام خط میں تحریر فرمایا تھا کہ

ان اھم اموركم عندی الصلاۃ من حفظھا وحافظ علیھا حفظ دینه ومن ضیعھا فھو لما لسواھا اضیع.(۴۱)

"تمہارے تمام اُمور میں سے میرے نزدیک سب سے اہم ترین عمل نماز کا ہے جس نے اس کی حفاظت کر لی اُس نے بقیہ دین کی بھی حفاظت کر لی۔ جس نے اسے ضائع کر دیا وہ بقیہ دین کو اس سے بھی زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔"

حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ نماز ہی ہے جو انسانی کردار کی کمزوریوں اور خامیوں پر قابو پا کر اُس کی سیرت و کردار میں ٹھوس تبدیلیاں پیدا کرتی ہے۔

اسی طرح ماہ صیام میں سحر سے لے کر افطار تک وہ سب کچھ نظم وضبط میں آتا ہے اسی طرح حج میں نظم وضبط کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اس میں تو لاکھوں افراد مختلف ممالک میں سے حج کی سعادت حاصل کرنے آتے ہیں جو کہ کسی نظم وضبط سے کم نہیں۔

**ہمیشہ عمل کرنے کی عادت اپنائیں**

جس طرح کسی بھی قانون کو بنا کر چھوڑ دینے سے اس قانون کا نفاذ نہیں ہو سکتا، اسی طرح کسی بھی عمل کو ایک مرتبہ انجام دے کر چھوڑ دینے سے اس عمل کے اثرات و نتائج بھی سامنے نہیں آسکتے۔ بہترین نتائج اور مطلوبہ مقاصد اسی صورت میں حاصل کئے جاسکتے ہیں جب کسی بھی کام یا عمل پر مداومت ہو۔ عوام الناس میں نظم وضبط کا قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، انسانی طبیعت کسی بھی تبدیلی کو آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرتی اور جب بات وطن عزیز کی ہو تو یہ معاملہ تھوڑا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم جس انداز میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں اس کا اندازہ کسی بھی شہر کے کسی بھی چوک میں ٹریفک سگنل پر کھڑے ہو کر بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا قانون کے قیام اور اس کے نفاذ کے بعد اس پر عمل کرنے اور کروانے کے حوالے سے مداومت انتہائی ضروری ہے ورنہ نظم وضبط کا قیام خواب ہی رہنے کی امید کی جاسکتی ہے۔

یہ ایک آفاقی سچائی ہے کہ کسی بھی کام کو انجام دینے کی ایک ترتیب ہوتی ہے، نظم وضبط ہوتا ہے، مسلسل ایک معمول کے طور پر نیک نیت کے ساتھ کرنے سے انسان کے مزاج میں توازن بھی پیدا ہوتا ہے اور اس میں استقامت جیسی مفید اور مطلوب صفت بھی پروان چڑھتی ہے، یہ مداومت عمل کی ایک اضافی خوبی ہے، اس لئے مداومت عمل جہاں اس بناء پر ہماری لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اس کی تاکید کرتا ہے، وہیں ایک اچھا انسان بننے کے لئے بھی یہ صفت نہایت ضروری ہے، سو جو کوئی یہ چاہتا ہے کہ وہ کامیاب اور اچھے انسان کے روپ میں سامنے آئے، اس کے لئے اس آسمانی ہدایت اور نبوی تاکید پر عمل پیرا ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اعمال اور عبادات کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہدایات فرماتے تھے ان میں مداومت اور اعتدال سر فہرست ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل بھی اسی پر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

أحب الأعمال إلى الله أدومها وإن قل (۴۲)

"اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے، خواہ وہ تھوڑا ہی ہو۔"

مداومت عمل اور اعمال پر ہمیشگی کرنے اور پوری پابندی سے ان پر عمل پیرا ہونے کی تاکید دین میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ نیز یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل دونوں ایک دوسرے کی تاکید، توضیح اور تشریح کرتے تھے، دونوں میں کامل اتحاد تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہدایات دوسروں کو فرماتے تھے، آپ خود بھی اسی پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

حضرت علقمہؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے بارے میں سوال کیا اور پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی عمل کسی خاص روز کرتے تھے؟ یا کچھ اعمال ایام کے ساتھ مخصوص فرمارکھے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

لا! كان عمله ديمة وأيكم يستطيع ماكان النبى صلى الله عليه وسلم يستطيع۔ (۴۳)

نہیں آپ ﷺ کا عمل تو مسلسل ہوتا تھا، پھر فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کرسکتے تھے، اس کی تم میں سے کون طاقت رکھتا ہے؟

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لیکن میں نے اپنے اوپر سختی چاہی سو مجھ پر سختی کردی گئی۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں اپنے اندر اس سے زیادہ کی قوت پاتا ہوں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام والا روزہ رکھا کرو اور اس سے آگے نہ بڑھو۔ میں نے پوچھا کہ اللہ کی نبی حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ کس نوعیت کا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت داود علیہ السلام ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ اسی طرح دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ماہ میں ایک بار قرآن مجید ختم کیا کرو، مگر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا پھر تین روز میں ایک قرآن ختم کیا کرو۔ راوی کہتا ہے کہ جب عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ضعیف ہوگئے تو فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی رخصت کو مان لیا ہوتا! (۴۴) یعنی بڑھاپے میں اب ان معمولات کو پورا کرنا مشکل ہے، جن پر جوانی کے زمانے میں بسہولت عمل ہو جاتا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات کے اس معمول پر تخفیف کی جو ہدایت کی تھی اس کا سبب بھی یہی تھا اور اس سے بھی مداومت عمل کی اہمیت اور ضرورت واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔

## مالیاتی واقتصادی نظم وضبط

مالی نظم و ضبط یعنی زیادہ روی اور اسراف کا مقابلہ۔ چیزوں کے استعمال اور پیسے کے خرچ میں زیادہ روی، فضول خرچی اور اسراف بالکل اچھی بات نہیں ہے۔ یہ جود وسخاوت ہے نہ کرم وعطا، یہ محض اقتصادی بدنظمی ہے۔ جو

لوگ بلاوجہ خرچ کرتے ہیں، زیادہ خرچ کرتے ہیں، چیزوں کا بے تحاشہ استعمال کرتے ہیں، اقتصادی وسائل کے لحاظ سے معاشرے کی حالت کا خیال نہیں رکھتے وہ مالی واقتصادی نقطہ نگاہ سے بد نظم لوگ ہیں۔ ذاتی سرمائے اور حلال راستے سے کمائے گئے پیسے کا بھی بے تحاشہ خرچ نظم وضبط کے منافی ہے۔ جو لوگ سرکاری مال اس طرح استعمال کرتے ہیں وہ تو اور بھی بدتر ہیں۔ حکام عوامی سرمائے کو ایسی جگہ خرچ کرنے سے شدت سے اجتناب کریں جو ترجیحات میں شامل نہیں ہے، ممکن ہے وہاں ضرورت ہو لیکن وہ ترجیحات میں شامل نہ ہو۔ جب ترجیحی ضرورت اور غیر ترجیحی ضرورت کا معاملہ ہو تو اجتناب کریں۔ جہاں ضرورت اور احتیاج نہیں ہے وہاں کی تو خیر بات ہی اور ہے۔ اس جگہ بھی جہاں ضرورت واحتیاج ہے لیکن کسی دوسری جگہ اس سے زیادہ ضرورت ہے تب بھی وہاں پیسہ خرچ نہ کیا جائے بلکہ یہ پیسہ وہاں لگایا جائے جہاں زیادہ ضرورت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفع مند مال کی تعریف کی ہے اور اس مال کے کمانے کی خواہش اور اسے احسن طریقے سے خرچ کرنے اور اس مال کو مزید ثمر آور بنانے کو ضروری قرار دیا ہے اور ایسے صاحب حیثیت شخص کو سراہا ہے جو مال ملنے پر شاکر ہو اور اس مال کو لوگوں کی منفعت اور خیر خواہی کیلئے خرچ کرے۔ جبکہ اس ضمن میں سوائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے اور کوئی چیز اس کے پیش نظر نہ ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نعم المال الصالح للمرء الصالح.(۴۵)

وہ کتنا ہی اچھا مال ہے جو کسی نیک انسان کے پاس ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا(۴۶)

اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔

اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ مال ودولت زندگی کی استواری میں معاون ومددگار ہوتے ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

إنّ االله كره لكم ثلاثا: قيل وقال، وإضاعة المال، وكثرة السّؤال. (۴۷)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزیں ناپسند فرمائیں ہیں: قیل وقال، مال کے ضیاع اور کثرتِ سوال۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا کردہ تعلیمات میں مسئلہ معاش کو براہ راست انسانی زندگی میں نیکی اور بدی کے امتیاز میں ایک موثر بلکہ فیصلہ کن عامل قرار دیا ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كاد الفقر أن يكون كفراً.(۴۸)

ممکن ہے غربت وافلاس (کارد عمل) کفر کی حد تک پہنچ جائے۔
اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے اعتدال کو بھی معتدل معاشی سرگرمیوں سے مشروط قرار دیا:

الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة. (۴۹)
خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔

ما عال من اقتصد. (۵۰)
جس نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہیں ہو گا۔
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رزق حلال کے حصول کو فرض قرار دیا ہے۔

طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة.(۵۱)
رزق حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔

**مالیاتی بدعنوانی / کرپشن سے اجتناب (امانت داری)**

کسی بھی ملک کے مالیاتی نظام میں دیانت وامانت کو بہت بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ دیانتداری و امانت داری مسلمہ اَخلاقی اَقدار ہیں۔ معاشرتی، سیاسی اور معاشی شعبوں میں ان اَقدار کو وہی حیثیت حاصل ہے جو کسی جسم میں گردش کرنے والے خون کو حاصل ہوتی ہے۔ کسی جسم میں گردش کرنے والا خون اگر تندرست اور جراثیموں سے پاک ہے تو وہ جسم بھی تندرست وتوانا ہو گا لیکن اگر کسی کے خون میں کسی مرض کے جراثیم پیدا ہو جائیں تو یہ جسم بیماری کا شکار ہو جائے گا اور اگر ان جراثیموں کو خون سے مٹایا نہ گیا تو یہ اس جسم کے خاتمے کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔ اگر کسی ملک کے مالیاتی نظام میں بد دیانتی، خیانت اور بے ایمانی سرایت کر جائے تو وہاں دولت کی عادلانہ تقسیم ممکن نہیں رہتی۔ اگر سرکاری کارندے اور افسران بدعنوانی میں ملوث ہو جائیں تو ملکی خزانہ غلط طور پر استعمال ہونے لگتا ہے۔ غیر حق دار لوگ تو ناجائز ذرائع سے سب کچھ لے جاتے ہیں لیکن حق دار محروم رہ جاتے ہیں۔ ملکی آمدنی عوام تک نہیں پہنچ پاتی۔ عوام سرکاری خزانے اور قومی آمدنی سے مستفید نہیں ہو پاتے۔ سرکاری افسران تو بہت امیر ہوتے جاتے ہیں لیکن عوام کے حصے میں غربت ہی آتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملکی اخراجات چلانے کے لئے ملک سرمایہ دار ملکوں کا مقروض ہو جاتا ہے اور یہ سرمایہ دار ممالک اکثر اَوقات ایسی شرمناک شرائط کے ساتھ قرض دیتے ہیں کہ ملک سود در سود ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ شرائط ملکی سلامتی کے سراسر مخالف ہوتی ہیں۔

یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ ان مالیاتی اداروں کے افراد نے اس نظم وضبط کو برقرار نہیں رکھا جس کے وہ پابند بنائے گئے تھے۔ ان کے لئے ضروری تھا کہ بلکہ ان کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ حق دار کو اس کا حق پہنچائیں اور ملکی خزانے و دولت کو اس کے صحیح مصرف پر خرچ کریں، لیکن جب وہ اپنے نظم وضبط کی حدود سے باہر نکلے اور لالچ اور

بد عنوانی کا راستہ اپنایا تو نہ صرف یہ کہ دنیا میں بھی بے سکون ہوئے اور آخرت میں بھی اللہ کے مجرم ٹھہرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت کی پاسداری اور مالیاتی بد عنوانی سے دور رہنے کا سبق لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کے ساتھ لوگوں کو خیانت اور بد دیانتی کے بارے میں بھی آگاہ فرمایا۔ اس سلسلے میں قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (۵۲)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت مت کرو اور نہ جانتے بوجھتے آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لا يُحِبُّ الخائِنِينَ (۵۳)

بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نبی کریم ﷺ نے ان آیات کا صحیح مفہوم اپنے اسوہ حسنہ کے ساتھ پیش فرمایا۔ آپ ﷺ نے امانت داری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لا إيمان لمن لا أمانة له (۵۴)

اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانتداری نہیں۔

امانت کے اس تصور کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح واضح فرمایا کہ جس طرح ایک چرواہا اپنے ریوڑ کا محافظ ہوتا ہے، اسی طرح تم میں سے ہر شخص اپنے اپنے مقام پر ذمہ دار اور محافظ ہے۔ ایک حکمران اپنی رعایا کا محافظ ہے اور اس سے اس سلسلے میں سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنی رعایا کے مفادات کا تحفظ کیا یا نہیں؟(۵۵)

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ(۵۶)

کوئی شخص ایسا نہیں جسے اللہ نے رعیت کی ذمہ داری سونپی ہو اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ رعیت کے بارے میں خیانت کرنے والا ہو تو اللہ نے اس پر جنت حرام قرار دے دی ہے۔

اس حدیثِ مبارکہ کی تشریح میں امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ والی حکومت رعایا کا ایسا راعی (محافظ و ذمہ دار) ہے جیسے گڈریا بھیڑوں کی رکھوالی کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

والیانِ مملکت اور افسرانِ خزانہ کے لئے جائز نہیں کہ ملکی خزانہ اپنی خواہشات کے مطابق اس طرح خرچ کریں جس طرح مالک اپنی ملکیت کی چیز خرچ کرتا ہے۔ افسرانِ خزانہ بلاشبہ امین اور نائب ہیں، وہ ہرگز مملکت کے اموال کے مالک نہیں ہیں۔ (۵۷)

اسی مضمون کی ایک اور حدیثِ مبارکہ بخاری اور مسلم شریف میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنْ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ إلا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ(۵۸)

کوئی حکمران، جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حال میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کرنے والا ہو تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

یقیناً دھوکہ وخیانت کی ایک بڑی صورت یہ ہے کہ ان کے مالی معاملات کی حفاظت نہ کی جائے اور مختلف قسم کی مالی بدعنوانیاں اور کرپشن کرتے ہوئے عوام الناس کا مال انہیں دھوکہ دے کر غلط مقامات پر خرچ کر دیا جائے۔

## تعلیم و تعلم سے شعور کی بیداری

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے، جس نے سب سے پہلے بلا تفریق طبقات وقبائل وبلا تخصیص مرد وزن سب کے لئے بلا امتیاز وبلا اختصاص عام تعلیم کا آوازہ بلند کیا، اور نبی امی صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

طلب العلم فريضة على كل مسلم ۔ (۵۹) علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔

یعنی تعلیم ہر چھوٹے بڑے، امیر غریب، مرد وعورت اور کالے گورے ہر ایک پر فرض ہے، اس باب میں کسی طبقۂ فکر کی نہ تو تخصیص ہے نہ امتیاز ہے۔ اسلام میں علم کو صرف عبادات کی تعلیم تک ہی محدود نہیں رکھا گیا جیسا کہ اکثر لوگوں کو مغالطہ ہے، بلکہ معاشرت، اقتصاد، سیاست اور زندگی کے دیگر تمام شعبوں میں بھی علم کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے اور دنیا میں کسی بھی قوم کی ترقی اور سربلندی کی خاطر اختیار کئے جانے والے ہر شعبے کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے بشرطیکہ اس شعبے کی تعلیمات بنیادی اسلامی تعلیمات سے متصادم نہ ہوں۔ تعلیمی شعبے سے وابستہ افراد کے لئے بھی نبوی تعلیمات اپنے فرض کی ادائیگی اور امانت کا احساس کرنے سے عبارت ہیں (جن کا تذکرہ گزر چکا ہے)۔ آج دولت کی ہوس ہمارے معاشرے میں اس حد تک رچ بس گئی ہے کہ تعلیم جیسا معزز پیشہ بھی اس کرپٹ معاشرے کا حصہ بن چکا ہے۔ تعلیم جیسا مقدس پیشہ کاروبار بن چکا ہے۔ نیز دوسری جانب تعلیم اور علم سے دوری اتنی ہے کہ درس گاہوں اور تعلیمی اداروں کو اپنوں اور غیروں دونوں کی جانب سے تباہ کیا جا رہا ہے نیز انہیں مویشیوں کے باڑے، گھوڑوں کے اصطبل اور اجناس کے گودام کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ جب کہ اسلام ہر فرد کے لئے علم کے حصول کو لازمی قرار دیتا ہے اور اسے ہی کامیابی کا راستہ قرار دیتا ہے۔ ارشادات نبوی ملاحظہ فرمائیں:

☆... حصولِ علم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارۂ گناہ قرار دیا، فرمایا: "جو شخص علم حاصل کرتا ہے، اس کا یہ عمل اس کے (عمل) ماضی کا کفارہ بن جاتا ہے"۔ (۶۰)

☆... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ يُرِدِاللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (۶۱)

اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُولُهُ، يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِينَ، وَانْتِحَالِ الْمُبْطِلِينَ، وَتَأْوِيلِ الْجَاهِلِينَ (٦٢)

اس علم کو (ہر شخص کے بعد) اس کے انصاف پرور لوگ اٹھائیں گے جو اس سے مبالغہ کرنے والوں کی تحریف ختم کریں گے، اور غلط سوچ والوں کے علمی سرقے کا انکشاف کریں گے اور جاہلوں کی کی گئی تاویلات کو دور کریں گے۔

معلوم ہوا کہ علم کو عام کرنا اور تحقیق کے میدان میں دادِ تحسین دینا مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہے۔ علم حاصل کرنا اور پھر اسے دوسروں تک پہنچانا ہر مسلمان کا دینی و اخلاقی فریضہ ہے، اس ضمن میں حاکم و محکوم سب برابر ہیں۔ تعلیم کے سرکاری ذمے داروں کو ان تعلیمات نبویہ کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

**انتشار پسندوں کا خاتمہ**

جب ملک میں بے اطمینانی کی کوئی لہر اٹھتی ہے تو شاطر اور بدنیت لوگ اس کو مزید ہوا دے کر افتراق و انتشار کو ہوا دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مرکز کمزور ہو اور ان کے ہاتھ کچھ آجائے۔ اسلام کی نگاہ میں ایسے لوگ حوصلہ افزائی کے مستحق نہیں ہیں بلکہ گردن زدنی ہیں۔ سرکاری مناصب کے حاملین خصوصاً عدلیہ اور دفاعی اداروں کو چاہیے کہ ان تخریب کاروں کا احتساب کرے۔ ارشاد نبوی ہے:

سیکون هنات و هنات فمن ارادان یفوق امرهذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنا من کان (٦٣)

عنقریب شر وفساد برپا ہوں گے تو جو شخص ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا کوئی اقدام کرے، اور وہ کوئی بھی ہو تو چاہیے کہ اس کی گردن اڑادی جائے۔

**بااثر شخص کو بھی جرم کی سزا دی جائے**

قانون اور اقتدار کا یک جان ہو کر بااثر لوگوں کو سزا سے بچالینا جس قدر مہلک ہے، اسی قدر عام بھی ہے۔ بڑے لوگوں کو کوئی نہیں پوچھتا، اگر کوئی بے زور، نادار اور غریب آدمی کوئی کوتاہی کر بیٹھے تو قانون اور اقتدار کا غیظ و غضب دیدنی ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ جو دین لائے ہیں، اس میں کسی کے لیے کوئی استثناء نہیں۔ خود رحمت عالم ﷺ نے جو معصوم عن الخطا بھی ہیں اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہیں رکھا۔ دوسرے کسی کا کیا مذکور؟ اگر قانون اور اقتدار میں حوصلہ ہو اور وہ عدل و انصاف کی کچھ لاج رکھنا چاہیں تو یقین کیجئے! وہ شاہان وقت پر بھی ہاتھ ڈالنے سے نہیں ہچکچاتے۔ مگر آہ! اس جدید اور روشن دور میں جس قدر قانون اور اقتدار "یک چشم" ہو کر رسوا ہو رہے ہیں، وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے اس لیے ملک میں ظلم ارزاں اور انصاف گراں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

انما هلك بنو اسرائيل انم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم

الضعيف اقاموا عليه الحدودالذي نفس محمد بيده لوا ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها (٦٤)

بنو اسرائیل (یہودی اور عیسائی) بس صرف اس لیے تباہ ہوئے کہ جب کوئی بااثر شخص چوری کرتا (تو) اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا (تو) اس پر حد جاری کر ڈالتے، بخدا! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہؓ بھی (خدانخواستہ) چوری کرتی (تو) یقین کیجئے! اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

**حرف آخر**

راستے کا متعین اور واضح ہونا، متوازن رفتار اور مہذب رویہ، سعادت مندانہ زندگی کے اصولوں میں سے اور دین اسلام میں معاملات کی بنیادوں میں سے ہے۔ کامل ایمان والا مومن وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہے، اعتال، توازن اور نظم و ضبط سب کچھ انسانی شخصیت میں راسخ اخلاق و عادات سے منعکس ہوتا ہے۔ جو اسکے اخلاق و اعمال کو حق کے موافق، برائی سے دور اور احساسات کا لحاظ کرنے والا بناتی ہیں۔ یعنی حقوق کی ادائیگی کا ہمیشہ خیال اور حقوق و فرائض میں توازن و اعتدال کرنے والا بنا دیتی ہے۔ نظم و ضبط، حسن ترتیب، صحیح انداز اور خوبصورت ذوق بعینہٖ افراد کی بھی حفاظت کرتے ہیں، جیسے جماعت کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے میں معاونت کرتا ہے، اجتماعی تعلقات کو مضبوط اور منظم کرتا ہے۔ منظم معاملات اور صحیح سوچ زندگی کا ذائقہ شیریں کر دیتی ہے اور اللہ کے حکم سے ایسے بوجھل خیالات سے بھی بچاتی ہے جو عقل، صحت اور مال کے لیے وبال بن جائیں۔ گہرے احساسات، بلند ارادے جن کی قیادت غیر متزلزل، سچا عزم اور استقامت کے ہاتھ میں ہو، امیدیں قوت سے نہیں بلکہ عزیمت اور استقامت سے اور اچھے آداب سے پوری ہوتی ہیں۔

مستقل مزاج مسلمان اپنی زندگی میں محنت کرنے والا اور اپنے کاموں کو منظم کرنے والا ہوتا ہے وہ اپنے وقت کے ہر لمحے کو کارآمد سمجھتا ہے اور اپنے ہر کام کا مقصد مقرر کر لیتا ہے اس کا کوئی لمحہ ضائع اور زندگی کی کوئی ساعت فضول نہیں ہوتی۔ وہ اہم اور غیر اہم چیزوں میں ترجیح پیدا کرتا ہے، اسلام کے فرائض، احکام اور آداب ہیں جو مسلمان کو اس کی پوری زندگی میں نظم و ضبط کی ضرورت اور آداب کی طرف متنبہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ انسان بد نظمی، بے اعتدالی، عجلت اور جوش کی وجہ سے شرمندگی کا سامنا کرتا ہے اور سمجھداری اور نظم و ضبط کے ساتھ کام لینے سے کبھی بھی شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

موجودہ حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ آج ایک مرتبہ پھر اپنی قوم کی از سر نو تعمیر و تشکیل کے لئے نظم و ضبط کے اصولوں کو اسی نہج اور حکمت عملی اور اسلوب سے سرانجام دیا جائے جس طرح کہ اسے قرون اولیٰ میں انجام دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس تعلیماتِ نبوی مشعلِ راہ کی صورت میں موجود ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ اس کے لئے ہمیں مسلکی تعصب، فرقہ واریت، عناد اور باہمی بغض کے بتوں کو پاش پاش کرنا ہوگا، دینِ اسلام کو

شدت پسندی کا محور بنانے والے افراد کا احتساب کرنا ہو گا، افراط و تفریط کا راستہ چھوڑ کر اعتدال کی راہ کو اختیار کرنا ہو گا، عالمی حالات و واقعات کی سنگینی اور نزاکت کو محسوس کرنا ہو گا، امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا ادراک کرنا ہو گا اور اس کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا ہو گی اور اس کے لئے بہترین راستہ صرف اور صرف تعلیمات نبوی کی صحیح فہم اور ان پر صدقِ دل سے عمل کرنا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

## حواشی و حوالہ جات


۱۔ الحج:۴۱

۲۔ النسا:۵۸

۳۔ آل عمران:۱۱۰

۴۔ الشوریٰ:۳۸

۵۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔ محاضراتِ شریعت۔ لاہور، الفیصل، ستمبر ۲۰۰۹:ص287

۶۔ لویس معلوف، المنجد۔ مطبعہ کاثولیکیہ، بیروت، طبع عاشر ۱۹۴۷۔ ص ۹۰۵

۷۔ البعلبکی، روحی، ڈاکٹر۔ و منیر بعلبکی۔ المورد الوسیط۔ مترجم: پروفیسر عبد الرزاق۔ کراچی، دارالاشاعت، ستمبر ۲۰۰۵۔ ص۳۴۸

۸۔ کیرانوی، وحید الزمان قاسمی، مولانا۔ القاموس الوحید۔ لاہور، ادارہ اسلامیات، جون ۲۰۰۱۔ ص۹۵۹

9۔ http://www.oxforddictionaries.com/definition/english/discipline .
http://www.merriam-webster.com/dictionary/discipline

۱۰۔ محولہ بالا

11۔ http://tahir-akbar.blogspot.com/2014/09/
selfdisciplineandsuccessfullife.html

۱۲۔ محولہ بالا

۱۳۔ خاں، وحید الدین، مولانا۔ اسلام دور جدید کا خالق۔ لاہور، دار التذکیر، ۲۰۰۹ء:ص۹۹

۱۴۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (م 852ھ)۔ فتح الباری فی شرح صحیح بخاری۔ لاہور، پاکستان، ج۱۰، ص۴۵۳ بحوالہ سید عزیز الرحمن۔ تعلیماتِ نبوی اور آج کے زندہ مسائل۔ القلم، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی، ۲۰۰۵ء:ص۸۳۔

۱۵۔ التین:۴
۱۶۔ ابن حجر العسقلانی۔ فتح الباری:ج۳،ص۲۱۴
۱۷۔ فتح الباری:ج۱۰،ص۴۵۳
۱۸۔ خطیب تبریزی، ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (741ھ)۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ باب المفاخرۃ۔ بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیۃ،1424ھ / 2003۔
۱۹۔ ابنِ قیم جوزیہ۔ زارالمعاد:ج۲،ص۲۲
۲۰۔ مفتاحی، محمد ظفیر الدین ندوی، مولانا۔ اسلام کا نظامِ امن۔ کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی،۱۹۹۱ء:ص۵۶
۲۱۔ احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ بن محمد (م 241ھ)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، 1398ھ /1978ء۔ ص۴۴۷،رقم:۷۰۴۶
۲۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، م۲۵۶۔ الصحیح۔ کتاب الحدود، باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحد۔ مصر، مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۵۳ء۔ ج۴۔ ص ۱۲۲، ☆دارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن م ۲۵۵۔ السنن۔ کراچی، قدیمی کتب خانہ۔ ج۲،ص۲۲۷،رقم:۲۳۰۲
۲۳۔ سورہ حشر:۱۸
۲۴۔ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (م 774ھ)۔ تفسیر القرآن العظیم۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، 1400ھ /1980۔ج۴،ص۳۴۲
۲۵۔ عجلونی، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی (م1162ھ)۔ کشف الخفاومزیل الالباس۔ بیروت، مکتبہ دارالتراث 1405ھ۔۔ج۲،ص۴۰۲
۲۶۔ مسلم ابو الحسین بن حجاج القشیری م ۲۶۱ھ۔ الصحیح۔ دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اولیٰ،۱۹۹۸ء۔ ج۳،ص ۲۲۵،رقم۱۸۲۹
۲۷۔ اسلام کا نظامِ امن۔ ص۶۵،
۲۸۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی م ۲۷۵۔ السنن۔ کتاب الجہاد۔ بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۴ء۔ رقم:2708
۲۹۔ بخاری، کتاب المغازی
۳۰۔ حلبی، علی بن برہان الدین، م۱۰۴۴ھ۔ انسان العیون۔ بیروت، دارالمعرفہ، ج۲،ص۴۹۷
۳۱۔ حلبی، محولہ بالا
۳۲۔ بخاری / ج۳،ص۱۳۲۲،رقم۳۴۱۶

۳۳۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (م458ھ)۔ شعب الایمان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ،1410ھ
۳۴۔ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک۔ السیرۃ النبویہ۔ بیروت، دارالمعرفہ،۱۹۷۸ء۔ ج۲، ص۴،۵
۳۵۔ البقرۃ: 2،3
۳۶۔ اخرج الدیلمی، الدر المنثور،قوله تعالیٰ حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى، جلد 1 ص708
۳۷۔ عمدۃ القاری، باب قوله تعالیٰ منيبين اليه واتقوه واقيموا الصلاة،ج5ص6
۳۸۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (م 279ھ)۔ السنن۔ باب ماجآء اول مایحاسب، رقم413
۳۹۔ شعب الایمان، کتاب الطہارۃ جلد3، ص39، رقم2807
۴۰۔ تذکرۃ الحفاظ، جلد3، رقم: 781
۴۱۔ عبد الرزاق، ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی (م 211ھ)۔ المصنف۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، 1403ھ۔ باب المواقیت، ج1، ص536
۴۲۔ صحیح البخاری . کتاب الرقاق، باب القصد والمداومۃ علی العمل، رقم:۶۰۹۹
۴۳۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومۃ علی العمل، رقم:۶۱۰۱
۴۴۔ بخاری
۴۵۔ أحمد بن حنبل، المسند،4: 197، رقم: 17798
۴۶۔ النساء،4: 5
۴۷۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب قول اللہ تعالی:لایسألون النّاس إلحافا،2: 537، رقم: 1407
۴۸۔ بیہقی، شعب الایمان،5: 267، رقم: 6612
۴۹۔ طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (م360ھ)۔ المعجم الاوسط۔ موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء الحدیثہ۔: 25، رقم: 6744
۵۰۔ طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (م360ھ)۔ المعجم الکبیر۔ موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء الحدیثہ۔،10: 108، رقم: 10118
۵۱۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (م458ھ)۔ السنن الکبریٰ۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز،1414ھ /1994ء۔6: 128، رقم: 11695

۵۲۔ الانفال:۲۷

۵۳۔ الانفال:۵۸

۵۴۔ حسام الدین ہندی، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۹۷۹۔ جلد ۳، ص ۶۱، رقم: ۵۵۰۰

۵۵۔ ابو داؤد، السنن۔ کتاب الخراج والامارۃ، باب مایلزم الامام من حق الرعیۃ، رقم الحدیث: ۲۹۲۸، جلد سوم، صفحہ ۱۳۰۔

۵۶۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب استحقاق الوالی الغاش لرعیتہ النّار، 1: 125، رقم: 142

۵۷۔ اس سلسلے میں تفصیلات کے لئے دیکھیں: ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ، الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، صفحہ ۱۹۳

۵۸۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۵۸ رقم: ۱۲۶۶۶

۵۹۔ ہیثمی، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (م 807ھ)۔ مجمع الزوائد۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، 1407ھ / 1987ء۔ ج ۱، ص ۳۳۲، رقم ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴،

۶۰۔ ترمذی۔ ص ۲۹۵، رقم: ۲۶۵۷

۶۱۔ ترمذی، کتاب العلم، رقم: ۲۶۴۵

۶۲۔ مشکاۃ المصابیح کتاب العلم الفصل الأول الجزء 1 ص / 53۔۔۔۔ السنن الکبری للبیقی 10 / 209

۶۳۔ صحیح مسلم، رقم: 1852

۶۴۔ ترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی کراھیۃ ان یشفع فی الحدود، مصطفی الحلبی، مصر، ۱۹۵۴۔ ج ۴، ص ۳۸

# [[022]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

صباخان، ہری پور

رسول اللہ ﷺ انسانیت کے لئے کامل ترین نمونہ تھے، آپ ﷺ کی حیات طیبہ قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے، آپ ﷺ کی کتاب زندگی کا ہر ہر ورق اپنے اندر ایسی روح پرور اور نشاط افزا نسیم کی تاثیر رکھتا ہے؛ جس کے بہار آفریں جھونکے قیامت تک انسانیت کے چمن کو سرسبز وشاداب رکھیں گے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عالم انسانیت کا سب سے عظیم انقلاب محسن انسانیت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقدس ہاتھوں برپا ہوا۔ اس انقلاب کے ذریعے دنیائے انسانیت کو اللہ کے علاوہ ہر قسم کی غلامی سے نجات ملی، امن وصلح، عدل وانصاف کی حکمرانی قائم ہوئی۔ سرزمینِ عرب جہاں کبھی کوئی ملک گیر مملکت قائم نہ ہوئی تھی، جہاں نظم وضبط اور قاعدہ وقانون اجنبی تھے اور جہاں تنظیم اور سیاسی وحدت ناپید تھی، وہاں ایک ملک گیر بلکہ ہمہ گیر اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ تمام عرب ایک پرچم تلے آیا۔ حکومت، نظم وضبط، قانون، تنظیم اور سیاسی وحدت قائم ہوئی اور یہ سب کچھ اتنی قلیل مدت میں انجام پذیر ہوا کہ تاریخِ عالم میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔

انقلاب اور قیام ریاست کا یہ عمل اتنا آسان نہ تھا۔ آپ ﷺ کے سامنے مشکلات کے ناقابل تسخیر پہاڑ تھے۔ آپ ﷺ کو تاریکی میں سے روشنی کو نکالنا تھا، موت میں سے زندگی کو جنم دینا تھا، انتشار میں سے نظم کو پیدا کرنا تھا، ضعف میں سے قوت حاصل کرنا تھی اور اختلافات کو اتحاد سے بدلنا تھا۔ یہ تمام کام اگرچہ بہت مشکل تھے تاہم آپ ﷺ نے انہیں انجام دیا اور پوری کامیابی کے ساتھ مطلوبہ نتائج حاصل کئے۔(۱)

**اسلامی ریاست**

اسلام ایک کامل دین اور مکمل دستور حیات ہے، جو زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی راہ نمائی کرتا ہے، اسلام جہاں انفرادی زندگی میں فرد کی اصلاح پر زور دیتا ہے وہیں اجتماعی زندگی کے زرین اصول وضع کرتا ہے، اسلامی نظامِ حیات میں جہاں عبادت کی اہمیت ہے وہیں معاملات ومعاشرت اور اخلاقیات کو بھی اولین درجہ حاصل ہے، اسلام کا جس طرح اپنا نظامِ معیشت ہے اور اپنے اقتصادی اصول ہیں اسی طرح اسلام کا اپنا نظامِ سیاست وحکومت ہے، اسلام کا نظامِ سیاست وحکمرانی موجودہ جمہوری نظام سے مختلف اور اس کے نقائص ومفاسد سے بالکلیہ پاک ہے، لیکن اسلام میں سیاست شجرِ ممنوعہ نہیں ہے، یہ ایسا کامل ضابطۂ حیات ہے جو نہ صرف انسان کو معیشت ومعاشرت کے اصول وآداب سے آگاہ کرتا ہے، بلکہ زمین کے کسی حصہ میں اگر اس کے پیروکاروں کو اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ انہیں

شفاف حکم رانی کے گر بھی سکھاتا ہے، عیسائیت کی طرح اسلام "کلیسا" اور "ریاست" کی تفریق کا کوئی تصور پیش نہیں کرتا۔

حکومت خواہ کسی نوعیت کی ہو، مصنوعی طریقہ سے نہیں بنا کرتی۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہیں وہ بن کر تیار ہو اور پھر ادھر سے لا کر اس کو کسی جگہ جما دیا جائے۔ اس کی پیدائش تو ایک سوسائٹی کے اندر اخلاقی، نفسیاتی، تمدنی اور تاریخی اسباب کے تعامل سے طبعی طور پر ہوتی ہے۔ اس کے لئے کچھ ابتدائی لوازم (پری ریکیوسٹیز)، کچھ اجتماعی محرکات، کچھ فطری مقتضیات ہوتے ہیں جن کے فراہم ہونے اور زور کرنے سے وہ وجود میں آتی ہے جس طرح منطق میں آپ دیکھتے ہیں نتیجہ ہمیشہ مقدمات (پریمیسز) کی ترتیب ہی سے برآمد ہوتا ہے،(۲)

پاکستان کا بطور ایک اسلامی ریاست کے جتنا واضح اور صاف تصور قائداعظم کے ذہن میں موجود تھا۔ اتنا واضح تصور اس دور کے کسی بڑے سے بڑے عالم دین کے ذہن میں بھی نہیں تھا۔ علامہ اقبال نے بھی بار بار اپنے خطبہ الٰہ آباد میں اسلامی ریاست کے الفاظ استعمال کئے تھے، مسلم ریاست کے نہیں۔ اب بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا بھی تصور اسلام دیکھئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع اللہ کی ذات ہے، جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ پارلیمنٹ کی، نہ کسی شخص اور ادارے کی، قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی کی حدود متعین کرتے ہیں، دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قرآن کے اصول و احکام کی حکومت ہوگی۔ "اب اگر قائداعظم کے ارشاد کے مطابق پاکستان میں صدر، وزیراعظم، پارلیمنٹ اور دیگر ادارے قرآن کے اصول و احکام کے پابند بنا دیئے جائیں اور افراد کی بجائے قرآن کی حکمرانی تسلیم کرلی جائے تو یہ ایک اسلامی ریاست ہوگی یا محض نمائشی مسلم ریاست۔

قائداعظم نے 1945ء میں اپنے پیغام عید میں ایسے سخت الفاظ استعمال کئے کہ شاید ہی انہوں نے اپنی زندگی میں اس طرح کے سخت الفاظ بولے ہوں۔ یہ الفاظ انہوں نے کن لوگوں کے بارے میں استعمال کئے۔ آپ کو قائداعظم کا پیغام عید پڑھ کر خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ پاکستان کے لئے سیکولر ریاست کے بارے بار بار الفاظ استعمال کرنے والے گمراہ طبقہ کو بھی قائداعظم کی یہ تقریر یاد رکھنی چاہئے کہ

"جاہلوں کی بات الگ ہے ورنہ ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ایک ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے، قرآن محض دینیات نہیں بلکہ سول اور تعزیری قوانین کی بھی بنیاد ہے۔ وہ قوانین جن سے بنی نوع انسان کے اعمال اور حقوق کی حدبندی ہوتی ہے، وہ بھی اللہ کے نہ تبدیل ہونے والے احکام سے متعین ہوتے ہیں۔ "(۳)

اس طرح اسلامی ریاست کی تشکیل ایک بامقصد عمل قرار پاتی ہے۔

The purpose of setting an islamic state is is to enable Muslims to take up

the task of implementing their faith also in the political realm.(4)

اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنے عقیدے کو سیاسی اقتدار میں بھی نافذ کر سکیں۔

بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی کے:

"اسلامی نظام میں ریاست اور دین مذہب اور سلطنت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، دونوں کے تقاضے ایک دوسرے سے پورے ہوتے ہیں، چنانچہ ماوردی نے یہ بات لکھی ہے کہ جب دین کمزور پڑتا ہے تو حکومت بھی کمزور پڑ جاتی ہے اور جب دین کی پشت پناہ حکومت ختم ہوتی ہے تو دین بھی کمزور پڑ جاتا ہے، اس کے نشانات مٹنے لگتے ہیں۔ (۵)

اسلامی ریاست میں تمام امور قرآن وسنت کی ہدایات کی روشنی میں انجام دیئے جاتے ہیں اور پورے نظام کی اساس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر استوار ہوتی ہے۔ اسلام نے ہمیں زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں راہنمائی فراہم کی ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات، تجارت ہو یا سیاست، عدالت ہو یا قیادت، طب ہو یا انجینئرنگ، اسلام نے ان تمام امور کے بارے میں مکمل تعلیمات فراہم کی ہیں۔ اسلام کی یہی عالمگیریت اور روشن تعلیمات ہیں کہ جن کے سبب اسلام دنیا میں اس تیزی سے پھیلا کہ دنیا کی دوسرا کوئی بھی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔

## نظم وضبط کا مفہوم

نظم وضبط دو الفاظ کا مجموعہ ہے ایک نظم اور دوسرا ضبط یہ دونوں لفظ عربی کے ہیں ان کا خاص مطلب ہے کہ کسی بھی چیز کا ایک لڑی میں باندھ دینا اس کا ایک اور مطلب یہ بھی ہوا کہ اپنے جو کام ہیں ان کو کسی قانون یا قاعدے کے باعث کرنا نظم وضبط سے انسان کی اچھی پہچان ہوتی ہے۔

نظم وضبط سے انسان کو زندگی گزرانا آسان ہو جاتا ہے اس کے برعکس جو لوگ نظم وضبط کا خیال نہیں کرتے ان کی زندگی کا کوئی قانون یا قاعدہ نہیں ہوتا اس کا دوسرا نام حسن وتربیت ہے ایسے لوگوں کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

انسان کی زندگی میں نظم وضبط ہر پابندی ہر شعبے میں ہوتی ہے جو لوگ نظم وضبط کو اپنی زندگی کا شعار بناتے ہیں ان کی زندگی آسانی سے گزرتی ہے اور وہ دوسرے لوگوں کے لیے ایک نمونہ ہوتے ہیں ہمیشہ وہ انسان کامیاب ہوتا ہے جو اپنی زندگی میں ہر کام کی منصوبہ بندی کرتا ہے نظم وضبط کے بغیر کوئی انسان کامیاب نہیں ہو سکتا کامیابی ان لوگوں کے قدم چومتی ہے کو نظم وضبط کا خیال رکھتے ہیں۔

## نظم وضبط کیا ہے؟

نظم یعنی ہر چیز کا اس کے صحیح مقام پر موجود ہونا۔ یہ وسیع وعریض کائنات، یہ پہنا اور زمین اور ہمارے سر پر

موجود یہ نیلگوں آسمان، ان سب پر نظم وضبط کا ایک قانون حاکم ہے اور اس نظم وضبط کو کائنات میں رونما ہونے والے تمام امور اور حقائق میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ انسان بھی اسی کائنات کا ایک جز ہے اور اس میں بھی نظم وضبط کا بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے بلکہ ہر انسان کی زندگی ایک طبیعی قانون کے تحت پروان چڑھ رہی ہے۔

خون کی گردش، دل کی دھڑکن، پھیپڑوں کی حرکت اور ان جیسے کئی امور اور حرکات کہ جو بدن انسانی میں انجام پا رہی ہیں، ایک خاص نظم کے تابع ہیں اور اسی طرح اگر انسان کے تمام افعال منظم ہوں تو اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی کائنات سے اسکے روابط ہم آہنگ اور منظم ہو جائیں گے۔ انسان کا اپنے تمام افعال میں منظم ہونا اسے اس بات کا موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ ہر چیز سے صحیح طور پر استفادہ کرے لیکن اگر انسانی جسم میں بے نظمی پیدا ہو جائے یا کوئی بیماری اسکا نظم بگاڑ دے (جبکہ بے نظمی بذات خود ایک بیماری ہے) تو ایسا انسان کئی چیزوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ بالکل یہی حال انسان کے کاموں کا ہے، زندگی شخصی ہو یا اجتماعی (اگر نظم نہ ہو تو اسے ہمیشہ محرومیت کا سامنا کرنا پڑے گا) نظم اہمیت رکھتا ہے، البتہ نظم وضبط کا میدان بہت وسیع ہے۔ اس نظم میں انسان کی شخصی زندگی سے لے کر اس کے کام کرنے کی جگہ اور اس کی نجی زندگی میں اس کے کمرہ تک کہ آیا اس کا ذاتی کمرہ منظم ہے یا نا منظم، اسی طرح اس کے شخصی امور جہاں یہ کام کرتا اور تعلیم حاصل کرتا ہے، ان چیزوں کے علاوہ اس کے اجتماعی اور سماجی ماحول ومعاشرے کا نظم وضبط اور اجتماعی نظام کی بنیادیں تک اس قانون نظم میں شامل ہیں یعنی "خاص منظم ڈھانچہ" کہ جو فلسفی نظریے کا تابع ہے۔

وہ نظم وضبط جو انسان کی شخصی و نجی یا اجتماعی زندگی میں مطلوب ہے، اسے تقویٰ الٰہی کے زیر سایہ قرار دینا چاہئے اور ہمیشہ اسے تقویٰ کے ساتھ ہم آہنگ اور قدم با قدم ہونا چاہئے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جس میں ہماری زندگی کے تمام مراحل شامل ہیں، شخصی زندگی ہو یا اہل خانہ کے ساتھ میل ملاپ علم کا میدان ہو یا کسب معاش کی دنیا، اسی طرح وہ تمام امور جو ہم معاشرے میں انجام دے رہے ہیں، نظم وضبط اور صحیح منصوبہ بندی کا خیال کرتے ہوئے ہمیں تمام میدانوں میں قدم رکھنا چاہیے خصوصاً اجتماعی اور معاشرتی خدمت انجام دینے والا انسان چاہے کسی بھی عہدے پر ہو، اسے انفرادی نظم وضبط کے ساتھ ساتھ معاشرے میں اجتماعی نظم وضبط کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

**نظم وضبط کی اہمیت**

کسی بھی شخص کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی زندگی میں نظم وضبط پیدا کیا جائے۔ نظم وضبط پیدا کرنے کے لئے ایسی تربیت بھی اہم ہے جو اسے نظم وضبط سکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ کائنات کے ذرے ذرے میں نظم وضبط ہے۔ آسمان کے ستاروں سے پانی کی مخلوقات تک سب کے سب منظم ہیں۔ اس سے نظم وضبط کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ زندگی میں انسان کو بہت سی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اگر انسان منصوبہ بندی سے روز مرّہ کے تمام کام انجام دے تو اس کی پریشانیاں کافی حد تک کم ہو جاتی ہیں۔ جب کوئی شخص

خود منظم زندگی نہ گزار رہا ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک اچھی زندگی بسر کر سکے۔ ایسے افراد جو اپنی زندگی میں منظم نہیں ہوتے ہیں، ان کے متعلق معاشرے کی رائے اچھی نہیں ہوتی ہے۔

طلباء میں نظم و ضبط پیدا کرنے کا ایک طریقہ ان کی کڑی نگرانی ہے۔ اسکول کے اوقات میں ان کی کڑی نگرانی کر کے ان کو بہت سے باضابطگیوں سے بچایا جا سکتا ہے۔ سکول اوقات کی پابندی اس سلسلے میں بہت اہم کڑی ہے۔ دوسرا طریقہ گھریلو سطح پر بچوں کی اچھی دیکھ بھال ہے جو کہ اساتذہ کے بجائے والدین کی ذمہ داری ہے۔ بچہ جب گھر پر ہو تو اس کے کھانے پینے اور سونے جاگنے کے اوقات متعین کر دے جائیں۔ اچھے نظم و ضبط والے دوستوں کی صحبت بھی انسان کی زندگی میں منظم کرتی ہے۔ بعض اوقات طلباء نظم و ضبط سے فرار چاہتے ہیں، ایسے میں ان پر سختی بھی برتی جا سکتی ہے۔ جو لوگ مستقل مزاج اور آزاد نہیں ہوتے ہیں، دوسرے ان کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ لوگ ان سے دور جانا شروع کر دیتے ہیں اور ان سے زندگی میں کسی قسم کا تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے۔ نظم و ضبط اہداف تک پہنچنے کے لئے ایک بہترین وسیلہ ہے اپنے اہداف تک پہنچنے کے لئے آپ منظم پروگرام تشکیل دے کر اپنی زندگی کے لمحات کو خوشگوار اور پر ثمر بنا سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کسی قوم و ملت کی سلامتی بنا نظم و ضبط کے ممکن ہو سکے۔ کوشش اور مصمم ارادے سے ایک صحیح اور منظم پروگرام تشکیل دے کر اس پر عمل کریں، صحیح منشور پر عمل انسان کو منظم، متحد اور انجام دیئے جانے والی چیز کا معتقد بناتا ہے کوشش کریں کہ زندگی کا ہر کام آپ کے منظم پروگرام کے مطابق ہو تا کہ اپنی زندگی کے لمحات سے بہتر طور پر استفادہ کر سکیں اور زندگی میں سرخرو ہوں۔ یہ وہ راستہ ہے کہ تاریخ کے عظیم ترین افراد نے جس کی پیروری کی اور اس کے پابند رہے آپ بھی ان کے راستے کو منتخب کریں اور کسی بھی لمحے خدا پسند، منظم اور صحیح آئین کی تشکیل اور اس پر عمل پیرا ہونے میں غفلت نہ کریں۔

## نظم کے فوائد

قوانین کی رعایت، بھائی چارگی، مرُوّت، ثروت اندوزی سے اجتناب، دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ نہ ڈالنا اور انکا احترام، وقت کی اہمیت کا خیال رکھنا، چاہے، اپنا ہو یا دوسروں کا، ٹریفک کے قوانین کی پابندی، مالی، تجارتی اور ان جیسے دوسرے مسائل میں قوانین کی پیروی، سب کے سب نظم و ضبط میں شامل ہیں اور اسی طرح منظم ہونے کے مصادیق میں سے ایک اہم مصداق، معاشرے میں انجام پانے والے ہمارے کام، افکار، عقائد اور نعروں میں ہم آہنگی کا تعلق نظم و ضبط سے ہی ہے۔ سب سے خطرناک بے نظمی یہ ہے کہ کسی معاشرہ کی فکری اور اعتقادی بنیادیں اور وہ چیزیں کہ جن پر ایک معاشرہ ایمان اور عقیدہ رکھتا ہے، کچھ اور ہوں جبکہ معاشرے میں انجام دیئے جانے والے کاموں کا ان افکار، عقائد اور ایمان سے کوئی تعلق نہ ہو، یہ ایک طرح کے دوغلے پن اور نفاق کو وجود میں لانے کا باعث بنتا ہے جو بذات خود بہت خطرناک بات ہے۔

اسلام کا نعرہ لگانا اور بار بار اس کی تکرار کرنا جبکہ عمل میں اسلامی قوانین کا خیال نہ رکھنا، انسانی حقوق کو اپنے منشور کا

بنیادی اور اساسی رکن قرار دینا جبکہ عمل میں حقوق بشر کی دھجیاں اڑانا (خصوصاً انسانی حقوق کے دفاع کے نام پر انکی پائمالی آج کے دور میں ایک بین الاقوامی بلا بن چکی ہے)، آزادی کے نعرے لگانا جبکہ عملاً دوسروں کی آزادی کو ملحوظ خاطر نہ رکھنا، قانون اور قانون کے مطیع و فرمانبردار ہونے جیسے مقدس ناموں سے اپنی شان بڑھانا اور عملاً خود کو قانون سے مافوق شمار کرنا، یہ سب بڑی برائی انہیں اور واضح و آشکار مصداق ہیں بے نظمی کے۔ وہ عہدیدار حضرات کہ جو اصول و قوانین وضع کرنا یا ان کا نفاذ چاہتے ہیں انھیں چاہیے کہ وہ سب سے زیادہ ان قوانین کے پابند ہوں اور عوام کو بھی ان قوانین اور اجتماعی نظم وضبط کا خیال رکھنا چاہیے۔

## عوام الناس میں نظم وضبط پیدا کرنے کے طریقے

### منصفانہ قوانین کا اجراء

کسی بھی ریاست میں عمومی نظام کو نظم وضبط کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ جاری رکھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ریاست میں رائج تمام قوانین منصفانہ اور عادلانہ ہوں، ان میں زیادتی، جبر اور ظلم کا عنصر شامل نہ ہو، کیونکہ اگر یہ قوانین انصاف کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے مدون اور جاری کئے جائیں گے تو ایک تو انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکیں گے اور یہ عوام الناس میں بے چینی پھیلنے کا سبب بنے گا، دوسرے عوام کا اعتماد بھی اداروں پر قائم نہیں رہ سکے گا اور نتیجتاً وہ قانون سے فرار کی راہیں تلاش کرنے لگیں گے۔ یہ چیز عدمِ استحکام کا سبب بنے گی اور آگے چل کر بد نظمی وانتشار میں بدل جائے گی۔ ایسی صورت میں منظم قوم کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

نبی کریم ﷺ نے جتنے بھی احکامات صادر فرمائے، چاہے ان کا تعلق انسانی زندگی کے کسی بھی پہلو سے ہو وہ سب کے سب منصفانہ تھے۔ ان قوانین میں قرآنی قوانین بھی شامل ہیں اس لئے کہ کتاب اللہ کا پیغام لانے والے اور اسے دنیا تک پہنچانے والے آپ ﷺ ہی تھے۔ ذیل میں ہم چند قوانین بطور مثال ذکر کرتے ہیں۔

### غلام کو غلام کہہ کر نہ پکارا جائے

اللہ کے رسول نے غلاموں کو "غلام" کہہ کر پکارنے سے بھی منع کیا ہے۔ اس میں حقارت کا جو پہلو مضمر ہے وہ واضح ہے۔ آپ نے غلاموں کے لیے بڑے ہی خوب صورت القاب وضع کیے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی:

"تم میں سے کوئی "میرا غلام" یا میری "باندی" نہ کہے اور نہ غلام "میرا رب" کہے۔ مالک کو "میرے بچے"، "میری بچی" کہنا چاہیے اور غلام کو چاہیے کہ "میرا سردار" یا "سردارنی" کہے۔ کیوں کہ تم سب مملوک ہو اور رب تو سب کا اللہ تعالیٰ ہے۔"(7)

غلامی انسان کی فطرت میں داخل نہیں، یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ اسلام نے اس کی وجہ سے غلاموں کو دل برداشتہ ہونے سے روکا ہے اور ان کے لیے حوصلہ افزا الفاظ استعمال کیے ہیں۔

### غلاموں کی غلطیوں کو معاف کر دینا بڑے ہی اجر کا کام ہے

جس طرح ایک عام آدمی سے کوئی غلطی ہو سکتی ہے، اسی طرح غلاموں سے غلطیوں کا صادر ہونا کوئی مستبعد نہیں۔ مگر یہ منصفانہ بات نہیں کہ عام آدمیوں کی غلطیوں کو نظر انداز کر دیا جائے اور غلاموں سے کوئی غلطی سرزد ہو تو تازیانے لگائیں جائیں۔ نبی اکرم کی تعلیمات میں یہ وصف بھی نظر آتا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اگر غلام سے بھی کوئی غلطی ہو جائے تو اسے سزا دینے کے بجائے معاف کر دیا جائے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور کی خدمت میں آیا اور دریافت کیا کہ ہم غلاموں کو کتنی بار معاف کر دیا کریں۔ آپ اس کی بات سن کر خاموش رہے۔ اس نے پھر کہا کتنی مرتبہ اسے معاف کریں، آپ اب بھی خاموش رہے۔ جب اس نے تیسری بار یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

"ہر روز ستر مرتبہ اسے اس کی غلطی پر معاف کر دیا کرو۔"(8)

### گھریلو قوانین

اسلامی قوانین بالخصوص گھرانے کے سلسلے میں موجود قوانین پر توجہ کی جائے تو واضح ہو گا کہ اخلاقی اصولوں پر قوانین سے زیادہ تاکید کی گئی ہے جو قوانین سے کہیں بڑھ کر گھرانوں کو تحفظ فراہم کر سکتے ہیں۔

میاں بیوی کے تعلقات کو منظم کرنے میں اخلاق قوانین سے زیادہ موثر واقع ہوتے ہیں ازدواجی زندگی میں محبت جذبات اور وفاداری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے قرآن کریم نے شادی کا مقصد میاں بیوی کے لئے سکون و چین قرار دیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (9)

قانون کے زور پر نہ مرد کو اور نہ ہی عورت کو حسن معاشرت پر مجبور کیا جا سکتا ہے اس طرح نہ بیوی کو شوہر کی اطاعت پر مجبور کیا سکتا ہے اور نہ شوہر کو وفاداری پر، گھر کا ماحول محبت و جذبات سے سرشار ہونا چاہیے۔

قرآن کریم نے گھریلو اختلافات کے حل کے لئے قانون پیش کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا(10)

اگر میاں بیوی کے درمیان اختلاف کا خدشہ ہو تو ایک حکم شوہر کی طرف سے اور ایک حکم بیوی کی طرف سے معین کرو تاکہ ان کے اختلاف کا جائزہ لے سکیں اگر میان بیوی اور دو حکم اصلاح کا قصد رکھتے ہوں تو خدا انہیں آپس میں ملا دے گا۔

### اہل و دیانت دار اہل کاروں کا تقرر

نظم و ضبط کے قیام کے لئے یہ امر بھی اہم ہے کہ حکومتی مناصب پر ان افراد کا تقرر کیا جائے جو اہل دیانت و امانت بھی ہوں اور اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے درکار مکمل اہلیت کے بھی حامل ہوں، نااہل اور بد دیانت افراد کا

تقرر استحکامِ حکومت کے لئے بھی مضر ہے اور عملِ نظم وضبط کے لئے بھی، کیونکہ در حقیقت نااہل افراد کا تقرر ہی نظم و ضبط کی خلاف ورزی ہے، اس لئے ایسے افراد سے یہ توقع رکھنا کہ وہ تنظیم و ترتیب اور دیانت داری سے کام کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں گے، بے فائدہ سی بات ہے۔ اس لئے دیانت دار افراد کا تقرر بھی ضروری ہے اور اہم مناصب پر فائز افراد میں اہلیت کا پایا جانا بھی اہم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پہلوؤں کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص کو اللہ ایک رعیت دے (اسے لوگوں کا حاکم یا ذمہ دار بنائے) پھر وہ مرے اور جس دن مرے اس دن اپنی رعایا پر خیانت کرتے ہوئے مرے تو اللہ اس کے لئے جنت کو ضرور حرام کر دے گا۔(11)

عہدے داروں کے تقرر کے بعد اگر ضرورت سمجھے تو حکمران یا ان کا نمائندہ ان کا امتحان بھی لے سکتا ہے تاکہ ان کی تقرری کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہو جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے لئے مامور کر کے روانہ فرمایا تو روانگی کے وقت ان کی تبحر علمی، شرعی امور سے واقفیت اور اسلامی تعلیمات سے آگہی کا امتحان لیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہو گئے تو اس پر تحسین فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔(12)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اگر کوئی شخص اپنے آپ کو خود کسی ذمہ داری کے لئے پیش کرتا ہے تو یہ اس کے نااہل ہونے کی علامت ہے، اسے قطعاً کوئی ذمہ داری نہیں سونپی جائے گی۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

إنا، والله! لا نولي على هذا العمل أحداً سأله، ولا أحدا حرص عليه (13)

ہم خدا کی قسم، کسی ایسے شخص کو عامل (ذمہ دار) مقرر نہیں کرتے جو اس کا سوال کرتا ہے نہ کسی ایسے شخص کا تقرر کرتے ہیں جو اس کا حریص ہو۔

ابو ذر رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ مجھے عامل نہیں مقرر کرتے؟ تو آپ نے فرمایا!

يا ابا ذرانك ضعيف، وانها امانة، وانها يوم القيامة خزي وندامة، الا من اخذها بحقها وادي الذي عليه فيها (14)

اے ابو ذر! تم کمزور ہو، اور یہ عہدے امانت ہیں، اور یہ عہدے روز قیامت رسوائی اور ندامت کا باعث ہوں گے، سوائے اس کے جس نے یہ عہدے حق طریقے پر حاصل کئے اور اس سلسلے میں اپنے آپ پر عائد ہونے والے حقوق ادا کئے۔

اس روایت سے کئی ایک باتیں واضح ہوتی ہیں ا۔ عہدے امانت ہیں، ۲۔ کمزور لوگوں کا تقرر مناسب نہیں، ۳۔ اس امانت کی عدم ادائیگی روزِ قیامت رسوائی وندامت کا سبب ہو گی۔ اور ایک روایت میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدے طلب کرنے والے کو خائن قرار دیا ہے، خائن بھی وہ جس سے بڑھ کر کوئی خائن نہیں، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

ان اخونكم عندنا من طلبه (15)

بلاشبہ ہمارے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ خائن وہ ہے جو ذمہ داری خود طلب کرتا ہے۔

**خود احتسابی**

خلیفۂ اول امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارِ خلافت سنبھالتے ہی جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اس میں یہ قیمتی الفاظ بھی شامل تھے۔

يا ايها الناس! انما انا متبع، ولست بمبتدع، فان انا احسنت فاعينوني، وان انا زُغت فقوموني.(16)

اے لوگو! میں دین میں نئے طریقے وضع کرنے والا نہیں ہوں، میں تو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور سنت کی) اتباع کرنے والا ہوں، سو اگر تم دیکھو کہ میں خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہوں تو مجھ سے تعاون کرو اور اگر دیکھو کہ میں راہِ حق سے بھٹک رہا ہوں تو مجھے سیدھا کرو۔

اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

ايها الناس! اني قدوليت عليكم ولست بخيركم، فان رأيتموني علي حق فاعينوني، وان رأيتموني علي باطل فسددوني، اطيعوني ما اطعت الله فيكم، فاذا عصيته فلا طاعة لي عليكم (17)

اے لوگو! مجھے تمہارا والی مقرر کیا گیا ہے، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، سو اگر تم مجھے حق پر دیکھو تو میری اعانت کرو اور اگر باطل پر دیکھو تو مجھے درست کرو، میری اطاعت اس وقت تک کرو جب تک میں تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں اس کی نافرمانی کرنے لگوں تو تم پر میری اطاعت ضروری نہیں ہے۔

غور کیا جائے تو یہ چند مختصر مختصر جملے آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور ہر صاحبِ اختیار کے لئے مثالی اسوۂ اور نمونہ ہیں اور اگر انہیں ہمہ وقت سامنے رکھا جائے تو قدم ڈگمگانے کا سوال ہی باقی نہ رہے۔ یہ صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا انداز نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی مسئلے پر مشورہ لیتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا!

ولست اريد ان تتبعوا هذا الذي اهوٰى – (18)

میرا یہ ارادہ نہیں ہے کہ جو میں چاہتا ہوں اسے تم (بے چون وچرا) تسلیم کرلو۔

## غلطی پر پہلے تنبیہ کا اسلوب

انسان خطا کا پتلا ہے اور اس سے غلطیوں کا سرزد ہونا ایک لازمی اور فطری امر ہے۔ غلطیوں کی اصلاح دعوت و تبلیغ کا ایک لازمی حصہ ہے۔ غلطی کا اصلاح کا بہترین اسلوب یہ ہے کہ صرف غلطی کی نشان دہی نہ کی جائے بلکہ ان احکامات کو بھی بتایا جائے جن کی خلاف ورزی ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ صحیح مسائل بتانا، سمجھانا اور سکھانا بھی لازمی ہے۔ غلطیوں کی اصلاح کے لئے کسی ایک طریقے کو مخصوص کرلینا بھی دعوت میں حکمت کے اصول کے خلاف ہے بلکہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ غلطی کی نوعیت اور مدعو کے حالات کے پیش نظر رکھ کر موقع کی مناسبت سے تنبیہہ کے مختلف اسالیب اختیار کئے جائیں، یہی زیادہ مفید ہے۔ اس کے لئے کبھی صرف زبان سے کہہ دینا ہی کافی ہوتا ہے اور کبھی سخت زجر و توبیخ کی ضرورت ہوتی ہے، کبھی صرف اعراض سے کام چل جاتا ہے اور کہیں غلطی کرنے والے کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اس بات کا از حد خیال رکھنا ضروری ہے کہ عام داعی کے لئے یہ اسلوب اختیار کرنا تبھی فائدہ مند ہو سکتا ہے جب اس کو معاشرے میں ایسا مقام حاصل ہو کہ مخاطب کی طرف سے کسی قسم کے منفی رد عمل کی توقع نہ ہو (19)۔ اس کی ایک واضح مثال حضرت کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا واقعہ ہے جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تحقیق کرلی تو اور خود انہوں نے بھی اعتراف کرلیا کہ ان کے پاس جہاد سے پیچھے رہ جانے کا کوئی عذر نہیں تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو پوری شدت کے ساتھ ان کا بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا۔ اس مقاطعے کا ان صحابہ رضی اللہ عنہم پر جو زبردست اثر ہوا وہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے واضح ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ ہو گئی تھی۔" بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی توبہ قبول کرلی۔(20)

## مجرم پر ترس کھانے کی ممانعت

قرآنِ کریم نے جرم ثابت ہونے کے بعد مجرم کو سزا دیتے وقت اس پر ترس کھانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس لئے کہ جہاں یہ عدل کے خلاف ہے وہاں یہ اجتماعی نظم وضبط کے خلاف بھی ہے، اس طرح کرنے سے انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو پاتے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔ (21)

زانی عورت اور زانی مرد، ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تمہیں ان پر ہرگز ترس نہیں آنا چاہئے۔

معاشرے میں سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ شریف بھی اور شریر بھی۔ بعض مجرموں کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ سزا دینے سے زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے اور بعض مجرم عفو و درگزر سے اور زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں اس

لئے ایسے مجرموں کے لئے سزا ہی ضروری ہے۔ البتہ نجی معاملات میں، معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہونے سے پہلے مدعی مجرم کو معاف کرنے کا اختیار رکھتا ہے لیکن معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہو جانے کے بعد مدعی کا یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

عبد اللہ بن صفوان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مسجد میں اپنی چادر پر سر رکھ کر سوئے ہوئے تھے کہ کسی نے ان کی چادر چرالی۔ پھر وہ چور کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے (اعترف جرم کے بعد) ملزم کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو صفوان نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی چادر اس کو صدقہ کر دی۔ آپ نے فرمایا تم نے میرے پاس آنے سے پہلے ایسا کیوں نہیں کیا۔(22)

عبد اللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آپس میں اپنی حدوں کو معاف کرو۔ پھر جب وہ میرے پاس پہنچ جائے گی تو (اس حد کا جاری ہونا) واجب ہو جائے گا۔(23)

معلوم ہوا کہ نظم و ضبط کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا بھی نظم و ضبط کے قیام کا ایک اہم طریقہ ہے۔

## مثبت نظم وضبط استعمال کرنا

مثبت نظم و ضبط کا مطلب ہے کہ اپنے بچے میں معاشرتی رویہ اور مثبت ذاتی تخیل کو بڑھاوا دینے کے لیے تخلیقی اور غیر نقصان دہ طریقوں کا استعمال کیا جائے۔ اس میں آپ کے بچے کے احساسات کی جانکاری، اس کی نشو و نما کی سطح کو سمجھنا، اس کے پسندیدہ رویوں کو پہچاننا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا اور اس کے لیے حساس حدود مقرر کرنا اور اس کے ذریعہ ان کی تعمیل کرنا شامل ہے۔ اس سے آپ کو اپنے بچے سے پر سکون طریقے سے نپٹنے میں مدد ملتی ہے اور آپ کے بچے کو ایک معاون اور خوش رہنے والے بچے کی حیثیت سے نشو و نما پانے میں مدد ملتی ہے۔

## خود کو منظم بنائیں

یہ ایک آفاقی سچائی ہے کہ جو شخص خود سچا ہو اور پھر وہ دوسروں کو سچ بولنے کی تلقین کرے تو لوگوں پر اس کی بات کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جب کہ ایک ایسا شخص جو خود تو سچ نہ بولتا ہو لیکن دوسروں کو سچ بولنے کی تلقین کرتا ہو، اس کی بات کا اثر پہلے (سچ بولنے والے فرد کی بنسبت) لوگوں پر کم ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے کے افراد انسان کے کردار کو بھی دیکھتے ہیں اور مضبوط کردار کے حامل افراد کی بات زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عوام الناس میں نظم و ضبط کی بات کرنے والے افراد یا نظم و ضبط قائم کرنے کے ذمے دار اداروں کے افراد پہلے خود کو نظم و ضبط کا پابند بنائیں اور پھر لوگوں کے سامنے ایک رول ماڈل (مثالی نمونے) کے طور پر آئیں تو یقیناً اس سے بہت زیادہ مثبت اثرات دیکھنے کو بھی مل سکتے ہیں اور خاطر خواہ نتائج بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

اس سلسلے میں سیرت نبویہ سے سب سے بڑی رہنمائی خود نبی کریم ﷺ کے کردار سے حاصل ہوتی ہے کہ

مکہ کے لوگ باوجود مخالف ہونے کے آپ ﷺ کی صداقت و امانت کے دعوے دار تھے اور اپنی امانتیں تک آپ ﷺ کے پاس رکھوایا کرتے تھے۔

**ظالم کی مدد**

ظالم کی مدد ایسا عنوان ہے، جس پر ہر کوئی چونک اٹھے گا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ مضمون ایک حدیث میں وارد ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"انصر اخاك، ظالماً او مظلوماً"اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، اس پر صحابہ کرام کو بھی سوال پوچھنے کی ضرورت پیش آئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھایا رسول االله! هذا ننصره مظلوماً، فكيف ننصره ظالماً؟ یہ مظلوم کی مدد تو ہم کرتے آئے ہیں، مگر ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:تمنعه من الظلم اس کو ظلم کرنے سے روک دو۔(24)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب و مفہوم یہی نہیں کہ کسی کام میں مدد کے خواہشمند کے ساتھ شریک ہو جاؤ اور اس کا ہاتھ بٹاؤ بلکہ اصل مفہوم یہ ہے کہ مذکورہ شخص کے ساتھ اس کام کے کرنے میں تعاون کرو جو ہر اعتبار سے مفید ہو اور اس کام کے کرنے سے منع کرو، جو کسی بھی طور پر مضر اور نقصان دہ ہو، خصوصاً جس کا خود اسے بھی نقصان پہنچ سکتا ہو گویا کہ اس اعتبار سے مظلوم تو ہماری مدد اور تعاون کا مستحق ہے ہی، ظالم بھی ہماری اعانت اور نصرت کا حقدار ہے جو کہ بادی النظر میں بڑی عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے حالانکہ یہ بات بہت سادہ اور بہت منطقی ہے کیونکہ جس طرح مظلوم کو اپنی مظلومیت، بے سروسامانی اور کمزوری کے سبب دوسرے افراد کی مدد کی ضرورت ہے، اسی طرح ظالم بھی دوسروں کی مدد اور توجہ چاہتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ مظلوم دوسروں کو مدد کے لئے پکارتا ہے، انہیں بلانے کا شعور رکھتا ہے، لیکن ظالم کو اس امر سے آگہی نہیں ہوتی کہ وہ بھی کمزور ہے اور کسی طاقت ور کی مدد کا مستحق ہے، اسے بھی کسی سے مدد لینی چاہئے، اس اعتبار سے اگر غور کیا جائے تو ظالم ہماری مدد و نصرت اور توجہ کا مظلوم سے زیادہ مستحق ہے۔ پھر یہ سوال بھی حدیث مبارکہ میں حل فرما دیا گیا کہ مدد کی نوعیت کیا ہو گی؟ ظالم کی مدد کی یہی صورت ہے کہ اس کا ظلم ختم کر دیا جائے، اس کا بڑھا ہوا اور ظلم کرتا ہوا ہاتھ روک دیا جائے اور ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں جن میں وہ ظلم و تعدی نہ کر سکے، ظلم کی خواہ کتنی ہی قسمیں بیان کی جائیں، وہ اپنی ہر قسم کے اعتبار سے قبیح ہے اور اس بارے میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا لیکن ظلم جب اجتماعی شکل میں ہوتا ہے تو اس کے اثرات زیادہ دور رس زیادہ دیرپا اور زیادہ وسیع ہوتے ہیں، اس لئے اس کی قباحت و شناعت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے انفرادی حیثیت میں فرد واحد کی سطح پر ہونے والے ظلم بھی ظلم ہے، اسے روکنا بھی ہمارا فرض ہے مگر اجتماعی صورت اختیار کرنے والا ظلم ہماری زیادہ توجہ چاہتا ہے۔

عربی زبان میں لغوی طور پر ظلم کا معنی ہے: وضع الشيء في غير محله (کسی بھی چیز کو اس کی

اصل جگہ کے علاوہ دوسری جگہ رکھنا ظلم ہے)(25)

اسی تناظر میں جب معاشرے کے امن وسکون اور ترقی کی بات ہوتی ہے تو نظم وضبط کا اہم ترین کردار سامنے آتا ہے۔ ایسی صورت حال میں ہر وہ فرد جو نظم وضبط کو پس پشت ڈالتا ہے وہ در اصل ایک قسم کے ظلم کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ وہ اپنی معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی ذمے داری جو کہ نظم وضبط کی پابندی کی صورت میں اس پر عائد اور لازم ہوتی ہے اس پر عمل نہیں کرتا اور اسے پورے طور پر انجام نہیں دیتا تو گویا وہ نظم وضبط کو اس کی اصل جگہ سے محروم کر رہا ہوتا ہے جو ظلم کے مترادف ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جو شخص نظم وضبط کے حوالے سے ظلم کا ارتکاب کرے اس کی مدد کی جائے اور وہ اس طرح کہ اس کا یہ ظلم ختم کر دیا جائے، اس کا بڑھا ہوا اور ظلم کرتا ہوا ہاتھ روک دیا جائے اور ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں جن میں وہ ظلم وتعدی نہ کر سکے۔ اور نظم وضبط کے ساتھ کھلواڑ نہ کر سکے۔

## ریاستی فیصلوں کی پابندی

حضرت صخر رضی اللہ عنہ ایک عرب سردار ہیں، جب غزوۂ طائف ہوا تو اہل طائف کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں انہی کی کاوشوں کا دخل تھا، ان کا یہ کارنامہ عہد نبوی کے اہم کارناموں میں سے ایک ہے، اس اعتبار سے وہ خصوصی اعزاز کے مستحق تھے۔ لیکن ایک مرتبہ حضرت مغیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی کہ ان کی پھوپھی حضرت صخر کے قبضے میں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت سن کر فیصلہ فرمایا کہ انہیں نہ صرف چھوڑ دیں بلکہ انہیں ان کے گھر پہنچا کر آئیں، اس واقعے کے بعد بنو سلیم حضرت صخر کے بارے میں ایک اور شکایت لے کر آگئے، شکایت یہ تھی کہ جس زمانے میں وہ ایمان نہ لائے تھے حضرت صخر رضی اللہ عنہ نے ان کے پانی کے چشمے پر قبضہ کر لیا تھا اور اب چونکہ وہ اسلام لے آئے ہیں اس لئے ان کا چشمہ انہیں لوٹا دیا جائے، یہ شکایت معقول تھی اور مبنی بر حقیقت بھی، اس لئے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سلیم کے حق میں فیصلہ فرمایا دیا اور حضرت صخر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کر لیتی ہے تو وہ اپنے مال اور جان کی مالک ہو جاتی ہے، اس لئے ان کا چشمہ انہیں واپس کر دیا جائے۔

یہاں ہمارا مقصد اس جملے سے ہے، جو یہ قصہ بیان کرنے کے بعد راوی نے بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں فیصلے اگرچہ حضرت صخر رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوئے مگر انہوں نے بغیر کسی تذبذب کے دونوں کو قبول کر لیا، مگر جب انہوں نے دونوں فیصلے قبول کر لئے تو شرم کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا، راوی کے الفاظ یہ ہیں:

وجه رسول الله صلي الله عليه وسلم يتغير عند ذلك حمرة حياء(26)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر شرم کی وجہ سے سرخی آگئی۔

کیونکہ حضرت صخر رضی اللہ عنہ اپنی سابقہ خدمات کی وجہ سے خصوصی رعایت اور امتیازی سلوک کے مستحق تھے، نہ کہ مقدمات میں مسلسل انکے خلاف فیصلہ کیا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنا پر شرم محسوس کی کہ وہ اسلامی حکومت کے لئے اس قدر اہم خدمت انجام دینے کے باوجود کسی اعزاز سے نوازے نہ جاسکے، الٹا انہیں اپنے خلاف دو فیصلوں کو قبول کرنا پڑا۔

یہ واقعہ ہمارے لئے ایک اہم درس کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں عدل وانصاف اور نظم وضبط کی پابندی کا وہ بلند معیار پیش کیا گیا ہے، جس کی مثال آج کی ہماری دنیا میں نظر آنا عملاً ناممکن ہو گیا ہے۔ آج ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ماننے کا دعویٰ رکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اٹھتے بیٹھتے اپنانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی باتیں بھی کرتے ہیں، لیکن جب عمل کا مرحلہ آتا ہے تو ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی بجائے ایک دوسرے سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس واقعے میں حضرت صخر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہے، انہوں نے اپنی سابقہ امتیازی حیثیت کو اپنے لئے کمزوری نہیں بنایا بلکہ شریعت کے فیصلے کو دل وجان سے تسلیم کرلیا، اگرچہ اس میں انہیں وقتی طور پر پسپائی اختیار کرنی پڑی کہ دونوں فیصلے واضح طور پر ان کے خلاف جارہے تھے، لیکن ان کو یہ فیصلہ قبول کرنے میں کسی تذبذب کا شکار نہیں ہونا پڑا، یہ ان کے کامل ایمان کی واضح نشانی تھی، انہوں نے یہ فیصلے قبول کرکے اسلامی ریاست کو آزمائش سے بھی بچالیا جس سے وہ ان کے فیصلے قبول نہ کرنے کی صورت میں دوچار ہوسکتی تھی۔

درحقیقت نظم وضبط پر عمل کرنے کا یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے، یعنی اپنے خلاف ہونے والے عدل کو بخوشی برداشت وقبول کرنا، ورنہ مزاجاً اور طبعاً ہم صرف اس چیز کو نظم وضبط تصور کرتے ہیں جس کے نتیجے میں مکمل طور پر ہمیں فوائد حاصل ہوں اور جس نظم وضبط میں ہم پر تھوڑی سی زد بھی پڑتی ہو وہ ہمارے لئے نہ صرف قابل قبول نہیں ہوتا بلکہ وہ ہماری نظر میں نظم وضبط کی تعریف پر بھی پورا نہیں اترتا۔

## عہد وپیمان میں نظم وضبط

وہ امور کہ جہاں سختی کے ساتھ نظم وضبط کی رعایت کرنا چاہئے عہد وپیمان اور اقرار ناموں کی پابندی ہے مثلاً قرض دینے' قرض لینے اور دوسرے لین دین میں تحریری سند کا ہونا ضروری ہے تاکہ بعد میں کسی قسم کی کوئی مشکل پیدا نہ ہونے پائے اور ایسا کرنے سے مشکلات کا راستہ بند اور اختلاف کی راہیں مسدود ہوجائیں۔ یہ عہد وپیمان اور لین دین کے بارے میں ایک طرح کا نظم وضبط ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

اے ایمان لانے والو جب تم ایک مقررہ مدت کے لئے قرضہ لیتے یا دیتے ہو تو اسے لکھ لیا کرو اور یہ تحریر ایک عادل شخص تمہارے لئے لکھے اور اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو اسے گروی کی صورت لے لیا کرو(27)۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

اَوْفُوْا بِالْعَہْدِ اِنَّ الْعَہْدَ کَانَ مَسْؤُوْلًا(28)

عہد کو پورا کرو' کیونکہ عہد کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے وعدہ کی پابندی کو قیامت کے اوپر عقیدہ رکھنے سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

مَن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليف إذا وَعَد(29)

جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہئے۔

## معاشرتی نظم وضبط اور تعلیمات اسلامیہ

کسی ریاست میں شہریوں کی جان ومال کا تحفظ، امن وامان کی بحالی، عدل وانصاف کی فراہمی اور بنیادی حقوق کی پاسداری وغیرہ معاشرتی نظم وضبط کے زمرے میں آتے ہیں۔ ریاست میں جس قدر ان عوامل کی صورتِ حال بہتر یا ابتر ہوتی ہے اتنا ہی معاشرتی نظم وضبط معیاری یا غیر معیاری تصور کیا جاتا ہے۔ یعنی کسی ریاست کی کارکردگی کا انحصار اس کے قائم کردہ نظم وضبط پر ہوتا ہے کیونکہ معاشرتی نظم کے ذریعے ہی وہ عدل وانصاف فراہم کرتی ہے۔ شہریوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرتی ہے۔ بہتر منصوبہ کرتی ہے، افراد کو تعلیم وصحت کی بہتر سہولتیں فراہم کرتی ہے۔ معاشی ترقی کا انتظام کرتی ہے۔ نیز اچھے معاشرتی نظم وضبط کی موجودگی میں آزادی، مساوات، رواداری جیسی جمہوری روایات فروغ پاتی ہیں۔ بدعنوانی اور جرائم میں کمی آتی ہے۔ بہتر نظم وضبط کی بنیاد پر تشدد ودہشت گردی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ تمام افراد کو ترقی کے یکساں مواقع مہیا کئے جاسکتے ہیں۔ افراد کا معیار زندگی بلند کیا جاسکتا ہے انہیں تمام بنیادی حقوق مہیا کئے جاسکتے ہیں۔ جبکہ معقول معاشرتی نظم وضبط کے مفقود ہونے پر افراد کی جان ومال غیر محفوظ رہتی ہے۔ ان کا آرام وسکون تباہ ہو جاتا ہے۔ وہ دلجمعی سے اپنی سرگرمیاں اور ذمہ داریاں ادا نہیں کرسکتے۔ ملک کا امن وامان برباد ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ معاشرے میں انتشار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں معاشرتی نظم وضبط کے فقدان کی بدولت اس وقت جس قسم کی کیفیت موجود ہے وہ بہت تکلیف دہ امر ہے اس معاشرتی انتشار کی تاریخ پرانی ہے۔

ہماری گزشتہ حکومتیں معاشرتی نظم وضبط اور امن وامان قائم کرنے والے اداروں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرتی رہی ہیں جس کی وجہ سے ان اداروں کی کارکردگی متاثر ہونا شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہ ادارے اپنی اصل ذمہ داری سے دور ہوتے گئے۔ ان کے اندر بدعنوانی اور لاپرواہی کا عنصر ترویج پاتا گیا۔ بالآخر انکی ناقص کارکردگی کی

وجہ سے امن و امان کی صورتحال ابتر ہوتی گئی۔ سماج دشمن عناصر کی غیر قانونی سرگرمیاں بڑھتی گئیں۔ لاقانونیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ موجودہ دور میں معاشرتی انتشار روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

پاکستان میں بین الصوبائی اور صوبوں کے اندر علاقائی اختلاف اور تعصبات موجود ہیں۔ پاکستانی معاشرہ مختلف نسلوں اور گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔ افراد کے معیارِ زندگی میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ عدم شرکت کے احساس نے لوگوں کو قومی معاملات سے لاتعلق بنا رکھا ہے۔ یہاں ایک مستقل مراعات یافتہ طبقہ موجود ہے جبکہ دیگر طبقات کے لوگ اپنے آپ کو محروم تصور کرتے ہیں۔ ذات برادری کا سسٹم بدستور قائم ہے۔ جو معاشرے کے اندر انتشار میں مزید اضافہ کر رہا ہے۔ علاقائی اور سیاسی جماعتیں معاشرے میں قربت کی بجائے تفریق پیدا کر رہی ہیں۔

چند مفاد پرست عناصر اسلام کے نام پر فرقہ واریت کو فروغ دے رہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے کئی ادارے مخصوص مفادات کے حصول کی خاطر ایسا منفی کردار ادا کر رہے ہیں جو علاقائی اور گروہی سوچ کو ابھارتا ہے، بے حیائی اور لاقانونیت کو پھیلاتا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں دن بدن لاقانونیت اور بدعنوانی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ریاست کے بعض حصوں میں ملکی قانون پر عملدرآمد اور غیر قانونی سرگرمیوں کی روک تھام دشوار ہوتی جا رہی ہے۔ قتل و غارت، چوری، ڈاکے، اغواء اور سمگلنگ جیسے معاشرتی جرائم کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ملک میں دہشت گردی کا مسئلہ بڑی گھمبیر صورت اختیار کر گیا ہے۔ ملک دشمن عناصر عوام میں بے چینی اور خوف پیدا کرنے کے لئے مختلف کاروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ وہ خودکش حملے کرتے ہیں، بم دھماکے کرواتے ہیں۔ ریلوے لائنوں، پلوں اور قومی املاک کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس تمام انتشاری نوعیت کے اقدامات کو روکنے اور معاشرتی نظم و ضبط قائم کرنے میں انتظامیہ اور متعلقہ ایجنسیاں بے بس نظر آتی ہیں۔ حالانکہ پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست قرار دیا جاتا ہے اور اسلامی فلاحی ریاست کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ انصاف اور معاشرتی نظم کے قیام کا معقول بندوبست کرے۔

اِسلام نے خلق سے تعلق، جماعت سے وابستگی اور عزیز و اقارب سے میل جول کی تلقین کی۔ اس پر پہنچنے والی ایذاء پر صبر کو عبادت اور رضائے الٰہی کا سبب قرار دیا۔ ذیل میں معاشرت نظم و ضبط کے قوانین پر مشتمل کچھ احادیث بطور مثال ذکر کی جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

ان المسلم اذا كان يخالط الناس ويصبر علي اذاهم خير من المسلم الذي لا يخالط الناس ولايصبر علي اذاهم- (30)

وہ مسلمان جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے نہیں ملتا اور ان کی ایذا پر صبر نہیں کرتا۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ الاصْحَابِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ، وَخَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ (31)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی کے نزدیک اچھے دوست وہ ہیں جو اپنے دوستوں کے لئے اچھے ہیں اور اچھے پڑوسی وہ ہیں جو اپنے پڑوسیوں کے لئے اچھے ہیں۔

ایک اور حدیث میں غریب اور بیوہ کی مدد کو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

الساعي علي الارملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وكالذي يصوم النهار ويقوم الليل- (32)

بیوہ اور غریب کے لیے کوشش کرنے والے کا مرتبہ اللہ کے نزدیک جہاد کرنے والے کے برابر ہے اور اس کے برابر ہے جو دن بھر روزہ اور رات بھر نفل نماز پڑھتا ہو۔

ایک دوسری روایت میں دو مسلمانوں کے درمیان بغض وعداوت کے اسباب کو دور کرنے کی کوشش کو بھی نماز اور روزے کے مثل قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

الا اخبركم بافض من درجه الصيام والصلوٰة والصدقة قالوا قال اصلاح ذات البين (33)

"کیا میں تم کو نفل روزہ، نماز اور صدقے سے بھی بڑھ کر درجے کی چیز نہ بتاؤں، صحابہؓ نے عرض کیا: ضرور بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ آپس کے تعلقات کا درست کرنا ہے۔"

یہ وہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو انسانی معاشرہ کو ظلم کی جکڑ بندیوں سے نکالنے والے ہیں، انسانی افکار کو تعصب وجانبداری کی گرفت سے رہا کرنے والے ہیں اور ان کے محدود تعلقات کو بین الاقوامی وسعت دینے والے ہیں، جیسا کہ سنن ابوداود کی یہ روایت ناطق حق ہے، ارشاد نبوی ہے:

اَلاَ مَنْ ظَلَمَ مُعَاهدًا اَوِ انْتَقَصَه اَوْ كلَّفَه فَوْقَ طَاقَتِه اَوْ اَخَذَ مِنْه شَيئًا بِغَيرِ طِيبِ نَفْسٍ فَاَنَا حَجِيجُه يوْمَ الْقِيامَة- (34)

خبردار! جس شخص نے کسی صاحب معاہدہ غیر مسلم اقلیتی فرد پر ظلم کیا یا اس کا حق چھین لیا یا اسے اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری دی یا اس کی خوشدلی کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لی تو میں قیامت کے دن اس زیادتی کرنے والے کے خلاف مقدمہ پیش کروں گا۔

حبیب کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کیسا پیارا نظم وضبط عطا فرمایا ہے جس میں غیر مسلم شخص پر بھی ظلم روا نہیں رکھا گیا، سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمدردی وغمگساری کی تعلیم دی، لوگوں کے دکھ درد میں ساتھ دینے کا درس دیا، جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں حدیث مبارک ہے:

عَنْ اَبِي هرَيرَة قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّه- صَلَّي اللّٰه عَلَيه وَسَلَّم- مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤمِنٍ كرْبَة مِنْ كرَبِ الدُّنْيا نَفَّسَ اللَّه عَنْه كرْبَة مِنْ كرَبِ يوْمِ الْقِيامَة وَمَنْ يسَّرَ عَلَي مُعْسِرٍ

يسَّرَ اللَّه عَلَيه فِي الدُّنْيا وَالآخِرَة وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَه اللَّه فِي الدُّنْيا وَالآخِرَة وَاللَّه فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ اَخِيه- (35)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مومن سے دنیا کی مصیبتوں میں سے کسی ادنی مصیبت کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالی اس شخص سے قیامت کی بڑی مصیبت کو دور فرمادیگا، اور جو شخص کسی تنگدست کے لئے سہولت فراہم کرے گا تو اللہ تعالی اس کے لئے دنیا و آخرت میں آسانی پیدا فرمادیگا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے اللہ تعالی دنیا و آخرت میں اس کی ستر پوشی فرماتا ہے، اور اللہ تعالی بندہ کی خصوصی مدد فرماتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

**حرف آخر**

اسلامی تعلیمات کے زیرِ اثر تشکیل پانے والی ریاست کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں انسان کی اجتماعی و انفرادی ضرورتوں پر برابر توجہ دی جاتی ہے اور اس فلاحی حکومت کے فوائد و ثمرات سے تمام افراد ہر طرح کی تفریق سے قطع نظر مساوی طور پر متمتع اور بہر مند ہوتے ہیں، اسی لئے نبی اکرم رحمتِ عالم ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی و راہنمائی ملتی ہے اور اس تناسب کے ساتھ کہ نہ کسی کو زیادہ توجہ کا مرتکز قرار دیا جاسکتا ہے، نہ کسی فریق کی بابت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے حقوق و مفادات کی پوری رعایت نہیں رکھی گئی، پھر ہر فریق کے حقوق کے ساتھ ساتھ اس کے فرائض بھی اسی تناسب سے بیان کئے گئے ہیں کہ یہ ریاست کے استحکام، عوام کے حقوق اور ان میں نظم وضبط برقرار رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

نظم و ضبط ہی اہداف تک پہنچنے کے لئے ایک بہترین وسیلہ ہے اپنے اہداف تک پہنچنے کے لئے آپ منظم پروگرام تشکیل دے کر اپنی زندگی کے لمحات کو خوشگوار اور پُر ثمر بناسکتے ہیں۔ کوشش اور مصمم ارادے سے ایک صحیح اور منظم پروگرام تشکیل دے کر اس پر عمل کریں۔ معاشرے کے ہر فرد کو کوشش کرنی چاہئے کہ زندگی کا ہر کام منظم پروگرام کے مطابق ہو تاکہ اپنی زندگی کے لمحات سے بہتر طور پر استفادہ کرسکیں اور زندگی میں سرخرو ہوں۔ یہ وہ راستہ ہے کہ تاریخ کے عظیم ترین افراد نے جس کی پیروی کی اور اس کے پابند رہے۔ جس حد تک ممکن ہو، ہمیں بھی کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اپنی زندگی میں نظم وضبط کا وہ معیار پیدا کریں جو نہ صرف انفرادی طور پر ہمارے لئے مفید ہو بلکہ اجتماعی طور پر بھی ہم اس سے خود فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ دوسروں خصوصاً ملک و ملت اور اس کے افراد کو فائدہ پہنچاسکیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سیرت طیبہ کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

## حواشی و حوالہ جات


۱۔ نثار احمد، ڈاکٹر۔ عہد نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقا۔ لاہور، نشریات، ۲۰۰۸ء، ص ۸۹

۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ۔، تحریک آزادی ہند اور مسلمان، اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟
(http://www.sadaemuslim.com/2013/01/blog-post_5758.html)
3۔ (/http://www.nawaiwaqt.com.pk/mazamine/29-Aug-2012)
مضمون کا عنوان ہے: پاکستان-ایک-مسلم-ریاست-ہے،-اسلامی-نہیں"
4۔ p. 215،Islam in modren History،W.C. Smith
۵۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔ محاضراتِ شریعت۔ لاہور، الفیصل: ص287
۶۔ لویس معلوف، المنجد۔ مطبعہ کاثولیکیہ، بیروت، طبع عاشر ۱۹۴۷۔ ص ۹۰۵
7۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی م ۲۷۵۔ السنن۔ کتاب الادب، باب لایقال المملوک ربی وربتی، دارالفکر بیروت، ۱۹۹۴ء
8۔ سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی حق المملوک
9۔ الروم:21
10۔ سورہ نساء:34
11۔ بخاری۔ الصحیح۔ کتاب الاحکام، باب من استرعیٰ رعیۃ فلم ینصح ☆احمد بن محمد بن حنبل، ابوعبداللہ الشیبانی، م ۲۴۱۔ المسند۔ بیروت، داراحیاء التراث العربی، طبع ثانیہ ۹۳ء۔ ج۵، ص ۶۶۰، رقم: ۱۹۷۸۰
12۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر۔ تاریخ الرسل والملوک۔ مصر، دارالمعارف، ۱۹۶۰ء۔ ج ۲، ص ۱۰۴، ☆ابن اثیر، عزالدین ابوالحسن علی۔ الکامل فی التاریخ۔ بیروت، دار صادر، ۱۹۶۵ء۔ ج ۱، ص ۴۳۹
13۔ مسلم ابوالحسین بن حجاج القشیری م ۲۶۱ھ۔ الصحیح۔ دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اولیٰ، ۱۹۹۸ء۔ ج ۳، ص ۲۲۳، رقم: ۱۷۳۳
14۔ مسلم۔ الصحیح۔ ج ۳، ص ۲۲۴، رقم: ۱۸۲۵
15۔ ابو داؤد۔ السنن۔ ج ۳، ص ۶۱، رقم: ۲۹۳۰
16۔ ابوعبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴)۔ کتاب الاموال۔ مصر، مکتبہ التجاریہ الکبریٰ، ص ۵
17۔ احمد زکی صفوت۔ جمہرۃ خطب العرب۔ بیروت، مکتبہ علمیہ، ص ۱۸۰، ☆تھوڑے فرق سے یہ روایت ابن ہشام نے بھی دی ہے، ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک۔ السیرۃ النبویہ۔ بیروت، دارالمعرفہ، ۱۹۷۸ء۔ ج ۴، ص ۲۶۲
18۔ ابویوسف۔ کتاب الخراج۔ ص ۱۴،
19۔ ورک، محمد اکرم، پروفیسر۔ صحابہ کرام کا سلوب دعوت و تبلیغ۔ لاہور، مکتبہ جمال کرم، ۲۰۰۴ء۔ ص ۲۷۶ تا

20۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب ابن مالک، رقم الحدیث:۴۴۱۸۔ ص، ۳۶۲

21۔ النور:۲

22۔ ابن ماجہ۔ السنن۔ بیروت۔ ج۳۔ ص۱۵۷، رقم:۲۵۹۵

23۔ ابو داود۔ السنن۔ ج۴، ص۱۲۲، رقم:۴۳۷۶

24۔ مسند احمد ۴/۵۸ رقم ۱۲۶۶۶

25۔ يعرّف الظّلم لغةً: الجور ومجاوزة الحدّ، يقال: ظَلَمه، يظْلِمُه ظَلْمًا، وظُلْمًا، ومَظْلمةً، فالظَّلْمُ مَصْدرٌ حقيقى، والظُّلم الاسم، وهو ظالم وظَلوم. وأصل الظلم، وضع الشّىء فى غير موضعه. القاموس المحيط، 1134، أمّا اصطلاحاً فهو وضع الشّىء فى غير موضعه المُختصّ به؛ إمَّا بنقصانٍ أو بزيادة؛ وإمّا بعدول عن وقته أو مكانه. وقيل: هو عبارة عن التعدِّى على الحقّ إلى الباطل، وهو الجور. وقيل: هو التصرُّف فى مِلك الغير، ومجاوزة الحدّ. (1)معنى الظلم لغةً واصطلاحًا، الدّرر السّنية،dorar.net)

26۔ ابو داود، کتاب الخراج

27۔ سورہ بقرہ آیت:۲۸۲۔۲۸۳

28۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت:۳۴

29۔ الوسائل ج/8ص515

30۔ ترمذی، ابواب ضقہ القیام باب فضل المخالطۃ مع الصبر علی اذی الناس، رقم:۲۵۰۷

31۔ ترمذی، وصححہ الألبانی رحمہ اللہ-فی السلسلۃ الصحیحۃ: 103

32۔ بخاری، کتاب الادب، باب الساعی علی الارملۃ۔ حدیث نمبر 6007۔

33۔ ابو داؤد، کتاب الادب، باب اصلاح ذات البین

34۔ ابو داود، کتاب الخراج، باب فی تعشیر أہل الذمۃ إذا اختلفوا بالتجارات۔ حدیث نمبر 3054

35۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، حدیث نمبر 7028

# [[023]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

حافظہ مس ذکیہ نذیر
اسسٹنٹ پروفیسر کیمسٹری، گورنمنٹ گرلز ڈگری
کالج کیچی بیگ سریاب ملز کوئٹہ (بلوچستان)

الحمد لله رب العالمين والصلٰوة والسلام علي سيد الاولين والآخرين خاتم الانبياء والمرسلين محمد وآله واصحابحه امابعد

بسم الله الرحمن الرحيم

**ریاست کا مفہوم:**

ریاست یا مملکت کے لئے انگریزی زبان میں اسٹیٹ (State) کا لفظ مستعمل ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ یونانی زبان کے لفظ (Status) سے ماخوذ ہے۔ اس سے پہلے "اسٹیٹ" کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے دوسرے الفاظ کا سہارا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ یونان کے یہاں بالعموم پولس (Polis) کا لفظ مستعمل رہا ہے۔ جس کے لفظی معنی شہر (City) کے ہیں۔ یہ اس امر کی علامت ہے کہ ان کا تصور ریاست "شہر" پر مبنی اور انتہائی محدود تھا۔

قدیم وجدید ڈکشنریوں میں ریاست کی کئی تعریفیں مذکور ہیں۔ لیکن ریاست کی جامع تعریف آج تک نہ کی جاسکی ہے اور نہ کسی مفکر کی تعریف کو حتمی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ قدیم وجدید مفکرین سیاسیات نے بے شمار تعریفیں کی ہیں اور ان تعریفات میں ایک بھی تعریف متفق علیہ نہیں بلکہ جس طرح علم سیاسیات کے دیگر موضوعات اختلافی نوعیت کے حامل ہیں۔ اس طرح ریاست کی تعریف میں بھی اختلاف رہا ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ہر سیاسی مفکر نے ریاست کی تعریف کا دائرہ اپنے علم، ذاتی خیالات، ماحول اور اپنی سمجھ اور بصیرت کے مطابق طے کیا ہے۔ اور اپنے ذوق کے موافق ریاست کی تعریف اور حیثیت متعین کی ہے۔ ان میں ارسطو، بودین، ہالینڈ، برجیس اسمین، ہیکل وغیرہ کی ریاست کی تعریف دیکھنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ بہر حال اختلافات اور تعریفات کی کثرت سے قطع نظر ریاست کے چار عناصر ترکیبی ایسے ہیں۔ جن پر علماء اور دانشور زیادہ تر متفق نظر آتے ہیں کہ ایک ریاست کی تشکیل وترتیب کے لئے بہر صورت لازمی امر ہے۔ یعنی آبادی، رقبہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ۔

**1) اسلامی ریاست:**

اسلامی ریاست ایسی ریاست کو کہا جائے کہ جس کے افراد اپنے علاقہ میں اسلامی قانون کے نفاذ کا فیصلہ کر

لیں۔ اوراقتدار اعلیٰ صرف اور صرف اللہ ہی کے لئے تسلیم کرلیں۔ اسلامی ریاست میں قانون کی بنیاد قرآن وسنت پر ہو گی اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکے گا کہ جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔

کسی ریاست کے نظام عدل میں عدلِ اجتماعی کے اہداف اور اُس کے مقاصد کیا ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد بیان کرتے ہیں۔

"ایک مکمل نظامِ زندگی کی حیثیت سے اسلام کی اعلیٰ ترین قدر، اس کا آخری ہدف اور اصل مقصود و مطلوب عدلِ اجتماعی، یعنی سماجی انصاف یا سوشل جسٹس ہے۔ جس کے تین نمایاں ترین مظاہر ہیں۔ 1۔ سماجی اور قانونی سطح پر کامل مساوات 2۔ سیاسی سطح پر حریت اور 3۔ معاشی سطح پر عدل وانصاف چنانچہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ جس میں نہ صرف معاشرتی میدان میں اونچ نیچ اور ادنیٰ واعلیٰ کا امتیاز ہو۔ نہ سیاسی میدان میں جبر و استعداد کا راج اور آقا، حاکم، محکوم اور مستکبرین اور مستضعین کی تقسیم ہو، نہ اقتصادی میدان میں انسان ظلم اور استحصال کے باعث Haves اور Have Not یعنی مترفین و محرومین میں منقسم ہوں۔ "[1]

مختلف اہل علم کی فکر کی بنیاد پر یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ ریاست کا بنیادی مفہوم اور تعریف ان چار چیزوں کا نام ہے۔ کہ جب یہ چار عناصر تشکیل پا جائیں۔ تو اُس کو ریاست کہا جائے گا۔ کیونکہ جب آبادی ہو گی تو رقبہ بنے گا اور جب رقبہ بنے گا تو اُس پر حکومت بنے گی اور جب حکومت بنے گی تو اقتدار اعلیٰ بنے گا۔ جو ریاست کی شکل اختیار کر جائے گی۔ اور یہ چار عناصر ترکیبی ایک دوسرے کا لازم و ملزوم ہیں اور اس کے ساتھ ان اہداف کی بھی تکمیل کی ضرورت ہے۔ جس کی ذمہ داری نظام کے چلانے والے ریاستی حاکم کی ہوتی ہے۔ گویا کہ مجموعی طور پر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اجتماعی اعتبار سے ایک منظم معاشرے کا نام ہی ریاست ہے۔ یہ اُس وقت وجود پذیر ہوتا ہے۔ جب ایک طرف افراد پر اقتدار قائم کرنے اور دوسری طرف افراد کی جانب سے اطاعت کرنے کا دوگانہ رابطہ عمل میں آجائے اور اطاعت امر واقع ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ ریاست وجود میں آگئی۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی ریاست میں آباد مختلف اقوام کے افراد میں سے ایسے صاحبِ بصیرت، صاحبِ عقل و شعور یا صاحبِ فراست، متقی پرہیز گار و نیک صفت افراد ریاستی امور چلانے کے لئے ایسے مخلص شخص کا انتخاب کرتی ہے۔ جسے حاکم وقت کہا جاتا ہے اور انتخاب کرنے والے ایسے افراد کے مجموعہ کو شوریٰ کہتے ہیں۔ جبکہ عصری تقاضوں میں ایوان زیریں کہا جاتا ہے۔

**الف) تشکیل نظام کے لئے شوریٰ کا قیام:۔**

ریاست عامہ کا قیام ودوام شوریٰ پر موقوف ہے۔ شوریٰ کا بننا اور اس کا باقی رہنا اور ریاست کی قوت واقتدار اعلیٰ کا ترقی کرنا، اُمت کی رائے عامہ اور اہل فکر و دانش کے مشورے زیر غور لانا اور افراد جماعت کے اجتہادی مشورے رائے تجاویز پر بحث و مباحثہ کرنا یہ سب امور شوریٰ کی ذمہ داری ہے اور شوریٰ پر موقوف ہے۔ شوریٰ ہر ریاست کے

لئے ضروری ہے اور حاکم ریاست کے عہدے کے لئے ایک ضروری اور اہم وصف ہے۔ جو کبھی جدا کرنے سے بھی جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ شوریٰ حکومت کی جان ہے اور بلکہ شوریٰ ہی دراصل حکومت ہوتی ہے۔

امام راغب اس کی تصریح کرتے ہیں:

"شوریٰ کا مفہوم آراء کا حاصل کرنا ہے۔ اس کے لئے پہلے دو سمتیں متعین کی جاتی ہیں۔ ایک سمت رائے لینے والے ہوتے ہیں اور دوسری طرف رائے دینے والے اپنی ذمہ داریوں کے دائرے میں اہم معاملات سے دوچار ہیں اور سلامتی و کامیابی کے لئے ایک فیصلہ پر پہنچ جاتے ہیں بس اسی کا نام شوریٰ ہے"2

یہ بات واضح رہے کہ اسلام سے قبل عرب کے بادشاہوں نے با اثر سرداروں کی زیر نگرانی ریاست کے معاملات کو چلانے کے لئے ایک جامع مشاورتی افراد پر مبنی ایک مجلس قائم کی تھی۔ جسے شیوخ مجلس کا نام دیا جاتا تھا۔ آج کے زمانہ میں "پارلیمنٹ" بھی مجلس شوریٰ کی عکاسی کرتی ہے۔ یعنی وہ چیز ہے جس کی بناء پر شوریٰ کی حقیقت پوری طرح سامنے آجاتی ہے اور یہ سمجھنے کا موقع ملتا ہے کہ پارلیمنٹ کا وجود کوئی ایسی منفرد شے کا نام نہیں ہے۔ شوریٰ کی قانونی حیثیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا قانونی حکم پر عمل کرنا ہے جو کبھی ریاست کے نظام کو کمزور نہیں ہونے دیتا۔

اس کی قانونی حیثیت کا اندازہ لگانے کے لئے یہ حقیقت کافی ہے کہ شوریٰ کا حکم سردار دوجہاں محمد مصطفی ﷺ کے لئے اور دنیا کی اس عظیم الشان عالمگیر قوم کے لئے ہے۔ جس کو عرش اعظم سے بہترین امت کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اور رحمت العالمین کو یہ کہہ دیا ہے کہ

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (سورۃ شوریٰ: آیت نمبر38) 3

ترجمہ: حکومت کے معاملات میں شوریٰ پر عمل کیجئے۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (سورۃ شوریٰ: آیت نمبر39) 4

ترجمہ: اُن کے (حکومت) کے کام شوریٰ سے انجام پاتے ہیں۔

الغرض مجلس شوریٰ یعنی "مشاورت ادارہ" ایک زبردست حکمت عملی کا نام بھی ہے اور شوریٰ کے ذریعے کبھی بھی حکومت وقت اعلیٰ رہنمائی سے محروم نہیں ہوتی ہے۔ یہی شوریٰ کے منتخب ارکان اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ریاست کے نظام کو چلانے کے لئے ایک ایسے فرد کا انتخاب کرتی ہے۔ جو ریاست میں رہنے والے تمام اقوام کے لئے نہ صرف قابل قبول ہو بلکہ نظام کو چلانے کے لئے پوری طرح استعداد بھی رکھتا ہو اور اس میں عدل کا مزاج بھی پایا جاتا ہو۔

**ب) حاکم وقت:۔**

شوریٰ کے اراکین کے انتخاب کے بعد ایسے افراد کا انتخاب عمل میں لایا جاتا ہے جسے حاکم کہتے ہیں۔ اور حاکم ایک ایسی اصطلاح ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی ہے۔ حاکم دراصل ریاست میں رہنے والے لوگوں کے لئے

رہنما کی حیثیت رکھتا ہے اور سابقہ ادوار میں حاکم وقت کے مختلف نام ہوتے تھے۔ جن کا انتخاب شوریٰ و مجلس وقت یا مجلس حکومت کے فیصلوں کے مطابق خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین، امام اعظم، اولوالامر، زعیم الامہ، رئیس عام، والی عام، جبکہ دورِ شہنشائیت میں حاکم کا انتخاب شوریٰ کے بجائے وراثتی عمل یعنی خاندانی حسب و نسب کی بنیاد پر طے کیا جاتا تھا۔ جس میں سلاطین اور تاجداروں کے لئے جو الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔ وہ اعلیٰ حضرت، جلالۃ الملک، سلطان المعظم جیسے خطابات ہوتے تھے۔ مختصراً یہ کہ "اولی الامر" (حاکم) یہ اُس شخص کا خطاب ہے جو اجراء احکام کا منصب رکھتا ہے۔ یعنی وہ ذمہ داریاں جو حکومت پر فائز رہتی ہیں۔ "ابن منظور افریقی کہتے ہیں"۔ اولاامر وہی ذمہ دار ہستی ہو سکتی ہے۔ جو ظالم کو ظلم سے روکتا ہے۔

اسی طرح مسلم ریاست کے حاکم کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان انتہائی اہم ہے۔ جو ریاست کے استحکام اور انتشار سے بچنے کے لئے آپؐ نے ارشاد فرمایا: مسلم حکمران کی اطاعت کرو خواہ وہ نک کٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ صحیح بخاری 5

**ج) حاکم وقت کی اہم ذمہ داریاں:**

ریاست کے حاکم کی ذمہ داریوں میں یوں تو بے شمار امور ہیں۔ جن میں دفاعی، اقدامی معاملات، خارجی اور داخلی امور امن عامہ اور معاشی استحکام اور دیگر امور بھی شامل ہیں۔ لیکن یہاں پر ریاست کی ذمہ داریوں میں معاشرے میں رہنے والے افراد کا بنیادی مسئلہ ایک امن عامہ ہے اور دوسری عدل و انصاف کی فراہمی اور تیسری اہم ترین معاشی عدل کا استحکام ہے۔

**امن عامہ کا قیام:**

ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں امن و امان کے نظم کا قیام اور سیاسی نظام کے چلانے کے لئے بھی اس کی انتہائی اہمیت ہے اور مذہب بھی عالمگیر امن کا منشور پیش کرتی ہے۔ جب ریاست کے اندر کوئی طاقت یا بیرونی طاقت اس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ تو تمام ریاستی ادارے اس کے خلاف میدان عمل میں آجاتے ہیں اور اس کو باقی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے اور ریاست کے امن و امان اور قیام امن کے لئے ذمہ دار کا تقرر ریاست کے سربراہ کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ بدامنی کو دور کرنے کے لئے نرمی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو پوری کرتا ہے۔

مکہ میں قیام امن کے بعد عتاب بن اسیدؓ کو اس منصب کے لئے مقرر کیا گیا۔ اسی طرح قرآن حکیم میں بیت اللہ کے متعلق ارشاد ہے:

وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًاO "اور جو داخل ہوا (مکہ) میں وہ امن میں آگیا"

پہلا ایوان ہے انسانیت عامہ کے لئے۔ اسکے حلقہ میں جو بھی انسان داخل ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے امن ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے اس شہر کے امن کے لئے جو دعا مانگی تھی۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ O

ترجمہ: اس شہر کو امن کا دارالخلافہ بنادے اور اس کے وابستگان کو ثمرات اور بہار آفرین زندگی عطا فرما۔ (سورۃ البقرۃ: آیت نمبر126) 6

عہد رسالت کے امن وامان کی صورت حال کی ایک مفکر نے یوں تصویر کھینچی ہے۔

"آنحضرت ﷺ نے نئے مذہب کے ساتھ ایک نیا نظام حکمرانی بھی پیش کر دیا جو بالکل جدید اور خاص صورت رکھتا تھا۔ متعدد چھوٹے بڑے اور مختلف اقسام کے قبیلوں کو جو رات دن بدامنی میں مبتلا رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے پیغام نے ایک قوم بنادیا۔ جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو تمام عرب پر خدا کا امن چھایا ہوا تھا۔" 7

**د) معاشی عدل ومساوات:**

قدیم زمانہ سے مال و دولت کی محبت اور مال و دولت کو جمع کرنے کا سلسلہ انسان کا فطری عنصر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے انسان کی اس حیثیت اور کیفیت کو بیان کیا ہے۔

اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌO (سورۃ100 آیت نمبر:8) 8

ترجمہ: انسان مال کی محبت پر بہت پکا ہے۔

اور یہ کہ صرف انسان ہی نہیں بلکہ معاشرے کا ہر فرد سرمایہ داری اور مال و دولت کی محبت کا رجحان رکھتا ہے۔ جیسے کہ ایک دوسرے مقام پر بھی اللہ تعالیٰ انسان کی مال و دولت سے محبت کو یوں ذکر کرتے ہیں:

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (سورۃ 89 آیت نمبر:20) 9

ترجمہ: اور تم مال سے جی بھر کے محبت کرتے ہو۔

جب کہ دوسری طرف سرمایہ داری کی فطرت انسان کو اپنے سرمایہ پر قانع نہیں رہنے دیتی بلکہ یہ چاہتی کہ مال بڑھتا ہی چلا جائے اور مال کی یہ بڑھوتری انسان کو اپنی ذمہ داریوں سے غافل کر دیتی ہے اور حقوق کی ادائیگی اس کے لئے وبال جان بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جتنے بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر آئے۔ انہوں نے انسانوں کی معاشی ضروتوں کی تکمیل میں حصہ لیا اور اس ضرورت کو اپنا فرض منصبی قرار دیا اور اسلام نے بھی انسان کو حکم دیا ہے کہ دنیا کے سرمایہ میں اپنے حصہ اور حق کو فراموش نہیں کرنا۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا O(سورۃ نمبر28 آیت نمبر:77) 10

ترجمہ: اور دنیا میں سے اپنے حصے کے سرمایہ کو نہ بھولیئے۔

پیغمبر اسلام ﷺ بھی اپنے پیشروں کی طرف اس میدان میں سرگرم عمل رہے اور دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ و معاشی احکام نافذ کئے۔ جن کا منشاء ایک پسندیدہ اور مساوات پر مبنی معاشی نظام کا قیام تھا۔

**ن) بیت المال:**

ہر ریاست میں حاکم ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ریاست میں رہنے والے افراد کو معاشی حقوق اور ان کے درمیان مساوات اور برابری کو قائم کرے تاکہ ریاست کی حدود میں رہنے والے تمام افراد کو دنیا میں رہنے کے لئے درکار ہر چیز میں ہر ایک کو برابر کا حصہ عطا ہو۔ جس میں بنیادی چیز سوسائٹی کے ہر رکن کے لئے گھر رہنے کے لئے، کپڑا جسم ڈھانپنے کے لئے، روٹی پیٹ بھرنے کے لئے اور پانی استعمال کے لئے چاہیے وہ آسمان سے برسے یا نہروں اور کنوؤں کے ذریعے ملے، فراہم کرنا ضروری ہے اور یہ سب کچھ ریاست بیت المال کے ذریعے عمل میں لاتا ہے۔ اگرچہ شروع اسلام میں بھی بیت المال یا خزانہ کا کوئی وجود نہ تھا اور نہ باقاعدہ اس کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے کہ جب کبھی مال غنیمت آتا تو اس وقت آپس میں تقسیم کر دیا جاتا۔ صدقات اور زکوٰۃ کی آمدنی وصول ہوتی تو وہ مستحق افراد میں بانٹ دی جاتی اور کچھ ہنگامی صورتوں کے لئے محفوظ کر دی جاتی۔ لیکن بعد میں جوں جوں مسلمانوں کو فتوحات ملتی رہی اور ریاست کی تشکیل وسیع تر ہوئی تو حضرت عمرؓ کے دور میں باقاعدہ بیت المال تشکیل دیا گیا اور یہی وجہ ہے کہ آپؓ کے بقول "مملکت کا خزانہ (بیت المال)" خاص طور پر ان شہریوں کا ذمہ دار ہے۔ جن کے ہاتھ خالی ہیں کیونکہ یہ سرکاری مال غریبوں کے لئے ہے۔ لیکن سوال یہ ہے بیت المال یہ سب کچھ کہاں سے پورا کرے گا؟ یہ تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ریاست میں رہنے والے سرمایہ دار افراد سے سالانہ زکوٰۃ، صدقات خمس، خراج، غیر مسلم سے جزیہ، عشر، وقف املاک کی آمدنی وغیرہ وصول کریں اور ریاست کے وہ شہری جو بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔ اس کے ذریعے ان کی کفالت کرے اس لئے

الخلق عیال الله واحب الناس عندالله احسنهم رعیاله (مشکوۃ)11

ترجمہ: تمام انسان اللہ کا کنبہ ہے اور بہترین انسان وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لئے اچھا ہو۔

اس لئے کہ ہر انسان دوسرے انسان کے تعاون کے بغیر اپنے معاش کا سلسلہ برقرار اور جاری نہیں رکھ سکتا۔ حاکم ریاست تمام سرمایہ دار افراد کو تمام مدات میں بیت المال کو ادائیگی کا پابند بنائیں اور بیت المال میں جمع اشیاء ریاست کے محتاج افراد کی مدد اور ان کے ساتھ تعاون میں انصاف کے ساتھ صرف کرے۔ اسی لئے ریاست کے استحکام و بہتری اور افراد انسانی کی معاشی ترقی کے لئے بیت المال کا انتظام نہایت ہی ضروری اور اہمیت کا حامل ہے۔

**ل) عدل وانصاف کی فراہمی:**

عدل و انصاف کی فراہمی اور اس کا قیام ہر مہذب و متمدن انسانی معاشرہ کی اولین ضرورت اور متمدن ریاست کا سب سے اہم فریضہ ہے۔ عدل وانصاف کے بغیر نہ لوگوں کے درمیان حقوق و فرائض کا تعین ہو سکتا ہے اور نہ ظلم واستحصال کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ سیرت طیبہ کی مستند کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ بحیثیت سربراہ ریاست معاشرہ میں عدل و انصاف کے قیام کے ذمہ دار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عدالت ریاست نبوی ﷺ کا ایک

مستقل اوراہم ترین شعبہ تھا۔ نظام عدل و قضاء کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے ریاست و حکومت کے لئے عدل کے قیام کو ایک اہم فریضہ اور واجب العمل قانون قرار دیا ہے۔ کہ یہ ریاست اور حاکم ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں میں اطمینان کے لئے اور حق دار کو اس کا حق ملنے کے لئے عدل کے قیام کو جاری کیا جائے۔

**ی) منصف (قاضی) کا تقرر:**

نظام عدل میں منصف کی بڑی اہمیت ہے اور یہی وہ چیز ہے جو معاشرے کو اعتدال پر رکھنے اور افراد معاشرہ کو افراتفری سے بچانے میں نہایت ہی اہم کردار ادا کرتی ہے۔

**حدیث مبارکہ:**

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو منصب قضاء پر مامور کیا گیا اس کو گویا بغیر چھری ذبح کر دیا گیا۔ (سنن ابو داؤد) 12؎

نظام عدل کے دو ترازوں اور پلے ہمیشہ برابر ہونے چاہیے اور یہ ہر عدالت کے منصف کا فرض ہے کہ اس کا خصوصی لحاظ و خیال رکھے۔

**2) اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں اور عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں:**

اسلام مکمل نظام زندگی، نظام حکومت اور عالمی نظام عطا کرتا ہے اور مسلمانوں سے تقاضا کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ O (سورۃ النجم: آیت نمبر:23) 13؎

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی قدم بقدم پیروی نہ کرو۔

آدھا تیتر آدھا بٹیر نہیں کہ کچھ قوانین اسلام کے قبول کرو کچھ فرینچ یا برٹش یا سب لوگوں کے گھڑے ہوئے ظن و تخمین کی بنیاد پر تیار شدہ قوانین ہیں۔ اسی حقیقت پر قرآن کریم بار بار متنبہ کرتا ہے:

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ O (سورۃ النجم: آیت نمبر:28) 14؎

ترجمہ: وہ جس چیز کی پیروی کرتے ہیں وہ بجز گمان و خواہشات نفس کے اور کچھ نہیں۔

اسلامی ریاست کا مقصد ریاست کے تمام افراد کو احکام خداوندی کا پابند بنانا اور ان کی معاشی و معاشرتی بہبود کا خیال رکھنا ہے۔ اسلامی ریاست کے فرائض میں وہ تمام باتیں شامل ہیں جو جدید ریاست کے فرائض میں شامل ہیں۔ بلکہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست کی حیثیت سے اُن سے بڑھ کر بھی کچھ فرائض رکھتی ہے اور عوام الناس میں نظم و ضبط کے طریقے پیدا کرتی ہے۔ جنہیں مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

**1۔ شریعت اسلامی کا نفاذ:**

اسلامی ریاست امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقصد اعلیٰ کی داعی ہے۔ اس کا اولین کام شریعت کی

بالادستی ہے۔ اسلامی ریاست ایک آمرانہ نظام نہیں بلکہ شوریٰ نظام قائم کرتی ہے۔ یہ ریاست کلمہ طیبہ پر مبنی اسلامی قومیت اور امت واحدہ کی تشکیل کرتی ہے۔ یہ ایک فلاحی اور خادم خلق ریاست ہے۔ جو قیام انصاف اور بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت دیتی ہے۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے تعلیم کا فروغ، ریاست کی اولین ذمہ داری ہے۔ نبی کریم ﷺ کا اولین منصب معلم کا ہے۔ ان کے جانشین کی حیثیت سے اسلامی ریاست پوری آبادی کے لئے معلم اور مربی کا مقام رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ ایک ایسے آفاقی نظامِ تعلیم کی پیامبر ہے۔ جو ہر طرح کے جاہلی تعصبات سے پاک ہو اور پوری انسانیت کے لئے باعث رحمت ہو۔ معاشی اساسیات کے حوالے سے طلب حلال اور اجتناب حرام، اسلامی نظام تعلیم کی محوری قدر ہے۔ اسلام کسب معاش کے ذرائع سے حلال و حرام میں تمیز کرتا ہے۔ حلال وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور حرام بھی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔

اسلامی تناظر میں تعلیم کا مقصد اعلیٰ جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے وہ اس کی بندگی ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ O (سورۃ الذریات: آیت نمبر:52) 15؎

ترجمہ: میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔

اصل میں تعلیمی مقاصد کی تشکیل میں قران حکیم اور سنت نبوی ﷺ سے اخذ شدہ اقدار ہی سے بڑا سرچشمہ ہیں۔ اسی سرچشمہ کی روشنی میں تعلیم کا کام ایسے افراد تیار کرنا ہے۔ جو ہر دور میں دین اسلام کے مطابق زندگی کے مختلف انفرادی اور اجتماعی شعبوں میں دنیا کی رہنمائی کے قابل ہوں اور ان کے اندر آخرت کی جواب دہی کا احساس ہو۔ اس اساسی نظریہ علم کی روشنی میں اسلامی نظام تعلیم کے اہم مقاصد یہ ہیں:

الف: خالق کی ربوبیت اور بندے کی عبودیت کے عقیدے کی نشوونما کے ذریعے انسانی زندگی کے مجموعی اسلامی رویے کی تشکیل

ب: خلافت ارضی اور امامت عالم کے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی اہلیت پیدا کرنا

ج: امت واحدہ کی تشکیل اور اس حوالے سے اتحاد عالم اسلام کا جذبہ اجاگر کرنا۔

د: اسلامی نظریہ حیات کی ترویج و اشاعت اور اسلامی نظامِ حیات کے تمکن کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کرنا

ل: تنقیدی، تخلیقی، تحقیقی اور اجتہادی صلاحیتوں کی نشوونما کرنا

م: وحی الہیٰ یعنی قرآن و سنت کر برتر معتبر اور قطعی علم تسلیم کرتے ہوئے عصری علوم کی اسلامی تشکیل

ن: نظامِ تعلیم کی اسلامی تشکیل و تنقید کے لئے اساتذہ، طلبہ، تعلیمی تنظیمیں، تعلیمی منصوبہ سازوں اور

دیگر متعلقہ عملے کی نظریاتی، علمی اور فنی تربیت اور ان کے معاشرتی و معاشی رتبہ کو بلند کرنا۔

## 2۔ نصابِ تعلیم:

نصاب کو تعلیمی عمل و نظام میں وہی حیثیت حاصل ہے۔ جو نظام مملکت میں آئین و دستور کو حاصل ہے۔ اس کا واضح مقصود یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کے لئے لائحہ تعلیم فراہم کر دیا جائے۔ قرآن و سنت کو نصاب میں مرکزی حیثیت حاصل ہونی چاہیے اور پھر دیگر علوم کو نصاب میں شامل کرتے وقت یہ احتیاط کی جائے کہ ان کے لوازمے کو قرآن و سنت کے تابع رکھا جائے۔

☆ اسلامی نظریہ علم کے تناظر میں نصاب کی تشکیل کا بنیادی رہنما نکتہ یہ ہے کہ وہ ثبات و تغیر کے درمیان کامل توازن قائم کرے۔ یعنی ابدی اور قطعی معاشرتی اقدار کا بھی لحاظ رکھے اور انسانی معاشرہ کی بدلتی ہوئی جائز ضرورتوں کو بھی پورا کرے۔ یہ نظریہ علم نصابیات میں نہ علوم طبعی کے مسائل سے تعرض کرتا ہے اور نہ انسان کو تعقل، مشاہدہ اور تجربہ سے روکتا ہے۔ البتہ جو ضابطے، قوانین اور تجربات، دائمی اسلامی معیارات سے ٹکراتے ہوں انہیں رد کر دیتا ہے۔ یہ ابدی معیار ماضی، حال اور مستقبل سب زمانوں پر محیط ہے۔

☆ ملی اور قومی یک جہتی کے لئے ہر سطح کے تعلیمی اداروں میں یکساں مقاصد، یکساں نصاب، یکساں تعلیمی سہولیات، یکساں معیارات، یکساں طریق امتحان اور بحیثیت مجموعی غیر طبقاتی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے۔ اس طرح تعلیم میں طبقہ واریت اور کئی نظاموں کو ختم کر کے ایک ہی نظامِ تعلیم رائج کرنا۔ امت واحدہ کے مقصد کی تکمیل کا باعث ہو گا۔

☆ مسلم قوم کو جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کے لئے جسمانی صحت اور عسکری تربیت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ نصابات میں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ طلبہ و طالبات دونوں کے لئے اس تربیت کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ تربیت اخلاقی قیود اور تہذیبی حدود کے اندر ہی ہونی چاہیے۔

☆ اسلام اپنے تمدنی اور تہذیبی ورثے کے فروغ کے لئے حصول علم کو مردوں اور عورتوں پر فرض قرار دیتا ہے۔ لیکن صحت مند معاشرے کے قیام کے لئے مخلوط تعلیم کو جائز قرار نہیں دیتا۔ اسلام ایسی تعلیم کی قطعاً اجازت نہیں دیتا جو مسلم معاشرے کی خاندانی فضاء کو مکدر کرے۔ چنانچہ اسلام نے آفاقی قدروں کی تجدید اور ثقافتی روایات کے احیاء کے لئے حجاب اور ساتر لباس کو ضروری قرار دیا ہے اور تعلیمی اداروں میں ایسی حکمت عملی وضع کرنے کی تاکید کی ہے۔ کہ بالغ طالبات حصول علم کے لئے پردہ ترک کرنے پر مجبور نہ ہوں۔

☆ ہر سطح کے نصاب میں عربی زبان کو لازمی مضمون کی حیثیت دینا ضروری ہے۔ تاکہ طلبہ اسلام کی اصل روح کو پوری طرح سمجھ سکیں۔

☆ ابتدائی تعلیم کی سطح پر سارا زور تعلیم کے لئے جذبہ پیدا کرنا ہے۔ اسلام ایک خود کار نظام تعلیم تشکیل دیتا

ہے۔ جس کی نصابی سرگرمیاں صرف مساجد تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ گھر، خاندان، معاشرہ اور اس کے ہر ادارے تک وسیع تھیں۔ اسلامی نصاب میں بچے کی تعلیم کا آغاز قرآن حکیم کی تدریس سے ہوتا ہے۔ قرآن پاک سے قلبی تعلق قائم کرنے کے لئے سب سے پہلے اس کی ناظرہ تعلیم ضروری ہے۔ نیز رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ پر ابتداء سے ہی زور دیا جانا چاہیے۔

☆ اعلیٰ تعلیم کی سطح پر اسلامی تعلیمات کے لئے ایک عام نصاب ہو جو تمام طلبہ کو لازمی پڑھایا جائے خواہ وہ کسی شعبہ علم کی تعلیم حاصل کر رہے ہوں۔

☆ Learning کے مستند اصولوں کے پیش نظر، تعلیم کی تمام سطحوں پر نصاب میں عصر حاضر کے مسائل زیر بحث آنے چاہیے۔ تاکہ طلبہ ان مسائل و مباحث کو اسلامی تعلیمات کے مطابق حل کرنے کے قابل ہوں۔

☆ نصاب تعلیم اور درسی کتب کے ذریعے طلبہ کو تنقیدی شعور غالب ذہن سے آراستہ کیا جائے۔ تاکہ وہ امت مسلمہ کی اجتماعی پسماندگی کو ایک فطری امر سمجھ کر قبول نہ کریں۔ اس مقصد کے لئے تشکیل نصاب اور درسی کتب کی تیاری میں ایسے افراد کا انتخاب کیا جائے جو نہ صرف اپنے مضمون میں اعلیٰ مہارت رکھتے ہوں بلکہ علوم کی اسلامی تشکیل نصاب سازی اور درسی کتب کی تیاری میں بھی کامل ادراک رکھتے ہوں۔

اسلامی ریاست اساتذہ کی جائز معاشرتی اور معاشی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ دار ہے۔ اساتذہ کو ملازمت کا تحفظ، بہتر سہولیات اور اعلیٰ گریڈز کی فراہمی کی، تعلیم و تعلم کے عمل کو مؤثر بنانے کا ایک اہم ترین عامل ہے۔ اس مقصد کے لئے اساتذہ کی ایسی پیشہ ورانہ تنظیمیں بنائی جاسکتی ہیں۔ جو اساتذہ کی عملی و فنی نشو و نما کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام تعلیم کی تشکیل اور نفاذ کے لئے بھی جدوجہد کریں اور رضاکارانہ طور پر طے شدہ ضابطہ اخلاق کی پابندی بھی کریں۔

### 3۔ معاشی مسائل کا تدراک، نظام کفالت کے ذریعہ:

معاشی استحکام صرف اسی وقت پیدا ہو گا۔ جب ہم بھیک مانگنا چھوڑ دیں۔ سود کے خاتمہ کا اعلان کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ ختم کر دیں۔ اسلام نے دو باتوں کی تعلیم دی ہے۔ پہلی خود انحصاری دوسری سادگی جسے اپنائے بغیر استحکام ممکن نہیں۔ مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں:

> "معاش کا مسئلہ انسانی فطرت کا قطعی مطالبہ اور اس کی تکمیل ایک خدائی فرض ہے۔ اسلامی ریاست کا کام ہے وہ خیال رکھے۔ جمہور کو ان کے حق کے مطابق کھانے پینے اور پاک صاف عائلی زندگی بسر کرنے کی سہولت حاصل ہے" (اسلام کا نظامِ حکومت)16ے

### 4۔ حلال و حرام کی تمیز:

اسلام پیداوار کے اضافے اور معیشت کے لئے ہمہ جہتی فروغ کی پالیسی اختیار کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ

ساتھ اس بات کی شرط بھی لگاتا ہے کہ آمدنی جائز ذرائع سے حاصل کی جائے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا O (سورۃ البقرۃ: آیت نمبر:168) 17ے

ترجمہ: اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں۔ ان میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔

**o۔ حرمت سود:**

اسلام نے سود کو ہر مشکل میں حرام قرار دیا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ 19

ترجمہ: اے ایمان والو! سود کے کئی کئی حصے بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔

(سورۃ ال عمران: آیت نمبر: 130)

**o۔ تجارتی اخلاقیات کا ضابطہ:**

تجارت کے بارے میں قرآن کی اصولی ہدایت یہ ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ 19ے

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے اموال کو آپس میں باطل کی راہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضامندی کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔ (سورۃ النساء: آیت نمبر 29)

فرمان رسول ﷺ: ایمان دار تاجر کا حشر صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔ (ترمذی) 20ے

**o۔ اسراف کی بندش:**

طلب حلال کے ساتھ اسلام انسان کو جائز مصارف پر دولت خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن اسراف سے روکتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا O (سورۃ الاعراف: آیت نمبر 31) 21ے

ترجمہ: کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو۔

**o۔ ارتکازِ دولت کی ممانعت:**

اسلام ارتکازِ دولت کو پسند نہیں کرتا۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ O (سورۃ الحشر: آیت نمبر:7) 22ے

ترجمہ: ایسا نہ ہو کہ یہ (مال و دولت) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے۔

دولت کی تقسیم کے لئے مندرجہ ذیل صورتیں تجویز کی گئی ہیں۔

(الف) زکوٰۃ۔ (ب) صدقات واجبہ۔ (ج) انفاق۔ (د) قانونِ وراثت۔ (ر) حق سویٰ زکوٰۃ۔ (س) العفو

1) زکوٰۃ کا نظام سب پر نافذ کیا جائے۔ حکومت خود وصول کر کے مستحقین کو ان کا حصہ فراہم کرے تا کہ وہ اس کے حصول کے لئے آلہ کار اور انتہا پسندی کو فروغ دینے کا سبب نہ بنیں۔

2) اسلامی ریاست علاقہ کے اعتبار سے مستحقین جنہیں زکوٰۃ دی جائے کی فہرست ڈی سی آفس پر آویزں کرے اور اخبار میں اس کا اعلان کرے۔

3) علاقائی بنیاد پر جو کمیٹی بنائی جائے اس میں ایک بینک کا آدمی ایک جامع مسجد کا خطیب ایک پروفیسر، ایک سوشل ویلفیئر سے وابسطہ شخص لازماً شامل ہو اور مشترکہ دستخط سے امداد دی جائے۔

4) مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کی مدد بھی مُولفتہ القلوب کی مدد سے کی جائے تا کہ وہ دشمن کے آلہ کار نہ بنیں۔

5) خواتین کے بینک اکاؤنٹ نہیں ہوتے لہذا ان سے زکوٰۃ بھی وصول نہیں ہوتی۔ انہیں زکوٰۃ کی ترغیب دلائی جائے۔

6) قرضہ حسنہ ضرورت مندوں کو دیا جائے تا کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکیں۔

**5۔ خاندانی منصوبہ بندی سے پرہیز کیا جائے:**

اسلامی تہذیب میں مرد و عورت کو انفرادی طور پر آزادی دی گئی ہے۔ کہ وہ اپنے حالات کی مناسبت سے زندگی کی منصوبہ بندی کریں۔

ترجمہ: لیکن کھلانے کے خوف سے اولاد کو نہ ماریں رزق اللہ کے ذمے ہے۔ (سورۃ اسراء: آیت نمبر 31) 23

اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی میں استعمال میں آنے والے آلات اور ادویات پر پابندی لگائیں۔

**6۔ والدین اور اولاد کا تعلق مضبوط کیا جائے:**

اسلام نے والدین کے سلسلہ میں فرمایا۔ انہیں اُف بھی نہ کہو۔ ان سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔

حدیث مبارک: آپ ﷺ نے فرمایا: ماں کا باپ پر تین مرتبہ زیادہ حق ہے۔ (ترمذی) 24

اسی طرح اولاد کے حقوق متعین کئے ہیں۔ اسلام میں جو شخص اپنی بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اس پر اسے صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ (ترمذی) 25

**7۔ رسوم ورواج کو ترک کیا جائے:**

ہر قوم کے افراد اپنی علاقائی رسومات سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہی ہمارا حال ہے بلکہ ہر ملک میں مسلمان جدی رسوم ورواج کو مذہب سمجھ کر عمل کرتے ہیں۔ اس کا سرکاری سطح پر خاتمہ ہونا چاہیے۔ جیسے جہیز، کاروکاری، خواتین کو

وراثت میں حق نہ دینا۔ اسے خون بہاء میں دینا، قرآن کریم سے شادی جیسے مسائل شامل ہیں۔

**8۔ تنظیم:**

کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ منظم نہ ہو۔ کیونکہ قوت تنظیم ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس جماعت میں تنظیم نہ ہو اس میں قوت عمل پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ بلکہ ایک مضبوط ریاست کا نظم و نسق بھی اگر ڈھیلا پڑ جائے اور اس کی انتظامی مشینری فعال نہ رہے تو اسے بگڑنے اور تباہ ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ اسلام کے سارے اصول اور ادارے مسلمانوں کو منظم کرتے ہیں۔ خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا اخلاق و معاشرت سے۔ نماز ہی کو لیجئے مسلمانوں پر باجماعت نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض کی گئی ہے۔ جس میں محلے کے لوگ اکھٹے ہوتے ہیں۔ پھر ہر ہفتے جمعہ فرض کیا گیا۔ جس میں ساری آبادی جمع ہوتی ہے اور سال میں دوبار عیدیں فرض کی گئیں۔ جس میں ارد گرد کی ساری آبادی جمع ہوتی ہے۔ پھر حج فرض کیا گیا۔ جس میں ہر سال امت اور سارے مسلم ممالک کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اور ان ساری سطحوں پر منظم اجتماعات سے باہمی اخوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ پھر نماز میں صف بندی کا حکم دیا گیا اور صفوں کو سیدھا رکھنے کی سختی سے تاکید کی گئی۔ پھر صفوں میں بھی تربیت رکھی گئی کہ پہلے بڑے کھڑے ہوں پھر بچے اور آخر میں عورتیں۔ پھر یہ حکم دیا کہ ارکانِ نماز میں سختی سے امام کی پیروی کرو۔ نہ اس سے پہلے رکوع و سجود کرو اور نہ اس کے رکوع و سجود کے بعد اس کی پیروی میں تاخیر کرو۔ معاشرت میں دیکھئے تو معاشرے کی بنیادی اکائی کے طور پر خاندان کو منظم کیا گیا اور وہاں ہر فرد کا دائرہ کار متعین کیا گیا اور میاں بیوی اور والدین و اولاد سب کے حقوق و فرائض صراحیت سے طے کر دیئے گئے۔ سیاسی حوالے سے دیکھئے تو اسلام نے ریاست و حکومت کے قیام کو مسلم معاشرے کے لئے فرض قرار دیا اور ایک حکومت اور ایک حکمرانی کا تصور دیا اور یہاں تک فرمایا" کہ ایک آئینی حکمران کے ہوتے کوئی دوسرا دعویٰ حکمرانی کرے تو وہ واجب القتل ہے۔

"اسلام نے تنظیم کا یہاں تک حکم دیا کہ اگر دو آدمی سفر پر نکلیں تو ایک کو ضرور امیر بنالیں۔ "(سورۃ فاطر: آیت نمبر: 28) 26ے

**9۔ اتحاد و یکجہتی: (اُمت) عوام الناس کی بقا اور استحکام کی علامت**

شریعت کا ظہور اور وحی الٰہی کا نزول قرآن کریم نے ان دونوں چیزوں کا بھلا نتیجہ اجتماع و اتحاد اُمت کو قرار دیا۔ کیونکہ تفرقہ و انتشار شریعت اور وحی الٰہی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، افتراق و انتشار شریعت اور وحی الٰہی سے دشمنی اور منہ موڑنے کے نتیجے میں پیش آتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا O (سورۃ ال عمران آیت نمبر:123) 27ے

ترجمہ: اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ میں نہ پڑو اور اللہ کی اس

نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر اس وقت کی جب تم دشمن تھے۔ تو اس نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کی تو تم اس کی نعمت کے سبب بھائی بھائی بن گئے۔

مولانا آزاد نے "قرآن کا عروج وزوال" میں مزید فرماتے ہیں:

"اختلاف وانتشار کی زندگی کو بقاء وقیام نہیں ہو سکتا وہ بلا کی ایک آگ ہے جس کے دہکتے ہوئے شعلوں کے اوپر کبھی قومی زندگی نشوونما نہیں پاسکتی" 28ے

**10۔ اسلامی ریاست میں ذرائع ابلاغ کے ضابطہ اخلاق:**

ذرائع ابلاغ کا ضابطہ اخلاق حقیقت میں انسانیت کا ضابطہء اخلاق ہے۔ انسانیت دوسروں سے ہمدردی اور ان کی مدد کرنے کا سبق دیتی ہے۔ برائی کو پھیلانے سے فتح کرتی ہے۔ لہذا جرائم کی خبریں دینے والے رپورٹر کی اخلاقی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ ان باتوں کو سامنے رکھے۔ اس کا کام جرائم کی خبریں دینا ہے۔ لیکن یہ خبریں اس انداز سے دی جائیں کہ ملزم یا مجرم "ہیرو" دکھائی نہ دیں۔ ناپختہ ذہنوں پر منفی اثرات مرتب نہ ہوں۔ ملزموں یا مجرموں کے متعلقین کی (اگر وہ بے گناہ ہیں) کی تشہیر نہ ہو۔ خبروں سے دوسرے جرائم پیشہ افراد یا ناپختہ ذہین لوگ جرم کرنے کے طریقے نہ سیکھیں۔ ان کے ذہنوں میں "شہرت" حاصل کرنے یا ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کرنے کی خواہش پیدا نہ ہو۔ بلکہ وہ دوسروں کے لئے سامان عبرت ثابت ہوں۔ خواتین کے معاملے میں خصوصی احتیاط اس کی اہم اخلاقی ذمہ داری ہے۔ اگر جرم کی کسی واردات میں عورت مظلوم ہے تو اس کے نام، تصویر اور اس کے متعلقین کے ناموں کی اشاعت کا مقصد ان سب کا معاشرتی قتل ہے۔

جہاں تک کہ مثالی ضابطہء اخلاق کا تعلق ہے تو اس کے نمایاں خدوخال حسبِ ذیل ہیں:

1) صداقت 2) صحت مند معلومات 3) غیر جانبداری 4) شائستگی

5) معاشرتی اقدار کی ترجمانی 6) فحش اور نیم عریاں اشتہارات شائع نہ کئے جائیں۔

ذرائع ابلاغ ایسے مواد کو نشر کرنے سے اجتناب کریں۔ جو باعث شر انگیزی، باعث فساد ہو یا اخلاق و تہذیب کا قاتل ہو۔

**11۔ پابندی قانون:**

کوئی قوم اور جماعت اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک ہو برضا ورغبت ان قوانین وضوابط کی پابندی نہ کرے جو اسلامی ریاست نے عوام کے اختیار کردہ نظریہ حیات کے نفاذ کے لئے وضع کئے ہوں۔ یاد رہے کہ سزا کے ڈر سے قانون کی پابندی کرنا اطاعت کا آخری اور ناپسندیدہ ترین درجہ ہے۔ اطاعت کا حُسن اور نتیجہ خیزی اس امر میں مضمر ہے کہ افراد معاشرہ قانون پر خوشی ورضامندی سے عمل کریں۔

اس کی ایک مثال حضرت ماعزؓ کا واقعہ ہے۔ کہ جن سے جرم زنا سرزد ہو گیا تھا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے

اور صراحت سے کہا کہ ان سے یہ جرم سرزد ہو گیا ہے اور وہ اس کا اقرار اس لئے کر رہے ہیں کہ دنیا ہی میں اس کی سزا کاٹ لیں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچ جائیں۔ چنانچہ انہیں سنگسار کر دیا گیا۔ (صحیح مسلم) 29ے

## 2۔ نظام شوریٰ کا قیام:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ O (سورۃ الشوریٰ: آیت نمبر:38) 30ے

ترجمہ: اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں۔

مشاورت اسلامی طرزِ زندگی کا ایک اہم ستون ہے اور مشورے کے بغیر اجتماعی کام چلانا نہ صرف جاہلیت کا طریقہ ہے بلکہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے ضابطے کی صریح خلاف ورزی ہے۔ مشورے کا قاعدہ خود اپنی نوعیت اور فطرت کے لحاظ سے پانچ باتوں کا تقاضا کرتا ہے۔

**اول:** یہ کہ اجتماعی معاملات جن لوگوں کے حقوق اور مفادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں اظہار رائے کی پوری آزادی حاصل ہو اور وہ اس بات سے پوری طرح باخبر رکھے جائیں۔ کہ اُن کے معاملات فی الواقع کسی طرح چلائے جارہے ہیں اور انہیں اس امر کا بھی پورا حق حاصل ہو کہ اگر وہ اپنے معاملات کی سربراہی میں کوئی غلطی خامی یا کوتاہی دیکھیں۔ تو اس پر ٹوک سکیں۔ احتجاج کر سکیں اور اصلاح ہوتی نہ دیکھیں تو سربراہ کاروں کو بدل سکیں۔

**دوئم:** یہ کہ اجتماعی معاملات کو چلانے کی ذمہ داری جس شخص پر بھی ڈالنی ہو اُسے لوگوں کی رضامندی سے مقرر کیا جائے اور یہ رضامندی اُن کی آزادانہ رضامندی ہو۔ جبر اور تخویف سے حاصل کی ہوئی یا تحریص و اطماع سے خریدی ہوئی یا دھوکے اور فریب اور مکاریوں سے کھسوٹی ہوئی رضامندی در حقیقت رضامندی نہیں ہے۔ ایک قوم کا صحیح سربراہ وہ نہیں ہوتا جو ہر ممکن طریقے سے کوشش کر کے اس کا سربراہ ہے۔ بلکہ وہ ہوتا ہے جس کو لوگ اپنی خوشی اور پسند سے اپنا سربراہ بنائیں۔

**سوئم:** یہ کہ سربراہ کو مشورہ دینے کے لئے بھی وہ لوگ مقرر کئے جائیں جن کو قوم کا اعتماد حاصل ہو اور ظاہر بات ہے کہ ایسے لوگ کبھی صحیح معنوں میں حقیقی اعتماد کے حامل قرار نہیں دیئے جاسکتے جو دباؤ ڈال کر یا مال سے خرید کر نمائندگی کا مقام حاصل کریں۔

**چہارم:** یہ کہ مشورہ دینے والے اپنے علم اور ایمان و ضمیر کے مطابق رائے دیں اور اس طرح کے اظہار رائے کریں کہ انہیں پوری آزادی حاصل ہو۔

**پنجم:** یہ کہ جو مشورہ اہل شوریٰ کے اجماع (اتفاق) رائے سے دیا جائے یا جسے اُن کے جمہور اکثریت کی تائید حاصل ہو اُسے تسلیم کیا جائے۔ کیوں کہ اگر ایک شخص یا ایک ٹولہ سب کی سُننے کے بعد اپنی من مانی کا مختار ہو تو مشاورت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرمارہا ہے کہ "ان کے معاملات میں اُن سے مشورہ لیا جاتا ہے" بلکہ یہ فرمارہا

ہے کہ "ان کے معاملات آپس کے مشورے سے چلتے ہیں"۔

اسلام کے اصول شوریٰ کی اس توضیح کے ساتھ یہ بنیادی بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے۔ کہ یہ شوریٰ مسلمانوں کے معاملات کو چلانے میں مطلق العنان اور مختار کُل نہیں ہے۔ بلکہ لازماً اس دین کی حدود سے محدود ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تشریح سے مقرر فرمایا ہے اور اس اصل الاصول کی پابند ہے کہ "تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے" اور "تمہارے درمیان جو بھی ہو اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو"۔

### 3۔ اجتماعی عدل کا قیام:

یونانی حکماء سے لے کر حال کے سیاسی مفکرین تک سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ مدنی الطبع انسان کے لئے ایک ہیت اجتماعیہ کی ضرورت اور اجتماعی زندگی کے نظم کا قیام بھی ہے۔ بہر حال انسان ایک قوت قاہرہ کا محتاج ہے جسے ریاست کہتے ہیں۔ کیونکہ فطرت انسانی جب منفعت اور دفع مضرت کی خاطر ظلم و تشدد اور بغاوت و سرکشی کے کثیف جذبات سے آلودہ بھی ہے اور اپنے حقوق کی حفاظت اور سلامتی کے خواہاں ہونے کے باعث عدل و انصاف کی متقاضی بھی پس عملی زندگی کا تجربہ اور انسانی معاشرے کی بقاء و ترقی کے لئے حکومت کا وجود ناگزیر ہے۔ جس کا اولین فریضہ عدل و انصاف کی اساس پر تمدن کی تنظیم ہے کہ عدل ہی پر جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ بکھر جائے اور کسی کی جان و مال اور آبرو سلامت نہ رہے۔ اجتماعی زندگی گزارنا انسان کی فطری مجبوری ہے اور زندگی کی گاڑی چلانے کے لئے مشاورت و تعاون لازمی ہے۔ جس کا نتیجہ باہمی لین دین اور معاملات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ معاملات کا تقاضا ہے کہ ان کے لئے عدل و انصاف کے قوانین متعین ہوں۔ یوں قانون اور حکومت کی بنیاد در حقیقت عدل ہی پر ہے۔

ارسطو نے کیا سچ کہا ہے کہ "العدل قوال الملک" یعنی عدل حکومت و سلطنت کی عمارت کا ستون ہے اور حضرت علیؓ کا یہ ارشاد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ:

"الملك يبقي مع الكفر ولايبقي مع الظلم"

ترجمہ: یعنی کفر پر مبنی حکومت تو قائم و باقی رہ سکتی ہے مگر ظلم و ناانصافی کے ساتھ حکومت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی۔ (منہاج اسلامی نظام عدل) 31ے

دین فطرت اسلام نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی تربیت و تہذیب اور نشوو ارتقاء کے لئے جو ادارے قائم کئے ہیں۔ ان میں ریاست کو بنیادی المیت حاصل ہے۔ اسلامی زندگی کے لئے اسلامی حکومت کے ناگزیر ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

یعنی اسلام اور سلطان (خلیفہ) جڑواں بھائی ہیں جو اپنی بقاء کے لئے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اسلام

(معاشرہ) کی بنیاد مہیا کرتا ہے۔ اور سلطان اس کی حفاظت کرتا ہے۔ پس جس شے کی بنیاد نہ ہو وہ منہدم ہو جاتی ہے اور جس کی نگہبان نہ ہو وہ ضائع ورائیگاں۔

اسلام میں دنیا دین سے الگ نہیں اور وہ دونوں کے امتزاج سے عمرانی اساس پر ریاست کا ایک مربوط نظام پیش کرتا ہے۔ جس کی روحانی بنیاد اگر خدا کی عبادت اور منع شرک متعین ہوتی ہے۔ تو غایت نظام تمدن کی استواری کے لئے عدل و انصاف کا قیام قرار پاتی ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے حکومت کے تنظیمی اصولوں کی تہہ میں بندگان خدا میں نفاذ عدل کا تصور دیا اور اسے دین کا ایک حصہ ٹھہرایا اور ابن تیمیہ نے "اسیاستہ الشریعۃ" میں امیر کا سب سے بڑا فرض یہ بتایا کہ وہ امانت کو اصل لوگوں کے سپرد کرے اور خدا اور رسول ﷺ کے احکام کے مطابق عدل قائم کرے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِO32 (سورۃ النساء: آیت نمبر:58)

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔

اس سے عیاں ہے کہ اسلامی ریاست کا نصب العین احکام خداوندی کے تحت دین و دنیا کے معاملات معاشرے کے امور کا انتظام، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تنقید اور مختلف طبقات انسانی کے درمیان عدل و انصاف کے اصولوں پر مساوات اور خوشحال زندگی کے نظم کا قیام ہے۔ عدل قرآن کریم کی رو سے اللہ تعالیٰ کا اہم ترین وصف ہے۔ جسے قرآن میں کئی بار مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ "وَاللهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ" میں عدل قوی کی طرف اور "وَاللهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ" میں عدل عملی کی طرف اشارہ ہے۔ "وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا" میں دونوں یکجا ہیں۔ پس "عدل" اللہ تعالیٰ کی نمایاں صفت ہے اور انسان اس کائنات ارضی میں خدا کا خلیفہ ہونے کے ناطے اس امر کا پابند ہے کہ نظم حیات میں خدا کی اس صفت کی بھرپور عکاسی کا اہتمام کرے کہ خلافت کا منشا یہی ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں: قرآن پاک بار بار ہدایت فرماتا ہے کہ عدل و انصاف کو اپنے عزیز حتیٰ کہ اپنے والدین کی محبت سے بھی بلند رکھو۔ یہی عدل کی میزان کا حق اور اس کا تقاضا ہے۔ کہ عدل پر کسی عزیز کی محبت یا کسی غیر سے نفرت کے جذبات کو غالب نہ آنے دیا جائے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے۔ اس کی نگاہ سے چھپ کر ہم کدھر جائیں گے۔ 33

ترجمہ: خواہ کسی سے تمہیں بغض و عناد ہی کیوں نہ ہو۔ اگر تمہارے ہاتھ میں عدل کی میزان ہے۔ تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم کسی ذاتی پُرخاش کی بناء پر اس کے ساتھ بے انصافی کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند

نہیں فرماتا۔(سورۃ المائدہ) 34ے

اس عدل کو دورِ نبوی ﷺ سے خلفائے راشدین کے عہد تک قائم رکھا گیا۔

**4۔ انسانی حقوق کا تحفظ:**

یہ انسانی حقوق ایک طرف اسلامی ریاست کے دستور کے ایک ناقابل تغیر جزو ہوتے ہیں اور دوسری طرف اسلام کی تمام پالیسیوں کے لئے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

**1) حرمت جان:** قرآن پاک میں دنیا کے سب سے پہلے واقعہ قتل کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ انسانی تاریخ کا اولین سانحہ تھا۔ جس میں ایک انسان نے دوسرے انسان کی جان لی۔ اس وقت پہلی مرتبہ یہ ضرورت پیش آئی کہ انسان کو انسانی جان کا احترام سکھایا جائے اور اسے بتایا جائے کہ ہر انسان جینے کا حق رکھتا ہے۔ اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد قرآن کہتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًابِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭوَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا O (سورۃ المائدہ: آیت نمبر:32) 35ے

ترجمہ: جس نے کسی متنفس کو بغیر اس کے کہ اس نے قتل نفس کا ارتکاب کیا ہو یا زمین میں فساد انگیزی کی ہو، قتل کر دیا۔ اُس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے اسے زندہ رکھا تو اُس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔

**2) معذوروں اور کمزوروں کا تحفظ:** دوسری بات جو قرآن سے معلوم ہوتی ہے اور نبی ﷺ کے ارشادات سے واضح ہے۔ یہ ہے کہ عورت، بچے، بوڑھے، زخمی اور بیمار کے اوپر کسی حال میں بھی دست اندازی جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ اپنی قوم سے تعلق رکھتے ہوں یا دشمن قوم سے۔ یہ اصول اپنی قوم کے لئے نہیں ہے بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ بھی اصول برتا جائے گا۔

**3) تحفظ ناموس خواتین:** ایک اور اصول جو ہمیں قرآن سے معلوم ہوتا ہے اور حدیث میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ یہ ہے کہ عورت کی عصمت ہر حال میں واجب الاحترام ہے۔ یعنی جنگ کے اندر دشمنوں کی عورتوں سے بھی اگر سابقہ پیش آئے تو کسی مسلمان سپاہی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان پر ہاتھ ڈالے۔ قرآن کی رو سے بدکاری قطعاً حرام ہے خواہ وہ کسی عورت سے کی جائے۔

**4) نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون:** ایک اور اصول جو قرآن متعین کرتا ہے۔ یہ ہے کہ نیکی اور حق رسانی کے معاملے میں ہر ایک کے ساتھ تعاون کیا جائے اور برائی اور ظلم کے معاملہ میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کیا جائے اور نیکی اگر دشمن بھی کر رہا ہو تو اس کی جانب دستِ تعاون بڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ O (سورۃ المائدہ: آیت نمبر:2)36ے

ترجمہ: جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں۔ ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

**5)ظالم کی اطاعت سے انکار کا حق:** اسلام کا ایک عظیم الشان اصول یہ ہے کہ کسی ظالم کو اطاعت کا حق نہیں ہے۔ قرآن کریم میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو امام مقرر کیا اور فرمایا کہ "اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" تو حضرت ابراہیمؑ نے اللہ سے سوال کیا کہ "وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ" (کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟) تو اللہ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "لَایَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ" (میرا وعدہ ظالموں کے متعلق نہیں ہے)

اس آیت میں اللہ نے صاف بتادیا کہ ظالموں کو اللہ کی طرف سے کوئی ایسا پروانہ امر نہیں کہ وہ دوسرے سے اطاعت کا مطالبہ کریں۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: کہ کوئی ظالم اس امر کا مستحق نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کا امام ہو۔ اگر ایسا شخص امام بن جائے تو اس کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ اسے صرف برداشت کیا جائے گا۔37

**6)سیاسی کارفرمائی میں شرکت کا حق:** انسان کے بنیادی حقوق میں سے ایک بڑا حق اسلام نے یہ مقرر کیا ہے کہ معاشرے کے تمام افراد حکومت میں حصہ دار ہیں۔ تمام افراد کے مشورے سے حکومت ہونی چاہیے۔

قرآن نے فرمایا:

یَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ O(سورۃ نور: آیت نمبر: 55) 38

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کو یعنی اہل ایمان کو زمین میں خلافت دے گا۔

اس حکم کی رو سے اسلام ایک جمہوری و شورائی حکومت کا اصول قائم کرتا ہے۔

**7)عزت کا تحفظ:** انسان کا یہ بھی بنیادی حق ہے کہ اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ O(سورۃ حجرات: آیت نمبر:11) 39

ترجمہ: تم میں سے کوئی گروہ کسی دوسرے گروہ کی مذاق نہ اڑائے۔

یعنی جتنی شکلیں بھی انسان کی عزت و آبرو پر حملہ کرنے کی ہو سکتی ہیں۔ ان سے منع کر دیا گیا ہے۔

**8)ضمیر و اعتقاد کی آزادی کا حق:** اسلام نے "لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ" (سورۃ البقرہ: آیت نمبر:256) 40

ترجمہ: دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں کا اصول انسانیت کر دیا اور اس کے تحت ہر شخص کو آزادی عطا کی کہ وہ کفر و ایمان میں سے جو راہ چاہے اختیار کرے۔ قوت کا استعمال اسلام میں اگر ہے تو وہ ضروریات کے لئے ہے۔ ایک یہ کہ اسلامی ریاست کے وجود اور اس کے استقلال کی سلامتی کے لئے میدان جہاد میں دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے اور دوسرے یہ کہ نظم و نسق اور امن و امان کے تحفظ کے لئے جرائم اور فتنوں کا سدباب کرنے کے لئے عدالتی اور انتظامی اقدامات کئے جائیں۔

**5۔ مساوات:**

انسانوں کے مابین مساوات کا قانون حقیقی عدل اجتماعی کو قائم کرتا ہے۔ لیکن اس مساوات سے مراد محض معاشی مساوات نہیں بلکہ انسانوں کے مابین باقی حقوق میں بھی مواسات ہے۔ اسلام کا قانون مساوات جہاں آقا و غلام کر بحیثیت انسان برابر کے حقوق دیتا ہے۔ وہیں ہر انسان کی قابلیت اور صلاحیت کا معاوضہ یکساں نہیں رکھتا۔ کیونکہ استعداد انسانی تقاضا کرتی ہے کہ غیر معمولی اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک افراد کے معاوضے اور منصب اُن افراد سے مختلف ہوں جو ان صلاحیتوں اور قوتوں میں دوسروں سے کمزور ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہو گا تو وہ معاشرہ تفاوت کا شکار ہو جائے گا۔ بقول سید قطب شہید:

"جو فرد غیر معمولی قوت اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہو گا وہ ایک دن مساوات مطلق کے ضابطے توڑتا ہوا آگے نکل جائے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکا تو اپنے دل میں قانون کے خلاف غیظ و غضب کی پرورش کرے گا۔ آخر کار یا تو سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو جائے گا۔ یا اس کی صلاحیتیں مردہ اور قوت کار مفلوج ہو جائے گی" (سید سلمان ندوی سیر النبی ﷺ ج٦ ن ص120) 41ے

مساوی اجرتوں کا نام اجتماعی عدل نہیں اور اگر بالفرض آج کے لئے بے دین اور ملحد نظاموں کے نام نہاد عدل اجتماعی کے مطابق یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ معاشی مساوات کا نام عدل اجتماعی ہے تو بھی فطرت سے بغاوت ہے۔

"انسان اگر محض پیٹ کا نام نہیں ہے اور انسانی زندگی اگر صرف معاش تک محدود نہیں ہے تو محض معاشی مساوات کا عدل کیسے کیا جا سکتا ہے؟"

حقیقت میں اسلام کا جو تصور مساوات ہے وہ انسان کی تخلیق سے ہی شروع ہو جاتا ہے کہ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"انتم بنو آدم وآدم من تراب" 42ے

ترجمہ: تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ (ابو داؤد)

اسی لحاظ سے امتیاز و برتری کی جو شکل بھی انسانوں نے اپنے درمیان پیدا کی خواہ وہ نسلی ہو یا لسانی علاقائی ہو یا قومی ہر لحاظ سے باطل ٹھہرتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ O (سورۃ الحجرات: آیت نمبر: 3) 43ے

ترجمہ: اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں برتر وہی لوگ ہیں جو زیادہ تقویٰ شعار ہوں۔

جو لوگ معاشرے میں اپنے آپ کو دوسروں سے بالاتر رہنا پسند کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ اُن کی

تعظیم و توقیر کے لئے کھڑے ہوں۔ آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کو جہنم کی وحید سنائی۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

جہاں تک تعلق مساوات مرد و زن کا تعلق ہے۔ اسلام نے عمل کے اعتبار سے دونوں اصناف کے گناہ اور ثواب کو برابر کا درجہ دیا۔(ابو داؤد) 44ے

حضور اکرم ﷺ نے اور خلافت راشدہ کے ادوار میں آقا اور غلام، حکمران اور امیر و غریب اور مسلم اور غیر مسلم کے درمیان انصاف کے معاملہ میں اصول مساوات پر سختی سے عمل کیا گیا۔ قریش کی ایک عورت فاطمہ نے چوری کی۔ حضرت اسامہؓ نے اُسے معاف کر دینے کی سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا!

اے اسامہ! اللہ کی مقرر کی ہوئی سزا میں سفارش کر کے مداخلت کرتے ہو۔ خبردار آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا پھر جب آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو مسجد میں جمع کرو۔ مسلمان جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے اُن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا!

"تم سے پہلی جو اُمتیں گزری ہیں وہ اسی لئے تباہ ہوئی ہیں۔ کہ وہ کم درجے کے لوگوں کو تو قانون کے مطابق سزا دیتی تھیں اور اونچے درجے کے لوگوں کو چھوڑ دیتی تھیں۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

رہا تعلق معاشی مساوات کا تو اسلامی ریاست فرد کی صلاحیتوں اور ان کی مجبوریوں کا لحاظ رکھتی ہے۔ اگر کوئی شہری اعلیٰ صلاحیتیں رکھتا ہے تو اسے اس کی صلاحیتوں کے مطابق فوائد حاصل ہوں گے اور اگر بے یار و مددگار ہے تو اسلامی ریاست اس کی کفالت کرتی ہے۔ اسلامی ریاست اس معاشی مساوات کی قائل نہیں۔ جس میں ہر شخص کو جبراً ایک معیار پر لایا جائے۔

### 6۔ غیر مسلموں سے رواداری:

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو دفاعی ذمہ داریاں ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کا دفاع اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور اسلامی حکومت غیر مسلموں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے گی۔ اسلام کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ وہ جرم کا ارتکاب ثابت ہونے پر کسی کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتا۔

"یعنی ایک مسلمان نے ایک اہل کتاب کو قتل کر دیا اور وہ مقدمہ نبی کریم ﷺ کے پاس فیصلہ کے لئے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اہل ذمہ کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں جنانچہ آپ ﷺ نے قاتل کے بارے میں قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا"

اسلامی ریاست میں جس طرف مسلمانوں کے مسلمانوں پر یکساں حقوق کا اعلان کیا ہے۔ اسی طرح غیر مسلموں کی جان اور مال کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اسلام کے اجتماعی نظام نے اقلیتوں کے مذہبی عقیدے کے توازن کے

لئے نظام عدل کا قیام انتہائی نہ گزیر قرار دیا۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات اور پھر رسول کریم ﷺ کے ارشادات و عمل سے اور خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے تعامل سے غیر مسلموں کے ساتھ احسان، حسنِ سلوک، ہمدردی اور غم خواری کے ایسے ایسے واقعات ثابت ہوتے ہیں۔ جن کی مثالیں دنیا کی اقوام میں ملنا مشکل ہیں۔

انسانی معاشرے کا نظم وضبط جن بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔ وہ نظامِ اطاعت ہے۔ نظامِ اطاعت خاندان سے لے کر نظامِ مملکت تک ہر ہر مرحلہ پر انسانی زندگی سے ہی استحکام پاتا ہے اور نشوونما بھی قرآن حکیم و سنت نبوی ﷺ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ "اطیعو الله، اطیعو الرسول" اور ان دونوں کی متابعت میں اطاعت اولی الامر سے انسانی سماج کی بقاء ہے۔

## 3۔ پاکستان اسلام کے نام پر بننے والی ریاست (تاریخ کے آئینے میں)

قائداعظم محمد علی جناحؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ۔"میری جیب کے سکے کھوٹے ہیں۔"۔ قائداعظم کے وصال کے بعد الاماشاء اللہ یعنی کھوٹے سکوں کے ہاتھ میں پاکستان کا سیاہ وسفید آگیا اور عوام پر بدبختیوں کے سائے منڈلانے لگے۔ اس وقت سے آج تک پاکستانی عوام اہم سرکاری مناصب پر براجمان ان کالی بھیڑوں کو کتھا چٹا بھگت رہی ہے۔ معروف دانش ور، تجزیہ نگار عسکری ماہر لیفٹیننٹ جنرل (ر) عبدالقیوم ملک فرماتے ہیں کہ پاکستان کی 67 سالہ تاریخ میں قائداعظمؒ کی وفات کے بعد شائد ہی ہمیں کوئی ایسا قائد نصیب ہوا ہو۔ جس نے اپنی بے پناہ خداداد صلاحیتوں سے پاکستانی تاریخ کا رُخ مثبت انداز میں موڑ دیا ہو۔ اب ہم جن خطرات کی بادشوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ یہ صرف اور صرف پچھلے کئی عشروں سے پاکستان پر مسلط ذاتی طور پر مالی لحاظ سے بے حد مضبوط لیکن اخلاقی لحاظ سے بے انتہا کمزور قیادت کی وجہ سے ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں۔

**مذہبی تناظر میں:۔** مدینے کی ریاست کے بعد مملکت پاکستان دنیا کے نقشے پر اُبھرنے والی واحد ریاست ہے۔ اس کی اُٹھان بھی اسی بنیاد پر ہوئی ہے اور اس کی تعمیر وترقی بھی انہی اصولوں سے عبارت ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران میں جس نعرے کو سب سے زیادہ مقبولیت ملی وہ پاکستان کا مطلب کیا؟ "لا الہ الا اللہ" تھا۔ اس کی بنیادوں میں لاکھوں مسلمانوں کا خون شامل ہے۔ جو ضرور رنگ لائے گا۔ پاکستان 27 / رمضان المبارک شب قدر جمعرات (14/ اگست 1947ء) کو معرض وجود میں آیا۔ جس دن پاکستان بنا۔ وہی دن قرآن کے آسمان دنیا پر نزول کا دن ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دائمی نعمت غیر مترقبہ ہے۔ جس کا مستقبل قرآن سے جڑا ہے۔ غیر مسلم اس راز کو جانتے ہیں۔ اس لئے وہ اس جوڑ کے توڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ نظریہ پاکستان کی اساس نظریہ اسلام ہے۔ پاکستان کے سرکاری مناصب کے عاملین کی یہ اولین ذمہ داری تھی کہ وہ ملکی پالیسیوں کی تشکیل میں اسلامی رنگ "صبغت اللہ" غالب رکھتے لیکن سوئے بخت کہیے یا کیا کہیے کہ قائداعظمؒ کے بعد سے تاحال وطنِ عزیز کے حکومتی ایوانوں میں سیکولرازم کا شیدائی ٹولہ براجمان ہوتا آرہا ہے۔ جو وطنِ عزیز میں شریعت محمدی ﷺ کے نفاذ میں حائل ہوتا رہا ہے۔ موجودہ دور میں

Secularization کا مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ سیاسی و انتظامی اختیارات مذہبی اداروں سے لے کر لادینی اداروں کے حوالے کر دیئے جائیں۔ اس عمل کے ذریعے مذہبی ادارے اور رسوم ورواج کا تعلق عوامی زندگی سے ختم ہو جائے۔ مثلاً تعلیم، قانون سازی، نظم ونسق اور حکومت کے انتظامی ادارے مذہب کے اثرات سے بالکل الگ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ توہین رسالت ایکٹ کا معاملہ ہو یا قادیانیوں کو اقلیت قرار دیئے جانے کا فیصلہ اعلیٰ سرکاری مناصب پر براجمان سیکولر ذہنیت ہمہ وقت عوامی امنگوں کی راہ میں رکاوٹ رہی ہے۔ حتیٰ کہ عوام کو وطنِ عزیز میں دینی غیرت وحمیت کے کلیدی امور پر قانون سازی کروانے کے لئے بھی خون کے دریا عبور کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً 1948ء میں مطالبہ نظام اسلامی مہم چلانے پر برصغیر پاک وہند کی جید شخصیت ابوالاعلیٰ مودودی کو قید وبند کی صوبتیں اور بعد ازاں سزائے موت سنائے جانے کی اعصاب شکن اذیت برداشت کرنا پڑی۔ اسی طرح ختم نبوت کے قانون کو پاس کروانے اور فتنہ قادیانیت کے انسداد کے لئے متعدد علماء پر مقدمات چلائے گئے۔ کئی ایک کو سزائے موت سنائی گئی۔ متعدد مقامات پر عوام اور فوج کو باہم مقابل کر دینے کی مذموم سازش کی گئی۔ آج بھی عصمت رسالت کا یہ قانون اس خاص ذہنیت کا ہدف تنقید ہے۔ اسی طرح آج بھی اگر کوئی دیندار سرکاری عہدیدار شریعت محمدی ﷺ کے نفاذ کی بات کرتا ہے۔ تو اُسے طالبانائزیشن انتہاپسندوں کا نمائندہ اور دہشت گردوں کا ساتھی قرار دے کر خاموش کروادیا جاتا ہے۔

**تعلیمی تناظر میں:۔** ارضِ وطن میں سرکاری مناصب اور اختیارات ووسائل کو اغیار کا سیکولر اور خداد شمن تعلیمی اور فکری ایجنڈا نافذ العمل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ سیکولر فکر کا شیدائی اور اعلیٰ سرکاری مناصب و اختیارات سے لیس ہمارے نام نہاد عربی زبان سے خائف ہیں۔ کیونکہ اس زبان کی ترویج سے اللہ اور اس کے حبیب کبریا ﷺ کی تعلیمات کی تفہیم وترویج عام ہوگئی۔ اور فرقہ واریت کے عفریت سے نجات ممکن ہو سکے گی۔ اور نوجوان طبقے کو براہ راست اسلام کے علمی سوتوں سے سیراب ہونے کا موقع ملے گا۔ جس سے انسانی زندگیوں میں ریلیف آئے گا۔ نتیجاتاً ان کی چودراہٹ کم ہو جائے گی۔ اوران کے اقتدار پر گرفت ڈھیلی ہوتے ہی سیکولر فکر مغلوب ومقہور ٹھیرے گی۔ یہ سب سیکولر مائنڈ سیٹ کے پروردہ سرکاری عہدیداران کو قبول نہیں۔ لہذا وہ تعلیمی میدان میں عربی زبان کی ترویج کے سب سے بڑے ناقد بن کر واویلا مچاتے نظر آتے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ اسلامیات بطور مضمون کی تدریس کو غیر مؤثر بنانے کے اقدامات میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ایچ ای سی (H.E.C) نے پاکستان میں تعلیمی انقلاب برپا کرنے کے لئے سرکاری ونیم سرکاری کالجز اور یونیورسٹیز کے اساتذہ کرام کو مراعات پیکجز کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کے حصول کی رغبت دلائی۔ جس سے تعلیمی درسگاہوں میں انقلاب برپا ہو گیا۔ لیکن اس انقلاب کا ایک منفی رُخ یہ بھی سامنے آیا کہ ہر کس و ناکس نے مراعات کی لالچ میں اعلیٰ ڈگریوں کے حصول کی دوڑ میں رجسٹریشن کروالی۔ لیکن تحقیق کے عملی میدان میں وہی مرغے کی تین ٹانگیں یعنی بلا محنت ثمر پانے کی چاہت۔ پھر بغیر محنت اپنی دال نہ گلتے دیکھ کر کامیابی وکرپشن کی نئی راہ اپنالی گئی۔ اور وہ یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھرتی ہونے والے جونیئر ٹیچنگ

اسٹاف سے دھونس، دھمکی سے اپنے ریسرچ ورک کو موئثر بنوالیا جائے یعنی محنت اُن کی ثمر اِن کا۔

**سیاسی تناظر میں:۔** اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ارضِ وطن میں اعلیٰ سرکاری قیادتوں کی طرف سے سیاسی نظام کے طور پر مغربی طرزِ جمہوریت کی پیوند کاری کی گئی۔ تاکہ جمہوریت کے چمپیئن کہلانے والے اپنے مغربی آقاؤں کو راضی کر سکیں۔ جبکہ وہ نادان اس حقیقت سے آشنا نہیں کہ یہود و نصاریٰ کو جمہوریت نہیں اسلام مخالف اپنے ایجنڈے کی تکمیل چاہیے۔ خواہ وہ کسی بھی نظام سے ممکن ہو۔ وطنِ عزیز پاکستان میں سرکاری عہدیداران کی طرف سے سرکاری اختیارات و ذرائع کے ناجائز استعمال کی ایک داستان کالا باغ ڈیم جیسے اہم قومی منصوبے ہیں۔ ان منصوبوں کو تاخیر ی حربوں سے تعطل کا شکار رکھنے کی سازشیں کی گئی۔ حتیٰ کہ اعلیٰ سرکاری صاحبان اقتدار نے کالا باغ ڈیم جیسے اہم اجتماعی مفاد کے پراجیکٹ کے ختم ہونے کا عندلیہ دے کر عوام کو اندھی لوڈ شیڈنگ کا تحفہ دیا۔ نتیجتاً ملکی ترقی وینٹیلیٹر پر جا لگی۔ لیکن مفاد پرست سرکاری اختیارات کے حاملین کو ارضِ پاکستان اور اس کے باسیوں پر رحم نہ آیا۔ انہوں نے روس، چین اور ایران سے سستی بجلی خریدنے کے بجائے مہنگے رینٹل پاور پراجیکٹ سے عوامی کمر پر ایسا تازیانہ برسایا کہ عوام اپنے بچے فروخت کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اور جو والدین ایسا نہ کر سکے انہوں نے بچوں سمیت اجتماعی خودکشیاں کر لیں۔ اور جو لوگ ان کے ماسواء بچ گئے۔ انہیں مہنگائی، انرجی کرائسز، بدامنی، ڈرون حملوں اور بے روزگاری کی صورتوں میں محب وطن پاکستانی بن کر جینے کی سزا دی گئی۔

میمو گیٹ سکینڈل، سٹیل مل، ریکوڈک، گوادر پورٹ، ملکی اثاثہ جات اور کلیدی قومی اداروں کی سلامتی خطرے سے دوچار رکھنا اور انہیں دشمن ممالک کے ہاتھوں گروی رکھنے کے معاہدات کرنا جیسے اقدامات پاکستانی تاریخ کا وہ باب ہے۔ جو اعلیٰ سرکاری اختیارات و وسائل کے غلط استعمال کی داستان سناتے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر اور ڈاکٹر ثمر مبارک جیسے قومی محسنوں کو جبراً ملک کی خدمت سے روکے رکھنا بھی پاکستانی تاریخ میں اعلیٰ سطحی حکومتی اختیارات و ذرائع کا مجرمانہ استعمال ہے۔ جس کے ذریعے اول الذکر محسن اعظم کی کردار کشی کرنے کو منفی پروپیگنڈہ مہم چلائی گئی اور ثانی الذکر محترم شخصیت کو روایتی پیشہ ورانہ چالوں کا شکار بنایا گیا۔ تاکہ وہ ملکی وسائل کو استعمال میں لا کر قوم کو بحرانوں سے نکالنے کی سعی نہ کر سکیں۔ صاحب اختیار ابنان وطن کی ان ظالمانہ سرکشیوں نے ملک کے اعلیٰ ٹیلنٹ کو ناکارہ بنا کر دشمنانِ دین کو کھیل کھیلنے کا موقع فراہم کیا اور میرا پیارا وطن پاکستان دہشت گردوں کے حصار میں نہتا رہ گیا۔ کرپٹ این آر او زدہ گنگا نہائے۔ کمزور، نااہل سرکاری عہدیداران اپنے مغربی آقاؤں کی وفاداریاں نبھاتے رہے۔ جبکہ وطنِ عزیز نااہلیت کا نمونہ بدانتظامی کا شاہکار، لوٹ کھسوٹ یعنی "لُٹو اور پھٹو" کی ذہنیت کا شکار ہونے میں تاریخ کی بدترین مثال رہا۔

**معاشی تناظر میں:۔** اسلام کے مسند روایات سے اسلامی ریاست کے آئینی اور قانونی ڈھانچے کا یہ امتیاز واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں صدر ریاست اور گورنروں اور اعلیٰ حکام اور عامتہ الناس سب کے لئے ایک ہی نظام

عدالت ہے۔ کسی کے لئے کوئی قانونی امتیاز نہیں ہے۔ کسی کے لئے خاص عدالتیں نہیں ہیں۔ اور کوئی قانون کی پکڑ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے آخر وقت میں خود اپنے آپ کو پیش کیا کہ جس کو میرے خلاف کوئی دعویٰ ہو وہ آئے اور اپنا حق وصول کرے۔ حضرت عمرؓ نے ریاست جبلہ بن ایھم غسانی سے ایک بدوی کو قصاص دلوایا۔ حضرت عمر بن العاصؓ نے گورنروں کے لئے قانونی تحفظ کا مطالبہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اسے ماننے سے صاف انکار کر دیا اور عام لوگوں کو یہ حق دیا کہ جس حاکم کے خلاف انہیں شکایت ہو اُسے کھلی عدالت میں لائیں۔ وطنِ عزیز کے اعلیٰ پاکستان کے آئین میں صدارتی استثناء کا قانون اسلامی مزاج عدل و انصاف کے منافی امر ہونے کی وجہ سے یقینی طور پر آئینی سقم ہے۔ لیکن وطنِ عزیز کے اعلیٰ سرکاری مناصب کے حاملین کے مفاد کے عین مطابق ہے۔ لہذا وہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے اسے آئینی سقم کو دور کرنے کی راہ میں حائل ہیں۔ اس آرٹیکل کے تحت صدر پاکستان کو فوجداری مقدمات سے استثناء حاصل ہے۔ یہ اسلام کے نظام عدل کی روح کے منافی ہے۔ معاشرتی زندگی کا کوئی بھی پہلو اگر عدل و انصاف کے اعلیٰ معیار سے ہم آہنگ نہ پائے تو یہ امر اعلیٰ اخلاقی اقدار مخدوش کرنے کے مترادف ہے۔ 1973ء کی قومی اسمبلی میں مولانا مفتی محمود، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا غلام غوث ہزاروی اور جماعت اسلامی کے اراکین بھی شامل تھے۔ لیکن سیکولر قوتوں کے غلبے نے آرٹیکل 248 پر انہیں کیونکر رضامندی اور اتفاق رائے پر آمادہ کیا یہ قضیہ ابھی تک حل طلب حصہ ہے۔ کیونکہ اس سے قبل علماء کے 22 نکات میں صدر کو یہ استثناء دینے کی ممانعت موجود تھی۔ جنرل ضیاء الحق کے برسر اقتدار آنے پر اس آرٹیکل پر رائے زنی شروع ہوئی تو اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی مناسب ترمیم کی سفارش کی۔ لیکن 1985ء میں جب آئین بحال ہوا اور آٹھویں ترمیم پیش کی گئی تو آرٹیکل 248 کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا۔

تاریخ عالم گواہ ہے۔ کہ دنیا میں جن قوموں نے بھی بام عروج کو چھوا ان کے ہاں اس نوع کے عدل دشمن استثناءات کا تصور بھی معدوم تھا۔ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات مبارکہ میں بھی ایسے سماج دشمن استثناءات کا کہیں جواز نظر نہیں آتا۔ تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق حکمران احتساب اور جوابدہی کے معاملے میں سب سے بڑھ کر معتوب علیہ شخصیت ہیں۔ کیونکہ العصوام علی طریق الخواص کے قاعدے کے مطابق وہ خیر اور شر ہر معاملے میں عوام کے نزدیک قابلِ تقلید ہوتا ہے۔ لہذا حکمرانوں کی گمراہی پوری قوم کو گمراہیوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکا دینے کا باعث بنتی ہے۔ لہذا ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

"الا کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیته الامام راع ومسؤل عن رعیته"۔۔

بخاری شریف

یہ وہ سنہری اصول ہے جو دنیا و آخرت میں یکساں منطبق العمل ہے۔ حکمران کا احتساب و باز پرس صرف اہل اسلام ہی کا طرہ امتیاز نہیں ہے۔ بلکہ چشم فلک نے دیکھا ہے کہ جب اور جہاں کوئی قوم بام عروج کو پہنچتی ہے۔ اس نے

اپنے حکمرانوں کو کڑے احتساب سے گزارا ہے۔

**دفاعی تناظر میں:۔** پاکستان تاریخ میں سقوطِ مشرقی پاکستان، سانحہ کارگل، ایبٹ آباد آپریشن، میمو گیٹ سکینڈل، مارشل لاء کا نفاذ وغیرہ یہ سب دفاعی حوالے سے سرکاری مناصب کے ناجائز استعمال کے شاخسانے ہیں۔

**سفارتی تناظر میں:۔** سفارتی تناظر میں پاکستان کے موجودہ مسائل میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی جیسے امور ہوں یا عالمی فورمز پر توہین رسالت ایکٹ کی تشکیل و تنقید کا معاملہ، اقوام عالم سے ریمنڈ ڈیوس جیسے ناسوروں سے متعلقہ اپنا علی الحق مؤقف منوانے کا معاملہ ہو یا ممتاز قادری جیسے غیرت مند بیٹوں کی عالمی سطح پر پشت پناہی کا قضیہ، بھارتی آبی جارہیت کی راہیں مسدود کرنے کا معاملہ ہو یا بمبئی حملوں کی ڈرامہ بازی میں پاکستان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے والا قضیہ، سمجھوتہ ایکسپریس حملہ کیس کی بات ہو یا عالمی ایوانوں میں کشمیر و فلسطین کے مجبور مظلومین کی آواز بن جانے کی بات، خلیجی ممالک میں عرب اسپرنگ (Arab Spring) کے نام پر عالمی استعماری قوموں کی چیرہ دستی کا معاملہ ہو یا غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتوں کی نسل کشی کا قضیہ۔ افغانستان پاکستان کو یرغمال بنانے کی بات ہو یا گستاخانہ رسالت کے ساتھی نیٹو افواج کی سپلائی لائن بحالی کا معاملہ۔ پاکستانی سرکاری اربات اختیار ان تمام امور میں سفارتی نا اہلی اور ناکارہ خارجہ پالیسی کا عبرت ناک تماشا پیش کرتے رہے۔ جس کا خمیازہ پاکستانی قوم کو ہی نہیں بلکہ شرمندگی کی صورت میں تمام اُمت مسلمہ کو بھگتنا پڑا۔ سفارتی محاذ پر مؤثر کارکردگی دکھانے کے معاملے میں قوم وملت کو سرخروئی سے ہمکنار کروانے کے لئے اعلیٰ سرکاری مناصب کے کندھوں پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ان سے عہدہ برآ ہونا جبھی ممکن ہے کہ بیوروکریسی اور دیگر سرکاری مناصب کے اختیارات کے مستفدین تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں لائحہ عمل ترتیب دیں۔

**میڈیا کے نظریاتی تناظر میں:۔** سرکاری مناصب کے حاملین سرکاری میڈیا اور قومی خزانے کو ذاتی متاع گردانتے رہے اور سیاسی مخالفین کو زیر باد کرنے کے لئے ان کے خلاف سیاسی مہمیں چلانے اور عوامی رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے میڈیا کو بے دریغ استعمال کرتے رہے۔ حتیٰ کہ صاحبانِ اقتدار کی جانب سے اپنی مہنگی ترین الیکشن مہمیں چلانے کے لئے بھی میڈیا اور قومی دولت کو گھر کی لونڈی کی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ جس سے ملکی معیشت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ حالانکہ اسلامی میڈیا یا سیاست سے وابستہ سرکاری عہدیداران ہو یا کسی بھی اور شعبہ ہائے حیات سے متعلقہ سرکاری منصب داران اسلام کسی ایسی بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ عوامی وسائل کو ذاتی مملکت جانتے ہوئے استعمال میں لائیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: "اسلامی ریاست" میں فرماتے ہیں کہ؛

"اگر سرکاری آمدنی حکمران کی آمدنی سمجھ لی جائے تو حکمران کے قریبی لوگ ماتحت لوگ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور اگر معلوم ہو کہ حکمران کے لئے یہ حرام ہے تو ماتحت آفیسران کو ذرا احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ کہ حکمران ان کا محاسبہ کرے گا۔ اس لحاظ سے یہ نہایت اہم بات ہے کہ اسلام کے سوا دنیا کی کسی اور قوم نے

سرکاری آمدنی حکمران کے لئے ممنوع قرار نہیں دی"45۔

مذکورہ بالا سطور میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تاریخی مطالعے کی روشنی میں سرکاری عہدیداران کا اپنی ذمہ داریوں سے تغافل برتنے اور ملکی وسائل واختیارات کے ناجائز استعمال کرنے کی روش کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

**مملکت خداداد میں انتشار کی بھیانک صورتیں:**

آج ملک میں پھیلی بدامنی، پھنکارتی دہشت گردی، انتہا کی بے اعتمادی و نا اتفاقی، سیاسی ابتری، معاشی تباہی، اداروں کی بربادی، ہوش ربا مہنگائی، اذیت ناک لوڈشیڈنگ، مسائل کی گنجھیری اور جان لیوا بیروزگاری ایسے مصائب کی وجہ نہ آسمانی ہے اور نہ زمینی صرف انسانی ہے۔ اور وہ اپنے وسائل کا بالعموم اور سرکاری مناصب و ذرائع کا بالخصوص غیر ذمہ دارانہ استعمال ہے۔ آج حضرت انسان نے اپنے مقام اور منصب کو بُھلا دیا ہے۔ اپنی انسانیت کھو دی ہے اور انا میں گر پڑ گیا ہے۔ ہر کسی کو اپنی ذات اور حصے کی پڑی ہے۔ گلشن اجڑے یا کشتی ڈوبے اُن کی بلا سے۔ ملک سے محبت ہے اور نہ قوم سے الفت نہ دین سے لگاؤ ہے اور نہ آخرت کی پروا۔ ہر شعبے اور محکمے میں نااہلوں کا بسیرا ہے۔ کام کی اہلیت ہے اور نہ قابلیت، معذرت کے ساتھ لوٹ مار کا بازار تو گرم ہے مگر اخلاقیات کا سر داربوں کھا کر بھی ڈکار نہیں آتا۔ سرکاری وسائل کا یوں بے دریغ ناحق استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے باپ کے ورثے سے ملے ہوں۔ کرپشن رگ و پے میں ایسی سما گئی ہے۔ جیسے جسم میں خون دوڑتا ہے۔ جب احساس ذمہ داری کی جگہ کاہلی، دیانت کی جگہ خیانت اور عدل کی جگہ ظلم لے لے اور ذمہ دار دیانت سے ہاتھ دھولیں اور انصاف سے منہ موڑلیں غفلت کو شعار بنالیں تو ایسے مسائل سے دوچار ہونا فطری امر ہے۔ ادارے کیا تباہ ہوتے ہیں ملک بھی برباد ہو جاتے ہیں۔ تاہم مایوسی اور نااُمیدی کی کوئی بات نہیں۔ ہمارے کریم اور قدیر رب کی کائنات میں کیا کچھ نہیں ہے۔ تلاش میں نکلیں تو اس کی کائنات میں ہر زہر کا تریاق، ہر مرض کا علاج اور ہر مسئلے کا شافی کافی حل موجود ہے۔ صرف طلب صادق نیت خالص، ضمیر روشن اور عزم مصمم ہونا چاہیے۔ ان چراغوں کی روشنی میں آپ ویرانوں اور غاروں میں بھی مشکلات کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ بلکہ نئی دنیائے جہاں آباد کر سکتے ہیں۔

**اسلامی مملکت میں سرکاری عہدیداران کو تفویض کردہ اختیارات:**

اسلامی مملکت اپنے عہدیداران کو جو اختیارات تفویض کرتی ہے۔ وہ کم ہوں یا زیادہ ان کا بنیادی مقصد مقاصد شریعہ کی حفاظت اور نگہبانی ہے۔ اگر سرکاری عہدیداران ان مقاصد شریعہ میں سے کسی ایک تحفظ میں ناکام رہیں تو وہ اپنے مناصب اور اختیارات وسائل کے استعمال کے اہل نہیں سمجھے جائیں گے۔ یہ مقاصد شریعہ پانچ ہیں۔

**1) دین کا تحفظ:** اسلامی مملکت کے سرکاری عہدہ جاتی اختیارات کئے جانے کا اولین مقصد یہ ہے کہ اسلامی شریعت کا رنگ تمام انتظامی و سیاسی امور پر غالب نظر آئے۔ اس سلسلے میں حکومتی سطح پر افراد اور اداروں کی اسلامی مزاج سے ہم آہنگ ٹریننگ ورکشاپس منعقد کی جائیں۔ جو تہذیبوں میں تصادم و غلبہ کے اس پر آشوب عہد میں

اسلامی تہذیب و تمدن کی عظمت و انفرادیت کو نمایاں کریں اور اسلامی فلسفہ حیات کا بطور کامل ضابطہ ءحیات ہو ناشباب امت کے ذہن نشین کرائیں۔ اسلامی ریاست کے سرکاری عہدیداران کو با اختیار کئے جانے کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ وہ ان اختیارات کو استعمال میں لا کر ایسا مثالی امن و امان قائم کریں جس کے تحت مسلم و غیر مسلم عوام یکساں طور پر خود کو اپنی عبادت گاہوں میں محفوظ محسوس کریں۔ نبی کریم ﷺ نے نجران کے پادری ابو حارث بن علقمہ کے نام فرمان میں اس ضمن میں جو یقین دہانی کروائی تھی وہ کچھ یوں تھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم O من جانب محمد ﷺ بنام ابو حارث بشمول نجران کے دیگر پادری، راہب اور کاہن ان سب کے گرجے عبادت خانے اور خانقاہوں کی حفاظت خدا کے ذمے ہے۔ ان کے پادریوں اور راہبوں کو ان کے طریق عبادت اور کاہنوں کو ان کے کے پیشہ سے ہٹایا جائے گا۔ نہ ان کے حقوق میں مداخلت کی جائے گی۔ ان امور پر ایفائے عہد کی ذمہ داری بھی خدا اور رسول پر ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ ہمارے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کی خود بھی پابندی کریں اور ہماری خیر طلبی پر قائم رہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تاریخ اقلیتوں کو حقوق دینے کے حوالے سے شاندار ریکارڈ پیش کرتی ہے۔ اسلام ذمیوں کو مشروط طور پر حق شہریت اور تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

**2) جان و آبرو کا تحفظ:** اسلامی مملکت کے سرکاری مناسب داران کے عہدہ جاتی اختیارات و وسائل کے ذمہ دارانہ استعمال کا ایک مقصد شہریوں کو جسم و جان کی سلامتی اور عزت و آبرو کی حفاظت کے مؤثر انتظامات فراہم کرنا ہے۔ علامہ الدولابی "الکنی والاسما" میں حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا سود مسلمان کی عزت حلال کرنا ہے۔

جب کہ وطن عزیز کی تاریخ میں سرکاری مناصب اور اختیارات کے اندھے استعمال میں کسی قرآنی آیت کو قابل اعتناء گردانا گیا نہ ہی کسی حدیث نبوی ﷺ سے رہنمائی لینے کی زحمت گوارا کی گئی۔

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر علی الاعلان فرمایا تھا کہ:

تمہاری جان، مال اور عزت ایک دوسرے کے لئے تمھارے اس حُرمت والے دن اور حُرمت والے شہر کی طرح مقدس و محترم ہیں۔

شریعت نے کسی کی عزت و آبرو سے کھیلنے پر سخت سزا مقرر کی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًابِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا O (سورۃ المائدہ: آیت نمبر 32) 46

ترجمہ: جس نے کسی کو ناحق قتل کیا یا زمین میں فساد برپا کیا اُس نے گویا تمام انسانیت کا خون کر دیا۔

نبی اکرم ﷺ نے مسلمان کی جان و آبرو کی حُرمت کی ایسی تاکید فرمائی کہ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اُسے

قتل کرنا کفر ہے۔(مسلم و بخاری شریف)

**3)مال کا تحفظ:** اسلامی مملکت سرکاری عہدیداران پر امن و امان کی صورت حال مستحکم بنا کر عوام کو مالی تحفظ فراہم کرنے کی ذمہ داری عائد کرتی ہے۔ نیز اسلامی ریاست اس بات کو بھی تاکیداً یقینی بناتی ہے کہ ان کے عہدیداران اپنے اختیارات و وسائل کے ناجائز استعمال سے ظلماً عوامی اموال نہ ہتھیاتے پھریں۔ عہد نبوی ﷺ کا معالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ زکوٰۃ کی وصولی کے لئے عمال مقرر فرمایا کرتے تھے۔

**مثال:** حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بناتے وقت جو نصیحت فرمائی۔ وہ سرکاری عہدیداران کو فرائض کی انجام دہی کے لئے دیئے جانے والے اختیارات و وسائل کے مقصد اور ان کی حدود و دائرہ کا تعین کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

پھر تم انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے۔ جو اُن کے امراء سے وصول کی جائے گی اور فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو اُن کے اموال کا بہترین حصہ لینے سے گریز کرنا اور (فرائض کی انجام دہی میں ظلم نہ کرنا)۔ مظلوم کی آہ سے بچنا (جان لو کہ) یقیناً اس کے اور اللہ درمیان کوئی پردا نہیں ہوتا۔(صحیح مسلم) 47

ڈاکٹر محمد یوسف اسلام کے دستوری قانون میں رقمطراز ہیں۔

"شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے جو شہری اپنی محنت اور جدوجہد سے کماتا ہے۔ وہ اس کی کمائی ہے جو محترم ہے۔ اس میں نہ کوئی فرد دست درازی کر سکتا ہے نہ حکومت ناجائز طریقہ سے اسے ہڑپ کر سکتی ہے۔ حکومت کو کسی کے مال میں مداخلت کرنے یا بالجبر لینے کا کوئی حق نہیں" 48

**4)عقلی اور ذہنی صلاحیتوں کا تحفظ:** ابن تیمیہ نے السیاسۃ الشرعیۃ میں عقل و دانش اور مزاج و نفسیات کے اعتبار سے لوگوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

الف: وہ لوگ جو دوسروں پر غلبہ و اقتدار کے خواہاں ہوتے ہیں اور فساد پھیلانے میں بھی پیش پیش ہوتے ہیں۔ مثلاً بادشاہ، روساء فرعون جیسے لوگ۔

ب: وہ لوگ جو فساد تو پھیلاتے ہیں لیکن لوگوں پر حکمرانی ان کی چاہت نہیں ہوتی، مثلاً چوری چکاری میں ملوث مجرمین کی طرح کے بیوقوف لوگ۔

ج: وہ لوگ جو بغیر فساد کے دوسروں پر غالب رہنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ مثلاً علماء سوء وغیرہ۔

د: وہ لوگ جو خالصتاً اعلائے کلمۃ اللہ اور رضائے الٰہی کی چاہ میں خلوص نیت سے کوشاں رہنے والے ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی کام لوگوں پر اپنی برتری دکھانے یا اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے کے لئے نہیں ہوتا۔ سرکاری عہدیداران کا اہم فریضہ ہے کہ معاشرے میں ایسا موحول اور نظم پیدا کریں کہ افرادِ معاشرہ پہلے تین

طبقوں سے لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہو کر چوتھے طبقے سے متعلقہ لوگوں کی پُرخلوص تعمیری کاوشوں سے بھرپور استفادہ کر سکیں اور اپنی عقلی و جسمانی صلاحیتوں کو جلا بخش سکیں۔ نیز اسلامی ریاست میں تمام لوگوں کے لئے اپنی صلاحیتوں کے مطابق باعزت ذرائع سے حلال رزق کمانے کے یکساں مواقع فراہم کرنا بھی سرکاری عہدیداران کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ پھر معاشرے میں فوری اور سستے انصاف کی فراہمی کا مؤثر نیٹ ورک قائم کرنا بھی ان کی ذمہ داری ہے۔ اس طریقے سے کرپٹ ذہنیت کا سدباب ہو سکے گا۔

**5) حفاظت نسل و نسب:** حفاظت نسل و نسب کے لئے عفت و عصمت کا تحفظ ناگزیر ہے۔ کوئی حکومت اس وقت تک اسلامی حکومت کہلانے کی حق دار نہیں ہے۔ جب تک اس کی حدود میں زنا اور شراب اور قمار بازی، فحش لٹریچر، فحش تماشوں، فحش گانوں، مخلوط تعلیم، تبرج الجاھلیۃ اور اختلاط مرد و زن کا عام رواج ہو اور ان صریح منکرات پر کوئی قدغن نہ ہو۔ عصر حاضر میں فنون لطیفہ اور صحت و آرٹ کے نام پر عریانی کی اشاعت نے خاندان کے ادارے پر زبردست چوٹ لگائی ہے۔ اس راستے سے عفت و عصمت کا تصور پامال ہو رہا ہے۔ نسل انسانی کے تحفظ کے لئے اسلام نے کچھ ایسے آئینی قوانین پیش کئے ہیں۔ جن کا تعلق رات دن کی زندگی سے ہے اور ان کا لحاظ اور پاس ہر محتاط انسان کے لئے بہت ضروری ہے۔ پس ایک اسلامی ریاست کے سرکاری عمال پر لازم ہے کہ نسل انسانی کے تحفظ خاندان کے ادارہ کا تقدس بحال رکھنے اور شہریوں کو نکاح کی حرمت کا پابند رکھنے کے لئے ان بنیادی قوانین کا نفاذ عمل میں لائیں۔ جو محمد ﷺ نے اس ضمن میں مرحمت فرمائے ہیں نہ کہ "حقوق نسواں بل" کی حسین لفاظی کے لبادے میں ایسے حیا باختہ قوانین منظور کروانے پر مقرر ہیں۔ جن کے شارع اجراء سے معاشرے میں زنا اور منکرات کا طوفانِ بدتمیزی برپا ہو جائے۔ ایسے قوانین کے اجراء میں دست تعاون بڑھاتے ہوئے اللہ کے اس فرمان کو ضرور جان لیں۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ O

ترجمہ: (یہ مسلمان وہ لوگ ہیں) جن کو اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی کو روکیں گے۔ (سورۃ ال عمران: آیت نمبر 88) 49

**4۔ وطن عزیز میں عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے طریقے: قرآن اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں**

**1) منصب و عہدہ ایک امانت ہے:** دستور زمانہ تو یہ ہے کہ عہدے اور منصب ایک اعزاز سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اسلام میں یہ عہدے اور منصب ایک "امانت" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر انفرادی طور پر دوسرے لوگوں کے حقوق فرض کئے ہیں۔ مثلاً والدین اور اولاد پر ایک دوسرے کے حقوق، خاوند بیوی پر ایک دوسرے کے حقوق، رشتہ داروں، پڑوسیوں استادوں، شاگردوں پر ایک دوسرے کے حقوق فرض کئے ہیں۔

اسی طرح ان پر اجتماعی حقوق بھی عائد کئے ہیں۔ جیسا کہ حاکم پر اس کی رعایا کے حقوق، ہر شہری اور صاحب منصب و ذمہ دار پر ملک و قوم کے حقوق، ان سب انفرادی و اجتماعی حقوق کے ادا کرنے سے ایک صالح معاشرہ ظہور میں آتا ہے۔ جن کی ادائیگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مکلف بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا O(سورۃ النساء: آیت نمبر 58) 50؎

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ۔

**2) نظم وضبط اور قواعد وضوابط کی پاسداری:** کسی سرکاری منصب اور عہدہ پر فائز شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ نظم وضبط اور قواعد وضوابط کی پاسداری کرے۔ کیونکہ حسن تنظیم اور نظم وضبط کے بغیر کوئی معاشرہ بلکہ کوئی بھی فرد یا ادارہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات میں اس بات پر بھرپور زور دیا ہے۔ کہ اسلام نظم و ضبط کا دین ہے۔ اس میں افراتفری اور بے ہنگم زندگی گزارنے والوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ بدنی عبادات میں نماز کو لیجئے۔ دن میں پانچ مرتبہ مسجد سے بلاوا آتا ہے۔ اللہ اکبر کی آواز سن کر مسلمان اس کے جواب میں مسجد کا رُخ کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ مسجد میں صفوں کو سیدھا رکھنے اور حسن ترتیب سے کھڑا ہونے کی ہدایت ملتی ہے۔ ایک خاص سلیقے اور ڈسپلن کے ساتھ امام کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنے رب کے حضور سر جھکایا جاتا ہے۔ ایک نماز پڑھنے پر کیا موقوف ہے۔ روزے کو لیجئے، سحری و افطاری کے وقت کی پابندی، کھانے پینے کی پابندی وغیرہ یہ سارا کچھ نظم و ضبط کی تعلیم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ حج کے اعمال میں بھی نظم وضبط اور پابندی اوقات کا اہتمام اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اجتماعی زندگی میں اسلام جہاں ریاست اور حکومت کا تصور دیتا ہے۔ وہاں پر بھی نظم وضبط اور حسن تنظیم کو اپنی بنیادی امتیازی صفت بتلاتا ہے۔ نظم وضبط کے سلسلے میں ہمارے لئے اس عظیم صحابیؓ کا طرز عمل بھی قابل تقلید ہے۔ جنہیں ایک عظیم جرنیل کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ یہ عظیم شخصیت حضرت خالد بن ولیدؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ کا عہد خلافت ہے، حضرت خالد بن ولیدؓ شام کے محاذ پر پے در پے فتوحات حاصل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ آپؓ سے کچھ ایسے عمل سرزد ہوتے ہیں۔ جو حضرت عمرؓ کی نظر میں قابل گرفت ہیں۔ جس کی بناء پر آپؓ کو مجمع عام میں معزول کر دیا جاتا ہے۔ یہ نظم وضبط کی پاسداری کا یہی نتیجہ تھا کہ ایسا عظیم سپہ سالار جس کی نظیر تمام عالم اسلام میں نہیں ملتی اور جس کی تلوار نے عراق وشام کا فیصلہ کر دیا تھا۔ بوقت معزولی وہ مطلق دم نہیں مارتا۔

قائد اعظمؒ نے بھی بحیثیت ایک قوم کے ہمیں تنظیم (نظم وضبط) یقین اور اتحاد کا درس دیا تھا۔ اس لئے بحیثیت ایک عام شہری اور بحیثیت ایک ملازم کے ہم پر نظم وضبط کی پابندی لازمی ہے۔ ایک ملازم اور عہدہ دار کے لئے جس طرح نظم وضبط کی پابندی لازمی امر ہے۔ اسی طرح اس پر ملکی قواعد وضوابط کا لحاظ رکھنا بھی لازم ہے۔ کیونکہ قواعد وضوابط کے ذریعے ہی سے ہر فرد اپنے دائرہ اختیار میں رہ کر اپنے فرائض انجام دیتا ہے اور دوسروں کے فرائض و

اختیارات سے متصادم نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ان قواعد کا احترام نہ کیا جائے تو لازماً ایک طبقہ دوسرے طبقے سے متصادم ہو گا۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات کا زریں اصول یہ ہے کہ:

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَO (سورۃ البقرہ: آیت نمبر:279) 51ے

ترجمہ: نہ تم ظلم (کسی پر) کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

**3) وقت کی پابندی:** ملازمت ایک معاہدہ ہے اور اس کے لئے طے کردہ اوقات امانت ہیں۔ ملازمین کے بارے میں ایک عام تاثر یہ بھی ہے کہ وہ دفاتر کے اوقات کی پابندی نہیں کرتے اور دفتری اوقات میں بھی وقت کا صحیح استعمال نہیں کیا جاتا۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ معاملہ رزق حلال کو متاثر کرنے والا ہے۔ کیوں کہ ہمیں جس وقت کی تنخواہ دی جاتی ہے۔ وہ وقت ہم سے خرید لیا جاتا ہے پھر اس دوران اگر ہم حقیقی معنوں میں اپنے فرائض منصبی ادا نہ کریں تو یہ عہد شکنی ہے۔ بد عہدی کو حضور ﷺ نے منافق کی ایک نشانی قرار دیا ہے۔

ارشاد رسول ﷺ ہے:

چار باتیں جس میں ہوں گی وہ منافق ہو گا اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک بات ہو گی۔ تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہو گی۔ جب تک اس کو نہ چھوڑے۔

الف: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

ب: اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

ج: اور جب عہد کرے تو دغا کرے۔

د: اور جب جھگڑے تو ناحق کی طرف چلے۔

**4) حیاء:** حیاء وہ صف ہے جو بُرے کاموں کے ترک پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اس وصف کے ہوتے ہوئے قبائح کی طرف رجحان ممکن ہی نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حیاء کو "خیر" کے جامع کلمہ سے بھی تعبیر فرمایا۔ حیاء کی خوبی سے جب تک سرکاری ملازم متصف ہوتا ہے۔ اسے نہ صرف عوام کی مشکلات و پریشانیوں کا خیال ہوتا ہے۔ بلکہ اپنے دین اور وطن کا احساس بھی موجود رہتا ہے۔ مگر جیسے ہی یہ سراپا خیر وصف غائب ہوتا ہے۔ لوٹ مار کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

**5) عزت نفس کا محافظ:** سرکاری ملازم عامۃ الناس ماتحت اور اپنے آفیسران کی عزت نفس کے محافظ ہوتے ہیں۔ اہل ایمان کے لئے یہ وہ دولت ہے۔ جس کی عزت و حرمت کعبہ کے تقدس سے بھی بڑھ کر ہے۔

ہمارے دفاتر میں استہزاء، غیبت، حسد، برے القابات، بد ظنی، تجسس جیسے مہلک ہتھیار ہیں۔ جن سے عامۃ الناس، ماتحت اور آفیسران بالا کی عزت نفس کو مجروح کیا جاتا ہے۔ در اصل یہ معاشرہ اور دفاتر میں موجود منفی رویے ہیں جو پُر امن ماحول کو ہی تہ بالا نہیں کرتے۔ بلکہ دفاتر اور معاشرے کو آگے بڑھنے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہونے سے

بھی روکتے ہیں۔ قرآن و سنت کا مطالعہ کریں تو وہاں ان قدروں کی تحسین و حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ جو دفاتر اور معاشرے کی کارکردگی میں اضافہ کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ مثلاً حسد سے منع کیا گیا ہے۔ مگر غبطہ کو اچھا سمجھا گیا ہے۔ تجسس اسلام کی نظر میں مذموم ہے۔ جبکہ تجسس محمود ہے۔ اسلام معاشرہ کے تمام اجزاء کو ایسی مادی اور روحانی ترقی کی طرف دھکیلتا ہے۔ جس میں دوسروں کے احساسات و جذبات تک کو قابل احترام سمجھا جائے۔

**حدیث مبارکہ:**

بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ بھید نہ ٹٹولو۔ ایک دوسرے کی ٹوہ لگانے کی کوشش میں نہ لگ جاؤ۔ حسد بغض سے بچو۔ سب مل کر خدا کی بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ (ابوداؤد) 52

**6) حلال اور حرام کی پہچان کرائی جائے:** یہ ایک مسلمہ اصول ہے کسی بھی حکومت میں قانون سازی کا حق اعلیٰ ترین اختیار ہے۔ جمہوری اور لادین نظاموں میں بظاہر عوام کی خواہشات کی پیروی کی جاتی ہے۔ ضابطہ اخلاق کے کڑے فریم ورک (اوامر و نواہی) کے اندر رہ کر اپنی فرائض سرانجام دینے چاہیے۔ جب حلال و حرام کا تصور اعیان حکومت سے ادنیٰ ملازمین تک راسخ ہو گا۔ اسی تصور و ادراک کے نتیجے میں حرام اعمال بالخصوص حرام کمائی سے بچا جا سکے گا۔ اگر کسی کا ضمیر کمزور بھی ہو تو کم از کم اسے "احساس گناہ" تو رہے گا۔ تاکہ اس کے لئے واپسی یا توبہ و ہدایت کا راستہ کُھل سکے گا۔

**7) سود خوری کی لعنت کا خاتمہ:** سود ام الخبائث اور معاشی زندگی کا روگ ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سرکاری مناصب کے حاملین کی یہ دینی اور پیشہ وارانہ ذمہ داری ہے۔ کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے خلاف اس عملی جنگ سے نجات کی راہ اختیار کریں۔ لیکن آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے گرویدہ اور یہود و نصاریٰ کی یاری پر نازاں سرکاری عہدیداران اپنے مغربی آقاؤں کی خوشنودی میں سودی شکنجے کو ملکی معیشت پر مزید کسنے کے اقدامات کرنے لگیں تو اس ذہنیت کی ہٹ دھرمی اور عیاری غیر سودی نظام کے متمنی سرکاری عہدیداران کے لئے وبال ثابت ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اشد درجہ نافرمانی کا مجرم بن کر جینا ان کو ذہنی ہیجان میں مبتلا رکھتا ہے۔ اور سودی نظام کے تحت تنخواہیں پانے اور سرکاری سہولیات حاصل کرتے رہنے کی مجبوری انہیں بددلی کا شکار رکھتی ہے۔ جو بہر طور ان کے فرائض منصبی کی جانفشانی سے ادائیگی کی راہ میں مزاحم رہتی ہے۔ لہذا معاشرتی ترقی کے لئے سودی معیشت سے جلد از جلد گلو خلاصی کروانا ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوO (سورۃ البقرہ: آیت نمبر:275) 53

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

**8) اسلامی بینکاری کو فروغ:** اسلامی بینکاری محض غیر سودی بینکاری نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ہر اس قسم کی تجارت اور

معاملات کی پابندی ہے۔ جو شرعاً ناجائز ہوں۔ مثلاً سود، جوا، سٹہ بازی، دھوکہ دہی، ناجائز اشیاء کی تجارت اور غیر اخلاقی معاملات وغیرہ۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی بینکاری کو خوب سے خوب فروغ دیا جائے۔

**9) جرائم پیشہ ذہنیت کا قلعہ قمع کرنا:** جرائم پیشہ ذہنیت سرکاری سطح پر پائی جائے یا عوامی سطح پر اس کی موجودگی میں صحیح سمت سوچنا اور ملکی مفاد میں مبنی پالیسیاں تشکیل دینا ممکن العمل نہیں ہو پاتا۔ لہذا اسلامی ریاست کی انتظامی مشینری کو وعظ و نصیحت تربیتی اقدامات، اخلاقیات کے فروغ اور شرعی حدود و تعزیرات کو فعال بنا کر اس ذہنیت کی حوصلہ شکنی کے اقدامات کرنا چاہیے۔

**10) تضیع اوقات اور لاپرواہی کی حوصلہ شکنی:** سرکاری مناصب کے حاملین تضیع اوقات کی روش اپنا کر ملکی ترقیاتی پراجیکٹس کو کھڈے لائن لگائے رکھتے ہیں۔ تضیع اوقات کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

الف: غیر ضروری کاموں میں وقت ضائع کرنا۔

ب: ذاتی کاموں میں وقت لگائے رکھنا۔

ج: کام سے دل چرانا۔

د: فضولیات میں پڑے رہنا۔

تضیع اوقات ایک نفسیاتی، روحانی اور اخلاقی مرض ہے۔ جس سے نجات کا موثر ذریعہ سرکاری اداروں میں باجماعت نماز کا اہتمام کیا جانا ہے۔ نظام اقامت صلوٰۃ کا نفاذ سرکاری عہدیداران کے اس نفسیاتی، روحانی اور اخلاقی مرض کا کافی اور شافی علاج ثابت ہو گا۔

**11) خود غرضی اور مفاد پرستی سے اجتناب:** خود غرضانہ مزاج کے حامل سرکاری آفیسران یا ملازمین، وہ ملکی مفاد کو دیمک کی صورت چاٹتے ہیں اور اپنی ایک بوٹی کی چاہت میں عوام کی پوری گائے ذبح کرنے سے گریزاں نہیں ہوتے۔ جیسا کہ سابقہ ادوار میں دیکھنے میں آتا رہا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ ان معاشرتی کدورتوں سے صافی نجات کے لئے چراغ مصطفی ﷺ کے حاملین کر شرار بوہی سے بارہا دامن بچانے کی سعی کرنا ہو گی۔ لیکن امر واقع ہے کہ راہیں کتنی ہی دشوار کیوں نہ ہوں۔ عزم مصمم، تائید ایزدی کو اپنی طرف راغب رکھتا ہے اور تقویٰ کا زادِ راہ میسر آجائے تو نصرتِ الٰہی کا نزول "فضائے بدر" کی یادیں تازہ کر دینے کا موجب ہوا کرتا ہے۔

**12) سرکاری رازوں کی حفاظت:** دفتری رازوں میں خیانت اور ان کو افشاء کر دینا بہت بڑا جُرم اور بد دیانتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

جب آدمی کوئی بات تم سے کرے پھر اِدھر اُدھر غائب ہو جائے تو وہ بات امانت ہے۔ (مسلم شریف) 54

**13) معروف امور میں اطاعت امیر:** نظم و نسق کے لئے اطاعت امیر لازمی امر ہے۔ سرکاری ملازمین کے لئے ضروری ہے کہ معروف اُمور میں سربراہ ادارہ کی اطاعت کریں۔ تاکہ دفتری نظام بہ حسن و خوبی چل سکے اور بلاوجہ

اس میں اختلال واقع نہ ہو۔
نبی کریم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:
اللہ کی ڈور کو مضبوطی سے پکڑو۔ امیر کا حکم سننا اور ماننا لازمی کر لو اگر چہ وہ حبشی غلام ہو۔ (بخاری شریف)55؎

**14)فضول رسموں کا خاتمہ اور سادگی کو فروغ:** ہمارا ایک اہم مسئلہ فضول، بے معنی اور غیر اسلامی رسوم اور رواج ہیں۔ ایک غریب طبقہ بنیادی سہولتوں سے محروم، بھوک ننگ اور افلاس کا شکار ہے۔ دوسری طرف امیر طبقہ فضول رسومات کو اپنائے ہوئے بے جا اخراجات کئے جاتے ہیں۔ سالگرہ اور معمولی جیت پر روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ ان کے ذریعے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان فضول رسومات نے اُمت مسلمہ کو مقصدیت سے دور کر دیا ہے اور غرباء کو احساس محرومی میں دھکیل دیا ہے۔

خانہ رسالت میں ہمیں ایسی کوئی رسم نظر نہیں آتی۔ دوعالم کے خزانوں کی کنجیاں جس ہستی کے ہاتھ میں تھیں۔ وہاں ہفتوں چولہا نہیں جلتا تھا۔ چھت فانوس سے خالی تھی۔ مگر رحمت الٰہی کے اجالے سے معمور تھی۔ فرش قالین سے بے نیاز تھا لیکن کثرت سجود سے چمکتا تھا۔ آج وی آئی پی کلچر نے عام انسانوں کا جینا حرام کر دیا ہے۔ کیا ہمارا اونچا طبقہ اس پیوند ور لباس پر نظر دوڑاتا ہے؟ جیسے بادشاہ کونین پہنا کرتے تھے اس کھال کے بورے کے متعلق سوچتا ہے۔ جو سرکار دوعالم کا بستر تھا اور جسے دوعالم کا بادشاہ خود صاف کرتا تھا۔ جب زندگی میں حد سے زیادہ مصنوعی پن اور تکبر آجائے تو قومیں مسائل میں گر جاتی ہیں۔

**15)زکوٰۃ جمع کرنے والے ظالمانہ رویہ اختیار نہ کریں:** مالیاتی شعبے میں ایک اور شعبہ جس میں عام طور پر خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو حکمرانوں اور عوام کے درمیان فاصلے بڑھا دیتی ہیں۔ وہ مال جمع کرنے والوں کا عوام کے ساتھ ظالمانہ رویہ ہے۔ یہ لوگوں سے محصول اور زکوٰۃ کے نام پر مقررہ شرح سے زائد وصول کرتے ہیں۔ ایسا کرنے والے شخص کو صاحب مکس کہا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو سخت ترین الفاظ میں متنبہ فرمایا۔ کیونکہ یہ اپنے منصب سے ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اور ملکی خزانے کی آمدنی پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صاحب مکس جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ (مسند احمد) 56؎

ملک میں مالی بے قاعدگی بیت المال کو غلط طور پر استعمال کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس غلط استعمال کا ایک طریقہ یہ ہے کہ خزانہ غیر مستحق لوگوں کے لئے کھول دیا جائے۔ اس سلسلے میں کچھ عرصہ قبل لاہور ہائی کورٹ میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ وزیر اعظم پاکستان یا صدر مملکت یا کسی اعلیٰ عہدیدار کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے خصوصی اختیارات کو کام میں لاتے ہوئے کسی کو پلاٹ یا خصوصی مقامات سے نواز سکے گا یا نہیں؟ عدالت نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ کسی بڑے سے بڑے عہدیدار کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ بیت المال میں تصرف کرے۔

آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں کیا مالی حالات ہیں کہ جسم اطہر پر چٹائی پر سونے کی وجہ سے داغ پڑ جاتے۔ آپ ﷺ کے جانشین پھٹے ہوئے کپڑوں میں اپنا تن ڈھانپتے تھے اور پتوں کی جھونپڑی کے نیچے سوتے تھے۔ وہ سرکاری خزانے کی پوری دیانت داری سے حفاظت کرتے تھے اور اپنے اخراجات کے لئے اس میں سے ایک کوڑی بھی زیادہ نہ لیتے تھے۔ وہ بیت المال کو مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ سمجھتے تھے۔

**16) قیام وترویج عدل اور مملکت پاکستان:** آج کل وطن عزیز پاکستان میں ہر طرف عدل و انصاف اور احتساب کا تذکرہ ہے۔ عدل واحتساب کی ضرورت واہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ ہمیشہ مسلم رہی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"عدل اور احتساب ایک سنہری زنجیر ہے۔ جس میں تمدن، اخلاق، مذہب اور معاشرے کی تمام جزئیات جکڑی ہوئی ہیں۔ اگر اس کی بندش ڈھیلی پڑ جائے تو دفعتاً نظام عالم کی ایک ایک کڑی درہم برہم ہو جائے۔ اس غرض سے دنیا نے عدل کو مختلف صورتوں میں قائم رکھا۔ خاندانوں اور کنبوں نے مختلف رسم ورواج اختیار کئے۔ جن کی خلاف ورزی موجب ملامت بلکہ بعض اوقات قومی جرم خیال کی جاتی ہے۔ سلطنتوں نے قوانین بنائے۔ جو انسان کو ایک خاص نظام کے تحت ہر قسم کی مادی، اخلاقی اور مذہبی ترقی کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ حکماء نے فلسفہ اخلاق ایجاد کیا، جو اخلاقی قوانین کی پیروی پر جمیعت بشریٰ کو مجبور کرتا ہے۔" 57

پس ہر متحرک، فعال اور مستحکم معاشرے میں عدل واحتساب کی ضرورت ہوتی ہے۔ عدل ایک مکمل نظام کا نام ہے۔ جس کے کامیاب نفاذ کے لئے اس کا منصفانہ اور عادلانہ ہونا ضروری ہے۔

**17) ناخواندگی کا تدارک:** تعلیمی میدان میں بہتر نتائج حاصل کرنے کے لئے اساتذہ کی تربیت کے ادارے قائم کرنا بہت ضروری ہیں۔ اسلامی نظریات اور جدید علوم پر مبنی ہائی سکول تک مفت اور جبری تعلیم بھی لازمی ہے۔ تاکہ ہم ایک پڑھا لکھا معاشرہ قائم کر سکیں۔ نصاب تعلیم ایسا ہونا چاہیے جو طالب علموں کو اپنے دین سے لگاؤ اور محبت کرنا سکھائے۔ جدید علم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت اس ڈھنگ سے ہو کہ ان کے رگ وپے میں اسلام کی محبت رچی بسی ہو اور وہ اسلام کے مجاہدین بن کر نکلیں۔

**18) عربی زبان کی لازمی تدریس:** اللہ سبحانہ وتعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم آخرت کی زندگی میں کامیاب ہو جائیں۔ اس کے لئے اس نے قرآن کریم میں بڑی واضح اور بہترین ہدایت دی ہیں۔ لیکن ہماری اکثریت ان ہدایت کو اصل عربی زبان میں سمجھنے سے قاصر ہے اور ہمیں ان کی اصل روح تک پہنچنے سے محروم کئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور عربی زبان ولغت سے ہماری اکثریت نابلد ہے۔ لہذا ہم قرآن کے احکامات کے مضمون و مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں اور نتیجتاً اپنے قلوب واذہان کو منور نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس موقع پر یہ پختہ عزم کرنا ہے۔ کہ عربی زبان کو ہماری تعلیم کا لازمی عنصر ہونا چاہیے۔ اسے ہم لازمی مضمون قرار دیں۔

**19) میرٹ پر انتخاب:** روزگار کا سلسلہ ہو یا تعلیمی اداروں میں داخلوں کا معاملہ ہر جگہ قابلیت کو اصل معیار مانا جائے۔ اہل افراد کا چناؤ کیا جائے اور غیر مستحق افراد کو ناجائز طور پر نہ نوازا جائے تاکہ ملک سے بے انصافی اور حق تلفی کا خاتمہ ہو سکے۔

**20) باہمی انتشار اور نااتفاقی کا خاتمہ:** ہمارا ایک بڑا مسئلہ باہمی نااتفاقی اور انتشار ہے۔ اس بات پر غور نہیں کیا جاتا کہ باہمی اتفاق ہی میں ہماری ترقی کا راز پنہاں ہے۔ اگر ریت کے چند ذروں کو یکجا کر دیا جائے لق و دق صحرا وجود میں آتا ہے۔ قطرہ قطرہ مل کر سمندر بنتا ہے۔ چند گیسوں کے فضا میں مل کر چلنے سے طوفان آتا ہے۔ اگر تمام لوگ ایک تنظیم کے ساتھ چلیں تو ایک بہت بڑی طاقت بن سکتی ہے۔ جس کا مقابلہ کرنا دنیا کے لئے ناممکن ہو سکتا ہے۔

**21) ملکی اختلافات اور علماء کے جھگڑوں کا سدباب:** مذہبی فروعی مسائل میں نظریات کا اختلاف فطیر اور برحق ہے۔ اگر کسی مسلم ملک یا مسلمان کسی خاص رائے اور تحقیق کو صائب سلجھتا ہے۔ تو پھر ملک مسلمہ کو چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ مکمل رواداری کا ثبوت دے اور سب کو مل کر اس کا ساتھ دینا چاہیے اور یہ ذہن نشین کرنا چاہیے کہ اختلافات کے باوجود سب مسلمان ایک ہی شجر کی مختلف شاخیں ہیں اور شجر کے ساتھ رہ کر ہی بہار کی لذتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ علماء کرام کے درمیان منافرت اور مناقشات امت مسلمہ کو ایک مرکز پر اکھٹا نہیں ہونے دیتے۔ جھگڑے مسلمانوں کو کمزور اور پارہ پارہ کرتے ہیں۔ اس فساد کی وجہ سے مثبت کاموں میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ وہ صلاحیتیں اور قوتیں جو دین اشاعت اور ترقی کے کاموں میں صرف ہونی چاہیے وہ ذاتی عناد اور رنجشوں کی نذر ہو جاتی ہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

جھگڑا جسمانی ہوتا ہے۔ جیسے ہاتھاپائی ہوتی ہے۔ ایک پڑھے لکھے عالم کا ہوتا ہے، مجادلہ، مناظرہ اور بحث و مباحثہ۔ ایک نے بات پیش کی دوسرے نے اس کے خلاف بات پیش کی۔ ایک نے دلیل دی دوسرے نے رد کر دی۔ اسی طرح سوال و جواب کا لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

علمی جھگڑے علم کے نور کو زائل کر دیتے ہیں۔ 58

فرمان خداوندی ہے:

وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ O (سورۃ ال عمران: آیت نمبر:47)59

ترجمہ: اے مسلمانو! تنازعات سے بچو۔ کیونکہ تنازعہ اور انتشار سے بزدلی اور کمزوری کا شکار ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

**22) میڈیا کی اصلاح:** آج میڈیا کے دور میں بڑی افراتفری کا عالم ہے۔ رائی کو پربت اور ذرہ کو پہاڑ بنانا میڈیا کا اپنا شوق ہے۔ بہت سارے لوگ من گھڑت واقعات کو بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کے پیچھے ان کا مقصد اور انجام جو بھی

ہو۔ تاہم سماج اس سے متاثر ضرور ہوتا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا سے متعلق اہل اسلام، حکومت اور ذمہ داران کی یہ ذمہ داری بنتی ہے۔ کہ وہ ان تمام الیکٹرانک ذرائع ابلاغ کو اسلامی قانون کے مطابق استعمال کریں۔ اپنے نونہالوں اور ماتحت افراد کے ہاتھوں میں یہ الیکٹرانک ذرائع دے کر انہیں بے لگام نہ چھوڑیں۔

**23) رشوت، کرپشن اور دہشت گردی کا خاتمہ:** جس معاشرہ کے اندر رشوت اور کرپشن کا لین دین عام ہو۔ آہستہ آہستہ اس کی باگ اندھے راہ دکھانے والوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ اور جو نظام صرف اندھوں کی رہنمائی میں چل رہا ہو۔ اس کا انجام کیا ہے؟ رشوت کی اس ہلاکت انگیزی کی وجہ سے اسلام نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں کو اللہ کی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔

آج مملکت خداداد پاکستان تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے۔ اندورنِ ملک نفرت و بے اتفاقی، جنگ و جدل، فروعی، فرقہ وارانہ، صوبائی، نسلی، لسانی وغیرہ مسائل اتنی شدت کے ساتھ کبھی منظرِ عام پر نہیں آئے تھے۔ جتنے آج ہیں اس کے لئے اتحاد و صلح جوئی کی ضرورت ہے۔ لوگ گروہ بندی کا شکار ہو کر شدت کا راستہ اپنا رہے ہیں۔ شدت پسندی اور دہشت گردی کے مسائل سر اٹھا رہے ہیں۔ جس سے غیر ملکی پاکستان مخالف عناصر بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

حکم ربانی ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَي الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (سورۃ الحجرات: آیت نمبر:9)60

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں۔ تو ان میں صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے ایک فرقہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے۔ اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پھر جب رجوع کرے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو اپنے بھائیوں میں میل جول کرادیا کرو۔

**24) اخلاقی انحطاط:** کسی بھی قوم یا گروہ کا اخلاق اور کردار ہی اس کی شخصیت کا صحیح تعین کرتی ہے۔ اعلیٰ کردار کی حامل قومیں ہی دنیا میں مثبت کردار ادا کر سکتی ہیں۔ صدق وصفا اور نظم وضبط ہی دو اعلیٰ ترین اخلاقی کردار ہیں۔ جو انسان کی شخصیت کو چار چاند لگا دیتی ہے۔ لیکن آج مسلمانوں کا کردار مستحسن نہیں ہے۔

رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

اُمت مسلمہ کی پستی کی سب سے بڑی وجہ اخلاقی کمزوری ہے۔ (صحیح بخاری) 61

حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ عوام کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہوں اور اس بات کے پابند ہوں کہ

انہیں ایسا ساز گار اور دوستانہ ماحول مہیا کریں۔ جس میں انہیں زندگی کی بنیادی سہولتیں حاصل ہوں۔ انہیں ذہنی سکون اور دلی اطمینان نصیب ہو اور وہ خوشی و عافیت سے اپنی زندگی گزاریں۔ اپنی اس ذمہ داری میں جابرانہ انداز نہ اپنائیں۔ وطنِ عزیز میں معاشرتی، آئینی اور قانونی مساوات کے اسلامی تصور کو رواج دے کر حکومتی عہدیداران کو اپنی ذمہ داریاں ایمانداری سے نبھانے کی رغبت دلائی جاسکتی ہے۔ کیونکہ معاشرتی مساوات کے ذریعے اہل لوگوں کو اپنی صلاحیتوں کے مطابق روزگار کمانے کے مواقع میسر آتے ہیں۔ جس سے معاشرتی بے چینی کا ازالہ ہوتا ہے۔ کرپشن کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور شرار بوہی بجھ کر رہ جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کی ریاست میں اپنے عمل سے مساوات نسلِ انسانی کا درس دیا اور آئندہ آنے والے تمام معاشروں کو اس مثالی معاشرے سے ہدایت پاکے امر ہو جانے کا موقع فراہم کر دیا۔ آج یہ بات اظہر من الشمس ہو چکی ہے۔ کہ اسلامی ریاست میں صاحب مناصب کو کوئی استثناء و امتیاز حاصل نہیں۔ حکام اور رعایا کے لئے مساوی آئینی اور قانونی حقوق یقینی بنائے جانے دستور اسلامی کا امتیاز ہے۔ جس کے تحت صدر پاکستان ہو یا چپڑاسی اسی آئینی اور قانونی استحقاق میں سب یکساں ہیں۔ یہی مقصود شریعت ہے۔

### 5۔ رسول اللہ ﷺ کی بے مثل طرزِ حکمرانی اور فقید المثال اسلامی ریاست کی جانفشانی

جب ہند میں برہمنیت کے سیلاب نے نقش گوتم کو مٹا دیا، روح القدس کی تعلیمات پاپائیت اور استبداد کی دادوگیر میں پھنس کر صرف کتاب مقدس کی زینت بن کر رہ گئیں۔ افلاطون و ارسطو کی تعلیم، تعلیم و تعلم کی حد سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ تعلیمات زرتشت کا چراغ بہت قلیل مدت میں خاموش ہو گیا۔ جزیرہ نمائے عرب کے بسنے والے حضرت خلیل اللہ کی تعلیمات کو بھی بھلا بیٹھے۔ وادی سینا یہود کی آماجگاہ بن کر رہ گئی۔ اور کلیم اللہ کے ارشادات ثواب اور صرف ثواب کی باتیں رہ گئیں۔ کنفیوشس کا ٹمٹماتا دیا بھی باد صرصر کے ایک ہی جھونکے سے بجھ گیا تو ایک ایسے نبی کی ضرورت تھی جو صاحب شمشیر بھی ہو اور گوشہ نشین بھی۔ شہنشاہ کشور کشا بھی ہو اور گدائے بے نوا بھی۔ فرماں روائے جہاں بھی ہو اور شجاع گرداں بھی۔ مفلس و قانع بھی ہو اور غنی و دریادل بھی۔ صاحب محراب و منبر بھی ہو اور نمونہ صدق و صعنا بھی جامع کمالات بھی ہو فصیح و بلیغ بھی۔ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کی ہدایت کے لئے انبیاء و رسل کی بعثت اور کتب و صحائف کے نزول کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا تھا۔ اس کا اختتام الکتاب و قرآن مبین پر اور اکمال و اکمام ذات رسالت مآب پر ہوا۔ چودہ سو سال پہلے مکہ کی سنگلاخ وادیاں آمنہ کے لعل کے نور نبوت سے روشن ہوئیں۔ پھر یہی کرنیں چار دانگ عالم میں پھیلیں۔ حضور ﷺ کی آمد کا مقصد قرآن کی زبان میں خالق بیان فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ 62 o ؎

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے حضور ﷺ کو ہدایت کے ساتھ بھیجا تاکہ آپ کا دین تمام دینوں پر غالب

آجائے۔(سورۃ الصف: آیت نمبر 9)

**آغاز اسلام میں اسلامی ریاست کا قیام:**

عرب دنیا کے نامور محقق اور مذہبی اسکالر ڈاکٹر وہبہ الزحیلی "العلاقة الدولية فی الاسلام" میں رقم طراز ہیں۔

ابتدائی مراحل ہی میں اسلامی ریاست کا قیام اس بات کی زندہ دلیل ہے کہ اسلام صرف مذہب ہی نہیں بلکہ ایک ایسا قانون بھی ہے جسے انسان کی تمام نظریاتی، اعتقادی، معاملاتی، اخلاقیاتی، حکومتی، انتظامی تربیتی اور اجتماعی سرگرمیوں پر کامل حاکمیت حاصل ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس سے مذہب اور ریاست کے درمیان تعلق اس طرح مضبوط ہو جاتا ہے جس طرح عمارت اور بنیاد کے درمیان تعلق 63۔

اور اسلام کا صحیح مفہوم بھی یہی ہے۔۔ابن تیمیہ / الحسبۃ فی الاسلام بیروت ص 8

**اسلامی ریاست کے فرائض وذمہ داریاں:۔** آغاز اسلام اور ہجرت مدینہ کے فوری بعد اسلامی ریاست کا قیام اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام ایک کامل مکمل دین اور دائمی ضابطہ حیات ہے۔ اس تناظر میں یہ جان لینا انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ کہ اسلام میں "ریاست" کا مقصد وجود اور اس کی غرض وغایت کیا ہے؟ نیز یہ کہ اسلام وہ کون سے بنیادی مقاصد پیش کرتا ہے۔ جن کے لئے ایک اسلامی ریاست کو کام کرنا چاہیے۔ قرآن پاک اور سنت رسول ﷺ میں ان مقاصد کی جو توضیح کی گئی ہے وہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

" لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ o "

ترجمہ: ہم نے اپنے رسول روشن دلائل کے ساتھ بھیجے اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری۔ تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ (سورۃ الحدید: آیت نمبر 25) 64۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

" اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ o"

ترجمہ: یہ مسلمان جنہیں اجازت دی جارہی ہے۔ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔(سورۃ الحج: آیت نمبر 41) 65۔

اور حدیث میں ہے: اللہ حکومت کے ذریعے ان چیزوں کا سدباب (بسااوقات) قرآن کے ذریعے نہیں کرتا۔ مسلم شریف 66۔

یعنی جو برائیاں قرآن کی نصیحت اور فہمائش سے دور نہ ہوں انہیں مٹانے اور دبانے کے لئے حکومت کی طاقت درکار ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک اسلامی ریاست کے قیام کا اصل مقصد اس اصلاحی پروگرام کو مملکت کے تمام

ذرائع سے عمل میں لانا ہے۔ جو اسلام نے انسانیت کی بہتری کے لئے پیش کیا ہے۔ محض امن کا قیام، محض سرحدوں کی حفاظت، محض عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنا، اس کا آخری اور انتہائی مقصد نہیں ہے۔ اس کی امتیازی خصوصیت جو اسے غیر مسلم ریاستوں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ وہ ان بھلائیوں کو فروغ دینے کی کوشش کرے۔ جس سے اسلام انسانیت کو آراستہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اُن برائیوں کو مٹانے اور دبانے میں اپنی ساری طاقت خرچ کر دے۔ جن سے اسلام انسانیت کو پاک کر چاہتا ہے۔

**ریاست مدینہ کا قیام اور اُس کے بنیادی خدوخال:۔** معلم انسانیت، سرور کونین، سید عرب و عجم، ہادی عالم حضرت محمد ﷺ نے اپنے حسنِ انتظام سے روئے زمین پر ایک ایسی مثالی سلطنت اور ایسا رول ماڈل معاشرہ قائم کیا۔ جس کے لئے چشم فلک آج تک ترس رہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی عظمت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب تاریخ کا طالب علم یہ جانا تا کہ آپ ﷺ نے یہ کارنامہ اس ماحول اور ان حالات میں سرانجام دیا جب کہ عام آدمی کو معمولی سی تبدیلی بھی کوہِ گراں معلوم ہوتی ہے۔

بقول فرانسیسی اسکالر موسیو گال لیبام "اسلام کا نظام حکومت"

"ساری دنیا کا مطلع فتنہ و فساد کے سیاہ بادلوں سے تیرہ و تار تھا عالم ارضی کی فضا وحشیانہ بے چینیوں کے غلیظ و کثیف بادلوں سے تاریک تھی۔ دنیا کے ہر حصے میں ہر انسان اچھے ذرائع اختیار کرنے کے بجائے شرارت آمیز وسائل پر اعتماد کرنا تھا۔ امن و اطاعت پر جنگ اور میدان جنگ کو تفوق حاصل تھا، مال غنیمت سے خزانوں کو بھرنا، قوموں، شہروں اور شرفاء پر غارت ڈالنا ایسے کارنامے تھے۔ جو اس ساری تاریخ میں قابل ذکر ہیں۔ " 67

**"میثاق مدینہ "**

**ریاست مدینہ کے عدالتی نظام کا حرفِ آغاز:۔** عرب میں عام طور پر اور مدینے میں خاص طور پر جو مرکز گریزی تھی اِس کا علاج مقنن اعظم حضرت محمد ﷺ نے یہ تجویز کیا کہ ایک حکمران ایک قانون اس سلسلے میں "میثاق مدینہ" نے ایک نہایت اہم اور عرب کے لئے انقلابی اصلاح و ترقی یہ دی کہ لوگ اپنے حقوق اپنی یا زیادہ سے زیادہ اپنے خاندان اور قبیلے کی مدد سے حاصل کرنے کی جگہ انصاف رسائی کو ایک مرکزی اور قومی ادارہ بنا دیں۔ یہ عہد کارنامہ اس دستاویز میں رکارڈ میں لایا گیا ہے۔ جس نے قبائلیت کی افراتفری کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا اور ایک وسیع تر ادارے یعنی مملکت کی بنیاد ڈالی۔ اس تاریخ ساز دستاویز میں نبی اکرم ﷺ نے عدالتی، تشریعی، فوجی اختیارات اپنے لئے محفوظ فرمائے۔ مگر ایک نہایت اہم اور قابل ذکر فرق اس اقتدار و دیگر ممالک کے مستبدانہ شاہی اقتدار میں یہ تھا کہ یہاں مادیت کو دخل نہ تھا۔ آپ ﷺ نے سیاست میں اخلاقی عناصر داخل کئے۔ اصل سرچشمہ اقتدار ذات واحد اللہ تعالیٰ کو قرار دیا تو اپنے آپ کو اس کا رسول اور نائب اور ساتھی ہی امت کے لئے لائے ہوئے حکام اپنے اوپر بھی

مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دیئے۔ اور عہد نبوی ﷺ میں ذات اقدس کے خلاف دیوانی اور ٹارٹ ضمان کے جو مقدمات دائر ہوئے۔ اُن کی موجودگی میں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں

King Can Do not Wrong حاکم وقت (بادشاہ) کسی فعل ناجائز کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا کو مسترد کر دیا۔

**عہد نبوی ﷺ میں ریاست کا نظم و نسق:۔** مدینہ منورہ کی شہری ریاست دس برس کے قلیل عرصے میں ارتقاء کی مختلف منزلیں طے کر کے ایک عظیم اسلامی ریاست بن گئی۔ جس کے حدود حکمرانی شمال میں عراق و شام کی سرحدوں سے لے کر جنوب میں یمن و حضر موت تک اور مغرب میں بحر قلزم سے لے کر مشرق میں خلیج فارس و سلطنت ایران تک وسیع ہوئیں اور عملی طور سے پورے جزیرہ نمائے عرب پر اقتدار نبوی ﷺ قائم ہو گیا۔ عربوں میں نہ صرف مرکزیت کا فقدان تھا۔ بلکہ وہ مرکزی اور قومی حکومت کے تصور ہی سے عاری تھے۔ کہ وہ ان کی من مانی قبائلی آزادی کی راہ میں رکاوٹ تھا۔ وہ کسی "غیر" کی حکمرانی تسلیم ہی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا سیاسی معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے مرکزیت دشمن قبائل کو ایک سیسہ پلائی ہوئی امت میں تبدیل کر دیا اور ان کی ان گنت سیاسی اکائیوں کی جگہ ایک مرکزی حکومت قائم کر دی۔ اسلامی حکومت کی سیاسی آئیڈیالوجی اب اسلام اور صرف اسلام تھا۔

**ریاست مدینہ کا تنظیمی ڈھانچہ:۔** تنظیمی ڈھانچے کے اعتبار سے نبوی ﷺ حکومت کا نظم و نسق درجہ بہ درجہ تین سطحوں میں قائم نظر آتا ہے۔ 1۔ مرکزی 2۔ صوبائی 3۔ مقامی۔ ریاست میں اقتدار و اختیار کا سرچشمہ ذات نبوی ﷺ تھی۔ کہ اس کے ہاتھ میں مرکزی حکومت کی باگ ڈور تھی۔ مستعد کارگزاری کے لئے سربراہ حکومت اپنے کچھ اختیارات مرکزی، صوبائی اور مقامی حکام کو منتقل کر دیتے تھے۔ تینوں سطحوں کے حکام کی تقرری و تبدیلی اور معزولی کا کلی اختیار سربراہ مملکت کو آئین الہیٰ کے مطابق بلاحجت و تکرار حاصل تھا۔ مرکزی انتظامیہ میں نائبین نبوی ﷺ، مشیران گرامی، کاتبین کرام، سفیران رسالت، عہدیداران خاص، شعراء و خطباء عظام کے علاوہ متعدد ثانوی کارکنان حکومت شامل تھے۔ جب کہ صوبائی انتظامیہ میں گورنر اور ان کے ماتحت حکام شامل تھے۔ مقامی نظم و نسق کی سطح پر شیوخ قبائل، مقامی منتظمین، نقیبان شیر نبوی ﷺ آفیسران بالا وغیرہ شامل تھے۔

**عہد نبوی ﷺ میں سول سروس کا تصور اور سرکاری مناصب کے لئے دستور العمل:۔** ان سب کے ساتھ عہد نبوی ﷺ میں سول سروس کا ادارہ بھی قائم ہو گیا۔ جہاں گورنروں، قاضیوں، اماموں، مبلغوں، معلموں وغیرہ کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی اور ان کا امتحان لیا جاتا تھا۔ جن لوگوں کا کسی عہدے پر تقرر ہوتا۔ انہیں زبانی اور تحریری دستور العمل اور ہدایات دیئے جاتے تھے۔ عہدیداران مال کو ہر قسم کے مداخل (زکوۃ، عشر، خراج، جزیہ وغیرہ) کی شرحیں تحریری طور پر لکھ کر دی جاتی تھیں۔ مخارج کا بھی ایک باقاعدہ دفتر تھا۔ چنانچہ ایک رجسٹر میں سرکاری وظیفہ

یا تنخواہ پانے والوں کے نام تحریر تھے۔

**سرکاری مناصب وذرائع کی خواہش اور طلب ایک غیر اسلامی اور ناپسندیدہ عمل:۔** یہ قاعدہ بھی اسلامی ریاست کے قواعد میں سے تھا کہ حکومت کے ذمہ دارانہ مناصب کے لئے عموماً اور خلافت کے لئے خصوصاً وہ لوگ سب سے زیادہ غیر موزوں ہیں۔ جو خود عہدہ حاصل کرنے کے طالب ہوں یا اس کے حریص ہوں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: بہ خدا ہم اپنی حکومت کا منصب کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے جو اس کا طالب ہو یا اس کا حریص ہو۔ (صحیح بخاری) 68

**عدالتِ نبوی ﷺ کا تاریخ ساز فیصلہ:۔** حضور ﷺ نے خود اپنے عہد میں عدل و انصاف کے تمام تر تقاضوں کو عملاً پورا کر کے دکھا دیا۔ اور اپنے اسوۂ حسنہ سے انصاف کا ایسا نظام پیش کیا کہ آج تک دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کے عہد میں ایک ایسی خاتون چوری کی مرتکب ہوئی جو باعزت اور اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ قریش کو اس کی بڑی فکر ہوئی۔ حضرت اسامہؓ نے لب کشائی کی جسارت کی تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ سزا کمزور لوگوں کو دیتے اور بااثر لوگوں کو چھوڑ دیتے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے "اگر فاطمہ میری بیٹی وہ کام کرتی تو یقیناً میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

**سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی:۔** یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بعثت نبوی ﷺ سے قبل اور وقت کے حکمران سرکاری مناصب و ذرائع کے غیر ذمہ دارانہ استعمال کے باعث سلاطین شایانہ شان و تجمل سے اونچے اونچے محلوں اور ایوانوں میں بڑے قیمتی لباس، سونے چاندی اور زر و جواہر کے زیوروں سے آراستہ ہو کر اونچے اونچے بیش بہا تختوں پر متمکن ہوا کرتے تھے۔ ان کے امراء اعلیٰ قدر سونے چاندی کی مرصع کرسیوں اور ریشمی گدوں پر بیٹھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیم نے بہ یک جنبش قلم ان مصنوعی تفرقوں کو مٹا دیا۔ سونے چاندی کے زیورات مردوں کے لئے ناجائز ٹھہرے۔ امامِ وقت اور اس کے حکام کے لئے مسجد اور اس کا صحن ایوان تھا۔ حاجب اور دربان کے پہرے اٹھ گئے۔ چاؤش و نصیب رخصت کر دیئے گئے۔ طلائی و نقرئی و زمردی تخت اٹھوا دیئے گئے۔ امام اور اس کے حاکم عام مسلمانوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر نشست کرتے تھے۔ اور پستی اور بلندی کی تفریق باقی نہ رکھی گئی۔ چنانچہ وضع و لباس سے آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ میں کسی قسم کا فرق مراتب موجود نہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ ایک شاہی عبا لے کر آئے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرب کے مختلف حصوں کے وفود حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ اسے خرید لیں، تاکہ جب دوسرے شہروں یا ملکوں سے وفود آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں تو آپ ﷺ اسے زیب تن فرمالیں، یا جمعہ کے دن جو گویا مسلمانوں کے دربارِ عام کا دن ہے آپ ﷺ اسے پہنیں۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی نظر اس ظاہری جاہ و جلال اور تزک و احتشام پر گئی۔ جس کے

شایانِ وقت عادی تھے۔ لیکن حضور ﷺ نے اشتباہ کے اس پردے کو فوراً چاک کر دیا کہ مسلمانوں کا پیشوا شایانہ جاہ و جلال کے اظہار کے لئے مبعوث نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! جو شخص اسے پہنتا ہے۔ آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ اسی طرح نشست میں بھی آپ ﷺ نے تفوق و برتری کے امتیاز کو اس قدر مٹایا کہ مجلس کے اندر آپ ﷺ میں اور ایک عام آدمی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب صحابہؓ کی مجلس میں بیٹھتے تو باہر سے آنے والوں کو پوچھنا پڑتا کہ محمد ﷺ کون ہیں؟ لوگ اشارے سے بتاتے۔ صحابہ اکرامؓ نے چاہا کہ کم از کم ایک چبوترہ ہی بنا دیا جائے۔ جس پر آپ ﷺ جلوہ افروز ہوں۔ مگر اسے بھی آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ اس وقت کی شاہانہ حکومتوں میں بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد قانون کی زد سے مستثنیٰ سمجھے جاتے تھے۔ مگر یہاں یہ حال تھا کہ ہر قانون الہٰی کی تعمیل کا اصل نمونہ اس کا رسول ﷺ اور اہل بیتؓ رسول تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ اگر نعوذ باللہ اہل بیتؓ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو تو ان کے لئے دوہری سزا ہے۔

سلطنت کے مفتوحات و محاصل کو دنیا کے بادشاہوں نے ہمیشہ اپنی ذاتی ملکیت سمجھا اور اپنے ذاتی و خاندانی عیش و آرام کے سوا ان کا کوئی مصرف ان کے نزدیک نہ تھا۔ اور اگر وہ اس میں سے دوسروں کو کچھ دیتے تھے تو اسے اپنا احسان سمجھتے تھے۔ لیکن جو نظام سلطنت اسلام نے قائم کیا۔ اس میں سلطنت کے سارے محاصل "مال اللہ "یعنی اللہ کا مال کہلاتے تھے اور وہ صرف بیت المال کی ملکیت تھے۔ مسلمانوں ہی کے لئے وقف تھے۔

**حدیث مبارکہ:۔** میں تمہیں نہ کچھ دے سکتا ہوں نہ کچھ روک سکتا ہوں، میں صرف خزانچی ہوں جس موقع پر صرف کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ وہاں صرف کرتا ہوں۔۔ سنن ابو داؤد 69ؔ

**عمالِ حکومت اور اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری:۔** اسلام میں ریاست و حکمرانی کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ حکومت اور اس کے اختیارات اور اموال اللہ اور مسلمانوں کی امانت ہیں۔ جنہیں خدا ترس، ایماندار اور عادل لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہیے۔ اس امانت میں کسی شخص کو من مانے طریقے پر یا نفسانی اغراض کے لئے تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا۝

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے۔ کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے، یقیناً اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔۔ (سورۃ النساء: آیت نمبر 58)70ؔ

**حدیث مبارکہ:** کسی حاکم کا اپنی رعیت میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے۔۔ (صحیح بخاری) 71ؔ

**رعایا کی خیر خواہی اور ان کی دادرسی:۔** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ جو شخص میری اُمت کے لوگوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا جائے اور وہ انہیں مشقت میں ڈالے تو تو بھی انہیں مشقت میں ڈال اور جو شخص میری اُمت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا تو تو بھی اُن کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر۔(صحیح بخاری) 72

**عہد نبوی ﷺ میں سرکاری مناصب پر اہل و دیانت دار افراد کا تقرر اور اس کے بنیادی اصول:۔**

عہد نبوی ﷺ میں چونکہ یمن و حجاز اسلامی حکومت میں شامل ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے ان علاقوں میں والی مقرر کرتے ہوئے ان کے تقویٰ، علم و دانش اور عقل و عمل کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ آپ ﷺ سرکاری مناصب پر تقرر کے وقت عمالِ حکومت کا امتحان بھی لیا کرتے تھے۔ یہ لوگ حاکم ملک اور والی صوبہ ہونے کے ساتھ مبلغ اسلام اور معلم اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔

**سرکاری مناصب پر فائز افراد کی تنخواہ اور دیگر سہولتیں:۔** عمال حکومت کو صرف اتنا معاوضہ ملتا، جو ان کی ضرورت کو پورا کرتا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص عامل ہو۔ اسے ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے۔ اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو وہ نوکر رکھ سکتا ہے۔ اگر مکان نہ ہو تو ایک گھر بنا سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہو گا یا چور۔۔ سنن ابو داؤد 73

**سرکاری مناصب کی تفویض و تقرری میں رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل:۔** رسول اللہ ﷺ ایک عظیم مصلح اور بیدار مغز حکمران تھے۔ آپ ﷺ کو جہاں یہ خیال تھا کہ عہدے دار اپنے فرائض و واجبات کی بجا آوری صحیح طور پر کریں اس سے زیادہ اہتمام اس بات کا تھا۔ کہ عمال و حکام زیور اخلاق سے آراستہ ہوں۔ تاکہ جہاں بھی ان کا تقرر کیا جائے، وہ کامیاب ثابت ہوں اور کم از کم وہاں کے باشندے ان کے اخلاق کے شاکی نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ کو یمن کی جانب روانہ کیا تو فرمایا تھا کہ "تم دونوں سختی نہ کرنا بلکہ آسانی سے کام لینا اور لوگوں کو اچھی باتیں سنانا نفرت نہ دلانا"۔

**عہد نبوی ﷺ میں مجلس شوریٰ اور اس کی اہمیت:۔** قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی قولی، عملی سنت اور خلفاء راشدین کی پیروی شوریٰ کی اہمیت پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۡ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ

ترجمہ: سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دِل تو متفرق ہو جاتے، تیرے پاس سے سو تو ان کو تو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر اللہ کی محبت ہے تو توکل والوں سے۔(آل عمران: آیت نمبر 159)74

قرآن پاک کے بڑے مفسر امام ابن جریر طبریؒ (متوفی 310ھ) لکھتے ہیں:

"نبی علیہ السلام کو مشورے لینے کا حکم اس اساس پر دیا گیا ہے کہ آنے والے مسلمان دینی امور کے متعلق مشورے میں نبی علیہ السلام کی پیروی کریں اور اس کے متعلق اپنے پیغمبر کی سنت اپنے لئے نمونہ بنائیں اور یہ نمونہ جو کہ نبی علیہ السلام نے اس پر عمل فرمایا ہو یہ اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔۔ تفسیر ابن جریر ج 75

نبی کریم ﷺ کی ہمہ گیر اور جامع شخصیت نے اپنے حسن تدبیر و انتظام سے اشاعت اسلام توسیع مملکت، استحکام سلطنت کے لئے ایسی فعال اور مؤثر حکمت عملی اختیار فرمائی جو رہتی دنیا تک بنی نوع انسان کے لئے کامل نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

## 6۔ خلفائے راشدین کی قیادت و سعادت اور عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے طریقے (تعلیمات نبوی ﷺ کے تناظر میں)

خلفائے راشدہ کے نظام کی بنیاد کلی طور پر رسالت مآب ﷺ کی ہدایات پر مبنی تھیں۔ اور ان کے زمانے میں امت و معاشرے کا ضمیر بیدار تھا اور فضا صحت مند تنقید اور مخلصانہ محاسبے سے معمور تھی اور یہ مقدس ذمہ داری ایک طرف کسی مداہنت کے بغیر انجام دی جاتی تو دوسری طرف اس کو ان حدود میں رکھا جاتا تھا۔ جو بد نظمی، انتشار، افتراق اور انارکی کے فساد سے معاشرے اور ریاست کو محفوظ رکھیں۔

صدیق اکبرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کا دور ہر حیثیت سے مثالی ہے۔ جس کا اعتراف نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم مفکرین بھی کرتے ہیں۔

اطالوی مفکر لارڈ کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری اپنی کتاب "اسلام" میں تحریر کرتے ہیں۔

"ابو بکرؓ اور عمرؓ نے اپنے ہاتھ میں سلطنت کی زمام لے کر اُسے چار چاند لگا دیئے اور سیاسی حکمت عملی کا ایک ایسا نقشہ پیش کر کے دکھایا جس نے ساری دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا۔ یہ کہنا بغیر کسی مبالغے کے صحیح ہو گا کہ یہ دونوں مشرقی یونان کی بیز نطینی سلطنت کے جن حکمرانوں اور اعلیٰ کمانڈروں سے بر سرِ جنگ تھے، اِن کے مقابلے میں دونوں زیادہ مستقل مزاج، زیادہ انصاف پسند، زیادہ بردباد اور قانع زیادہ شریف، طبع، با عظمت، جری، اولوالعزم اور زیادہ بلند مرتبے پر فائز تھے "76

ہنری دی کاسٹری / اسلام، ترجمہ بزبان عربی، احمد فتحی زغلول پاشا (مصری) ص 32 بحوالہ: ڈاکٹر ماجد علی خان / اسلام کا فلسفہ سیاسیات، دہلی ندوۃ المصنفین، 1979، ص 75، 76۔

**1: امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ:۔** سب سے پہلے خلافت کا تاج اُس عظیم شخصیت کے سر پر رکھا گیا۔ جو اُس وقت کے انسانوں میں افضل البشر اور ہر اعتبار سے صداقت کے پیکر اور اخلاص کا نمونہ تھے۔ جسے خود سرکار دو عالم ﷺ امتحانات میں آزمانے کے بعد "صدیق" اور "عتیق" کے امتیازی القابات سے ملقب فرما چکے تھے۔

**پہلا خطبہ:۔** جانشین پیمبرؐ، خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ رسالت مآب ﷺ کے وصال کے بعد جب

منصب خلافت پر فائز ہوئے تو آپ نے منبر پر بیٹھ کر اِن الفاظ میں اپنے آئندہ طرزِ عمل کی توضیح فرمائی۔
صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری اعانت کرو اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کرو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے۔ ان شاء اللہ تمہارا قوی فرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے۔ اسے اللہ ذلیل و رسوا کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے۔ اللہ اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے۔

**صدیق اکبرؓ کا تصور حکومت اور طرزِ عمل:۔** نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے نقوش ہی کی روشنی میں اسلامی فلاحی ریاست کے تصور کو عملاً آگے لے جانے اور واضح کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

**نظامِ خلافت اور ملکی نظم و نسق:۔** اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے ڈالی۔ چنانچہ خود ان کا انتخاب بھی جمہور انتخاب پر ہوا تھا۔ اور عملاً جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے سب نے کبارِ صحابہؓ رائے و مشورہ کی حیثیت سے شریک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صاحب رائے و تجربہ کار صحابہؓ کو کبھی دارالحکومت سے جُدا نہ ہونے دیا۔ حضرت اسامہؓ کی مہم میں حضرت عمرؓ کو خود رسول اللہ ﷺ نے نامزد کیا تھا۔ لیکن انہوں نے حضرت اسامہؓ کو راضی کیا کہ عمرؓ کو رائے و مشورہ میں مدد دینے کے لئے چھوڑ جائیں۔ عاملوں اور عہدیداروں کے انتخاب میں حضرت ابو بکرؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہد نبوت میں عامل یا عہدیدار بن چکے تھے۔ اور ان سے ان ہی مقامات میں کام لیا۔ جہاں وہ پہلے کام کر چکے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ جب کسی کو کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مامور فرماتے تو عملاً بُلا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت مؤثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے۔ چنانچہ عمرو بن العاصؓ اور ولید بن عقبہؓ کو قبیلہ قضاء پر محصلِ صدقہ بنا کر بھیجا تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی۔
"خلوت و جلوت میں خوفِ خدا رکھو جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے ایسی سبیل اور اُس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے۔ بے شک بندگانِ خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے۔ تم اللہ کی ایک ایسی راہ میں ہو۔ جس میں افراط و تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں۔ جس میں مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے۔ اس لئے سستی و تغافل کو راہ نہ دینا۔

**2: امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کا پہلا خطبہ:۔** حضرت شعبیؒ کہتے ہیں جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو وہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ مجھے ایسا نہیں رکھنا چاہتے کہ میں اپنے آپ کو منبر کی اس جگہ بیٹھنے کا اہل سمجھوں۔ جہاں حضرت ابو بکرؓ بیٹھا کرتے تھے۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ ایک سیڑھی نیچے ہو گئے۔ پھر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا قرآن پڑھو اس کے ذریعہ سے تم پہچانے جاؤ گے۔ اور قرآن پر عمل کرو اس سے تم قرآن والوں میں سے ہو جاؤ گے اور اعمال نامے کے تولے جانے سے پہلے تم خود اپنا موازنہ کر لو اور اس دن کی بڑی پیشی کے لئے اپنے

آپ کو نیک اعمال سے آراستہ کر لو۔ جس دن تم اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور تمھاری کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ بات چھپی نہ رہ سکے گی اور کسی حق والے کا حق اتنا نہیں بنتا کہ اس کی بات مان کر اللہ کی نافرمانی کی جائے۔ غور سے سنو! میں اللہ کے مال یعنی بیت المال میں سے اتنا لوں گا جتنا یتیم کے والی کو یتیم کے مال میں سے ملتا ہے۔ اگر مجھے اس کی بھی ضرورت نہ ہوئی تو میں یہ بھی نہیں لوں گا اور اگر ضرورت ہوئی تو کام کرنے والے کو عام طور سے جتنا ملتا ہے، اُس کے مطابق لوں گا۔

**حضرت عمر فاروقؓ منصب خلافت پر:۔** منصب خلافت سنبھالنے کے بعد خطبہ فاروقی کے بارے میں وارد شدہ ان تمام روایات سے آپ کے نظامِ حکومت کا ایسا منشور سامنے آتا ہے۔ جس سے ہٹ کر چلنے کی ادنیٰ گنجائش بھی نہیں ہے۔ آپ کے نظام حکومت کے نمایاں خدوخال کچھ اس طرح ہیں۔

1۔ آپؓ خلافت کو ایک آزمائش سمجھتے تھے۔ کہ جس سے آپ آزمائے گئے ہیں اور یہ کہ اس کے حق کی ادائیگی کے متعلق آپ سے محاسبہ کیا جائے گا۔ گویا حکومت خلفائے راشدین کی نگاہ میں عظمت، شرافت اور بلندی کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک عظیم ذمہ داری، فریضہ الٰہی اور ربانی آزمائش تھی۔

2۔ آپؓ کی نگاہ میں منصب خلافت کا یہ تقاضا ہے کہ ملکی ذمہ داریوں سے متعلق جو معاملات بھی آپ کے سامنے آئیں۔ انہیں آپ خود حل کریں اور رعایا پر جو آپ سے دور ہیں بہترین و باصلاحیت امراء اور گورنر مقرر کریں۔ تاہم آپ کی نگاہ میں اللہ کے سامنے جواب دہی اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوشی کے لئے صرف اتنا کرنا کافی نہیں تھا۔ بلکہ آپؓ کہتے تھے کہ ان گورنروں اور حکام کی سخت نگرانی کرنا ایک ایسی ذمہ داری ہے۔ جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے جس نے بہتر کام کیا آپؓ نے اُس کے ساتھ احسان کیا اور جس نے آپؓ کی مرضی کے خلاف کیا اُس کی آپؓ نے گرفت کی اور سزا دی۔

## گورنروں کی تقرری کا فاروقی معیار اور اس کی لازمی شرطیں

☆۔ **قوت وطاقت اور امانت داری:۔** سیدنا عمرؓ نے اس اصول کو عملاً نافذ کیا۔ اس سلسلے میں آپؓ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی کیا ہی بہترین بات ہے۔ "اے اللہ! تجھ سے میری التجا ہے کہ تاجر کو قوت نہ دے اور امانت دار و ثقہ آدمی کو عجز (کمزوری) نہ دے۔

☆۔ **تقرری میں علم کی اہمیت:۔** سیدنا عمرؓ نے تمام تر مناصب کے بالمقابل خاص طور سے اسلامی فوجوں کے امراء و قائدین کی تقرری میں سنت نبوی ﷺ کی اقتدا کی۔ امام طبری فرماتے ہیں کہ جب اسلامی فوج حضرت عمر فاروقؓ کے پاس جمع ہوتی تو آپؓ اس پر ایک عالم دین اور شرعی بصیرت رکھنے والے آدمی کو مقرر کر دیتے۔

☆۔ **تجربہ کاری اور بصیرت:۔** سیدنا عمر فاروقؓ کا وضع کردہ یہ معیار انتخاب آج بھی ترقی یافتہ ممالک میں معتبر و معمول بہ ہے اور یہ برحق ہے کہ دین پرست، متقی اور با اخلاق آدمی کو اگر سیاست اور حکومتی معاملات میں

بصیرت نہ ہو تو وہ نفس پرستوں اور گمراہوں کے دھوکے میں آسکتا ہے۔ لیکن کہنہ مشق اور تجربہ کار صاحب بصیرت شخص کی دور اندیش نگاہیں فوراً مقاصد کو بھانپ لیتی ہیں۔

☆۔ **طالب عہدہ کو عہدہ نہ دینا:۔** آپؓ کسی ایسے آدمی کو ہرگز عہدہ و گورنری نہیں دیتے تھے جو اس کا طالب ہوتا۔ اس سلسلے میں کیا کرتے تھے۔ "جس نے اس (عہدہ) کی مطالبہ کیا وہ (اللہ) کی مدد سے محروم رہا" آپؓ سنت نبوی ﷺ کی اقتدار میں اسی روش پر قائم تھے۔

☆۔ **گورنروں کو تجارت کرنے کی ممانعت:۔** سیدنا عمرؓ اپنے گورنروں و آفیسران کو تجارت و سوداگری سے منع کرتے تھے۔ خواہ وہ خریدنے والے ہوں یا فروخت کرنے والے۔

☆۔ **آفیسران کی تقرری کے وقت ان کی جائیداد کی پڑتال:۔** سیدنا عمرؓ گورنروں و آفیسران کی تقرری سے پہلے اُن کے اموال و جائیداد کی پڑتال کر لیتے تھے۔ تاکہ عہدہ سنبھالنے کے بعد آمدنی سے غیر معقول زیادتی پر ان کا محاسبہ کر سکیں۔

☆۔ **آفیسران کی تقرری کے وقت چند شرائط کی پابندی کا معاہدہ:۔** عمر بن خطابؓ جب کسی کو عامل بنا کر بھیجتے تو اُس سے چند شرائط کا عہد لکھواتے۔ اور انصار صحابہؓ کی ایک جماعت کو اس پر گواہ بناتے۔ وہ شرائط یہ تھیں کہ:

1: عربی نسل کے گھوڑے پر سوار نہ ہوگے۔

2: میدے کی روٹی نہ کھاؤ گے۔

3: باریک لباس نہ پہنو گے۔

4: مسلمانوں کی ضروریات کے سامنے اپنے گھر کا دروازہ بند نہیں کروگے۔ پھر فرماتے "اے اللہ گواہ رہنا"

☆۔ **والیان ریاست کے انتخاب اور اُن کی تقرری کے لئے مشورہ:۔** ممتاز و بزرگ صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کے بعد گورنروں کا انتخاب اور اُن کی تقرری ہوتی تھی۔

**فاروقیؓ عدل فقید المثال:۔** اپنے عہد میں اپنے سامنے اپنے بیٹے کو کوڑے مروائے۔ آپؓ نے فرمایا! خدا کی قسم دریا فرات کے کنارے اگر بکری کا بچہ بھوکا پیاسا ہو گا۔ تو مجھے اللہ کے سامنے اُس کی بھی جوابدہی کرنی ہو گی۔

**مُلکی نسب و نسق:۔** مُلک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے حضرت عمرؓ نے "احداث" یعنی پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ اس کے افسر کا نام "صاحب الاحداث" تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین کا صاحب الاحداث بنایا تو اُن کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دیں۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں۔ مثلاً دوکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں۔ کوئی شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ شراب علانیہ نہ بکنے پائیں۔ عہد فاروقی میں جیل خانہ بنایا۔

**3: امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ کا پہلا خطبہ:۔** حضرت عتبہؓ کہتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے بیعت

کرنے کے بعد لوگوں میں بیان کیا ارشاد فرمایا۔

امابعد! مجھ پر خلافت کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ جسے میں نے قبول کر لیا ہے۔ غور سے سنو! میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے چلوں گا اور اپنے پاس سے گھڑ کر نئی باتیں نہیں لاؤں گا۔ توجہ سے سنو! اللہ کی کتاب اور اُس کے نبی ﷺ کی سنت کے بعد میرے اوپر تمہارے تین حق ہیں۔ پہلا حق یہ ہے کہ جس چیز میں آپ لوگ متفق اور اس کا ایک راستہ مقرر کر لیا ہے۔ اس میں پہلے سے پہلوں کے طریقے پر چلوں اور دوسرا حق یہ ہے کہ جس چیز میں آپ سب لوگوں نے مل کر کوئی راستہ مقرر نہیں کیا ہے۔ اس میں خیر والوں کے راستے پر چلوں اور تیسرا حق یہ ہے کہ میں آپ لوگوں سے اپنے ہاتھ روکے رکھوں۔ آپ لوگوں کو کسی قسم کی سزا نہ دوں۔ ہاں آپ لوگ خود ہی ایسا کام کر بیٹھیں۔ جس پر سزا دینا میرے ذمے واجب ہو تو یہ الگ بات ہے۔ غور سے سنو! دنیا سر سبز و شاداب ہے اور تمام لوگوں کے دلوں میں اس کی رغبت رکھی ہوئی ہے۔ اور بہت لوگ اس کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔ لہذا تم دنیا کی طرف مت جھکو اور اس پر بھروسہ نہ کرو یہ بھروسے کے قابل نہیں اور یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ دنیا صرف اُسے چھوڑتی ہے جو اسے چھوڑ دے۔

**عہد عثمانی کا نظام خلافت اور سرکاری مناصب:۔** اسلامی حکومت کی ابتداء شوریٰ سے ہوئی۔ فاروق اعظمؓ نے اس کو زیادہ مکمل اور منظم کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اس نظام کو اپنے ابتدائی عہد میں قائم رکھا۔ لیکن آخر میں بنو اُمیہ کے استیلاء نے اس میں برہمی پیدا کر دی۔

**عمال کی مجلس شوریٰ:۔** ملکی و انتظامی معاملات میں حکام وقت دوسرے غیر ذمہ دار اشخاص کے مقابلے میں نسبتاً بہتر اور صاحب رائے قائم کر اسکتے ہیں۔ چنانچہ آج تمام مہذب حکومتوں میں عمال و حکام کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے۔ عثمان ذوالنورینؓ نے تیرہ سو برس پہلے اس ضرورت کو محسوس کر کے عمال کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی تھی۔ اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری رائے طلب کی جاتی تھیں۔ کوفہ میں پہلے پہلے جب فتنہ وفساد کی ابتداء ہوئی تو اس کی بیخ کنی کے متعلق تحریر ہی کے ذریعے سے رائے طلب کی گئی تھیں۔

**اختیارات کی تقسیم:۔** حضرت عثمانؓ نے آفیسر فوج کا ایک جدید عہدہ ایجاد کیا۔ اس سے پہلے یعنی حاکم صوبہ انتظام ملک کے ساتھ فوج کی افسری بھی کرتا تھا۔

**حکام کی نگرانی:۔** نگرانی کا یہ عام طریقہ تھا کہ دریافت حال کے لئے دربار خلافت سے تحقیقاتی وفود روانہ کئے جاتے۔ جو تمام ممالک محروسہ میں دورہ کر کے عمال کی طرزِ عمل اور رعایا کی حالت کا اندازہ کرتے تھے۔

**ملکی نظم ونسق:۔** فاروق اعظمؓ نے ملکی نظم ونسق کا جو دستور العمل مرتب کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو بصیغہ باقی رکھا۔ اور مختلف شعبوں کے جس قدر محکمے قائم ہو چکے تھے۔ ان کو منضبط کر کے ترقی دی۔ یہ اسی نظم ونسق کا اثر تھا۔ کہ ملکی محاصل میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مصر کا خراج 20 لاکھ دینار تھا۔ لیکن عہد عثمانی میں اس

کی تعداد 40لاکھ تک پہنچ گئی۔

**بیت المال:۔** جدید فتوحات کے باعث جب ملکی محاصل میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ تو بیت المال کے مصارف میں بھی اضافہ ہوا۔ چنانچہ اہل وظائف کے وظیفوں میں ایک سو درہم کا اضافہ ہوا۔ حضرت عمرؓ رمضان میں امہات المومنینؓ کو دو دو درہم اور عوام کو ایک ایک درہم روزانہ بیت المال سے دلاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے علاوہ لوگوں کا کھانا بھی مقرر کر دیا۔

**4:امیر المومنین حضرت علیؓ بن ابی طالب کا پہلا خطبہ:۔** حضرت علی بن حسنینؓ کہتے ہیں۔ امیر المومنین بننے کے بعد حضرت علیؓ نے جو سب سے پہلا بیان فرمایا۔ اس میں پہلے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا اللہ نے ہدایت دینے والی کتاب نازل فرمائی اور اس میں خیر و شر سب بیان کر دیا۔ لہذا تم خیر کو کر لو اور شر کو چھوڑ و اور تمام فرائض ادا کر کے اللہ کے ہاں بھیج دو۔ اللہ ان کے بدلے میں تمہیں جنت میں پہنچا دیں گے۔ اللہ نے بہت سی چیزوں کو قابل احترام بنایا ہے۔ جو سب کو معلوم ہے۔ لیکن ان تمام چیزوں پر مسلمان کی حرمت کو فوقیت عطا فرمائی ہے۔ اور اللہ نے اخلاص و واحدانیت کے ذریعے مسلمانوں کو مضبوط کیا اور کامل مسلمان وہ ہے۔ جس کی زبان اور ہاتھ کی ناحق تکلیف سے تمام لوگ محفوظ رہیں۔ کسی مسلمان کو ایذاء پہنچانا حلال نہیں۔ البتہ قصاص اور بدلہ میں جو تکلیف دینا شرعاً واجب ہو جائے۔ اس کی اور بات ہے۔ قیامت اور موت کے آنے سے پہلے پہلے اعمال صالحہ کر لو۔ جب تمھیں خیر کی کوئی چیز نظر آئے تو اسے لے لو اور جب شر نظر آئے تو اسے چھوڑ دو اور اس وقت کو یاد رکھو جب تم تھوڑے تھے اور سرزمین مکہ میں تم کمزور سمجھے جاتے تھے۔

**عہد مرتضویؓ میں ملکی نظم و نسق اور سرکاری مناصب:۔** حضرت علیؓ انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے نہایت لجاحت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ عمرؓ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہو سکتا ہے؟

**عمال کی نگرانی:۔** ملکی نظم و نسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کا خاص اہتمام مد نظر رکھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت کعبؓ بن مالک کو اس خدمت پر مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی۔

ترجمہ: تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں پھر عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر غائر نظر ڈالو۔ عمال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بد عنوانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے چچازاد بھائی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ عامل بصرہ نے بیت المال سے ایک پیش قرار رقم لے لی۔ حضرت علیؓ نے چشم نمائی فرمائی۔ تو جواب دیا کہ میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا ہے۔ لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے۔

**صیغہء محاصل:۔** حضرت علیؓ نے محاصل کے صیغہ میں خاص اصلاحات جاری کیں۔ آپ سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں لیا جاتا تھا۔ آپ کے عہد میں جنگلات کو بھی محاصل کے ضمن میں داخل کیا گیا۔

## تجاویز

آخر میں زیر بحث موضوع کی مناسبت سے وطن عزیز میں حکومتی سطح پر نظم و نسق کی ابتر صورت حال، مجموعی طور پر امن و امان کا فقدان، کرپشن، اقربا پروری اور لا قانونیت کے عمومی راج کے پیش نظر حکومت کے سامنے چند موٹی موٹی سفارشات و تجاویز رکھنا بے جا نہ ہو گا۔ مایوسی عند اللہ کفر کے درجے میں ہے۔

1: ہمارے حکمران جو دولت کے انبار رکھتے ہیں۔ انہیں نہ خدا یاد ہے نہ قیامت۔ اگر ہمارے حکمران و اشرافیہ فریب دہی، جعل سازی، بد دیانتی اور تعیشات چھوڑ کر غریبوں کی بستیوں میں رہنے لگیں تو یہ ملک جو آج داؤ پر لگا ہوا ہے۔ جنت نظیر بن جائے۔

2: اسلامی فلاحی مملکت کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ نظام احتساب قائم کیا جائے۔ حضور ﷺ نے اس کا کوئی الگ محکمہ تو قائم نہیں فرمایا۔ البتہ آپ ﷺ ملکی معاملات و اخلاقیات کی بذات خود نگرانی فرماتے تھے۔ اسی طرح خلفائے راشدین نے خود کو عوام کے سامنے احتساب کے لئے نہ صرف پیش کیا۔ بلکہ ہر وقت اپنے آپ کو عوامی احتساب کے دائرے میں رکھا۔

3: اداروں میں افراد کی تقرریوں میں اقراء پروری، رشوت، پسند و ناپسند کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میرٹ، اہلیت اور امانت و وفاداری کو فروغ دینا ہو گا۔ تاکہ ملک کو مزید تباہی سے بچایا جا سکے۔

4: عدلیہ کے کردار میں جلد اور سستا عدل و انصاف ہی امن کی ضمانت ہے۔

5: قرض کسی بھی صورت میں نہ لیں۔

6: پارٹی پرستی کا خاتمہ ہو، یعنی پارٹی کا خاتمہ نہیں بلکہ ناحق اپنی پارٹی کا ساتھ نہ دیا جائے۔ پارٹی کے مفاد کو وطن عزیز پر قربان نہ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے پارٹیوں کو ختم نہیں کیا۔ صرف پارٹی پرستی سے لوگوں کو منع کیا۔

7: صدر مملکت، وزیر اعظم، وزرائے اعلیٰ، وفاقی و صوبائی وزراء سمیت تمام بیوروکریسی کے لئے لازم ہے کہ وہ سرکاری خزانہ کو امانت سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ "مال مفت دلِ بے رحم" والا معاملہ نہ کریں۔ خلفاء راشدین کی طرح بے شک کفاف پر قناعت نہ کریں۔ اونٹ پر نہ سوار ہوں بار بار پیوند لگا قمیض نہ پہنیں۔ بلکہ آئین و قانون کے مطابق تمام مراعات حاصل کریں۔

8: ملکی وسائل میں جہاں شہروں کا حصہ ہے۔ وہاں دیہاتوں میں رہنے والے 70-80٪ عوام کا بھی ہے۔ اس لئے اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سارے وسائل بڑے بڑے شہروں کی "تحسینات" پر لگا دینا اور دیہاتی آبادی کی "ضروریات" کو بالکل نظر انداز کر دینا بھی ناانصافی ہے۔ اس لئے اس پہلو پر بھی

خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اگر حکمرانوں میں عہد نبوی ﷺ اور عہد خلفائے راشدین جیسی طرز حکمرانی پیدا ہو جائے تو دیگر تمام نظام ہائے حیات مثلاً معاشرت، معیشت، عدل و احتساب، دفاعی و خارجی امور اور تعلیمی معاملات میں انقلاب افرین مثبت تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ تو انشاء اللہ بہت جلد اسلام کی برکات ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گی۔ ہماری یہ خواہش اگر پوری ہو گئی، تو ریاست کے وسیع ذرائع اور طاقت کو استعمال کر کے افراد معاشرہ میں ذہنی اور اخلاقی انقلاب برپا کرنا بہت زیادہ آسان ہو جائے گا۔ پھر جس نسبت سے ہمارا معاشرہ بدلتا جائے گا۔ اسی نسبت سے ہماری ریاست ارتقاء کی بلندیوں اور نقطہ کمال تک پہنچ جائے گی۔

**خلاصہ بحث:**

امانت و دیانت اور عہد کی پاسداری تعلیمات نبوی ﷺ کا ایک مثالی اور لائق تقلید پہلو اور اہل ایمان کے نمایاں اوصاف میں سے ایک عمدہ وصف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بطور حکم یہ بات فرمائی ہے کہ اہل ایمان اپنے معاملات ایسے افراد کے ہاتھ میں دیں۔ جو اس ذمے داری کے اہل ہوں۔ تمام حکومتی عہدیداران عہدہ سنبھالتے وقت ریاست اور آئین سے وفاداری اور ملکی ذرائع، ورسائل کے درست استعمال کا حلف اٹھاتے ہیں۔ حلف اٹھانا محض ایک تقریب کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک عہد ہے جو حلف اٹھانے والا اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر پوری ایمانداری کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو انجام دینے کا، اپنے ادارے، ملک اور عوام کے ساتھ کرتا ہے۔ آفیسران و منتظمین مناصب کا غلط استعمال کر کے گویا آئین اور ریاست کے ساتھ بد عہدی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرتی عدل سرکاری مناصب و ذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال پر موقوف ہے۔ اور یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے۔ جب قابل اور متدین حکام کا انتخاب کیا جائے اور ایسے اصول اور ضوابط وضع کئے جائیں۔ جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز ذرائع و سائل کے سبب سے اپنے مناصب کا غلط استعمال نہ کرنے پائیں۔

تعلیمات نبوی ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ ﷺ نے جن بنیادوں پر تشکیل معاشرہ کا کام جاری فرمایا ان میں پہلی چیز عقائد اسلام کے ذریعے ذہنی تربیت اور فکری اصلاح ہے۔ اس لئے کہ عقیدہ کی صحیح تربیت سے ہی طاقتور ضمیر پیدا ہوتا ہے۔ جو کہ منکر سے بچاتا ہے اور معروف پر آمادہ کرتا ہے۔ تشکیل معاشرہ کے لئے دوسری بنیادی چیز جو آپ ﷺ کے پیش نظر رہی وہ تزکیہ نفس ہے۔ قرآن پاک میں آپ ﷺ کے فرائض منصبی میں تزکیہ نفس کو تعلیم و کتاب و حکمت پر مقدم فرمایا ہے تاکہ مضبوط عقیدہ اور روشن ضمیر سے ایک کامل اور مستحکم شخصیت وجود میں آئے۔ تیسری بنیادی چیز جس پر عہد رسالت میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہوئی وہ اخلاق حسنہ ہے۔

اس لئے کہ انسانی تہذیب و تمدن کا تمام تر دارومدار اخلاق پر ہی ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بنیادوں پر معاشرہ قائم کر کے چھوڑا نہیں۔ بلکہ اس میں تسلسل اور مزید استحکام پیدا کرنے کے لئے تعلیم و تربیت کا

نظام بھی قائم کیا۔ جو عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے دور میں مسلسل جاری رہا۔ موجودہ دور میں اسلامی نظام کے نفاذ کا جذبہ رکھنے والے دانشور عوام اور حکومت کے سنجیدہ افراد اگر مخلصانہ طور پر اس نسخہ ء کیمیا کو آزمائیں تو اُمید ہے کہ اصلاح معاشرہ میں رسول اللہ کا یہ تربیتی اسلوب بہتر بہدف ثابت ہو گا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دیانت و امانت کے معیار پر پورا اترنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمیں حضور اقدس ﷺ کی ایسی سچی محبت نصیب فرمائے کہ ہم خود بخود سنت مصطفی ﷺ کے سانچے میں ڈھلتے چلے جائیں اور ہمارا وجود دوسروں کے لئے مینار نور اور مشعل راہ بن جائے۔ (آمین ثم آمین)

---

**"حوالے"**


1۔ سید قطب شہید، "اسلام میں عدلِ اجتماع"، ص 213۔
2۔ سید قطب شہید، "اسلام میں عدلِ اجتماع"، ص 381۔
3۔ سورۃ شوریٰ: آیت نمبر 38۔
4۔ سورۃ شوریٰ: آیت نمبر 39۔
5۔ حدیث صحیح بخاری۔
6۔ سورۃ البقرہ: آیت نمبر 6۔
7۔ پروفیسر چوہدری غلام رسول چیمہ، "اسلام کا سیاسی نظام"، ص 431۔
8۔ سورۃ 100: آیت نمبر 8۔
9۔ سورۃ 89: آیت نمبر 20۔
10۔ سورۃ 28: آیت نمبر 77۔
11۔ حدیث مشکوۃ۔
12۔ حدیث سنن ابو داؤد۔
13۔ سورۃ النجم: آیت نمبر 23۔
14۔ سورۃ النجم: آیت نمبر 28۔
15۔ سورۃ الذریات: آیت نمبر 52۔
16۔ مولانا حامد الانصاری، "اسلام کا نظامِ حکومت"، ص 501۔
17۔ سورۃ البقرۃ: آیت نمبر 168۔
18۔ سورۃ ال عمران: آیت نمبر 130۔

19۔ سورۃ النساء: آیت نمبر 29۔
20۔ حدیث ترمذی۔
21۔ سورۃ الاعراف: آیت نمبر 31۔
22۔ سورۃ الحشر: آیت نمبر 7۔
23۔ سورۃ اسراء: آیت نمبر 31۔
24۔ حدیث ترمذی۔
25۔ حدیث ترمذی۔
26۔ سورۃ فاطر: آیت نمبر 28۔
27۔ سورۃ ال عمران: آیت نمبر 123۔
28۔ مولانا ابوالکلام آزاد، "قرآن کا عروج وزوال"، ص 92۔
29۔ حدیث صحیح مسلم۔
30۔ سورۃ شوریٰ: آیت نمبر 38۔
31۔ "منہاج اسلامی نظام عدل"، ص 728۔
32۔ سورۃ النساء: آیت نمبر 58۔
33۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ص 55۔
34۔ سورۃ المائدہ۔
35۔ سورۃ المائدہ: آیت نمبر 32۔
36۔ سورۃ المائدہ: آیت نمبر 2۔
37۔ امام ابو حنیفہ: مشکوہ۔
38۔ سورۃ نور: آیت نمبر 55۔
39۔ سورۃ الحجرات: آیت نمبر 11۔
40۔ سورۃ البقرہ: آیت نمبر 256۔
41۔ سید قطب شہید، "سید سلمان ندوی سیرت النبی ﷺ"، ص 120۔
42۔ حدیث ابو داؤد۔
43۔ سورۃ الحجرات: آیت نمبر 3۔
44۔ حدیث ابو داؤد۔

45۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، "اسلامی ریاست"، ص45۔
46۔ سورۃ المائدہ: آیت نمبر32۔
47۔ حدیث صحیح مسلم۔
48۔ ڈاکٹر محمد یوسف، "اسلام کے دستوری قانون"، ص100۔
49۔ سورۃ ال عمران: آیت نمبر88۔
50۔ سورۃ النساء: آیت نمبر50 ۔
51۔ سورۃ البقرہ: آیت نمبر279۔
52۔ حدیث ابو داؤد۔
53۔ سورۃ البقرہ: آیت نمبر275۔
54۔ حدیث مسلم شریف۔
55۔ حدیث بخاری شریف۔
56۔ حدیث مسند احمد۔
57۔ مولانا ابو الکلام، ص199۔
58۔ امام مالکؒ۔
59۔ سورۃ ال عمران: آیت نمبر47۔
60۔ سورۃ الحجرات: آیت نمبر9۔
61۔ حدیث صحیح بخاری۔
62۔ سورۃ الصف: آیت نمبر9۔
63۔ ابن تیمیہ / الحسنۃ فی الاسلام بنروت، ص8۔
64۔ سورۃ الحدید: آیت نمبر25۔
65۔ سورۃ الحج: آیت نمبر41۔
66۔ حدیث مسلم شریف۔
67۔ فرانسیسی اسکالر موسیو گال لیبام، "اسلام کا نظام حکومت" ص68۔
68۔ حدیث صحیح بخاری۔
69۔ حدیث سنن ابو داؤد۔
70۔ سورۃ النساء: آیت نمبر58۔

71۔ حدیث صحیح بخاری۔
72۔ حدیث صحیح بخاری۔
73۔ حدیث ابو داؤد۔
74۔ سورۃ ال عمران: آیت نمبر 159۔
75۔ مفسر امام جریر طبریؒ، "تفسیر ابن جریرج"، ص 571۔
76۔ اطالوی مفکر لارڈ کاؤنٹ ہنری، "اسلام"، ص 920۔

## "کتابیات"

1۔ آزاد سلہری، 1998، "مذاہب عالم"، لاہور، پرنٹنگ، مطبۃ الربیہ، کُل ص 192۔
2۔ اسد سلیم شیخ، 1994ء، "پاکستان، جمہوریت اور انتخابات"، لاہور، سنگِ میل، پبلی کیشنز، کُل ص 416۔
3۔ چودھری غلام رسول چیمہ، پروفیسر، جولائی 2004ء "اسلام کا سیاسی نظام"، لاہور، جوہر رحمانیہ پرنٹرز، اُردو بازار کُل ص 518۔
4۔ حسین احمد قاضی، جولائی 2002ء، "پاکستان حال اور مستقبل"، لاہور، قومی پریس، 50 لوئر مال، کُل ص 147۔
5۔ رشید اختر ندوی، 1998ء، "ارض پاکستان کی تاریخ"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، کُل ص 504۔
6۔ رشید احمد، 2002ء، "تاریخ مذاہب"، کوئٹہ، قلات پبلشر، کُل ص 478۔
7۔ زوار حسین زیدی، ڈاکٹر، 2000ء، "جناح پیپرز جلد سوئم پاکستان تخلیق کی دہلیز پر"، اسلام آباد، شاد پرنٹرز، کُل ص 307۔
8۔ سبط حسین، 2002ء "پاکستان کے تہذیبی و سیاسی مسائل"، کراچی، مکتبہ دانیال، وکٹوریہ چیمبرز 2، کُل ص 362۔
9۔ سید محمد سعید، نومبر 1999ء، "تاریخ اسلام" حیدرآباد، پبلشر نسیم بُک ڈپو، کُل ص 464۔
10۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا، جولائی 1988ء، "اسلامی ریاست"، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، کُل ص 720۔
11۔ سید قطب شہید، دسمبر 1985ء، "اسلام میں عدل اجتماع"، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، کُل ص 576۔
12۔ سید اسعد گیلانی، 1991ء، "اسلامی تہذیب و اقدار"، کراچی، فیروز سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، کُل ص 429۔
13۔ شاہد مختار، 1998ء، "پاکستانی سیاست کی نصف صدی"، لاہور، شاہد پبلشرز، کُل ص 272۔
14۔ شبلی نعمانیؒ، علامہ، 5 جولائی 1898ء، "الفاروق"، لاہور، اے. این. اے پرنٹرز، کُل ص 364۔
15۔ غلام جیلانی مخدوم، ڈاکٹر، 2002ء، "تاریخ اسلام"، لاہور، ندیم یونس پرنٹرز، کُل ص 938۔
16۔ قاضی فضل اللہ، شیخ القرآن والحدیث، 1998ء، "ریاست اسلامی کا تصور"، ضلع کراچی، ایجوکیشنل پریس، کُل ص 139۔

17۔ لقاءالمحسن زائد،2006ء،"بہارِ اسلامیات انقلابی تہذیب وتمدن"،لاہور، نقوی پرنٹرز، کُل ص 592۔
18۔ محمد عبداللہ ملک، پروفیسر، 2013ء- 2012ء، " تاریخ اسلام"، لاہور، قریش برادرز پبلشرز، کُل ص 696۔
19۔ محمد علی چراغ، جنوری 2001ء،"خلفائے راشدین"،لاہور،نذیر سنز پبلشرز،اردو بازار، کُل ص160۔
20۔ محمد علی چراغ، 1993ء،"پاکستان(تاریخ،جمہوریت،سیاست، آئین)"لاہور سنگِ میل پبلی کیشنز، کُل ص 608۔
21۔ ملک کریم بخش،1996ء،"عالم اسلام کے مسائل وسائل"،لاہور، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، کُل ص309۔
22۔ محمود ظفر، حکیم،1998ء،"خلفائے راشدین"لاہور،اے.این.اے پرنٹرز، کُل ص427۔
23۔ مجاہد حسین،1947ء،"پاکستان کے متنازعہ سیاستدان"،لاہور،زاہد بشیر پرنٹرز، کُل ص432۔
24۔ محمد عبدالعلی اچکزئی، پروفیسر، ڈاکٹر، اگست2006ء، "روضۃ العلوم اسلامیہ"، کوئٹہ و مکتبہ ولیہ، کُل ص 192۔
25۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، 1974ء، "رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی"، کراچی، ایجوکیشن پریس، کُل ص 324۔
26۔ محمد ابراہیم خالد، پروفیسر، ڈاکٹر، جولائی 2001ء "اسلامی نظام تعلیم"، اسلام آباد، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن، کُل ص432۔
27۔ محمد قطب، ستمبر1986ء،"اسلام کا نظام تربیت"،لاہور،اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، کُل ص384۔
28۔ محمد طفیل، جنوری 1985ء،"رسول نمبر10 نقوش"،لاہور،ادارہ فروغ اردو، کُل ص820۔
29۔ محمد طفیل، دسمبر1983ء،"رسول نمبر5 نقوش"،لاہور،ادارہ فروغ اردو، کُل ص724۔
30۔ ایم.اے اسلامیات،سال اول،سال دوئم۔

# [[024]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

طاہرہ فردوس، کوئٹہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں گواہی دے کر کہہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [۱]

ترجمہ: درحقیقت تم لوگوں کیلئے اللہ کے رسول ﷺ ایک بہترین نمونہ ہے۔

اس بات کی ذمہ داری لے لی ہے کہ انسان جس معاملے میں بھی ہدایت کی غرض سے محمد ﷺ کے اسوہ حسنہ جاننے کی کوشش کرے گا۔ اُسے بہترین رہنمائی میسر آئے گی۔

اس ضمانت کے بعد یہ کیسے ممکن تھا کہ انسان کے من جملہ معاملات میں نظم وضبط کے حوالے سے محمد ﷺ کی سیرت مبارکہ ہدایت اور رہنمائی سے خالی ہو۔ اس قابل عمل فلسفہ حیات کا ہر زمانے میں ہر ذی شعور شخص نے اعتراف کیا۔ علم کے میدان میں نظمیات عامہ کی تخلیق یقیناً انسانی ذہن کی ایک قابل تعریف اختراع ہے۔ یہ اجتماعی جدوجہد کے لئے ایک عالمی طریقہ کار سمجھا جاتا ہے۔

"نظمیہ کا بنیادی مادہ خدمت ہے جو عوام کے لئے عمل میں آتی ہے۔ جیسے پولیس اور حفاظت، عوامی امور، تعلیم، تفریح، حفظان صحت، سماجی تحفظ، زراعت، تحقیق، قومی دفاع اور دیگر امور وغیرہ" [۲]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظمیہ کا کام مسائل کو سلجھانا نظم وترتیب قائم کرنا اور انسانی ومادی وسائل میں ہم آہنگی قائم کرنا ہے۔

ہم نظمیہ عامہ کو ایسی باضابطہ تنظیم سے تعبیر کرسکتے ہیں، جو انسان کی اجتماعی سرگرمیوں سے وجود میں آتی ہے، جس کے ذریعہ کسی بھی ادارے یا کام میں نظم ونسق برقرار رکھا جاتا ہے۔ نظمیہ عامہ کی سرگرمیاں تمام ریاست تک وسیع ہوتی ہیں اور پورے ملک کے لئے عمل میں آتی ہے۔[۳]

"وسیع معنوں میں نظمیات عامہ ان تمام دائرہ ہائے عمل پر مشتمل ہوتی ہے، جن کا مقصد عوامی پالیسوں کی تکمیل یا ان کا نفاذ ہوتا ہے۔[۴]

نظم عام ایک ایسے علم کی مانند نظر آتا ہے جسکا تعلق حکومت کے انتظامی شعبے سے اور شہری خدمات سے خصوصاً ہوتا ہے۔ اسکے دائرہ کار میں ایک وسیع عملہ شامل ہے، جو شہری خدمات اور عوامی بہبود کی مؤثر انجام دہی میں سرگرمی سے حصہ لیتا ہے۔ علم نظمیات عامہ کو اگر اسلام کی روشنی میں دیکھیں تو یہی اسلامی فلسفہ حیات ہی تھا جس نے

حکمرانوں کو شہریوں کی فلاح و بہبود کی طرف متوجہ کیا اور انہیں اس کا پابند بنایا۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ارشاد گرامی ہیں کہ:

"تم میں سے طاقتور ترین کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے تمام واجبات نہ لے لوں۔ اور تم میں سے کمزور ترین طاقتور ہے جب تک کہ میں اسے اسکا جائز حق نہ دلا دوں"[۵]

آج علوم و فنون کا ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر سیلاب کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس سیلاب کے آگے اخلاقی بند نہ باندھنے کی وجہ سے وہ نتائج حاصل نہ ہو سکے جسکی آج کے انسان کو ضرورت ہے یہ آدم خاکی جس نظام میں نظم کو تلاش کر رہا ہے۔ وہ نظام محمد عربی ﷺ آج سے چودہ صدیاں پہلے ہی دے گئے تھے۔

بہر حال ریاست کی تشکیل ایک منظم قوم کی تشکیل پر منحصر ہے۔ دنیا میں حکومت قائم کر لینا آسان ہے لیکن ایک قوم کا بنانا انتہائی مشکل کام ہے۔ اور پھر ایک قوم میں نظم و ضبط کا قیام اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ فرد، اُمت اور حکومت یہ تین ایسے عناصر ہیں جو تعلق کی زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں۔ ہماری ریاستیں کئی زمانوں سے ایک ہی بنیاد اور ایک ہی ڈھنگ پر چلی آرہی ہیں اور عوام الناس کو تو لا محالہ ان ہی لیڈروں کے طرز عمل کی پیروی کرنی ہو گی۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی اور طرز عمل اس خاص نوعیت کی تحریک کیلئے نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں جب ہم انبیاء علیم السلام کے نقش قدم کا سراغ لگانے کیلئے نکلتے ہیں تو ہمیں ایک بڑی دقت کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ قدیم زمانے میں جو انبیاء گزرے ہیں ان کے کام کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ قرآن میں کچھ مختصر اشارات ملتے ہیں۔ مگر ان سے مکمل اسکیم نہیں بن سکتی۔ زندگی میں نظم ہونا چاہیے۔ اسلامی ریاست میں نظم و نسق کے معاملے میں ہمیں صرف ایک ہی جگہ سے صاف اور مکمل رہنمائی ملتی ہے اور وہ محمد ﷺ کی زندگی ہے۔ اس طرف ہمارے رجوع کرنے کی وجہ نری عقیدت مندی نہیں۔ بلکہ در اصل اس راہ کے نشیب و فراز معلوم کرنے کیلئے ہم اسی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہیں۔

تدبیر مدن کے لفظی معنی تو شہروں کے انتظام یا ریاستوں کے بندوبست کے ہیں، لیکن اصطلاحی اعتبار سے تدبیر مدن سے مراد وہ تمام معاملات ہیں جن کو آج کل علم سیاسیات، حکومت اور ریاست کے نظم و نسق سے تعبیر کرتے ہیں۔ [۶]

اسلام میں حکمت عملی سے مراد وہ حکمت ہے جس کا مقصد تصور اخلاق، اور اعلیٰ کردار کو عملاً فرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست میں قائم کرنا مقصود ہو۔

اسلام کوئی نظری یا تصوراتی پیغام نہیں ہے بلکہ یہ ایک عملی پیغام ہے جو انسانوں کی اس دنیا میں ہمہ گیر اور بھرپور تبدیلی کا مقصد پیش نظر رکھتا ہے۔ ان تصورات کی عملی تشکیل یعنی فرد مطلوب کی تیاری، عوام الناس کے نظم و ضبط اور تربیت اور پھر ریاست اور معاشرے کے انتظام اور بندوبست اور تربیت پر خاص توجہ مرکوز کرتا ہے۔ اسلامی

ریاست اور عوام الناس میں نظم اُسی وقت قائم کیا جاسکتا ہے۔ جب حکمران بھی اعلیٰ درجہ کے حامل ہوں۔ اسلامی ریاست جہاں کہیں بھی قائم ہو گی وہاں عوام الناس اس پر عمل کرنے کی پابند ہو گی۔

**اسلامی ریاست اللہ کا سایہ رحمت ہے**

عن عمرؓ قال رسُول الله ﷺ السلطانُ ظِل الله في الارض ياوي اليه كل مظلوم من عباده فان عدل كان له الاجز وكان على الرعية الشكر[٧]

"اسلامی ریاست یا عادل حکمران زمین پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہے جس کے پاس اللہ کے بندوں میں سے ہر مظلوم دادرسی اور انصاف کیلئے رجوع کرتا ہے۔ اگر اس نے انصاف کیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا اور رعیت پر اس انصاف کا شکر واجب ہو گا۔"

السلطان ظل الله في الارض، فمن اكرمه اكرمه الله، ومن اهانه اهانه الله[٨]

"اسلامی ریاست زمین میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ہے جس نے اس قسم کی عادل حکومت کا احترام کیا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنا کرم فرمائے گا۔ اور جس نے اس حکومت کی توہین کی تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دے گا۔"

دراصل اسلامی ریاست میں حکمران ایک آئیڈیل کی صورت میں ہوتا ہے اور عوام الناس اسے ہر لحاظ سے بہتر دیکھنا چاہتی ہے۔

اگر حکمران نیک دل، مہربان اور ضبط کرنے والا ہو۔ تو عوام الناس ضرور اس سے متاثر ہوتی ہے۔ فرد واحد پر اس کے اثرات زیادہ نہ ہوں مگر کچھ نہ کچھ اثرات ضرور ہوتے ہیں۔ خدا کی حقیقی رحمت تو اس کا دین ہے۔ لیکن جو حکومت اقامت دین اور قیام عدل کا کام کرتی ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا سایہ رحمت ہے۔ جو لوگ حکومت کو ضروری نہیں سمجھتے وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے لوگوں کو محروم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک فرمان میں امیر کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت قرار دیا۔ فرمایا عادل حکمران کی خیر خواہی دین کا ایک فریضہ ہے۔

عن تميم الداريؓ قال النبي ﷺ الدين النصيحة قلنا لمن قال لله ولكتابه ولرسوله ولائمة المسلمين وعامتهم [٩]

"دین تو نصیحت کا نام ہے ہم نے پوچھا کس کیلئے؟ فرمایا۔ اللہ کیلئے، اسکی کتاب کیلئے، اُس کے رسول کیلئے، مسلمانوں کے حکمرانوں کیلئے اور عام مسلمانوں کیلئے۔"

مسلمانوں کے حکمرانوں کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ حُسنِ تعلق یہ ہے کہ حق بات میں ان کی مدد کی جائے، بھلائی اور نیکی میں ان کی اطاعت کی جائے، غفلتوں اور غلطیوں پر ان کو متنبہ کیا جائے، عوام الناس کے حقوق

کے تحفظ پر ان کو آمادہ کیا جائے۔ ان سے بغاوت نہ کی جائے۔ لوگوں کو ان کی طاعت پر آمادہ کیا جائے، ان کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے، ان کی قیادت میں جہاد کیا جائے اور زکوٰۃ وصدقات ان کو دیئے جائیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ اور سول اور کتاب اللہ کے ساتھ تعلق نظام امامت کے بغیر پورے طور پر قائم نہیں ہو سکتا ہے۔

**اُمت کی اصلاح صالح حکمران کے بغیر ممکن نہیں۔**

قال عمر بن الخطابؓ والله ما يزعُ اللهُ بالسلطان اعظم مما يزع بالقرآن [١٠]

"عمر فاروقؓ نے فرمایا، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ حکومت کے ذریعے برائیوں کا جو سدباب کرتا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو قرآن کے ذریعے کرتا ہے۔"

اس کی وجہ یہ ہے قرآن کے علم اور اس کے مواعظ اور دلائل سے بعض لوگ تو متاثر ہو کر از خود گناہوں سے رُک جاتے ہیں۔ لیکن بعض سنگ دل لوگ اس سے اثر قبول نہیں کرتے۔ ریاست چونکہ سزائیں دیتی ہے اور اس کے پاس مادی قوت بھی ہوتی ہے اس لئے سزاؤں کے خوف سے اکثر لوگ جرائم سے رُک جاتے ہیں۔

عن ابن عباسؓ قال النبي ﷺصنفان من امتي اذ صلحا صلحت الامة واذا فسدا فسدت الامة، السلطان والعلماءُ وفي رواية الامراء والفقهاء [١١]

"میری امت کے دو قسم کے لوگوں کی حالت جب تک درست ہو گی تو امت کی حالت بھی درست اور بہتر ہو گی اور جب ان کی حالت خراب ہو جائے گی تو اُمت میں بھی بگاڑ اور خرابی پیدا ہو جائے گی۔ ان سے مراد حکمران اور علماء ہیں۔ "

اسلامی ریاست میں حکمران عوام الناس کو اجتماعی اداروں میں منقسم کر کے اُسے پابندی اور ذمہ داریوں کا احساس دلا سکتا ہے۔ عہدے اور منصب ایک اعزاز سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اسلام میں یہ عہدے اور منصب ایک "امانت" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ذمہ داری کی بجا آوری کے ہر پہلو کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا تصور "منصب دار" کو "خدمت گار" کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے واضح ہدایات ارشاد فرمائیں کہ عہدہ یا منصب کا مطالبہ نہ کیا جائے آپ کا واضح ارشاد ہے۔

لا نولي على هذا العمل احدا ساله ولا احدا حرص عليه [١٢]

ہم اس عمل پر کسی ایسے شخص کو عامل مقرر نہیں کرتے جو اس کا مطالبہ کرے اور نہ ہی اس کو جو اس کی تمنا کرے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب عہدے اور مناصب لالچ کی بنیاد پر مانگیں جائیں گے تو

معاشرے میں بے اعتدالی اور افسران میں لوٹ مار کا رجحان ہو گا اور نظم وضبط قائم نہیں رہ سکے گا۔

ایسے لوگوں کو جو ان عہدوں سے گریز کریں ان کو "خیر الناس" قرار دیا ہے[۱۳]

"عن ابي هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ من اطاعني فقد اطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله ومن اطاع اميري وفي رواية من اطاع الامير فقد اطاعني ومن عصى اميري وفي رواية من عصى الامير فقد عصاني "[۱۴]

"جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور جس نے میرے امیر کی یا مسلمانوں کے امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی یا مسلمانوں کے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی"

امیر کی ظاہری شان وشوکت، شخصیت اور سماجی معیار جس طرح کا بھی ہو ہر صورت اُسکی اطاعت فرض ہے۔

**اسلامی ریاست عوام الناس کے تحفظ کا ذریعہ ہے:**

امام ابو سلیمان خطابیؒ فرماتے ہیں۔

"امام اعظم یعنی سربراہ ریاست کے نگران ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شریعت کی حفاظت کرتا ہے، حدود قائم کرتا ہے اور لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ حکم کرتا ہے۔ مرد کے راعی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہل خانہ کے معاملات اور ان کی اصلاح کرتا ہے اور ان کے حقوق ادا کرتا ہے۔ عورت کے راعیہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ گھر کے کاموں اور اولاد وخدام کے کاموں کا انتظام وتدبیر کرتی ہے۔ ان سب کاموں میں اپنے شوہر کی خیر خواہ رہتی ہے اور خادم وملازم کے راعی ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اُس چیز کی حفاظت کرتا ہے جو اُس کے ہاتھ میں دی گئی ہو اور وہ خدمت بجالاتا ہے۔ جو اُس پر لازم کی گئی ہو"۔[۱۵]

**کچھ ذمہ داریاں ہیں جو ریاست نے متعین کر دی ہیں، لیکن انہیں نبھانا عوام الناس نے ہے۔**

یہ نظم اُسی وقت برقرار رہتا ہے۔ جب حکمران یعنی حاکم اور عوام الناس میں ایک مضبوط تعلق ہو۔ اور وہ تعلق اعتبار کی بنیاد پر قائم رہتا ہے۔ ابن خلدون نے نظم ریاست کیلئے کچھ یوں تحریر فرمایا۔

"انتظام حکومت کی ذمہ داریوں میں تنہا سلطان اپنی انفرادی زندگی کے معمولات میں جب دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے۔ تو نوع انسانی پر حکومت رعایا کے نظم ونسق میں کتنا حاجت مند ہو گا۔[۱۶]

**محمد رسول اللہ ﷺ کا نظام ریاست اور قیام نظم**

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰي وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا، تاکہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔[۱۷]

سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ کے الفاظ بھی یہی ہیں لیکن لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ کی جگہ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا آیا ہے۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ بیان ہوا ہے کہ وہ دین اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرے گا۔

ظاہر ہے کہ دین کا غلبہ اہل دین کے غلبے پر موقوف ہے۔ فریضہ اقامت دین کی ادائیگی اور غلبہ دین کے لیے تعلیم و تبلیغ اور تزکیہ وارشاد کی کوششوں کے ساتھ اسلامی ریاست کے قیام اور حصول اقتدار کی کوشش کرنا بھی فرائض نبوت میں شامل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کار نبوت کا آغاز تو تبلیغ توحید اور تعلیم و تربیت سے کیا تھا اور یہی فطری طریقہ ہے اس لیے کہ علم دین کے بغیر نہ دین پر عمل کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کو غالب اور قائم کیا جا سکتا ہے اور تعلیم یافتہ و تربیت یافتہ کارکنوں کی مُعتد بہ جماعت کے بغیر اسلامی حکومت نہ قائم ہو سکتی اور نہ چلائی جا سکتی، لیکن آپ کی تعلیم و تربیت میں آغاز ہی سے سیاسی تصور بھی موجود تھا اور آغاز ہی سے سیاسی اثرات پیدا کرنے کی تدابیر بھی آپ نے اختیار فرمائی تھیں انہی تعلیمات و تدابیر کے نتیجے میں مدینہ کی ریاست آپ کی قیادت میں قائم ہوئی تھی۔[۱۸]

ابن سعدؒ نے تحریر فرمایا،

وتدين لكم بها العرب وتزل لكم بها العجم- [۱۹]

اگر تم توحید کو مان لو تو عرب تمھارے تابعدار ہو جائیں گے اور عجم تمھارے ماتحت ہو جائیں گے۔

اس ارشاد نبوی ﷺ کا یہی مطلب ہے کہ ایک توحیدی ریاست قائم ہو جائے گی چنانچہ یہ ریاست قائم ہوئی اور قیصر و کسریٰ کا خاتمہ ہوا۔

## ہجرت حبشہ کے سیاسی اثرات

کفار مکہ کے مظالم کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی ہجرت حبشہ صرف پناہ گزینی نہیں تھی بلکہ یہ ایک قسم کی سیاسی حکمت عملی بھی تھی جس کا مقصد بیرون عرب تک توسیع دعوت تھا اور حبشہ کے شاہی خاندان کو متاثر کرنا تھا مہاجرین حبشہ پناہ گزین ہونے کے ساتھ اسلام کے داعی اور ترجمان بھی تھے انہوں نے دعوت کا کام جاری رکھا، اسلام کے اثرات پھیلتے چلے گئے، حتیٰ کہ اس وقت کا شاہ حبشہ نجاشی (اصحمہ) مسلمان ہو گیا، اور ہجرت مدینہ کے بعد قائم ہونے والی اسلامی ریاست کے ساتھ اسکے دوستانہ تعلقات بھی قائم رہے۔[۲۰]

ایسی حکمت عملی نے تمام مسلمانوں کو متحد کر دیا اور ایسا اتحاد دنیا میں دکھا گیا جس کی دنیا آج بھی مثال دیتی ہے۔

بیعت عقبہ بھی رسول اللہ ﷺ کی سیاسی حکمت عملی تھی جسکی وجہ سے عرب عجم کی اس حکومت کی بنیاد قائم ہوئی یہ بیعت اصل میں اسلامی ریاست کی تمہید تھی، حضرت سوید بن صامت مدینہ کے وہ پہلے خوش قسمت انسان تھے جو رسول اللہ ﷺ سے متاثر ہوئے۔

اسی وجہ سے اس بیعت عقبہ کو مسند احمدؒ اور سیرت ابن ہشام میں "بیعت النساء" کہا گیا، حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے یہ بیعت لی تھی۔

"اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، کسی پر جھوٹا الزام نہ لگاؤ اور میری نافرمانی نہ کرو گے۔ تم نے اس عہد کو وفا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے اور اگر کسی نے ان حرام کاموں میں سے کسی کام کا ارتکاب کیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے چاہے عذاب دے چاہے معاف کر دے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے اس بیعت کی نوعیت اس طرح بیان فرمائی ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ عہد کیا تھا کہ؛ آپ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہماری طبیعت چاہے یا نہ چاہے اور ہم مالی اخراجات برداشت کریں گے، خواہ خوش حال ہوں یا تنگ دست ہوں۔ ہم نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ اللہ کے لیے حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی پروانہ کریں گے اللہ کے رسول اللہ ﷺ جب ہماری بستی یثرب (مدینہ) تشریف لائیں گے، تو ہم ان کی مدد کریں گے اور ان کی حفاظت کریں گے جس طرح ہم اپنی جانوں، بیویوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے بدلے میں ہم جنت چاہتے ہیں۔

فهذه بيعة رسول الله ﷺ التي بايعنا عليها- [۲۱]

یہ تھی وہ بیعت جو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے کی تھی۔

**اسلامی ریاست کی تاسیس**

سیاسی لحاظ سے سب سے بڑا تعمیری اقدام یہ تھا کہ ریاست چلانے کے لیے مدینہ کے یہود اور مشرکین اور مسلمانوں کی سوسائٹی کو ایک نظم میں پرو دیا گیا سیاسی نوعیت کی تنظیم معاشرہ کے لیے تحریری معاہدہ استوار کیا گیا، جس کی نوعیت در حقیقت ایک باقاعدہ تحریری دستور کی ہے اس کو بجا طور پر دنیا کا پہلا تحریری دستور کہا جاتا ہے اس دستوری معاہدے کے ذریعے نبی کریم ﷺ نے جو کچھ حاصل کیا وہ یہ تھا۔

* مدینہ کے منظم ہونے والے معاشرے میں خدا کی حاکمیت اور اسکے قانون کو اساسی اہمیت حاصل ہو گئی۔
* سیاسی قانون اور عدالتی لحاظ سے آخری اختیار (Authority) محمد ﷺ کے ہاتھ آ گیا۔
* اور اس کے کسی عنصر کے لیے قریش کی حمایت کے دروازے بند ہو گئے۔
* نیز دفاعی لحاظ سے بھی مرکزی اور فیصلہ کن اختیار آنحضرت ﷺ کے پاس آ گیا۔
* اس دستوری معاہدہ سے باضابطہ طور پر اسلامی ریاست اور اسلامی نظام حیات کی تاسیس واقع ہو گئی۔
* دفاعی لحاظ سے مدینہ اور اسکے نواح کی پوری آبادی ایک متحدہ طاقت بن گئی۔

**عقد مواخات**

ہجرت کے پانچویں مہینے میں رسول اللہ ﷺ نے اسلامی قومیت اور دینی اخوت کے استحکام اور مہاجرین کی معاشی کفالت اور آبادکاری کے لیے اہم ترین انقلابی قدم اٹھایا، جس کو احادیث و سیر کی کتابوں میں مواخات بین المہاجرین والانصار کہا گیا ہے انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

قد حالف النبيﷺ بين قر يش والانصار في داري[۲۲]

"رسول اللہ ﷺ" نے میرے گھر میں قریش (مہاجرینؓ) اور انصار کے درمیان اسلامی برادری کا معاہدہ کرایا تھا"۔

مدینہ کے معاشرہ کا ایک بڑا مسئلہ سینکڑوں مہاجرین کی بحالی کا مسئلہ تھا گھر بار چھوڑ چھاڑ کر مسلسل لوگ اکھڑے چلے آرہے تھے اور چند ہزار کی آبادی رکھنے والی متوسط سی بستی کو انہیں اپنے اندر جذب کرنا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلے کو جو تاریخ میں جب بھی پیدا ہوتا ہے، پریشان کن بن جایا کرتا ہے، مدینہ کے معاشرے اور اسکے صدر ریاست نے جس کمال حکمت سے حل کیا اسکی پوری مثال دنیا میں نہیں ملتی کوئی آرڈی نینس جاری نہیں کئے گئے، کوئی قانون نہیں ٹھونسے گئے، الاٹ منٹیں نہیں کی گئیں مہاجرین کی تعداد معین کر کے کوئی قدغن نہیں لگائی گئی، کسی جبر سے کام نہیں لیا گیا محض ایک اخلاقی اپیل کے ذریعے اس پر پیچ مسئلے کو چند روز میں حل کر لیا گیا۔ سرور عالم ﷺ نے عقیدے اور نظریے اور مقصد کی صحیح معنوں میں ایک نئی برادری پیدا کر دکھائی۔ ایسا نظم و ضبط تاریخ میں پہلے کہیں دیکھنے میں نہ آیا۔

مدینہ منورہ کی شہری ریاست دس برس کے قلیل عرصہ میں ارتقاء کی مختلف منزلیں طے کر کے ایک عظیم اسلامی ریاست بن گئی۔ اسلامی ریاست کا نظم و نسق عرب قبائلی روایات پر قائم و استوار تھا۔ تاہم جلد ہی وہ ایک ملک گیر ریاست اور مرکزی حکومت میں تبدیل ہو گئی۔ اس ریاست کے ملک گیر ریاست ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا ہر حکم مسلمانوں کیلئے تو واجب العمل تھا ہی غیر مسلموں کو بھی تمام سیاسی احکام کی پابندی کرنی ہوتی تھی۔ اور وہ صرف انہی چیزوں میں آزاد تھے جن میں اسلام کوئی پابندی نہیں لگاتا۔ مثلاً غیر مسلمانوں کو جزیہ و خراج کی ادائیگی کرنے کے علاوہ تمام مقدمات بھی اسلامی اصولوں کے مطابق کرانے ہوتے تھے اور نجران کے عیسائیوں کو سودی کاروبار کی ممانعت بھی تسلیم کرنی پڑی تھی۔[۲۳]

عربوں میں نہ صرف مرکزیت کا فقدان تھا بلکہ وہ مرکزی نظم و نسق اور قومی حکومت کے تصور ہی سے عاری تھے، کہ وہ ان کی من مانی قبائلی آزادی کی راہ میں رُکاوٹ تھا۔ وہ کسی "غیر" کی حکمرانی تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ یہ رسول اکرم ﷺ کا سیاسی معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے مرکزیت دشمن قبائل عرب کو ایک سیسہ پلائی ہوئی اُمت میں تبدیل کر دیا اور ان گنت سیاسی اکائیوں کی جگہ ایک مرکزی حکومت قائم کر دی۔

یہ ریاست خصوصیات کے لحاظ سے عجیب و غریب اور اپنی مثال آپ تھی۔ اس میں سربراہ ریاست و حکومت

کیلئے نہ کوئی تاج و تخت تھا نہ کوئی قصر و محل عام لوگوں کے رہن سہن اور بود و باش کا جو معیار تھا وہی سربراہ ریاست کا تھا مظاہر معیشت میں اس کیلئے کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر قسم کے تکلفات سے پاک فطری سادگی اس کی شان تھی۔ یہی حال اُسکے سب رفقاء کا بھی تھا جو ریاست و حکومت کے مختلف فرائض و وظائف انجام دیتے تھے۔

پھر چونکہ اسلام میں حکومت کے وجود کا مقصد بلا کسی تخصیص و امتیاز تمام شہریوں کے ہر قسم کے حقوق کا پوری طرح تحفظ کرنا، لوگوں کے نزاعی امور و معاملات کو عدل و انصاف کے مطابق سلجھانا و نمٹانا، اور مملکت میں داخلی و خارجی امن و امان کا قیام عمل میں لانا تھا، لہٰذا اس نبوی ریاست میں اس کا مکمل طور پر استحکام اور انتظام تھا۔ اسلام کے قوانین عدل کے نفاذ اور ان پر عمل کے نتیجہ میں ہر فرد کے ہر قسم کے حقوق محفوظ تھے۔ عدالت کا ایسا نظام قائم ہوا جس کے اندر ہر مظلوم و مستغیث بغیر کسی روک ٹوک اور بغیر کسی دشواری کے مفت انصاف و دادرسی حاصل کر سکتا تھا۔ دعویٰ ثابت ہو جانے پر کسی ظالم اور غاصب کی مجال نہ تھی کہ وہ مظلوم کو اسکا حق واپس نہ لوٹائے اور اپنی تعدی اور زیادتی کا مناسب خمیازہ نہ بھگتے۔ جُرم و سزا کے قوانین سب کیلئے یکساں و برابر تھے۔

اس خاص طرز پر کام کرنے والے عوام الناس تعلیم اور تربیت اور عملی تجربہ سے تیار کئے گئے اور پھر اجتماعی نظم میں کام کر کے ایسا نمونہ پیش کیا کہ آٹھ سال کی مختصر مدت میں مدینہ جیسے ایک چھوٹے سے قصبہ کا اسٹیٹ پورے عرب کی سلطنت میں تبدیل ہو گیا۔[۲۴]

جب تک عوام الناس خلوص اور لگن سے کام نہ کریں اس وقت تک نظم و ضبط قائم نہیں ہوتا۔ اسلام پر عمل پیرا کرنے والے اور مدینہ کی سلطنت کو عروج دینے والوں نے دنیا میں اس نظام کو اجتماعی نظم و ضبط سے تبدیل کر دیا۔ ریاست میں اقتدار و اختیار کا سرچشمہ ذات نبوی ﷺ تھی کہ اسکے ہاتھ میں مرکزی حکومت کی باگ ڈور تھی۔ مستعد کارگزاری کیلئے سربراہ حکومت اپنے کچھ اختیارات مرکزی و صوبائی اور مقامی حکام کو منتقل کر دیتے تھے۔

تینوں سطحوں کے حکام کی تقرری و تبدیلی اور معزولی کا کلی اختیار سربراہ مملکت کو آئین الٰہی کے مطابق بلا حجت و تکرار حاصل تھا۔ مرکزی انتظامیہ میں نائبین نبوی ﷺ، مشیران گرامی، کاتبین کرام، سفیران رسالت، عہدہ داران خاص اور شعراء و خطباء عظام کے علاوہ متعدد ثانوی کارکنان حکومت شامل تھے۔ جبکہ صوبائی انتظامیہ میں ولاۃ (گورنر) ولایات اور ان کے ماتحت حکام شامل تھے۔ مقامی نظم و نسق کی سطح پر شیوخ قبائل، مقامی منتظمین، نقیبان شہر نبوی ﷺ، قضاۃ کرام اور افسران بازار وغیرہ شامل تھے۔

سیاسی انتظامی اہمیت کے اعتبار سے پہلا مقام نائبین نبوی کو حاصل ہے۔ مآخذ سے یہ اہم حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب کبھی اور کسی سبب مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اپنے پیچھے ایک جانشین / نائب / خلیفہ چھوڑ جاتے۔

آنحضرت ﷺ نے ریاست قائم کرنے کے بعد ہر ادارے اور عوام الناس میں ایسا ربط اور نظم قائم کیا

جس کی مثال تاریخ کے ہر واقعہ سے ثابت ہوتی ہے۔

تمام ریاستوں کے تمام لیڈروں میں صرف ایک محمد ﷺ ہی وہ تنہا لیڈر ہیں جن کی زندگی میں ہم کو دین اسلام کی دعوت سے لے کر اسلامی اسٹیٹ کے قیام تک اور پھر قیام کے بعد اس اسٹیٹ کی شکل "دستور" داخلی اور خارجی پالیسی اور نظم و مملکت کے نہج تک ایک ایک مرحلے اور ایک ایک پہلو کی پوری تفصیلات اور نہایت مستند تفصیلات ملتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے ملک، اپنی قوم، اپنے قبیلے، اپنے خاندان، کسی کے مفاد کی کبھی پروا نہیں کی۔ اس چیز نے دنیا کو یقین دلایا کہ آپ ﷺ انسان بحیثیت انسان کی فلاح کے لئے اٹھے ہیں اور اسی چیز نے آپ ﷺ کی دعوت کی طرف ہر قوم کے انسانوں کو کھینچا۔

تیرہ برس کی شدید جدوجہد کے بعد وہ وقت آیا جب مدینہ میں اسلام کا ایک چھوٹا سا اسٹیٹ قائم کرنے کی نوبت آئی۔ اسوقت ڈھائی تین سو کی تعداد میں ایسے کارکن فراہم ہو چکے تھے جس میں سے ایک ایک اسلام کی پوری تربیت پاکر اس قابل ہو چکا تھا کہ جس حیثیت میں بھی اسے کام کرنے کا موقع ملے، اسے انجام دے سکے، اب یہ لوگ ایک اسلامی اسٹیٹ کو چلانے کیلئے تیار تھے یہ دور اسلامی آئیڈیالوجی کے ایک مجرد تخیل (Abstract Idea) سے ترقی کر کے ایک مکمل نظام تمدن بنے کا دور ہے۔ جس میں اسلام کے انتظامی، تعلیمی، عدالتی، معاشی، معاشرتی، مالی، جنگی، بین الاقوامی، پالیسی کا ایک ایک پہلو کا اصول بنا، ان اصولوں کو عملی حالات پر منطبق کیا گیا۔[۲۵]

## عوام الناس اور حکومتی یا ریاستی قوانین کے درمیان نظم وضبط تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

اسلام میں ہر شعبہ ہائے میں نظم وضبط کا ہونا بہت ضروری ہے۔ معاشرے میں امن عافیت اور نظم وضبط کی فضا اُس وقت استوار کی جاسکتی ہے جب ہر شخص اس امر کی ضمانت دے کہ وہ کسی کی حق تلفی نہ کرے گا دوسرے لوگوں کے حقوق و مراعات کے متعلق خلاف ورزیوں کو روکے گا۔۔ اپنے مقاصد کی تحصیل کی خاطر رسول مقبول ﷺ تمام عمر کوشاں رہے، اور آپ ﷺ نے ضابطہ قانون کے بنیادی اصول مرتب کئے۔ اپنے ان احکام کی روشنی میں اصولوں کی مطابقت میں آئین تیار کرنے کا کام بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے اٹھا رکھا تاکہ وہ ان کے زمانہ، حالات اور ان کی احتیاج پوری کرنے کے لائق ہو۔ بعد کے زمانوں میں مسلمان مقننین نے اپنے وقت کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے قوانین بنائے اور اس مقصد کے لئے اجماع، قیاس اور اجتہاد کا لحاظ رکھا۔ لیکن ہر حال میں انہوں نے قرآن وسنت کے احکام کو مشعل راہ بنایا۔ اور ہر شعبہ میں قانون اور نظم وضبط کے لیے راستے مقررہ حدود میں رہتے ہوئے، آج بھی ہمارے سامنے کھلے ہیں۔ سیرت نبوی ﷺ کے مطالعے سے ہمیں نبی پاک ﷺ کی حیات طیبہ کے ایک اہم پہلو (وقت) سے بھی آگاہی ہوتی ہے، سب سے پہلے وقت کا صحیح استعمال اور راہ نما اصول بتائے، یہ اصول نبی کریم ﷺ کی حیات میں کس طرح رو بہ عمل نظر آتے ہیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ چار اصول

موجود زمانے میں تنظیم اوقاتTime Management کے ماہرین کے بھی پیش نظر ہیں۔ اور وہ بھی ان سے پوری طرح متفق نظر آتے ہیں۔

تنظیم اوقات یا Time Management کے ان چار اصولوں کو سب سے پہلے ہم موجود زمانے کے لئے اس موضوع کے ماہرین کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

1. Appreciation of the value of time andconseguetly،Making the best use of piece of available time.

وقت کی قدر قیمت کا اندازہ، اور بالآخر دستیاب وقت کے ہر حصے کا صحیح استعمال

2. The Guidance of amission،a set of values and priorities in planning over activity.

مامور کی راہنمائی، اسکی افادیت و اہمیت کا تعین اور ہر کام کی منصوبہ بندی میں ترجیحات کا تعین

3. Establishment of a time Policy or a time budget،

وقت کو ایک حکمت عملی کے تحت استعمال کرنے کی طرح ڈالنا، یا یوں کہیں کہ وقت کا تخمینہ۔

4. The Scheduling and copmletion of activities with in allocated time slots،

کاموں کو مقرر کردہ وقت کے نظام میں مکمل کرنے کی تربیت کاری [۲۶]

سیرت نبوی ﷺ کے مطالعے سے ہمیں نبی پاک ﷺ کی حیات طیبہ کے اس اہم پہلو سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔

یہ راہ نما اصول نبی کریم ﷺ کی حیات میں کس طرح روبہ عمل نظر آتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے سورۃ العصر میں "وقت" یا "زمانہ" کی قسم کھائی ہے۔ جس میں وقت کی افادیت پر زور دیا گیا۔ اسی طرح سورۃ اللیل اور سورۃ الضحیٰ میں وقت کی قسم کھائی گئی۔ اللیل رات کا وقت سکون اور اطمینان کا ہوتا ہے اور ضحیٰ سے رات کے مقابلے میں روز روشن مراد ہے۔ جو دن کا وقت ہے۔[۲۷]

رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں ان ادعیہ سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ افکار میں یا کسی مثبت سرگرمی میں صرف ہوتا تھا۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا، کیونکہ وہ شخص سست الوجود اور کاہل تھا اور فضول وقت ضائع کر رہا تھا۔

دراصل اسکو وقت کی اہمیت کا احساس دلانا مقصود تھا۔ پھر دوسرے وقت میں نبی کریم ﷺ نے اسکو کام میں مصروف دیکھا تو آپ ﷺ بے حد خوش ہوئے اور اس کے سلام کا بڑی گرم جوشی سے جواب دیا اور حوصلہ افزائی

فرمائی۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس، الصحة والفراغ [۲۸]

لوگوں کی ایک بڑی اکثریت نقصان میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دو نعمتوں کا ادراک نہیں کرتے ایک صحت اور دوسری فراغت۔

قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وحی کے ذریعے رابطہ، اور عقیدہ و عمل نے آپ ﷺ کی اقدار و ترجیحات کی تشکیل کی تھی۔

چنانچہ آپ ﷺ کی حیات مقصدیت کی انتہائی اعلیٰ ترین مثال ہے اور مقصدیت کو تنظیم اور نظم و ضبط کے بغیر مرتب اور تشکیل نہیں کیا جاسکتا۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی مکمل طور پر ایک نظم کی سی صورت پیش کرتی نظر آتی ہے۔ جس میں سستی، ناکامی کے خوف، ٹال مٹول کی قطعاً کوئی جگہ نہ تھی اور ہو بھی کیسے سکتی تھی کہ جس نبی ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو یہ تعلیم دی۔

اللهم اني اعوذ بك من الهم والحزن ومن العجز والكسل والجبن والبخل وغلبة الدَّين وقهرالرجال[۲۹]

"اے اللہ میں تیری پناہ چاہتاہوں فکر سے، غم سے، عاجزی سے، سستی اور کاہلی سے۔ اور بزدلی سے، بخل سے اور قرض کی مصیبت اور لوگوں کے غلبے سے"

یہی احساس ذمہ داری، نظم و ضبط، متوازن اور کامل شخصیت کا ابھار، تقویٰ یہی وہ صفات عالیہ تھیں جن کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کرام میں پیدا کیا اور امت مسلمہ کے افراد میں بھی یہی صفات پیدا کرنے اور ابھارنے کی تلقین کی۔ نشاط، توانائی اور سرگرمی کے ساتھ کام کرنے کی تلقین کی۔

اسلام زندگی اور انسان کو بہتر نظم و ضبط پر آمادہ کرنے والا مذہب ہے۔ جو کام رسالت مآب نے خود کیا وہی کام اپنے پیارے اصحابہ کو کرنے کا حکم دیا۔ ہمیں کہیں ایسا نظر نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے خود وہ کام نہ کیا اور صحابہ کو کرنے کیلئے کہا۔ یہی وہ وجوہات ہیں جن کی بناء پر معاشرے میں امن اور نظم و ضبط قائم رہا۔

**عہد نبوی ﷺ میں بلدیاتی ادارے**

آنحضرت ﷺ کے دور میں باقاعدہ محکمے نہ ہونے کے باوجود ہر محکمہ ایک نظم کی سی صورت رکھتا تھا۔ ہر چیز رسول اللہ ﷺ نے خود ہی نقطہ نظر سے پیدا کرنی اور ترقی دینی تھی اس زمانے میں اتنے دفتر اور اتنے محکمے نہیں ملیں گے جو آج بیسویں صدی میں ہمیں اپنے آس پاس نظر آتے ہیں۔ مثلاً آج کل ہمیں سڑکیں بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ عرب میں کہیں سڑکیں نہ تھیں۔ سڑکوں اور شاہراہوں کی جگہ عام خود ساختہ گزرگاہیں تھیں۔

سڑک کی تعمیر کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لہذا اسکے لیے نہ ناظم تھا، نہ محکمہ تعمیرات۔ البتہ اسکے باوجود کچھ ایسی چیزیں ملتی ہیں جو شہری منصوبہ بندے کے سلسے میں کار آمد ہیں۔

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ شہر کے اندر تم گلیوں کو اتنا چوڑا رکھو کہ دو لدے ہوئے اونٹ آمنے سامنے سے بآسانی گزر سکیں" [۳۰]

گویا آج کل کے الفاظ میں آسانی کے ساتھ دو موٹریں آ جا سکیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے رسول اکرم ﷺ کی قانون سازی صرف دینی معاملات تک ہی محدود نہ تھی اس میں دنیوی مسائل پر توجہ دی گئی ہے۔

**صحت وصفائی کا انتظام**

اچھی صحت انسان کو معاشرہ کا کار آمد فرد بناتی ہے۔ انسان کی زندگی کا مقصد بندگی رب ہے اور بندگی رب کا فریضہ اعلائے کلمۃ الحق کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ فریضہ اس وقت تک صحیح طریقہ سے انجام نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ صحت اچھی نہ ہو۔ اسلام جسم اور روح کی صفائی پر ہی زور نہیں دیتا بلکہ وہ اس کے ساتھ ساتھ رہنے کی جگہ اور ارد گرد کا سارا ماحول صاف ستھرا دیکھنا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے صفائی کو شطر الایمان قرار دے کر اسکی اہمیت کو واضح کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا؛

وَ اللہُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ۔ [۳۱]

اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

ایسی طرح وضو کے ذریعے جسم کو پاک صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وضو نہ صرف ظاہر پاکیزگی کا ذریعہ ہے بلکہ یہ باطنی پاکیزگی کے حصول کا ذریعہ بھی ہے اس سے انسان کے گناہ جھڑتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا۔

الطھور شطر الایمان "پاکی وصفائی نصف ایمان ہے " [۳۲]

آپ ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعے اپنی امت کو ہر اس طریقہ سے روشناس کرایا جو ان کی دینی ہی نہیں بلکہ دنیاوی ضرورت بھی ہے۔ پاکی وصفائی صرف جسم کے لباس کی نہیں بلکہ اسمیں اپنا گھر، اپنا محلہ، اپنا شہر، اپنا معاشرہ ہر ایک کی صفائی ضروری ہوتی ہے۔ اسلام میں صرف اپنے گھروں کی صفائی پر زور نہیں دیا بلکہ آس پاس کے علاقوں کی صفائی پر بھی توجہ دینے اور انہیں صاف رکھنے کی ہدایت کی ہیں۔

آپ ﷺ کے دور میں صفائی کے انتظام کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا کہ کیا میں تمیں دنیا کی حقیقت نہ بتلاؤں؟ یہ کہہ کر آپ ﷺ انہیں لے کر مدنیہ سے باہر تشریف لائے اور ایک کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ شہر کی صفائی کا انتظام تھا، اور کوڑا کرکٹ شہر سے دور پھینکا جاتا تھا۔[۳۳]

**بازار اور منڈی کے لین دین میں قیام نظم**

معاشرہ کے استحکام کے لئے جن اداروں کا مضبوط ہونا ضروری ہے ان میں ایک ادارہ بازار اور منڈی بھی ہے، معاشی اصولوں کی بنیاد اگر عدل و انصاف پر ہو اور اس میں فیاضی، ہمدردی اور دیانت جیسی صفات کو ملحوظ رکھا جائے تو معاشرے میں بدنظمی پیدا نہیں ہوتی بلکہ بہترین نظم وضبط قائم ہو جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے صحت مند معیشت کے فروغ کی طرف توجہ دی اور بازار کے افسر بھی مقرر کیے۔ آپ ﷺ بنفس نفیس بازاروں کا چکر لگاتے تھے کیونکہ تاجر اور سوداگر بڑے ہی مکار اور دغاباز ہوتے تھے دھوکا دے کر اپنا ناقص مال فروخت کرنا ناپ تول میں کمی، کساد بازاری اور اس جیسی کئی خرابیاں موجود تھیں۔ آپ ﷺ نے ان خرابیوں کو دور کرنے اور کردار کی تشکیل کے لئے کئی اقدمات کئے یہی وہ اصلاحات ہیں جن بنیاد پر ہر ادارے میں نظم و نسق قائم ہونے سے نظم وضبط خود بخود پیدا ہو جاتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ [۳۴]

ترجمہ:۔ناپ تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو"

آپ ﷺ نے جہاں شہری نظم و نسق میں اصلاحات کیں وہیں بازاروں اور منڈی میں پائی جانے والی اخلاقی برائیوں کو دور کیا۔ آپ ﷺ نے بحیثیت سربراہ ریاست شرعی حدود کے اندر بازاروں کے نظم و نسق کے اقدامات کیے اور تاجروں کو دیانتداری کے تقاضے بتائے کہ؛

* ناپ تول میں کمی نہ کرو۔
* چیزوں میں ملاوٹ نہ کر۔
* گاہک کو عیب سے آگاہ کرو۔
* خرید و فروخت کے معاملے میں سچ بولو جھوٹی قسمیں کھا کر مال نہ بیچو۔

## دفتری نظام کی بنیاد دور نبوی ﷺ

دفتری نظام کو ترقی تو حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں دی گئی تھی لیکن اپنی سادہ شکل میں اس کی بنیاد خود رسول اللہ ﷺ نے رکھ دی تھی۔ بعض صحابہ قرآن کریم کی کتابت کا کام کرتے تھے جن میں حضرت زید بن ثابتؓ زیادہ مشہور ہیں۔ [۳۵]

بعض صحابہ مال غنیمت اور دیگر سرکاری اموال کا اندراج فرمایا کرتے تھے مثلاً حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ سے بخاری شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صدقات جمع کرنے والے عُمال سے باقاعدہ حساب لیتے اور آڈٹ کیا کرتے تھے۔[۳۶]

## عہد نبوی ﷺ کے مرکزی نائبین حکومت

رسول اللہ جب مرکز سے باہر تشریف لے جاتے تو مرکز میں نماز کی امامت اور دیگر انتظامی امور کے لیے قائم مقام امیر مقرر فرمادیتے تھے۔ اکابر صحابہ چونکہ بالعموم آپ ﷺ کے ساتھ شریک سفر ہوتے تھے۔ اس لیے دوسرے درجے کے بزرگوں میں سے کسی کو نامزد کیا جاتا تھا۔[۳۷]

**عوامی تربیتی اداروں کا قیام۔ ہنر سکھانے کے ادارے**

آپ کے گرد و نواح اور حلقہ اثر میں یا آپ کے علم میں کوئی ایسا شخص ہے جو کسی قسم کا ہنر سیکھ کر روزگار حاصل کرنا چاہتا ہے یا کوئی شخص ہنر جانتا ہے لیکن اس میں پختہ نہیں ہے اور پوری طرح کام نہیں کر سکتا تو ایسے شخص کو ہنر سکھانا یا ہنر میں قابل بنانا، اسکی رہنمائی کرنا اور کام سلیقے سے کرنے کے لائق بنانا نیکی اور صدقہ جاریہ ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

الذي ليس بصانع وليحسن العمل- [۳۸]

یعنی وہ شخص جو کاریگر نہیں ہے اور کام اچھے انداز میں نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسکے پاس کوئی ہنر ہے۔ جس سے وہ اپنا رزق کما سکے۔

اگر معاشرے میں اس کا احساس عام ہو جائے اور اس طرح کے ادارے کام کرنے لگیں۔ جہاں صنعت و حرفت کی تعلیم دی جائے، بے ہنر کو ہنر مند بنایا جائے، ان کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں تو یہ خدمت خلق کی بہت عمدہ شکل ہو سکتی ہے اور اس سے کمزور و نادار طبقات کے معاشی مسائل بڑی حد تک حل ہو سکتے ہیں۔

**احتساب کا محکمہ**

اگرچہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں میں احتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہ تھا، مگر آنحضرت ﷺ یہ فرض انجام دیا کرتے تھے۔ تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے۔[۳۹]

عُمال اور افسروں پر نگاہ رکھتے۔ کسی عامل کی شکایت پہنچتی تو فوراً تحقیقات کراتے کیونکہ حکمران کی حیثیت ایک راعی کی ہے۔ اگر سلطنت عدل کی جگہ ظلم و تشدد قبول کر لے تو سلطنت کا نظام درہم برہم ہو جائیگا اور کوئی نظم و نسق باقی نہیں رہیگا۔

**پولیس کا محکمہ**

آنحضرت ﷺ کے عہد میں ہی پولیس کا محکمہ قائم تھا۔ آپ ﷺ کے عہد میں قیس بن سعدؓ اس خدمت کو انجام دیتے تھے اور اس غرض سے ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ دیتے تھے مجرموں کی گردان مارنے کی خدمت حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ، مقداد بن الاسودؓ، محمد بن مسلمؓ، عاشم بن ثابتؓ، ضحاک بن سفیانؓ، کلابیؓ کے سپرد ہوئی۔[۴۰]

آپ ﷺ کے عہد میں کوئی باقاعدہ جیل خانہ نہ تھا۔ اس لئے صرف اتنا خیال کیا جاتا تھا کہ مجرم کو کچھ مدت کے لئے لوگوں سے ملنے جلنے اور معاشرتی تعلقات قائم نہ رکھنے دیا جائے۔ اسکی صورت یہ تھی کہ مجرم کو ایک

مسجد یا گھر میں بند کر دیا جاتا تھا تا کہ وہ لوگوں سے ملنے پائے۔[۴۱]

آنحضرت ﷺ کے عہد میں چونکہ یمن و حجاز اسلامی حکومت میں شامل ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ ان علاقوں میں والی مقرر کرتے ہوئے ان کے تقویٰ علم و دانش اور عقل و عمل کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔[۴۲]

آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے عتاب بن اسیدؓ کی تنخواہ جو کہ والی مکہ تھے، ایک درہم یومیہ مقرر کی تھی۔ اس گورنر نے تقریر میں خود کہا کہ خدا اس شخص کو بھوکا رکھے، جو ایک درہم روزانہ پا کر بھی بھوکا رہا، اس سے قبل ان حکمرانوں کا باقاعدہ تنخواہ کا معمول نہ تھا۔[۴۳]

عمال کو صرف اتنا معاوضہ ملتا جو ان کی ضرورت کو پورا کرتا، چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"جو شخص عامل ہو اسکو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے اگر اسکے پاس نوکر نہ ہو تو وہ نوکر رکھ سکتا ہے۔ اگر مکان نہ ہو تو ایک مکان بنا سکتا ہیں۔ لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہو گا یا چور۔[۴۴]

## مردم شماری

اللہ کے نبی ﷺ کی بے مثال قیادت، لازوال معاشرے کے وجود کا باعث بنی۔ تبلیغ و اشاعت علم ایک لازمی فریضہ قرار دیا گیا۔ جسکی وجہ سے نو مسلم بھی مبلغ بن جاتے تھے اپنے اپنے علاقوں میں اس فریضہ کو انجام دیتے۔ اس احسن کارگردگی سے روزافزوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ مدینہ جب اسلامی ریاست کی شکل اختیار کر گیا تو اطراف کے علاقوں سے مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ یوں مکہ سے مدینہ طاقتور ہو گیا۔ ہجرت کے فوراً بعد آپ ﷺ نے حکم دیا کہ میرے لیے سارے کلمہ گو مسلمانوں کے نام لکھو۔ یعنی ایک فہرست تیار کی جائے۔ اسلامی قوت کا اندازہ لگانے کے لئے آپ ﷺ نے مردم شماری کرائی تھی۔ عہد نبوی ﷺ کے آخر میں سارا عرب جس کا رقبہ تیس لاکھ مربع کلو میٹر تھا۔ اسلامی سلطنت میں شامل تھا۔ اور اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم از کم پانچ لاکھ ہو چکی تھی۔[۴۵]

## اسلامی ریاست کی فوجی تنظیم

ریاست کے قیام و بقا کے لئے ضروری تھا کہ ایک فوجی تنظیم بھی ہو۔ اس وقت مدینے کی ریاست چاروں طرف سے دشمنوں میں گھری ہوئی تھی۔ آپ ﷺ اور صحابہؓ کو سب سے زیادہ خطرہ مکہ کی طاقتور جماعت قریش سے تھا۔

بیرونی خطرات کے علاوہ اور بھی بہت سے خطرات تھے جو اندرونی تھے، جن میں یہودیوں کے قبائل تھے جو مدینہ میں موجود تھے جنکی تعداد ۲۰ تھی۔ یہ آپ ﷺ اور اسلام کے سخت خلاف تھے، کیونکہ آپ ﷺ کی وجہ سے ان کو مذہبی اجارہ داری کا خاتمہ، اقتصادی اور سیاسی ٹھیکہ داری کی دکان ختم ہو رہی تھی۔ اندرونی طور پر ایک اور

گروہ ان لوگوں کا تھا، جنہیں قرآن نے منافقین کا نام دیا ہے، جو بظاہر تو مسلمان تھے، لیکن یہ اسلام کے شدید ترین دشمن تھے۔ جو آستین کے سانپ تھے، یہ دشمنوں سے زیادہ خطرناک تھے، یہ گھر کے بھیدی تھے، مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

ان تمام خطرات اور دشمنوں کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ اسلامی ریاست کے لئے فوجی تنظیم تشکیل دی جائے باصلاحیت افراد کی تعداد کی تنظیم اور تربیت کے کام کا آغاز فرمادیا تاکہ وقت ضرورت فوجی مہمات منظم کی جاسکیں۔ [۴۶]

**شہری دفاع**

قبل از اسلام اس ادارے کا وجود نہیں تھا۔ لیکن یہ آپ ﷺ کی دور بینی اور فوجی سوجھ بوجھ تھی کہ آپ ﷺ نے ادارے کی داغ بیل ڈالی، جنگ کے زمانے میں اور عام حالات میں ریاست اور صدر مقام کی حفاظت کے لئے فوج کی ضرورت تھی۔ لہٰذا آپ ﷺ جب کسی غزوہ پر تشریف لے جاتے تھے، تو شہر کی حفاظت کے لئے ایک فوج چھوڑ جاتے تھے۔[۴۷]

**سرکاری رازوں کی حفاظت**

نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

اذا حدث الرجل بالحديث ثم التفت فهي امانة [۴۸]

جب آدمی کوئی بات تم سے کرلے پھر ادھر ادھر غائب ہو جائے تو وہ بات امانت ہے۔

**معاہدات کی پاسداری**

ایفاء عہد فطرت سلیم اور ایمان کا خاصہ ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۭ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــــُٔوْلًا [۴۹]

آپ ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعہ ایفائے عہد کی ایسی مثال رقم کی ہے جس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔

"عن عبدالله بن ابي الحمساؓ قال بايعت النبيﷺ قبل ان يبعث وبقيت له بقية فوعدته ان آتيه بها في مكانه فنسيت ثم ذكرت بعد ثلاث فجئت فاذا هو في مكانه، فقال يافتي لقد شققت علي انا هاهنا منذ ثلاث انتظرك[۵۰]

عبداللہ بن ابی الحمساؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے آپ کی بعثت سے قبل کوئی چیز خریدی اسکی کچھ قیمت میرے ذمہ واجب الادا تھی تو میں نے آپ سے وعدہ کرلیا کہ کل آپ کو یہیں اسی جگہ لاکر دوگا پھر میں تین روز تک بھول گیا تین روز کے بعد آیا تو میں دوڑ کر آیا تو دیکھا آپ اپنی جگہ پر موجود ہیں، آپ نے فرمایا کہ اے جوان تو نے مجھ پر بڑی مشقت ڈال دیا میں یہاں تین روز سے تیرے انتظار میں ہوں۔

## دفتری اوقات کار میں پابندی

عن ابن عمر قال سمعت النبي ﷺ يقول لكل غادر لواء ينصب يوم القيامة بغدرته- [۵۱]

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسالت مآب ﷺ کو سنا ہے کہ ہر غدار کے لئے ایک جھنڈا نصب ہو گا جو اسکی بے وفائی کا نشان ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے عوام الناس پر جو ذمہ داریاں رکھی ہیں، انکے متعلق سوال ہو گا، اور جو انہیں ادا نہیں کرے گا وہ خائن یا بد دیانت ہو گا۔

نظم و ضبط کے حوالے سے بھی ضروری ہے عوام الناس تمام معاملات میں ایک دوسرے کی ضروریات کا خاص خیال رکھیں۔ ایک دوسرے کی عزت نفس کا خیال رکھیں۔ ظلم و زیادتی سے باز رہیں، آسانی اور سہولت کا معاملہ کریں۔

عن ابي موسىٰ قال كان رسول الله ﷺ اذا بعث احدا من اصحابه في بعض امره قال بشروا ولا تنفروا ويسروا ولا تعسروا-[۵۲]

ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے صحابہؓ سے کسی کو کسی کام کے لئے بھیجتے تو آپ ﷺ فرماتے کہ لوگوں کو بشارت سناؤ اور متنفر نہ کرو اور لوگوں سے آسانی والا معاملہ کرو اور تنگی والا معاملہ نہ کرو۔

اللہ رب العزت نے پوری کائنات میں محیر العقول نظم کو جاری و ساری فرمایا ہے اور اس بات کو پسند کیا ہے کہ بنی نوع انسان بھی اپنی نجی اور معاشرتی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کریں۔ اجتماعی ترقی کی بنیاد بھی نظم و ارتباط، خود احتسابی، عدل و انصاف اور انتظامی امور کی درستگی پر ہے۔

ذمہ داریوں کی نوعیت کی حیثیت سے سرکاری ملازم "راعی" کی طرح ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق وہ اسلام اور پاکستان کا نمائندہ ہے۔ اسے اپنی ذمہ داریوں سے اس طرح عہدہ براہ ہونا ہے۔ کہ وہ فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے ایک اچھے مسلمان اور محب وطن پاکستانی کی شکل میں لوگوں کے سامنے ہو۔ اپنی اس حیثیت کو صرف پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں ہی ظاہر نہ کیا جائے بلکہ اسکی زندگی کے ہر میدان میں اس حیثیت کا عکس نظر آئے۔ کام کو احسن انداز سے کرنے کے حوالے سے یہ واقعہ بیان ہے۔

جب مسجد کی تعمیر کا کام شروع تھا تو حضر موت کا ایک شخص طلق بن علی وہاں آیا وہ مٹی گوندھنے اور گارا بنانے کے فن میں بڑا ماہر تھا۔ حضور ﷺ اس کی کارکردگی پر بہت خوش ہوئے۔ فرمایا "رحم الله امرا حسن صنعته" اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو جس کام کو بڑی حسن و خوبی سے کرتا ہے۔ پھر اسے فرمایا تم یہی کام کرو۔

طلق کہتا ہے کہ میں نے کسی پکڑ لی اور میں گارا بنانے میں مصرف ہو گیا۔ حضور ﷺ میرے کام کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے فرمایا اس کو گارا بنانے پر ہی رہنے دو کیونکہ یہ اس کام کو تم سب سے زیادہ عمدگی سے کر رہے۔[۵۳]

**مظلوم کی دادرسی اور عدل کی بالادستی اسلامی ریاست کا بنیادی فریضہ**

دنیا میں بسنے والے لوگ اپنی فطرت مالی حیثیت اور خواہشات کے اعتبار سے اپنے اندر اختلافات رکھتے ہیں۔ اور برداشت کے لحاظ سے بھی ان کی حدیں مختلف ہیں نفس و شیطان جیسے ازلی دشمنوں کا بھی ان کو سامنا ہے اپنے آپ کو اونچا اور دوسرے کو نیچا دکھانے کا جذبہ بھی ان کے اندر پایا جاتا ہے۔ یہ وہ فطری کمزویاں ہیں جو معاشرے میں امن اور نظم وضبط جیسے عناصر کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اور پھر اپنوں اور غیروں سب کے ساتھ ہر معاملے میں عدل و انصاف کا مظاہرہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے نازک ترین معاملات میں بھی عدل وانصاف کی بہترین مثالیں قائم فرمائیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا، جو حکمران ضرورت مند حاجت مند اور کمزور لوگوں کے لیے اپنے دروازے بند کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت، ضرورت اور مسکینی کے وقت آسمان کے دروازے بند کرے گا۔[۵۴] حدیث قدسی ہے آپ ﷺ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ارشاد فرماتا ہے "اے میرے بندو" میں نے اپنے اور تمہارے لیے باہم ظلم کو حرام کیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔[۵۵]

اگر ہم ان معاشرتی اقدار کو اپنالیں تو معاشرتی امن نظم وضبط عصمت وناموس کی محافظت کا دور دورہ رہے۔ حضرت محمد ﷺ نے عدل و مساوات، انسانی عزت و قار کی بحالی، امن کے قیام، ظلم کے خاتمے اور مظلوموں کی دادرسی کو بنیادی اہمیت دی۔

بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اسکی خاندانی وجاہیت کا خیال کرتے ہوئے لوگوں نے حضرت اسامہؓ کے ذریعے جن سے آپ ﷺ کو بے حد محبت تھی، اس عورت کی سفارش کرائی اسوقت آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا اے اسامہؓ؛ کیا تم، اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو۔ پہلی امتیں اسی وجہ سے تباہ ہو گئیں کہ وہ غریبوں پر تو حد جاری کرتے تھے اور امیروں کو معاف کرتے تھے اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتیں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ پھر آپ نے اس عورت پر حد جاری فرمائی۔[۵۶]

**باہمی تعاون**

اسلام جس قسم کا پاکیزہ معاشرہ بنانا چاہتا ہے اسکی بنیاد باہمی تعاون و توافق، اتحاد و یک جہتی اور نیکی و بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد پر ہے، چاہے (افراد کی اجتماعیت ہو) عوام الناس یا حکومت کا نظم و نسق ہو یا غیر سرکاری ادارے، انجمنیں، تنظیمیں اور جماعتیں ہوں، انکا نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ

تعاون کرنا اسلام کا رہنما اصول ہے۔ حدیث مبارکہ ارشاد ہے:

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من نفس عن اخيه كربة من كرب الدنيا، نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة ومن ستر مسلماً ستره الله عليه في الدنيا والآخرة والله في عون العبد ما كان العبد في عون اخيه- [۵۷]

ترجمہ:۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی کسی دنیا کی تکالیف میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف اس سے دور کرے گا اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب پوشی کریگا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اسکی عیب پوشی کریگا، اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں مشغول ہوتا ہے۔

حدیث میں لفظ عون (ع و ن) آیا ہے، جس کے معنی مدد، نصرۃ اور کسی کام میں مدد کرنا، مدد دینا، قرآن میں یہ کلمہ تیرہ مرتبہ آیا ہے، اس کلمہ کے معانی میں بڑی وسعت ہے، ایک فرد کی مدد سے لے کر گروہوں، جماعتوں، تنظیموں کا ایک دوسرے کے لئے مددگار بننا بلکہ اور وسعت دی جائے تو حکومتوں کا ایک دوسرے سے تعاون کرنا، عوام الناس سے ہمدردی اور تعاون کرنا، پھر اس مدد کا دائرہ بھی وسیع ہے جیسے اخلاقی، مالی، قانونی اور مادی وغیرہ۔ اسلام کے اس اصول کو اللہ پاک نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ [۵۸]

ترجمہ:۔ جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو کام گناہ اور زیادتی کے ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو بلاشبہ اسکی سزا بہت سخت ہے۔

اس آیت کا سباق یہ بتاتا ہے کہ نیکی بھلائی کے کاموں میں ہر شخص کے ساتھ تعاون کیا جائے، جہاں نیکی پیدا ہوتی ہے، وہاں نظم خود بخود استوار ہو جاتا ہے، چاہے وہ تعاون مسلم سے ہو یا غیر مسلم سے، اور اپنے مذہب و مسلک کا پیروکار ہے یا کسی دوسرے کا۔ یہ اسلام کی بے مثال آفاقیت اور وسعت نظری اور رواداری ہے، اے کاش ہم عوام الناس اسے اپنائیں تو بہت سے اختلافات کم ہو جائیں اور نفرتیں مٹ جائیں اور دوریاں ختم ہو جائیں، نظم و ضبط پیدا ہو پھر نیکی پھلے پھولے، بڑھے اور پروان چڑھے۔ ایک روایت میں آتا ہے،

عن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من مشىٰ في عون اخيه ومنفعته فله ثواب المجاهدين في سبيل الله- [۵۹]

ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے

بھائی (مسلم) کی مدد اور فائدہ کے لئے چلا تو اسے اللہ کہ راہ میں جہاد کرنے والوں جیسا ثواب ملے گا

نبی اکرم ﷺ نے مومنوں کے اس رویے کو عبادت کرنے اور اجر و ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا ہے۔ یہ حدیث بھی ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور ہمدردی ہی کی وجہ سے معاشرے کو مضبوط اور نظم و ضبط پر لا سکتے ہیں۔

عن ابي موسىؓ قال قال رسول الله ﷺ المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً[٦٠]

ترجمہ:۔ حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسے ہے جیسے دیوار کہ اسکا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔

ایسے ہی مومنین باہم مل کر کے ایک طاقت بن جاتے ہیں اور انہیں بدی کی طاقتیں، دشمن قوتیں اور مخالف ہلا نہیں سکتے۔

## اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے

دنیا میں ہر ذی شعور کو کامیابی کی تلاش ہوتی ہے۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے۔ اور پھر اس حصول کے لیے کامیاب شخصیات کی طرف نظر اٹھنا اور ایسے لوگوں کو تلاش کرنا بھی فطرت کا تقاضا ہے۔ ہر دور میں انسان نے کامیابیوں کے سفر کے لئے کامیاب لوگوں کے حالات جاننے کی کوشش کی۔

اس لئے رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ہر دور میں اور ہر عہد کے انسان کی ضرورت ہے جس میں کسی کو کلام نہیں۔

آپ ﷺ کے حالات اور سیرت اور اخلاق خود اس بات کی گواہی ہیں کہ کامیاب سے کامیاب ترین شخص بھی آپ ﷺ کی رہنمائی کا محتاج ہے۔

## نظم ضبط کی بحالی کا طریقہ

یہاں سوال اُٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ اسکا صحیح طریقہ کیا ہو گا؟ یہ امت جو ایک بھیڑ کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اور اسے اسکی کھوئی ہوئی منظم اجتماعت اور نظم و نسق واپس کیسے مل سکتی ہے؟

یہ سوال بجائے خود تو کافی اہم تھا ہی مگر موجودہ صورت حال نے اسے اور زیادہ اہم اور ساتھ ہی سخت پیچیدہ بنا دیا ہے، اگرچہ ایسا فطری اور عملی سوال ہے جو سوجھ بوجھ رکھنے والوں کے ذہن میں برابر موجود ہے۔ اور اس لیے اسکا جواب بھی برابر سوچا جاتا رہا ہے۔ اس سوچ بچار کے سلسلے میں اب تک عام طور پر جو کچھ سنا اور لکھا گیا ہے۔

اب تک بہت سی عمل کرنے والی باتیں بجائے خود اختلاف و انتشار کی ایک افسوسناک مثال ہے اس لیے یہ نظم و نسق کچھ الجھ بھی گیا ہے۔ اس لئے اس پر ہمیں پوری توجہ سے غور کرنا ہو گا۔ اس غور فکر کی ابتدا کرتے وقت دو

بنیادی اور مسلم حقیقت ہمارے ذہنوں میں بلکل واضح رہنی چاہئیں، ایک تو یہ کہ نظم کو قائم کرنے کیلئے ایک مخصوص قسم کی وحدت مطلوب ہے، جس کا شیرازہ صرف اللہ کی رسی ہو اور جس کے وجود کا مقصد شہادت حق، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اقامت دین کے سوا اور کچھ نہ ہو۔

دوسری یہ کہ جس طرح منظم ریاست کی بحالی ایک دینی ضرورت ہے اسی طرح اس بحالی کا طریقہ بھی سنت رسول ﷺ ہی ہونا چاہیے۔ یعنی اس طریقہ کا تعین صرف کتاب الٰہی اور سیرت طیبہ کریں گی۔ نہ کہ غیر اسلامی تحریکوں کے تجربے اور سنتیں۔

عوام الناس کو ہم مندرجہ طریقے یا مروجہ نظام میں بہترین لائحہ عمل پر عمل کر کے نظم ضبط کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔

* کام کرنے والے افراد بہترین نظم قائم کر سکتے ہیں۔

* انتظامی اصلاحات کو عملی صورت دینے کے لئے عدالتی عمل کو شفاف اور فعال بنانے کی طرف توجہ دی جائے۔

* کرپشن، انتظامی رویوں اور اداروں میں انتظامی و سیاسی حوالوں سے مداخلت کے کلچر کو ختم کر کے خالص پیشہ وارانہ بنیادوں پر کارکردگی کے رجحان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

* تمام سرکاری اداروں میں مسلسل جائزے اور احتساب کے ذریعے کارکردگی میں مسلسل بہتری کو یقینی بنایا جائے۔

* قومی کردار کو پروان چڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ پاکستان کے عوام کی سوچ اور امنگوں کے مطابق ایسا ماحول فراہم کیا جائے جس میں جبر کا ماحول پیدا کیے بغیر ذاتی احساس کی بناء پر بھلائی کے فروغ اور برائی کا راستہ روکنے کا کلچر پیدا ہو۔

آپ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا!

آگاہ ہو جاؤ! بلاشبہ سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے اور اسکی شاخیں دنیا میں ہیں، سو تم میں سے جو کوئی سخاوت کرے گا وہ ہمیشہ اسکی شاخوں سے معلق رہے گا، حتیٰ کہ اللہ اسے جنت میں داخل فرمادیں گے۔[٦١]

اگر مسلمان حکومت عوام کو ایسا کرنے میں مدد نہیں دیتی تو سوال یہ ہے کہ اتنا اہم کام صرف حکومت پر کیوں چھوڑا جائے کہ اگر وہ صحیح سمت میں متحرک نہ ہو تو یہ کام بھی فوت ہو جائے، اسلامی ریاست کو یہ کام کرنے چاہئیں لیکن اگر وہ نہیں کرتی تو کیا اپنی قیادت کو بھی یہ کام نہیں کرنا چاہئیں؟ آخر ہمیں مانع کیا ہے؟

* اگر اسلامی ریاست یہ کام کرتی ہے تو آدھی سے زیادہ شریعت تو بلاشبہ نافذ ہو جائے گی۔ اور باقی آدھی کی بنیاد عوام الناس رکھ دیں گے۔ اور اقتدار ملنے پر اس میں رنگ بھر سکیں گے۔

* عوام میں ریاست کی قیادت پر اعتماد پیدا ہو گا اور وہ ضرور سوچیں گے کہ جو لوگ اقتدار میں آئے ان کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کے مسائل حل کرنے کے تگ و دو کر رہے، وہ کل اقتدار میں آکر ان کے مسائل حل نہ کریں گے، یہی وہ باتیں ہیں جن سے نظام میں خود بخود نظم وضبط قائم ہو جاتا ہے۔

* دین اسلام ہی وہ واحد نظام ہے تمام معاملات میں اجتماعی نظم کا خواہاں ہے، ہر کام نظم وضبط اور سمع وطاعت کی صورت میں کرانا چاہتا ہے۔ گھر کی چار دیواری سے لے کر امور مملکت چلانے تک ہر کام کے لئے اسلام نے ایک مربوط نظام دیا ہے۔

* نظم قائم کرنے کے لئے اسلام اجتماعی زندگی پر بھرپور زور دیتا ہے اگر کسی شخص کو موت آگئی اور اسکی گردن خلیفۃ المسلمین کی بیعت کے قلادۃ سے خالی ہوئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

* اسلامی ریاست میں ان تمام غیر مسلموں کی جان ومال عزت و آبرو کی محافظ ہے جو وفادار شہری کی حیثیت سے ملک میں رہتے ہوں یا عارضی طور پر کسی معاہدہ کے تحت اقامت پذیر ہوں۔

* اسلامی ریاست میں عوام الناس پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ آپس میں میل بھائی چارہ اور امن سے معاشرے میں بہترین نظم وضبط قائم کریں۔

* اسلامی ریاست اور عوام الناس اپنی ساری قوتیں نیکیاں پھیلانے برائیاں، جہالت بے دینی افلاس، ظلم اور گناہوں کے خاتمے کے لئے استعمال کرے۔ یہی انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد تھا کہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ پاک کی غلامی میں دے دیا جائے۔ اور نظم وعدل قائم کیا جائے۔

* مسلم حکمران حکومت اور اجتماعی قوت (عوام الناس) کے ذریعے اللہ کے قوانین کو نافذ کرتا ہے تاکہ ظلم ختم ہو۔ عدل قائم ہو، لوگوں کو ان کے حقوق ملیں، مفسدوں، قاتلوں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع ہو نظام عدل کے قیام ہی سے معاشرہ میں امن اور آتشی اور نظم وضبط کا مکمل گہوارہ بن جاتا ہے۔

* اسلام نے تمام انسانوں کو بغیر کسی نسلی، وطنی اور قومی تفریق کے خطاب کیا، چنانچہ قرآن مجید میں عام دعوت و تبلیغ کے خطاب کا انداز يَا اَيُّهَا النَّاسُ (اے انسانو) ہے، اسی طرح محمد ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے رسول، رحمة للعالمين اور كافة للناس اور اني رسول الله اليكم جميعا اور قرآن مجید کو هدى للناس کہا گیا۔

پیارے نبی ﷺ نے فرمایا۔

عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ! الخلق كلهم عيال الله، فاحب الخلق الى الله انفعهم لعياله [٦٢]

حضرت انس نے روایت کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا تمام مخلوق اللہ کا عیال (کنبہ) ہے سو ان میں سے اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ شخص ہے جو اسکے عیال کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے کچھ حقوق متعین کئے ہیں اور پھر ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی سے نہ صرف وہ خوش ہوتا ہے بلکہ اسکا اجر بھی دیتا ہے۔

* کسی نظام کا مرکز ثقل اسکا نمو ہے۔ جمود نہیں ہر فرد مکمل طور پر خود مختار ہے، کہ وہ اپنے اندر قائدانہ اوصاف پیدا کرے معاشرے کے لئے نقیب بن جائے۔

* جہاں عوام الناس میں اخوت، محبت، اعتمادیت، مقصدیت، شورائیت اور نصیحت ہوں وہاں نظم وضبط خود بخود پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔

* اپنے کام میں اخلاص اصلاح بین المسلمین اور اصلاح بین الناس کی نیت رکھیں، کوئی دنیادی غرض ولالچ نہ رکھیں۔

* فساد ٹالنے، دو فریقوں کو ملانے اور معاشرے میں امن قائم کرنے کے لئے پوری کوشش کریں۔

* محبت اور شفقت کا برتاؤ رکھیں اور زبان کی مٹھاس اور دل کی محبت انسان کے دل کو موہ لیتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی شفقت برتاؤ اور محبت بھری گفتگو اور حکمت بھرے رویے سے دور دراز سے آنے والے ہمیشہ کے لئے آپ کے غلام بن گئے۔

* اسلام معاشرے کے اندر تمام انسانوں کو اجتماعیت میں پرونا چاہتا ہے، اور اس تناظر میں اجتماعی عدل کو اسلام کی روح قرار دیتا ہے، وہ اپنے پیروکاروں کے اندر صبر وبرداشت پیدا کرنا چاہتا ہے، قرآن حکیم اپنے پیروکاروں کی سب سے پہلے صبر برداشت رواداری اور نظم وضبط کے حوالے سے تربیت کرتا ہے، تاکہ آپس میں محبت اور بھائی چارہ کی فضاء قائم رہ سکیں، اور ایسی امت ہو کہ جو اعتدال پر مبنی ہو،

* قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ مسلمان کو مخاطب کر کے فرمایا،

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ [۶۳]

یعنی مسلمانو؛ تم بہترین امت ہو جو انسانوں کی بھلائی و بہتری کے لیے سامنے لائی گئی ہے لہذا تمہارا فریضہ ہے کہ اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دو اور برے کاموں سے روکو اور اللہ پر ایمان رکھو۔

* محمد ﷺ نے معاشی انصاف قائم کرنے کے لیے قانون اور ریاست کی مداخلت پر زیادہ انحصار فرمایا۔

* اسٹرے ٹیجک اہداف کو حاصل کرنے کے لیے ہر سطح پر آزاد اور منصفانہ انتخابات کو یقینی بنایا جانا ضروری ہے، ملکی دفاع کو مضبوط اور ایسی داخلہ وخارجہ پالیساں بنانے کی ضرورت ہے جن سے پاکستان کے دوستوں میں اضافہ اور دشمنوں میں کمی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ بداندیش حکومتوں اور گروہوں کے خلاف ایک مضبوط سدِ جارحیت بھی حاصل ہو۔

* آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ نے لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے کیلئے پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے

اپنی ذات کی قسم کھائی کہ انہیں دوزخ کی آگ کا عذاب نہیں دیں گے پس جب قیامت کا دن ہو گا تو ان کے لئے نور کے ممبر رکھے جائیں گے جن پر بیٹھ کر وہ اللہ تعالیٰ سے گفتگو کریں گے جب کہ دوسرے لوگ حساب میں مبتلا ہوں گے[۶۴]

اس حدیث سے وضاحت ہوتی ہے کہ ایک مسلمان اپنی اصلاح کیلئے تو کوشاں رہے لیکن اپنے ابنائے جنس (انسانوں) کی دینی و دنیاوی بھلائی، بہتری اور خدمت میں بھی لگا رہے۔

* مشورہ ہمیشہ اہل علم اور دیانت دار سے لینا چاہیے مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے۔

* آپ ﷺ نے فرمایا ! المستشار مؤتمن[۶۵]

جس سے مشورہ لیا جائے اور مشورہ کا امانت دار ہے۔ لالچی، ڈربوک، جاہلوں، بے ضمیر لوگوں اور بد اخلاق اور جھوٹے لوگوں سے ہر گز نہ لیا جائے۔

ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ دھوکے باز، بخیل اور احسان جتانے والا جنت میں ہر گز داخل نہیں ہو سکے گا۔[۶۶]

یہ کہ ہم جس طرح اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی "سنت" سے کوئی راست اور صریح ہدایت نہیں پاسکتے کہ ملی انتشار کی حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے اسی طرح اس بارے میں بھی نہیں پاسکتے کہ جو کچھ کرنا ہے اسے کس طرح کرنا چاہیے؟ یعنی یہ کہ اسوقت عوام الناس کی جس حالت اختلاف کو سامنے رکھ کر ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ اس حالت سے بہت مختلف ہے جس میں آنحضرت ﷺ کو کام کرنا پڑا تھا ہمارے سامنے ایک ایسی مسلمان عوام الناس کی اصلاح و تنظم نو کا مسئلہ ہے جو پہلے سے موجود چلی آرہی ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے مسئلہ ایک نئی امت کی تشکیل کا تھا اس لیے نظم وضبط کی بحالی کا کام کرنے کے لیے اگر رسول خدا ﷺ کے اسوہ اور طریق کار میں کوئی ہدایت مل سکتی ہے تو وہ آپ ﷺ کے اسوہ سے اخذ کی ہوئی ہدایت ہی ہو سکتی ہے۔

اللہ کی کتاب انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر اسے فلاح کی منزل تک پہنچانے کے لیے آئی ہے اس کا ایک متعین مخاطب ہے اور ایک متعین مشن۔ قرآن جو کچھ کہتا ہے وقت کے تقاضے ہی پر کہتا ہے، دعوت، تزکیہ، خدمت، اصلاح بین الناس، عدل وانصاف، دادرسی اور کرم گستری یہ ہے سنت نبوی ﷺ میں قوت واقتدار کا مزاج اور غلبہ دین کا حاصل اور پیغام۔ جب تک مسلمان سنت خیر الانام ﷺ کے اس مرکزی نکتہ کو ایک بار پھر حرز جان نہیں بنالیتے وہ تاریخ میں اپنا حقیقی نظم قائم نہیں کر سکتے۔

اقبال نے اپنے (۱۹۳۰) کے تاریخی خطبہ صدارت میں تصور پاکستان کا اولین نقشہ ہی پیش کیا اس میں اسلام کے انسان ساز اور تاریخ گر کردار کو بھی نمایاں کیا ہے اور ایمان کو ایک ایسے روحانی تجربہ کے طور پیش کیا ہے جو انسان معاشرے کی ایسی ہی ہدایت کی روشنی میں تنظیم نو کرتا ہے اور پھر تاریخ کے اس سبق پر توجہ کو مرکوز کیا ہے کہ؛

One lesson i have lerned from the history of muslims at critical moments in their history it is islam that has save Muslims and not vice versa.

میں نے مسلمانوں کی تاریخ سے ایک سبق سیکھا ہے اور وہ یہ کہ ان کی تاریخ کے تمام نازک اور فیصلہ کن لمحات میں مسلمانوں نے اسلام کو نہیں بچایا، یہ اسلام ہے جس نے ہمیشہ مسلمانوں کو بچایا اور تحفظ اور زندگی فراہم کی ہے اور جیسا کہ امام مالکؒ نے کہا کہ مسلمانوں کو ان کے بعد دور میں بھی ترقی اور نظم وضبط اور آپس میں محبت اسی چیز سے حاصل ہو سکتی ہے جس سے ان کو پہلے دور میں عزت اور سربلندی میسر آئی تھی۔ یعنی قرآن وسنت رسول ﷺ[٦٧]۔

## حوالہ جات


[۱] سورۃ احزاب آیۃ نمبر ۲۱

[۲] Nigro, public administration Reading& Documents. P.2

[۳] نظمیات عامہ Public administration شہلا کاظمی سحر، گاباسنز کراچی ص ۵

[۴] L.D White Introduction to the study of administration .P.I Aziz Ahmed

[۵] .The Nature of Islamic Political theory

[٦] محاضرات شریعت / ڈاکٹر محمود احمد غازی ص ۲۷۳، الفیصل ناشران وتاجران لاہور۔

[۷] الترغیب للمنذری ص ٦۸

[۸] مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۱

[۹] بخاری کتاب الایمان باب الدین النصیحۃ

[۱۰] منتخب کنز العمال حاشیہ مسند ج ۲ ص ۱۳۴

[۱۱] جامع بیان العلم الابن عبد البر ج ۱ ص ۱۸۴ طبع مصر،

[۱۲] صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ حدیث نمبر ۷۱۹۴

[۱۳] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام حدیث نمبر ۳۵۸۸

[۱۴] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب اطاعۃ الامام

[۱۵] امام ابو خطابیؒ معالم السنن، شرح ابو داؤد بحوالہ اسلامی سیاست گوہر رحمن۔ ص ۱۲۵

[۱٦] مقدمہ ابن خلدون

[۱۷] سورۃ الصف آیت نمبر ۹

[۱۸] اسلامی سیاست / گوہر رحمن۔ ص ۱٦٦ مکتبہ زکریا یوپی

[۱۹] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۷۴

[۲۰] الرحیق المختوم / مولانا صفی الرحمن مبارکپوری ص ۱۳۲ المکتبہ السلفیہ لاہور
[۲۱] مسند احمد ج ۵ / ۵۱۵
[۲۲] صحیح بخاری، کتاب الکفالۃ ج ا ص ۳۵۶
[۲۳] عہد نبوی ﷺ کا نظام حکومت پروفیسر یاسین مظہر صدیقی ص ۱۳ مکتبہ خلیل لاہور
[۲۴] اسلامی ریاست ڈاکٹر حمید اللہ ص ۲۲
[۲۵] اسلامی ریاست ابو الاعلیٰ مودودیؒ ص ۱۳۸
[۲۶] Michaeld D Smart for life Penguin Books N.Y.1992،Chafetz
[۲۷] مولانا محمد نعیم، تفسیر انوار القرآن۔ دیوبند، مکتبہ انوار القرآن
[۲۸] حاکم۔ المستدرک۔ ج ۴، ص ۳۴۱، رقم۔ ۸۴۵۷ دار لکتب العلمیہ بیروت
[۲۹] صحیح بخاری۔ کتاب الدعوات، باب الاستعاذہ من الجبن والکسل حدیث نمبر ۳۷۴
[۳۰] اسلامی ریاست۔ ڈاکٹر حمید اللہ، ص ۲۲، طیب پبلیشرز لاہور
[۳۱] سورۃ التوبہ ص ۱۰۸
[۳۲] صحیح مسلم۔ کتاب الطھارۃ
[۳۳] عہد نبوی ﷺ کا بلدیاتی نظم و نسق، نجمہ راجہ یاسین۔ ص ۱۳۵، اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی
[۳۴] سورۃ الاعراف۔ ص ۸۵
[۳۵] صحیح بخاری، فضائل القرآن
[۳۶] صحیح بخاری، کتاب الجہاد ج ا ص ۴۳۰
[۳۷] اسلامی سیاست۔ گوہر رحمن ص ۱۹۶
[۳۸] فتح الباری / حافظ ابن حجر عسقلانی۔۔ ج ۵ / ص ۹
[۳۹] صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب التجارۃ فی المنبر ۳/ ۱۶
[۴۰] زاد المعاد۔ ج ا / ۴۴۔ ۴۵
[۴۱] مسلمانوں کا نظم مملیکت / حسن ابراھیم حسن، ص ۳۱۱ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۴۷ء
[۴۲] جامع ترمذی، کتاب الاحکام باب ماجاء فی ھدایا الامرء، ۳ / ۶۲۱
[۴۳] مسلمانوں کا نظم و مملیکت۔ ص ۱۹۲، حسن ابراھیم حسن۔، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۴۷ء
[۴۴] ابو داؤد کتاب الامارۃ، باب فی ارزاق العمال، ۳ / ۳۵۴
[۴۵] عہد نبوی ﷺ کا بلدیاتی نظم و نسق نجمہ راجہ یسین ص ۱۲۴

[۴۶] عہد نبوی ﷺ کا بلدیاتی نظم و نسق نجمہ راجہ یسین ص۱۵۸
[۴۷] عہد نبوی ﷺ کا بلدیاتی نظم و نسق نجمہ راجہ یسین ص۱۶۱
[۴۸] سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی نقل الحدیث، رقم الحدیث ۴۸۶۸، ص۱۵۸۰
[۴۹] بنی اسرائیل ۳۴
[۵۰] سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب العدۃ، الحدیث ۴۹۹۶،
[۵۱] صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب اثم الغادر للبر والفاجر، رقم الحدیث، ۳۱۸۸
[۵۲] صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فی الامر بالسیر وترک التنفیر رقم الحدیث ۴۵۲۵
[۵۳] محمد کرم شاہ اظہریؒ ج۳۔ ص ۱۵۱ پبلیکشن لاہور
[۵۴] ترمذی۔ ج۳، رقم الحدیث ۱۳۳۷
[۵۵] صحیح بخاری
[۵۶] صحیح بخاری۔ ج۴، ص ۱۲۲ بحوالہ جواہرات سیرت ص ۵۴
[۵۷] صحیح مسلم۔ رقم ۲۶۹۹
[۵۸] سورۃ المائدہ!۲
[۵۹] ابو بکر فرائطی مکارم اخلاق
[۶۰] صحیح مسلم۔ رقم الحدیث (۲۵۸۵)
[۶۱] حیاۃ الصحابہ؛ حضرت محمد یوسف کاندویؒ ج ۲ ص ۱۵۱
[۶۲] ہیثمی / مجمع الزوائد۔ ج ص ۱۹۱
[۶۳] سورۃ آل عمران ۱۱۰
[۶۴] شعب الایمان۔ الامام البیہقی ج ۶ ص ۱۶۳ رقم الحدیث ۷۶۷۸
[۶۵] ابو داؤد۔ رقم الحدیث ۵۱۲۸
[۶۶] جامع ترمذی، ج ۳ ص ۳۸۸، رقم الحدیث ۱۹۷۰
[۶۷] سیرت پاک کا تاریخی کردار، پروفیسر خورشید احمد، ص ۱۹ منصورہ لاہور ۱۹۹۷ء

# [[025]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

پروفیسر شاہین کوثر
شعبہ عربی علوم وعلوم اسلامیہ، فاطمہ جناح
پوسٹ گریجویٹ کالج مظفر آباد، آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## تمہید

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون — کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے باد سازگار — خاک یہ کس کی ہے کس کا یہ نور آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب — موسموں کو کس نے سکھلائی خوئے انقلاب(۱)

کائنات کی بقا، استحکام اور اس کے اندر ہر چیز کا وجود و قیام، حرارت و زندگی، ہر کام کی ابتدا اور تکمیل، انسانی زندگی کا ہر مرحلہ نظم وضبط کا مرہون منت ہے۔ انسانی زندگی کو منظم رکھنے کے لئے کسی نہ کسی قانون اور ضابطے کی ضرورت ہوتی ہے یہی قانون اور ضابطہ قوموں کی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اس کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اور افراد معاشرہ افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔

کائنات میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو قاعدے اسلوب اور طریقے کا پابند کرنے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو بھیجا۔ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم ﷺ تک پہنچا، تمام انبیاء کی تعلیمات کا بنیادی مقصد ہی انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قوانین وضوابط کا پابند بنانا تھا تاکہ وہ ایسی قابل رشک زندگی گزار سکیں جو دونوں جہانوں میں بامراد کر دے۔ اسلام نام ہی اطاعت، فرمانبرداری اور جھکنے کا ہے۔ یہ نظم وضبط کی پابندی کا مظہر ہے۔ اس میں عبادات سے معاملات تک، گھریلو انتظام سے بین الاقوامی معاشرے تک ایک فرد کے حق سے بین الاقوامی برادری کے حقوق تک، غزوات اور جہاد میں نظم وضبط کا ایسا بہترین اصول دیا تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی نہ ہو۔

مقاصد ہذا نظم وضبط کے حوالے سے بے پناہ وسعت اور ہمہ گیری رکھتا ہے۔ دور حاضر میں نظم وضبط کی بہت زیادہ ضرورت ہے اگر نظم وضبط نہ ہو تو امن ناپید ہو جائے، حقوق و فرائض کا تعین مشکل ہو جائے لہٰذا احالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنایا جائے تاکہ اقوام عالم کے سامنے ایک اچھا

نمونہ پیش کیا جاسکے اور ہمارا معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن جائے۔ ایک فرد کی بقا ریاست کے ساتھ جڑے رہنے میں اور ریاست کے اندر حکومتی احکام کی پابندی میں ہے۔

آپ ﷺ نے جو معاشرہ تشکیل دیا وہ نظم و ضبط کی اعلیٰ مثال ہے۔ آپ نے انسانوں کو انتشار، بد نظمی، لا قانونیت، بے ضابطگی، افراتفری اور نفسا نفسی کے ماحول سے نکال کر نظم و ضبط کی ایک خوبصورت لڑی میں پرو دیا جو تمام انسانوں کے لیے نفع بخش قرار دیا۔ خواہشات کے اسیر، نافرمان، بے قابو اور منتشر لوگ رسالت کے پرچم تلے ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے۔ آپؐ کو حاکمیت و رسالت کا منصب اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے اور بطور حاکم آپ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ آپؐ کی اطاعت اور حاکمیت سے منحرف ہونا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا انکار کرنا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کے حکم اور ہدایت کے تابع ہی ہے جو منصب رسالت کا امین ہوتا ہے وہ اپنی اطاعت کروانے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروانے کا مشن لے کر آتا ہے تاکہ عوام الناس احکام الٰہی پر عمل کے ساتھ ساتھ سربراہ ریاست کی طرف سے دیئے گئے احکامات کی فرمانبرداری کریں۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ۔ (۲)

ترجمہ: "ہم نے ہر رسولؐ کو اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے"۔

حبیب خدا کی غلامی میں کیا ہے — ذرا تم غلامی میں آ کر تو دیکھو
غلامی یہ ہے بادشاہی سے بہتر — ادھر آؤ قسمت جگا کر تو دیکھو
وہ دیکھو دو عالم یہاں جھک رہے ہیں — وہ جن و بشر قدسیاں جھک رہے ہیں
جو تم کو بھی ہے فیض پانے کی خواہش — جبین عقیدت جھکا کر تو دیکھو (۳)

## نظم وضبط کیا ہے؟

ن + ظ + م = "نظم" تین حروف کا مجموعہ ہے لیکن معنی میں بے پناہ وسعت ہے۔ یعنی کلام موزوں، خوبصورت آہنگ کا مالک، توازن کا مجموعہ جو تمام حیات پر حاوی ہے جس کے بغیر زندگی بے ڈھنگی اور بدصورت ہے۔

ض + ب + ط = "ضبط" تین حروف کا مجموعہ جس کا مطلب ہے قید، پابندی، غلامی جو تمام بے قاعدگیوں اور بے ضابطگیوں کو کنٹرول میں رکھتا ہے۔

**لغت کے مطابق:** ضبط سے مراد پاسبانی، حفاظت، نگہبانی، ہوشیاری، بندوبست، حکومت، راج، پابندی، قبضہ سرکار کو کہتے ہیں جبکہ نظم سے مراد لڑی، موتیوں کو دھاگے میں پرونا، انتظام کرنا وغیرہ۔ (۴)

**عربی اردو لغت کے مطابق:** ضبط سے مراد تحمل، برداشت، دستور العمل، قاعدہ قانون۔ جبکہ نظم سے مراد حسن ترتیب، انتظام، سلیقہ۔ نظم و نسق بھی نظم و ضبط کے تحت ہی آتا ہے۔ یعنی ضابطے قاعدے قانون کا احترام۔ (۵)

**درسی اردو لغت کے مطابق:** ضبط سے مراد ہر شے کو اس کے موافق رکھنا ترتیب دینا سلیقے سے سجانا شامل ہے۔
جبکہ نظم وضبط وہ قاعدہ یا دستور ہے جس کے تحت کوئی سرکاری یا نیم سرکاری کام انجام دیا جاتا ہے۔ دفتری نظام اسی اصول کا پابند ہوتا ہے۔(۶)

قاعدہ، قانون، دستور العمل، انتظام، ترتیب، بندوبست، اصولوں کی پابندی کا نام نظم وضبط ہے۔(۷)

سلیقہ، قرینہ، احترام پابندی، فرمانبرداری، معاونت وغیرہ کے الفاظ نظم وضبط کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔(۸)

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے مطابق نظم وضبط سے مراد

Control or order exercised over people or animal, children system of rule use to maintain this control.(9)

انگریزی ڈکشنری میں اس کے لیے Discipline, Obedience کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی

Instraction a branch of learning branch of sport traning or mode of life in accordance with rules subjection to control, order maintained by control.(10)

ایسے اصول جن کا تعلق انسان کے ظاہری افعال سے ہو اور جنہیں ریاست نے وضع کیا ہو اور وہ ان کی پابندی کروائے۔

نظم وضبط کا الٹ بد نظمی، بد انتظامی، افراتفری، بے چینی قاعدے اور ضابطے کی خلاف ورزی ہے۔

T.H Green کے مطابق نظم وضبط حقوق و فرائض کا ایسا نظام ہے جسے ریاست نافذ کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔(۱۱)

گویا نظم وضبط سے مراد کسی کام کو سلیقے، طریقے اور ترتیب سے انجام دینا، ایسا اصول جس کی مدد سے انسانوں کے ظاہری افعال میں یکسانیت اور مطابقت پیدا کی جا سکے اور وہ قانون اور قاعدے کے مطابق خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ ہم اپنے بڑوں کا احترام کرتے ہیں، چھوٹے ہمارا احترام کرتے ہیں، اسی اطاعت گزاری کا نام نظم و ضبط ہے۔ حسن ترتیب، توازن، ہم آہنگی، سلیقہ مندی، قواعد وضوابط کی پابندی، اصولوں اور روایات کا احترام، اقدار کا خیال یہ سب نظم وضبط کے زمرے میں آتے ہیں۔ نظم وضبط فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس سے افراد، اداروں اور قوموں کا سکون وابستہ ہے۔ کوئی بھی انسان بے ہنگم، بے ترتیب، غیر منظم، بد سلیقہ، منتشر اور پراگندہ زندگی کو پسند نہیں کرتا۔

**اسلامی نقطۂ نظر سے نظم وضبط کی تعریف**

قرینہ اور سلیقہ بھی عجب چیزیں ہیں دنیا میں

چمن کی گھاس بھی کتنی حسیں معلوم ہوتی ہے

ہمارا دین دین فطرت ہے اور فطرت کا سارا نظام نظم و ضبط کا پابند ہے۔ اس میں ایک خوبصورت توازن ترتیب ہے جو دیکھنے میں بہت بھلی لگتی ہے، یہ وسیع و عریض کائنات نظم وضبط کی وجہ سے خوبصورت دکھائی دیتی ہے۔ چاند اور سورج کا دن ورات کو آنا جانا، ستاروں کا خوبصورت آہنگ فطرت کے خوبصورت نظم کا عکاس ہے۔ اسلام ایک ایسا نظام حیات ہے جس کا دائرہ کار زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اسلامی ریاست جن ضوابط کا عوام الناس کو پابند بناتی ہے وہ لازمی طور پر اسلامی شریعت کا حصہ ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: "تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی اور ہم حکم دیتے ہیں کہ آپؐ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایئے اور ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے اور ان سے یعنی ان کی بات سے احتیاط رکھے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ملکی احکام سے پھسلانہ دیں"۔(۱۲)

ایک ریاست کے اندر نظم و ضبط ہو گا تو ذمہ داریوں کی حدود متعین کی جا سکیں گی اور حقوق کا تحفظ ممکن ہو سکے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۔ (۱۳)

"مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کر دو"۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ یہ آیت وسیع المعنی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی بھی شامل ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ بندوں کے متعلق حقوق بھی شامل ہیں اور دیگر فرائض جیسے امانتداری، دیانتداری، وفاداری، ایفائے عہد وغیرہ۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے، جس چیز سے روکا گیا ہے، سب امانت میں شامل ہیں۔ (۱۴)

ابن کثیر قتادہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ دین فرائض، حدود یہ سب اللہ کی امانت ہیں اور جملہ فرائض بھی اسی میں داخل ہیں۔ (۱۵)

مولانا عبد الماجد دریا آبادی لکھتے ہیں: امانات کے اندر جملہ حقوق آتے ہیں جن کی ادائیگی واجب ہے اور اہلہا سے وہ سب مراد ہیں جن کے متعلق وہ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ یعنی فرائض کی ادائیگی کی صورت میں نظم وضبط قائم رہتا ہے۔ الجھنیں پیدا نہیں ہوتیں اور اندرونی فساد کی کوئی صورت سامنے نہیں آتی۔ اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ (۱۶)

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اور اولی الامر کی"۔

یہاں اولی الامر سے مراد کیا ہے؟ ابن جریر فرماتے ہیں اولی الامر سے مراد مسلمانوں کے حکمران یا دینی

سربراہ ہو سکتے ہیں۔

"واولی الاقوال فی ذلك قول من قال هم الامراء والولاة"۔ (۱۷)

امام فخر الدین رازی اولی الامر کی تفسیر "اهل الحل والعقد" سے کی ہے۔ یعنی وہ لوگ جو مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار اور مستند نمائندے ہوں اور فیصلے کرنا ان کے ہاتھ میں ہو۔(۱۸)

امام ابن کثیر، امام جصاص اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے مطابق اولی الامر سے مراد، امراء و حکام اور علماء و فقہاء ہیں۔ (۱۹) مفسر ابن عاشور لکھتے ہیں کہ: یہاں اولی الامر سے مراد خلیفہ سے لے کر والی ریاست تک وہ لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کے علاوہ ہیں۔ (۲۰)

ظاہر ہے کہ اولی الامر کی مختلف حیثیتیں جو سیاسی حکمرانی سے لے کر نیچے کے چھوٹے سے چھوٹے منصب تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یعنی کسی بھی منصب پر فائز شخص کی اطاعت اس لیے کی جائے کہ وہ اجتماعی نظم میں ایک بڑے اولی الامر خلیفہ کا امیر کے تابع ہے۔ سرکاری احکام تنفیذ و بجا آوری کے لیے اس کی حیثیت اولی الامر کے نائب کی سی ہے۔ کیونکہ امرا و حکام امت کے اجتماعی مصالح کا نظام چلاتے ہیں اور عمومی مفادات کی نگہبانی کرتے ہیں۔ اس لئے انما الطاعة فی المعروف۔(۲۱) کے تحت ان کی مشروط اطاعت کی جائے گی۔ تفہیم القرآن میں "اولی الامر" کی وسعت اور معاشرتی و قانونی حیثیت کی جہت کے حوالے سے بڑی مبسوط تفسیر کی گئی ہے:

> "اولی الامر کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کار ہوں خواہ وہ ذہنی و فکری رہنمائی کرنے والے علماء ہوں یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر یا ملکی انتظام کرنے والے حکام یا عدالتی فیصلے کرنے والے جج یا تمدنی و معاشرتی امور میں قبیلوں اور بستیوں اور محلوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ اور سردار۔ غرض جو جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا صاحب امر ہے وہ اطاعت کا مستحق ہے اور اس سے نزاع کر کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں خلل ڈالنا درست نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ خود مسلمان کے گروہ میں سے ہو اور خدا اور رسول کا مطیع ہو۔(۲۲)

**قدرت کا نظام نظم و ضبط کا درس دیتا ہے۔**

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ یہ دھرتی اور اس کے سینے پر موجود ہر چیز نظم و ضبط کی پابند ہے۔ ہر چیز کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کس حسن ترتیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان، چاند، سورج، ستاروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں، آبشاروں کو سجا دیا۔ انسان غور کرے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ رب العالمین کی پیدا کردہ ہر چیز میں کس قدر خوبصورت آہنگ ہے۔

ذرے سے صحرا تک، قطرے سے دریا تک، ستارے سے کہکشاں تک، زمین سے آسمان تک، مکاں سے

لامکاں تک ہر چیز نظم وضبط کی پابند ہے۔ چاند کی چاندنی، سورج کی ضیاء، آسمان کی ہر کہکشاں، کہکشاں کے ہر ستارے، ستارے کی لو، دریاؤں کی روانی، سمندروں کی وجدانی، بادل کا شور، ہوا کا زور، خاروں کی کھٹک، کلیوں کی چٹک، بارش کا ہر قطرہ، خاک کا ہر ذرہ نظم وضبط کا پابند ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ(۲۳)

ترجمہ: "بے شک آسمانوں اور زمین کا پیدا ہونا، دن رات کو بدلنا، سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا تیرنا اور ان سے لوگوں کا فائدہ اٹھانا آسمان سے بارش کا برسنا اس کے ذریعے زمین کا زندہ ہو جانا، روح زمیں پر طرح طرح کے جانوروں کا پایا جانا، ہواؤں کا چلنا اور زمین و آسمان کے درمیان بادلوں کا حکم کے تابع ہونا، یہ ان لوگوں کے لیے کھلی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں"۔

## ریاست کی تعریف

راس عربی زبان میں مذکر ہے جس کے معنی خشکی کا قلعہ جو دور تک پانی میں چلا گیا ہے۔ ریاست بھی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں وہ خود مختار علاقہ جو کسی رئیس کے ماتحت ہو۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے مدنی الطبع ہے۔ اس کی ضروریات معاشرے سے منسلک ہوئے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں۔ بقول ارسطو ریاست انسان کی بنیادی ضرورت پوری کرنے کے لیے قائم ہوئی اور اعلیٰ زندگی کے حصول کے لیے برقرار ہے۔ متمدن زندگی کا حصول ریاست ہی کی بدولت ہے۔ یہ ایسی تنظیم ہے جس میں سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ ریاست کے قوانین اور اختیارات اس نظم وضبط کو برقرار رکھتے ہیں اور افراد اور اداروں کے درمیان خوشگوار فضا پیدا کرتے ہیں۔

ریاست کی عمومی تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے "ریاست ایک ایسا ادارہ ہے جس کی اقتدار پر مکمل اور مؤثر اجارہ جاری ہوا کرتی ہے۔ بعینہ وہ کسی بھی ملک میں اقتدار اعلیٰ کی حامل ہوا کرتی ہے اس کی اپنی واضح سرحدیں ہوا کرتی ہیں اور وہ اقتدار اعلیٰ کا جواز رکھتی ہے اور یہی جواز اسے ایک معاشرے میں قوانین اور ضوابط کے تحت حکومت کرنے کا حق دیتا ہے"۔(۲۴)

"انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کی ترتیب و تہذیب کے لئے جو ادارے قائم کیے ہیں ان میں ریاست کا ادارہ سب سے اہم اور بنیادی ہے ریاست وہ ہیئت سیاسی ہے جس کے ذریعے سے ایک ملک کے باشندے ایک باقاعدہ حکومت کی شکل میں اپنا اجتماعی نظام قائم کرتے ہیں اور اسے قوت قاہرہ او قوت نافذہ کا امین قرار دیتے ہیں"۔(۲۵)

شاہ ولی اللہ کے مطابق ریاست سے مراد محض دیہات، شہر اور قلعے نہیں بلکہ انسانوں کا ایک منظم گروہ ہے جو

ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے اپنے پیشوں کے اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے سے تعاون کرتا ہے۔(۲۶)

کیونکہ اس کے بغیر اجتماعی زندگی کے لیے ریاست کا وجود ناگزیر ہے۔ انسان جب دوسروں سے معاملات کرتا ہے تو ان معاملات کی ضابطہ بندی کے لیے قانون کی اور اس قانون کو نافذ کرنے کے لیے اداروں کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور ریاست وہ ادارہ ہے جو معاشرتی تعلقات، معاشی لین دین اور دیگر تمدنی معاملات کی استواری کا نگران و محافظ ہے، فرد کو اپنے نشو و ارتقاء کے لیے ایک ایسے ماحول کی ضرورت ہے جس میں ایک طرف امن و امان قائم ہو اور دوسری طرف وہ فرد کو ایسی تمام سہولتیں فراہم کر دے جو وہ خود حاصل نہیں کر سکتا، دفاع، قیام نظم و قانون، حصول عدل اور تعلیم وغیرہ وہ چیزیں ہیں جو ریاست کے ذریعے انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔ (۲۷)

اجتماعی زندگی کے نظم کو قائم کرنے کے لیے بہرحال ایک قوت قاہرہ (Coercive Power) کی ضرورت ہے جسے اسٹیٹ یا ریاست کہتے ہیں۔ عملی زندگی کا تجربہ اور انسانی فطرت کا علم یہی بتاتا ہے کہ تمدن کا قیام ایک قوت قاہرہ کا یقیناً محتاج ہے۔(۲۸)

بہرحال ریاست کی تشکیل ایک منظم قوم کی تشکیل پر منحصر ہے، دنیا میں حکومت قائم کر لینا آسان ہے لیکن ایک قوم کا بنانا انتہائی مشکل کام ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے بہترین فرد بہترین امت بناتا ہے، یعنی فرد، امت اور حکومت یہ تین عناصر ہیں جو تعلق کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ اسلامی نظام میں سب سے پہلی شے فرد ہے پہلے ایک فرد پیدا ہوتا ہے فرد امت کو بناتا ہے۔ امت حکومت پیدا کرتی ہے جس کا نام ریاست عامہ ہے یہ دور جب تک قانون اور روایات کے مطابق جاری رہے گا تو نظام بھی اپنی داخلی قوت اور بیرونی دباؤ کو جاری رکھے گا اور جب کسی عنصر میں کوئی کمزوری پیدا ہو جائے گی تو نظام اسی حد تک کمزور ہو جائے گا۔

ریاست کے وجود سے افراد کے اندر تمدنی رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔ ریاست کا وجود نہایت اہم ہے کیونکہ ریاست ہی احکام جاری کرتی ہے اور ان کو نافذ کرتی ہے۔ جہاں بہت سے لوگ مل جل کر رہیں گے وہاں اختلافات کا پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے۔ ایسی صورت میں ریاست عدل و انصاف کا سرچشمہ تصور ہوتی ہے اور تمام تنازعات کے فیصلے کے لیے مرکزی کردار انجام دیتی ہے۔

کسی ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لیے حکومت تین اقسام کے اصول استعمال کرتی ہے۔ ان اختیارات کے حامل تین علیحدہ شعبے قائم ہوتے ہیں۔ مقننہ ریاست کے قانون سازی کرتی ہے انتظامیہ قانون کی نفاذ کی ذمہ دار ہوتی ہے اور نظم و ضبط کو قائم رکھتی ہے اور قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں سزا دیتی ہے عدلیہ قانون کا تحفظ کرتی ہے اور دوسروں کے حقوق مجرد کرنے والوں کو سزا دیتی ہے۔ عوام الناس ایک ریاست کے اندر بہت سارے حقوق سے استفادہ کرتے ہیں یہ حقوق انہیں ریاست کی طرف سے دیئے جاتے ہیں لہٰذا ان کا فرض ہے کہ ریاست کی طرف سے لاگو کردہ احکام و فرامین کی پابندی کریں اور حاکم وقت کی اطاعت کریں تاکہ امن و امان کی فضا قائم رہے۔

ریاست کے چار لازمی عناصر ہیں۔ آبادی، علاقہ، حکومت اور حاکمیت ریاست کا قیام علاقے کا مرہون منت ہے کیونکہ جب تک کوئی علاقہ نہیں ہو گا ریاست کا قیام ممکن نہیں ہو گا۔ اسلامی ریاست کسی ایک علاقہ یا قوم تک محدود نہیں بلکہ پوری کائنات کو منور کر سکتی ہے۔ پہلی اسلامی ریاست مدینہ منورہ کی چھوٹی سی ریاست تھی مگر آہستہ آہستہ اس کی حدیں افریقہ اور یورپ تک پھیل گئیں۔

اسلامی ریاست میں آبادی کی تعداد کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کو پالنے والا ہے اسلامی ریاست کے اندر پھیلنے کا عمل جاری رہتا ہے۔ یعنی اس کی آبادی کا تعین نہیں کیا جاسکتا تاہم آبادی کو منظم کرنے اور اسے حسن ترتیب دینے کے لئے قواعد وضوابط کا نفاذ ضروری ہے تاکہ ریاست کے اندر نظم وضبط قائم رہے۔ ارشاد ربانی ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ۔(۲۹) ترجمہ: "اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے"۔

اور حکومت وطاقت کا سرچشمہ اللہ کی ذات کو قرار دیا تاکہ بندے اللہ کی اطاعت کریں۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (۳۰)

ترجمہ: "ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق نازل کی، لہٰذا تم دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے صرف اسی کی بندگی کرو"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ (۳۱)

"زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اور دین خالص اللہ کے لیے ہے۔ پھر کیا اللہ کے سوا تم کسی اور سے تقویٰ کرو گے"۔

ان ارشادات ربانی سے ثابت ہوتا ہے کہ دین سے مراد وہ قانون، ضابطہ، طریقہ اور نظام حیات ہے جس کے تحت انسان اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور اللہ کے مقرر کیے ہوئے قانون کی پابندی کرتا ہے کیونکہ دین کا تعلق کسی دنیا کے نظام سے نہیں بلکہ آخرت میں ہمارے اعمال کا جو محاسبہ ہو گا وہ بھی دین کی اصطلاح میں شامل ہے۔ یہ جزا اور سزا کے یوم آخرت کو یوم الدین کہا گیا ہے۔ لہٰذا اصطلاحی معنوں میں لفظ دین ایک ریاست ایک نظریہ ایک ضابطہ کے تحت زندگی گزارنے کا نام ہے۔(۳۲)

اسلامی ریاست میں نظم وضبط کو قائم رکھنے کے لیے امام، خلیفہ یا امیر کی قیادت میں صالح مسلمانوں کی ایک جماعت ہوتی ہے جو قرآن وحدیث کی روشنی میں نظام مملکت چلاتے ہیں۔ لہٰذا جس طرح اسلامی قوانین اور ضوابط کی پابندی ضروری ہے اسی طرح اطاعت امیر ضروری ہے۔ اسلام میں مغربی افکار کی طرح دین اور سیاست علیحدہ علیحدہ چیزیں نہیں بلکہ اسلام تو نظام کے ہر حصہ کے ساتھ زنجیر کی کڑی کی طرح مربوط ہے۔ باالفاظ دیگر اسلام ریاست اور مذہب میں تفریق نہیں کرتا۔ بقول اقبال:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (۳۳)

نظم وضبط کی پابندی کے لیے حکومت کا قیام لازمی ہے۔ قواعد وضوابط کا اجرا حکومت کے ذریعے ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کے لیے حکومت کی بجائے خلافت کی اصطلاحی استعمال ہوتی رہی ہے۔ خلیفہ سربراہ مملکت ہوتا ہے۔ وہ اللہ اور رسولؐ کے نائب کی حیثیت سے مسلمانوں کی قیادت کرتا ہے۔ وہ شریعت کے مطابق حکومت چلاتا ہے۔ قرآن اور سنت اسلامی ریاست کا آئین ہے۔ مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ میں اس طرح علیحدگی اختیار نہیں جس طرح آج کل کی ریاست کی خاصیت ہے۔ حکومت کی معیاد بھی مقرر نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: "جب تک میں اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتا رہوں میری اطاعت کرتے رہنا اور جب میں اس راستہ سے ہٹ جاؤں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں ہے"۔(۳۴)

## اسلامی اور مغربی ریاست میں بنیادی فرق

اسلامی ریاست اللہ کی خلافت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ ہی اقتدار اعلیٰ کا حامل ہوتا ہے۔ جبکہ مغربی ریاست مکمل طور پر افراد کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اسلام کے تصور ریاست کے پیچھے خداوند تعالیٰ کے احکامات ہیں جبکہ مغربی ریاست کے پیچھے انسانوں کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط ہیں جو کہ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں اور جن میں نئی نئی چیزیں سامنے آتی ہیں۔ بعض اوقات تو نئے اصول وضوابط، پرانے اصول وضوابط کی نفی کرتے ہیں بلکہ ان کی ضد قرار دیتے ہیں۔ اسلام کو دین فطرت کا اعزاز حاصل ہے کہ اصول وضوابط ٹھوس، جامع اور واضح ہوتے ہیں اور یہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے ہے۔ اس کے قوانین کو کوئی انسان بدل نہیں سکتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اسلامی قوانین کی روشنی میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھیں۔

اسلامی ریاست ایک ایسی ریاست ہے جو پیغمبر کی قانونی نمائندگی سے حاکمانہ بالادستی حاصل کرتی ہے اور دین دنیا کی اجتماعی سرگرمیوں میں اپنی عظمت اور طاقت کا اس طرح اظہار کرتی ہے کہ اس میں اعلیٰ رہنمائی کے اوصاف نمایاں ہو جاتے ہیں۔ (۳۵)

علامہ شیخ محمد امین ابن عابدین امامت کبریٰ کی شرح ان الفاظ میں کرتے ہیں: "خدا کی پیدا کی ہوئی مخلوق پر وہ عام تصرف جو ایک ریاست عامہ کی تشکیل کا موجب ہوتا ہے اور جس کو پیغمبر کی نمائندگی کا فخر حاصل ہو"۔(۳۶)

## ریاست و نظم وضبط لازم وملزوم ہیں

نظم وضبط کے تحت ہی کسی ریاست کا تنظیمی ڈھانچہ وجود میں آتا ہے۔ اس میں حکومت کی نوعیت، اختیارات اور عوام کے حقوق و فرائض کا تعین کیا جاتا ہے۔ عوام اور حکومت کے درمیان تعلق کی ترتیب و تنظیم کی جاتی ہے، حکومتی اختیارات کا دائرہ کار متعین کیا جاتا ہے۔ نظم وضبط کے بغیر نہ ریاست برقرار رہ سکتی ہے نہ حکومت چل سکتی ہے

نظم وضبط ہی وہ نعمت ہے جس سے ملک میں امن و امان قائم رہتا ہے۔ ورنہ طوائف الملکو کی پھیل جاتی ہے۔ ہر طرف فساد اور لا قانونیت کا دور دورہ ہو جاتا ہے خود عوام الناس کی جان ومال اور عزت و آبرو خطرے میں پڑ جاتی ہے اس کے بغیر کوئی حکومت وریاست چند دن بھی نہیں چل سکتی۔

ریاست عوام الناس سے فرائض کا تقاضا کرتی ہے، انہیں قانون کے تحت قواعد وضوابط کا پابند کرتی ہے۔ اللہ اور رسولؐ کے دیئے ہوئے احکامات کو لاگو کرتی ہے۔ جہاں احکامات کی اطاعت اور فرمانبرداری نہیں ہو گی وہاں ریاست کا وجود ممکن نہیں۔ ریاست کے اندر حکومت امور عامہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر افراد امت کو معروفات کا حکم دیتی ہے، منکرات سے روکتی ہے تو امارت امت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ یہ لفظ امر سے مشتق ہے امر کے معنی ہیں حکم اور حکم حکومت کا فعل ہے۔ ابو البقاء نے امارت کی یہ تعریف کی ہے "امارت ولایت ہے"۔(۳۷)

یعنی امارت حکومت ہے۔ امارت میں اطاعت اور غلبہ دونوں باتیں شامل ہیں اور یہی حکومت کی اصل ہیں۔

نظم وضبط کی پابندی کرانے کے لیے ایک قوت عاملہ یا قوت آمرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ کوئی قاعدہ، ضابطہ اور اصول اس وقت تک نافذ العمل ہو ہی نہیں سکتا اور نہ عوام الناس کو اس کا پابند بنایا جا سکتا ہے۔ جب تک اس کے پیچھے کوئی قوت نہ ہو، لہٰذا ریاست کا قیام لازمی ہے۔ امن و امان کا قیام اور ملک کا نظم ونسق چلانا حکومت کا کام ہے وہ قانون اور آئین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا بھی دے سکتی ہے۔ اگر نظم وضبط نہ ہو تو سیاسی اور معاشرتی زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائے سیاسی اور معاشرتی ادارے اپنے فرائض ادا نہ کر سکیں۔

اسلامی ریاست کے اندر حکم دینے کا اختیار خلیفہ کو حاصل ہوتا ہے۔ خلیفہ کے مختلف خطابات ہوتے ہیں مثلاً

امام اعظم: یہ نام اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ امام حکومت اور اعضائے حکومت کا قائد ہے۔

خلیفہ: رسول ﷺ کا نائب ہونے کی وجہ سے خلیفہ کہلاتا ہے۔

امیر: معروفات کا حکم دینے اور منکرات سے روکنے کی وجہ سے کہلاتا ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں: الوالي من الرعية كالروح من الجسد۔(۳۸) یعنی حاکم رعیت میں ایسے ہیں جیسے روح جسم میں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت بغیر امیر کے نہیں۔

لہٰذا اسلامی ریاست کے اندر قواعد وضوابط عوام الناس کی جان ومال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ ان ضوابط کی پابندی افراد کے لیے فائدہ مند ہے اور ان کی بہتری اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ اسی نکتے کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پابہ گل بھی ہے
انہی پابندیوں میں حاصل آزادی تو کر لے (۳۹)

یعنی صنوبر جیسا خوبصورت درخت اس درجہ سے سرسبز و شاداب نظر آتا ہے کہ اس کی جڑوں اور تنے نے مٹی کی پابندی کو قبول کیا۔ اگر وہ اس پابندی سے آزاد ہو جائے تو وہ سوکھ کر رہ جائے گا۔ اسی طرح فرد کے لیے قانون کی پابندی ہی میں اس کی ترقی اور خوشحالی کا راز مضمر ہے۔ نظم وضبط کی پابندی ہو گی تو ریاست چل سکتی ہے۔ ہر رنگ، ہر نسل، ہر گروہ کے فرد کے لیے اصول و قواعد کا خیال رکھنا لازمی ہے۔

ایک ریاست کے اندر عوام بہت سے حقوق سے استفادہ کرتے ہیں۔ مثلاً جان و مال کا تحفظ، شخصی آزادی، مذہبی آزادی، قانونی مساوات، معاشرتی مساوات، اقتصادی مساوات، ملکیت کا حق، تعلیم کا حق اس طرح دیگر بہت سے حقوق سے استفادہ کرتے ہیں لہٰذا اس کے بدلے میں نظم و ضبط کی پابندی لازمی ہے تاکہ ان حقوق کا دفاع بھی ہو سکے۔ کیونکہ معاشرتی زندگی کا انحصار لو اور دو پر مبنی ہے۔ لہٰذا عوام الناس جہاں حقوق سے استفادہ کرتے ہیں وہاں ضوابط کی پابندی بھی ضروری ہے تاکہ معاشرتی زندگی میں توازن برقرار رہے۔(۴۰)

قواعد و ضوابط کی پابندی سے انسانی معاشرے میں سدھار پیدا ہوتا ہے۔ کوئی قوم، کوئی جماعت اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ برضا و رغبت ان قواعد کی پابندی نہ کرے۔ جو حکومت اور ریاست نے قوم کے اختیار کردہ نظریہ حیات کے نفاذ کے لئے وضع کیے ہوں، صرف سزا کے ڈر سے نظم وضبط کی پابندی کرنا اطاعت کا آخری اور ناپسندیدہ درجہ ہے۔ اطاعت کا حسن و خوبصورتی کے افراد معاشرہ قانون اور نظم وضبط کی برضا و رغبت پابندی کریں، قومی مفاد کو ملحوظ رکھا جائے تاکہ صفوں میں اتحاد برقرار رہے۔

اسلام کے نظام میں حکمرانی نے بلا رعایت عادلانہ طریقے سے فیصلے صادر کرنے کا جو دستور العمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تجویز فرمایا اس کی مثال خود آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ سے ملتی ہے۔ آپ ﷺ کے عہد میں ایک ایسی خاتون چوری کی مرتکب ہوئی جو اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی۔ تھی قریش کو اس کی بڑی فکر ہوئی، وہ ہر طریقے سے اسے اسلامی قانون کی گرفت سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔ انہوں نے سوچا کون ایسا شخص ہو سکتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اس کی سفارش کرے! بالآخر طے پایا کہ یہ کام اسامہ بن زیدؓ ہی کر سکتے ہیں کیونکہ وہ آپ ﷺ کے بڑے چہیتے ہیں۔ لوگوں کے اصرار پر حضرت اسامہؓ نے لب کشائی کی جسارت کی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انما هلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشريف والذى نفسي بيده لو فاطمة فعلت ذلك لقطعت يدها۔ (۴۱)

ترجمہ: تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ سزا کمزور لوگوں کے دیتے اور بااثر لوگوں کو چھوڑ دیتے، قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ اگر فاطمہ میری بیٹی وہ کام کرتی تو یقیناً میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

آج کل ہمارا معاشرہ جن برائیوں، خرابیوں اور فتنہ وفساد کی اماجگاہ بنا ہوا ہے۔ یہ نظم وضبط کی کمی کی وجہ سے ہے۔ اگر ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت کی پیروی کریں تو معاشرہ خرابیوں سے پاک ہو کر امن وسلامتی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

زمانہ منتظر ہے پھر نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی (۴۲)

## نظم وضبط کی پابندی کے لیے ریاست اور حکومت کا قیام لازمی ہے

اسلامی ریاست میں طاقت اور حکومت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ دستور و قانون اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جو قرآن کی شکل میں محفوظ ہے اور سنت اس کی تشریح ہے۔ اسلامی ریاست میں لوگوں کی ذاتی مرضی اور منشا کو برتری حاصل نہیں بلکہ انہیں اپنی ذاتی، معاشرتی اقتصادی اور مذہبی زندگی کو اللہ کے قانون کے مطابق ترتیب دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات دائمی اور ابدی ہیں اور دنیا اور آخرت میں انسانیت کی فلاح وبہبود کے ضامن ہیں۔ امام قرطبی لکھتے ہیں:

حکومت کا قیام اس لیے ضروری ہے تاکہ منظم انداز میں حقوق و فرائض کی تعمیل ہو سکے اور ریاست کی تکمیل اور رِٹ قائم ہو سکے۔ (۴۳)

لہٰذا نظم وضبط کا قیام اور اس کی پابندی ریاست اور حکومت کی بدولت ہی ممکن ہے۔ جس کی نظیر مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست ہے۔ حکومت اور اس کے اعضاء مقننہ عدلیہ انتظامیہ تب ہی قوانین کا نفاذ اور اس کی حفاظت کریں گے جب ایک ریاست کا وجود ہو گا۔

## نظم وضبط کی ضرورت

قرینہ اور سلیقہ بھی عجب چیزیں ہیں دنیا میں
چمن کی گھاس بھی کتنی حسین معلوم ہوتی ہے

قوموں کی بقاء، ارتقاء اور ترقی کے لیے نظم وضبط اسی طرح ضروری ہے جس طرح جسم میں جان ضروری ہے۔ بہترین زندگی گزارنے کا روح رواں نظم وضبط ہے۔ نظم وضبط وہ اصول وضابطے ہیں جو معاشرے میں رہتے ہوئے انسانوں کی بہتری کے لیے ضروری ہے کیونکہ انسانی معاشرہ اسی وقت صحیح خطوط پر استوار ہو سکتا ہے جب وہ کسی قانون اور ضابطے کے تحت ہو۔

اگر زندگی میں نظم وضبط نہ ہو تو زندگی بے رنگ وبے کیف ہو جائے۔ نظم وضبط نہیں تو کچھ بھی نہیں اور ہر شے غیر یقینی ہے۔ گھروں سے لے کر معاشرے تک، دفاتر، اداروں، تنظیموں، انجمنوں میں نظم وضبط ضروری ہے۔ کیونکہ انسان پیدائش سے لے کر موت تک زندگی کو کسی ضابطے کے تحت گزارتا ہے۔ افراد معاشرہ جب اکٹھے زندگی گزارتے ہیں تو اس کو خوبصورت بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے مسلمہ قواعد وضوابط کی ضرورت ہوتی ہے۔ برائیوں

کو دور کرنے اور آپس میں تعاون کے لیے کوئی طریقہ کار یا ضابطہ ہونا چاہیے تا کہ زندگی پر امن اور محفوظ رہے۔(۴۴) ریاست میں پر امن زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ انسانی زندگی کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے اور منفی پہلوؤں کی روک تھام کی جائے۔ دین اسلام "جیو اور جینے دو" کی پالیسی اپنانے کو پسند کرتا ہے۔

نظم و ضبط کے بغیر حقوق کے حصول کا تصور نا قابل فہم ہے۔ ایک ریاست کے اندر مراعات سے استفادہ صرف اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جبکہ مراعات یافتہ افراد دوسروں کی مراعات کو بھی تسلیم کریں۔ یہ کیفیت فرائض کو جنم دیتی ہے حقوق سے ایک شخص اپنی ذات کو فائدہ پہنچاتا ہے اور فرائض سے یہی فائدہ دوسروں کو اٹھانے دیتا ہے۔ اسی کا نام نظم و ضبط کی پابندی ہے۔ یعنی اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا اور دوسروں کے حقوق کو تسلیم کرنا، خود عزت کے ساتھ زندگی گزارنا اور دوسروں کو عزت کے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرنا۔ مثال کے طور زندہ رہنا ہر شخص کا حق ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس پر لازم ہے کہ دوسروں کی زندگی کا احترام کرے اور نظم و ضبط کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے۔ اگر ہر شخص صرف اپنا فائدہ طلب کرے، اپنی مراد حاصل کرے، اپنی ذات کو قیمتی سمجھے تو سب کی زندگی اور حقوق داؤ پر لگ جائے۔

## نظم وضبط کی اہمیت

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے؟ انہی اجزا کا پریشان ہونا

### ۱-ہر کام کے لیے نظم وضبط ضروری ہے

"لفظ نظم وضبط" اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ ہر جگہ اس کی موجودگی ضروری ہے۔ ہمارا دین ہمیں نظم وضبط سکھاتا ہے۔ اس کے بغیر کسی قسم کی ترقی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا کا ہر کام کسی نہ کسی ضابطے قاعدے کے تحت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ضابطے اور قانون میں انسان تبدیلی نہیں کر سکتا۔

سورج کی گرمی اس کی چمک، سورج کا نکلنا، اس کا غروب ہونا، چاند کی دمک، لیل ونہار کا گھٹنا، بڑھنا موسموں کا تغیر و تبدل یہ سب کچھ ایک قانون کے تحت ہو رہا ہے۔ زمین کا گھومنا اور رات دن کا پیدا ہونا ان سب کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ ان میں سے کوئی بھی عمل اپنے وقت مقررہ سے ایک لمحہ بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ حیوانات، نباتات اور جمادات بھی ایک مخصوص قاعدے کے تابع ہیں۔ پرندوں میں بھی نظم وضبط پایا جاتا ہے۔ چیونٹیاں خوراک اکٹھی کرنے کے لیے قطار بنا کر چلتی ہیں تا کہ نظم وضبط سے اپنا حصہ خود اٹھا سکیں۔ زمین سورج کے گرد ۳۶۵ دنوں، ۶ گھنٹے ۹ منٹ اور ۴۵. ۹ سیکنڈ میں ایک بار گردش کرتی ہے۔ غرض کائنات کی ہر چیز کے لیے کوئی قاعدہ مقرر ہے اور وہ اس قاعدے سے باہر نہیں نکل سکتی۔ ندی نالے، دریا سمندر بھی ایک خاص ضابطے کے تحت بہتے ہیں۔ پھلدار اور پھولدار درخت بھی کسی قانون میں جکڑے ہوئے ہی پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح سے ختم ہوتے ہیں۔ (۴۵)

کوئی چیز کوئی انسان قانون اور ضابطے سے باہر نہیں ہو سکتا۔ انسان کے جسم میں جو اعضاء بنائے گئے ہیں وہ سارے کے سارے اپنا اپنا کام ایک مخصوص ضابطے یا قانون کے تحت کرتے ہیں۔ دماغ کے لئے ایک ضابطہ مقرر ہے۔ وہ اس کے تحت کام کر رہا ہے۔ دل کے لیے بھی جو کام مقرر کیا گیا وہ وہی کرتا ہے۔ پھیپھڑے، معدہ، جگر اور اسی طرح سے جسم کے دوسرے اعضاء بھی اپنے مقررہ قاعدے کے تحت ہی کام کرتے رہتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قانون اور ضابطہ ایک ایسی چیز ہے جس سے کوئی چیز باہر نہیں۔ (۴۶)

**۲-استحکام معاشرہ کے لیے نظم وضبط کی اہمیت**

معاشرتی زندگی میں نظم وضبط کی اہمیت مسلم ہے۔ گھر ہو یا بازار، تعلیمی ادارے ہوں یا سرکاری دفاتر، کھیل کا میدان ہو یا میدان جنگ، کسی بھی جگہ نظم وضبط کے بغیر عمدہ کارکردگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تعلیمی اداروں میں طلبہ کی درست تعلیم وتربیت کے لیے نظم وضبط کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر سرکاری دفاتر میں تنظیم کا عمل دخل نہ ہو تو ملکی کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جائے۔ کھیل کے میدان میں کھلاڑی اگر قواعد وضوابط کی پابندی نہ کریں تو کھیل لڑائی جھگڑے میں بدل جائیں۔ فوج میں اگر تنظیم نہ ہو تو وہ کبھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے۔ فوجی قوت کا راز ہی تنظیم میں ہے۔ اگر سپاہی قواعد وضوابط کی پرواہ نہ کریں تو فتح بھی شکست میں بدل سکتی ہے۔ وہی فوج کامیاب اور طاقتور تصور کی جاتی ہے جو زیادہ اصولوں کی پابند ہو۔ (۴۷)

معاشرے میں رہتے ہوئے ہم پر دو قسم کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ایک انفرادی اور دوسری اجتماعی۔ ہمارا ہر فعل معاشرے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر ہم کوئی برائی کریں تو اس کے اثرات دوسروں پر ضرور مرتب ہوں گے اور اگر ہم کوئی اصلاحی کام کریں تو اس کا اثر بھی دوسروں پر ہو گا۔ ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم دوسروں کے جذبات واحساسات کا احترام کریں، ہمارا ہر قول وفعل سوسائٹی کے لیے مفید ثابت ہو۔ اگر ہم معاشرے میں رہتے ہوئے ضابطے کا خیال نہیں کرتے تو اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔

ایک ٹیم ہی کو لے لیجیے، ٹیم کے کھلاڑی اگر اپنے کپتان کے حکم کے تابع نہیں ہیں اور کھیلتے ہوئے پورے نظم وضبط سے کام نہیں لیتے تو ٹیم کی شکست یقینی ہو گی۔ اس میں کھلاڑی کا بھی نقصان ہو گا اور شکست قوم وملک کے لئے بدنامی کا باعث بنے گی۔ قوموں کی بقا اور ارتقاء کے لیے نظم وضبط کا ہونا نہایت لازمی ہے۔ تاریخ شاید ہے کہ ایسے لوگوں کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا جو نظم وضبط کو اپنا شعار نہیں بناتے۔

**۳-قوموں کی آزادی اور ترقی کے لئے نظم وضبط کی اہمیت**

کسی جماعت، گروہ، قوم، تنظیم، ایسوسی ایشن میں جب تک ڈسپلن نہیں ہے، وہ کسی منصوبہ یا مشن کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی۔ دنیا میں جینے کا اصول بھی یہی ہے کہ زندگی منظم اور باترتیب ہو۔ نظم وضبط یہ ہے اگر ڈسپلن مضبوط ہو جو حکم ملے وہ مانا جائے، ڈھیلے ڈھالے، بے اصول اور بے ترتیب کاموں سے کوئی انقلاب نہیں لایا جا سکتا۔

قوموں کی آزادی اور سلطنتوں کی ترقی کے لیے نظم وضبط نہایت ضروری ہے۔ بڑے بڑے سیاستدان اس پر متفق ہیں کہ نظم ریاست کے عناصر خمسہ میں شمار ہوتا ہے۔ جہاں پر نظم وضبط اور یکجہتی کا فقدان ہو گا اور بے ضابطگیوں کا راج ہو گا وہاں ذلالت، غلامی اور زوال قوم کا مقدر رہو گا۔

اگر ہمیں اپنے آپ سے محبت ہے اور اپنے معاشرے اور وطن سے پیار ہے اور ہم واقعی اپنی قوم سے مخلص ہیں اور اسے دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی صف میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا چاہیے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، ہر مقام پر ہر وقت اتحاد اور نظم وضبط کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے افکار وافعال میں نظم وضبط کے اصول کو کبھی فراموش نہ کریں۔

## اتحاد، یقین اور تنظیم

بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ نے بھی اس لیے قوم کو اتحاد، یقین اور تنظیم کا عظیم سبق دیا ہے۔ جس قوم میں نظم وضبط نہیں ہوتا وہ ملت جلد صفحہ ہستی سے نیست ونابود ہو جاتی ہے۔ اسلام کا عروج بھی قومی نظم وضبط، اتحاد و تنظیم کے طفیل ہوا۔ قومی اتحاد اور تنظیم کی بدولت مسلمان تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی بڑی بڑی سلطنتوں کو فتح کرتے چلے گئے۔ یہ اتحاد اور نظم وضبط کا کرشمہ تھا کہ عرب قوم جو جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی تمام اقوام عالم سے آگے نکل گئی۔

## اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات

اسلام اپنے اندر ایک مکمل ضابطہ حیات رکھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسی ضابطہ حیات کی تبلیغ و ہدایت کے لیے تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے عملی طور پر ثابت کیا کہ انہوں نے جو نظام زندگی دنیا کو دیا اسی میں دکھی انسانیت کا مداوا ہے۔ جس پر عمل کر کے ہم دنیا میں نجات پا سکتے ہیں اور ہمارے لیے اخروی فلاح کا سبب بن سکتا ہے۔ اسلام کا نظام انسانوں کے باہمی تجربات کا نتیجہ نہیں بلکہ خالق کائنات کا پیش کردہ ہے جس کے قبضے میں ہر چیز ہے۔ جس کی مرضی پوری صفحہ ہستی پر حاوی ہے۔ وہی حاکم اور وہی مالک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ۔ (۴۸)

لوگ پوچھتے ہیں کیا امر میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے۔ کہہ دو کہ امر سارا اللہ کے لیے مخصوص ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (49)

"خبردار خلق اسی کی ہے اور امر بھی اس کا ہے"۔

اسلامی اصول وضوابط اللہ تعالیٰ کے احکامات پر مشتمل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی اور ہم حکم دیتے ہیں کہ

آپ ﷺ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجیے اور ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجیے اور ان سے یعنی ان کی بات سے احتیاط رکھیے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ملکی احکام سے پھسلا نہ دیں۔(۵۰)

## نظم وضبط قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید ایک جامع کتاب ہے جس میں زندگی کے ہر گوشے کے متعلق رہنمائی موجود ہے تاکہ انسانی زندگی میں نظم وترتیب قائم رہے۔ اس نظم وترتیب کے قانون کو خود خالق کائنات نے وضع کیا ہے جو اپنی مخلوق کی نفسیات، ضروریات اور تقاضوں کو خوب سمجھتا ہے۔ یہ قانون قرآن مجید کی صورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا اور حضورؐ نے یہ قانون عملی طور پر پیش فرمایا اور اسے نافذ کیا۔ مثلاً معاملات کو صلح صفائی کے ساتھ درست رکھنا، نماز کی پابندی کرنا، زندگی کے ہر گوشے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنا، امانتوں اور عہدوں کا پاس کرنا، فرائض کو ادا کرنا، کسی معاملے میں حد سے تجاوز نہ کرنا، یہ تمام اصول نظم وضبط کے زمرے میں آتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (۵۱)

ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسولؐ کی پکار پر لبیک کہو جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہو اور جان رکھو اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے"۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔(۵۲)

ترجمہ: "حکم اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں اس کا فرمان ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی اور اطاعت نہ کرو، یہی صحیح طریقہ ہے"۔

فرمان الٰہی ہے: اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ۔(۵۳)

ترجمہ: "پیروی کرو اس قانون کی جو تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ اسے چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو"۔

ان آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے اندر نظم وضبط کی پابندی قانون الٰہی کے مترادف ہے اور اس کی خلاف ورزی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (۵۴)

"جو رسولؐ کی تابعداری کرے تو اس نے اللہ کی تابعداری کی"۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ (۵۵)

"جو کچھ تمہیں یہ رسولؐ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ"۔ پھر ارشاد ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ (۵۶)

"خبردار اسی کی پیدائش ہے اور اسی کا حکم ہے"۔

علامہ آمدی اصول فقہ کی مشہور کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں لکھتے ہیں:

اعلم انه لا حاكم سوى الله ولا حكم الا ما حكم۔ (۵۷)

"جان لو کہ حاکم اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے، حکم وہی ہے جو اللہ نے دیا ہے"۔

شیخ محمد خضری اصول فقہ میں لکھتے ہیں:

ان الحكم هو خطاب الله فلا حكم الا لله وهذه قضية اتفق عليها المسلمون قاطبة۔ (۵۸)

"یقیناً حکم اللہ کے فرمان کو کہتے ہیں پس حکم دینے کا حق صرف اللہ ہی کو حاصل ہے، یہ ایک ایسی بات ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (۵۹)

"اور اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے والے مت بنو"۔(۵۹)

"فساد قتل وخون ریزی سے کہیں بڑھ کر ہے"۔(۶۰)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ۔ (۶۱)

ترجمہ: "جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (۶۲)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو"۔

## نظم وضبط حدیث کی روشنی میں

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے میرے متعین کیے ہوئے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔(۶۳)

ابن عباسؓ سے روایت ہے: جس نے میرے امیر میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھی تو اسے صبر کرنا چاہیے کیونکہ اگر کوئی جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہو گا تو وہ جہالت کی موت مرے گا۔(۶۳)

احادیث مبارکہ میں ایسے قانون کی پابندی پر بہت زور دیا گیا ہے جو شریعت کے تابع ہو۔ جیسا کہ ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

۱- مسلمان شخص اپنی پسند اور ناپسند ہر حالت میں اولی الامر کی بات سننے اور ماننے جب تک کہ اس کو خدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے اور جب ایسا حکم دیا جائے تو مسلمان پر نہ سننا فرض ہے اور نہ اطاعت کرنا۔

۲- خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں، اطاعت صرف نیکی میں ہے۔

۳- اگر ایک نکٹا جیسی بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے تو اگر وہ اللہ اور رسول ﷺ کی پیروی میں حکم دے تو اس کی اطاعت تم پر فرض ہے۔

۴- ایک مسلمان پر سمع و طاعت لازم ہے خواہ وہ خوشی سے کرے یا بد دلی سے، تاوقت اسے برائی کا حکم نہ دیا جائے پھر جب اس کو برائی کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ہے اور نہ تعمیل حکم کرنا ہے۔(۶۵)

۵- معصیت میں کوئی اطاعت نہیں اطاعت صرف معروف میں ہے۔(۶۶)

۶- اگر تم پر کوئی غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔(۶۷)

۷- حضرت عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہم سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ ہم اپنے حکمرانوں سے جھگڑا نہ کریں الا یہ کہ ہم ان کے کاموں میں کھلم کھلا کفر دیکھیں جو ہمارے پاس ان کے خلاف اللہ کی طرف سے ایک دلیل ہو۔(۶۸)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

جب صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ سے برے حاکموں کے خلاف بغاوت کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں۔ (۶۹)

ان احادیث کی روشنی میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک اسلامی نظریاتی ریاست کے اندر حاکم مسلمان ہی ہونا چاہیے غیر مسلم کے صاحب امر بننے کی کوئی گنجائش نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"میں تمہیں سمع واطاعت کرنے اور امیر کی بات سننے کی تلقین کرتا ہوں"۔(۷۰)

**نظم وضبط کی پابندی کے حوالے سے ہماری موجودہ صورتحال**

کچھ بے سہاگ بیویاں کچھ بے چراغ گھر　　کچھ دلہنیں آج کے دن بھی برہنہ سر
کچھ مائیں اپنے لاڈلے بیٹوں کی منتظر　　کچھ بہنیں آنے والوں کی تکتی ہیں راہ گزر(۷۱)

ہماری روزمرہ زندگی سے نظم وضبط رخصت ہوتا جارہا ہے۔ ہر شعبہ کسی نہ کسی حوالے سے بدنظمی کا شکار ہے لوگ اپنے مراسم، تعلقات اور اثر ورسوخ کے ذریعے اپنا مطلب پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور قانون کی گرفت سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ طاقتور اپنی طاقت کے بل بوتے پر پابندی سے آزاد ہونا چاہتا ہے۔ اس بدنظمی سے صورتحال پریشان کن ہوتی جارہی ہے۔ جب قانون وضوابط کا احترام ختم ہو جائے تو جسموں کے ساتھ روحیں بھی جل جایا کرتی ہیں۔ بلندیوں کے بجائے پستیاں مقدر ہونے لگتی ہیں۔ نفسانفسی اور بے حسی عام ہوتی جارہی ہے۔ لوگ معاشرتی اقدار سے عاری اور ادب واحترام سے فارغ ہوتے جارہے ہیں۔ خودغرض، لالچ اور مطلب کی خاطر تمام اصول وضوابط بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ جس معاشرے میں مجرم منصف بنے لگے طاقتور کمزور کو دبانے لگے، فرائض کا تصور مٹ جائے، جہاں انصاف اثر ورسوخ کی بنیاد پر بکنے لگے، اپنی حرص کو پورا کرنے کے لئے دوسروں کی مراعات کا گلہ گھونٹ دے، دوسروں سے حق زندگی کو چھیننے لگے، مساجد، عبادت گاہوں کا تقدس برقرار نہ رہے ایسے معاشرے کو تباہی سے کون روک سکتا ہے۔

یہ سب کرشمہ ہے ہمارے آپس کے اختلافات کا جس کی وجہ سے گھر بے چراغ، بیویاں بے سہاگ، بچے یتیم اور بہنیں اپنے بھائیوں سے محروم ہیں۔ کیا ہم مسلمان ہیں؟ مسلمان اللہ کے فرمان کے مطابق بھائی بھائی ہیں۔ کیا بھائی بھائی کے گھر بے نور وبے چراغ کر سکتا ہے؟ کیا بھائی بھائی کا سرعام گلہ کاٹ سکتا ہے؟ نظم وضبط کا یہ کون سا انداز ہے؟ کیا یہی فرمان ربانی ہے؟ خدا فرماتا ہے "اللہ کی رسی کو مضبوط سے پکڑ لو اور تفرقے میں نہ پڑو"۔

کیا یہی جذبہ ایمانی ہے کہ رسی کے ٹکڑے کر دو؟ قانون وضوابط کو بالائے طاق رکھ دو؟ اخلاقی اصولوں کی دھجیاں بکھیر دو، ایک دوسرے کو کافر کافر کہو۔ بستیاں جلا دو، مساجد کو اڑا دو، عبادت گاہوں کو مسمار کرو۔ رسول ﷺ کا فرمان ہے مسلمان باہم جسم کی طرح ہے جس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم درد میں مبتلا رہتا ہے۔ کیا ہمارے احساسات، جذبات ایک دوسرے کے لیے اسی فرمان کی روشنی میں ہیں؟ کیا یہ اعمال وحرکات صف بندی اور نظم وضبط کی عکاسی کرتے ہیں؟

جسم کے ایک حصے کا یہی فرض ہے کہ دسرے حصے کو کاٹ دے؟ بحیثیت مسلمان احسان، بھلائی، ایثار، قربانی اور خوشیاں بانٹنے کے بجائے معصوم بچوں کی آنکھوں میں خون کے آنسو بھریں۔ کسی کو سہارا دینے کے بجائے

بے سہارا کر دیں۔ کسی کے سامان تسکین و راحت بننے کے بجائے اس کے ہنستے بستے گلستان کو اجاڑ دیں۔ دوسروں میں مسرتیں بانٹنے کے بجائے سسکیاں آہیں اور فریادیں بانٹیں۔ کچھ ہوش کریں، کچھ سوچیں غور کریں، گریبان ٹٹولیں، کیا ہم مسلمان ہیں؟ ہمارے ہاتھوں سے تسبیح کا دانہ تو برابر گرتا ہے لیکن انسانیت کی لو ماند پڑ گئی ہے۔

صرف مہر و وفا نہیں رکھتے ہم لوگ اور کیا کیا نہیں رکھتے
لب پہ ذکر خدا تو رکھتے ہیں دل میں خوف خدا نہیں رکھتے (۷۲)

ہم اسلام کے پیروکار ہیں،؟ جس کا درس ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ لمحہ فکر یہ ہے کیا ہمارے ہاتھوں سے اور ہماری زبانوں سے دوسرے مسلمان محفوظ ہیں؟ اقبال نے دکھ اور افسوس سے کہا تھا

ع یہ مسلمان ہیں جنہیں دکھ کر شرمائیں یہود

کبھی ہم نے سوچا کہ غیروں کے اشاروں پر ہم اپنی بستیاں کیوں اجاڑ رہے ہیں؟ ہم جلاؤ گھیراؤ کیوں کر رہے ہیں۔ ہم دیے سے دیا جلانے کے بجائے خنجر اور گولیاں کیوں چلا رہے ہیں؟ ہم زندگیوں، جان و مال، عزت و آبرو کا دفاع کرنے کے بجائے زندگیاں چھین کیوں رہے ہیں؟ ہم چار دن کی چاندنی کے لیے ہمیشہ کی زندگی کو کیوں برباد کر رہے ہیں؟ ہم دوسروں کے لیے دکھ کے سامان اکٹھے کر کے اپنے لیے کون سا سکھ تلاش کر رہے ہیں؟ اپنی تھوڑی سی خوشی کے لیے اللہ کے غضب کو کیوں دعوت دے رہے ہیں؟ کیا ہمیں سوچنا چاہیے؟ کیا ہم مسلمان ہیں؟ دین اسلام کی تعلیمات کو کہاں چھپا دیا ہے، نظم و ضبط کا اعلیٰ اصول زندگیوں سے کیوں خارج کر دیا ہے؟ کیا ہم قرآن پڑھتے ہیں؟ اگر پڑھتے ہیں تو درس اطاعت کو کیوں بھلا دیا ہے؟ کیا ہم نمازی ہیں؟ اگر نمازی ہیں تو صف بندی کے بجائے انتشار کیوں پھیلا رہے ہیں؟ اگر ہم روزہ دار ہیں؟ تو ہمارا ایثار کہاں ہے؟ اگر زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں تو احساس ہمدردی اور احساس اجتماعیت کہاں رہ گئی؟ اگر حج ادا کرتے ہیں تو نظم و ضبط کا روح پرور مظاہرہ ہماری صفوں سے کیوں ختم ہو گیا۔

موجودہ دور میں نظم و ضبط کا خاصہ فقدان ہے۔ گھروں، بازاروں، مساجد، دفاتر میں ہر جگہ شیرازہ بکھرا ہوا نظر آتا ہے۔ انسان انسان کا استحصال کر رہا ہے، انسان انسان کو ڈس رہا ہے۔ مسلمان مسلمان کو ذبح کر رہا ہے، عزیز عزیز کو دغا دے رہا ہے۔ رشتوں سے محبت انسیت اخلاص رخصت ہو رہا ہے، خون سفید ہو رہا ہے، روئے زمین پر انسانیت منہ چھپائے پھرتی ہے، خوف ہے، ہراس ہے اضطراب ہے، بے چینی ہے، شرفاء الحفیظ والاماں کا ورد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو نہ صرف مسلمان کو بلکہ انسانیت کو ایک کنبہ بنایا، ایک خاندان بنایا پھر امت مسلمہ تو ایک جسم ہی ہے۔(۷۳)

ہمیں سوچنا ہو گا کہ اگر غیر مسلم ہمارے خلاف اکٹھے ہو سکتے ہیں اور اپنی صفوں میں نظم و ضبط برقرار رکھ سکتے ہیں تو ہم پرچم توحید کے نیچے اکٹھے کیوں نہیں ہو سکتے؟ اسلام کی تعلیم کو اگر سرسری نظر سے بھی گزار لیں تو فروعی

اختلافات کو ایک طرف رکھ دیں اپنی صفوں میں نظم وضبط برقرار رکھیں اور اسلام کے پیغام انسانیت کے نام پر تھوڑی سی درگزر، تھوڑی سی برداشت، تھوڑا سا احسان، ذرا سا ایثار، چھوٹی سی خدمت کو بھی اپنا شعار بنالیں تو ہم ایک ہو سکتے ہیں۔ اسلام تو ہے ہی جوڑنے کا مذہب، امن کا مذہب، خیر خواہی کا دین ہے ہمارا پرچم توحید ہے۔

"اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں"

چمن کے مالی اگر بنالیں وافق اپنا شعار اب بھی

چمن میں آسکتی ہے واپس چمن سے روٹھی بہار اب بھی

**اسلامی ریاست میں نظم وضبط برقرار رکھنے کے لیے سربراہ مملکت کے اختیارات**

۱- **اختیارات تنفیذی:** خلیفہ ہر محکمے کا حاکم اعلیٰ ہے، اس وجہ سے ہر فرد پر معروف کاموں میں اس کی اطاعت واجب ہے۔

۲- **قواعد وضوابط بنانے کا اختیار:** قوانین شرعیہ کی تنفیذ کے لیے اسے قواعد وضوابط بننے کا اختیار ہے۔

۳- **حکام کے نصب وعزل کا اختیار:** حکومت کے حکام کے نصب وعزل کا اس کو اختیار حاصل ہے۔

۴- **احتساب ومواخذہ کا اختیار:** خلیفہ سلطنت کے ہر فرد سے اس کی کسی قانون شکنی پر مواخذہ کر سکتا ہے اور اسے سزا دے سکتا ہے۔

۵- **جنگ وصلح کا اختیار:** خلیفہ کو ملکی حالات کے مطابق جنگ اور صلح دونوں کا اختیار حاصل ہے۔

۶- **حکام کی کارروائیوں کی تفتیش کا اختیار:** خلیفہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ہر حاکم کی غیر اسلامی کارروائی کی تفتیش کرے اور اس کو سزا دے۔

۷- **اختیارات تشریعی:** خلیفہ کو اصحاب الرائے کے مشورہ کے ساتھ ضمنی قوانین وضع کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ "۔(۴۷) (سورۃ شوریٰ آیت ۳۸)

۸- **امیر کا حق تنسیخ:** ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مجلس تشریعی کے کثرت رائے سے پاس شدہ مسودہ قانون کو خلیفہ مسترد کر سکتا ہے یا کہ نہیں۔

اگر مجلس تشریعی ایک قانون متفقہ یا کثرت رائے سے پاس کر لیتی ہے جو کسی نص صریح کے خلاف ہو تو خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس قانون کو مسترد کر دے۔ مثلاً رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد اکثر جید صحابہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف سر دست جہاد نہ کریں لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن کسی نص صریح کے خلاف فیصلہ نہ ہو تو خلیفہ کو یہ حق نہیں کہ کثرت رائے سے پاس شدہ قانون کو مسترد کر دے۔

۹- **عادلانہ اختیارات:** عدالتوں کے لیے ضوابط مقرر کرنے کا اختیار خلیفہ کو ہے لیکن خلیفہ کو یہ اختیار حاصل

نہیں کہ وہ عدالت کی آزادی میں دخل اندازی کرے، خلیفہ نہ عدالت کو کسی فیصلہ کا حکم دے سکتا ہے اور نہ کسی فیصلہ سے روک سکتا ہے۔

## اسلامی ریاست کے اندر نظم وضبط کی پابندی کے لیے حکومت کے اختیارات اور عوام کے فرائض

### ۱- حکومت کی اطاعت واجب ہے

مفتی محمد تقی عثمانی نے لکھا ہے: بعض لوگ آج کل یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ آج کل ہمارے ملک میں جو حکومتیں ہیں وہ خود ظالم حکومتیں ہیں رشوت خور ہیں، بدعنوان ہیں، مفاد پرست ہیں، اپنے مفاد کی خاطر پیسے لوٹ رہے ہیں۔ لہٰذا ایسی حکومت کے قوانین کی پابندی ہم کیوں کریں؟ خوب سمجھ لیجیے۔ حضور ﷺ نے تو ابو جہل سے کیے ہوئے معاہدے کا بھی احترام کیا تھا۔ ابو جہل سے زیادہ گمراہ کوئی ہو گا لیکن وہ وعدہ جو حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور ان کے والد نے ابو جہل سے کیا تھا اور ابو جہل نے زبردستی ان سے وعدہ لیا تھا، رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم چونکہ ابو جہل سے وعدہ کر چکے ہو۔ لہٰذا وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔(۷۵)

موصوف آگے لکھتے ہیں: "معلوم ہوا جس شخص سے آپ عہد کر رہے ہیں وہ چاہے کافر ہی کیوں نہ ہو، چاہے وہ فاسق ہو، بدعنوان ہو، رشوت خور ہو لیکن جب آپ نے اس سے عہد کیا ہے تو اب اس عہد کی پابندی آپ کے ذمے لازم ہو گی۔(۷۶)

حدیث نبوی ہے:ولا تخن من خانك۔(۷۷)

"خیانت کرنے والے سے خیانت مت کرو"

مولانا محمد تقی عثمانیؒ اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں: "لہٰذا حکومت چاہے کتنی ہی بری کیوں نہ ہو لیکن اگر آپ نے اس کے ساتھ کوئی معاہدہ کر لیا ہے تو اس معاہدے کی پابندی تم پر لازم ہے۔(۷۸)

### ۲- ضبط نفس

اپنے جذبات پر قابو رکھنا شخصیت کا کمال تصور ہوتا ہے۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایسے لمحات آتے رہتے ہیں جب ہمارے مشتعل ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنے جذبات کو کنٹرول میں نہیں رکھتے اور ہوش کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے تو بڑی خطرناک صورتحال پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح تصادم پیدا ہوتا ہے۔ تعصب اور خود غرضی سے بھی معاشرہ گروہ بندی کا شکار ہو جاتا ہے اور امن وامان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو اس حد تک نہ بڑھنے دے کہ تصادم کی صورت پیدا ہو جائے۔ ضبط نفس سے مراد یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے مفادات کو اعلیٰ ترین مفاد کے لیے قربان کر دیا جائے اور غصہ، نفرت، تعصب اور ضرورت سے زیادہ جوش وخروش کا اظہار نہ ہونے پائے۔ جوش زندگی کی علامت ہے لیکن جوش کے ساتھ ہوش رکھنے سے شخصیت کا نہایت عمدگی سے اظہار ہوتا ہے۔

### ۳-تعاون

انسان مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کا محتاج ہے، اگر باہمی تعاون کے ساتھ انسان ایک دوسرے کی ضرورت اور احتیاجات کو پورا نہ کریں تو سوسائٹی میں فساد برپا ہو جائے اور ایک دوسرے کی زندگی اجیرن ہو جائے اسی وجہ سے سوسائٹی کو برقرار رکھنے کے لیے ایک دوسرے کا تعاون ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ (۷۹)

"نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو"۔

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (۸۰)

"اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو"۔

رسول کریم ﷺ اسلامی سوسائٹی کے افراد کو ایک عمارت سے تشبیہ دے کر فرماتے ہیں:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا ثم شبك بين اصابعه۔ (۸۱)

"ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے کہ عمارت کی اینٹیں ایک جز دوسرے جز کو قوت دیتا ہے۔ پھر اپنی انگلیوں کو ملا کر مثال بتائی۔

اور پھر فرمایا:تكانفا ولا تعاصيا و يسرا و لا تعسرا۔(۸۲) "مل کر رہو ایک دوسرے کے خلاف نہ رہو۔ آسانی کرو اور تنگی مت کرو"۔

### ۴-مالی قربانی

حکومت کا انتظام چلانے کے لیے ضروری ہے کہ مالی حالت مضبوط ہو اور حکومت خرچ پورا کرنے کے لیے ٹیکس لگاتی ہے ہر شہری کا یہ فرض ہے کہ وہ ٹیکس ادا کرے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

يَسْاَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔(۸۳)

"وہ تم سے پوچھتے ہیں وہ کیا خرچ کریں کہہ جو ان کی ضرورت سے بچ جائے وہ سب خرچ کرو"۔

### ۵-امن کا قیام

اچھے شہری کا صرف یہ کام نہیں ہے کہ وہ خود قانون کی تابعداری کرے بلکہ اس سے یہ بھی امید ہوتی ہے کہ وہ حکومت کی قوانین کے نفاذ میں مدد کرے اور قانون شکنی کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے حکومت کا ہاتھ بٹائے جب تک ہر شہری ملک کے قانون کا محافظ نہیں ہوتا اس وقت تک ملک میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

### ۶-فوجی خدمات

مملکت کا تحفظ سب سے اہم فریضہ ہے اسی وجہ سے ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ بیرونی حملہ کے وقت ملک کے دفاع میں ہر ممکن کوشش کرے اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ(۸۴)

"اور جو کچھ طاقت گھوڑوں کے سرحدوں پر باندھ رکھنے میں سے تم سے ہو سکے ان کے لیے تیار رکھو تم اس کے ساتھ اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوفزدہ رکھو"۔

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ۔ (۸۶)

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

## نبی اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے عرب معاشرے میں نظم وضبط کی صورتحال

چھٹی صدی انسانی تاریخ کا انتہائی تاریک ترین دور تھا۔ انسانیت بکھری ہوئی تھی، انتشار، افتراق، باہمی جھگڑوں، دشمنی اور عدم نظم وضبط کی وجہ سے انسانیت زوال اور پستی کی طرف جارہی تھی اور تباہی کے آخری نقطے تک پہنچ گئی تھی، روئے زمین پر کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکتی اور ہلاکت کے غار میں گرنے سے روک سکتی، نہ ایسی کوئی قوم نظر آتی ہے جسے سیرت و کردار کے لحاظ سے بہتر اور صالح کہا جاسکے اور جو شرافت اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو اور نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور مساوات پر مبنی ہو جو بکھرے ہوئے معاشرے کو منظم کرسکے، جو ٹوٹی ہوئی صفوں کو جوڑ سکے، جو ایک مرکز پر متحد و منظم کرسکے۔

دور جاہلیت میں قبیلہ کا مفہوم افراد انسانی کا وہ مجموعہ تھا۔ قبیلہ کا شیخ ان کا حاکم تھا وہ قبیلہ کے افراد کے نسب و خون کے رشتہ کی بنا پر شیرازہ بندی کرتا ہے۔ عربوں میں عہد حاضر کی حکومتوں میں سے کسی نوع کی حکومت کا وجود نہ تھا۔ عدالت کا نظام نہ تھا جہاں وہ قضیوں کا فیصلہ کراتے، نہ پولیس تھی جو امن و امان قائم رکھتی، نہ فوج تھی جو بیرونی خطرات کی مدافعت کرتی، عرب کسی منظم حکومت کے ماتحت نہ تھے اس لیے ٹیکس وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ان میں مظلوم اپنا انتظام ظالم سے خود لیتا۔ قبیلہ کا فرض ہوتا تھا کہ وہ اس کی پشت پناہی کرے اگر ظالم اپنے ظلم کی تلافی کردیتا تو پھر اس سے انتظام لینے کا حق نہ رہتا، اگر ظالم خود مظلوم کا کوئی عزیز رشتہ دار ہوتا تو وہ تنہا اس سے اپنا بدلہ لے لیا کرتا قبیلہ اس وقت دخل نہ دیتا۔ شرفاء عرب اپنے امیر کی قیادت میں لڑتے اور امن کے زمانے میں ان کی حیثیت ایک منظم معاشرہ کی ہوتی تھی۔(۵۷)

ڈاکٹر صبحی محمصانی لکھتے ہیں: اس زمانے میں قوانین کا نفاذ قبیلے کی رائے عامہ اور اس کے سردار کے اقتدار پر موقوف تھا اور کبھی یہ مصداق "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" انفرادی اقتدار پر بھی۔(۸۸)

زمانہ جاہلیت میں عرب کے بدوی قبائل میں کوئی حکمران، کوئی حکومت نہ تھی کوئی عدالت بھی نہیں ہوا کرتی تھی، لہٰذا کسی شخص کو انصاف حاصل کرنے کے لئے کسی کے پاس جاکر شکایت کرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مظلوم کیا کرے "دست خود دھان خود" ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اپنے ظالم سے بدلہ لے گا۔ اگر ظالم کمزور ہو تو بدلہ آسان تھا، لیکن اگر ظالم قوی تر ہو تو کمزور کے لیے کوئی امکان نہیں تھا۔(۸۹)

خلاصہ یہ کہ اس ساتویں صدی مسیحی میں روئے زمین پر کوئی ایسی سوسائٹی نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جاسکے اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو، نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو، اور نہ ایسی قیادت تھی جو علم و حکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو، اور نہ کوئی ایسا صحیح دین تھا جو انبیاء کرام کی نسبت رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و خصوصیات کا حامل ہو، اس عالمگیر تاریکی اور فساد کا نقشہ قرآن مجید نے جس طرح کھینچا ہے اس سے بہتر ممکن ہی نہیں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ۔ (۹۰)
"خشکی اور تری میں فساد پھیلا"۔

بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (۹۱)
لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے جو کمائی کی انہوں نے جو کام کیے ہیں اللہ ان میں سے کچھ کا مزہ انہیں چکھائے شاید وہ باز آجائیں۔

## نظم وضبط کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ

اسلام دنیا کا پہلا اور آخری مذہب ہے جو نظم وضبط کو اہمیت دیتا ہے۔ انسان اور انسانی رشتوں میں ترتیب و تنظیم پیدا کرتا ہے۔ افہام و تفہیم، صلح جوئی اور امن و شانتی کو فروغ دیتا ہے۔ تعلقات کی بہترین راہ ہموار کرتا ہے۔ خلق خدا سے محبت اور انسانی مروت کے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔ مشرق سے مغرب تک شمال سے جنوب جہاں کہیں دنیا بس رہی ہے دین اسلام ہر انسان کی خیر خواہی چاہتا ہے۔ پر امن بقائے باہمی کا قائل ہے نفرت اور تعصب کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ اتحاد و اتفاق چاہتا ہے انتشار اور افتراق کو ناپسند کرتا ہے، یہ اخلاق و محبت کا پیامبر ہے۔ یہ باہم بھائی چارہ پسند کرتا ہے۔(92) کسی پر ظلم نہیں چاہتا۔(۹۳) یہ آزادی فکر کا قائل ہے۔

دین اسلام محبت اور سلامتی چاہتا ہے۔ دین اسلام کسی پر ظلم و زیادتی، تشدد نہیں چاہتا۔ یہ انسان کو اللہ کا خلیفہ اور نائب سمجھتا ہے۔ دین اسلام صرف مومن اور مسلم کے بارے میں نہیں بلکہ انسان (خواہ کوئی بھی مسلم و غیر مسلم) اس کی عظمت کو تسلیم کرتا ہے اور دوسرے کے ساتھ بدکلامی، بدگمانی، بہتان، بے حیائی کو انسان اقدار کے خلاف سمجھتا ہے۔(۹۴)

وہ تقویٰ، پرہیز گاری، ثابت قدمی، خوف خدا، رضائے الٰہی، مساوات، عمل صالح کو بہترین انسان کی صفات قرار دیتا ہے اور یہ ساری صفات نبی اکرم ﷺ کی ذات اور سیرت میں پائی جاتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا، آپ ﷺ نے جان کنی کے عالم میں پڑی ہوئی انسانیت اور بکھری ہوئی خلق خدا کو منظم کیا۔ انسانیت کی نئی تعمیر شروع ہوئی۔ امانت، دیانت، شرافت، صداقت، ایفائے عہد، وفاداری، احترام قانون، اطاعت امیر جیسے اصولوں کو فروغ ملا، انسانی مسائل اور مشکلات کا مداوا ہوا اور ایک قائد،

ایک پرچم توحید تلے منتشر انسانیت منظم ہونے لگی۔

آپ ﷺ نے ایک ایسا انسانی معاشرہ تشکیل دیا جو انسانیت کے حوالے سے باہم شیر و شکر تھا۔ آپ ﷺ نے دنیا کے مختلف مذاہب کو آپس میں اچھے روابط رکھنے کا درس دیا۔ انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے اور انسانیت کے رشتے جوڑنے میں قابل فخر کردار ادا کیا۔ انسانی معاشرہ انتشار و اشتراک کا شکار تھا۔ طبقاتی، لسانی، نسلی، مذہبی بنیادوں پر نفرتیں تھیں۔ آپ ﷺ نے ایک مثالی معاشرہ قائم کیا جہاں ہر فرد کو بنیادی حقوق میسر ہیں۔ ہر فرد کو عزت و آبرو شخصی وقار حاصل ہے۔

حضور ﷺ کے پیغام میں دکھی انسانیت کے لیے محبتیں ہیں، شفقتیں ہیں جو عروج پر نظر آتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو رحمت للعالمین بنا کر دنیا کی طرف مبعوث فرمانے والا رب العالمین ہے۔ وہاں نبیؐ رحمت اور رب العالمین کی جانب سے رحمتوں کے زمرے بہار ہیں کہ جن سے فیض یاب ہو کر آپ ﷺ کے اطاعت گزار بھی رحماء بینھم کے منصب پر فائز کیے جاتے ہیں۔ (۹۵)

دنیا کے بانیان مذہب میں نبی پاک ﷺ صاحب لولاک، ہادی اعظم، انسان کامل، سید البشر کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے بنی آدم میں اخوت و مساوات، اتحاد و اخوت عالمی کو فروغ دیا۔ جغرافیائی، سیاسی، معاشی اور نسلی حدود میں بٹی ہوئی انسانیت کو یہ شعور ملا کہ وہ خدائے واحد کو پہچان سکے۔

> "بظاہر فرقوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی انسانیت حقیقت میں ایک اولاد آدم سے ہے جس میں سوائے تقویٰ کے کوئی معیار فضیلت نہیں۔ یہ وہ تصورات ہیں جن سے عالمی اتحاد و یگانگت ہم آہنگی کے داعی اعظم نے اپنے دعوتی مشن کے آغاز سے خطبہ حجۃ الوداع تک انسانیت کی رہنمائی کی"۔(۹۶)

آپ ﷺ فلاح انسانی کے سچے طالب اور انسانوں میں قربت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ آپ ﷺ نے اتحاد و اخوت اور باہم افہام و تفہیم کا درس دے کر عالم انسانیت کو ایک زبردست قوت، خوبصورت و حسین حیات ایک امید و روشنی کی کرن، ایک نیا ولولہ، ایک نئی جنبش و حرارت اور ایمان و یقین کی وہ دولت عطا کی جس کے سائے میں انسانیت کے بھٹکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

> "اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ازل سے آج تک اور آج سے حشر تک دنیا کی قوموں میں روابط بڑھانے والی قوت رسول ﷺ کی سیرت ہے"۔(۹۷)

مکہ اور مدینہ میں جو شمع روشن ہوئی تھی اس کی روشنی سے ساری کائنات منور ہے۔ خواہ ہم دنیا کا افقی جائزہ لیں یا تاریخ انسانی پر عمودی نظر ڈالیں صاف نظر آتا ہے کہ مراکش سے میلبورن تک، نیل کے ساحل سے کاشغر تک، ٹوکیو سے واشنگٹن اور مانٹریال تک، مدینہ سے سرائیو تک، مشرق مغرب شمال جنوب جدھر بھی آپ دیکھیں احسن سلوک والی ہستی رسول ﷺ کی سیرت ہے جس نے رنگ و بو، مال و منال، بود و باش، علم و اکتساب کے سارے

اختلافات کے باوجود نبی کریم ﷺ کے نام لیواؤں میں وحدت و یک رنگی پیدا کر رکھی ہے۔(۹۸)

جس رنگ سے دیکھو، جس زاویے سے پرکھو، جس طرح سے سمجھو یہاں سارے عقدے وا ہوتے ہیں، اور یہاں ساری انسانیت کو قرار و سکون ملتا ہے۔ یہاں ساری انسانیت کے لیے ایک مرکز ہے ذرا تم دیکھو عہد سے لحد تک، شرب و طعام کے آداب سے معاشرت اور مدنیت کے اسلوب تک، حلال و حرام اور مطلوب و مکروہ کی اقدار سے دوستی و دشمنی کے معیارات تک، زندگی کے ہر معاملے میں خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی اس میں وحدت و یک رنگی پیدا کرنے والی ہستی رسول ﷺ ہیں۔ اگر ہم تاریخی تسلسل پر نظر ڈالیں تو سارے نشیب و فراز عروج و زوال سیاسی اور تہذیبی غلبے محکومی کے باوجود جس چیز نے دنیا کو باقی رکھا۔ اسے بار بارے تجدید و احیاء کی نعمتوں سے مالا مال کیا وہ نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔

گویا فرد کی زندگی ہو یا قوم کی، انسانی معاشرت ہو یا معیشت، سیاست ہو یا تہذیب و تمدن، جغرافیائی اعتبار سے دنیا کا کوئی بھی خطہ ہو یا علاقہ انسانیت کی شیرازہ بندی نبی کریم ﷺ کا کارنامہ ہے جس کی جڑیں قرآن حکیم میں ہیں۔ اگر انسان دنیا میں امن، خوشحالی، باہم میل جول، پیار و محبت، اتفاق و اتحاد اور خوش اسلوبی سے رہنا چاہتا ہے تو اس درس کے لیے بارگاہ نبوت ﷺ سے وابستہ ہو جائے۔

ملے یشوا ہم کو محمد ﷺ ہمارے
چمکے رہیں گے مقدر ہمارے

مسلمانوں کا دینی، تہذیبی، سیاسی، معاشرتی نظم و ضبط، فخر موجودات، سرور کائنات، محسن انسانیت، رحمت للعالمین، محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ کے اسوۂ حسنہ پر ہی قائم ہے۔ آپ ﷺ کی مثالی تعلیمات اور مثالی عمل ہر عہد، ہر دور میں اور ہر شعبہ زندگی میں نظم و ضبط کا درس ہے۔ آپ ﷺ نے ایک خستہ حال منتشر معاشرے کو ایک منظم، صحت مند اور مربوط معاشرے میں تبدیل کر دیا۔ تاریخ عالم اس امر پر شاید ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نظم و ضبط کا ایسا اصول انسانیت کو مرحمت فرمایا جس کی نظیر زمانہ قدیم یا عصر حاضر کی کوئی تہذیب یا قوم پیش نہ کر سکی۔(۹۹)

ایسی کامل و جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم اور ہر گروہ اور ہر صنف انسانی کے لیے ہدایت کی مثالیں اور نظیریں رکھتی ہو وہی اس لائق ہے جو اس اصناف و انواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالمگیر اور دائمی رہنمائی کا کام انجام دے۔ محمد ﷺ کی سیرت مقدسہ کو دیکھو کہ اس میں نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ، سلیمانؑ، اور داؤدؑ، ایوبؑ، یوسفؑ اور یعقوبؑ سب کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر سما گئی ہیں۔ (۱۰۰)

آپ ﷺ نے زندگی کے ہر شعبے اور بندگی کے ہر گوشے میں انسانیت کی مکمل رہنمائی کی ہے۔ آپ ﷺ کا لایا ہوا دین اور شریعت کامل و مکمل اور مینارہ نور ہے۔ اسوۂ نبویؐ سے ہمیں ہر دور میں رہنمائی ملتی ہے۔ یہ ہمارے ہر درد کا مداوا، ہر مسئلے کا حل اور ہر دور کا شاہ کلید ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے انسانیت کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے لیے قرآن کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق ایک طرف عبادات کا نظام وضع کیا جس کے ذریعے مسلمانوں کی ساری زندگی میں بے مثال ترتیب نظر آتی ہے۔ وہ ایک خاص وقت پر بیدار ہوتا ہے اور خاص وقت پر سوتا ہے یہ پابندی اسے نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ملی۔ آپ ﷺ نے جہاں عبادت کے اوقات بتائے وہاں عبادت کا طریقہ اور سلیقہ بھی بتایا۔

**عبادات میں نظم وضبط کا نمونہ**

اسلامی عبادات میں بلا کا نظم وضبط پایا جاتا ہے۔ یہ سبق آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ملا ہے کہ نماز میں کتنی ترتیب اور تنظیم ہے۔ اول اذان دی جاتی ہے لوگ مسجد میں جمع ہوتے ہیں پھر خاص طریقے سے امام کی پیروی میں نماز ادا کی جاتی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتا دیکھو"۔

آپ ﷺ نے اپنے عمل سے بتایا کہ نماز کیسے پڑھنی چاہیے؟ کس وقت پڑھنی چاہیے؟ فجر کی نماز، ظہر کی نماز، عصر کی نماز، مغرب عشاء کی نماز میں اوقات کی حسن ترتیب کے ذریعے مسلمانوں کو نظم وضبط سکھایا۔ اسی طرح روزے کے اصول بتائے، سحر وافطار کے اوقات بتائے کن حالتوں میں روزہ جائز ہے اور کن حالتوں میں ناجائز ہے۔ روزہ رکھنے کا ثواب کیا ہے اور چھوڑنے کا گناہ کیا ہے، یہ امور حسن ترتیب سے اپنے عمل سے واضح کیے تاکہ نظم وضبط کی عادت پروان چڑھے۔ (۱۰۱) زکوٰۃ ادا کرنے کا ایک اصول بتایا کن لوگوں سے لی جائے اور کن کو دی جائے اس کے اصول وضع کیے۔ اسی طرح حج کے اصول وضوابط بتائے۔ گویا عبادات کے ذریعے امت مسلمہ کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نظم وضبط کا پابند بنایا۔ جہاد میں بھی کامیابی کا اصول اطاعت امیر بتایا گیا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "مسلمان پر سمع اور اطاعت واجب ہے خواہ وہ برضا ورغبت ہو، خواہ بکراہت ہو تاوقتیکہ اس کو معصیت کا حکم نہ دیا جائے"۔ (۱۰۲)

**معاشرتی زندگی میں نظم وضبط**

**۱- حقوق العباد**

نظم وضبط کا یہ اصول آپ ﷺ نے صرف عبادات تک محدود نہیں رکھا بلکہ معاشرتی زندگی میں اس اصول کو لاگو کیا تاکہ ایک مسلمان ایسی منظم زندگی گزارے اور زندگی کے تمام گوشوں میں توازن برقرار رہے۔ آپ ﷺ نے جو اسوۂ مبارکہ چھوڑا وہ خانگی زندگی کے لیے نہایت عمدہ اور حسین ہے۔ اس میں لطیف شخصی احساسات اور انسانی جذبات بھی کارفرما ہیں اور بہترین اخلاقی اور روحانی نظم وضبط دکھائی دیتا ہے۔

**۲- والدین، ازواج، اولاد، اقربا کے حقوق کی ادائیگی کے ذریعے نظم وضبط**

معاشرتی زندگی میں حسین ترتیب وتوازن قائم رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے والدین کے حقوق اور ان کی اطاعت پر زور دیا تاکہ معاشرتی زندگی کا شیرازہ نہ بکھرے اور حسن نظم وتوازن قائم رہے۔ اسی لیے حکم دیا گیا کہ نیک کام میں فرمانبرداری اختیار کرے، والدین کے سامنے اونچی آواز میں بات نہ کرے، ان کی بات غور سے سننے اور ادب

سے جواب دے، مجلس میں انہیں اچھی جگہ بٹھائے، کام کاج میں ان کے ساتھ تعاون کرے، گفتگو اور کلام میں نرمی اختیار کرے، ان کے سامنے نگاہ کو نیچا رکھے۔ آپ ﷺ کے والدین بچپن میں وفات پا چکے تھے لیکن آپ نے اپنی رضاعی والدہ کو وہی احترام دیا جو حقیقی ماں کا ہوتا ہے۔(۱۰۳)

ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس مال بھی ہے اور میرا والد بھی ہے جسے میرے مال کی حاجت ہے۔ آپ نے فرمایا: تو اور تیرا مال تیرے والد کی متاع ہے۔(۱۰۴)

اسی طرح بزرگوں کا احترام، اہل علم کا احترام، حاکم کا احترام اور قوم کے معزز ارکان کے احترام پر آپ ﷺ نے زور دیا تاکہ معاشرتی زندگی میں تنظیم برقرار رہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "جس نے کسی چھوٹے پر رحم نہ کیا اور بڑے کا احترام نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں"۔(۱۰۵)

معاشرتی زندگی میں میاں بیوی کے تعلقات کے درمیان حسن توازن قائم رکھا، آپ ﷺ نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں لیکن تمام ازواج کے ساتھ مثالی سلوک روا رکھا، آپ ﷺ کا فرمان ہے: "تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے اچھا ہے"۔(۱۰۷)

آپ ﷺ نے اہل خانہ کے مذہبی اور معاشی حقوق پر زور دیا آپ نے عرب جیسے معاشرہ میں ازواج کو اتنی عزت دی کہ حضر عمرؓ کہہ اٹھے، اسلام سے قبل ہم عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، اسلام نے عورتوں کے لیے احکام نافذ کیے اور ان کے حقوق مقرر کیے۔(۱۰۸)

اسی طرح معاشرتی زندگی میں نظم وضبط برقرار رکھنے کے لیے اولاد کے ساتھ محبت وشفقت کا حکم دیا۔

رسول ﷺ بچوں سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راستے میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیتے۔ بچوں کو خود سلام کرتے۔ اقربا سے حسن سلوک کا حکم دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس کو یہ پسند ہو کہ رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر میں برکت ہو اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔(۱۰۹)

### ۳-عام مسلمانوں، ہمسایوں اور غلاموں کے حقوق کی ادائیگی کے ذریعے نظم وضبط

نظم وضبط کے لیے اعلیٰ اخلاق پر زور دیا تاکہ انسان ایسے مزاج کا مالک ہو، جو دوسروں کے لیے نفع بخش ثابت ہو اور اس کے قول وفعل سے دوسروں کو اذیت نہ پہنچے معاشرتی زندگی کا بہترین اصول یہ بتایا کہ: "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان امن میں رہیں، یعنی زبان اور ہاتھ کا صحیح استعمال ہی نظم وضبط کا ذریعہ ہے"۔(۱۱۰)

"بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کے لیے نفع بخش ثابت ہو"۔(۱۱۱)

آپس میں ترتیب وتنظیم کے لیے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔(۱۱۲)

دوسروں کی جان و مال، عزت و آبرو اور انسانی وقار کی بلندی کو برقرار رکھنے سے معاشرے میں نظم و ضبط قائم رہتا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: لوگو! جس طرح آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر قابل احترام ہے اسی طرح تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام قرار دیتا ہوں۔ (۱۱۳)

رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ "تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، خدا نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے تو جس بھائی کو اللہ اس کے ماتحت کر دے اسے چاہیے کہ جیسے وہ خود کھاتا ہے ویسا ہی اسے کھلائے اور جیسا خود پہنتا ہے ویسا ہی انہیں پہنائے اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دے جو ان کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کبھی ایسا کام دو تو اس میں خود ان کی مدد کرو"۔

## ۴-احسن معاملات کے ذریعے نظم وضبط

اگر اسلامی ریاست کے ابتدائی دور کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی قائم کردہ ریاست کے اندر نظم و ضبط کی پاسداری اور قانون کی حکمرانی تھی۔ عوام سے لے کر اعلیٰ عہدے دار تک کوئی شخص قانون سے بالاتر نہیں تھا۔ قانون شکنی اور ضوابط کی خلاف ورزی کرنے والے طاقتور کے لیے بھی وہی سزا تھی جو ایک عام آدمی کے لیے تھی، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا "تم سے جو پہلی امتیں گزری ہیں وہ اسی لیے تباہ و برباد ہوئیں کہ کمتر درجے کے لوگوں کو قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی پر سزا دی جاتی اور بااثر آدمی کو چھوڑ دیا جاتا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیتا"۔(۱۱۴)

## اسوۂ حسنہ ﷺ اور نظم وضبط کی بہترین مثالیں

اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے ہے کہ روز اول سے آج تک اور ان شاء اللہ ابد تک دنیا کی قوموں میں نظم و ضبط کرنے والی قوت سیرت رسول ﷺ ہے۔ مکہ اور مدینہ میں جو شمع روشن ہوئی تھی، اسی کی وجہ سے ساری کائنات منور ہے۔ خواہ ہم دنیائے تہذیب کا افقی جائزہ لیں یا تاریخ انسانی پر عمودی نظر ڈالیں، صاف نظر آتا ہے کہ مراکش سے میلبورن تک، نیل کے ساحل سے کاشغر تک، ٹوکیو سے واشنگٹن اور مانٹریال تک، مدینہ سے سرائیو تک، مشرق، مغرب، شمال، جنوب، جدھر بھی آپ دیکھیں سیرت رسول ﷺ ہے جس نے رنگ و بود، مال و منال، بود و باش، علم و اکتساب کے سارے اختلافات کے باوجود حضور ﷺ کے نام لیواؤں میں نظم و ضبط قائم کر رکھا ہے۔(۱۱۵)

## ۱-حرب فجار

۵۸۶ء میں جب کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک ۱۵ برس کی تھی۔ قبیلہ قریش اور قبیلہ قیس میں جنگ شروع ہو گئی۔ چونکہ یہ لڑائی حرمت والے مہینوں میں ہوئی حرمت والے مہینوں (ذی قعدہ، ذوالحجۃ، محرم اور رجب) میں دین ابراہیمی کے مطابق لڑنا ممنوع تھا۔ اسی وجہ سے اسے حرب الفجار یعنی فاجروں کی جنگ کہا جاتا ہے۔ چونکہ قریش حق

بجانب تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے قریش کا ساتھ دیا لیکن آپ ﷺ نے عملی طور پر جنگ میں حصہ نہیں لیا اور ذاتی طور پر حرام مہینوں کا احترام کیا۔ آپ کی فطرت جنگ و جدل کے خلاف تھی۔

**۲-بیت اللہ کی تعمیر**

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بیت اللہ کی دیواریں سیلاب کی وجہ سے شکستہ اور خستہ ہو گئی تھیں۔ چنانچہ اہل مکہ نے اسے نئے سرے سے بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس تعمیر کے دوران جب حجر اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو عرب کے تمام قبائل اس سعادت کو حاصل کرنے کے خواہشمند تھے۔ اس بات پر جھگڑا ہوا تلواریں نیام سے باہر نکل آئیں۔ اتنے میں ایک معمر بزرگ ابو امیہ بن مغیرہ نے یہ تجویز پیش کی کہ آج سب لوگ لوٹ جائیں کل صبح جو شخص بھی حرم میں سب سے پہلے داخل ہو اس کے فیصلے کو تمام قبائل تسلیم کریں گے۔ چنانچہ اگلے روز سب سے پہلے حرم میں حضرت محمد ﷺ داخل ہوئے تو تمام قبائلی سرداروں نے بیک زبان ہو کر کہا:

هذا الامين رضينا بحكمه: "کہ امین آیا ہم اس کے فیصلے پر رضامند ہیں "۔

آپ ﷺ نے فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے اہل مکہ کو انتشار سے بچا لیا۔ ایک چادر بچھائی اور اس پر دست مبارک سے حجر اسود کو رکھا، تمام قبائل کے سرداروں کو دعوت دی کہ مل کر چادر اٹھائیں جب حجر اسود نصب کرنے کی جگہ پر پہنچ گیا تو آپ ﷺ نے اسے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب فرمایا: تمام قبائل نے سعادت حاصل کر لی، اس طرح نظم و ضبط کی ایک اعلیٰ مثال تاریخ میں قائم ہوئی۔ آپ ﷺ کے حسن تدبیر سے جنگ و جدل ختم ہو گیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے عملاً ثابت کیا کہ آپ امن و سلامتی کے رسول رحمت بننے والے ہیں۔

**۳-معاہدہ مدینہ**

آپ ﷺ نے مدینہ آنے پر اہل شہر سے ایک معاہدہ کیا جسے "میثاق مدینہ" یا "معاہدہ مدینہ" کہا جاتا ہے۔ اس میں مسلمانوں کے علاوہ مشرکین اور یہود بھی شامل تھے۔ اس معاہدہ کی رو سے آپ مدینہ کے سربراہ ہو گئے۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم ہو گیا اور قبائل جو باہمی اختلافات کا شکار رہتے تھے وہ بھی ایک معاہدے کے تحت منظم ہو گئے کہ مدینہ کے اندر انتشار سے باز رہیں اور ایک منظم ماحول میں آسودہ زندگی گزاریں گے۔ آپ ﷺ کی حکمت عملی نے اہل مدینہ کو بیرونی دشمن کے خلاف متحد و منظم کر دیا۔ آپ ﷺ کی حکمت عملی آپ کو مدینہ کا سیاسی قائد بنانے میں معاون ثابت ہوئی اور تمام قبائل نے آپ ﷺ کو اپنا قائد مان لیا۔(۱۱۶)

**۴- صلح حدیبیہ**

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ نے مسلمانوں کو تنگ کیا۔ اللہ کے گھر کی زیارت سے روکا وہ مسلمانوں کو منتشر کرنا چاہتے تھے۔ بعض صحابہ کرام بھی پریشان تھے لیکن آپ ﷺ نے قریش کی شرائط مان کر صلح کر لی، اس

طرح انتشار کا ایک بڑا خطرہ ٹل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے اسے فتح مبین قرار دیا۔

**۵- قائد اسلام رحمت للعالمین کی شاندار فتح نظم وضبط کا نتیجہ تھی**

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر مسلمان لشکر فاتحانہ انداز سے مکہ میں داخل ہو رہا تھا لیکن فاتح لشکر کا انداز فاتحین جیسا نہیں تھا جنہوں نے بنی نوع انسان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ جب کبھی کسی حکمران نے کوئی علاقہ فتح کیا اس خطہ ارضی پر موجود بدنصیب انسانوں کی چیخ وپکار آسمانوں کو لرزا دیتی تھی مگر لشکر اسلام کو حکم تھا۔

"کسی بچے بوڑھے اور کمزور پر تلوار نہ اٹھائی جائے، خواتین کا احترام کیا جائے۔ یہ اعلان عام ہوا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے یا ابوسفیان کے گھر پناہ لے یا مسجد میں داخل ہو جائے یا دروازہ بند کرلے اس کو امن دیا جائے گا تلوار صرف اسی پر اٹھے گی جو حملہ آور ہو"۔

تمام مغرور سرداران قریش اور دوسرے کفار جنہوں نے مسلم دشمنی میں کوئی کسر نہ رکھی تھی اور نبی کریم ﷺ اور دیگر مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے تھے جب نبی کریم ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے زبان نبوت نے بجائے اس کہ ان کے مظالم یاد دلا کر انہیں سزا دیتے، انہیں تہہ تیغ کرنے یا سولیوں پر لٹکانے کا حکم صادر کرتے، یہ رحمت بھرے الفاظ ادا فرمائے:

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء۔ (۱۱۷)

ترجمہ: "جاؤ تم سب آزاد ہو آج تم سے کوئی باز پرس نہیں"۔

مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخلہ اور پھر اپنے خون کے پیاسوں اور بدترین دشمنوں کے لیے عفو عام کا اعلان وہ قابل فخر مثال ہے جس پر تاریخ انسانی ہمیشہ ناز کرے گی۔ ایسا شاندار فاتحانہ داخلہ، آپ ﷺ کی قیادت پر صحابہ کا اعتماد، نظم وضبط، اعلان عفو عام نہ تاریخ نے کبھی دیکھا نہ کبھی دیکھنا نصیب ہو گا۔ متعصب غیر مسلم مصنفین بھی جس کا اقرار کیے بغیر نہ رہے۔ آرتھر گلیمن لکھتا ہے "اہل مکہ کے ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر انہیں جتنا بھی طیش آتا کم تھا اور ان کی آتش انتقام کو بھڑکانے کے لیے کافی مگر انہوں نے اپنے لشکر وسپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے سے روکا"۔ آرتھر گلیمن غیر مسلم مؤرخ جس نے نبی اکرم ﷺ کی ذات کو غیر متنازعہ اور پر امن قرار دیا۔

نبی اکرم ﷺ کی زیر قیادت ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن چکے تھے۔ وہ آنحضرت ﷺ کے ہر حکم پر ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اس کے برعکس کفار کی صفوں میں انتشار اور افتراق تھا۔ مسلمانوں کی اسی تنظیمی برتری کی وجہ سے کفار نے شکست کھائی۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر نظم وضبط کی خاطر آپ ﷺ نے جان ومال اور عزت وآبرو کا احترام اور امانت کی ادائیگی کا حکم دیا اور نظم وضبط کے سلسلے میں فرمایا "اگر کوئی حبشی بینی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور تمہیں کتاب وسنت کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرو"۔ (۱۱۸) اسی طرح معاملات کے سلسلے میں نبی

اکرم ﷺ نے نظم وضبط کی عمدہ مثالیں قائم کیں۔

حضرت عبد اللہ بن الحمسا ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے قبل میں نے رسول ﷺ سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا کچھ ابھی باقی تھا، میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ آیا، تیسرے روز جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ وہیں کھڑے انتظار کر رہے ہیں، اگرچہ میری اس وعدہ خلافی سے آپ ﷺ کو بڑی تکلیف پہنچی لیکن آپ ﷺ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ صرف اس قدر فرمایا تم نے مجھے زحمت دی ہے میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔

## عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

### ۱- قانونی مساوات کے ذریعے

عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے ضروری ہے کہ عدالتی معاملات میں ہر فرد کے لیے ترازو عدل برابر رکھا جائے۔ قانون کی نظر میں بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا آدمی ایک جیسا ہو۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

اقیموا حدود الله فی القریب والبعید ولا یأخذکم فی الله لومة لائم- (۱۱۹)

اللہ کی حدیں بلا تمیز دور و نزدیک سب پر جاری کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرو۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ غسان کے فرمانروا جبلہ بن ایہم نے جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا تھا طواف کعبہ کے وقت کسی بدو کو تھپڑ مار دیا۔ حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

"جبلہ! اگر تم نے ایسی حرکت کی ہے تو خدا کی قسم، تم سے اس کا بدلہ لیا جائے گا"۔ جس پر جبلہ بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔

حضرت ابو بکرؓ جب عہد خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے خطبہ میں قانونی مساوات کا ذکر فرمایا۔

الضعیف فیکم قوی عندی حق اُریح علیه حقه ان شاء الله والقوی فیکم ضعیف عندي حتی آخذ الحق منه- (۱۲۰)

"یعنی تم میں سے کمزور ترین شخص میرے نزدیک قوی ہو گا۔ جب تک کہ میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور تم میں سے قوی ترین شخص میرے نزدیک کمزور ہو گا جب تک میں اس سے دوسرے کا حق نہ لے لوں"۔

### ۲- تعلیمی نصاب کے ذریعے

ہم مسلمان ہیں، ہمارا معاشرہ اسلامی ہے۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ نے دینی زندگی کے متعلق ایک خاص قسم کا تصور پیش کیا ہے۔ اس کے ہاں زندگی بامقصد ہے اور مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا ایک واضح نصب العین

ہے۔ لہٰذا اس نصب العین کا نفاذ تعلیمی نصاب کے ذریعے ہونا چاہیے تاکہ دین اسلام جن افکار و خیالات کو آئندہ نسل کے دماغوں میں داخل کرنا چاہتا ہے وہ تعلیمی اداروں کی چار دیواری میں پروان چڑھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے تعلیم کا مقصد اعلیٰ اخلاق بتایا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔(۱۲۱)

ترجمہ: "مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا کہ میں مکارم اخلاق کو پایہ تکمیل تک پہنچادوں"۔

بلاشبہ اعلیٰ اخلاق ہی نظم وضبط پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

### ۳-اتحاد واتفاق کے ذریعے

مسلمان ایک برادری ہیں ان کے درمیان بھائی چارے کو فروغ دینا ضروری ہے۔ بھائی چارہ دراصل باہمی حقوق کی ادائیگی کا جامع نام ہے، جو نبی اکرم ﷺ نے پوری امت مسلمہ پر لازم قرار دیئے اور جن کی بنیاد محبت، الفت، اخلاص، ہمدردی اور خیر خواہی پر رکھی۔ ایک شخص جو نہی کلمہ پڑھتا ہے وہ عالمگیر برادری کا رکن بن جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا رشتہ ہے جس سے مسلمان تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ ایک نظم کے پابند ہیں، یہ دینی اور روحانی رشتہ خونی رشتوں سے بڑھ کر ہے۔ آپ ﷺ نے خون کے پیاسے دشمنوں کو دوست، بیگانوں کو یگانہ اور غیروں کو بھائی بھائی بنادیا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں، اگر ایک حصے کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے"۔(۱۲۲)

### ۴-احتساب کے ذریعے

اسلامی اصول وضوابط کو محض تبلیغ کرنے سے لاگو نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ عوام الناس کو خیر وشر، نیکی وبدی، ظلم وعدل، اچھائی وبرائی اور حلال وحرام کی شناخت کروانا ہوگی تاکہ نظم وترتیب کی ترغیب ہو اور مطلوبہ نتائج یعنی "نظم وضبط" کا حصول ممکن ہوسکے۔ شر وفساد، ظلم وبربریت اور حلال وحرام کی تمیز نہ کرنے والوں کو تنبیہ کی جائے، غلط کو روکنا اصلاح کا ذریعہ ہے۔ احتساب کا مقصد اجتماعی عدل کو فروغ دینا، دیانت داری اور ایفائے عہد کا عادی بنانا، رشوت وبدعنوانی کا خاتمہ کرنا، جرائم کی روک تھام کرنا، تعاون اور دوستی کی فضا پیدا کرنا اور خیر کی تعلیم دینا ہو اور اگر مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو تو ناقابل اصلاح افراد کو سزا دی جائے۔ بقول اقبالؒ:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم ونازک بے اثر(۱۲۳)

### ۵-اصلاحی اقدامات کے ذریعے

ہمارا دین ایک مکمل ضابطہ ہے جو زندگی کے کسی گوشے کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ اصولی ہدایات دے کر باقی امور کو امت کے اجتماعی ضمیر یا اجتماعی دانش پر موقوف کرتا ہے تاکہ وہ قرآن وسنت سے فائدہ اٹھا کر اپنے مسائل اور

الجھنوں کو حل کر سکے اسی لیے اسلام خاص خاص احکام کے ذریعے انسان کی اصلاح کرتا ہے۔ مثلاً (۱) معاملات کو صلح صفائی کے ذریعے درست رکھنا۔ (۲) نماز امیر کی قیادت میں ادا کرنا۔ (۳) زندگی کے نشیب و فراز میں اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرنا۔ (۴) نکمی باتوں اور لغو حرکتوں سے الگ رہنا۔ (۵) زندگی کے ہر گوشے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں سرگرمی دکھانا۔ (۶) زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم رہنا۔ (۷) رازوں کی حفاظت کرنا۔ (۸) امانتوں اور عہدوں کا پاس کرنا۔ (۹) آخرت پر یقین رکھنا۔ (۱۰) ندامت اور عزم و استقلال کے ساتھ توبہ کرنا۔ (۱۱) زندگی میں عابدانہ شان نمایاں کرنا۔ (۱۲) اللہ کی حمد کرنا۔ (۱۳) علم حق کی معرفت اور جہاد کے لیے سیر و سیاحت کرنا۔ (۱۴) نیکی کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا۔ (۱۵) حقوق و فرائض کی نگداشت کرنا۔ (۱۶) شدت و مصیبت کے وقت صبر و تحمل سے کام لینا۔ (۱۷) قول و عمل میں سچا اور پکا ہونا۔ (۱۸) رات کے آخری حصہ میں اللہ کے حضور کھڑے ہونا اور مغفرت طلب کرنا۔ (۱۹) خوشحالی و تنگدستی ہر حال میں اللہ کے لیے خرچ کرنا۔ (۲۰) غصہ کی حالت میں بے قابو نہ ہونا۔ (۲۱) قصور معاف کر دینا۔ (۲۲) آپس میں نرم رہنا اور دشمنوں کے مقابلہ میں سخت رہنا۔ (۲۳) اللہ کی راہ میں کسی ملامت کی پراوہ نہ کرنا اور جان تک لڑا دینا۔ (۲۴) برائی کا مقابلہ بھلائی سے کرنا۔ (۲۵) برابر برابر بدلہ لینا حد سے آگے نہ بڑھنا۔ (۲۶) قول اور عمل سے جھوٹی شہادت نہ دینا۔ (۲۷) لغو اور نکمی باتوں سے شریفوں کی طرح گزر جانا۔ (۲۸) بدی کا ارتکاب نہ کرنا۔ (۲۹) بے حیائی کی باتوں سے الگ رہنا۔ (۳۰) نیکی اور بھلائی کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا۔ (۳۱) ناپ تول میں کمی نہ کرنا۔ (۳۲) معاملات باہمی مشورہ سے طے کرنا۔ (۳۳) تمام معاملات میں ایمان کی روح سرایت کی ہوئی ہونا وغیرہ۔ (۱۲۴)

## سیرت النبی ﷺ کی پیروی میں صحابہ کرام اور مسلمان سپہ سالاروں کا نظم وضبط

صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ قیادت کا احترام کرتے رہے۔ آپ ﷺ کے ہر حکم پر جان چھڑکتے رہے اور آپ ﷺ کے ادنیٰ اشارے پر جان و مال کی قربانی دینے کے لیے تیار رہے۔ ریاستی امور کو نظم و ضبط سے چلانے میں آپ ﷺ کی سیرت اور صلاحیتوں سے استفادہ کیا، خود بھی اسلامی قوانین کی پابندی کی اور امت مسلمہ کو بھی اس کی ترغیب دی۔

آپ ﷺ کے وصال کے بعد جب خلفائے راشدین نے اسلامی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو ان کا نصب العین اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت عوام کی فلاح و بہبود اور رسول ﷺ کا اتباع تھا۔ اس لیے یہ دور سلطنت اور حکومت کا سنہری دور تھا۔ خلفائے راشدین اللہ تعالیٰ کے احکام اور سنت رسول ﷺ کی اطاعت میں حکومت کے معاملات چلاتے تھے۔ خلیفہ اپنے اختیارات کو سلطنت میں نظم و ضبط قائم کرنے، عوام کو ریاست کے قوانین کا پابند بنانے میں استعمال کرتے تھے۔

غیر مسلم مؤرخ جرجی زیدان لکھتا ہے:

"خلفائے راشدین کا زمانہ اسلامی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ یہ مبارک زمانہ حقیقی انصاف اور خدا ترسی کا دور ہے، اس دور میں حکومت حق پسندی، راست بازی اور نظم وضبط پر قائم تھی۔ اس وقت دین میں راسخ اور دنیا میں بھی سربلند تھے۔ وہ عہد زریں ہے جسے مابعد کے مسلمانوں نے اپنا آئیڈیل بنایا اور اس کی پیروی کو اپنے لیے باعث فخر سمجھا"۔(۱۲۵)

خلفائے راشدین کے دور میں قانون کے اعتبار سے سب برابر تھے۔ قواعد وضوابط کی پابندی کے سلسلے میں اپنے پرائے کا کوئی فرق نہیں تھا۔ اپنے خاندان اور قبیلے کے ساتھ بھی حدود الٰہی اور سنت رسولؐ کی اطاعت میں کوئی امتیازی سلوک نہیں روا رکھتے تھے۔ خلفائے راشدین کے ادوار میں اطاعت امیر، جو قوموں کی ترقی کا زینہ ہے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔

۱- حضرت خالد بن ولیدؓ کی زیر قیادت عراق اور شام میں فتوحات کا سلسلہ جاری تھا کہ حضرت عمرؓ فاروق نے انہیں اس بنا پر معزول کر دیا کہ کہیں مسلمان یہ خیال نہ کریں کہ فتوحات ان کی وجہ سے ہو رہی ہیں۔ رومیوں نے اس سے فائدہ اٹھانا چاہا اور حضرت خالدؓ کو لالچ دیا۔ حضرت خالدؓ نے ان کی پیشکش کو ٹھکرا دیا اور جواب دیا کہ میں پہلے رضائے الٰہی کے لیے لڑتا تھا تو اب ایک عام سپاہی کی طرح جہاد کروں گا۔

۲- سلیمان بن عبدالملک کے دور میں طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے اندلس کا کافی حصہ فتح کر لیا تھا۔ سلیمان ان سے کسی بنا پر ناراض ہو گیا تو ان کو معزول کر دیا۔ انہوں نے خلیفہ کے حکم کی سرتابی نہیں کی حالانکہ اسلامی لشکر ان کا ساتھ خلیفہ کے خلاف دینے کے لیے تیار تھا۔ اس طرح محمد بن قاسم فاتح سندھ اور قتیبہ بن مسلم فاتح ترکستان کے ساتھ بھی خلیفہ سلیمان نے انتقامی کارروائی کی۔ لیکن ان سپہ سالاروں نے اطاعت امیر کو اپنی ذاتی خواہش پر ترجیح دی۔ یہی جذبہ اطاعت امیر تھا جس کی وجہ سے مسلمان کفار کے خلاف فتح مند ہوئے تھے۔

## پاکستان کے حالات کے تناظر میں نظم وضبط کی ضرورت

پاکستان کا خطہ محض زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں تھا بلکہ ایک نظریے کو فروغ دینے اور ایک منظم قوم کو پروان چڑھانے کا نام تھا جس کی جڑیں اسلام کی زمین میں پیوست ہوں گی، جس کی کڑیاں طائف کی بستی سے ملتی ہوں گی، جہاں پیغمبر اسلام کے مقدس خون کے چھینٹوں نے چراغاں کیا تھا۔ بطحا کی گلیوں سے اٹھنے والے حضرت بلال کی اَحد اَحد کی صدا اس کے پس منظر میں دکھائی دے گی۔ بدر واُحد، خیبر وخندق کے میدانوں میں جہاں عاشقان توحید نے اپنے قائد کی قیادت میں اپنے لہو سے لالہ وگل اگائے تھے اس کے سلسلے ملتے نظر آئیں گے پھر کتنے ہی عجیب اور تلخ موڑ کاٹتے کاٹتے یہ لہو رنگ لایا اور اس صدائے توحید کی صورت میں ظاہر ہوا۔ پاکستان کا مطلب کیا؟ *لا الہ الا اللہ*

مقصد تو یہ تھا کہ معاشرتی زندگی میں توازن ہو، چھوٹے بڑے کا احترام ہو، ریاستی قانون کی پابندی ہو، قومی

اور مثبت سوچ ہو ہر شخص ریاست کا وفادار ہو، بے اعتمادی، بے چینی اور افراتفری کی فضا نہ ہو، توڑ پھوڑ، شداد اور جلاؤ گھیراؤ کی پالیسی نہ ہو لیکن

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں(۱۲۶)
محو حیرت ہوں یہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

## تجاویز و سفارشات

۱- ملت اسلامیہ ایک بہترین امت ہے۔ اس کے ہر رکن کا مقام برابر ہے، اس میں رنگ و نسل کے اعتبار سے، علاقہ و زبان کے اعتبار سے کوئی تفریق نہیں پائی جاتی۔ ان میں ایک ہی فکری جذبہ ہے ایک خدا ایک رسول ایک کتاب، لہٰذا اسلامی ریاست کے افراد کی حیثیت سے انہیں اعتدال پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں اور ریاستی قوانین کی پاسداری کو اپنا اہم فریضہ سمجھنا چاہیے۔

۲- مسلمان ایک بین الاقوامی جماعت ہیں لہٰذا انہیں انتشار پسند، مفسد اور مفاد پرست نہیں ہونا چاہیے کیونکہ دین اسلام انہیں وسط امت، بہترین امت اور خیر امت کے نام سے پکارتا ہے جو امن کی داعی، ملکی قانون کی پابندی کرنے والی اور دوسروں کے حقوق کی امین ہوتی ہے۔ لہٰذا اس امانت کی حفاظت کرنی چاہیے۔

۳- اسلامی ریاست کے اندر عوام الناس کا فرض ہے کہ وہ حق کی گواہی دے، اسلامی ریاست کا ہر فرد خدا کا فوجدار ہو اپنی ریاست کا وفادار ہو، عدل و انصاف کے قیام میں معاون ہو، اعتدال پسندی کی راہ اختیار کرے اور افراط و تفریط سے باز رہے۔

۴- نیکیوں کو پھیلائے، برائیوں کو رفع کرنے میں حکومت وقت کی مدد کرے انتشار، بدامنی اور اخلاقی بے راہروی سے باز رہے اور حق و صداقت کی حمایت کے لیے سینہ سپر ہو جائے۔

## حاصل بحث

قرآنی احکامات اور سیرت نبی ﷺ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ قرآنی احکامات کو نافذ کرنے کے لیے آپ ﷺ نے جو طریقہ استعمال کیا وہی طریقہ امت مسلمہ کے لیے اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کسی بھی ریاست میں جو حکومت قرآنی احکام کو نافذ کرنا چاہتی ہے وہ سیرت نبی ﷺ کی روشنی میں نافذ کرتی ہے۔ لہٰذا عوام الناس کے لیے ان احکام کی پابندی ضروری ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ اصولوں اور تعلیمات کی روشنی میں معاشرے کو اس وقت نظم و ضبط کی بہت ضروری ہے۔ ہماری صفوں میں ترتیب و تنظیم تب ہی قائم رہ سکتی ہے اور اتحاد و اخوت کا جذبہ پروان چڑھ سکتا ہے کہ ہم کچھ پابندیوں کو قبول کریں اور کچھ حقوق ادا کریں۔ انتشار تفرقے، نفسانفسی اور خود غرضی نے ہماری معاشرتی ساخت کو پہلے ہی بہت نقصان پہنچایا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اسلام کی آفاقی اور ہمہ گیر تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے

ہم ایک دوسرے کا احترام کریں، ملکی قوانین کی پابندی کریں، دستور و آئین کا احترام کریں، دوسروں کے حقوق کی پاسداری کریں اور ریاست کے متعلقہ اپنے فرائض کو احسن طریقے سے ادا کریں تاکہ ہماری صفوں میں اتحاد رہے۔

آپ ﷺ کی ساری زندگی بے مثال اخلاق، رحمت و رافت، شفقت و محبت اور احکامات الٰہی کی ترجمانی اور تشریح سے بھری پڑی ہے۔ آپ ﷺ نے پوری زندگی احکام الٰہی کی اطاعت میں گزاری ہے۔ آپ ﷺ کا قول و فعل ذرا بھی وحی الٰہی سے ہٹا ہوا نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی پوری حیات میں انسانیت کو جوڑنے، صفوں میں اتحاد اور نظم وضبط برقرار رکھنے کا حکم دیا۔ اعلیٰ انسانی، معاشرتی اور قانونی اصولوں کی پاسداری کی تلقین کی، معاشرتی ناہمواریاں، طبقاتی اونچ نیچ، بدنظمی اور افراتفری آپ ﷺ کی پاک سیرت طیبہ پر عمل کرنے سے ہی دور ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ ہر شعبہ زندگی میں ترتیب و توازن سے ہی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ معاشرہ میں امن اسی وقت قائم ہو سکتا ہے اور حقیقی ترقی ممکن ہو سکتی ہے جب آپ ﷺ کے دیئے ہوئے نظم وضبط کے ہمہ گیر اصولوں پر عمل کیا جائے۔ دنیا میں اس وقت سوا ارب مسلمانوں کا وجود سیرت نبی ﷺ کی پیروی کی وجہ سے ہے۔

انسانیت کی نجات، سرخروئی، کامیابی اور حقیقی ترقی کا راز نظم وضبط کی پابندی میں ہے۔ اگر ہم نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈالیں تو ہمارے تمام مسائل بطریق احسن حل ہو سکتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی شخصیت ہمہ جہت شخصیت ہے۔ آپ ﷺ نے انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک مدینہ کی اسلامی ریاست میں نظم وضبط کی بہترین مثالیں چھوڑی ہیں۔ جنہیں اپنا کر ہم دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ آج مدینہ کی اسلامی ریاست کا نظم وضبط ہی ہمیں نامساعد حالات سے نکال سکتا ہے۔

امت مسلمہ کی تشکیل اور پہچان نہ رنگ و نسل میں، نہ زبان و علاقہ میں، جس نے اللہ اطاعت کی اس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اپنے قائد کی اطاعت کی اور اپنی زندگی کو اعلیٰ اصولوں پر استوار کیا وہی منظم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے نبی ﷺ کے دیئے ہوئے نظم وضبط کے اصولوں پر قائم رہنے کی توفیق عطا کرے۔ اپنے ملک کا محب الوطن شہری اور ریاست کا وفادار بننے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

ہم اس ﷺ کا نقش پا بھولے ہوئے ہیں
خداوند! یہ کیا بھولے ہوئے ہیں
ہماری آنکھ شرمندہ ہے اس ﷺ سے
کہ آئین وفا بھولے ہوئے ہیں

## حواشی وحوالہ جات

(۱) علامہ اقبال، کلیات اقبال، شیخ بشیر اینڈ سنز اردو بازار لاہور، ص ۲۹۴۔ (۲) سورۃ نساء: ۶۴۔ (۳) حفیظ جالندھری،

مجموعہ نعت، ص ۲۱۳۔(۴) اظہر اللغات، محمد ثقلین، اظہر پبلشر لاہور، ص ۴۹۱، ۲۹۸۔(۵) عربی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۹۶۱۔(۶) درسی اردو لغت، ص ۹۶۱۔(۷) جدید اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۲، ص ۲۴۰۔(۸) عربی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۰، ص ۶۱۹۔(۹) آکسفورڈ ڈکشنری، نیویارک ۱۹۹۶، ص ۴۰۴۔(۱۰) انگریزی ڈکشنری، ص ۳۱۳۱۔(۱۱) T.H.Green State and public p.19۔(۱۲) القرآن ۶۹، ۵۴۸۔(۱۳) سورۃ نساء: ۵۹۔(۱۴) ابن کثیر، عماد الدین، مشقی، تسیر القرآن العظیم، ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵، ص ۷۰۲۔(۱۵) ابن کثیر، ج ۴، ص ۳۲۰۔(۱۶) سورۃ نساء: ۵۹۔(۱۷) طبری، ابن جریر امام تفسیر طبری، ج ۵، ص ۱۴۷۔(۱۸) رازی، امام فخر الدین، مفاتیح الغیب، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵، ج ۱۰، ص ۱۴۴۔(۱۹) تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۲۶، جصاص ابو بکر، احمد علی احکام القرآن سہیل اکیڈمی لاہور، ج ۲، ص ۲۱۰، پانی پتی ثنا اللہ قاضی تفسیر مظہری، ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی، ج ۲ ص ۱۷۔(۲۰) محمد بن طاہر، ابن عاشور التحریر والتویر، مطبوعہ تیونس، ج ۱، ص ۲۰۰۔(۲۱) بخاری، محمد اسماعیل، جامع صحیح بخاری، ج ۱، علم و عرفان پبلشر لاہور، رقم حدیث ۷۱۴۵۔(۲۲) مودودی، ابوالاعلیٰ، سید تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ج ۱، ص ۳۶۴۔(۲۳) سورۃ بقرہ ۱۴۷۔(۲۴) ابن تیمیہ، امام تقی الدین السیاست شرعیہ، ص ۵۱۔(۲۵) خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات ۴۶۶، کراچی شعبہ تصنیف و تالیف ۱۹۸۸۔(۲۶) شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغہ، ج ۱، ص ۷۰۔(۲۷) ایضاً ص ۴۶۶۔(۲۸) مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، اسلامی ریاست، اسلامی پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۰، ص ۲۷۔(۲۹) سورۃ آل عمران ۱۹۔(۳۰) سورۃ زمر: ۲، ۳۔(۳۱) سورۃ نحل: ۵۲۔(۳۲) ایس ایم شاہد، مسلمانوں کے سیاسی افکار اور ادارے ایور نیو بک پلیس لاہور، س، ن، ص ۹، ۱۰۔(۳۳) علامہ اقبال، کلیات اقبال، ص ۳۳۴۔(۳۴) تاریخ اسلام، غلام احمد حریری شیخ بشیر اینڈ سنز اردو بازار لاہور، ص ۱۱۱۔(۳۵) المواقف والمرصد الرابع فی الامامۃ، ص ۳۴۴، ماخوذ از اسلام کا نظام حکومت تالیف حامد حامد انصاری بخاری۔(۳۶) ردالمختار، باب الامۃ، ج ۱، ص ۵۱۱۔(۳۷) کلیات ابو البقار حنفی، لفظ امارت، ص ۱۴۳۔(۳۸) کنوز الحقائق، حدیث ۱۰۲۔(۳ڑض ایضاً، ص ۳۴۵۔(۴۰) اسحاق صدیقی، مولانا، اسلام کا سیاسی نظام، مجلس دعوت و تحقیق، اسلامی بنوری ٹاؤن کراچی، ص ۸۹۔(۴۱) بخاری، الجامع صحیح، باب اقامۃ الحد۔(۴۲) حفیظ جالندھری۔(۴۳) قرطبی ابو عبداللہ بن احمد، الجامعہ احکام القرآن، دارالفکر بیروت ۱۴۱۵، ج ۱، ص ۲۶۴۔(۴۴) اسلام کا سیاسی نظام، ص ۴۱، ۴۲۔(۴۵) منہاج اصول، ص ۲۱۳۔(۲۶) ایضاً، ص ۲۱۵۔(۴۷) اسلام کا سیاسی نظام، چوہدری غلام رسول، مرکزی کتب خانہ لاہور، ص ۲۴۵۔(۴۸) سورۃ سورۃ آل عمران: ۱۵۴۔(۴۹) سورۃ اعراف: ۵۴۔(۵۰) القرآن: ۶۹، ۵۴۸۔(۵۱) سورۃ الانفال: ۲۴۔(۵۲) سورۃ یوسف: ۴۰۔(۵۳) سورۃ الاعراف۔(۵۴) سورۃ نساء: ۸۰۔(۵۵) سورۃ حشر: ۷۔(۵۶) سورۃ الاعراف: ۵۴۔(۵۷) آمدی، علامہ لالاحکام فی اصول احکام، س، ن، ص ۲۲۹۔(۵۸) شیخ محمد خضری، اصول فقہ، ص ۲۴۰۔(۵۹) سورۃ بقرہ: ۶۰۔(۶۰) سورۃ

بقرہ:۱۹۔(۶۱) سورۃ مجادلہ ۲۰۔(۶۲) سورۃ نساء:۵۹۔(۶۳) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ واطیعو اللہ واطیعوا سرلول واوالامر منکم، ج۳، رقم حدیث ۲۰۴۱۔(۶۴) ایضاً، رقم حدیث ۲۰۲۰۔(۶۵) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۲۰۱۴۔(۶۶) ایضاً، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۲۰۱۶۔(۶۷) صحیح مسلم، کتاب الاحکام، باب الجہاد، رقم حدیث ۱۳۱۲۔(۶۸) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۲۰۹۱۔(۶۹) ایضاً، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۲۰۲۵۔(۷۰) ابوداؤد، سلیمان بن الشعث، سنن ابوداؤد، کتاب السنہ، باب الزوم السنہ۔(۷۱) محصفی، مجموعہ غزل۔(۷۲) ایضاً۔(۷۳) صحیح بخاری، کتاب الحج، رقم حدیث ۱۷۷۔(۷۴) سورۃ شوریٰ:۳۸۔(۷۵) محمد تقی عثمانی، مفتی، حقوق العباد اور معاملات، ادارہ تالیفات اشرفیہ، چوک فوارہ ملتان، محرم الحرام ۱۴۲۶ھ ص ۲۲۰۔(۷۶) ایضاً ص ۲۲۰۔(۷۷) ایضاً ص ۲۲۱۔(۷۸) ایضاً۔(۷۹) سورۃ مائدہ:۲۔(۸۰) سورۃ مائدہ:۲۔(۸۱) بخاری کتاب الادب۔(۸۲) کنوز الحقائق، حرف التار۔(۸۳) سورۃ بقرہ:۲۱۹۔(۸۴) سورۃ الانفال:۶۰۔(۸۵) سورۃ توبہ: ۳۸۔(۸۶) سورۃ البقرہ:۹۱۔(۸۷) ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، مسلمانوں کا نظم مملکت دارالاشاعت کراچی، ص ۱۷۲۔ (۸۸) ڈاکٹر صبحی محمصانی، فلسفہ شریعت اسلام، مترجم، محمد احمد رضوی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۵، ص ۶۔(۸۹) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلام آباد، ۱۹۹۲، ص ۳۴۱۔(۹۰) سورۃ روم:۴۱۔(۹۱) سورۃ روم:۴۱۔(۹۲) سورۃ البقرہ:۲۲۰۔(۹۳) سورۃ آل عمران:۱۱۷۔(۹۴) سورۃ نور:۱۹۔(۹۵) سورۃ نساء:۱۳۸۔ (۹۶) اسد گیلانی، رسول ﷺ کی حکمت انقلاب ترجمان القرآن، ادارہ لاہور، طبع دوم ۱۹۸۲، ص ۲۵۲۔(۹۷) ایضاً ۳۶۷۔(۹۸) مولانا مودودی، سیرت سرور عالم، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص ۱۵۷۔(۹۹) بشیر احمد صدیقی، ڈاکٹر تجلیات رسالت، لاہر و مکتبہ زاویہ ۱۹۹۹، ص ۲۳۷۔(۱۰۰) ندوی، سید سیمان، علامہ، خطبات مدارس ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۸۴، ص ۹۰۔(۱۰۱) اسلام کا سیاسی نظام، چوہدری غلام رسول، علمی کتب خانہ لاہور، ص ۷۸۔(۱۰۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، رقم حدیث ۹۷۱۔(۱۰۳) ابن ہشام، سیرت النبی، ج ۲، ص ۲۱۳۔(۱۰۴) مشکوۃ المصابیح، باب نفقات وحق الملوک۔(۱۰۵) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب البر وصلۃ، رقم حدیث ۱۴۱۳۔(۱۰۶) ایضاً، رقم حدیث ۱۴۲۳۔(۱۰۷) صحیح بخاری و مسلم، کتاب النکاح، رقم حدیث ۲۷۷۔(۱۰۸) تفسیر در منشور، بحوالہ طبرانی تفسیر۔ (۱۰۹) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب فضل صلۃ رحم، رقم حدیث ۶۶۲۔(۱۱۰) صحیح بخاری، کتاب الایمان، ج ۱، رقم حدیث ۴۷۰۔(۱۱۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج ۱، ص ۶۶۵۔(۱۱۲) صحیح مسلم کتاب الایمان، ج ۱، رقم حدیث ۴۳۳۔(۱۱۳) متدراک حاکم، کتاب البر وصلۃ، ج ۴، ص ۱۵۹۔(۱۱۴) صحیح مسلم، کتاب الاحکام، باب قطع السارق، رقم حدیث ۱۰۰۳۔(۱۱۵) سیرت پاک، مولانا مودودی، ص ۱۵۷۔(۱۱۶) ابن ہشام، سیرت النبی، ج ۲، ص ۲۱۳۔ (۱۱۷) صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم حدیث ۲۱۲۱۔(۱۱۸) ایضاً ص ۲۳۰۔(۱۱۹) مشکوٰۃ، کتاب الحدود، ص ۳۱۳۔ (۱۲۰) ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۳۶۶۔(۱۲۱) صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، المسافرین، حدیث ۷۷۱۔(۱۲۲) صحیح

بخاری، کتاب الادب، باب المواخات، رقم ۲۴۰۔(۱۲۳) علامہ اقبال، کلیات اقبال۔(۱۲۴) تقی امینی، ولانا، عروج و زوال کا امینی نظام، مکی دارالکتب لاہور، ص ۱۰۰۔(۱۲۵) تاریخ تمدن اسلام، ج ۲۔(۱۲۶) علامہ اقبال، کلیات اقبال، ص ۲۷۰۔

# [[026]]اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے طریقے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

حافظہ زہرہ بتول-مظفر آباد آزاد کشمیر
طالبہ میڈیکل کالج راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**تعارف**

نظم وضبط معاشرتی زندگی کی روح اور انسانوں کا سکھ چین ہے۔ اس کی موجودگی ہر جگہ ضروری ہے۔ گھر ہوں یا مساجد، بازار ہوں یا دفاتر، سڑکیں ہوں یا باغات، محافل ہوں یا مجالس، ہسپتال ہوں یا تعلیم گاہیں اور درس گاہیں مخصوص ضابطوں کی پابندی سے ہی ان کی بقا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اسی ضابطہ حیات کی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ جو نظام انہوں نے دیا ہے اس میں حسین ترتیب ہے اور یہی دنیا اور آخرت میں ہمارے دکھوں کا مداوا ہے۔

آپ ﷺ کی تعلیم کا کمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہر معاملے میں اصولی رہنمائی کی ہے اور ہر جگہ انسانیت کو منظم، مستحکم اور باوقار رہنے کی تعلیم دی ہے۔ آپ ﷺ کا دستور اور طریقہ نظم وضبط کا طریقہ ہے۔ آپ ﷺ نے اجتماعی معاملات، لین دین، باہمی حقوق و فرائض کے تعین میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے۔ اسی لیے انفرادی معاملات سے لے کر اجتماعی معاملات تک، عقائد وعبادات سے لے کر نظم ریاست تک تمام معاملات ایک ہی سلسلے میں جڑے ہوئے اور باہم پیوست نظر آتے ہیں۔ انسان کی فکری، سیاسی، معاشی، معاشی، اعتقادی ہر نوع کی رہنمائی منظم انداز سے کر دی ہے اور ایسے اصول وضوابط دیئے ہیں جن پر عمل کر کے تمام الجھنوں اور مسال کو حل کیا جا سکتا ہے۔

آپ ﷺ نے معاشرے میں رہتے ہوئے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہماری ذمہ داریوں کے حوالے سے جو اصولی ہدایات دی ہیں ان کی روشنی میں ہم اپنے اجتماعی نظم کو بہترین طریقے سے مرتب کر کے نو بہ نو مسائل حل کرنے کی استعداد حاصل کر سکتے ہیں، اپنی ذمہ داریوں کا تعین کر سکتے ہیں تاکہ الجھنیں پیدا نہ ہوں اور اندرونی فساد و انتشار کی نوبت نہ آئے۔ معاشرے میں رہتے ہوئے چھوٹے سے لے کر بڑے تک کے واجب الادا حقوق ادا کر دیئے جائیں۔ حکومت کے منصب پر فائز شخص کی اطاعت اس لیے کی جائے کہ وہ اجتماعی نظم کے لیے اولو الامر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اس کے احکام کی بجاآوری سیاسی نظم کے لیے ضروری ہے تاکہ عوام الناس کے مفادات کی بھی

نگرانی ہو اور امن و امان بھی قائم رہے۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہو ہو خم بھی نہ ہو — بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک ایستادہ اسی نام سے ہے — نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے (۱)

## نظم وضبط کی تعریف

جدید اردو لغت کے مطابق: حفاظت نگہبانی، تحمل، برداشت، انتظام، روکنا، تلخ بات کا جواب نہ دینا، غصہ دبانا، آنسو نہ گرنے دینا۔(۲)۔ مثلاً

ع نہ کر تا ضبط میں نالہ تو پھر ایسا دھواں ہو تا

جبکہ نظم سے مراد ترتیب، تنظیم اور اصلاح وغیرہ۔(۳)

انگریزی ڈکشنری کے مطابق: نظم وضبط کے لیے ڈسپلن کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یعنی

Teaching which produces self control and good qualities of the mind and character. (4)

قاعدہ، قانون، دستور العمل، انتظام، ترتیب، بندوبست، اصولوں کی پابندی کا نام نظم وضبط ہے۔(۵)

سلیقہ، قرینہ، احترام، پابندی، فرمانبرداری، معاونت وغیرہ کے الفاظ نظم و ضبط کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔(۶)

نظم وضبط سے مراد اپنے آپ کو قابو میں رکھنا، جوش کے وقت ہوش سے کام لینا، جذبات کی رو میں نہ بہہ جانا بلکہ ہر حال میں ڈسپلن اور قواعد وضوابط کی پابندی کرنا گویا کسی معاشرے کے مختلف حصوں، مختلف گروہوں اور مختلف خاندانوں کو ایک نظام کے ذریعے اس طرح جوڑا جائے کہ وہ ایک قوم کی شکل اختیار کر لیں، اس نظام کی دلچسپیاں، اس کے اصول، اس کے قاعدے قانون سب کے قاعدے قانون بن جائیں اور سب بر رضا ور غبت انہیں تسلیم کریں اور اسی میں اپنی بھلائی سمجھیں۔

نظم وضبط ایک ایسی صفت ہے جو قوم کے منتشر افراد کو ایک منظم "ملت" کی شکل میں بدل دیتی ہے اور جاہل بدووں کو لشکر مجاہدین میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اسلام کے تمام ارکان ہمیں نظم وضبط کا درس دیتے ہیں، ارکان اسلام کی پابندی نے جوش انتقام میں تڑپتے مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کی بظاہر توہین آمیز شرائط قبول کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔

## اسلامی ریاست کا مطلب

انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے معاشرت پسند ہے۔ اس کی بے شمار ضروریات ہیں جو معاشرے کے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں، بے شمار خواہشات ہیں جن کی تسکین کے لیے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ ریاست بھی انہی خواہشات اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وجود میں آئی یہ ایک ایسی تنظیم ہے جس میں سب لوگ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ ریاست کے قوانین اور اختیارات نظم و ضبط کو برقرار رکھتے ہیں اور افراد اور اداروں کے درمیان خوشگوار فضا کو قائم رکھتے ہیں۔ جہاں ریاست کا وجود افراد کے اندر معاشرتی رشتے کو مضبوط کرتا ہے وہاں اختلاف کی صورت میں انصاف کے تقاضے بھی پورے کرتا ہے اس لیے ریاست عدل وانصاف کا سرچشمہ کہلاتی ہے جو تمام معاملات کو منظم کرتی ہے اور نظم وضبط کو قائم رکھتی ہے۔

## اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس کا تعلق صرف دینوی زندگی سے نہیں بلکہ حیات بعد ممات سے ہے۔ دراصل اسلامی نقطۂ نظر سے اس دنیا کی زندگی آخرت کی تیاری میں مصروف ہونی چاہیے کیونکہ یہاں کی زندگی عارضی ہے، مگر وہاں کی زندگی کو ان اصولوں کے مطابق اور ان حدود کے اندر بسر کیا جائے جو اسلام نے مقرر کیے ہیں۔ لہٰذا اسلامی ریاست کا قیام محض امن وامان رکھنے یا قومی سرحدوں کا تحفظ کرنے یا لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنے کی غرض سے نہیں ہوتا بلکہ اسلامی ریاست کا وجود اس لیے قائم ہوتا ہے کہ ان اچھائیوں کو رائج کیا جائے جن کا فروغ اللہ تعالیٰ نے پسند کیا اور ان برائیوں کو روکا جائے جو انسان کو تباہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اسلامی ریاست کا بنیادی اور اولین مقصد نیکی کا فروغ اور برائی کا قلع قمع کرنا ہے۔ لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنا سرحدات کا تحفظ کرنا اور ملک کے اندر امن و امان قائم رکھنا ثانوی مقاصد ہیں۔ قرآن نے اسلامی ریاست کے مقاصد کو ان آیات میں بیان کیا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (۷)

ترجمہ: "ہم نے اپنے رسول کو روشن دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں"۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ(۸)

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین پر اقتدار عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور بدی سے روکیں گے"۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۹)

ترجمہ: "تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کی (اصلاح وہدایت) کے لیے نکالا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔"

مسلمانوں کی تمام جدوجہد نظم وضبط کے قیام اور اطاعت کا مقصد یہ بتایا گیا ہے۔ اسی لئے امت کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۱۰)

ترجمہ: "نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو"۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"تم میں سے کوئی شخص برائی دیکھے اسے چاہیے کہ اسے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے روکے۔ اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے برا سمجھا جائے اور ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے"۔(۱۱)

حکومت کی طاقت کا مقصد رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اللہ حکومت کے ذریعے سے ان چیزوں کا سدباب کرتا ہے جن کا سدباب قرآن (یعنی تلقین ونصیحت) کے ذریعے سے نہیں کرتا۔

**فلاحی ریاست**

اسلامی ریاست بنیادی طور پر ایک فلاحی ریاست ہے کیونکہ اس کا مقصد انسانوں کی فلاح و بہبود ہے لیکن اسلام انسانی فلاح کو مادی فلاح تک محدود نہیں کرتا بلکہ فانی اور جاودانی دونوں قسم کی زندگی میں انسانی فلاح اسلام کا مقصد ہے بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہو گا اخروی فلاح کو اولیت حاصل ہے اور دنیوی فلاح ثانوی حیثیت کی حامل ہے۔ دنیوی زندگی میں بھی اسلامی ریاست افراد کی اخلاقی، روحانی، ذہنی اور مادی فلاح کی بیک وقت خواہاں ہوتی ہے۔

اس لیے عوام الناس پر پابندیوں کو لاگو کرتی ہے، حدود و قیود کو نافذ کرتی ہے اور فرائض کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد نیکیوں کو رواج اور بدیوں کا سدباب کرنا ہے۔ اس میں زندگی کے اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی غرضیکہ تمام پہلو آجاتے ہیں۔ اسی لیے اسلامی ریاست دینی اور اخلاقی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر مادی ترقی پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز نہیں کرتی بلکہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر متوازن اور مناسب توجہ دیتے ہوئے شہریوں کی مادی اور اقتصادی ترقی کے لیے بھی کوشاں ہو جاتی ہے۔ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کی بنیادی ضرورت پوری کرنے کی ذمہ دار ہے۔ یہی ذمہ داری اسلامی ریاست کو فلاحی ریاست ثابت کرنے میں کافی ہے لیکن جس فلاح کی ذمہ داری اسلامی ریاست اٹھاتی ہے وہ بنیادی ضروریات کی فراہمی تک محدود ہونے کی بجائے بہت وسیع ہے۔

**نظم وضبط ہے تو سب کچھ ہے**

مذہب، معاشرت، سیاست، اخلاقیات سب کا روح رواں نظم و ضبط ہے۔ یہ قوموں کی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی کے ذریعے عوام کے حقوق ادا کیے جاسکتے ہیں اور حکومت کے دائرہ کار کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ نظم وضبط کے بغیر نہ حقوق کا تصور ہے اور نہ ریاست اور حکومت کا دائرہ کار کا کوئی تعین ہے۔

نظم و ضبط کے تحت رسول اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے تصور کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ خلفائے راشدین نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ ہی کی دی ہوئی ہدایات اور آپ ﷺ کی پیدا کردہ بصیرت و حکمت کے تحت اس ریاست کے خدوخال کو یوں سنوارا کہ یہ دنیا بھر میں ایک مثالی جمہوری اور فلاحی ریاست بن گئی۔ یہ ریاست مکمل طور پر نظم وضبط کی آئینہ دار تھی اور اسی نظم وضبط کی بدولت اسلامی ریاست میں وہ تمام خوبیاں جمع ہو گئی تھیں جن کا ایک اچھی ریاست میں تصور کیا جاسکتا ہے۔

نظم و ضبط کی بدولت ریاست کا امن قائم رہتا ہے، اتحاد و یکجہتی پروان چڑھتی ہے، مرکز مضبوط ہوتا ہے، اسے عوام کی تائید حاصل ہوتی ہے عوام حکومت کی مشکلات جان کر اس سے بے جا مطالبات نہیں کرتے بلکہ تمام امور میں تعاون کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باہمی افہام و تفہیم کی یہ فضا ملک کی خوشحالی کے لیے ساز گار ثابت ہوتی ہے ورنہ منتشر افراد ترقی اور خوشحالی کا خواب نہیں دیکھ سکتے کیونکہ

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں(۱۲)

نظم وضبط اور ریاست لازم وملزوم ہیں نظم وضبط کے ذریعے افراد ریاست سے جڑے رہتے ہیں اپنے فرائض کو دیانت داری سے ادا کرتے ہیں، ریاست کے سربراہ کے فرمانبردار ہوتے ہیں تو معاشرہ ترقی کرتا ہے۔ مشترکہ نصب العین کی خاطر اکٹھے رہتے ہیں اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں، نظم وضبط کے ذریعے افراد دو اقوام کی زندگی کندن بن جاتی ہے۔

## سماجی زندگی میں نظم وضبط کی اہمیت

اسلام نظم وضبط کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ اس کا ایک اپنا ضابطۂ قانون ہے جو خالق کائنات نے وضع کیا ہے جو اپنی مخلوق کی نفسیات، ضروریات اور تقاضوں کو سمجھتا ہے۔ یہ قانون قرآن کی صورت میں رسول اکرم ﷺ پر نازل کیا گیا اور حضور ﷺ نے یہ قانون عملی طور پر پیش فرمایا اور اسے نافذ کیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ (۱۳)

ترجمہ: "اور اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے والے مت بنو"۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ (۱۴)

ترجمہ: "فساد قتل وخون ریزی سے کہیں بڑھ کر ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ(۱۵)

ترجمہ: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو"۔

احادیث مبارکہ میں ایسے قانون کی پابندی پر بہت زور دیا گیا ہے جو شریعت کے تابع ہو جیسا کہ ان احادیث سے ظاہر ہے:

۱- مسلمان شخص اپنی پسند اور ناپسند ہر حالت میں اولی الامر کی بات سنے اور مانے جب تک کہ اس کو خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے اور جب ایسا حکم دیا جائے تو مسلمان پر نہ سننا فرض ہے اور نہ اطاعت کرنا۔(۱۶)

۲- خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں، اطاعت صرف نیکی میں ہے۔(۱۷)

۳- اگر ایک نکٹا حبشی بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے تو اگر وہ اللہ اور رسولؐ کی پیروی میں حکم دے تو اس کی اطاعت تم پر فرض ہے۔(۱۸)

قوموں کے عروج وزوال میں اس بات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ وہاں کے افراد میں کس قدر نظم وضبط ہے۔ آپ اس گھر کے بارے میں سوچیے جس کے تمام افراد غیر منظم ہوں پھر اس گھر کا شیرازہ بکھرنے سے کون بچا سکتا ہے۔ ہمارے زوال میں اس بات کو بہت دخل ہے کہ ہم نظم وضبط سے عاری ہیں۔ ہماری ترقی، وقار اور عزت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ہم کتنے منظم، دیانت دار اور محب الوطن ہیں۔ غیر منظم افراد کے ہاتھوں میں جتنی دولت دے دی جائے، جتنے وسائل دے دیئے جائیں وہ سوجھ بوجھ اور نظم وضبط کی کمی کی وجہ سے اپنے لیے تباہیوں کے دروازے کھول لیتے ہیں۔ ہمیں اپنی ریاست میں ہر قسم کی آزادی اور وسائل میسر ہیں لیکن ہم ان کا استعمال قواعد و ضوابط کے دائرے میں نہیں کر رہے۔

ہماری پستی کی وجہ یہ ہے کہ ہم غیر منظم ہیں۔ ہم فرقوں، ذاتوں، گروہوں، علاقوں کے حصار میں گھرے ہوئے ہیں اور تکبر اور رعونت کا شکار ہیں۔ ہم نصاب عمل کو بھول چکے ہیں، دینی تعلیمات کو نظر انداز کر چکے ہیں، فرقہ بندی اور ذاتوں میں بٹ گئے ہیں، ہماری صفوں میں انتشار بھر گیا ہے۔ ہم اپنے معاشرتی نظام کو خدا اور اس کے رسولؐ

کے دیے ہوئے ضابطے کے مطابق نہیں ڈھالتے۔ رنگ و نسل، زبان، فرقہ پرستی، صوبائیت پرستی جیسی لعنتوں میں عوام الناس کی صفوں میں انتشار بپا کیا ہوا ہے۔

زندگی کے میدان میں وہی قومیں آگے بڑھتی ہیں ترقی کرتی ہیں اور عروج حاصل کرتی ہیں جو نظم وضبط کو اپنا شعار بناتی ہیں۔ باہم الجھنے کے بجائے دوسروں کے حقوق کو تسلیم کرتی ہیں اپنے فرائض کو دیانت داری سے ادا کرتی ہیں، اپنے رویوں اور سوچوں میں مثبت انداز اختیار کرتی ہیں۔ قوم کو ایک مرکز پر رکھنے آپس میں مل جل کر رہنے کا اور افہام و تفہیم کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ ہم نظم وضبط کو شعار بنائیں اور کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر عمل کریں۔ جب تک نظم وضبط نہیں ہو گا تو آپس میں ٹکراؤ اور تنازعات پیدا ہوتے رہیں گے۔ معاشرے میں سیاسی، معاشرتی نظم قائم رکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ حاکم و محکوم، آقا و غلام، چھوٹے بڑے سب ایک دوسرے کے حقوق تسلیم کریں تاکہ نزاع کی نوبت نہ آئے اور "جیو اور جینے دو" کی پالیسی اپنائی جائے۔

## موجودہ حالات کے تناظر میں نظم وضبط کی ضرورت

معاشرتی زندگی کو خوبصورتی سے ہمکنار کرنے کے لیے نظم وضبط کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر زندہ رہنا ہر شخص کا حق ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس پر لازم ہے کہ دوسروں کی زندگی کا احترام کرے اور نظم وضبط کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے۔ اگر ہر شخص صرف اپنا فائدہ طلب کرے، اپنی مراد حاصل کرے، اپنی ذات کو قیمتی سمجھے تو سب کی زندگی اور حقوق داؤ پر لگ جائے۔

ریاست شہریوں کو نظم وضبط کی پابندی پر مجبور کر سکتی ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں سزا دینے کا حق رکھتی ہے۔ نظم وضبط عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔ نظم وضبط کے بغیر حقوق کے حصول کا تصور ناقابل فہم ہے۔ ایک ریاست کے اندر مراعات سے استفادہ صرف اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے جبکہ مراعات یافتہ افراد دوسروں کی مراعات کو بھی تسلیم کریں۔ یہ کیفیت فرائض کو جنم دیتی ہے حقوق سے ایک شخص اپنی ذات کو فائدہ پہنچاتا ہے اور فرائض سے یہی فائدہ دوسروں کو اٹھانے دیتا ہے۔ اسی کا نام نظم وضبط کی پابندی ہے۔ یعنی اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا اور دوسروں کے حقوق کو تسلیم کرنا، خود عزت کے ساتھ زندگی گزارنا اور دوسروں کو عزت کے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرنا۔

نظم وضبط کی ضرورت اختلافات کو دور کرنے کے لیے بھی ہوتی ہے۔ جب انسانوں نے ایک دوسرے سے اشتراک اور تعاون کرنا ہے تو ایسی صورت میں بھی ان کے سامنے کوئی طریقہ کار اور ضابطہ ہونا چاہیے۔ معاشرتی روابط، ضروریات زندگی کی کفالت، امن و امان، عدل و انصاف، لین دین، صلح و جنگ، شادی و بیاہ حیات و موت سمیت زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو نظم کے بغیر قائم رہ سکے۔ نظم وضبط کے ذریعے ہی حقوق و فرائض کا نظام مرتب ہوتا ہے۔ کیونکہ

اس کا اطلاق ایسی سرگرمیوں پر ہوتا ہے جو دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہیں یا جن میں دوسرے لوگ شریک ہوتے ہیں۔

نظم وضبط کی پشت پر ریاست کی طاقت ہوتی ہے۔ اس کی پابندی پر مجبور کر سکتی ہے اور اس کے توڑنے والوں کو سزا دے سکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ اصول ہیں جو شہریوں کے افعال و کردار کی نگرانی کرتے ہیں جن کا تعلق انسان کی خارجی اور ظاہری حالت سے ہے تاکہ وہ پر مسرت زندگی بسر کر سکیں۔

**معاشرتی اور تعلیمی نظام میں نظم وضبط کی حیثیت**

میں شاہیں تھا اک فکر اقبال کا
شرق سے غرب تک میری پرواز تھی
ایک بازو ہی پر اب تو اڑتا ہوں میں
دوسرا دشمنوں کو گوارا نہیں (۱۹)

نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے اگر زندگی میں نظم وضبط ہو تو ہر طرف امن و سکون ہو۔ ہر مسلمان دوسرے کا خیر خواہ ہو، ایثار و مروت، اخوت و مساوات سے دل جڑے ہوں، ظلم و استحصال کا تصور نہ ہو، ہر طرف قانون کی حکمرانی ہو، حکمران اپنے آپ کو عوام کا خادم سمجھتے ہوں، عوام اپنے آپ کو ریاست کا وفادار سمجھتے ہوں، اور ان کے اندر جوابدہی کا احساس پختہ ہو، علمائے کرام میں اتحاد و اتفاق ہو لیکن افسوس ایسا نہیں ہے۔ نظم وضبط وہ خوبی ہے جو ایک دوسرے سے جوڑے رکھتی ہے لیکن ہم اس خوبی اور وصف سے عاری ہیں۔

لوٹ کھسوٹ، رشوت ستانی، بد نظمی، خیانت اور ظلم کا بازار گرم ہے، مطلب براری کے لیے نظم وضبط کی دھجیاں بکھرتی ہیں۔ عام سطح سے لے کر حکومتی سطح تک اس وصف کو فراموش کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے نہ سیاسی استحکام ہے، نہ معاشی استحکام اور نہ امن و سکون ہے۔ احساس محرومی بڑھتا جا رہا ہے، خودکشی اور خودسوزی کی وارداتیں عام ہیں "قہر درویش بر جان درویش" کی طرح غریب اپنے آپ پر غصہ نکالتے ہیں، عارضی مفادات، دنیاوی حاجات، نفسانی خواہشات اور دنیا طلبی کی ہوس میں نظم وضبط کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

نظم وضبط کی کمی کی وجہ سے گھنٹوں گھنٹوں سڑکیں بلاک کر دی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے عام آدمی کو دھوپ اور گرمی میں انتظار کی اذیت سے گزرنا پڑتا ہے کئی مریض وقت پر ہسپتال نہ پہنچنے کی وجہ سے راستے میں دم توڑ دیتے ہیں۔ اندھیر نگری چوپٹ راجہ کا سماں ہوتا ہے۔

ہمارے تعلیمی نظام میں نظم وضبط تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ ہڑتالیں، ہنگامے اور دیگر معیوب اطوار وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ یہ ساری غیر اخلاقی حرکتوں کا ذمہ دار استاذ ٹھہرایا جاتا ہے۔ آج کے طالب علم آنے والے کل کے لیڈر

ہیں۔ غیر صحت مندانہ اور نظم وضبط کی خلاف ورزی کی حرکات انہیں تباہی کی طرف لے جارہی ہیں۔ اگر کسی طالب علم کو اس کی شرارت پر تھوڑی سی سرزنش کی جائے تو کالج کی سٹوڈنٹس یونین حرکت میں آجاتی ہے بالآخر استاد کو معافی مانگنی پڑتی ہے یا ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں ایسی حالتوں میں کالج کا لیکچرار یا پروفیسر طلباء سے ڈرتا ہے اور خاموشی سے وقت گزارتا ہے۔

ڈسپلن قائم نہ رہنے کی وجہ تعلیمی اداروں میں اساتذہ کی قلیل تنخواہیں بھی ہیں وہ پرائیویٹ ٹیوشن رکھنے کے لیے مجبور ہیں۔ جب امیر گھرانوں کے لڑکے استاذ کو معمولی ٹیوشن کے لیے کہتا سنتے ہیں تو استاذ کی نظریں پیسے پر آجاتی ہیں، وہ اس کی عزت بھی نہیں کرتے، اس مشکل وقت میں استاذ اپنا معیار زندگی برقرار نہیں رکھ سکتا، وہ معمولی لباس استعمال کرتا ہے، یہ تاثرات طلباء پر اچھا نظریہ قائم نہیں رکھتے، اس کی مجبوری اور بے جارگی پر ترس آتا ہے۔ طلباء استاذ کا تمسخر اڑاتے ہیں، یہ احساس کمتری طلباء کو کنٹرول کرنے میں بڑی رکاوٹ ہے، ایسی صورتحال میں نظم وضبط یا ڈسپلن بے بس ہو جاتا ہے۔

## قرآن پاک میں نظم وضبط کے متعلق احکامات

ایک اسلامی ریاست میں نظم وضبط کی پابندی ہی ریاست میں سکون کی فضا قائم رکھتی ہے اور افراد کے باہمی حقوق ادا ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں اطاعت رسولؐ پر زور دے کر ایک اسلامی ریاست میں نظم وضبط کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰي يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَـرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِـيْمًا (۲۰)

ترجمہ: "پس قسم ہے تیرے پروردگار کی نہیں وہ ہرگز مومن نہیں ہیں جب تک کہ اے نبیؐ وہ آپس کے جھگڑے میں تمہیں فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں۔ پھر تم جو فیصلہ کرو اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ۔ (۲۱)

ترجمہ: "میں صرف اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر کی جاتی ہے"۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (۲۲)

ترجمہ: "بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ عمدہ نمونہ ہیں"۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ (۲۳)

ترجمہ: "اے نبی! کہہ دو کہ اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا"۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ (۲۴)

ترجمہ: "اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے"۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ (۲۵)

ترجمہ: "جس نے رسولؐ کی اطاعت کی، بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔

## حدیث کی روشنی میں نظم وضبط

احادیث مبارکہ میں اطاعت رسولؐ کی بڑی وضاحت کی گئی ہے، چند احادیث پیش خدمت ہیں:

۱- تم میں سے کوئی شخص (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں۔ (۲۶)

۲- میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم ان دونوں پر مضبوطی سے قائم رہو گے، گمراہ نہ ہو گے، ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسولؐ۔ (۲۷)

۳- جس نے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، نیز اللہ کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں محمد ﷺ ہی نشان امتیاز ہیں۔ (۲۸)

۴- جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ (۲۹)

۵- تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے اہل و عیال سے زیادہ محبوب نہیں ہوتا۔ (۳۰)

۶- ایمان کی حقیقی لذت سے وہی آشنا ہو سکتا ہے جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول دوسری تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہو۔ (۳۱)

## اسلامی ریاست میں نظم وضبط برقرار رکھنے کے لیے عوام الناس کے فرائض

ایک ریاست میں رہتے ہوئے ایک حکومت کے زیر سایہ عوام کو سہولتیں ملتی ہیں، حقوق ملتے ہیں، عوام کے مطالبات پورے کیے جاتے ہیں اور ان کی بھلائی کی جاتی ہے، ان حقوق کے بدلے میں حکومت بھی عوام سے مطالبات کرتی ہے جنہیں عوام پورا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ گویا حکومت جو سہولتیں عوام کو مہیا کرتی ہے وہ عوام کے حقوق ہیں اور عوام جو کچھ حکومت کی خاطر کرتے ہیں وہ ان کے فرائض ہیں۔ کوئی حق اس وقت تک نہیں دیا جا سکتا جب تک اس کے بدلے میں کوئی فرض ادا نہ کیا جائے گویا حقوق و فرائض کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

عوام کو اپنے حقوق و مراعات سے فائدہ اٹھا کر ریاست کا اور حکومت کا وفادار ہونا چاہیے اور حکومتی احکامات کی تعمیل کرنی چاہیے تاکہ ملک میں امن و امان کی فضا قائم رہے اور باہمی اتحاد و تعاون کو فروغ ملے۔

**۱-اطاعت امیر**

نظم و ضبط کے لیے اطاعت امیر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اگر ہر شخص اپنے ہی فیصلے پر عمل کرے تو نہ اجتماعیت کو فروغ مل سکتا ہے اور نہ معاشرہ کی بہتر تشکیل ہو سکتی ہے۔ امیر سے مراد وہ تمام افراد ہیں جو اپنے اپنے مقام پر اہم حیثیت یا عہدہ پر فائز ہیں۔ ان کے احکام کی پابندی سے صحیح نظم و ضبط قائم رہ سکتا ہے اور معاشرے میں اتحاد اور یکجہتی برقرار رہتی ہے۔

اسلامی ریاست کے ہر شہری پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ خلیفہ اور ارباب کار کا حکم مانیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی اطاعت کے لیے رسولؐ کی اطاعت کو ضروری قرار دیا ہے، اس طرح اولو الامر کی اطاعت کو رسولؐ کی اطاعت کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔ (۳۲)

ترجمہ: "اطاعت کرو اللہ کی اور رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہیں"۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ (۳۳)

ترجمہ: "جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی وہ عظیم کامیابی پا گیا"۔

آپ ﷺ نے فرمایا جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

موطا میں حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے:

بايعنا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم على السمع والطاعة في العسر واليسر والمنشط والمكره۔ (۳۴)

ترجمہ: "یعنی ہم سے رسول کریم ﷺ نے سمع و طاعت (ماننے اور تعمیل کرنے) کا عہد لیا۔ تنگی، فراخی و دشواری اور آسانی ہر حال میں"۔

ایک اور حدیث میں فرمایا:

ترجمہ: "سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام مقرر کر دیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہو جب تک کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق تم کو حکم دے"۔(۳۵)

السمع والطاعة حق مالم يؤمر بالمعصية فاذا امر بالمعصية فلا سمع ولا طاعة۔ (۳۶)

ترجمہ: "اولو الامر کے احکام کو سننا اور ان کی تعمیل کرنا واجب ہے جب تک کہ وہ معصیت کا حکم نہ دے تو

پھر اس کا نہ سننا جائز ہے اور نہ اس کی تعمیل کرنا"۔

السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب واكره ما لم يؤمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة۔ (۳۷)

ترجمہ: "ہر مسلمان پر امیر کی اطاعت ضروری ہے جب تک کہ وہ برائی کا حکم نہ دے تو پھر نہ سننا ہے اور نہ ماننا"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے عہد خلافت میں ایک موقع پر فرمایا تھا "میں اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے تم کو جو حکم دوں اس کی اطاعت تم پر فرض ہے خواہ تمہیں پسند ہو یا ناپسند اور جو حکم میں تمہیں اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دوں تو معصیت میں کسی کے لیے اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف میں ہے"۔(۳۸)

امیر کی اطاعت اہم معاشرتی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر معاشرے میں امن و امان بھی قائم نہیں رہ سکتا اور نہ حقوق و فرائض کی ادائیگی ممکن ہے تاہم امیر کی اطاعت قرآن و سنت کی اطاعت کے ساتھ ہے۔

ابن تیمیہ کے مطابق اسلامی ریاست میں نظم و ضبط کے لیے عوام الناس کا فرض ہے کہ شریعت کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کریں، اپنے فرائض کی انجام دہی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں اس کے بغیر اخروی کامیابی کا حصول ممکن نہ ہو گا۔ امن و امان کی خاطر عوام ہر قسم کے فرمانرواؤں کی اطاعت خواہ وہ قانونی طور پر برسر اقتدار آئے ہوں یا ناجائز طریقے سے حکومت حاصل کی ہو۔ اگر وہ معصیت کا حکم دیں تو رعایا پر ماننا فرض نہیں لیکن اس کے باوجود بغاوت کی اجازت نہیں ہے۔(۳۹)

**۲-وفاداری**

اسلامی ریاست کے اندر نظم و ضبط اسی صورت میں برقرار رہ سکتا ہے جبکہ ہر شخص ریاست سے وفاداری اختیار کرے، اس کے قوانین کا احترام کرے، اپنی سرزمین سے محبت کرے، اپنا فرض ادا کرے، دوسروں کے حقوق کے متعلق غافل نہ ہوں، وطن کی روایات اور اصولوں کی پاسداری کرے، اپنے واجبات کو ادا کرے کیونکہ اسی سے جذبہ حب الوطنی فروغ پاتا ہے۔ اپنی سرزمین اور اپنی دھرتی سے محبت کرنا اعلیٰ اخلاقی اقدار میں شامل ہے۔ اس طرح سماجی زندگی میں اتحاد و یگانگت کی فضا پروان چڑھتی ہے۔ اندرونی یا بیرونی خطرات کی صورت میں ریاست کو ہر ممکن تعاون کا یقین دلانا چاہیے اور ہر قسم کے خطرے سے نپٹنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

ابن تیمیہ کے مطابق، نظم و ضبط کی خاطر رعایا کے لیے اطاعت کے علاوہ خیر خواہی بھی ضروری ہے اور اسے مذہبی امور میں شامل کرتے ہیں ان کا کہنا ہے ہمارے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ ہم والیان یاست کے حامی اور ناصر رہیں۔ (۴۰)

وہ اس کے ثبوت میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا انحصار تین چیزوں میں بتایا گیا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ والیان حکومت کے خیر خواہ رہو جو تم پر حکمران ہیں۔ (۴۱)

**۳- قانون کی پابندی**

ریاست کی وفاداری کا براہ راست نتیجہ قوانین کا احترام ہوتا ہے۔ ریاست ہماری معاشرتی زندگی کو قوانین کے ذریعہ منضبط کرتی ہے۔ لہٰذا قوانین کا احترام ہمارے اپنے مفاد میں ہوتا ہے۔ جمہوریت میں قانون سازی عوامی نمائندوں کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں تو ہماری ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ قوانین کا ہر ممکن طور پر احترام کیا جائے۔ قانون کو ماننے سے انکار کا صاف مطلب لا قانونیت ہوتا ہے اور جب قانون کی خلاف ورزی ہونے لگے گی تو انتشار پھیل جائے گا اور کسی کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہ رہ سکے گی۔ اچھے شہری کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ قانون کی ہر گز خلاف ورزی نہیں کرتا۔

قانون کی تابعداری ہر شہری کا فرض ہے۔ اس کے بغیر نہ ملک میں امن قائم رہ سکتا ہے اور نہ معاشرہ کی عمارت صحیح بنیادوں پر کھڑی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۔ (۴۲)

"یعنی زمین میں اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد فساد نہ کرو"۔

فساد ہمیشہ قانون شکنی سے پیدا ہوتا ہے گویا فساد قانون شکنی کا دوسرا نام ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ۔ (۴۳)

ترجمہ: "جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگ ہیں"۔

**۴- معاونت و مددگاری**

انسان مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کا محتاج ہے اگر باہمی تعاون کے ساتھ انسان ایک دوسرے کی ضرورت اور احتیاجات کو پورا نہ کریں تو سوسائٹی میں فساد برپا ہو جائے اور ایک دوسرے کی زندگی اجیرن ہو جائے اسی وجہ سے سوسائٹی کو برقرار رکھنے کے لیے ایک دوسرے کا تعاون ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (۴۴)

ترجمہ: "نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو"۔

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (۴۵)

ترجمہ: "اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو"۔

رسول کریم ﷺ اسلامی سوسائٹی کے افراد کو ایک عمارت سے تشبیہ دے کر فرماتے ہیں:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا ثم شبك بين اصابعه- (۴۶)

ترجمہ: "ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے کہ عمارت کی اینٹیں، ایک جز دوسرے جز کو قوت دیتا ہے۔ پھر اپنی انگلیوں کو ملا کر مثال بتائی اور پھر فرمایا:

تكانفا ولا تعاصيا ويسرا ولا تعسرا- (۴۷)

ترجمہ: "مل کر رہو ایک دوسرے کے خلاف نہ رہو۔ آسانی کرو اور تنگی مت کرو"۔

**۵-انسانی ہمدردی**

حکومت کا انتظام چلانے کے لیے ضروری ہے کہ مالی حالت مضبوط ہو اور حکومت خرچ پورا کرنے کے لیے ٹیکس لگاتی ہے، ہر شہری کا یہ فرض ہے کہ وہ ٹیکس ادا کرے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۔ (۴۸)

ترجمہ: "وہ تم سے پوچھتے ہیں وہ کیا خرچ کریں، کہہ دو جو ان کی ضرورت سے بچ جائے وہ سب خرچ کرو"۔

**۶-ٹیکسوں کی ادائیگی اور ووٹ کا صحیح استعمال**

حکومت کے اخراجات محصولات ہی سے چلتے ہیں اس لیے ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ اپنے ٹیکس بروقت ادا کرے اور خوش دلی اور دیانت داری سے ادا کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ ووٹ قوم کی امانت ہے اور ہر شہری کا فرض ہے کہ انتخابات میں حقیقی مستحق امیدوار کو ووٹ دے اور اس معاملے میں ذات برادری، رشتہ داری اور مالی فوائد کو بالکل خاطر میں نہ لائے۔

**۷-قیام امن میں معاونت**

اچھے شہری کا صرف یہ کام نہیں ہے کہ وہ خود قانون کی تابعداری کرے بلکہ اس سے یہ بھی امید ہوتی ہے کہ وہ حکومت کی قوانین کے نفاذ میں مدد کرے اور قانون شکنی کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے حکومت کا ہاتھ بٹائے، جب تک ہر شہری ملک کے قانون کا محافظ نہیں ہوتا اس وقت تک ملک میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

**۸-عہد کی پابندی**

رسول کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ رسول ﷺ کی زندگی بھی ایفائے عہد سے عبارت تھی۔ روایات میں اعلان نبوت سے قبل کا ایک واقعہ مذکور ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی الحمسا سے وعدہ کی بنا پر آپ ﷺ تین دن اور تین راتیں ایک ہی جگہ پر کھڑے رہے اور ایفائے عہد کی لازوال مثال قائم کر دی۔ میثاق مدینہ کی خلاف ورزی یہود کی طرف سے ہوئی اور آپ ﷺ ہمیشہ اس پر قائم رہے۔ صلح حدیبیہ کی

خلاف ورزی خود قریش مکہ نے کی اور اسے توڑنے کا بھی خود ہی اعلان کیا۔ آپ کے ایفائے عہد کی شہادت ابوسفیان نے ایمان لانے سے قبل قیصر روم کے دربار میں دی۔

سہیل کا بیٹا ابوجندل اہل مکہ کے ظلم و ستم کا شکار تھا۔ وہ صلح حدیبیہ کے وقت بھاگ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا چونکہ معاہدہ میں یہ شرط تھی کہ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ آپ ﷺ اس شرط کے پیش نظر حضرت ابوجندل کو اس لیے مدینہ نہ لے گئے کہ اس سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو گی۔ اس کے علاوہ انفرادی عہد کی پاسداری کی بھی ان گنت مثالیں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں موجود ہیں۔

## عبادات کے ذریعے نظم وضبط

پوری امت مسلمہ کا ایک ہی عقیدہ ہے وہ اسی انداز میں سوچتی ہے یعنی اللہ ایک ہے، رسول ﷺ ایک ہے، کعبہ ایک ہے، قرآن ایک ہے، منزل ایک ہے، مقصد ایک ہے، ایک ہی ترتیب سے عبادت ہوتی ہے اور اسی ترتیب کا نام نظم وضبط ہے۔ جہاں سوچ و فکر ایک جیسی ہو اس میں ترتیب و توازن ہو۔ عقیدہ و فکر کا یہی اشتراک صفوں میں نظم وضبط کو پروان چڑھاتا ہے یعنی ایک خدا کے سامنے جھکنا نماز میں مقتدیوں کو ایک امام کی پیروی کرنی ہوتی ہے، نماز کی ادائیگی امام کے بغیر نہیں ہو سکتی اسی طرح مسلمانوں میں امیر کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے معاشرے کی شیرازہ بندی ہوتی ہے اور قانون وضابطے کی حکمرانی ہوتی ہے۔

نماز ایک مسلسل اور لگاتار پابندی کا نام ہے، قیام، رکوع، سجود اور دیگر ارکان نماز میں ایک نظم اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے جس سے مسلمانوں میں نظم وضبط پیدا ہوتی ہے۔ ان کی زندگی میں سلیقہ آجاتا ہے، وہ تنظیم کے ثمرات سے بہرہ ور ہوتے ہیں، یہ ایک مجاہدانہ تنظیم کا مظہر ہے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اپنے سے بڑے کا احترام، اصول وضوابط کی پابندی کرنا۔ دین اسلام کے ساتھ جتنی وابستگی ہو گی اتنا ہی صفوں میں اتحاد پیدا ہو گا، ذاتی مفاد کے بجائے اجتماعی مفاد کا جذبہ پروان چڑھے گا۔ اجتماعی سوچ میں یکسانیت ہی نظم وترتیب کا ذریعہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنی خواہشات کو اس دین کے تابع نہ کر دے جو میں لے کر آیا ہوں"۔(۴۹)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا دین ہر معاملے میں نظم وضبط کو پسند کرتا ہے۔ دنیا کے تمام مسلمان ایک ہی طریقے پر نماز ادا کرتے ہیں، ایک ہی طرح سے روزہ رکھتے ہیں، اجتماعی نظم کو قائم رکھنے کے لیے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور حج ادا کر کے اپنی صفوں میں یکسانیت اور اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ اعمال نظم وضبط کے عکاس ہیں کیونکہ یہ وحدت

عمل کا بہترین نقشہ پیش کرتے ہیں۔ پنجگانہ نماز ایک محلہ کی نظم وضبط کی مظہر ہے، نماز جمعہ ایک آبادی کو منظم کرتی ہے، عیدین کی نماز پورے شہر کے نظم وضبط کی علامت ہے، دنیا کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے لوگ جب ارکان حج ادا کرتے ہیں تو وہ زبانوں، رہن سہن، رنگ ونسل کے اختلافات کے باوجود ایک جیسے ارکانِ حج ادا کر کے ایک پرچم تلے اکٹھے ہو کر "لبيك اللهم لبيك" کا ایک ہی کلمہ ادا کر کے نظم وضبط کا بہترین مظاہرہ کرتے ہیں۔

## اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے ذریعے

### ۱-اتحاد واتفاق کا فروغ

مسلمان ایک برادری ہیں، ان کے درمیان بھائی چارے کو فروغ دینا ضروری ہے۔ بھائی چارہ دراصل باہمی حقوق کی ادائیگی کا جامع نام ہے جو نبی اکرم ﷺ نے پوری امت مسلمہ پر لازم قرار دیے اور جن کی بنیاد محبت، الفت، اخلاص، ہمدردی اور خیر خواہی پر رکھی۔ ایک شخص جونہی کلمہ پڑھتا ہے وہ عالمگیر برادری کا رکن بن جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا رشتہ ہے جس سے مسلمان تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ ایک نظم کے پابند ہیں، یہ دینی اور روحانی رشتہ خونی رشتوں سے بڑھ کر ہے۔ آپ ﷺ نے خون کے پیاسے دشمنوں کو دوست، بیگانوں کو یگانہ اور غیروں کو بھائی بھائی بنا دیا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں، اگر ایک حصے کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔(۵۰)

### ۲-عدل اجتماعی کا فروغ

دنیا کا سارا کارخانہ عدل وانصاف کے بل بوتے پر قائم ہے، زندگی کے ہر شعبے میں اس کی ضرورت ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ معاشرے کے ہر شخص کو اس کا جائز حق مل جائے، اجتماعی عدل کی موجودگی میں معاشرے کے تمام معاملات خوش اسلوبی سے سرانجام پاتے ہیں ورنہ معاشرے کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ۔ (۵۱)

ترجمہ: "بلاشبہ اللہ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے"۔

وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ۔ (۵۲)

ترجمہ: اور تم عدل کرو بیشک اللہ عدل وانصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

### ۳- قانون کی حکمرانی کا نفاذ

قانون کچھ اصول اور ضابطوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ اصول وضابطے معاشرے کے افراد کی بہتری کے لیے بنتے ہیں ان کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ انسانی معاشرہ اس وقت تک صحیح خطوط پر قائم ہی نہیں ہو سکتا جب تک قانون

کا پابند نہ ہو۔ قانون کی پابندی کے بغیر ایک معاشرے کی وہی حالت ہوتی ہے جو ایک جنگل کی ہوتی ہے، لا قانونیت معاشرے کا امن وسکون تباہ کر دیتی ہے۔

اسلام کا ایک اپنا قانون ہے جسے خالق کائنات نے وضع کیا ہے جو اپنی مخلوق کی ضروریات، نفسیات اور تقاضوں کو خوب سمجھتا ہے، یہ قانون قرآن مجید کی صورت میں نبی اکرم ﷺ پر نازل کیا گیا، لہٰذا اسلامی معاشرے میں قانون کی پابندی کے ذریعے افراد کو نظم وضبط کا پابند بنایا جاسکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۔ (۵۳)

ترجمہ: "اور اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے والے مت بنو"۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۔ (۵۴)

ترجمہ: "فساد قتل وخونریزی سے کہیں بڑھ کر ہے"۔

انسانیت کی نجات، سرخروئی اور کامیابی حقیقی ترقی کا راز قانون کی پابندی میں ہے۔ اسی کے ذریعے تمام مسائل حل ہوسکتے ہیں اور ہم دین ودنیا میں سرخرو ہوسکتے ہیں۔

### ۴۔ فرض شناسی کا شعور

كلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته۔ (۵۵)

ترجمہ: "تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی ذمہ داریوں کے متعلق پوچھا جائے گا"۔

یہ فرمان نبی ﷺ معاشرے کے ہر فرد کے لیے ہے، لہٰذا عوام الناس کو بھی اس کا احساس دلایا جانا چاہیے کیونکہ اس سے ہر شخص دوسروں سے متعلقہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت کے ساتھ اپنی وفاداری کا احساس کرے گا اور باہم عوام میں اعتماد کی خوشگوار فضا ہوگی۔

### نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ نظم وضبط کی علامت تھی

نبی اکرم ﷺ کی ساری حیات پاک نظم وضبط کا عملی نمونہ تھی اسی لئے آپ ﷺ کی ذات کو تمام انسانیت کے لیے قابل تقلید اور بہترین نمونہ قرار دیا گیا۔ آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا آپ کے تمام معمولات آپ ﷺ کی گھریلو زندگی نظم وضبط کی پابند تھی۔ اسی طرح معاشرتی زندگی بھی نظم وضبط کی علامت تھی۔ آپ ﷺ نے کبھی کوئی کام اصول وضوابط سے ہٹ کر نہیں کیا۔ کہیں بھی کسی معاملے میں جذبات کی رو میں نہیں بہے اور نہ ہی غصہ اور انتقام کو شیوہ بنایا۔ متحمل مزاجی، بردباری، دیانت داری سے تمام معاشرتی معاملات کو حل کیا۔

آپ ﷺ نے جو معاشرہ قائم کیا اس میں بھی اس بات کا خیال رکھا کہ ہر فرد کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو، قانون کا احترام ہو۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو فروغ دے کر قانون الٰہی کی پابندی کا درس دیا۔ آپ

ﷺ نے ایک خستہ حال معاشرے کو ایک منظم اور مربوط معاشرے میں تبدیل کر دیا۔ اس میں رہنے والے انسانوں کو باہم ایک دوسرے سے مربوط کر دیا۔ انسانیت اور انسانی قدروں کا احترام سب پر لازم قرار دیا اور ایسا مثالی معاشرہ ترتیب دیا جس میں افراد باہم زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔

**نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے منہاج النبی ﷺ**

قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کا مقصد یوں بیان کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ (۵۶)

ترجمہ: "وہی اللہ ہے جس نے امیوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے"۔

چنانچہ آپ ﷺ نے نظم وضبط قائم رکھنے کے لیے لوگوں کے تزکیہ اور ان کی سیرت و کردار کی تشکیل کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور لوگوں کو ان تمام فرسودہ رسومات سے آزادی دلائی جس میں وہ لوگ جکڑے ہوئے تھے۔ انسان روح، عقل اور بدن تینوں کا مجموعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تزکیہ نفس اور تعمیر سیرت و شخصیت کے ذریعے نظم وضبط کا ایسا انقلابی پروگرام مرتب کیا جس کے ذریعے معاشرے میں توازن و تناسب قائم رکھا۔

نظم وضبط کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سب سے پہلے انسان کا تعلق اس کے خالق کے ساتھ جوڑا ہے تاکہ انسان اپنے مقصد حیات کو سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو پہچانے جو نفس اپنے رب کی یاد سے غافل ہو اور اس کائنات میں اپنے مقام و مرتبہ کو نظر انداز کر دیتا ہے، اس کی شخصیت میں کبھی بھی نکھار پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کی ساری توانائیاں اور وابستگیاں صرف ذاتی زندگی اور مفادات تک محدود ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے ہی بنائے ہوئے اصول وضوابط پر عمل کرتا ہے خواہ وہ اصول اس کی شخصیت اور تزکیہ نفس کے لیے زہر قاتل ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے برعکس جو شخص اللہ کی ذات پر ایمان لاتا ہے وہ ہمیشہ اپنے خالق کی رضا و خوشنودی چاہتا ہے اور اپنے آپ کو اخلاق حسنہ سے مزین کر لیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (۵۷)

ترجمہ: "اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں"۔

آنحضرت ﷺ نے اس بات کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

"تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اللہ کو نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے"۔(۵۸)

**۱۔ تصور جوابدہی کے ذریعے نظم وضبط**

نظم وضبط پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان میں شعور بیدار ہو کہ اسے اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے اور اپنے اچھے برے اعمال کا حساب دینا ہے۔ یہ تصور جوابدہی انسان کو ہر قسم کے گناہوں سے باز رکھتا ہے اور وہ فسق وفجور سے بچ کر نیکیوں کی طرح مائل ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے:

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۔ (۵۹)

ترجمہ: "پھر اس (آخرت کے) دن تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا"۔

آنحضرت ﷺ نے اس بات کی وضاحت میں فرمایا، ارشاد نبوی ﷺ ہے: "قیامت کے دن انسان کے قدم آگے نہیں چل سکیں گے، جب تک کہ اس سے ان پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے۔ اس عمر کے بارے میں کہ اسے کن کاموں میں صرف کیا، اس کی جوانی کے بارے میں کہ اسے کن کاموں میں کھپایا، اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جن باتوں کا اسے علم تھا ان پر کہاں تک عمل کیا"۔

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دنیا کو دارالعمل اور آخرت کو دار لجزا بتایا ہے۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے: "دنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔(۶۰)

لہٰذا جس انسان کو یہ ڈر ہو کہ اسے اپنا بویا کاٹنا پڑے گا، وہ ہمیشہ نیک اعمال ہی سر انجام دیتا ہے۔

**۲-خود احتسابی کے ذریعے نظم وضبط**

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نظم وضبط کے لیے خود احتسابی کو بھی ضروری قرار دیا ہے، نماز کی فرضیت وادائیگی کا ایک مقصد خود احتسابی ہی ہے کہ ہم ہر روز پانچ مرتبہ اللہ کے دربار میں حاضر ہوں اور اپنا جائزہ لیں کہ احکامات الٰہی پر کس حد تک عمل کیا ہے۔ اگر انسان بذات خود اپنی اصلاح اور احتساب کے لیے تیار ہو تو اس کی شخصیت کو نشوونما ہوتی ہے اور وہ اعلیٰ سیرت وکردار کا مالک بن جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام میں خود احتسابی کا جذبہ اس حد تک پیدا کر دیا تھا کہ لوگ خود آپ ﷺ کے پاس تزکیہ کے لیے آتے تھے اور اس میں اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کرتے۔ حضرت ماعز اسلمی اور غامدیہ نامی عورت نے زنا کیا تو خود بارگاہ رسالت میں سزا کے لیے حاضر ہوئے اور سنگسار کیے گئے۔

ایک صحابی رسول ﷺ نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت کر لی اور بعد ازاں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اس گناہ سے توبہ کا راستہ بتایئے۔

خود احتسابی میں توبہ اور دعا کا اہم کردار ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: "انسان جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نشان پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لے تو وہ نشان صاف ہو جاتا ہے، ورنہ اس کا سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے"۔

**۳-عبادت کی ترغیب دے کر نظم وضبط کا قیام**

نظم وضبط میں عبادات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، عبادات انسان کی شخصیت میں موجود اس روحانی قوت کو زندہ اور غالب رکھنے کا کام دیتی ہے جو نیکی کی طرف راغب کرتی ہے اور برائی سے روکتی ہے اور وقت کی پابندی کا درس دیتی ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (۶۱) (نساء: ۱۰۳)

ترجمہ: "بے شک نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے ساتھ فرض ہے"۔

روزہ اپنے آپ کو حرام اور ممنوع چیزوں سے روکے رکھنے کا نام ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"جو شخص روزہ کی حالت میں جھوٹ بات اور اس پر عمل ترک نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی حاجت نہیں"۔(۶۲)

زکوٰۃ بھی نظم وضبط میں اہم کردار ادا کرتی ہے، انسان مال کی محبت سے بے نیاز ہو کر ایثار و قربانی، خیر خواہی و بھلائی کا مظاہرہ کرتا ہے اور بہت سی برائیوں قتل، چوری، ظلم، ناانصافی، رشوت اور بے حیائی وغیرہ سے بچ جاتا ہے۔

حج ملی نظم وضبط کا ایک ذریعہ ہے، اسی لئے مکہ کو ام القریٰ یعنی تمام بستیوں کی ماں کہا گیا ہے اسی لیے حج ملت اسلامیہ کی مرکزیت کی علامت ہے۔ مرکز توحید میں اکٹھا ہو کر حاجی ایک خدا کی پرستش، ایک نظام عمل کی پابندی اور ایک مقصد کے لیے جدوجہد میں شریک ہوتے ہیں، اس طرح ایک ہی امام کے اشاروں پر نقل و حرکت کر کے اور مناسک حج کو ایک ترتیب اور سلیقے سے انجام دے کر ملی نظم وضبط کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

حج سے انسان عاجزی، انکساری، محبت و ایثار، مساوات، اخوت اور بھائی چارہ کا سبق سیکھتا ہے، تمام عبادات کا مقصد شخصیت میں روحانیت کو غالب اور نفسانیت اور شیطانیت کو مغلوب کرتا ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے عبادات کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے:

"اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا"۔(۶۳)

## ۴-رزق حلال کی نصیحت کے لیے نظم وضبط

نظم وضبط کے لیے رزق حلال بنیادی شرط ہے، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے رزق حلال کے حصول پر زور دیا ہے۔ فرمان نبوی ہے:

"حلال روزی کا حاصل کرنا فرض کے بعد فرض ہے"۔(۶۴)

مزید فرمایا: "اپنے ہاتھ سے کما کر کھانا سب کھانوں سے بہتر ہے اور حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے"۔ (۶۵)

رزق حرام سے انسان کے اندر بے شمار برائیاں جیسے چوری، ڈاکہ، سود خوری، جوا، ناانصافی، کم تولنا، رشوت ستانی، ملاوٹ اور جسم فروشی وغیرہ جنم لیتی ہے، اس طرح انسانی شخصیت ادھوری اور نامکمل رہتی ہے اور وہ نیکی کی طرف راغب ہونے سے کتراتی ہے، بلکہ اگر وہ نیکی کی طرف راغب بھی ہو تو اس کی عبادت بے اثر رہتی ہے اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے رزق حرام کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"بغیر پاکیزگی کے نماز قبول نہیں ہوتی اور حرام مال سے کیا گیا صدقہ بھی قبول نہیں ہوتا"۔(٦٦)

جو شخص دوسروں کا مال ناجائز اور حرام طریقے سے کھاتا ہے اس میں کبھی بھی ایثار و قربانی، ہمدردی، خیر خواہی، الفت و محبت جیسی صفات پیدا نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی اس کی شخصیت پروان چڑھتی ہے۔

### ۵- نظم وضبط کے قیام کے لیے حرص وہوس کا خاتمہ

آنحضرت ﷺ نے نظم وضبط کے لیے حرس وہوس سے بچنے کی تلقین کی ہے، انسان فطری طور پر مال کی محبت میں مبتلا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۔ (۶۷)

ترجمہ: "اور وہ (انسان) مال کی محبت میں شدید ہے"۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: "اگر انسان کے پاس دو جنگل سونے کے ہوں تو وہ تیسرے کی خواہش کرے گا اور اس کا منہ قبر کی مٹی بھرے گی"۔

لہٰذا مال کی ہوس میں انسان ناجائز ذرائع جیسے ظلم سے دوسروں کا مال ہتھیانا، کم تولنا، رشوت لینا، چوری کرنا، دھوکہ دہی وغیرہ اختیار کرتا ہے، یہ ایسی برائیاں ہیں جو انسان کی سیرت و شخصیت کو داغدار کر دیتی ہیں۔

اس کے برعکس آنحضرت ﷺ نے تزکیہ نفس کے لیے قناعت کی تعلیم دی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"مال و دولت میں تم ان لوگوں کی طرف نہ دیکھو جو مرتبہ میں تم سے بڑھ کر ہیں، بلکہ ان لوگوں کی طرف دیکھو جو تم سے کمتر ہیں، تاکہ جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں وہ تمہاری نظر میں حقیر نہ ہوں"۔

تزکیہ نفس کے لیے ضروری ہے کہ انسان خود کو نفس کی خواہش سے بچائے، قرآن مجید میں ایسے ہی لوگوں کو کامیاب قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۔ (۶۸)

ترجمہ: "جو نفس کی حرص سے بچا لیا گیا وہ اصل میں کامیاب ہے"۔

### ٦- اخلاقی تربیت کے ذریعے نظم وضبط کا حصول

انسانی اخلاق و کردار کا اس کی شخصیت پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اگر وہ اچھے اخلاق و عادات کا مالک ہو گا تو اس کی

شخصیت میں نظم پیدا ہو گا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے اخلاق کی درستگی پر بہت زور دیا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

"مومنوں میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں"۔(۶۹)

مزید فرمایا: "قیامت کے دن بندہ مومن کے ترازو میں حسن خلق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہو گی"۔(۷۰)

آنحضرت ﷺ نے جن اخلاق حسنہ کی تلقین فرمائی ہے ان میں دیانت داری، ایفائے عہد، سچائی، عدل و انصاف، صبر، شکر، قناعت، ایثار و قربانی، عفو و درگزر اور احسان نمایاں ہیں۔ اس کے مقابلہ میں آپ ﷺ نے جھوٹ، منافقت، غیبت، حسد، تکبر وغیرہ رزائل اخلاق سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے تبلیغ کے آغاز میں ہی عقائد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیمات کی اہمیت و فضیلت پر زور دیا ہے، اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے مکہ میں حضرت ارقمؓ کے گھر کو مرکز بنایا اور ہجرت مدینہ کے بعد مسجد نبوی میں اس کا اہتمام فرمایا، آپ ﷺ لوگوں سے بیعت لیتے تو اخلاقی تعلیمات کو اپنانے کی بھی تلقین کرتے تھے۔

## ۷-اصلاح معاشرہ کے ذریعے نظم وضبط کا قیام

آنحضرت ﷺ نے نظم وضبط کے ذریعے انفرادی اصلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی اصلاح پر زور دیا ہے۔ انسان چونکہ فطرتاً اجتماعیت پسند ہے اس لیے فرد اور معاشرہ لازم و ملزوم ہیں، افراد کا اثر معاشرہ پر پڑتا ہے اور معاشرے کا افراد پر، چونکہ افراد کی غالب اکثریت معاشرے کی روح میں بہنے کی عادی ہوتی ہے اس لئے اگر معاشرہ صحت مند افراد کا حامل ہو تو اس کی آغوش میں فرد کے لیے شخصیت کی تعمیر کا عمل آسان ہو جاتا ہے، اس کے برعکس اگر معاشرہ شر و فساد سے بھرپور ہو تو بیشتر افراد خود بخود اسی رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں اصلاح معاشرہ کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی تلقین یوں آئی ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (۷۱)

ترجمہ: "نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور برائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو"۔

آنحضرت ﷺ نے معاشرہ کی اصلاح کے لیے حقوق و فرائض کی ادائیگی پر زور دیا ہے تاکہ معاشرے کا ہر فرد اپنی اپنی ذمہ داری محسوس کرے۔ اسی طرح معاشرہ کی اجتماعی اصلاح کے ساتھ ساتھ انسان کی اپنی سیرت و شخصیت بھی سنورتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

"تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے۔ پس امام لوگوں پر نگہبان ہے

اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے، مرد اپنے اہل خانہ پر نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد پر نگہبان ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے"۔(۷۲)

یہ ایک ایسا زریں اصول ہے جس کے بغیر تزکیہ نفس اور انسانی سیرت کی تشکیل ممکن ہی نہیں ہے۔

**اسلامی معاشرے میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے آپ ﷺ کے اقدامات**

اجتماعیت اور تشکیل معاشرت کے لیے اسلام کی فراہم کردہ بنیادیں اور آنحضرت ﷺ کے عملی اقدامات کی تفصیل درج ذیل ہے:

**۱-حاکمیت الٰہیہ کی بالادستی**

کسی بھی معاشرے کی بنیاد انسانی افکار و نظریات پر ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جس معاشرہ کی تشکیل فرمائی ہے اس میں اللہ تعالی کے حاکم اعلیٰ ہونے کا تصور دیا کہ ہر انسان اللہ کے سامنے بے بس و مجبور ہے اور اسے جو نعمتیں میسر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور انعام ہیں۔ ان افکار کی روشنی میں جو معاشرہ تشکیل پاتا ہے وہ ہر لحاظ سے ایک مثالی معاشرہ ہوتا ہے۔ جو شخص انفرادی طور پر اپنا محتسب ہوتا ہے اور وہ بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے سے ڈرتا ہے ہر وہ عمل کرتا ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ہر اس کام سے بچتا ہے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے:

آنحضرت ﷺ نے حاکمیت الٰہی کے پیش نظر اللہ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے "اللہ سے ڈرو تم جہاں کہیں بھی ہو"۔(۷۳)

مزید فرمایا: "میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ یہ ہر چیز کی ابتدا ہے"۔(۷۴)

خطبہ حجۃ الوداع جو اسلامی معاشرت کا دستور عظیم ہے۔ اس کے آغاز میں آنحضرت ﷺ نے اللہ کی بڑائی اور عظمت بیان فرمائی ہے اور اسی کو ہر طرح کی قدرت و اختیار کا مالک قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلہ۔(۷۵) ترجمہ: "حکم صرف اللہ کے لیے ہے"۔

**۲-اطاعت امیر**

تشکیل معاشرت میں اطاعت امیر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اگر ہر شخص اپنے ہی فیصلہ پر عمل کرے تو نہ تو اجتماعیت کو فروغ مل سکتا ہے اور نہ ہی معاشرہ کی بہتر تشکیل ہو سکتی ہے، امیر سے مراد وہ تمام افراد ہیں جو اپنے اپنے مقام پر اہم حیثیت یا عہدہ پر فائز ہیں۔ قرآن مجید میں ان کو اولی الامر کہا گیا ہے، اطاعت امیر سے معاشرہ میں اتحاد اور یکجہتی پیدا ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اطاعت امیر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر تم پر ناک کٹا ہوا حبشی غلام بھی امیر ہو اور وہ تمہیں قرآن و حدیث کے مطابق لے کر چلے تو اس کی

اطاعت کرو"۔(۷۶)

مزید فرمایا: "جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔(۷۷)

امیر کی اطاعت اگرچہ ایک معاشرتی ضرورت ہے اور ایک صحت مند معاشرہ کے لیے انتہائی لازم ہے تاہم یہ بات یاد رہے کہ امیر کی اطاعت قرآن و سنت کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے اور اگر امیر قرآن و سنت کے منافی کوئی حکم دے تو پھر اس کی اطاعت ضروری نہیں ہے۔

**۳۔ حقوق و فرائض کی تعین**

افراد کے باہم ملنے سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے لہٰذا ہر شخص پر دوسروں کے لیے کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہے جنہیں حقوق کہا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حقوق و فرائض کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے اور اپنی اپنی حیثیت میں ہر فرد کے حقوق و فرائض کی اہمیت کو بھی واضح کیا گیا ہے اور ان کی ادائیگی کی تلقین آئی ہے۔ جیسے غلاموں کے حقوق، یتیموں کے حقوق، کمسن بچوں کے حقوق، ضعیف والدین کے حقوق، رعایا کے حقوق وغیرہ، آنحضرت ﷺ نے بہتر معاشرہ کی تشکیل کے لیے فرداً فرداً سب کے حقوق بیان فرمائے، غلاموں کے بارے میں ارشاد ہے: "تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں"، یتیموں کے بارے میں ارشاد ہے: "یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ساتھ ہوں گے"، بچوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ عورتوں سے عہد لیتے تھے: "وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی" اور ضعیف کے متعلق فرمایا، خوار ہو، خوار ہو، خوار ہو وہ شخص جس نے اپنے والدین میں سے دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے میں پایا اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی"۔

ایسا معاشرہ جہاں کمزور افراد کے حقوق کی پاسداری کی جائے وہاں صاحب اختیار لوگوں کے حقوق کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل پاتا ہے جو ہر لحاظ سے مثالی ہوتا ہے۔

**۴۔ تربیت اولاد**

کسی بھی معاشرہ کی بنیادی اکائی خاندان ہوتا ہے۔ اگر بچوں کی صحیح طور پر اصلاح کی جائے تو اس سے دوررس نتائج نکلتے ہیں، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے بہتر معاشرت کی تشکیل کے لیے اولاد کی تعلیم و تربیت پر بہت زور دیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سے بہترین چیز اچھی تعلیم و تربیت ہے"۔(۷۸)

بچے مستقبل کے معمار ہوتے ہیں اور انہوں نے آگے معاشرہ کی باگ ڈور سنبھالنی ہوتی ہے، اگر ان کو صحیح اقدار سے روشناس کرایا جائے تو معاشرہ مستحکم رہتا ہے، آنحضرت نے اس بات کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"انسان کا اپنی اولاد کو ادب کی ایک بات سکھانا ایک صاع (ساڑھے تین سیر) غلہ صدقہ کرنے سے بہتر ہے"۔(۷۹)

مزید فرمایا: "بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو اسے مار کر نماز پڑھاؤ"۔(۸۰)

**۵-مساوات**

اسلامی معاشرت کی بنیاد وحدت انسانیت، احترام آدمیت اور مساوات انسانی پر رکھی گئی ہے، اس میں رنگ و نسل اور خاندان کی بنیاد پر کسی کو برتری حاصل نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (۸۱)

ترجمہ: "بے شک تم میں اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے"۔

اس بات کی وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر یوں فرمائی ہے:

"کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، فضیلت صرف تقویٰ کی بنا پر ہے"۔(۸۲)

☆ مسجد نبوی اور مسجد قبا کی تعمیر پر آپ ﷺ نے دیگر صحابہ کے ساتھ مل کر کام کیا۔

☆ غزوۂ خندق کی کھدائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی دیگر صحابہ کے ساتھ خندق کھودنے میں شامل تھے۔

آنحضرت ﷺ نے جس معاشرہ کی تشکیل فرمائی اس میں حضرت بلال حبشی، حضرت صہیب رومیؓ کو وہ مقام و مرتبہ حاصل تھا جو عرب کے شرفاء کو بھی حاصل نہ تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت بلال حبشیؓ کو "سیدی" میرے آقا کہہ کر پکارتے تھے۔

**۶-عدل وانصاف**

کسی بھی معاشرہ کی بقا اور سالمیت کا انحصار عدل و انصاف پر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں عدل کی تلقین یوں آئی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ۔ (۸۳)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے"۔

اجتماعیت اور بھائی بندی کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ظالم سے مظلوم کو اس کا حق دلایا جائے۔ آنحضرت ﷺ ہمیشہ عدل و انصاف سے فیصلہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت اسامہؓ نے فاطمہ نامی عورت کی سزا

ختم کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ سے سفارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا "اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا"۔

اس میں آپ ﷺ اپنے بیگانے، امیر غریب، ادنی و اعلیٰ کی تمیز نہیں رکھتے تھے۔ ہمیشہ حق کے ساتھ فیصلہ فرماتے، ایک مرتبہ ایک یہودی اور مسلمان (منافق) کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ یہودی حق پر تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے اس کے حق میں فیصلہ دیا۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: "عدل کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے"۔

**۷-جان ومال اور عزت کا تحفظ**

اجتماعیت و تشکیل معاشرت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ لوگوں کی جان و مال اور عزت کا تحفظ کیا جائے۔ اسلام میں انسانی جان کو محترم بتایا گیا ہے اور کسی بھی شخص کو ناحق قتل کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسی طرح ظلم سے دوسروں کا مال ہتھیانا اور کسی کی عزت پر حملہ کرنا بھی اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: "تمہاری جان، مال اور عزت دوسروں کے لیے ایسے ہی محترم ہے جیسے آج کا دن یہ شہر (مکہ) اور یہ مہینہ (ذوالحجہ) محترم ہے"۔(۸۴)

مزید فرمایا: "مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں"۔(۷۵)

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے یوں فرمایا: "مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے"۔

عزت کی حفاظت کے ضمن میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"مسلمان آنکھ سے بھی ایسا اشارہ نہ کرے جس سے دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچے"۔(۸۶)

**۸-حقوق نسواں کا تحفظ**

اسلام سے قبل عورتوں کو کوئی حقوق حاصل نہ تھے، حالانکہ وہ معاشرہ کا اہم حصہ ہیں اور ان کو شامل کیے بغیر تشکیل معاشرت کا عمل مکمل نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت ﷺ نے جو معاشرہ تشکیل فرمایا، اس میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق عطا فرمائے۔ عورت کی عظمت کو بحیثیت ماں واضح کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے"۔(۸۷)

آنحضرت ﷺ کی رضاعی والدہ آپ ﷺ سے ملنے آتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے عورت کو بحیثیت بہن بھی بلند مقام دلایا۔ غزوۂ حنین میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن گرفتار ہو کر آئیں تو آپ ﷺ نے ان کے احترام میں اپنی چادر بچھا دی اور ان کے کہنے پر ان کے قبیلہ کے تمام قیدی

بغیر فدیہ لیے رہا کر دیے۔

بیٹی کا مقام بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: "جس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی اور اس نے جاہلیت کے طریقہ پر اس کو قتل نہ کیا اور نہ بیٹوں کو اس پر ترجیح دی وہ اور میں قیامت میں ساتھ ہوں گے"۔

بیوی کے بارے میں فرمایا: "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لیے بہتر ہے"۔(۸۸)

**۹-معاشی تحفظ**

معاشرہ میں فساد اور بدامنی کا ایک پہلو معاشی عدم تحفظ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے نہ صرف لوگوں کا مال ہتھیانے سے منع فرمایا بلکہ محنت سے روزی کمانے کی تلقین بھی کی۔

فرمان نبویؐ ہے: "محنت کش اللہ کا دوست ہے"۔(۸۹)

آپ ﷺ نے ایسے معاشرہ کی تشکیل کی جہاں تمام لوگوں کو روزگار کے یکساں مواقع حاصل تھے اور جو افراد کسی معذوری کے باعث معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے قاصر ہوں، زکوٰۃ اور صدقات کی شکل میں ان کی ضروریات کا تحفظ فرمایا گیا۔ آپ ﷺ نے صدقہ و خیرات کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر میرے لیے اُحد پہاڑ کو سونا بنا دیا جائے تو میں پسند کرتا ہوں کہ اسے بھی راہ خدا میں تقسیم کر دوں"۔(۹۰)

**۱۰-اخلاقی اقدار کا فروغ**

آنحضرت ﷺ نے اسلامی معاشرہ میں اخلاقی اقدار کو فروغ دیا۔ آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"بے شک مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے"۔(۹۱)

لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: "بے شک تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں"۔(۹۲)

جس معاشرہ کے افراد اخلاق حسنہ (سچائی، ایثار و قربانی، ایفائے عہد، عدل، امانت، سخاوت، شرم و حیا) سے مزین ہوں گے۔ وہ معاشرہ ہر طرح سے خوشحال اور صحت مند معاشرہ ہو گا اور جس معاشرہ میں اخلاق سیئہ (جھوٹ، منافقت، غیبت، تکبر، دھوکہ دہی، حسد) کا دور دورہ ہو۔ ایسا معاشرہ ہمیشہ تنزل کا شکار رہتا ہے۔ اس معاشرے میں بھائی چارہ اور اخوت و اتحاد کا فقدان ہوتا ہے۔ احترام باہمی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے جو معاشرتی بردباری کا باعث بنتا ہے۔

**۱۱-مذہبی دل آزری کی ممانعت**

آنحضرت ﷺ نے ایک مخلوط معاشرہ کی بنیاد رکھی جہاں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ اقلیتوں کے حقوق

کے تحفظ کی بھی ضمانت دی گئی ہے۔ آپ ﷺ کے قائم کردہ معاشرہ میں جبر و کراہ کی بجائے رواداری نظر آتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے قائم کردہ معاشرہ میں اقلیتوں کو نہ صرف مذہبی آزادی حاصل تھی بلکہ ان کی عبادت گاہیں بھی محفوظ تھیں اور وہ اپنی رسومات اپنی مرضی سے ادا کر سکتے تھے۔

فتح خیبر کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے خیبر کی زمینیں یہودیوں کے پاس رہنے دیں۔

آنحضرت ﷺ اپنے غیر مسلم ہمسایوں کے لیے ہدیہ بھیجا کرتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کی عیادت کے لیے بھی تشریف لے جاتے تھے۔

**۱۲-ملت اسلامیہ کی وحدت**

اسلام وحدت نسل انسانی کا علمبردار ہے، یہ عالمی تصور اسلام ہی کا مرہون منت ہے، اس سے پہلے یہ تصور کسی اور مذہب نے نہیں دیا، یہاں تک کہ الہامی مذاہب و ادیان بھی متقاضی وحدت پر ہی زور دیتے رہے۔ اسلام نے ہی یہ اعلان کیا کہ

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔

"سب لوگ ایک ہی قوم تھے"۔

انسان وحدت کی بنیاد چونکہ تخلیق پر ہے اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۔ (۹۳)

ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے گروہ اور قبیلے بنائے تاکہ تم پہچان سکو"۔

اس کی مزید وضاحت اللہ کے رسول ﷺ نے یوں فرمائی:

"کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر اور گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں تم سب برابر ہو اور آدم کی اولاد ہو جنہیں مٹی سے پیدا کیا گیا تم میں بڑا وہ ہے جو پرہیز گار ہے"۔(۹۴)

نسل انسانی کی وحدت کا یہ اعلان اس بات کا متقاضی ہے کہ تمام دنیا کے انسان پر امن بقائے باہمی کے اصولوں کے پیش نظر صلح و آشتی کے ساتھ اس دنیا میں زندگی گزاریں۔

اس عالمی تصور وحدت کے ساتھ ساتھ اسلام کا اپنی وحدت کا تصور بھی ہے جسے "اتحاد المسلمین" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ امت مسلمہ کا تصور ہے اس کی طرف قرآن حکیم میں اس طرح توجہ دلائی گئی ہے:

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۔ (۹۵)

"یہ تمہاری جماعت ایک ہے اور میں تمہارا رب ہو سو میرا تقویٰ اختیار کرو"۔

اس میں خطاب مومنوں سے ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک ہی ملت و قوم ہیں۔ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور اللہ کی رسی سے مراد دین اسلام ہے یعنی تم سب کی وابستگی دین اسلام کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اس سے مراد قرآن حکیم بھی ہے جو دین اسلام کا سرچشمہ ہے، مسلمانوں کی وحدت کی بنیاد دین اسلام ہے۔ نہ تو انہیں نسل کی بنیاد پر متحد کیا جاسکتا ہے اور نہ رنگ، زبان کی بنیاد پر۔ یہ تمام بنیادیں قومیت کے تصور کو اجاگر کرتی ہیں جو اسلام کی روح سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتیں۔ اسلام ان تمام مفاخر کو ختم کرنے کے لیے آیا تھا، اسلامی وحدت کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے ہمیں چند ایک بنیادیں تلاش کرنا ہوں گی تاکہ انہی بنیادیوں پر اتحاد کی عمارت استوار کی جائے۔

## وطن عزیز میں نظم وضبط کی ضرورت

ہمارا پیارا وطن پاکستان اور ہماری پاک سرزمین جسے ہمارے اسلاف نے لاکھوں قربانیاں دے کر حاصل کیا ہے، آج اگر ہم پاکستان کا نام لیتے ہیں تو ان بزرگان باوفا کی لہو رنگ جدوجہد اور سچے جذبات ہمارے ذہنوں کے پردوں پر اجاگر ہوتے ہیں اور یہ احساس دلاتے ہیں کہ بزرگوں کے سچے جذبے، صفوں میں اتحاد، تنظیم اور یقین محکم کا نعرہ لے کر آگے بڑھتے رہیں، سختیوں، صعوبتوں اور مشکلات کے باوجود ایک نعرہ، ایک پرچم اور ایک قیادت کے سائے تلے ایک آواز بلند کی تو فاران کی چوٹیوں پر چمکنے والی چودہ سو سال پہلے کی شفق ایک کشور حسین پاکستان کی شکل میں جنوبی ایشیا کے ماتھے کا جھومر بنی۔

نظم وضبط قوم کے درمیان چکی کے سلاخ کی طرح ہے جس طرح سلاخ سے چکی کی قوت وابستہ ہے۔ اسی طرح قوموں کے درمیان نظم وضبط قوت ہے۔ اگر چکی کے درمیان سلاخ کو ہٹا دیا جائے تو چکی کا گھومنے والا حصہ کبھی ادھر کبھی ادھر حرکت کرے گا یوں پیسنے کا عمل صحیح طور پر انجام نہیں پاسکے گا، یہی حال ہماری قوم میں بد نظمی کا ہے۔ ہمارے لیے چکی کی وہ سلاخ نظم وضبط ہے جب وہ سلاخ یعنی نظم وضبط نہ رہے تو قوم کبھی ادھر منتشر ہوتی ہے کبھی ادھر اگر ہمیں ترقی کرنی ہے اور بحیثیت قوم زندہ رہنا ہے، ذہنی سکون اور اطمینان حاصل کرنا ہے تو قرآن اور نبی اکرم ﷺ کی سیرت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے جوڑنا ہوگا، اپنی صفوں میں اتحاد برقرار رکھنا ہوگا کیونکہ

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدے بے ذوق
کہ جذبے اندروں باقی نہیں ہے (۹۶)

**خلاصہ بحث**

ہم مسلمان ہیں، ہم ایک نبی ﷺ کی امت ہیں، ہم ایک جذبے، ایک رشتے سے منسلک ہیں، وہ رشتہ خدا کی کتاب ہے اور سنت رسول ﷺ سے وابستگی ہے، ہم ایک مشن، ایک مقصد، ایک نظریے کے مالک ہیں لہٰذا ہمیں نظم وضبط کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا چاہیے اور ہر حال میں قانون وضوابط کی پابندی کرنی چاہیے، ملکی قوانین وضوابط ہماری بہتری کے لیے بنائے جاتے ہیں، ان کی عدم موجودگی میں کسی کے حقوق کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، مفاد پرستی، خود غرضی، ڈسپلن کی خلاف ورزی جہاں دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث ہے وہاں خود ہمارے لیے بھی وبال ہے۔

ہم نے ایک قائد، ایک پرچم اور جماعت کی قیادت میں ایمان، اتحاد اور تنظیم کا نعرہ لگا کر وطن عزیز حاصل کیا تھا کہ ہم اللہ کی حکمرانی کو تسلیم کریں گے، ہم دستور کی پابندی کریں گے، ہم رنگ ونسل اور زبان کے اختلاف کے باوجود ایک صف میں کھڑے رہیں گے، ہم ذاتی مفاد کو اجتماعی مفاد پر قربان کریں گے، ہم دینی اصولوں اور نظریات کو قائم رکھیں گے، ہم اپنی مٹی سے پیار کریں گے، ہم اپنی نیت میں دیانت رکھیں، امانت اور ایثار کے تیل سے جلائیں گے۔

ہم میں سے کوئی مزدور ہو یا کارخانہ دار، کسان ہو یا بڑا زمیندار، ایک خاک نشین ہو یا اونچے محل کا باسی، ایک طالب علم ہو یا عزت مآب استاذ ایک چپڑاسی ہو یا اعلیٰ افسر ہم اپنے فرض کو پہچان کر رکھیں گے، اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں گے، ہم اپنا محاسبہ کرتے رہیں گے کہ ہمارے طرز عمل سے ہماری صفوں میں انتشار تو پیدا نہیں ہو رہا، ہمیں ایک بار گریبان ٹٹولنے کی ضرورت ہے، کیا ہم نے دین اسلام کا دیا ہوا اور درس نظم وضبط اپنایا ہوا ہے، کیا ہم اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہیں؟ کیا ہم نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں؟ کیا ہم بڑوں کا، بزرگوں کا احترام کرتے ہیں؟ کیا ہم اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہیں؟ کیا ہم نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں؟ کیا ہم بڑوں کا، بزرگوں کا احترام کرتے ہیں؟ کیا ہم ملکی قوانین کی پاسداری کرتے ہیں؟ کیا ہم دستور و آئین کی پابندی کرتے ہیں؟ کیا ہم دوسروں کے حقوق ادا کرتے ہیں؟ کیا ہم ریاست کے وفادار ہیں؟ کیا ہم ملکی تعمیر وترقی میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں؟ کیا ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔

ہم اپنے آپ کو ضمیر کی عدالت میں کھڑا کر کے ان سارے سوالات کا جواب پوچھیں تو یقیناً نفی میں ملے گا اور اگر نفی میں ملے تو دیانت داری کے ساتھ اپنا محاسبہ کر کے راہ راست پر آنے کی کوشش کریں۔ کبھی بارش کا پہلا قطرہ بھی بڑا مفید ثابت ہوتا ہے کہ اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

## آئین عہد کریں

حقیقت جذبہ صادق کی نمایاں کر کے چھوڑیں گے
قضا و قدر کے اسرار عریاں کر کے چھوڑیں گے
صدائے حق نے توڑا ہے جمود ملت بیضا!
اسے تاریخ کا تابندہ عنوان کر کے چھوڑیں گے
تمہاری کور ذوقی سے اندھیرے چھا گئے ہر سو
ہم اپنے فکر سے ماحول درخشاں کر کے چھوڑیں گے
جلانا ہے ہمیں ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑیں گے

## حواشی وحوالہ جات


(۱) علامہ اقبال، کلیات اقبال، شیخ بشیر اینڈ سنز اردو بازار لاہور، ص ۲۱۳۔
(۲) مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۲، ص ۲۴۰۔
(۳) فیروز الغات، فیروز سنز اردو بازار لاہور، ص ۶۴۸۔
(۴) آکسفورڈ ڈکشنری، نیویارک ۱۹۹۶، ص ۴۰۴۔
(۵) علمی کتب خانہ لاہور، ص ۱۳۲۳۔
(۶) عربی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۲۰۰۰، ص ۶۱۹۔
(۷) سورہ حدید: ۲۵۔
(۸) سورہ حج: ۴۱۔
(۹) سورہ آل عمران: ۱۱۰۔
(۱۰) سورہ مائدہ: ۲۔
(۱۱) البخاری، محمد بن اسماعیل، بخاری، کتاب الایمان، رقم حدیث ۹۷۱۔
(۱۲) علامہ اقبال، کلیات اقبال، ص ۲۲۱۔
(۱۳) سورہ بقرہ: ۶۰۔
(۱۴) سورہ بقرہ: ۱۹۱۔

(۱۵) سورہ نساء:۵۹۔
(۱۶) بخاری، کتاب الادب، رقم حدیث ۹۷۱۔
(۱۷) ایضاً۔
(۱۸) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم ۱۰۰۲۔
(۱۹) علامہ اقبال، کلیات اقبال، ص ۲۱۹۔
(۲۰) سورہ نساء:۶۵۔
(۲۱) سورہالانعام:۵۰۔
(۲۲) سورہ الاحزاب:۲۱۔
(۲۳) سورہ آل عمران:۳۱۔
(۲۴) سورہ نساء:۴۶۔
(۲۵) سورہ نساء:۸۰۔
(۲۶) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۹۲۱۔
(۲۷) ایضاً۔
(۲۸) ایضاً۔
(۲۹) صحیح بخاری، کتاب الامارہ، ج ۲، رقم حدیث ۹۰۲۔
(۳۰) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، ج ۳، رقم حدیث ۱۰۰۰۔
(۳۱) صحیح بخاری، کتاب الایمان، ج ۲۔
(۳۲) سورہ نساء:۵۹۔
(۳۳) سورہ الاحزاب:۷۱۔
(۳۴) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۹۳۸۔
(۳۵) کتاب الخراج، ص ۸۲۔
(۳۶) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، ج ۳، رقم حیدث ۱۰۰۲۔
(۳۷) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۱۰۰۷۔
(۳۸) بحوالہ ایس ایم شاہد، مسلمانوں کے سیاسی افکار وادارے، ایورنیک بک پلیس لاہور، ص ۱۹۔
(۳۹) پروفیسر رشید احمد مسلمانوں کے سیاسی افکار، ادارہ ثقافت لاہور، طبع دوم، ص ۱۹۳۔

(۴۰) مسلمانوں کے سیاسی افکار، ص ۱۹۲۔
(۴۱) صحیح بخاری و مسلم۔
(۴۲) سورہ الاعراف:۸۵۔
(۴۳) سورہ مجادلہ:۲۰۔
(۴۴) سورہ مائدہ:۲۔
(۴۶) بخاری، کتاب الادب۔
(۴۷) کنوز الحقائق حرف التار۔
(۴۸) سورہ بقرہ:۲۱۹۔
(۴۹) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۱۹۴۷۔
(۵۰) مسند احمد بن حنبل۔
(۵۱) سورہ نحل:۱۶۔
(۵۲) سورہ حجرات:۹۔
(۵۳) سورہ بقرہ:۶۰۔
(۵۴) سورہ بقرہ:۱۹۱)۔
(۵۵) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۱۳۱۲۔
(۵۶) سورہ جمعہ:۲۔
(۵۷) سورہ رحمٰن،۱۴۶۔
(۵۸) صحیح بخاری، کتاب الایمان، رقم حدیث ۹۷۳۔
(۵۹) سورہ التاثر:۸۔
(۶۰) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۱۲۱۴۔
(۶۱) سورہ نساء:۱۰۳۔
(۶۲) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۷۱۹۔
(۶۳) صحیح بخاری و مسلم، کتاب الاحکام، باب الصلوٰۃ، رقم ۹۴۷۔
(۶۴) صحیح بخاری، کتاب الفرائض، ج ۲، رقم حدیث ۱۶۳۴۔
(۶۵) ایضاً، رقم حدیث ۱۶۳۵۔

(٦٦) صحیح بخاری، کتاب الفرائض، ج۳، رقم حدیث ۱۶۴۵۔
(٦٧) الحدید:۸۔
(٦٨) سورہ حشر:۹۔
(٦٩) صحیح بخاری، کتاب الادب، ج۳، رقم حدیث ۱۲۱۹۔
(٧٠) ایضاً، رقم حدیث ۱۲۲۰۔
(٧١) سورہ مائدہ:۲۔
(٧٢) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، ج۲، رقم حدیث ۱۰۰۲۔
(٧٣) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۲۰۱۹۔
(٧٤) ایضاً، رقم حدیث ۲۰۲۱۔
(٧٥) سورہ یوسف:۴۰۔
(٧٦) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۱۹۲۰۔
(٧٧) ایضاً، رقم حدیث ۲۰۲۲۔
(٧٨) صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم حدیث ۱۲۱۸۔
(٧٩) ایضاً، رُحدیث ۱۲۱۹۔
(٨٠) ایضاً، رقم حدیث ۱۲۲۰۔
(٨١) سورہ حجرات:۱۳۔
(٨٢) صحیح بخاری، کتاب المناقب، ج۲، رقم حدیث ۸۶۳۔
(٨٣) سورہ نحل:۹۰۔
(٨٤) صحیح بخاری، کتاب الایمان، ج۳، رقم حدیث ۱۶۲۳۔
(٨٥) ایضاً، رقم حدیث ۱۶۲۵۔
(٨٦) ایضاً، رقم حدیث ۱۶۲۵۔
(٨٦) ایضاً، رقم حدیث ۱۶۲۳۔
(٨٧) صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم حدیث ۹۱۴۔
(٨٨) صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم حدیث ۹۱۵۔
(٨٩) صحیح بخاری، کتاب الفرائض، رقم حدیث ۲۰۳۸۔

(۹۰) ایضاً، رقم حدیث ۲۰۴۰۔
(۹۱) صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم حدیث ۹۲۳۔
(۹۲) ایضاً، رقم حدیث ۹۳۳۔
(۹۳) سورہ نساء:۱۔
(۹۴) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم حدیث ۹۷۳۔
(۹۵) سورہ مومنون:۵۲۔
(96) علامہ اقبال، کلیات اقبال، ص۱۲۹۔